جلد اول کشف اللغات

بسم الله الرحمن الرحیم

الحمد لله رب العالمین والعاقبة للمتقین والصلوة والسلام علی رسوله محمد و آله اجمعین وسلم تسلیما کثیرا کثیرا یا ارحم الراحمین اما بعد حمد و صلوة متزاید اضعف من العباد و خادم الفقرا فقیر حقیر بنده رب غفور عبد الرحیم ابن احمد سور که این فقیر اگرچه قابلیت و استعداد سبق گفتن علم نظم و نثر نداشت اما از یاران و برادران و فرزندان چاره نبود که اکثر اوقات که اکثر اوقات می آمدند و پیش در علم اصطلاحات میکردند و تشویش وقت حال میدادند یکی می آمد و پیش میکرد که عشق معشوق و عاشق و شاهد و قد و زلف و ابرو و چشم و مژه و روی و خط و خال و لب و دندان و بوسه و کنار و میان و غمزه و کرشمه و ناز و لطف و عشوه و وصال و فراق و مست و سبو و جام و جلال و مهر و محبت و ذوق و شوق و مست و خرابات

ابرو

نگاہ و گناہ

(از مولینا سیماب اکبرآبادی)

رحمت سے واسطہ ہے نشاطِ گناہ کو
اس روشنی میں دیکھ کبھی روسیاہ کو

منزل سے بیر ہی سہی شبہائے ماہ کو
تارا سمجھ رہا ہوں ہر اک سنگِ راہ کو

اتنا بلند کر نظرِ جلوہ خواہ کو
جلوے خود آئیں ڈھونڈنے تیری نگاہ کو

آنکھوں میں بھر کے جلوۂ عالم پناہ کو
ہمت نہیں کہ دیجئے جنبش نگاہ کو

ہم بے نیازِ میکدہ و جام ہو گئے
ساقی بنا کے ایک نشیلی نگاہ کو

اب نیکیوں کا ذکر بھی ہوتا نہیں کہیں
جب سے الٹ دیا ہے بساطِ گناہ کو

فطرت نے خوب میری خرابی کی سیر کی
پردہ بنا کے ظلمتِ شامِ گناہ کو

اس سے ہے کائنات کی راتوں کی آبرو
ہنس کر نہ دیکھ میری گلیمِ سیاہ کو

میرے مآلِ دید کی بیچارگی نہ پوچھ
سو بجلیوں نے گھیر لیا اک نگاہ کو

تسنیم اک تصورِ بے کیف ہے جہاں
ان رفعتوں میں ڈھونڈ دماغِ گناہ کو

ہم اور تنگ ظرفیٔ پروازِ یک نگاہ!
خوش ہیں کہ لوٹ لائے تری جلوہ گاہ کو

ذہنِ ازل کی شعبدہ کاری تو دیکھئے!
دنیا بنا دیا ہے فریبِ نگاہ کو

آنکھوں نے، دل نے، روح نے، وہم و خیال نے
تقسیم کر لیا ہے تری جلوہ گاہ کو

سیماب ہیں یہ راہِ قناعت کی ٹھوکریں
پہچانتا ہوں طرہ و تاج و کلاہ کو

اسباب جنگ یورپ و مشرقی خفیہ محکمہ خبر انگریزی

(NEAR EASTERN INTELLIGENCE

پہلی جنگ یورپ کی تیاری دراصل مدت سے پہلے ہورہی تھی۔ جرمنی کی سلطنت کو قایم ہوئے بہت تھوڑا عرصہ ہوا تھا ۱۸۷۱ء تک اس سلطنت کا کوئی نام و نشان موجود نہ تھا۔ اور ملک جرمنی راجپوتانہ کی طرح چھوٹی چھوٹی ریاستوں میں بٹا ہوا تھا جن میں ایک ریاست پرشیا نام کی بھی تھی۔ ۱۸۶۲ء میں جب پرنس بسمارک پرشیا کا وزیر اعظم ہوا تو اس کی دانائی سے جرمنی کی تمام اور ریاستیں رفتہ رفتہ زیر کر کے پرشیا میں ملا دیں۔ اور ایک سلطنت جرمنی کی قایم کر دی۔ جرمن سے متصل مشرق کی جانب آسٹریا اور ہنگری کی سلطنت تھی۔ جو اسوقت ایک زبردست طاقت خیال کی جاتی تھی بسمارک نے دیکھا کہ آسٹریا کو ایک دفعہ زیر کئے بغیر جرمنی ترقی نہیں کر سکیگا۔ اس لئے در پردہ لڑائی کی تیاری کر کے ایک بہانے سے ۱۸۶۶ء میں آسٹریا سے لڑائی کر کے اور اس کو کامل شکست دے کر زیر کیا۔ لیکن چونکہ آئیندہ اس کے ساتھ دوستانہ تعلق رکھنا منظور تھا اس لئے کوئی حصہ آسٹریا کا جرمنی میں نہیں ملایا اس کے بعد ۱۸۷۰ء میں بسمارک نے فرانس سے جنگ کر کے اس کو شکست دی۔ فرانس اسوقت تک یورپ کی سب سے زبردست سلطنت خیال کیا جاتا تھا۔ جرمن کی فوج فتح پاتی ہوئی فرانس کے دارالخلافہ پیرس میں داخل ہو گئی۔ اور یہاں کا پریسیڈنٹ نپولین سوئم فرانس کا علاقہ السیس (ALSACE) اور لورین (LORAIN) جرمنی کے حوالے کر کے صلح کرنے پر مجبور ہوا۔ پے در پے فتوحات نے دنیا میں جرمن کی دھاک بٹھا دی۔

جرمنی کی آبادی سرعت کے ساتھ بڑھ رہی تھی۔ انڈسٹری یعنی حرفت جرمنی کی حیرت انگیز ترقی کر رہی تھی۔ لیکن اس کی تجارت کا میدان رکا ہوا تھا۔ افریقہ کے تمام حصے انگلستان۔ فرانس۔ اور بلجیم وغیرہ کے قبضے میں آ چکے تھے۔ ہندوستان۔ مستعمرات آسٹریلیا اور ملایا انگریزوں کی سلطنت کا جزو بن چکے تھے۔ سیام پر فرانسیسیوں کا اجارہ تھا۔ جاوا ڈچ والوں کے ہاتھ میں تھا۔ اور چین کی تجارت کے دعویدار انگلینڈ۔ روس اور جاپان تھے جرمنی کی تجارت کا راستہ سلطنت عثمانیہ کے وسیلے سے ٹرکی۔ عرب۔ فارس۔ افغانستان ہندوستان۔ وسط ایشیا اور مصر کی جانب کھلتا تھا۔ جو ٹرکی کے ساتھ اتحاد پیدا کرنے اور اس کو زبردست طاقت بنا دینے سے حاصل ہوتا تھا۔ اس لئے جرمنی نے ٹرکی سے دوستی پیدا کی اور ٹرکی جرمنی کے سہارے سے دنیا بھر کے مسلمانوں کو ایک دھاگے میں پرو کر ایک زبردست اسلامی قوت ملنے کا خواب دیکھنے لگا۔ اور قیصر اسلامی ترقی دا اتحاد کا معاون بنا۔ چنانچہ ۱۸۹۸ء میں قیصر جرمن دمشق گیا۔ اور اس نے ایک اسپیچ دی۔ اور علانیہ طور پر مسلمانوں کا حامی ہونے [illegible] کا اظہار کر دیا۔ اس کے بعد ۱۹۰۳ء میں

سوانح عربی لارنس

(از قلم شریت پروفیسر بی۔ ایم۔ ٹی۔ ال۔ ماتھر)

گزشتہ سے پیوستہ

ٹرکی اور جرمنی کے درمیان یہ طے ہوا کہ جرمنی کے دارالخلافہ برلن سے قسطنطنیہ تک اور وہاں سے ایک طرف بغداد کو اور دوسری طرف حجاز کو ریلوے لائن بنائی جائے۔ برلن۔ بغداد کی ریل آگے بڑھ کر فارس میں جائے۔ جہاں سے وہ افغانستان جا سکتی تھی اور حجاز ریلوے جنوب کی جانب بڑھ کر نہر سویز تک پہنچ سکتی تھی۔ جہاں سے جرمن اور ٹرکی کا سیدھا تعلق ہو سکتا تھا سلطنت برطانیہ کے لئے یہ بڑا بھاری خطرہ تھا۔ ۱۹۰۸ء میں نوجوان ٹرکی پارٹی نے غدر کر کے سلطان کو معزول کر دیا۔ اگرچہ انگلینڈ غیر سلطنتوں میں غدر برپا کرنے کا مرکز تھا۔ لیکن ٹرکی نوجوان پارٹی کے برسر حکومت ہو جانے سے اُلٹا یہ نتیجہ ہوا کہ نئی گورنمنٹ کا انتظام سلطنت پہلے سے بہت بہتر ہو گیا۔ مگر دوسری قوموں کے ساتھ ٹرکی کے تعلقات بدستور قایم رہے۔ اور ٹرکی اور جرمنی کا اتحاد اسی طرح بنا رہا۔ دوسری مصیبت برطانیہ کے لئے جرمنی سے یہ پیدا ہو گئی کہ جرمن انڈسٹری یعنی حرفت بھی اُن ہی چیزوں میں بڑھنے لگی جو اب تک صرف انگلینڈ کے ہاتھ میں تھیں۔ سب سے مقدم ان میں لوہے کی انڈسٹری تھی۔ اب تک انگلینڈ لوہے کا سامان تیار کرنے میں تمام دنیا کا سرتاج بنا ہوا تھا۔ توپ۔ بندوق۔ دوسرا سامان حرب۔ جہاز اور ہر طرح کے انجن۔ مشین اور کل اور پرزے دنیا بھر میں انگلینڈ سے تیار ہو کر جاتے تھے۔ لیکن فرانس کے علاقے اُلسیس اور لورین جرمن کے ہاتھ لگتے ہی جرمنی میں زبردست کارخانے لوہے کا سامان تیار کرنے کے کھل گئے۔ سامان جنگ۔ کل۔ پرزے اور انجن وغیرہ بنانے میں جرمنی آناً فاناً میں ترقی کرنے لگا۔ اور تھوڑے ہی دنوں میں انگلینڈ پر سبقت لے گیا۔ ۱۹۱۳ء میں جنگ سے ایک سال پہلے جرمن کارخانوں میں ایک کروڑ ستر لاکھ ٹن فولاد کا سامان۔ اور ساڑھے سو کروڑ ٹن لوہے کا ڈھلواں سامان تیار ہوا۔ اور اس کے مقابلے میں انگلینڈ کے کارخانوں میں صرف ۷۰ لاکھ ٹن فولاد کا اور ایک کروڑ بیس لاکھ ٹن کے قریب ڈھلا ہوا سامان لوہے کا تیار ہوا۔ انگلینڈ کا بڑا ادعوی تھا کہ جہازی بیڑہ اس کا اتنا زبردست ہے کہ سمندر پر ہمیشہ اس کا قابو رہے گا۔ اور دوسرے ملکوں کی تجارت اس کی وجہ سے فروغ نہیں پا سکیگی۔ لیکن جرمنی نے چار سال میں ہی زبردست جہازی بیڑہ بھی ایسا بنا لیا۔ اگرچہ لڑائی سے پہلے انگلینڈ کے پاس ۴۴ جہاز بہت بڑی قسم کے قلعوں کی مانند اور بڑی مار کی توپوں سے تھے جن کا نام ڈریڈناٹ DREAD NAUGHT تھا (یعنی ایسے زبردست جہاز جن کو کسی قسم کا خوف نہیں) اور ۲۷ جہاز اس سے کم درجے کے تھے اور ۸۳ کروزر یعنی ہلکے اور ہلکی توپوں کے جہاز تھے۔ جو سمندر میں گشت لگاتے اور ایسا کام دینے کے لئے ہوتے ہیں جیسا سواروں کا رسالہ خشکی میں دیتا ہے اور جرمن کے پاس بیس بڑے نئی قسم کے جہاز تھے اور ۴۹ کروزر (CRUISER) تھے مگر انہوں نے چالیس ایک اور نئی قسم کے ایسے جہاز تیار کئے تھے جو آبدوز تھے۔ یعنی پانی کے اندر اندر چلتے تھے اور نظر نہیں آتے تھے۔ اور جو کہ سب میرین (SUB-MARINE) کہے جاتے ہیں۔ لڑائی میں جرمن نے اپنے بڑے جنگی جہاز زیادہ تر محفوظ رکھے۔ اور صرف چند کروزر اور سب میرین سے کام لیا۔ اور جو نقصان جرمن سب میرین نے انگریزی جنگی بیڑے کو پہنچایا وہ اس سے ظاہر ہے کہ اس وقت ۱۹۳۵ء میں سلطنت برطانیہ کے پاس ایک سو نو جنگی جہازوں کی بجائے کل پندرہ جہاز موجود ہیں جن میں سے تین لڑائی کے بعد بنے ہیں اور ۵۴ کروزر ہیں۔ اس کے علاوہ تجارتی جہاز اور آدمی جس قدر غرق آب ہوئے ان کا کوئی شمار نہیں۔ اگر صلح کی شرائط میں یہ شرط نہ ہوتی کہ جرمن بحری بیڑہ نہ رکھنے پائے تو یورپ میں اب جرمن سب سے بڑی بحری قوت ہوتی۔

فرانس اور انگلینڈ کی ہمیشہ سے سانپ اور نیولے کی سی عداوت چلی آتی تھی۔ لیکن جرمنی کے خوف نے دونوں کی عداوت ٹھنڈی کر دی۔ فرانس جن صنعتوں میں ترقی کر رہا تھا اور جو چیزیں فرانس میں تیار ہوتی تھیں وہ ان چیزوں سے مختلف تھیں جو انگلینڈ میں تیار ہوتی تھیں۔ اس لئے انگریزوں کو تجارت اور حرفت کے معاملہ میں کوئی حسد فرانس سے نہ تھا۔ اور جرمنی کی دن دُونی اور رات چوگنی بڑھتی ہوئی طاقت فرانس اور انگلینڈ دونوں کے لئے خطرے کا باعث تھی۔ اسلئے رفتہ رفتہ انگلینڈ اور فرانس دونوں جرمن کے خلاف باہمی اتحاد کی ضرورت محسوس کرنے لگے۔

(باقی آئیندہ)

شانِ وطن

(از جناب میر احسان (امداد علی ہاؤس) اجمیر)

خاص "تیج ویکلی" کیلئے

اے ہوا خواہانِ ملت، اے جوانانِ وطن
آپ کے دم سے ہی قایم شوکت و شانِ وطن

آپ پر اپنی تمناؤں کا ہے دار و مدار
آپ ہیں روحِ تمنا آپ ہیں جانِ وطن

کیوں نہ عزت کی نگاہوں سے اسے دیکھے جہاں
اک ہمیں کیا سارے عالم پر ہے احسانِ وطن

پھونک دی مردہ دلوں میں روح تو نے پھونک دی
مرحبا صد مرحبا اے سوزِ پنہانِ وطن

کام کیا کیا کر گئے وہ ملک و ملت کے لئے
غور سے دیکھے کوئی تاریخ یارانِ وطن

لائق تحسین ہیں جتنی ہیں انکی خدمتیں!
قابل توقیر ہیں سب نونہالانِ وطن

پھر ملیں گلہائے مقصد پھر نئے غنچے کھلیں
پھر بہار آئے پھلے پھولے گلستانِ وطن

جان بھی جائے تو بس جائے وطن کے عشق میں
میں ہوں مر کر بھی یارب زیرِ دامانِ وطن

مست ہیں اے میر سب نغموں سے تیرے مست ہیں
یہ چمن، یہ بلبلیں، یہ بادہ نوشانِ وطن

چاند تک چالیس گھنٹے میں

ایک ہزار میل فی گھنٹہ کی رفتار سے پرواز کرنے کی اسکیم

یہ امر کہ ہم چاند تک پہنچ سکیں گے یا نہیں ایک عرصہ سے سائینس دانوں کے لئے بحث و گفتگو کا موضوع بنا ہوا ہے۔ حال ہی میں "سائینس ریویو" میں اعلان کیا ہے کہ چاند تک پہنچنا بہت تیز رفتاری کے ساتھ پہنچنا بالکل یقینی ہے۔ یہ خیال ہے کہ اگر ہوائی جہازوں کے لئے مناسب ایندھن مل جائے تو اس مشین کو ایک ہزار میل فی گھنٹہ کی رفتار سے آسمان پر اڑایا جا سکتا ہے۔ فن پرواز اتنی ترقی کر چکا ہے کہ اگر اسے اور بڑھایا جائے اور جدید آلات استعمال کر کے اس کی رفتار کو بڑھایا جائے تو ایک ہزار میل فی گھنٹہ کی رفتار تک پرواز کرنا ممکن نہیں ہے کیونکہ ہوا کا کرہ عبور کرنے کے بعد ایسا کرہ آ جاتا ہے جہاں طیارہ کی پرواز کو روکنے کے لئے کوئی چیز حائل نہیں ہو گی اور اس کا ایک ہزار میل فی گھنٹہ کی رفتار سے اڑنا یقینی ہے بلکہ اس سے بھی زیادہ۔

اگر یہ رفتار قائم ہو گئی تو چاند تک چالیس گھنٹے کے اندر اندر پہنچ جانا یقینی ہے دنیا کے گرد جو ہوا کا کرہ لپٹا ہوا ہے اسے چھوڑ کر جہاز کو (۲۴۹۴۰) میل فی گھنٹہ کی رفتار سے بھی چلایا جا سکتا ہے تاکہ وہ کشش زمین کی زد سے باہر نکل جائے اور چاند تک با آسانی پہنچ سکے۔

جیسے بوروں کی مار سے کام تمام کر دیا ہوتا۔ اے حسین جنگی!

میں تیرے مندر میں محبت کے چراغ جلاؤں گا
اپنے آنسوؤں سے ان چراغوں کو روشن کروں گا
تجھے اپنے دل کے سنگھاسن پر بٹھا کر تیرے قدموں
کو سینہ کی تپش سے گرم کروں گا۔ . . . اے حسین سوار
تیرے تھکے ہوئے بازوؤں اور جسم کو اپنے شوق
کے آغوش میں لے کر دباؤں گا۔

آہ! اے محبوب! اے حسین سپاہی، تو نے مجھے
جنگ سے کیوں مغلوب کیا . تو مجھے دیکھ لیتا

تو میں مفتوح ہو جاتا۔ اور گھائل ہو کر تیرے قدموں پر آ گرتا!
میں تو خود تیرے پاس آ رہا تھا، تو نے اپنی رتھ
کے نیچے مجھے کیوں کچل دیا۔ اے حسین سپاہی!

آؤ اے حسین سپاہی!

شو گیہ دیش بندھو سی، آر، داس کا ایک ادبی شاہکار

(ترجمہ خاص برائے "تیج ویکلی")

او جنگی سوار رک جا! اے حسین سپاہی ٹھہر،
روک لے اپنی رتھ کو! پھینک دے اپنے تیر کو، مجھے
مغلوب کر کے تو کیا کرے گا؟!

دیکھ! او جنگی سوار!
شام کی تاریکی پریوں کی طرح آہستہ آہستہ پیر
رکھتی ہوئی آسمان سے اتر رہی ہے۔
فلک پر میرے خون کی سرخی جھلک رہی
ہے —— آہ! تو نے مجھ کو کیوں زخمی کیا
میں تو محبت کا گھائل تھا، میں تو ایسا شکار
تھا جو خود شکاری کے قدموں میں آ گرتا ہے!
تو نے ناحق تیر چلایا —— ظالم رتھ سوار!

روک لے اپنی خونی رتھ کو ——
روک لے اپنی تیر اندازی کو ——
تو دن بھر تیر چلاتا رہا ہے، اب تھک گیا ہو گا،
—— تیری رتھ صبح سے میدان الفت میں
دوڑ رہی ہے۔ —— خراب ہو گئی ہو گی ——
بس بند کر دے اپنے تیر، روک لے اپنی رتھ
کو، مجھے گھائل کیوں کرتا ہے۔
میں تو خود تیرے قدموں میں آ گرتا ہوں،
. . . . . . اے حسین سپاہی ——
—— تو نے آخر کیوں تیر چلائے!!
[illegible] آہ!

اقتصادی ہندوستان

(از جناب مولانا حسین احمد صاحب)

مسٹر ہیری ورسٹ گورنر بنگال اپنی کتاب (صوبہ بنگال میں انگریزی حکومت) میں لکھتا ہے:۔

"تاتاریوں کا حملہ ضرور شور انگیز تھا۔ مگر اس کے مقابلہ میں ہماری حفاظت کو دیکھا جائے کہ اس سے ہندوستان تباہ ہو رہا ہے وہ اُن کی عداوت تھی۔ اور یہ ہماری دوستی۔ ہر ہر روپیہ جو انگریز ہندوستان سے کماتا ہے۔ وہ ہمیشہ کے لئے ہندوستان سے جُدا ہو جاتا ہے۔"

لارڈ کارنوالس ۱۷۹۰ء میں لکھتا ہے:۔

"جو کثیر دولت کمپنی کھینچے جاتی ہے اُس کے بڑے حصے کی کمائی سے جو روپیہ وصول کیا جاتا ہے اُس کا اثر شدت کے ساتھ اس ملک کی زراعت اور تجارت پر یہ پڑا ہے کہ یہ دونوں چیزیں گرتی جاتی ہیں۔"

سر ولیم ہنٹر لکھتا ہے:۔

"چار کروڑ ہندوستان کے باشندے صرف ایک وقت کھا کر گذارہ کرتے ہیں۔"

سر ولیم ڈگبی ۱۹۰۱ء میں لکھتا ہے (پراسپرس برٹش انڈیا):۔

"چار کروڑ ہندوستانیوں کو بھوکوں مرنا پڑتا ہے۔ وہ جنوری سے دسمبر تک یہ نہیں جانتے کہ پیٹ بھر کر کھانا کس جانور کا نام ہے۔ ان کی بھوک کی آگ کبھی بجھنے نہیں پاتی۔"

سر چارلس ایلیٹ چیف کمشنر آسام ۱۸۸۸ء میں لکھتا ہے:۔

"میں بلا تامل کہہ سکتا ہوں کہ کاشتکاروں کی نصف تعداد ایسی ہے جو سال بھر تک یہ نہیں جانتی کہ ایک وقت پیٹ بھر کر کھانا کسے کہتے ہیں۔"

ڈاکٹر مارشمن (فرینڈز آف انڈیا) میں لکھتا ہے:۔

"آج تک کبھی کسی نے اس بات کی تردید نہیں کی کہ بنگال کے کسانوں کی حالت اس قدر خراب ہو گئی ہے کہ اس کا خیال کرتے بھی جی کانپتا ہے۔ یہ لوگ نہایت ہی خراب اور گندی جھونپڑیوں میں بسر اوقات کرتے ہیں۔ اور یہ جھونپڑیاں اس قدر تنگ ہوتی ہیں کہ ان میں ایک کتے کا بھی مشکل سے گذارا ہو سکتا ہے۔ یہ بیچارے پھٹے پرانے چیتھڑوں سے تن ڈھانپتے ہیں اور انہیں شاید مشکل سے ایک وقت کھانا میسر ہوتا ہے بنگال کے کسان زندگی کے معمولی آرام تک بھی نہیں جانتے۔ اس میں ذرا بھی مبالغہ نہیں کہ اگر لوگوں کی اصلی حالت جو تیس چالیس لاکھ روپیہ سالانہ آمدنی کی فصل تیار کرتے ہیں بیان کی جائے تو سننے والوں کے کان کھڑے ہو جائیں۔"

لارڈ لارنس ۱۸۶۴ء میں لکھتا ہے:۔

"آج ہندوستان کی آبادی اس قدر قلاش ہو رہی ہے کہ اس کے پاس بمشکل قوت لایموت باقی ہے۔ عیش و عشرت تو درکنار ہندوستانی بمشکل اپنے بال بچوں کا گذارہ کر سکتا ہے۔"

سر ہنری کاٹن (نیو انڈیا) میں لکھتا ہے:۔

"گو ہندوستان سے پیدا ہونے والی دولت انگریز سے بہت زیادہ ہے۔ مگر پھر بھی ہندوستان سے بڑھ کر افلاس زدہ اور غریب ملک روئے زمین پر اور کوئی نظر نہیں آتا۔"

سر ولیم ڈگبی (پراسپرس انڈیا) میں لکھتا ہے:۔

"جو کمی ۱۹۰۱ء میں ہمارے طریقہ حکومت میں دکھائی دے رہی ہے۔ جہاں تک کہ ہندوستانیوں کا تعلق ہے اور جو کچھ غیر معمولی غربت ہندوستانی براعظم میں پھیل رہی ہے۔ وہ ہماری اس طرز حکومت کا نتیجہ ہے جو نیک نیتی سے مگر غلطی سے پہلے سے شروع کی گئی اور اب تک بحال رکھی گئی۔"

مسٹر میک ڈانلڈ (اوکیننگ آف انڈیا) میں لکھتا ہے:۔

"ہندوستان افلاس سے تباہ ہوئے اور فاقہ کش لوگوں کا گھر ہے۔ ہندوستان کا افلاس خالی نہیں ہے۔ یہ ایک واقعہ ہے۔"

سر جان سٹ ٹین اپنی رپورٹ میں لکھتا ہے:۔

"عام آبادی انتہائی افلاس میں ہے۔"

مسٹر اے۔ اے۔ پرسل۔ اخبار ڈیلی ہیرالڈ ۲۴ مئی ۱۹۲۶ء میں لکھتا ہے:۔

"ہندوستان میں ۲۵ کروڑ سے زائد تعداد اس آبادی کی ہے۔ جسے ساری عمر پیٹ بھر کر چاول بھی نصیب نہیں ہوتے اور ہزار ہا انسان تدریجی فاقہ کشی سے مرتے رہتے ہیں۔"

مسٹر جسٹس ورڈن نمبر ایگزیکٹو وصدر کامن ویلتھ آف انڈیا لیگ انڈین نیوز لنڈن ۱۹۱۳ء میں لکھتا ہے:۔

"ہندوستان میں مسلسل فاقہ کشی کرنے والوں کی تعداد چار کروڑ سے سات کروڑ تک ہے۔"

سرکاری رپورٹ میں یہ الفاظ ہیں:۔

"قحط ہندوستان کی فاقہ کشی کی منہ بولتی تصویر ہے .... ایک سو برس کے دوران میں جو مصیبت ہندوستان پر نازل ہوئی ہے۔ اس سے زیادہ مصیبت ناممکن ہے .... ہم نے محصول کا بوجھ سب سے زیادہ غریبوں ہی کے دوش بیکسی پر رکھا ہے۔"

مسٹر ڈبلیو۔ ایس۔ بلنٹ کہتا ہے:۔

"میں ہندوستانی مالیہ کے اسرار بہترین استادوں سے حاصل کر رہا ہوں اور یہ معلم گورنمنٹ کے سیکرٹری اور کمشنر وغیرہ ہیں۔ اس مطالعے میں جس نتیجہ پر پہنچا ہوں وہ یہ ہے کہ اگر ہم اسی طرح ملک کو ترقی دیتے رہے تو ایک دن وہ آئے گا کہ ہندوستانی مجبور ہو کر ایک دوسرے کو کھانے لگیں گے۔ کیونکہ اپنے ہم جنسوں کے سوا دوسری چیز ہی نہ مل سکے گی۔"

ہندوستان کی عام اقتصادی حالت مذکورہ بالا بیانوں سے بخوبی واضح ہو رہی ہے ہر ہندوستانی کا فرض ہے کہ وہ ان پر غور کرے اور اپنے ملک، قوم اور نسل کے لئے راہ عمل تجویز کرے۔

ان مذکورہ بالا نوٹوں اور اعداد و شمار کو پیش کرنے کے بعد ہر ہندوستانی خواہ وہ مسلمان ہو یا ہندو، سکھ ہو یا پارسی، شیعہ ہو یا سنی، یہودی ہو یا نصرانی۔ ہم پُر زور اپیل کرتے ہیں کہ وہ اپنے دل میں غور کرے کہ ہمارا طرز عمل ٹھیک ہے یا نہیں۔ اور ہمارا فریضہ کیا ہے۔ اور ملک کو تباہی سے بچانا کس طرح ممکن ہے۔ اور آئندہ نسلوں کی بقا کی کیا صورت ہو سکتی ہے۔ اور ہماری موجودہ عملی کارروائیاں ہم کو کہاں تک جائز ہو سکتی ہیں۔

تبصرے

(مورخہ ۲۴ جنوری ۱۹۳۶ء)

پریس کی آزادی

اس پر پابندیاں عائد کرنیکے مضر اثرات

دنیا اس وقت تبدیلیوں اور انقلابات کی گرفت میں ہے مختلف ممالک میں آن کی آن میں انقلابات آتے ہیں اور ان کا طبقہ ایسا الٹ دیتے ہیں کہ آئین زندگی، سیاسیات اور معاشرت کی پرانی صورتیں دفعتاً بدل جاتی ہیں۔ اور نئی نئی صورتیں پیدا ہو جاتی ہیں۔ ظاہر ہے کہ ہر انقلاب میں حکمران طبقہ اور محکوم طبقہ کے درمیان ایک کھینچا تانی پیدا ہوتی ہے یا ان کے باہمی رشتہ کی نوعیت بدل جاتی ہے۔ اور اکثر حالات میں اس رشتہ کی تنظیم ایک طرف تو حکومت کے ارباب حل و عقد کے ہاتھوں میں اور دوسری طرف پبلک پریس کے ہاتھوں میں ہوتی ہے کیونکہ موجودہ دنیا میں رائے عامہ کے اظہار کا اصلی ذریعہ پریس ہی ہے۔ اسی حالت کے پیش نظر ہم یہ دیکھتے ہیں کہ دنیا کے اکثر ممالک میں اس وقت پریس کی آزادی کا مسئلہ کسی نہ کسی صورت میں پیش ہے۔ انگلستان میں بھی جس کی روایات کے اعتبار سے وہاں کا پریس سب سے زیادہ آزادی کا مدعی ہے آزادی پریس کا مسئلہ پچھلے دنوں پارلیمنٹ کے سامنے آیا تھا اور ہم نے اس پر تبصرہ بھی کیا تھا۔ اسی اہم وقتی مسئلہ پر آزاد جرنلزم کے حامی مسٹر اسپنڈر کا ایک مضمون لندن کے اخبار "اسپکٹیٹر" میں شائع ہوا ہے جس میں انھوں نے دنیا کو اس حقیقت سے آگاہ کیا ہے کہ پریس کی آزادی ہر طرف سے خطرات میں گھر گئی ہے اور اگر وقت پر اس کے تحفظ کا انتظام نہیں کیا گیا تو پریس کی آزادی ہمیشہ کے لئے غائب ہو جائے گی۔

اس سلسلہ میں اگر ہندوستان کی حالت پر غور کیا جائے تو معلوم ہوتا ہے کہ ایک محکوم قوم کے لئے پریس کی آزادی اور بھی زیادہ ضروری ہے۔ کیونکہ جس ملک پر ہزاروں میل کے فاصلہ سے حکمرانی کی جاتی ہے اس کو سب سے زیادہ ضرورت اس بات کی ہوتی ہے کہ اپنی شکایات کو بیان کرے اور اپنی آواز کو حکمرانوں تک پہنچانے کے لئے پریس کے ذرائع کو کام میں لائے۔ دنیا میں اختلاف رائے ضروری ہے۔ اور مسٹر اسپنڈر کا یہ کہنا صحیح ہے کہ کوئی شخص اس کا دعویٰ نہیں کر سکتا کہ "سیاسی حقیقت" کی اجارہ داری صرف اسی کو حاصل ہے۔ اور باقی آدمیوں کو اپنی سیاسی اچھائی یا برائی میں تمیز کرنے کی صلاحیت حاصل نہیں ہے یہ تو صرف ڈکٹیٹروں کا فرضی اصول ہے جسے وہ اپنی طاقت کو برقرار رکھنے کے لئے استعمال کرتے ہیں اور یہی سبب ہے کہ پریس کی آزادی پر پابندیاں ایسے ہی ملک میں عائد ہوتی ہیں جہاں لوگوں کو خود بھی آزادی حاصل نہیں ہوتی، اور ان پر یا تو ڈکٹیٹری کے ذریعہ یا غیر ملکی دفتری نظام کے ذریعہ حکمرانی کی جاتی ہے اس سے صاف ظاہر ہے کہ ایسی حالت میں مقصد صرف ایک ہی ہوتا ہے اور وہ یہ ہے کہ "اپنا اختیار و اقتدار قائم رکھا جائے" چاہے یہ عمل کسی نازی فرمانروا کا ہو یا سوویٹ ڈکٹیٹر کا۔

ہندوستان کی حالت دوسری ہے۔ یہاں کے سیاسی مسائل کی نوعیت دنیا سے جداگانہ ہے۔ اس لئے پریس کی آزادی پر سخت پابندیاں موجود ہیں اور گزشتہ چند سال سے پریس کے قوانین زیادہ مضبوط اور سخت گیر بنا دیے گئے ہیں۔ ایسے قوانین تو ان ممالک میں بھی مضر اثرات پیدا کرتے جہاں خود انہیں ممالک کے باشندوں کو حکومت کے اختیارات حاصل ہیں، خواہ وہ نازی ہوں، فسسٹ ہوں یا سوشلسٹ ہوں، لیکن ایک ایسے ملک میں یہ قوانین اور بھی زیادہ مضرت رساں اور نقصان دہ ہیں جہاں خود باشندگان ملک کو اپنی کسی طرح حکومت کو تغیر یا پسند کرنے، یا اکزیکیوٹو کو اپنے قابو میں رکھنے کا کوئی اختیار حاصل نہ ہو۔ مسٹر اسپنڈر کے خیال میں پریس کی آزادی کا مقصد یہ ہے کہ عام اہمیت رکھنے والے مسائل پر تحریریں لکھی جا سکیں اور اس بات کی آزادی حاصل ہو کہ جو چیز وقتی حکومت کی نگاہ میں ناخوشگوار ہو اس پر بھی آزادانہ رائے ظاہر کی جا سکے، تو کیا اس تعریف کی رو سے کوئی یہ کہہ سکتا ہے کہ ہندوستان میں کسی اخبار کو یہ آزادی حاصل ہے ؟؟ عام گروہ جو پہلے سے لکھے اور معمولی قانون تعزیرات کے ذریعہ اپنے عمل کے نتائج کا مقابلہ کرے ؟ یہاں جس طرح سیاسی اعتبار سے خود عوام بے دست و پا ہیں، اسی طرح آزادی تحریر کے لحاظ سے اخبارات بھی مجبور اور بے بس ہیں اور اس میں شک نہیں کہ اظہار خیال پر پابندی عائد کرنے کے مضر اثرات صرف رعایا پر نہیں بلکہ حکمرانوں پر بھی پڑتے ہیں ؛

آئینۂ خیال

کیا موجودہ تمدن مہلک ہے ؟

جدید سائنس دانوں کا نظریہ یہ ہے کہ انسانی حیات کا یہ انتظام چند غدودوں یعنی گلٹیوں پر قائم ہے امریکہ کے ایک ڈاکٹر مسمی سی۔ دی کرائل جن کی عمر ستر سال ہے اور جو بہت دنوں سے اس طرح کے تجربات اور تحقیقات میں مشغول ہیں، کہتے ہیں کہ موجودہ تمدن کے اثرات سے چونکہ ان غدودوں کا عمل بہت تیز ہو جاتا ہے، اس لئے وہ دن بہت قریب ہے کہ انسان کی نسل روئے زمین سے ناپید ہو جائے گی، اور صرف جانوروں کی آبادی باقی رہ جائے گی۔ آپ تین سائنس دانوں کو اپنے ساتھ لے کر سنٹرل افریقہ گئے ہیں اور وہاں متعدد اقسام کے جانوروں کو جمع کر کے ایسے غدودوں کی دریافت میں مشغول ہیں جو تمدن کے ان مہلک اثرات کو زائل کر سکیں اس سلسلہ میں آپ نے ایک تجربہ گاہ قائم کی ہے جہاں صرف ایسے جانور رکھے جاتے ہیں جن کو متمدن اور مہذب دنیا سے کبھی کوئی واسطہ نہ پڑا ہو۔ ہم نہیں سمجھتے کہ اگر ڈاکٹر سی۔ وی۔ کرائل کا یہ تجربہ کامیاب بھی ہوا تو وہ کتنے آدمیوں کے کام آئے گا۔ اور کتنے انسان تمدن کے مہلک اثرات سے بچ کر اس دنیا کی انسانی آبادی کو ختم ہو جانے سے بچانے کے لئے زندہ رہ سکیں گے۔ بہر حال سائنٹیفک تحقیقات کبھی مفاد سے خالی نہیں ہوتی ؛

نادر اشیاء کا بیمہ !

پچھلے دنوں ہم نے یہ دلچسپ خبر پڑھی تھی کہ چینی آرٹ کی نمائش کے لئے اسکاٹ لینڈ سے چینی برتنوں کے ۲۴ ٹکڑے ساٹھ ہزار پونڈ کا بیمہ کر کے بھیجے گئے تھے لیکن اس سے پہلے جو بڑی بڑی رقموں پر نادر اشیاء کے بیمے ہو چکے ہیں اُن سے معلوم ہوتا ہے کہ چینی برتنوں کے بیمہ کی رقم نے کوئی ریکارڈ نہیں قائم کیا ہے۔ برطانیہ اور ہالینڈ کی نمائشوں میں آرٹ کی مختلف اشیاء کا بیمہ بیس لاکھ اور چھبیس لاکھ پونڈ میں ہوا تھا۔ بعض قدیم نادر اشیاء اتنی بیش قیمت ہوتی ہیں کہ اُن کی قیمت کا کوئی اندازہ نہیں لگایا جا سکتا۔ ملکۂ انگلستان کے پاس پچیس برتن ایسے تھے جن کی قیمت کی کوئی حد مقرر نہیں کی جا سکتی تھی۔ اس لئے ان کا بیمہ ممکن نہ تھا۔ بوہیمیا میں ایک کھڑکی کے شیشہ کا رنگین ٹکڑا، جو یورپ کے سب سے پہلے مسیحی گرجا کی تعمیر میں استعمال ہوا تھا۔ اتنا بیش قیمت ہے کہ کوئی انشورنس کمپنی اس کا بیمہ نہیں کر سکتی۔ کچھ روز ہوئے ایک شخص نے اس کو خریدنے کے لئے دس لاکھ پونڈ پیش کئے تھے۔ مگر یہ رقم قبول نہیں کی گئی تھی۔ اس کی تمام حقیقت صرف اتنی ہی ہے کہ قیمتوں کا انحصار محض خیال پر ہے۔ کیونکہ چینی کے برتن اور شیشے کے ٹکڑے کی اصلی قیمت تو کچھ بھی نہیں ہے ؛

"مبتلایانِ عشق کی سیرگاہ"

کنساس سٹی میں یہ بات تسلیم کر لی گئی ہے کہ گلی کوچوں میں اظہار عشق کرنا یا آپس میں محبت کی بات چیت کرنا نہ صرف ناجائز اور نامناسب ہے بلکہ بعض حالات میں خطرناک بھی ہے۔ اس لئے پروبیٹ جج مسٹر ہنری میڈسن نے جو خاص طور پر حامی عشاق ہیں، یہ حکم دیا ہے کہ وہ تمام جوڑے جو عشق میں مبتلا ہوں ان کے لئے علیحدہ ایک سیرگاہ بنوا دی جائے۔ جہاں وہ لوگ آزادی سے محبت کی راہ و رسم اور گفت و شنید کے دلچسپ فرائض انجام دے سکیں۔ اس جگہ کا نام (LOVERS PARK) یعنی "مبتلایان عشق کی سیرگاہ" رکھا جائے گا۔ جج موصوف کا خیال ہے کہ موٹر کاروں میں بھی اظہار محبت کرنا کوئی باعزت اور قابل ستائش عمل نہیں ہے۔ اس لئے ہر اس جوڑے کو جو محبت کرنا چاہے اس سیرگاہ میں جانا چاہیئے۔ باشندگان کنساس اس تجویز کا پرجوش خیر مقدم کر رہے ہیں اور اس کے محرک کا بیان ہے کہ دنیا میں محبت کی مقدار اور محبت کرنے والوں کی تعداد جتنی زیادہ ہوگی، اتنا ہی اخلاص اور عام بہبودی بھی حاصل ہوگی، بشرطیکہ محبت معصیت کا ذریعہ نہ بن جائے

ٹیلیفون کے ذریعہ شادی

لندن اور امریکہ کے درمیان ٹیلیفون کے ذریعہ ایک شادی ہوئی جس میں دولہا نے اپنی شادی کا پیغام ٹیلیفون پر بھیجنے میں ساٹھ پونڈ خرچ کیا ہے مغربی دنیا کی جدت آفرینیوں میں ایک چیز یہ بھی شامل ہے کہ ٹیلیفون کے ذریعہ شادی کرنے کا رواج بڑھتا جا رہا ہے۔ معلوم نہیں اس طرح کی شادیاں مسیحی کلیسا کی نظر میں کیا حیثیت رکھتی ہیں، لیکن غالباً پادریوں نے انہیں ناجائز قرار دے دیا ہے۔

آئینۂ خیال

حکومتِ بنگال نے اس امر پر اظہارِ افسوس کیا ہے کہ اس نے اظہارِ رائے کو حقیقت سمجھ کر پنڈت جواہر لال نہرو پر الزام لگایا۔

اس عیش پرستانہ عمل کے جھٹکے میں اگر کوئی معمولی آدمی آجاتا تو اس غریب کا کیا حال ہوتا۔

اسی سلسلہ میں حکومت بنگال کا بیان ہے کہ الزامات مذکورہ رپورٹ کی ان تمام کاپیوں سے خارج کروئے جائیں گے جو اب تک حکومت کے پاس ہیں۔

لیکن سوال یہ ہے کہ جو کاپیاں مس میو اور اس قماش کے دوسرے لوگوں کے پاس پہنچ چکی ہیں اُن کا کیا ازالہ ہوگا؟

اس دلچسپ مسئلہ کا فیصلہ اب کون کرسکے کہ آیا کوئی حکومت خود اپنی تصنیف کو "ممنوع" قرار دے سکتی ہے؟

یہ بھی کہا گیا ہے کہ رپورٹ میں جو کچھ لکھا گیا تھا اس کا مقصد صرف اتنا ہی تھا کہ وقت کے صحیح حالات پر روشنی ڈالی جائے؛

گریہ کیا ستم ظریفی ہے کہ وقت کے غلط حالات پر روشنی پڑ گئی!

جنرل بیڈوگلیو نے اٹلی سے حبش کے لئے مزید ۱۰۰۰ سپاہ طلب کی تھی۔ جس کے جواب میں علاقہ آلپس کا دستہ بھیجا گیا ہے۔

غالباً ان اطاوی سپاہیوں کے مقابلہ میں جو پہلے ہی سے پسپا ہو کر پیچھے ہٹ گئے ہیں، الپس کا یہ دستہ بھاگنے میں زیادہ کامیاب ثابت ہوگا!

مولانا شوکت علی پھر فرماتے ہیں کہ جب تک ہم اپنے اختلافات دُور نہ کریں۔ ہندوستان کے لئے کوئی امید نہیں ہے!

خدا کرے ایک بات کو بار بار دُہرانے سے مولانا پر اتنا اثر تو ہو کہ اپنے "جینک" کو وہ ایک عملی حقیقت میں تبدیل کردیں!

کہا جاتا ہے کہ اٹلی والوں نے حبش کی شمالی سرحد پر زہریلا گیس استعمال کیا۔ جس سے بہت سے شہری مرد، عورتیں اور بچے ہلاک ہوئے۔

بہتر ہے کہ ان ہلاک شدگان کو "شہیدانِ تمدن" کا خطاب دیا جائے!

ہفتۂ جنگ

۲ جنوری ۱۹۳۶ء:

اٹلی نے ریڈ کراس ہسپتالوں پر بم باری کی۔ تین حبشی مریض ہلاک اور پچاس حبشی نرسیں اور مریض زخمی ہوئے۔ اس بربریت کے مظاہرہ پر اٹلی کے خلاف متعدد ممالک میں غیظ و غضب کا اظہار کیا گیا۔ حبشیوں نے اٹلی کے دو ہوائی جہازوں کو تباہ کر کے نیچے اتار دیا۔

۳ جنوری ۱۹۳۶ء:

اٹلی کے خلاف تعزیری کارروائیوں کے باعث یورپ میں کوئلہ اور مٹی کے تیل کی قیمت میں اضافہ ہو گیا۔ معلوم ہوا کہ اٹلی کے دارالسلطنت روما میں دس بجے رات کے بعد تمام شہر کو تاریک کرنے کا حکم دیدیا گیا ہے۔

۴ جنوری ۱۹۳۶ء:

سیانباہ میں اٹلی کے ہوائی جہازوں نے بم برسائے اور مشین گنوں سے فائر کئے جس سے پانچ حبشی سپاہی ہلاک ہوگئے۔ حرار اور جیجگا کو فتح کرنے کے لئے اطالوی جنرل گرزیانی جن کی فوج کی تعداد ۴۰ ہزار تک پہنچ گئی۔ اس حملہ میں ایک بڑی تعداد میں ہوائی جہاز اور ٹینک بھی کئے جائیں گے۔ نیپلز سے ایک جہاز موگا ڈیشو کے لئے روانہ ہوا۔ لائبیا سے ۱۰ ہزار سپاہیوں پر مشتمل ایک اور ڈویژن سالی لینڈ بھیجا گیا۔

۵ جنوری ۱۹۳۶ء:

میکلے کے جنوب میں علاقہ اباالامنی کے چاروں طرف اٹلی کے ہوائی جہازوں نے گیس کے بہت سے بم برسائے جس میں چار سپاہی ہلاک ہوگئے۔

جبیل ٹانہ کے مشرق میں واقع علاقہ ڈبراٹ اید پر بھی سینکڑوں بم برسائے گئے۔

علاقہ ٹمبیں میں سرگرمیوں کا ذکر کرتے ہوئے لکھا ہے کہ اس علاقہ میں حبشی فوج بڑی تعداد میں جمع تھی لیکن اطاوی کے مقابلہ پر جو حبشی فوج آئی اس کو منتشر کر دیا گیا۔

۶ جنوری ۱۹۳۶ء:

اٹلی کے ہوائی جہازوں نے تمام مورچوں پر اپنی سرگرمیاں شروع کردیں اور گیس کے بم برسانے کا سلسلہ شروع ہو گیا۔ اٹلی کی فوج کا حبش کی فوج سے مقابلہ ہو گیا جس سے حبش کے ۵۰ سپاہی ہلاک ہوگئے۔

ریڈ کراس ہسپتال پر بم باری سے جو افراد مجروح ہوگئے تھے اُن میں سے ۲۰ اشخاص اور مر گئے۔ جن کو ملا کر ہلاک شدگان کی تعداد ۵۰ تک پہنچ گئی۔

شہزادے اسمٰعیل داؤد نے جو حبش میں مصری میڈیکل مشن کے افسر اعلیٰ ہیں تار دیا ہے کہ سات اطاوی ہوائی جہازوں نے مصر کے ایک ایمبولینس پر جو سات ڈاکٹروں، ۸ نرسوں اور ۲۰ ملازموں پر مشتمل تھا بم برسائے اور مشین گن سے فائر کئے؛

۷ جنوری ۱۹۳۶ء:

اٹلی کے ہوائی جہازوں نے برطانی علاقہ کے قبیلوں پر بم باری کی جو کہ سرحد کے قریب اونٹوں کو پانی پلا رہے تھے؛ شمال میں حملہ کرنے سے پہلے اٹلی کی فوج نے اپنی سرگرمیوں میں زبردست اضافہ کر دیا۔ علاقہ والکیٹ سے میکلے تک ہوائی جہاز گشت لگا رہے ہیں۔ اور اکثر بم باری کرتے ہیں۔ متعدد جگہ گیس استعمال کی گئی ہے جس سے فوج کے علاوہ شہریوں کو بھی نقصان پہنچا ہے۔ اور عورتیں اور بچے ہلاک ہو گئے ہیں۔

شہر میکلے کو فتح کرنے کے لئے اٹلی کے ہوائی جہازوں نے تیرہ ہزار بم برسائے جن سے بہت سے لوگ ہلاک و مجروح ہوئے۔ حبش کی فوج اس زبردست بم باری کے مقابلہ کی تیاریاں کر رہی ہے۔

۸ جنوری ۱۹۳۶ء:

اٹلی میں مزید اشخاص کو فوج میں بھرتی ہونے کا حکم دیا گیا اور فوج کے جو ڈویژن افریقہ بھیج دئے گئے ہیں ان کی جگہ پُر کرنے کے لئے نئے ڈویژن قائم کئے گئے۔ اس حکم کے ذریعہ ایک ڈویژنل توپ خانہ قائم کیا جائے گا۔

۹ جنوری ۱۹۳۶ء: دغابور میں مصری ایمبولینس پر حملہ کرنے کے علاوہ اٹلی کے ہوائی جہازوں نے مشین گنوں سے دغابور سے ساڑھے سات میل کے فاصلہ پر بھی بم برسائے؛

برٹش میڈیکل جرنل میں ایک مضمون شائع ہوا ہے جس میں لکھا ہے کہ کالے چہرے والوں میں جڑواں لڑکوں کی تعداد زیادہ ہوتی ہے اور گورے چہرے والوں میں کم۔ اس کا ثبوت یہ ہے کہ ہسپتالوں میں پیدا ہونے والے جڑواں بچوں کا تناسب ہندوستانیوں میں ۵۹ میں ایک اور یورپینوں میں ۹۰ میں ایک ہے۔

اس کے باعث ہم اس نظریہ کو تسلیم نہیں کرسکتے کہ ہندوستان میں سب سے زیادہ جڑواں بچے ہوتے ہیں۔ مندرجہ ذیل اعداد و شمار سے خود فیصلہ کر لیجئے:

روس	۴۴ میں ایک
اٹلی	۶۲ میں ایک
آئرلینڈ	۶۶ میں ایک
اسکاٹ لینڈ	۷۱ میں ایک
جرمنی	۴۳ میں ایک
جاپان	۹۳ میں ایک

اس حساب سے روسیوں کا نمبر سب سے زیادہ ہے۔

اٹلی کے ایک شہر میں ایک کاشتکار مسمی فرینکوس کیلبروسے نے اپنے کھیت میں ایک گوبھی پیدا کی ہے جس کا وزن اٹھارہ سیر سے زیادہ ہے۔

غالباً مسولینی سے یہ سبق سیکھا گیا ہے کہ اٹلی کی ہر چیز غیر معمولی ہونی چاہیئے۔

حبش پر اٹلی کی یورش کے سلسلہ میں ایک انگریزی معاصر لکھتا ہے کہ "تلوار کا قانون" اخلاق اور تمدن کے خلاف ہے۔

لیکن غالباً اُس وقت نہیں جب کسی مغربی قوم کو مشرق کے کسی تاریک ملک میں تمدن کی روشنی پھیلانے کا بہانہ ہاتھ آجائے!

بحری کانفرنس کی کارروائی کو ایک معاصر نے "ٹگ آف وار" کا نام دیا ہے۔

"آنکھ مچولی" اس سے بہتر نام ہوتا۔

ایک اطاوی اخبار میں سائنور گیڈا لکھتے ہیں کہ تیرہ سال سے اطاوی فیسزم بالکل پُر امن رہا ہے۔

حقیقت تو کچھ اور ہے لیکن اگر ہم اس بیان کو تسلیم بھی کر لیں تو یہ ماننا پڑے گا کہ ۱۹۳۵ء سب سے زیادہ منحوس سال تھا!

مسولینی قیافہ کے آئینہ میں

سر اور چہرہ کی ساخت سے کردار کا مطالعہ

(ترجمہ: خاص برائے "تیج ویکلی")

مسولینی کے چہرہ کی طرف غور سے دیکھئے!

علم قیافہ کی رُو سے اگر دنیا کے مشہور لیڈر اور یورپ کی اب تک سیاست کے اہم مہرہ مسولینی کے چہرہ کا معائنہ کیا جائے تو معلوم ہوگا کہ مسولینی ایک پیدائشی بڑا آدمی ہے۔ اس کے چہرے سے لیڈری۔ دماغی فوقیت، حکومت و اقتدار اور بڑا پن ظاہر ہوتا ہے۔ مسولینی کا قیافہ بتاتا ہے کہ پیدائشی طور پر وہ ایک حکمران، سیاست و فہم و حکمت کا مجسمہ ہے۔ جو صرف قیادت و سیادت یعنی لیڈر بننے اور ڈکٹیٹر کے فرائض انجام دینے کے لئے قدرت نے اسے بنایا ہے۔

گول اور آگے کو ابھری ہوئی پیشانی، چوڑا اور اونچا سر۔ اور کانوں کے پاس سے اس کی گولائی اور دور بتاتا ہے کہ مسولینی میں طاقت، اہلیت و صف عمل۔ ذہانت، فراست۔ پیچیدگیوں کو سمجھنے کی قابلیت۔ استقلال اور ذہانت طبع اور اظہار نفس کے جوہر اس کی ذات میں پوشیدہ ہیں۔

اگر مسولینی کے چہرے کے مختلف زاویوں کو جانچا جائے اور اس کے اور پیشانی وغیرہ کی پیمائش کی جائے تو علم قیافہ کی رُو سے اس کے چہرہ کی اقلیدس (جیومیٹری) اسے دیگر انسانوں سے ممتاز علیحدہ اور رفیع و عظیم حیثیت دے دیتی ہے۔ اس جیومیٹری یا اقلیدس نفسی سے معلوم ہوتا ہے کہ اس کی ذات میں جسمانی روحانی اور اخلاقی قوتوں کے بڑے بڑے خزانے پوشیدہ ہیں۔ اس کی بلند و شاندار پیشانی دماغی فوقیت، خداداد قابلیت اور عمومی ذہنیت کی بلندی ظاہر کرتی ہے۔ اس کی پیشانی کا جھکاؤ اور کنپٹیوں کا جھکاؤ بتاتا ہے کہ اس میں تنظیم۔ قیادت۔ جبر و انتظام، حکمت عملی، حکومت و تدبر اور لوگوں کو اپنی مرضی پر چلانے اور ان کی قسمتوں کا فیصلہ کرنے کی زبردست صلاحیت قدرت نے اس کی ذات میں پیدا کی تھی جو نصیب اور عمل نے اس کی زندگی میں نمایاں کر دی۔ اور جب یہ ذاتی جوہر منظر عام پر آئے تو قیافہ شناسوں کے لئے وہ ایک دلچسپ مطالعہ فطرت بن گئے۔

کان کے سوراخ سے اس کی ابرؤوں کے وسط تک کی پیمائش بتاتی ہے کہ اس میں سب چیزوں پوشیدہ چیزوں کی صاف جھلک دیکھنے۔ قوت تخیل اور مشاہدہ کی زبردست قوت پائی جاتی ہے وہ جو کچھ دیکھتا ہے اُن سے بڑے بڑے نتیجے نکال لیتا ہے۔ اور اپنے خزانۂ علم میں روز بروز اضافہ کرتا رہتا ہے۔ اس کی ناک کی جڑ ایک مکمل عصبی مقام ہے جس کی صحت اور مضبوطی سے مسولینی میں "انفرادیت" [illegible] رازوں کو باہر نکالنے اور اپنی مرضی سے انھیں بدلنے کا اس میں ذاتی جوہر پایا جاتا ہے۔

اس کی پیشانی کا وسط ایک ابھرا ہوا مکمل عصبی نظام کو ظاہر کرتا ہے۔ اور علم صحت دنیاوی کی رو سے اس کی ذات میں حافظہ کی قوت کا زیادہ [illegible] ہے

جس کے چہرے سے استحکام، استقلال، عزم، دبدبہ اور دنیا پر حکومت کرنے، دوسروں کو اپنا زیر اثر رکھنے اور لیڈری کرنے کے آثار ظاہر ہوتے ہیں۔

اور وحدت نفسی (INDIVIDUAL UNITY) کا اظہار ہوتا ہے۔ اور نتیجہ نکلتا ہے کہ اس کی ذات منبع انوار و علوم ہے۔ اور ایک مستقل وحدت و انفرادیت کا مالک ہے۔ جو دوسروں کے کاموں اور اداؤں سے کم متاثر ہوتا ہے لیکن لاکھوں انسانوں کے کاموں اور

پیشانی کا یہ نمایاں اور ہموار وسط بتاتا ہے کہ اسے واقعات تاریخیں، حوادث، معاملات حیات اور مقامی اثرات کا احساس بہت قوی درجہ میں پایا جاتا ہے اور اس کا حافظہ بہت کم اسے دھوکہ دے سکتا ہے۔ ناک کی جڑ کے اوپر جو فاصلہ ہے اس سے قوت تمیز اختیار

تجزیہ کرنے کی عادت اور ہر بات کو پرکھنے اور بحث و تحقیق کرنے کی اہلیت ظاہر کرتی ہے۔

اس کے فیصلے پختہ [illegible] مقرر و معاون [illegible] سب اور تجویزیں سوچنے اور پروگرام بنانے کی صلاحیت بدرجہ کمال پائی جاتی ہے۔ اس کی نگاہ بہت دور تک جاتی ہے۔ [illegible] معاملات کو آسانی کے ساتھ سوچ سکتا ہے اور [illegible] سب سے نتیجہ کی طرف [illegible] کامیاب نتائج [illegible] سے کافی پیدا [illegible]

اس [illegible] دوسرے [illegible] کردار [illegible] رنگ میں بھی مہارت ہے۔

سر کی گولائی [illegible] اور اقبال مندی [illegible]

بڑا آدمی بننے دوسروں کی نگاہوں میں معزز حیثیت اور بلند وقار درجہ حاصل کرنے کی صلاحیت اس کے سر کی کرسی سے ظاہر ہوتی ہے۔ اس سے یہ بھی ظاہر ہوتا ہے کہ وہ امید پرور آدمی ہے۔ دنیا کی چیزوں اور معاملات کے ہمیشہ روشن اور امید افزا پہلوؤں کو دیکھتا ہے اور نامرادی و بے اطمینانی کی طرف بہت کم اس کی نظر جاتی ہے۔ کان کے پیچھے سر کی گولائی تک جو خمیدہ خط دکھائی دیتا ہے اس سے معلوم ہوتا ہے کہ مسولینی میں پختگی استقلال۔ اپنی ذات پر اعتماد۔ ہوشیاری اور زیرکی نیز کردار و شخصیت کی طاقت اور جبر کا بھی اظہار ہوتا ہے اس کے سر کی پُشت ظاہر کرتی ہے کہ مجلسی معاملات میں وہ بہت کامیاب ہے۔ اور ایک دلچسپ شخصیت ہے۔ جو بزم کی جان ہے اور معاملات معاشرت میں اس کی شخصیت ایک مقناطیسی اثر رکھتی ہے۔ وہ اپنی مقناطیسی طاقت، اثر انداز صورت و شکل اور آنکھوں کی کشش کے باعث وہ دوسروں کو اپنی طرف مائل کرنے اور ان کو اپنی "مرضی" میں گرفتار رکھنے میں کمال صلاحیت رکھتا ہے۔

اس کی دماغی کیفیت بتاتی ہے کہ مسولینی تجارت تعلیم۔ قانون۔ طب۔ سائنٹفک تحقیق۔ نقل و رسل

باقی اگلے صفحہ پر

ناکام محبت
ایک نفسیاتی رومان

میری صحت ایک عرصہ سے خراب تھی علاج معالجہ برابر جاری تھا لیکن پچھلی گرمیوں میں ایک ڈاکٹر نے نہایت اصرار کے ساتھ میرے والد کو یہ مشورہ دیا کہ مجھے پہاڑ پر بھیج دیا جائے۔ والد مجھے بہت عزیز رکھتے تھے اور میری علالت سے سخت پریشان تھے۔ انہوں نے فوراً الموڑے پر ایک اچھا سا بنگلہ کرایہ پر لیا۔ اور ضروری ہدایات کے بعد میرے ایک دوست کے ہمراہ مجھے روانہ کر دیا۔

یہاں آئے ابھی مجھے دو تین روز ہی ہوئے تھے ایک دن علی الصباح میں تو حسب معمول ٹہلنے نکل گیا اور رمیش ایک اور کام سے چلا گیا۔ واپسی پر معلوم ہوا کہ رمیش ابھی تک نہیں آیا ہے۔ جنگل کے اندر جلد پڑ کوٹھی نہ جا کر کمپونڈ میں ایک خوشنما اخروٹ کا درخت تھا اسی کے نیچے ٹھہر گیا۔ اور خدا جانے کیوں وہیں رمیش کے انتظار میں ٹہلنے لگا۔

ہمارے بنگلے کے کچھ اونچائی پر ایک دوسری پہاڑی کے کنارے ایک اور خوشنما بنگلہ تھا اور اس کا ایک رُخ کا برآمدہ بالکل ہمارے سامنے پڑتا تھا ٹہلتے ٹہلتے میری نگاہ اوپر کو اٹھی میں نے دیکھا کہ برآمدہ میں دو عورتیں بیٹھی ہیں ایک کچھ بوڑھی اور ایک نوجوان۔ میں نے اس طرف نظر بھر کر دیکھا اور خواہ مخواہ جی چاہا کہ دیکھتا ہی رہوں کہ یکایک حجاب نے میری نگاہیں نیچی کر دیں اس میں غیر ارادی طور پر ٹہل رہا تھا اور بیتاب تھا کہ ایک بار پھر اُس طرف دیکھوں۔ جب کبھی کوئی شخص مجھے اس قسم کی حرکت کرتا نظر آتا تو میں اُسے بڑی حقارت کی نظر سے دیکھتا تھا۔ میں اسے ایک سوقیانہ فعل سمجھتا تھا۔ لیکن اسوقت نہ جانے میرے اس معیار تہذیب کو کیا ہو گیا تھا میں بار بار نیچی نظروں سے اس طرف دیکھنے کی کوشش کرتا اور بار بار میرا ضمیر مجھ پر ملامت کرتا

میں نے حسن و عشق کے بہت سے افسانے پڑھے ضرور تھے لیکن ذاتی طور پر مجھے اس کا تجربہ نہیں ہوا تھا حسن انسان پر کیسا افسوں کرتا ہے محبت کیا بلا ہے؟ اور اُس کی ابتدا کس طرح ہوتی ہے؟ میں اس سے قطعی ناواقف تھا۔ عورت سے [illegible] میں نفرت [illegible] تھا۔ میری ماں نے میرے بچپن

بچپن میں انتقال کیا۔ میں نے اپنے باپ کی گود میں پرورش پائی۔ آج تک کسی عورت سے کمل کر ملت بھی نہ کی تھی کتابوں نے اس کی فطرت میرے سامنے نہایت شرمناک صورت میں پیش کی تھی اور اس لئے مجھے اس کے قریب جاتے ہی وحشت معلوم ہوتی تھی۔ شاید انہی وجوہ کی بنا پر میں اس کا احساس بھی نہ کرسکا کہ میرے اندر کیا انقلاب ہو رہا ہے۔ ممکن تھا اگر مجھے اس کا صحیح احساس ہو جاتا۔ تو میں اس کے انسداد کی کوشش کرتا اور بہت ممکن تھا۔ میں اس میں ناکام بھی رہتا کیونکہ

رُکے ہوئے پانی کے جب بند ٹوٹتے ہیں تو پھر اُسے کوئی روک نہیں سکتا۔ ایک زاہد خشک جب عجب کرنے پر آتا ہے تو وہ سب سے زیادہ خطرناک ہو جاتا ہے

بہرحال میں وہاں ٹہلتا رہا۔ اور سچ عرض کرتا ہوں کہ عجیب عجیب انداز سے ٹہلا۔ میں نے سُنا تھا کہ جب کسی مرد کو یہ شک بھی ہو جاتا ہے کہ کوئی عورت اسے دیکھ رہی ہے تو اس کی ہیئت ہی عجیب اور مضحکہ خیز ہو جاتی ہے لیکن عورت اسے دیکھ کر صرف مسکرا دیتی ہے۔ اس علم کے باوجود میں اپنی ہیئت کو مضحکہ انگیز بنانے سے نہ روک سکا۔ کبھی تو میں پتلون کی جیبوں میں ہاتھ ڈال کر خوب بن کر چلتا اور کبھی گردن نیچے ڈال کر کسی گہرے خیال میں ڈوبے ہوئے۔ چلتا اور چلتا رہتا۔ کبھی پیشانی سے پسینہ پونچھتا۔ اور کبھی ٹوپی اتار ہوا دینے لگتا۔ کبھی نہایت مغرورانہ انداز سے گردن اٹھا کر سر کے بالوں کو سنبھالتا اور کبھی گردن کے ایک ہلکے سے جھٹکے کے ساتھ انھیں پھر منتشر کر دیتا۔ لیکن دو چیزیں تھیں جو برابر قائم تھیں۔ ان میں کوئی فرق نہ تھا۔ میرا دل زور زور سے دھڑک رہا تھا۔ اور میرے پاؤں خود بخود لڑکھڑائے جا رہے تھے۔ میں کہیں قدم رکھتا تھا اور کہیں پڑتے تھے۔ مجھے ایسا معلوم ہوتا تھا کہ میں کوئی سخت محنت کر رہا ہوں۔ کسی بوجھ کے نیچے دبا سا جا رہا ہوں۔ کیونکہ میرا سانس پھولا جا رہا تھا اور میں پسینہ میں شرابور تھا۔ تھوڑی دیر بعد میرا سر چکرانے لگا اور ایسا معلوم ہوا کہ شاید اب میں گر پڑوں۔ اس لئے میں نے ملازم کو کرسی لانے کا حکم دیا۔ اس نے فوراً کرسی اخروٹ کے درخت کے نیچے ڈال دی اور میں اس پر گر پڑا۔ تھوڑی دیر بعد میری نگاہ جو اوپر اٹھی تو وہاں کوئی بھی نہ تھا۔ برآمدہ بالکل خالی پڑا تھا۔ میں نے اپنے حواس مجتمع کر کے ایک مرتبہ پھر غور سے دیکھا لیکن وہاں کوئی ہوتا تو نظر آتا۔ میں سوچنے لگا کہ آیا اس سے پہلے جو کچھ میں نے دیکھا تھا وہ خواب تو نہ تھا اسی اُدھیڑ بُن میں ایک مرتبہ پھر جو نظر اٹھی تو دیکھا کہ وہی نوجوان عورت وہاں موجود ہے۔ لیکن اس مرتبہ بالکل تنہا ہے اور کرسی پر بیٹھی ہوئی کتاب دیکھ رہی ہے لباس بھی بالکل دوسرا ہے۔ پہلے تو پہاڑی قسم کے کپڑے پہنے تھی، لیکن اب گلشنی ساری زیب بدن ہے۔ خدا معلوم اس واقعہ سے میرے قلب پر کیا اثر ہوا کہ یکایک میں مسکرانے لگا۔ اور مجھے اپنی محبت کی فتح کا پورا یقین ہو گیا۔

اسی عرصہ میں رمیش بھی واپس آ گیا اور مجھے باصرار اندر لیتا گیا۔ ہم دونوں نے چائے پی اس کے علاوہ وہ میرا جی بہلانے کی کوشش کرتا رہا۔ اور میں برابر کھوئے کھوئے سے جواب دیتا رہا

(باقی اگلے صفحہ پر)

دیکھنا ہندوستان ہندوستان ہو جائیگا

(از جناب منشی گرو شرن لال ادیب لکھنوی)

(خاص تیج ویکلی کے لئے)

جوشِ حُبِ قوم اگر پیدا یہاں ہو جائے گا ۔۔۔ دیکھنا ہندوستان ہندوستان ہو جائیگا

راہِ الفت میں جو بے نام و نشاں ہو جائیگا ۔۔۔ وہ حیاتِ جاوداں کا رازداں ہو جائیگا

اڑ کے پہنچی گر وہاں خاکِ شہیدانِ وطن ۔۔۔ سرمۂ چشمِ بصیرت آسماں ہو جائیگا

وہ بھی کیا دن تھے کہ جب باغِ وطن میں تھی بہار ۔۔۔ کون کہتا تھا یہ برباد خزاں ہو جائیگا

مدعائے دل عیاں ہو گا زبانِ حال سے ۔۔۔ خامشی ہی ایک اندازِ بیاں ہو جائیگا

اے اسیرانِ قفس ذوقِ رہائی چاہیئے ۔۔۔ خود بخود صیاد اک دن مہرباں ہو جائیگا

اتحادِ قوم کا جوشِ عقیدت چاہیئے ۔۔۔ نالۂ ناقوس خود بانگِ اذاں ہو جائیگا

گلستاں کی الفتِ صادق کا وہ وقت آئیگا ۔۔۔ دور جب دل سے خیالِ آشیاں ہو جائیگا

المدد شوقِ شہادت چارہ سازِ الوداع

درد خود ہی چارۂ دردِ نہاں ہو جائیگا

(پچھلے صفحہ سے)

آخر وہ بھی میری اس بے کیفی سے اکتا گیا اور کسی کام کا بہانہ کرکے وہاں سے اٹھ گیا۔ میں پھر آکر اسی درخت کے نیچے کرسی پر لیٹ گیا۔

غرضیکہ سارا دن اسی طرح گزرا کبھی وہ برآمدے میں آکر بیٹھ جاتی۔ کبھی ٹہلنے لگتی، کبھی کمرے میں جاکر ہارمونیم بجانے لگتی اور کبھی گھنٹوں کے لئے غائب ہو جاتی لیکن میں زیادہ وقت تک وہیں بیٹھا رہا۔ صرف زمیں کے پکارنے پر تھوڑی دیر کے لئے اندر اٹھ جاتا اور پھر وہیں آ بیٹھتا۔ دوپہر کا کھانا بھی میں نے نہ کھایا۔ شام کو تفریح کو بھی نہ گیا اور رات میں نیند بھی بہت کم آئی

دوسرے دن صبح پھر میرا وہی شغل تھا اب ہیلن سے نہ رہا گیا اور اس نے مجھے اندر بلا کر بہت کچھ سمجھایا بجھایا۔ ایک دوست کو فسا بویں کرنے کے لئے اس سے خفہ ہو جانے سے بہتر اور کوئی ذریعہ نہیں ہے چنانچہ اسی پر میں نے عمل کیا اور پوری طرح کامیاب ہوا اس نے مجھے میری ونسی پر چھوڑ دیا۔ اور میرے ساتھ تمام خطرات برداشت کرنے کو تیار ہو گیا ؂

(۲)

خوش قسمتی سے زاین سنگھ سے میرے پرانے تعلقات نکل آئے، جب میں کیمبرج سکول ڈیرہ دون میں پڑھتا تھا تو وہ میرا ہم جماعت تھا۔ اب وہ نوج میں شامل ہو گیا تھا۔ مجھے ایک اچھا بہانہ مل گیا اس کی چونکہ وہاں قرابت تھی اس لئے ظاہر ہے کہ وہ مجھے اس کا صحیح پتہ مل سکتا تھا کئی دن کی ادھیڑ بن اور کشمکش کے بعد بالآخر ایک دن میں نے وہاں جانے کا ارادہ کیا اور وقت ایسا تجویز کیا جب کپتان صاحب مکان پر موجود نہ ہوں میں نے جانے کی تیاری بہت پہلے سے شروع کر دی۔ اور کپڑے پہننے ہی میں کئی گھنٹے صرف ہو گئے۔ کبھی نکٹائی ٹیڑھی ہو جاتی کبھی پتلون پر شکن پڑ جاتی، اور ٹائی کم بخت نے تو بہت دیر پریشان کیا۔ باوجود اتنی کاوش کے مجھے اطمینان نہ ہوتا تھا کیونکہ کسی نہ کسی چیز میں کوئی نہ کوئی کسر ضرور رہ جاتی تھی اس میں ایک راز تھا۔ لیکن وہ راز اس وقت مجھ پر ظاہر نہ ہو سکا۔ واقعہ یہ تھا کہ مجھے خود اپنی صورت بڑی حسین اور پیاری معلوم ہو رہی تھی۔ اس وجہ سے ہر چیز مجھے ناموزوں نظر آتی تھی۔ کئی بار میں بال بناتے بناتے یا ٹائی باندھتے باندھتے رک گیا۔ اور بڑی دیر تک آئینہ میں اپنی صورت دیکھتا رہا۔ میری پیشانی بہت فراخ ہے۔ اور مجھے ایسا معلوم ہوتا تھا کہ کوئی چیز اس میں اس وقت جگ مگ جگ مگ کر رہی ہے۔ میری آنکھوں میں اس وقت بلا کی دلآویزی اور کشش تھی، وہ مجھ سے باتیں کرتی ہوئی معلوم ہوتی تھیں۔ حتیٰ کہ ایک مرتبہ میں ضبط نہ کر سکا اور میں نے بے ساختہ آئینہ پر اپنی آنکھوں کا بوسہ لینا چاہا۔ لیکن افسوس میں کامیاب نہ ہوا۔ میں نے صرف اپنے ہونٹوں کو چوم لیا۔ اسی کشمکش میں مجھے غصہ آ گیا۔ میں نے ہر چیز کو منتشر کر دیا۔ بال بھی بگاڑ ڈالے ٹائی کو بھی آدھی سے لٹکنے دیا۔ کوٹ کے بٹن بھی نہ لگائے۔ اسی حالت میں ڈریسنگ روم سے باہر نکل آیا اور اس طرف روانہ ہو گیا۔ ممکن ہے میرا یہی انتشار میری کامیابی کا باعث ہوا ہو۔ لیکن عورتیں نے کچھ نہ کیا تھا میں تمام بے تکلفی میری اس بدحواسی کا مرہون منت تھا۔ اب تو مجھے بہت سے تجربے ہو چکے ہیں اور میں نہایت وثوق کے ساتھ کہہ سکتا ہوں کہ مرد کی زیبائش صرف اسی وقت تک عورت پر اثر کر سکتی ہے جب تک اس میں نسائیت کا شائبہ نہ پیدا ہو۔ وہ مرد ایک عورت کی فطرت سے قطعاً بے خبر ہیں جو اپنے بناؤ سنگھار سے، اپنی کلائیوں کے پیچ اور کمر کی لچک سے، یا اپنی سراپا نزاکت سے، ایک عورت کو مرعوب کرنا چاہتے ہیں بناؤ سنگھار کی اس کے پاس کیا کمی۔ دراصل یہ تو اسی کی چیز ہے۔ وہ تو اس چیز کی متلاشی ہوتی ہے جو اس کی نسائیت کی ضد ہو۔ ایک مرد کی نظر ہر چیز میں نسائیت ڈھونڈتی ہے۔ اور اسے وہی ادا مرغوب ہوتی ہے جس سے نسائیت جھلکتی ہو۔ اس کا معیار حسن ہی نسائیت ہے۔ لیکن ایک عورت تو مرد کو صرف مرد کی حیثیت سے دیکھنا چاہتی ہے کبھی کبھی وہ اسے اس لئے غصہ دلاتی ہے کہ اس کا غصہ میں شیر کی طرح بپھر جانا اسے بڑا بھلا معلوم ہوتا ہے۔ اکثر کسی مرد کی بھاری آواز پر کسی کو دل خراش اور مہیب معلوم ہوتی ہے۔ لیکن ایک عورت اس میں ہزاروں نغمے پوشیدہ پاتی ہے، اور اپنی بے چین فطرت کی تسکین بھی، اکثر وہ کسی ایسے شخص کے سامنے سر نیاز خم کر دیتی ہے جس پر دنیا حیرت کرتی ہے لیکن نہیں سمجھتی کہ اس عورت کا شباب اس میں موجزن ہے اس لئے خواہ مخواہ اسے ایک ناقابل فہم معمہ تسلیم کر لیتی ہے ؂

(۳)

بہرحال میں اوورکوٹ ہاتھ پر ڈال کر چل دیا۔ اس کے کمپاؤنڈ کے پاس پہونچ کر میں نے رومال نکالا اور پسینہ پونچھنے کی بے سود کوشش کی۔ بے سود اس لئے کہ جتنا میں صاف کرتا تھا۔ اس سے دگنا پسینہ اور نکل آتا تھا۔ غرض میں کمپونڈ میں داخل ہو گیا۔ اب میرا دل دھک دھک کر رہا تھا۔ اور اتنی زور سے کہ میں اپنے کانوں سے اس کی آواز سن سکتا تھا۔ لیکن میں نے اس کی کچھ پروا نہ کی اور میں بڑھتا چلا گیا۔ اب تو میرا چلنا بھی دشوار ہو گیا۔ میرے پاؤں لڑکھڑانے لگے، بالکل اس طرح جیسے کوئی مخمور ہو۔ میرے حواس بھی بجا نہ تھے، لیکن ان میں سے کوئی چیز بھی میرے راستہ میں حائل نہ تھی، میں بالآخر وہاں تک پہنچ گیا۔ برآمدے میں صرف ایک ملازم بیٹھا تھا۔ میں نے اس سے دریافت کیا؛ کپتان صاحب موجود ہیں جواب تو میں پہلے ہی سے جانتا تھا۔ اس نے کہا۔

"نہیں"

میں چند سکنڈ خاموش کھڑا رہا۔ غالباً میں پھر طالب ہونا چاہتا تھا کہ ایک خادمہ اندر سے نکل کر آئی میں چونک پڑا۔ ایسے ہی جیسے کوئی ہرن شکاری کو دیکھ کر چونک پڑتا ہے۔ اس نے آتے ہی مجھ سے سوال کیا۔

"آپ کیسے آئے ہیں"

میں نے شاید اس سے کہا۔

"میں کپتان صاحب سے ملنے آیا ہوں۔ ایک کاغذ اور پنسل لا دو میں کچھ لکھ کر چلا جاؤں" مجھے خوب یاد ہے کہ اس وقت میری جیب میں فاؤنٹین پن اور کاغذ دونوں تھے، میں یہی چھوڑ سکتا تھا لیکن خدا جانے کیوں میں نے کاغذ پنسل طلب کیا اور مجھے لکھنا بھی کیا تھا۔ ماما مسکرائی۔ اس طرح جیسے وہ میری بات کا مطلب سمجھ گئی ہو اور اندر چلی گئی۔ تھوڑی دیر کے بعد وہ پھر واپس آئی اور دفتر کے کمرے کی طرف اشارہ کرکے کہا: "وہاں چلے جائیے اور بیٹھ کر کچھ لکھ لیجئے" اس نے کچھ بد خاص زور دیا۔ مجھے ایسا معلوم ہوا جیسے میری کمزوریاں اس پر آشکارا ہوئی جاتی ہیں۔ اس لئے میں جلدی سے کمرے میں داخل ہو گیا۔ میز کے سامنے جو صدر کرسی پڑی تھی اس پر بیٹھ گیا۔ کاغذ کا پیڈ بھی سامنے رکھ لیا اور قلم بھی ہاتھ میں لے لیا لیکن یہ سمجھ میں نہ آتا تھا کہ لکھوں تو کیا لکھوں۔ آپ یقین کیجئے کہ اس وقت میں اتنا خالی الذہن تھا کہ خط شروع کرنے کا طریقہ بھی یاد نہیں رہا تھا۔ میں کچھ دیر یوں ہی بیٹھا رہا۔ اور خواہ مخواہ کاغذ پر طرح طرح سے اپنے دستخط کرتا رہا اس از خود رفتگی کے عالم میں ایک مرتبہ مجھے ایسا محسوس ہوا کہ کسی کا سایہ مجھ پر پڑ رہا تھا۔ میں گھبرا کر کھڑا ہو گیا۔ وہ میرے سامنے موجود تھی۔ اس نے مسکرا کر کہا: "یہ آپ کیا لکھ رہے ہیں؟" میں شرما گیا اف۔ اس نے میری کمزوری معلوم کر لی حسین عورت بڑی ذکی ہوتی ہے۔ وہ ذرا ذرا سی بات سمجھتی ہے آنکھوں کی بات، دل کی بات، اس کی ذکاوت ایک مستقل خطرہ ہے۔ مرد اس کا مقابلہ نہیں کر سکتا میں اس کے سامنے اس طرح گردن جھکائے کھڑا تھا جیسے کوئی قتل کا ملزم کسی جج کے سامنے اپنی موت اور زندگی کا فیصلہ سننے کے لئے کھڑا ہوتا ہے۔ اس کے ہاتھ میں پان کی تھالی تھی، اور وہ مسکرا رہی تھی میں سر سے پیر تک پسینہ میں ڈوبا ہوا تھا اور اپنے تمام جسم میں ایک ہلکی سی کپکپی محسوس کر رہا تھا۔ لیکن میرا دل اس وقت تقریباً ساکت تھا۔

اے کاش ہم دونوں تمام عمر اسی طرح کھڑے رہتے۔

بالآخر اس خاموشی کو اسی نے توڑا۔ ایک خاص انداز سے اس نے کہا۔

"کیا آپ پان کھائیں گے؟"

ایک عورت اپنے شکست خوردہ کے لئے سخت ظالم بن جاتی ہے۔ وہ اس سے اس طرح کھیل آتی ہے جیسے کوئی سانپ کو مارنے کے بعد اس کا سر پکڑ کر پتھر سے رگڑتا ہے۔ وہ چٹکیاں لے لے کر ٹالتی ہے اور مسکرا مسکرا کر مزے لیتی ہے۔ خدا جانے میں نے اس کے اس سوال کا کیا جواب دیا۔ مجھے یاد نہیں۔ شاید میں کوئی جواب نہ دے سکا۔ اس نے ایک پان مجھے کچھ ایسے غیر ارادی طور پر خاموشی سے اسے قبول کر لیا اور وہ یکایک وہاں سے غائب ہو گئی۔ میں بہت دیر تک بت بنا وہیں کھڑا رہا۔ اور شاید دس پانچ منٹ اسی طرح کھڑا رہا۔ میں کچھ سوچ بھی نہ رہا تھا، صرف کھڑا تھا اور بت کی طرح کھڑا تھا۔ میں تمام واقعہ پر ایک واقعہ کی حیثیت سے اعتبار کرنے کے لئے یعنی یہ سمجھنے کے لئے کہ یہ سب کچھ خواب تو نہ تھا میں نے ایک مرتبہ حیا خفگی کے ساتھ اپنا منہ کھولا اور اپنے ہاتھ سے گویا ایک پان اپنے منہ میں رکھ لیا۔ پھر یکایک میں اوپر سے جھک کر خود بخود ٹھر گیا اور ایک ہلکے سے قہقہے کی آواز میرے کانوں میں گونجی۔ اب مجھے ہوش نہ رہا۔ گھڑی جلدی مسرت کی گھڑیاں گن رہی تھی۔ میں فوراً میز پر بیٹھ گیا۔ پیڈ کا پہلا کاغذ چاک کرکے دوسرے کاغذ پر الٹا سیدھا کچھ لکھا۔ لفافہ میں بند کرکے وہیں میز پر چھوڑا۔ اور جلدی جلدی باہر نکل آیا ؂

(۴)

اب ہمارے درمیان خط و کتابت شروع ہو گئی تھی۔ لیکن نہایت سنجیدگی کے ساتھ، ایک محبوب کی متانت اور سنجیدگی شوخی سے زیادہ کارگر ہوتی ہے شوخی تو اس برہنہ شمشیر کی طرح ہے جسے ڈھال روک سکتی ہے لیکن سنجیدگی ان تیروں کی طرح ہے جن کی پرواز کی کوئی خبر نہیں ہوتی۔ جب کبھی میں بے تابانہ اپنے صدمہ سے تجاوز ہوتا تو وہ جواب میں لکھتی۔

"ناحق آپ مجھ سے محبت کرتے ہیں۔ میں اس کا کیا جواب دے سکتی ہوں۔ اس روز نہ جانے آپ نے کیا سمجھ لیا۔ شاید آپ کو اس کا بھی احساس نہیں کہ میرے آپ کے درمیان کتنی خوفناک خلیجیں حائل ہیں۔ پھر اگر ایسا نہ بھی ہو تو میں آپ کو پیش ہی کیا کر سکتی ہوں۔ محبت کی لذتوں سے بے بہرہ ہی نہیں بلکہ منکر اور متنفر دل آپ کے کس کام کا؟"

غرضیکہ میں اپنی کیفیت میں مدہوش تھا دن میں بیسیوں خط لکھتا اور چاک کر ڈالنا یہی میرا کام تھا۔ میں نے کبھی بھول کر بھی یہ نہ سوچا تھا کہ مجھے یہاں سے جانا بھی ہوگا۔ اگر کبھی یہ جانسوز خیال آتا بھی تو میں جھنجھلا کر اسے اپنے ذہن سے نکال دیتا اور پھر اسی کیف مسرت میں محو ہو جاتا۔

یکایک میرے والد کا تار آیا۔ انھوں نے مجھے واپس بلایا تھا۔ [illegible] گو تار میں کوئی [illegible] ایسی دہشت ناک

(باقی مضمون صفحہ ۲۴ پر)

حبش کا جنگی نظام اور جغرافیائی حالات

اٹلی کو قدرتی مشکلات کا سامنا۔ جنگ پر فوجی نقطۂ نظر سے بحث

(ماہر جنگ کرنل اوری۔ جے۔ کوپر AVERY. J. COOPER ڈائریکٹر "ادارہ حربیہ و عسکریہ" (فورٹ ہمفریز آرمی وار کالج) انگلستان کے قلم سے)

(ترجمہ خاص برائے تیج ویکلی دہلی)

حبش کی جنگی حالت کا معائنہ کرنے سے پہلے یہ ضروری ہے کہ اس کی جغرافیائی تفصیلات سے ہمیں آگاہی ہو جائے۔

حبش (ابیسینیا) افریقہ کے وسط مشرق میں واقع ہے۔ اس کا رقبہ تقریباً (۳۵۰،۰۰۰) مربع میل ہے۔ یہ علاقہ دو بڑے حصوں میں منقسم ہے۔ جو سطح مرتفع کہلاتے ہیں۔ ایک سطح مرتفع شمال مشرق کی جانب چلی جاتی ہے اور دوسری جنوب مغرب کی طرف۔ ان دونوں کے درمیان ایک ڈھلواں غیر مرتفع علاقہ ہے۔ یہ زمین کے ساتھ ملا ہوا علاقہ دریائے آواش کے ساتھ ساتھ دور تک چلا گیا ہے۔ اور دارالحکومت عدیس ابابا کے جنوب مغرب میں جو جھیل کا علاقہ ہے وہاں تک اس کا سلسلہ چلا گیا ہے۔ فرانسیسی سمالی لینڈ کے مغرب میں یہ علاقہ "دناکل" کے نام سے موسوم ہے بالکل صحرا ہے۔ فرانسیسی انتظام اور ملک میں چلنے والی ریل جو جبوتی سے عدیس ابابا تک جاتی ہے اس صحرا کے دامن سے مس ہوتی ہوئی گذرتی ہے۔

شمال مغربی سطح مرتفع بہت ہی دشوار گذار ہے خراب راستے اور مشرق میں ناقابل رسا مقامات، پہاڑی راستوں کی صعوبتیں اور (۶۵۰۰) فٹ کی سطح بلند غیر ملکیوں کے لئے بڑی ہمت شکن ثابت ہوتی ہیں۔ اس کے برخلاف جنوب مشرقی سطح مرتفع اندرون ملک کی طرف تو بہت خراب اور بے ڈھب معلوم ہوتی ہے لیکن گراهاؤن سمالی لینڈ کی طرف ڈھال اختیار کر کے بالکل صاف راستہ بنا لیتی ہے اور اس قدر دشوار گذار نہیں رہتی جس قدر اور علاقے ہیں۔ اس کی بلندی سطح سمندر سے (۶۵۰۰) سے (۱۰،۰۰۰) فٹ تک ہے یہ علاقہ تقریباً غیر آباد ہے۔ کبھی کبھی جب جاڑوں میں بارش کا موسم شروع ہوتا ہے تو خانہ بدوش قبائل ادھر ادھر دکھائی دے جاتے ہیں ورنہ نہیں۔ آب و ہوا سخت گرم ہے۔ لیکن شمال مغربی سطح مرتفع کے علاقہ معتدل آب و ہوا کی وجہ سے خوشگوار ہیں۔ ان

علاقوں میں موسم باراں جون سے ستمبر تک رہتا ہے لیکن بیماری اور دیگر کمی بیشی ہو سکتی ہے۔

ذرائع آمد و رفت بہت ہی معمولی اور خراب ہیں یا مفقود ہیں۔ ریل کی آمد و رفت کے علاوہ تقریباً (۵۰۰) میل کی عمدہ سڑک بھی ہے۔ جس پہ موٹر

حبش پر اطالوی قبضہ کا نقشہ

FR. SOMALILAND فرانسیسی سمالی لینڈ

BR. SOMALILAND برطانوی سمالی لینڈ

ADDIS ABABA

MASSAWA

ADOWA

MAKALE

کھڑے خطوں کے سائے دار رقبہ میں

اور نومبر تک اطالوی افواج قابض ہو چکی ہیں۔

رانی ہو سکتی ہے اس کے علاوہ جن راستے بھی قابل لحاظ ہیں جنہیں ہم آسانی کے ساتھ عبور کر سکتے ہیں۔ یہ بات قابل غور ہے کہ ان مقامات پر جس قدر بھی اچھی اور نئی سڑکیں بنی ہیں یا تو خود اٹلی نے بنائی ہیں یا اطالوی امداد سے تیار کی گئی ہیں اور طالیہ نے مالی امداد دے کر ان سڑکوں کو اپنے مطلب کا بنا لیا ہے۔

حبش کی اصل فوج کا اندازہ صرف (۱۰،۰۰۰) افراد کا ہے۔ اس سال کے ابتدا میں (۱۰۰) مشین گنیں اور خود بخود چلنے والی رائفلوں سے زیادہ سامان حرب بھی نہ تھا۔ تقریباً (۲۰۰) توپیں مختلف سائزوں کی پائی جاتی ہیں۔ اور دیگر سامان حرب بھی تھوڑی مقدار میں ہے۔ کہیں کوئی خاص اہمیت نہیں رکھتا قانون کی رو سے حبش ہتھیار اور سامان حرب فرانس، اٹلی اور برطانیہ کی رضا مندی و اجتماع کے بغیر نہیں خرید سکتا تھا۔ فرانس نام سڑکوں پر حاوی ہے اور برطانیہ و اٹلی کا اثر حبش اور سمندر کے مابین ہے اس لئے سمندر کی طرف سے بھی کوئی امداد نہیں پہنچ سکتی تھی اس سے یہ اندازہ لگایا جا سکتا ہے کہ جنگ شروع

ہونے کے وقت حبش کے پاس اس قدر اسلحہ اور سامان جنگ نہ تھا جو جنگ کے لئے پوری طرح کفایت کر سکتا۔ جو کچھ اس کے پاس تھا وہ بہت معمولی تھا خود ملک میں اسلحہ سازی اور سامان جنگ بنانے کا کوئی معقول انتظام نہیں ہے۔

اب تک صرف ملک کی جغرافیائی اور عمومی کیفیت کا ذکر آیا تھا اب میں حبش کے عسکری نظام کی طرف توجہ کرتا ہوں یا حبش کے سیاسی فوجی پہلو کو آپ کے سامنے پیش کرتا ہوں:-

کسی فوجی مہم کا کوئی نہ کوئی مقصد اور مدعا ضرور ہونا چاہئے۔ بے کار خون اور پیسہ بہانے سے کیا فائدہ ہے۔ عام طور پر یہ مقصد ہوتا ہے کہ دشمن کی فوج کو شکست دے کر اس کا مال غنیمت لوٹ لیں۔ دشمن کو زیر کر کے اس کے علاقہ پر قبضہ کر لیں۔ یا اسے مجبور کر کے اپنے فائدہ کی صلح کریں یا اور کوئی سیاسی و ملکی فائدہ اٹھائیں بہرکیف لڑنے والوں کے سامنے کوئی نہ کوئی معین اور مخصوص مقصد ضرور ہوتا ہے اور اس کے پیش نظر سارے فوجی نظام کی ترتیب معرض ہوتی ہے۔

حبش اور اٹلی کی جنگ کو سامنے لیجئے۔ سیاسی و ملکی مقصد تو صاف طور پر دنیا کو ابھی معلوم نہیں لیکن فوجی نقطۂ نظر سے اگر مقصد جنگ کو جانچا جائے تو معلوم ہوگا کہ اٹلی کے ماتحت دو علاقوں یعنی ایری ٹیریا اور اطالوی سمالی لینڈ کو باہم ملحق کر دیا جائے۔ یہی تھا کہ ایڈوا کے مقام پر ۱۸۹۶ء میں حبش نے اٹلی کو جو شکست فاش دی تھی اس کا داغ بھی اپنے ماتھے سے دھو دیا جائے۔ علاوہ ازیں [illegible] معمولی ذخیرے پر بھی [illegible] یہ امر کہ سرزمین حبش میں [illegible] نکلنے کا بہت قوی امکان ہے [illegible] کی اٹلی کو ضرورت ہے [illegible] سے اٹلی کا بیڑا پار [illegible]

(باقی مضمون اگلے صفحہ پر)

حبش کا جنگی نظام اور جغرافیائی حالات

جنگ پر فوجی نقطۂ نظر سے بحث

{پچھلے صفحہ کا بقایا}

ممکن۔ خارجات ابھی تک طبر ستون اور غیر متعین تبدیلی کی حد سے آگے نہیں بڑھ سکے ہیں۔

علاوہ ازیں چالیس سال گزرنے پر بھی اریٹریا میں (۴۰۰۰) طالبوں سے زیادہ آبادکار نہیں ہیں۔ اس سے یہ سمجھنا کہ اٹلی حبش کو ایک نو آبادی قائم کرنے کے لئے حاصل کرنا چاہتا ہے۔ درست نہیں ہے۔

پس بظاہر یہ معلوم ہوتا ہے کہ اٹلی کا مقصد فوجی اور صرف فوجی زبردستی ہے اور اس کا مطلب یہ ہے کہ زیادہ وا اور اکسوم کے قبضے کے بعد جنوب مغرب کی طرف بڑھا جائے۔ حتیٰ کہ اطالوی فوج جانب جنوب سے آکر اس شمالی فوج سے مل جائے اور دونوں مل کر حبش کو مجبور کریں کہ وہ کوئی خاص معاہدہ کرنے یا ذلیل صلح کرنے پر مجبور ہو جائے اور اس طرح ۱۸۹۶ء کا داغ بدنامی بھی اٹلی کے ماتھے سے دھل جائے۔

اطالیہ کی جنوبی افواج کا مقصد یہ ہے کہ دو حصوں میں منقسم ہو کر اندرون ملک میں پہنچا جائے۔ ایک کالم "ویب مانا" کے مقام تک جائے اور "دری دوا" کے مقام پر ریل کی سڑک میں مزاحمت پیدا کرے اور دوسرا کالم "حرامہ" تک پہنچے۔ اور حبش میں آنے والے مال اور سامان خوردونوش کی سپلائی کو روکے اور شمالی افواج سے جا ملے اور اگر اس اثنا میں کوئی نفع بخش صلح ہو جائے تو اور بھی اچھا ہے۔

فوجی نقطۂ نظر سے تا دم تحریر اس جنگ میں کوئی خاص اہمیت و دلچسپی نہیں ہے۔ کیونکہ لڑائی یک طرفہ ہو رہی ہے۔ یہ نہیں سمجھنا چاہیئے کہ جنگ ختم ہو گئی ہے یا اٹلی کو فتح ہونی یقینی ہے۔ حبش کی طرف قدرتی اور جغرافیائی امداد اس قدر زبردست مدافعت کر رہی ہے کہ اٹلی کو کامل اقتدار حاصل ہونا یقینی نہیں۔ جب تک موسم باراں ختم نہ ہو جائے اہل اطالیہ جنگ شروع نہیں کر سکتے۔

علاوہ ازیں پانی کی کمی آمد و رفت کی پریشانیاں اور راستہ کی مشکلات ایسی دشواریاں ہیں کہ ان پر غیر حبشی آسانی سے عبور حاصل نہیں کر سکتے۔ باوجودیکہ اہل اطالیہ کو جدید سائنس کے آلات کی امداد حاصل تھی۔ انہیں حملہ آور ہونے کے لئے پورا ایک سال تیاری میں صرف کرنا پڑا۔ اس امر سے اطالیہ کی دشواریوں کا حال معلوم ہو سکتا ہے۔

اطالیہ نے جنگ کا جو نقشہ بنایا ہے وہ بہت آسان اور سہل ہے۔ ان کی یلغار نہایت معمولی کاموں پر مشتمل ہے۔ آہستہ آہستہ اندرون ملک میں داخل ہونا شمال میں طیر اطالوی سپاہ حملہ آور ہے۔ اوپر سے ہوائی جہاز کام کر رہے ہیں اور توپوں کو جگہ جگہ استعمال کیا جا رہا ہے۔ اس جنگ میں اطالیہ کا جانی نقصان بہت کم ہوا ہے لیکن مقصد کے لحاظ سے کوئی خاص کامیابی حاصل نہیں ہوئی۔

ہوائی جہازوں کے ذریعہ اٹلی والے فوراً پتہ چلا لیتے ہیں کہ کس جگہ غنیم جمع ہو رہا ہے۔ اسلحہ پوش موٹریں ذرا سی دیر میں چاروں طرف سے جمع ہو کر غنیم کا محاصرہ کر لیتی ہیں اور چونکہ حبشی افواج بہت آہستہ حرکت کرتی ہیں کیونکہ ان کے پاس گھوڑوں اور اونٹوں کے علاوہ کوئی ذریعہ رسل نہیں ہے۔ اس لئے اہل اطالیہ کو جگہ جگہ پہنچنے اور موقعوں پر فوراً اپنی افواج متعین و مقرر کرنے میں بڑی آسانی حاصل ہے۔

باوثوق ذریعہ سے معلوم ہوا ہے کہ اطالوی افواج نے ادگرات کے مقام پر سرحد عبور کر کے ۵ ستمبر کو حملہ شروع کیا۔ ۶ اکتوبر کو دریائے مارب کو عبور کر کے آدوا۔ ادگرات اور اکسوم کے مقامات تک پہنچ گئے۔ اور ہوائی جہازوں نے اس قبضہ کے تمام ان مقامات کو زبردست بمباری کا نشانہ بنایا جہاں حبش والے جمع ہو رہے تھے۔ جنوب میں جیسا کہ بیان کیا جاتا ہے۔ حبشیوں کو "دولال" کے قتال میں شکست دی۔ اور "تفرز" کے مقام پر بہت نقصان پہنچایا۔ آدوا پر کوئی خاص گھمسان کی لڑائی نہیں ہوئی بلکہ معمولی لڑائی کے بعد قبضہ ہو گیا۔ اور جنوب میں بھی "وردر" اور "دولال" کے مقامات کے درمیان کافی حصہ اہل اطالیہ نے دبا لیا۔

۱۰ اکتوبر کو اکسوم پر حملہ کرنے کی خبر آئی مگر اسے کلیسیا عیسوی کا مرکز سمجھ کر چھوڑ دیا گیا۔ ورنہ بڑا قتل ہوتا۔ مگر جنوبی علاقہ میں ایک اور مقام "گلاد" ...

(باقی صفحہ ۳۶ پر)

مہذب فساد

{خاص "تیج ویکلی" کے لئے}

شامت کا نام شرط ہے۔ اس کے بعد تو خدا پیدا مسبب الاسباب ہے۔ تباہیوں اور بربادیوں کے سامان خود بخود مہیا ہو جاتے ہیں۔ ملاحظہ ہو کہ اچھے خاصے بیٹھے بٹھلاتے شامت نے جو گھیرا تو میونسپل کمشنری کا سودا سر میں سما گیا۔ اور یہی خیال اٹھتے بیٹھتے سوتے جاگتے ذہن میں رہنے لگا کہ آخر ہم الکشن میں کھڑے ہو کر کیوں نہ میونسپل کمشنر بن جائیں۔ عطار بنئے، بساطی، جولاہے وغیرہ اگر میونسپل بورڈ کے ممبر ہو سکتے ہیں تو ہم تو پھر بھی معزز خاندان کے چراغ اور ہندوستان کے سابق فرمانرواؤں کے حقیقی وارث ہیں۔ انگریزی حکومت نہ گئی ہوتی تو آج تخت حکومت پر بیٹھے ہوتے، تو کیا ہم اتنے بھی گئے گزرے ہوئے کہ میونسپل بورڈ کی ایک نشست ہم کو مل جائے۔ ہم نے اپنے اس ارادہ پر جب خوب اچھی طرح غور کر لیا تو اپنے پڑوسی جناب تیر صاحب سے مشورہ لینے کی ضرورت اس لئے محسوس ہوئی کہ اول تو وہ بہت "پرانے" ہیں، دوسرے شہر میں ان سے بڑا "الکشنیا" اور کوئی نہیں سمجھا جاتا۔ تیسرے ایک سے دو کی رائے زیادہ مناسب ہوتی ہے، لہذا ہم نے جناب تیر صاحب کے پاس جا کر اپنے اس ارادہ کا اظہار کر دیا وہ گویا تیار ہی بیٹھے تھے، سنتے ہی کہنے لگے کہ حضرت آپ نے ایک بہت بڑی مشکل کو حل کر دیا اس وقت وہ بات کہی ہے جو خود میرے ذہن میں آج سے نہیں بلکہ عرصہ دراز سے موجود تھی، مگر اب تک ڈر کے مارے اس لئے اس بات کو زبان پر نہ لاتا تھا کہ شاید آپ میونسپلٹی کی ممبری کو اپنی شان سے گرا ہوا سمجھیں اور واقعہ بھی یہی ہے کہ میونسپل کمشنری کس کمیٹی کی بلا ہے آپ کے ایسے حضرات کو تو کونسل اور اسمبلی میں ہونا چاہئے، ہم نے تیر صاحب سے صاف صاف کہہ دیا کہ دیکھئے صاحب اس الکشن میں جس کا مقابلہ کرنا پڑے گا وہ روپیہ کو پانی کی طرح بہا سکتا ہے۔ پڑھا لکھا اور قابل آدمی ہے، ہر دلعزیز ہے۔ اس نے میونسپلٹی میں وہ خدمات انجام دی ہیں جن کا ہر ایک پر اثر ہے۔ پھر سب سے بڑی بات یہ کہ بڑے بڑے امیدوار اس کے

مقابلہ پر شکست ناکام رہ چکے ہیں اور دوسرے یہ حال ہے کہ اول تو اس الکشن کے لئے پانچ سو سے زیادہ روپیہ صرف کرنے کا ارادہ نہیں ہے، دوسرے عام شہرت اس خاکسار کے متعلق یہ ہے کہ تعلیمی حالت کچھ بہت زیادہ اچھی نہیں ہے: حالانکہ خدا گواہ ہے کہ محلہ بھر کے لوگ خواب سے خراب اور شکستہ سے شکستہ خط میں لکھے ہوئے خط پڑھوانے کے لئے آیا کرتے ہیں۔ مگر یہ واقعہ ہے کہ اکثر لوگ واقف بھی نہیں ہیں اور جو واقف ہیں، وہ اس عیب سے واقف ہیں کہ رئیس ابن رئیس ہیں۔ ہمیشہ بزرگوں سے لے کر اس ننگ خاندان تک سب نے بیٹھ کر کھایا ہے اور صاف بات یہ ہے کہ کبھی کسی پر دبدبہ نہیں جمایا بلکہ رعب اور دبدبے کو بالائے طاق رکھا۔ ان تمام حالات کو خوب سمجھ کر دیکھ لیجئے۔ تیر صاحب نے ہنس کر فرمایا

"یہ سب کچھ صحیح ہے مگر آپ کے مقابلہ پر ہے"

ہم نے کہا

"خدا تو اس کے ساتھ بھی ہو سکتا ہے"

تیر صاحب نے فرمایا: "اجی تو بہ کیجئے کبھی اس کے ساتھ نہیں ہو سکتا۔ آپ سے میں کیا بتاؤں کہ اس نے غریبوں کے دل کس طرح دکھائے ہیں۔ ایک شخص نے بغیر اجازت اس کا چالان ہو گیا تھا۔ بیچارہ اس نے لاکھ لاکھ ان حضرات سے کہا مگر ان کے کان پر جوں تک نہ رینگی۔ اور اس کو جرمانہ دینا پڑا۔ ایسے سنگدل کے ساتھ خدا ہو سکتا ہے۔"

ہم نے کہا:۔

"میر صاحب تو پھر آپ جانیں"

تیر صاحب نے سینہ پر ہاتھ مار کر کہا "جی ہاں میں ذمہ دار ہوں۔ اگر اس کی ضمانت ضبط نہ کرا دی ہو تو میرا نام تیر علی نہیں بلکہ جو جی چاہے کہئے گا"

اس حوصلہ افزا طریقہ پر اس مسئلہ کو طے کرنے کے بعد ہم نے تیر صاحب ہی کو الکشن کا انچارج بنا دیا۔ اور بات عدہ اپنی امیدواری کا اخباروں میں اعلان کرانے کے بعد ضمانت داخل کر کے تیر صاحب کی قیادت میں الکشن ورک شروع کر دیا۔ وارڈ

کے ایک ایک محلہ اور ہر محلہ کے ایک ایک گھر پر جا کر آستانہ بوسی کرنا تھی چنانچہ یہ کام اپنے ہی محلہ سے شروع کیا گیا۔ اور پہلے ہی دن اس بات کا اندازہ ہو گیا کہ اس محلہ کے تین سو پندرہ ووٹروں میں پندرہ تو بالکل ایسے ہیں اور چار ایسے ہیں جو الکشن کے وقت تک انشاء اللہ مر جائیں گے۔ باقی دو سو چھیانوے ووٹروں پر مختلف طریقوں سے اثر ڈالنے کی ضرورت ہے۔ بہرحال جب اپنے محلہ میں گشت کر کے شام کو واپس ہوئے تو تیر صاحب نے فوراً فرمایا:۔

"اس محلہ پر گشت کرنے کے بعد تو آپ مایوس ہو گئے ہوں گے مگر جناب یہ الکشن ہے۔ اس کو وہی سمجھ سکتا ہے جو اس میدان میں برسوں کے ہوئے ہوں۔ میں تو آپ کا رنگ دیکھ کر بھی مطمئن ہوں۔ میں نے نواب چھٹو صاحب کے ساتھ کام کیا تھا۔ اس وقت بھی سب میں آپ کے سر عزیز کی قسم صرف دو ووٹ ملنے تھے، مگر بعد میں کیا ہوا یہ سب ہی جانتے ہیں کہ نواب چھٹو صاحب جیتنے سے بال بال بچے تھے، بہرحال اس وقت ضرورت اس بات کی ہے کہ آپ روپیہ نکالئے اور ہر محلہ میں اپنے ورکر مقرر کیجئے۔"

ہم نے کہا۔

"جناب میں یہ کچھ نہیں جانتا۔ روپیہ حاضر ہے رہنے دیجئے اپنے پاس رکھئے۔ اور الکشن لڑیئے۔"

تیر صاحب نے کان پکڑ کر کہا: "نا صاحب روپے سے تو بندہ دور بھاگتا ہے۔ روپیہ مجھ سے بہت بھاگا ہے اب میں روپیہ سے بھاگ رہا ہوں، روپیہ اپنے ہی پاس رکھئے۔ البتہ میں بتا دوں گا کہ کس طرح صرف ہو۔ ورکروں میں روپیہ فوراً تقسیم ہونا اشد ضروری ہے۔"

ہم نے دو سو کے نوٹ نکالتے ہوئے کہا۔

"تیر صاحب آپ ہی مجھ سے غیریت برتیں گے تو ہو چکا یہ الکشن، لیجئے یہ دو سو روپے باقی کل حاضر کروں گا۔"

سپردم بتو مایۂ خویش را ✦ تو دانی حساب کم و بیش را

تیر صاحب نے منہ موڑ کر کہا: "بھائی یہ نہ کرو میں روپیہ سے بہت ڈرتا ہوں:"

ہم نے تیر صاحب کے قدموں پر روپیہ ڈال دیا۔ اور واقعی اُن کے ایسے ہمدرد پر سے اگر روپیہ نچھاور بھی کر دیا جائے تو کوئی بات نہیں ہے۔ بہرحال تیر صاحب نے بادل ناخواستہ اس روپیہ کو جیب میں رکھا اور دوسرے دن کا پروگرام طے کرنے کے بعد تشریف لے گئے۔

دوسرے دن تیر صاحب پندرہ بیس آدمیوں کو ساتھ لے کر تشریف لائے اور آتے ہی ہم کو دیکھ کر نہایت زور و شور کے ساتھ نعرہ بلند کیا۔

"آپ کو مبارک ہو، ہم سمجھ کر کہ شاید ہمارا مقابل مرعوب ہو کر ہمارے حق میں دست بردار ہو گیا ہے، اٹھ کھڑے ہو کر کہا: "خیریت تو ہے؟" تیر صاحب نے اکڑ کر فرمایا۔ "بس اب جیت لیا۔ اور باقاعدہ کر جیت لیا انشاء اللہ۔" ہم حیران ہی تھے کہ آخر واقعہ کیا ہے کہ تیر صاحب نے ہمارے ملازم کو سب کے لئے چاء لانے کا حکم دے کر صدر میں بیٹھتے ہوئے ہم کو اپنے پاس اور باقی سب کو اپنے سامنے بٹھلاتے ہوئے فرمایا:۔

"یہ سب آپ کے ورکر ہیں اور آپ کے وارڈ کے ہر محلہ کے وہ منتخب نمائندے ہیں جو آپ کے مقابل صاحب کو قیامت تک نہیں مل سکتے، ان ہی حضرات کے ہاتھ میں ہر محلہ کے ووٹ ہیں اور یہی حضرات جس طرف ہوں گے اسی طرف کامیابی بھی ہو گی۔ اچھا اب آپ خود سُن لیں کہ آپ کی طاقت کیا ہے" یہ کہہ کر تیر صاحب نے ایک ایک شخص کو مخاطب کرنا شروع کیا۔

"کیوں بھائی بدلو تمہاری پرانی سرائے میں کل ووٹ کتنے ہیں؟"

"ایک سو دس"

"اس میں سے تم کتنے ووٹوں کا ٹھیکہ لیتے ہو؟"

"پچاسی"

تیر صاحب نے ہم سے کہا۔ "لکھئے پچاسی"

(باقی اگلے صفحہ پر)

(پچھلے صفحہ سے)

اور اس محلہ سے گویا آپ جیت گئے۔"

"حاجی صاحب آپ کے پورے محلہ میں کتنے ووٹ ہوں گے؟"

"دو سو سات"

"کتنے ووٹ ہم کو ملیں گے؟"

"ایک سو ستّی"

میر صاحب نے ہماری پیٹھ ٹھونک کر کہا۔

"دیکھا آپ نے لکھئے ایک سو اسّی اس محلہ سے بھی آپ ہو گئے۔ یہ حاجی صاحب ہمارے اپنے محلہ کے قطب ہیں، کوئی شخص ان سے باہر نہیں۔"

"اچھا بھائی منگل تمہاری منڈی میں تو سب سے زیادہ ووٹ ہیں تین سو بارہ کتنے ہم کو دو گے؟"

"حضور اوّل تو سب اور ... ہی سو تو چاہئے یہی سے منگا کر بند کر لیجئے۔"

میر صاحب نے ہم کو ایک نگاہ مارے ونجھا کر کہا۔

"دیکھئے کیا ہو۔ لکھو ڈھائی سو۔ یہ سب ووٹ ہم کو ملیں گے۔"

"دھائی عیدو مستری گلگنڈ گنج کے ٹھیکیدار ہو تمہارے یہاں ووٹ میں ایک سو چالیس۔"

"آپ مجھ سے آدھے سے زیادہ ووٹ لیجئے گا۔ زیادہ کیا کہوں۔ میں تو سب دیتا مگر اس آپ کے مقابل میر صاحب نے نل لگوا کر اور سڑک پختہ کرا کے بڑا ... کر لیا ہے؟"

میر صاحب نے کہا۔

"بہر حال بھاری جیت ہے۔ مگر اس سے کم نہ ملیں۔ اچھا بھائی ماسٹر تم اپنے باغ سے کتنے ووٹ دو گے؟"

"کیا اتنی ووٹ ہیں۔ ساٹھ ووٹ مدد سے جیتئے مجھے۔"

مختصر یہ کہ اسی طرح ہر محلہ کا حساب تیار ہوا، نتیجہ نکلا۔ اور حیران کن پر معلوم ہوا کہ ... ہزار ... میں سے اٹھارہ سو بیس ہمارے ووٹ ... اور دو سو ... ہمارے مقابل کے۔ گویا ... اور اس ... کی ضمانت ہی ضبط ... معلوم ہو گئے۔ ہم کیا عرض کریں کہ کس قدر مسرت ہوئی۔ میر صاحب نے فرمایا کہ لاؤ ابھی سے ہمارے گلے میں ہار ڈالو۔ مگر ہم نے خود اس کو سامنے ... کہا۔ ... میر صاحب سے ہم کو علی ... جا کر فرمایا کہ

"یہ لوگ ہر ایک کو یہیں مل سکتے ... اور ضرورت ... سا کر ... بھی ... حاصل کیا جائے ... سے زیادہ سے ... کو تو ... پاس ... ہیں۔ عقد ...

... کاٹ کر کہا۔

"لاحول ولا قوۃ۔ میں حساب کیا کروں گا۔ ٹھیکہ آپ نے دے دیا اچھا کیا۔ نہ دیجئے گا تو کام کیسے چلے گا۔ آپ حساب نہ بتائیے۔"

میر صاحب نے ہمارا بازو محبت سے دباتے ہوئے کہا۔

"مطلب یہ کہ کچھ لوگ رہ گئے ہیں تین سو روپیہ اور دو تو کام چلے۔"

ہم نے فوراً کمرہ میں جا کر باقی تین سو روپیہ نکال لاؤ میر صاحب کے ہاتھ میں رکھ دیا۔ میر صاحب نے نوٹ جیب میں رکھے اور ... عالم میں آ کر فرمایا۔ "اچھا بھائی تو آج کس محلہ میں گشت ہو؟"

ہم نے کہا۔ "حضور ابھی گشت نہیں پہلے ہم لوگ کام کر لیں اس کے بعد آپ کو لے چلیں گے۔ ابھی الکشن کو ایک مہینہ ہے۔ پندرہ دن ہم کھچڑی پکائیں۔ اس کے بعد کی پکائی آپ پندرہ دن کھائیں۔"

سب نے یک زبان ہو کر کہا بالکل ٹھیک۔ مگر میر صاحب نے کہا کہ "اس پندرہ دن میں بھی ہر روز کی رپورٹ شام کو ملنا چاہئے۔ سر روز شام کو یہاں سب جمع ہوا کریں۔"

اس پروگرام کے طے ہو جانے کے بعد سب لوگ منتشر ہو گئے اور اس کے بعد سے روزانہ شام کو دربار عام منعقد ہونے لگا اور روز کی رپورٹیں ملنے لگیں۔ کہیں دو سو میں سے سو ووٹ طے ہوئے تو کہیں ایک سو دس میں سے ایک سو نو۔ کہیں فریق مخالف کی کوئی چال کامیاب ہو گئی تو کہیں ہمارے ورکروں نے وہ چوٹ دی کہ یاد کرتے ہوں گے ہمارے مخالف بھی۔ مختصر یہ کہ پندرہ دن اسی عالم میں گذر گئے۔ اور اب وقت آیا کہ میر صاحب ہم کو لے کر دورہ میں نکلیں۔ چنانچہ سب سے پہلے میاں بدّا کے ہمراہ پرانی سرائے میں گشت کیا گیا۔ جہاں پہلے تو ووٹروں نے سیدھے منہ بات بھی نہ کی۔ مگر جب میاں بدّو ان لوگوں کو ہم سے ذرا علیحدہ لے گئے تو ان کی بگڑی ہوئی رگ درست ہو گئی۔ اور میاں بدّو نے واپس آ کر یہ راز افشا کیا کہ اس محلہ میں حضرت شیر شاہ کی درگاہ میں جو شخص سہری منوا دے گا اسی کو ووٹ ملیں گے اور چونکہ سہری پچاس روپیہ میں گویا بالکل مفت بن جائیگی لہذا ہم سے پوچھے بغیر بدّو میاں نے ان سے وعدہ کر لیا ہے اور اب سب راضی ہیں۔ یہاں سے کامیاب واپسی کے بعد ہم لوگ حاجی صاحب کے ہمراہ پہنچ گئے۔ یہاں حاجی صاحب نے اپنے اہل محلہ سے تنہائی میں مشورہ کرنے کے بعد ہم کو بتایا کہ اگر اس وقت پچاس روپیہ یہاں کی انجمن میلاد شریف کو دے دیئے جائیں تو سب کام نکل جائے۔ میر صاحب نے اس کی بھی منظوری بصورت نقد دے دی اور آگے بڑھے۔ عیدو مستری کے گلگنڈ گنج میں ایک وبا یہ پھیلی ہوئی تھی کہ یہ خاکسار جاہل مطلق ہے۔ لہذا ضرورت اس کی محسوس ہوئی کہ یہ خاکسار ایک جلسۂ عام میں تقریر کر کے اس خیال کی تکذیب کرے مگر چونکہ یہ خاکسار اپنی تقریر کی یہ بے وقعتی کرانا نہیں چاہتا تھا لہذا اس محلے پچیس روپیہ کے پچاس ووٹ خریدنے کے علاوہ اور کوئی صورت کارگر نظر نہ آئی۔ باقی محلوں میں بھی پندرہ دن کے اندر گشت ختم کرنے کے بعد میر صاحب نے یہ حساب بتایا کہ اب پانچ سو روپے ختم ہو جانے کے بعد مزید تین سو روپیہ تو واجب الادا ہے اور تین سو روپیہ کے اگر ووٹ خریدے جائیں اور دو سو روپیہ الکشن کے دن سواریوں کے لئے رکھا جائے تو الکشن آرام سے لڑا جائے گا۔ ہم نے اس پانچ سو کا کوئی خیال نہ کیا۔ مگر مزید آٹھ سو روپیہ کی فراہمی ذرا مشکل تھی۔ مگر بیوی کا زیور رکھ کر یہ رقم بھی حاصل کی گئی اور اب الکشن میں سرگرمی پیدا ہو گئی۔ البتہ جب عین الکشن کی رات کو یہ معلوم ہوا کہ فریق مخالف پانچ روپیہ فی ووٹ کی شرح سے روپیہ وارڈ میں بھا رہا ہے تو میر صاحب بندوق اٹھا کر شکار کھیلنے چل دیئے۔ اور اس خاکسار نے یہی مناسب سمجھا کہ لحاف کے اندر گھس کر

"آ جا ری نندیا تو آ کیوں نہ جا"

کی لوری گائے۔ مگر اس حادثہ کے بعد بھی آج تک ہر شخص یہ کہتے ہیں کہ۔

"ہم کامیابی سے بال بال بچ گئے۔"

اٹلی کی بری و بحری طاقت

حالت امن میں اٹلی کی فوجی طاقت ۲ لاکھ ۴۴ ہزار بیان کی جاتی ہے۔ اس کے پاس ۷ ہزار کلدار توپیں، ۲۱۰۰ بھاری توپیں، ۱۳ خاص کوہی بیٹریاں، ۲۴۰ جنگی جہاز وغیرہ، قابل بیٹریاں اور سو ٹینک ہیں۔ اٹلی کے جنگی ہوائی جہازوں کی تعداد ۵۰۷ ہے اور ہوائی فوج کی تعداد ۲۵ ہزار ہے۔

بحری بیڑہ میں ۴ بڑے جنگی جہاز۔ ۲۴ کروزر ۲۶ آبدوز اور اسّی توپ کے قریب دیگر جہاز ہیں۔ جنگی بیڑے میں ۵۰ ہزار ملّاح ہیں۔ علاوہ ازیں ۴۰ ہزار سپاہی پولیس ۴۴ ہزار ملیشیا اور ۲۶ ہزار جنگی کی پولیس ہے۔ جنگ حبش سے بہت پہلے اٹلی اپنے میزانیہ کا ایک چوتھائی حصہ فوجی قوت کی مضبوطی پر خرچ کرتا ہے۔ ریاست ہائے متحدہ امریکہ۔ برطانیہ۔ روس اور فرانس کے سوا کوئی ملک اٹلی کے برابر فوج پر خرچ نہیں کر رہا ہے۔

انسان کا بنایا ہوا دریا

دنیا کی عظیم ترین نہر ماسکو کے پایۂ تخت ماسکو اور والگا کے درمیان زیر تعمیر ہے۔ ۱۹۳۷ء میں یہ نہر جہاز رانی کے قابل ہو جائیگی۔ حکومت روس اس پر ایک کروڑ ۵۴ لاکھ پونڈ کی خطیر رقم خرچ کر رہی ہے۔ نہر کے ساتھ ہائیڈرو الیکٹرک کے متعدد اسٹیشن تعمیر کئے جائیں گے جن سے مختلف شہروں قصبوں اور قاموں کو برقی روشنی بہم پہنچائی جائیگی۔ یہ نہر بڑے بڑے صنعتی ... ... تک پہنچیں۔ مثال کے طور پر ماسکو اور لیننگراڈ کے درمیانی فاصلہ نہر بن جانے کے بعد موجودہ فاصلہ کی بہ نسبت ... میل کم ہو جائے گا۔

(بچوں کی دنیا)

حُبّ الوطنی

(از قلم جناب مائی دیال جین بی اے (آنرز) بی ٹی سینئر ٹیچر بی ڈی ہائی اسکول انبالہ)

(خاص تیج دیکلی کے لئے)

سارے جہاں سے اچھا ہندوستاں ہمارا + ہندوستاں کے ہم ہیں ہندوستاں ہمارا

(سر محمد اقبال)

سنسکرت زبان میں ایک کہاوت ہے کہ ماں اور مادر وطن بہشت سے بھی بڑی ہوتی ہیں۔ ایک بڑے آدمی نے کہا ہے کہ کیا کوئی ایسا آدمی زندہ ہے جس کی روح اتنی گر گئی ہے کہ اس نے اپنے دل میں یہ نہ سوچا ہو کہ پیاری جنم بھومی کی ترقی کرنا میرا فرض ہے۔ ہماری عزت ہمارے ملک کی عزت میں ہے اور ہمارا اس سے گہرا تعلق ہے۔ اس لئے اپنے ملک سے محبت کرنا اور اس کی خدمت کرنا سب کو بچپن سے سیکھنا چاہئے۔

اپنے ملک کی عزت کی حفاظت کرنا اور اس کے نام کو روشن کرنا وطن کے ہر ایک مرد عورت اور بچے کا فرض ہے۔ جو مرد عورت ملک کی حفاظت کے لئے اپنی جان قربان کر دیتے ہیں اور مصیبت برداشت کرتے ہیں ان کا نام ہمیشہ عزت سے لیا جاتا ہے۔ ایک محبِ وطن آدمی خواہ کہیں بھی جائے وہ یہی خیال رکھتا ہے کہ اس کے لئے سب سے اعلیٰ اور قابل عزت ملک اس کی جنم بھومی ہے۔ جب وہ غیر ملک میں ہوتا ہے تب وہ اپنے ملک کو بڑی عزت اور محبت کے ساتھ یاد کرتا ہے۔ اپنے ملک کے بہادر آدمیوں کے پاک نام ہر وقت اس کے کانوں میں گونجتے رہتے ہیں۔ ان کے بہادرانہ کاموں کی کہانیاں ہر وقت اس کی زبان پر رہتی ہیں۔ بہادروں کی عزت کرنا آدمی کا سب سے بڑا وصف ہے۔ اپنے بزرگوں کے اچھے کاموں سے ہر ایک آدمی کا سر اونچا ہوتا ہے۔

ہر ایک ملک میں بڑے آدمیوں اور دلیروں کا ہونا بہت ہی مفید ہوتا ہے۔ اس لئے بچوں کا یہ فرض ہے کہ وہ خود بڑا آدمی بننے کی کوشش کریں۔ اپنی صحت اچھی بنائیں۔ شروع سے ہی اچھی عادتیں ڈالیں اور اپنی زندگی کو پاک بنائیں۔

انہیں اپنے آپ کو اس قابل بنانا چاہئے کہ بڑے ہو کر وہ اپنے ملک کی خدمت کر سکیں۔ یاد رکھو کہ حُبّ الوطنی صرف بڑے بڑے کاموں میں ہی نہیں ہوتی۔ چھوٹے چھوٹے بھی ایسے بہت سے کام ہیں جو حُبّ الوطنی میں شامل ہیں۔ مثلاً غیر ملک میں کوئی ایسا کام نہ کرنا جس سے اپنے ملک کی بدنامی ہو اور اپنے ملک میں رہتے ہوئے غیر ملک والوں سے ایسا سلوک کرنا جس سے وہ تمہارے ملک کی تعریف کریں۔

ہر ایک آدمی کو چاہئے کہ وہ اپنے کام کو اعلیٰ سے اعلیٰ طریقہ سے کرے۔ یہ بھی حُبّ الوطنی ہے۔ نیک چال چلن والا ہونے کے علاوہ ہوشیار کاریگر بھی ہونا چاہئے۔ ایک ہوشیار اور قابل کاریگر کسی ملک کے لئے ایک عالم یا بہادر آدمی سے کسی لحاظ سے کم مفید نہیں ہوتا۔ کیا جن کاریگروں نے آگرہ کا تاج محل بنایا تھا انہوں نے ہندوستان کے نام کو دنیا میں روشن نہیں کیا؟ آج انہیں بہت کم آدمی جانتے ہیں لیکن ان کا بنایا ہوا تاج محل ہندوستان کے لئے فخر کی چیز ہے۔ کشمیر کے شال اور دوشالے بنانے والے اور ڈھاکے کی ململ بنانے والے کاریگروں نے ہندوستان کے نام کو دنیا میں مشہور کر دیا تھا۔ اس لئے اپنے کام کو خوبی کے ساتھ کرنا اور اس میں اپنی تمام قابلیت لگا دینا بھی حب الوطنی ہے۔ محنت کر کے بڑے عالم۔ قابل سوداگر۔ شاعر۔ اور سائنس دان بن کر بھی اپنے ملک کی خدمت کی جا سکتی ہے۔

ملکی ترقی کی زبردست خواہش ہی بہت سے عالموں کو غیر ملکوں میں لے جاتی ہے۔ وہاں جا کر وہ علم حاصل کر کے اپنے ملک کو نئی نئی باتیں سکھاتے ہیں۔

اپنے ملک کے قانون کی پابندی کرنی چاہئے۔ اگر کوئی قانون درست نہ ہو تو اس میں اصلاح کرانے کی پوری کوشش کرنی چاہئے۔ اپنے ملک کی حفاظت کے لئے ہمیشہ کوشش کرنی چاہئے۔

اپنے ملک کے سب آدمیوں سے بلا کسی تمیز کے محبت کرنی چاہئے۔ اس کے پہاڑوں دریاؤں اور ان میں سے پیدا ہونے والی چیزوں کا علم حاصل کرنا چاہئے اور حتی الامکان انہیں ہی استعمال کرنا چاہئے۔ اپنے ملک کے رہنماؤں کی سوانح عمریوں کو پڑھنا چاہئے اور ان پر عمل کرنے کی کوشش کرنا چاہئے۔ اپنی زبان۔ اپنے لباس اور اپنے رسم و رواج کو اپنانا چاہئے۔

وہی آدمی اپنے ملک سے محبت کرتا ہے جو اپنے گھر سے محبت کرتا ہے۔ اس لئے اپنے کنبہ محلہ اور شہر کو پیار کرنا اور ان کی ترقی کرنا چاہئے۔

یہ بات ہمیشہ یاد رکھنا چاہئے کہ حُبّ الوطنی ایک پھول کی مانند ہے۔ اور اس خوبصورت پھول سے خدمتِ وطن کے میٹھے پھل لگنے چاہئیں۔ اگر ہماری زندگی کا مقصد خدمتِ وطن کی خدمت کرنا نہیں ہے تو کہنا چاہئے کہ ہمارا حُبّ الوطنی کے گیت گانا صرف بناوٹ ہے۔ ہمارے ملک کی ترقی ہماری خدمتِ وطن پر ہی منحصر ہے۔ ایسا کام ہرگز نہیں کرنا چاہئے جس سے ملک کو نقصان پہنچے۔ ہمیشہ یاد رکھو کہ ملک سے غداری کرنا مہا پاپ ہے۔

بھول کر بھی یہ خیال مت کرو کہ حب الوطنی کا مطلب غیر ملکیوں یا غیر ملک والوں سے نفرت کرنا ہے۔ ہر ایک آدمی سے محبت کرنا ہمارا فرض ہے۔

آزاد زندگی غلامی سے بہتر

(از جناب مولانا عبد الباری صاحب آسی)

ساگ دھوتا تھا کہیں بیٹھ کے اک دن سقراط | تا کہ تیار کرے شام کے کھانے کو غذا
اتنے میں گذرا اُدھر سے کوئی شاہی افسر | ہنس کے سقراط سے از راہِ تمسخر یہ کہا
خدمتِ شاہ میں رہتا تو اگر اے سقراط | تو یقیں یہ ہے کہ محتاج نہ ہوتا اتنا
کچھ نہیں پاس ترے کھانے پہننے کیلئے | کبھی بھوکا تجھے پاتے ہیں کبھی ہم ننگا
اسی صورت سے دیئے سینکڑوں طعنے اس نے | سن کے سقراط نے ان سب کو بالآخر یہ کہا
تم نے جو مجھ سے کہیں میں نے سنیں وہ باتیں | اب جو میں کہتا ہوں تم ان کو سنو دل سے ذرا

ساگ پر میری طرح تم جو قناعت کرتے
تو غلامی کا نہ ہوتا یہ کمر میں پٹکا

اقوالِ زرّین

قدرت سے وہ انعام ملتا ہے کہ سنگدل بھی موم ہو جاتا ہے۔

حق شناسی ایسی چیز ہے جس سے کبھی کسی کو ندامت پشیمانی نہیں ہوتی۔

بُرے ہیں وہ کھانے جو ذلت سے حاصل ہوں

جب موت آتی ہے تو پھر کوئی حیلہ کارگر نہیں ہوتا۔

لالچی آنکھ کو قناعت بھر سکتی ہے یا قبر کی مٹی۔

لالچ نہ کرنے والا کسی کا شرمندۂ احسان نہیں ہوتا۔

یقین ہی وہ چیز ہے جس میں کامیابی کا راز مضمر ہے۔

کام زندگی اور بیکاری موت ہے۔

نیکی سے ہر شخص کے ساتھ پیش آ سکتے ہو بدی ہر کسی کے ساتھ نہیں۔

دنیا بجلی اور چنگاری کی زندگی رکھتی ہے اس لئے اس پر اعتبار نہیں کرنا چاہیئے۔

خواہش ایک زبردست محرک ہے جو ارادے سے توجہ پیدا کرتی ہے۔

ظالم ہمیشہ مروّت کے چہرہ کو ظلم کے پنجے سے زخمی کرتے ہیں۔

لالچ انسان کو زرد رُو بنا دیتا ہے۔

جب تو کسی کی مدد نہیں کر سکتا تو اس کے دُکھ کو اپنے ظلم و ستم سے اور زیادہ نہ کر۔

ہمت کے آگے فتح قریب ہے۔

پاکدامنی ہزار عیب پر غالب رہتی ہے۔

مانگنے کی ذلت سے بھوکا رہنا اچھا ہے۔

موجِ تبسّم

لڑکا:۔ (باپ سے) کیوں جناب۔ آپ نے میری شادی کے متعلق کیا سوچا؟

باپ:۔ تمہاری شادی کی بات چیت تو ٹھیک ہو چکی ہے۔ تمہارے چچا کی خوشی ہے کہ وہ تم کو اپنا داماد بنائیں۔

لڑکا:۔ مگر ان کی لڑکی تو مجھے بھیا کہتی ہے

باپ:۔ شادی کے بعد نہیں کہے گی۔

لڑکا:۔ اور اگر کہا؟

باپ:۔ تم سمجھا دینا۔

لڑکا:۔ دیکھئے میں تین مرتبہ اسے سمجھا چکا ہوں۔ اگر اس کے بعد بھی وہ نہ مانی تو میں بھی اسے ہمشیرہ صاحبہ کہنا شروع کر دونگا۔

عاشق:۔ پیاری۔ تم پہلی عورت ہو جس سے میں دل سے محبت کرتا ہوں۔

معشوقہ:۔ لیکن آپ نے یہی الفاظ میری بہن مرحومہ سے بھی کہے تھے۔

عاشق:۔ ہاں۔ لیکن یہ تو ۔۔۔

۔۔۔ واقعہ ہے۔

ایک سیٹھ صاحب بیمار ہو گئے۔ اور یار دوستوں نے سول سرجن کے علاج کے لئے مجبور کیا۔

سیٹھ:۔ علاج میں کتنا روپیہ خرچ ہوگا؟

دوست:۔ یہی ۱۵ روپے فیس کے اور چار پانچ روپے کی دوا۔ کل تیس بیس روپیہ۔

سیٹھ:۔ اور اگر میں مر جاؤں تو کریا کرم میں کتنا روپیہ صرف ہوگا؟

دوست:۔ تین روپے کا کپڑا۔ ایک روپیہ کا گھی۔ ایک روپیہ کی لکڑی۔ سوا روپیہ دکشنا وغیرہ وغیرہ۔ کل چھ سات روپیہ کا خرچ ہے۔

سیٹھ:۔ تو مجھے مرنا بھلا ہے۔

دو دوست ٹیلیفون پر بات چیت کر رہے تھے۔

فضل:۔ آپ کون ہیں؟

شہزادہ:۔ ہم پٹھان ہیں

فضل:۔ آپ کہاں سے بولتے ہیں؟

شہزادہ:۔ منہ سے

فضل:۔ آپ کون صاحب ہیں؟

شہزادہ:۔ ہم صاحب نہیں مسلمان آدمی ہیں۔

فلسفۂ خیرات

ڈاکٹر ٹیگور کی ایک نظم کا آزاد ترجمہ

(از جناب بصری حالے علیگ)

(خاص پنج دیکلی کے لئے)

میں بھکارن گھروں پھیلائے سڑک پر بھیک مانگ رہی تھی ۔ اتفاق سے تم اسی وقت رتھ پر سوار ہو کر نکلے تھے ۔

تمہاری شان و شوکت ۔ تمہاری موتی کی رو پہلی ۔ صبح کا وہ سماں غرضیکہ تمام فضا مجھے ایک خواب سی معلوم ہو رہی تھی ۔

میں نے صبح کے وقت تمہارے درشنوں کو ایک نیک شگون سمجھا اور مجھے امید ہوگئی کہ آج مجھے در در کی ٹھوکریں نہ کھانی پڑیں گی ۔

جب تمہارا رتھ دوڑے گا تو بکھرے سڑک کے دونوں اطراف بھر جائیں گے اور میں اسے سمیٹ سمیٹ کر اپنی جھونپڑی کے کونے کونے کو بھر دوں گی ۔

لیکن تمہارا رتھ میرے پاس آکر رک گیا ۔ تم مسکراتے ہوئے اترے ۔ اور میرا راستہ روک کر کھڑے ہو گئے ۔

تمہارے درشن دیکھ کر میری ساری مصیبتیں دور ہو گئیں ۔ میرے دل کی امنگ بجھ گئی اور مسلسل پریشان کرنے والی راتوں کی یاد محو ہو گئی ۔

میں نہیں سمجھ سکی کہ تم نے کیوں یہ کہہ کر " مجھے کچھ بھیک دو " . . . . . اپنا نازک ہاتھ میری طرف پھیلا دیا ۔

میرے مالک ۔ یہ کیا راز تھا ۔ تم نے یہ کیسی بات کہہ دی . . . میں حیران و پریشان کچھ دیر خاموش سر جھکائے کھڑی رہی ۔

تم کھڑے رہے ۔ میں نے گھبراہٹ میں ایک حقیر

(صفحہ ۱۶ سے آگے)

گوبی کے مقام پر اطالیہ کا قبضہ ہو گیا ۔

معلوم ہوا ہے کہ حبش کی فوج اس طرح منقسم ہے:

سندھ	۸۰۰۰	دولکیت	۴۰۰۰۰
بالی	۴۰۰۰	دیسائی	۲۰۰۰
ڈیس لابا	۲۰۰۰		

ان میں سے بعض افواج تو غنیم سے کوئی دو سو

اناج کا دانہ جھولی میں سے تم کو دے دیا ۔ تم نے اسی کو خندہ پیشانی سے قبول کیا اور فوراً چلے گئے ۔

گھر آ کر میں نے جھولی زمین پر الٹ دی اور بے دلی سے مختلف قسم کے ٹکڑوں کو دیکھنا شروع کیا ۔

مجھے ان ٹکڑوں میں ایک چیز چمکتی ہوئی نظر آئی ۔

خیرات کی دوسری چیزوں کے درمیان سونے کا ایک دانہ پڑا ہوا تھا ۔

میں نے جو اناج کا دانہ تم کو دیا تھا شاید وہ اسی وقت سونا بن کر لوٹ آیا ۔

اس واقعہ کے بعد سے ہر وقت میری آنکھوں سے آنسو بہتے ہیں ۔

میں یہ سوچ کر روتی ہوں کہ میں نے اپنا تن من اور دھن سب تم پر کیوں نہ نثار کر ڈالا ۔

میل کے فاصلہ پر پڑی ہوئی ہیں ۔ ان فوجوں کے علاوہ ۸۵۰۰۰ کی فوج جنوبی حملوں کا جواب دینے کے لئے تعینات ہے ۔

۱۱ اکتوبر کو اکسوم کا مقام بھی فتح ہو گیا ۔ اور عدیگرات سے ادوا اور اکسوم کے مابین کی ساری سڑک صاف طور پر اطالیہ کے قبضہ میں آگئی اور اس کے مابین کا علاقہ اٹلی والوں کی فوج کے حملہ کرم پر آگیا ۔

۲۰ اکتوبر کو یہ خبر آئی کہ اہل حبش دریائے صیفت کو عبور کرنے کی فکر میں ہیں ۔ لیکن ۷ نومبر کی خبر سے معلوم ہوا کہ اہل برطانیہ نے حبشی فوج کو اس دریا کے ۔ . . . . . . مقامات پر قبضہ بھی کر لیا ۔ اور حبش کو نقصان کثیر پہنچا ۔ یہ علاقہ سوڈان کی سرحد سے ملتا ہے ۔ ۸ اکتوبر کو اکسوم پر قبضہ عمل میں آگیا ۔

لیکن جنوبی علاقہ میں تقریباً کوئی خاص کامیابی اٹلی کو حاصل نہیں ہوئی اور چار ہفتہ تک کوئی خاص حصہ اٹلی کے قبضہ میں نہ آیا ۔ ادھر سے آگے بڑھے ۔ ادھر سے آگے بڑھے اور پیچھے ہٹے ۔ اس قسم کی

نقل و حرکت کرنے کے علاوہ اہل اطالیہ نے کوئی خاص کرتب نہیں دکھایا ۔

ترابے کے شہر پر ۱۰ نومبر کو بڑی زبردست یلغار کی گئی ۔ اس کے بعد سے کہ یہ مضمون لکھا گیا اٹلی کی کسی خاص کامیابی کی خبر نہیں آئی ۔ بہر حال یہ یقینی ہے کہ اگر حبش کے علاقوں پر اٹلی کا قبضہ ہو بھی گیا تو زیادہ عرصہ تک وہ قائم نہیں رہ سکیگا ۔ اس جنگ میں جنگی کرتبوں کا کام بہت کم ہے ۔ صرف تعداد افواج اور سامان حرب اور سامان خورد و نوش کے پہنچنے پر کسی فریق کے جیتنے اور ہارنے کا انحصار ہے ۔ آج سے چالیس سال قبل اٹلی نے جس تیزی سے جلد قبضہ کیا تھا اس دفعہ اتنی جلدی نہیں ہو رہا ہے اس کا شاید مطلب یہ ہے کہ اٹلی والے پہلے کے تجربہ سے خائف ہیں اور جلدی جلدی قبضہ کر کے آگے کی طرف بڑھنا نہیں چاہتے ۔ لیکن خواہ نتیجہ کچھ بھی ہو اہل اٹلی کے لئے یہ جنگ بہت قیمتی ثابت ہوگی ۔ اہل حبش کی جنگی تہی دستی کو قدرتی امداد اور جغرافیائی پشت پناہی نے پورا کر دیا ہے ۔ لیکن ابھی تک کسی فریق کا مستقبل بھی

ناکام محبت

(صفحہ ۱۴ سے آگے)

خیر و رح نہ تھی۔ لیکن تار کو پڑھتے ہی گویا میرے جسم میں جان ہی نہ تھی۔ ہاتھ پاؤں ٹھنڈے پڑ گئے اور پیشانی سے پسینہ ٹپکنے لگا۔ مجھے ایسا نظر آتا تھا کہ دنیا میری آنکھوں کے سامنے چکر کھا رہی ہے۔ کمرے کی ہر چیز جلد جلد اس طرح میری آنکھوں کے سامنے آتی اور غائب ہو جاتی جیسے میں سنیما دیکھ رہا ہوں۔ میرا دماغ معطل سا ہو گیا۔ میں نہ کچھ سوچ رہا تھا نہ سمجھ رہا تھا صرف بیٹھا تھا اور دیوار کو منہ کھولے تک رہا تھا۔ بیٹھے بیٹھے میں نے آنکھیں بند کر لیں۔ تار ہاتھ سے چھوٹ کر زمین پر گر پڑا۔ میں نہیں کہہ سکتا کہ کتنی دیر تک میں اسی خود فراموشی کے عالم میں پڑا رہا۔ جب کبھی حواس ذرا درست ہوئے تو خط لکھنے بیٹھ گیا۔ میں نے خط میں کیا کیا لکھا۔ یہ اس کو خبر ہے۔ مجھے کچھ معلوم نہیں۔ لیکن اتنا یاد ہے کہ آنسوؤں کا ایک تار تھا جو بندھا ہوا تھا اور میں برابر لکھے جا رہا تھا۔ کئی صفحے لکھنے کے بعد طبیعت کچھ ہلکی ہوئی میں نے خط کو لفافہ میں بند کر کے ڈاک میں بھجوا دیا اور روانگی کی تیاری میں مصروف ہو گیا۔

دوسرے دن علی الصبح اسباب لے کر روانہ ہو گیا۔ لیکن رمیش اور میں ناشتہ کے لئے ٹھہر گئے۔ اس سے فارغ ہونے کے بعد ہم ڈانڈی پر بیٹھ کر کاٹھ گودام کی طرف روانہ ہو گئے۔ میں اس سے باقاعدہ رخصت بھی نہ ہوا۔ اور نہ میں نے چلتے وقت اس کے بنگلہ کی طرف نگاہ ڈالی۔ مجھے اندیشہ تھا کہ کہیں میں رو نہ دوں۔ یہ میری ایک خاص کمزوری تھی۔ اسی لئے میں ہمیشہ نہ کسی کو باقاعدہ رخصت کرتا تھا اور نہ کسی سے رخصت ہوتا تھا کیونکہ میں اپنی بزدلی کا ثبوت نہ دینا چاہتا تھا۔

سڑک بل کھاتی ہوئی چلی جا رہی تھی۔ ادھر اُدھر اونچی نیچی پہاڑیاں تھیں۔ اور مناظر شاید نہایت ہی دلکش تھے۔ اگرچہ میں اس راستہ پر بارہا مرتبہ گذرا تھا اور اس کی ایک ایک عمارت اور ایک ایک درخت سے اچھی طرح واقف تھا۔ اگرچہ میں ڈانڈی میں آنکھیں کھولے بیٹھا تھا اور غنودگی بھی مجھ پر طاری نہ تھی لیکن مجھے کچھ نظر نہیں آ رہا تھا۔ صرف کالا کالا اور سفید سفید دھواں سا دونوں جانب اُڑتا ہوا دکھائی دیتا تھا اور اس میں سے کبھی کبھی تارے سے چمک جاتے تھے۔ شاید میری نگاہ کھو گئی تھی۔ میری آنکھیں آنسوؤں سے ڈبڈبا رہی تھیں۔ لیکن افسوس وہ بہہ نہ نکلتے تھے۔ شاید انہوں نے میری آنکھوں پر ایک ہلکا سا پردہ ڈال دیا تھا جس میں سے ہر چیز مجھے اپنی اصلی حالت اور اصلی رنگ میں نظر آ رہی تھی۔ ڈانڈی اب پہاڑی کے موڑ پر تھی۔ کہ یکایک رُک گئی اور کسی نے زور دیتے ہوئے کہا:-

"اُتر پئے!"

میں یکایک چونک پڑا۔ دو قطرے میری آنکھوں سے ٹپک پڑے اور میں نے دیکھا کہ اس کی خادمہ سامنے کھڑی تھی۔ وہ کچھ کہے بغیر مُڑی اور ایک طرف چل دی۔ میں ڈانڈی سے اُتر کر جبراً ارادی طور پر اُس کے پیچھے ہو لیا۔ تھوڑی دُور پہاڑی پر چڑھنے کے بعد خادمہ غائب ہو گئی۔ سامنے چند گھنے درخت تھے۔ وہ فرش زمین پر نیم دراز تھی۔ ایک درخت کی جڑوں پر کہنی سے سہارا لئے ہوئے تھی۔ اور ہاتھ پر سر رکھے ہوئے۔ اُس کا سر کھلا ہوا تھا اور بال بھی کھُلے ہوئے تھے۔ بال ہوا میں اُڑ رہے تھے اور یہ معلوم ہوتا تھا جیسے ناگنیں لہرا رہی ہیں۔ ساری شانوں سے کھسک گئی تھی۔ اور ہوا اس سے شوخیاں کر رہی تھی۔ اس کے چہرہ پر اُداسی چھائی ہوئی تھی۔ تمام فضا اُداس ہو رہی تھی۔ ہوا ٹھنڈی ٹھنڈی سانسیں بھر رہی تھی سوکھے کے پتے مُرجھائے ہوئے سے تھے اور جھکے جا رہے تھے۔ چھوٹے چھوٹے پرند مسلسل کراہ رہے تھے پیاری کا رنگ میرے دیکھتے دیکھتے پھیکا پڑ رہا تھا۔ حتیٰ کہ بالکل سفید ہو گیا۔ پھر رفتہ رفتہ سیاہ ہونا شروع ہوا۔

اس کا چہرہ ایسا معلوم ہوتا تھا جیسے بادلوں والی رات میں چودھویں کا چاند۔ جس پر ہلکے ہلکے ابر کے ٹکڑے آ گئے ہوں۔ اس کے ہونٹ اس طرح بند تھے اور ایسے ساکت۔ گویا زندگی کے کوئی آثار باقی نہ رہے ہوں۔ لیکن تمام عالم کا حزن و ملال سمٹ کر ان میں آ گیا تھا۔ اور ہمارا افسانہ ناکام محبت کا افسانہ اس میں لہریں لے رہا تھا۔

اس کی آنکھیں کھُلی ہوئی تھیں۔ بڑی بڑی آنکھیں پوری طرح کھُلی تھیں۔ اور وہ میری ہی طرف دیکھ رہی تھی۔ میں ایک دم رُک گیا اور پھر اس طرح بڑھا جیسے کوئی کسی کی خواب گاہ میں داخل ہوتا ہے۔ اس کے قریب پہنچ کر میں کھڑا ہو گیا۔ لیکن وہ مجھے دیکھ کر نہ اُٹھ کھڑی ہوئی۔ نہ حسب معمول مُسکرائی۔ نہ منتشر بالوں کو درست کیا اور نہ ساری کا آنچل سنبھالا۔ وہ تو بے حس و حرکت پڑی تھی اور ٹکٹکی باندھے مجھے دیکھ رہی تھی۔ دیکھے جا رہی تھی۔ رخسار پر آنسوؤں کی دھاریاں خشک ہو گئی تھیں۔ لیکن نیچے کی زمین اب تک تر تھی۔

کتنی دیر تک ہم دونوں اسی حالت میں رہے۔ اس کا میں اندازہ نہیں کر سکتا۔ لیکن ایک لفافہ بڑھاتے ہوئے اس نے کہا:-

(باقی اگلے صفحہ پر)

(پچھلے صفحہ سے)

"جاؤ دیر ہوتی ہے"

میں نے محسوس کیا کہ وہ حکم دے رہی ہے۔ اس لئے میں لفافہ لے کر فوراً چل دیا۔ اسی موڑ پر پہنچکر جہاں سے آتے ہوئے میں نے اُسے دیکھا تھا۔ ایک مرتبہ پھر پلٹ کر میں نے دیکھا۔ آہ۔ وہ وہاں نہ تھی۔ لیکن اس کے آنسو اب بھی زمین پر موجود تھے میں چپ چاپ آکر ڈانڈی پر بیٹھ گیا۔ اور وہ روانہ ہوگئی۔ مجھے لفافہ کھولنے کا بھی ہوش نہ رہا۔ اسٹیشن پر پہنچکر رمیش کے یاد دلانے پر دیکھا تو اس میں سے ایک رومال۔ ایک تصویر اور ایک خط نکلا۔ خط میں لکھا تھا:-

"میں کیا تحفہ دے سکتی ہوں۔ تصویر اس لئے پیش کرتی ہوں کہ اس کے دھوکے میں آپ مجھے بھول جائیں۔ لیکن خدا کے لئے اس رومال سے آنسو نہ پونچھیئے گا"

(۵)

آئندہ سال گرمیوں میں میں پھر المورے آیا اور کپتان صاحب بھی آئے۔ لیکن وہ ان کے ہمراہ نہ تھی۔ اس عرصہ میں ہمارے درمیان خط و کتابت برابر رہی تھی۔ اور اس نے مجھے یقین دلایا تھا کہ وہ ضرور المورے آئے گی۔ میں سخت متوحش تھا اور کسی سے کچھ دریافت بھی نہ کر سکتا تھا۔ کہ یکایک تیسرے یا چوتھے دن مجھے اس کا تار ملا:-

"میں سخت بیمار ہوں۔ فوراً آؤ"

میں نے اسی وقت اٹیچی کیس میں سے سب روپے نکال کر جیب میں ڈالے اور اسٹیشن کی طرف روانہ ہوگیا۔ میرٹھ جانے والی گاڑی میں خواہ مخواہ چار گھنٹے کی دیر تھی۔ کسی نہ کسی طرح ٹرین آئی اور میں سوار ہو کر میرٹھ پہنچا۔ راستہ بھر میں بُت بنا بیٹھا رہا بالکل خاموش۔ ایک ہاتھ میں ٹائم ٹیبل تھا۔ اور دوسرے میں گھڑی۔ کبھی ان پر نظر ڈالتا اور کبھی باہر دیکھ لیتا۔ کہ آنے والے اسٹیشن کے کچھ آثار نظر آتے ہیں یا نہیں۔ میرٹھ کے اسٹیشن پر پہنچکر مجھے معلوم ہوا کہ ہر شخص پر بدحواسی طاری ہے اور اس کی خبر یہ سنانے کے لئے وہ مجھے تلاش کر رہے ہیں۔ اس لئے میں سب کی نگاہ بچاتا ہوا باہر آگیا۔ تانگے والے میری طرف جھپٹے۔ وہ تیز سے تیز تانگہ پیش کرتے ہوئے معلوم دیتے تھے۔ تاکہ میں اس کی آرتی میں شریک ہو سکوں۔ لیکن میں نے کوئی اعتنا نہ کی اور ان سے بچتا ہوا پیادہ پا روانہ ہوگیا۔ راستہ میں ہر شخص مجھے یہ کہتا ہوا معلوم ہوتا کہ تیز جاؤ۔ تیز جاؤ۔ میں تیز تیز قدم اُٹھانے لگا۔ حتیٰ کہ دوڑنا شروع کیا۔ افسوس دُنیا دوسروں کے دُکھوں پر صرف ہنسنا جانتی ہے۔ مجھے اس کے گھر کا اگرچہ پتہ معلوم تھا لیکن میں کبھی وہاں گیا نہ تھا۔ پھر بھی ایسا معلوم ہوتا تھا کہ میرے قدم خود بخود اس طرف بڑھ رہے ہیں اور کوئی کھینچ رہا ہے۔ "ہاں یہی مکان ہے"۔ بس میں اس کے مکان کے قریب پہنچکر رک گیا اور میں نے یہ سننے کی کوشش کی کہ وہاں سے رونے کی آواز تو نہیں آتی ہے۔ جب اس جانب سے اطمینان ہوا تو دھڑکتے ہوئے دل کے ساتھ اندر داخل ہوا۔ اور ملازم کو اطلاع کرنے کو کہا۔ مگر خوف کی وجہ سے اس کا کوئی حال دریافت نہ کیا۔

اس نے مجھے فوراً اندر بلا لیا۔ آہ وہ سخت بیمار تھی اور چند ہی دن میں گھل گھل کر کانٹا ہوگئی تھی۔ اس کا چہرہ سپید تھا۔ برف کی طرح سپید۔ اور آنکھیں بے نور تھیں۔ میرے مستقبل کی طرح بے نور۔ پلکوں پر گرد سی جمی ہوئی تھی اور سانس بڑی بے ربط چل رہی تھی۔ میرا کلیجہ دھک سے ہوگیا۔ اور خاموش اس کے پاس کھڑا رہا۔ اس نے نہایت ہی سکون اور اطمینان کے ساتھ اپنے اعزا کو مخاطب کر کے کہا:-

"آپ سب ذرا ہٹ جائیے۔ مجھے ان سے کچھ بات کرنی ہے"۔ سب نے گویا آخری احترام کے طور پر اس کی خواہش کی تعمیل کی۔ پھر اس نے میری طرف دیکھا اور مسکرا دی۔ "تم اتنے پریشان کیوں ہو؟" اس نے کہنا شروع کیا:-

"کیا تمہیں مجھ پر اعتماد نہیں۔ کیا ہماری روحیں ایک دوسرے سے جُدا ہو سکتی ہیں؟ پرماتما کا احسان ہے کہ اس نے مجھے پاک محبت عطا کی۔ اور تم گواہ رہنا کہ مجھے کبھی لغزش نہ ہوئی۔ اب تک میرے اور تمہارے درمیان بہت سے پردے حائل تھے۔ لیکن شاید اب آزادی سے میں تم سے مل سکوں۔ میرے سرہانے سے کنجیاں نکالو۔ اور میرا صندوق کھولو"

میں نے بلا سوچے سمجھے اس طرح اس کے حکم کی تعمیل کی جیسے کوئی فرمانبردار غلام اپنے شفیق آقا کے احکام کی تعمیل کرتا ہے۔ اس نے کہا:-

"دیکھو اس میں پانچ ہزار کے نوٹ ہیں۔ وہ نکال لو۔ پانچ سو روپے میری خادمہ کو دے دینا۔ باقی سے لڑکیوں کی تعلیم کا انتظام کرنا" میں نے نوٹ نکال لئے۔ میرے ہاتھ تھر تھرا رہے تھے۔ اور میں اپنے قدموں پر کھڑا نہ ہو سکتا تھا۔ اس نے پھر کہا:-

"میرے سرہانے بیٹھ جاؤ"۔ میں سرہانے بیٹھ گیا۔ اس نے بڑی کوشش سے اپنا سر اٹھا کر میرے زانو پر رکھ دیا۔ میں نے اس کے بالوں پر آہستہ آہستہ ہاتھ پھیرنا شروع کیا۔ ہوا سرد ہوتی جا رہی تھی اور کمرہ تاریک۔ کائنات عالم کے ہر ذرہ میں سے حسرت قطرہ قطرہ ہو کر ٹپک رہی تھی۔ میز پر رکھے ہوئے سیب۔ انگور اور انار رنگ سے محروم ہوتے جا رہے تھے۔ اور گلدان کے پھول خوشبو سے۔ دروازے کے پردوں پر تھر تھری۔ اور دیواروں پر لرزہ طاری تھا۔ اس نے آنکھیں اوپر اٹھائیں اور روح پرواز کر گئی۔ اس کی آنکھیں بند ہوگئیں اور ہر چیز حسرتناک طریقہ پر ساکت ہوگئی۔

میرا شغل اب صرف یہ ہے کہ شاردا کی یادگار کے طور پر ... ...

کھلی کھڑکی

(از جناب حکیم اچھو لال صاحب کھتری مراد آبادی)

(خاص تیج دہلی کے لئے)

ایک بڑے عالم مغربی ڈاکٹر کا قول ہے جو حفظان صحت کے معاملہ میں مستند ڈاکٹر سمجھا جاتا ہے کہ انسان کو جتنی بیماریاں ہوتی ہیں ان میں سے کم از کم دو تہائی تو صرف خراب ہوا میں رہنے سے ہوتی ہیں۔ ایسا ہی دوسرے عالم ڈاکٹروں کا مقولہ ہے۔ گو ایک نسل پہلے یہ خیال چنداں زبردست نہیں تھا۔ کیونکہ اس وقت لوگ نہ تو تازہ ہوا کی ضرورت سے چنداں واقف تھے اور نہ وہ اس طرف خاص توجہ دیتے تھے۔

جب اہل یورپ کا یہ حال ہو تو ہندوستانیوں کا اس بارے میں جتنا بھی خستہ حال ہو وہ کم ہی ہے ہندوستان میں بیماروں کو تنگ و تاریک کمروں میں اس طرح بند رکھا جاتا ہے۔ گویا ہوا کا ان سے چھو جانا یقینی موت ہے۔ حالانکہ بیمار کو تندرست آدمی کی نسبت تازہ ہوا کی زیادہ ضرورت ہے۔ مگر ہمارے ملک کے لوگوں کی ایک بڑی تعداد تازہ ہوا کی قدر و منزلت سے ابھی تک اندھیرے میں ہے۔ چنانچہ ہوا خوری پر مسلکہ اُڑانے والے تو اب بھی ہر ایک گھر میں سینکڑوں ہی آدمی موجود ہیں۔ بعض لوگ تو یہ بھی نہیں جانتے کہ ہوا خوری کیا اور کس مطلب کے لئے ہوتی ہے۔ اس بات کے ثبوت میں ایک پرانے فیشن کے رئیس کا معاملہ قابل مذکور ہے۔ وہ یہ کہ ایک رئیس کو ایک خاص بیماری لاحق ہوگئی۔ وہ ڈاکٹر صاحب سے مشورہ لینے گیا۔ ڈاکٹر نے کہا کہ تم صبح و شام ہوا خوری کیا کرو۔

رئیس صاحب صبحدم اٹھ کر ٹھنڈی سڑک پر منہ کھول کر ہوا کے بڑے بڑے گھونٹ اس طرح بھرنے لگے گویا وہ حقہ کے لمبے لمبے کش کھینچ رہے ہیں۔ استفسار کئے جانے پر آپ نے کہا۔

"ڈاکٹر صاحب نے مجھے ہوا خوری کی ہدایت کی ہے۔ پس میں ہوا پھانک رہا ہوں"۔ جب شہری رئیسوں کا یہ حال ہو تو ریاست کے لوگوں کا تو کہنا ہی کیا ہے۔

اس میں کچھ شک نہیں کہ یورپ میں بھی پہلے ہوا کے متعلق کچھ اسی قسم کے غلط خیالات تھے۔ چنانچہ آج سے پچاس برس پیشتر نمونیہ کے مریضوں کو نہایت تنگ و تاریک کمروں میں بند رکھا جاتا تھا۔ دروازوں کے چھوٹے چھوٹے سوراخ بھی اس طرح بند کر دیئے جاتے تھے کہ گویا تازہ ہوا کا اندر آنا ایک قانونی جرم ہے۔ لیکن اب یورپ کی کیا حالت ہے۔ ڈاکٹروں نے برسوں کے تجربات کے بعد اس بات کا پتہ لگا لیا ہے کہ پھیپھڑوں کی تمام بیماریوں مثلاً سل۔ تپ دق۔ نمونیہ۔ ذات الجنب۔ دمہ اور کھانسی وغیرہ جتنی تازہ سے تازہ اور کھلی ہوا مریض کو دی جائے اتنا ہی فائدہ ہوتا ہے۔ یہی نہیں بلکہ وہاں اس قسم کے مریضوں کے لئے ایک خاص طریقہ سے آکسیجن تیار کی جاتی ہے اور وہ پھیپھڑوں کی بیماری میں مبتلا مریضوں کو گھنٹوں تک ایک خاص طریقہ سے دی جاتی ہے۔ اس طریقہ سے صاف ہوا کا استعمال کرنے والے تپ دق و نمونیہ وغیرہ کے مریض بند کمروں یا معمولی ہوا میں سانس لینے والے مریضوں کی نسبت زیادہ تعداد میں صحتیاب ہوتے ہیں۔ بند کمروں میں رکھے ہوئے مریضوں کی تعداد اموات تازہ ہوا کے پھیپھڑوں میں نہ پہنچنے کے باعث زیادہ ہوتی ہے۔ جو حالت آج سے پچاس برس پہلے یورپ کی تھی وہی حالت اس قسم کے مریضوں کی ہمارے ملک ہندوستان میں اب تک موجود ہے۔ ہمارے ملک کے بڑے بڑے رئیس الاطبا۔ فخر الاطبا اور ممتاز الاطبا نمونیہ اور ذات الجنب وغیرہ کے بیماروں کو قیدیوں کی طرح بند کمروں میں قید کر کے دروازوں اور کھڑکیوں کو بند کرا کے ان پر بڑے بڑے پردے لٹکوا دیتے ہیں۔ وہ اس حرکت سے اپنی جہالت کا یہ ثبوت دیتے ہیں کہ دنیا میں ان کے نزدیک مریض کا دشمن تازہ ہوا سے بڑھ کر اور کوئی نہیں ہے۔ لیکن اگر سچ پوچھا جائے تو ان نیم حکیموں سے بڑھ کر مریض کا جانی دشمن کوئی نہیں ہے۔ کیونکہ وہ مریض سے اس آکسیجن کو دور رکھتے ہیں جو کہ اس کے لئے ہر ایک قسم کی طاقتور سے طاقتور دوائی سے بڑھ کر زیادہ ضروری اور مفید ہے۔ مگر ان کو اور انہیں کی قسم کے دیگر لوگوں کو اس بات کا قطعی علم نہیں ہے کہ پھیپھڑوں کی ہر ایک بیماری کے لئے تازہ ہوا سے بڑھ کر اور کوئی دوائی نہیں ہو سکتی۔

بھلا جب بیمار آدمی کو تندرست بنانے کے لئے تازہ ہوا کی اس قدر ضرورت ہے تو کیا بھلے چنگے آدمی کو اپنی صحت قائم رکھنے یا طاقت بڑھانے کے لئے اس کی طرف سے لاپروا ہونا چاہئے۔ ہرگز نہیں۔ صاف ہوا کی تازہ اور طاقتور خوراک کی نسبت زیادہ ضرورت ہے۔ مگر لوگ یہ خیال کرتے ہیں کہ سرمہ کمر و صبح یا دیگر مقوی دواؤں اور غذاؤں کے کھانے سے انسان مضبوط ہو سکتا ہے۔ اور اس کے جسم میں طاقت آ

(باقی اگلے صفحہ پر)

(پچھلے صفحہ سے)

سکتی ہے۔ مگر خالی طاقتور غذا یا دوا کوئی کام کی نہیں کیونکہ صاف ہوا کے بغیر اول تو ہضم ہی نہیں ہو سکتی۔ لیکن بغرض محال اگر وہ ہضم بھی ہو جائے اور خون کا حصہ بھی بن جائے تب بھی اس سے کچھ فائدہ حاصل نہیں ہو سکتا۔ جب تک کہ خون کو کثافت سے پاک و صاف کرنے کے لئے تازہ ہوا نہ ہو۔ کیونکہ جیسے آگ بغیر آکسیجن کے نہیں جل سکتی ویسے ہی تازہ ہوا کے بغیر خوراک ہمارے جسم کا مفید حصہ نہیں ہو سکتی۔ بہت سے لوگوں نے دیکھا ہوگا کہ تپ دق کے مریضوں کو کس قدر مقوی دوا اور خوراک دی جاتی ہے۔ مگر پھر بھی وہ لاغر ہوتے چلے جاتے ہیں۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ وہ دوا یا خوراک کافی ہوا کے اندر جا کر عمل نہ کرنے کے باعث جسم کا حصہ نہیں بن سکتی۔ اس طرح یہ بات سب کو معلوم ہے کہ دیہات کے لوگوں کی صحت شہر والوں سے نہایت عمدہ ہوا کرتی ہے لیکن اس پر بھی وہ اتنی عمدہ غذائیں نہیں کھاتے جو شہر والے کھاتے ہیں۔ اس کی وجہ یہی ہے کہ ان کو عمدہ ہوا میسر ہے جو شہر والوں کی طرح عمدہ ہوا نہیں ملتی۔

الغرض تازہ ہوا صرف جسمانی طاقت کو قائم رکھنے کے لئے ہی ضروری نہیں۔ بلکہ تازہ ہوا سے ہمارے جسم میں ہر قسم کی بیماریوں کے جراثیم کے ساتھ جنگ کرنے کی طاقت پیدا ہو جاتی ہے۔ یہ طاقت ان لوگوں میں بہت کم ہوتی ہے جو کہ عام طور پر گندی ہوا میں رہتے ہیں۔ اور یہ تو ایک مسلمہ امر ہے کہ تازہ ہوا اور سورج کی روشنی میں کسی قسم کی بیماری کے جراثیم زندہ نہیں رہ سکتے۔ خواہ وہ پلیگ ہو یا تپ دق۔ مونیہ ہو یا کوئی اور خوفناک بیماری۔ پس جس صورت میں کہ تازہ ہوا انسانی زیست کے لازمی امر ہے۔ تو کیا وہ بڑے بڑے تعلیمیافتہ لوگ جو اس راز کو جان کر بھی گندی ہوا میں رہتے ہیں وہ قوانین قدرت کو توڑنے کے مجرم نہیں ہیں؟

یہ کتنی بڑی حیرانی کی بات ہے کہ ہمارے ملک میں تقریباً سب کے سب تعلیمیافتہ اور جاہل کھلی کھڑکی کے فوائد سے بے خبر ہیں۔ دن کو تو وہ کھلے دروازے رکھ کر کام کرتے رہتے ہیں۔ مگر سوتے وقت وہ اپنے سونے کے کمرے کے تمام دروازے اور کھڑکیاں اس طرح بند کر لیتے ہیں۔ گویا وہ پرانے فیشن کے کسی رئیس الاطبا یا ایم-بی-بی-ایس ڈاکٹر کے مریض ہیں۔ جس نے ان کو دروازہ بند رکھنے کی ہدایت کر دی ہے۔ کیا اگر دن کے وقت تازہ ہوا کی ضرورت ہے تو وہ سونے کے آٹھ یا نو گھنٹوں میں نہیں رہتی۔ لوگ جانتے نہیں کہ سوتے وقت تازہ ہوا کی ویسی ہی ضرورت ہے جیسی کہ جاگتے وقت۔ شاید کہ ان کا یہ خیال ہو کہ کواڑوں کی درازوں میں سے اندر اور باہر کی ہوا کا کافی تبادلہ ہوتا رہتا ہے۔ لیکن یہ تبادلہ نہ ہونے کے برابر ہے۔ اس سے نیند بھی ٹھیک طرح نہیں آتی۔ اور بڑے بڑے بھیانک خواب آتے رہتے ہیں۔ ہم جانتے ہیں کہ ہمارے اندر سے زہریلی ہوا باہر نکلتی ہے۔ اگر مکان کے دروازے اور کھڑکیاں بند ہیں تو اس میں مطلق شک نہیں کہ باہر سے تازہ ہوا کے نہ آنے کے باعث وہی ہمارے اندر سے نکلی ہوئی زہریلی ہوا دوبارہ سہ بارہ۔ غرضیکہ جب تک ہم بند کھڑکی رکھ کر سوتے رہیں گے۔ بار بار ہمارے اندر جاتی رہے گی سستی۔ بے چینی اور سر درد وغیرہ کے خرید کرنے کا یہ سب سے آسان طریقہ ہے۔ جو شخص آج کل بند کمرہ میں سوتا ہے۔ گویا وہ بیماری کو دعوت دے کر بلاتا ہے۔ برعکس اس کے بیماری کا بھوت کھلی کھڑکی کے راستے بھاگ جاتا ہے۔

ایک بڑے بھاری عالم کا قول ہے کہ اچھے خیالات کے لئے اچھے پہاڑوں کی ہوا کی ضرورت ہے۔ گندی ہوا میں رہنے والوں کے خیالات کبھی بھی تازہ ہوا میں رہنے والوں کے خیالات کا مقابلہ نہیں کر سکتے۔ گندی ہوا اپنے ساتھ گندے خیالات لاتی ہے اور صاف ہوا صاف اور پاکیزہ خیالات کو نشو و نما دیتی ہے۔ بند کھڑکی خیالات کی پرواز کو روکتی ہے۔ اور کھلی کھڑکی خیالات کو کھول دیتی ہے۔ پس ضروری ہے کہ لوگ کھلی کھڑکی رکھنا سیکھیں۔

اور ایک آن کی آن میں خوبصورت لڑکی کا سمندر کی موجوں کی آغوش میں ہمیشہ ہمیشہ کے واسطے غائب ہو جانا۔

کیا یہ واقعہ پرکاش کی زندگی کو ختم کر دینے کے واسطے کافی نہیں ہے؟ کیا ڈاکٹر ٹیگور اور سر اقبال میری رائے سے مطابقت کریں گے۔

کیفِ محبت

(از جناب بدرالدین احمد)

صبح کے دلکش وقت کا ہونا۔ آسمان سے ہلکی ہلکی بوندوں کا پڑنا۔ ایک حسین مغنیہ کا جوانی کی آغوش میں ساحل سمندر پر رباب ہاتھ میں لے کر پریم امید محبت کی تانیں اڑانا۔ باد صبا کا خوشخبری کرنا۔ گیسوؤں کا ہوا میں اڑنا۔ پھر محبت کے گیت آمیز نغمات میں ڈوبی ہوئی حسین دوشیزہ کا ساحل سمندر پر آہستہ آہستہ چہل قدمی کرنا۔

دور سے پرکاش کا اس نورانی اور حسین منظر کو دیکھ کر لطف اندوز ہونا۔

یکایک لڑکی پر پھسلنا سمندر کی ٹھاٹھیں مارتی ہوئی موجوں کا اس کے حسن کی پرستش کے واسطے بیساختہ دوڑنا۔

تحریک عریانی اور اس کے نتائج

ایک امریکن مصنف مسٹر ڈین کروبے کے خیالات جنہیں مشرق کی پاکیزہ فطرت تسلیم نہیں کر سکتی

(از جناب ایس۔ حامد علی گردش ــــ کلیم پوری)

اس تہذیب یافتہ دور میں اگر عریانی کی تواریخ پر ایک اجمالی نظر ڈالی جائے تو معلوم ہوتا ہے کہ سب سے پہلے یہ تحریک ۱۹۱۰ء میں جرمنی جیسے مہذب اور متمدن ملک میں شروع ہوئی۔ اور پھر بتدریج اس تحریک نے یورپ کے تقریباً تمام ممالک پر تسلط کر لیا۔ اور اب اس حقیقت سے کوئی انکار نہیں ہو سکتا کہ یورپ اور امریکہ میں عریانی کو صحت و اخلاق کی ترقی و ترویج کا ایک نظری وسیلہ بنایا جا رہا ہے۔ اور رقص و سرود، سینما اور تھیٹر وغیرہ جیسے تفریحی مشاغل سے کہیں بڑھ چڑھ کر اس تحریک کو اہمیت دی جا رہی ہے۔ چنانچہ سب سے پہلے ۱۹۲۹ء میں برلن شہر میں جو عریانی کی وردشی نمائش ہوئی اس کے تمام شرکاء مرد اور عورتیں ننگے تھے۔ اور اس نمائش نے تمام یورپی ممالک میں ایک انقلاب انگیز تہلکہ برپا کر دیا تھا۔

اس کے بعد یورپ و امریکہ کے بڑے بڑے شہروں میں "عریاں کلب" قائم ہو گئے۔ اور اب تو اس تحریک کی توسیع و اشاعت کے لئے کئی رسالے اور اخبارات بھی شائع ہوتے ہیں۔ جن میں سے بعض کو ان کی حکومت کی امداد اور سرپرستی بھی حاصل ہے۔ اور وہ سرکاری اداروں اور اسکولوں میں بھی دلچسپی سے پڑھے جاتے ہیں۔

نوبرگ انگلستان میں ایک مقام ہے جہاں ننگے لڑکے اور لڑکیوں کو یکجا تعلیم دی جاتی ہے۔ اسی طرح آکسفورڈ کے تالابوں پر ننگے مرد اور عورتیں ساتھ ساتھ نہاتے ہیں۔

یہ تو ہیں ایسے واقعات جن سے ناظرین کرام وقتاً فوقتاً روشناس ہوتے رہے۔ لیکن ابھی حال ہی میں امریکہ کے ایک مصنف مسٹر ڈین کروبے نے عریانی کے متعلق عجیب و غریب اور دلچسپ تجربات شائع کئے ہیں جو یقیناً دلچسپی کا باعث ہیں۔ اس مضمون میں مصنف موصوف نے یہ ظاہر کیا ہے کہ وہ کس طرح عریانی کے مخالف ہونے کے باوجود بھی عریاں کلب کا ممبر بن گیا۔

وہ لکھتا ہے کہ میں شروع سے عریانی کا مخالف رہا ہوں۔ لیکن گذشتہ سال میرے کچھ دوست عریاں کلب کے ممبر بن گئے۔ اور رفتہ رفتہ مجھے یہاں تک پریشان کیا کہ مجھے بھی اس میں شامل ہونا ہی پڑا۔ کلب مذکور ہڈسن سے پچاس میل کے فاصلہ پر واقع تھا جس میں ایک خوبصورت دریا بہتا تھا۔ یہ جگہ عریاں کلب کے لوگوں کے لئے نہایت موزوں تھی۔ پہلے دن جب میں اور میری بیوی وہاں پہنچے تو دروازے پر ایک آدمی نے ہمارا پرجوش خیر مقدم کیا۔ مگر یہ شخص بالکل عریاں نہ تھا۔ اس نے کچھ ضروری کپڑے پہن رکھے تھے۔ میں جوں جوں جنگل اندر کی طرف بڑھ رہا تھا توں توں میرے دل کی دھڑکن میں اضافہ ہوتا جاتا تھا۔ اس لئے کہ عریاں مرد اور عورت کا تصور ہی میرے لئے سخت اضطراب اور ہیجان کا باعث تھا۔ اس وقت جو کچھ میں کر رہا تھا وہ سخت مجبوریوں کے ماتحت تھا۔

ایک شخص نے اختصار کے ساتھ ہمیں کلب کے تمام ضروری اصولوں سے آگاہ کر دیا۔ اور ساتھ ہی یہ بھی ہدایت کی کہ دن میں تین مرتبہ جسمانی ریاضت کے علاوہ ناچ اور تیراکی میں شامل ہونا پڑے گا۔

میں ننگے مرد اور عورتوں کے دیکھنے کی عادت نہ رکھتا تھا۔ اس لئے ہر طرف سے ننگے انسانوں کا برآمد ہونا میرے لئے بڑا وحشتناک تھا۔ اس منظر کو دیکھکر میرے دل کی کیفیت عجیب و غریب ہوئی جاتی اور محسوس ہونے لگتا تھا کہ میرا سانس رُکا جا رہا ہے۔ تھوڑی دیر میں مجھے ایک شخص نے یہ بھی بتایا کہ ابھی باغ میں ورزش کی گھنٹی بجے گی اس لئے پہلے سے ہی مجھے بالکل ننگا ہو جانا چاہیئے۔ اُس وقت میرے دل کی جو کیفیت ہوئی وہ بیان نہیں کر سکتا۔

غرضیکہ مجھے اور میری بیوی کو زبردستی ننگا کر دیا گیا۔ میں اپنی بیوی کو مادر زاد ننگی دیکھکر بے حد شرمسار ہوا۔ اور وہ مجھے عریاں دیکھکر ایک طرف چھپ گئی۔

لیکن یہ امر کس قدر تعجب خیز تھا۔ کہ صرف چند منٹوں میں میری شرم بالکل رخصت ہو گئی۔ جوں جوں وقت گذرتا تھا مجھے اطمینان اور سکون نصیب ہوتا جاتا تھا۔ عریاں کلب کا یہ ایک خاص کرشمہ ہے کہ جب ہم کچھ عرصہ تک ایک دوسرے کو ننگے دیکھتے رہتے ہیں تو دل سے ہیجان خیز اثرات غائب ہو جاتے ہیں۔ جس طرح ہم عام طور پر لباس پہنے ہوئے انسانوں کو دیکھکر کچھ بھی محسوس نہیں کرتے۔ اسی طرح عریاں کلبوں میں ننگا دیکھنے سے کسی حیرت یا تعجب کا اظہار نہیں کیا جا سکتا۔

آج کی شرکت سے مجھے یہ بخوبی اندازہ ہوا کہ میرا یہ خیال کہ عریانی بداخلاقی کا پیش خیمہ ہے بالکل غلط تھا۔

اس لئے کہ اس کلب میں خوب غور کرنے کے باوجود بھی کوئی ایسا شخص نظر نہ آیا جو بدنگاہی یا کسی قسم کے بُرے خیال کرنے والا ہو۔ ماہرین نفسیات کا یہ انکشاف ہے کہ اگر مرد اور عورتیں عریانی پسند ہو جائیں تو ان کے نفسانی خیالات بالکل بدل جائیں گے۔ اور وہ جانوروں کی طرح فطری انداز کی زندگی بسر کرنے پر مجبور ہوں گے۔ اور بہت سے جسمانی امراض کا ازالہ بھی ہو جائے گا جو اس خلاف فطرت طرز زندگی کا نتیجہ ہوتے ہیں۔

ہمارا آفتاب ایک ذرۂ حقیر ہے!

آسمان کے ستاروں اور جدید مخلوقات کا علم

شارلوٹ سیوائیل، ورجینیا میں جو نیشنل اکاڈمی آف سائنس کام کر رہی ہے۔ اس نے ماہران فلک کی ایک مجلس ستارہ شماری کے لئے مقرر کی تھی۔ اس نے آسمان کے ایک ایک گوشہ کے ستاروں، سیاروں اور دیگر اجرام فلکی کا مطالعہ و مشاہدہ کرنے کے بعد عجیب و غریب باتوں کا اعلان کیا ہے۔

سب سے بڑا مسئلہ جو "نیوز کرانیکل" کی ایک اشاعت میں زیر بحث آیا ہے وہ یہ ہے کہ بعض ماہران فلک کے نزدیک بساط آسمان پر ایسے ایسے مُہرے قدرت نے بکھیر رکھے ہیں کہ جن کا علم ابھی تک انسان کو مکمل طور پر حاصل نہیں ہوا ہے۔ اور علم ہیئت کے جاننے والے جن ستاروں کو جانتے ہیں اور جانتے چلے آئے ہیں ان کے علاوہ بھی بہت سے ستارے ایسے پائے جاتے ہیں جنہیں فطرت بنا کر اس طرح بھول گئی کہ گویا ان کا وجود ہی نہیں ہے۔

جدید ترین علمی انکشافات سے پتہ چلتا ہے کہ کہکشاں (آکاش گنگا) کے کناروں پر بہت سے ایسے اجرام فلکی پائے جاتے ہیں جنہیں سائنس دان بہت عرصہ سے دیکھتے چلے آئے تھے مگر ان کے حجم اور ان کے اثرات کی بابت بہت سے اختلافات پائے جاتے تھے۔

معلوم ہوا ہے کہ روز بروز نئے نئے ستاروں کا ظہور علم میں آتا ہے اور ہم اپنے علم ہیئت کو بدلنے پر مجبور ہوں گے۔ ورجینیا میں جو تحقیقات اس باب میں کی گئی ہے اس سے پتہ چلتا ہے کہ ہمارے سورج جیسے بھی بڑے بڑے اجرام فلکی فضائے عالم میں تیر رہے ہیں۔ اور ان کے مقابلہ پر ہمارا سورج جسے اس وقت تک ہم آسمان کا سب سے بڑا جسم سمجھتے تھے ایک معمولی حیثیت رکھتا ہے۔ بالکل اسی طرح جیسے ایک بہت بڑے عظیم الجثہ دیو ہیکل انسان کے مقابلہ کے بالشیتہ کی کیفیت ہوتی ہے۔ ان اجرام فلکی کو جدید طاقتور دوربینوں سے دیکھا گیا ہے۔ اور ان سے معلوم ہوتا ہے کہ ہمارے سورج کے علاوہ بھی بہت سے سورج ہمارے سورج سے کہیں زیادہ بڑے پائے جاتے ہیں۔ اور جس طرح ہمارا "نظام شمسی" ہے اسی طرح دوسرے سورجوں کے ساتھ بھی بہت سے ستاروں کا نظام کام کر رہا ہے۔ اور جس طرح ہماری زمین آباد ہے اور نظام شمسی کے دوسرے اجرام میں جاندار اشیاء پائے جانے کا امکان ہے اسی طرح دوسرے نظاموں میں بھی مخلوق کے امکان کی بحث کی جاتی ہے۔

بہرحال ان تحقیقات کا نتیجہ خواہ کچھ بھی نکلے۔ یہ بات تو یقینی طور پر ماننی پڑے گی کہ ہمارا سورج کوئی بڑا کرۂ آتش نہیں ہے۔ بلکہ اس کے علاوہ اور بھی کرے آسمان پر موجود ہیں۔ جن کا ہمیں علم ابھی ~~اچھی طرح معلوم~~ نہیں۔ ہمارا سورج ایک ذرۂ حقیر سے زیادہ حیثیت نہیں رکھتا۔ آسمان کے اجسام دو بڑے حصوں میں منقسم کئے جا سکتے ہیں "اجرام عظیم" (یعنی بڑے بڑے آسمانی ذرے) اور "اجرام صغیر" (چھوٹے چھوٹے آسمانی ذرے) ہمارا سورج جب ایک چھوٹا سا ذرہ ہے تو زمین کی کوئی حیثیت ہی نہیں رہ جاتی۔

بہرحال دیکھنا یہ ہے کہ انسان کی عقل فطرت کے اور راز کس طرح بے نقاب کرتی ہے اور ان کا نتیجہ کیا برآمد ہوتا ہے۔

موت کیا ہے؟

بزدل ہمیشہ فرشتۂ اجل سے ڈرتے ہیں۔
وہ بِن آئی موت مرتے ہیں مگر . . . .
بہادر ہنسی خوشی ملک الموت سے بغلگیر ہوتے ہیں۔ وہ جانتے ہیں کہ موت کا ایک دن مقرر ہے۔
میں جہاں کہیں گیا۔ یہی سنا کہ انسان مرنے سے ڈرتا ہے۔ جو جنم لیتا ہے وہ مرتا بھی ضرور ہے۔
اس حقیقت سے کوئی بھی انکار نہیں کر سکتا کہ موت کا ایک مقرر ہے۔ میں حیران ہوں کہ انسان پھر موت سے کیوں ڈرتا ہے۔
موت کیا ہے؟
نئی زندگی کے آغاز کا دوسرا نام ہے۔ (شیکسپیئر)
(مترجمہ۔ ساحر)

نہایت
دلچسپ
سوالات

پچیس ۲۵ روپے انعام

آپ کی دماغی
قوت کا
امتحان

فیس داخلہ صرف ایک آنہ

حسب اعلان تیج ویکلی میں ایک نئی قسم کے معمّہ کا سلسلہ شروع کیا گیا ہے اس سلسلہ کا تیسرا معمہ حسب ذیل ہے یہ تین دلچسپ سوالوں سے مرکّب ہے۔ جو صاحب ان سوالوں کو حل کرنے میں کامیاب ہونگے وہ انعام کی تقسیم میں حصہ لینے کے مستحق ہونگے اوّل انعام دس روپیہ دوسرا انعام پانچ روپیہ تیسرا انعام چار روپیہ اور باقی تین انعام دو دو روپیہ کے ہونگے یہ معمّہ صرف ۴ ہفتہ شائع ہوگا اور ۴ فروری سنہ ۱۹۳۶ء کے تیج ویکلی میں نتائج شائع کر دیئے جائیں گے داخلہ جنوری سنہ ۱۹۳۶ء کو بند ہوجائے گا؛

سوالات

۱- ایک مقام پر دو طالب علم بیٹھے ہوئے تھے۔ ایک کے پاس پانچ روٹیاں تھیں اور دوسرے کے پاس تین۔ دونوں نے فیصلہ کیا کہ تمام روٹیاں ایک جگہ جمع کر کے کھائی جائیں۔ انھوں نے روٹیاں کھانی شروع نہیں کی تھیں کہ ایک ماسٹر صاحب بھی شامل ہوگئے۔ اور تینوں نے مل کر برابر برابر روٹیاں کھالیں جب ماسٹر صاحب رخصت ہونے لگے۔ تو انھوں نے اپنے حصہ کے عیوض دونوں لڑکوں کو آٹھ آنے دیئے بتلاؤ ہر ایک کو کیا ملنا چاہیئے؛

۲- ایک سو میل لمبی دوڑ میں دو موٹریں دوڑ شروع کرتی ہیں۔ ایک سو میل فی گھنٹہ کی رفتار سے چلتی ہے اور دوسری ستر میل فی گھنٹہ کی رفتار سے۔ جب وہ دوڑ شروع کرتی ہیں۔ تو ایک پرندہ بھی ایک موٹر سے دوسری موٹر تک مسلسل چکر لگاتا ہے۔ اور اُسکی رفتار ۱۲۰ میل فی گھنٹہ ہے۔ بتلاؤ دوڑ کے اختتام پر اس پرندے نے کس قدر مسافت طے کی،

۳- ایک بالٹی کا وزن جسمیں کچھ پانی ہے بیس پونڈ ہے۔ اسمیں ایک دو پونڈ وزن کی مچھلی چھوڑ دی جاتی ہے۔ بتلاؤ اگر مچھلی پانی پر تیرتی رہے۔ تو بالٹی کا کل وزن کس قدر ہوگا۔ اور اگر پانی کی سطح میں بیٹھ جائے تو بالٹی کا کل وزن کتنا ہوگا؛

برہمانند گپتا منیجر اخبار تیج ویکلی دہلی

شرائط

۱- فیس داخلہ صرف ایک آنہ
۲- چھ سے زیادہ جوابات صحیح ہونے پر تقسیم انعام بذریعہ قرعہ اندازی کی جاوے گی،
۳- اس سلسلہ میں کوئی خط و کتابت نہیں کی جاوے گی،
۴- ہر جواب کے ہمراہ ذیل کا کوپن آنا نہایت ضروری ہے،
۵- ایک شخص ایک سے زیادہ کوپن بھی بھیج سکتا ہے،
۶- منیجر اخبار تیج دہلی کا فیصلہ آخری فیصلہ ہوگا
۷- جو صاحب جواب والی کاپی منگانا چاہیں ٹکٹ ۲ آنے زیادہ بھیجیں۔

کوپن

منیجر صاحب تیج دہلی۔ اس کوپن کے ہمراہ اپنے جوابات اور ایک ۳ کے ٹکٹ بھیج رہا ہوں۔ میرا نام مقابلہ کی فہرست میں درج کر لیجیے،
نام ... ...
پورا پتہ ... ...
... ...

نام اور پتہ صاف صاف لکھیے
اگر ناظرین نے اس معمہ میں بھی دلچسپی کا اظہار کیا تو اس سلسلہ کو جاری رکھا جاوے گا۔
تیج کا اسٹاف حصہ نہیں لے سکتا۔

جذبۂ رقابت اور شاعری

(از جناب برجیندر سنگھ عارف - خورجوی)

(خاص تیج دہلی کے لئے)

عشق جو واقعہ پایا جاتا ہے - جسم بنی آدم میں

ایک قسم ہے عشق کے جذبات ہر شخص کے دل میں پیدا ہوتے ہیں مگر بعض اوقات دو شخص بھی ایک مطلوب کے شیدا ہو جاتے ہیں - ایسی حالت میں ہر دو کو عاشق حقیقی یا مجازی قرار نہیں دیا جا سکتا - لہذا دوسرے کا نام رقیب تسلیم کر لیا گیا ہے - اردو، فارسی اور ہندی شعرا میں جذبہ رقابت کے متعلق اشعار کثرت سے پائے جاتے ہیں - چند اشعار ملاحظہ ہوں - مرزا غالب کہتے ہیں ؎

جمع کرتے ہو کیوں رقیبوں کو
اک تماشا ہوا گلہ نہ ہوا

آتش رقابت کی حرارت ملاحظہ ہو کہ گویا رقیبوں کا ان شکوہ و شکایت کا سن لینا بھی گلہ کو تماشے میں تبدیل کر دیتا ہے - گویا شاعر اپنے معشوق سے یہ توقع رکھتا ہے کہ وہ میری ملاقات کی باتیں کسی سے نہ کہے گا - ادا ایک

فارسی شعر ہے ؎

چو زرسد رقیب خنداں گشتم طپید دل
کہ مبادا دیدہ باشد نظر عنایت از تو

"جب رقیب کی آمد کی خبر گوش گذار ہوتی ہے - گویا میں اپنی خوشی کو رنج میں تبدیل کر دیتا ہوں - کہ کہیں تیری نظر عنایت اس پر نہ ہو جائے جس کا انجام میرے حق میں برا ہوگا - اور میں محروم محبت رہوں گا"

یعنی کہ شاعر اسی پر صابر نہیں ہے بلکہ رقیب کی بدگوئی میں بھی اپنی زبان کو متحرک رکھتا ہے اور کہتا ہے ؎

چو یار محرم بزم شراب کرد مرا
نگاہ گرم رقیباں کباب کرد مرا

گویا رقیبوں کی نظروں میں ہی گرمی ہے کہ دل کباب ہو جاتا ہے -

جناب بیخود دہلوی کا شعر ہے -

نقش قدم یار پہ گذرا ہوں یہ جی سے
نکلیگا جنازہ مرا دشمن کی گلی سے

ایک دوسرا شعر ملاحظہ ہو ؎

فرقت قبول، رشک کے صدمے نہیں قبول
کیا آئیں ہم رقیب تری انجمن میں ہے

شاعر کے آخری الفاظ ہی قابل ہیں - "کیا آئیں" کی لطافت اور صفائی ملاحظہ ہو - گویا دل مقیرار فرقت کے صدمے اٹھانے کے لئے تو آمادہ ہے لیکن رشک کے صدمے برداشت کرنے سے قاصر ہے - اور وہ رشک کی بات کیا ہے کہ -

"اے صنم تو نے رقیب کو اپنی انجمن میں مدعو کر لیا ہے اس لئے ہمارا آنا ناممکن ہے"!

غالب کی نازک خیالی مکرر ملاحظہ ہو کہ ؎

ہو گئی ہے غیر کی شیریں بیانی کارگر
عشق کا اس کو گماں ہم بے زبانوں پر نہیں

ہندی میں رقابت کو کہاں تک دخل ہے - اس کا اندازہ بھی مشکل ہے - دراصل عاشق مزاج بہاری کی شاعری کی بنیاد ہی رقابت ہے -

ایک عورت اپنے شوہر کے فراق میں غمزدہ بیٹھی ہے لیکن "پپیہا" "پی" کی صدا بلند کرتا ہے - تو اسے اپنے شوہر کی محبت ستاتی ہے اور کہتی ہے ؎

ارے پپیہا کلسرے دیت کٹے پر ونن
پیو پیا میں پیو کی تو پیو کہے سو کون

درحقیقت رقابت میں تجنیس کا بھی خیال نہیں رہتا - عورت اتنا بھی پسند نہیں کرتی کہ کوئی پی پی بھی پکارے - اس کے دل پر چوٹ لگتی ہے اور پپیہا کو مخاطب کر کے کہتی ہے کہ "اے کلسرے پپیہے تو زخم پر نمک پاشی کیوں کرتا ہے - تجھکو "پی پی" کہنے کا کیا مجاز ہے - میں تو خود ہی آتش فرقت میں جل رہی ہوں" - گو اسکو "پی پی" کی رقابت بھی ناگوار خاطر گذرتی ہے کیا خوبصورت دوہا ہے - کیا کیف انگیز خیال ہے -

ناظرین کی ضیافت طبع کے لئے مختلف شعرا کے خیالات درج کئے جاتے ہیں -

پیامبر میسر ہوا تو خوب ہوا + زبان غیر سے کیا شرح آرزو کرتے

(آتش)

جسکے پہلو میں تم اس کا نصیب اچھا ہے + میری قسمت میں تسے بھی رقیب اچھا ہے

(داغ)

یہی ہے آزمانا تو ستانا کس کو کہتے ہیں
عدو کے ہو لئے جب تم تو میرا امتحاں کیوں ہو

(غالب)

ما بسوز کشتہ سوز را بداغ دیگرے
بر مزار غیر افروزد چراغ دیگرے

(شمی)

عدو کی بیوفائی کا ہمیں افسوس آیا
گر ہم پھر بھی کہتے ہیں نہیں آیا نہیں آیا

(ظہیر)

مصر کا ابوالہول
(SPHINX)

(از قلم اے۔ آر۔ رشدی۔ بھوپال)

مصر کی سرزمین پر سینکڑوں آثار قدیمہ موجود ہیں۔ اور باوجود حوادث زمانہ کے ابتک محفوظ ہیں۔ مگر اس کو آثار قدیمہ کا ایک آباد شہر کہا جائے تو کچھ بیجا نہ ہوگا۔ چنانچہ یہ ایسی خصوصیات ہیں جو قدرت نے صرف مصر کو بخشی ہیں۔ اسی لئے ہر سال اطراف عالم سے سیاح یہاں کے نظاروں کو دیکھنے کی غرض سے آتے رہتے ہیں۔ جس کی وجہ سے یہاں کے آثار قدیمہ کی قدر و منزلت میں اور اضافہ ہو گیا ہے۔ چنانچہ انہی آثار قدیمہ میں سے ایک "ابوالہول" کا عظیم الشان بت ہے۔ یہ بت بہت بڑے پتھر کا مجسمہ ہے۔

دریائے نیل کے ٹیلے کے درمیان ایک بہت ہی کشادہ میدان دور تک چلا گیا ہے اور جہاں ختم ہوتا ہے وہیں پر عظیم مجسمہ "ابوالہول" ہے۔ انگریزی میں اس کا نام (SPHINX) ہے۔ "ابوالہول" درحقیقت مصری بت تراشی کا ایک نایاب و نادر نمونہ ہے جو کہ ایک عظیم الشان چٹان کو کاٹ کر بنایا گیا ہے۔ بت مذکور میں ایک خصوصیت یہ بھی ہے کہ اس کا چہرہ تو انسان جیسا ہے اور دھڑ مثل شیر کے ہے۔ اگر اس کی بلندی سر سے لے کر فرش زمین تک ناپی جائے تو ۷۰ فٹ سے کم نہ نکلے گی اور صرف ٹھوڑی تک ہی ۳۰ فٹ ہے۔ چاروں ٹانگیں مع پنجوں کے ۵۰ فٹ ہیں۔ ابوالہول کا عرض ۳۴ فٹ ہے۔ چہرہ ۱۴ فٹ، منہ ۷ فٹ۔ ناک ۵ فٹ ۷ انچ اور کان ۴ فٹ ۷ انچ کے ہیں۔

"ابوالہول" میں جو سب سے زیادہ جاذب توجہ چیز ہے وہ اس کی عظیم الشانی ہے۔ جس سے دیکھنے والے پر ایک قسم کا خوف و ہراس طاری ہو جاتا ہے۔ واقعی اس کا نام "ابوالہول" ہی ہے۔ جس سے "ہول" اور دہشت ٹپکتی ہے۔

دوسری قابل لحاظ بات جو اس بت میں ہے وہ موزونیت ہے۔ جو اس کے سر اور دھڑ میں چابکدست بت تراش نے قائم کی ہے۔ اور اس کے اسی تناسب کو دیکھکر انسان دنیا سے حیرت و استعجاب میں غوطے کھانے لگتا ہے۔ لیکن جس وقت یہ بت بنا ہوگا شاید اس وقت بنانے والے کے سامنے کسی انسان کا چہرہ ہوگا۔ چنانچہ جب یہ نیا نیا تھا تو اس وقت اس کے چہرہ کی رعنائی نہایت بہترین تھی۔ لیکن اب اس کا چہرہ زمانے کے کرخت پنجے نے بگاڑ دیا ہے۔ محمد نامی ایک شخص کو خیال آیا کہ اس عظیم الجثہ اور پر عظمت بت کو لوگ کہیں پوجنے نہ لگیں۔ اسی خیال سے اس نے اپنے دست و بازو سے اس کے چہرہ کو بگاڑ دیا۔

علاوہ بریں قدیم مصر کے کئی بادشاہوں نے بھی اس پر اپنے جور و ستم کے تیر برسائے۔ جس سے "ابوالہول" کی ناک اور کان اور آنکھیں و پیشانی وغیرہ بہت کچھ مسخ ہو گئی ہیں۔ اور گال و کنپٹی میں شکنیں و نشانات سے پڑ گئے ہیں۔ اگرچہ اتنا سب کچھ ہوا مگر پھر بھی تمام و کمال یہ بت نہ مٹ سکا۔

چونکہ مصر افریقہ میں واقع ہے جہاں ریت کے طوفان خیز بگولے اٹھا کرتے ہیں۔ اگر اتفاق سے یہ بگولے اڑتے ہوئے کہیں جاتے ہوئے قافلوں کو گھیر لیں تو تہ خاک ہی کر کے چھوڑتے ہیں۔ ایسا ہی دفعہ ہوا کہ تودہ ہائے ریگ نے "ابوالہول" کو بالکل ڈھانپ دیا۔ اور پھر کئی مرتبہ اس کو صاف کیا گیا۔ اگر اس کی صفائی کی طرف دھیان نہ دیا جاتا تو آج شاید "ابوالہول" کبھی کا تہ ریگ ہو گیا ہوتا۔ اور پھر اس کا پتہ بھی نہ ملتا۔ یہاں ناظرین کی دلچسپی کے لئے ایک واقعہ لکھا جاتا ہے جو یقیناً خالی از دلچسپی نہ ہوگا۔

تھوتمس چہارم جو کہ مصر کا بادشاہ گزرا ہے اس کو جب مصر کے تخت کے ہاتھ آنے کی امید نہ رہی۔ کیونکہ تھوتمس چہارم کا بیٹا تھا اور اس کی ماں بعد کی تھی۔ اتفاق سے تھوتمس چہارم ایک دن شکار کے لئے اپنے محل سے چل نکلا۔ اور سیر و تفریح کرتا ہوا ابوالہول کے قریب جا پہنچا۔ ابوالہول اس وقت تودہ ہائے ریت کے نیچے دبا ہوا تھا۔ تھوتمس ماندگی سے چور چور ہو رہا تھا۔ اس لئے آرام کی غرض سے وہیں لیٹ رہا اور تھوڑی دیر کے بعد نیند کی گہری آغوش میں جا پہنچا۔ اس کو خواب میں اس کی ماں نظر آئی جس نے اسے ہدایت کی کہ بیٹا جہاں تو آرام کر رہا ہے اس جگہ کو صاف کر ڈال۔ پھر تجھے مصر کی بادشاہت نصیب ہوگی۔

چنانچہ جب تھوتمس بیدار ہوا تو اس نے ایسا ہی کیا اور ابوالہول کو صاف کر دیا۔ اور یہ خدمت سب سے پہلے اسی نے انجام دی۔ جیسی کہ ماں نے خواب میں بشارت دی تھی کہ تو بادشاہ ہوگا۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا۔ اور کچھ عرصہ بعد وہ مصر کے تخت پر متمکن ہو گیا۔ اب بھی ابوالہول موجود ہے اور مشتاقان آثار قدیمہ دیکھنے کے لئے آتے رہتے ہیں اور دیکھ کر انگشت بدنداں ہو جاتے ہیں کہ "انسان کی کاریگری بے حساب ہے"

مختصر افسانہ

بیداری

(از جناب نیواز)

(خاص تیج و کلی کے لئے)

دُنیا پُرسکون رات کی تاریکی میں محوِ خواب تھی۔ آسمان پر سیاہ بادل چھائے ہوئے تھے جن کی وجہ سے رات اور زیادہ تاریک اور مہیب معلوم ہوتی تھی۔

بھارت کا سپوت بیدار تھا۔ وہ اپنے دل میں ایک بے چینی محسوس کر رہا تھا۔ ایک خاص جذبہ اس کو حقیقت کے دیوتا کے مجسمہ کے قدموں پر جا کر گریہ وزاری کرنے پر مجبور کر رہا تھا۔

وہ اُٹھا اور مشرق کی سمت اسی اونچی پہاڑی کی طرف چل دیا جہاں حقیقت کے دیوتا کا پُرجلال مجسمہ نصب تھا۔

وہ مجسمہ کالی رات کی تاریک چادر میں ملبوس تھا۔ وہ اس کے قدموں میں نہایت بیتابانہ انداز سے جا گرا۔

چاروں طرف موت کی سی خاموشی اور ہُو کا عالم تھا۔ ٹھنڈی ٹھنڈی ہوا چل رہی تھی۔ وہ ایک عرصہ تک قدموں پر جبیں سائی کرتا رہا۔ یکایک مجسمہ نے حرکت کی۔ اس نے گھبرا کر سر اٹھایا اور حسرت زدہ نگاہوں سے حقیقت کے دیوتا کو دیکھتا رہا۔ مجسمہ اسی طرح بےحرکت کھڑا تھا۔

"اے مجسمہ زر حقیقت کے دیوتا" اس نے بھرائی ہوئی آواز میں کہا۔ "میں آج تیرے مبارک قدموں پر اپنا سر رکھتا ہوں مجھ پر وہ راز روشن کر جس کا میں متلاشی ہوں۔ مجھے اس مقام کی راہ بتا جس کیلئے انسان اس دنیا میں مال و زر لٹاتے ہیں برائیوں کی اصلاح میں اپنی زندگی وقف کر دیتے ہیں۔ لیکن سب کچھ بےسود ہوتا ہے مفلسی مشکلات اور برائیاں روز افزوں ترقی پر ہیں۔ میں نے بھی ان کے نقش قدم پر چل کر مال و زر لٹایا برائیوں کی اصلاح میں برسوں ناکام کوشش کی۔ مگر کوئی نتیجہ برآمد نہ ہوا۔ ان تمام نیکیوں کو انجام دینے کے بعد میرا دل پہلے سے بھی زیادہ بیقرار نظر آتا ہے۔ اے مجسمہ حقیقت مجھ پر اس حقیقت کا انکشاف کر جو میرے لئے سکون قلب اور سچی خوشی کا باعث ہو۔"

وہ خاموش ہو گیا اور حسرت بھری نظروں سے دیوتا کے چہرے کو دیکھنے لگا۔ یکایک ہوا رک گئی۔ سیاہ بادل چھٹ گئے۔

ماہتاب نے پوری آب و تاب کے ساتھ مجسمہ کو سکون آمیز سپید چادر میں لپیٹ لیا۔

بھارت کا سپوت حیران اپنی نظریں اس پر جمائے ہوئے تھا مجسمہ میں زندگی کے آثار نمایاں ہوتے نظر آتے تھے۔ یہاں تک کہ حقیقت کے دیوتا کا نورانی مجسمہ اس کی طرف بڑھا۔ اس کے منہ سے ایک چیخ نکلی اور وہ بےہوش ہو گیا۔

جب اس کو ہوش آیا تو اس نے آنکھیں کھولیں۔ اس نے دیکھا کہ اس کے سامنے ایک سیاہ پردہ پڑا ہوا ہے۔ جس میں سے چھن چھن کر خفیف سی روشنی باہر آ رہی ہے۔ قریب ہی حقیقت کا دیوتا خاموش و سرنگوں کھڑا ہے۔ وہ گھبرا کر کھڑا ہو گیا اور دیوتا کے منوّر چہرہ کو دیکھنے لگا۔

"بھارت کے سپوت"۔ دیوتا نے آہستہ سے کہا۔

"میں نے تیری گریہ وزاری کو سنا۔ جو کچھ تو نے کیا سچے دل سے کیا۔ لیکن بالکل بیکار نہیں۔ تیرے نالہ و فریاد کی درد انگیز اور دل ہلا دینے والی صدائیں ان تین سیاہ پردوں سے گذر کر اس پردہ تک پہنچ گئی ہیں جس کے پیچھے تیرا گوہرِ مقصود پوشیدہ ہے۔ تُو پہلے تین پردوں کو ہٹا چکا ہے۔

(۱) مال و زر کی خیرات

(۲) عبادت و ریاضت۔

(۳) برائیوں کی اصلاح۔

لیکن ابھی ایک اور کام باقی ہے۔ اس کی تکمیل پہلے تین کاموں کا ثمر اور گوہرِ مقصود کا حصول ہے۔ اور اس میں ناکامی ہی ناکامی ہے۔ میں تجھے اسی لئے یہاں لایا ہوں۔ تاکہ تو اس کام کو جو تیرے دماغ میں ہے اس کا اپنی روشن آنکھوں سے دیکھ لے۔ اے بھارت کے سپوت آگے بڑھ اور ان پردوں کو ایک طرف کر دے۔"

وہ آگے بڑھا۔ خوف سے وہ لرز رہا تھا۔ اس نے پہلے پردہ کو ہٹایا۔ روشنی تیز ہو گئی۔ دوسرا پردہ ہٹایا روشنی اور تیز ہوئی۔ تیسرا پردہ ہٹا۔ اس کی آنکھیں چکا چوند ہو گئیں۔ آخری پردہ اب اس کے سامنے تھا۔ پردہ کے پیچھے فقط روشنی ہی روشنی معلوم ہوتی تھی۔ اس نے یہ آخری پردہ ہٹایا۔ اس کی آنکھیں روشنی کی تاب نہ لا کر بند ہو گئیں۔ اور خوف و ہراس سے اس کا تمام جسم لرزنے لگا۔

"اے بھارت کے سپوت آنکھیں کھول"

حقیقت کے دیوتا کی آواز اس کے کانوں میں آئی۔

اس نے آنکھیں کھولیں روشنی غائب ہو چکی تھی۔ لیکن اس کی آنکھیں ایک اور ہوش ربا منظر دیکھ رہی تھیں۔ ایک حسین اور سن رسیدہ خاتون جس کا پھول سا چہرہ بھوک اور پیاس کی شدت سے مرجھا گیا تھا۔ لباس بوسیدہ اور تار تار ہو گیا تھا اور پریشان گیسو شانوں پر اُلجھے ہوئے پڑے تھے۔

بھارت کے سپوت نے مجسس نگاہوں سے دیوتا کی طرف دیکھا۔ دیوتا نے اس دیوی کی طرف اشارہ کیا۔ بڑے بڑے سپید موتیوں کی مانند چمکدار آنسو اس کی آنکھوں سے زمین پر گرنے لگے۔

"میرے لال مجھے آزاد کر" ایک نحیف مگر شیریں آواز فضا کو چیرتی ہوئی نکل گئی اور اور دھن پھر پردہ نور میں پوشیدہ ہو گئی۔

ہفتہ کی اہم مختصر خبریں

کانگریس ملک کی سب سے زیادہ طاقتور، سب سے زیادہ منظم اور سب سے بااجماعت ہے۔ اور ہم سب کا فرض ہے کہ ہم یہ دیکھیں کہ آئندہ انتخابات میں اُسے کامیابی نصیب ہو۔ اگر کانگرس آئندہ انتخابات میں غالب ہوئی تو یہ ملک اور قوم کے لئے بڑے فخر کی بات ہوگی۔ ان الفاظ میں مشہور لبرل لیڈر مسٹر سری نواس شاستری نے کانگریس کی عظمت، فضیلت اور قوت کا اعتراف کیا ہے۔

مہاراجہ نیپال کی ڈائمنڈ جوبلی کے موقعہ پر بہت سے لوگوں کو تمغے دیئے گئے۔ ۶۰ قیدی رہا کر دیئے گئے اور ۴۴ قیدیوں کی سزاؤں میں کمی کر دی گئی۔ علاوہ ازیں ماہیانہ اور داری تعلیم کے سلسلہ میں جرمانہ میں تقریباً چار لاکھ سے زائد کی چھوٹ دی گئی۔

پونہ میں پہلی مرتبہ جگت گورو شنکر آچاریہ ڈاکٹر کرتکوٹی کی ہریجن محلہ میں ہریجنوں نے پوجا کی۔ اس موقعہ پر بہت سے سرکردہ سوورن ہندو موجود تھے۔ جن میں ڈاکٹر مونجے اور ساورکر مہاراج کے نام قابلِ ذکر ہیں۔

واردھا سے اطلاع موصول ہوئی ہے کہ مہاتما گاندھی کے خون کا دباؤ یکایک بڑھ گیا ہے۔ اور اس کے جلدی گھٹنے کا کوئی امکان نہیں ہے۔ اس اطلاع کے موصول ہونے پر بابو راجندر پرشاد واردھا روانہ ہو گئے۔

دہلی پولیس کی ایک پارٹی نے گلی ہنگا باد چاندنی چوک خاص میں ایک نواب صاحب کے مکان پر چھاپہ مارا جہاں سے ۱۴ اشخاص کو تاش سے جوا کھیلنے کے الزام میں گرفتار کیا گرفتار شدگان میں ایک میونسپل کمشنر۔ ایک وکیل۔ بزاز مالک مکان اور ان کے بہنوئی شامل ہیں۔ پولیس نے ۲۰۰ روپیہ نقد اور تقریباً ۵۰۰ روپے کے چیک قبضہ میں کر لئے۔ گرفتار شدگان کو ازاں بعد ضمانت پر رہا کر دیا گیا۔

مسٹر جسٹس ینگ چیف جسٹس لاہور ہائیکورٹ ہنا آد تشریف لائے۔ راستے میں مہاراجہ ناریتی داس جی رئیس اعظم اور ڈویژنل سکاؤٹس نے ان کا خیر مقدم کیا۔ لالہ امیچند جی نے ایک تیرنے کا تالاب بنانے کے لئے دس ہزار روپیہ دان دیا

معتبر ذریعہ سے معلوم ہوا ہے کہ موجودہ حالات کے پیشِ نظر کرپان پر عائد کی گئی پابندی میں ۳۱ جنوری کے بعد توسیع نہیں کی جائے گی اور اس اثنا میں قانون شکنی کرنے والوں کو اسی طریقہ سے سزا دی جائے گی۔ جیسے کہ انہیں اس وقت دی جا رہی ہے

سردار ناہر سنگھ سابق پریزیڈنٹ گوردوارہ ترن تارن ضلع امرتسر کی سرکردگی میں سکھوں کے پانچویں جتھا نے کرپان پر عائد کی گئی پابندی کے خلاف مورچہ لگایا۔ پولیس نے جتھے کو ڈسٹرکٹ مجسٹریٹ کے حکم کی خلاف ورزی کے الزام میں گرفتار کر لیا۔

چمن میں زلزلہ آنا ہنوز بند نہیں ہوا ہے۔ گذشتہ چار روز سے برابر زلزلے کے جھٹکے آ رہے ہیں
کہا جاتا ہے کہ فوجی سپاہیوں نے اپنے بیرک خالی کر دیئے ہیں اور اب وہ کیمپوں میں پناہ گزین ہیں۔ اہلِ شہر کو تنبیہ کر دی گئی ہے۔ اور انہوں نے کھلے میدانوں میں ڈیرے ڈال لئے ہیں۔

شریمتی کملا نہرو کی حالت قدرے بہتر ہے۔ مگر کمزوری بہت زیادہ ہے۔ انہیں برابر ہوش رہتا ہے لیکن ابھی خطرہ سے باہر نہیں ہیں۔ نمائندہ پریس کے انٹرویو کے دوران میں پنڈت جی نے کہا کہ میں ایسے وقت سے ہندوستان کے لئے روانہ ہو جاؤں کہ لکھنؤ کانگریس میں شرکت کر سکوں۔

امپیریل سیکرٹریٹ دہلی کے نارتھ بلاک میں گرم اور ٹھنڈا کرنے کے آپریٹس کی چمنی کے پھٹ جانے سے زبردست دھماکا ہوا۔ خوش قسمتی سے چمنی کی دیواریں نہیں پھٹیں۔ لیکن چمنی سے دھواں نکل رہا تھا۔ اس لئے فائر بریگیڈ کو بلا لیا گیا۔ فائر بریگیڈ فوراً موقعہ پر پہنچ گیا اور تھوڑی دیر میں آگ پر قابو پا لیا گیا۔ چمنی پھٹنے سے مشین ڈرائیور کو شدید ضربات آئیں۔

کرپان مورچہ کے سلسلہ میں پانچ سکھوں کا ایک جتھا گوردوارہ ڈیرہ صاحب سے کرپان سجائے ہوئے روانہ ہوا جنہیں گرفتار کر لیا گیا۔ بعد ازاں سرسری سماعت کے بعد انہیں ایک ایک روز قید محض کی سزائیں دی گئیں۔
اس سلسلہ میں اس وقت تک ۱۶ گرفتاریاں ہو چکی ہیں۔

اسلحہ بندی کے متعلق کیبنٹ کی میٹنگ میں اس امر کا انکشاف ہوا کہ ویکرس نے ایک ایسی توپ بنائی ہے جو کہ ہوائی جہازوں کے حملوں کو روک سکتی ہے یہ توپ دنیا کی بہترین توپ بتائی جاتی ہے۔

گجرات ۱۱ر جنوری۔ اس وقت گجرات میں شدید سردی پڑ رہی ہے۔ چنانچہ آج صبح ایک آدمی لاری سٹینڈ کے قریب مردہ پایا گیا۔ پوسٹ مارٹم سے پتہ چلا ہے کہ موت سردی کے باعث ہوئی ہے۔

نئے سال کا پیغام

نیا سال ہر سال یکم جنوری کو شروع ہوتا ہے اور ۳۱ر دسمبر کو ختم ہو جاتا ہے۔ یہ سلسلہ آواگون دُنیا کی ابتدا سے شروع ہوتا ہے، اور دُنیا کے اختتام تک قائم رہے گا۔ نیا سال جب آتا ہے۔ دُنیا داروں کے لئے ایک نیا پیغام لیکر آتا ہے۔ جن کے دلوں میں زندگی کو کامیاب بنانے کی خواہش ہے، وہ اس پیغام کو سنتے ہیں، اور سستی اور کاہلی کو چھوڑ کر پھر سے ترقی کے راستہ پر گامزن ہو جاتے ہیں جنہیں ہمّت اور حوصلہ نہیں۔ اُن کے لئے نئے سال کا آنا اور نہ آنا برابر ہے۔ اُن کے لئے جیسا پُرانا سال تھا ویسا ہی نیا سال ہے

امریکہ اور یوروپ میں تجارت پیشہ اصحاب اپنے کاروبار اور تجارت کی ترقی و توسیع کے لئے نئے سال میں نئے نئے ڈھنگ اور طریقے اختیار کرتے ہیں۔ ایڈورٹائزنگ کی نئی نئی سکیمیں اور نئے نئے پروگرام مرتب کرتے ہیں۔ اور نہایت ہمّت و حوصلہ کیساتھ زندگی کے جدوجہد میں مصروف ہو جاتے ہیں۔ یہی اُن کی ترقی اور کامیابی کا راز ہے،

اگر ہندوستان کے تجارت پیشہ اصحاب بھی نئے سال کے پیغام کو سُنیں۔ اور امریکہ اور یوروپ والوں کی طرح نئے سازوسامان سے مسلح ہو کر زندگی کی جدوجہد میں مصروف ہو جائیں۔ تو وہ بھی ویسے ہی کامیاب ہو سکتے ہیں،

یہی سال نو کا پیغام ہے

فلمستان

مذہبی فلم

(از جناب بابو لال صاحب ساحرؔ بیاوڑی - ایڈیٹر "شملہ میل")
(خاص تیج ویکلی کے لئے)

ہندوستان میں آبادی کی اکثریت ہندوؤں اور مسلمانوں کو حاصل ہے۔ انکی ذہنیت، سیاست و معاشرت میں مذہب کا بڑا دخل ہے۔ یہی وجہ ہے کہ آئے دن ہندو مسلم فساد کی خبریں پڑھنے میں آتی ہیں۔ کہیں اذان اور آرتی کا جھگڑا ہے تو کہیں مندر و مسجد کا جھگڑا کہ ملکی حقوق کی تقسیم بھی فرقہ داری کی بنیاد پر درکار ہوتی ہے۔ غرض ہر بات میں مذہب کو دخل ہے۔ ہندو یا مسلمان یہ دونوں فرقے اپنے مذہبی معاملات میں کسی قسم کا بیجا دخل برداشت نہیں کرتے۔ مذہبی روایات کے لئے ان کے دلوں میں عقیدہ ہے۔ وہ مذہبی رہنماؤں کا بڑا احترام کرتے ہیں۔ ان کی شان کے خلاف اور ان کے کلام و احکام کے خلاف کسی سے کچھ سننا پسند نہیں کرتے۔ اگر ضرورت پڑے تو اپنی جان اور مال تک قربان کرنے سے دریغ نہیں کرتے۔ اگر اس سلسلہ کا ثبوت درکار ہے تو معاملہ شہید گنج پر غور کیجئے۔ مذہبی جنون کی حد معلوم ہو جائے گی۔ حکومت برطانیہ ہم ہندوستانیوں کے مذہبی جنون سے واقف ہے۔ ملکہ وکٹوریہ آنجہانی نے اپنے شاہی فرمان میں ہندوستانیوں کی مذہبی آزادی کو تسلیم کیا تھا۔ ان واقعات و حالات کو جانتے ہوئے بھی ایسا معلوم ہوتا ہے کہ بعض فلم کمپنیاں مذہبی معاملات میں دخل دیتی ہیں۔ اور مذہبی روایات اور حکایات کو توڑ مروڑ کر پیش کرتی ہیں جس سے مذہب کے پابندوں کی دل آزاری ہوتی ہے۔

روپ لیکھا - انارکلی - حور حرم وغیرہ کا ذکر چھوڑیئے "آکاش وانی" اور "ستنگر" کو ہی لے لیجئے۔ آکاش وانی میں ہندوؤں کے دھارمک واقعہ کو غلط طور پر دکھایا گیا ہے جس کا یہ اثر ہوا کہ آکاش وانی پنجاب میں ممنوع قرار دے دی گئی ہے "ستنگر" کی نمائش بند نہیں ہوئی ہے۔ اس کے خلاف کئی شہروں میں ایجی ٹیشن ہوا مگر ناکام رہا۔

میں یہ تسلیم کرتا ہوں کہ کسی فلم کے تیار کرنے میں لاکھوں روپے صرف ہو جاتے ہیں۔ اگر فلم کی نمائش کسی صوبہ میں ممنوع قرار دی جائے تو اس سے کمپنی کا لگایا ہوا روپیہ اور اس کی محنت رائیگاں جاتی ہے اور ایسی کمپنی کی زندگی خطرہ میں پڑ جاتی ہے۔ مگر ایسا قدم ہی کیوں اٹھایا جائے جو خندق کی طرف لے جائے۔ بعض فلم کمپنیوں کے ڈائرکٹر یا مالک یہ محسوس کرتے ہیں کہ مسلمانوں اور ہندوؤں میں اس فلم کے دیکھنے کا بہت شوق ہوتا ہے جو مذہبی واقعات پیش کرتا ہے۔ لیلیٰ مجنوں - قسمت کی کسوٹی - کرشن سداما - سیتا سوئمبر وغیرہ کی ہر دلعزیزی ان کے اس نظریہ کا ثبوت ہیں۔ اس لئے وہ مذہبی واقعات کی فلم تیار کرتے ہیں مگر اس وقت وہ اپنی اہم ذمہ داری اور مذہبی روا داری کو تاندھول جاتے ہیں۔ اور اصلی واقعہ کو توڑ مروڑ اپنے مطلوبہ ڈرامہ کو برپا کرتے ہیں۔ اور اس کا نتیجہ بجائے کامیابی کے زحمت و ناکامی تک پہنچتا ہے۔ پبلک کی ایجی ٹیشن کا مقابلہ کرنا پڑتا ہے اور بعض حالات میں دولت و محنت رائیگاں جاتی ہے۔ اگر وہ مذہب کا خیال رکھا کریں۔ مذہبی روایات و احکام کا لحاظ کیا کریں اور مذہبی پیشواؤں اور رہنماؤں کا احترام کیا کریں اور فلم میں کوئی ایسا منظر یا مکالمہ پیش نہ کریں جو مذہبی توہین کا پہلو لئے ہوئے ہو تو کوئی وجہ ایسی نظر نہیں آتی۔ جس کی بنا پر کسی فلم کی مخالفت کی جائے۔

بعض فلم کمپنیاں پبلک کے جذبات کا خیال نہیں کرتیں بلکہ انہیں صرف فلم سنسر بورڈ کا ڈر ہوتا ہے۔ اگر فلم سنسر بورڈ کے ممبران نے اس کی فلم کو پاس کر دیا تو وہ فلم کمپنی اپنے آپ کو خود مختار اور آزاد سمجھتی ہے۔ وہ یہ نہیں جانتی کہ کسی فلم کے سنسر بورڈ میں پاس ہو جانے سے اسے ہر دلعزیزی کا سرٹیفکیٹ نہیں ملتا ہے اسے تو پبلک کی نگاہوں میں منظور ہونا چاہئے۔ پھر کہیں جا کر کامیابی۔ دولت اور شہرت حاصل ہوتی ہے۔ مصالحت کا تو یہ تقاضہ ہے کہ جب پبلک کسی فلم میں اہم غلطیاں بتائے ان فلم کمپنیوں کو انہیں فوراً تسلیم کر لینا چاہئے۔ اور یہ وعدہ دینا چاہئے کہ آئندہ ان غلطیوں کا خاص خیال رکھا جائے گا۔ بس اسی پر جھگڑا ختم ہو جاتا ہے۔ پبلک کو یہ شوق نہیں ہوتا کہ خواہ مخواہ کسی فلم کے خلاف ایجی ٹیشن کر کے اپنا قیمتی وقت ضائع کرے۔ جو فلم کمپنیاں پبلک کے جذبات کے خلاف چلتی ہیں وہ ہمیشہ ناکامی - رسوائی اور نادہندی حاصل کرتی ہیں۔ اور پبلک کی نگاہوں سے گر جاتی ہیں۔ جہاں فلم کمپنیوں کا یہ فرض ہے کہ وہ کسی فلم کو تیار کرتے وقت مذہبی روایات و احکامات کا خاص خیال رکھا کریں وہاں پبلک کا بھی یہ فرض ہونا چاہئے کہ وہ اپنے مذہب کے عین مطابق تیار شدہ فلم کی سرپرستی کھلے دل سے کیا کریں۔

عام فلم کمپنیوں کا یہ فرض ہے وہ کسی فرقہ کی مذہبی دل آزاری نہ کیا کریں۔ فلم میں تاریخی و مذہبی واقعات کو توڑ مروڑ کر کبھی پیش نہ کیا کریں۔ اور وہ ہمیشہ یہ خیال رکھیں کہ پبلک کی ہمدردی کسی قیمت پر بھی ضائع نہیں ہوتی۔ یہ ایک تسلیم شدہ امر ہے کہ کامیابی کی جدوجہد میں پبلک کی ہمدردی کا خاص تعلق ہوتا ہے۔

یہ ایک فن ہے

اچھی چائے بنانا بھی ایک فن ہے۔ اسکا کیا باعث ہے کہ اصل اچھی بنی ہوئی چائے کا پیالہ شاذ و نادر ہی ملتا ہے! بہت سے گھروں میں تقریباً ہر وقت چائے کا برتن حاضر رہتا ہے۔ اور پھر بھی ایسے بہت کم گھر ہوتے ہیں جہاں پینے کے لائق چائے ملتی ہے۔ یہ افسوس کی بات ہے کہ ایک مشروب جو آسانی سے تیار ہو سکتا ہے بشرطیکہ اس کے ٹھیک بنانے والے طریق اختیار کئے جائیں تو مندرجہ بالا دھبہ کبھی نہیں لگ سکتا۔ اور اسکا سبب گھر کی عورتوں کی لاپرواہی اور نوکروں کی نا قابلیت ہے۔

چائے بنانے کے طریقے نہ تو پیچیدہ ہیں اور نہ ہی مشکل ہیں مشکل یہی ہے کہ لوگوں پر یہ زور دیا جائے کہ چائے بنانے کے طریقوں پر عمل کیا جائے۔ ایک پیالہ پینے کے لائق چائے تیار کرنے کے لئے کبھی مشین کی ضرورت نہیں ہے۔ صرف دو چست ہاتھ اور دل کی ضرورت ہے۔ تاکہ وہ دل ان ہاتھوں سے ٹھیک کام لے سکے۔ ہاتھوں میں تو اکثر قابلیت دیکھی گئی ہے لیکن توجہ کی کمی ہوتی ہے۔

جس پانی میں چائے کا رس کھینچا جاتا ہے۔ اسی پانی میں اچھی چائے بنانے کا اصلی مخفی راز ہے وہ پانی تازہ ہونا چاہیئے۔ ٹھیک اُبلا ہوا ہونا چاہیئے۔ زیادہ اُبلا ہوا یا جو پانی ایک دفعہ پہلے اُبل چکا ہو یا کم اُبلا ہوا پانی چائے کو پھیکی اور بلا مزہ بنا دیتا ہے؟ اب دوسرا سوال چائے کی پتیوں پر گرم پانی گرانے اور چائے کے اثر کو اس پانی میں حل کرنے کا ہے اگر پانچ منٹ تک گرم پانی اور چائے کو اکٹھا نہ رہنے دیا جائے۔ اور پہلے ہی پیالوں میں ڈال لی جائے۔ تو اس چائے میں نہ تو ذائقہ آئیگا۔ اور خوشبو۔ اس غلطی کی ذمہ دار چائے نہیں ہے۔ تھوڑے لفظوں میں اچھی چائے کا ذائقہ لینے کے لئے یہ ضروری ہے کہ صحیح طریقوں پر وہ تیار کی جائے۔

ان کے علاوہ اچھی چائے تیار کرنے کے لئے دو باتوں کی خاص کر اور بھی خیال رکھنا ضروری ہے۔ کہ فی آدمی کے لئے ایک چمچہ چائے اور ایک چمچہ زیادہ برتن کے حصہ کا ڈالنا چاہیئے۔"

چائے بنانے کا برتن اگر مٹی کا ہو تو بہتر رہیگا۔ وہ برتن استعمال کرنے کے پہلے ہمیشہ صاف اور خشک ہونا چاہیئے۔ ہندوستان میں یہ عام رواج ہے کہ پہلے برتن میں گرم پانی ڈالتے ہیں اور اس کے بعد چائے کی پتیاں ڈالتے ہیں۔ یہ رواج تو ایسے ہوئے جیسے گھوڑے کے آگے گاڑی رکھنا۔ درست طریقہ تو یہ ہے۔ کہ پہلے چائے کے برتن کو گرم پانی سے دھو لیا جائے اور تب چائے ٹھیک مقدار میں ڈالی جائے اس کے بعد تازہ پانی جو گرم کیا گیا ہے وہ برتن میں چائے کی پتیوں پر گرایا جائے۔

تقریباً یہی طریقے ہیں جو پینے لائق چائے کے بنانے کے واسطے جاننا لازمی ہیں اس کے علاوہ چائے کا بنانا ہی ایک فن ہے جس کا سیکھنا بالکل آسان ہے جس نے چائے کے پیالے کا مزہ ایک دفعہ چکھ لیا ہو وہ تو اسکی قدر کرتا ہی ہے اس کے علاوہ بھی چائے ہماری زندگی کی ضرورتوں میں ایک شدید ضرورت ہے۔

مسٹر آتم پرکاش کو طلائی تمغہ

حال ہی میں کانگریس گولڈن جوبلی کے موقعہ پر دہلی میں جب سنگیت کانفرنس ہوئی تھی۔ اس میں منجملہ دیگر مشہور و معروف گویوں کے مسٹر آتم پرکاش اسسٹنٹ منیجر گوڈ ریج اینڈ بوائس مینوفیکچرنگ کمپنی لمیٹڈ دہلی نے اپنے ماؤتھ ڈانس یعنی منہ کے رقص کا خاص طور پر مظاہرہ کیا تھا جس وقت آپنے منہ کا رقص شروع کیا ایک خاموشی کا عالم طاری ہو گیا۔ اور چند منٹ میں رقص کی آواز آنے لگی آپکے مظاہرہ کو پبلک اور منتظمان کانفرنس نے بے حد پسند کیا اور آپکو سونے کا تمغہ دیا۔

مسٹر آتم پرکاش کا ماؤتھ ڈانس علم موسیقی میں ایک نئے باب کا اضافہ ہے۔ امید ہے۔ شائقین حضرات میں اسے زبردست مقبولیت حاصل ہوگی۔

Regd L. No. 1517.

"نیس دیپک" کا ایک سین

... دور کھیل ہو کے چھوڑ آگر میں چل رہا

Printed and Published by Dharampal Gupta at ...

نہایت دلچسپ
سوالات

پچیس روپے انعام

آپکی دماغی قوت
کا امتحان

فیس داخلہ صرف ایک آنہ

حسب اعلان تیج ویکلی میں ایک نئی قسم کے معموں کا سلسلہ شروع کیا گیا ہے۔ اس سلسلہ کا تیسرا معمہ حسب ذیل ہے۔ یہ تین دلچسپ سوالوں سے مرکب ہے۔ جو صاحبان سوالوں کو حل کرنیمیں کامیاب ہونگے۔ وہ انعام کی تقسیم میں حصہ لینے کے مستحق ہونگے۔ اول انعام دس روپے دوسرا انعام پانچروپیہ۔ تیسرا انعام چار روپیہ اور باقی تین انعام دو دو روپے کے ہونگے۔ یہ معمہ صرف چار ہفتہ شائع ہوگا۔ اور ۴ فروری ۱۹۳۲ء کے ویکلی میں نتائج شائع کردیئے جائینگے، داخلہ ۳۰ جنوری کو بند ہو جائے گا۔

سوالات

۱۔ ایک مقام پر دو طالب علم بیٹھے ہوئے تھے۔ ایک کے پاس پانچ روٹیاں تھیں۔ اور دوسرے کے پاس تین۔ دونوں نے فیصلہ کیا کہ تمام روٹیاں ایک جگہ جمع کرکے کھائی جائیں۔ انہوں نے روٹیاں کھانی شروع نہیں کی تھیں۔ کہ ایک ماسٹر صاحب بھی شامل ہوگئے۔ اور تینوں نے ملکر برابر برابر روٹیاں کھالیں۔ جب ماسٹر صاحب رخصت ہونے لگے۔ تو انھوں نے اپنے حصہ کے عیوض دونوں لڑکوں کو آٹھ آنے دیدیئے۔ بتلاؤ ہر ایک کو کیا ملنا چاہیئے۔

۲۔ ایک سو میل لمبی دوڑ میں دو موٹریں دوڑ شروع کرتی ہیں۔ ایک سو میل فی گھنٹہ کی رفتار سے چلتی ہے اور دوسری ستر میل فی گھنٹہ کی رفتار سے۔ جب وہ دوڑ شروع کرتی ہیں۔ تو ایک پرندہ بھی ایک موٹر سے دوسری موٹر تک مسلسل چکر لگاتا ہے اور اسکی رفتار ۲۰۰ میل فی گھنٹہ ہے۔ بتلاؤ دوڑ کے اختتام پر اس پرندے نے کسقدر مسافت طے کی۔

۳۔ ایک بالٹی کا وزن جسمیں کچھ پانی ہے۔ بیس پونڈ ہے۔ اسمیں ایک دو پونڈ وزن کی مچھلی چھوڑ دی جاتی ہے۔ بتلاؤ اگر مچھلی پانی پر تیرتی رہے تو بالٹی کا کل وزن کس قدر رہوگا۔ اور اگر پانی کی سطح میں بیٹھ جائے تو بالٹی کا کل وزن کتنا ہوگا۔

برہمانند گپتا منیجر اخبار تیج ویکلی دہلی

شرائط

۱۔ فیس داخلہ صرف ایک آنہ
۲۔ جنمیں سے زیادہ جوابات صحیح ہونے پر تقسیم بذریعہ قرعہ اندازی کی جاوے گی۔
۳۔ اس سلسلہ میں کوئی خط و کتابت نہیں کی جاویگی
۴۔ ہر جواب کے ہمراہ ذیل کا کوپن آنا نہایت ضروری
۵۔ ایک شخص ایک سے زیادہ کوپن بھیج سکتا ہے۔
۶۔ منیجر اخبار تیج دہلی کا فیصلہ آخری فیصلہ ہوگا۔
۷۔ جو صاحب جوابی مال کا پتہ لگانا چاہیں۔ ۱/۲ آنہ کا ٹکٹ بھیجیں

کوپن

منیجر صاحب تیج دہلی۔ اس کوپن سے ہمراہ اپنے جوابات اور ایک آنہ کے ٹکٹ بھیج رہا ہوں میرا نام مقابلہ کی فہرست میں درج کرلیجیئے،
نام ــ ... ...
پورا پتہ ــ ... ...
... ...

نام اور پتہ صاف صاف لکھیئے
اگر ناظرین نے اس معمہ میں بھی دلچسپی کا اظہار کیا تو اس سلسلہ کو جاری رکھا جائے گا۔
تیج کا اسٹاف حصہ نہیں لے سکتا

کیا آپ کو معلوم نہیں ہے کہ؟

ہندوستانی دواخانہ دہلی پوسٹ بکس نمبر ۲۲ وہی دواخانہ ہے جسے مسیح الملک حکیم محمد اجمل خانصاحب نے ۱۹۰۶ء میں قائم کیا،
ہندوستانی دواخانہ دہلی پوسٹ بکس نمبر ۲۲ وہی دواخانہ ہے جسے مسیح الملک حکیم محمد اجمل خانصاحب مرحوم نے اپنی زندگی ہی میں اپنے اور اپنے خاندانی تجربات بخشدیئے تھے،
ہندوستانی دواخانہ دہلی پوسٹ بکس نمبر ۲۲ وہی دواخانہ ہے۔ جس سے کسی کا ذاتی مفاد وابستہ نہیں اور اس کی سالانہ آمدنی تقریباً دو لاکھ روپیہ آیورویدک اینڈ یونانی طبیہ کالج پر خرچ ہوتی ہے۔ جہاں ہر ملت و مذہب کے طلباء کو ویدک اور یونانی کی تعلیم دی جاتی ہے اور جس کے شفاخانوں میں غریب مریضوں کا مفت علاج کیا جاتا ہے؛ (ہندوستانی دواخانہ کی کوئی برانچ ہندوستان کے کسی شہر میں نہیں ہے)

ٹیلیفون نمبر ۵۵۶۶	ہندوستانی دواخانہ کی لاجواب دوائیں	تار کا پتہ:- میڈی سنز دہلی

لبوب کبیر:- قوت مردمی کیلئے طب یونانی کی مقبول عام اور قابل اعتماد دوا ہے

یہ ہندوستانی دواخانہ میں قدیم اصلی اور صحیح نسخہ کے مطابق اہتمام خاص سے تیار کیا جاتا ہے۔ اسکے مجرب و دو اثر اور قابل اعتماد ہونیکی ہزاروں زندہ شہادتیں موجود ہیں۔ درحقیقت یہ ضعف باہ کے مریضوں کے لئے تحفہ نایاب ہے۔ اس کا چند روزہ استعمال مردانہ قوتوں میں ہیجان عظیم پیدا کردیتا ہے۔ مادہ تولید کی پیدائش کو زیادہ کرتا ہے، گردوں کو گرم کرتا ہے۔ اور انمیں غیر معمولی قوت پیدا کرتا ہے۔ اسمیں خصوصیت کیساتھ ایسے اجزا شامل ہیں۔ جو دماغی قوتوں کیلئے بیحد مقوی اور فائدہ رساں ہیں۔ لہذا ضعف باہ، قلت منی کی وجہ سے ہو یا ضعف گردہ اور ضعف دماغ کیوجہ سے یا انکے علاوہ دوسرے وجوہ سے بہرحال اعلیٰ درجہ کی مقوی باہ دوا ثابت ہوئی ہے دماغی ضعف کو دور کرکے اسمیں نمایاں قوت پیدا کرتی ہے۔ اگر ضعف اعصاب موجود ہو تو اس کو زائل کرتی اور پٹھوں کو قوت پہونچاتی ہے۔ عام جسمانی کمزوری کو دور کرکے اسقدر قوت پیدا کرتی ہے۔ کہ حیرت ہوتی ہے۔ چونکہ یہ خون صالح بھی کثرت سے پیدا کرتی ہے، لہذا بہت جلد بدن اور چہرہ کی رنگت کو نکھار دیتی ہے۔ مستقل فائدہ کے لئے چالیس روز تک استعمال کرنا چاہیئے۔ قیمت ۳۰ تولہ کا ڈبہ پانچ روپیہ بارہ آنہ (صہ۱۲)

شربت صدر

نزلہ و زکام اور اس سے پیدا ہونیوالی تمام بیماریوں کے لئے اکسیر ہے۔ بگڑے ہوئے نزلہ و زکام کو درست کرتا ہے اور اس کے بار بار کے حملوں کو روکتا ہے۔ بلغم کو نکالتا اور دمہ۔ کھانسی، نمونیا، خون تھوکنا۔ اور سل و دق جیسی خطرناک بیماریوں کو دور کردیتا ہے۔
ترکیب استعمال کا پرچہ ہمراہ ارسال ہوگا۔ قیمت فی شیشی (۰ خوراک) آٹھ آنہ

سی کو

قبض اتفاقی ہو یا دائمی، اپھارہ۔ درد شکم، پیٹ کی گرانی، بھوک نہ لگنا۔ بدہضمی، متلی، ضعف جگر۔ عظم جگر (یعنی جبکہ جگر بڑھ جائے اور ہنوز ابتدائی حالت میں ہو) درد سر جسم کی سستی، خون کی کمی وغیرہ شکایتیں اس کے استعمال سے دور ہو جاتی ہیں۔ ان کے علاوہ فالج، لقوہ، مرگی اور ام الصبیان میں بھی مفید ہے،
ترکیب استعمال کا پرچہ ہمراہ ارسال ہوگا۔ قیمت فی شیشی (۹ خوراک) بارہ آنے ۱۲ر

ملنے کا پتہ:- **ہندوستانی دواخانہ دہلی پوسٹ بکس نمبر ۲۲**

سالِ نَو کا خیر مقدم

از جناب فکر ایم اے

(خاص تیج ویکلی کے لئے)

چمن ہے روح فزا اور صبا طرب آموز
پیام عشرت و راحت ہے ہر گلِ نوخیز
ہر ایک پھول ستارے کا پھر جواب بنا
گلوں میں ناز سے وہ شانِ خود پسندی ہے
سجایا ساقیِ فطرت نے اپنا میخانہ
شعاعِ مہر سے پیغامِ نو بہار آیا
یہہ کارخانۂ فطرت عمل کا ہے شیدا
جمود دور ہوا ہے حیات غالب

اِس التزام سے آیا ہے ہند میں نوروز
فضائے رنگ میں ڈوبی ہوا ترنم ریز
ہر ایک ذرۂ ناچیز آفتاب بنا
کہ عندلیب سراسر نیاز مندی ہے
ہے بوئے عطر فشاں میں تو گل ہی پیمانہ
بسنت دور ہے لیکن خبر کا تار آیا
گلوں کے کام سے یوں رنگ و بو ہوا پیدا
یہ سال وہ ہے جو سب سے عمل کا طالب ہے

وطن پہ اہلِ وطن کو جو اقتدار ملے
تو نو بہار میں پھر مژدۂ بہار ملے

تیج ویکلی دہلی

مورخہ ۷ جنوری ۱۹۳۶ء

نئے سال کیلئے ہمارا اہم ترین فرض

پچھلے ہفتہ میں ہندوستان کے ماضی اور مستقبل کے نقطۂ نگاہ سے نو روز کی اہمیت پر تبصرہ کیا تھا گروہ عام تعطیلات کے باعث تشنۂ تکمیل رہ گیا تھا۔ اب نیا سال یعنی ۱۹۳۶ء شروع ہو گیا ہے! اور اگر ہم یہ کہیں کہ ہندوستان کا سال اس مرتبہ انڈین نیشنل کانگریس کی گولڈن جوبلی سے شروع ہوا ہے تو بالکل صحیح ہوگا۔ کرسمس کی تعطیلات کا ہفتہ پچھلے پچاس سال سے ہندوستان کے لئے کانگریس کا ہفتہ تھا۔ ایام گذشتہ میں ہر سال اس ہفتہ میں ملک کی بہت سی سیاسی اور تعلیمی انجمنیں منعقد ہوا کرتی تھیں، اس سال بھی ہوئیں لیکن ان جلسوں کی اہمیت ہمارے لئے اس بنا پر زیادہ جاذب توجہ ہے کہ کانگریس کی پچاس سالہ جوبلی پر ملک میں جو کچھ کام ہوا وہ ایک طرف اگر ہمارے ماضی کے زرین کارناموں کی یادگار تھا تو دوسری طرف ہمارے مستقبل کے لئے مشعلِ راہ اور چراغِ ہدایت بھی تھا۔ ظاہر ہے کہ وہ سینکڑوں کارروائیاں جو ہفتہ مذکور میں عمل میں آئیں اس قلیل جگہ کے اندر معرض تحریر میں نہیں لائی جا سکتیں، اس لئے ہم سردست صرف ایک دلچسپ اور مفید تقریب کا تذکرہ کرنا چاہتے ہیں جس سے یہ پتہ چلتا ہے کہ نئے سال کو قومی حیثیت سے کامیاب بنانے کے لئے ملک کا اہم ترین فرض کیا ہے۔

بمبئی میں آل انڈیا ویلیج انڈسٹریز ایسوسی ایشن کی طرف سے ایک عظیم الشان نمائش ہوئی تھی اور اس کے افتتاح کے وقت کانگریس کے صدر نے لوگوں کی توجہ گرام سدھار، دیہاتی صنعت و دستکاری اور موجودہ بے روزگاری کے نتائج کی طرف دلائی تھی۔ اب جبکہ خود حکومت کے افسروں کے لئے بھی یہ بات فیشن میں داخل ہو گئی ہے کہ وہ دیہات سدھار کا تذکرہ کیا کریں، تو مشین کی پیداوار کے حامیوں کو بھی کم از کم اتنا تو تسلیم کرنا پڑے گا کہ دستکاری اور دیہاتی صنعتوں کی پیداوار کو یک قلم نظر انداز نہیں کیا جا سکتا۔ ہندوستان ایک بڑا ملک ہے جو شہروں پر نہیں بلکہ سات لاکھ دیہاتوں پر مشتمل ہے اور جن کی مجموعی آبادی پینتیس کروڑ ہے۔ اور اگر یہ فرض کر لیا جائے کہ ملک میں [illegible] موجود بھی ہو جب بھی ایک بڑی مدت تک یہ ممکن نہیں ہے کہ اتنے وسیع رقبہ میں، اتنی بڑی آبادی کے لئے، ہر طرح کی جدید مشینری مہیا کی جا سکے۔ [illegible] اس [illegible] کے مقابلہ کرنے کا [illegible] سے زیادہ آسان طریقہ سردست یہی ہے کہ لوگ ہاتھ کی بنی ہوئی چیزیں کثرت سے استعمال کیا کریں تاکہ ان کروڑوں دیہاتیوں کو جو بیکاری کا شکار ہو رہے ہیں کچھ کام مل جائے اور وہ اپنے بال بچوں کی زندگی کا بار سنبھال سکیں۔

ہندوستان جو قدیم زمانے سے اب تک دراصل گھریلو صنعت اور دستکاری کا گہوارہ ہے لیکن ان مغربی ممالک میں بھی جو آج سب سے زیادہ مشینری کی صنعت کا مرکز بنے ہوئے ہیں بڑے بڑے ماہرین اقتصادیات نے یہ بات تسلیم کر لی ہے کہ ہاتھ کی بنی ہوئی چیزیں اپنی جگہ پر ایک مخصوص اہمیت رکھتی ہیں اور مشین کی پیداوار کبھی ان کا خاتمہ نہیں کر سکتی، اور نہ کبھی نفاست، لطافت، باریکی اور کمال میں ان کا مقابلہ کر سکتی ہے۔ اس وقت بھی ہندوستان کے گھروں میں بنے ہوئے کپڑے کافی طاقت سے جاپان اور دوسرے ممالک سے آئے ہوئے کپڑوں کا مقابلہ کرنے کے لائق ہو سکتے ہیں، بشرطیکہ خود ہندوستان کے باشندے ان کو استعمال میں لا کر دیسی صنعت و حرفت کی حوصلہ افزائی کریں۔ صرف کھدر اور کپڑے ہی پر منحصر نہیں ہے بلکہ ضرورت کی تمام مصنوعات کے استعمال میں اسی کا خیال رکھنا چاہئیے تاکہ دیہات کے باشندے بیکاری، فاقہ کشی اور [illegible] سے نجات پائیں۔ تمام ملک کے لئے ضروری ہے کہ نئے سال کے پروگرام میں دیہات سدھار کو اپنا مقصد بنائے۔

سرکاری ملازم اور سیاسیات!

پچھلے دنوں "گزٹ آف انڈیا" میں سرکاری ملازمین کے لئے جو ہدایتیں شائع ہوئی ہیں ان میں ہندوستان کی سیاسی تحریکوں میں ان کی شمولیت کے متعلق مندرجہ ذیل ہدایت موجود ہے:-

"کوئی سرکاری ملازم ہندوستان کی، یا ہندوستانی معاملات سے متعلق کسی سیاسی تحریک میں نہ حصہ لے گا، نہ اس کی امداد کے لئے کوئی چندہ دے گا اور نہ کسی طرح اُس کی مدد کرے گا۔"

جہاں تک اُصول کا تعلق ہے اس ضابطہ پر کوئی اعتراض نہیں کیا جا سکتا، لیکن ہمارا سوال یہ ہے کہ اسی بنا پر کیا آئی سی ایس افسران بھی یورپین ایسوسی ایشن کے ممبر بننے سے روک دئے جائیں گے؟ سیاسی تحریک کی تعریف میں وہ کارروائیاں شامل ہیں جو حکومت کے خلاف بددلی پھیلاتے یا حکومت کو پریشان کن حالات میں مبتلا کرنے کا باعث ہوں۔ یہ نہیں کہا جا سکتا کہ یورپین ایسوسی ایشن کی کارروائیاں کبھی حکومت کے خلاف بددلی پھیلاتی ہیں، مگر یہ تو کبھی کبھی ضرور ہوتا ہے کہ حکومت کو پریشان کن حالات میں مبتلا کر دیں۔ بہرحال ہم کسی خاص مسئلہ پر بحث نہیں کرتے، بلکہ یہ کہنا چاہتے ہیں کہ جو بندش تمام سرکاری ملازموں کے لئے الگ [illegible] ہونی چاہئیے [illegible]

روس کے تاش!

[illegible] روس کے ارباب حل و عقد نے [illegible] وہ اس حد تک پہنچ گئی ہیں کہ لوگوں کے لئے وہاں جو تاش کے پتے بنائے جاتے ہیں اُن کی صورت بھی دوسرے ملکوں سے مختلف ہے۔ برطانیہ کے [illegible] روس کی سیر کر کے انگلستان واپس آئے ہیں ان کا بیان ہے کہ ہوٹل میں ٹھہرنے کے قیام کے [illegible] وہاں اُن کو تاش کھیلنے کی ضرورت ہوئی لیکن جب تاش کے پتے ان کے ہاتھ میں آئے تو ان کو یہ دیکھ کر حیرت ہوئی کہ سوویٹ روس کی حکومت نے تاش کے پتوں سے بھی بادشاہ، ملکہ اور غلام [illegible]

[illegible] کی تصویریں خارج کر دی ہیں کیونکہ اس کے خیال میں یہ شہنشاہیت پرستی کی علامات ہیں۔ ان کی جگہ پر دوسری تصویریں بعض ایسے عہدہ داروں کی ہیں جن کا تعلق روس کی سوشلسٹ حکومت سے ہے کون کہہ سکتا ہے کہ یہ انقلابی ذہنیت کی انتہا نہیں ہے! لیکن سخت ترین عمل کا ردِ عمل بھی سخت ترین ہوتا ہے۔

ایک غلطی کی تصحیح!

تیج ویکلی مورخہ ۳۱ دسمبر میں شری اربندو گھوش کے مضمون "الہیات اور یوگ" میں صفحہ ۱۳ کالم ۲ سطر ۳ میں "ہمارے" کا لفظ غلط ہے۔ اس کی جگہ "تمہارے" پڑھنا چاہئیے کیونکہ اس جگہ شری اربندو جی اپنے یوروپین مرید کو مخاطب کرتے ہوئے تحریر فرماتے ہیں کہ "مغرب اور مشرق میں اگر یہ تفرقہ نہ ہوتا تو تمہارے جیسے متلاشیانِ حق مشرق ہدایت کی طرف کیوں رجوع ہوتے" ہم امید کرتے ہیں کہ اب ناظرینِ تیج ویکلی کو شری اربندو جی کا مضمون سمجھنے میں آسانی ہوگی۔

ہوائی سفر کی توسیع!

۱۹۳۵ء کا سال صحیح معنوں میں ہوائی سفر کا سال تھا۔ اس میں پرواز کے بڑے بڑے حیرت انگیز کارنامے وجود میں آئے جنہیں "لندن آسٹریلیا ہوائی دوڑ" سب سے زیادہ اہمیت رکھتی تھی لیکن ۱۹۳۶ء کے لئے دنیا نے پرواز کا جو پروگرام مرتب کیا ہے اس سے معلوم ہوتا ہے کہ اس سال میں ہوائی [illegible] مسافروں کے تحفظ اور آرام رسانی کے [illegible] وسیع ہو جائیں گے۔ پچھلے سال [illegible] ہوائی [illegible] کمپنیوں نے کل [illegible] ۳ میل [illegible] لیکن اس سال تو میں ان کی [illegible] لاکھ میل ہے یعنی ستر ہزار میل فی روز۔

اس توسیع کے سلسلہ میں [illegible] ایرویز کا ایک نیا ہوائی اسٹیشن [illegible] تعمیر کیا جائے والا ہے۔ ہندوستان کے لوگوں میں پرواز کا شوق رفتہ رفتہ ترقی کر رہا ہے اور ہوائی سفر کے متعلق وہ خیال پیدا ہو چلا ہے [illegible] "ہوائی ذہنیت" کہتے ہیں۔

[illegible] امید کی جاتی ہے [illegible] لئے نیا سال ہندوستان میں [illegible] ثابت ہوگا۔

ایک فرانسیسی اخبار لکھتا ہے کہ اٹلی نے تین ماہ کی مسلسل جارحانہ جنگ کے باوجود حبش کے شمال اور جنوب میں صرف چند دیہات پر قبضہ کیا ہے

لیکن اٹلی کو فرینکو برٹش اتحاد عمل کا مشکور ہونا چاہئیے۔ جس نے نصف حبش پیش کر دیا بقول حافظ۔ ع

بہ خالِ ہندوش بخشم سمرقند و بخارا را

جمعیت اقوام کے مرکز جنیوا میں ہر شخص یہ شور و غل مچا رہا ہے کہ اٹلی جیسی جارحانہ قوم کو حبش کا نصف حصہ پیش کر کے اس کے حوصلے بڑھائے جا رہے ہیں۔

یہ کوئی نئی بات نہیں ہے۔ دنیا ہمیشہ طاقتور کا حوصلہ بڑھاتی ہے۔ اور طاقت جتنی زیادہ ہوتی ہے امداد بھی اتنی ہی زیادہ ملتی ہے۔

ہز ایکسی لینسی وائسرائے نے پچھلے دنوں کلکتہ میں کہا ہے کہ ہندوستان آہستہ آہستہ مگر نمایاں طور پر اقتصادی بدحالی سے باہر آ رہا ہے۔

غالباً اس لئے تو نہیں کہ خود ہز ایکسی لینسی جلد یہاں سے اپنے ملک کو واپس جانے والے ہیں۔

شہنشاہ حبش نے اپنی طرف سے صلح کی شرائط شائع کر دی ہیں۔ ایک تو یہ کہ اٹلی کی فوجیں حبش سے فوراً باہر نکل جائیں اور دوسری یہ کہ اٹلی حبش کو ہرجانہ ادا کرے۔

اول الذکر کام تو حبش کی رفتار جنگ سے ظاہر ہے لیکن موخر الذکر مشکل ہے ؎

نہ ہر کہ طلبی سخن ورا نیست

ایک اخبار سوال کرتا ہے کہ "برطانیہ اپنے آپ کو دوبارہ مسلح کیوں کر رہا ہے؟"

اس کا جواب بھی ایک سوال میں ہے۔ اور وہ یہ ہے کہ سن رسیدہ عورت اپنے چہرہ کی جھریاں چھپانے کے لئے رنگ و روغن اور پوڈر کا استعمال کیوں کرتی ہے۔؟

معلوم ہوا ہے کہ ایران میں خطابات عطا کرنے کا سلسلہ بند کر دیا گیا ہے۔ ترکی میں بھی ایسا ہی ہو چکا ہے۔

لیکن ہندوستان میں یہ متعدی مرض کی صورت اختیار کرتا جاتا ہے۔

آئینۂ خیال

ہفتہ کی جنگ!

۲۳ دسمبر ۱۹۳۵ء

علاقہ ٹیمبن میں حبش کی پانچ ہزار فوج اور اٹلی کی فوج کے درمیان گھمسان لڑائی ہوئی۔ حبشیوں نے اٹلی کی فوج پر حملہ کر دیا۔ اٹلی کی فوج نے توپوں اور ہوائی جہازوں سے ان کا مقابلہ کیا اور دو بدو لڑائی شروع ہو گئی۔ اس میں حبش کے سات سو سپاہی ہلاک ہوئے اور دو ہزار زخمی ہو گئے۔ اٹلی کے سات افسر ہلاک ہوئے اور ۶ مجروح ہوئے اور اٹلی کی افریقی فوج کے ۱۵۰ ہلاک ہو گئے اور ۱۹۷ مجروح ہوئے۔

۲۴ دسمبر ۱۹۳۵ء

حبش کی فوج نے ارٹریا کی سرحد سے دس میل کے فاصلہ پر حادی گراشہر پر قبضہ کر لیا۔ یونان میں اطلاعات موصول ہوئی ہیں کہ جزائر ڈوڈیکینس میں اٹلی اپنی پوزیشن کو بہت مضبوط کرتا جا رہا ہے۔ حال ہی میں روڈس میں ۱۲۰۰ ٹن تار بھیجے گئے ہیں۔ اس وقت جزیرہ لیراس میں ۹۰۰ ہوائی فوج ہے۔

۲۶ دسمبر ۱۹۳۵ء

شہر اکسوم سے راس سیوم کے آٹھ سو سپاہیوں کو باہر نکال دیا گیا کیونکہ یہ لوگ راس سیوم کے ساتھ لڑائی میں گئے تھے۔ اس شہر کے بیچ میں ایک درخت ہے جس پر اٹلی والوں نے بہت سے نوٹس چسپاں کر دئے۔ ایک نوٹس کے ذریعہ اعلان کیا گیا کہ علاقہ مفتوحہ کے باشندگان کو مطلع کیا جاتا ہے کہ جو شخص اٹلی کی فوج کے خلاف لڑے گا یا مخالفانہ رویہ اختیار کرے گا اس کو وراثت وغیرہ کے تمام حقوق سے محروم کر دیا جائے گا۔

۲۹ دسمبر ۱۹۳۵ء

حکومت برطانیہ کو ساحل بحر روم کی تمام حکومتوں کے جوابات موصول ہوئے۔ سب نے معاہدہ لیگ کی حمایت کا وعدہ کیا۔ لیکن ان جوابات کا فوجی محکمہ کے متعلق پابندیاں عائد کرنے سے کوئی تعلق نہیں۔ فرانس یوگوسلاویہ یونان اور ترکی نے یہ وعدہ کیا کہ ان پابندیوں کے عائد کرنے والے کسی ملک پر اگر اٹلی نے حملہ کیا تو وہ اس ملک کا ساتھ دیں گے۔

۳۰ دسمبر ۱۹۳۵ء

اٹلی کی فوج نے شہر دگابور پر ۲ گھنٹہ تک زبردست بمباری کی جس سے بہت سے افراد ہلاک و مجروح ہو گئے۔ حکومت حبش نے بین الاقوامی لیگ کو ایک مراسلہ بھیجا جس میں اٹلی کی فوج کے گیس والے بم برسانے کے خلاف پروٹسٹ کیا۔

اٹلی کی فوج پیچھے ہٹ رہی ہے لیکن بیان کیا جاتا ہے کہ یہ ایک چال ہے۔

۳۱ دسمبر ۱۹۳۵ء

اٹلی کی کیبنٹ کے اجلاس میں سائنور مسولینی نے اعلان کیا کہ حکومت اٹلی نے حبش کے ساتھ صلح کی تجویزوں کو انتظامی طور پر نامنظور کر دیا ہے۔

سائنور مسولینی کی تقریر سے یہ نتیجہ اخذ کیا گیا کہ اٹلی کی فوج اجتماعی حملہ کرنے والی ہے۔

ایک سرکاری بیان شائع کیا گیا کہ حال میں جو جنگ ہوئی تھی۔ اس میں اٹلی کی فوج اور افریقی فوج نے زبردست دلیری کا ثبوت دیا۔

اٹلی کے سائنس داں بہت سی خام اشیاء کا جو باہر سے آتی ہیں نعم البدل تلاش کر رہے ہیں۔

علاقہ ٹمبن میں حبش اور اٹلی کی فوج میں لڑائی ہو گئی جس میں حبش کی فوج کے بہت سے سپاہی مارے گئے۔

یکم جنوری ۱۹۳۶ء

ادیس ابابا۔ یکم جنوری نئے سال کے آغاز کے موقع پر جب شہنشاہ حبش گرجا گھر میں عبادت کی نماز پڑھنے کے لئے گئے تو بڑے جوش کا عالم تھا۔ گرجا گھر کے اندر تل دھرنے کی گنجائش نہ تھی کیونکہ اس تعداد کی عیسائی رعایا دور دور سے آئی ہوئی تھی۔ مسلم حبشیوں کا بھی گرجا گھر کے باہر زبردست ہجوم لگا ہوا تھا۔ نئے سال کی نماز پڑھنے کے بعد شہنشاہ نے اور ان کی رعایا نے قسم کھائی کہ وہ اپنے جان و مال سے اپنے وطن اور اپنی قوم کی حفاظت کریں گے اور غیر ملکیوں کا قبضہ اپنے ملک پر نہ ہونے دیں گے۔

چٹکیاں

پونا کے لبرل حضرات یہ کہہ کر خوش ہیں کہ انہیں کی جماعت کے رہنماؤں نے کانگریس کی بنیاد رکھی تھی اور اس کی نشو و نما، تربیت اور ترقی کا ذریعہ بنے تھے۔

لیکن اس کو کیا کیجئے کہ اب یہی لبرل لوگ خود کانگریس سے الگ ہو کر اپنی نشو و نما، تربیت اور ترقی کا ذریعہ بنے ہوئے ہیں۔

سر ہری سنگھ گوڑ نے اپنے پیغام میں یہ امید ظاہر کی ہے کہ کانگریس کو زیادہ "نیشنل" بنایا جائے تاکہ اس کے حلقہ میں وہ لوگ بھی داخل ہو سکیں جو اس کے مقصد سے متفق ہیں لیکن طرز عمل سے متفق نہیں ہیں۔

ایسے تو ہندوستان میں حکومت خود اختیاری کا مخالف کوئی بھی نہیں ہے۔ لیکن بعض حضرات دس بیس ہزار سال تک انتظار کرنا چاہتے ہیں۔ داغ نے کیا خوب کہا ہے ؎

وعدے پہ مرے اُن کے قیامت کی ہے تکرار

اصرار ہے اتنی کہ اُدھر کل ہے اِدھر آج

کہا جاتا ہے کہ ناگپور کے لبرلوں کے درمیان بھی اختلاف رائے بہت کم تھا اور ریزولیوشنوں کے مسودے اتفاق رائے سے تیار کئے گئے تھے۔

ہم بھی اسے صحیح مانتے ہیں کیونکہ ملازمتیں! تنخواہیں اور خطابات قبول کرنے میں اختلاف رائے کیونکر ممکن ہوتا۔؟

لبرل حضرات اس پر بھی متفق تھے کہ جدید انڈیا ایکٹ میں بہت سی خامیاں اور نقائص موجود ہیں۔

لیکن غالباً اس پر بھی متفق ہوں گے کہ اس آئین کو لبرل حضرات کے ساتھ! لبرل حضرات کے لئے لبرل حضرات کی امداد سے چلانا چاہئیے۔

ایم لاول نے فرانسیسی چیمبر میں دریافت کیا کہ "میں نے فرانس کے خلاف کون سا جرم کیا ہے؟"

کوئی بھی نہیں۔ کیونکہ جرم تو حبش اور انسانیت کے خلاف کیا گیا ہے۔

ایک معاصر نے یہ سرخی دی ہے۔

"لیگ اور تجویز امن" = "عملی تجہیز و تکفین"

معلوم نہیں ایک کے دفن ہونے کی خبر یا دولت تجہیز و تکفین کا اہتمام کر اس قدر عجیب ہے۔

جاپانی قوم کو سال نو کا پیغام دیتے ہوئے بحری وزیر نے کہا ہے کہ جاپان کوئی جارحانہ قدم اٹھانا نہیں چاہتا مگر اپنا تحفظ ضروری سمجھتا ہے۔

اقتصادی ہندوستان

(از جناب مولینا حسین احمد صاحب)

انگلستان میں اگر کسی کی آمدنی پر ۵ فی صدی ٹیکس لگا دیا جاتا ہے تو ٹیکس دہندہ چیخ اٹھتا ہے۔ اس سے اندازہ کیا جاسکتا ہے کہ ہندوستان کی حالت کس قدر ردی اور ناگفتہ بہ ہوگی جہاں پیداوار پر ۵ فی صدی نہیں بلکہ ۰ ۰ فی صدی ٹیکس لیا جاتا ہے حکومت آئے دن شرح لگان پر نظر ثانی کرتی رہتی ہے تاکہ ان کسانوں سے جو پہلے ہی سے بھاری ٹیکسوں کے بوجھ کے نیچے دبے ہوئے ہیں اگر ممکن ہوسکے تو ان کے جیب کی آخری پائی بھی حاصل کرلی جائے تیس فی صدی لگان تو عموماً بڑھا دیا جاتا ہے۔ حالانکہ ہمارے پیش نظر ایسی مثالیں بھی موجود ہیں جہاں ۵۰ فی صدی ۰۰ فی صدی اور ۰۰ فی صدی لگان میں اضافہ کیا گیا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ ہندوستانی ہمیشہ افلاس و نکبت کی ہولناک مصیبتوں میں مبتلا رہتے ہیں۔

مذکورہ بالا نوٹوں سے جو کہ اس شعبہ زراعت کے متعلق بہت کمی سے ذکر کئے گئے ہیں بخوبی اندازہ کیا جاسکتا ہے کہ مہربان گورنمنٹ برطانیہ ہندوستانی پبلک پر کس قدر عنایات بے غایات کی بارش کر رہی ہے خلاصہ یہ کہ دولت انگلشیہ نے ذرائع دولت کو فنا کرنے میں کوئی دقیقہ نہیں چھوڑا۔ پھر ٹیکسوں کی بھرمار مندرجہ ذیل اعداد و شمار سے پتہ دیتی ہے کہ کیا گل کھلا رہی ہے۔

ہندوستان کے روز افزوں ٹیکسز کا فی نفر اوسط سالانہ حسب ذیل ہے۔

۱۸۵۰ء میں ایک روپیہ ۱۳ر ۹ پائی	۱۸۸۰ء میں دو روپے ۲ر ۱۱ پائی
۱۸۹۰ء میں ۲ روپیہ ۳ر ۱۱ پائی	۱۹۰۱ء میں دو روپے ۱۰ر ۲ پائی
۱۹۱۱ء میں ۲ روپیہ ۱۳ر ۱۱ پائی	۱۹۱۳ء میں تین روپے ۱ر ۲ پائی
۱۹۱۱ء میں پانچ روپے گیارہ آنے	۱۹۲۲ء میں چھ روپے سات آنے

اب اس وقت سات روپے فی نفر سے بھی اوسط بہت زیادہ بڑھ رہا ہے۔

گورنمنٹ کی ان عنایات کا نتیجہ جو کچھ ہوا وہ مندرجہ ذیل بیانات سے بخوبی واضح ہوجائے گا:-

سر جان شور جس کا تعلق بنگال سول سروس سے تھا ۱۸۳۳ء میں لکھتا ہے:-

"لیکن ہندوستان کا عہد زریں گزر چکا ہے جو دولت کبھی اس کے پاس تھی اس کا جزو اعظم ملک سے کھینچ کر بھیج دیا گیا ہے۔ اور اس کے قدرتی عمل اس بد عملی کے ناپاک نظام نے معطل کردئے ہیں۔ جس نے لاکھوں نفوس کی منفعت کو چند افراد کے فائدے کی خاطر قربان کردیا ہے۔ برطانیہ نے جو طرز حکومت قائم کیا ہے اس کے تحت میں ملک اور باشندگان ملک رفتہ رفتہ محتاج ہوتے جاتے ہیں اور یہی سبب ہے کہ ان پرانے تاجروں پر جلد تباہی آگئی۔ انگریزی حکومت کی جیسی ڈالنے والی رعایا ہندوستانی نے ملک اور اہل ملک کو اتنا مفلس کردیا ہے کہ اس کی نظیر ملنا مشکل ہے۔ انگریزوں کا بنیادی اصول یہ رہا ہے کہ ہر صورت سے تمام ہندوستانی قوم کو اپنی اغراض کا غلام بنایا جائے۔ ان پر محصولات اتنے لگا دئے ہیں کہ اضافہ کی گنجائش نہیں چھوڑی۔ یکے بعد دیگرے جو صوبہ ہمارے تصرف میں آیا ہے اس کو مزید دصولیابی کا میدان بنا لیا گیا ہے اور ہم نے ہمیشہ اس بات پر فخر کیا ہے کہ دیسی والیان ملک جتنا وصول کرتے تھے اس سے ہماری آمدنی کس قدر زیادہ ہے"

مسٹر سیول میرٹ ۱۸۳۶ء میں لکھتا ہے:-

"برطانیہ کا دور حکومت مہربان اور مقبول بتایا جاتا ہے مگر اس عہد میں ملک جس حالت کو پہنچ گیا ہے اگر اس کا مقابلہ دیسی حکمرانوں کے عہد سے کیا جائے تو معلوم ہوگا کہ اس وقت لوگ خوش حال تھے یہ ملک فلاکت کی انتہائی پستی تک پہنچ گیا ہے"

(نوٹ) اس گراں پایہ مضمون کا جو چند قسطوں میں ختم ہوگا قارئین مسلسل مطالعہ کریں۔ ایڈیٹر

غزل

(از جناب منشی بشیشور پرشاد منور لکھنوی خلف ملک الشعرا حضرت آفق - مرحوم)

(خاص پنچ دیکلی کے لئے)

غافل فنا کی راہ سے تیرا گذر تو ہو
گلپاشی نگاہ جراحت اثر تو ہو
پھر ہم بھی چشم شوق کا پردہ اٹھائیں گے
چھا جائیگا ضرور کسی پر وفا کا رنگ
جو ہے تیرے لب رہے گا مشام دہر
اپنا تو معبد ایسی صدوں سے ہے بے نیاز
کوسوں اب اشتیاق نظارہ ہے دل کر دو
نیت لغیر راہ روی عمل کہاں
اپنی طرف سے جذب وفا میں کمی نہیں
تیری جلوہ لیسے اٹھے گا جوش کا شور
اہل نظر کو دعوت نظارہ چاہیے
ہم اس کی تیرگی ہی کو رہبر بنائیں گے
کھل جائیگی ہر اک پہ تیرے جوہروں کی قدر
اب عرصۂ حیات نہ ہم پر کبھی ہو تنگ

کھل جائیگی ہر اک خبر بے خبر تو ہو
کھل جائے زخم زخم کوئی چارہ گر تو ہو
پہلے حریم دل میں کوئی جلوہ گر تو ہو
آنکھوں سے کچھ تراوش خون جگر تو ہو
پہلے شمیم گل کی طرح منتشر تو ہو
دنیا کو کچھ حاجت دیوار و در تو ہو
کس پر اٹھے نظر کوئی منظر تو ہو
اٹھ جائینگے قدم بھی خیال سفر تو ہو
ہوتا ہے پھر بھی کوئی گم شدہ اگر تو ہو
پامال شل نقش سر رہگذر تو ہو
مشکل نظر رہے گی کوئی منتظر تو ہو
ہوتی ہے سدراہ جو گرد سفر تو ہو
سرمایۂ حیات میرا منتشر تو ہو
طوفان انقلاب کا اتنا اثر تو ہو

کیا ہم تری غزل کو منور غزل کہیں
پیدا کچھ اس میں رنگ کلام نظر تو ہو

امریکن فلم اور ہندوستان

از جناب اے - آر رشدی بھوپال

امریکن فلم آج کل بکثرت ہندوستان میں آ رہے ہیں۔ اور ہر شہر میں دکھائے جاتے ہیں۔ اور اس طریقے سے مشرق کی دولت مغرب میں کھنچی چلی جا رہی ہے اور یہی مغربی ممالک کا مقصد ہے۔ کہ کسی نہ کسی طرح سے مشرق کی دولت ان کے ممالک میں پہنچ جائے۔ اور پھر ایشیائی رگ۔ کھائے۔ یہ ایک کھلی ہوئی حقیقت ہے۔ لیکن اب مغربی ممالک خصوصاً امریکہ نے اس قدر جرأت کی ہے کہ وہ ہندوستان کے خلاف فلم بنا رہا ہے۔ اور امریکن فلم ساز ایسے فلم جس میں ہندوستان کی روایات پر دھبہ لگتا ہے۔ "کلائیو آف انڈیا" تیار کر رہے ہیں مثلاً بنگالی "بنگال لانسر" "انڈیا اسپیکس" وغیرہ ان تمام فلموں میں مادر ہند کی تہذیب، طرز معاشرت تمدن اور اخلاق پر نہایت اور شرمناک الزامات لگائے گئے ہیں۔ یہی نہیں بلکہ ان میں توہین آمیز رنگ بھی جھلکتا ہے۔ ہندوستان کی خواتین پر اخلاق سوز اور حیا سوز بہتان لگائے ہیں۔ ذرا غور کیجیے ان فلموں کو کوئی صحیح الدماغ شخص دیکھنا گوارا کر سکتا ہے؟

ہندوستان کی وقعت اور شان و شوکت پر ایسے فلموں سے آنچ آتی ہے۔ اور دوسروں کے سامنے ہندوستانی کی رسوائی ہوتی ہے۔ لیکن افسوس ہے۔ غیور ہندوستانی اب تک اس بات پر غور نہیں کر رہے ہیں۔ اور امریکن فلم بدستور ہندوستان میں چلے آ رہے ہیں۔ اور ان کے حوصلے اتنے بڑھتے جا رہے ہیں۔ اور معترض امریکن فلم سازوں کی ہمت بڑھ رہی ہے۔ اور سمجھیں گے کہ ہندوستان کے متعلق وہ جتنا فلم چاہتے ہیں۔ تیار کر دیتے ہیں۔ اور اس کی پرواہ نہیں کرتے کہ ہندوستان کی اس سے توہین ہوتی ہے۔ ضرورت ہے کہ فوراً امریکن فلموں کا مقاطعہ شروع کر دیا جائے نیز مالکان سنیما کو لازم ہے کہ وہ امریکن فلموں کو اپنے سنیماؤں میں جگہ نہ دیں۔ اور پبلک کو بھی چاہیے کہ ان فلموں کو نہ دیکھے۔ تاکہ مکمل طور پر اس کا تدارک کیا جائے۔ اس طریقہ سے تو کچھ اثر ان فلمسازوں پر پڑے گا۔ جو ہندوستان کے خلاف پروپیگنڈا کرتے ہیں اس سے متاثر ہو کر مسٹر سبھاش چندر بوس نے امریکن فلموں کے خلاف علم احتجاج بلند کیا ہے۔ اور ہونا بھی ایسے ہی چاہیے۔

پریم کی جیت

(خاص "تیج وکلی" کے لئے)

حقیقت میں ڈوبا ہوا دلکش افسانہ!

(از جناب ثمر صب یقی ردولوی)

رادھا کو مجھ سے اس وقت سے محبت تھی جب میں کلرک کی حیثیت سے اس کے گاؤں میں وارد ہوا تھا یہ وہ زمانہ تھا کہ دریائے جمنا پر ریلوے پل کی تعمیر کا کام شروع ہوگیا تھا جس سے ہزاروں انسانوں کی روزی کا ذریعہ نکل آیا تھا۔ مزدوروں میں رادھا کا بھائی رامو بھی تھا۔ جو نہایت درجہ کا جفاکش محنتی اور وفا شعار تھا صبح سے شام تک مجھے مزدوروں کی دیکھ بھال کرنا پڑتی۔——

—— میں رامو کے مکان پر رہا کرتا تھا۔ رامو بہادر پور کے مکھیا کا بیٹا تھا۔ اس کا باپ مر چکا تھا جس سے اس کے گھر کی حالت خراب ہو چکی تھی۔ محنت اور مزدوری کرکے رامو اپنا اور سب کا پیٹ پالتا۔ ایک بہن اور بوڑھی ماں کی تمام ذمہ داریاں رامو کے سر تھیں۔ شروع شروع رادھا مجھ سے بہت شرماتی —— جب میرے سامنے سے نکلتی، اس کا چہرہ دوپٹہ کے آنچل سے چھپا ہوتا۔ لیکن رفتہ رفتہ اس کا حجاب جاتا رہا —— دن بھر کا تھکا ماندہ جب میں گھر واپس آتا رادھا میرے لئے چائے وغیرہ تیار رکھتی —— میرے ہر آرام و آسائش کا خیال رکھتی رادھا کی پہلی ہی نظر مجھے محبت کا پیغام دے چکی تھی۔ وہ انتہا درجہ کی خوبصورت لڑکی تھی۔————

—— اس کی آواز میں ایک قسم کا جادو تھا————

—— رادھا کی بے وث محبت نے مجھے اس کا گرویدہ بنا رکھا تھا، میں صبح ہوتے ہی کشتی پر بیٹھ کر پل کی طرف روانہ ہو جاتا۔ دن بھر کام کرتا۔ اور شام کو پھر مکان واپس آ جاتا ایک روز میرے یہاں کام زیادہ تھا صبح کو میرے ایک افسر آنے والے تھے مجھے رات بھر پل پر رہنا پڑا۔ دوسرے دن جب میں مکان واپس آیا۔ رامو کی ماں دوڑی ہوئی آئی اور میرے نہ آنے کے متعلق بیسیوں سوالات کر ڈالے————

————میں نے پوچھا: رادھا کہاں ہے————

—— اس کی ماں نے بتایا کہ کل شام سے وہ بخار میں مبتلا ہے۔ میں دوڑا ہوا اس کوٹھری میں گیا جہاں رادھا بخار میں بے ہوش پڑی ہوئی تھی————میری آہٹ پاتے ہی

وہ چونک پڑی۔ میں نے دیکھا۔ اس کا خوبصورت چہرہ بخار کی شدت سے سرخ ہو رہا ہے، ... وہ کرب و بے چینی کے عالم میں مجھے دیکھ رہی ہے

کیا مزاج ہے رادھا میں نے دریافت کیا؟ اس کی آنکھوں سے آنسو بہنے لگے۔ اس نے کچھ جواب نہ دیا۔ میرے ساتھ معمولی دواؤں کا سرکاری بکس بھی تھا۔ میں نے چند کونین

کی گولیاں نکالیں، لیکن اس کی ماں کو کھلانے میں کچھ پس و پیش ہوا۔ میں نے زبردستی دو گولیاں اس کے منہ میں ڈال دیں————رات کسی نہ کسی طرح گذر گئی۔ ————صبح کو رادھا کی طبیعت اچھی ہوگئی، ———— جب میں چلنے لگا، مسکرائی میں نے پوچھا۔ رادھا رات کو تم کیوں رو رہی تھیں، بے ساختہ اس کے منہ سے نکلا۔ آپ کے لئے، میرا کلیجہ دھک سے ہوگیا، ایک خوبصورت عورت کے منہ سے نکلے ہوئے یہ الفاظ میرے رہے سہے ہوش و حواس کو برباد کر گئے اس دن مجھے معلوم ہوا کہ رادھا مجھ سے محبت کرتی ہے

———— رادھا کی محبت برابر بڑھتی ہی گئی۔ مجھے بھی رادھا کے بغیر ایک پل چین نہ پڑتا————

—— میری زندگی ایک ایسے کیف آگین خیال سے سرور تھی جس کا مجھے کبھی وہم و گمان بھی نہ تھا۔ سارا سارا دن گزر جاتا۔ رادھا میرے انتظار میں کھانا نہ کھاتی————

رادھا ایک خوبصورت مغنیہ تھی جو اپنے کمال سے بے خبر اور اپنے حسن سے بے پروا تھی۔ —————— جب میری کشتی دریائے جمنا کی پرسکون لہروں پر رقص کرتی ہوئی گھر کی طرف واپس ہوتی۔ رادھا کی بلی بلی تانیں میرے کانوں میں آتیں۔ وہ شریلی آواز میں گاتی۔ "ندیا بیچ ہو مورا سیّاں اترے گا پار"! آواز کا اتار چڑھاؤ میرے

جذبات میں ایک ہلچل پیدا کر دیتا———— اس وقت دریا کی روانی میں کامل سکون ہو جاتا۔———— اور "مورا سیّاں اترے گا پار" کی دلکش تکرار سے ساری فضا معمور ہو جاتی۔ ——————————

—— جس وقت میں گھر پہنچا اس کا چہرہ———— فرط مسرت سے شگفتہ ہو جاتا، میں کہتا "رادھا ایک مرتبہ پھر وہی گاؤ "مورا سیّاں اترے گا پار"———— وہ شرما جاتی

————————— رادھا کو بھی احساس تھا کہ میں اس سے محبت کرتا ہوں وہ میرے سامنے جب آتی ———— ہلکی سی مسکراہٹ اس کے پتلے پتلے ہونٹوں پر کھیلا کرتی محبت اپنی پوری قوت کے ساتھ دلوں میں اثر کرتی رہی اور رادھا نے میری محبت میں اپنے کو بھلا دیا

═══(۲)═══

رادھا کا معمول تھا کہ وہ صبح سورج کی پہلی کرن پھوٹتے ہی گاؤں کی عورتوں کے ساتھ گھاٹ پر اشنان کرنے چلی جاتی جس وقت وہ واپس آتی۔ اس کے کالے کالے بال پانی میں تر———— اس کے مہتابی چہرہ کے گرد بکھرے ہوتے، اس کا خوبصورت چہرہ پھولوں کے مانند شگفتہ ہوتا، ———— اشنان کرنے کے بعد سورج کی مورتی پر تلسی کے پھول چڑھاتی۔ اس عرصہ میں میں اٹھ بیٹھتا۔ میری آنکھیں رادھا کے خوبصورت چہرہ کا طواف کیا کرتیں۔ رادھا ضبط و تحمل کی دیوی تھی————

—— اس کی روح ہر وقت سیلاب محبت میں بہا کرتی۔ لیکن———— وہ کبھی جذبات سے مغلوب ہو کر اظہار محبت نہ کرتی۔ اس کی نظریں مجھے محبت کا پیغام دیتیں۔ میں محسوس کرتا کہ اس وقت مجھ سے زیادہ خوش نصیب انسان صفحہ ہستی پر موجود نہیں رادھا قدرت کا بہترین شاہکار تھی، میری زندگی میں اس نے "ایک فردوسی روح پھونک دی تھی"————

—— جس سے میں خواب میں بھی کبھی لذت آشنا نہ ہوا تھا۔ ———— میں نے رادھا کے طرز عمل سے اندازہ لگایا کہ وہ جس قدر خاموش ہے اسی قدر اس کے سینے میں محبت کی چنگاریاں روشن ہیں اور————

————اس کی محبت اتنی ہی گہری ہے جتنی کرئیں سمندروں کی گہرائی؟؟————

—— رادھا کے ساز محبت کو میں برابر اپنے عمل "تلطف" کی مضراب سے چھیڑتا رہا۔ ————

یہاں تک کہ حسن و عشق کے نغمے فضا میں منتشر ہوگئے

————اب رادھا میری تھی اور میں رادھا کا محبت کے رشتہ سے ہم دونوں ایک ہی سلک کے گہر ہو گئے۔ لیکن سماج کی نظروں میں ہم دونوں ایک یگانگت محبت۔ انتہائی گناہ اور پاپ کے مرادف تھی ———— لیکن میں نے طے کر لیا کہ میں رادھا کا دامن محبت عمر بھر نہ چھوڑوں گا۔ ————

ایک روز رات کا وقت تھا۔ آندھی زوروں

(باقی مضمون اگلے صفحہ پر ملاحظہ فرمائیں)

شعر لطیف

از ملّا رموزی

(خاص "تیج وکلی" کے لئے)

حوادث جب بھی دل کی روح کو برباد کرتے ہیں | وسیلے سے اشک کے تیرے اسکو شاد کرتے ہیں
تری فرقت کے صدموں سے مرے دل کے بچانے میں | تصوّر میں ترے جلوے بڑی امداد کرتے ہیں
چمن والے بیاں کرتے ہیں جب روداد رنگینی | تری روداد کو سرنامۂ روداد کرتے ہیں
جمال عشق یہ ہے تجھ پہ مرتے ہیں بہر صورت | جلال عشق یہ ہے ضبط ہی بیداد کرتے ہیں
کمال کوہ کن کیا تھا، کمال حسن جاناں تھا | مگر ہم احترام شہرت فرہاد کرتے ہیں
قفس میں بھی اگر حسن ادائے نغمہ ہو باقی | خوشی سے خدمتیں بلبل کی خود صیاد کرتے ہیں
چمن والوں میں تقریب گل افشاں ہونیوالی ہے | قفس والوں کو دیکھیں کس طرح آزاد کرتے ہیں
ترے رنگیں تبسم میں جو غنچے مسکراتے ہیں | جوانی میں رنگیلا بانکپن ایجاد کرتے ہیں
وہ پہلی گفتگو میں تیری شرمیلی سی رنگینی | گلستاں یاد کرتے ہیں پرستاں یاد کرتے ہیں

اشارے مست ہیں اسکے تو ہم پینے پلانے میں
رموزی پیروی ہر جا "بادا باد" کرتے ہیں

(پچھلے صفحہ سے)

کے ساتھ مل رہی تھی ——— آسمان صبح سے ابر آلود تھا۔ بارش بھی ہو چکی تھی۔ ہوا اور پھول کے ذرّے ذرّے سے بو بس مستی اُبل رہا تھا۔ آج رادھا کی ماں گھر میں نہیں تھی۔ چوپال میں میری چارپائی بچھی ہوئی تھی۔ پاس ہی ——— زمین پر رادھا بیٹھا ہوا خرّاٹے لے رہا تھا۔ اس وقت مجھے اپنے وطن کی یاد ستا رہی تھی اور مجھ پر ایک محویت کا عالم طاری تھا کہ مجھے کسی کے پیروں کی چاپ محسوس ہوئی میں اُٹھ بیٹھا۔ رادھا ——— میرے سامنے کھڑی تھی۔ ——— میں نے پوچھا: رادھا! ——— خلافِ معمول تم اس وقت کہاں؟ بے اختیار وہ میرے پیروں پر گر پڑی۔ اس کی آواز بھرائی ہوئی تھی۔ ——— الفاظ اس کے ہونٹ بات کا اعادہ کرنا چاہتے مگر ——— حلق کا تشنج اظہارِ مدعا کرنے دیتا! ———

——— میں نے اس کی تسلی و تشفی میں کوئی دقیقہ فروگذاشت نہیں کیا ——— وہ اس وقت جذبات سے مغلوب ہو کر اپنے حواس تک کھو چکی تھی ——— اس کی سانس کا زیروبم ——— اس کی محبت کا انتہائی ثبوت تھا ——— میں بھی اپنے ہوش میں نہ تھا۔ اس کے جسم کی بُو باس میرے دماغ پر چھا گئی تھی۔ وہ میرے پیروں سے علیحدہ ہو گئی، گرم گرم آنسوؤں سے میرا پیر تر ہو گیا۔ اس نے اپنے منتشر حواس یکجا کئے، اور مندر کے عقیدت پرست پجاری کی طرح میرے سامنے پرارتھنا شروع کی ——— میرے من کے دیوتا ——— تیرے پریم کی پیاسی رادھا تیرے پوتر چرنوں پر ——— محبت کے پھول چڑھانے آئی ہے ——— قبول کر؟ ——— اے میرے ——— من کے باسی ——— اب تو پریم ہی میرا دھرم ہے اور ——— پریم ہی میری زندگی کا سرمایہ ——— حسنِ عقیدت اور محبت سے رادھا کا دل بھر آیا ——— وہ خاموش ہو گئی ——— سارا سنسار اس وقت مجھے ——— حسن و محبت ——— کے رنگ میں ڈوبا ہوا نظر آ رہا تھا ——— پریم ——— پریم ——— کی صدائیں دل کے گوشے گوشے سے بلند ہو رہی تھیں۔ ——— رادھا جا چکی تھی لیکن اس کے میٹھے الفاظ اب تک ساری فضا میں گونج رہے تھے؟

(۳)

رادھا کی اور میری ——— محبت کچھ دنوں کے بعد سارے گاؤں میں خوشبو کی طرح پھیل گئی۔ ہر شخص اس کو تحقیر و تذلیل کی نگاہوں سے دیکھنے لگا۔ رادھا دنیا کی نگاہوں میں ——— ذلیل و خوار تھی، لیکن ——— میرے نزدیک وہ ایک فرشتہ تھی جس کی خوبیاں عقل و خیال کی گرفت میں بھی نہ آ سکتی تھیں۔ اس کی بربادی و رسوائی سے مجھے جو اذیت پہونچی، اس کے اظہار کے لئے الفاظ نہیں ملتے جن سے اس کیفیت کو منظرِ عام پر لا سکوں؟ ——— میں نے رام اوتار کی ماں کو سمجھایا کہ وہ ——— رادھا کا دامن ہمیشہ کے لئے میرے ہاتھ میں دے دیں لیکن ——— وہ دونوں مجبور تھے ——— اس لئے کہ سماج کی جکڑ بندیاں انہیں اس بات کی اجازت نہیں دیتی تھیں کہ وہ غیر فرقہ میں رادھا کی شادی کر کے اپنے کو ہمیشہ کے لئے نشانۂ ملامت بنائیں ——— وہ خاموش ہو رہے ——— میری اور رادھا کی محبت بڑھتی گئی۔ اس کا روز کا معمول ہو گیا کہ وہ رات کے سناٹے میں میرے پاس آتی اور آئندہ زندگی کے اہم مسئلہ پر بیٹھ کر گفتگو کیا کرتی۔ اس کی گفتگو کا موضوع زیادہ تر ——— محبت اور وفا کی نصائح اور تلقین ہوا کرتا ——— رادھا میری پرستش کرتی تھی بلکہ اس سے بھی زیادہ اس کی نگاہوں میں میری عزت تھی۔ ——— جب مندر کے گھنٹے خاموش ہو جاتے اور ——— گھی کے چراغوں کی لو دھیمی پڑ جاتی ——— رادھا اس وقت مندر کے بلند بُت کے حضور میں نیاز مندانہ جذبہ لئے ہوئے حاضر ہوتی۔ اور انتہائی لجاجت کے ساتھ ——— اپنی اور میری محبت کی استواری کے لئے دعائیں مانگا کرتی۔ ——— مہینوں اس کا یہ دستور رہا ——— اُسے کیا خبر تھی کہ محبت کے پردے میں قدرت اس کے خلاف کیا انتظام کر رہی ہے۔ ———

(۴)

——— رادھا کی بات چیت پہلے ہی پختہ ہو چکی تھی کچھ دنوں کے بعد اس کی شادی مرضی کے خلاف کر دی گئی اور میرے سامنے ساٹھ برس کے بڈھے کی ملکیت بنا دی گئی۔ یہ انقلاب کوئی معمولی انقلاب نہ تھا جس سے میں متاثر نہ ہوتا۔ میری دنیا ہی بدل گئی۔ اب اس پر میرا کوئی حق نہ تھا۔ رادھا دن رات کڑھا کرتی۔ اس کی زندگی اب بالکل ویران ہو چکی تھی۔ اندر ہی اندر اس کا سینہ پھنکا جا رہا تھا سماج کی بدولت اسے یہ دن دیکھنا نصیب ہوا تھا۔ دنیا اس کی نگاہوں میں تاریک تھی، اس کی ساری اُمیدیں یاس کے رنگ میں تبدیل ہو گئی تھیں۔ ایک غم آمیز بے چینی اس کی زندگی کو بدمزہ کر رہی تھی۔ ——— اُف وہ سہاگ کی رنگین رات مجھے حشر تک نہ بھولے گی ——— رادھا کا خوبصورت چہرہ بجائے خوشی اور مسرت کے غم اور کوفت کے آنسوؤں سے تر تھا ——— معلوم ہوتا تھا کہ وہ ستر سال کی بڈھی عورت ہے۔ حزن و ملال کے آثار اس کے خوبصورت چہرہ سے ہویدا تھے۔ اس وقت ——— اس کی کشتیٔ حیات ——— ناکامیوں کے بحرِ بیکراں میں ہچکولے کھاتی نظر آ رہی تھی اور ——— وہ محض مجبور تھی ——— اس لئے کہ وہ اب ایسی جکڑ بندیوں میں گرفتار کر دی گئی تھی ——— جس سے چھٹکارا حاصل کرنا اس کے بس کی بات تو تھی مگر ——— دنیا کا خوف ——— والدین کی عزت کا سوال، اُسے ہاتھ پیر مارنے کی اجازت نہیں دیتا تھا۔ ——— وہ روز بروز اسی غم میں گھلتی جا رہی تھی لیکن ——— اس کے دل میں میری محبت، اُسی طرح اب تک جلوہ گر تھی۔

(۵)

ریلوے پل کا کام ختم ہو چکا تھا۔ میرے جانے کے دن قریب آ گئے تھے۔ میں اسی کشمکش و پیچ میں مبتلا تھا کہ یہاں سے جانے کے بعد میرا کیا حال ہوگا۔ رادھا کی مفارقت کا خیال سوہانِ روح ہو رہا تھا۔ ——— امید کی آخری کرنیں بھی مبدل بہ مایوسی ہو گئی تھیں۔ آخر وہ ساعت آ پہنچی کہ میں رادھا سے ہمیشہ ہمیشہ کے لئے رخصت ہونے اس کے پاس گیا۔ آج رادھا کے چہرے پر شگفتگی نہ تھی۔ ——— جو ایک سال پہلے اس کے شاداب مکھڑے کی پر رونق تھی۔ وہ مجھے دیکھ کر اٹھ کھڑی ہوئی۔ اس کی نگاہوں سے مایوسی اور حسرت کے غمناک آثار نمایاں تھے۔ جو اس کے دل کی بربادی کا پیغام کہہ رہے تھے۔ ———

میں نے کہا۔ رادھا آج میں تم سے ہمیشہ ہمیشہ کے لئے رخصت ہونے آیا ہوں ———

——— بے اختیار اس کی غم آلود آنکھوں سے آنسوؤں کا دریا بہنے لگا۔ ——— میں بھی تمہارے ساتھ چلوں گی؟ رادھا نے کہا ——— کچھ دیر تک در و دیوار پر سکوت و خاموشی کا عالم طاری تھا میں نے سلسلۂ خاموشی کو توڑتے ہوئے کہا ———

رادھا کچھ تو سماج کی پابندیوں کے علاوہ، مذہبی قانون سے بھی اب دوسرے کی محکوم ہو گئی ہو۔ میرا اب تم پر کوئی حق نہیں۔ دنیا کی نظروں میں تم میری نہیں ہو سکتیں لیکن رادھا، یاد رکھو ——— کہ تم مجھ سے اتنا ہی نزدیک رہو گی، جتنا کہ ——— خون کی گردش رگوں کے قریب رہتی ہے، پریم اور چیز ہے ——— رسم ——— دھرتی سے، ——— شادی انسان کے دل سے محبت کے نقوش کبھی فنا نہیں کر سکتی، شادی کے بعد بھی انسان محبت کر سکتا ہے ——— محبت ایک لطیف جذبہ ہے جس کو دنیا کی کوئی قوت انسان کے صفحۂ دل سے نہیں مٹا سکتی ———

——— یہ سب ٹھیک ہے لیکن جس شخص کی زندگی کا واحد مدار تمہاری قربت پر منحصر ہو وہ تمہاری ایک لمحہ کی جدائی کس طرح برداشت کر سکتا ہے۔ رادھا نے کہا!

——— میرا دل بھر آیا۔ اس وقت کی فضا اس درجہ متاثر تھی، کہ میری آنکھوں سے آنسوؤں کے چند قطرے چہرے پر ہوتے ہوئے میرے دامن پر گر پڑے میں رادھا سے علیحدہ ہو گیا۔ رام اوتار سامان لے کر پہلے ہی کشتی پر جا چکا تھا ——— رادھا نے دوڑ کر میرا دامن پکڑ لیا ——— آنسو اس کی آنکھوں میں گردِ سیلاب کی طرح چھلک رہے تھے۔ چہرہ بدحواس تھا۔ بے اختیار اس کی زبان سے نکلا۔

——— پیارے ایک بات بد نصیب رادھا کی بھی یاد رکھنا اور ہمیشہ اس پر عمل کرنا کہ ——— جس وقت آفتاب کی سنہری کرنیں ذرّے ذرّے کو منوّر کریں ——— ——— جب کلیاں پھولوں کی شکل اختیار کریں اور ——— موسمِ بہار اپنی تمام کیف سامانیوں کے ساتھ ——— باغوں میں ——— ——— رنگ و بو کی نئی روح پھونک دے ——— ——— پریتم، اس وقت اپنی رادھا کو یاد کر لینا ——— بھونرے جب کلیوں کا رس چوس لیں ——— پھولوں میں جب باس پیدا ہو جائے ——— شبنم جب کسی کے فراق میں رونے لگے اور ——— مسرت کلیاں ہنسنے اس کی حالت پر شکر کرنے لگیں ——— ——— اس وقت پریم کی ستائی ہوئی رادھا کو نہ بھولنا؟ ——— جب مندروں سے ناقوس کی صدائیں بلند ہوں اور ——— تم مندر میں پوجا کرنے جاؤ ——— پیارے جس وقت تلسی کے پھول ——— مندر کی دیوی کے پوتر چرنوں کی نذر کرو ——— اس وقت ذرا ان پھولوں کو بھی یاد کر لینا ——— جو تمہاری رادھا نے ——— تمہارے قدموں پر نچھاور کئے تھے؟! ———

——— آہ پریتم ——— تیری محبت میں ——— ——— رادھا نے ان نینوں سے کتنے نیر بہائے ہیں آکاش کے تارے اور چندر ماں اس کی گریہ و زاری کے گواہ ہیں۔ ——— رادھا نے تجھ سے جھوٹی پیت نہیں کی ——— اپنے دکھ سکھ میں ——— ابھاگنی رادھا نے تجھے اپنے ہردے کے قریب رکھا ——— دھرتی کے تمام باسیوں سے زیادہ تیری عزت کی ——— پریتم کیا اب پریم کا بندھن توڑ کر ——— ہمیشہ کے لئے رادھا کو برہ کی آگ میں بھسم ہونے کو یہیں چھوڑ جاؤ گے نہیں ——— میرا ——— پریتم ایسا نہیں ——— رادھا نے جس کے لئے دنیا تج دی ——— کیا وہ رادھا کا نہیں ہو سکتا؟؟؟ ——— سارا سنسار اس وقت میری نگاہوں میں گھوم رہا ہے۔ معلوم ہوتا ہے کہ آکاش ابھی پھٹ پڑے گا! میں برہ کی اگنی میں ابھی سے بھسم ہو رہی ہوں۔ ———

——— پریم کا مندر سونا ہو رہا ہے۔ آہ! پیارے تو ہی اس مندر کا پجاری تھا ——— برہ کی بجلی ہردے کے آکاش پر چمک رہی ہے ——— دل کی کلی مرجھا چکی ہے ——— بس بس ——— ——— دماغ پھٹا جا رہا ہے ——— جاؤ جاؤ پردیسی پریتم جاؤ۔ میرے جیون میں ——— تمہاری بہت، اس وقت تک براجمان رہے گی ———

باقی مضمون صفحہ (۴۶) پر

جوتشی!

از جناب مرزا عظیم بیگ چغتائی بی، اے، ایل، ایل، بی (علیگ)

{خاص "نیرنگ خیال" کے لئے}

علم جوتش کو آجکل نظر تحقیر سے دیکھا جاتا ہے اور جوتشیوں پر یقین کرنے والے عموماً توہم پرست اور احمق سمجھے جاتے ہیں۔ اگر جوتشیوں کا کبھی کہنا صحیح بھی نکلتا ہے تو اس کو اتفاق کہا جاتا ہے۔ جوتشیوں پر عموماً یہ بھی الزام دیا جاتا ہے کہ ان کو ایسے فقرے یاد ہوتے ہیں کہ دو ذو معنی ہوں۔

قصہ مختصر علم جوتش کی عموماً ایسی قدر نہیں جیسی ہونا چاہیئے۔ وجہ اس کی محض یہ ہے کہ جوتشی عموماً جاہل اور مانگنے کھانے والے رہ گئے ہیں۔ جب کوئی علم ناقدری کے سبب جاہلوں اور بھوکوں کے ہاتھ میں رہ جاتا ہے تو اس کا یہی حشر ہوتا ہے ورنہ جہاں تک جوتش کا سوال ہے، یہ بھی ایک علم ہے اور افسوس کہ نئی تعلیم کے دلدادہ یا انگریزی داں اس علم سے قطعی نابلد ہیں، یعنی کسی یونیورسٹی کے گریجویٹ نے اس کو علم کے طور پر حاصل کر کے پریکٹس نہیں کی، اور نہ کسی یونیورسٹی میں اس کی تعلیم دی جاتی ہے۔

خوش قسمتی سے مارواڑ میں جہاں اور رسوم قدیم زندہ ہیں جوتشی بھی اپنے علم اور راستبازی کی بدولت زندہ ہیں، اور دس پانچ جوتشی ایسے ہیں جن کے علم کو ٹھوکر نہیں ماری جا سکتی۔ اپنی ہر پیشین گوئی کی بنا وہ اپنی سائنس کی رو سے سمجھا کر بتا سکتے ہیں اور یہ بھی کہہ دیتے ہیں کہ ممکن ہے مجھ سے اس میں غلطی ہو، اور یہ بھی لازمی نہیں کہ میرا کہنا سولہ آنے صحیح اترے۔ مگر زائچہ دیکھئے اور خود حساب لگائیے نتیجہ یہی نکلتا ہے۔ چنانچہ اسی بنا پر جوتشی بتا سکتا ہے کہ سفر کرو یا نہ کرو، بسا اوقات سفر کسی خاص مقصد کے لئے کیا جاتا ہے اور سفر کی کامیابی کا دار عموماً کسی خاص شخص سے ملنے پر منحصر ہوتا ہے۔ جوتشی نے کہا کہ سفر نہ کرو اور نہ مانے۔ نتیجہ یہ کہ وہ حضرت ہی نہ مل سکے۔ مارواڑ میں گاؤں گاؤں جوتشی ہیں اور لوگ ان سے مشورہ لے کر کام کرتے ہیں اور فائدہ میں رہتے ہیں مثلاً میں تو ایک موکل کو لکھتا ہوں کہ فلاں تاریخ کو پیشی ہے ضرور آنا ورنہ مقدمہ خارج ہوگا۔ موکل نہ آیا دیکھ مگر اتفاق کہ جج صاحب نہ آئے اور پیشی نہ ہوئی۔ موکل سے پوچھا تو اس نے کہا کہ سفر کا شگون خراب آیا لہذا میں نے

جوتشی سے جو پوچھا تو اس نے کہا مت جاؤ سفر بیکار ہے، اس وجہ سے نہیں آیا۔ اس کو اتفاق کہہ لیجئے،

لیکن اس کو کیا کہئے گا کہ جودھپور کے چیف منسٹر مسٹر چٹ مرحوم اپریشن کرانے یورپ جانے لگے جوتشی نے منع کر دیا کہ کراچی کے اس طرف اپریشن ہو سمندر پار نہ جاؤ۔ بہت کہا نہ مانے۔ خبر آئی کہ اپریشن کامیاب ہے، پھر خبر آئی کہ مسٹر چٹ ختم ہو گئے۔ جوتش صرف اتنا کہہ سکا تھا کہ اگر ولایت میں اپریشن کرایا تو نتیجہ ٹھیک نہ نکلے گا۔

یہاں ایک سیٹھ جی ہیں ان کا داماد خود لاکھ پتی سیٹھ کا لڑکا ہے۔ میرے ایک دوست کے ساتھ وہ بھی جوتشی کے پاس گیا۔ جوتشی نے کہا کہ آپ کے سوال کا جواب نہیں دے سکتا۔ کیونکہ آپ کی باتوں کا جواب چھ ماہ سے آگے ملتا ہی نہیں۔ وجہ کی فکر ہوئی تو اس چھ ماہ کے اندر اندر بیماری کا پتہ نہ دیا۔ پھر چھ ماہ بعد کے حالات لاپتہ ہو جانے کے معنی سوائے موت کے اور کیا سبب ہو سکتا ہے اور وہ بھی دفعتاً۔ ان نوجوان نے ہنس کر جوتشی کو احمق بتلایا اس نے کہا ممکن ہے مجھ سے غلطی ہوتی ہو لیکن اگر چھ ماہ سے آپ کے آگے کا حال کوئی بھی جوتشی نکال دے تو غلام ہو جاؤں۔ نتیجہ یہ ہوا کہ کھوکلا پور کے مشہور بلوہ میں یہ نوجوان گرفتار ہوا۔ لاکھوں روپیہ خرچ ہوا۔ پھانسی کا حکم ہوا۔ اپیل میں دو ججوں کے روبرو معاملہ پیش ہوا۔ ایک جج نے کہا بری کیا جائے دوسرے نے کہا پھانسی ہو نتیجہ یہ کہ مقدمہ تیسرے جج کے روبرو گیا۔ اس نے پھانسی کی رائے سے اتفاق کیا۔ اور پھانسی چھ ماہ کے اندر اندر ہو گئی۔

میرے وہ دوست جن کے ساتھ یہ نوجوان گیا تھا ان کے صرف چند واقعات ہی کافی ہیں۔ اب وہ ریاست میں مجسٹریٹ ہیں۔ مگر تین سال پہلے میرے ساتھ ہی وکالت کرتے تھے جس سال انھوں نے ملازمت کے لئے عرضی دی، تین مسلمان امیدوار تھے۔ اور ایک مسلمان ملنا چاہنے والا تھا۔ ان کے جوتشی نے کہا تم کو نوکری ملجائیگی لیکن بہت جلد معلوم ہو گیا کہ جس افسر کے ہاتھ میں نوکری دینا ہے اس نے دوسرے صاحب سے پختہ وعدہ کر لیا

جن سے پختہ وعدہ کیا وہ اور خود یہ مل کر اسی جوتشی کے پاس پہنچ گئے تو جوتشی نے پھر وہی بات کہی کہ تم کو نوکری مل جائے گی۔ اور جن سے افسر نے پختہ وعدہ کیا تھا ان سے کہا کہ آپ کو تو دو سال تک کوئی نوکری نہیں مل سکتی۔ جب جوتشی کو حال بتلایا تو وہ کہنے لگا کہ میں پھر حساب لگاؤں۔ اس نے پھر حساب لگایا اور اپنی بات پر یہ کہہ کر قائم رہا کہ صاحب ممکن ہے مجھ سے غلطی ہوئی ہو مگر مجھے نظر نہیں آتی۔ اب اس کے بعد دیکھئے۔ جوتشی صاحب سے پوچھا کہ اچھا یہ بتاؤ کہ مسلمان کے لئے جائیں گے، حساب لگا کر بولے کہ دو، مگر اس بات پر بھی بدستور قائم کہ وہ حضرت نہیں لئے جائیں گے۔ پھر کون لیا جائے گا؟ تیسرا کوئی؟ قطعی ناممکن، کیونکہ ان دونوں کو دیکھتے ہوئے کسی کا ہونا ناممکن تھا!

پھر اس کے بعد دفعۃً گزرنے کے میرے انہی دوست کو اسی جوتشی نے تاریخیں تک بتا دیں کہ ان تاریخوں میں سے ایک میں تم کو نوکری ملے گی۔ ان میں سے ایک تاریخ ۱۶ اور بھی تھی البتہ دوسری اس وقت مجھ کو یاد نہیں۔ گردش روز کے اندر ہی اندر تھیں اور پھر یہ بھی کہا تھا کہ اگر ان تاریخوں میں نوکری نہ ملی تو آگے مجھ کو نظر نہیں آتی۔ نتیجہ اس کا یہ ہوا کہ دیکھا تو معلوم ہوا کہ ۱۶ تاریخ کو کونسل کا اجلاس ہی نہیں ہوتا۔ اس تاریخ کو نوکری کیسے ملے گی؟ اور جو تاریخیں تھیں وہ گزر گئیں۔ لیکن اتفاق دیکھئے کہ اسی تاریخ کو ریاست کی کونسل کا خاص اجلاس ہوا جس میں ان کو نوکری مل گئی۔ اور حرف بحرف جوتشی کا کہنا صحیح نکلا۔

اب نوکری ملنے کے بعد ان حضرت نے اپنی وکالت کا کام سمیٹا اور مجھے سونپا۔ اور تیاری یہ کرنے لگے کہ تقرر کی تاریخ معلوم ہو اور نیز یہ کہ کس ضلع میں تقرر ہوگا۔ چنانچہ جوتشی سے پوچھا۔ اس نے تقرر کی تاریخ بتائی اور ضلع کی سمت بتائی۔ اس طرف تین ضلعے تھے جس میں نائب حاکم یعنی مجسٹریٹ کی جگہ صرف ایک ضلع میں خالی تھی، لہذا فوراً انھوں نے سمجھ لیا کہ مجھ کو باڑمیر جانا ہوگا۔ چنانچہ ابھی حکم نہ آیا تھا کہ انھوں نے اپنا اسباب باندھ بوندھ باڑمیر کی تیاری کی اور زائد اسباب اپنے وطن قصبہ پالی بھیجا۔ جوتشی نے باڑمیر جا کر چارج لینے کی تاریخ بتا دی تھی۔ لیکن ان کے پاس

جو حکم آیا تو وہ دوسری تاریخ کا تھا۔ جوتشی سے جو کہا تو اس نے کہا کہ اتنا دو ایک روز کا تو پھیر پڑ جانا تعجب نہیں مگر میں نے حساب صحیح نکالا ہے اور اگر آپ قصداً اور دیدہ و دانستہ پروگرام نہ الٹو تو اب بھی میرا ہی کہنا صحیح ہوگا۔ اب یہ جودھپور سے باڑمیر کے لئے روانہ ہوئے تو دو چار روز پیشتر چلے۔ راہ میں اپنے بھائی سے ملنے بیاور اترے اور وہاں سے روانہ ہو کر دوسرے روز صبح باڑمیر پہنچکر جوتشی کی پیش گوئی غلط کرنے والے ہی تھے کہ ان کے والد بزرگوار کا اجمیر سے تار آیا۔ بیماری کا اور وہ بھی ایسا کہ فوراً اجمیر جانا پڑا۔ اور پھر وہاں جو قیام کر کے روانہ ہوتے ہیں تو ٹھیک اسی روز باڑمیر پہنچکر عہدہ کا چارج لیا جو جوتشی نے کہا تھا۔ اگر چاہتے تو اجمیر والد صاحب کے پاس نہ جاتے اور باڑمیر قبل از وقت پہونچکر جوتشی کا کہنا غلط کر دیتے جس کو جوتشی بھی تسلیم کرتا ہے کہ بڑی آسانی سے ممکن تھا اور ایسا ہو سکتا ہے جب ہی تو جوتشی آنے والی آفت بتا کر اس کی بچت کی صورت بھی بتا دیتا ہے۔ میرے یہی دوست اس قدر "جوتش بازی" کرتے ہیں کہ الاماں۔ ذرا غور کیجئے کہ ہم لوگ برج کھیل رہے تھے اور آئندہ برج کا جو پروگرام بنایا تو حضرت فرماتے ہیں کہ ۲۲ تاریخ کو رات کے وقت میں قطعی نہیں ٹکوں گا۔ پوچھا کیوں تو بولے کہ ۲۳ سے مجھے نزلہ کا سخت دورہ ہوگا۔ جو پانچ دن رہے گا لہذا میں ایک روز پہلے احتیاط شروع کروں گا۔ تاکہ حملہ کا زور نہ ہو۔ چنانچہ یہی ہوا کہ انھوں نے قبل از وقت پیش بندی کر لی اور نزلہ ان کو ٹھیک وقت مقررہ سے شروع ہوا۔ مگر بوجہ آگاہ رہنے کے تکلیف زیادہ نہیں ہوئی،

میرے خود کے بارہ میں جوتشی نے مجھے دماغی بیماری نزلہ سے آگاہ کر دیا تھا۔ اور وہ بھی ڈیڑھ سال پیشتر۔ اور اسی بیماری کی تصدیق جناب مکرمی حکیم عبداللطیف صاحب فلسفی طبیہ کالج علیگڈھ نے بھی کر دی تھی۔ جو علاوہ طب کے اس معاملہ میں بھی دخل رکھتے ہیں۔ اور وہ بات حرف بحرف پوری ہوئی اور تادم تحریر اسی نزلہ اور کھانسی میں گرفتار ہوں۔ کاش میں ان حضرات کی پیش گوئی کی قدر کر کے احتیاط برت لیتا۔ اور اس کے لئے تیار رہتا تو اس مصیبت میں نہ پڑتا۔

مہاراجہ صاحب جودھپور اور مہاراج کمار صاحب کی صحت کے معاملات کو بنظر رکھ کر خاندانی جوتشی سے مشورہ لیا جاتا ہے اور اس سے یقینی فائدہ ہوتا ہے لیکن بذات میں اس قدر وہمی ہوں کہ خود جوتشیوں

باقی اگلے صفحہ پر

{ پچھلے صفحہ سے }

کی سیاہ ربانی کے سبب اُن پر دُور ہی رہتا ہوں ڈرتا ہوں کہ مصیبت یا افتاد کا قبل از وقت نوٹس کہیں بالکل ہی ہلاک نہ کر دے۔

دراصل اس علم جوتش میں وہم کی قطعی گنجائش نہیں، یہ بھی ایک مکمل یا نامکمل علم ہے۔ اس کے لئے بہتر صورت یہ ہے کہ جنم پتری صحیح بنی ہو۔ جنم پتری کا نام تو آپ صاحبان نے سنا ہوگا۔ لیکن اس کی تفصیل معلوم نہ ہوگی۔ پیدائش کا دن، تاریخ اور صحیح وقت اگر معلوم ہو تو جوتشی ایک کاغذ پر یہ لکھ دیتا ہے کہ عین وقت پیدائش تمام ستارے کس پوزیشن میں ہے، یعنی چاند کہاں تھا، زحل کہاں تھا، مشتری کہاں اور مریخ کہاں تھا۔ وغیرہ وغیرہ۔ ایک کاغذ پر جوتشی ان تمام ستاروں کی اس وقت کی پوزیشن تحریر کر دیتا ہے۔ اور یہی جنم پتری ہوتی ہے۔

یہ جنم پتری انگریزی اصول سے بھی تصدیق ہو سکتی ہے، کسی ہیئت داں پروفیسر کو، کھلنے اور اس سے نقشہ بنوا کر جانچ لیجئے کہ جنم پتری صحیح ہے یا غلط، کیونکہ ہر ہیئت داں حساب لگا کر فوراً بتا سکتا ہے کہ کس وقت کون سا ستارہ کس موقعہ پر تھا!

دراصل جنم پتری کا بنانا کوئی مشکل کام نہیں ہے اور معمولی برہمن یا جوتشی بھی بالکل صحیح جنم پتری بنا سکتا ہے۔ اب یہی جنم پتری ہے۔ جو اپنے سامنے رکھ کر جوتشی آپ کے بارہ میں پیشین گوئی کر سکتا ہے اصل اس پتری یعنی کاغذ کا پڑھنا ہی اصل قابلیت ہے، اس کے پڑھنے کے اصول یہ ہیں کہ جس وقت کا حال معلوم کرنا ہو اس وقت یہ دیکھنا ہوتا ہے کہ جو ستارے کہاں ہوں گے۔ اور کیا اثر ڈالیں گے۔ ان کے کون کون سے اثرات کن خاص وجوہات سے زائل ہو جائیں گے اور کون سے اثرات اپنا کام کریں گے اور ان میں سے کن کن ستاروں کے خاص اثرات خاص طور پر رونما ہوں گے کیونکہ شخص مذکور کی موجودہ زندگی اور گرد و پیش پر بھی نظر رکھنا لازمی ہے اور ان باتوں کو دیکھ کر جوتشی کو نہایت ہی موٹی موٹی باتیں معلوم ہوتی ہیں۔ اگر ایک ہی وقت میں دو شخص پیدا ہوں تو زائچہ ایک ہوگا۔ ایک راجہ ہے دوسرا کلرک۔ زائچہ کا جواب دونوں کے لئے ایک ہی ہوگا۔ اب یہ جوتشی کی عقلمندی اور حالات کے مشاہدہ پر منحصر ہے کہ دونوں کے حالات زندگی پر نظر رکھتے ہوئے پیشین گوئی کرے مثلاً غریب کلرک اور راجہ دونوں کی تین ماہ کی مسلسل اور سخت بیماری نکلتی ہے تو کلرک کے افسروں اور دوسرے امور پر نظر رکھتے ہوئے جوتشی کہہ دیگا کہ تمہارے اوپر تباہی آ گئی، مال اسباب بک جائے گا۔ نوکری چھوٹ جائے گی وغیرہ وغیرہ۔ اور راجہ کا کچھ نہ بگڑے گا۔

دراصل ضرورت اس امر کی ہے کہ یہ علم تعلیم یافتہ اور سمجھدار لوگوں کے ہاتھ میں آئے۔ کیونکہ جو نتائج اس علم کے ذریعہ اخذ ہوتے ہیں۔ وہ از خود اس قدر صحیح نہیں ہوتے۔ اور ضرورت اس امر کی ہوتی ہے کہ سمجھدار شخص گرد و پیش کے حالات و دیگر امور کیطرف توجہ کر کے صحیح نتیجہ مرتب کرے اور ہر نتیجہ کو صورت حال و گرد و پیش کے حالات پر منحصر کر کے دیکھے یہی وجہ ہے کہ جوتشی سے اصل فائدہ وہی لوگ اٹھا سکتے ہیں جو ان سے مستقل طور پر مشورہ لیتے رہتے ہیں اور جوتشی نہ صرف ان کے حالات سے آگاہ ہو جاتا ہے بلکہ ان کے طبائع، خاندانی حالات سے بخوبی واقف ہو کر کوئی فائدہ مند مشورہ دے سکتا ہے اور نتیجہ بھی صحت کے ساتھ اخذ کر سکتا ہے۔

بعض کا خیال ہے کہ جوتش کے سبب مذہبی اعتقاد کمزور ہوتا ہے اور باطل پرستی و توہم پرستی کو فروغ ہوتا ہے اور مذہباً جوتش ناجائز ہے۔ میری دانست میں جوتش پر عقیدہ رکھنا نہ صرف ناجائز بلکہ حماقت ہو لیکن جوتش کی طرف سے اس قدر خائف ہونا غالباً از خود توہم پرستی ہے جو چیز کہ علم کی صورت میں ہمارے سامنے پیش ہو اس پر عقیدہ رکھنے یا نہ رکھنے کا سوال ہی جاتا رہتا ہے۔ خدا نے عقل دی ہے۔ اپنی قوتوں اور سیاروں کے حرکات سمجھنے کی فہم دی ہے۔ ان کے اثرات کے بارہ میں غلط یا صحیح نظریہ قائم ہونے ہیں اُن کو جانچنے اور تولنے کی سمجھ دی ہے۔ خدا نے قیافہ شناسی ہم کو عطا کی ہے۔ اگر ان کی امداد سے ہم اپنی بابت کوئی صحیح اندازہ لگا سکیں تو یہ کیونکر توہم پرستی ہے۔

بعض لوگ ستاروں کے اثرات کے قائل نہیں ہیں یہ ان کی وہی جہالت ہے جیسی جاہلوں کی جہالت، کہ اثرات کو منحوس یا غیر منحوس کہہ دیتے ہیں۔ نوٹ ہے ... سائنس بھی ان اثرات کی قائل ہے جو ستاروں سے ہماری زمین پر ڈالتے ہیں جن کا اثر خود ہماری طبائع اور موسمی حالات پر ہوتا ہے حتیٰ کہ چاند کا اثر روزانہ سمندر میں مد و جزر کی کیفیت پیدا کرتا ہے اور ابھی تین ستاروں نے ایک برج میں بیک وقت داخل ہو کر بہار کے زلزلہ کی صورت کس طرح پیدا کر دی۔ مطلب یہ کہ سیاروں کے اثر انسانی زندگی پر پڑنے سے انکار نہیں کیا جا سکتا۔

مجھے حیرت ہے کہ ہندو بھی اس ہندوستانی علم کی طرف سے بے خبر ہیں۔ تعجب یہ کہ علم جوتش کا حصول بنارس یونیورسٹی میں بھی ممکن نہیں۔ چاہئے تھا کہ تحقیقات کی جاتی اور جوتش کے علم کو ذلت سے نکال کر دوسرے علوم کی سطح پر لایا جاتا اور اس اہم کام کے اہل میری دانست میں دنیا میں اس وقت یا تو کالج کی کرسیوں والے ہو سکتے ہیں ورنہ بنارس یونیورسٹی والے جن کے ارباب حل و عقد کی توجہ مبذول کرانا ضروری ہے۔

سائنس

دھاتوں اور پودوں میں احساس

سر جگدیش چندر بوس کے معنی خیز تجربات!

(خاص "بجلی" کے لئے)

(از قلم پروفیسر جی۔ ڈی۔ تلی۔ ایم۔ ایس۔ سی)

انیسویں صدی کے اختتام سے پہلے ہی یہ امر پایۂ ثبوت کو پہنچ چکا تھا کہ پودے تمام انسانوں اور حیوانوں کی طرح سانس لیتے اور ہوا پانی اور زمین کے مختلف اجزاء کو ایک نہایت ہی اعلیٰ قدرتی مشین کی مدد سے اپنی خوراک کا ذریعہ بنا کر بتدریج نشو و نما پاتے ہیں۔ کئی پودوں کی خاص خاص حرکات مثل لاجونتی کی بیل کے جس کے پتے انسانی ہاتھ کے پاس آنے سے نرم ہو جاتے ہیں، اور دیگر پودوں کے جن کے غذا دار پتے چھوٹے چھوٹے کیڑوں کو اپنی طرف کھینچ کر ان کو اپنے اندر ہی بند کر لیتے ہیں اور ہڑپ کر جاتے ہیں، اس بات کا اشارہ کرتی تھیں کہ شاید پودوں میں بھی انسانی حیوانی زندگی کا وہ جزو لطیف جس کو احساس کے نام سے موسوم کیا جاتا ہے پایا جاتا ہو۔

ہندوستان کے مایۂ ناز سائنٹسٹ سر جگدیش چندر بوس نے علم نباتات میں مدت کی تحقیق کے بعد اس بات کا اعلان کیا کہ وہ ثابت کر سکتے ہیں کہ پودے بھی ہماری طرح دل رکھتے ہیں اور جس طرح دل کی حرکت دل کے خون کو پمپ کرنے کی وجہ سے اور دوران خون کو قائم رکھنے کی وجہ سے پیدا ہوتی ہے اسی طرح پودوں کا رس تمام پودے کے اندر دورہ کرتا ہے۔ اور ایک باریک بین آلہ کی مدد سے جس کا نام انہوں نے کریسکوگراف Crescograph رکھا ہے۔ پودے کے اندر کی دھڑکن معلوم کی جا سکتی ہے جو کہ مختلف اوقات پر کم و بیش ہوتی رہتی ہے۔

ایک اونچا درخت یا پودا اپنے اور آسمان کے درمیان میں گذرتے ہوئے بادلوں کو محسوس کر سکتا ہے اور جب کالی گھٹا چھا رہی ہو اور آسمان نہایت ہی بھیانک ہو تو اس کا دل سہم جاتا ہے۔ اپنی طرف تیز چاقو یا کلہاڑی آتے دیکھتا ہے تو وہ سمجھتا ہے کہ یہ چیز اس کو زخمی کرنے کے لئے آ رہی ہے اور ڈر کے مارے کانپنے لگتا ہے۔ اور بعض اوقات یہ بھی دیکھا گیا ہے کہ وہ اسی وجہ سے پیچھے کو ہٹ جاتا ہے۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ یہ احساس انسانوں اور حیوانوں کے مقابلتاً نہایت آہستہ ہوتا ہے۔

پودوں کے متعلق سر جگدیش بوس کے تجربات کے نتائج سے عوام کو قدرے واقفیت ہے مگر دھاتوں کے اوپر انہوں نے جو کام کیا ہے اور اس سے جو نتائج اخذ کئے ہیں ان پر یقین کرنا بھی ایک عجیب سی بات معلوم ہوتی ہے۔ انہوں نے ثابت کر دکھایا ہے کہ دھاتیں اپنے اندر احساس رکھتی ہیں اور اگر ان سے بہت کام لیا جاوے تو وہ تھک کر چور ہو جاتی ہیں۔ جو لوگ خود داڑھی وغیرہ کی حجامت کے لئے اُسترا استعمال کرتے ہیں انہوں نے عام طور پر دیکھا ہوگا کہ ایک ہی بلیڈ یا اُسترے کو روزانہ استعمال کیا جاوے تو وہ جلد ہی ناکارہ ہو جاتا ہے۔ مگر ایک دو دفعہ استعمال کرنے کے بعد چند دن کے لئے اگر اس کو آرام کا موقعہ دیا جاوے تو وہ اپنی تیز دھار کو دوبارہ حاصل کر لیتا ہے۔

اسی دوران میں ایکس ریز کی مدد سے مطالعہ کرنے سے یہ معلوم ہوگا کہ اس وقفہ میں دھات کے وہ ذرات جو کہ کام دیا جائے تو اس کی تکلیف بالکل معلوم نہیں ہوتی یہی حالت دھاتوں کی ہے۔ وہ ذی حس دھاتیں جو کہ معمولی چوٹ

جھلک آئینۂ دل میں ہے کس کے روئے تاباں کی!

(از قلم جناب منشی گردھاری لال صاحب ادیبؔ لکھنوی)

(مندرجہ بالا مصرعہ طرح پر بزم ادب دہلی کے عظیم الشان مشاعرہ میں جناب ادیبؔ کی یہ غزل بہت پسند کی گئی۔ ایڈیٹر)

کہاں تک اے دل ناداں حکایت خون ارماں کی
کہاں تک یہ شکایت گردش گردون گرداں کی

زمانہ دیکھتا ہے اُف تجھے چشم حقارت سے
بدل دے عزم راسخ سے نگاہیں چشم دوراں کی

نیا عنوان کوئی چاہیئے تیرے فسانے کا
قسم ہے تجھ کو اے دل سرخیٔ خون شہیداں کی

متاع زندگی کا کیوں تجھے دنیا میں سودا ہے
خریداری تجھے منظور کیوں ہے جنس ارزاں کی

فنا ہو کر بقائے زیست کا سامان پیدا کر
تجھے منظور ہے توسیع گر دامان امکاں کی

زمانے پر اثر جس کا ہو ایسا درد پیدا کر
نظر افروز عالم ہو تجلّی آہ سوزاں کی

دل محزوں خدا تجھ کو نگاہ دُور بیں بخشے
کہاں تو اور کہاں یہ تنگ قید کفر و ایماں کی

جنون شوق کو مانع نہیں دیوار آہن بھی
کہاں کا باب زنداں سختیاں کیسی نگہباں کی

فقط نادانیوں سے تو پریشاں حال ہے ورنہ
ترے ہاتھوں میں خود تعبیر ہے خواب پریشاں کی

امیں اے دل ہے تو اور دو مستقبل امانت ہے
نہیں تجھ کو خبر لیکن امانت ہے پنہاں کی

لہو کے تیرے پیاسے ہیں چمن کی خاک کے ذرے
جو تو چاہے ابھی رنگت بدل جائے گلستاں کی

اگر تو رنگ دے ہر پھول میں خون شہادت سے
فضا دنیا میں پیدا ہو بہار باغ رضواں کی

کرنے کی وجہ سے اِدھر اُدھر بکھر گئے تھے، اپنی جگہ پر واپس آ جاتے ہیں۔

دھاتوں پر سردی اور گرمی کا بھی اثر ہوتا ہے جو کہ ہم پر سخت سرد ہونے پر ہمارے جسم کے کسی حصہ سے تکلیف محسوس کرنے کی قوت بالکل زائل ہو جاتی ہے چنانچہ یہاں تک کہ اگر اس حالت میں کوئی زخم بھی لگا

کو اعلیٰ قسم کے سائنٹفک آلات پر خبر کر سکتی ہیں۔ زیادہ سردی اور گرمی میں بے حس ہو جاتی ہیں اور اگر بہت سخت حرارت پہنچائی جائے تو وہ یقیناً مردہ ہو جاتی ہیں اس میں کوئی شک نہیں کہ وہ دھاتیں جو ہم مختلف اوزاروں اور آلات کے بنانے میں استعمال کرتے ہیں۔ مردہ حالت میں ہوتی ہیں کیونکہ ان کو بناتے وقت ان کو سخت سے سخت گرم بھٹیوں میں گلایا اور پگھلایا جاتا ہے اور ان پر نہایت زبردست چوٹیں لگائی جاتی ہیں۔

ایک زندہ دھات پر زہر اور منشیات کا اثر بعینہٖ ہوتا ہے۔ منشیات سے دھاتیں تھوڑی دیر کے لئے بالکل بے حس ہو جاتی ہیں۔ اور زہر کی سخت خوراک سے ان کے مرنے کا اندیشہ ہوتا ہے۔

سر جگدیش چندر لکھتے ہیں کہ انہوں نے ایک دھات کے ٹکڑے کو لیا جو کہ بالکل تندرست حالت میں تھا۔ گلوینومیٹر کی مدد سے اس کی تندرستی معلوم کر لی گئی اب اس کو Oxalic Acid کے پانی میں جو کہ ایک زہریلا عرق ڈبو دیا گیا۔ اسی وقت گلوینومیٹر Galvanometer کی سوئی ایک جھٹکے سے صفر کی طرف آنی شروع ہوئی۔ اور رفتہ رفتہ بالکل اس کے نزدیک پہنچ گئی اس ٹکڑے کو نکال کر اور دھو کر اب اس زہر کے تریاق میں جب اس کو ڈالا گیا تو وہ آہستہ آہستہ اپنی حالت کی طرف واپس ہونا شروع ہوئی حتیٰ کہ سوئی اپنی پہلی حالت تک پھر پہنچ گئی اسی ٹکڑے کو اب پھر اسی سلوشن میں ڈبو دیا گیا اور اس وقت تک وہاں ہی رکھا گیا جبکہ سوئی بالکل صفر پر پہنچ کر ٹھہر گئی۔ اب اس کو نکال کر اسی زہر کے تریاق میں پھر رکھا گیا۔ مگر اب نقشہ دیگر تھا، دھات مر چکی تھی، اور اب اس کا دوبارہ زندگی میں لانا مشکل تھا۔

رات

آفتاب مغرب کی طرف اُتر رہا ہے
شام کا ستارہ چمکنے لگا
چڑیاں اپنے گھونسلوں میں چپ بیٹھ گئیں
مجھے بھی اپنے گھر چلنا چاہیئے۔
آسمان کے بلند کنج میں
چاند ایک پھول کی طرح
بیٹھا خاموش مسرت میں
رات پر مسکرا رہا ہے
خدا حافظ۔ سبز میدان اور پر مسرت کنج!
جہاں مویشی خوش خوش چرتے رہے ہیں!
جہاں بھیڑوں کے بچے پھدکتے پھرتے ہیں! خدا حافظ!
اب فرشتوں کے خاموش قدم یہاں آئیں گے۔
رحمت برسانے کے لئے اور نہ ختم ہونیوالی خوشی
ہر غنچہ اور ہر پھول پر ہر سونیوالی آنکھ بند آنکھ پر!
غریب گھونسلوں میں بھی دیکھتے ہیں
جہاں چڑیاں پر سکیڑے بیٹھی ہوتی ہیں
اگر کسی کو روتے دیکھتے ہیں
رات کے وقت، جبکہ اسے سونا چاہیئے تھا،
تو اس کی آنکھوں میں نیند ڈال دیتے ہیں۔
اور اس کے سرہانے بیٹھ جاتے ہیں (تمثالی)

ترجمہ

مزاحیہ

اخبار پڑھنے والے

از جناب [illegible] لکھیم پوری

احباب سے ہماری دلچسپی زبان زد ہر خاص و عام ہے اور یہ بلا وجہ نہیں۔ درحقیقت ہمیں اخباروں کے مطالعہ کا بڑا شوق ہے۔ اگر اعتبار نہ ہو تو آپ کسی دن ہمارے دارالمطالعہ میں تشریف لے آئیے۔ میزوں پر دیکھیے گا تو اخباروں کا ہی سمارا ہو گا۔ الماری، طاق، فرش کہیں بھی آپ کو کوئی ایسی جگہ نہ ملے گی جہاں اخبارات کی دو چار کاپیاں موجود نہ ہوں۔ رات کو ہماری خوابگاہ میں داخل ہوئیے تو آپ دیکھیں گے کہ بستر پر ہم بیٹھے ہوئے اخبار پڑھ رہے ہوں گے اور پاس کی میز کی زینت بھی سینا اخبار ہی ہوں گے۔ ہاں ہم یہ بھی کہتے ہیں کہ اخبار یا کتاب وغیرہ لیٹ کر پڑھنا صحت کے لئے مضر ہے۔ لیکن ہم اپنی عادت سے مجبور ہیں۔ خیر ہمارا یہ شوق اخبار بینی چاہے کسی اور کو کھٹکتا ہو لیکن ہمارا یہ غیر معمولی شغف ہماری بیگم کے لئے بہت بار خاطر ثابت ہو رہا ہے۔

بات یہ ہے کہ اس دلچسپی کا یہ یقینی نتیجہ ہے کہ ہم خانگی معاملات میں کوئی دلچسپی نہیں لیتے حالانکہ اس بے پروائی کے باوجود بھی تمام امور درست طریقہ پر انجام پاتے ہیں اور ہمارے نقطۂ نظر سے کوئی ایسی بات نہیں ہوئی جس میں کوئی حرج یا نقصان واقع ہو۔ لیکن آپ باور کریں کہ بیگم "گھر کے معاملات میں دلچسپی نہ لیں" عورت کو کچھ لطف ہی نہیں آتا اور بیچارہ شوہر خواہ کتنا ہی نیک، شریف اور بیچ اللہ ماغ کیوں نہ ہو ہر قت مشتبہ نگاہوں سے دیکھا جاتا ہے۔ بھلا بتائیے ہمارا یہ کام ہے کہ ہم بازار میں بیگم کے لئے سودا سلف خریدتے پھریں، ڈاکٹر صاحب کے یہاں سے بچوں کے لئے دوائیں لائیں اور بیگم کو کپڑے کے تھان لا لا کر دکھلائیں؟ سچ پوچھئے تو ہمیں ان کاموں کا تصور ہی خوف زدہ کر دیتا ہے!

ہاں تو ہماری بیگم صاحبہ کبھی کبھی ہماری اخبار بینی پر اعتراض کرتی ہیں۔ اور وہ اس طرح کہ جب ہم اخبار کی کاپی ہاتھ میں لئے ہوئے اندر پہونچتے ہیں تو وہ اپنی بدگمانی کا اظہار کرتے ہوئے کہتی ہیں "سنتے ہو کیا زندگی بھر اخبار ہی پڑھا کرو گے کسی اور بات کی بھی فکر ہے" اگر ہم اُن کی اس طعنہ زنی پر ہلکے تبسم کے ساتھ خاموش ہو گئے تو بیگم ذرا پہلے سے زیادہ تیزی اختیار کریں گی اور کہیں گی۔

"نگوڑا اخبار نہ ہوا آئینہ ہو گیا جو ہر وقت سامنے لئے بیٹھے رہتے ہو۔ تمہارا گھر میں رہنا اور نہ رہنا سب برابر ہے" اور اگر ہمنے ذرا تیوری بدلی تو بس بیگم صاحبہ مصنوعی مسکراہٹ سے ترنم ریز آواز میں بولیں گی۔

"اچھا اخبار تو پڑھ چکے ہی۔ چائے تیار ہے۔ چلے جاؤ میں تمہارا انتظار ہی کر رہی تھی"

ایک طرف اخبار ہمارے ہاتھ میں ہوتا ہے اور دوسری طرف بیگم —— ہم آخر اس کشمکش سے بلبلا اٹھتے ہیں اور اٹھکر باہر چلے آنے پر مجبور ہوتے ہیں!

آپ کی دعا سے یوں تو ہمارے پاس متعدد اخبار آتے ہیں لیکن "تیج ویکلی" ہمارے متعلقین نیز ہمارے احباب کے لئے بےحد دلچسپی کا باعث بنا ہوا ہے اور اس سلسلہ میں ہمیں عجیب و غریب اخبار پڑھنے والوں سے سابقہ پڑتا رہتا ہے! "تیج ویکلی" کے فاضل ایڈیٹر صاحب بقول قبلہ ملا۔ موزی دام فیضہ اپنے اخبار کا ایک گول اور کمبخت پیکٹ جو درحقیقت ایک چھوٹی سی لاٹھی ہوتا ہے ہمارے پاس بھی از راہ کرم بھیجتے ہیں۔ اس پر کاغذ نہایت مضبوطی سے چڑھا ہوتا ہے۔ لیکن ہم جوں توں کر کے اسے کھول ہی لیتے ہیں اور پھر اس وقت ہم پر آفت ارضی و سماوی کے کتنے ہی خطرے لاحق کیوں نہ ہوں لیکن ان سب خطرات سے بے پروا ہو کر اسے پڑھنا شروع کرتے ہیں ابھی ہم اس کے چند مضامین ہی پڑھ چکتے ہیں کہ "خان بہادر" کا چپراسی آ کر اخبار طلب کرتا ہے ہم ٹالنے کی غرض سے کہہ دیتے ہیں کہ اخبار ابھی تک نہیں آیا۔ شاید کل آ جاوے گا۔ اگر ہم بدقسمتی سے اخبار چھوڑ کر اندر چلے گئے تو واپس آنے پر ہماری میز سے اخبار غائب ہوتا ہے اور ہمکو ہمارا ملازم مطلع کرتا ہے کہ آپ کے دوست فلاں صاحب اسے زبردستی اغوا کر لے گئے۔ اور اگر کہیں سے اخبار کا یہ پیکٹ ہماری بیگم محترمہ کے ہتھے چڑھ گیا تو جناب پھر ایک ہفتہ سے پہلے تو ہمیں اخبار کی صورت ہی نہیں دکھائی دیگی۔ اور پھر ہفتہ بھر ہم اس خیالی رمز میں مبتلا ہو جاتے ہیں کہ آخر ایڈیٹر صاحب نے اخبار بھیجنا کیوں بند کر دیا۔

بیگم اخبار کے ساتھ کیا سلوک کرتی ہیں سنئیے وہ اخبار کی مخالف ہونے کے باوجود اسے خود پڑھتی ہیں اور پھر اپنی کسی سہیلی کو پڑھنے کے لئے دیدیتی ہیں۔ ہفتہ ڈیڑھ ہفتہ کے بعد جب وہ نسوانی دست درازیوں سے بالکل پامال اور اوراق غائب ہوتے ہوتے جب وہ ضخامت میں "ویکلی" کے بجائے "روزانہ" کی حیثیت میں تبدیل ہو جاتا ہے تو ایک دن وہ دفعتاً ہمیں اپنی میز پر سب اخباروں سے اوپر رکھا ہوا دکھائی دیتا ہے۔ اس وقت ہم دفعتاً بلبلا اٹھتے ہیں اور بیگم کی اس ناشائستہ حرکت پر افسوس کرتے ہوئے خاموش ہو جاتے ہیں۔ اس کے سوا چارہ ہی کیا ہو سکتا ہے

وہ تو بڑی خیریت یہ ہوتی ہے کہ مقامی کانگریس کے دفتر سے بھی ایک کاپی ہمارے پاس بعض اوقات آ جاتی ہے۔ ورنہ آپ یقین مانیں کہ ہم ایڈیٹر صاحب سے محض غلط فہمی کی بنا پر ناراض ہو جائیں لہذا اخبار کے خریدار صاحبان کو ان امور کا بھی لحاظ رکھنا چاہیئے...

—— ہاں تو جناب کانگریس کے دفتر سے آنیوالی تیج ویکلی کی کاپی بھی خطرے سے خالی نہیں رہتی۔ جب کانگریس کا چپراسی ہمارے پاس اخبار لئے آ رہا ہو اور خان بہادر صاحب سڑک پر خراماں خراماں ٹہل رہے ہوں تو پھر اس کاپی کا بچنا بھی مشکلات میں سے ہے۔ وہ چپراسی سے کہیں گے "لاؤ اخبار مجھے دیدو۔ میں ٹھہر کے پاس جاتا ہوں"۔ بیچارے چپراسی کی کیا مجال ہے کہ وہ خان بہادر کے مقابلہ میں دم مارے، علاوہ اس کے علاوہ ہم بھی مروت میں آ کر اس کا کچھ تدارک کرنا گوارا نہیں کرتے۔

یہ تو رہے اپنے نجی واقعات۔ اب ذکر آ گیا ہے تو ذرا دوسرے اخبار پڑھنے والوں پر بھی نظر ڈالنی چاہیئے

اب تقریباً ہر شہر میں پبلک دارالمطالعے اور لائبریریاں قائم ہو گئی ہیں جہاں بہت سے اخبارات آیا کرتے ہیں۔ بعض ہوٹلوں میں بھی اخبار آتے ہیں؛ ہوٹلوں میں اخبار پڑھنے کی لوگ یہ ترکیب کرتے ہیں کہ شام کو جب چائے پینے گئے ایک آنہ خرچ کیا اور تھوڑے سے کر چائے پی پھر اخبار اٹھا کر دیمک کی طرح چاٹ گئے۔ مگر کسی کو اتنی بھی توفیق نہ ہو سکی تو محلہ میں ایک آدھ بزرگ ایسے ضرور مل جاتے ہیں جو اخبار کو چندہ دار کر کے منگواتے ہیں جب کوئی اور صورت نظر نہ آئی تو یہ خطرناک قسم کے اخبار پڑھنے والے شام یا صبح کے وقت ان بزرگوار کے در دولت پر پہونچتے ہیں ان بڑا لمبا چوڑا سلام کرنے کے بعد بلا اجازت پاس کی کرسی پر بیٹھ جاتے ہیں۔ کہئے خانصاحب آپکا مزاج تو اچھا ہے؟ اسی قسم کے خوش کن جملے ادا کرتے ہوئے پاس کی میز سے تازہ اخبار اٹھا لیتے ہیں اور اسے چاٹنا شروع کر دیتے ہیں۔ رفتہ رفتہ بہت سے بے فکرے خانصاحب نوازش کرنا شروع کر دیتے ہیں جن میں سے بعض اصحاب ایسے بھی ہوتے ہیں جو پانی، حقہ، پان وغیرہ کی فرمائش سے گریز نہیں کرتے۔ آخر جب خانصاحب کا بہت سا وقت اس لغو سی جھنجھٹ میں خراب ہونے لگتا ہے تو خانصاحب اکتا جاتے ہیں اور مجبور ہو کر اخبار کی خریداری سے دست بردار ہو جاتے ہیں۔ "خس کم جہاں پاک"

بعض حضرات اس سے بھی زیادہ ذلیل طریقہ اخبار پڑھنے کا اختیار کئے ہوئے ہیں۔ وہ کسی اخبار کے ایجنٹ کی دکان پر پہونچتے ہیں اور ایجنٹ سے اخبار کی تازہ کاپی طلب کرتے ہیں۔ وہ بیچارہ اپنے اخلاق سے مجبور ہو کر ان کو اخبار کی کاپی حوالہ کر دیتا ہے۔ اب یہ حضرت کھڑے کھڑے ہی سارا اخبار صاف کر جاتے ہیں۔ ایجنٹ صاحب مروت میں کچھ نہیں کہتے اور یہ حضرت پیسے خرچ کرنے سے بچ جاتے ہیں۔ آئے دن اخبار کے ایجنٹوں کو بھی شکایت رہا کرتی ہے کہ بہت سے شریف صورت حضرات بلا قیمت ادا کئے ہوئے اخبار پڑھنے کے عادی ہیں۔

ایک کامیاب اخبار کے ایڈیٹر نے مجھے پچھلے دنوں بتایا تھا کہ بعض لوگ ایسے بھی ہوتے ہیں جو اخبار کے دفتروں پر بھی چھاپہ مارتے ہیں اور تعریف یہ کہ ان لوگوں کو اس میں کوئی شرم محسوس نہیں ہوتی۔ زیادہ تر لوگ دفتروں میں اخبار پڑھنے کے لئے آتے ہیں اور پھر واپس چلے جاتے ہیں لیکن ان میں سے بعض لوگ یہ سمجھنے کے باوجود کہ کامیاب اخبار کا ایڈیٹر کسقدر منہمک اور مشغول ہوتا ہے ایڈیٹر سے متعدد سیاسی، تمدنی، معاشرتی استفسارات کرتے ہیں اور اس کی رائے طلب کرتے ہیں۔ ایک طرف

مسز مارگریٹ سینگر (درمیان میں ہار لئے ہوئے) جو ہندوستان میں ضبط تولید کا پروپیگنڈا کر رہی ہیں اور خواتین کانفرنس میں شریک ہونے کے لئے آئی ہیں

سیمی گلو رکشا— انگلستان کی دیہاتی عورتوں کو تعلیم دیجاتی ہے کہ وہ گائے کو تندرست رکھکر صحت بخش دودھ حاصل کریں

حبش کی فوج میں خچروں سے باربرداری کا کام لیا جاتا ہے

سوویٹ کا پروپیگنڈا اس طرح کی تصویروں کے ذریعہ کیا جاتا ہے

راہبہ عورتیں میدان جنگ میں خندقوں کا معائنہ کر رہی ہیں

میڈم ژورن بکس اور ایم رفارٹی جو ترکی ڈپلومیٹ کی حیثیت سے لندن کے پارلیمینٹری تجارتی کانفرنس میں شریک ہوئے

جزیرہ سارڈینیا میں پتھر کی جھونپڑیاں جنکی چھت اور دیواریں گھاس سے مزین کی جاتی ہیں

بغداد کی شتر سوار پولیس جو مسافروں کی ڈاکوؤں سے حفاظت کرتی ہے

مسٹر ایس سی موجدار
ایجنٹ دہلی برانچ

سینٹرل بنک بلڈنگ دہلی برانچ کا بیرونی منظر

سر ایس این پوچکیان والا
مینیجنگ ڈائرکٹر

ان دونوں اصحاب کی کوششوں سے سنٹرل بنک آف انڈیا کی سلور جوبلی نہایت کامیاب رہی

ایک آدم خور مگرمچھ جو ہزار کوششوں کے باوجود قابو میں نہیں آیا
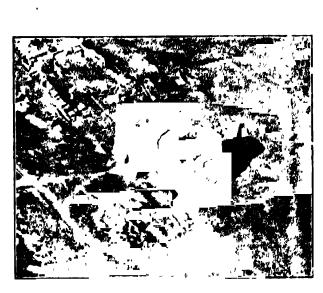
عراق کی مشہور عمارتوں میں یہ محراب بڑی پرانی ہے جو بہت اونچی ہے

انگلستان کا مشہور قلعہ ارنڈیل جو تاریخی حیثیت رکھتا ہے

بچوں کی دنیا

چال چلن

{ از جناب مائی دیال جین بی، اے (آنرز) بی، ٹی }

(خاص تیج دہلی کے لئے)

نیک چال چلن کا مطلب صاف ہے۔ لفظ نیک چال چلن سے ہم اچھی عادات اور اچھا کیریکٹر سمجھتے ہیں۔ اچھے اوصاف سے ہی کوئی آدمی شریف نیک چلن یا اچھے کیریکٹر والا کہلاتا ہے۔ اور بری عادات کی ہی وجہ سے آدمی کو بدمعاش بدچلن یا بُرے کیریکٹر والا کہا جاتا ہے۔

نیک چلنی سے بڑی کوئی چیز بھی دنیا میں نہیں ہے۔ یہ ایک بڑی طاقت اور ضائع نہ ہونے والی دولت ہے۔ ایک دولت مند۔ عالم یا بڑے آدمی کی تعریف کسی خاص جگہ ہو سکتی ہے مگر ایک نیک چلن شخص کی ہر جگہ عزت ہوتی ہے۔ ایک ایسا نیک چلن آدمی جو غیر تعلیم یافتہ اور غریب ہے اُس عالم یا امیر آدمی سے زیادہ اچھا ہے۔ جو بدچلن ہے۔ جب کوئی آدمی کسی دوسرے آدمی کو اپنا دوست بناتا ہے اس سے کاروبار شروع کرتا ہے یا اسے ملازم رکھتا ہے اُس وقت سب سے پہلے وہ یہی معلوم کرتا ہے کہ اس آدمی کا چال چلن کیسا ہے۔ بدچلن آدمی سے کوئی آدمی تعلق رکھنا نہیں چاہتا۔ اور تو کیا۔ آدمی اس کے پاس بیٹھتے ہوئے بھی گھبراتے ہیں۔ اچھے کیریکٹر والے آدمی کی بات کا یقین کیا جاتا ہے۔ وہ ہر ایک کام سوچ سمجھ کر کرتا ہے۔ ہمیشہ اپنے اصولوں پر چلنے اور اپنے عہد یا وعدہ کو پورا کرنے کی کوشش کرتا ہے وہ چاہتا ہے کہ اس سے کوئی ایسا کام نہ ہو جس سے اس کے چال چلن پر دھبہ لگ جائے۔

نیک چلن آدمی صرف اپنے لئے ہی اچھا نہیں ہوتا بلکہ وہ اپنی مثال سے دوسرے آدمیوں کو بھی نیک چلن بننے میں مدد کرتا ہے۔ اس طرح وہ ملک اور قوم کی ترقی کا سبب بنتا ہے وہ اپنے پاس بیٹھنے والوں پر پوشیدہ طور سے اچھا اثر ڈالتا ہے۔

سب کو نیک چلن بننے کی کوشش کرنی چاہئے۔ جو آدمی دنیا میں ترقی کرنا چاہتے ہیں انہیں اپنے چال چلن کو اچھا بنانا چاہیئے۔ نیک چلن بنتے وقت سچائی، ایمانداری۔ دوسروں کی بھلائی، خدمت حب الوطنی، وقت کی پابندی۔ خوش خلقی۔ اپنا بھروسہ کرنا اور محنت وغیرہ تمام خوبیوں کا خاص خیال رکھنا چاہیئے۔

نیک چلن بننے کے لئے کوشش کرنے کی ضرورت ہے۔ اس کے لئے اپنے ہر ایک کام کی جانچ پڑتال کرنے، ضبط اور اپنے آپ کو ترتیب دینے کی ضرورت ہے۔ اس کے لئے ہر ایک لڑکے اور شخص کو چاہیئے کہ وہ اپنے معیار کو ہمیشہ اونچا رکھے۔ اور ہر روز اس کی طرف بڑھنے کی کوشش کرے خواہ وہ اس طرح اپنے چال چلن کو بہت پاک اور اعلیٰ نہ بنا سکے پھر بھی اسے اپنی کوشش نہ چھوڑنی چاہیئے۔

چال چلن بنانے کے واسطے بچپن سے ہی اچھی عادتیں ڈالنی چاہئیں۔ عادتوں کا چال چلن پر بہت اثر پڑتا ہے۔ اچھے کاموں کو ہر وقت کرنے سے اچھی عادتیں پڑتی ہیں۔ بُری عادتوں سے بچنا چاہیئے۔ چال چلن بنانے کے لئے شریف آدمیوں کی صحبت میں بیٹھنا اور ان کے اچھے کاموں کی نقل کرنا بھی بہت ضروری ہے ایسے آدمیوں کی کمی نہیں ہے۔ لیکن بدچلن آدمیوں اور اسکول کے شرارتی طالب علموں سے ہمیشہ دور رہنا چاہیئے۔ بڑے آدمیوں کی زندگی کے حالات کا مطالعہ کرنے۔ اُن پر غور کرنے اور اُن پر چلنے سے بھی چال چلن بنتا ہے اس لئے بڑے آدمیوں کی کہانیاں اور ان کے کاموں کو بار بار پڑھنا چاہیئے۔ ایسی کتابیں ہر ایک بچے کے ہاتھ میں ہونی چاہئیں۔ یہ ممکن ہے کہ اچھی صحبت حاصل نہ ہو مگر اچھی کتابیں دستیاب نہ ہونے کی کوئی وجہ نہیں ہے۔

نیک چلنی میں ہمیشہ اپنی ذاتی زندگی (پرائیویٹ زندگی) کو اعلیٰ بنانے کی کوشش کرنی چاہیئے اور دکھاوے سے پرہیز کرنا چاہیئے۔

بچوں کو کیا علم سکھانا چاہیئے

کسی حکیم سے اک شخص نے سوال کیا ‖ کہ چھوٹے بچوں کو کیا کیا سکھائیں علم و ہنر
کہا حکیم نے یہ بات صاف ہے صاحب ‖ وہی سکھایئے کام آئے جو جوان ہو کر

(۲)

نقلِ اصل سی بہتر نہیں ہو سکتی

کہا ایک عاقل سے اک دن کسی نے
کہ چلئے مرے ساتھ اگر بے تامل
تو اس شخص سے آپ کو میں ملاؤں
کہ جو نقل کرتا ہے بلبل کی بالکل
کہا اُس سے ملنے میں کیا فائدہ ہے
مرے پاس موجود ہے اصل بلبل

(از حضرت آسی)

عورتوں کا حصہ

عورتوں کے لئے موجودہ طریقہ تعلیم کا نتیجہ

(از شریمتی وجے لکشمی پنڈت)

صدیوں سے مستریوں کے ساتھ ناانصافی کی جا رہی ہے۔ مردوں نے انہیں اپنے سے نیچے جگہ دی ہے۔ اور ان کے ساتھ کھلونے جیسا سلوک کیا ہے۔ عورتیں انہی وجوہات سے ترقی نہیں کر سکی ہیں لیکن اب انہیں بیداری پیدا ہو رہی ہے اور اگرچہ پوری طرح ترقی کرنے میں ایک عرصہ درکار ہے مگر اس میں کوئی شبہ نہیں کہ وہ پاؤں پر کھڑے ہو کر آگے بڑھیں گی۔ مردوں کے کھلونے کی طرح نہیں بلکہ ان کے قابل ساتھیوں کی طرح۔ ان بہادر عورتوں کی طرح جو جسم اور دماغ دونوں میں مضبوط ہیں۔ اور جو صرف اپنی ذات کے لئے نہیں بلکہ اپنے دیش اور بنی نوع انسان کی آزادی کے لئے بھی پوری کوشش کرتی ہیں۔

بھارت نے ایک سے ایک اعلیٰ دیوی دنیا کی نذر کی ہے۔ ان کی زندگی آج بھی ہمارے اندر جوش پیدا کرتی ہے۔ ان کی یادگار ہمارے لئے ایک پوتر خزانہ ہے۔ آج بھی بھارت میں بہت سی قابل فخر دیویاں موجود ہیں۔ یہ ہی اس روشن چراغ کو لے کر آگے آگے بڑھیں گی۔ زندگی کے میدان کارزار میں مشکلات کا سامنا کرنا پڑتا ہے جو مرد یا عورت پرانی برائیوں اور دیگر غلط رسم و رواج کو ختم کرنا چاہتے ہیں ان کے راستہ میں بڑی مشکلات حائل ہیں۔ مگر لڑکیوں کو ان کے مقابلہ سے گھبرانا نہیں چاہئے۔ وہ آخر میں کامیاب ہوں گی۔ جو مشکلات انہیں اٹھانا پڑیں گی ان کے ذریعہ وہ اس امر کا احساس کر سکیں گی کہ طرح طرح کی مشکلات رہتے

آجکل کی نوجوان لڑکیوں میں اور خاص کر ان میں جنہوں نے اسکولوں اور کالجوں میں تعلیم حاصل کی ہے زندگی سے متعلقہ اہم سوالات میں دلچسپی کی کمی دیکھ کر حیران ہونا پڑتا ہے زیادہ تر لڑکیاں نہ صرف دماغی طور پر پیچھے رہتی ہیں بلکہ حقیقت وہ سکول وغیرہ چھوڑ کر اپنے گرد و پیش کی سماجک اور سیاسی فضا سے کوئی تعلق نہیں رکھتیں عملی طور پر کسی کام میں حصہ لینے کا جوش ان میں بالکل نہیں پایا جاتا۔ زندگی میں انہیں کوئی دلچسپی نہیں ہوتی اور وہ اسے ایک بوجھ سمجھنے لگتی ہیں۔ ایسی ہی لڑکیوں کے لئے میں اس مضمون میں اپنے خیالات کا اظہار کروں گی۔ دنیا کے تقریباً تمام ممالک کی استریاں اپنے حقوق کے لئے اپنی آواز بلند کر رہی ہیں۔ صدیوں تک غلام رہنے کے بعد اب وہ آزاد ہونا چاہتی ہیں۔ وہ اب ان کارروائیوں میں پورے طور پر حصہ لے رہی ہیں جن میں حصہ لینے کا حق اب تک صرف مردوں ہی کو تھا۔ وہ یہ ثابت کر رہی ہیں کہ وہ بھی مردوں کے شانہ بشانہ کام کر سکتی ہیں۔ اور زندگی کے ہر شعبہ میں اپنی قابلیت دکھانے کی اہل ہیں۔ ہندوستانی دیویوں نے بھی زمانہ کی اس رفتار کی آواز سنی ہے گو ابھی وہ بہت پیچھے ہیں۔ وہ صدیوں کی رسوم اور غیر منصفانہ طریقوں کا مقابلہ کرنے کی کوشش کر رہی ہیں لیکن یہ کام آسان نہیں ہے۔ جن سماجک قوانین کا انہیں مقابلہ کرنا پڑ رہا ہے وہ مردوں کے بنائے ہوئے ہیں اس لئے ان میں عورتوں سے کوئی ہمدردی نہیں دکھائی گئی ہے اور ان برائیوں کی جڑ بڑی مضبوط ہے جن کا اکھاڑ پھینکنا سہل نہیں۔

اس کے علاوہ اپنے گھر کے حقوق میں بھی انہیں پورا اختیار نہیں ہے۔ دس میں سے نو گھروں میں لڑکیاں گڑیاں خیال کی جاتی ہیں انہیں خوبصورت کپڑے اور زیور دئے جاتے ہیں۔ ان سے پیار کیا جاتا ہے۔ ان کی تعریف کی جاتی ہے اور انہیں شروع سے ہی شادی کے لئے تیار کیا جاتا ہے۔ اگر ماتا پتا نئی روشنی کے آدمی ہیں تو وہ لڑکیوں کو سکول اور کالج میں تعلیم حاصل کرنے کی آسانیاں بہم پہنچا دیتے ہیں مگر شادی کے معاملہ میں ان کا بھی دوسروں کی طرح ہی خیال ہوتا ہے۔ لڑکیوں کو دوسری طرح کی اور مشکلات کا بھی سامنا کرنا پڑتا ہے۔ خود سوچنے کی طاقت اور آزادی وغیرہ جو گن تعلیم سے حاصل کرنے کی لوگ امید کرتے ہیں۔ وہ کالجوں میں دی جانے والی تعلیم میں نہیں پائے جاتے اس میں والدین کا بھی زیادہ قصور ہے وہ اس بات کو محسوس کرتے ہیں کہ وہ اپنی لڑکیوں کو ایسی دنیا میں داخل کرنے کے لئے تعلیم دے رہے ہیں جہاں سماجک اور مالی حیثیت برابر نہیں ہے تب بھی وہ کالجوں کی نامکمل تعلیم دینا ہی جاری رکھتے ہیں۔ اس کا نتیجہ وہی ہوتا ہے جو ہونا چاہئے۔

یونیورسٹیاں اور طریقہ تعلیم

(از جناب سید ابو سعید بزمی، ایم۔ اے)

(بسلسلہ گذشتہ)

(خاص پیج دیکھی کے لئے)......

(۲) جب کوئی خاص جماعت اپنے اقتصادی اغراض و مقاصد کے اعتبار سے متحرم تو اسے قوم کہتے ہیں اور اس لئے ہندوستان میں راس کماری سے لے کر گلگت تک صرف ایک قوم بستی ہے جس کے افراد مذہب، عقیدہ، زبان، یا رسم و رواج کے اعتبار سے باہم کتنے ہی مختلف کیوں نہ ہوں لیکن وہ معاشی اعتبار سے ایک دوسرے کے ساتھ ایک زنجیر میں جکڑے ہوئے ہیں۔ اور اس لئے مذہب، زبان یا ذات پات کا سوال ان گروہوں کے درمیان اختلافات کی خلیجیں حائل کر کے ملک کی اقتصادی حالت کو ناقابل تلافی صدمہ پہنچاتا ہے بنا بریں ہر ہندوستانی کا یہ فرض ہونا چاہیئے کہ وہ سب سے پہلے اپنے آپ کو

ہندوستانی سمجھے اور اس کے بعد ہندو مسلمان، پارسی، سکھ، عیسائی یا اردو بولنے والا، ہندی بولنے والا وغیرہ۔

اگر ہماری تعلیمی درس گاہیں متحدہ طور پر اس طریق کار پر عامل ہو جائیں تو صرف دس سال میں ہندوستان کی کل آبادی ایک ناقابل شکست ٹھوس قومیت میں تبدیل ہو سکتی ہے۔

آزادی کی جدوجہد میں حصہ لینا معاشی کشاکش کا پیش خیمہ نہیں ہے

(۲) ملک میں بہت سے ایسے ادارے کھولے جائیں جن کے بعد نوجوانوں کے لئے حکومت کی ملازمتوں کے علاوہ اور کوئی وسیلۂ معاش پیدا ہو اور اس طرح قوم میں اس ذہنیت کو ترقی دی جائے کہ غیر ملکی حکومت کے خلاف کوئی آئینی قدم اٹھانا ہماری فوری فاقہ کشی کا سبب نہیں بن سکتا۔

ذہنی مرعوبیت

(۳) حکمرانوں کی طرف سے ہمارے قلوب میں جو مرعوبیت پیدا ہو گئی ہے اس کو دور کیا جائے نیز ہم میں اپنی ذات کے متعلق جو مایوسی، بد اعتمادی اور بزدلی و پست حوصلگی پائی جاتی ہے اس کو ختم کیا جائے اور یہ بتلایا جائے کہ آزادی کے حصول کے لئے نہ تو بندوقوں اور توپوں کی ضرورت ہے اور نہ دوسرے کی سنگینوں اور توپوں سے مرعوب و خائف ہونا چاہیئے بلکہ ہماری جدوجہد صرف صداقت، راستبازی اور استقلال، مظلومیت اور عدم تشدد کی جدوجہد ہونی چاہیئے،

اس کے لئے انگریزی زبان میں بالخصوص اور تمام دوسری ہندوستانی زبانوں میں بالعموم اعلیٰ پیمانہ کی کتابیں شائع کر کے صحیح و تاریخی کو علمی انداز سے پیش کرنا چاہیئے۔ تاکہ تعلیم یافتہ جماعت کے دلوں سے یورپ کی پروپیگنڈا زدہ کتابوں کے پڑھنے سے جو ذہنی مغلوبیت پیدا ہو گئی ہے وہ رفع ہو اور ان کی سینکڑوں خوابیدہ صلاحیتوں کو بیدار ہونے کا موقع ملے

ہمیں چاہیئے کہ اپنی قوم میں براڈ شنگ اور برنارڈ شا پیدا کریں تاکہ لوگوں میں برنارڈ شا کے نام سے جو کپکپی پیدا ہو جاتی ہے وہ رفع ہو۔ نیز اسلاف کی علمی و عملی تاریخ کو اس طرح مرتب کریں کہ ہمارا گریجویٹ یہ نہ سمجھے کہ دنیا میں جتنی نگاری اور معیاری شعر گوئی صرف شیکسپیئر، ملٹن یا بائرن ہی کا حصہ ہے۔ بلکہ اس کے خلاف وہ اپنی خاک سے اٹھے ہوئے بزرگوں کی صحیح قدر و قیمت سے آشنا ہو۔

بہترین صناع یا بہترین دماغ؟

جو لوگ اعلیٰ تعلیم پر بندشیں قائم کرنے یا اس کو ختم رہنے کے حامی ہیں اُن کی ایک بڑی دلیل یہ ہوتی ہے کہ آزاد تعلیم کے بجائے فنی تعلیم دی جائے۔ اور اسی لئے آج ملک کے ہر گوشے سے نعرہ بلند کی جا رہی ہیں کہ "ہم کو لپٹے گریجویٹ نہیں چاہئیں بلکہ اچھے صناع چاہئیں"

لیکن اگر غور کیجئے تو معلوم ہو گا کہ اس قسم کے مصلحین کی مثال اس ڈاکٹر کی سی ہے جو ظاہری زخموں پر تو مرہم لگا رہا ہے لیکن اندرونی خرابیوں کی اصلاح کی جانب سے بالکل بے خبر ہے"

حقیقتہً وہ لوگ ہندوستانی قومیت سے ناآشنا ہیں جو یہ کہتے ہیں کہ ہم کو اعلیٰ تعلیم کی ضرورت نہیں بلکہ صناعوں اور کاریگروں کی حاجت ہے،

ہم کو اس وقت معاشرتی اور اخلاقی انقلاب کی ضرورت ہے اور یہ اُس وقت تک ناممکن ہے جب تک کہ قوم کے افراد کی ذہنیتوں میں انقلاب نہ پیدا ہو جائے۔ اور اس لئے اگر ہم اپنے وطن عزیز کو آزاد دیکھنا چاہتے ہیں تو ہمارے لئے ضروری ہے کہ اپنے قوم کے دماغوں کو زیادہ سے زیادہ بہتر طور پر تربیت دیں،

یہ ایک کھلی ہوئی حقیقت ہے کہ دنیا کی تاریخ میں معاشرتی یا سیاسی جتنے انقلاب ہوئے۔ ان سب

......باقی اگلے صفحہ پر......

انقلاب

از جناب نند کشور مسر لواستو شاکر محمود آبادی

ایک خاص دلچسپ مصلح مضمون

انقلاب قدرت کی مشینری کا وہ پرزہ ہے جو نہایت زبردست کثیر الاستعمال اور اہم ہے۔ آئے دن پیش آنیوالی جاذب نظر نیرنگیاں دراصل فرشتۂ انقلاب کی انگڑائیاں ہیں۔ انقلاب کا عمل ہمیشہ بلکہ ہر وقت جاری رہتا ہے، اگر انقلاب نہ ہو تو دُنیا کا نظام درہم برہم ہو جائے اور اتنی مکروہ و بدتر حالت پیدا ہو کر زندگی دوبھر ہو جائے۔ دیکھو جو حالت اس وقت ہے ایک لمحہ بعد اس سے کچھ نہ کچھ مختلف ضرور ہو گی۔ جو سماں کل تھا وہ آج نہیں ہے۔ جو آج ہے یقیناً کل نہ ہوگا۔ یہی انقلاب کے کرشمے ہیں جو متواتر ہمارے پیش نظر رہا کرتے ہیں، سیکنڈوں نے انقلاب سے منٹ، منٹوں سے گھنٹے، گھنٹوں سے ہفتے اور مہینے بنتے ہیں۔ پھر وہ سال اور برسوں کی شکل میں آجاتے ہیں، اُن سے صدیاں اور صدیوں سے لامحدود عرصے بن جاتے ہیں جنہیں کہاں تک یاد رکھیں؟ تو اریخ کے کہنہ صفحات کب تک اُن کا اعادہ کرتے رہیں؟ غرضیکہ انقلاب کے ہاتھوں ہماری زندگیں کے دقفے دائرۂ ہستی سے گم اور لاپتہ ہو کر نیستی کے حدود میں جا داخل ہوتے ہیں۔ ہم دُنیا میں وارد ہونے سے پہلے معلوم نہیں کون تھے؟ کیسے تھے؟ کہاں تھے؟ اور آئندہ کے لیے بھی ایسی ہی لاعلمی ہے تو اب یہ کہنے کے سوا کیا چارہ ہے کہ ہم ہیں اور انقلاب۔ انقلاب جہاں پہنچائیگا ہم پہونچیں گے۔ جہاں لیجائیگا جائینگے یہ تو ادنیٰ مطلق کے دست خاص کا عصا ہے۔ اگر دو مجسم ہو۔ وہ قدرت کاملہ کا دست راست ہے یہ اس کی رضا میں عدول حکمی یا نافرمانی یا کسی قسم کی ترمیم و تنسیخ ہمارے بس کی بات نہیں، انقلاب تمہیں اپنی راہ پر ضرور لائیگا، اس میں ضد جیسی بڑی ادبیت و تعمل کو دخل دو گے، تو زک اُٹھاؤ گے نیچا دیکھو گے اور انجام کار اسی راستہ پر تمہیں آنا ہوگا۔ لطف کی بات ہوتی ہے جب قدرت کو ہماری کہنہ پرانی حالتیں تبدیلی اور اصلاح کرنی منظور ہوتی ہے، ایسے موقعوں پر حق بین نگاہیں انقلاب اور انقلاب کی ضرورت و اہمیت کے پس پشت قدرت کی غیبی مصلحت، منشاء و مرضی کا مشاہدہ کرتی ہیں، جبکہ دُنیا کی اکثیر استعداد مادہ پرست نگاہیں نفس انقلاب کا فاعل اور ذمہ دار اسی شخص یا جماعت کو دیکھتی ہیں جس کے ہاتھوں بظاہر انقلاب کی تعمیل و ترویج ہوئی انہیں معلوم ہوتی ہے اور اس قسم کے تنگ نظر و کوتاہ اندیش لوگ انقلاب کو اسی شخص یا جماعت کا خود ساختہ و تجویز کردہ تصور کر لیتے ہیں۔ انہیں نقص نکالنا چاہتے اور اس کی شدید مخالفت کرنے لگتے ہیں، لیکن ان کی طرف سے عمیق جدوجہد اور مخالفت کا نتیجہ کیا ہوتا ہے؟ یہی کہ انقلاب کی بنائیں معمولی سے زیادہ استوار و مستحکم ہو جاتی ہیں، اور اسکی تعمیل و ترویج زیادہ عجلت و سرعت سے ہونی شروع ہو جاتی ہے۔ یہی قانون قدرت ہے۔ اور اسی کے موافق عمل ہوتا ہے، انقلاب کے مخالفین ہی دوسرے الفاظ میں قدامت پسند کہلاتے ہیں۔ اور انقلاب کی لہر کو اریخ ربانی کہا جاتا ہے جو کسی کے روکے نہیں رکتی ہے، قدامت پسندی عیب نہیں پھر بھی اسے قانون قدرت کے خلاف ہاتھ پاؤں مارنیکی کوشش نہیں کرنی چاہیئے، ہر انقلاب اپنے وقت و موقع کے اعتبار سے منجانب قدرت وقوع پذیر ہوتا ہے۔ جیسے دریا کی روانی کسی کے منع کرنے سے نہیں ٹھہرتی۔ اور جس طرح حکم امتناعی جاری کر دینے سے ہوا کا رُخ نہیں پلٹتا بالکل اسی طرح انقلاب کے عمل پر اُس کے مخالفین کی جدوجہد اور مخالفانہ کوششوں کا اثر نفی کے برابر ہوتا ہے کسی انقلاب کے خلاف قدامت پسندوں کی جیخ پکار جو کچھ معنی رکھتی ہے قدرتی احکام کے خلاف ہماری آواز رکھتی ہے۔ ہمارے کہنے سے سورج فنا نہیں ہو سکتا۔ چاند سفید سے کالا نہیں ہو سکتا۔ ستارے اپنا کام نہیں چھوڑ سکتے، ہوا بند نہیں ہو سکتی۔ پانی پتھر نہیں بن سکتا زمینی حقائق کی نوعیتوں کے اعتبار سے ہم یہ کہنے پر بھی ضرور حق بجانب ہوں گے کہ مخالفین کی مخالفت سے انقلاب کے عمل میں ذرہ بھر بھی تخفیف نہیں ہو سکتی۔ کیونکہ سورج، چاند، ستارے، ہوا اور پانی وغیرہ کی طرح انقلاب بھی ایک ایسی ہی چیز ہے جو بالکل قدرتی ہے۔ اور جس کا عمل قطعی طور پر منجانب قدرت ہوتا ہے پھر کیا اُسے روکا جا سکتا ہے؟ یا اُس کے عمل کو مسترد اور منسوخ کیا جا سکتا ہے؟ ہرگز نہیں، اگر نہیں تو انقلاب کی مخالفت اور قدامت پسندانہ ضدی رویے کے کیا معنی ہیں؟

خاص تیج ویکلی کے لئے

تیج ویکلی میں اشتہار دیکر فائدہ اٹھایئے

پریم کی جیت

صفحہ ۱۴ سے آگے

جب تک سورج اور چندرماں میں روشنی اور پھولوں میں ——— باس باقی ہے ؟؟

رادھا خاموش ہوگئی اس وقت میرا عجیب حال تھا بے سراسیمگی کی حالت میں اٹھا اور ——— گھاٹ کی طرف چل دیا۔ بہتا ہوا پدما کا ذرہ ذرہ میری حالت پر کف افسوس مل رہا تھا۔ گاؤں کی عورتیں مجھے جاتے ہوئے حسرت کی نگاہوں سے دیکھ رہی تھیں معلوم ہوتا تھا کہ وہ بھی میرے جانے سے ملول ہیں تھوڑی دیر میں میں کشتی پر بیٹھ گیا ———

——— جس وقت میری کشتی پانی کے پر سکون سطح پر تیرنے لگی ——— رامو بیچارے کی آنکھوں میں آنسو بہنے لگے۔ میں نے جیب سے نکال کر کچھ نقدی رامو کو دینا چاہی۔ لیکن اس نے لینے سے انکار کر دیا ——— تھوڑی دیر کے بعد میری کشتی اس پار پہونچ گئی ——— کشتی سے میں نے سامان اتارا ——— اور قلی کے سر پر رکھوا کر اسٹیشن کی طرف روانہ ہوگیا ———

——— سماج کے اگر یہی معنی ہیں کہ دو ہستیوں کی کامیاب اور بامراد زندگی کو تباہ کر دیا جائے تو ایسے سماج کی قید و بند کو ہم لبیک کہنے کے لئے ہرگز تیار نہیں۔

——— سماج کے قوانین کبھی قوم کے لئے منفعت کا باعث نہیں ثابت ہو سکتے "جس قوم میں سوسائٹی کا نظام اس درجہ پست اور کمزور ہو وہ ——— قوم کبھی بام ترقی پر نظر نہیں آسکتی ذات کی تفریق کا سوال ایک ایسا سوال ہے کہ اس مسئلہ پر اگر ہم ٹھنڈے دل سے غور کریں تو سوا نقصان اور تباہی کے ——— کچھ مفاد کی صورت نظر نہیں آسکتی۔

(۶)

چار سال کے بعد

چیت کا مہینہ تھا۔ ہولی جل چکی تھی۔ گیہوں اور چنے کے کھیت قریب قریب سب کٹ چکے تھے ———

——— رات کا وقت تھا ——— چاندنی ہر طرف پھیلی ہوئی تھی، کھلیان میں کسانوں نے اناج کے گٹھے لا لا کر گہنا شروع کر دئے تھے۔ میں اپنے دوست زمیندار بابو کے ہمراہ ان کی چوپال میں بیٹھا کسانوں کی جفاکشی اور محنت پر گفتگو کر رہا تھا زمیندر بسیکم پور کے زمیندار کا اکلوتا لڑکا تھا۔ سنہرا چہرہ بڑی بڑی آنکھیں۔ دراز قد کشادہ پیشانی غرضیکہ زمیندر میں وہ تمام مردانہ حسن موجود تھے جو ایک انسان میں ہونا چاہئیں زمیندر انتہا درجہ کا خلیق اور ملنسار نوجوان تھا جس وقت دریائے جمنا کی لہریں پانی میں تموج پیدا کر دیتیں اور چندرماں، ان کی لہروں سے آنکھ مچولی کھیلنا شروع کرتا ہم دونوں کشتی میں بیٹھ کر دریا کا لطف اٹھاتے زمیندر کا بنگلہ۔ دریائے جمنا سے بالکل قریب تھا۔ گاؤں میں ہم دونوں محبت اور وفا میں مشہور تھے۔ ساری ساری رات گزر جاتی زمیندر نے کشتی پر بیٹھنے کی خواہش ظاہر کی، زمیندر نے کنارے سے کشتی کھولی ہم دونوں بیٹھے اور کشتی پانی پر تیرنے لگی۔ قدرت کی رنگینیاں اس وقت ہم لوگوں کو اپنے میں جذب کر رہی تھیں، دریا کے اس پار میٹی گھاٹ تھا۔ ہم لوگ دریا کے لا متناہی سلسلے کو طے کرتے ہوئے چلے جا رہے تھے۔ اچانک مرج ہوا میں لپٹی ہوئی ایک صدا کانوں میں آئی۔ دل بے چین ہوگیا۔ اس پار کوئی بیٹھا: ندیا کے رے بہو راسنیاں اترے گا پار گا رہا تھا آواز نہایت دلکش تھی۔ اس کے ترنم ریز نغموں کی صدائیں دریا کا لطف رہی تھی مہیں۔ زمیندر نے کشتی گھاٹ کی طرف موڑ دی جس وقت ہم لوگ کنارے پر پہنچے جھاڑیوں کے پُر کیف نغمے ختم ہو چکے تھے۔ میں نے دیکھا کچھ فاصلہ پر ایک جوگی جھکی ہوئی ہم لوگوں کی نقل و حرکت کا جائزہ لے رہی ہے۔ کشتی کنارے باندھ دی گئی جس وقت ہم عورت کے قریب پہنچے وہ اٹھ کھڑی ہوئی میرے منہ سے بیساختہ ایک آہ کے ساتھ رادھا نکل گیا سا لکھو کا جنگل۔ رات کا وقت۔ خوبصورت عورت کی موجودگی میرے لئے نہیں زمیندر کے لئے مزید حیرت کا باعث تھی مجھے اپنا ہوش نہ تھا۔ میرے سامنے ایک مجسمہ حسن و محبت کی زندہ تصویر موجود تھی، میری آنکھوں سے بڑے بڑے آنسو ڈھلک پڑے میں کسی خاص جذبہ سے متاثر ہو رہا تھا۔ رادھا کی آنکھوں سے مستی و جوانی کی نورانی شعاعیں گردو پیش کی ساری فضا کو منور کر رہی تھیں، اس کا دل مسرت اور خوشی کے جذبات سے دھڑک رہا تھا۔

میں نے پوچھا رادھا تم رات گئے جنگل میں تنہا کیوں پھر رہی ہو۔ بے اختیار اس کی آنکھوں سے آنسوؤں کی دھارا بہنے لگی۔ اس نے درد بھرے لہجہ میں کہا پیارے تمہاری محبت مجھے در در پھرا رہی ہے تمہارے بغیر میری زندگی بیکار تھی، تمہارے کارن میں نے بیراگن کا لباس اختیار کیا۔ جنگل جنگل ماری ماری پھری خواب میں مجھے تمہارے درشن نصیب ہوئے میرا کھویا ہوا پریم مجھے مل گیا۔ میں نے اس کو گلے سے لگا لیا اور خوشی

سچی لکشمی پوجا

از جناب مسٹر ... ایڈیٹر کالستھ ہتکاری دہلی

ایک فرضی قصہ سے مُفید سبق مہاتما کبیر صاحب اپنی ساکھی میں فرماتے ہیں کہ دولت اور سایہ کی صورت ایک سی ہوتی ہے۔ جو ان سے بھاگتے ہیں یہ ان کے پیچھے پیچھے چلتی ہیں۔ اور جو ان کو پکڑنا چاہتے ہیں ان سے یہ بھاگتی ہیں

اسی کی تائید میں یہاں ایک قصہ بیان کیا جاتا ہے۔ کسی برہمن دیوتا کو دولت کی بڑی ہوس رہتی تھی ان کی پوجا پاٹ کا مدعا دولت تھی۔ کرم دھرم کا مقصد یہ تھا کہ کسی طرح ... مگر دولت نہیں ملتی تھی آخر کسی کے کہنے سے وہ ایک روز دن رات ... کے گرد طواف کرنے لگے۔ وان کی خدمت سے خوش ہو کر ایک دن کہنے لگا کیا چاہتا ہے؟ میرے پاس آنے کی کیا غرض ہے؟ برہمن نے ہاتھ باندھ کر کہا مہاراج مجھے لکشمی کے درشن کی خواہش ہے" سادھو نے کہا "بہت اچھا" برہمن کی غرض تو یہ تھی کہ دولت نصیب ہو مگر اتفاق وقت یا خوبی تقدیر سے اس نے لکشمی کے درشن کی خواہش ظاہر کی۔ سادھو نے فرمایا "شام کے وقت ۸ بجے رات کو فلاں درخت کے نیچے تم کو لکشمی دیوی کے درشن ہوں گے"۔

برہمن نے سمجھا خوب ہوا منہ مانگی مراد ملی۔ وقت مقررہ پر وہ پتا نے ہوئے پتہ کی طرف روانہ ہوا کیا دیکھتا ہے کہ درخت کے تلے ایک نورانی شکل کی عورت اس کے انتظار میں کھڑی ہے تمام جنگل اسی کی وجہ سے منور ہو رہا ہے کچھ عجیب منظر تھا یہ خوش ہو کے قدم بڑھایا اور اسی عورت کو سر سے پاؤں تک دیکھا اس نے کہا کیا دیکھتا ہے؟ میں لکشمی دیوی ہوں دنیا کی دولت میرے اختیار میں ہے۔ میں وشنو بھگوان کے ساتھ رہتی ہوں برہمن نے تعجب کر کے دولت کہاں مگر لکشمی نے کراہیت سے اپنا پاؤں کھینچ لیا برہمن نے غور کر کے دیکھا تو دائیں کا ہاتھ اور ایک پاؤں دونوں سیاہ تھے باقی ورتیمہ سفید تھا۔ ... لکشمی کی کراہیت اور اظہار نفرت دیکھ کر اس نے سمجھا کہ غلطی ہوئی۔ سادھو نے صرف درشن دلوانا چاہا لکشمی غالباً مجھے ذلیل سمجھ کر یہ وجہ اس کی کراہیت کی ہے۔ وہ اسی حیص بیص میں تھا لکشمی نے کہا لے۔ تو نے درشن کر لیا اب میں جاؤں۔ برہمن نے کہا سچ ہے ایشور کی کرپا سے مجھے آپ کا درشن تو مل گیا مگر جاتے جاتے آپ یہ بتا جائیے کہ آپ کا پاؤں اور پیشانی کیوں کالے ہیں؟ لکشمی مسکرائی اور کہا "اس کا سبب یہ ہے

کہ میں پتا ماتا اُن مہاتماؤں کے چرنوں میں گھسا کرتی ہوں جن کے ایک قایم مقام نے مجھکو یہاں بھیجا ہے مگر وہ مجھکو اپنی خدمت میں قبول نہیں کرتے اور میرے پاؤں پر تم جیسے کمینے اپنا ماتھا رگڑا کرتے ہیں کہ میں تم کو مل جاؤں مگر میں ان کے ہاتھ نہیں آتی جنکو سچی لکشمی سے فائدہ اٹھانے کا خیال ہو وہ ایشور بھگتی کریں۔ اور ہمیشہ سوچتے رہیں کہ لکشمی ان کی نہیں ہو اور نہ کبھی ہوگی بیجا ہوس و قابل اعتراض خواہش ہے آزاد رہنا چاہئے تاکہ زر پرستی کا نقص دلوں پر قابض نہ ہونے پائے

(بقیہ پچھلے صفحہ سے آگے)

گوشت کے ہضم کرنے کی طاقت ہوتی۔ ایشور کی قدرت تو کی اجازت نہیں دیتا۔ بڑے آدمیوں نے گوشت خوری کی عادت ڈالدی ہے وغیرہ وغیرہ۔

اوپر کی چند مثالوں اور شبدوں سے صاف ظاہر ہے کہ سکھ مذہب ہرگز گوشت خوری کی اجازت نہیں دیتا اگر سکھ صاحبان گرنتھ صاحب کو بغور مطالعہ کریں تو ضرور اس کی بد عادت کو ترک کر دیں۔ اگر آپ گوشت کا کھانا ترک کر دیں تو جھٹکا۔ حلال کے متعلق جو آئے دن فساد ہوتے رہتے ہیں۔ اور جن میں سینکڑوں جانیں ضائع جاتی رہتی ہیں وہ کبھی نہ ہوں۔ اور نہ ہی ایک دوسرے سے مخالفت بڑھے۔ امید ہے کہ سکھ صاحبان اس پر عمل کر کے گوشت خوری کی مذموم عادت چھوڑ کر ان کے سچے سکھ بنیں گے۔ اور اس طرح دکھیا [illegible]

بر تقدے دیا اول ہیں۔ ... گوشت خوری کی عادت اور ... کی رکشا میں جیا کیا کرنا پاپ ... تصور کریں گے۔

ہندو شاستروں میں گوشت خوری کی مخالفت

(خصوصاً آریہ سماجی شاستروں میں)

(۱) "دیا دھرم کا مول ہے پاپ مول ابھیمان
تلسی دیا نہ چھوڑیے جب تک گھٹ میں پران"

(۲) جو لوگ ماس بھکشن اور مدھ پان کرتے ہیں ان کے شریر اور ویریہ آدمی دھاتو بھی دُرگندھ سے دوشت ہو جاتے ہیں۔ (ستیارتھ پرکاش سمولاس ۱۰)

(۳) گائے بھینس ہاتھی گھوڑے۔ اونٹ۔ بھیڑ بکری وغیرہ سے بھی بڑے اپکار ہوتے ہیں ان پشوؤں کو مارنے والوں کو سب منشیوں کی ہتیا کرنے والے جاننا۔ (ستیارتھ پرکاش سمولاس ۱۰)

(۴) چلتے وقت دیکھ کر قدم دھرے تاکہ کیڑا، پتنگا کوئی دب کر نہ مر جاوے اور ہمیشہ کپڑے سے چھان کر پانی پیوے۔ (سنسکار ودھی صفحہ ۱۹۵)

(۵) چیونٹی وغیرہ کو ملائمت سے ہٹا دینا چاہئے ورنہ پاؤں کے نیچے دب کر یا آگ میں جلکر مر جائے گی اور تمہیں پاپ ہوگا۔ (یجو منکا ۳۸)

(۶) ہر جاندار اعلیٰ سے ادنیٰ بھی چاہتا ہے کہ کبھی نہ مرے پس ہم ایسی بات نہ کہیں یا کریں جس سے جانداروں کی بہبودی ہو۔ (یجو منکا ۹-۱۰-۱۸)

بیروزگاری

(از جناب سید محمد عالم نقوی بی۔ اے۔ بی۔ ٹی)

(خاص تیج ویکلی کے لئے)

"آپ بیتی کہوں کہ جگ بیتی" بیروزگاری کی تلخ داستان آپ بیتی بھی ہے اور جگ بیتی بھی۔ گرچہ اپنے جگہ کے ہر گوشے میں درد کی کسک موجود ہو تو جگ بیتی کا خیال کیسا۔ اعداد و شمار بتاتے ہیں کہ بیروزگاروں کی جتنی تعداد کل دنیا میں ہے اتنی صرف ہندوستان میں موجود ہے گویا بیکاری کے معاملہ میں ساری دنیا ایک طرف اور تنہا ہندوستان ایک طرف۔ مذاق کا سوال دنیا میں اہم ترین سوال ہے جب روزی کی طرف سے اطمینان نصیب ہو تو دلیں امنگ پیدا ہوتی ہے لیکن اگر اس کی طرف سے یکسوئی نہ ہو تو کسی نئے کام کرنے کی ہمت نہیں ہوتی۔ ہر سال ہمارے ملک کے سینکڑوں نوجوان اپنے وجود کو بے سہارا پاکر اپنی عزیز جان کو موت کے سپرد کر دیتے ہیں۔ حکومت اس گتھی کو سلجھانے میں کوشاں ہے لیکن بیروزگاری کا عقدہ ابھی لاینحل ہے تقسیم اسناد کے موقعوں پر جو یونیورسٹیوں میں خطبات پڑھے جاتے ہیں انہیں اس کا ذکر ہوتا ہے۔ لیکن افسوس ہے کہ حالت بد سے بدتر ہو رہی ہے۔ اسی زوال آمادہ قوم کے درد دل کی یہی کہانی ہے جس کو راقم الحروف نے بھی دوہرانے کی کوشش کی ہے۔

یوں تو بیکاری اور بیروزگاری دنیا میں ہمیشہ رہی ہے مگر اس کا ہونا نہ ہونا یکساں تھا لیکن صنعتی انقلاب کے بعد یہ مرض عالمگیر وبا کی طرح پھیلا جس کے اثرات شروع میں یورپ میں نمایاں ہوئے اور مابعد جنگ صنعت و حرفت میں ایک زوال پیدا ہو گیا جس سے بیکاروں کی تعداد میں اضافہ ہو گیا۔ مگر یہ کیفیت مغربی ممالک کی تھی۔ ہندوستان میں حالات بالکل مختلف ہیں۔ ہماری ۹۰ فیصدی سے زیادہ آبادی کا ذریعہ رزق مستقل طور پر زراعت ہے۔ اور یہ ایک مسلمہ ہے کہ ہندوستان میں ۹۰ فیصدی بلکہ زراعتی طبقہ میں بیروزگاری رہتی ہے خصوصاً ان برسوں میں جب کہ بارش کم ہو۔ زیادہ تر یہ اس وقت نازل ہوتی ہے جب قحط پڑ جاتا ہے۔ حقیقت میں یہ ایک مصیبت عظیم ہے جس کا ہندوستان کبھی کبھی شکار رہتا ہے۔ ماسوا زراعت کے ہم تھوڑی دیر کے لئے ناظرین کی توجہ ان پیشوں کی طرف مبذول کرانا چاہتے ہیں جن کا تعلق جسمانی اور دماغی محنت سے ہے جسمانی محنت کے ذیل میں ہم ان لوگوں کو لیں گے جو کارخانوں میں کام کرتے ہیں اور اصطلاح عام میں مزدور پیشہ کہے جاتے ہیں۔ دماغی کام کرنے والے وہ لوگ ہیں جو تعلیم یافتہ متوسط طبقہ میں شمار کئے جاتے ہیں۔ مزدور پیشہ جماعت کے لئے ہم اتنا کہنا کافی سمجھتے ہیں کہ اگرچہ ان میں بھی بیروزگاری موجود ہے مگر اس درجہ نہیں جیسی کہ مغربی ممالک میں پائی جاتی ہے اور یہ صرف اس وجہ سے کہ ہماری صنعتی ترقی ابھی صرف پالنے ہی میں ہے جو کارخانے کہ موجودہ معیار پر پہنچ چکے ہیں وہ شش و پنج اور ترقی یافتہ صنعتوں کے تجارتی انحطاط کے گرداب میں پھنس گئے ہیں جس کی وجہ سے ہماری اکثر فیکٹریاں بند ہو گئیں اور بیروزگاری پیدا ہو گئی۔ لیکن پھر بھی عموماً یہ شکایت سنی جاتی ہے کہ مزدور دستیاب نہیں ہوتے تاہم اسکے کہ مزدوروں کو ملازمت نہیں ملتی۔ دوسری قسم کی بیروزگاری جس کا ظہور حال ہی میں ہوا ہے متوسط الحال لوگوں میں پائی جاتی ہے جنہوں نے اپنی حیثیت کے اعتبار سے زر کثیر صرف کرکے تعلیم حاصل کی اور محض دماغی محنت صرف کرکے اپنی روزی کمانا چاہتے ہیں۔ شروع میں ہم صرف دیہاتی بے روزگاری سے جو قحط کا نتیجہ ہوتی ہے بحث کریں گے۔

ظاہر ہے کہ ایک ایسے ملک میں جس کا انحصار محض خداداد بارش پر ہو قحط کا پڑ جانا کتنی زبردست اقتصادی اہمیت رکھتا ہے زراعت کے متواتر بند رہنے سے کاشتکار کی مالی حالت نہایت زبوں ہو جاتی ہے غلہ کے قحط کے ساتھ ساتھ چارے کا قحط بھی شروع ہو جاتا ہے جس کے باعث آدمیوں کے ہمراہ جانور بھی تلف ہو جاتے ہیں۔ اور زراعت میں مزید رکاوٹیں پیدا ہو جاتی ہیں۔ افلاس کے باعث چونکہ لوگوں کی قوت خرید کم ہو جاتی ہے اس لئے بطور ردعمل کے تجارت بھی گر جاتی ہے۔ اور لا الگذاری صحیح صحیح وصول نہیں ہوتی اور دوسرے قحط دفعہ کرنے میں روپیہ صرف کرنا پڑتا ہے اس لئے حکومت کو بھی نقصان برداشت کرنا پڑتا ہے۔ تاریخ کہتی ہے کہ ۱۲۹۱ء میں خاندان کے خاندان اور خود اس لئے ڈوب کر مر گئے کہ وہ فاقہ کشی کی تکلیف کو برداشت نہ کر سکتے تھے ۱۳۰۰ء میں لوگوں نے مردہ جانوروں کی کھالوں کو چبا کر اپنا دوزخ شکم پر کیا ۱۳۴۲ء کے قحط نے انسانوں کو مردم خوری پر مجبور کر دیا تھا۔ ایسے خوفناک واقعات کے ہوتے ہوئے بھی یہ تصور کرنا کہ حکومت کسی مخفی طور پر قحط لے آتی ہے ایک بنیادی غلطی ہے۔ عہد برطانیہ سے پہلے چونکہ انتظام خط و کتابت اور ذرائع آمد و رفت ناقص تھے اس لئے قحط دور کرنے کی ترکیبیں بھی اتنی عمدہ نہ تھیں جتنی کہ اب ہیں پہلے بڑے بڑے شہروں میں غلہ کے گودام محفوظ رکھے جاتے تھے جن کا مقدم ترین فوجی خوراک کا انتظام تھا۔ لیکن بعد کو گاؤں میں بھی ذخیرہ غلہ رکھا جانے لگا جس سے نقد بھی بہت مدد بروقت ضرورت ملتی رہتی تھی۔ اس کے ساتھ ہی حکومت اپنے کام مثلاً نہریں کھدوانا۔ مندر اور مسجد بنوانا۔ قلعہ اور محلات تعمیر کرانا شروع کر دیتی تھی جس سے ہزاروں بے روزگاروں کو روزی نصیب ہوتی تھی۔ بادشاہ خود بھی بسا اوقات زر کثیر تقسیم کرتا تھا۔ جو اگرچہ ضرورت کے لحاظ سے کافی نہ ہوتا تھا لیکن پھر بھی وقتی طور پر رعایا کی امداد ہو جاتی تھی۔

۱۷۷۰ء سے ۱۸۵۸ء کے دور میں ایسٹ انڈیا کمپنی کا

(باقی مضمون اگلے صفحہ پر)

(بقیہ صفحہ سے)

لگایا جا سکتا ہے کہ جنگ کے وقت اٹلی کو کوئی پریشانی نہیں ہوگی۔

فرانسیسی حکومت کے مخالف اخبارات میں اب یہ خبریں شائع ہوئیں کہ موسیو لاول کی تجویز فیل ہو گئی ہے اور اٹلی کے موانعات کے باوجود جرمنی اور آسٹریا کے راستوں سے سامان جنگ پہنچ رہا ہے۔ اسلحہ پوش گاڑیاں۔ ہوائی جہازوں کا سامان۔ تانبہ اور دیگر سامان موٹروں میں لدا ہوا اٹلی دھڑا دھڑ جا رہا ہے۔ اور اٹلی کے قریب تریڈین کے جرمنی مقام پر یہ گھڑکی بنائی گئی ہے جو موانعات کے باوجود سب سامان اندرون ملک میں منتقل کر رہی ہے اور دول یورپ اس کا کچھ بھی نہیں بگاڑ سکتیں۔ اس خبر پر موسیو لاول کو کچھ بھی حیرانی نہیں ہوئی۔ کیونکہ انہیں اٹلی کی اس حرکت کا پہلے سے ہی علم ہو چکا تھا۔ جرمنی کے راستوں سے "ینند لیفنڈ" اور "کونٹر پیسنڈ" کا کو لا آلی میں دھڑا دھڑ پہنچایا جا رہا ہے۔ جرمنی والے اس خدمت کے عوض معمولی رقم لے کر اور قیمت کے طور پر آسٹریا کی کفالت اسے اطالیہ منظور کر رہے ہیں اور بغیر زر خالص کے یہ اقتصادی مسئلہ خود بخود اٹلی کے لئے حل ہو رہا ہے اور دول یورپ ایک دوسرے کا منہ تک رہی ہیں۔

اسی طرح امریکہ سے بھی خوب درآمد ہو رہی ہے۔ اور اس سال کی رپورٹ تو بتاتی ہے کہ اٹلی میں امریکہ سے بہت زیادہ سامان آیا ہے۔ روئی کا نصف۔ فولاد۔ لوہے کی کترنیں اور تانبہ موسم گرما اور موسم خزاں میں بڑی مقدار میں درآمد ہوا۔

اکتوبر کے اعداد و شمار بتاتے ہیں کہ اس مہینہ میں گذشتہ سال کی درآمد تقریباً دوگنی ہو گئی۔ نیز ایسٹ کے ساتھ ۵ اکتوبر کو ایک جدید معاہدہ سرانجام پایا ہے جس کی وجہ سے یہ یقین ہے کہ اٹلی کی تجارت مزید ترقی حاصل کرے گی۔ اور دول یورپ اقتصادی بائیکاٹ سے اٹلی کا کچھ بھی نہ بگاڑ سکیں گے۔

چنانچہ اٹلی کے ماہرین کی پختہ رائے ہے کہ موانعات کے باوجود اٹلی کو کوئی معقول نقصان نہیں پہنچے گا۔ اور جنگ کی حالت میں وہ اپنے بوتے پر عرصہ دراز تک مقابلہ کرتا رہے گا۔ اور اسے کوئی پریشانی نہ ہوگی۔

ماہروں کا بیان ہے کہ لیگ اقوام کی عائد کردہ پابندیوں کی وجہ سے اٹلی کی درآمد پر کوئی معتدبہ اثر نہیں پڑا ہے۔ انہیں اعتماد ہے کہ خاص طور پر جو ضابطے اس غرض سے جاری کئے گئے ہیں۔ اور دیگر انتظامات درآمد کو قائم رکھنے کے لئے قائم کئے گئے ہیں ان کے ہوتے ہوئے اٹلی کے خلاف اقتصادی پابندیاں بے اثر ثابت ہوں گی۔ علاوہ ازیں یا جرمنی۔ آسٹریا۔ ہنگری۔ جاپان ارجنٹائن اور چلی جیسے ممالک جن کی پیداوار اور مصنوعات کی اٹلی کو جنگ کی حالت میں بالخصوص زیادہ ضرورت ہو سکتی ہے لیگ اقوام کے موانعات میں شامل نہیں ہیں اور اٹلی کو ویسے بھی آزادی حاصل ہے۔

لیکن ان تمام کوششوں کا نتیجہ یہ ہوا ہے کہ اٹلی کے خزانہ میں سونا نہیں رہا ہے۔ سونے کا ذخیرہ قریب الختم ہے کیونکہ درآمد کرنے کی جدید اسکیم میں اس قدر نقد طریق کرنا پڑتا ہے کہ ماسوا معمولی کاروبار کے ہر جگہ زر خالص ادا کرنا پڑتا ہے جس کی وجہ سے اٹلی کی مالی حالت دگرگوں ضرور ہو گئی ہے۔

چنانچہ آج اٹلی کو ۳۰ اکتوبر تک ۰۰۰۰۰۰ ۸۹ لیرا (اطالوی سکہ) کا نقصان ہو چکا ہے۔ یہ نقصان سونے کے اخراج کی قیمت کے مطابق مقرر کیا گیا ہے۔ غیر ملکی سیزن اور تبادلہ کی صورت میں بھی اٹلی کو نقصان رہا ہے۔ چنانچہ اعداد و شمار کی رو سے ۰۰۰۰۰۰ ۳۴ لیرا کا نقصان صرف ۱۰ اور ۲۰ اکتوبر کے مابین ہو گیا۔ اٹلی نے جو سکہ ملک میں چلا رکھا ہے اس کی پشت پر سونے کی امداد بہت کم ہے جس کی وجہ سے اٹلی سے باہر کے درآمد کنندگان کو ان کے سکہ کا اعتبار نہیں ہے۔ چنانچہ خیال کیا جاتا ہے کہ ۰۰۰۰۰۰ ۷۶۱۰ لیرا کے سکہ جو رقمی کے مقابلہ پر ۰۰۰۰۰۰ ۳۹۳۲ لیرا سونے کا ذخیرہ ہے۔ جو غیر ملکی سکہ کے حساب سے ۰۰۰۰۰۰ ۳۰ ڈالر سے زیادہ نہیں ہے۔ چنانچہ سونے کا ذخیرہ صرف ۴۰ فی صدی باقی رہ گیا ہے جو کاغذی سکہ کی پشت پناہی کرتا تھا۔ اٹلی کے مقابلہ پر فرانس میں ۰۰۰۰۰۰ ۴ ڈالر۔ برطانیہ میں ۰۰۰۰۰۰۰ ۱۵ ڈالر۔ اور امریکہ میں ۰۰۰۰۰۰ ۹۵ ڈالر کا سونا موجود ہے۔

سونے کی حالت کے بعد ملک کی مصنوعات کی طرف دیکھئے۔ تو معلوم ہوگا کہ فیکٹریاں دن رات چل رہی ہیں اور اوور ٹائم بڑی کثرت سے ہو رہا ہے۔ جنگی کشتیاں، ہوائی جہاز، مشین گنیں اور دیگر سامان حرب بنانے میں کارخانے دن رات مصروف ہیں۔ بے روزگاری کی تعداد میں ۲۰ فی صدی کی واقع ہو گئی ہے۔ یعنی ۳۱ جولائی ۱۹۳۵ء کو ۳۱۲ ۲ ۴ ۲ ۷ ۷ سے ۰۰۹ ۳۶ ۵ تک کی ہو گئی ہے۔ لیکن معیار زندگی ابھی تک ۱۹۲۷ء کے معیار سے جب اطالوی سکہ نہ لیرا متعین قیمت پر لایا گیا تھا اب بھی کم ہے۔ لیکن واشنگٹن میں مقیم اطالوی سفیر کے

اقوالِ زرّین

خوشامد، احمق لوگوں کو تمہارا محتاج بنا دیتی ہے

آدمیت بہت معمولی نقصان سے ہی کمال حاصل نہیں کیا جاتا ہے۔ بلکہ محنت کا اس میں بڑا حصہ ہے۔

دنیا میں کسی انسان کی محنت بے صلہ نہیں رہتی۔

تمام عمدہ عادتوں اور اچھے اخلاق کی عادت ضبط کی بنیاد پر قائم ہوتی ہے

خدا احسان کرنے والوں کو دوست رکھتا ہے

محنت ایسی پاکیزہ چیز ہے جو دولت سے ملا دیتی ہے۔

تم کو ہمیشہ کوشش پر بھروسہ کرنا چاہئے۔ اتفاقات پر بھروسہ کرنا عقلمندوں کا شیوہ نہیں۔

فرائض کی انجام دہی کے لئے موزوں انسانوں کا انتخاب کرو۔

لہو ولعب و لذت گیری اور شہوت مزاجی سے بچو۔ کیونکہ یہ انسان کو گڑھے میں پھینکتی ہے۔

ہمت انسان کے سینہ میں آگ کے مانند ہے۔ جو ہمیشہ بلندی کی طرف لپکتی ہے۔

انسانی بہبودی کا بہترین ذریعہ ۔

ہمیشہ خوش رہو۔ اس لئے کہ خوش دل زیادہ عرصہ تک زندہ رہتا ہے

سست عقل والا وہ ہے جو لفظ کی صورت پر غور کرے۔ اور درست عقل والا وہ ہے جو لفظ کی حقیقت پر۔

اے دل ہمیشہ خدا کی مرضی پر اپنے کاموں کو چھوڑ دے۔

ہمیشہ حرص و طمع سے باز رہ

دُنیا حُباب ہے اور اس کے کاروبار خاکے نقش بر آب ہیں۔

موجِ تبسم

بیوی :- کھانا پکانے سے تنگ آکر جب ہماری نئی شادی ہوئی تھی تو ہم اکثر ہوٹلوں میں کھانا کھایا کرتے تھے۔

خاوند :- مگر اب آپ پہلے سے اچھا کھانا پکاتی ہیں۔

عاشق :- پیاری مجھے تمہاری محبت سے امید ہے کہ اگر میں کسی وجہ سے مرگیا تو تم بھی زہر کھاؤ گی۔

معشوقہ :- اوہو! یہ فقرہ تو آج میں آٹھویں آدمی سے سُن رہی ہوں۔

ایک بیوقوف شخص روز قبرستان جاتا اور قبروں کو لپٹتا اور پیار کرتا۔ کہتا :-

میری جان قبر۔ میری پیاری قبر تیرے صدقے۔ قبرستان کے باہر جاکر دوسرے قبروں کو دیکھتا اور روتا۔ اور واپسی میں خوب ہنسا کرتا۔

ایک دوست نے اس سے دریافت کیا۔ کہ تو یہ کیا کرتا ہے۔ کہنے لگا۔ ہو آپ نہیں سمجھتے ہیں :-

جس سے میں محبت کرتا ہوں وہ مجھ سے نفرت کرتا ہے۔ مرنے سے بچنے کی لاجواب ترکیب ہے۔

حاکم :- تم نے یہ کرسی پھینک کر کیوں ماری؟

ملزم :- حضور مجھ سے ٹیبل اُٹھ نہیں سکا۔

امیدوار ملازمت :- میں آپ کے گودام میں مال بھرنے کی خدمت چاہتا ہوں۔

مالک :- تمہیں اس کام میں تجربہ بھی ہے

امیدوار :- جی ہاں۔ میں پہلے لاری ڈرائیور تھا

ماں :- دیکھو بیٹا۔ کُتے کی دُم نہ پکڑو۔ ورنہ وہ کاٹ کھائے گا۔

بچہ :- اماں جان آپ فکر نہ کیجئے۔ کُتے کی دُم پر دانت نہیں ہیں۔

بیوی :- ننھے کے ابا اُٹھنا ذرا۔ چوہے کچھ کھٹکا رہے ہیں۔

خاوند :- تو ننھے کا ابا کیا کرے۔ کیا میں بلی ہوں۔

خط و کتابت کرتے وقت چٹ نمبر کا حوالہ دیا کریں

ہفتہ کی اہم خبریں

آل انڈیا مسلم لیگ کے دفتر واقع بلیماران دہلی میں لیگ کونسل کا ایک ضروری اجلاس مسٹر ایم۔ اے۔ جناح کی زیر صدارت منعقد ہوا۔

میٹنگ نے طویل بحث و تمحیص کے بعد رائے شماری سے طے کیا کہ آل انڈیا مسلم لیگ کا آئندہ اجلاس ۱۱ اور ۱۲ اپریل کو ایسٹر کی تعطیلات میں بمبئی میں منعقد کیا جائے۔ اجلاس کے صدر مسٹر ایم۔ اے جناح ہوں گے۔

نیشنل ٹریڈ یونین فیڈریشن کا دوسرا اجلاس ناگپور میں مزدور لیڈروں کے عدیم النظیر اجتماع میں مسٹر جمنا داس مہتہ کی صدارت میں ہوا جس میں تمام صوبجات سے لیبر لیڈر تشریف لائے ہوئے تھے۔ مسٹر مہتہ نے اپنے صدارتی ایڈریس میں فرمایا۔

سیاسی طاقت پر قبضہ کرنا ہماری حالت کے بہتر ہونے کی ایک لابدی چیز ہے۔ اور ٹریڈ یونین کو قانون کی ٹریڈ یونین ۱۹۲۶ء کی حدود کے اندر لڑائی کے سیاسی پہلو کی پورے زور شور کے ساتھ حمایت کرنا ہے۔

لارڈ ریڈنگ سابق وائسرائے ہند اس جہانِ فانی سے رحلت فرما گئے۔ گزشتہ ہفتہ ان کو ضعف کا دورہ ہو گیا سنیچر کو یہ اعلان کیا گیا کہ ان کی صحت نے اچانک تشویشناک صورت اختیار کر لی ہے۔ کل صبح یہ خبر ملی کہ ان کی حالت نازک ہے۔ اور اب یہ خبر آئی ہے کہ وہ اس جہانِ فانی کو کوچ کر گئے۔

ان کی زندگی شروع سے آخر تک جرأت آمیز مہموں سے پُر ہے۔ ذرا غور کیجئے کہ ایک لڑکا جو کہ ۱۴ سال کی عمر میں اپنے گھر سے بھاگ کر سمندر کے ساحل پر پہنچا جس نے جہاز پر نوکری کی اور اِدھر اُدھر گھومتا ہوا ہندوستان آیا۔ انگلینڈ کا ایک سرکردہ وکیل اور بلند ایسوسی ایشن کا لیڈر بن گیا۔ اس کے بعد وہ برطانی کابینہ کا وزیر بنا اور پھر لارڈ چیف جسٹس۔

جب جنگ عظیم شروع ہوئی تو ان کی اعلیٰ مدبرانہ صفات سب پر آشکارا ہو گئیں۔ ریاست ہائے متحدہ سے گفت و شنید کے نازک موقع پر انہوں نے انگلینڈ کی نمائندگی کی اور اپنے ملک سے خراج تحسین حاصل کیا۔

۱۹۲۱ء میں وہ ہندوستان کے وائسرائے مقرر ہوئے اور ۱۹۲۶ء تک اسی عہدہ پر فائز رہے۔

کرپان پر پابندی کے خلاف سر دار بہادر سردار بوٹا سنگھ ڈپٹی پریزیڈنٹ پنجاب لیجسلیٹو کونسل نے مورچہ شروع کیا جنہوں نے گوردوارے سے باہر نکلنے سے پیشتر حلف وفاداری اُٹھایا۔ آپ کی زیر سرکردگی پانچ سکھوں کا ایک جتھا گوردوارہ باؤلی صاحب سے روانہ ہوا۔ جتھے کے تمام ممبر کرپانیں باندھے ہوئے تھے۔ پولیس کی ایک زبردست جمعیت گوردوارے کے نزدیک متعین تھی جس نے گوردوارے سے نکلنے پر سردار بہادر بوٹا سنگھ کو ڈسٹرکٹ مجسٹریٹ کے حکم کی خلاف ورزی کے الزام میں گرفتار کر لیا۔

بابو راجیندر پرشاد صدر کانگریس نے ایک پبلک جلسہ میں جو کہ جنوبی ہند کے باشندوں کی نو آبادی ماٹنگا میں مسٹر کے۔ ایف۔ نریمان میئر بمبئی کارپوریشن کی صدارت میں ہوا اپنی تقریر کے دوران میں کانگریس کی موجودہ پالیسی

اور پروگرام کی زبردست حمایت کی۔ اور حاضرین سے پُر زور اپیل کی کہ وہ ملک کے مفاد کو ہر چیز پر ترجیح دیں۔

نئے سال کے آغاز کے موقعہ پر جب شہنشاہ حبش گرجا گھر میں عیسائیت کی نماز پڑھنے کے لئے گئے تو بڑے جوش کا عالم تھا۔ گرجا گھر کے اندر تل رکھنے کی گنجائش نہ تھی کیونکہ اس تقاریب کی عیسائی رعایا دور دور سے آئی ہوئی تھی۔ مسلم حبشیوں کا بھی گرجا کے باہر زبردست ہجوم تھا۔ نئے سال کی نماز پڑھنے کے بعد شہنشاہ حبش اور ان کی رعایا نے قسم کھائی کہ وہ اپنے جان و مال سے اپنے

وطن اور اپنی قوم کی حفاظت کریں گے۔ اور غیر ملکیوں کا قبضہ اپنے ملک پر نہ ہونے دیں گے۔

ہنگری کی کونسل کے صدر نے ایک آرٹیکل میں لکھا ہے کہ تعزیری پابندیوں پر اگر عمل کیا گیا تو یورپ میں جنگ چھڑ جائے گی۔

بابو راجیندر پرشاد صدر انڈین نیشنل کانگریس گجرات کا دورہ کریں گے۔ اور مہاتما جی سے بھی ملاقات کریں گے۔

اسمارا میں آباد ہندوستانیوں نے تعزیری پابندیوں کے خلاف بطور پروٹسٹ اٹلی کے خزانہ کو ۱۰ ہزار لیرا (اطالوی سکہ) اور ۲۳۵ گرام سونا دیا ہے۔

فلموں میں دَورِ شراب کے مناظر

از قلم جناب بابو لال ستحاس پاڈوی۔ ایڈیٹر "شملہ میل"

شہر میں تین سینما ہاؤس ہیں، اُن میں جو بھی نئی فلم آتی ہے اُسے میں بغور دیکھتا اور جانچتا ہوں۔ میرا یقین ہے کہ پربھات۔ رنجیت۔ امپریل اور نیو تھیٹرز کامیاب کمپنیاں ہیں اور ان کی یہ کامیابی صرف شہرت اور دولت تک ہی محدود ہے۔ کیونکہ ان کی تمام فلموں کو ہر پہلو سے بہترین نہیں کہا جا سکتا۔ ان میں بیار خوبیوں کے ساتھ چند نقائص بھی موجود ہیں۔ میں اُن نقائص پر اپنے ذاتی تجربہ کی بنا پر سلسلہ وار روشنی ڈالوں گا۔ میں مشکور ہوں گا اگر دیگر فلمی نقاد میرے اس سلسلۂ مضامین پر اپنی صائب رائے دیں گے۔ اور یہ اُن کا فلم انڈسٹری پر بھی احسانِ عظیم ہوگا میری یہ دلی خواہش ہے کہ فلم کمپنیوں کے ڈائرکٹر صاحبان میرے مضامین کو ٹھنڈے دل سے اور ہمدردی و بہتری کے خیال سے پڑھیں۔ میرے جذبات اور خیالات کو نیک نیتی اور حقیقی خلوص پر مبنی سمجھیں۔ میں صرف اصلاح کا خواہشمند ہوں۔ تخریب اور نکتہ چینی کا نہیں۔

میں سب سے پہلے "دَورِ شراب" کے زیرِ عنوان یہ ثابت کروں گا کہ فلم کے کسی سین میں دَورِ شراب کا منظر پیش کرنا مخربِ اخلاق ہے یا نہیں۔ اس حقیقت سے کوئی بھی انکار نہیں کر سکتا کہ موجودہ سماجی تہذیب شراب کے خلاف جہاد کرتی ہے۔ مذہبی احکام شراب کے خلاف ہیں۔ سینما دیکھنے والوں میں زیادہ تعداد نوجوان طلبار کی ہوتی ہے۔ ان کے نوخیز جذبات اثر بد کو فوراً قبول کر لیتے ہیں۔ بُرے مناظر اُن کے نازک ذہن پر جلد قابو پا لیتے ہیں۔ طلباء سے کچھ کر گذرنا کوئی بڑی بات نہیں ہے اگر [illegible] ہیں پرچار ماروں میں دَورِ شراب دکھلا [illegible]

ہوشاں میں بھی چار یاری کا شغل ہو سکتا ہے بشرطیکہ فلم سے اخلاق کا سُدھارنا مقصود ہونا چاہیئے نہ کہ کسی بدعت کا پھیلانا۔ بہی فلمیں بہت کم دیکھنے میں آئی ہیں کہ جن میں شراب کا پینا یا پلانا نہ دکھایا گیا ہو۔ اس امر سے نیمیل کیر کٹر بھی مستثنےٰ نہیں ہوتے۔ فلموں میں شراب کا سرُور و خمار تو دکھایا جاتا ہے مگر اس کے بد نتائج منظرِ عام پر نہیں لائے جاتے (جن فلموں میں شراب نوشی کے بُرے نتائج دکھلائے جاتے ہیں وہ اس تبصرہ سے مستثنےٰ ہیں) جہاں ایک محفلِ رنداں ہے۔ مستی کو (HAPPY MOOD) میں پیش کیا جاتا ہے۔ جس کو دیکھتے ہی دل پھڑک اُٹھتا ہے۔ یہ ایک مشہور ڈائرکٹر کا خیال ہے کہ ساقی و میخانہ کے بغیر فلم میں رعنائی و دلکشی پیدا نہیں ہوتی۔ مسرّت و شادمانی کا رنگ نہیں جمتا۔ ڈرامہ ناکام رہتا ہے اور دل حریں نہیں بہلتا۔ لیکن یہ غلط منطق ہے۔ دل کے بہلانے کا۔ ڈرامہ کی کامیابی کا۔ مسرّت و شادمانی کا۔ دلکشی و رعنائی کا کیا ساقی و میخانہ ہی ضامن ہے؟۔ کیا قدرتی مناظر جاذبِ نظر اور روح افزا نہیں ہوتے؟۔ گرہستی کے لئے شراب زہر ہے اس کے میوں کی بنیاد "پریم" پر ہے۔ پریم کا قدرت کے ساتھ اتحاد ہے۔ ان دونوں کے درمیان ایک لطیف مسرّت کی جھلک نظر آتی ہے۔ جسے ہم حقیقی راحت اور دلی سکون کہہ سکتے ہیں

اپنا چال چلن درست رکھنے کے لئے یہ لازمی ہے کہ شراب سے پرہیز کیا جائے۔ شراب خانہ خراب نحوست۔ مفلسی۔ بے کاری اور بیماری کا پیش خیمہ ہوتی ہے۔ پھر اس میں مسرّت و راحت کہاں ہے۔ شرفاء فلم انڈسٹری میں اس لئے نمایاں حصہ نہیں لیتے۔ کہ چال چلن پر دھبہ آتا ہے۔ بعض ایکٹر اور ڈائرکٹر خود شراب میں سرشار رہتے ہیں اور [illegible]

بہترین کامیاب ایکٹنگ کا الزام قرار دیتے ہیں ان کے نام تحریر نہ کروں گا۔ کیونکہ اس مضمون کا کوئی تعلق ذاتیات سے نہیں ہے۔ وہ شراب پی کر دَورِ شراب کا سین دکھا کر ہندوستانی تہذیب و تمدّن کو بدنام کر رہے ہیں۔ فیشن پرست نوجوانوں کے کاروبار کو خاک میں ملاتے ہیں۔ ہندوؤں میں شراب کو گنگا جل اور مسلمانوں میں آبِ کوثر کے نام سے مشہور کیا جاتا ہے۔ کیا ایسا کرنا خود فلم انڈسٹری کو بدنام کرنے کے مترادف نہیں ہے؟۔ بہتر و مناسب یہی ہے کہ فلم کمپنیوں کے ڈائرکٹر دَورِ شراب کے مناظر نہ دکھائیں بلکہ خدا کے واجب قدرتی مناظر پیش کیا کریں۔ تاکہ سینما دیکھنے والوں کو یک گونہ راحت و مسرّت اور فلم [illegible]

سنٹرل بنک کی سلور جوبلی

سنہ ۱۹۳۵ء میں جس قدر جوبلیاں منائی گئی ہیں شاید کسی دوسرے سال میں نہ منائی گئی ہوں۔ اس لئے اگر ۱۹۳۵ء کو جوبلی سال کہا جائے تو بجا ہوگا۔ ملک معظم کی سلور جوبلی کانگرس کی گولڈن جوبلی اور سنٹرل بنک آف انڈیا لمیٹڈ کی سلور جوبلی جو دسمبر کے آخری ہفتہ میں منائی گئی ہے۔ سنہ ۱۹۳۵ء کی جوبلیوں میں خاص طور پر قابلِ ذکر ہیں۔ کانگریس کی گولڈن جوبلی جس جوش و خروش سے ملک کے طول و عرض میں منائی گئی آپ سے پوشیدہ نہیں۔ لیکن سنٹرل بنک کی سلور جوبلی بھی اقتصادی نقطۂ نگاہ سے خاص اہمیت رکھتی ہے سنٹرل بنک کا سنگِ بنیاد ۲۴ سال قبل بمبئی کی سرزمین میں رکھا گیا تھا۔ آج یہ بنک مسلسل ترقی کر کے ہندوستان کا سب سے بڑا انڈین بنک بن گیا ہے ہر ملک و قوم کو اپنے قومی بنک پر فخر ہوتا ہے اسی طرح ہندوستان والوں کو بھی اپنے قومی بنک سنٹرل بنک پر فخر ہے۔ بنک میں پبلک کے اعتماد کا اندازہ اس امر سے بخوبی لگایا جا سکتا ہے۔ کہ سلور جوبلی کے موقعہ پر بنک میں پبلک کو پچیس کروڑ سے زیادہ روپیہ جمع ہے اور بنک کی شاخیں و ایجنسیاں اور بنک کے آفس ملک میں ہر جگہ موجود ہیں امید ہے۔ بنک کی گولڈن جوبلی کہیں اس سے بھی زیادہ شاندار طریقہ پر منانے کی۔ اور بنک نہ صرف ہندوستان بلکہ دنیا کے بڑے بڑے بنکوں میں شمار ہوگا۔

دہنردوش ابلادہ کا ایک سین

فاونٹس سنیٹون کا مشہور کھیل جو بہت جلد آرہا ہے

مسٹر کمار الہلال میں

ساگر فلم کمپنی کا مشہور کھیل جو الفنسٹن ٹاکیز میں چل رہا ہے

دلکی پیاس کا ایک سین

آغا کشمیری کا لکھا ہوا بھارت لکشمی سٹیڈیون کا مشہور کھیل جس میں کجن۔کوپر۔کمار اور ستورابی وغیرہ نے کام کیا ہے

دملیش کماری

مشہور ماہر رقص جو لکھنٔو زنانہ ہسپتال کے چیف میڈیکل آفسر کی لڑکی ہے اب سنیما میں داخل ہوگئی ہے

زرینہ خانون "بلا کی رات" میں

بلاکال ٹاکیز کے مشہور کھیل "One Fatal Night" میں لیڈنگ پارٹ کیا ھے
(مدھو بوس پروڈکشن)

Printed and Published by Dharampal Gupta at the TEJ Press Burn Bastion Road, Delhi.
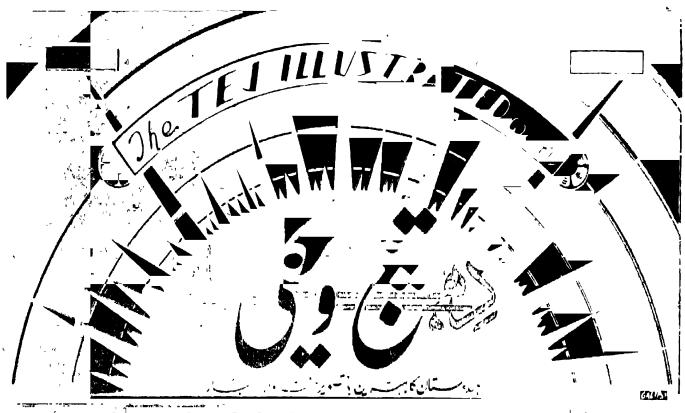
NO. 21 DELHI 21ST JAN. 1936. V. NO. 14.

پرواز کا نیا طریقہ

ہوائی جہاز کو توپ کے مدوہ پر رکھ
در اُڑا دینے کا طریقہ اسکاٹلینڈ کے
آر۔اے ایف سکول میں جاری کیا
ہے

ھفتہ کی مشھور شخصیتیں

آنریبل مسٹر سرینواس شاستری
اپنے کانگریس کے سابق امراؤں کے
طرزِ عمل کی تصویریں پیش
کی ھیں

مولانا عارف ھسوی مرحوم
جو اپنے پیچھے پچیس سال کی مسلسل
شاندار قومی خدمات کا ریکارڈ
چھوڑکر اس ھفتہ سورگباش کر
گئے ھیں

سر تیج بہادر سپرو
آپ یو۔پی کونسل کے ممبر نامزد ھونے
والے ھیں

سر کملادوی چٹوپادھیائے
آپ آل انڈیا کانگریس سوشلسٹ
کانفرنس کی صدارت فرما رھی
ھیں

مہاتما شری نارائن سوامی
آپ آریہ سماج چاوڑی بازار دھلی کے
جلسہ کے سلسلہ میں اپنشدوں کی
کتھا کر رھے ھیں

لالہ دیشبندھو سیال
جو دیکٹری اونرز ایسوسی ایشن کی
جانب سے دھلی میونسپلٹی کے بلا
مقابلہ ممبر منتخب ھوئے ھیں

مسٹر کے ایف۔ نریمان
میئر بمبئی کارپوریشن
اپنے مسٹر شاستری کی تجویز کا
خیرمقدم کیا ہے

مسٹر شاپورجی سکلات والا
مشھور کمیونسٹ لیڈر۔ حرکت
قلب بند ھوجانے سے انتقال فرماگئے

سر سید رضا علی
ایجنٹ گورنر جنرل ھند مقیم
جنوبی افریقہ
آپ کی شادی کے خلاف پروٹسٹ کیا
جارھا ہے

شہنشاہ حبش
آپ پھر صلح کی تجویز پر غور کر
رھے ھیں

بڑے بڑے بادشاہ جس نعمت سے محروم تھے اُس کا لُطف اُٹھائیے
گھر بیٹھے دُنیا بھر کی محفلوں میں شرکت - سائنس کا حیرت انگیز کرشمہ
فلکو ریڈیو مشین
JUST ARRIVED!
the NEW 1936
PHILCO
فلکو نمبر ۶۴۱
ڈی سی کرنٹ
فلکو نمبر ۶۱۱
یہ ڈی سی اور اے سی دونوں کرنٹ پر کام کرتا ہے
زمانہ گذشتہ میں بڑے بڑے بادشاہ دُنیا بھر کی دولت جن کے قدموں پر لوٹتی پھرتی تھی۔ اس نعمت سے محروم تھے۔ آپکی خوش قسمتی ہے، کہ سائنس کی ایک حیرت انگیز ایجاد نے آج وہ آپکو معمولی قیمت پر مہیا کر دی ہے، چنانچہ آپ چاہیں تو اپنے گھر میں فلکو ریڈیو کا ایک آلہ لگا کر محض بجلی کے ایک بٹن کی جنبش سے ساری دُنیا کے مختلف ملکوں کے بہترین سنگیت اور ناچ کا لُطف اُٹھا سکتے ہیں فلکو ریڈیو لگا لینے کے بعد آپ یہ محسوس کرنے لگیں گے، کہ دُنیا بھر کے بہترین گویے اور ماہر ان رقص آپ کی تفریح طبع کے لئے ہر دم حاضر رہتے ہیں۔ اور اشارہ پاتے ہی آپکے گھر میں بزم طرب گرم کر دیتے ہیں، یہی نہیں۔ اس حیرت انگیز ایجاد کی بدولت آپ تازہ ترین تجارتی اور دیگر خبریں اور اچھے اچھے لیکچر بھی سُن سکتے ہیں۔
اب نہ آپ کو ہارمونیم اور نہ گراموفون کی ضرورت اور نہ سینما تھیٹر پر روپیہ خرچ کرنے کی حاجت ساری نعمتیں آپکو گھر بیٹھے ہی میسر ہو سکتی ہیں۔
تجربہ مفت - دیکھئے اور سنئے
آج ہی نیچے لکھے پتہ پر چٹھی لکھکر یا ٹیلیفون کر کے وقت مقرر کر لیجئے۔ ہمارا نمائندہ آپکے گھر یا دفتر میں آ کر فلکو ریڈیو لگا کر سُنا دیگا۔
ایسٹرن ریڈیو اینڈ جنرل سپلائی کمپنی کناٹ پلیس نیو دھلی
پوسٹ بکس نمبر ۱۵ ٹیلیفون نمبر ۳۴۱۴
نوٹ :۔ ہمارے ہاں مقامی پروگرام سننے کے لئے سستے سیٹ بھی ہیں۔ تشریف لا کر ملاحظہ فرمائیے؛
ایجنٹس :۔
میسرز روی ورما سٹیل ورکس انبالہ کینٹ
مسٹر ایس۔ ایم سویٹ ریڈیو اینڈ مکینیکل انجنیئر منصوری
میسرز نرائن ریڈیو کمپنی حضرت گنج لکھنؤ
میسرز ورلڈ ریڈیو سروس دہرہ دون (یو۔پی)
مسٹر ایچ۔ ہوشنر الیکٹریکل اینڈ مکینیکل انجنیئر آگرہ
ال فیلڈ گیرج سول لائن جھانسی،
کشمیر ریڈیو کمپنی سری نگر کشمیر

تعریفِ شعر و شاعری

{از عکاسِ معرفت جناب پنڈت امرناتھ مدن ساحرؔ دہلوی}

(خاص نیچ ویکلی کے لئے)

تار پر زخمہ سے جب آتی ہے چوٹ
زمزمہ سے دل پہ لگ جاتی ہے چوٹ

رنگ لاتی ہے طبیعت خود بخود
جب حوادث کی وہ کھا جاتی ہے چوٹ

شیشۂ نازک ہے دل کی کیا بساط
چور ہو جاتا ہے جب آتی ہے چوٹ

دل ہی دل میں چٹکیاں لیتا ہے عشق
ہر رگ و پے میں سما جاتی ہے چوٹ

درد سے ہوتا ہے دل جب دردمند
ہر نفس میں رنگ لے آتی ہے چوٹ

درد سے جس دم نفس رنگین ہوا
ہر صدا سے دل پہ لگ جاتی ہے چوٹ

دردمندانِ محبت کے لئے
دل کو سوزِ غم سے گرماتی ہے چوٹ

جب طبیعی ہو کہیں سوز و گداز
طبعِ موزوں میں نظر آتی ہے چوٹ

سوز سے ہوتی ہے آخر سازگار
آہ کا مصدر نظر آتی ہے چوٹ

شعر کیا ہے آہ ہے یا واہ ہے
جس سے ہر دل کی ابھر آتی ہے چوٹ

شاعری ساحرؔ ہے شغلِ اہلِ دل
نغمۂ توحید بن جاتی ہے چوٹ

(رئیس نقیلم عابد علیخان مرہوی)

TELEVISION

ٹیلی وژن یا دوربینی کے امکانات

ریڈیو کی ترقی کے ساتھ ایک نئی ایجاد کی آمد

(از قلم مسٹر ایل مارسلینڈ گینڈر)

(ترجمہ: خاص برائے تیج دیکلی)

TELEVISION ٹیلی وژن

یا دوربینی سائنس کی جدید ترین ایجاد ہے جس کی بابت ... سے کوششیں کی جا رہی ہیں۔ اس ایجاد کا مطلب یہ ہے کہ انسان جس طرح ... ہزارہا میل کے فاصلہ پر پہنچا سکتا ہے بالکل اسی طرح برقی موجوں کے ذریعہ سے جو فضا میں پائی جاتی ہیں اصلی تصاویر بھی منتقل کر سکے یعنی آدمی ہم سے بہت ... فاصلہ پر ہو لیکن ہم اپنے کمرہ میں ایک سفید پردہ پر اس کا عکس دیکھ سکیں۔ مسٹر جے۔ ایل۔ بیرڈ ایک ... سائنسدان ہیں جنہوں نے اس سلسلہ میں کافی شہرت حاصل کی ہے۔ اس نے کچھ ایسی مشینیں تیار کی تھیں کہ ایک کمرے سے دوسرے کمرے میں تصویریں بغیر مرئی امداد کے پہنچا سکیں چنانچہ ایک گڑیا کا عکس ایک خاص فاصلہ پر پہنچایا گیا۔ اگرچہ یہ عکس اس قدر صاف نہ تھا اور ایک دھندلی پرچھائیں سے زیادہ معلوم نہ ہوتا تھا لیکن پھر بھی یہ امید ہو چلی تھی کہ فاصلہ پر تصاویر کا عکس منتقل کرنے اور دوربینی کا خواب کسی نہ کسی دن ضرور ہمارے سامنے کامیاب حالت میں دکھائی دیگا۔

برٹش براڈکاسٹنگ کمپنی کے ماہر انجنیروں نے اس امر کی طرف خاص توجہ دی۔ بالخصوص گذشتہ ... نامی، پی۔ ایلیز نے کئی نئی ایجادیں کیں۔ جن کے ذریعہ یہ امید کی جاسکتی ہے کہ انسان براڈکاسٹنگ کے ساتھ عکس صوری بھی منتقل کر سکے گا۔ گو ابھی تک اس طلب میں پوری کامیابی حاصل نہیں ہوئی ہے لیکن اس کی طرف سائنس دانوں نے سنجیدگی کے ساتھ غور کرنا شروع کر دیا ہے؛

سنہ ۱۹۲۹ء تک کسی سائنسدان نے اس امر کو سنجیدگی کے ساتھ تسلیم نہیں کیا تھا کہ لاسلکی (WIRELESS) کے ذریعہ انسان عکس کو حسب منشار فاصلہ پر منتقل کر سکے گا۔ لیکن اس سال برٹش براڈکاسٹنگ کمپنی کے انجنیروں اور سائنسدانوں نے ٹیلی وژن یا "دوربینی" کے عمل کے تجربات شروع کر دئے۔ اگرچہ انہیں اس باب میں بہت جلد کسی خاص نتیجہ پر پہنچنے کا امکان نظر نہیں آتا تھا؛

سنہ ۱۹۳۲ء تک تجربات کئے جاتے رہے اور چھوٹی تصویروں کو لاسلکی کے ذریعہ فاصلہ بعید پر منتقل کرنے کی کوشش ہوتی رہی۔ چار انچ چوڑی اور ۹ انچ لمبی تصویریں عکس سے زیادہ کسی طرح بھی منتقل نہیں کی جاسکیں۔ اور یہ مختصر تصویریں بھی اس قدر مدھم اور خراب ہوتی تھیں کہ کسی طرح بھی پہچان نہیں ہو سکتی تھی کہ کس چیز کی اور کس حالت کی تصویر ہے؛

(باقی اگلے صفحہ پر)

ٹیلی وژن یا دُوربینی کے امکانات

(پچھلے صفحہ سے)

برٹش براڈکاسٹنگ کمپنی کے لوگ تو ابھی اپنی علمی تحقیقات اور تجربہ میں لگے ہوئے ہی تھے کہ جرمنی۔ امریکہ اور برطانیہ کے بہت سے سائنسدانوں اور شوقین لوگوں نے اس معاملہ میں پوری تندہی سے کام شروع کر دیا۔ اور اپنی اپنی جگہ ایسی مشینیں بنانے کی کوششیں کی جاتی رہیں۔ بجائے مشین کے بجلی کی شعاعوں کو عکس کے منتقل کرنے کا ذریعہ بنایا گیا اور ۱۹۲۶ء کے بعد سے اس وقت تک جو کامیابی ٹیلی وژن کے معاملہ میں ہو چکی ہے وہ زیادہ تر برطانوی سائنسدانوں کی مرہون منت ہے۔ چنانچہ لندن کے شمال میں ایک قدیم تاریخی علاقہ کے میدان میں برٹش براڈکاسٹنگ کمپنی کے زیر اہتمام ٹیلی وژن یا دُوربینی کا ایک عظیم الشان اسٹیشن زیر تعمیر ہے جہاں جدید آلات اور مشینیں بہت سرعت کے ساتھ نصب کی جا رہی ہیں اور یہ خیال ہے کہ چند ہی سال میں انسان لاکھوں میل کے فاصلے سے ایک دوسرے کی شکل دیکھ سکے گا۔

خیال ہے کہ اب گھر میں ریڈیو سیٹ کے اوپر ایک پردہ لٹکا دیا جائے گا جو سینما کے پردہ کی طرح کا ہوگا۔ بالکل اسی پیمائش کا اور بارہ انچ لمبی اور ۹ انچ چوڑی تصویر کا عکس لاسلکی کے ذریعہ آپ کے گھر میں منتقل کیا جا سکے گا۔

عکس کے منتقل کرنے کے لئے سیلولائیڈ کے لمبے لمبے فیتے اسی طرح منتقل کئے جائیں گے جس طرح بجلی کی مشین کے ذریعہ سینما کی تصویریں ایک خاص حد سے دوسری حد تک سینما ہال میں پہونچائی جاتی ہیں۔ اگر ریڈیو کے ذریعہ دوربینی کامیاب ہو گئی۔ تو پھر بھی آلات مزید اضافوں کے ساتھ ٹیلی فون میں بھی نصب کر دئے جائیں گے۔ اور ایک خاص گلاس کی سطح پر ہم اس شخص کا فوٹو بھی دیکھ لیا کریں گے اور بات کرتے وقت اس کی تمام حرکات کا بھی معائنہ کر لیا کریں گے جو بولنے والا شخص آپ سے کر رہا ہوگا، آپ کی تصویر اور حرکات بھی اسی طرح دوسری طرف منتقل ہو جایا کریں گی۔ لیکن یہ نہیں سمجھنا چاہیئے کہ تصویروں کا سائز صرف اتنا ہی رہے گا۔ اگر کوشش کی گئی تو عکس بڑا کرنے والے شیشے مشینوں کے آگے لگا کر ہم بڑی تصویریں بھی صفائی اور خوبصورتی کے ساتھ اپنے گھر کے پردہ پر منتقل ہوتی دیکھ لیا کریں گے۔

لیکن اگر ہر ریڈیو سیٹ کے ساتھ دو فٹ چوڑا سفید پردہ لگا ہو تو کیسے تو معمولی ریڈیو پروگرام کے معاملات کو عکس کی صورت میں منتقل کرنے کے لئے بھی فی الحال کافی ہوگا اور کوئی دقت عکس کے پھینکنے میں محسوس نہیں ہوگی۔

سب سے بڑا مسئلہ تو یہ ہے کہ جو تصویریں ہم منتقل کریں وہ بہت صاف ہوں۔ آسانی کے ساتھ منتقل ہو جائیں۔ جلدی ہوں اور یہ آلات مہنگے نہ ہوں۔ تا کہ ہر شخص ان سے پورا فائدہ اٹھا سکے۔

میرا خیال ہے کہ یہ کامیابی پانچ سال کے اندر یا شاید اس سے کم عرصہ میں ہو جائے گی۔

مسٹر جیرالڈ کاک (بی بی سی برٹش براڈکاسٹنگ کمپنی) کے ٹیلی وژن کے ڈائرکٹر صاحب کا خیال ہے کہ شروع شروع میں ۲ منٹ سے ۲۰ منٹ تک کا پروگرام ٹیلی وژن کے لئے رکھا جائے گا۔ اور ریڈیو کے پروگرام کے ساتھ اس کے حصے جوڑ دیا جایا کریں گے۔ نیز یہ امر بھی قابل لحاظ ہے کہ ٹیلی وژن کو سینما کی صنعت کا مد مقابل نہیں بنایا جائے گا۔ اور نہ یہ یقین ہے کہ مادی و تفریحی پہلو سے ٹیلی وژن کبھی بھی فلم کی صنعت کی جگہ ایک مد مقابل کی صورت اختیار کر سکے گا۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ بہت سے اہم پردہ تصویر پر دکھا دیا جایا کریں گے۔ گھر بیٹھے آپ دیکھ لیں گے کہ لندن کے بازاروں میں آج کل کیسی رونق ہے۔ کون کون لوگ کسی خاص کانفرنس میں شریک ہیں۔ موٹروں اور کپڑوں اور گھر کی چیزوں کے نمونے، نئے فیشن کی چیزیں۔ ہوائی جہازوں کی تصویریں غرض ہر جنس فلمی فیتے کے ذریعہ ٹیلی وژن کے آلہ میں آپ کے گھر میں آنکھوں کے سامنے آ جائے گی۔ اور آپ کو کہیں جانے کی ضرورت نہ ہوگی۔ ان چیزوں کی بابت ماہران صنعت و تجارت پوری تفصیلات آپ کو ریڈیو میں سنا دیں گے۔

رہ گیا ہندوستان کا معاملہ تو اس کی بابت ابھی کچھ کہنا قبل از وقت ہے۔ ابھی تک ہندوستان میں ریڈیو ہی کافی ترقی حاصل کرنے نہیں پایا ہے اس لئے ٹیلی وژن کی بابت کوئی رائے قائم کرنی قبل از وقت ہے۔ البتہ یہ ضرور ہے کہ اگر ریڈیو ترقی کر گیا تو اس کے ساتھ ٹیلی وژن بھی ترقی کر جائے گا۔ اور جونہی انگلستان میں ٹیلی وژن نے کامیابی اور مقبولیت حاصل کی تھوڑے عرصے بعد ہندوستان بھی اس سے فائدہ اٹھانے لگے گا۔

لیکن برٹش براڈکاسٹنگ کمپنی کے لئے ٹیلی وژن کا معاملہ بہت زیادہ صرفہ کا باعث بن رہا ہے ۱۹۳۶ء کے آخر تک کے لئے اس کام کے واسطے یعنی اسٹیشن بنانے۔ دیگر آلات اور مشینیں تیار کرنے۔ نیز جملہ اسباب وامور کے لئے کمپنی نے (۱۸۰۰۰۰) پونڈ خرچ کر دئے ہیں لیکن معلوم ہوا ہے کہ یہ رقم بالکل ناکافی ہے اور مزید رقم کی ضرورت لاحق ہوگی۔

لندن میں فی الحال جو اسٹیشن بنایا گیا ہے وہ چونکہ مختصر لہر کے ذریعہ کام کرے گا اس لئے صرف ۲۵ میل کے دائرے تک اپنا کمال دکھا سکتا ہے۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ ہر آبادی کے لئے ٹیلی وژن کا اپنا اسٹیشن بنانا پڑے گا جہاں تصویریں منتقل کرنے کا آلہ بھی نصب ہوگا۔ لیکن تمام سلطنت برطانیہ کے لئے ایک ترتیب وار انتظام کرنا، کہ ہر جگہ کی تصویریں ہر جگہ پہنچ سکیں۔ ابھی تک بہت دشوار و محال معلوم ہوتا ہے اگر بمبئی میں ہی کوئی ایسا اسٹیشن قائم کیا گیا تو معمولی بات ہے کہ (۲۵۰۰۰۰) پونڈ صرف آ جائیں اور تمام سلطنت برطانیہ کو ٹیلی وژن کے جال میں منسلک کرنے کے لئے تو کروڑوں روپے کی ضرورت پڑے گی۔ بصورت ناممکن ہی نظر آتی ہے۔

اس میں کوئی شک نہیں کہ لندن کا اسٹیشن ۲۵ میل کے فاصلے سے زیادہ تصویریں منتقل نہ کر سکے گا۔ لیکن یہ ابتدائی حالت ہوگی ایسی مثالیں موجود ہیں کہ لندن میں بیٹھ کر تمام دنیا میں ٹیلی وژن کے ذریعہ تصویریں منتقل کر کے دیکھ لی گئیں۔ امریکہ سے لندن تک کئی بار ٹیلی وژن کا کامیاب تجربہ کیا گیا لیکن یہ بہت معمولی تجربے ہیں اور صرف شوقینوں کی شوقینی کی حد تک محدود ہیں۔ اگر عملی طور پر دیکھا جائے تو اس چیز کو ایک کامیاب نظام کے ماتحت لانے کے لئے بہت سی مشکلات حائل ہیں۔ لندن سے دہلی یا شملہ یا بمبئی کلکتہ تک ٹیلی وژن کو وسیع کرنے کی سکیم سر دست بہت ہی خطیر اور عظیم خرچ کی ذمہ دار ہوگی۔ چونکہ ٹیلی وژن ابھی تک تجربے کی منزل سے آگے نہیں بڑھ سکی ہے اس وجہ سے یہ سب مشکلات پیش آ رہی ہیں لیکن جوں ہی نئے تجربے کامیاب ہوئے اور ایسی سکیمیں بنائی گئیں جو خرچ کم کرنے کے ساتھ ساتھ ٹیلی وژن اور براڈکاسٹنگ کو وابستہ کر دیں تو پھر ہندوستان بھی اس زمرہ میں شریک ہو سکے گا۔ اور ہندوستان ہی کیا تمام دنیا کے مابین ایک ایسا سلسلہ اور رابطہ قائم ہو جائے گا کہ جب کبھی ضرورت ہو "زمان و مکان" کی قید کو توڑ کر انسان فطرت کے رازوں اور ایسی چیزوں پر قابو پا لے جن پر دسترس پانا کسی زمانے میں ناممکن سمجھا جاتا تھا۔

تیج کی دہلی

مورخہ ۱۴ جنوری ۱۹۳۶ء منگلوار

سائنس کی توہین

دنیا کے اخلاق پر جدید ترقی کا اثر

کچھ عرصہ ہوا کہ صوبہ بنگال میں قتل کا ایک مشہور واقعہ اور مقدمہ پاکر راج کیس کے نام سے منسوب ہوا تھا۔ کلکتہ ہائی کورٹ کے دو فاضل جج یعنی جسٹس لارٹ ولیمس اور جسٹس نسیم علی نے ملزموں کی اپیل خارج کر کے اپنا آخری فیصلہ سُنا دیا ہے۔ قانونی حلقوں میں بھی یہ بات تسلیم کر لی گئی ہے کہ جہاں تک حافظہ سے کام لیا جا سکتا ہے ایسا سنگین اور حیرت انگیز مقدمہ ہندوستان میں کبھی نہیں ہوا تھا جس میں ایک شخص کو قتل کرنے کے لئے سائنس کی جدید ترین تحقیقات سے کام لیا گیا ہو۔ ہمارے ایک معاصر نے اس فیصلہ پر ایک تبصرہ بھی کیا ہے جس میں کلکتہ ہائی کورٹ کے فاضل ججوں کی رائے سے اس امر پر اتفاق کا اظہار کیا گیا ہے کہ ایسے افعال سائنس کے ذلیل ترین مصرف اور توہین کے مترادف ہیں۔ مقدمہ کے حالات مختصر لفظوں میں یہ ہیں کہ پاکر راج کی جائداد حاصل کرنے کے لئے ایک بڑے بھائی نے اپنے چھوٹے بھائی کے خلاف ایک ڈاکٹر کے ساتھ سازش کی۔ ڈاکٹر مذکور نے اپنی انتہائی شیطانی فطرت اور ذہنیت کو کام میں لاتے ہوئے بمبئی کی ایک سائینٹفک تجربہ گاہ سے پلیگ جیسے مہلک مرض کے جراثیم حاصل کئے ان جراثیم کو مہینوں تک زندہ رکھا اور موقعہ پاکر جس وقت مقتول کلکتہ سے باہر جا رہا تھا ہوڑہ اسٹیشن پر وہ جراثیم انجکشن کے ذریعہ اس کی گردن میں داخل کر دئے اس ڈاکٹر نے اور اس کی امداد سے مقتول کے بڑے بھائی نے سائنس کو جس طرح دنیا کے سامنے ذلیل اور رُسوا کیا ہے۔ اس سے ہمارے خیالات دفعتاً مغربی ممالک کے سائنس دانوں کی ان جدید ترین تحقیقاتوں کی طرف منتقل ہو جاتے ہیں جو آج کل اس دریافت میں مشغول ہیں کہ انسانوں کی بڑی سے بڑی آبادی کو کیونکر زہریلی گیس اور مہلک جراثیم کے ذریعہ قتل کیا جا سکتا ہے اسی کے ساتھ ساتھ ہمارے دائرہ خیال میں یہ بات بھی آ جاتی ہے کہ اگرچہ یہ واقعہ ہندوستان کے لئے بالکل نیا ہے مگر یورپ اور امریکہ میں اکثر ایسے واقعات ہوتے رہتے ہیں جن میں جرائم پیشہ اشخاص نے اپنے بدترین اور سیاہ ترین افعال کے لئے سائنس سے مصرف لیا ہو۔ اگر اس کا ثبوت درکار ہو تو مغربی ممالک کے اخبارات پر نظر ڈالنی چاہئیے۔ ہر اخبار میں دو چار واقعات ایسے مل جائیں گے جن میں چوری، نقب زنی، یا قتل کے سلسلہ میں سائنس کی توہین کی گئی ہو۔

لیکن ایسے واقعات کو ہم زیادہ سے زیادہ "انفرادی" واقعات کہہ سکتے ہیں۔ کیونکہ ان میں ایک یا چند آدمی دوسرے کسی کو نقصان پہنچانے یا قتل کرنے کے لئے سائینٹفک معلومات سے کام لیتے ہیں، لیکن ذرا غور کیجئے کہ قتل و غارت اور تباہ کاری و بربادی کی اس اجتماعی ذہنیت کو کیا کہا جائے جس کے ذریعہ ایک قوم دوسری قوم کو ہلاک کرنے کے لئے سائنس کی جدید ترین تحقیقاتوں سے مصرف لیتی ہے۔ کیا ان حالات کو دیکھ کر ہم اس نتیجہ پر پہنچنے پر حق بجانب نہیں ہیں کہ موجودہ سائنس نے دنیا کے اخلاقیات پر بُرا اثر کیا ہے۔ اور قتل ہلاکت آفرینی کے اس آلہ کو قابو میں کر کے انسان نے انسانی ہمدردی اور شدھ حانیت کو خیرباد کہہ دیا ہے؟ ہمارے کہنے کا یہ مقصد نہیں ہے کہ سائنس کی جدید ترین تحقیقاتیں سراسر مفسد ثابت ہو رہی ہیں۔ کون نہیں جانتا ہے کہ انسان کی زندگی، آرام و آسائش، امراض کے علاج، نقل و حرکت کی آسانیاں، اور ہزاروں طرح کے مختلف فائدے سائنس کے مفید ترین کارنامے ہیں۔ مگر ہمیں افسوس اس بات کا ہے کہ یورپ اس وقت جس ذہنیت میں مبتلا ہے اُس سے تو یہی معلوم ہوتا ہے کہ سائنس سے تعمیر کی بجائے تخریب کا کام لیا جا رہا ہے۔ اور ان قوموں کا عام اخلاق اتنا پست ہو گیا ہے کہ ان کی جدید ترین سائنٹفک تحقیقاتیں جو ہمیشہ نوع انسان کو بہترین فائدہ پہنچا سکتی تھیں۔ خود انہیں کی ہلاکت کا باعث بنی جا رہی ہیں۔

آئینۂ خیال

پٹنہ یونیورسٹی اور ہریجن ادھار

صوبہ بہار کی ہریجن لیگ کو پٹنہ یونیورسٹی کے رجسٹرار کا ایک مراسلہ موصول ہوا ہے جس کے ذریعہ لیگ کو یہ اطلاع دی گئی ہے کہ پٹنہ یونیورسٹی کی سینیٹ نے پانچ سو روپیہ کی رقم اس مقصد کے لئے عطا کی ہے کہ اس سے نیچ جاتیوں اور اچھوتوں کے اُن لڑکوں کے امتحانات کی فیس ادا کی جائے جو غربت کے باعث اپنی فیس خود ادا کرنے کے لائق نہیں ہیں۔ امیدواروں سے درخواستیں طلب کی گئی ہیں تاکہ وہ اپنے اپنے اسکولوں یا داروں کے افسر کے ذریعہ اس رعایت سے فائدہ اٹھائیں۔ ہم یہ نہیں جانتے کہ صوبہ بہار میں کتنے ایسے ہریجن طلباء ہیں جو یونیورسٹی کے امتحانات میں شریک ہونے والے ہیں تاکہ یہ اندازہ لگایا جا سکے کہ یہ رقم کافی ہے یا ضرورت سے کم ہے لیکن ہم پٹنہ یونیورسٹی کے اس عمل کو نہایت مستحسن سمجھتے ہیں اور امید کرتے ہیں کہ ہندوستان کی دیگر یونیورسٹیاں اور تعلیمی ادارے بھی ہریجن ادھار میں اسی طرح حصہ لیں گی اور اس مثال کی پیروی کرینگی!

آواز کا اثر انسانی زندگی پر

امریکن میڈیکل ایسوسی ایشن نے یہ اعلان شائع کیا ہے کہ انسانی صحت اور حیات کو ترقی دینے کے لئے ماہرین سائنس جو کوشش کر رہے ہیں اُس میں زور و شور کی آوازیں سخت ترین رکاوٹیں ثابت ہو رہی ہیں اور چیخنے والے بچے، شور و غل سے بھرے ہوئے گلی کوچے، ہارن بجانے والی موٹریں، اور پہیوں سے آواز پیدا کرنے والی گاڑیاں رفتہ رفتہ انسانوں پر عرصۂ حیات تنگ کر رہی ہیں۔ اس دعوے کے ثبوت میں یہ کہا گیا ہے کہ عمر طبعی کو بڑھانے کے لئے یہ ضرور ہے کہ انسان اپنے دماغ اور احساسات کو محفوظ رکھے۔ اور چونکہ شور و غل لوگوں کے دماغ اور احساسات کو تباہ کر دیتے ہیں اس لئے اُن کی عمر گھٹ جاتی ہے اس میں کوئی شک نہیں کہ نیویارک۔ لندن۔ پیرس۔ بمبئی۔ دہلی وغیرہ جیسے بڑے اور کاروباری شہروں میں شور و غل بہت زیادہ ہوتا ہے اور ان آوازوں کی زیادتی کے باعث انسان کا دماغ ایک خاص قسم کا انتشار اور تھکاوٹ محسوس کرتا ہے لیکن فرق یہ ہے کہ مغربی ممالک کے شہروں میں "آواز" کی مقدار کم کرنے کے ذرائع پیدا کئے جا رہے ہیں۔ اور ہندوستان میں جہاں عام مہلک بیماریوں ہی کا علاج ناکافی ہے، وہاں کے شہروں میں آواز

کی وبا اب بھی کیونکر کم کی جا سکتی ہے؟

مسئلہ بیکاری کی طرف جلد توجہ کی جائے!

صوبجات متحدہ (یو۔پی) میں ایک مسئلہ بیکاری کی تحقیقات اور اس پر رپورٹ کرنے کے لئے ایک کمیٹی بنائی گئی تھی جس کی صدارت سر تیج بہادر سپرو کو دی گئی تھی۔ کمیٹی مذکور نے جو سفارشات کی ہیں اُن میں بعض چیزیں بیکاری کو دُور کرنے کے سلسلہ میں بڑی اہمیت رکھتی ہیں۔ مثلاً یہ کہا گیا ہے کہ دیہاتوں میں عام ابتدائی تعلیم جاری ہونی چاہئیے۔ ثانوی تعلیم اپنی حدود میں مکمل ہونی چاہئیے اور یونیورسٹی کی تعلیم میں پیشہ اور صنعت کو داخل کرنا چاہئیے تعلیمی سسٹم میں اصلاحات کے ساتھ ساتھ زراعت اور دستکاری کو ترقی دینے کی سفارش بھی کی گئی ہے اور حکومت کی توجہ اس اہم ترین معاملہ کی طرف مبذول کی گئی ہے کہ اگر ملک کے ذرائع کو ترقی دینے، تعلیمی سسٹم کی از سر نو تنظیم کرنے اور صنعت و حرفت کی اسپرٹ کی حوصلہ افزائی کرنے کے لئے حکومت مزید رقمیں خرچ کرنے کو تیار ہے تو ملک کی عام بیکاری بڑی حد تک دُور کی جا سکتی ہے۔ کمیٹی نے تو اپنی تجویزیں پیش کر دی ہیں، اب دیکھنا یہ ہے کہ حکومت اس مسئلہ بیکاری کی طرف جلد توجہ دیتی ہے یا اس رپورٹ کو بھی طاق نسیاں کے سپرد کر دیتی ہے؟

مولینا عارف ہسوی مرحوم

ہندوستان کے قوم پرست حلقہ کو مولینا عارف ہسوی کی وفات حسرت آیات سے جو نقصان پہنچا ہے اُس کا اعادہ ہم کرنا نہیں چاہتے۔ بھارت ماتا کے وہ ایسے سچے سپوت، وطن کے وہ ایسے فدائی، قوم کے وہ ایسے خادم اور ہندو مسلم اتحاد کے وہ ایسے زبردست حامی تھے کہ انہوں نے جو جگہ خالی کی ہے اُسے پُر کرنے کی کوئی صورت نہیں ہے۔ ان اوصاف کے علاوہ ہم یہ کہنا چاہتے ہیں کہ وہ ایک نہایت مخلص دوست، نہایت ہمدرد انسان اور صف اوّل کے ادیب بھی تھے۔ افسوس کہ ملک اُن کی گرانقدر خدمات سے محروم ہو گیا۔ ہم دعا کرتے ہیں کہ خدا اُن کو جوار رحمت میں جگہ دے اور پسماندگان کو صبر عطا فرمائے۔

خط و کتابت کرتے وقت چٹ نمبر کا حوالہ ضرور دیں۔

مسٹر جیٹ کیپ نے لکھنؤ میں تقریر کرتے ہوئے کہا ہے کہ جدید آئین کو عملی جامہ پہنانے سے گریز نہیں کیا جاسکتا! کیونکہ اگر ایسا کیا جائے گا تو دوسرے لوگ اسے ضرور چلائیں گے

اور وہ دوسرے لوگ کون ہوں گے ؟

خود برل حضرات!

بمبئی کا اینگلو انڈین معاصر لکھتا ہے کہ اس جنگ میں حبش کی طرف سے خوش قسمتی برسر پیکار ہے!

برطانیہ نے چونکہ ساتھ نہیں دیا ہے اس لئے قدرت کو اتفاق سے یہ موقعہ ہاتھ آگیا ہے۔

روما کے پوپ نے ایک پادری کو لکھا ہے کہ جنگ ایک احمقانہ اور ناجائز عمل ہے۔

مسولینی کو بھی اس سے اتفاق ہوگا مگر کچھ صرف اعتراف کی ہے ؟

پھر پوپ ہی کہتے ہیں کہ جنگ صرف اس حالت میں جائز ہو سکتی ہے جب کوئی بیرونی طاقت کسی ملک پر نامنصفانہ حملہ کرے ؟

بے شک حبش ہی نے تو اطالیہ پر جارحانہ اور نامنصفانہ حملہ کر دیا ہے!

مسولینی بیچارا کس قدر مظلوم ہے!

جاپان کا اعلان ہے کہ "بحری کانفرنس" کے سلسلہ کی گفت وشنید سے وہ علیحدہ ہونا نہیں چاہتے۔

تاوقتیکہ گفت وشنید، گفت وشنید کی حد تک ہے اور قیامت تک جاری رہے!

ڈاکٹر پرنجپائی لکھتے ہیں کہ چونکہ ہندوستان کی سوشل زندگی میں مذہب کا زیادہ حصہ ہے اس لئے سوشل خرابی کی اصلاح مزید مذہبی ذہنیت سے نہیں بلکہ غیر مذہبی ذہنیت سے ہو سکتی ہے۔

معلوم نہیں ڈاکٹر امبیدکر اس کا کیا جواب دیں گے؟ وہ تو ایسے مذہب کی تلاش میں ہے جس سے زیادہ منافع حاصل ہو سکے ؟

ایک اطالوی اخبار کہتا ہے کہ حبشیوں کے خلاف بےپناہ جنگ کرنی چاہیئے اور سائنس کو پوری مدد دینی چاہیئے۔

کیا جنیوا کونسل سے تعلق ہے کہ اطالوی حبشیوں کے خلاف یہی طریق عمل اختیار کیا جائے!

ہفتہ جنگ

۱۰ جنوری ۱۹۳۶ء

غوربئی کے مغرب میں تقریباً ۶ میل کے فاصلہ پر لڑائی میں حبشیوں نے اٹلی کی فوج سے ۷ ٹینک، ۸ مشین گنیں اور بہت سا گولہ بارود چھین لیا۔ ایسا عیاں ہوتا ہے کہ حبش میں اٹلی کا حملہ ناکام ثابت ہوا ہے حبش میں اٹلی کی فوج کی پوزیشن بد سے بدتر ہو گئی ہے۔ جبکہ اٹلی کے کمانڈر مارشل بداگ لیو نے ۸ ہزار سپاہیوں کی کمک بھیجی۔ اٹلی کے ۶ ہزار سپاہی یوگوسلاویا میں پناہ لینے کے لئے گئے ہیں ؟

۱۱ جنوری ۱۹۳۶ء

اریٹریا کی سرحد پر اٹلی کے ہوائی جہازوں نے پرواز کیا اور حبش کے فوجی دستوں کو بھگا دیا جو کہ کوہ امبا ارادم پر جمع ہو گئے تھے۔

ڈولو کے قریب زبردست جنگ ہوئی جس میں فریقین کے بہت سے سپاہی ہلاک اور مجروح ہو گئے۔ اٹلی کی فوجیں کئی میل آگے تک بڑھ گئیں۔ اور راس ڈستا کی درخواست پر ۲۵ ہزار سپاہی حبشی فوج کی کمک کے لئے بھیجے گئے

۱۲ جنوری ۱۹۳۶ء

جنگ کے متعلق اٹلی کے رویہ میں نمایاں تبدیلی ہوئی۔ لیکن اب سوال یہ ہے کہ صلح کی گفت وشنید کی ابتدا کون کرے۔ فرانس اور برطانیہ ایسا نہیں کر سکتے۔ اور اٹلی اور حبش کی جانب سے بھی کوئی ابتدا نہیں کی جاسکتی۔ گرانڈ فسسٹ کونسل کی میٹنگ ۱۸ ماہ حال سے یکم فروری کے لئے اس غرض سے ملتوی کر دی گئی تاکہ برن الاثری حبش اور اٹلی کے تنازعہ کے بارے میں برطانی اور فرانسیسی نمائندوں سے صلح کی گفت وشنید کے بارے میں تبادلہ خیال کر سکیں ؟

۱۳ جنوری ۱۹۳۶ء

ریش گورنمنٹ (یعنی حکومت جرمنی) نے برطانی حکام کو مطلع کیا۔ کہ فرانس نے ہوائی جہاز کے پرزوں سے بھرا ہوا ایک جہاز ہیمبرگ کے راستے سے اٹلی کو بھیجا ہے ؟

۱۴ جنوری ۱۹۳۶ء

آئندہ ہفتہ لیگ کونسل کے اجلاس میں اٹلی کو جانے والے پٹرول پر پابندی لگانے کے سوال کے ساتھ ساتھ یورپ کی راجدھانیوں میں حبش کے ساتھ اٹلی کی جنگ کو ختم کرانے کی کوشش کرنے کی افواہ گرم ہے۔ جنگ کو دوچلا پر شامل اور اس کے ساتھ اٹلی کی ناکامی کے آثار کو مدنظر رکھتے ہوئے جنگی مبصروں کا یہ خیال ہو گیا ہے کہ اس مرتبہ صلح کی جو تجویزیں پیش کی جائیں گی سائنور مسولینی ان کو نہیں ٹھکرائیں گے۔ لیکن اس بارے میں اتفاق رائے نہیں ہے کہ صلح کرانے کے فرائض کون انجام دے گا ؟

۱۵ جنوری ۱۹۳۶ء

۲۰ جنوری کو جنیوا میں لیگ کونسل کا اجلاس ہوگا۔ بہت ممکن ہے کہ اٹلی اس میں شریک نہ ہو۔ بااختیار حلقوں کی رائے ہے کہ یہ معاملہ اٹلی کے زیر غور ہے اور ابھی تک کوئی فیصلہ نہیں ہوا ہے۔ سائنور مسولینی کا لڑکا ایک ہوائی حادثہ میں بال بال بچ گیا۔ جنوبی مورچہ پر اٹلی کی فوج نے راس ڈستا کے زیر کمان حبشی فوجوں پر حملہ شروع کر دیا۔ اور حبشی فوجوں کو بھگا دیا۔ جنرل گرزیانی کی فوج بڑھ کر ۵ ہزار کر دی گئی۔ صمالی لینڈ کے ساحل پر بارش شروع ہو گئی ہے ؟

۱۶ جنوری ۱۹۳۶ء

۴۰ اشخاص ہلاک اور ۵۰ مجروح ہو گئے جبکہ جیل اشنگی اور ڈیسی کے درمیان۔ شیخ حالدیا میں برطانی میجر برگونا کے زیر کمان ایک ریڈ کراس ایمبولنس پر اٹلی کے ہوائی جہازوں نے بم برسائے۔ بمباری ایک گھنٹہ تک جاری رہی۔ آگ لگانے والے بم اور تین سو زنی چھ سو بم برسائے گئے۔ جو اشخاص ہلاک ہوئے ہیں ان میں بوڑھے۔ عورتیں اور بچے شامل تھے۔ ابھی تک یہ نہیں معلوم ہو سکا آیا یونٹ میں میجر برگونا کے علاوہ اور بھی برطانی ممبر شامل تھے۔ میجر کا خیمہ برباد ہو گیا اور سامان کو زبردست نقصان پہنچا۔

یہ بہت ممکن ہے کہ ریڈ کراس کے متعلق قوانین کی خلاف ورزی کرنے کے مسئلہ پر جنیوا میں لیگ کونسل کے اجلاس میں غور ہو ؟

چٹ پٹاں

عدیس ابابا کی خبر:۔

"حبش کی فوج نے مکالے میں داخل ہو کر اس شہر پر قبضہ کر لیا ہے "

روما کی خبر:۔

"سرکاری طور پر اس سے انکار کیا جاتا ہے کہ حبشیوں نے مکالے کو دوبارہ فتح کر لیا ہے "

ہندوستانی اخبار کا عاقل ایڈیٹر:۔

"ناقابل تردید شہادت کی بناء پر یہ کہا جاسکتا ہے کہ حبشیوں نے مکالے پر پھر قبضہ کر لیا ہے ؟

اٹلی کا ایک مسلمان اخبار لکھتا ہے:۔

"اٹلی کا فرض ہے کہ وہ غلاموں کی تجارت کرنے والی قوم کا قلع قمع کر دے "

لیکن دوسروں کو غلام بنانے والی قوم کے لئے بھی کوئی نسخہ تجویز ہونا چاہیئے ؟

مسٹر فیضی نے کہا ہے کہ ہندوستان میں اخبار نویسوں کے ساتھ جرائم پیشہ فرقوں کا سا سلوک کیا جاتا ہے

ہم اسے تسلیم کر لیتے مگر ڈر یہ ہے کہ جرائم پیشہ فرقوں کو اس پر اعتراض ہوگا ؟

ایک معاصر لکھتا ہے کہ ہندوستان کے عجائب خانے بُری حالت میں رکھے جاتے ہیں۔

اور ہمارا خیال ہے کہ بہت سے وہ عجیب الخلقت لوگ جو آئندہ نسلوں کے اضافۂ معلومات کے لئے شیشہ کی الماریوں میں رکھے جانے کے لائق ہیں۔ موٹروں میں پھرے پھرتے ہیں ؟

بمبئی کا اینگلو انڈین اخبار سوال کرتا ہے کہ حکومت ہند کو آئندہ سال میں تین کروڑ روپیہ کی جو بچت کی توقع ہے، اسے وہ کس کام میں خرچ کرے گی ؟

گھبرانے کی کوئی بات نہیں۔ غالباً جدید آئین کی جدید ملازمتیں اس رقم کی حقدار سمجھی جاسکتی ہیں ؟

حکومت مدراس نے جدید اصلاحات کی ترقی کے لئے پانچ لاکھ روپیہ کی جو رقم منظور کی ہے اس میں سے ۵۰ لاکھ روپیہ گونڈی کے گورنمنٹ ہاؤس کی مرمت اور بہتری کے لئے خرچ کیا جائے گا۔

باقی رقم اگر گھوڑ دوڑ کے میدان کی درستگی اور بہتری کے لئے خرچ کر دی جائے تو کیا مضائقہ ہے ؟

مغربی قومیں اپنے جدید تمدن کے بارے اس لئے دبی ہوئی ہیں کہ اُن پر ایک دوسرے کے خوف کا بھوت سوار ہے

نہرِ سوئز کی بین الاقوامی حیثیت

دُنیا کی بڑی بڑی طاقتوں کے لئے ”طلائی خندق“ کی سیاسی اہمیت

ترجمہ: خاص برائے ”تیج ویکلی“

{از قلم مسٹر ایف، جے، ماکن}

(حبش اور اطالیہ کی جنگ کے باعث نہر سوئز کا مسئلہ تمام قوموں کے سامنے آگیا ہے، اس وقت اس کی تاریخ، تعمیرات اور انتظام کا حال ناظرین کے لئے دلچسپی کا باعث ہوگا۔ ایڈیٹر)

افریقہ کو ہم پر جانے والے اطالوی جہاز جب سپاہیوں، سامان رسد اور اسلحے سے لدے ہوئے نہر سوئز میں داخل ہونے کی کوشش کرتے ہیں تو یکا یک اُن کی رفتار ہلکی پڑ جاتی ہے۔ نہر سوئز کے دہانہ پر انہیں لنگر انداز ہونا پڑتا ہے۔ افریقہ جانے والے اطالوی سپاہی اس بین الاقوامی پانی کے متعلق سوچنا شروع کر دیتے ہیں۔ نہر سوئز کو دنیا کی سیاست میں ایک بہت بڑا دخل حاصل ہے۔ خود لیگ اقوام میں یہ امر بھی زیر بحث آچکا ہے کہ حبش پر چڑھائی کرنے والے اطالوی جہازوں کو اس بین الاقوامی پانی میں سے گذرنے کی اجازت دی جائے یا نہیں۔ جدید دور کی ... نہر سوئز ...

جائے یا کیا جائے۔

فیصلہ کچھ بھی ہو۔ اس وقت کی سیاست میں پانی کا یہ چھوٹا سا قطعہ بہت سے پیچیدہ مسئلوں کا حل اور بہت سی مصیبتوں کا پیش خیمہ اور دنیا کے امن و جنگ پر اثر انداز ہونے والا ایک عجیب عنصر ہے۔ جس کی سیاسی اور بین الاقوامی اہمیت ہر شخص سمجھ سکتا

ہے اور موجودہ ”حبشی اطالوی“ جنگ میں اس کا عنصر بہت زیادہ قوی حیثیت اختیار کر لیتا ہے۔ نہر سوئز میں سے گزرنے والے جہازوں میں جو لوگ سوار ہوتے ہیں انہیں جابجا خاکی پوش برطانوی سپاہ برطانوی ہوائی جہاز اور برطانوی جھنڈے دیکھ کر یہ خیال پیدا ہوتا ہے کہ شاید نہر سوئز انگریزوں کی ہے لیکن یہ نہر

کسی کی بھی نہیں ہے مگر اس کے بنانے والی کمپنی کی ہے۔ نہر پانامہ کی طرح اس نہر کی حفاظت کے لئے توپوں کا انتظام یا قلعہ بنانے کا انتظام نہیں کیا گیا ہے۔ بلکہ دہانوں پر کمپنی کے سپاہی حفاظت کرتے ہیں اور ... استاعیلیہ۔ قاہرہ اور بندر سعید پر انگریزی سپاہ

بکثرت رہتی ہے تاکہ جنگ اور امن کی حالت میں نہر سوئز کے بین الاقوامی حقوق کی حفاظت کر سکے وہ اسکے انتظام میں مصروف رہے۔ نہر سوئز اور اس کے اردگرد کا صحرائی ماحول کبھی بھی انگریزوں کا نہیں تھا۔ اور نہ اب ہے یہ کہنا بالکل صحیح ہوگا کہ بین الاقوامی نظام نہر سوئز کا حاکم ہے

(باقی اگلے صفحہ پر)

پچھلے صفحے سے

اور کوئی ایک حکومت اس پر قابض نہیں ہو۔

نہر سوئز کا پٹہ ایک انتظامی مجلس کے سپرد کر دیا گیا تھا جس کے صدر دفتر پیرس میں واقع ہیں۔ اس پٹہ کی میعاد ۱۹۶۸ء میں ختم ہو جائے گی اور اس کے حصہ داروں میں نہر کا تمام سرمایہ منقسم کر دیا جائے گا۔ سب سے بڑا واحد حصہ دار اس نہر کا حکومت برطانیہ کا خزانہ ہے۔ یعنی انگریزوں کے پاس اس نہر کے (۱۷۶,۶۰۲) حصص میں سے (۴۰۰,۰۰۰) حصے پائے جاتے ہیں۔ اس لحاظ سے یہ نہر بہت بڑی حد تک انگریزی سلطنت کی ملک ہو جائے گی۔

نہر سوئز بننے کے وقت میں سلطنت برطانیہ کا وزیر اعظم ڈاسرائیلی تھا جس نے نہایت تشویش اور پریشانی کے زمانہ میں انگریزی حکومت کے خزانے سے نہر سوئز کے حصص خریدنے کی ہمت کی۔ اور تقریباً (۳,۹۷۶,۵۸۰) پونڈ کے حصص خرید لئے گئے۔ اس وقت معلوم نہ تھا کہ یہ روپیہ کیسے مفید کام میں لگایا جا رہا ہے لیکن اس دور میں وزیر اعظم کی ہمت اعلیٰ کا نتیجہ یہ نکلا کہ صرف منافع کی تقسیم میں سلطنت برطانیہ کو (۴۲,۲۰۶,۶۰۳) پونڈ اس وقت تک وصول ہو چکے ہیں۔

اطالوی افواج کے جہازوں نے جب سے ایری ٹیریا جانے کی ٹھانی ہے منافع نہر سوئز کی مقدار بہت بڑھ گئی ہے کیونکہ نہر سوئز کی آمدنی حبشی اطالوی جنگ کے باعث روز بروز بڑھ رہی ہے

اٹلی کے لئے یہ معاملہ بہت زیادہ گراں ہوتا جا رہا ہے کیونکہ حکومت اٹلی کو اس معاملہ میں کافی روپیہ ادا کرنا پڑتا ہے۔ اس کے بغیر وہ نہر سوئز سے کوئی جہاز نہیں گزار سکتے۔ نہر سوئز کی منتظم اور قابض کمپنی کے لئے اس جنگ کی وجہ سے کافی آمدنی ہو گئی اور نتیجہ خواہ کچھ ہی ہو کمپنی کی تجارت خوب چمک رہی ہے۔

میں اس بحث میں پڑنا نہیں چاہتا کہ نہر سوئز سے گزرنے کی جو رقم وصول کی جاتی ہے وہ بہت زیادہ ہے یا کم۔ یہ معاملہ اقتصادیات کے ماہروں کے سمجھنے کا ہے۔ لیکن یہ بات مجھے بخوبی معلوم ہے کہ نہر سوئز کی مالک کمپنی جسے "COMPAGNIE UNIVERSELLE de CANAL MARITIME de SUEZ." کہتے ہیں حبشی اطالوی جنگ کے سلسلہ میں اگست ۱۹۳۵ء کے مہینے میں (۴,۶۴۰,۰۰۰) فرانک وصول کر چکی ہے۔ اس سے اندازہ لگایا جا سکتا ہے کہ نہر سوئز کیسی زر خیز نہر ہے۔ اور اسے "نہر زر" کہنا کیسا موزوں ہے۔

۱۹۳۵ء کے پہلے آٹھ مہینوں کی آمدنی گزشتہ سال کے انہی مہینوں کی آمدنی کے مقابلہ پر تقریباً پونے لاکھ فرانک زیادہ تھی۔ نہر سوئز کی آمدنی میں یکایک اضافہ ہو جانے کا صریح مطلب یہ ہے کہ اطالوی سپاہ کی — — — — —

نقل و حرکت کی وجہ سے آمدنی میں اضافہ ہوا ہے اور اس کی وجہ سے نہر سوئز کمپنی کی تقدیر جاگ اٹھی ہے اور حصے زیادہ ہو رہے ہیں۔ معلوم ہونا چاہئے کہ اٹلی کے ہر سپاہی کے لئے جو نہر سوئز کو عبور کرنا چاہے دس طلائی فرانک ادا کرنے پڑتے ہیں۔ اس کے علاوہ جہازوں کے سامان اور وزن پر سے شلنگ ۶ پنس فی ٹن کا جو بحری محصول ہے وہ الگ ادا کرنا پڑتا ہے۔ اس سے اندازہ لگایا جا سکتا ہے کہ اٹلی کو اس وقت کس قدر نقد روپیہ صرف نہر سوئز کے پانی میں سے گزرنے کے لئے دینا پڑتا ہے۔

نہر کے ٹیکس سے بچنے کی قطعی کوئی امید نہیں ہو سکتی کیونکہ نہر سوئز کے انتظامات بہت ہی ماہر اور وفادار ملازموں کے اختیار میں ہیں۔ جہاز پر سوار کرانے کے لئے کمپنی کے آدمی جاتے ہیں جو ایک ایک سپاہی اور سوار کی جانچ پڑتال کرتے ہیں اور ناممکن ہے کہ کوئی بغیر ٹیکس ادا کئے جہاز پر سوار ہو جائے۔ خواہ جنگی جہاز ہو یا معمولی سفری جہاز۔ ہر مسافر کو ٹیکس ادا کرنا پڑتا ہے اور ٹیکس کے وصول کرنے وغیرہ کی نگرانی نہایت اچھے اور ماہر لوگوں کے ہاتھ میں ہے۔ ٹیکس کی آمدنی کے جملہ حسابات سوئز کے ہیڈ آفس میں باقاعدہ رجسٹروں میں درج ہوتے ہیں اور ہر شخص ایک ایک پائی کا حساب دیکھ سکتا ہے۔

اس کمپنی کے ۳۲ ڈائرکٹر ہیں جو اس شہری خندق کے انتظام اور قبضہ کے مختار و مالک ہیں۔ ان ڈائرکٹروں میں سے کچھ ولی انگریز ہیں باقی اور بیشتر کے نمائندے ہیں۔ فرانسیسی وغیرہ ہیں۔ عرصہ تک کونسل کے ... ڈرچ ہے۔ آئی ... ایسے مال دار اور حقیقی لوگ ہیں جو "شہنشاہ" "جہازراں" وغیرہ کے "بادشاہ" کہلاتے ہیں اور مشرق قریب و بعید میں جن کے بڑے بڑے مفاد وابستہ ہیں وہ نہر سوئز کے ذریعہ کروڑوں روپے کی آمدنی حاصل کرتے ہیں۔

سب سے پہلے اس نہر کی اسکیم جس نے عملی طور پر پیش کی وہ ایک فرانسیسی تھا جس کا نام لیسپس (LESSEPS) تھا۔ اس نے مصر اور عرب کے درمیان ایک زبردست نہر کھودنے کی تجویز عملی طور پر دنیا کے سامنے پیش کی اور اس زبردست کام کو شروع کرنے کا کام اپنے ذمہ لیا۔ کیونکہ وہ ایک بہت اعلیٰ انجینئر بھی تھا۔

چونکہ ابتداء میں فرانسیسیوں نے اس کام کو شروع کیا تھا۔ اس لئے اس نہر کے معاملات و انتظامی کاموں میں اہل فرانس کا اثر و نفوذ بہت پایا جاتا ہے۔ اگر آپ نہر سوئز کے دفاتر کو پیرس کے بازار (RUE-D'ASTORG) میں جا کر دیکھیں تو آپ کو فرانسیسی قماش کا سہ رنگا جھنڈا لہرا تا دکھائی دے گا۔

(باقی صفحہ ۱۹ پر)

چچا کا ہتھیار؟

(از جناب گردش لکھیم پوری)

۶۵ سال کے ضعیف العمر کیدار سنگھ نے حقہ کا ایک لمبا کش کھینچا اور سامنے کسی کو آتا دیکھ کر مسرت آمیز لہجہ میں کہا:- بیٹا کیسر تم آ گئے، ہاں میں نے تمہیں ایک ضروری کام کے لئے بلایا ہے۔ مجھے امید ہے کہ تم میری بات کو پس پشت نہ ڈالو گے۔ کیوں کیسر!

کیسر:- چچا جی۔ آپ شوق سے فرمایئے۔ آپ کا حکم سر آنکھوں پر۔

کیدار سنگھ:- ہاں بیٹا سعادت مند لڑکوں کا یہی شیوہ ہونا چاہئیے میری طبیعت تم سے بہت خوش ہے کیدار سنگھ نے اپنی سفید لمبی داڑھی پر اپنے ہاتھ پھیرے اور کسی قدر اندر کو دھنسی ہوئی آنکھوں کو پھیلا کر کیسر کے چہرے کو خوب غور سے دیکھا گویا وہ کیسر کے دلی تاثرات کا جائزہ لے رہا تھا۔ اس کے بعد سلسلہ کلام جاری رکھتے ہوئے کہا:-

"بیٹا کیسر! تم جانتے ہو کہ اب میں بڈھا ہو چکا۔ اور آئے دن مجھے بہت سے امراض گھیرے رہتے ہیں جس کے سبب میرے اعضاء میں کافی کمزوری پیدا ہو چکی ہے سچ پوچھو تو اب مجھ میں کام کرنے کی طاقت نہیں رہی اس زمانے میں ۶۵-۷۰ سال کی عمر بھی کافی ہوتی ہے"

——— یہ بھی تم خوب اچھی طرح سمجھتے ہو کہ میرے بعد میری تمام جائداد اور زمینداری کے تم ہی تنہا وارث ہو گے۔ اس کے علاوہ مجھے ذاتی طور پر تم سے جو کچھ محبت ہے اُس کا تمہیں بخوبی علم ہے۔ میں تم کو جان سے زیادہ عزیز رکھتا ہوں"

" میری زندگی کا کچھ بھروسہ نہیں اس لئے میں چاہتا ہوں کہ تمہیں پہلے ہی سے کچھ باتوں کے متعلق جو میرے تجربہ میں آ چکی ہیں انتباہ کر دوں۔ تاکہ تمہاری زندگی کامیاب بن سکے اور ایک بزرگ و سرپرست کی حیثیت سے میرا یہ فرض بھی ہے کہ میں دنیا کے نشیب و فراز سے تمہیں آگاہ کرتا رہوں۔ اس سلسلہ میں تمہارا بھی یہ فرض ہونا چاہئیے کہ میں تمہیں جو کچھ نصیحت کروں اسے فراموش نہ کرو"

کیسر جو اب تک یہ خیال کر رہا تھا کہ چچا جی شاید کوئی معمولی بات کہیں گے، دل ہی دل میں چونک گیا۔ اور غور کرنے لگا کہ شاید مجھ سے آج کوئی خاص بات کہی جانے والی ہے۔ اور وہ غیر ارادی طور پر بول اٹھا "چچا جی آپ فرمایئے تو سہی۔ میں آپ کے حکم کی ضرور تعمیل کروں گا"

——— ہاں بیٹا سنو! میں کہوں گا اور ضرور کہوں گا۔ دیکھو مجھے اچھی طرح سے علم ہے کہ رنجیت سے تمہارے تعلقات بہت گہرے ہیں۔ رنجیت کا چال چلن بہت پست ہے اور غالباً تمہیں بھی اس امر کا علم ہونا چاہئیے کہ وہ کیسی قماش کا آدمی ہے۔ میری سمجھ میں نہیں آتا کہ یہ جاننے کے باوجود بھی تمہیں یہ کس طرح گوارا ہے کہ ایسے بدوضع شخص کے ساتھ تعلقات رکھے جائیں، وہ آوارہ، بدقماش اور عیاش نوجوان ہے اور ہمیشہ اسی طرح کسی رئیس کے لڑکے کو پھانس کر اپنا اُلو سیدھا کیا کرتا ہے۔ تم خود سمجھدار ہو۔ اس لئے میں تم سے یہ کہہ سکتا ہوں کہ تمہیں ایسے شخص سے ہرگز ہرگز تعلقات نہ رکھنے چاہئیں۔

کیسر:- لیکن چچا آپ کو کسی نے مغالطہ تو نہیں دیا۔ رنجیت بڑا نیک شخص ہے۔

کیدار:- اس کے یہ معنی ہیں کہ تم اُس کی دوستی ترک نہیں کر سکتے۔

کیسر:- اگر دراصل وہ بدچلن نہیں ہے تو اس میں آپ کا کیا حرج ہے؟

کیدار:- وہ حقیقتاً بدچلن ہے اور تم کو بھی اس کا بخوبی علم ہے۔ لیکن اس ہٹ دھرمی کا کیا علاج کہ تم کسی خاص وجہ کی بناء پر اُس کی دوستی سے دستبردار ہونے کو تیار نہیں؟

کیسر- کوئی خاص وجہ نہیں۔

کیدار- پھر بھی جو کچھ بھی ہو۔ تم جانو تمہارا کام۔ مجھے جو کچھ کہنا تھا کہہ چکا۔ اور تم جیسا مناسب سمجھو کرو، لیکن میں یہ ضرور کہہ دینا چاہتا ہوں کہ میں اس قسم کے لوگوں کے ہاتھ سے اپنی جائداد برباد ہوتے نہیں دیکھ سکتا۔

(از جناب اندرجیت شرما ماچھرہ ضلع میرٹھ)

(خاص "تیج ویکلی" کے لئے)

(۲)

کیسر- میں خوب سمجھتا ہوں کہ اگر چچا جی کے کہنے پر عمل نہ کیا تو وہ ضرور اپنی جائداد کو کسی دوسرے مصرف میں لانے کی کوشش کریں گے؛

رنجیت- ہاں یہی میرا بھی خیال ہے، تو پھر کیا حرج ہے مجھ سے کنارہ کش ہو جایئے۔

کیسر- اور پھر مس چمپا کا کیا حال ہوگا؟

رنجیت- ہاں مجھ سے دوستی منقطع کرنے کے بعد چمپا یقیناً آپ کی نہیں رہ سکتی۔ یہ میرا ہی دم ہے کہ بڑے بڑے رئیسوں کو اس کے پاس پھٹکنے نہیں دیتا

کیسر- پھر یہ کس طرح ہو سکتا ہے کہ میں تم سے تعلقات منقطع کروں۔

رنجیت- میرا کہنا یہ ہے کہ دوستی بھی رہے اور چچا جی بھی خوش رہیں یا پھر جائداد ہی محفوظ ہو جائے۔

کیسر- تو پھر تمہیں اس کے متعلق کوئی تدبیر بتاؤ؟

رنجیت- مجھے تو بہت ترکیبیں یاد ہیں۔ لیکن اگر تم میں اتنی ہمت نہ ہوئی تو بات بھی کھو دوں گا۔ عرض یہ ہے کہ پہلے مجھے یہ اطمینان ہونا چاہئیے کہ تم میرے کہنے پر عمل کرو گے۔

کیسر- تم میرے حالات سے بخوبی واقف ہو اور خوب سمجھتے ہو کہ مجھ کو تم سے کس قدر عقیدت ہے

(باقی اگلے صفحہ پر)

(پچھلے صفحہ سے)

اور اس لحاظ سے کیا تم خیال کر سکتے ہو کہ میں تمہاری کسی بات کو ٹالوں گا۔

رنجیت۔ تمہارا کہنا بجا ہے لیکن میں جو ترکیب تم کو بتلانا چاہتا ہوں اس میں جرأت اور ہمت کی ضرورت ہے۔ اگر مستقل مزاجی سے تم اس کو انجام دے سکو گے تو تمہاری دولت محفوظ ہو جاوے گی اور چمپا اور میں بھی مصیبت سے چھوٹ سکیں گے

کیسر: اگر تمہاری بتلائی ہوئی ترکیب سے میں اس حد تک کامیاب ہو جاؤں گا تو میں تمہیں یقین دلاتا ہوں کہ میں تمہارا یہ احسان زندگی بھر نہ بھولوں گا اور ہمیشہ تمہاری ہر خدمت کو حاضر رہوں گا میں وعدہ کرتا ہوں کہ میں اس سلسلہ میں مستقل مزاجی کے ساتھ کام انجام دوں گا

رنجیت۔ اچھا تو ادھر نزدیک اپنا کان لاؤ۔

بے وقوف کیسر رنجیت کے قریب گیا۔ رنجیت نے تھوڑی دیر کچھ اس کے کان کے پاس کہا۔ کیسر کا چہرہ دفعتاً زرد پڑ گیا۔ پھر دونوں نے کچھ آہستہ آہستہ باتیں کیں اور نہ جانے کس سوچ میں دونوں گم ہو گئے

(۳)

کیسر اور رنجیت نے جو خفیہ طور پر مشورہ کیا تھا آج چھ ماہ کا عرصہ گذر جانے کے باوجود بھی کوئی ایسی بات منظر عام پر نہ آسکی جسے کوئی اہمیت دی جا سکتی بہر صورت کیسر اور رنجیت کی خفیہ طور پر برابر ملاقاتیں ہوتی رہیں۔ اس دوران میں اس کے چچا نے بھی کچھ نہ کہا اور لڑکے کاروبار میں منہمک رہا۔ تاہم کیسر کو یہ احساس ہو رہا تھا کہ اس کا چچا اس سے کچھ ناراض ضرور ہے جس کا اسے سبب بھی معلوم تھا۔

آج صبح کے وقت اس کا چچا اپنی زمینداری کے مواضعات کا دورہ کرنے چلا گیا۔ اب گھر پر کیسر آزاد تھا چلتے وقت کیدار سنگھ نے صرف اتنا کہا کہ میں دو تین یوم میں واپس آ جاؤں گا۔ دیکھو کیسر یہاں رنجیت نہ آنے پاوے۔

چچا کی باتیں بھی موٹر پر سوار ہو کر چچا کے ساتھ چلی گئیں۔ ادھر موٹر گئی، ادھر کیسر اپنے دوست رنجیت کے زیر دولت پر خاک چھانتا نظر آیا۔ تمام دن شہر کے تماشاخانوں میں دل بہلایا جاتا رہا اور شام کو دونوں نے ایک موٹر کرایہ پر لی اور مس چمپا کی کوٹھی پر پہنچ کر اسے ساتھ لیا اور دریا کی طرف روانہ ہو گئے دریا کے کنارے ایک غیر معروف مقام پر اپنی موٹر ٹھہرائی تینوں شخص موٹر سے اتر آئے اور کیسر نے چمپا کا نرم اور گداز ہاتھ اپنے ہاتھ میں لیا اور آہستہ آہستہ دریا کی طرف بڑھنے لگا۔ شام کے وقت دریا کے کنارے بالکل سنسان تھا ہاں کچھ خوش فعل پرندے رات بسر کرنے کے لئے کسی مناسب جگہ کی تلاش میں درختوں پر ادھر ادھر پھدک رہے تھے، اور کچھ چڑیاں سریلی اور دلکش آواز میں اپنے درد بھرے نغموں سے فضا میں ایک لطیف تحریک پیدا کر رہی تھیں۔ اب کیسر دریا کے کنارے تھا۔ اور اس کی چمپا بھی اس کے سامنے تھی۔ دونوں عاشق و معشوق کا عکس پانی میں دکھائی دے رہا تھا چمپا کی ساڑی کا آنچل اس کے سر کی سرکشی کی تاب نہ لا کر اس کے شانوں پر آ رہا تھا اس وقت سورج کی سنہری کرنیں اس کے چھپے بالوں پر ایک طلائی لمعہ کر رہی تھیں اور ہلکی ہلکی ہوا کے کیف بار جھونکے اس کے بالوں کی لٹوں کو اس کے گداز سینہ پر بکھیر بکھیر کر کیسر کو بدحواس بنائے دیتے تھے۔ اس کی نشیلی و مخمور آنکھوں کا عکس پانی میں ایک شرابی کیفیت پیدا کر رہا تھا۔ مچھلیاں رقص کرتی ہوئی سطح آب پر آتیں، پھر مستانہ وار تہ میں غائب ہو جاتیں . اس وقت چمپا نے نہ معلوم کیا سوچا کہ آپ ہی آپ دوسری طرف منہ پھیر لیا۔ کچھ دیر یوں ہی کھڑی رہی۔ جب کیسر نے کچھ خیال نہ کیا تو چند قدم اور آگے بڑھ گئی۔ تب کیسر نے پوچھا: کیا جاتی ہو؟"

کہیں نہیں تم مجھ سے نہ بولا کرو۔ اور یہ کہہ کر وہ چند قدم اور آگے بڑھ گئی۔ کیسر نے اس کے قدم بہ قدم بڑھتے ہوئے اس بے سبب ناراضگی کا سبب دریافت کیا لیکن وہ کچھ نہ بولی۔ چمپا نے اپنے چہرے پر افسردگی کے آثار پیدا کئے اور اب اس کی آنکھوں سے اداسی سی چھلکنے لگی۔ اس نے منہ پھیر کر کیسر کی طرف دیکھا اور پھر دریا کے شفاف پانی کو دیکھنے لگی

"کچھ منہ سے تو کہو۔ آخر کیا بات ہے" کیسر نے کہا اور اس کے شانوں پر ہاتھ رکھ دیا لیکن وہ فوراً ہی الگ ہو کر ایک طرف کو تیزی سے چلدی اور تھوڑی دور پر ایک درخت کے نیچے بیٹھ کر دریا کے مناظر سے لطف اندوز ہونے لگی۔ کیسر بھی اس کے پاس پہنچ کر بیٹھ گیا اور کہا:

تم بھی عجیب ہو آخر جو بات ہو کہو۔ کچھ معلوم تو ہو

چمپا۔ معلوم بھی تو ہو۔ ایسا کہتے ہو جیسے کہ میری بات مان ہی لو گے"

کیسر۔ ہاں پیاری چمپا۔ میں تم سے سچ کہتا ہوں کہ اگر تمہارے قدم کے کام میری جان بھی آ سکے تو میں دریغ نہ کروں گا۔

چمپا۔ اچھا تو کیا تمہیں یہ نہیں معلوم کہ میرے مکان کے کئی حصے ایسے ہیں جن کو از سر نو تعمیر ہونا چاہیئے۔ اور بقیہ حصوں کی مرمت بھی ضروری ہے اور تم دیکھتے نہیں کہ میں جس کمرے میں رہتی ہوں وہ کس قدر بوسیدہ ہو رہا ہے۔

کیسر۔ ہاں تو پھر تم کو اس کے لئے کس قدر روپے کی ضرورت ہوگی؟

چمپا۔ کم از کم پانچ ہزار روپیہ تو ہو تاکہ میں اپنی کوٹھی کی ضروری مرمت تو کرا سکوں پھر بعد میں دیکھا جائے گا۔

کیسر۔ بس اتنی سی بات کے لئے ایک گھنٹہ سے پریشان کر رہی ہو۔

چمپا۔ ایک پر معنی تبسم کے بعد خاموش ہو گئی اور پھر دفعتاً بول اٹھی۔ وہ دیکھو وہ موٹر کس کی جا رہی ہے۔ کوئی ادھر بھی دیکھ رہا ہے۔ "ہوگا کوئی" کیسر نے لاپروائی سے جواب دیا ـــــــــــــ

اتنے میں رنجیت بھی ٹہلتے ہوئے آ گیا۔ اور کیسر سے کہنے لگا۔ اب تو اندھیرا ہو رہا ہے، چلنا چاہیئے۔

(۴)

"بے حیا اور خاندان کے نام کو بٹہ لگانے والے کیسر میں تیری ان حرکات کو ایک لمحہ کے لئے بھی برداشت نہیں کر سکتا۔ کیا کل دریا کے کنارے تو ایک بازاری عورت کے ساتھ سیر و تفریح میں مشغول نہ تھا جب اس طرف سے میری موٹر گزر رہی تھی، تو تو کچھ سوچ رہا تھا۔ بتا کیا اب بھی تو مجھے جھٹلائے گا۔

یہ محض اتفاق تھا کہ میں اسی دن واپس آ گیا۔ اور اس طرح گویا مجھے تیری حرکات ناشائستہ کا پتہ چل گیا۔ ایسی حالت میں میں تیری صورت تک دیکھنے کا متحمل نہیں ہو سکتا ...

" یہ جملے بوڑھے کیدار نے کافی تیز اور تند لہجہ میں ادا کئے۔ اور سلسلۂ کلام جاری رکھتے ہوئے کہا . " کیا اب بھی تو مجھے فریب دے سکتا ہے۔ اب میں خوب سمجھ گیا کہ تو رنجیت کی دوستی سے ہرگز دستبردار نہ ہوگا۔"

کیسر جیسے شرم و ندامت سے پانی پانی ہو جانا چاہیئے تھا۔ خاموش ہی کھڑا رہا اس کا چچا بہت دیر تک اس کو لعنت ملامت کرتا رہا۔ لیکن بے غیرت کیسر نے کچھ جواب نہ دیا اب وہ کچھ اور ہی سوچ رہا تھا۔

کیدار سنگھ بڑبڑاتا ہوا کمرے سے نکل گیا اور جاتے جاتے یہ کہتا گیا کہ اگر ہفتہ کے اندر تم نے ان سب باتوں کے متعلق مجھے اطمینان نہ دلایا تو تمہیں یاد رکھنا چاہیئے کہ میں تمہیں فقیر بنا کر چھوڑ دوں گا۔"

ادھر کیسر تنہا ہوتے ہی عجب کشمکش میں پڑ گیا پانچ ہزار کی فرمائش کا خیال رنجیت کی دوستی چمپا کے عشق کا اخفاء غرضیکہ چاروں طرف مصیبت ہی مصیبت تھی۔ لیکن اس مصیبت سے چھٹکارے کی ترکیب ... ... صرف رنجیت کا بتلایا ہوا نسخہ ہی ہو سکتا تھا۔

(۵)

رات کے ۱۲ بجے جبکہ فضا میں ایک وحشتناک خاموشی اور تاریکی چھائی ہوئی تھی، ایک نقاب پوش شخص کوٹھی کے پیچھے والے نیم کے درخت پر چڑھ گیا اور آہستہ آہستہ اس شاخ پر بڑھتا گیا جو کیدار سنگھ کی خوابگاہ کی کھڑکی سے جا لگی تھی۔ یہ نقاب پوش بڑی احتیاط اور ہوشیاری سے اس شاخ کے ذریعہ کھڑکی میں آ گیا۔ اور یہاں سے رسی کے ذریعہ کمرے میں اتر گیا۔ بوڑھا کیدار میٹھی نیند سو رہا تھا۔ یہ شخص دبے پاؤں اس کے قریب گیا چند لمحہ کچھ کھڑا سوچتا رہا۔ پھر اس کی طرف ہاتھ بڑھائے پھر ہاتھ کھینچ لئے اور کسی گہرے خیال میں چلا گیا۔ نقاب پوش چند قدم پیچھے ہٹا اور کسی خیال میں پڑ گیا۔ پھر دفعتاً اس کے چہرے پر خوفناک تاثرات پیدا ہوئے اور اپنے دونوں ہاتھوں کو آپس میں ملنے لگا پھر یکبارگی اس کا چہرہ سرخ ہو گیا اور وہ دفعتاً کود کر سوتے ہوئے کیدار کے سینہ پر چڑھ بیٹھا اور اس زور سے اس کا گلا دبایا کہ وہ کسمسا بھی نہ سکا۔ چند لمحہ بوڑھے کے جسم میں خفیف سی جنبش ہوئی۔ لیکن نقاب پوش کی گرفت بہت سخت تھی۔ وہ بڑی مضبوطی سے اس کا گلا دبائے ہوئے تھا۔ تھوڑی دیر میں بوڑھے کا جسم بیجان معلوم ہونے لگا جب نقاب پوش کو بالکل یقین ہو گیا کہ اب بڈھا مر چکا ہے ... ... تو وہ بڈھے کی گردن چھوڑ کر نیچے ہٹ آیا اور پھر بغور لاش کو دیکھنے لگا، پندرہ منٹ تک اس نے لاش کو دیکھ کر یہ اطمینان کر لیا کہ اب اس میں زندگی کے آثار قطعاً مفقود ہو چکے ہیں اور پھر اسی راستے باہر نکل کر غائب ہو گیا۔

(۶)

" مسٹر کیسر ہم آپ کے ساتھ پوری پوری ہمدردی کرتے ہیں: آپ پہلے ہی یتیم ہو چکے تھے۔ اب آپ کے چچا کا قتل یقیناً آپ کے لئے بیحد جانگسل ہے میں آپ کو یقین دلاتا ہوں کہ میں قاتل کا پتہ لگانے میں حتی الوسع آپ کی امداد کروں گا :

سپرنٹنڈنٹ پولیس نے یہ جملے نہایت ہمدردانہ لہجے میں ادا کئے اور موٹر پر سوار ہو کر چلا گیا۔

دوسرے دن صبح ہی شہر کے مشہور سراغرساں مسٹر جیکر موقعۂ واردات پر پہنچ گئے۔ اور کیسر کو ہمراہ لیکر تمام واقعات کی تفتیش کرتے رہے۔ شام تک تحقیقات کرنے کے باوجود بھی کوئی خاص بات ظاہر نہ ہو سکی۔ تو مسٹر جیکر نے کہا:۔

"مسٹر کیسر یہ تو معلوم ہے کہ مقتول کا گلا گھونٹ کر اسے مار ڈالا گیا ہے اور جو اس کی ناک سے خون جاری ہوا اس کی چھینٹیں بھی دیواروں پر پڑی ہیں اس سے یہ مطلب ہے کہ قاتل کے کپڑوں پر ضرور نشانات ہونے چاہئیں۔

کیسر۔ ہاں ضرور

جیکر۔ آپ کے خیال میں ایسا شخص قتل کر سکتا یا نہیں

کیسر (گھبرا کر) ہاں ضرور ہونا چاہیئے۔ یہی تو ثبوت ہو سکتا ہے۔

جیکر۔ اچھا آپ یہ بتلائیے کہ آپ کے چچا نے آپ کو کل کس قدر لعنت ملامت کی تھی۔

باقی صفحہ ۳۲ پر

سائنس

ہارمونز

اس کا اثر صحت و شخصیت پر

(از قلم نفری بہت جی۔ ڈی۔ تی۔ ایم۔ ایس سی)

(خاص تیج دہلی کے لئے)

ہماری شخصیت، ہمارے جذبات وہماری ذہنیت کی متوصل ہے جس کے اندر اعلیٰ جذبات کا ایک سمندر موجزن ہے، اور جو ایک کامل کی ذہنیت کا مالک ہے وہی شخص اس زندگی کی جدوجہد میں دوسروں کو پچھاڑ کر اپنی شخصیت وقابلیت کا سکہ لوگوں کے دلوں پر جما سکتا ہے۔ جدید سائنٹفک تحقیق نے اس امر کو پایۂ ثبوت تک پہنچا دیا ہے کہ ذہنیت جس کا تعلق براہ راست دماغ سے ہے ایک ایسی خدا داد چیز نہیں جو کہ ورثہ میں آئے بلکہ یہ چند غدود کے زیر اثر ہے جن کی لاغری یا چستی ایک عجیب طریقہ سے ہماری خیالی دنیا کو بدل سکتی ہے یہی حالت ہمارے تمام جذبات کی ہے۔ خوشی یا غمی۔ بزدلی یا بہادری محبت یا کینہ۔ ان تمام حالتوں میں انہی غدود کی مختلف اقسام کے رس نکل کر خون میں شامل ہوتے ہیں۔ اور ایسی حالت کو قائم رکھتے ہیں۔

ہمارے جسم میں متعدد اقسام کے غدود پائے جاتے ہیں جو کہ عین موقعہ پر بیش قیمت رطوبتیں باہر نکالتے رہتے ہیں۔ مثال کے طور پر جب ہم کوئی اچھی کھانے کی چیز سامنے دیکھتے ہیں تو ہمارے منہ کے اندر کے چھوٹے چھوٹے غدود لعاب دہن یا سلائیوا (SALIVA) باہر نکالنا شروع کر دیتے ہیں جو سلائیوا کہ خوراک کے ہضم ہونے میں مدد دیتا ہے۔ جس وقت خوراک معدہ میں پہنچتی ہے تو معدہ کے اندر ہوتی ہوئی چند گلٹیاں ایک نہایت قیمتی رس جس کو گیسٹرک جوس (GASTRIC JUICE) کہتے ہیں خوراک میں شامل کرنا شروع کر دیتی ہیں۔ یہ رطوبت معدی و دیگر اقسام کے ایسے رس جسم میں چکر کاٹتے ہوئے خون سے یہ غدود چند خاص اجزا کھینچ کر خود بناتے ہیں اور موقعہ پر خاص نالیوں کے راستے اپنی منزل پر پہنچا دیتے ہیں مگر وہ غدود جن کا تعلق شخصیت سے ہے ان غدود سے مختلف ہیں۔ ان کے رس کسی خاص حصۂ جسم کے لئے مقصود نہیں اور نہ ہی کسی نالی کے لئے باہر نکلتے ہیں بلکہ یہ غدود خون سے اجزا جذب کر کے اور ان کو خاص ترکیب سے رس میں تبدیل کر خون میں ان اجزاء کی بجائے اس رس کو شامل کر دیتے ہیں۔ ایک ایسے گلینڈ کی ایسی رطوبت کو ہارمون کہتے ہیں۔

ہمارے جسم میں پانچ ایسے غدود اب تک معلوم ہوئے ہیں اور ان کی رطوبتوں کا اثر جسمانی و ذہنی صحت پر دیکھا جا چکا ہے سب سے اوپر سر کے اندر دماغ سے لٹکتا ہوا پیچوٹری گلینڈ PITUITARY GLAND ہے جس کی رطوبت جسمانی نشو ونما کنٹرول کرتی ہے۔ اگر یہ گلینڈ کمزور ہو۔ اپنی پوری طاقت سے کام نہ کرتا ہو اور سست ہو تو جسم کا بڑھاؤ رک جاتا ہے اور قد میں ترقی نہیں ہوتی اور آپ سمجھ سکتے ہیں کہ ایک بہت ہی چھوٹے قد کا انسان نارمل وتندرست انسانوں کے بیچ اپنے آپ کو کسی قدر نیچا خیال کرے گا۔

بوجود دو تین تین فٹ کے لوگ ہم کو بعض دفعہ نظر آتے ہیں۔ دیکھا گیا ہے کہ ان میں یہ گلینڈ بالکل کام نہیں کرتا اس کے برعکس اگر بچپن سے ہی یہ گلینڈ نارمل سے زیادہ تیزی سے کام کرنا شروع کر دے تو انسان دیو بن جاتا ہے۔

پیچوٹری گلینڈ
تھائی رائڈ گلینڈ
ایڈرینلز
پینکراس
اووریز
خصیتین

بڑے بڑے ہاتھ۔ چوڑے چوڑے پاؤں۔ پھیلا ہوا چہرہ اور دیگر ایسے قسم کے عیب جن سے انسان بالکل بھدا یا بدنما دکھلائی دے پیدا ہو جاتے ہیں بعض دفعہ قد کا بڑھاؤ اس قدر ہوتا ہے کہ ایک ۱۵ سالہ سال کی عمر کے لڑکے کا قد اس گلینڈ کے خاص تیزی کے ساتھ کام کرنے کی وجہ سے آٹھ فٹ کے قریب دیکھا گیا ہے جسمانی اعضاء کا تناسب اور ان کا سڈول ہونا بنات خود دوسروں کو اپیل کرتا ہے اور دوسروں میں اعلیٰ شخصیت کا خیال پیدا کرنے کے لئے سب سے پہلی ضروری بات ہے۔

اسی گلینڈ کی ایک دوسری رطوبت پرولیکٹین PROLCTIN ہے جو کہ خون میں مل کر مادہ جسم میں دودھ کی پیدائش قائم رکھتی ہے حمل کے وقت سے لے کر بچہ کی پیدائش کے مدت بعد تک یہ رطوبت خون میں شامل ہو کر پستانوں کو تیزی کے ساتھ کام کرنے کے لئے تیار کرتی رہتی ہے۔ حال ہی میں تجربہ سے یہ دیکھا گیا ہے کہ مادہ کا جو اپنے بچے کے لئے زیادہ مرہ ہے اس میں اس رطوبت کا ایک خاص حصہ ہے یہاں تک کہ تجربہ کے دوران میں اس رطوبت کے زیر اثر کئی مادہ جانور جن کے پاس بالکل ان کے نر کو آنے نہیں دیا گیا تھا اور جنہوں نے آج تک کوئی بچہ نہ جنا تھا اپنی جنس کے دوسرے چھوٹے چھوٹے بچوں کے ساتھ بالکل ماں کی طرح برتاؤ کرتے اور ان کو بالکل طبعی طور پر پال پوس کر بڑا کرتے دیکھا گیا ہے۔

اس گلینڈ کی تیسری رطوبت محرک باہ ہے اگر یہ رطوبت پوری مقدار میں پیدا نہ ہو تو انسان میں سے جذبۂ شہوت کم ہونا شروع ہو جاتا ہے۔ جن لوگوں کے پیچوٹری گلینڈ شروع سے ہی یہ رطوبت پیدا نہیں کرتے وہ بالکل اخیر عمر تک بچے ہی بچے رہتے ہیں ان میں سے دوسری جنس کے لئے وہ کشش جو کہ ایک تندرست جوان شخص کے لئے لازم ہے بالکل مفقود رہتی ہے اور وہ صحیح معنوں میں اپنی شخصیت پر مکمل طور پر یقین نہ کر کے اس سے فائدہ اٹھانے سے محروم رہتے ہیں۔

(باقی دارد)

دنیا کا سب سے بڑا نیلم برما سے برآمد ہوا

ابتدائے تاریخ سے لیکر اس وقت تک کی دلچسپ داستان

نیلم دنیا میں عجیب وغریب پتھر ہے ابتدا سے لے کر اس وقت تک نیلم کو ایک بہت بڑی اہمیت حاصل رہی ہے۔ اور زمانۂ قدیم سے اس کو تاریخی اور اصنامی اہمیت حاصل ہے بائبل میں بھی اس کا ذکر آتا ہے۔ ایک جگہ لکھا گیا ہے: "اور وہ تخت ایسا ہوگا جیسے نیلم کا ہوتا ہے" بادشاہوں میں اس پتھر کی بڑی قدر ومنزلت رہی ہے۔ اور تحائف شاہانہ نیز شادی کے موقعہ پر نیلم کی انگشتری منگیتر و منکوحہ کو پیش کرنا تمام دنیا کے بادشاہوں کی رسم رہی ہے۔

کہا جاتا ہے کہ یروشلم (بیت المقدس) کی جب بنیاد ڈالی گئی تھی تو نیلم پتھر کو "آسمانی پاکیزگی کا مظہر اور جلال خداوندی کا پرتو سمجھ کر بنیاد میں رکھا گیا تھا۔ اور جو راہب اس وقت رسم میں موجود تھے اُن کے سینوں پر بھی نیلم کی تختیاں آویزاں تھیں۔"

نیلم کی "آسمانی پاکیزگی" اور صفائی کو پیش نظر رکھ کر ہی اہل یونان نے یہ پتھر اپنے دیوتا اپالو کے نام پر معنون کر رکھا تھا۔ یہودیوں کا عقیدہ ہے کہ بنی اسرائیل کے سب سے بڑے پیغمبر حضرت موسیٰ جب کوہ سینا سے "دس احکام خدا" لے کر آئے تھے تو اپنے ساتھ جنت کے پتھر بھی لائے تھے۔ یہ عطیۂ خداوندی تھا جو نیلم سمجھا جاتا ہے۔ یاقوت۔ پکھراج اور ہیرے کی طرح نیلم کو بھی دنیا کی تاریخ اور اصنامیات میں بڑا دخل ہے۔ ملکہ جوزیفائن کو نپولین نے اپنی طرف سے جو تحفہ دیا تھا وہ نیلم ہی تھا نپولین سوم نے بھی یہ پتھر اپنی محبوبہ یوژین کو دیا۔ کہا جاتا ہے کہ فرانس کے بادشاہ شارلمین کے لبادہ شاہی میں جو نیلم لگا ہوا تھا۔ بالکل ایسا ہی تھا جیسا کہ یہ نپولین کا نیلم تھا۔

چارلس دوم بادشاہ انگلستان کے پاس بھی ایک قیمتی نیلم تھا جو اب "شاہی تاج" میں جڑا ہوا ہے اور قلعہ برطانیہ لندن میں اس تاج کو دیکھا جا سکتا ہے۔

دنیا کا سب سے بڑا نیلم اس وقت نیویارک کے "عجائب خانہ تاریخ قدرت" (MUSEUM OF NATURAL HISTORY) میں پایا جاتا ہے۔ اس کا وزن (۵۴۳) قیراط ہے دنیا کا سب سے بڑا نیلم برما میں نکلا تھا۔ اس کی برابر آج تک کوئی نیلم نہیں نکلا اس کا وزن (۹۵۶) قیراط تھا۔ اور قیمت میں (۲۵،۰۰۰) پونڈ تھا۔ اسے چھوٹے چھوٹے ٹکڑوں میں کاٹ کر نفیس جواہرات بنا لئے گئے۔

نہر سویز کی بین الاقوامی حیثیت

(صفحہ ۱۲ سے آگے)

اور نہر کے ان عظیم الشان اور رعب داب والے فاترین آپ کو ہر جگہ فرانسیسی نظر آئیں گے۔ افسر، کام اور کارکن ہیں گے۔ غیر ممالک کے ملازموں کی تعداد بہت ہی کم ہے۔

یہی بین الاقوامی ادارہ ہے جو نہر سویز کے انتظام اور اس کی حفاظت کے لئے سب کام کرتا ہے۔ انہی عمارتوں میں بیٹھ کر بڑے بڑے سیاسی و اقتصادی معاملات طے کئے جاتے ہیں۔ یہیں سے شان مقرر ہوتا ہے۔ لاکھوں قلی۔ مزدور۔ خلاصی۔ کشتی بان۔ ملاح اور مختلف کاموں کے ماہر مقرر ہو کر کام پر بھیجے جاتے ہیں۔

اس کے علاوہ کمپنی کو ایک فوج کی فوج ایسے مزدوروں، انجینئروں اور نہر کی انجینئری کے سمجھنے والوں کی ہر وقت کام پر مصروف رکھنی پڑتی ہے جو نہر سویز کے پانی کی سپلائی یعنی آمد کو ہمیشہ قائم رکھ سکیں۔ بندرگاہ اسماعیلیہ۔ بند سعید۔ سویز وغیرہ میں بیٹھ کر ان ماہرین نہر کے ساتھ جائے قہوہ وغیرہ پیا ہے اور نہر کے حالات سنے ہیں۔ جہاں جائیے فرانسیسی سننے میں آئے گی۔ ہر طرف فرانسیسی زبان، اثر، تعلق اور کارکنوں کا سیلاب آپ کو دکھائی دے گا۔ نہر کا کام کرنے والوں کی فوج کیا کام کرتی ہے؟

نہر سویز کے محکمۂ عمل کے دفاتر اور صدر مقامات اسماعیلیہ میں ہیں۔ یہاں پر ہر قوم کے انجینئروں کا جم غفیر اس انتظام میں مصروف نظر آئے گا۔ کہ نہر کے پانی کی سپلائی ہمیشہ قائم رہے۔ اور اس "طلائی خندق" میں کبھی خشکی نہ آ جائے۔ ورنہ سب کی موت ہے۔ بحر اوقیانوس اور بحر احمر کے کناروں سے پانی کاٹ کاٹ کر لانے، نہر کے دہانے وسیع کرنے۔ پانی کو قابو میں رکھنے اور دیگر انجینئری کے کام کرنے میں انجینئروں۔ مزدوروں اور خلاصیوں کا ایک بڑا مجمع کام کرتا رہتا ہے اور ان کاموں کو دیکھ کر ایسا معلوم ہوتا ہے کہ نہر سویز ابھی تک

زیر تعمیر ہے۔ حالانکہ وہ مکمل حالت میں ہے۔ لیکن اس کی حفاظت اور درستی میں ہر وقت لوگ کام کرتے رہتے ہیں۔ اس کام پر تقریباً ...۰۰۰ پونڈ سالانہ خرچ ہو جاتا ہے۔ اور تقریباً ...۰۰ ۴ مقامی آبادی کو روزگار مل جاتا ہے۔

اس کے علاوہ "بحری جاسوس" کی بھی ایک جماعت کام کرتی رہتی ہے۔ یہ بڑے عمدہ ملاح ہوتے ہیں۔ ان کے ڈونگے۔ دخانی کشتیاں وغیرہ ادھر ادھر گھومتی رہتی ہیں تاکہ کسی قسم کی قزاقی۔ ناجائز درآمد اور دیگر جرائم کا انسداد کریں۔ بعض اوقات ایسا بھی ہوتا ہے کہ حکومتیں جہازوں پر بڑے بڑے سامان "پیاز ہے" "حفاظت کے ساتھ رکھو" کا لیبل لگا کر بھیجتی ہیں۔ مگر دراصل وہ مشین گنیں ہوتی ہیں۔ سمالیوں کو رشوت دے کر سامان حرب اور دیگر چیزیں حبش میں پہنچانے کا انتظام کر سکتے ہیں۔ اس قسم کی چالاکیوں کو روکنے کے لئے ایک زبردست بیڑہ خفیہ کام کرتا رہتا ہے۔ اور اس قسم کی چیزوں کا تدارک کرتا رہتا ہے۔

تمام بڑی بڑی حکومتوں نے سوائے امریکہ کے اس بات کا عہد کر لیا ہے کہ خواہ لڑائی کی حالت ہو یا امن کی۔ نہر سویز ہر وقت ہر ایک کے لئے کھلی رہے گی۔ یہ معاہدہ ۱۸۸۸ء میں بمقام قسطنطنیہ تحریر کیا گیا تھا۔ اور اس پر

بڑی بڑی اقوام کے دستخط ہیں۔ اس کی دفعہ نمبر ایک میں درج ہے کہ:۔

"نہر سویز جنگ اور صلح دونوں حالتوں میں ہر جنگی یا تجارتی و سفری جہاز کے لئے بلا امتیاز قوم اور جھنڈوں کی تمیز و تخصیص کے بغیر آمد و رفت کے لئے کھلی رہے گی"

دفعہ ملا صرف اس ہی وضاحت پر ختم نہیں ہو جاتی۔ نہر سویز کو ہمیشہ ہر ایک کے لئے آزاد اور کھلا رکھنے کے لئے جو معاہدہ کیا گیا تھا اس کے بنانے والوں میں بڑے بڑے سیاست دان مدبر اور فہم والے تھے۔ انہوں نے اس معاملہ کو ہر قسم کے اشتباہ اور ذومعنی ہونے کے خطرہ سے بچانے کے لئے ضروری سمجھا کہ مزید تشریح کر دی جائے۔ چنانچہ یہ تشریح اس معاملہ کو بالکل ہی صاف کر دیتی ہے:۔

"بدیں وجہ معاہدہ کنندگان ہم تو اس بات کا عہد کرتے ہیں کہ نہر سویز ہر ایک کے لئے جنگ اور امن ہر دو حالتوں میں یکساں طور پر کھلی رہے گی۔ اور اس نہر کو کسی کے لئے بند کرنے کے حق پر کبھی اصرار نہیں کیا جائے گا۔ یہ پانی سب کا ہے۔ اور ہر ایک کے لئے کھلا ہے"

مزاحیات

مرحومہ

خاص "تیج ویکلی" کیلئے

(از جناب شوکت تھانوی)

آدم برسر مطلب سے قبل ضرورت اس بات کی ہے کہ ایک بہت بڑی غلط فہمی کا امکان ختم کر دیا جائے لہذا ناظرین نوٹ کریں کہ اس مضمون کی ہیروئن موجودہ شوکت دلہن نہیں بلکہ وہ مرحومہ ہیں جو عرصہ ہوا احسان کر گئیں اور اپنے غریب شوہر کی انشا پردازی کا داغ لئے ہوئے حجلۂ عروسی سے گوشۂ قبر میں منتقل ہو گئیں۔ اِنّا للّٰہ واِنّا الیہ راجعون

خدا جنت نصیب کرے مرحومہ بڑی خوبیوں کی بی بی تھیں۔ شکل و صورت بھی بس یہ کہئے کہ غنیمت تھی، پڑھی لکھی بھی اتنا تھیں کہ راہ نجات اور کریما میں سے دونوں یاد ہوں نہ یاد ہوں مگر یہ واقعہ ہے کہ پڑھی دونوں تھیں۔ پھر سب سے بڑی بات یہ کہ آدمی تھیں سمجھدار اور جانتی تھیں کہ زیادہ لکھنے پڑھنے سے آدمی کی صحت بھی خراب ہو جاتی ہے اور اس زمانہ میں لکھنا پڑھنا بے کار بھی ہے یہی وجہ تھی ان کو خاص چڑھ اس بات سے تھی کہ یہ خاکسار دفتر میں دماغ کو چرخہ بنانے کے بعد اپنے فرصت کے اوقات میں بھی کتاب کا کیڑا بنا رہے یا لکھتا رہے۔ چنانچہ وہ اس کی خاص احتیاط از راہ شفقت زوجی رکھتی تھیں کہ ایسا موقعہ بھی نہ آنے پائے۔ لہذا ہوتا یہ تھا کہ جہاں اس خاکسار نے کوئی کتاب اٹھائی یا قلم ہاتھ میں لیا وہ فوراً اپنے پائنچے سنبھالتی ہوئی نشتر بنے آئیں اور ہم نے جیسے ہی کچھ لکھنے کے لئے دماغ میں کوئی پلاٹ تیار کیا انہوں نے فوراً اپنے میکے کے واقعات۔ پڑوسن کے حالات محلہ والی کی داستان عشق وغیرہ شروع کر دی اور ہمارا انشا پردازی کا ارادہ جس وقت تک ملتوی نہ کرا دیا سر پر سوار رہیں۔ اس کا نتیجہ ظاہر ہے کہ رسائل کے ایڈیٹر صاحبان تقاضے کرنے کے بعد صبر کر چکے تھے۔ انشا پردازی کی تمام امنگیں گھٹ گھٹ کر مر چکی تھیں قلم کا نب زنگ آلود ہو گیا تھا۔ دوات میں روشنائی خشک پڑی تھی۔ کاغذ کا سفید رنگ پڑے پڑے بادامی ہو گیا تھا اور انشا پرداز کا دماغ رفتہ رفتہ مفلوج ہوا جاتا تھا مگر وہ تو کہئے کہ فطرت کو بروقت رحم آ گیا اور اس نے ہماری خطرہ میں پڑی ہوئی شوکت تھانویت کو مرحومہ کے چنگل نہیں بلکہ وصال پُرملال سے بال بال بچا لیا ورنہ آج یہ مقالہ سپرد قلم کرنے کے بجائے ہم کسی گراس فارم میں گھاس کھود رہے ہوتے۔

خدا جنت نصیب کرے مرحومہ نے جب بہت ستایا تو ہم نے بھی چوری شروع کر دی اور بجائے دن میں لکھنے کے اپنا دستور یہ کر لیا کہ جب رات کو تمام دنیا سوتی تھی، ہم لکھتے تھے۔ ہوتا یہ تھا کہ رات کو دس ساڑھے دس بجے وہ سو گئیں اور یہ اطمینان کر لینے کے بعد کہ اب وہ واقعی سو گئی ہیں ہم چپکے سے اٹھے۔ لالٹین کی بتی تیز کی اور لکھنے لگے۔ اگر مقدر نے ساتھ دیا تو لکھ لیا کچھ ورنہ اکثر یہ ہوتا تھا کہ ہم اپنے خیال کی دنیا میں ہیں قلم چل رہا ہے۔ کاغذ سیاہ ہو رہا ہے صفحۂ قرطاس پر انشا پرداز کے دماغ سے الفاظ کی شکل میں ادبی اور علمی نکات و رموز کی بارش ہو رہی ہے آنکھیں کاغذ پر ہیں اور دماغ میں عجیب منظر ہے کہ

"آفتاب کی تیز و چمکدار شعاعیں بادل میں آ کر غرق ہو رہی ہیں اور زمین پر وہ گرم اور روشن شعاعیں نہیں بلکہ بارش کی ٹھنڈی لطیف اور باریک بوندیں گر رہی ہیں" . . .

یکایک انہوں نے لحاف سے منہ نکال کر انتہائی بے خبری اور محویت کے عالم میں کہا:۔

"ارے کیا آپ لکھ رہے ہیں؟"

ہم یکایک چونک پڑے اور اس جنبش سے کاغذ پر قلم نے ایک بے معنی لکیر کھینچ دی۔ ہم نے سنبھلتے ہوئے کہا:۔

"ہاں ذرا لکھ رہا تھا میں"

انہوں نے کروٹ لیتے ہوئے کہا: "کیا بجا ہوگا"

ہم نے گھڑی دیکھتے ہوئے کہا: "ایک بجنے میں کوئی دس منٹ باقی ہیں:"

انہوں نے محبت سے کہا: "اچھا تو اب سو جائیے رات زیادہ آ گئی ہے۔"

ہم نے کہا۔ "بہت ضروری چیز ہے۔ دفتر کا کام ہے اگر نہ کیا تو گئی نوکری۔"

بیگم صاحبہ نے مجبور لہجہ میں فرمایا:۔

"تو بھئی اس نوکری سے، آدمی کاہے کو زندہ رہ سکتا ہے۔"

ہم نے کہا: "اچھا خیر اب سو جائیے آپ"

بیگم نے کہا۔ "میں تو سو ہی جاؤں گی مگر"

ہم نے جھنجھلا کر کہا: "لاحول ولا قوۃ آپ نے دماغ سے سب نکال دیا:"

بیگم نے برا مان کر کہا: "واہ میں کچھ بولی بھی"

بیگم سوئیں تو نہیں مگر اچھا خاصا خاموش ہو گئیں مگر اب جو ہم خیالات کو یکجا کرتے ہیں تو بجائے ان خیالات کے ذہن میں صرف یہ آتا ہے:۔

"اس بد مذاق عورت کو ذرا بھی احساس نہیں . . . انشا پرداز کو شادی نہ کرنا چاہیئے . . . انشا پردازی اور بیوی دونوں آپس میں سوتیں ہوتی ہیں . . . کس وقت لکھا کریں . . . یہ موئی اور بیوی دونوں بس کر صرف ایک ہی وقت حاصل ہو سکتی ہے . . . ہم رات کو مردانہ مکان میں سویا کریں . . . اس وقت کیا آ رہا تھا اور اب کیا دماغ کام دے رہا تھا . . . اس عورت کو زیادہ تر میکے میں رکھا کریں۔"

ان خیالات کو ذہن سے نکالنے میں کچھ کم دیر نہیں لگتی بمشکل تمام دماغ کو زبردستی بدشوق لڑکے کی طرح لکھنے پر آمادہ کیا اور ولے برانداش سے کام لے کر لکھنا شروع کیا:

"بارش کی چھاجھم میں باغوں کے جھولے اور جھولوں کے ساتھ اڑتے ہوئے ساریوں کے رنگین آنچل قوس قزح کی تمثیل پیش کر رہے ہیں اور فطرت کے چھیڑے ہوئے اس ساز پر ترنم کی پوری دوشیزگی کے ساتھ رم جھم برسا رہے کا نغمہ جسم میں جو کپکپی پیدا کئے ہوئے ہے شاید اسی کو وجد کہتے ہیں

کیا تم چاہتے ہو کہ میں اس وقت بھی تم کو یاد نہ کروں، حالانکہ اس وقت خود کو بھول جانا جس قدر آسان ہے اسی قدر تمہاری یاد کو دل میں نہ آنے دینا دشوار ہے۔ تم یہ نہ سمجھو کہ یہ میری زیادتی ہے میں دعوے سے کہتا ہوں کہ اس وقت اگر تم میری جگہ ہوتے تو تم بھی میری ہی طرح"

انہوں نے پھر کہا: "آپ سوئے نہیں کیا رات بھر لکھتے ہی جائیے گا"

ہم پھر دھک سے ہو گئے اور چلتے ہوئے قلم نے یکایک رک کر کاغذ پر روشنائی کا ایک . . . کی یاد میں ٹپکا دیا۔ ہم نے کہا:۔

"بس اب سونے ہی والا ہوں"

مگر انہوں نے کہا۔ "اب ذرا دیر سو بھی رہئے سر میں درد ہونے لگے گا:"

ہم نے کہا: "اس ـــــــ نغ ـــــــ ـــ ذوالفقار لکھنے میں نہیں لکھتا"

یہ کہہ کر قلم ایک طرف پھینک دیا۔ اور کاغذوں کا پلندہ دوسری طرف اچھال کر اپنی بوٹیاں اپنے دانتوں سے نوچتے ہوئے لحاف میں گھس گئے۔ ادھر بیگم نے دریافتی شروع کر دیں۔

"آپ لکھئے میں اب نہ بولوں گی، سر کے درد کا مرض ہے، ذرا سی شب بیداری میں درد ہونے لگتا ہے۔ اس لئے میں نے کہا تھا۔ میں تو کم بخت ذرا سی بات زبان سے نکال کر گنہگار ہو جایا کرتی ہوں لاکھ لاکھ کہا کہ لکھنا ہے تو دن ہی کو لکھ لیا کیجئے مگر جب لکھیں گے رات کو لکھیں گے۔"

ہم نے لحاف کے اندر ہی سے کہا: "غلط کہتی ہو۔ جھوٹ بولتی ہو۔ دن کو بھی تمہاری ہی وجہ سے نہیں لکھ سکتا جب لکھنے کا ارادہ کیا تم سر پر سوار ہو جایا کرتی ہو۔ اب میں لکھنا ہی چھوڑ دوں گا۔ تاکہ یہ کوفت تو نہ ہو۔"

بیگم مسلسل تقریر فرما رہی تھیں۔ "میری وجہ سے ایسا ہی خلل ہوتا ہے تو میں گھر سے باہر رہا کروں گی اور اب تو میں نے کان پکڑے کہ کبھی آپ کی ہمدردی میں بھی کوئی بات نہ کہا کروں گی۔ ہفتہ بھر سے برابر چیخ رہی ہوں کہ حکیم صاحب کے یہاں جا کر سر کے درد کے لئے کوئی نسخہ لے آیئے مگر میری سنتا کون ہے اب سے دورہ ماموں میاں کو بھی سر کے درد نے پریشان کر رکھا تھا انہوں نے حکیم صاحب کا نسخہ کوئی ایک ہفتہ استعمال کیا ہوگا بالکل اچھے ہو گئے۔ مگر یہاں تو مرض بڑھا جاتا ہے اور پھر طرہ یہ کہ رات بھر لکھا جائے گا اور صاحب بولو تو گنہگار۔ آنکھوں کا یہ حال ہے کہ روز بروز چشمہ کا شیشہ موٹا ہوتا جا رہا ہے اور کیوں۔ جب راتوں کو اس طرح جاگ کر لکھائی ا . . . ہوگی تو آنکھوں کی روشنی کہاں سے رہے گی خدا نے دن کام کے لئے اور رات آرام کے لئے بنائی ہے مگر ان کا کارخانہ . . . ہے مجھے ـــــــ کبھی میں . . . نے دن . . . ـــــــ رات کو ـــ"

(باقی اگلے صفحہ پر)

مرحومہ ہوا!

پچھلے صفحہ سے

دفتر ـــــ لکھنا ـــــ پڑھنا ـــــ
ـــــ تو ـــــ کان ـــــ
ـــــ ناک ـــــ انگلی ـــــ عینک
ـــــ آنکھ ـــــ دماغ ـــــ سوئی
ـــــ مگر ـــــ اگر ـــــ "

صبح جو ہماری آنکھ کھلی تو دس بجنے میں چھ سات منٹ باقی تھے خیریت یہ ہوئی کہ آج تعطیل کا دن تھا ورنہ غیرحاضری گویا سلوکیشن ہوتی۔ ہم کو بیدار دیکھ کر بیگم نے چائے لگادی اور چائے سے فراغت کے بعد بولیں:

"اب آپ حقہ کو تھوک دیجئے۔ اور پہلے تو حکیم صاحب کے پاس تشریف لے جائیے۔ اس کے بعد آکر کھانا کھائیے اور اطمینان سے رات تک لکھئے۔ جتنا لکھا جائے لکھئے آپ"

ہم نے ایک سعادت مند شوہر کی طرح نقطہ بنقطہ اُن کے تمام احکام کی پابندی کی حکیم صاحب کے یہاں بھی گئے اور واپسی پر کھانا بھی کھایا۔ اس کے بعد لکھنے کے لئے بیٹھے بیگم نے حسب وعدہ فوراً کمرہ خالی کر دیا۔ اور ہم کو مضمون نگاری کا پورا پورا موقعہ اس طرح دے دیا کہ اول تو خود ہٹ گئیں، دوسرے خاصدان میں بہت سے پان رکھ لئیں اور سب سے بڑی بات یہ کہ حقہ کا بھی انتظام فرما دیا جس کے کشوں سے دھوئیں کی چادریں اوڑھ کر الہام خانہ فطرت سے دماغ میں خیالات آتے ہیں۔ ہم نے اس رمسیانہ تھا کے ساتھ حقہ کے کش لے لے کر پلاٹ سوچنا شروع کیا۔ اور تھوڑی ہی دیر میں اپنے تخیلات کی دنیا میں گم ہوگئے اور اسی عالم محویت میں قلم اٹھا کر کاغذ پر ہم نے لکھنے کے

بعد مضمون کا عنوان لکھا "طوفان" اس عنوان کے ماتحت ہم جو کچھ لکھنے والے تھے۔ اس کے لئے خیالات کا ایک طوفان ہمارے دماغ میں محدود تخیل تھا۔ اب ہم نے لکھنا شروع کیا:-

"ہم قیامت کی سپیین گوئیاں کرتے رہتے ہیں اور مرتے رہتے ہیں!"

آواز آئی۔ "ذرا ایک منٹ کے لئے خلل انداز ہونا چاہتی ہوں!"

معلوم ہوا کہ تخیلات کی دنیا سے ٹھاکر کسی نے اس بری طرح پھینکا ہے کہ ہم ابھی اپنے غریب خانہ میں اس کرسی پر آکر گرے ہیں جس پر اس وقت تشریف فرما ہیں۔ غصہ تو بہت آیا۔ مگر جس بیوی نے خاصدان میں پان رکھ کے حقہ بھر دیا ہو جو غریب خود زندہ حیات ہونے کے باوجود آج بکمال ایثار ہم کو مضمون نگاری کے لئے تنہا چھوڑ گئی۔ اس کی اس مداخلت بیجا کو انگیز کرنا ہی چاہیئے تھا۔ لہٰذا ہم نے منافقانہ تبسم کے ساتھ کہا:- "کہئے کیا بات ہے؟"

بیگم نے نسخہ دکھلاتے ہوئے کہا:- "یہ دوائیں تو بھگو دی جائیں گی؟ اور یہ بیج پیسے جائیں گے۔ ان دو دواؤں کی پوٹلی بنے گی۔ مگر یہ سمجھ میں نہیں آتا کہ یہ باقی دوائیں کیا ہوں گی۔ مثلاً یہ خرفہ کے بیج اور یہ آلو بخارے . . ."

ہم نے نسخہ ہاتھ میں لے کر دیکھا اور اس کی عبارت کو پہلے پڑھنے اور بعد میں سمجھنے کی ناکام کوشش کے بعد اس طرح کہا کہ گویا سمجھ گئے:- "یہ بیج پیسے جائیں گے یقیناً بھگو یا جائے گا۔ یہ تمام دوائیں پوٹلی میں ڈال کر اچھال دی جائیں گی اور اس عرق سے دوا کا پیالہ دھو کر بیج تازہ پانی سے اس پیالہ میں پلا دیا جائیگا"

بیگم نے غور سے سننے کے بعد کہا:- "بیٹنے بھی۔ تخم بیج بنائیے ہو گا کیا؟"

ہم نے نسخہ اچھالتے ہوئے کہا:- "اجی بدتمیز حکیم سے پوچھو کیا ہوگا۔ میں کیا جانوں؟"

بیگم نے مایوس ہوکر کہا:- "تو میں ماموں میاں سے پوچھ لوں!"

ہم نے کہا "ہاں ہاں! مجھے بخشو۔"

بیگم کے چلے جانے کے بعد جو ہم نے اس جملہ پر غور کیا کہ "ہم قیامت کی پیشین گوئیاں کرتے رہتے ہیں اور مرتے رہتے ہیں" تو یہ جملہ حکیم صاحب کے نسخہ سے کچھ کم پیچیدہ مقر ثابت نہ ہوا۔ دل چاہا کہ اس جملے کے آگے حکیم صاحب کا پورا نسخہ نقل کر دیں۔ دماغ میں جو خیالات کا طوفان ابھی تھوڑی دیر پہلے تھا اس کا اب کوسوں پتہ نہ تھا، اور سمجھ ہی میں نہ آتا تھا کہ ہم آخر لکھنے والے کیا تھے۔ تھوڑی دیر تک سر جھکائے سوچتے رہے یہاں تک کہ سر میں درد شروع ہوگیا اور مجبوراً اسی ایک جملہ پر مضمون کو ختم کر کے سر میں رومال باندھ کر پڑ رہے لیجئے مضمون ختم ہو گیا خدا جنت نصیب کرے۔ وہ حال اب کہاں وہ خلوص وہمدردی، وہ سر کے درد کا خیال اب کون کرے۔ موجودہ موسم گورنمنٹ کا آئین جو انسانی جذبات ہے۔ اب تو یہ ہوتا ہے کہ مضمون لکھو تو لکھنے کے کمرہ میں جا کر لکھو، جہاں اگر اتفاق سے قلب کی حرکت بند ہونے لگے تو خلل کے خوف سے شربت کا ایک چمچہ بھی حلق میں ٹپکانے کوئی نہ آئے گا۔ اور اس دوران میں کیا مجال کہ پرندہ بھی پر مار جائے۔ بچوں کا شور وغل، گھر کی چہل پہل سب یک لخت گویا ہڑتال ہو جاتی ہیں اور مضمون زبردستی لکھنا پڑتا ہے خواہ "شعر گفتن" والا مضمون ہو یا "شعر زادن" والا مضمون بیگم صاحبہ کو اس سے کوئی بحث نہیں ہوتی اور نہ یہ پوچھا جاتا ہے کہ سر میں درد اب کس حد تک ہے مختصر یہ کہ رہ رہ کر مرحومہ یاد آتی ہیں خدا ان کو پہلو پہلو جنت نصیب کرے!

مسز نیلی سین گپتا

جو اپنے محب وطن شوہر سورگیہ میں گپتا کے قد بہ قدم چلکر ملک و قوم کی گراں بہا خدمات سرانجام دے رہی ہیں

لائڈ دارج کی چھوٹی صاحبزادی مس میگن لائڈجارج جو برطانی پارلیمینٹ کی ممبر منتخب ہوئی ہیں

کیلیفورنیہ میں عورتیں کاشتکاری کی جدید ترین مشین استعمال کرنے لگی ہیں

بیگم شاہ نواز
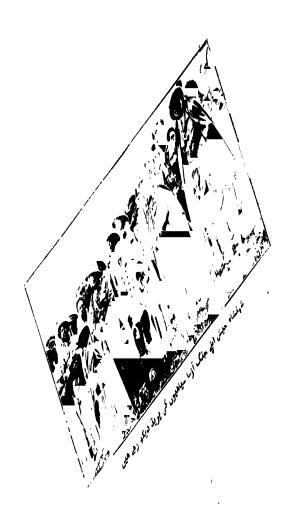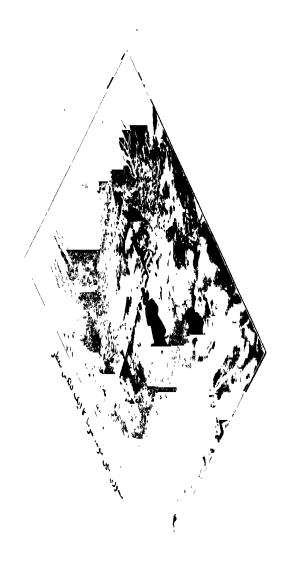
انہوں نے گذشتہ دنوں جنیوا سے واپسی پر شملہ میں آل انڈیا خواتین کانفرنس کے اجلاس کی صدارت کی

شہنشاہ حبش راس تفاری کے محافظ جو تخت گاہ کے دروازوں پر پہرہ دے رہے ہیں

ہاکی گراؤنڈ میں عورتیں ہاکی کا میچ کھیل رہی ہیں

وقت کی پابندی

(از قلم جناب مائی دیال جین بی اے۔ (آنرز) بی۔ٹی۔ سینئر ٹیچر بی۔ڈی اسکول انبالہ)

(خاص تیج ویکلی کے لئے)

اس عادت کی اہمیت پر غور کرنا چاہیئے۔ یہ سب سے اعلیٰ وصف ہے اور دولت سے بھی زیادہ قیمتی ہے اس شخص کا سب آدمی بھروسہ کرسکتے ہیں جس کے متعلق یقین ہو کہ جس وقت وہ کسی کام کو کرنے کا وعدہ کرتا ہے اس کام کو اسی وقت کر دیتا ہے۔ جو آدمی وقت کا ٹھیک استعمال کرسکتا ہے اس کے پاس وقت کی کمی نہیں رہتی۔ جو آدمی وقت پر کام نہیں کرتے انہیں پچھتانا پڑتا ہے۔ ایک دو منٹ کی دیر ہوجانے سے ریل گاڑی نکل جاتی ہے اور مسافر کا بڑا کام رہ جاتا ہے۔ وقت پر کام نہ کرنے سے کام کا بوجھ بڑھ جاتا ہے۔ جو آدمی وقت کی پابندی نہیں کرتے ان کا اپنا وقت اور اُن پر بھروسہ کرنے والوں کا بہت ہی قیمتی وقت برباد ہو جاتا ہے کسی کو اس بات کا اختیار نہیں ہے کہ وہ دوسرے آدمیوں کے وقت کو اپنے جھوٹے وعدوں سے خراب کرے۔

وقت کی پابندی تجارت کی روح ہے۔ وقت کی پابندی نہ کرنے والے دھوبی درزی اور دیگر کاریگر بہت برے معلوم ہوتے ہیں۔

اپنے کام پر ہمیشہ وقت پر جانا چاہیئے۔ طالب علموں کو اسکول میں ہمیشہ وقت پر جانا چاہیئے۔ وقت پر سکول نہ جانے والے طالب علم ہر ماہ پانچ۔ چھ آنے جرمانہ دیتے ہیں۔ جو لڑکے وقت پر اپنا کام نہیں کرتے انہیں امتحان کے نزدیک آنے پر بہت کام کرنا پڑتا ہے۔ کبھی کبھی ایسے لڑکوں کی صحت خراب ہوجاتی ہے اور وہ امتحان میں ناکامیاب ہوجاتے ہیں۔

جن سوسائٹیوں اور جلسوں میں وقت کی پابندی نہیں ہوتی اُن سے بہت سے آدمیوں کا وقت ضائع ہوتا ہے۔ وقت کی پابندی کے لئے گھڑی اور نوٹ بک بہت ضروری ہیں۔

اطاعت

اطاعت یا فرمانبرداری ایک بہت اچھا وصف ہے۔ فرمانبردار اولاد۔ طالب علم۔ بیوی اور نوکر سب کو اچھے معلوم ہوتے ہیں۔ ہمیں اپنے والدین۔ استاد صاحبان اور ان سب اشخاص کے حکم کی تعمیل کرنی چاہیئے جو ہمارے خیرخواہ ہیں۔ فرمانبرداری ہمیشہ خوش دلی سے بلا سوال کئے کرنی چاہیئے۔ بے بسی یا بے دلی سے حکم ماننا اچھا معلوم نہیں ہوتا۔ جو آدمی بڑا بننا چاہتے ہیں انہیں چاہیئے کہ خود اطاعت کرنا سیکھیں۔ خود حکم کی تعمیل کرنے سے ہی انسان کو حکم دینے کا اختیار ملتا ہے۔ ایسا شخص مناسب طور سے حکم ہی نہیں دے سکتا جس نے خود کبھی فرمانبرداری نہیں سیکھی۔

دوستی

دنیا میں ایک اچھے دوست سے اچھی اور کوئی بھی چیز نہیں ہے۔ ایک سچا دوست آرام دیتا ہے مصیبت میں ساتھ دیتا ہے اور ترقی کرنے میں مدد کرتا ہے۔ ایک عمدہ دوست ہمارے بہت سے کاموں میں مددگار رہتا ہے۔ لیکن ایک برا دوست ہر طرح سے دُکھ ہی دیتا ہے اس لئے دوستی میں بڑی احتیاط سے کام لینا چاہیئے۔ جن آدمیوں سے صرف تمہاری میل ملاقات ہے انہیں اپنے دوستوں میں شمار مت کرو۔ خوب جانچ کرکے دوست بنانا چاہیئے۔ اور پھر اس کی دوستی قائم رکھنی بھی چاہیئے۔

اپنے دوستوں سے محبت کرو اور ان کا یقین کرو۔ اُن کے کسی راز کو ظاہر مت کرو۔ مصیبت کا وقت دوست کے امتحان کا وقت ہوتا ہے۔ وقت پڑنے پر اپنی بساط کے مطابق اپنے دوست کی مدد کرنی چاہیئے۔ اسی سے گہری دوستی ہوتی ہے۔

خوشامدی۔ خود غرض۔ نادان اور بناوٹی دوستوں سے دُور رہنا چاہیئے۔ ان کی باتوں میں نہیں آنا چاہیئے۔ سکھ میں اور دولت پاس ہونے پر ایسے آدمی اپنے آپ کو بڑا دوست ظاہر کرتے ہیں۔ بہت سی ریاستیں اور امیر خاندان اس طرح کے بناوٹی دوستوں کی وجہ سے برباد ہوگئے ہیں

اچھی کتابیں بھی اچھے دوستوں کی مانند فائدہ مند ہیں۔ اچھی کتابوں کے ذریعہ تم بڑے بڑے آدمیوں کے خیالات معلوم کرسکتے ہو۔ ان سے تمہیں بہت سی اچھی نصیحتیں ملیں گی۔ مصیبت میں وہ تمہیں ہمت بندھائیں گی۔ اور جس وقت تمہارا دل ناخوش ہوگا اُسوقت وہ تمہیں ہنسائیں گی۔ اچھے دوستوں اور اچھی کتابوں کے چننے میں بڑی ہوشیاری سے کام لینا چاہیئے۔

عبادت خُدا پرستی کا نام

(از جناب مولینا عبدالباری صاحب آسی)

حضرت عیسیٰ کا اثنائے سفر میں ایک روز | ایک ایسی قوم صالح پر ہوا ناگہ گذر
جو رہا کرتی تھی مصروف عبادت رات دن | جو جھکائے رکھتی تھی سجدے میں سر شام و سحر
آپ نے پوچھا کہ کیوں اے عابدان نیک ذات | کیا ہے وہ جس کا کہ تم لوگوں کے دل پر ہے اثر
اس عبادت سے تمہیں کس چیز کی امید ہے | اور وہ شے کیا ہے جس کا خوف ہے آٹھوں پہر
بولے جو امید ہے ہم کو ہے جنت کی امید | اور جس کا خوف ہے ہم کو ہے وہ نار سقر
حضرت عیسیٰ بہت افسوس سے کہنے لگے | آہ اب تک اصل حقیقت سے ہو تم سب بے خبر

خوف ہے مخلوق سے اُمید ہے مخلوق کی
الغرض اب تک نہیں پہنچی ہے خالق تک نظر

صبر

صبر آدمی کو یہ سکھاتا ہے کہ اس کی قابلیت اور حالت کے مطابق اس کی جتنی آمدنی ہے اُس پر ہی وہ خوش رہے اور جن تکلیفوں کو وہ دور نہیں کرسکتا انہیں خوشی سے برداشت کرے۔ اس کا یہ مطلب نہیں ہے کہ جن تکلیفوں کو وہ دُور کرسکتا ہے انہیں بھی برداشت کرے۔ اگر ذرا سی محنت سے وہ اپنی آمدنی کو بڑھا سکتا ہے تو بھی صبر کے نام پر ہاتھ پر ہاتھ دھر کر بیٹھا رہے۔ ہر ایک آدمی کو ترقی کرنے کی کوشش کرنی چاہیئے۔ کوئی کام ایک دم نہیں ہوتا۔ ترقی آہستہ آہستہ ہی ہوتی ہے۔

دلی راحت حاصل کرنے کے لئے صبر کا ہونا ضروری ہے۔ دولت کی کمی اور مصیبت صابر آدمی کو زیادہ دکھ دینے والے معلوم نہیں ہوتے۔ بہت سے آدمی اپنی موجودہ حالت سے دُکھی رہتے ہیں اور ہر وقت دل میں کُڑھتے رہتے ہیں۔ صبر ان دونوں کو دُور کرنے کے لئے بڑی اچھی چیز ہے۔ صبر سے لالچ اور حسد انسان سے دُور رہتے ہیں۔

عالم نسواں

گرام سُدھار اور استریاں

(از شریمتی ڈاکٹر کیلاش ناتھ کٹجو - الہ آباد)

خوشی کی بات ہے کہ اس وقت ہمارے لیڈروں کی توجہ دیہات کی جانب منتقل ہوئی ہے۔ اس امر سے کوئی انکار نہیں کر سکتا کہ ہندوستان کی زیادہ آبادی دیہات میں ہی بستی ہے۔ دیہات کی ابتر حالت سے کوئی انکار نہیں کر سکتا۔ گاؤں کے سیدھے سادے لوگ اور ان کی استریاں تعلیم نہ ہونے کی وجہ سے اندھیرے میں رہتی ہیں۔ انہیں ایک حرف بھی لکھنا پڑھنا نہیں آتا۔ صحت اور صفائی کے متعلق بھی یہ بالکل بے بہرہ ہیں۔ ان لوگوں میں زیادہ تر غریبی کے شکار ہیں۔ اور بعض کو دن میں ایک بار بھی پیٹ بھر کر کھانا نصیب نہیں ہوتا۔ ان کے ننھے بچے بھوکے مرتے ہیں۔ ان کی ہڈی ہڈی دکھائی دیتی ہے۔ جسم پر چیتھڑے لپیٹے رہتے ہیں۔ اور اگر سچ پوچھا جائے تو ایشور کے سوا ان کی دیکھ بھال کرنے والا کوئی نہیں ہے۔ جو لوگ خوش قسمت اور تعلیم یافتہ ہیں ان کا فرض ہے کہ وہ ان کی طرف دھیان دیں اور انہیں تعلیم سکھائیں۔ تعلیم یافتہ لوگ ہی دیہات سدھار کے کام میں زیادہ حصہ لے سکتے ہیں۔

اس سلسلہ میں ہماری پہلی کوشش یہی ہونی چاہئے کہ ان غریب لوگوں کی آمدنی میں کچھ اضافہ ہو جائے تاکہ وہ کچھ کھانا اور کپڑا حاصل کر سکیں۔ اس مقصد کے حصول کے لئے تعلیم یافتہ دیویاں گاؤں میں سوت کاتنے، کپڑا بننے اور دیگر گھریلو دستکاریوں کا پرچار کر سکتی ہیں۔ زیادہ عرصہ نہیں گذرا کہ گاؤں میں ہر گھر کے اندر دیویاں چرخہ چلاتی تھیں۔ اب بھی اس کام کی کافی گنجائش ہے۔ سوت کاتنا استریوں کا سب سے مقدم فرض ہونا چاہئے۔ جب مرد کھیتوں میں جا کر کام کریں تو عورتوں کو اپنا وقت سوت کاتنے میں ہی لگانا چاہیئے۔ اس طرح وہ اپنے کپڑوں کا انتظام کر سکتی ہیں اور اپنے اندازہ سے بچی ہوئی کھادی کو فروخت کر کے کچھ آمدنی بڑھا سکتی ہیں۔ ممکن ہے کہ گاؤں کی عورتیں اس سلسلہ میں مردوں کی باتوں پر دھیان نہ دیں۔ مگر جب دیویاں ہی انہیں سمجھائیں گی تو ضرور ان پر اثر پڑے گا۔ اس قسم کی دیویاں اگر چاہیں تو گاؤں میں سوت کاتنے کے مرکز قائم کر سکتی ہیں۔ روئی بانٹنے اور سوت اکٹھا کرنے کا دستور جاری کر سکتی ہیں۔ اور اگر ضروری ہو تو کچھ مردوں کی امداد سے اسی گاؤں میں کپڑا بننے کی کھڈیاں بھی لگائی جا سکتی ہیں۔

دوسرا مسئلہ جس پر میری رائے میں فوراً توجہ کرنے کی ضرورت ہے گاؤں کی لڑکیوں میں تعلیم کا پرچار کرنا ہے۔ لڑکوں کی تعلیم کا تو آہستہ آہستہ رواج ہو رہا ہے اور والدین اس کی ضرورت کا احساس کر رہے ہیں اور گاؤں میں لڑکوں کے لئے پرائمری اسکول وغیرہ کھولے بھی جا رہے ہیں۔ اب یہ کہا جا سکتا ہے کہ تین چار میل یا اس سے بھی کم رقبہ میں لڑکوں کا ایک اسکول موجود ہے۔ اب بھی اس کا انتظام خاطر خواہ طور پر نہیں ہو سکا لیکن پہلے کی نسبت اس طرف کافی ترقی ہوئی ہے۔ مگر جب ہم لڑکیوں کے مسئلہ پر توجہ کرتے ہیں تو یہ صفر کے برابر دکھائی دیتا ہے۔ گاؤں کی عورتیں اگر اپنی لڑکیوں کو گاؤں کے باہر سکولوں میں بھیجنے سے ہچکچاتی ہیں تو اس کے لئے ہم انہیں قصوروار نہیں ٹھہرا سکتے۔ ان کا یہ جذبہ بالکل قدرتی ہے۔ یہ امر بھی ہم سے پوشیدہ نہیں ہے کہ لڑکیوں کے جو اسکول ہیں وہ بہت دور دراز مقامات پر قائم ہیں جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ اچھے گھرانوں کی لڑکیاں بھی زیادہ پڑھ لکھ نہیں سکیں۔ بہت غور و خوض کے بعد میں اس نتیجہ پر پہنچی ہوں کہ اس مسئلہ کا حل زیادہ تر گاؤں والوں کی اپنی خواہش سے ہی ہو سکتا ہے۔ میں تو سمجھتی ہوں کہ تعلیم یافتہ عورتوں کے ذریعہ ہی جنہوں نے گاؤں میں رہنے کا فیصلہ کر لیا ہو اس مسئلہ کا آسانی سے حل ہو سکتا ہے۔ وہ دیہات میں لڑکیوں کے لئے چھوٹے چھوٹے اسکول قائم کر سکتی ہیں جن میں معمولی لکھنے پڑھنے اور حساب کی تعلیم دی جائے۔ اگر دیہات میں لڑکیوں کی تعلیم کا خاطر خواہ طریقہ پر انتظام ہو جائے تو میرا خیال ہے کہ صرف ایک پشت کے بعد ہی ان کی حالت بالکل بدل جائے گی۔ آج دیہات میں ہم جو کچھ دیکھتے ہیں وہ دراصل عورتوں میں تعلیم نہ ہونے کی وجہ سے ہی ہے۔ اگر گاؤں کے سب لڑکے سکولوں میں تعلیم حاصل کریں اور ان کی لڑکیاں اسی حالت میں چھوڑ دی جائیں تو دیہات کی کچھ ترقی نہیں ہو سکتی۔ گھر کی زندگی میں عورتوں کا کام سب سے اونچا ہے اور جب تک ان میں تعلیم کی روشنی نہیں پھیلتی ترقی کی امید ایک بیہودہ وہم ہے۔ اس سلسلہ میں تعلیم یافتہ عورتیں دیہات کی کایا پلٹ سکتی ہیں۔ یہ کام زیادہ تر عورتوں کا ہی ہے۔ کیونکہ استریوں کا سدھار ہی اصل سدھار ہے۔ اگر عورتوں میں ابتدائی تعلیم کا پرچار ہو جائے تو دیہات کی حالت بہت کچھ سدھر سکتی ہے۔

گاؤں میں کام کرنے والی تعلیم یافتہ عورتیں لڑکیوں کی تعلیم کے ساتھ ساتھ صفائی اور بچوں کی دیکھ بھال کا کام بھی کر سکتی ہیں۔ اگر دیویاں اپنے دائرہ نگاہ کو بڑھا لیں اور تمام گاؤں کو ایک خاندان سمجھ لیں تو صفائی کا مسئلہ آج حل ہو سکتا ہے۔

آجکل دیہات سدھار کا جو کام شروع کیا گیا ہے اس میں کوئی بھی کام ایسا نہیں ہے جسے عورتیں آسانی کے ساتھ سرانجام نہ دے سکیں۔

ہم نے سیاسی ترقی کے جس عظیم کام کو شروع کیا ہے وہ اسی وقت کامیاب ہو سکتا ہے جب ہم اپنے لڑکے اور لڑکیوں کی صحت کا پورا خیال رکھیں۔

دیہات سدھار کے کام میں پڑھی لکھی عورتوں کو پوری توجہ دینی چاہئے۔

غزل

(انتخاب ...)

(از جناب اخگر - مرادآبادی)

کس طرح دل لگاؤں جہانِ خراب میں
رکھا ہی کیا ہوا ہے سوائے حباب میں

میرا خدا ہے میری خودی کے حجاب میں
یعنی چھپا ہوا ہے مصنف کتاب میں

ہم متفق ہو سکتے ہیں مذہب کے نام پر
کانٹوں کو کیوں بساتے ہو عطرِ گلاب میں

ہر شکل ہے ان کے جلووں کو دل میں سمیٹنا
مجھ سے بھرا گیا نہ سمندر حباب میں

جو دل کے وہی چراغ نے محفل کی روشنی
کارِ ثواب کر کے پڑا کیوں عذاب میں

پھولوں کیوں کر سمٹتے ہی کانٹے چبھا نہیں ہیں
کانٹے تو ہیں ضرور مگر ہیں گلاب میں

کیا پوچھنا تھا زندگیٔ مستعار پر
اپنی گرہ کا کیا تھا نمودِ حباب میں

اہلِ ہوس کو مل نہیں سکتا سکونِ دل
پانی تلاش کرتا ہے ناداں سراب میں

آنکھیں کہ روح میرے بدن سے نکل گئی
تھی اک جھلک سی برق کی اور وہ بھی خواب میں

ہر نفس ہم کسی کے بھی تو موجود ہے خدا
دریا سما سکا نہ سمٹ کر حباب میں

موجیں نہیں ہیں اخگر ناداں انہیں نہ چھو
لہرا رہے ہیں سانپ کے بچے شراب میں

جذباتِ بسمل

(از جناب بسمل - الہ آبادی)

(خاص تیج دیکلی کے لیے)

اُس کو گھر بیٹھے کمالِ عشق حاصل ہو گیا
دل سے تم نے کہدیا جس دل کو وہ دل ہو گیا

وسعتِ دنیائے درد و غم میں کامل ہو گیا
بڑھتے بڑھتے ایک قطرہ خون کا دل ہو گیا

عشق و الفت میں مرا دل آپکا دل ہو گیا
مجھ کو مرنا اور جینا دونوں مشکل ہو گیا

روح کیا نکلی غمِ دنیا سے فرصت مل گئی
مر نہ جانے کا جو مطلب تھا وہ حاصل ہو گیا

جوش کھا کر جم گئے تھے چند قطرے خون کے
نام انہیں کا اصطلاحِ عشق میں دل ہو گیا

آشیاں چھوٹا نہ چھوٹا گردشِ قسمت کا ساتھ
تو قفس میں بھی ٹھہرنا مجھکو مشکل ہو گیا

موت کیا ہے زندگی کی دوسری تصویر ہے
جس نے اس رخ سے اسے دیکھا وہ کامل ہو گیا

نزع میں لیں اس نے اس انداز سے انگڑائیاں
میرا جینا کیا مرا مرنا بھی مشکل ہو گیا

جس جگہ بسمل گئے رونق وہیں کی بڑھ گئی
دیکھئے کیا تھا ابھی کیا رنگِ محفل ہو گیا

عاقل پہلے سوچتا ہے اور احمق بات کرنے کے بعد سوچتا ہے۔

ایسی گفتگو نہ کرو کہ جس کے الفاظ لوگوں کے کلیجے چھیدیں اور چھاتیوں میں برچھیاں لگائیں۔

اُستاد کے سامنے شاگرد کو چُپ رہنا چاہیئے جیسے نرم زمین جس پر بہت سا مینہ برسے اور وہ سب پی جاے۔

انسان کو چاہیئے کہ وہ کسی ایک علم میں کامل ہو اور باقی علوم میں سے تھوڑا تھوڑا حاصل کرے۔

طالبعلم میں تین باتیں ضرور ہونی چاہئیں :-
اوّل :- عقل
دوم :- ادب
سوم :- اچھی سمجھ۔

"غیر ممکن" دنیا میں کچھ نہیں۔ نپولین بوناپارٹ کے عہد میں غیر ممکن لکھنا جُرم تھا۔

رنج۔ مصیبت کو نہ ٹال سکتا ہے اور نہ ہی اس کو ہلکا کر سکتا ہے۔

مصیبت انکساری کی صفت پیدا کرتی ہے اور خدا کی یاد دلاتی ہے۔

مصیبت آنے سے انسان بالکل بدل جاتا ہے۔ کاہل تھا تو چُست و چالاک۔ آرام طلب تھا تو جفاکش۔ مُسرف تھا تو کفایت شعار اور آوارہ تھا تو نیک کردار ہو جاتا ہے۔

مطالعہ انسان کو وسیع المعلومات اور لکھنا کامل بناتا ہے۔

اُمید ناشتہ کے لئے عمدہ ہے مگر کھانے کے لئے بُری ہے۔

سب سے بڑی بھائی وہ ہے کہ کوئی حقیقی دوست نہ ہو۔

ارسلہ جناب شجاعت علی صاحب شجیع رکن بزم دار فتگان ادب کلکتہ

ایک موٹر ڈرائیور نے ایک دفعہ از راہ مہربانی ایک کسان کو اپنی موٹر میں بٹھا لیا۔ موٹر ۶۰ میل فی گھنٹہ کی رفتار سے جا رہی تھی جب یکایک قابو سے باہر ہو گئی۔ ڈرائیور نے اُسے روکنے کی بہت کوشش کی مگر کامیاب نہ ہوا۔ اور بالآخر موٹر ایک درخت سے ٹکرا کر چُور چُور ہو گئی۔
خوش قسمتی سے کسان اور ڈرائیور حادثہ پیش آتے ہی اُچھل کر باہر جا گرے۔ کسان فوراً اُٹھا۔ اپنے کپڑے جھاڑ کر اور پائپ سُلگا کر بولا۔
"بہت خوب۔ لیکن میں یہ سوچ رہا ہوں کہ اس جگہ جہاں کوئی درخت نہ ہو یہ موٹر کس طرح رُکتی"؟

ایک ماسٹر صاحب جن کو صرف بیس روپیہ ماہوار تنخواہ ملتی تھی کسی چھوٹی جماعت کو جغرافیہ پڑھایا کرتے تھے۔ ایک روز انسپکٹر صاحب اُن کے اسکول کا معائنہ کرنے آئے۔ جب وہ ماسٹر صاحب کی کلاس کے سامنے سے گذر رہے تھے تو ماسٹر صاحب نے اس طرح پڑھانا شروع کیا۔
"دیکھو لڑکو! زمین چپٹی ہوتی ہے"
انسپکٹر صاحب یہ سُنکر دروازے کے سامنے رُک گئے۔ اور انہوں نے ماسٹر صاحب سے دریافت کیا۔
"یہ آپ کیا پڑھا رہے ہیں!"
ماسٹر صاحب نے نہایت مؤدبانہ لہجہ میں جواب دیا۔
"حضور بیس روپیہ میں تو چپٹی ہی پڑھائی جاتی ہے"

کسی یک چشم نے مجھ سے شرط لگائی کہ میں آپ سے زیادہ دیکھتا ہوں۔ اور شرط لگاتے ہی بول اُٹھا۔ میں جیتا۔ میں جیتا۔ کیونکہ آپ میری ایک آنکھ اور میں آپ کی دو آنکھیں دیکھتا ہوں۔

فخر الدین:- میاں لدھا اگر تمہارے نام پر دو کشش لگا دیں تو کیا بنے؟
لدھا:- جو آپ کے نام پر سے ف اُڑانے سے بنتا ہے۔

ایک فقیر نے ایک قاضی سے کہا کہ جناب مجھے کچھ کھانے کو دو۔ قاضی صاحب نے کہا کہ اچھا قسم کھاؤ اور فوراً چلے جاؤ۔

افسانہ

پریم

(از جناب نند کشور سریواستو۔ شاکر محمود آبادی)

جسونت نئی روشنی کا ایک اہل دل اور منچلا نوجوان۔ اپنے نامی وگرامی دولتمند اور رئیس باپ کا اکلوتا لڑکا تھا۔ کرم ناتھ شنکر نے کمسنی ہی میں اس کی شادی ایک شریف و سنجیدہ اور با وفا لڑکی کے ساتھ کر دی تھی کرم ناتھ شنکر اپنے نور نظر کا سہرا دیکھکر زیادہ عرصے تک زندہ نہیں رہ سکے۔ ان کی عمر کا پیمانہ لبریز ہو گیا اور وہ سیر ہو کر اس جہان سے نکل کھڑے ہوئے۔ شوہر پرست پریم لتا نے پہلے دو سال جسونت کے شریک زندگی رہ کر گذار دئے تھے۔ لیکن سچی خوشی اور اصلی مسرت کا نورانی چہرہ اسے ایک روز بھی دیکھنے کو نہیں ملا تھا۔ گو صورت اور سیرت کی تقسیم کے وقت قدرت نے اس کے ساتھ نہایت فیاضانہ سلوک کیا تھا مگر قسمت کے معاملہ میں شاید وہ بالکل نظر انداز کر دی گئی تھی۔ کہا جاتا ہے کہ صورت اور سیرت باہم متحد ہو کر انسان کو فرشتہ بنا دیتی ہے۔ لیکن بدنصیب پریم لتا کو صورت۔ سیرت اور شوہر پرستی۔ یہ تینوں مل کر فرشتہ تو کون کہے، انسان بھی نہ بنا سکیں۔ ہاں معمولی انسان کی حیثیت بھی نہ دلا سکیں۔ بس ایسے ہی موقعوں پر ایک منکر قسمت بھی قسمت کا ماننے لگ جاتا ہے۔

سسرال میں عورت جب بدمزگی محسوس کرتی ہے تو اسے اپنا میکا یاد آتا ہے۔ مگر تیرہ بخت پریم لتا اپنے میکے کی یاد کر کے ذرا بھی مطمئن نہ رہ سکتی تھی۔ بلکہ یوں کہنا چاہیے کہ وہ ان خیالات میں الجھ کر اور زیادہ بیتاب ہو جاتی تھی۔ کیونکہ خانہ خدا کی طرح اس کا صنم کدہ بتوں سے بالکل خالی تھا۔ یعنی مظلوم لڑکی کے گھر نہیں اس کا پرسان حال کوئی ایک شخص بھی باقی نہ رہا تھا۔ یہ انقلاب عالم کی عجیب چیز نیرنگیاں ہیں۔ کسی شوہر پرست خاتون کو ایسے خیالات زیادہ عرصے تک مغموم نہیں رکھ سکتے۔ بشرطیکہ وہ اپنے دیوتا کے دل کی پوری طرح مالک ہو۔ وہ اپنے استرنج کے آگے روحانی تحفے پیش کرتی ہو۔ اور خاطر خواہ اس کا نعم البدل بھی پاتی ہو۔ لیکن یہ کہاں؟ پریم لتا کی حالت تو اس کے بالکل برعکس تھی۔ اس کی محبت اس سے برابر قربانیاں کرا رہی تھی۔ اور قربانیوں کا سلسلہ بھی ایسا لاانتہائی جو کبھی ختم ہونے میں نہ آتا تھا۔ اُسے محبت کے بدلے میں حقارت ملتی تھی اور تبسم کے صلے میں تنفر۔ ان حالات میں پریم لتا کی زندگی خود بدمزہ اور بے لطف ہو گئی۔ سبب یہ تھا کہ اس کے اور جسونت کے درمیان سے میلان طبع بالکل مفقود تھا جس سے قلبی تعلقات کی طنابیں مستحکم ہوتی ہیں۔ اور سچی محبت جس کی ہر قدم پر محتاج ہے۔ ایک طرف جسونت نئی روشنی کے دلدادہ۔ مغربی تہذیب کے عاشق۔ نیز کھاؤ پیو اور خوش رہو کی مشہور کہاوت کے عامل تھے۔ تو دوسری طرف پریم لتا۔ پریم لتا ہی تھی۔ وہ ایک دھرماتما اور راسخ الاعتقاد دیوی تھی۔ پھر دونوں میں میلان طبع ہوتا تو کس طرح؟ پرانی رسم یا لکیر کے بموجب صرف والدین کی مرضی اور خوشی پر ان دونوں کو ایک دوسرے کے ساتھ وابستہ ہونا پڑا تھا۔ پریم لتا اپنے رنج و غم سے زیادہ اپنے پیارے شوہر کی رنجیدگی سے رنجیدہ رہنے لگی۔ جسونت کو پریم لتا دوسری شادی کر لینے پر مجبور کرتی تھی لیکن وہ کبھی اسے باور کرنے پر تیار نہیں ہوتا تھا کہ کوئی عورت اپنے نرم و نازک دل کو سوتیا ڈاہ کی آگ میں جلنے سے بچا سکتی ہے۔ اُسے کامل یقین تھا کہ اگر میں اپنے لئے کوئی شریک زندگی منتخب کرنا چاہوں گا تو بے شک پریم لتا اپنی جان پر کھیل جائے گی۔ اس کی غیور اور خود دار طبیعت لازمی طور پر اسے خودکشی کی طرف مائل کر دیگی۔ ایسے ہی یقین اور عقائد کی وجہ سے وہ پریم لتا کی متواتر جد و جہد اور ان تھک کوششوں کو اس کی نکتہ پاشیوں یا ستم ظریفیوں سے تعبیر کیا کرتا تھا۔ جو غریب پریم لتا اس کی دوسری شادی کے لئے عمل میں لا رہی تھی۔ غلط فہمی بہت تھوڑے دنوں تک حقیقت کے حسین چہرے پر باطل کی بدنما نقاب ڈالے رہ سکتی ہے۔ زیادہ عرصے تک نہیں۔

بسنت پنچمی کا مقدس تہوار تھا۔ پریم لتا نے جسونت کی پسندیدہ نازنین مس کوشل کماری سے اس کی شادی کرا دی تھی۔ اور اب جسونت بھی رفتہ رفتہ اس کی تمام ستم ظریفیوں کو سچائیوں کے نام سے یاد کرنے لگا تھا۔ کیونکہ عملی اقدام سے زیادہ کسی بات کا ثبوت بھی کیا ہو سکتا ہے؟

بہار کا عین شباب تھا۔ بلبلیں عاشق کی طرح بڑی بے صبری کے ساتھ گلہائے رنگا رنگ کے بوسے لے رہی تھیں۔ باد بہاری نئی نویلی دولہن کوشل کماری کی زلف عنبریں کو ایک شریفانہ ادا سے چھیڑتی ہوئی بہہ رہی تھی۔ دنیا میں چاروں طرف سونے کے پھول پھولے ہوئے تھے۔ مسٹر جسونت بھی اپنی روشن خیال نئی بیوی کے ساتھ کسی پُر فضا پارک میں گھڑی دو گھڑی دل بہلانے اور چہل قدمی کے لئے گئے ہوئے تھے۔ اب گھر کی مالکہ مس کوشل کماری تھی اور ان کی خادمہ پریم لتا تھی۔ جسونت اب ہر گھڑی خوش اور بشاش رہنے لگا تھا۔ کوشل کماری اس کی نظروں میں ایک بہشتی حور تھی۔ جو خدا کی خاص رحمت سے اس کے ہاتھ آ گئی تھی۔ اور وثوق کے ساتھ اس نے یہ باور کر لیا تھا کہ اگر میں شمع ہوں تو

(باقی مضمون اگلے صفحہ پر)

مرض تپدق اور اُس کا علاج

(از جناب ڈاکٹر ایم سی۔ ڈلور پوسٹ گریجویٹ ان ٹیوبرکلوسس (انگ) قلعہ گوجر سنگھ۔ لاہور)

(خاص تیج ویکلی کے لئے)

آج کل تپدق بہت ملک میں اتفاقاً انسان کا گھر ... ہے مشکل ہی کوئی شہر یا قصبہ یا گاؤں ہیا ہو جہاں اس مرض سے لوگ محفوظ ہوں۔ کچھ سال ہوئے یہ مرض امریکہ اور یورپ میں بہت تھا۔ ہزارہا لوگ اس مرض کا شکار ہو رہے تھے۔ لیکن ان ملکوں کے محکمہ حفظان صحت نے بھی اس کے انسداد میں کوئی کسر اٹھا نہیں رکھی جیسے جیسے یہ مرض ترقی پذیر ہوتا گیا۔ ویسے ہی لوگ بھی زیادہ خبردار ہوتے گئے۔ شہروں میں اعلیٰ پیمانہ پر صفائی وغیرہ کا انتظام کیا گیا۔ لوگوں میں صحت کے اصولوں کا پرچار کیا گیا۔ اس کے پیدا ہونے اور بڑھنے کے اسباب شائع کئے گئے۔ گو ان ملکوں میں اس مرض کا تناسب کچھ کم ہو گیا ہے تاہم انہیں اس بات کا پورا فکر ہے اور وہ اس کے انسداد کی تدبیریں سوچ رہے ہیں۔ کروڑوں روپیہ اس کی تحقیقات اور انسداد کے طریقوں پر خرچ کئے جا رہے ہیں۔ مگر ہمارا ملک بھی ہیں یہ مرض زور پکڑ رہا ہے اور جہاں اموات کی تعداد ظاہر کرتی ہے کہ ہر سال ہزاروں آدمی اس کا شکار ہو جاتے ہیں۔ لیکن لوگ خاموشی سے اس کے منہ میں چلے جا رہے ہیں۔ کتنا افسوس کا مقام ہے کہ ہمارے ملک کے باشندے صحت کے اصولوں سے بالکل بے بہرہ ہیں۔ ذیل میں ممالک غیر اور ہندوستان کی شرح اموات کا نقشہ دیا جاتا ہے۔

نام ملک	ایک ہزار آبادی میں اموات
ڈنمارک	۶۲
جرمنی	۶۹
سکاٹ لینڈ	۸۷
اٹلی	۱۲۴
آئرلینڈ	۱۲۸
امریکہ	۶۶
کینیڈا	۶۹
انگلینڈ	۹۰
بلجیم	۱۲۶
ہندوستان	۱۸۵

ہندوستان میں ۱۵ سے ۳۰ سال تک جتنی اموات ہوتی ہیں ان میں ایک تہائی اموات اس مرض کی بدولت واقع ہوتی ہیں۔ اگر اس مرض کو ابھی سے نہ روکا گیا تو یہ مرض اتنا بڑھ جائے گا کہ ہر گھر میں اس کے مریض نظر آئیں گے۔ اس کی علامات کے متعلق ہر انسان کو علم ہونا چاہئیے۔

علامات :- (۱) شروع شروع میں جب یہ مرض لاحق ہوتا ہے تو اُس وقت سوائے کمزوری کے انسان کو کچھ معلوم نہیں ہوتا۔ مریض بھی معمولی کمزوری سمجھ کر اسے نظر انداز کر دیتا ہے۔

(۲) آہستہ آہستہ کھانسی زکام کی عام شکایت رہتی ہے۔ کھانسی پہلے خشک ہوتی ہے۔

(۳) مریض شام کے وقت یا بعد دوپہر خاص طور پر کمزوری محسوس کرتا ہے۔ مریضوں کو کمزوری صبح کے وقت محسوس ہوتی ہے۔

(۴) بدہضمی کی شکایت رہتی ہے۔ (۵) بھوک کم لگتی ہے۔ (۶) وزن دن بدن کم ہونے لگتا ہے (۷) چہرے کا رنگ صبح کے وقت پیلا اور شام کے وقت سُرخ ہوتا ہے۔

(۸) سر درد شام کے وقت زیادہ ہوتا ہے (۹) کوئی کام کرنے کو دل نہیں چاہتا۔ (۱۰) انسان مغموم رہتا ہے۔

دماغی پریشانی بڑھنے لگتی ہے (۱۱) خیالات ہمیشہ تاریکی کی طرف جاتے ہیں۔

(۱۲) بعد دوپہر بخار ۹۹ یا ۱۰۰ درجہ تک ہو جاتا ہے

مندرجہ بالا علامات پہلی سٹیج میں پائی جاتی ہیں۔ اس کے بعد یہ مرض ترقی پذیر ہوتا ہے۔ اگر اسکو پہلی سٹیج میں روک لیا جائے تو اس سے شفا پانے کا بہت امکان ہے لیکن یہ امر قابل افسوس ہے کہ معمولی کھانسی نزلہ وغیرہ خیال کر کے اسے نظر انداز کر دیا جاتا ہے اور اس پر طرّہ یہ کہ اسکو حتی الوسع چھپانے کی کوشش کی جاتی ہے۔ انگریزوں میں بیماری کا چھپانا اخلاقی جرم کہلاتا ہے۔ وہ لوگ فوراً اپنے ڈاکٹروں کو (CONSULT) کرتے ہیں ان کے نزدیک دنیا کی سب سے بڑی نعمت ان کی صحت ہے۔ لیکن یہاں معاملہ مختلف ہے۔ آدمی خود بیمار ہو جاتا ہے مگر مرض کو در تک پوشیدہ رکھتا ہے۔ بے شک۔ کوڑھ اور تپ دق جیسے وبائی امراض کو لوگ بڑی سختی سے چھپانے کی کوشش کرتے ہیں۔

دوسری سٹیج کی علامات

(۱) کمزوری بہت بڑھ جاتی ہے۔

(۲) کھانسی شدید جو کہ عموماً رات کے وقت زیادہ ہوتی ہے۔ (۳) بلغم آنے لگتا ہے۔ (۴) بلغم میں خون بھی آتا ہے۔ (۵) بخار زیادہ ہونے لگتا ہے۔

(باقی اگلے صفحہ پر)

پچھلے صفحہ سے

(۶) مریض ہر وقت چارپائی پر لیٹنے پر مجبور ہو جاتا ہے
(۷) بھاری بے حد ہوتی ہے۔

تیسری سٹیج کی علامات

(۱) اس سٹیج میں مریض کمزوری سے نڈھال ہو جاتا ہے
(۲) کھانسی شدید اور بلغم بہت زیادہ ہو جاتا ہے جو کہ کمزوری کی وجہ سے خارج ہونا مشکل ہو جاتا ہے۔
(۳) دست بہت آتے ہیں۔
(۴) پاؤں پر ورم۔
(۵) نبض بہت کمزور۔ اور آخر مریض کئی دنوں

بعد مہینوں تڑپ تڑپ کر جان بحق ہو جاتا ہے۔

ہم اس کا نہایت سہل علاج بیان کرتے ہیں اگر شروع میں اس پر عمل کیا جائے۔ تو مریض کے بچ جانے کا بہت امکان ہے۔

شروع شروع میں جب کہ مریض پہلی سٹیج پر ہو تو مندرجہ ذیل طریق پر عمل کیا جائے۔

(۱) تبدیلی آب و ہوا

جس وقت اس بیماری کا شک معلوم ہو تو فوراً کسی صحت افزا مقام پر تبدیلی آب و ہوا کے لئے چلا جانا چاہئے پہاڑوں کی صاف اور تازہ ہوا اس مرض کا سب سے عمدہ علاج ہے۔ بہت سے مریض آب و ہوا کی تبدیلی سے ہی صحتیاب ہو جاتے ہیں۔ پہاڑوں کی ہوا میں آکسیجن زیادہ ہوتی ہے۔ جو کہ انسانی پھیپھڑوں کی ایک خاص خوراک ہے۔ ہوا کے علاوہ پہاڑوں میں قدرتی پانی کے چشمے اور ہریاول دل کو خوش کرتی ہے۔

پہاڑی ہوا کے علاوہ مریضوں کے لئے سمندری ہوا بھی مفید ثابت ہوتی ہے۔ بحری ہوا میں ایک خاص جزو ہوتا ہے جس کا نام اوزون ہے۔ یہ اوزون بھی پھیپھڑے کے لئے اکسیر ہے۔ اس لئے سمندری یاترا بھی مفید ثابت ہوتی ہے۔

(۲) ہر ایک کا فرض ہے کہ جب ذرا کمزوری محسوس کرے تو اسی دن سے صبح اٹھ کر سیر کو جائے۔ سیر کرنے سے انسان میں تر و تازگی اور بشاشت آتی ہے۔ صاف ہوا کھایا کرتی ہے اور جسم کی ورزش بھی ہو جاتی ہے۔

پرانایام اور کھڑے ہو کر جسم جھکانا اور سانس کو بند کرنا اور پھر آہستہ آہستہ کھولنا نہایت مفید ہے

(۳) عمدہ خوراک

اچھی خوراک تپ دق کے مریض کے لئے لازمی ہے ہر ایک انسان کا فرض ہے کہ وہ ہر ہفتہ وزن کرائے اور اگر کسی ہفتہ وزن کم ہو گیا ہو تو اس کا سبب معلوم کرے اور اس کا انسداد کرے۔ خوراک ہمیشہ صاف اور عمدہ ہو۔ ہماری خوراک کے تین جزو اعظم ہیں۔

(۱) کاربو ہائیڈریٹس
(۲) فیٹ
(۳) پروٹینز

نمبر (۱) پھلوں میں بہت ہوتا ہے۔ چینی اور گڑ میں بھی۔

نمبر ۲۔ چربی۔ تیل۔ اور گھی وغیرہ میں ہوتا ہے۔

نمبر ۳۔ دالیں اور گوشت میں زیادہ ہوتا ہے۔

تپ دق کے مریض کے لئے سب سے زیادہ مفید چیز فیٹ ہے۔

دودھ ایک نہایت مزیدار خوراک ہے اس کا استعمال بہتات سے کرایا جائے۔ لیکن ایک وقت میں تھوڑا دیا جائے۔ مکھن اور گھی کا خوب استعمال ہو۔

گھوڑے کی سواری بھی اس مرض کے لئے بہت مفید ہے اگر مریض زیادہ کمزور نہ ہو تو گھوڑے کی سواری صبح کے وقت نہایت مفید ہے۔

اگر مرض زیادہ ہو گیا ہو تو مندرجہ ذیل باتوں پر پوری توجہ دینی چاہئے۔

(۱) بستر پر لیٹے رہنا نہایت ضروری ہے۔
(۲) طاقت دینے والی خوراک دن میں کئی دفعہ لیکن تھوڑی تھوڑی جیسے دودھ۔ مکھن۔ یخنی اور میوہ وغیرہ کھانا چاہئے۔
(۳) دن رات تازہ ہوا میں رہنا۔ مریض کو جہاں تک ہو سکے کھڑکی کے قریب رکھنا چاہئے۔ رات کو کھڑکی کھلی رہے۔ منہ لپیٹ کر سونا مضر ہے۔
(۴) مریض کو شرک نہیں نکلنا چاہئے۔

بیماروں کی تیمار داری

(۱) خوراک وقت مقررہ پر ڈاکٹر سے مشورہ کر کے دینی چاہئے۔
(۲) مریض کے برتن الگ ہونے چاہئیں۔
(۳) مریض اور اس کے کپڑے صاف رکھے جائیں
(۴) مریض کے کپڑے اور بستر دھوبی کو دینے سے پہلے کم از کم ۲ گھنٹے پہلے دھوپ میں ڈالنے چاہئیں۔
(۵) تھوک کے واسطے تھوکدان چاہئے مثلاً مٹی کے برتن میں راکھ یا ڈھکنا اور چینی کے تھوکدان جن کا ایک حصہ بند ہو وغیرہ جن کو الگ استعمال کر سکتے ہیں یہ مریض کے قریب ہونا چاہئے اور تین بار روز صاف کرانا چاہئے۔
(۶) مریض کو چاہئے کہ کھانستے اور چھینکتے وقت رومال منہ پر رکھے۔
(۷) مریض کو کھانا کھانے سے پہلے اور بعد میں ہاتھ اچھی طرح دھو کر صاف کرنے چاہئیں۔
(۸) مریض کو اکیلا سونا چاہئے۔
(۹) تھرمامیٹر کو کاربالک کے ورشن میں رکھنا چاہئے اور استعمال سے پہلے دھو لینا چاہئے۔
(۱۰) بچوں کو مریض کے قریب نہیں جانے دینا چاہئے۔
(۱۱) چومنے اور پیار کرنے سے بیماری پھیلنے کا خطرہ ہوتا ہے
(۱۲) پیٹنٹ دواؤں سے پرہیز کرنا چاہئے۔
(۱۳) کسی اچھے ڈاکٹر سے علاج کرایا جائے۔ اور ڈاکٹر کے حکم کی پوری پوری تعمیل کرنی چاہئے۔

نہایت دلچسپ سوالات

پچیس ۲۵ روپے انعام

آپ کی دماغی قوت کا امتحان

فیس داخلہ صرف ایک آنہ

حسب اعلان تیج ویکلی میں ایک نئی قسم کے معمّوں کا سلسلہ شروع کیا گیا ہے، اس سلسلہ کا تیسرا معمّہ حسب ذیل ہے یہ تین دلچسپ سوالوں سے مرکب ہے۔ جو صاحب ان سوالوں کو حل کرنے میں کامیاب ہونگے۔ وہ انعام کی تقسیم میں حصّہ لینے کے مُستحق ہونگے، اوّل انعام دس روپیہ دوسرا انعام پانچ روپیہ۔ تیسرا انعام چار روپیہ اور باقی تین انعام دو دو روپے کے ہونگے۔ یہ معمّہ صرف ۴ ہفتے شایع ہوگا۔ اور ۴ فروری ۱۹۳۶ء کے ویکلی میں نتائج شائع کردیے جائیں گے، داخلہ ۳۰ جنوری کو بند ہوجائے گا۔

شرائط

۱۔ فیس داخلہ صرف ایک آنہ
۲۔ سب سے زیادہ جوابات صحیح ہونے پر تقسیم انعام بذریعہ قرعہ اندازی کی جاویگی
۳۔ اس سلسلہ میں کوئی خط وکتابت نہیں کی جاوے گی۔
۴۔ ہر جواب کے ہمراہ ذیل کا کوپن آنا نہایت ضروری ہے
۵۔ ایک شخص ایک سے زیادہ کوپن بھی بھیج سکتا ہے۔
۶۔ مینیجر اخبار تیج دہلی کا فیصلہ آخری فیصلہ ہوگا۔
۷۔ جو صاحب جوابی والی کاپی منگانا چاہیں تو ۲ آنہ زیادہ بھیجیں۔

کوپن

مینیجر صاحب تیج دہلی اس کوپن کے ہمراہ اپنے جوابات اور ایک ۱/۲ کے ٹکٹ بھیج رہا ہوں۔ میرا نام مقابلہ کی فہرست میں درج کرلیجئے،

نام ــ ــ ــ ــ ــ

پورا پتہ ــ ــ ــ ــ ــ

ــ ــ ــ ــ ــ

نام اور پتہ صاف صاف لکھیئے

اگر ناظرین نے اس معمّہ میں بھی دلچسپی کا اظہار کیا۔ تو اس سلسلہ کو جاری رکھا جائے گا۔

تیج کا سٹاف حصّہ نہیں لے سکتا

سوالات

۱۔ ایک مقام پر دو طالب علم بیٹھے ہوئے تھے، ایک کے پاس پانچ روٹیاں تھیں۔ اور دوسرے کے پاس تین دونوں نے فیصلہ کیا کہ تمام روٹیاں ایک جگہ جمع کرکے کھائی جائیں۔ اُنھوں نے روٹیاں کھانی شروع نہیں کی تھیں کہ ایک ماسٹر صاحب بھی شامل ہوگئے۔ اور تینوں نے ملکر برابر برابر روٹیاں کھالیں۔ جب ماسٹر صاحب رخصت ہونے لگے تو اُنھوں نے اپنے حصّہ کے عوض دونوں لڑکوں کو آٹھ آنے دیدیے، تبلاؤ ہر ایک کو کیا ملنا چاہیئے،

۲۔ ایک سو میل لمبی دوڑ میں دو موٹریں دوڑ شروع کرتی ہیں۔ ایک سو میل فی گھنٹہ کی رفتار سے چلتی ہے اور دوسری ستّر میل فی گھنٹہ کی رفتار سے جب وہ دوڑ شروع کرتی ہیں۔ تو ایک پرندہ بھی ایک موٹر سے دوسری موٹر تک مسلسل چکّر لگاتا ہے اور اسکی رفتار ۱۲۰ میل فی گھنٹہ ہے۔ تبلاؤ دوڑ کے اختتام پر اُس پرندے نے کس قدر مسافت طے کی،

۳۔ ایک بالٹی کا وزن جسمیں کچھ پانی ہے۔ بیس پونڈ ہے۔ اسمیں ایک دو پونڈ وزن کی مچھلی چھوڑ دیجاتی ہے تبلاؤ اگر مچھلی پانی پر تیرتی رہے۔ تو بالٹی کا کُل وزن کس قدر ہوگا۔ اور اگر پانی کی سطح میں بیٹھ جائے تو بالٹی کا کُل وزن کتنا ہوگا۔

برہمانند گپتا مینیجر اخبار تیج ویکلی دہلی

تقلیدی شاعری

(از جناب ریاض - مارہروی)

(خاص تیج ویکلی کے لئے)

ہماری شاعری پر جہاں اور اعتراض کئے جاتے ہیں ان میں ایک اعتراض یہ بھی ہے کہ اردو کی شاعری تقلیدی شاعری ہے۔ شعرائے اردو جو کچھ کہتے ہیں وہ اپنی زبان سے نہیں بلکہ فارسی کی زبان سے کہتے ہیں اور ان کے نقش قدم پر چلتے ہیں۔

ان معترضین حضرات سے دریافت کیا جائے کہ جب اردو نے جنم لیا تھا تو اس وقت دہلی و دائرہ کے گرد و نواح میں کون سی زبانیں بولی جاتی تھیں۔ میرے خیال میں مطالعۂ تاریخ کے بعد یہی جواب دیں گے کہ برج بھاشا اور فارسی۔

فارسی زبان کا وجود اس لئے تھا کہ یہ اس وقت حکام وقت کی زبان تھی۔ مثلاً تیموریان جس کے کہ دربار میں لوگ اطراف و جوانب سے آ کر جمع ہو گئے تھے اور اپنی اپنی زبانیں بولتے تھے۔ لیکن آپس میں وہ ایک دوسرے کی بات کو بالکل نہ سمجھ سکتے تھے۔ ان مشکلات کو حل کرنے کی غرض سے ایک نئی زبان بنائی گئی جس کا نام "اردو" رکھ لیا۔

اب اردو کے لئے اس وقت صرف دو ہی میدان تھے۔ پہلا برج بھاشا کا اور دوسرا فارسی کا۔ یعنی یہ کہنا چاہئے کہ تخم اردو۔ برج بھاشا کی زمین میں لگایا گیا اور فارسی و عربی زبانوں سے سینچا گیا۔ بہرحالت میں یہی تین زبانیں اردو زبان کے لئے زندگی کا باعث ہوئیں۔

جس طرح کوئی مضمون آئندہ لکھے جانے والے مضامین کے لئے سرخی کا باعث ہوتا ہے۔ اسی طرح موجودہ زبانیں آئندہ پیدا ہونے والی زبانوں کے لئے خضر راہ ہوتی ہیں۔ تقلید تو اس صورت میں نہیں کر سکتی تھی۔ جب کہ اس کی پیدائش دوسری زبانوں سے قبل ہو جاتی۔ ہاں اگر یہ اعتراض کیا جائے تو کسی حد تک صحیح ہوگا۔ کہ شعرائے اردو ایک ہی لکیر کے فقیر ہو رہے ہیں۔ ان کے قدما جن راستوں پر ہو کر گذر گئے ہیں خود بھی انہی پر گامزن ہیں۔ اس کے اعتراف میں میں یہ ضرور کہہ سکتا ہوں کہ ہمارے اردو شعراء کو اپنا رویہ بدل دینا چاہئے۔ اب وقت آ گیا ہے کہ وہ اپنے کلام میں نئی نئی جدتیں پیدا کریں۔ مرا یہاں یہ منشا نہیں ہے کہ قدما کے کلام کو قطعی نظر انداز کر دیا جائے بلکہ ان کے کلام سے بھی اچھی باتیں اخذ کر کے اور ان پر کچھ نئی باتوں کا رنگ و روغن چڑھا کر خوشنما تصویریں اتاری جائیں۔

ایرانی تلمیحات و محاورات و تشبیہات سے آہستہ آہستہ قطع نظر کر کے اپنی ملکی باتوں کو اردو شاعری میں جگہیں دی جائیں۔ بشیریں فرہاد اور لیلیٰ مجنوں کے قصوں کو چھوڑ کر اپنے ملک کے نوجوانوں کے کارنامے دکھائے جائیں۔ اخلاق پر اچھا اثر ڈالنے والی داستانیں نظم کی جائیں۔ ایرانی قدرتی مناظر سے برطرف ہو کر ہندوستان تک قدرتی منظر دکھائے جائیں۔

غزلیات میں عام طور پر ا... نے عشق دکھاتے ہیں حالانکہ ان میں وہ خیالات بھی صنع ہو سکتے ہیں جو عادات و اخلاق کے لئے رہبری کا کام کریں۔

ہمارے ملک کے بیشتر شعراء نے اپنے کلام میں مختلف قسم کی اخلاقی تعلیم دی ہے مثلاً۔

جوہر - عظیم آبادی

صرف اتنی ہی شرح ہستی ہے
ایک عنوان خود پرستی ہے
موت کی آرزو میں جیتا ہوں
میری ہستی بھی کوئی ہستی ہے
کچھ نہ پوچھو فراق کا عالم
ہر طرف بے کسی برستی ہے
اے خدا کیا تیری خدائی میں
مجھ سے بدتر بھی کوئی ہستی ہے
جس کو کہتے ہو تم دل جوہر
حسرتوں کی وہ ایک بستی ہے

عزیز لکھنوی

جو کچھ تمہیں مانگنا ہے رب سے مانگو
زاری سے تضرع سے ادب سے مانگو
پھر دیکھو کہ کیا کچھ نہیں ملتا ہے عزیز
بیٹھے تو ذرا کر مانگنے کے ڈھب سے مانگو

اکبر - الہ آبادی

فلسفی کو بحث کے اندر خدا ملتا نہیں
ڈور کو سلجھا رہا ہے اور سرا ملتا نہیں
معرفت خالق کی عالم میں بہت دشوار ہے
شہر تن میں جبکہ خود اپنا پتہ ملتا نہیں

پختہ طبعوں پر حوادث کا نہیں ہوتا اثر
کوہساروں میں نشان نقش پا ملتا نہیں
یوں کہوں آؤں ان سے لیکن اکبر یہ سچ ہے
دل نہیں ملتا تو ملنے کا مزا ملتا نہیں

حضرت صفی - لکھنوی

تھا ساز اضطراب ہو سوز جگر مجھے
[illegible]

شرم سے ہیں چشم دل کے لئے تلخ تجربے
پیری نے کر دیا ہے وسیع النظر مجھے
سرمایہ دار دولت کونین کر چکا
دے کر دل پر آبلہ پشت گہر مجھے
کہتی ہے دل نے صدا میں آواز ڈوب کر
ناحق اچھالتا ہے زمیں پر نظر مجھے

شاد - عظیم آبادی

چالاک ہیں سب آگے بڑھے جاتے ہیں
افلاک ترقی پہ چڑھے جاتے ہیں
مکتب بدلا - کتاب بدلی لیکن
ہم اب بھی وہی سبق پڑھے جاتے ہیں

(باقی صفحہ ۱۶ پر)

چچا کا قاتل

(صفحہ ۱۴ سے آگے)

کیسر (جس کے چہرے کا رنگ فق ہو گیا تھا) کچھ نہیں مجھ سے تو کوئی خاص بات نہیں ہوئی۔

جیکر۔ دیکھئے یہ خط نامکمل ہے وہ کسی دوست کو لکھ رہا تھا جس میں آپ کی شکایت تحریر ہے اگر وہ زندہ ہوتا تو ضرور اسے مکمل کر کے روانہ کرتا۔ بوڑھے چچا کی لعنت ملامت نے آپ کو اس حد تک غداری اور تنگ حرامی پر آمادہ کر دیا کہ آپ اسے قتل کرنے پر آمادہ ہو گئے۔ دیکھئے یہ خط میں نے ابھی اس کی میز پر پایا ہے۔

کیسر۔ بدحواس ہو کر بولا۔ نہیں یہ میرے متعلق نہیں ہو سکتا۔

تو پھر آپ کا نام بھی کیسر نہیں ہو سکتا۔ یہ کہنے کے بعد جیکر نے کانسٹیبل کو اشارہ کیا کیسر کے ہاتھوں میں ہتھکڑیاں ڈال دی گئیں۔ اس کے بعد مسٹر جیکر نے کیسر کے سامنے ایک آئینہ پیش کیا اور کہا دیکھئے اس آئینہ میں اپنی صورت اور دائیں آنکھ کے زیریں جلد پر غور کیجئے۔

ایک چھوٹا سا خون کا دھبہ ہے۔

اس کے بعد کیسر کا کیا انجام ہوا اس کا جواب [illegible]

[illegible]

علمی و ادبی ماہنامہ۔ مدیر حضرت جوش ملیح آبادی صفحات ۴۰۔ تقطیع ۲۲×۱۸ سالانہ چندہ دس روپے ششماہی پانچ روپے قیمت فی پرچہ ایک روپیہ ملنے کا پتہ منیجر کلیم گنگراہ بڑیاں دہلی

رسالہ کلیم کی اشاعت سے کچھ دن پہلے قارئین تیج ویکلی نے کلاغ بلند کے عنوان سے ایک اشتہار دیکھا ہوگا جن لوگوں کو اسکی خبر نہیں ہے ان کو ہم مطلع کر دینا چاہتے ہیں کہ حضرت جوش ملیح آبادی نے پہلے اپنے ماہنامہ کا نام کلاغ بلند رکھا تھا۔ لیکن بعد کو اسے بدل کر کلیم کر دیا۔ اب یہ رسالہ اپنی گوناگون علمی دلچسپیوں اور ادبی جلوہ آرائیوں کے ساتھ دہلی سے شائع ہو رہا ہے اور اس کا پہلا نمبر جنوری ۱۹۳۶ء اس وقت ہمارے پیش نظر ہے۔ ہم اس پر تبصرہ کرنے بیٹھے ہیں مگر سوچ رہے ہیں کہ کلیم جیسے رسالہ کے لئے اس رسم کی ادائیگی ضروری ہے بھی یا نہیں۔ جس طرح حضرت جوش جیسے قادر الکلام اور انقلاب آفریں شاعر کی ذات ہندوستان کے تمام علمی ادبی اور سیاسی حلقوں میں محتاج تعارف نہیں۔ اسی طرح وہ رسالہ کیونکر محتاج تعارف ہو سکتا ہے جس کے مدیر اور روح رواں خود جناب جوش ہوں۔ اس ریویو سے ہمارا مقصد صرف اتنا ہی ہے کہ ہمارے تمام قارئین کو اس کا علم ہو جائے کہ رسالہ کلیم شائع ہو گیا ہے اور جو لوگ حقیقی علم و ادب کے شائق ہیں اور صحیفہ نگاری کی ارتقا کا منظر دیکھنا چاہتے ہیں وہ کلیم کا مطالعہ فرمائیں۔ اس میں ان کو وہ تمام چیزیں مل جائیں گی جن کا تعلق حیات انسانی کے گوناگون مسائل سے ہے اور جو اہل ہند کو زندگی بیداری اور خود شناسی کا پیغام دینے والی ہیں۔

پہلا پرچہ جو زیر نظر ہے ۴۴ مضامین پر مشتمل ہے اور جن حضرات نے اس کی قلمی معاونت فرمائی ہے ان میں سے بعض کے اسمائے گرامی حسب ذیل ہیں:۔

پنڈت برجموہن دتاتریہ کیفی دہلوی۔ حضرت سیماب اکبرآبادی۔ نواب جعفر علی خاں اثر لکھنوی۔ ڈاکٹر سید نجم الدین جعفری۔ جناب لطیف احمد اکبرآبادی۔ منشی پریم چند بی۔ اے۔ ملک حبیب احمد صاحب۔ سید فرید جعفری وغیرہ۔ خود حضرت جوش کے "ارشادات" اور "شعلات قلم" اور ان کی نظم "صحیفۂ نو" دل و دماغ کے لئے پیام حیات اور درس عمل ہیں۔ کلیم پر بہترین تبصرہ یہی ہے

اس صحیفۂ عظیم کی اللہ ری وسعتیں
ہر نکتہ ہے مشرقین بہ داماں لئے ہوئے

"کلیم" کا سرورق بھی نہایت دیدہ زیب ہے اور اس میں آرٹ پیپر پر آٹھ رنگین تصویریں بھی قابل دید ہیں۔

مشرقِ بعید پر جنگ ایبی سینیا کے اثرات

(از جناب ایچ سی چندہ پرنٹ جرنلسٹ)

(خاص تیج دیکلی کے لئے)

موجودہ صدی میں دنیا ... کوشش ... اس طرح کشتی جاتی ہیں اور دل غلی کے کئی ہنا اس جنگ کے نظر کو ہیں کہ جہاں کسی ایک ملک میں جنگ کے شعلے نمودار ہوئے کہ جلد یا بدیر دوسری سلطنتوں کا اس جنگ کی لپیٹ میں آ جانے کا اندیشہ لاحق ہو جاتا ہے۔ بقول سعدی سہ

چو عضوے بدرد آورد روزگار۔
دگر عضوہا را نماند قرار

چنانچہ موجودہ جنگ ایبی سینیا کی مثال ہی لیجئے یہ جنگ بظاہر یورپ کی ایک بڑی طاقت اور افریقہ کی ایک قدیم سلطنت کے درمیان ہے۔ لیکن اس کے مہلک اثرات اٹلی اور ایبی سینیا تک ہی محدود نہ رہ کر امریکہ سے لیکر براعظم ایشیا تک پھیلے ہوئے ہیں۔ اس مضمون میں انہی کو واضح کرنے کی تفصیلًا بحث کی گئی ہے۔

انیسویں صدی کے آخر میں جب جاپان نے ایک فیصلہ کن جنگ میں روس کو شکست فاش دی تو اس سے ایشیا کی پسماندہ اقوام کے حوصلے دوبارہ جاگ اٹھے اور مشرقِ بعید میں یورپ کے سیاسی وقار کو زبردست دھکا لگا۔ اب جبکہ اٹلی ایسی یورپ کی زبردست جنگی طاقت نے حملہ آور ہو کر سلطنت حبشہ کو ہڑپ کر لینا چاہا تو تمام مشرقی ممالک میں غم و غصہ کی لہر دوڑ گئی کہ جس سے مستقبل قریب میں حالات کے دگرگوں ہو جانے کا اندیشہ ہے۔

محاذ جنگ سے آمدہ اطلاعات مظہر ہیں کہ اطالوی افواج پے در پے زک اٹھا رہی ہیں اور کثرت باراں کے سبب موسمی حالات بھی اطالوی پیش قدمی میں رخنہ انداز ہو رہے ہیں۔ علاوہ اس کے بین الاقوامی حالات بھی اٹلی کے موافق نہیں ہیں۔ اور صورت حالات روز بروز بدتر ہوتی جا رہی ہے۔ ان سب باتوں کی موجودگی میں یہ باور کر لینا مشکل نہیں کہ اطالویوں کو جنگ گذشتہ کی طرح جس میں اٹلی نے ایبی سینیا کے ہاتھوں شکست کھائی تھی دوبارہ پھر ناکامی کا منہ دیکھنا پڑے۔ پس اگر باوجود اس قدر زبردست تیاریوں اور جیش جدید کے اٹلی کو نیچا دیکھنا پڑا تو صاف ظاہر ہے کہ ایشیا میں یورپ کا رہا سہا سیاسی وقار بھی ختم ہو جائے گا۔

مسولینی کے اس جنگی اقدام نے جاپان کو خصوصاً ایک ایسا سبق سکھلا دیا ہے کہ جو اسے کبھی فراموش نہ ہوگا۔ جاپانی اس درجہ ہوشیار اور چوکنا واقع ہوئے ہیں کہ وہ ہر وقت مناسب موقع کی تلاش میں رہتے ہیں ممکن ہے کہ مسولینی کی اس جابرانہ پالیسی نے ان کے کو گویا پھیلنے کا بہانہ مہیا کر دیا۔ آپ کو یاد ہوگا کہ ۱۹۱۴ء کی جنگ یورپ کو شروع ہوئے ابھی دو ماہ بھی نہ گذرے تھے کہ جاپان نے بطور رفیق دولت برطانیہ دفعتاً خواہ مخواہ جرمنی کے خلاف اعلان جنگ کر دیا تھا۔

اور چشم زدن میں جرمنی کے مطیع علاقہ چین یعنی جزیرہ نما شنگ چاؤ پر قبضہ جما لیا اور پھر ستم ظریفی یہ کی کہ اس کا احسان برطانیہ و فرانس کی گردن پر رکھا تاکہ فرانس اور برطانیہ چونکہ جاپان کی ذہنیت سے واقف تھے ان کی حمایت سے جاپان کو اس بارے میں کوئی ایسا ہی

دراصل انہیں کہ وہ یہ مزید چاہتے تھے کہ ان حالات میں مشرق بعید میں جاپان سنجیدگی دکھائے۔ مگر جاپان برطانیہ کا شاگرد رشید ٹھہرا۔ اس نے دیکھا کہ موقع نادر ہے ہاتھ سے نہ جانے پائے۔

جاپان نے صرف اتنے پر ہی اکتفا کر کے آغاز جنگ یورپ کے چھ ماہ کے اندر اندر ہی موافق حالات دیکھ کر اپنے مشہور اکیس مطالبات چین کو پیش کر دیئے۔ یورپی طاقتوں کی طرف سے کوئی خطرہ اس لئے نہ تھا کہ وہ خانہ جنگی میں ہمہ تن مصروف تھیں۔ انہیں جاپان کے معاملات میں دخل انداز ہونے کی فرصت کہاں!

اس تفصیل میں فی الحال پڑنے کی ضرورت نہیں کہ گذشتہ بیس بائیس سال کے عرصہ میں کس طرح بتدریج چین میں جاپانی اقتدار زور پکڑتا گیا اور چین کی قومی حکومت کمزور پڑتی گئی۔

موجودہ جنگ ایبی سینیا سے پیدا کردہ حالات جاپان کے لئے گذشتہ جنگ عظیم کی نسبت زیادہ حوصلہ افزا نہیں۔ منچوکو کو چین سے علیحدہ کر کے جاپان اپنے زیر اثر کر ہی چکا ہے۔ مگر اس وقت جب کہ جاپان نے منچوکو پر دست ہوس دراز کیا تو یورپ والے بہت کچھ تلملائے۔ لیکن عملاً دست اندازی کی جرأت نہ کر سکے۔ اب لیگ اقوام کے دو ممبران اٹلی اور ایبی سینیا لیگ کی علانیہ اور صریحاً خلاف ورزی کر کے برسر پیکار ہیں۔ اس نازک موقع پر بھی حسب معمول لیگ اقوام کی دخل اندازی کوئی خاطر خواہ نتیجہ پیدا کرنے سے قاصر رہی۔ جنیوا کے ایوان سیموئیل ہور کی آتشین تقریروں سے گونج گئے۔ نہر سویز میں جہازی آمد و رفت اور اٹلی کی برآمد اسلحہ جات پر پابندیاں عائد کرنے کے بارے میں طویل مشورے ہوئے۔ لیکن یہ تمام گفت و شنید باہمی مشاورت۔ تحریر و تقریر کے مرحلے سے آگے نہ بڑھ سکی۔ اور وہیں ختم ہو کر رہ گئی۔ اس سے قدرتاً جاپان کے حوصلے اور بھی بڑھ گئے ہیں اس نے سوچ رکھا ہے کہ اب موقع ہے کہ تمام منگولیا پر بھی تسلط جما لیا جائے۔ اور چین کو بھی ہمیشہ کے لئے حلقہ اطاعت میں پھانس لیا جائے۔ خطرہ رہا

(باقی مضمون اگلے صفحہ پر)

بے روزگاری نمبر (۲)

(از جناب سید محمد سالم بی۔اے۔ بی۔ٹی (علیگ))

سلسلہ کے لئے ملاحظہ ہو تیج دہلی مؤرخہ ۲۰ جنوری ۱۹۳۶ء

دور حاضر کی بے روزگاری جس سے موجودہ زمانہ میں نہایت تشویشناک صورت اختیار کر لی ہے اس طبقہ میں پائی جاتی ہے جس کو ہم تعلیمیافتہ کہتے ہیں۔ اس طبقہ میں شامل ہیں نہ وہ امیر جو مفلسی کی طرف سے مستغنی ہیں اور نہ وہ غریب ہی موجود ہیں جو جاہل یا کم علم ہونے کے باعث اپنا اور اپنے بال بچوں کا پیٹ محنت مزدوری کر کے پال سکیں۔ چنانچہ اس اعتبار سے اس جماعت کو متوسط الحال کہا جاتا ہے۔ "تعلیم یافتہ" اور "غیر تعلیمیافتہ" اگرچہ عام طور پر بولے جانے والے الفاظ ہیں لیکن ان دونوں کے صحیح مصداق کا تعین نہیں کیا جا سکتا ظاہر ہے کہ محض خواندگی کے امتحان سے جاہل مرد کو اور جاہل تاجر دونوں علیحدہ کر دیئے جائیں گے نیز بعض متوسط الحال لوگوں میں امیر زمیندار اور غریب کسان دونوں شامل ہو جائیں گے۔ اصل میں ایک ایسی حد فاصل کھینچنا جس سے کہ تعلیمیافتہ اور غیر تعلیمیافتہ یا امیر غریب اور متوسط الحال لوگوں کے درمیان قطعی طور پر امتیاز ہو سکے آسان نہیں ہے۔ مدراس اور بمبئی کی تحقیقاتی کمیٹیوں نے تعلیمیافتہ متوسط الحال جماعت کے الفاظ استعمال کئے ہیں جن سے ان کا مطلب وہ لوگ ہیں جنہوں نے ثانوی یا اعلیٰ تعلیم حاصل کی ہے۔ لیکن چونکہ فکر معاش سے آزاد نہیں ہیں۔ اس لئے ایسے پیشے اختیار کرنا چاہتے ہیں جن کا تعلق دماغی محنت سے ہو۔ برخلاف اس کے پنجاب میں اس قسم کی تحقیقاتی کمیٹی نے تعلیم یافتہ جماعت میں ان لوگوں کو شامل کیا ہے جنہوں نے ورنیکلر یا اینگلو ورنیکلر مدارس میں تعلیم پاکر سند حاصل کی ہے۔ اصل میں اس تعلیم یافتہ جماعت میں بے روزگاری وبائی بیماری کی طرح پھیلی ہوئی ہے۔ جس کے جراثیم آئے دن متعدی مرض کی طرح ایک سے دوسرے اور دوسرے سے تیسرے پر اثر کرتے رہتے ہیں۔ بعد دل و دماغ دونوں کو ماؤف کر دیتے ہیں۔ جس سے پریشان ہو کر مریض اپنا علاج آخری خودکشی کو قرار دیتا ہے۔ مرض کے اسباب و علامات معلوم ہیں۔ نسخے بھی طرح طرح کے تجویز کئے جاتے ہیں۔ لیکن علاج سے مرض پر قابو پانے کے بجائے مرض ہی کا غلبہ ہے۔

اس طبقہ کی بے روزگاری سے متاثر ہو کر تقریباً ہر صوبہ میں اور بعض دیسی ریاستوں میں بے روزگاری کی تحقیقاتی کمیٹیاں مقرر ہوئیں جن کی رپورٹیں پڑھنے سے اس مسئلہ کو اچھی طرح سمجھا جا سکتا ہے۔ اور اس کے بعد یہ کافی طور پر واضح ہو جاتا ہے کہ اس طبقہ کی بیروزگاری کا انحصار کسی ایک صوبہ پر نہیں بلکہ ہندوستان بھر میں یہ مصیبت آگ کی طرح لگی ہوئی ہے۔

مدراس کمیٹی نے جو نسبت خالی اسامیوں اور تعداد عرضی دہندگان کی دیکھا قائم کی ہے اس سے یہ نتیجہ اخذ کیا جاتا ہے کہ بیکاری میں سراسر تباہی پوشیدہ ہے اگر یہ رفع نہ ہوئی تو تباہ ہو جانا یقینی ہے۔ اسی طرح پنجاب میں یہ معلوم ہوا کہ ۱۹۲۲ء لغایت ۱۹۲۶ء یعنی پانچ سال کے عرصہ میں اسکولوں اور کالجوں کے سند یافتہ طلبا کی تعداد گذشتہ زمانہ کی بہ نسبت تقریباً دوگنی ہو گئی ہے۔ لیکن ساتھ ہی اس کے گورنمنٹ دفاتر اور دیگر کارخانہ جات میں جو اسامیاں خالی ہوئیں ان کا طلبا کی کامیاب جماعت سے کوئی تناسب ہی نہیں ہے۔ مدراس کمیٹی نے صوبہ مدراس پریسیڈنسی کے واسطے امتحاناً دو جگہوں کا اشتہار دیا جن میں سے پہلی گورنمنٹ کے محکمہ تعمیرات میں اور دوسری کسی کارخانہ میں ظاہر کی گئی۔ تنخواہ دونوں کی صرف ۳۵ روپیہ ماہوار تھی۔ پہلی میں ۶۶۶ اور دوسری کے لئے ۷۸۷ عرضی دینے والے موجود تھے۔ یہ حالت اب سے کئی سال پیشتر کی تھی۔ اور اب اگر ۱۹۳۶ء میں اب کیا جائے تو بلا مبالغہ ہزاروں کی تعداد میں عرضیاں وصول ہوں۔ شروع میں اخبارات کو پڑھ کر حیرت ہوتی تھی کہ بی۔اے پاس پولیس کانسٹیبل کے لئے گیا لیکن اب یہ کوئی مقام تحیر نہیں رہا بلکہ افسوس اس امر کا ہوتا ہے کہ اتنا گرنے کے بعد بھی نہیں لئے جاتے۔

موجودہ بے روزگاری کا اثر نہ صرف بیکار رہنے والے افراد ہی پر ہوتا ہے بلکہ اس کے مضرت رساں اثرات آئندہ آنے والی نسلوں پر اور بھی مضر ثابت ہوں گے ان کی اولوالعزمی اور اخلاقی سیرت کے بالکل فنا ہو جانے کا اندیشہ ہے۔ نہ ان میں ذوق تجسس پیدا ہوگا۔ نہ جدت اور اختراع کی طرف ان کی طبیعت مائل ہوگی۔ جس طرح اب معاشرہ ہمارا بار نہیں اٹھا سکتا اسی طرح ان کے بوجھ کا بھی متحمل نہ ہو سکیگا۔ اور جو نتائج کہ اب بے روزگاری کے باعث ظاہر ہوتے ہیں ان سے کہیں زیادہ مہلک ہماری آئندہ نسلوں کے واسطے ثابت ہوں گے۔ یوں بھی سیاسی نقطہ نظر سے ملک میں تعلیم یافتہ نوجوانوں کی ایک کثیر جماعت

(باقی اگلے صفحہ پر)

(پچھلے پرچے سے)

کا اس طرح بیکار پھرنا مناسب نہیں ہے۔ دہشت انگیزی وغیرہ اسی بے کاری کا نتیجہ ہے۔ جب ملک میں تعلیم اسی طرح پھیلتی رہے گی اور اسی طرح قوم کے نوجوانوں کے خواب بے تعبیر رہیں گے۔ کیونکہ حکومت سب بے کاروں کو جگہ نہیں دے سکتی اور ساتھ ہی یہ تعلیمیافتہ کسی دوسرے پیشہ کے کرنے کے بھی اہل نہیں رہتے تو ایسی صورت میں ان کی تمام امیدوں پر پانی پھر جائے گا۔ اور اپنے احساسات و جذبات کو مجروح پاکر مخالفت پر اتر آئیں گے۔ مگر یہ ہر حکومت کے قبضۂ قدرت سے باہر ہے خواہ اس کے ذرائع کتنے ہی وسیع کیوں نہ ہوں کہ ہر سال اتنی جدید آسامیاں پیدا کرتی رہے جن میں سالانہ پاس ہونے والے طلبا کی کھپت ہوجایا کرے۔ کیونکہ ہر سے اکثر طالبعلم کا مطمح نظر گورنمنٹ سروس ہوتا ہے اور سب کو اس طرح جگہ دینا موجودہ حکومت کے اختیار میں نہیں ہے۔

بمبئی کی تحقیقاتی کمیٹی نے یہ امر بھی طرح واضح کردیا کہ بے روزگاری کا شکار عموماً وہ لوگ ہوتے ہیں جن کی عمریں ۲۰ سال سے نیچے ہوتی ہیں۔ اور ان میں بے کاری سے وہ حضرات زیادہ متاثر ہوتے ہیں جن کا تعلق پیشوں سے تعلیمیافتہ جماعت سے رہا ہو۔ اور ان کی خود بھی تعلیم ابتدا ہی سے ادبی رہی ہو اور جو پیشہ وارانہ تعلیم کے حاصل کرنے کو خاندانی وجاہت کے تباہ ہوجانے کے مترادف سمجھتے ہیں۔ جن کے نزدیک کارلائل کا مشہور قول کہ "ہر قسم کا سچا کام مقدس ہے۔ جس شخص کو یہ برکت نصیب ہے اس کو کوئی اور برکت طلب کرنے کی حاجت نہیں" کوئی وقعت نہیں رکھتا۔ ایسے لوگوں کی حالت ملازمت نہ ملنے کے باعث سخت زبوں ہوجاتی ہے۔

ان لوگوں میں جو بی۔اے اور ایم۔اے کے ساتھ کسی پیشہ کی بھی سند رکھتے ہیں بے روزگاری کم پائی جاتی ہے۔ مثلاً "ٹرینڈ" استادوں کی بہ نسبت "ان ٹرینڈ" اساتذہ زیادہ بیکار ملیں گے۔ قانون دانی پیشہ کے متعلق یہ متفقہ طور پر تسلیم کرلیا گیا ہے کہ اس میں مزید اضافہ کی مطلق گنجائش نہیں ہے اور نئے وکلا کی ایک بڑی تعداد کو معمولی گذارہ کے لئے بھی روپیہ پیدا کرنا محال ہے۔ مگر یہ بات عقل میں نہیں آتی کہ باوجود اس کثرت کے ملک کی تمام یونیورسٹیاں ہر سال ہزاروں کی تعداد میں وکیل پیدا کررہی ہیں۔ حالانکہ یہ ہر شخص جانتا ہے کہ اس پیشہ کا دامن اب تنگ ہوگیا ہے کہ اب یہ کسی ملک کے بھی چھپانے کو تیار نہیں ہے۔ اور یہ ظاہر ہے کہ اس روز افزوں زیادتی کا اثر نہ صرف موجودہ وکیلوں کے لئے برا ثابت ہوگا بلکہ آمدنی کی قلت کے ساتھ ساتھ ان کے اخلاق عادات میں بھی ضعف آجائے گا۔ چنانچہ اس کا نتیجہ بالعموم یہ ہوتا ہے کہ ہر سال سینکڑوں وکلا منوا ترنا کامیوں اور مایوسیوں کا مقابلہ کرتے کرتے تھک جاتے ہیں اور

معلمی کی طرف مائل ہوتے ہیں اور پچاس ساٹھ روپیہ کی اور اس کی بہ نسبت زیادہ سے زیادہ پر گزر کرلیتے ہیں یہ وہ اس کے بالعموم وہ اساتذہ جن کے پاس پیشہ کی سند نہیں ہوتی اپنی قلیل تنخواہ کو ناقابل التفات سمجھ کر قانون کے امتحانات پاس کرتے ہیں اور اس امید موہوم پر وکیل کا سائن بورڈ لگا کر بیٹھتے ہیں کہ شاید اس پیشہ میں پہلے کی بہ نسبت زیادہ یافت ہوسکے۔ لیکن اس تمام الٹ پلٹ کا نتیجہ یہ نکلتا ہے کہ ملک کی معاشی تنظیم بد سے بدتر ہوتی جارہی ہے جس کی وجہ سے بے تعداد تعلیم یافتہ لوگوں کے دلوں سے حقیقی اطمینان اور صحیح مسرت غائب ہے۔

جہاں تک بڑے شہروں کا تعلق ہے ڈاکٹروں اور حکیموں کے لئے بھی میدان تنگ ہے۔ البتہ دیہات اور قصبات میں اس پیشہ والوں کی اشد ضرورت ہے جہاں یہ خود بھی اپنا خرچ اٹھا سکتے ہیں اور مخلوق خدا کو بھی فائدہ پہنچا سکتے ہیں۔ انجنیری کے پیشہ میں بے روزگاری کے اثرات کم نظر آتے ہیں۔ اور رفاہ عام کے کاموں کے اجرا کے ساتھ موجودہ کمی بھی شاید پوری ہوجائے گی ٹرینڈ لوگ کرتے شک ریلوے کی ملازمت میں لے لئے جاتے ہیں لیکن بیشتر وہ ہیں جو انتہائی خواہش کے "ان ٹرینڈ" ہوجانے کی وجہ سے کسی ریلوے ورکشاپ میں نہیں لئے جاسکتے۔

بہت سے فیکٹریوں اور کارخانوں کے مالکان نے اپنی ذاتی تکلیف اور امیدواروں کی کوفت کو ملحوظ رکھتے ہوئے اپنی عمارت کے صدر دروازہ پر "جگہ نہیں ہے" کا اشتہار لگا دیا ہے۔ اور "جگہ نہیں ہے" کے اشتہار سے بالعموم ان لوگوں کے واسطے منادی منظور ہوتی ہے جو کلرک وغیرہ کی ملازمت کے خواہاں ہوتے ہیں۔ اسی طرح بنک کی ملازمت میں صرف وہی لوگ لئے جاتے ہیں جنہوں نے اس کام میں خاص تجربہ اور ٹریننگ حاصل کیا ہے۔ باقی محروم ہیں۔

یہ ہے نہایت اجمال کے ساتھ ان پیشوں کی حالت جو عموماً ہمارے تعلیم یافتہ نوجوان چاہتے ہیں۔ یوں تو بے روزگاری کے بہت سے اسباب گنائے جاسکتے ہیں۔ مگر ہم خصوصیت کے ساتھ ان چار وجوہ سے یہاں بحث کرنا چاہتے ہیں جو زیادہ تر موجودہ صورت حالات کی ذمہ دار ہیں۔

جنگ کے بعد اقتصادی بدحالی کی ایک خطرناک لہر دوڑی۔ جس کا اثر دنیا کے چپہ چپہ پر پڑا۔ ہندوستان اس کی مضرت سے کیونکر محفوظ رہ سکتا ہے۔ اس عرصہ میں ہر قسم کی تجارت پر زوال آیا۔ سینکڑوں چھوٹی چھوٹی صنعتیں بالکل مفقود ہوگئیں سینکڑوں لوگ بے روزگار ہوگئے ادھر جنگ ختم ہوگئی جس سے بہت سے سپاہی اور کلرک تخفیف میں آگئے۔ جن کو دوبارہ ملازمت دینا ممکن نہ ہوا۔ جس کی وجہ سے ہزاروں آدمی بیکار کردیئے گئے۔

(باقی آئندہ)

آپ نیز دوسروں کے لئے

چائے ہندوستان کی معاشرتی زندگی کا ایک اہم جزو بن گئی ہے۔ اور آپ لوگوں کے لئے جو کہ چائے کا پیالہ نوش کرنے مسرت محسوس کرتے ہیں۔ چائے کی کاشت کے متعلق چند اہم واقعات معلوم کرنا بہت دلچسپ ہوگا۔

چائے کی کاشت کے لئے مرطوب آب ہوا اور کافی بارش کی اشد ضرورت ہے جو کہ سال کے مختلف حصوں میں مناسب اوقات میں ہونی چاہئے۔ عام طور پر چائے کی کاشت کے لئے ۸۰ سے ۹۰ انچ تک سالانہ بارش کافی خیال کیجاتی ہے۔ اس حالت میں مانسون سے بہت امداد ملتی ہے کیونکہ اس سے چائے کے پودوں کی جڑوں کو زمین سے اپنی خوراک حاصل کرنے کے لئے کافی نمی پیدا ہوجاتی ہے۔

چائے کی کاشت کے لئے نئی نئی آراضی حاصل کرنے کے لئے تمام جھاڑیاں اور بڑے بڑے درختوں کے تنے احتیاط سے ہٹا دیئے جاتے ہیں۔ صرف پھل پیدا کرنے والے چند قسم کے درخت قریب قریب چھوڑ دیئے جاتے ہیں جیسے کہ حسب ضرورت سایہ حاصل ہوسکے، اور زمین زرخیز ہوسکے،

ایک صد اگانہ قطعہ آراضی

چائے کے بہت سے باغات میں ایک قطعہ آراضی علیحدہ رکھا جاتا ہے۔ پہلے اس قطعہ اراضی میں چائے کے بیجوں کو ۴ سے ۶ انچ تک کے فاصلہ پر گاڑ دیا جاتا ہے اور جب یہ بیج اُگ کر پھوٹ جاتے ہیں۔ تو ان کو وہاں سے اکھاڑ کر ایک دوسرے سے ۴ سے ۶ فٹ تک کے فاصلہ پر لگا دیتے ہیں۔ جس زمین میں ان کو دوسری مرتبہ جمایا جاتا ہے وہ پہلے کھود کر اور مٹی کو الٹ پلٹ کر کافی ملائم اور ہموار بنالیتے ہیں۔ تاکہ چائے کے نازک پودوں کو بلا کسی رکاوٹ کے کافی غذا حاصل ہوسکے۔ چائے پیدا کرنے والے بعض علاقوں میں نلائی ضروری سمجھی جاتی ہے۔ کیونکہ برسات کے ایام میں بہت سی جھاڑیاں وغیرہ پیدا ہوجاتی ہیں۔

جب چائے کے پودے کافی بڑھ جاتے ہیں۔ تو ایک درانتی کے ذریعہ قلم تراش کیجاتی ہے۔ بعض باغات میں شروع میں ہی قلم تراشی کی جاتی ہے۔ اور بعض میں کچھ عرصہ کے بعد کیجاتی ہے۔ جو کہ بعض حالتوں میں تین تین سال تک کا ہوتا ہے پہلی مرتبہ جو قلم تراشی ہوتی ہے۔ اس میں بعض ۹ سے ۱۲ انچ کا تنا چھوڑ کر باقی اوپر کا حصہ تراش دیا جاتا ہے۔ بشرطیکہ اس بلندی کے نیچے کافی شاخیں باقی رہ جائیں۔ اس کے بعد جو قلم تراشی کی جاتی ہیں۔ وہ پہلی قلم سے ذرا اونچی اوپر کی جاتی ہیں۔ حتیٰ کہ کچھ عرصہ میں چائے کے تمام پودے جھاڑیوں کی شکل اختیار کرلیتے ہیں۔

ماہ مارچ میں جبکہ موسم بہار ہونے کے باعث چاروں طرف سبزہ لہلہانے لگتا ہے۔ پلانٹر چائے کے ہرے بھرے باغوں کو دیکھ کر خوشی سے پھولا نہیں سماتا ہے، جہانتک نظر پہنچتی ہے چاروں طرف سبزہ ہی سبزہ نظر آتا ہے۔ دوسری مرتبہ ماہ مئی کے آغاز ماہ جون میں پھر بالیدگی ہوتی ہے۔ ان

باغات میں ہفتہ میں ایک مرتبہ پتیاں توڑنا ضروری ہیں جب ایک رقبہ کی تمام پتیاں توڑی جاتی ہیں تو پتیاں توڑنے والے دوسرے رقبہ میں پتیاں توڑنے کے لئے چلے جاتے ہیں۔ اور اسی طرح تمام موسم میں چند قلم لگا کر پودے کی پتیاں توڑ لیتے ہیں۔

جبوقت عورتیں باتیں کرتی ہوئی چائے کی پتیاں توڑ کر اپنی ٹوکریوں میں ڈالتی جاتی ہیں۔ تو ایک دلکش منظر نظر کے سامنے ہوتا ہے،

اگرچہ

ہندوستان میں چائے کی کاشت شروع کئے ابھی کوئی ایک عرصہ ہی گذرا لیکن پھر بھی ہندوستان کا شمار دنیا کے چائے پیدا کرنے والے سب سے بڑے ممالک میں ہونے لگا ہے اس کی وجہ یہ ہے کہ یہاں تک بہت اعلیٰ قسم کی چائے پیدا ہوتی ہے۔

۱۸۸۵ء میں ہندوستان میں ۵ لاکھ ۴ سو پچاس ایکڑ اراضی میں چائے کی کاشت ہوتی تھی۔ اور اسمیں ۱۵ کروڑ ۲ لاکھ ۱۵ ہزار پونڈ چائے پیدا ہوئی تھی۔ اس کے بیس سال بعد یعنی ۱۹۰۵ء میں ۵۰۵،۱۹۰ ایکڑ اراضی میں چائے کی کاشت کیگئی اور ۲۸۰ ۴۴۸۰۰۰ پونڈ چائے پیدا ہوئی ۱۹۳۳ء میں ۸۱۲۰۲۳ ایکڑ اراضی میں چائے کی کاشت ہوئی اور اسمیں ۱۱۵ ۴۲۶ ۳۸۴ پونڈ چائے پیدا ہوئی۔ ایمپائر

[illegible] ملک فرانسیسی [illegible] کا اعلان کرتا ہے کہ گورنمنٹ نے کونسل کی میٹنگ [illegible] کیم فروری تک [illegible] سے ملتوی کر دی گئی ہے تاکہ برطانوی [illegible] کے تنازعہ کے بارے میں برطانوی اور فرانسیسی [illegible] گفت و شنید کے سلسلے میں تبادلہ خیال کر سکیں۔

جاپان بحری کانفرنس سے الگ نہیں ہوگا۔ بلکہ اس حالت میں بھی گفت و شنید جاری رکھیگا جبکہ جہازوں کی تعداد مقرر کرنے کے متعلق کوئی فیصلہ نہ ہو سکیگا۔ یہ ہے وہ فیصلہ جو جاپان کیبنٹ نے اپنے خاص اجلاس میں کیا۔

برطانیہ کی ہوائی طاقت میں بڑی تیزی کے ساتھ اضافہ ہوتا جا رہا ہے۔ ہوائی جہازوں کے گیارہ نئے سکواڈرن تیار ہو گئے ہیں۔ ۳۳۰ ہوائی جہاز اس مشق میں تیار کئے جا چکے ہیں۔

مسٹر امرتیندرناتھ چیٹرجی ممبر اسمبلی پر قانون امن عامہ بنگال کی دفعہ ۵ کے ماتحت ایک نوٹس تعمیل کرایا گیا جس میں انہیں ہدایت کی گئی کہ وہ ضلع مدناپور کی حدود کے اندر کسی پبلک جلسہ میں تقریر نہ کریں۔

پیرس ایڈیشن "ساؤتھ ٹریبیون" کا نامہ نگار خصوصی اطلاع دیتا ہے کہ شہنشاہ حبش کو شہنشاہ جاپان کا ایک خط موصول ہوا ہے جس میں درج ہے کہ وہ ہزار حبشیوں کے لئے مفت سامان فراہم کرنے کو تیار ہیں۔

بحر انکاہل کے شمالی ساحل پر طوفان سے جہازوں کو زبردست نقصان پہنچا ہے۔ دو جہاز دریائے کولمبیا کے دہانہ میں ڈوب گئے۔ اور بہت سے جہازوں نے بذریعہ وائرلیس خبر بھیجی ہے کہ وہ مشکل میں ہیں۔

مشرقی بنگال کے اضلاع میں کس قدر اقتصادی مصیبت پھیلی ہوئی ہے اسکا ثبوت اس امر سے ملتا ہے کہ ۲۰ جاگیریں اور ۴۷۵ خاص جائداد کو عدم ادائیگی مالیانہ کی بنا پر نیلام کرنے کا اعلان کیا گیا ہے۔

چھابوا میں تحصیل تھاندلہ کے کئی افراد کے خلاف زیر دفعہ ۱۰ تعزیرات ریاست ہند کے ماتحت استغاثے دائر کئے گئے ہیں۔ باشندگان ریاست کے مطالبات کیساتھ سرد مہری کا برتاؤ کیا جا رہا ہے۔ انتظامیہ کونسل نے ملک کی ایجی ٹیشن کا مقابلہ کرنے کے لئے ایک آرڈیننس نافذ کر دیا ہے۔ کہا جاتا ہے کہ اس ایجی ٹیشن کو کچلنے کے لئے اور بھی آرڈیننس نافذ کئے جائیں گے۔

معلوم ہوا ہے کہ ترکی۔ عراق۔ ایران اور افغانستان کے فیرنکی وزیروں کی ایک کانفرنس بغداد میں ہونے والی ہے جس میں مشرقی ایشیا کا ایک بلاک قائم کرنے کی تجویز کی جائے گی۔

لنڈن بحری کانفرنس کے جاپانی وفد کی طرف سے آج شام کو ایک طویل بیان شائع کیا گیا۔ جس میں انہوں نے بحری کانفرنس سے اپنی علیحدگی کے فیصلہ کا اعلان کیا۔ اس بیان میں اعلان کیا گیا ہے کہ اس بات کا ہم پھر دوبارہ اعلان کر دینا چاہتے ہیں کہ بحری کانفرنس سے علیحدہ ہونے کے باوجود ہماری مطلقاً یہ خواہش نہیں ہے کہ کسی قسم کی اسلحہ کی دوڑ کی جائے۔

حکومت سوویٹ روس کی سینٹرل ایگزیکٹو کمیٹی کے بجٹ اجلاس میں کل وزیر مالیات نے بجٹ پیش کیا جس میں ۱۹۳۶ء کے بحری اخراجات کی رقم کو ۱۹۳۵ء کے مقابلہ میں دوگنا کر دیا گیا ہے۔

اخبار "ڈیلی ہیرلڈ" کا بیان ہے کہ برٹش گورنمنٹ (یعنی حکومت جرمنی) نے برطانوی حکام کو مطلع کیا ہے کہ فرانس نے ہوائی جہازوں سے بھرا ہوا ایک جہاز ہیمبرگ کے راستے اٹلی کو بھیجا ہے۔

مسٹر شاپورجی سکلتوالا سابق ممبر پارلیمنٹ (دار العوام) یکایک انتقال فرما گئے۔ آپ اپنے لندن کے مکان میں اچانک دورۂ قلب میں مبتلا ہو گئے۔ اور طبی امداد پہنچنے سے قبل ہی آپ کی روح قفس عنصری سے پرواز کر گئی۔

مسٹر سکلتوالا مشہور پارسی کمیونسٹ لیڈر تھے۔ جو اپنے عقائد کی جرات اور اپنی بے خوفی اور آزاد روی کے لئے بین الاقوامی شہرت رکھتے تھے۔ آپ کئی سال تک دار العوام کے ممبر رہے۔

نیو تھیٹرز سٹوڈیو نیوز

"دیسا پادنا"

یہ فلم اپنی تاب دلآویزیوں کے ساتھ نیو تھیٹرز اسٹوڈیو نمبر ۲ میں زیر تکمیل ہے حسین رقص، دلکش مناظر، پاکیزہ مکالمہ "دیسا پادنا" کی خصوصیات ہیں۔ انڈیا فلم جو سو نیرو دلکش ناچ اس پکٹنگس پر جس قدر فخر کرے کم ہے۔ مسٹر پیدفل واسے بڑے انہاک سے ہدایات دے رہے ہیں۔ ماسٹر سہگل۔ پہاڑی سانیال۔ چندرا وتی اور راجکماری اپنے کمالات موسیقی اداکاری کے ساتھ پردہ سیمیں پر نظر آئیں گے۔

"کروڑپتی"

نوجوانوں کی زندگی کا آئینہ ہے جو نیو تھیٹرز نے بنا کر ملک کی ایک اصلاحی خدمت انجام دی ہے اس فلم میں دلچسپ پیرائے میں نگار خانوں کی زندگی کا عکس بھی آپ ملاحظہ فرمائیں گے۔ یہ نیو تھیٹرز کا ایک رنگین شاہکار ہے۔ قریب قریب کمپنی کے تمام آرٹسٹ شریک فلم ہیں۔ کروڑپتی کا مکالمہ مسٹر کلدار ایم۔ اے نے لکھا ہے۔

"گرہ واہ"

جس طرح چاند کی زندگی پہلی تاریخ سے چودھویں تاریخ تک آہستہ آہستہ دُنیا کے لئے دلچسپی کا باعث ہوتی ہے اسی طرح "گرہ واہ" نیو تھیٹرز کے کارخانہ میں اپنی تکمیل زندگی میں مصروف ہے۔ اور چودھویں رات کے چاند کی طرح فلمی دُنیا کے سامنے آنے والا ہے۔

یہ فلم ایک اصلاحی افسانہ اپنی آغوش میں لئے ہوئے ہے۔ بڑا ہی دلکش۔ جس کو آپ دیکھ کر کھو جائیں گے۔ مشہور ڈائرکٹر مسٹر پی بسی۔ ہمارا "گرہ واہ" کے ڈائرکٹر ہیں۔ جو دیو داس آپ کے سامنے پیش کر چکے ہیں۔ ہر دلعزیز اسٹار جمنا اس فلم کی ہیروئن ہیں۔ خود مسٹر بروا ہیرو کا پارٹ ادا کر رہے ہیں۔ آپ کے ساتھ لیلا اور بکرتی بابو بھی چیف پارٹ میں۔

سر این۔ این سرکار

چیئرمین بورڈ آف ڈائرکٹرز نیو تھیٹرز لمیٹڈ کو سرکار عالیہ کی جانب سے کے۔ سی۔ ایس۔ آئی کا خطاب عطا ہوا ہے۔

ہز ایکسیلنسی لارڈ لنلتھگو۔ ہر ایکسیلنسی لیڈی لنلتھگو۔ ہز ایکسیلنسی کمانڈر ان چیف سر جان اینڈرسن گورنر آف بنگال۔ پرنس معظم جاہ (حیدر آباد)۔ مہاراجہ سنگھ۔ مہاراجہ بردوان۔ سر عبدالرحیم۔ لیڈی سر جسٹس اور دیگر بر دار انڈیا گورنمنٹ ۱۳ دسمبر ۱۹۳۷ء کو اسٹوڈیو میں تشریف لائے۔ "گرہ واہ" کے چند مناظر کی شوٹنگ دیکھنے کے بعد اس فلم کے چند سین جو تیار ہو چکے تھے ملاحظہ فرمائے۔ حضور وائسرائے نے اسٹاف اور اسٹوڈیو کی بہترین الفاظ میں تعریف فرمائی۔ اور مسرت کا اظہار فرمایا۔

نیو تھیٹرز کو فخر ہے کہ ہز ایکسیلنسی نے دو مرتبہ (۵ دسمبر ۱۹۳۲ء اور ۱۳ دسمبر ۱۹۳۷ء) اسٹوڈیو میں آکر عزت افزائی فرمائی۔

"مہاتما"

"پر بھات" کی اس فلم کا بہت دنوں سے انتظار کیا جا رہا تھا آخر کار یہ فلم دہلی کے جگت سنیما ہو رائل میں لگی ہے۔ فلم کے ڈائرکٹر مسٹر شانتا رام نے پردہ سیمیں پر انسانی زندگی کا ایک لاجواب ڈرامہ پیش کیا ہے فلم کا پلاٹ بہت اچھا ہے۔ سینری۔ فوٹوگرافی بہت خوب ہے۔ کہانی کا ماحصل اچھوت پن کے داغ کو مٹانا ہے۔ چنانچہ سنت ایکنا تھ نے اپنی تمام زندگی اس کے لئے وقف کر دی۔ بال گندھرو نے ایکنا تھ کا پارٹ خوب ادا کیا ہے۔ تنا پر بھالے جو اپنے گانوں کے مشہور ہے ایکنا تھ کی دھرم پتنی کا کام کیا ہے۔ اچھوت کی لڑکی چھپا کا کام قابل دید ہے۔ "پر بھات" قابل مبارکباد ہے کہ اس نے اتنی کامیاب فلم تیار کی ہے کہ کوئی ہندوستانی اُسے دیکھے بغیر نہیں رہ سکتا۔

تقلیدی شاعری

(صفحہ ۴۳ سے آگے)

انیس۔ لکھنوی

گلشن میں صبا کو جستجو تیری ہے
بلبل کی زباں پر گفتگو تیری ہے
ہر رنگ میں جلوہ ہے تیری قدرت کا
جس پھول کو سونگھتا ہوں بو تیری ہے

انگریزی تعلیم کا رواج بھی اس حد تک مفید ہو سکتا ہے کہ مکتب سخن میں قدم رکھتے ہی انگریزی زبان سے اچھی اچھی چیزیں منتخب کی جائیں جو اُردو کے لئے زیب و زینت کا باعث ہوں۔

ہندی و سنسکرت کے علم و ادب کے پاس بھی نہایت بیش قیمتی خزانے ہیں۔ لہذا اُن سے بھی فائدہ اُٹھایا جائے۔

جب یہ باتیں پیدا ہو جائیں گی تو اُردو علم ادب کو چار چاند لگ جائیں گے۔ اور پھر کوئی بھی اردو شاعری کو تقلیدی شاعری کے نام سے یاد نہ کرے گا۔

سہراب مودی

جس نے "خون کا خون" نامی فلم میں ہملٹ کا پارٹ کیا ہے جو کہ نشاط تاکیز میں چل رہا ہے

سندری

جس نے شالنی سنیٹون کولہاپور کے "راج مکٹ" میں بہترین کام کیا ہے

کماری بسنتی

جو کہ اپنے سریلے گانوں کی وجہ سے بہت مشہور ہے۔ جس نے "مہاتما" نامی فلم میں بہترین کام کیا ہے نیو رائل سنیما میں چل رہا ہے

موتی نگر کا افتتاح

کانگریس کے انتظامات کی تکمیل

لکھنؤ ۵ ۲ جنوری۔ کانگریس نگر کا جو سر گیہ پنڈت موتی لال نہرو کے نام پر اس شہر میں ہو رہا ہے "موتی نگر" رکھا گیا ہے۔ بابو پرشوتم داس ٹنڈن نے افتتاح کیا۔ اس موقعہ پر صوبہ کی تمام ڈسٹرکٹ کانگریس کمیٹیوں کے نمائندے موجود تھے۔ اور کئی سر کردہ اصحاب بھی موجود تھے۔ جن میں اچاریہ کرپلانی اور مسٹر عبد الصمد کے نام خاص طور پر قابل ذکر ہیں۔ (ی۔ پ)

کانگریس کا آئندہ اجلاس

گجرات والوں کی طرف سے دعوت نامہ

احمد آباد ۵ ۲ جنوری۔ گجرات پراونشل کانگریس کمیٹی کی ایک میٹنگ آج دوپہر کو سردار ولبھ بھائی پٹیل کی صدارت میں ہوئی۔ جس میں اتفاق رائے سے پاس کیا گیا کہ کانگریس کا آئندہ اجلاس گجرات میں منعقد کرنے کے لئے مدعو کیا جائے۔ لکھنؤ کانگریس کی صدارت کے لئے پنڈت جواہر لال نہرو کے نام کی سفارش کی گئی۔

لکھنؤ کانگریس کے صدر

پنڈت جواہر لال ہوں گے

دہلی ۵ ۲ جنوری۔ اس وقت تک ملک کی بہت سی پراونشل کانگریس کمیٹیاں لکھنؤ کانگریس کی صدارت کے لئے پنڈت جواہر لال نہرو کے نام کی سفارش کر چکی ہیں چنانچہ آج دہلی صوبجاتی کانگریس کمیٹی کے اجلاس میں بھی پنڈت جواہر لال نہرو کا ہی نام تجویز کیا گیا ہے۔ اس لئے اب یہ امر قریب قریب طے شدہ ہے کہ لکھنؤ کانگریس کے صدر پنڈت جواہر لال نہرو ہی ہوں گے۔

ناگپور کانگریس کمیٹی کا فیصلہ

پنڈت جواہر لال کے نام کی سفارش

ناگپور ۵ ۲ جنوری۔ ناگپور پراونشل کانگریس کمیٹی نے آج ۵ بجے جلسہ میں اتفاق رائے سے پنڈت جواہر لال کا نام لکھنؤ کانگریس کے صدر کے لئے منظور کیا۔ ڈاکٹر کھرے کو آل انڈیا کانگریس کمیٹی کا ڈپٹی ممبر منتخب کیا گیا۔ (ی۔ پ)

سونا چلا جا رہا ہے

بمبئی ۵ ۲ جنوری۔ آج ختم ہونے والے ہفتہ میں بھی بمبئی سے یورپ اور امریکہ کو ۲۷۹۳۹۶ روپیہ کا سونا گیا اب تک ہندوستان سے ۲۷۴۲۵۹۹۳۵ روپیہ کا سونا باہر جا چکا ہے۔ (ی۔ پ)

آج سہ پہر کی سب خبریں

مسٹر سعد اللہ خاں کی شادی

سرحدی گاندھی کا آشیرواد

بمبئی ۵ ۲ جنوری۔ ڈاکٹر خان کے لڑکے مسٹر سعد اللہ خاں کی مس صونیا سوہی کے ساتھ شادی کے سلسلہ میں بریلی جیل سے سرحدی گاندھی خان عبدالغفار خاں نے سیٹھ جمنا لال بجاج کو شادی پر مبارکباد دیتے ہوئے ایک تار بھیجا ہے جس میں انہوں نے جوڑے کو آشیرواد دی ہے۔ اور لکھا ہے کہ "مبارک خدا سے برکت اور خیر کی دعا ہے"۔

جوگیش چندر چیٹرجی کی بھوک ہڑتال

لکھنؤ ۵ ۲ جنوری۔ مقدمہ سازش کاکوری کے ایک قیدی جوگیش چندر چیٹرجی نے بھوک ہڑتال کا آج شام ۷ واں دن ہے۔ خبر ہے کہ انہوں نے اس شرط پر کہ ان کی شرائط مان لی جائیں اور قیدیوں کی حالت کو سدھارنے کے لئے ایک آل انڈیا کمیٹی بنائی جائے اپنی بھوک ہڑتال ترک کر دی۔ (ی۔ پ)

نانکنگ حکومت کے ایک رکن کا قتل

کسی سیاسی مقصد کا شبہ

ہینگ ۵ ۲ جنوری۔ نانکنگ حکومت کے ایک رکن اور زبردست اور ہر دلعزیز مدبر کے قتل سے یہاں کے سیاسی حلقوں میں زبردست سنسنی پھیل گئی ہے جس وقت انہیں قتل کیا گیا وہ موٹر بس میں سوار تھے۔ قتل کی پولیٹیکل بنا پر کیا جانا بیان کیا جاتا ہے۔

ایک دوکان میں آگ لگ گئی

دوکاندار صدمہ سے مر گیا

پٹنہ ۵ ۲ جنوری۔ آج ایک شخص مسمی رام رتن ولبھ سوداگر کی دوکان میں آگ لگ گئی۔ آگ لگنے سے اس کے دل کی حرکت بند ہو گئی۔ اور وہ اسی صدمہ میں مر گیا۔ اس کی دوکان کے علاوہ کئی دیگر سوداگروں کی دوکان میں آگ لگ گئی جہاں گھی، چاول، مرچیں وغیرہ سب جل گئیں۔ آگ بجھانے کی کوشش میں کئی آدمی زخمی بھی ہو گئے۔ (ا۔ پ)

چاندی کی قیمت میں کمی؟

واشنگٹن ۵ ۲ جنوری۔ پریذیڈنٹ روزویلٹ نے نمائندگان اخبارات کی کانفرنس میں ہنستے ہوئے اس افواہ کی پر زور تردید کی کہ گورنمنٹ کی جانب سے چاندی کے بھاؤ میں کمی کرنے کی تجویز پر غور کیا جا رہا ہے۔ سوال کرنے والے کیا

مصر کیلئے ایک غیر جانبدار وزارت

نحاس پاشا رضامند ہو گئے

جمود کے خاتمہ کی امید

(رائٹر اسپیشل سروس)

قاہرہ ۵ ۲ جنوری۔ نیشنلسٹ پارٹی کا اخبار رقمطراز ہے کہ وفد نے نحاس پاشا کے بر طانیہ سے علاحدگی گفت و شنید کرنا اور عام انتخابات سے پہلے پہلے ایک غیر جانبدار وزارت قائم کرنا منظور کر لیا ہے۔ اخبار مزید تحریر کرتا ہے کہ حال ہی میں وزارت کے چیف علی ماہر پاشا نے نحاس پاشا کو مطلع کیا ہے کہ شاہ فواد اور برطانوی حکومت مندرجہ بالا طریقہ عمل کی خواہاں ہیں۔ اور ان کا خیال ہے کہ عام انتخابات کے ختم ہونے تک گفت و شنید ملتوی کرنے کی کوئی وجہ نہیں ہے اس پر نحاس پاشا نے جو پہلے تیار نہیں تھے اپنی رضامندی کا اظہار کر دیا۔ انہوں نے اس بات کی بھی شرط پیش کی ہے کہ برطانیہ کے ساتھ ایک مکمل گفت و شنید کی جس کی نمائندگی وہ خود اور وفد کے دیگر اکثر اراکین کریں۔

دہلی میں یوم آزادی

جھنڈے کی سلامی اور جلسہ

دہلی ۲۶ جنوری۔ آج یوم آزادی کے سلسلہ میں دہلی ڈسٹرکٹ کانگریس کمیٹی نے مندرجہ ذیل پروگرام رکھا ہے۔

۵ بجے شام (پرانا ٹائم) آزاد پارک میں قومی جھنڈے کی سلامی۔

۵ ½ بجے پبلک جلسہ۔ سیکرٹری صاحب نے اپیل کی ہے کہ لوگ زیادہ سے زیادہ تعداد میں شامل ہوں۔

آریہ سماج چاوڑی بازار کا جلسہ

آج شب کا پروگرام

دہلی ۲۶ جنوری۔ آریہ سماج چاوڑی بازار کے سالانہ جلسہ کا آج تیسرا دن ہے۔ آج شب کا پروگرام حسب ذیل ہوگا۔

۷ سے ۷ ½ بجے تک بھجن۔

۷ ½ سے ۸ ½ بجے تک ویاکھیان آریہ رام دیو پردھان آریہ پرتی ندھی سبھا پنجاب۔

پھر دس منٹ تک بھجن۔

۹ سے ۱۰ بجے تک اپدیش شری جیا نند سوامی جی۔

بین الاقوامی کرنسیوں کو ایک حلقہ میں لانے کے لئے کوئی بات چیت چل رہی ہے۔ پریذیڈنٹ روزویلٹ نے کہا مجھے علم نہیں۔

تازہ تجارتی سماچار

لندن صرافہ

لندن ۵ ۲ جنوری

بازار خاموش رہا۔

نیویارک روئی

نیویارک ۵ ۲ جنوری

مارچ وعدہ کھلی ۱۱٫۲۰

معمولی لیوالی کے کارن آج بازار کا رنگ مضبوط رہا۔ پرنتو اجناس پر ترمیم سینیٹ والی کا پوریشن کے ابھی تک فیصلہ نہ کرنے کے سبب کر ۲۰ سینٹ کا ترمیم دن یا چھ ماہ تک نہ ما نے گا۔ اندر بازار میں بھی کوئی خاص گھٹ بڑھی نہ ہونے سے انداز بہت کم سودے ہوئے۔

آج سہ پہر۔ بازار کا کام ہم ۱۰ الیکن کلکتے بند بھاؤ سے ۲ پوائنٹ نیچے کھلا۔ بازار سست رہا۔ اور ۲۴ برابری بچھلے دن کے بند بھاؤ سے ۴ پوائنٹ نیچے پر بند ہوا۔ نئی فصل کی معمولی بکوالی تھی۔

لیورپول روئی

لیورپول ۵ ۲ جنوری

مارچ وعدہ مہابھاؤ ۵٫۹۱

لیورپول گیہوں

لیورپول ۵ ۲ جنوری

آج بازار خاموش کھلا۔ مارچ ۸ ۷ مئی ۶ ¾ اور جولائی ۵ ¾ پر بازار سست رہا۔ کوئی خاص کام نہیں ہوا۔

شکاگو گیہوں

شکاگو ۵ ۲ جنوری

ملوں کے نئی وعدہ خریدنے اور بعض میں کاروبار ہونے سے بازار کھلے پر مضبوط تھا۔ پرنتو مارکیٹ کی دلچسپی رہنے اور مقامی بکوالی سے بازار گرا۔

بمبئی بند بازار

بمبئی ۵ ۲ جنوری

روئی بھڑوچ اپریل مئی	۰۰-۱۲-۲۰۲	فی کنڈی
روئی اوم را مارچ	۰-۸-۱۸۴	"
" جولائی	۰-۴-۱۸۳	"
" بنگال مارچ	۰-۸-۱۲۸	"
" مئی	۰-۴-۱۲۷	"

اجناس

گندم مئی	۴-۸-۳	فی من
" ستمبر	۴-۹-۰	"
السی مئی	۷-۷-۶	"
" ستمبر	۷-۱۱-۳	"
تل	۰-۱۰-۸ ارنڈی ۰-۱۲-۶	"
مونگ پھلی	۰-۱۲-۷ بنولہ ۰-۱-۳	"
جیوا	۰۰۰-۵ صرافہ	

سونا حاضر ۰-۵-۳۴ پہلا وعدہ ۹-۰-۳۴ فی تولہ

دوسرا وعدہ ۳۵-۷-۳۴

چاندی حاضر ۰-۵-۰ دوسرا وعدہ ۰-۴-۵ سو تولہ

نہایت
دلچسپ
سوالات

پچیس ۲۵ روپے انعام

آپ کی دماغی
قوت کا
امتحان

فیس داخلہ صرف ایک آنہ

حسب اعلان تیج ویکلی میں ایک نئی قسم کے معمّوں کا سلسلہ شروع کیا گیا ہے۔ اس سلسلہ کا تیسرا معمّہ حسب ذیل ہے۔ یہ تین دلچسپ سوالوں سے مرکب ہے۔ جو صاحب ان سوالوں کو حل کرنے میں کامیاب ہونگے۔ وہ انعام کی تقسیم میں حصّہ لینے کے مستحق ہونگے۔ اوّل انعام دس روپیہ دوسرا انعام پانچ روپیہ، تیسرا انعام چار روپیہ۔ اور باقی تین انعام دو دو روپے کے ہوں گے۔ یہ معمّہ صرف ۳ ہفتے شایع ہوگا۔ اور ۳ فروری سنہ ۱۹۳۶ء کے تیج ویکلی میں نتائج شایع کر دیے جائیں گے۔ داخلہ ۳۰ جنوری سنہ ۱۹۳۶ء کو بند ہو جائے گا۔

سوالات

۱۔ ایک مقام پر دو طالب علم بیٹھے ہوئے تھے۔ ایک کے پاس پانچ روٹیاں تھیں اور دوسرے کے پاس تین۔ دونوں نے فیصلہ کیا۔ کہ تمام روٹیاں ایک جگہ جمع کر کے کھائی جائیں۔ انہوں نے روٹیاں کھانی شروع نہیں کی تھیں۔ کہ ایک ماسٹر صاحب بھی شامل ہو گئے۔ اور تینوں نے مل کر برابر برابر روٹیاں کھالیں جب ماسٹر صاحب رخصت ہونے لگے۔ تو انہوں نے اپنے حصّہ کے عوض دونوں لڑکوں کو آٹھ آنے دیدیے بتلاؤ ہر ایک کو کیا ملنا چاہیے۔

۲۔ ایک سو میل لمبی دوڑ میں دو موٹریں دوڑ شروع کرتی ہیں۔ ایک سو میل فی گھنٹہ کی رفتار سے چلتی ہے اور دوسری ستر میل فی گھنٹہ کی رفتار سے۔ جب وہ دوڑ شروع کرتی ہیں۔ تو ایک پرندہ بھی ایک موٹر سے دوسری موٹر تک مسلسل چکر لگاتا ہے۔ اور اسکی رفتار ۱۲۰ میل فی گھنٹہ ہے بتلاؤ دوڑ کے اختتام پر اس پرندے نے کس قدر مسافت طے کی۔

۳۔ ایک بالٹی کا وزن جبکہ اس میں کچھ پانی ہے۔ بیس پونڈ ہے۔ اسمیں ایک دو پونڈ وزن کی مچھلی چھوڑ دیجاتی ہے۔ بتلاؤ اگر مچھلی پانی پر تیرتی ہے۔ تو بالٹی کا کل وزن کس قدر ہوگا۔ اور اگر پانی کی سطح میں بیٹھ جائے تو بالٹی کا کل وزن کتنا ہوگا۔

برہمانند گپتا منیجر اخبار تیج ویکلی دہلی

شرائط

۱۔ فیس داخلہ صرف ایک آنہ
۲۔ چھ سے زیادہ جوابات صحیح ہونے پر تقسیم انعام بذریعہ قرعہ اندازی کی جاوے گی۔
۳۔ اس سلسلہ میں کوئی خط و کتابت نہیں کی جاوے گی۔
۴۔ ہر جواب کے ہمراہ ذیل کا کوپن آنا نہایت ضروری ہے،
۵۔ ایک شخص ایک سے زیادہ کوپن بھی بھیج سکتا ہے
۶۔ منیجر اخبار تیج دہلی کا فیصلہ آخری فیصلہ ہوگا
۷۔ جو صاحب جواب والی کاپی منگانا چاہیں۔ ایک آنہ زیادہ بھیجیں۔

کوپن

منیجر صاحب تیج دہلی۔ اس کوپن کے ہمراہ اپنے جوابات اور ایک آنہ کے ٹکٹ بھیج رہا ہوں۔ میرا نام مقابلہ کی فہرست میں درج کریجیے۔
نام ... ...
پورا پتہ ... ...
... ...

نام اور پتہ صاف صاف لکھیئے،

اگر ناظرین نے اس معمّہ میں بھی دلچسپی کا اظہار کیا۔ تو اس سلسلہ کو جاری رکھا جاوے گا۔

تیج کا اسٹاف حصّہ نہیں لے سکتا

بسنت رُت

{از افتخار الشعراء منشی مہاراج بہادر صاحب برق دہلوی}

(خاص تیج ویکلی کے لئے)

موج موج بادہے گہوارۂ جنبانِ بہار
پھر بسنت آئی ہوا پھر سازوسامانِ بہار
ہو رہا ہے خطۂ خاکی پر احسانِ بہار
شاخِ گلبن ہے نئے سر سے گل افشانِ بہار
یہ وہ کیف انگیز رُت ہے جو چمن افروز ہے
روح پرور ہے، نشاط افزا ہے، وجد آموز ہے

سرد مہری سے زمستاں کی تھے تنگ آئے ہوئے
گرمجوشیٔ بہارِ گل کے ترپائے ہوئے
راہ تکتے تھے تری رہ رہ کے گھبرائے ہوئے
جاں بلب تھے داغ پر داغِ خزاں کھائے ہوئے
عہدِ گل کا تو جو لے کر تازہ فرمان آ گئی
جی اُٹھے، مُردہ دلوں کی جان میں جان آ گئی

ادھ کھلی کلیوں کی طرزِ دلربائی اور ہے
اب ریاضِ دہر کی رنگین ادائی اور ہے
بلبلِ آشفتہ سر کی خوش نوائی اور ہے
اب نسیمِ دلکشا کی جانفزائی اور ہے
رُت جو بدلی ہے تو ہے رنگِ جہاں بدلا ہوا
فرش سے تا عرشِ اعظم ہے سماں بدلا ہوا

ذرے ذرے میں نظر آتی ہے تصویرِ بہار
خاک کے دامن پہ ہے رنگینیٔ نقش و نگار
لب پہ ہر غنچے کے ہے موجِ تبسم بے قرار
بنتِ چشمِ تماشا ہے رخِ گل کا نکھار
چشم وا کن گر ہوائے جلوۂ گل در سر است
ہر گلے رنگیں ادا از رنگ و بوئے دیگر است

غیب سے ہے دولتِ دیدار حاصل بیقیاس
دشت میں گلشن ہیں ہیں گلہائے خنداں جلوہ پاش
گوش دل سے سُن، پیامِ دورِ گل مستانہ باش
غم سے کاہیدہ نہ ہو اے وقفِ فکرِ دلخراش
دیکھ سب لے جو شوقِ بہارِ حسنِ فطرت دیکھ لے
فرصتِ نظارہ ہے۔ نیرنگِ قدرت دیکھ لے

زیر القلم حامد امروہوی

ولیعہد اٹلی اور مسولینی کے عزائم میں تصادم

اٹلی کے شاہی خاندان کی بے چینی

(خاص تیج دیکلی کے لئے)

سر سیموئل ہور نے برطانیہ کی وزارت خارجہ سے مستعفی ہونے پر جو تو بیان دیا وہ حقیقتاً ابھی خشک بھی نہ ہونے پائے تھے کہ یورپ نے دنیا کو پھر ایک مرتبہ ورطہ استعجاب میں ڈال دیا۔ اور ریوٹر یہ خبر دیتا ہے کہ جنگ حبش کو ختم کرنے کے لئے اب کی بار بلجیم نے قدم بڑھایا ہے۔ برطانوی پبلک کی انصاف پروری اور حق نوازی کے جذبات کے روبرو برطانوی مدبرین تو اس کی جرأت نہ کر سکتے تھے کہ لیگ کے روبرو صلح کے لئے کوئی ایسی شرائط پیش کریں جس سے ابی سینیا کی خود مختاری میں کوئی فرق آتا ہو۔

فرانس میں مسٹر لاول کی پوزیشن سوشلسٹ پارٹی کے لیڈر اور جماعت ریڈیکل کی مخالفت کے باعث اب تک اتنی نازک ہے کہ وہ عرصہ تک اطمینان کی سانس نہیں لے سکتے۔ مسٹر انتھونی ایڈن ان سمجھدار اور دانشمند لوگوں میں سے ہیں جو سر سیموئل ہور کی ماتحتی کے زمانہ میں بھی ان کے ہمنوا نہ تھے۔ تو اب ان سے کیا امید کی جا سکتی ہے کہ وہ صلح کی سلسلہ جنبانی کے حامل بنیں گے۔ دنیا کی رائے عامہ نے اٹلی کی بربریت اور زیادتی کے خلاف جو ثبوت پیش کیا وہ ایسا صریح تھا کہ دول یورپ کے مدبرین یہ ہمت نہ کر سکتے تھے کہ صلح کے دلال بن کر میدان میں اتریں۔ اور یہی وجہ ہے کہ اس مرتبہ گفت و شنید کی ابتدا مدبرین کی بجائے اطالیہ کے شاہی خاندان کی طرف سے ہوئی۔

مسولینی کی حکمت عملی کا دیوالہ

سب سے پہلے پاپائے روم نے دامن صلح پھیلایا۔ اور براڈکاسٹ کے ذریعہ دنیا کو اپنی امن پسندی کا ایک گول اور مبہم پیغام دیا۔ اور اب یہ معلوم ہوا ہے کہ شاہ بلجیم کی والدہ اپنی بیٹی سے ملنے جو ولیعہد اٹلی سے منسوب ہیں اطالیہ گئیں۔ اور وہاں سے واپسی پر صلح کی سعی جمیل میں مصروف ہوئیں۔

خبروں کے اس تار و پود میں کچھ اہم دقائق بھی ہیں جنہیں نظر انداز نہیں کیا جا سکتا۔ ابی سینیا کو بلا کسی بڑی جنگ کے ہڑپ کر جانے کا مسولینی کے حکمت عملی کے میگزین کا وہ سب سے بڑا بم تھا جو کارگر ثابت نہ ہوا۔ اور غریب سر سیموئل ہور اس کا نشانہ ہو گئے۔ اس سے مسولینی کو جو سیاسی ہزیمت اٹھانا پڑی۔ وہ ایسی تھی کہ اٹلی کی اندرونی سیاست پر اثر انداز نہ ہوتی

سطحی طور سے اٹلی میں فسسٹ جماعت کا مرتب کردہ جوش و خروش خواہ کتنا ہی ہو۔ لیکن عوام کے دلوں میں اندر ہی اندر آگ سلگ رہی ہے۔ اور بے اطمینانی بڑھ رہی ہے۔ اور اس کا کچھ اندازہ اس بغاوت سے ہوتا ہے جس سے کئی اطالیوں کو ترک وطن پر مجبور کیا۔

ولیعہد اٹلی کا مسولینی سے اختلاف

اٹلی کا شاہی خاندان بھی مسولینی کے ان جنگی ارادوں کا ہمخیال نہ تھا۔ شاہ ہینگل در ملکہ اطالیہ نے خواہ اپنی انگشت عروسی مسولینی کے نذر کر دی ہو۔ لیکن وہ سچے دل سے یہ سمجھتے ہیں کہ جنگ حبش اٹلی کے لئے بڑی تباہ کن ثابت ہوگی۔

اٹلی کے ہونہار ولیعہد بھی ایک قابل اور حوصلہ مند نوجوان ہیں اور وہ جانتے ہیں کہ جب تک اطالیہ پر مسولینی کی حکومت ہے اس وقت تک اُن کے لئے ملک کے سامنے اپنی قابلیت کے اظہار اور مقبولیت حاصل کرنے کا موقع نہیں۔ مسولینی اور ولیعہد اطالیہ کے منصوبے ایک دوسرے سے متصادم ہوتے ہیں۔ لیکن اس کے ساتھ ہی اٹلی کے شاہی خاندان کو اس کا بھی احساس ہے کہ اگر مسولینی کو اپنے حال پر چھوڑ دیا گیا اور اس جنگ کو جاری رہنے دیا تو کہیں اٹلی کا وہی حشر نہ ہو جو جنگ عظیم میں روس کا ہوا تھا۔

انجمن اقوام کی عاید کردہ پابندیوں نے اقتصادی توازن ویسے ہی بگاڑ دیا۔ برسات کا سر پر آجانا ابی سینیا میں اٹلی کی افواج کے لئے قیامت کا آنا ہے۔ تیل کی برآمد پر بھی انجمن اقوام پابندیاں قائم کرنے والی ہے۔

شاہ بلجیم کا لندن خاص مشن پر جانا

جب مستقبل اس طرح تاریک ہوا اور جنگ کا کامیابی کے ساتھ ختم ہونا دشوار نظر آنے لگا تو کس طرح بعید از قیاس نہیں ہے کہ ولیعہد اٹلی کی بیوی نے جو بلجیم کی شہزادی ہیں اور بلجیم کے موجودہ حکمران شاہ لیوپولڈ کی بہن ہیں اپنے بھائی شاہ لیوپولڈ کی ماں کو اطالیہ جانا ہو اور ان کے ذریعہ صلح کی گفت و شنید شروع کرائی ہو۔ اس خیال کو اس وجہ سے اور بھی استحکام ہوتا ہے کہ پچھلے دن کے ہفتہ میں فرمانروائے بلجیم لندن بھی گئے تھے۔ اور اس وقت یورپ کے تمام اخبارات سے یہ رائے ظاہر کی تھی کہ شاہ لیوپولڈ کسی خاص مشن پر لندن جا رہے ہیں۔ اور اب معلوم ہوتا ہے کہ لندن میں اس وقت شاہ بلجیم نے جو گفتگو کی اس کی تفصیلی اطلاع وہی کے تھے کہ شاہ بلجیم کی والدہ خود اٹلی گئیں۔ اور اب وہاں سے واپسی پر اس خبر کو پریس کے سپرد کیا گیا۔

مسولینی کا دم خم ٹوٹ رہا ہے

گذشتہ پندرہ روز میں اطالوی فوج نے ابی سینیا کے مختلف محاذ پر کوئی کامیابی بھی حاصل نہیں کی۔ بلکہ حقیقت یہ ہے کہ مقابلتاً حبشی افواج نے زیادہ پیش قدمی کی۔ اور اب معلوم ہوتا ہے کہ حبش کے جنگجو قبائل جو اب تک ٹینکوں۔ ہوائی جہازوں۔ مشین گنوں اور زہریلے گیس کی مار سے واقف نہ ہوئے تھے اب سائنٹیفک طریقہ جنگ سے آگاہی حاصل کر رہے ہیں اور ان نئے آلات حرب کی جو ہیبت ان پر پہلے طاری تھی اب باقی نہ رہی۔ اور یہ بھی کہنا غلط نہ ہوگا کہ افریقہ کی دیسی آبادی کو اس جنگ سے بڑی زبردست تربیت بھی مل گئی۔ اور آئندہ یورپ کی کوئی قوت اپنی حربی طاقت سے اسے خوف زدہ نہ کر سکیگی۔

فرانس، ترکی۔ یونان اور یوگوسلاویہ جن کی قوت بحیرہ روم میں اٹلی کی پوزیشن کو کمزور بناتی ہے۔ برطانیہ کے ساتھ ہیں۔ جزیرہ قبرص میں برطانیہ نے جو ہوائی مستقر قائم کئے ہیں وہ اٹلی کے ان ہوائی اور بحری استحکامات کا توڑ کرتے ہیں جو جزیرہ روڈس جبرالٹر ڈیکانیز اور آبنائے میسینا میں مسولینی نے قائم کئے ہیں۔

ان حالات اور واقعات کے ماتحت یہ امید نہیں کی جا سکتی کہ شاہی خاندان کی طرف سے جو سلسلہ گفتگو صلح کے لئے شروع ہوا ہے کامیاب ہو۔ اور جو شرائط میں وہ مسولینی کے لئے قابل قبول ثابت ہوں۔ لیکن جتنے ہی دن گذرتے جائیں گے مسولینی کا دم خم ٹوٹتا جائے گا اور مسولینی کی شکست انجمن اقوام اور حق و انصاف کی زبردست فتح ہوگی۔

وحدانیت

(از حضرت قابل۔ گلاؤٹھی صدر آل انڈیا انجمن تنقید ادب دہلی)

اڑی جاتی ہے ہر تفریق رنگ بزم امکاں کی
بری مستی سے قائم ہیں بہاریں خلد عصیاں کی
مجھے معلوم ہے فطرت نہ ہوتی باغ امکاں کی
مزروان پر ہوئی بارش ترے لطف پنہاں کی
نہ یہ حسن خطا انہیں نہ یہ عشق رضا انہیں
نہ کہ اس درجہ تو من تجلی گیا تماشہ ہے
نفس کرتا ہے سوز دل کی جب گہوارہ جنبانی
ہرے ہر اختیار کار پر ہے جبر کا پردہ
فروغ بندگی کو ظلمت شر کی ضرورت تھی
مریض غم کی نبضیں نزع کے دن دیکھنے والے
بہار گل کے دیوانے مجھے دیکھیں تو سمجھیں
میں صدقے تو نے بخشا جلوہ کافر مسلماں کو

شکست شام غم ہیں میں جھلک ہے صبح خنداں کی
مرے قالب میں بستی ہے تجلی لطف یزداں کی
چمن کا نام ہے کہ خاک اڑاتا ہوں بیاباں کی
کھلی جاتی ہیں کیوں کلیاں مرے دامان عصیاں کی
فرشتے کس طرح سمجھیں حقیقت قلب انساں کی
کہ ہر ذرہ میں ہے تصویر تیرے روئے تاباں کی
بلائیں بڑھ کے لیتی ہے کوئی بجلی گریباں کی
مری مجبوریاں ممنوں ہیں تائید یزداں کی
غرض شیطان سے پوری ہوئی تخلیق انساں کی
یہ صورت تو نکل آئی ترے ایفائے پیماں کی
تجلی میں نے لوٹی ہے چمن بند گلستاں کی
کہ دے دے کر رہی اک شکل تھی تکمیل ایماں کی

حریف درد دل کو جانتا ہے بیوفا قابل
خدا کیوں دے مرے بیدرد کو توفیق درماں کی

جاپان کا تجارتی صنعتی اور تعلیمی نظام

مشرق کے سب سے بڑے صنعتی ملک کی تجارتی و صنعتی نظام کی تصویر

تعلیم اور دستکاریوں کے فروغ سے ہندوستان کیلئے سبق

(از قلم ڈاکٹر ایل۔ سی۔ جین)

(ترجمہ خاص برائے تیج ویکلی دہلی)

جاپان کی تجارتی ترقی صنعتی اور اقتصادی بلندی بجائے خود ایک عبرت انگیز داستان ہے لیکن عالمگیر تباہ حالی کے زمانہ میں اس کا خوشحال رہنا ایک اعجاز ہے۔

مسٹر کے۔ تاکاہاشی رکن مالیات و تجارت جاپان نے حال ہی میں جاپان کی ترقی اور مالی استحکام کی بابت جو تقریر کی ہے وہ ہمارے لئے بہت سے سبق رکھتی ہے۔ مسٹر تاکاہاشی کہتے ہیں:۔

"بہ حیثیت مجموعی جاپان کو کوئی پریشانی ایسی لاحق نہیں ہوئی جو طاقت اور قابو اور انتظام کی حد سے باہر ہوتی۔ بازار کی عمومی کیفیت اچھی رہی۔ جاپانی سکہ کی حالت غیر ملکی بازاروں میں ابھی مستحکم رہی" اور اقتصادی حیثیت کاروباری ساکھ وغیرہ برابر روز بہ ترقی رہا۔

اشیاء کی قدر میں اضافہ۔ نئے بازاروں اور منڈیوں کا کھلنا۔ مال کی خرید تجارتی حد بندی کا اجراء۔ مزدوروں کی آمدنی۔ معیار زندگی۔ عدد اقتصادی کا ترقی کرنا ہے، روزگاری میں کمی۔ ریلوے کی آمدنی اور کام میں ترقی اس بات کے ثبوت ہیں کہ اندرون و بیرون ملک میں جاپان کی صنعت و تجارت برابر ترقی کرتی رہی۔

جاپان کی صنعتی ترقی اور اصلاح اقتصادی کی گفتگو کرنے کے بعد رکن مالیات و تجارت نے جو اعداد و شمار اس ترقی کی جھلک دکھانے کے لئے ہمارے سامنے پیش کئے ہیں وہ قابل لحاظ ہیں:۔

۱۹۳۴ء میں غیر ملکی تجارت کی کامل مقدار (۴٫۰۰۰٬۰۰۰٬۵۸۰) ین یعنی (۳٬۲۹٦٬۴۰۰٬۰۰۰) روپے تک پہنچ جاتی ہے۔ درآمد و برآمد پچھلے سالوں کی نسبت علی الترتیب (۱۷٫۹) اور (۱۶٫۹) فیصدی بڑھ گئی ہیں۔ اور تقریباً (۴۴٬۴۶۰٬۰۰۰) روپیہ کا فائدہ ظہور میں آیا ہے۔ غیر ممالک سے خام اشیاء بڑی کثیر تعداد میں خریدی گئیں اور ان کا تیار شدہ مال بہت تیزی کے ساتھ نکال کر دنیا کی منڈیوں میں بھیج دیا گیا۔ اس آمد و رفت میں جاپان نے

(باقی مضمون اگلے صفحہ پر)

[پچھلے صفحے سے]

کافی دولت پیدا کر لی ہے اور مزید عمل کی تیاریاں شروع ہیں"

ٹوکیو، دارالحکومت جاپان سے - بنک جاپان نے اشیاء کی قیمت کے جو اقتصادی اعداد شائع کئے ہیں ان سے معلوم ہوتا ہے کہ اشیاء کی قیمت میں زوال نہیں آیا۔ اور جو کچھ تیار ہوا اس کی اچھی مقدار فروخت ہو گئی۔ نومبر ۱۹۳۵ء میں انڈکس نمبر (۱۷،۱۰) پایا جاتا ہے نومبر ۱۹۳۴ء میں (۱۰،۱۸۱)۔ ۱۹۳۵ء کے اعداد و شمار ابھی تک تیار نہیں ہوئے ہیں لیکن یہ یقین ہے کہ قیمت اشیاء کا معیاری عدد یقیناً بڑھ گیا ہے۔ ۱۹۱۹ء سے لے کر اس وقت تک کی تاریخ صنعت و تجارت جاپان پر نظر ڈالی جائے اور اس کا مقابلہ دوسرے ممالک کی ترقی سے کیا جائے تو معلوم ہو گا کہ دنیا کے کسی ملک کی صنعت و تجارت نے اس قدر پختہ اور تیز رفتار ترقی نہیں کی ہے جس قدر جاپان نے کی ہے۔

جاپان کی یہ صنعتی و تجارتی ترقی ان کی قوت عمل و تنظیم اور عمومی تعلیم کی وجہ سے ہے۔ جاپان کو اعلیٰ تعلیم یافتہ بنا کر غیر ممالک کے مقابلہ پر تجارتی و صنعتی ملک بنایا جا رہا ہے اور تعلیم جس قدر زیادہ پہنچا سکتے ہیں پہنچا رہے ہیں۔

جاپان کی تعلیمی ترقی

یہاں بے محل نہ ہو گا اگر جاپان کی سرکاری روئیداد تعلیم بابت (۱۹۳۳ء) سے کچھ اعداد و شمار پیش کر کے بتایا جائے کہ جاپان کن اصولوں پر کام کر کے ترقی کر رہا ہے اور ہمارے ہاں کن چیزوں کی کمی ہے۔ جاپان کی ابتدائی تعلیم کا حال دیکھئے۔

جاپان میں اس وقت (۲۵،۹۰۰) ابتدائی مدارس کام کر رہے ہیں۔ جن میں اعلیٰ اور ادنیٰ دونوں معیار کے بچے زیر تعلیم ہیں طلبہ اور طالبات کی تعداد (۹،۸۹۰،۰۰۰) افراد پر مشتمل ہے۔ تعلیم کے دو درجے ہیں پہلا معیار ۶ سال کی مدت کا ہے اور اعلیٰ معیار کی مدت تعلیم دو سال اور بعض حالات میں تین سال بھی ہے۔ ۱۸۷۲ء کے قانون کی رو سے ہر لڑکے اور لڑکی کو بلا امتیاز حیثیت معاشری سکول جانا اور چار سال تک تعلیم حاصل کرنا لازمی اور جبری قرار دیا گیا ہے۔ سکول جانے کی عمر ۶ سال سے شروع ہوتی ہے اور دس سال کی عمر تک اسے پرائمری کی تعلیم سے فارغ ہو جانا چاہئے۔ اس کے بعد دو سال اور تعلیمی مدت کے بڑھا دئے گئے اور یہ خیال ہے کہ شاید عنقریب ہی جبری تعلیم بجائے ۶ کے ۸ سال کی مدت کو محیط کر دی جائے گی۔ اور اس عرصہ میں طالب علم کو بہت کافی تربیت پہنچ جائے گی۔ تمام ابتدائی تعلیم جاپانی زبان میں دی جاتی ہے۔ ماسوا چند بڑے شہروں کے بعض مدارس کے جہاں کچھ غیر زبانیں سکھلانے کا بھی بندوبست ہے۔ لیکن ذریعہ تعلیم مادری زبان ہی ہے۔ سکول جانے کی عمر کے لحاظ سے سکول میں پڑھنے والے شاگردوں کی تعداد (۹۹،۴۸) فی صدی ہے۔ اور غالباً کوئی ملک بھی ایسی اچھی مثال طلبہ کی تعداد کی پیش نہیں کر سکتا۔ ابتدائی تعلیم کی روز افزوں ترقی اور لازمی تربیت اطفال نے جاپانی قوم کی کایا پلٹ دی ہے۔ اور اس کی حیرت انگیز ترقی کا راز یہی ہے کہ اس کے بچے شروع ہی سے ترقی، علمی روشنی اور بیداری کا سبق حاصل کرتے ہیں۔ تعلیمات کی وجہ سے ہی جاپانیوں کی اصلاح۔ اخلاقی و اقتصادی بہبود اور قومی فلاح ہمیں دکھائی دے رہی ہے ناخواندگی کی تعداد بڑی سرعت سے کم ہو رہی ہے ۱۹۲۶ء کی ایک رپورٹ بتاتی ہے کہ (۰،۸۲۱) فی صدی ناخواندہ ہیں۔ لیکن ۱۹۳۰ء میں (۰،۴۸۲) تک یہ عدد گر جاتا ہے۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ تعلیم برابر بڑھ رہی ہے۔

جاپان کے ہر شہر، قصبہ، گاؤں اور بستی کے لئے یہ ضروری ہے کہ وہ اپنے باشندوں کی ضروریات کا لحاظ رکھ کر کم از کم ایک اور زیادہ سے زیادہ حسب ضرورت مدارس قائم کریں چونکہ دیہاتی آمدنی تعلیمی مصارف کو پورا نہیں کر سکتی اس لئے مرکزی حکومت جاپان ہر سال لاکھوں روپیہ تعلیمی کاموں پر صرف کرتی ہے اور ایسے ضرورت مند اداروں کی بیش از بیش فراخدلی کے ساتھ ہمت افزائی اور امداد کرتی ہے شہروں میں سرکاری امور کے اخراجات کا تقریباً ۱/۳ حصہ تعلیم پر صرف کر دیا جاتا ہے اور دیہات میں تو مصارف کی تعداد نصف کی حد تک پہنچا دی گئی ہے۔

جاپان کی حکومت تعلیمات پر تقریباً (۱،۶۰،۰۰۰۰۰) روپے یا (۵۲۲،۰۰۰،۰۰۰) ین جاپانی سکہ صرف کرتی ہے۔ یہ رقم اس پرائیویٹ خرچ سے زیادہ ہے جو عام لوگ اپنے اپنے طریق پر اپنے بچوں کی تعلیم و تربیت پر علیحدہ خرچ کرتے ہیں۔ اس رقم میں سے تقریباً (۳۰۶،۰۰۰،۰۰۰) ین یا (۰۰۰،۰۰۰،۹۴۴،۴۸) روپے صرف ابتدائی تعلیم پر ہی خرچ کر دئے جاتے ہیں۔

ثانوی تعلیم کی ترقی کا حال!

یہ تو ابتدائی تعلیم کا ذکر تھا اب ثانوی (سیکنڈری) تعلیم کی ترقی کا حال دیکھئے۔ معلوم ہوا ہے کہ ثانوی مدارس کی تعداد (۱۵۱۲) ہے۔ جو صرف لڑکوں کے لئے ہیں اور ان میں سے (۵۵۵) مدرسے مڈل سکول ہیں اور (۹۵۷) مدرسے صنعتی تعلیم دینے کے لئے ہیں۔ مڈل سکولوں کا معیار تعلیم بہت بلند ہے۔ پانچ سال کے کورس میں وہ جن مضامین کی تعلیم دیتے ہیں ہندوستان کے انٹرنس کے طالب علم بھی ان کا مقابلہ نہیں کر سکتے۔ جاپانی زبان و ادب کی اچھی استعداد کے علاوہ ایک غیر ملکی زبان (انگریزی۔ فرانسیسی۔ جرمنی) انگریزی سیکھنی ہوتی ہے اس کے علاوہ ریاضی۔ طبعیات۔ تاریخ۔ تاریخ فطرت۔ کیمیا۔ اقتصادیات وغیرہ لندن کے مدرسوں میں میٹری کولیشن میں اقتصادیات پڑھائی جاتی ہے۔ اور پنجاب میں تو انٹرمیڈیٹ تک میں یہ مضمون پڑھانے سے لوگ ڈرتے ہیں۔ لیکن اہل جاپان اس امر کو بخوبی سمجھ گئے ہیں کہ اقتصادیات کی تعلیم دئے بغیر اور بچوں کو اقتصادی معاملات سے بچپن ہی میں روشناس کرائے بغیر ایک اچھی مالدار قوم نہیں بنائی جا سکتی۔ یہی وجہ ہے کہ اقتصادیات اور صنعت کی تعلیم شروع ہی سے بچوں کی تربیت اور مطالعہ کا موضوع بنا دی جاتی ہے۔ صنعتی مدارس میں (۱۱۹) مدرسوں میں صنعت اور دستکاری کی تعلیم دی جاتی ہے۔ (۳۳۹) زراعتی اور (۲۹۹) سکولوں میں تجارت و کاروبار کی (۱۷) مدرسے میں بحری کاموں کی اور (۱۹۱) متفرق مدرسے ہیں۔ ان کے علاوہ تقریباً (۱۵،۰۰۰) مدرسے علیحدہ جاری ہیں۔ جہاں ابتدائی تعلیم حاصل کرنے کے فوراً بعد لڑکے اور لڑکیوں کو کسی نہ کسی قسم کی دستکاری ایسی طرح سے پڑھائی جاتی ہے جس کے ذریعہ وہ اپنا پیٹ پال سکیں اور تعلیم کو بدنام نہ کریں۔

ہندوستان کو جاپان سے بہت کچھ سیکھنا ہے انہوں نے گزشتہ تین سال میں تو بالخصوص ایسی زبردست ترقی کی ہے کہ اہل ہند کے لئے باعث رشک ہو سکتی ہے۔ تعلیم اور صنعت و حرفت ان دو چیزوں کو اہل جاپان نے قومی ترقی کا راز سمجھ لیا ہے اور اس پر تن کا عمل ہے۔

اہل جاپان نے اپنی ترقی کی جھلک دکھانے اور تجارت و کاروبار کو فروغ دینے کے لئے ان مقامات پر جہاں اس کے گاہکوں کی تعداد کثرت سے پائی جاتی ہے تجارتی عجائب گھر قائم کر رکھے ہیں۔ چونکہ کلکتہ کے راستہ ہندوستان میں بھی جاپان کا مال بڑی کثرت سے آتا ہے اس لئے منجملہ مقامات عالم کے کلکتہ میں بھی جاپان کی طرف سے ۲۵ کیننگ سٹریٹ میں ایک انڈو جاپانی کمرشل میوزیم قائم کی گئی ہے جہاں جاپانی

(باقی صفحہ ۳۶ پر)

انگلستان میں اصلاحِ تعلیم

کیا ہندوستان کو کسی "دس سالہ" اسکیم کی ضرورت نہیں؟

جب سے روس میں انقلاب آیا اور سوویٹ کے ارباب حل وعقد نے عوام کی تعلیمی اور اقتصادی ترقی کے لئے محدود مدتوں کی مثلاً "پنج سالہ"، "دس سالہ" یا "بیس سالہ" اسکیمیں جاری کرنی شروع کیں، بعض دوسرے ممالک نے بھی اس طرز عمل کی تقلید کرنی شروع کی۔ روس ایک ایسا ملک تھا جس کے باشندے بہت دنوں سے شہنشاہیت کے ہاتھوں پامال تھے۔ اور بالخصوص کسانوں اور مزدوروں میں عام جہالت اور نہایت گہری تاریکی پھیلی ہوئی تھی اس لئے سوویٹ نے ان کی ترقی کے لئے متعدد قسم کی اسکیمیں جاری کیں۔ پانچ سال یا دس سال کی مدت کے تعین کا مقصد یہ تھا کہ ترقی کی رفتار تیز ہو جائے اور اس مخصوص مدت کے لئے جو پروگرام بنایا جائے اس پر کامل اور پُرزور عمل کر کے لوگوں کو جلد از جلد ترقی کی ایک خاص منزل تک پہنچا دیا جائے تاکہ بعد کو مزید ترقی کے لئے مزید معین مدتوں کی اسکیمیں جاری کی جائیں۔

یہ اسکیمیں روس میں اس قدر کامیاب ثابت ہوئیں کہ دوسرے ممالک کو ان کا تجربہ کرنے کا شوق پیدا ہوا۔ انگلستان اپنی شہنشاہیت پرستی کے باعث روسی اشتراکیت کا سب سے بڑا مخالف سمجھا جاتا تھا۔ لیکن معین مدتوں کی اسکیم کا جادو اس پر بھی چل گیا چنانچہ پچھلے دنوں انگلستان کے "پنتیس" تجربہ کار ماہرین تعلیم و سیاست نے ملک کی تعلیمی ترقی کے لئے ایک "دس سالہ" اسکیم کی تجویز پیش کی ہے جس کا مقصد یہ ہے کہ اس مدت کے اندر انگلستان کے لڑکوں میں دنیا کی بہترین تعلیم جاری کر دی جائے۔ اس جماعت میں متعدد ممبران پارلیمنٹ بھی شامل ہیں۔ اس کی رہنمائی لیڈی ایسٹر کے ہاتھ میں دی گئی ہے۔ اور یہ تجویز ایک کتابی صورت میں شائع کی گئی ہے جس کا نام "لڑکوں کے لئے دس سالہ اسکیم" ہے۔

یہاں پر اتنی گنجائش نہیں کہ اس تجویز کی تفصیلات درج کی جائیں مگر صرف چند باتیں ایسی پیش کی جاتی ہیں جن سے ہندوستان کا محکمہ تعلیم سبق حاصل کر سکے۔ اس اسکیم کی رُو سے دس سال کے اندر تمام پرانی اسکولوں کی عمارتیں تبدیلیوں یا دوبارہ تعمیر کے ذریعہ، جدید ترین قسم کی بنا دی جائیں گی۔ بچوں کے کلاس ہوادار اور روشن کمروں میں بٹھائے جائیں گے۔ اور ان کے لئے کھیلنے اور خانہ باغ مہیا کئے جائیں گے۔ مقامی کمیٹیوں اور بورڈوں کو اس لئے رقمیں دی جائیں گی کہ وہ دس سال کے اندر تشفی بخش طریقہ پر جدید اصلاحات جاری کریں۔ لڑکوں کو ایسے کمروں میں نہیں رکھا جائے گا کہ باہر کی دنیا اُن کی آنکھوں کے سامنے نہ ہو۔

اس سلسلہ میں بچوں کے "نرسری" ڈپارٹمنٹ پر جو رقم خرچ ہوگی اس کا تخمینہ اکیس لاکھ پونڈ ہے۔ اور تمام جونیئر اور سینیئر اسکولوں کے لئے وسیع عمارتیں بنانے پر تقریباً ساڑھے پچیس لاکھ پونڈ صرف کیا جائے گا۔ ان تمام تعلیمی اصلاحات سے ملک کو جو فائدہ ہوگا اُس کو مختصر الفاظ میں رپورٹ نے یوں پیش کیا ہے:۔

"اس اسکیم کے اخراجات کا معاوضہ قوم کی بڑھی ہوئی قابلیت کی صورت میں واپس ملیگا۔ اور بیماری، افلاس اور جرائم کی تخفیف کے باعث اس کا نتیجہ مالی حیثیت سے بھی اچھا ہوگا"

ان تجویزوں کو پیش نظر رکھ کر کیا ہندوستان کا سرکاری محکمہ تعلیم کوئی ایسا اصلاحی پروگرام مرتب نہیں کر سکتا جس سے پانچ سال، دس سال یا کسی معین مدت کے اندر پرانے نظام تعلیم کی کایا پلٹ ہو جائے اور جدید تعلیم جس میں سب سے زیادہ ملکی اقتضا (؟) حالتوں کا لحاظ رکھا گیا ہو، ایک خاص منزل پر پہنچ جائے؟ تقریروں اور رپورٹوں کا سلسلہ تو بہت دنوں سے جاری ہے۔ لیکن ایسا کیوں نہیں کیا جاتا کہ کوئی "پنج سالہ" یا "دس سالہ" اسکیم جاری کی جائے اور اس پروگرام کو اس مقررہ وقت کے اندر پایۂ تکمیل کو پہنچا دیا جائے؟

......

آئینۂ خیال

خانگی ضرورتوں کیلئے بجلی کا خرچ

اس میں شک نہیں کہ سائنس اگر ایک طرف جنگ کے لئے ہلاکت آفریں آلات پیدا کر کے دنیا کو نقصان پہنچا رہا ہے تو دوسری طرف لوگوں کی آرام و آسائش میں ہزاروں طرح کے اضافے کر کے دنیا کو فائدہ بھی پہنچاتا ہے۔ اس آرام رسانی میں بجلی کا حصہ سب سے زیادہ ہے۔ اور انگلستان میں برقی طاقت کے متعدد محکمے اور ماہرین یہ کوشش کر رہے ہیں کہ لوگوں کو کم سے کم خرچ پر بجلی بہم پہونچائی جائے۔ یہاں تک کہ مکانات بھی اس طرح کے تعمیر کئے جائیں جنہیں روشنی کرنے، کھانا پکانے اور تمام ضروریات زندگی کے لئے بجلی موجود ہو۔ بعض حالتوں میں اس وقت بھی ایک پینی یعنی تقریباً ایک آنے میں تین یونٹ بجلی سپلائی کی جاتی ہے۔ اس سستی بجلی سے اگر ہندوستانی گھروں میں بجلی کے خرچ کا مقابلہ کیا جائے، تو معلوم ہوگا کہ یہاں برقی طاقت کی شرح کتنی زیادہ رکھی گئی ہے ایک آنے میں تین یونٹ اور چار آنے یا چھ آنے فی یونٹ کے درمیان کتنا بڑا فرق ہے۔ کیا اس کا سبب یہ نہیں ہے کہ ہندوستان کی بجلی کمپنیاں بے اندازہ سے زیادہ منافع کی غرض سے عوام کو قدرت کی بخشی ہوئی سستی نعمتوں سے محروم رکھتی ہیں اور یہاں خانگی ضرورتوں کے لئے بجلی کا خرچ اتنا نہیں ہوتا جسے معمولی حیثیت کا آدمی برداشت کر سکے۔ یہ مسئلہ جلد تر توجہ کا طالب ہے۔

گداگری کی لعنت!

یہ کہنا صحیح ہے کہ گداگری دراصل افلاس، بیکاری اور مرض کی پیداوار ہے۔ لیکن ہندوستان میں گداگری کے مسئلہ کی نوعیت اس لئے جداگانہ ہے کہ فقیروں، سادھوؤں اور بیراگیوں کے بعض طبقے تقدس سے بھی منسوب ہیں لیکن ان میں اکثریت ایسے ہی لوگوں کی ہے جو عوام کی مذہبی ذہنیت سے فائدہ اٹھاتے ہیں اور بھیک مانگ کر اپنا پیٹ بھرتے ہیں۔ بڑے بڑے شہروں میں فقیروں کی تعداد اس لئے زیادہ ہوتی ہے کہ قصباتی اور دیہاتی لوگوں کی مقابلہ میں شہروں کی مالی حالت زیادہ اچھی ہوتی ہے اور وہ بھیک مانگنے والوں کے ساتھ کسی قدر سلوک کرنے کی صلاحیت رکھتے ہیں۔ ہمیں مسرت ہے کہ بمبئی پریسیڈنسی کی زنانہ کونسل نے ایک ریزولیوشن پاس کر کے گداگری کے مسئلہ پر رائے عامہ کی توجہ مبذول کی ہے۔ ہمارا خیال ہے کہ ہر صوبہ اور ہر بڑے شہر میں اس کی تقلید ہونی چاہئے۔ شہروں میں تو فقیروں کا یہ حال ہے کہ لوگوں کا گھر سے باہر نکلنا اور بازار میں خرید فروخت کرنا مشکل ہو گیا ہے۔ ہر گلی کوچہ میں گداگری کی لعنت موجود ہے کوئی انسان یہ نہیں چاہتا کہ غریبوں اور فقیروں پر ظلم کیا جائے بلکہ ضرورت ایک منظم کوشش کی ہے کہ لوگوں سے گداگری کی عادت دور ہو۔ تندرستوں کو کام مل جائے اور بیماروں یا اپاہجوں کی پرورش کے لئے کوئی انتظام کر دیا جائے۔ اگر مقامی حکومتیں اور میونسپلٹیاں اس اہم مسئلہ کی طرف متوجہ ہوں تو مفید اور نتیجہ خیز کام کیا جا سکتا ہے۔

پیدائشی اندھے کو آنکھیں مل گئیں

چار سال گذرے بات کے چند ماہر چشم ڈاکٹروں نے تجربات کا ایک سلسلہ شروع کیا تھا جس کا نتیجہ اب ظاہر ہوا ہے اور ایک نوجوان لڑکی مس میج بریور کی آنکھوں میں جو اس کی پیدائش کے وقت سے اندھی تھیں، روشنی واپس آگئی ہے۔ ان تجربات کی تفصیل اخبارات میں شائع نہیں ہوئی ہے۔ مگر ڈاکٹروں کو اس پر حیرت ہے کہ یہ کامیابی کیونکر حاصل ہوئی ایسا تو ہوا تھا کہ پیدا ہوتے ہی اگر آنکھوں میں موتیا بند کا مرض رکھنے والے بچہ کے دیدے کا آپریشن ہوا تو وہ اچھا ہو گیا مگر ایسا کبھی نہیں ہوا تھا کہ ایک بالغ اور جوان شخص کو جو پیدائشی اندھا ہو، پھر آنکھیں مل جائیں۔ ان ڈاکٹروں کو چاہئے کہ دنیا کے فائدے کے لئے اپنے تجربات جلد شائع کر دیں

ایک دان ویر کا سورگباش

ہندوستان کی جین سماج کو دان ویر سیٹھ جوالا پرشاد جین جوہری کے انتقال سے سخت صدمہ پہنچا ہے۔ آپ جین قوم کی ایک بہت بڑی ہستی تھے۔ اور جین سماج کی بڑی خدمت کرتے تھے۔ آپ پانچ لاکھ روپیہ دان کر چکے تھے اور بیکے

اشارات

ایک مسٹر مندرکی کتاب "ہندوستان" میں یہ کہتی ہے کہ ہندوستان انگیریزی کے بیج وسیع طور پر بوئے گئے ہیں اور ان کی نشوونما کو روکنے کے لیے مستقل نگرانی کی ضرورت ہے۔

لیکن سوال یہ ہے کہ یہ مستقل نگرانی کس صورت میں کی جائے؟- وسیع بیکاری اس کی ترقی کو ہوا دیتی ہے۔ کیوں نہ اس پودے کو بیخ و بن سے اکھاڑ پھینکنے کے لئے ملک کی اقتصادی حالت بہتر کی جائے۔

اسی کتاب نے ہندوستان میں کیمونزم کے خیالات پھیلانے کی ذمہ داری روس پر عائد کی ہے۔

لیکن یہ تو مشہور ہے کہ روس میں بے بنیاد پروپیگنڈا کا سب سے بڑا کارخانہ جاری ہے۔

جاپان کے وزیر خارجہ کہتے ہیں کہ جاپان اس امر کا خواہشمند ہے کہ دنیا سے جارحانہ خطرات کو دور کرنے کے لئے اسلحہ میں بڑی سے بڑی تخفیف کی جائے۔

غالباً تخفیف اسلحہ کی یہ تجویز اپنے لئے نہیں ہے بلکہ چین، برطانیہ اور فرانس وغیرہ کے لئے ہے۔ ہر ملک دوسرے ممالک کے لئے یہی تجویز پیش کرتا ہے۔ لیکن خود عمل نہیں کرتا۔

ایک اینگلو انڈین اخبار نے یہ سُرخی دی ہے۔

"تیل پر پابندی اطالوی فوج کو مفلوج کردے گی"!

انہی بلند آواز سے ایسی باتیں نہیں کرنی چاہئیں۔ کہیں "جمعیت اقوام" نہ سُن لے۔

لارڈ ولنگڈن نے ایک براڈکاسٹ کی ہوئی تقریر میں کہا ہے کہ انہوں نے سوا نو مسرت انگیز سال ہندوستان کی خدمت میں گذارے ہیں۔

لیکن سوال یہ ہے کہ یہ مدت ہندوستان کے لئے بھی مسرت انگیز تھی یا نہیں

تار کی ایک خبر کہتی ہے کہ اطالوی نے پھر ریڈکراس کے دستوں پر بم برسائے ہیں۔

غالباً مسولینی کے پاس اب اس کا جواب یہ ہوگا کہ اس دستے نے خود ایسا مطالبہ کیا تھا۔

ہفتۂ جنگ

۱۷ ——— جنوری ۱۹۳۶ء

۱۷ جنوری جنوبی محاذ پر جنگ میں جنرل گراسیانی کی فوجیں ۴۴ میل آگے بڑھ گئیں۔ حبش کی فوجیں بھاگ گئیں اور حبش کے چار ہزار سپاہی ہلاک ہوگئے۔ پیدل، ہلکی، مشین گنوں اور ہوائی جہازوں نے حبش کی فوج پر زبردست حملہ کیا۔ بہت سے حبشی قید کر لئے گئے ہیں اور بہت سی رائفلیں اور مشین گنیں بھی چھین لی گئی ہیں۔

۱۸ ——— جنوری ۱۹۳۶ء

میکالے پر چونکہ حملہ کا خطرہ ہے اس لئے اس کی حفاظت کے لئے تیاریاں کی گئیں۔

لیگ کے حلقوں میں تحقیقات کرنے پر معلوم ہوا کہ ابھی تک صلح کے لئے کوئی تجویز پیش نہیں کی گئی ہے۔

اب تک صرف حکومت حبش نے جنگ کے متعلق تحقیقات کرنے کے لئے کمیشن مقرر کرنے کا مطالبہ کیا ہے۔

۱۹ ——— جنوری ۱۹۳۶ء

جنوبی محاذ پر اٹلی کی فوج کو چھوڑ کر کچھ سپاہی حبشی کمانڈر راس ڈیسٹا کی فوج میں مل گئے۔

ایک لڑائی میں دس اشخاص ہلاک ہوئے۔ پچاس مجروح ہوئے۔

علاقہ ٹائرول میں جنگ کے خلاف زبردست اظہار ناراضگی کیا گیا۔

۲۰ ——— جنوری ۱۹۳۶ء

شہنشاہ حبش نے اپنے محل سے ایک ہوائی جہاز کو پرواز کرتے ہوئے دیکھا انہوں نے اس پر ایک مشین گن سے فائر کئے لیکن طیارہ کئی ہزار فٹ اونچے تھا۔ اس لئے اس تک گولی نہ پہنچ سکی۔

شمالی محاذ پر کوم میں بمباری سے چار اشخاص ہلاک اور ۷ مجروح ہوئے۔

مارشل بدوگلیو نے تار دیا کہ راس ڈیسٹا کی فوجوں کو گنلا ڈوریہ سے متواتر بھگایا جارہا ہے۔

جنرل گرزیانی کی فوج علاقہ گالا بورانا میں داخل ہوگئی ہیں اور ملکو پر قبضہ کر لیا ہے۔

۲۱ ——— جنوری ۱۹۳۶ء

لیگ کی ۱۳ نمائندوں کی کمیٹی نے فیصلہ کیا کہ یہ مناسب نہیں ہے کہ اس امر کی تحقیقات کرنے کے لئے جنگ کس طریقہ پر لڑی جارہی ہے۔ حبش کو کوئی تحقیقاتی کمیٹی بھیجی جائے۔

جو فیصلہ کرنا مناسب ہوگا وہ ۱۳ نمائندوں کی کمیٹی ہی کرے گی۔

بین الاقوامی ریڈکراس کے صدر نے سائنور مسولینی سے مطالبہ کیا تھا کہ ریڈکراس ہسپتالوں پر بمباری کے بارے میں تحقیقات کی جائے۔ اس کے جواب میں سائنور مسولینی نے کہا کہ

اطالوی ہوابازوں کو ہدایت کردی گئی تھی کہ وہ ریڈکراس ہسپتالوں کا احترام کریں۔

۲۲ ——— جنوری ۱۹۳۶ء

غیر سرکاری طور پر اندازہ لگایا گیا کہ حبش میں جبریہ بھرتی کے متعلق جو فرمان جاری ہوا ہے اس کا تین لاکھ سے زیادہ آدمیوں پر اثر پڑے گا۔ یہ حکم محل میں ہزاروں اشخاص کے روبرو پڑھا گیا۔ جن میں وزرا بھی شامل تھے حکم میں بیان کیا گیا کہ ہر ایک مرد جو ہتھیار اٹھانے کے قابل ہے فوراً ہی فوج میں بھرتی ہوجائے شہنشاہ ہر ایک کو رائفل اور دیگر سامان جنگ دیں گے۔

۲۴ ——— جنوری ۱۹۳۶ء

گذشتہ اتوار کو ٹائگرے صوبہ میں جو زبردست جنگ شروع ہوئی تھی، وہ ہنوز جاری ہے۔ بیان کیا جاتا ہے کہ حبش کی فوجوں نے اطالوی حملہ کا کامیابی کے ساتھ مقابلہ کرنے کے بعد اُن پر جوابی حملہ کیا اور کئی اہم ناکوں پر قبضہ کر لیا۔ میکالے کے قریب جو زبردست جنگ ہورہی ہے اس میں ہزاروں اطالوی فوجی ہلاک ہوچکے ہیں اور ان کی بہت سی توپوں اور دیگر سامان پر حبشیوں نے قبضہ کر لیا ہے۔ جس سے ظاہر ہوتا ہے کہ حبشیوں نے اطالوی سپاہ پر غلبہ حاصل کر لیا ہے۔ یہ بھی تسلیم کیا جاتا ہے کہ اس جنگ میں حبش کا بھی زبردست نقصان ہوا ہے۔

جمعیت اقوام کی کونسل نے فیصلہ کیا تھا کہ طرابلسی حبشی معاملات پر غور کرنے کے لئے تیرہ آدمیوں کی ایک کمیٹی منعقد کی جائے۔ یہ کمیٹی منعقد ہوئی اور اس نے فیصلہ کیا کہ مزید غور اور فیصلہ کرنے کے لئے اٹھارہ آدمیوں کی ایک کمیٹی منعقد کی جائے۔

چلو چھٹی ہوئی۔ اب یہ اٹھارہ آدمیوں کی کمیٹی ان معاملات کو ۲۲ آدمیوں کی کمیٹی کے سپرد کر دیگی اور امن بحال کرنے کا مشکل مسئلہ ہوگی اسی طرح قیامت تک یہ تعداد بڑھتی چلی جائے گی۔ لیکن حقیقت یہ ہے کہ ۱۳- ۱۸- ۲۲- ۲۸- یہ تمام منحوس سمجھے جاتے ہیں اور لیگ کو جب سُوجھتی ہے تو انہیں اعداد کی حبش کا خدا حافظ۔

کلکتہ کا ایک ہفتہ وار اخبار کہتا ہے کہ انگلستان نے دنیا کی مختلف اقوام کو صرف کرکٹ ہی کا کھیل نہیں سکھلایا ہے۔ بلکہ تقریباً ہر دوسرا کھیل بھی سکھلایا ہے:

ہاں، ہم یہ بھی جانتے ہیں۔ ہندوستانی لیڈر حضرات نے بہت سے کھیل سیکھے ہیں۔

ایک اینگلو انڈین معاصر اپنی شہنشاہیت دوستی کے جوش میں لکھتا ہے کہ اسپورٹ یعنی کھیلوں کی دنیا میں برطانی اسپائر کے اندر کبھی قومیت یا رنگ کے لحاظ سے امتیاز کا سوال داخل نہیں ہوتا۔

جس کی روشن مثالیں مندرجہ ذیل ہیں:-

(۱) برطانیہ میں پیراکی کے تالابوں میں ہندوستانی طلبا کو تیرنے کی ممانعت کی گئی تھی۔

(۲) لندن کے بڑے بڑے ہوٹلوں میں اکثر کالے کھلاڑیوں کو ٹھہرنے نہیں دیا جاتا۔

(۳) بمبئی کے یاٹ کلب کے قواعد و ضوابط۔

ایک مقامی اخبار میں ایک مضمون نگار نے یہ تجویز پیش کی ہے کہ وائسرائے کو اپنے دورے بند کردینے چاہئیں اور اس سفر پر جو رقمیں خرچ ہوتی ہیں ان کو جمع کرکے ایک "ٹرسٹ" قائم کیا جانا چاہیئے۔

لیکن یہ نہیں بتلایا گیا ہے کہ یہ "ٹرسٹ" کس کام کے لئے قائم کیا جائے۔؟ بہتر یہ ہے کہ اس میں اینگلو انڈین اخبارات کے نقصان کا بھی خیال رکھا جائے۔

سیاسی بیداری

CONFIDENCE OF THE INDIAN PEOPLE

ہندوستانیوں کا اعتماد

INDIAN AGITATION

B. VERMA

کانگریس ہی ہندوستان کی سیاسی بیداری کی باعث ہے اور کانگریس ہی کو ملک کا اعتماد حاصل ہے

بسنت رُت!

(از حضرت آغا شاعر دہلوی)

رُت آئی ہے بسنت کی گُل پھول پھر ہیں زرد
سردی چلی، بہار کی آمد کا جوش ہے
کوئل الاپتی ہے پرندے ہیں نغمہ سنج
دوشِ صبا پہ نکہتِ گُل کے دماغ ہیں
سرسوں کے کھیت جھوم رہے ہیں ہرے بھرے
سُورج کی جب شعاع پڑی جگمگا دیا
رنگینیاں ہیں، چار طرف گُل طرازی کی
کیا گنگنا رہی ہیں، ہوائیں راگ ہی

بہتا ہے پھر زمین پہ دریائے لاجورد
لالے سا داغدار، صبوحی بدوش ہے
مُردہ تھی جو زمین، اُوگلنے لگی وہ گنج
شبنم نہیں، گلوں پہ چھلکتے ایاغ ہیں
کندن دمک رہا ہے سرِ کہسار سے
دیکھو وہ ایک آنچ سے سونا پگھل گیا
رینی چڑھی ہوئی ہے کسی پاکباز کی
اُف جل اُٹھا ہیں ڈھاک کی پھولوں میں آگ ہی

یہ سب صحیح، دلکو نہیں ہے مگر فراغ
آزوقۂ پیٹ کو کہاں؟ ہر جا سوال ہے
ہر روز خون روتی ہے تازہ بہارِ صبح
پیسہ نہیں ہے پاس کہ مفلس ہے سب جہاں
ہے جنکے پاس مال، اُنھیں غم مآل کا
دریا ہمارے سامنے کھولے ہے ناگ پر
غلہ جو محنتوں سے اکٹھا کیا تو کیا؟
کیسی بسنت؟ زردیٔ رُخ کا یہ طور ہے

ہم کیا بسنت گائیں، میسّر نہیں چراغ
اِس ہند میں غریب کی ہستی وبال ہے
داغوں سے دل جگر ہیں بنے لالہ زارِ صبح
محنت کا مزد دے نہیں سکتے ہیں قدرداں
اوروں کو آج دیا ہے تو کل خود گرو کیا؟
جاڑوں کی راتیں کانپ کے کاٹی ہیں آگ پر
گاڑی میں آکے اُسکو مہاجن نے بھر لیا
شاعر نہ جی سکیں گے غلامی کا دور ہے

پگڑ بدل بھائی!

(از جناب کوثر چاندپوری)

(خاص "تیج ویکلی" کے لئے)

راؤ ہمت سنگھ نہایت دلیر بہادر اور جنگ آزما آدمی تھا۔ وہ ان مردانہ اوصاف ہی کی بنا پر ایک معمولی درجہ سے ترقی کر کے سلطنت دہلی کے معزز منصب داروں میں شامل ہو گیا تھا۔ آخر میں گونڈوانہ اس کو جاگیر میں دیدیا گیا تھا اور وہ اس صوبہ کا فرمانروا تسلیم کر لیا گیا تھا۔ سلاطین دہلی کسی ملک پر فوج کشی کرتے تو ہمت سنگھ کی طلبی کے لئے بھی فرمان جاری ہوتا۔ اور وہ اپنی مختصر مگر جرار جماعت کے ساتھ آ کر شاہی لشکر میں شریک ہو جاتا۔ ویسے تو ہمت سنگھ کو تمام جنگی فنون میں بے انتہا مہارت تھی۔ لیکن اس کی بندوق اور تیر کا نشانہ کبھی خطا نہ کرتا تھا۔ اس خصوص میں اس کو بہت امتیاز حاصل تھا۔ اس نے اپنی فوج کو بھی اس فن کی کافی مشق کرا لی تھی۔

ہمت سنگھ کا قاعدہ تھا کہ جمعہ کے دن صبح سویرے ہی گھوڑے پر سوار ہو کر قلعہ سے نکل آتا اس کے سپاہی پہلے سے تیار رہتے۔ اور گھنٹہ کی آواز فضا میں گونجتے ہی چار پانچسو سوار اس کے گرد جمع ہو جاتے ہمت سنگھ سب سے آگے ہوتا اور گونڈوانے کے کسی دشوار گذار جنگل میں داخل ہو کر جنگلی جانوروں کو تیر و تفنگ کا نشانہ بناتا۔ اس کے ہمراہی جنگل میں پھیل جاتے اور جانوروں کو گھیر کر ہمت سنگھ کی طرف لاتے۔ پہلے ہمت سنگھ تیر اور بندوق سے شکار کرتا۔ پھر عام حکم ہو جاتا کہ ہر شخص اپنی اپنی جگہ مضبوطی سے قائم رہے۔ اور شکار میں حصہ لے جس شخص کی طرف سے جانور نکل بھاگتے اور وہ شکار میں کامیاب نہ ہوتا۔ اُسے سزا دی جاتی۔ کامیاب آدمیوں کو انعام دیا جاتا۔ اگرچہ یہ مشغلہ بظاہر تفریح اور لہو و لعب کی حیثیت رکھتا تھا مگر ہمت سنگھ جانتا تھا کہ اس سے کس قسم کے فوائد مترتب ہوتے ہیں۔ اسی کا نتیجہ تھا کہ اس کی جماعت ناوک فگنی اور بندوق زنی میں ہمیشہ مشہور اور ممتاز رہی۔

ہمت سنگھ کی جاگیر میں دس پندرہ قلعے تھے جو بادشاہ نے اسی کے حوالے کر دئے تھے قلعہ دار اُس کی ہدایت کے موافق کام کرتے تھے۔ ان کا عزل و نصب بھی ہمت سنگھ کے ہاتھ میں تھا۔ بادشاہ اس کے احکام میں کبھی مداخلت نہ کرتے تھے، ایک مرتبہ آغا میر کو جو بہت نامور سردار تھا اور ایک بڑے قلعہ کا نگراں تھا ہمت سنگھ نے معزول کر دیا۔ آغا دربار شاہی میں فریاد لے کر پہونچے اور اپنے حقوق کی بنا پر ہمت سنگھ کی زیادتی کو بڑی اہمیت دے کر سمع اشرف تک پہنچایا۔

ارشاد ہوا۔ قلعے تو بہت سے ہیں جس قلعہ کو پسند کرو اُس کی کنجیاں حوالے کر دی جائیں۔ تمہارے حقوق ہماری نظر میں ہیں۔ اہلیت بھی ظاہر ہے مگر ہمت سنگھ بھی کوئی معمولی دلدل کا آدمی نہیں ہے ہم اس کی آزردگی کو نظرانداز نہیں کر سکتے بہتر ہے تم اس کے پاس جا کر اپنا قصور معاف کراؤ پھر ہم سے جو التماس کروگے پوری ہوگی۔

ہمت سنگھ کو اس کا علم ہوا تو جریدہ سوار ہو کر دربار میں آیا اور عرض کیا۔ میری کیا مجال ہے کہ مرضی مبارک کے خلاف کسی امر کا مرتکب ہو۔ آغا میر اگر قلعہ داری کی اہلیت رکھتا ہے تو حضور سے زیادہ کون واقف ہو سکتا ہے۔ میں اپنی جاگیر کے پانچ بڑے بڑے قلعے اس کو دیتا ہوں۔ بادشاہ اپنے وفادار اور جان نثار سردار کی تقریر سُنکر صرف مسکرا دئے اور آغا میر کو بلا کر حکم دیا۔ ہمت سنگھ سے معافی مانگو۔ آغا میر نے بہت معذرت کی ہمت سنگھ نے بڑھ کر اس کو آغوش میں لے لیا۔ آغا میر نے اس کی پیشانی کو بوسہ دیا۔ ہمت سنگھ اس قدر خوش ہوا کہ اپنی پگڑی سر سے اُتار کر آغا میر کے سر پر رکھدی۔ اور اُس کی پگڑی اپنے سر پر رکھ لی۔ ہندوستانی رسم کے موافق یہ دونوں اب پگڑی بدل بھائی ہو گئے!

بادشاہ نے اس خوشی میں زبردست جشن ترتیب دیا جس میں راؤ ہمت سنگھ کو راجہ کا خطاب دیا اور اس کے نام میں "یار وفادار" کا اضافہ فرمایا۔

(۲)

آغا میر نے اپنے قیام کے لئے نصیر آباد کے قلعے کو منتخب کر لیا۔ جو سب قلعوں کے وسط میں واقع تھا۔ یہ گونڈوارے کا نہایت مضبوط اور مشکل قلعہ تھا۔ اندر بہت وسیع میدان تھا۔ عمارات بھی کافی تھیں۔ شیریں پانی کے متعدد چشمے بارہ مہینے جاری رہتے تھے۔ رسد کی آمد و رفت کے لئے چند محفوظ راستے تھے۔

ہمت سنگھ اور آغا میر کے برادرانہ تعلقات قائم تھے۔ ایک دوسرے کے تہواروں پر آمد و رفت ہوتی، ضیافتیں کھائی جاتیں اور تحف و ہدایا کا تبادلہ ہوتا، جب کوئی مہم پیش آتی تو باہمی مشورے سے اس کا سرانجام ہوتا۔

ہمت سنگھ کے بیٹے کرم سنگھ کی شادی کے موقعہ پر آغا میر دس ہاتھی اور قیمتی جواہرات نذر اور نچھاور کے لئے لے گیا۔ ہمت سنگھ نے بھی بڑی ہمت سے کام لیا۔ فوراً قلم دوات منگوا کر پندرہ گاؤں آغا میر کی جائداد میں لکھ دئے۔ چونکہ بیٹے کے اطوار اچھے نہ تھے۔ اور یقین نہ تھا کہ باپ کے جان نثاروں کی قدر کر سکے گا۔ اس لئے احتیاطاً سند میں ہمت سنگھ نے اپنے جانشینوں کو سخت سخت قسمیں دلائیں کہ یہ جاگیر کبھی ضبط نہ کی جائے شادی کے دو تین مہینے بعد ہی ہمت سنگھ نے بیٹے کے سر پر تاج رکھ دیا اور آپ گوشہ گیر ہو گیا۔

(۳)

کرم سنگھ جوان اور ناعاقبت اندیش تھا۔ اُس کے گردو پیش بھی

(باقی مضمون اگلے صفحہ پر)

بسنت کی دیوی

(از جناب اندرجیت شرما چھرہ ضلع میرٹھ)

کیا شان ہے تری
پھولا ہوا ہے بن
سبزہ کا یہ نکھار
دلکش ہیں قہقہے
کیا شان ہے تری

دیوی بسنت کی
خوشرنگ ہے چمن
پھولوں کی یہ بہار
ہیں خوب چہچہے
دیوی بسنت کی

سرسوں کا راج ہے
چلتی ہے کیا ہوا
پودوں کی ساریاں
بھتی ہے دلکشی

سونے کا تاج ہے
اڑتا ہے کیا طلا
کیسر کی کیاریاں
دیوی بسنت کی

اب نام کو کہیں
بیدار ہے جہاں
دل میں امنگ ہے
عالم پہ چھا گئی

افسردگی نہیں
ہشیار ہے جہاں
ذروں میں جنگ ہے
دیوی بسنت کی

اے انبساطِ دل
سینے میں اب چمک
اونچی ہوا میں اڑ
تو ہے مری پری

تو ہے نشاطِ دل
جذبات میں بھڑک
رنگیں فضا میں اڑ
دیوی بسنت کی

پچھلے صفحہ سے

ایسے ہی لوگ جمع ہوگئے، وہ ہمیشہ مخمور اور بدحواس رہتا تھا۔ دن رات عیش و عشرت اور رقص و سرود میں مشغول رہتا تھا۔ وہ جن شبہ دربار سے اُس کی طلبی کے پروانے صادر ہوئے مگر اُسے اپنے لہو و لعب سے اتنی فرصت نہ ملی کہ بارگاہِ سلطانی میں جاکر وفاداری کی پرانی رسم کو تازہ کر دیتا۔

قدیم بہی خواہوں نے بہت سمجھایا کہ شاہی فرامین کی خلاف ورزی اچھی نہیں۔ باپ نے بھی کہلا بھیجا کہ دیکھو میرے ماتھے پر کلنک کا ٹیکہ نہ لگا دینا لیکن اُس کے دل پر ذرا بھی اثر نہ ہوا۔

آغا میر نے جب یہ حالات دیکھے تو خود آیا اور بھتیجے کو دنیا کے نشیب و فراز سے آگاہ کر کے دربار میں چلنے پر راضی کیا۔ مگر نوجوان ندیموں نے پھر اُسے مشتعل کر دیا۔ کسی نے کہا آپ بادشاہ سے کیا کم ہیں۔ جو کالے کوسوں جاکر وفاداری کی قسم کھائیں۔ بادشاہ کی کیا مجال ہے کہ ہماری موجودگی میں آپ کی طرف نظر بھر کر بھی دیکھ سکے۔ قرب و جوار کے تمام منصب دار آپ کے قبضہ میں ہیں۔ ایک اشارہ میں جان قربان کر دیں گے۔ اس بڈھے (آغا میر) کی عقل خراب ہوگئی ہے۔ ہمیشہ غلامی کی ہے وہی تو اب بھی دماغ میں بسی ہے اُسی کی آپ کو تعلیم دیتا ہے۔ رہے پتا جی وہ تخت و تاج چھوڑ کر جوگ سادھ چکے ہیں۔ انہیں مہمات سلطنت سے کیا واسطہ۔ پھر موجودہ حالات ایک سال قبل کے واقعات سے بالکل مطابقت نہیں رکھتے۔ اس اعتبار سے ان کی رائے بھی کوئی وزن نہیں رکھتی۔ اپنی ذمہ داری کو آدمی خود ہی خوب سمجھ سکتا ہے۔ اس کے علاوہ بادشاہت میں رشتہ ناتہ نہیں دیکھا جاتا۔ اپنی مصلحت پر نگاہ رکھی جاتی ہے کرم سنگھ بالکل ہی ناتجربہ کار تھا ندیموں کی ان ہرزہ سرائیوں نے اُس پر اثر کیا۔ خون میں گرمی آئی۔ اس نے آغا میر کو بلا کر صاف کہہ دیا۔ چچا جی آپ پرانے وقتوں کے آدمی ہیں۔ ہماری طاقت کا آپ کو علم نہیں۔ میرے ایک اشارے میں سارے گونڈواڑے میں جنگ کی آگ بھڑک سکتی ہے۔ ہزاروں سر میری جنبشِ ابرو پر قربان ہونے کے لئے جھک سکتے ہیں، ہم بادشاہ سے کسی بات میں کم نہیں۔ کہ اس کی ملازمت کو اپنے لئے شرف و عزت خیال کریں۔

بڈھا سردار بے وقوف لڑکے کی باتیں سن کر گھبرا گیا۔ سمجھا کہ یہ سب اس کے مصاحبوں کی ناتجربہ کاری ہے یہی لوگ اس کے مشیر ہیں۔ باپ کیسا بہادر ہیرو تھا ہے۔ اگر وہ یہ حوصلہ کرتا تو بیجا نہ تھا اس نے تو ابھی میدانِ جنگ کی صورت بھی نہیں دیکھی۔ یہ کیا جانے طاقت کسے کہتے ہیں اور قوت کیا ہوتی ہے؟

اس نے آزادی سے کہا ۔۔۔ چچا کی جان تم ابھی بچے ہو بادشاہ کی قوت سے واقف نہیں خدا کے لئے ایسی بات منہ سے نہ نکالو جس کا انجام ہلاکت اور بربادی ہو ہمت سنگھ کی عزت و آبرو کو اس قدر ارزاں فروخت نہ کرو۔

لیکن اس کی باتوں کا کوئی اثر نہ ہوا بلکہ اُلٹا مضحکہ اڑایا گیا۔ وہ مایوس ہوکر واپس آگیا۔ اور دربار میں لکھ دیا کہ نوجوان راجہ کی طبیعت نا سازہے۔ وہ اتنی دور دراز کا سفر نہیں کر سکتا۔ بادشاہ کو سب خبریں پہنچ رہی تھیں۔ آغا میر کا عریضہ پہنچتے ہی پیشانی پر بل پڑ گیا۔ فرمایا بڑھاپے میں بھی بھتیجے کی بیجا حمایت کر کے بدنامی مول لینا چاہتا ہے

مشورہ کے بعد طے ہوا کہ ولیعہد سلطنت سیر و شکار کے حیلہ سے کرم سنگھ کی ولایت میں داخل ہوں اگر وہ استقبال کو آئے اور اپنی وفاداری کا ثبوت دے تو اس سے کوئی تعرض نہ کیا جائے ورنہ اُس کی تنبیہہ نہایت ضروری ہے۔

اس قرار داد کے موافق ولیعہد گونڈواڑے میں آیا کرم سنگھ اطمینان سے قلعہ میں بیٹھا رہا۔ استقبال کا خیال بھی اُسے نہ آیا۔ آغا میر ڈرا کہ بنا بنایا کھیل بگڑ گیا۔ تو میں منہ دکھانے کے قابل نہ ہوں گا۔ ایک طرف ہمت سنگھ کا خیال، دوسری طرف شاہی عتاب کا ڈر وہ فوراً نصیر آباد سے نکل کر استقبال کو دوڑا۔ چلتے چلتے کرم سنگھ کو بھی مطلع کرتا گیا کہ جس قدر جلد ممکن ہو ولیعہد کے پاس پہنچو۔ ورنہ یہ آفت بغیر جان لئے نہ ٹلے گی۔

ولیعہد کئی ہفتہ تک گونڈواڑے میں شکار کھیلتا رہا مگر راجہ نے اس کی کوئی مدارات نہ کی۔ وہ اپنے پرانے قلعوں کی مرمت اور سپاہ کی درستی میں مصروف رہا اور آغا میر پر بغاوت کا الزام لگا کر اسکی جاگیر ضبط کر لی۔

ولیعہد سلطنت کو بارگاہِ سلطانی سے ہدایت ہوئی کہ کرم سنگھ کو پہلے اطاعت پر آمادہ کیا جائے۔ شاہی عنایات یاد دلائی جائیں۔ اس پر بھی اگر راضی نہ ہو تو بے پار لشکر کشی کی جائے اور جہاں تک ممکن ہو اُس کی جان کا خیال رکھا جائے۔ ہمارے خاص جاں نثاروں کا بیٹا ہے۔ ممکن ہے کسی وقت راہِ راست پر آجائے۔

شاہزادہ نے فوراً ان احکام پر عمل شروع کر دیا۔ آخر میں ۔ ۔ ۔ ۔

مجبور ہوکر گونڈواڑے کی فضا کو میدانِ جنگ کی دل ہلا دینے والی مہیب صداؤں سے متزلزل کر دیا۔ ہزاروں منچلے مسلمان شمشیر زن میدان میں آ ڈٹے۔

کرم سنگھ کتنا ہی ناتجربہ کار کیوں نہ ہو مگر اس کی بہادری سے انکار نہیں کیا جا سکتا۔ وہ پہلے سے حملہ کا منتظر تھا۔ اطلاع ہوتے ہی بیشمار پیادے اور سوار لے کر قلعہ سے نکل آیا۔ شاہی لشکر نے گونڈواڑے میں گھس کر کرم سنگھ کا مقابلہ کیا شہزادہ کے پاس پرانے پرانے لڑنے والے تھے۔ راجہ امر سنگھ اسکی سپاہ کا افسر اعلیٰ تھا اس نے اپنی فوج کے تمام سرداروں کو بلا کر اچھی طرح سمجھا دیا کہ راجہ کرم سنگھ کو گرفتار کرنے سے پہلے گونڈواڑے سے نکل کر نہ جائیں گے۔

امر سنگھ نے اپنی فوج کو دو حصوں پر تقسیم کر کے ایک حصہ کو کرم سنگھ کو مشغول کرنے کی غرض سے آگے بڑھا دیا اور دوسرے حصہ کو ہدایت کر دی کہ پہاڑوں کی آڑ میں چھپتا ہوا کرم سنگھ کی راجدھانی شیر گڑھ کو جاکر گھیرے۔

آغا میر نے شہزادہ کے پاس پہنچ کر عرض کیا کہ جاں نثار حضور کے اشارۂ ابرو پر سر کٹانے کو تیار ہے مگر برادر زادے پر تلوار نہیں اٹھائے گا۔ اور جس امداد کی ضرورت ہوگی اس کے لئے ہر وقت حاضر ہے۔ اسکی درخواست پر شہزادہ نے یہ حکم صادر کر دیا کہ تم سے ہمیں کسی امداد کی ضرورت نہیں۔ البتہ اپنے تمام قلعے خالی کر کے شاہی فوج کے حوالے کر دو۔ اگر اس میں ذرا بھی تامل کرو گے تو تمہارا بھی وہی حشر ہوگا جو ایک باغی کا ہوا کرتا ہے۔ آغا میر قلعہ سے نکل کر ایک پہاڑی مقام پر چلا گیا۔

کرم سنگھ اور اس کے دوستوں کا خیال تھا کہ دشمن ہمارے گھر میں گھس آیا ہے ہم وہ سے گھیر لو اگر اُسے پارہ پارہ کر دیں گے مگر گرجتی ہوئی توپوں اور سنسناتے ہوئے تیروں نے کرم سنگھ کی فوج کے سارے جوش شجاعت کو سرد کر دیا۔ کرم سنگھ نے میدان چھوڑ کر بھاگ جانا اس کی حمیت کے خلاف تھا۔ اس نے طے کر لیا تھا کہ یا تو دشمن کو مار کر اپنے گھر سے نکال دیگا یا مقابلہ کرتے کرتے مر جائیگا مگر جنگ سے منہ موڑ کر بھاگ جانے کی ذلت کے دھبے سے کبھی اپنی روشن پیشانی کو داغدار نہ کرے گا۔

سپہر کو دوپہر ڈھلے امر سنگھ مست ہاتھیوں کی سنگین دیوار کا گھر بنکر مسٹ پیادوں کی صفوں پر ڈال کر آگے بڑھا۔ ہاتھی سونڈ اُٹھا کر چنگھاڑتے ہوئے جھپٹے۔ کرم سنگھ اپنے گھوڑے بجلی پر سوار تھا اور فوج کے وسط میں تلوار علم کئے کھڑا تھا۔ اس نے جو اس آفت کو اپنی طرف آتے ہوئے دیکھا تو لشکریوں کو للکارا۔ بہادرو! ہاتھیوں سے ڈر کر پیچھے نہ ہٹ جانا۔ تلواریں نیام سے نکال لو۔ اور ایک دفعہ اپنی پوری قوت کے ساتھ ان کالے پہاڑوں سے ٹکرا کر دشمن کو دکھا دو کہ بہادر سپاہی دنیا کی کسی چیز سے نہیں ڈرا کرتے۔ فوج نے راجہ کا حکم سنکر کچھ تامل کیا کرم سنگھ تاڑ گیا اور خود ہی اپنے گھوڑے کو مہمیز کر کے آگے آگیا۔ اور ہاتھیوں کو روکنے کی غرض سے بڑھا۔ اس کی فوج اس منظر کو دیکھ کر آپے سے باہر ہوگئی اور تلواریں سونت کر کرم سنگھ زندہ باد کا نعرہ بلند کرتے ہوئے مردانہ وار پیش قدمی شروع کر دی۔ کرم سنگھ نے آن واحد میں بہت سے ہاتھیوں کو زخمی کر کے پیچھے ہٹا دیا۔ پھر اس کی فوج بھی ایک دم اُن پر ٹوٹ پڑی۔ بیسیوں ہاتھیوں کے پیروں میں کچل کر رہ گئے۔ سینکڑوں کو سونڈ سے ہاتھیوں نے چیر ڈالا۔ مگر کرم سنگھ کی فوج کا سیلاب نہ رکا۔ نتیجہ یہ ہوا کہ ہاتھی بدحواس ہوکر پھرے اور اپنے پیادوں کو پیروں میں روندتے ہوئے بھاگے۔

شاہی لشکر کے ہزاروں آدمی مارے گئے جو زندہ بچے وہ امر سنگھ کے ساتھ ہوکر غنیم پر ٹوٹ پڑے۔ دیر تک دست بدست لڑائی ہوتی رہی۔ شام کو دونوں لشکر آرام کرنے کی غرض سے اپنی اپنی قیام گاہوں کو لوٹ گئے۔

امر سنگھ آج کی لڑائی میں دشمن کے استقلال سے اچھی طرح واقف ہوگیا تھا۔ کل کے لئے اس نے بندوبست انتظامات کئے۔ کرم سنگھ بہت ہی دلیر اور جری تھا ایسی ہزاروں لڑائیاں دیکھ چکا تھا۔ اور کرم سنگھ پہلی مرتبہ میدان میں آیا تھا۔ پہلے دن کی کامیابی نے اُسے اپنی طاقت پر مغرور کر دیا تھا۔ رات اس نے بڑی بیتابی میں بسر کی۔ وہ یہی سوچتا تھا کہ صبح کو پہلے حملہ میں دشمن کو پسپا کر دے گا۔ چنانچہ سورج کی کرن پھوٹتے ہی اس نے طبل جنگ بجا دیا اور اپنی فوج سمیت سلطانی لشکر پر ٹوٹ پڑا۔ امر سنگھ پہلے سے سمجھے ہوئے تھا کہ آج نہ معلوم کرم سنگھ کس طرح لڑے گا۔ اس نے رات کو مناسب مقامات پر اپنی فوج کافی تعداد میں چھپا دی تھی۔ اور مقابل ہوکر لڑنے والے لشکر کے چند دستے کر دیئے تھے پہلے دو تین ہزار کی جماعت نے کرم سنگھ کا مقابلہ کیا۔ دو گھنٹہ کے بعد دوسرا تازہ دم دستہ میدان میں آگیا۔ اس طرح جب امر سنگھ نے راجہ کی فوج کو اچھی طرح تھکا دیا تو اپنے لشکر کو خاص تنظیم کے ساتھ پیچھے ہٹانا شروع کیا۔ کچھ ہٹ کر اس کی فوج نے پھر جم کر مقابلہ کیا۔ آدمیوں کا تیسرا دستہ شریک جنگ ہوا۔

کرم سنگھ اگرچہ بہت بے جگری سے اپنی فوج کو لڑا رہا تھا مگر لڑنے والے تھک چکے تھے۔ آدھے سپاہیوں کے بازوشل ہو چکے تھے۔ بدن پسینے سے تر ہو گیا تھا اور وہ تھک کر چکنا چور ہو گئے تھے۔ کرم سنگھ اچھی طرح اپنے لشکر کی نقل و حرکت دیکھ رہا تھا۔ اور بار بار چلا کر کہہ رہا تھا کہ بس ذرا سی ہمت اور کرو ہے۔ دشمن کے پیر اُکھڑ چکے ہیں میدان ہمارے ہاتھ رہیگا۔ بڑھو! بڑھو شیر گڑھ کے سورماؤ ذرا اور بڑھو۔

امر سنگھ ایک بلند مقام پر کھڑا ہوا یہ سب تماشہ دیکھ رہا تھا کرم سنگھ کی آواز بھی اس کے کانوں میں پہنچ رہی تھی وہ دل میں سوچ رہا تھا کہ شکار دام تک آگیا ہے۔ شام تک بہت آسانی سے کرم سنگھ کو پابہ زنجیر کر لونگا۔

امر سنگھ نے ایک مرتبہ رومال ہوا میں ہلایا۔ قریب ہی جھنڈا لئے ایک سوار کھڑا تھا اس نے پھریرے کو گردش دی اسکے ساتھ شاہی فوج دفعتہً پیچھے ہٹنا شروع ہوئی۔ کرم سنگھ نے لڑائی میں پہلے سے زیادہ کوشش کی اور بڑھ بڑھ کر حملے کرنے لگا۔ اس کے لشکر کا دل بھی بڑھ گیا۔

امر سنگھ بہت سا سامان چھوڑ کر اپنی جگہ سے ہٹا دشمن کی خیمہ گاہ تک پہنچا تو اکثر سپاہی جنگ سے غافل ہوکر غنیمت لوٹنے میں مصروف ہو گئے۔ اور ان کی صفوں میں تنظیم باقی نہ رہی عین اسی وقت امر سنگھ کی خاص فوج کمین گاہ سے نکلی اور عقاب کی طرح کرم سنگھ کی سپاہ پر جھپٹی۔ آنِ واحد میں کرم سنگھ کے آدمی منتشر ہو گئے۔ ہزاروں مارے گئے۔ ہزاروں مجروح ہوکر گرے ہوئے۔ جنگ کا نقشہ ذرا سی دیر میں کچھ سے کچھ ہو گیا۔ کرم سنگھ کی فوج بڑی بے ترتیبی سے میدان چھوڑ کر بھاگی۔ کرم سنگھ اسی جگہ اپنی قسمت کا فیصلہ کرنے کا متمنی تھا۔ مگر اس کے مصاحبوں نے سمجھایا کہ شیر گڑھ پہنچ کر پھر نئی جمعیت سے حملہ کرنا چاہئے شکست محض اتفاقی ہے ورنہ حقیقت میں فتحیاب ہم ہیں۔

کرم سنگھ کو خیال تھا کہ شیر گڑھ کے قلعہ میں محصور ہو کر پھر ایک آخری ہنگامہ برپا کرے گا اور باپ کو بھی اعانت کے لئے بلائے گا۔ آغا میر کو بھی کمک پر آمادہ کرے گا لیکن جس وقت وہ چہار قلعہ کے نیچے پہنچا تو اس کی حیرانی کی کوئی حد نہ رہی کہ قلعہ اور شہر پر پہلے ہی شاہی لشکر کا قبضہ تھا۔ قلعہ کے

حجامت

(از جناب شوکت تھانوی)

(خاص تیج و بگلی کے لئے)

اس حقیقت کو تو کچھ اہل صفا ہی خوب سمجھ سکتے ہیں کہ روزانہ صبح اٹھکر حوائج ضروری کے ساتھ ساتھ دست خود دہان خود کے اصول پر عمل کر کے اپنے ہاتھوں اپنی حجامت بنانے والے پر اگر کوئی ایسا وقت پڑ جائے کہ وہ حوائج ضروری میں سے اس اہم ضرورت سے فارغ نہ ہو سکے تو اس کی کیا حالت ہو سکتی ہے۔ اہل صفا اپنے اپنے دل پر ہاتھ رکھ کر دیکھیں۔ اور اس کے بعد ہماری یہ ٹریجڈی ملاحظہ فرمائیں کہ شکار کھیلنے چلے تو سب سے پہلے خود ہی اس طرح شکار ہوئے کہ لکھنؤ کے اسٹیشن پر پہونچکر جب تانگہ سے اُترے اور ٹرین میں سوار ہونے کے بعد جب ٹرین چل دی تو یکایک خیال آیا کہ ہینڈ بیگ میں داڑھی کا سامان نہیں رکھا ہے۔ اس خیال کے آتے ہی یکایک دونوں ہاتھ دونوں رخساروں پر پہنچ گئے جو بالکل صاف چکنے اور ملائم تھے۔ مگر ان ہی رخساروں کو کل خارزار بننا تھا ہم نے فوراً میر صاحب سے جو ہمارے ساتھ ہی تشریف لئے جا رہے تھے اس حادثہ کا ذکر کیا کہ :۔

"اماں میر صاحب۔ سخت حماقت ہوئی داڑھی بنانے کا سامان رہ گیا"۔

میر صاحب نے اپنی یک مشت دو انگشت داڑھی پر ہاتھ پھیر کر کہا۔ "لاحول ولا قوۃ ہو گا بھی"۔

ہم نے کہا: "تم ساتھ میں ہو بھی تو کس کام کے اگر ہم بھولے تھے تو تمہارے پاس یہ سامان ہونا چاہیئے تھا"

میر صاحب نے بگڑ کر کہا :۔

"دیکھو جی داڑھی کو کچھ نہ کہنا یہ خدا کا نور ہے"۔

ہم نے کہا۔ "استغفر اللہ داڑھی کو کون مردود کہہ رہا ہے میں تو تم کو کہہ رہا ہوں کہ تم بھی اس سلسلہ میں بیکار ثابت ہوئے"۔

میر صاحب نے خوش ہو کر کہا: "میں یہ علت ہی نہیں پالتا۔ اور اب تم بھی چار پانچ روز کے بعد داڑھی بڑھائے ہوئے واپس ہو گے اس لئے کہ واضح رہے کہ وہاں نائی بھی نہیں ملتے"

ہم نے گھبرا کر کہا :۔

"اماں نہیں واللہ کیا واقعی وہاں نائی بھی نہ ملینگے"

میر صاحب نے اطمینان سے کہا: "وہ جنگل ہے بالکل وہاں کیا جانوروں کی حجامت بنانے کے لئے نائی رہا کریں"۔

ہم نے کہا: "یار تو ہم تمہیں ہی خطرہ کی زنجیر اس لئے کہ داڑھی بڑھ جانے کا مستقل خطرہ ہے اگر تم نے روزانہ شیو کا انتظام نہ کیا تو شکار کا مزہ کرکرا ہو جائے گا"۔

میر صاحب اپنی داڑھی پر ہاتھ پھیر پھیر کر ہم کو برابر جلاتے رہے۔ اور ہمارا یہ حال کہ داڑھی بڑھ جانے کے تصور سے رخساروں میں ابھی سے کھجلی ہونے لگی تھی۔ حالانکہ ابھی داڑھی کا کہیں نام و نشان بھی نہ تھا۔ مگر کرتے تو کیا کرتے جتنا جتنا اس مسئلہ اس مسئلہ پر غور کرتے تھے اسی قدر طبیعت الجھتی تھی۔ آخر اس فکر کو ذہن سے نکالنے کے لئے ہم نے اخبار پڑھنا شروع کر دیا۔ اور رفتہ رفتہ یہ کوفت ختم ہو گئی۔ مگر جب میر صاحب نے ایک اُجاڑ سے اسٹیشن پر ٹرین کے ٹھہرتے ہی یہ فرمایا کہ یہی ہے وہ اسٹیشن جہاں ہم کو اُترنا ہے تو اس اسٹیشن کی صورت اور اس کے گرد و پیش کی ویرانی دیکھ کر ہم کو پھر یہ خیال آیا کہ واقعی ایسے بیابان میں نائی کیونکر ہو سکتے ہیں۔ بہرحال مرتا کیا نہ کرتا اپنا سامان لے کر اُترے اس کمبخت اسٹیشن کے اُجاڑ پلیٹ فارم پر، اور ٹرین روانہ ہو گئی۔

میر صاحب کے زیر اہتمام ایک بیل گاڑی اسٹیشن کے باہر ہمارا انتظار کر رہی تھی۔ اس پر سوار ہو کر شکار گاہ کی جانب روانہ ہو گئے اب جو راستہ میں ہم نے اندازہ کیا تو شکل سے دس پانچ آدمی نظر آئے ظاہر ہے کہ جب اس دنیا کی آبادی ہی دس پانچ آدمیوں تک محدود تھی تو ان میں کوئی حجام کیونکر ہو سکتا تھا اس میں شک نہیں کہ جو لوگ ہم کو نظر آئے وہ تقریباً سب داڑھی منڈواتے تھے۔ مگر ان کا داڑھی منڈوانا اور نہ منڈوانا اس حیثیت سے یکساں تھا کہ بڑھا ہوا خط بھی اگر داڑھی نہیں تو داڑھی کا چھوٹا بھائی ضرور معلوم ہوتا تھا۔ مختصر یہ کہ یہ تمام حالات ہم کو مایوس بنا دینے کے لئے کافی تھے۔ مگر آپ جانتے ہیں کہ امید تو وہ بری بلا ہے جو مایوسی تو مایوسی ناکامی کے بعد بھی پیچھا نہیں چھوڑتی۔ لہذا ہم نے بجائے خود غور کرنے یا میر صاحب سے تبادلہ خیال کرنے کے گاڑی بان سے پوچھا :۔

"کیوں بھیا یہ تم اپنی داڑھی کہاں منڈواتے ہو؟"

گاڑی بان نے بیل کی دم چھوڑ کر ہماری طرف متوجہ ہوتے ہوئے کہا :۔

"سرکار صاحب گرمیوں کی کا ڈاڑھی اور کا مونچھ"

ہم نے کہا: "پھر بھی۔ منڈواتے تو تم ہو ہی مگر کہاں۔ کیا یہاں نائی مل جاتے ہیں؟"

گاڑی بان نے فخریہ گردن کو جھٹکے کے ساتھ ہلاتے ہوئے کہا: "ہو صاحب ہو۔ برابر ہر بجار میں نائو لگت ہے"

ہم نے مایوسی کی گھٹا ٹوپ اندھیری میں امید

(خاص تیج و بگلی کے لئے)

کی ایک جھلک دیکھ کر اللہ کے اس نیک بندے سے پوچھا: "تمہارا بازار کب لگتا ہے؟"

گاڑی بان نے کہا: "ہر برسپت کو بابو جی"۔

ہم نے کہا: "یعنی کل۔ پرسوں کے بعد نرسوں لگے گا بازار"۔

گاڑی بان نے کہا: "ہاں بابو جی"۔

میر صاحب مسلسل اُونگھ رہے تھے۔ ہم نے ان کو جھنجھوڑ کر کہا: "مردُود الاکم بخت تم نے۔ یہاں داڑھی کی فکر ہے اور آپ ہیں کہ آرام سے سو رہے ہیں کل نائی نہیں ملے گا۔ پرسوں نہیں ملے گا۔ نرسوں بازار میں مل سکے گا۔ اب یہ بتاؤ کہ یہ دو دن کیونکر گزرینگے"۔

میر صاحب نے ایک بڑی سی جمائی لیتے ہوئے کہا: "آپ یہاں شکار کھیلنے آئے ہیں یا داڑھی منڈوانے"

ہم نے کہا :۔ "یار تم مذاق کر رہے ہو اور یہاں جان پر بنی ہوئی ہے"۔

میر صاحب نے ہنس کر کہا: "اطمینان رکھو یہاں کوئی میم یا مس تمہارا بڑھا ہوا خط دیکھنے کو نہ ملے گی"۔

ہم نے دانت پیستے ہوئے کہا۔ "بھائی میر صاحب تم بڑے گدھے ہو سوال کسی کے دیکھنے یا نہ دیکھنے کا نہیں ہے بلکہ داڑھی بڑھ جانے سے معلوم یہ ہوتا ہے کہ آدمی اسپتال میں پڑا ہوا ہے اور چہرہ پر سرطانی پھوڑا نکل آیا ہے"

میر صاحب نے قہقہہ لگاتے ہوئے کہا: "توبہ۔ توبہ خدا کا شکر ہے کہ بندہ اس عذاب میں مبتلا نہیں ہے"

گاڑی بان نے ہم دونوں کو مخاطب کرتے ہوئے کہا: "اُجوں آم کی بگیا آئے اُوہی مان شکار کھیلا جات ہے"

میر صاحب نے کہا۔ "یعنی آ گئے ہم لوگ"۔

گاڑی بان نے کچھ جواب دینا مناسب نہ سمجھا۔ اور پانچ منٹ کے بعد ایک بھیچڑے خیمہ کے پاس گاڑی لے جا کر روک دی۔ اس خیمہ کے قریب ہی تین پھوس سے چھائے ہوئے مکانات تھے اور ایک آدھ بھینس کھونٹے بند ہی ہوئی جگالی کر رہی تھی گویا اسی بے در و دیوار کے گھر میں ہم کو چار دن زندگی بسر کرنا تھی تاکہ ؎

پڑیئے گر بیمار تو کوئی نہ ہو تیمار دار
اور اگر مر جایئے تو نوحہ خواں کوئی نہ ہو

(باقی اگلے صفحہ پر)

اے بسنت!

(از جناب منشی تلوک چند صاحب محروم)

زمیں رشک باغ ارم بن گئی || قدم تیرا پہنچا جہاں اے بسنت
ریاض جہاں میں ترے سامنے || ٹھہرنے نہ پائی خزاں اے بسنت
مگر کیا سبب ہے کہ تیرا اثر || نہیں کچھ بھی ہوتا یہاں اے بسنت

ہمیشہ خزاں آشنا ہی رہا
خزاں دیدہ ہندوستاں اے بسنت

آپ بیتی صفحہ

ہم نے گاڑی سے اتر کر خیمے کے اندر ایک چارپائی پر گاڑی بان سے بستر لگوایا۔ اور پڑ رہے۔

میر صاحب اس شہر کی آبادی میں غالباً اپنے احباب سے ملنے تشریف لے گئے۔ اور وہاں سے تھوڑی دیر میں آکر شکار کا وہ حال پر دگرام بڑی دیر تک سنایا گئے جس میں کہیں بھی شیر کا اخلاق تذکرہ بھی نہ تھا۔ میر صاحب خدا جانے کن کن معززین شہر کو پکڑ لائے تھے اور اس خیمے کے اندر خاصا گذری بازار گرم تھا۔ کبھی کبھی اس خاکسار کی طرف بھی توجہ ہو جاتی تھی ورنہ زیادہ تر شکار کے پروگرام پر بحث ہو رہی تھی۔ یہاں تک کہ کھانا بھی اسی خلاف قانون مجمع کے سامنے کھایا گیا۔ اور پھر بندہ تو سو گیا۔ خدا معلوم میر صاحب کب تک اپنے ان کرم فرماؤں سے دل بہلاتے رہے۔ بہر حال صبح چار بجے میر صاحب نے جگا دیا کہ چلو گاڑی تیار ہے اپنی بندوق سنبھالو۔ یہی وقت ہے چیتے کے ملنے کا ہم نے میر صاحب کے حکم کی لفظ بلفظ تعمیل کی اور ان کے ساتھ ہوئے۔ آج کا تمام دن اسی نوبت میں گذرا اور ہم کھانے کو بھی کوئی چیتا میر صاحب سے نیاز حاصل کرنے کو نہیں آیا۔ البتہ ہماری داڑھی نے تمام رخساروں میں اس طرح کی کھجلی پیدا کر دی تھی کہ گویا بہت سی چیونٹیاں چڑھی ہوئی ہیں دوسرا دن بھی اسی طرح گذرا کہ۔ ع۔

گنوائی حجامت اور داڑھی بڑھائی

تیسرا دن جس کا ہم کو بے چینی سے انتہی طرح انتظار تھا جس طرح میر صاحب کو چیتے کا، آیا اور اس شان سے آیا کہ ہم میر صاحب کے ہمراہ شکار پر بھی نہ گئے اور گاڑی بان کے ایک دوست کے ہمراہ بازار پہنچے جہاں واقعی نائی بھی ایک دوکان لگائے بیٹھا ہوا تھا۔ اب سوال یہ تھا کہ داڑھی رکھ لینا گوارا کریں یا اس نائی کی دوکان پر یعنی عین بازار میں فرش زمین پر بیٹھ کر یہ بدتمیزی برداشت کریں کہ وہ نائی اس طرح شارع عام پر ہمارا ناک بنائے اور تمام بازار کا مجمع ہم کو دیکھے کہ یہ جانور کہاں سے پکڑ کر لایا ہے گاڑی بان کے رہنما نے اس مشکل کو اس طرح حل کر دیا کہ آدمی تھا سمجھ فہم خود جا کر اس نائی کو بلا لایا۔ اور اس سے یہ بھی طے کر دیا کہ بازار سے ذرا دور بالکل تنہائی میں جامن کے درخت کے نیچے شیو کر دے گا۔

اب ہم نہایت بے تکلفی کے ساتھ جامن کے درخت کے نیچے اپنے گھر کی طرح بیٹھے ہوئے تھے اور وہ استرا اب سامنے کھلا ہوا رکھا تھا جو غالباً نائی کی پیدائش کے وقت ناف کاٹنے کے کام میں آیا ہوگا مگر اس وقت بھی استر شفیلڈ کا بنا ہوا استرا معلوم ہو رہا تھا اور اسی طرح ہم کو عزیز تھا جس طرح سات فاقوں کے بعد جوار میں مزعفر کا مزہ پیدا ہو جاتا ہے۔

نائی صاحب بھگو بھگو کر وہ طمانچے رسید فرما رہے تھے

کہ کتب کی پھول ہوئی یاد ان کے ہر طمانچے سے تازہ ہو جاتی

تھی بہرحال یہی کیا کم تھا کہ اس وقت ہر ایک بہت بڑے بار سے سبکدوش ہو رہے تھے۔ نائی صاحب نے جی بھر کر طمانچے مارنے کے بعد اپنا وہ خوفناک استرا اٹھایا اور بالکل گھاس چھیلنے کے انداز سے داڑھی بنانا شروع کی۔ استرے کی رفتار سے معلوم ہوتا تھا کہ اب رخسار ہمارے چہرے پر باقی ہی نہ رہیں گے۔ اور ایک مرتبہ کا سلیپر والی حجامت ثابت ہوگا۔ اس کے علاوہ نائی صاحب دونوں گھٹنے زمین پر ٹیکے ہوئے کچھ اس طرح جھکے بیٹھے تھے کہ گویا آج ہماری موت بھی ان ہی حضرت کے ہاتھوں آئی ہوئی تھی کبھی ایک ہاتھ مار کر سر کو اس طرح پیچھے کر دیتے تھے کہ اگر اتفاق سے گردن نہ ہوتی تو سر اقدس بالکل عقب آن ہو جاتا۔ اور کبھی سر نیاز اپنے سامنے اس طرح جھکا لیتے تھے کہ اگر کوئی عالم یہ منظر دیکھتا تو ہم پر کفر کا فتویٰ صادر کر دیتا کہ یہ گمراہ مسلمان خدا کے بندوں کو سجدہ کرتا ہے بہرحال آدھ گھنٹے سے کچھ کم کی اس دوڑ دھوپ کے بعد حجام صاحب نے اس جان ناتواں پر رحم فرمایا۔ اور ایک دھندلا سا آئینہ ہاتھ میں دے کر ہماری جان چھوڑ دی۔ اس وقت رخساروں سے آگ کے شعلے نکل رہے تھے معلوم ہوتا تھا کہ ہم دیو کے زمانہ میں آگئے ہیں اور یہ حجامت آہنی نہیں بلکہ سنگی استرے سے بنائی گئی ہے۔ دوسرے لطف و محبت کے نائی صاحب نے کچھ اس طرح کھونٹیاں نکالی نہیں کہ اس وقت جلد کے ہر ایک سوراخ سے جس سے کھونٹی نکالی گئی تھی خون کی بوند جھلکنے لگی تھی کہ پہلے سے بھی زیادہ گردن نیچی

درد اور ملک مقدس سر اور کچھ ہاتھ والا جیسے چاہیں کی طرح دکھ رہا تھا غرض تمام چہرے تو دو کھلا کر شیشہ دیکھنے میں آیا تو ہم گھبرا کر چیخ اٹھے۔

"ارے یہ کیا؟"

نائی صاحب استرا کھول کر بیٹھ کر حیرت سے دیکھنے لگے

تو ہم نے کہا: ادھر کی مونچھ اتنی چھوٹی کر دی اور ادھر کی اتنی بڑی ہے۔ غضب کیا تم نے اب برابر کر دو دونوں کو۔

نائی صاحب نے ذرا پیچھے گردن ہٹا کر دونوں مونچھوں کا معائنہ نقطہ نظر سے موازنہ کرنے کے بعد استرا سنبھالا اور تھوڑی بہت ترمیم و تنسیخ کے بعد ہٹ گئے۔ ہم نے پھر آئینہ دیکھا تو گھبرا کر کھڑے ہو گئے اور بے ساختہ زبان سے نکلا: ارے کم بخت یہ تو نے کیا کیا۔ اب تو وہ مونچھ بڑھ گئی جو پہلے چھوٹی تھی۔ تجھ سے یہ کس نے کہا تھا کہ اس مونچھ کو بالکل ہی نقطہ موہوم بنا دے برابر کر دونوں کو مگر ذرا ہاتھ سنبھال کر ورنہ مار ہی ڈالوں گا۔

نائی نے گھبرا کر اپنے کانپتے ہوئے ہاتھوں میں اپنا وہ کھرپا اٹھایا جس کو وہ اپنی جہالت سے استرا کہتا تھا اور بالکل ناک کے نیچے خیالات شکست میں وہ حرکت دیا کہ ہم سسکی کے اچھل پڑے اور ایک گھونسہ تان کر اس کو دکھایا۔ کہ دیکھ اس ہر کے گونے کا

(باقی مضمون صفحہ نمبر (۳۲) پر)

بسنت دن

(از جناب روشن پٹیالوی بی۔اے)

(۱)

"کیا آج بھی سیر کے لئے نہ چلو گی؟" ششی بھوشن نے اوما سے مخاطب ہو کر کہا۔

"آپ ہی ہو آئیں۔ میں کیا کروں گی۔ کھانا تیار کرنے میں دیر ہو جائے گی" اوما نے نیچی نظریں کر کے جواب دیا۔

"بسنت کا دن ہے۔ تمام دنیا خوشیاں منا رہی ہے لوگ بسنتی کپڑے زیب تن کئے چاروں طرف گھوم رہے ہیں۔ آج بھی گھر سے باہر نکلنے کو تمہاری طبیعت نہیں چاہتی؟"

"آج میری طبیعت ٹھیک نہیں۔ ورنہ میں ضرور چلتی" اوما سہمی ہوئی آواز میں بولی۔

"تمہارے یہ روز کے بہانے آج کام نہ آئیں گے تمہیں آج ضرور سیر کے لئے چلنا ہوگا" ششی بھوشن نے زور دیتے ہوئے کہا

اوما نے دیکھا ششی کی مسکراہٹ کافور ہو کر تیوریوں پر بل پڑ چکے تھے اس لئے وہ ڈرتے ہوئے بولی۔

"آخر آپ اس قدر اصرار کیوں کرتے ہیں میرے ساتھ چلنے سے آخر آپ کو کیا مل جائے گا؟"

"میں آج تمہارے کسی سوال کا جواب دینے کے لئے تیار نہیں۔ اتنی بار سمجھا چکا مگر وہی ڈھاک کے تین پات۔ ادھر تم ہو کہ اپنی ضد پر قائم ہو۔ اور ادھر دوستوں نے میری زندگی پھر پر تنگ کر دی ہے۔ طعنے دے دے کر میرا ناک میں دم کر دیا ہے۔ میں ایک اہم سوال کہتا ہوں۔ اور تمہارے لئے گویا یہ کوئی ضروری بات ہی نہیں۔......... میں آج اس کا آخری فیصلہ کر دینا چاہتا ہوں"

اوما نے دیکھا کہ ششی کے چہرے پر تغیر کے غیر معمولی آثار نمایاں ہیں۔ آنکھیں آتش غضب کی بارش کر رہی ہیں۔ ہونٹ پھڑک رہے ہیں۔ بدن غصے سے کانپ رہا ہے۔ اس کا معصوم دل ہل گیا اس کے دل میں جنگ ہونے لگی۔ کیا میں مشرقی اطوار کو تج دے کر ان کے حکم کی تعمیل کروں۔ کیا اپنے حسن کی نمائش کرنا گناہ نہیں اور کیا اپنے پتی کی آگیا انوسار بھی نہ چلنا پاپ نہیں کرو تو کیا کروں۔ وہ اسی ادھیڑ بن میں خاموش ہو گئی۔

ششی میں انتظار کی تاب نہ تھی۔ اس نے کڑک کر کہا: "تو آج نہ چلو گی... آخر تمہیں......" اور غصہ سے وہ دانت پیسنے لگا۔

اوما حیران تھی کہ کیا جواب دے۔ اس کے دل میں اپنے خیالات کو ظاہر کرنے کے لئے کشمکش ہو رہی تھی۔ مگر خوف و ہراس سے زبان کو کچھ نہ نکلتا تھا

"بولو گی یا نہیں" ششی بھوشن نے کہا۔

اوما اب بھی خاموش تھی۔۔

ششی بھوشن آنکھیں لال کئے اور بڑبڑاتے ہوئے سیڑھیوں سے اتر گیا۔

(۲)

شادی دو روحوں کے اس پاک رشتہ کا نام ہے جس میں یہ دونوں ایک دوسرے میں جذب ہو کر اپنی علیحدہ ہستی کو گم کر دیتی ہیں۔ اور یہ تب ہی ممکن ہو سکتا ہے جب یہ دونوں ہر لحاظ سے یکساں ہوں۔ لیکن عموماً ہوتا کیا ہے۔ اس کے بالکل برعکس۔ اگر عورت مشرقی تہذیب کا نمونہ ہے تو مرد مغربی اطوار کا دلدادہ۔ اگر خاوند ۵۰ سالہ بوڑھا ہے تو بیوی ۱۴ سالہ دوشیزہ۔ اس کا نتیجہ کیا ہوتا ہے۔ معاشرتی زندگی کی فضا میں بجائے سکون کی بجائے آتش نفرت مشتعل ہو جاتی ہے جو اپنی لپٹوں سے نہ صرف ان دونوں کو ہی جلا کر راکھ کر دیتی ہے۔ بلکہ اپنی تباہکاریوں سے نزدیک و دور بھی دہشت طاری کر دیتی ہے۔

ششی بھوشن موہن لال کا اکلوتا لڑکا تھا۔ اس نے اس سال ایم۔اے کا امتحان پاس کیا تھا۔ نتیجہ نکلنے کے چند روز بعد موہن لال کا چراغ حیات گل ہو گیا۔ وہ گورنمنٹ میں بہت سے اعلیٰ عہدوں پر فائز رہے تھے اور انہوں نے اس دوران میں لاکھوں روپے پیدا کئے اس لئے ششی بھوشن عیش و عشرت کی زندگی بسر کرتا تھا۔ ششی بھوشن کی شادی کئی سال پہلے ہو چکی تھی۔ لیکن تعلیمی مصروفیت کی وجہ سے وہ اکثر وطن سے باہر جا رہا۔ اور اسے اوما کے ساتھ رہنے کا بہت کم موقع ملا تھا۔ موسمی تعطیلات میں ایک آدھ دفعہ چند روز کے لئے وہ وطن آیا اور اس دوران میں اس نے ہر ممکن طریقے سے اوما کی سرشت میں تبدیلی پیدا کرنے کی کوشش کی مگر اسے کامیابی نہ ہوئی۔ پہلے اسے اپنے والد کا کچھ پاس تھا اس لئے وہ اوما کو زیادہ تکلیف نہ دیتا تھا۔ مگر اب اس دنیا کے فقدان ہونے کی وجہ سے وہ اوما پر زیادہ سختی کرنے لگا۔ وہ چاہتا تھا کہ اوما کسی طرح مشرقی اطوار کو ترک کر کے مغربی تہذیب کے راہ پر گامزن ہو لیکن اوما کے لئے یہ ناقابل برداشت تھا۔ اس کی خواہش تھی کہ وہ کھلے بندوں اس کے دوستوں سے گفتگو کرے۔ لیکن اوما کسی دوسرے کے سامنے تک ہونا گناہ تصور کرتی تھی۔ پھر بھلا ان کی آپس میں کیسے نبھتی۔ ششی بھوشن کے دل میں اوما کے لئے پہلے ہی نفرت پیدا ہو چکی تھی اور اب اس کی ضد نے ان کے درمیان ایک ناقابل عبور خلیج حائل کر دی۔

(۳)

مس زینت ششی بھوشن کے دوستوں میں سے تھی۔ مسٹر زینت کی ایک دوشیزہ مس بالا ان کے ہاں آ کر رہنے لگی۔ انہوں نے اس سال کلکتہ یونیورسٹی سے بی۔اے پاس کیا تھا مس بالا مغربی تہذیب کا بہترین نمونہ تھی۔ وہ ابھی تک کنواری تھی ششی بھوشن نے دیکھا اس کی آنکھوں میں جذبات محبت پنہاں تھے۔ مس بالا نے بھی ششی کی حیثیت کے دفتر کو پڑھا اور وہ خاص ناز و انداز سے ششی کو اپنے دام تزویر میں پھنسانے لگی ششی کا دل اوما سے ہٹ چکا تھا۔ اور اب وہ اس سے قطعی بے نیاز ہو گیا تھا۔

ششی اکثر رات کو گھر آ کر سوتا تھا اور کھانا بھی وہیں کھاتا تھا اور باقی تمام وقت مسٹر زینت کے ہاں گذارتا تھا۔ مگر آہستہ آہستہ وہ کھانے کے وقت بھی غیر حاضر رہنے لگا۔ انتظار کرتے کرتے اوما کی آنکھیں تھک جاتیں۔ بعض اوقات دو دو دن اس کے منہ میں ایک دانہ تک نہ جاتا مگر ششی کو اس کی مطلق پرواہ نہ تھی۔ رات کو آ کر اپنے پلنگ پر سو جاتا۔ اوما اس کی توجہ اپنی طرف مبذول کرانے کی کوشش کرتی مگر وہ منہ سے بھی نہ بولتا۔ مسٹر زینت کی صحبت میں وہ شراب پینے کا بھی عادی ہو چکا تھا۔ اوما کے دل میں طرح طرح کے خیالات پیدا ہوتے کبھی سوچتی کہ کیا میں انہیں شراب کے خوفناک نتائج سے آگاہ کر دوں! پھر خود ہی خیال کرتی کہ وہ کون سے نادان ہیں۔ اپنا برا بھلا خود ہی سوچ سکتے ہیں۔ لیکن پھر وہ ایسا کیوں کرتے ہیں۔ آخر میں نے کون سا قصور کیا ہے جو وہ آنکھ اٹھا کر بھی میری طرف نہیں دیکھتے۔ مجھے ضرور ان سے اس کا سبب دریافت کرنا چاہیئے۔ ششی کی غیر حاضری میں یہ تمام باتیں اس کے دماغ میں آتیں مگر اس کے آتے ہی خوف و ہراس سے سہم کر ایک طرف بیٹھ جاتی اور اسے زبان کھولنے تک کا حوصلہ نہ ہوتا۔

رات کے بارہ بج گئے اوما ششی کی راہ دیکھ رہی تھی۔ آج غیر معمولی طور پر اس کا دل دھڑک رہا تھا۔ رہ رہ کر اس کے دل میں ایک ٹیس سی اٹھتی جو اسے بے چین کر دیتی۔ آخر دو بج گئے مگر ششی نہ آیا۔ اوما زیادہ متفکر ہو گئی۔ خوف اور ناامیدی کے بادل اس کے مطلع دل پر چھا گئے انتظار ہی انتظار میں صبح ہو گئی۔ مگر ششی کے درشن نہ ہوئے۔ دن نکلنے پر اس نے مسٹر زینت کے مکان سے پتہ منگوایا۔ مگر اس کسی نے جواب تک دینے کی پرواہ نہ کی۔

کئی ہفتے گذر گئے مگر ششی کا اوما کو کوئی پتہ نہ لگا۔ وہ خود سے میکے آ کر رہنے لگی۔ جس دن ششی غائب ہوا اس دن بسنت کا دن تھا۔

(۴)

مسٹر ششی کی مس بالا سے سول میرج ایکٹ کی رو سے شادی ہو گئی اور وہ بمبئی میں بڑی شان و شوکت سے رہنے لگے۔ مس بالا مغربی تہذیب میں رنگی ہوئی تھی اور مسٹر ششی بھی مشرقی تہذیب سے متنفر تھے۔ دونوں علی الصبح ٹینس کھیلنے جاتے۔ رات کو کسی کلب میں ڈنر کے لئے شامل ہوتے اور پھر ناچ کے بعد گھر واپس آتے۔ روپیہ پانی کی طرح بہایا جانے لگا۔ تمام دکاندار اور کلب روپیہ کی وجہ سے ان کی عزت کرنے لگے تمام شہر میں ان کی شہرت ہو گئی۔ ہر تقریب میں ان کا شامل ہونا باعث افتخار سمجھا جانے لگا۔ شہر کے بڑے بڑے مالدار آدمیوں سے راہ و رسم ہو گیا اور دونوں کے دن عیش و آرام سے گذرنے لگے۔ مسٹر ششی اور مسز ششی میں بے حد الفت تھی۔ ایک کی خوشی دوسرے سے وابستہ تھی دونوں ایک منٹ کے لئے بھی جدا نہ ہوتے تھے کیونکہ ایک کی علیحدگی دوسرے کو شاق گذرتی تھی۔

دن گذرتے گئے لیکن ان کی محبت میں کمی واقع نہ ہوئی۔ مسٹر ششی نے نہ تو کوئی نوکری کی نہ تجارت۔ والدین کے روپیہ پر ہی نہایت بے دردی سے ہاتھ صاف کرتا رہا۔ آخر اس کی دولت ختم ہونے لگی اور اس کی خوشی رنج میں تبدیل ہونے لگی وہ سوچنے لگا کہ اب کیا کرے۔ روپیہ اتنا کم رہ گیا تھا کہ اس سے کوئی تجارت نہ ہو سکتی تھی۔ اگر کوئی چارہ تھا تو ملازمت تلاش کرنے کا اب وہ ملازمت کی تلاش میں دفتروں کی چوکھٹوں کی جبیں سائی کرنے لگا مگر کہیں جگہ نہ مل سکی۔ اس کا رنگ جو پہلے گلاب کے پھول کی طرح سرخ تھا اب سرسوں کی طرح پیلا پڑ گیا اس کی حالت میں غیر معمولی تبدیلی واقع ہو رہی تھی مگر مسز ششی کو اس کی مطلق پرواہ نہ تھی وہ جانتی تھی کہ روپیہ قریب الاختتام ہے مگر اخراجات میں کسی قسم کی کمی کرنا نہ جانتی تھی۔ نت نئی فرمائشیں ہوتیں جنہیں ششی جلتے کڑھتے پورا کرتا۔ اب مسز ششی کی محبت میں بھی فرق آنے لگا۔ اب مسٹر ششی سے بے پروائی سے پیش آنے لگی ٹینس اور سیر میں بھی اس کا ساتھ دینے سے گریز کرنے لگی۔

ایک دن تمام دن کا تھکا ماندہ ششی ایک باغ میں گھاس پر بیٹھ گیا۔ خوشگوار ہوا کے جھونکوں نے اسے لیٹنے کی اجازت دی اور وہ تھوڑے عرصہ کے لئے وہیں لیٹ گیا۔ اب کیا کروں۔ ہوٹل اور کار [illegible] روز بروز بڑھ رہا ہے۔ بزاز کے تقاضے پر تقاضے آ رہے ہیں شراب والے نے تو نوٹس دینے کی دھمکی دی ہے۔ اگر چند روز تک ہوٹل والے کا بل ادا نہ ہوا تو وہ باہر نکال دے گا یہ خیالات سوچتے سوچتے ششی کے دماغ میں چکر لگانے لگے۔ [illegible] کیا زندگی کو خاتمہ کر دوں۔ لیکن اوما!... آج [illegible] اس غریب کا کیا حال ہوگا [illegible]

(باقی مضمون صفحہ ۲۲ پر)

ملک معظم جارج پنجم

جنھوں نے ۲۱ جنوری کو اِس دارفانی سے اِنتقال فرمایا

۱ ۲ ۳

ہور کے مشہور بند کا ایک ہوائی منظر

عدیس ابابا میں سینٹ جارج کا گرجا

۱

ہریجن خاتون مسز گھتاباٹی گیکوار جو ناسک ضلع اسکول بورڈ کی ممبر مقرر ہوئی ہیں

۲

برما کے ایک دیہات میں بندروں کا تماشہ

۳

مس موریل لسٹر جو لندن میں مہاتما گاندھی کی میزبان تھیں

حبش میں مکالے کے قریب ایک خندق میں چھپی ہوئی فوج

بہادری

(از شریمتی ماسٹر بہاری لال جی — رام تاؤب بہرولی - دھلی)

(خاص تیج دیکلی کے لئے)

پہاڑ پر چڑھنا۔ کسی مشکل سوال کو حل کرنا۔ بھاری بوجھ کو اٹھانا یہ سب مشکلات ہیں۔ ان میں خطرہ کوئی نہیں جلتی آگ میں کود کر جان بچانا۔ پلیگ کے مریض کی سیوا کرنا۔ ڈوبتے آدمی کو بچانا یہ کام خطرناک ہیں۔ ان میں اپنی جان کا خطرہ ہے۔ اس لئے ہم اس بات کی حفاظت کے لئے جسے ہم سچ سمجھتے ہیں، یا کمزوروں یا مظلوموں کی امداد کرنے یا ان کو تکلیف اور مصیبت سے بچانے کے لئے ہر مشکل اور خطرہ کا مقابلہ کر کے اپنا فرض پورا کرتے ہیں۔ ہمارا یہ فعل بہادری کا فعل کہلائے گا۔ بعض بچے موٹے تازے اور جسم کے مضبوط ہیں۔ ان کا دل بھی طاقتور ہے۔ وہ بہادر ہوتے ہیں لیکن بعض بچے ایسے ہیں جن کا جسم کمزور ہے۔ دبلے پتلے ہیں۔ وہ دکھ تکلیف کا مقابلہ کرتے ہوئے گھبرا جاتے ہیں۔ ان کو چاہئے کہ اپنے اندر طاقت پیدا کریں۔ اپنی آتما کو بلوان بنائیں۔ اگر دو لڑکے ایک جیسے خطرہ میں ہیں۔ ایک بہت ڈرا ہوا ہے اور دوسرا ذرا بھی نہیں ڈرتا۔ لیکن دونوں خطرہ کا مقابلہ کرنے لگیں تو کہنا پڑیگا کہ پہلے لڑکے نے زیادہ دلیری دکھائی پہلے لڑکے کا جسم مضبوط ہے۔ لیکن دوسرے کا دل مضبوط ہے۔ وہ ڈر پر فتح پاتا ہے۔

جھوٹی بہادری

(۱) سانڈ بڑا قدآور۔ ڈیل ڈول والا اور مضبوط ہوتا ہے۔ اسی طرح بعض لڑکے ڈیل ڈول کے بڑے ہوتے ہیں۔ لیکن کمزوروں کو ستاتے ہیں۔ دوسروں سے نفرت کرتے ہیں۔ ایسے شخص فی الواقع بہادر نہیں ہوتے۔ ان کی بابت کہا جاتا ہے کہ سانڈ پل گیا ہے۔ ممکن ہے کہ جب موقع پڑے جسم کے کمزور لڑکے زیادہ بہادر ثابت ہوں۔

(۲) جب دو مرغ لڑتے ہیں اور ان کے جسم زخمی ہو جاتے ہیں۔ پھر بھی لڑتے رہتے ہیں۔ وہ غصہ اور جوش میں زخموں کو بھول جاتے ہیں۔ غصے کی حالت میں ڈر بھاگ جاتا ہے۔ اسی طرح جب کوئی بیٹا پکڑا جاتا ہے تو لوگ غصہ میں بھر جاتے ہیں۔ اور ڈر کو بھول کر مکانوں کو آگ لگا دیتے ہیں جب پکڑے جاتے ہیں تو غصہ اتر جاتا ہے اور اپنے فعل پر پچھتاتے ہیں۔ یہ سچی بہادری نہیں ہے۔

(۳) بعض آدمی شیخی مارتے ہیں کہ میں نے اس طرح خطروں کا مقابلہ کیا اور اس طرح دوسروں کو نیچا دکھایا۔ اور اب بھی موقع پڑے تو میں سب کچھ کر کے دکھا سکتا ہوں۔ ایسے آدمی باتونی بہادر ہوتے ہیں موقع پر ان سے کچھ بن نہیں آتا۔

(۴) ڈاکو قتل کر کے ڈاکہ ڈالتے ہیں۔ گھر بار لوٹ لیتے ہیں۔ عورتوں کو ذلیل کرتے ہیں۔ مال و دولت سمیٹ کر چلتے بنتے ہیں۔ یہ بہادری نہیں ہے۔ بے رحمی ہے۔ چوری ہے۔ بدمعاشی ہے۔ لوٹ مار ہے۔

(۵) بعض لڑکے شیخی میں آ کر اپنے آپ کو تباہ کر لیتے ہیں۔ کوئی کہے اگر بہادر ہو تو دریا میں کود پڑو۔ وہ کود پڑتے ہیں اور مر جاتے ہیں۔ سمندر میں چھلانگ لگانا۔ پہاڑ سے ٹکر مار کر پہاڑ توڑنے کی کوشش کرنا۔ جلتی آگ میں کود پڑنا سب غلط بہادری کی مثالیں ہیں۔ خواہ مخواہ اپنی جان کو خطرہ میں ڈالنا سخت بے وقوفی ہے۔

(۶) جوئے پر روپیہ لگا دینا۔ کسی کے گھر میں آگ لگا دینا۔ کسی کا مکان گرا دینا۔ دوسروں کے گھروں پر پتھر برسانا اور بہت سی بیہودہ شرارتیں کرنا۔ ان سب باتوں کے لئے حوصلہ کی ضرورت ہے۔ مگر یہ سب غنڈہ پن کی دلیری ہے۔

(۷) جو لوگ اپنے سے مختلف اعتقاد رکھنے والے کو تنگ کرتے ہیں۔ برادری سے خارج کرنے کی دھمکی دیتے ہیں۔ ان کے خیالات کے اظہار میں رکاوٹیں ڈالتے ہیں یہ سب باتیں سچی بہادری کے خلاف ہیں اور غنڈہ پن کو ظاہر کرتی ہیں۔ جس طرح ایک شخص دوسرے کو مار ڈالے تو قاتل کہلاتا ہے۔ اسی طرح اگر کوئی قوم دوسری قوم کو برباد کرنے کے لئے اس پر حملہ کرے تو وہ قوم بھی قاتلوں کی جماعت بن جاتی ہے۔ لیکن اگر کمزوروں کی حفاظت کے لئے جنگ کی جائے تو جنگ کرنے والا ہر ایک شخص بہادر اور تعریف کا مستحق ہے۔

کوئی بہادری کا فعل قابل تعریف نہیں جس کا انجام خراب اور تباہ کن ہو۔

اطاعت والدین

(از حضرت آسی کنزی)

مدتوں پردیس میں اک نوجواں پڑھتا رہا | پڑھ کے گھر آیا تو اسکے باپ نے اس سے کہا

مدتوں پردیس رہ کر تم نے اے جان پدر | اک ذرا بتلاؤ تو دیکھیں کیا علم و ہنر

سنکے یہ لڑکے نے اپنے باپ سے فوراً کہا | میں ابھی بتلاتا ہوں وہ معلوم سب ہو جائیگا

باپ نے سنکر یہ گستاخانہ لڑکے کا جواب | سخت برہم ہو کے مارا اسکو از روئے عتاب

سخت سست اس حال میں اسکو بہت کہتا رہا | سر کو جھکائے خموشی سے وہ لڑکا مگر سنتا رہا

باپ جب چپ ہو گیا تو بولا موقع دیکھکر | اے پدر میں نے جو سیکھا ہے یہی ہے وہ ہنر

حالت درد و الم سے گو سراپا جوش ہوں

آپ لیکن مار بھی ڈالیں تو میں خاموش ہوں

سوالات

(۱) [illegible] خطرے کیا ہے [illegible] مثالوں سے واضح کرو؟

(۲) بہادری کسے کہتے ہیں۔ بہادری کی چند مثالیں پیش کرو؟

(۳) اگر کمزور لڑکا اور مضبوط لڑکا ایک جیسے خطرے کا مقابلہ کریں تو ان میں سے کون سا بہادر شمار ہوگا؟

(۴) کیا جسم کی مضبوطی اور دل کی مضبوطی ایک ہی بات ہے۔ واضح کرو۔

(۵) ڈرپوک آدمی کس طرح نڈر بن سکتا ہے؟

(۶) اگر ڈرپوک آدمی بہادری کے کام میں لگ جائے تو کیا وہ قابل ملامت ہے؟

(۷) جو طاقتور لڑکے کمزوروں کو ستاتے ہیں۔ کیا ان کو بہادر کہا جا سکتا ہے؟

(۸) جو لوگ غصہ میں ایک دوسرے کا خون کر ڈالتے ہیں کیا وہ بہادر شمار ہو سکتے ہیں؟

(۹) جو لوگ اپنی بہادری کی داستان سناتے رہتے ہیں۔ کیا وہ سچے بہادر ہیں؟

(۱۰) کیا لوٹ مار کرنے والے ڈاکو بہادر کہلانے کے مستحق ہیں؟

(۱۱) غنڈہ پن کی دلیری کی مثالیں دو۔ کیا غنڈوں کو بہادر کہا جا سکتا ہے؟

(۱۲) کیا مختلف عقیدہ رکھنے کی وجہ سے دوسرے کو تنگ کرنا بہادری کا فعل ہے؟

(۱۳) کیا کسی طاقتور کا کمزور کو تباہ و پامال کرنا بہادری کا فعل کہلایا جا سکتا ہے؟

(۱۴) اگر کوئی طاقتور قوم کمزور قوم کی مدد کرے اسے ظلم اور ستم سے بچائے تو اس فعل کو کیا فعل شمار کرو گے؟

(صفحہ ۱۷ سے آگے)

دل میں سے نظر تصویر اس پر ظالم کے مگر اس کی تیوری پر بل تک نہ آیا۔ وہ کنی باعصمت اور خدا ترس عورت تھی۔ لیکن میری خود اپنے پاؤں پر کلہاڑا مارا۔ آہستہ آہستہ تھکان کی وجہ سے اُسے نیند لگی لو جس وقت آنکھ کھلی تو بارہ بج چکے تھے۔ وہ جلدی جلدی ہوٹل کی طرف گیا۔ ہوٹل پہنچکر بڑی سرعت سے ریسپشن پر آیا۔ اسے خیال تھا کہ مسز منشی ڈنر کے لئے اس کی منتظر ہوگی ..... کمرہ میں ..... کمرہ بالکل خالی تھا تمام اسباب غائب تھا۔ دیوار گیری کی طرف بڑھا تو اسکی نظر ایک کاغذ پر پڑی۔ اس نے اسے اٹھا کر پڑھا۔ لکھا تھا: مسٹر منشی میں دیکھ رہی ہوں کہ آپ میری طرف سے لاپرواہ ہوگئے ہیں میرے اخراجات تم برداشت نہیں کرسکتے۔ اب میں مجبوراً تمہیں چھوڑ رہی ہوں میں ایسے نالائق خاوند کی بیوی رہنا نہیں چاہتی جو اس قدر نکما ہو کر اپنی شادی شدہ عورت کے اخراجات برداشت کرنے کا بھی کفیل نہ ہو۔ تم میری تلاش نہ کرنا۔ میں آج ہی اپنے وطن کو جا رہی ہوں۔ ایک نئے خاوند کے ساتھ۔ سابقہ خیال دل سے بھلا دو۔ تمہاری مس بالی

مسٹر منشی سے خط کو پڑھا اور اس کی آنکھوں کے سامنے اندھیرا سا چھا گیا۔ اس کے دل میں عجیب قسم کی ہل چل پیدا ہونی شروع ہوئی۔ گھر سے چلنے سے آج تک کے واقعات اس کے دماغ میں گھوم گئے۔ ادما کی عصمت اور وفا اور مس بالی کی بے وفائی کی تصویر اس کی آنکھوں کے سامنے کھچ گئی۔ اس کا شیشۂ دل جو ظاہری دنیاوی عشق کی رنگ سے آلودہ تھا اب محبت حقیقی کے خوشنما رنگ سے رنگین ہو کر چمکنے لگا .... اس کے دل میں ادما .... عصمت آب ادما سے ملنے کی خواہش پیدا ہوئی۔ اس نے مس بالی کو اب تلاش کرنے کی کوشش نہیں کی علاوہ اسٹیشن پر آیا۔ اور اس نے اپنے وطن کا راستہ لیا۔ گھر پہنچا مگر .... سے وہاں کوئی نہ ملا۔ اس کے دل پر گویا بجلی سی گر گئی۔ وہ سوچنے لگا ...... پیاری ادما کو کیا ہوا؟ ...... کیا وہ اب تک زندہ ہے؟ میری بے رحمی اور تنگدلی کی ٹھوکروں سے اس کا شیشۂ حیات چکنا چور ہوگیا۔ ...... آہ میں کتنا ظالم ہوں .... اب مجھے کیا کرنا چاہئے .. .. شاید وہ اپنے میکے ہو ...... بس اسی خیال کو لے کر وہ اپنے سسرال روانہ ہوا۔ راستے میں طرح طرح کے خیالات اُسے ستاتے رہے ...... میں کس طرح اُنہیں منہ دکھاؤں گا۔ لیکن غلطی بھی تو ہم انسان سے ہی ہوتی ہے۔ کیا وہ مجھے معاف نہ کردیں گے۔ میں ان کے پاؤں پڑ کر اپنے قصوروں کو معاف کراؤں گا اور اپنے گناہ کے لئے سخت سے سخت پرائشچت کروں گا۔

(۵)

ادما اب تک زندہ تھی۔ اس امید میں کہ کبھی نہ کبھی تو اپنے پران پیارے کے درشن ہو ہی جائیں گے کبھی تو میری سچی محبت ان کو مزور کھینچ لائے گی۔ ...... بسنت کے دن وہ کپڑے تبدیل کرتی اور بڑی بے تابی سے اپنے پریتم کا انتظار کرتی۔ بسنت چار دفعہ آیا اور چلا گیا مگر اس کی مراد پوری نہ ہوئی۔ لیکن جب تک وہ ناامید نہیں ہوئی تھی۔ اس کا دل گواہی دیتا تھا کہ اگر آج پتی دیو زندہ ہیں اور وہ ضرور بالضرور ایک نہ ایک دن آئے آکر ملیں گے۔

آج پانچواں بسنت تھا۔ یعنی مسٹر منشی بھوشن کو غائب ہوئے پانچ سال گذر چکے تھے۔ ادما نے صبح ہی اسنان کیا۔ پرماتما کی بھگتی کی، اور اپنے کمرے میں بیٹھ گئی۔ کچھ دن چڑھا اس نے دیکھا کہ ایک پریشان حال انسان اُن کے مکان کی طرف آہستہ آہستہ آ رہا ہے ...... اس کا دل زور زور سے دھڑکنے لگا۔

ذوار دمکان کے اندر داخل ہوا۔ بیٹھک میں ادما کے والد لالہ سکھرام بیٹھے تھے۔ ذوارد نے انہیں ہاتھ جوڑ کر پرنام کیا۔

لالہ سکھرام آس چند لمحوں تک اس کی طرف دیکھتے رہے اور پھر منشی ...... بیٹا ...... کہتے ہوئے نووارد کو اپنے سینے سے لگا لیا۔

منشی کی آنکھوں سے ندامت کے آنسوؤں کا دریا بہ نکلا۔

سکھرام داس نے منشی کو ڈھارس بندھاتے ہوئے کہا۔

"بیٹا اتنا عرصہ تم کہاں رہے۔ اور اب کہاں سے آرہے ہو؟"

منشی نے روندھے ہوئے گلے سے جواب دیا۔

"پتا جی! میں بدقسمت ہوں۔ میں نے آپ لوگوں کو بہت تکلیف دی۔ میں قصوروار ہوں۔ جیسا آپ چاہیں مجھے دیں۔ کیا آپ میرے قصوروں کو معاف نہ کریں گے ...... جیسا بھلا میں آپ کا ہوں۔ ...... پتا جی! ...... میرا سینہ ...... میرا قلب ہمیشہ ندامت سے جل رہا ہے۔ جلد اسے معافی کے آب سرد سے شانت کیجئے؟"

"بیٹا! تم اپنے تمام حالات سناؤ۔ تم مجھے ایسے ہی پیارے ہو جیسے شادی کے وقت تھے۔ انسان سے غلطی ہو ہی جاتی ہے۔ لیکن یہ ہماری خوش قسمتی ہے کہ پرماتما نے تمہیں ہم سے پھر ملا دیا ورنہ ہم تو بالکل ناامید ہو چکے تھے۔"

منشی نے اپنی بے وقوفی اور ناتجربہ کاری کی تمام سرگذشت کہہ سنائی۔ جسے لالہ سکھرام نے بڑی حیرت سے سُنا۔

اس کے بعد منشی ادما سے ملنے گیا .... ادما اس کے قدموں پر گرنا چاہتی تھی مگر اس نے اُسے سینے سے لگا لیا .... فرطِ انبساط سے دونوں کچھ نہ بول سکے۔

پانچ سال پہلے بسنت کے دن ان کی جدائی ہوئی اور آج بسنت کے دن ہی ان کا ملاپ ہوا۔

تیج ویکلی میں اشتہار دیکر فائدہ اُٹھایئے

اقوالِ زرّیں

(مرسلہ جناب اے۔ آر۔ رشدی۔ بھوپال)
(خاص پیچ و بگلی کے لئے)

جس طرح چاندی اور سونا پتھر سے نکلتا ہے مگر تمام پتھروں میں سونا اور چاندی نہیں ہوتا۔ اسی طرح علم آدمی ہی حاصل کرتے ہیں لیکن ہر آدمی عالم نہیں ہوتا۔

جس کو تُو کمسنی میں ادب نہ سکھا سکا تو بڑے ہونے پر اس سے بھلائی کی امید نہ رکھ۔ ہری لکڑی کو جتنا چاہو موڑ و۔ مُڑ جائے گی۔ مگر سوکھی لکڑی سوائے آگ کے کسی شئے سے سیدھی نہ ہوگی۔

بھاری کاموں کے لئے تجربہ کار آدمیوں کو بھیج تاکہ مُفسد و شریر کو کمند میں لا سکیں۔

جو شخص زندگی میں دوسروں سے کم ہے اور ضیعت میں زیادہ ہے وہ ظاہر میں مالدار ہے لیکن حقیقت میں فقیر ہے۔

احسان جتا کے اور خیرات بتا کے اور تکلیف دے کے اپنی خیرات کو خراب و بیکار مت کر۔

کنجوس کی دولت زمین سے اُس وقت نکلتی ہے جب کہ وہ زمین میں چلا جاتا ہے۔

جو آزمائے ہوئے کو آزماتا ہے اسکو شرمندگی اٹھانا پڑتی ہے۔

اس بیوقوف کو جس نے حنظل کا تخم بویا ہو گنّے کی امید نہ رکھنی چاہیئے۔

عقلمندوں نے بدگمان دوستوں کے ساتھ رہنے سے علیحدگی اختیار کی ہے۔

جہاں تک ہو سکے بُردباری کا پانی غصّہ کی آگ پر ڈال۔

جو بُرائی کو سُست اور کمزور سمجھے گا وہ رنج اور تکلیف میں پڑے گا۔

جب پاس بیٹھنے میں خرابی ہے تو دور رہنا ہی بہتر ہے۔

موج

(از جناب شیام سروپ شرما مسافر کیرانوی)
(خاص پیچ و بگلی کے لئے)

ماسٹر:۔ تم ڈرائنگ کی کاپی کیوں نہیں خریدتے؟

لڑکا:۔ ماسٹر صاحب اماں پیسے نہیں دیتیں

ماسٹر:۔ تو پھر بابوجی سے کیوں نہیں مانگ لیتے؟

لڑکا:۔ ماسٹر صاحب بابوجی بھی تو اماں ہی سے پیسے لیتے ہیں۔

ایک لڑکے نے کسی نانبائی سے دو آنہ والی ایک ڈبل روٹی خریدی۔ روٹی وزن میں کچھ ہلکی تھی۔ لڑکے نے کہا۔
"یہ ہلکی ہے۔ کوئی دوسری دے دیجئے"

نانبائی:۔ "کیا حرج ہے لے جانے میں آسانی ہوگی"

لڑکا دوکان کے تختے پر چھ پیسے رکھ کر چلتا بنا۔ نانبائی نے پیسے گِن کر آواز دی کہ "ارے سنو ریزگاری تو چھ ہی پیسے ہیں"

لڑکے نے مسکراتے ہوئے کہا۔
"کیا حرج ہے گننے میں آسانی رہے گی"

ملاقاتی:۔ مالک مکان سے کہدو کہ ایک آدمی اُن سے ملنا چاہتا ہے۔

خادم:۔ وہ یہاں موجود نہیں ہیں۔

ملاقاتی:۔ واپس کب آئیں گے؟

خادم:۔ آپ ذرا ٹھہریئے۔ میں اُن سے جاکر دریافت کر آؤں۔

اُستاد:۔ اگر ایک عورت ایک مکان کو ایک گھنٹہ میں صاف کرتی ہے تو دو عورتیں اسی مکان کو کتنے عرصہ میں صاف کریں گی۔

شاگرد:۔ ڈھائی گھنٹہ میں۔ کیونکہ جہاں عورتیں جمع ہوں فوراً باتیں کرنی شروع کر دیتی ہیں۔ اس لئے آدھا گھنٹہ باتوں کے لئے

شوہر:۔ پیاری اگر میں مرگیا تو تم بہت روؤ گی؟

بیوی:۔ کیوں نہیں پیارے ضرور روؤں گی۔

شوہر:۔ اور کبھی میری قبر پر بھی آؤگی؟

بیوی:۔ ضرور آؤں گی کیا تم نہیں جانتے کہ قبرستان سینما گھر کے راستہ میں پڑتا ہے۔

غسل کرنے کے صحیح طریقے

(از قلم جناب جگ جیون لال صاحب بھٹناگر بی۔ اے دہلوی)

(خاص تیج ویکلی کے لئے)

غسل حفاظت جسمانی کے لئے ایک بہترین ذریعہ ہے زیادہ تر لوگ روز نہاتے ہیں۔ نہاتے رہے ہیں اور نہاتے رہیں گے۔ لیکن صحت کے اصولوں کو مد نظر رکھتے ہوئے بہت کم لوگ اس ضروری ورزش اور معمول کو پورا کرتے ہیں۔ اس لئے مندرجہ ذیل مضمون عوام کی آگاہی کے لئے سپرد قلم کیا جاتا ہے۔

تیز گرم پانی سے نہانے کو کچھ لوگ اچھا سمجھتے ہیں لیکن تیز گرم پانی صحت کے لئے کافی مضر ہے معمولی نیم گرم پانی نہانے کے لئے استعمال ہونا چاہئیے اور یہی جسم کو فائدہ پہنچاتا ہے۔ اسکتا ہوا گرم پانی اگر سر پر بالخصوص ڈالا جائے گا تو وہ جلد اور رگوں کو نقصان پہنچاتا ہے گو اوائل عمری میں اس کے ضرر رساں اثرات محسوس نہ ہوں لیکن جوانی سے متوسط العمری میں قدم رکھتے ہی حقیقت آشکارا ہو جاتی ہے۔ سخت گرم پانی کے مقابلہ میں یہ ضروری نہیں ہے کہ ٹھنڈا پانی مفید ہی ہو۔ بلکہ بعض حالتوں میں ٹھنڈا پانی سخت گرم پانی سے بھی زیادہ نقصان پہنچا سکتا ہے ٹھنڈے پانی سے غسل کرنے کے بعد جن کو کپکپی اور سردی زیادہ محسوس ہوتی ہو اُن کو ٹھنڈے پانی سے نہ نہانا چاہئیے۔ جس وقت جسم موسمی سردی کی وجہ سے یا اور کسی سبب سے ٹھنڈا ہو تو ٹھنڈا پانی غسل کے لئے مفید نہیں ہوتا۔ کھلی ہوا میں کسی دریا۔ چشمے یا آبشار میں غسل کرنا پُر لطف معلوم ہوتا ہے۔ لیکن اُسے برداشت کرنے کی بھی جسم میں طاقت ہونی چاہئیے۔ لیکن ایسی حالت میں جبکہ جسم ٹھنڈے پانی میں غسل کرنے سے کافی سرد ہو گیا ہو تو کھلی ہوا میں زیادہ دیر تک جسم کو کھلا نہ رکھنا چاہئیے۔ غسل کے فوراً بعد ایک خشک تولئے سے جسم کو خشک کر لینا چاہئیے۔ اس کے بعد جسم کے دیگر حصوں کو بھی جلد صاف کر لینا چاہئیے اور کپڑے سے جسم کو رگڑنا چاہئیے۔ تاکہ ضروری حرارت جسم میں پیدا ہو جائے۔ اس کے بعد کپڑے پہن لینے چاہئیں۔

گرمی کے موسم میں گیلے کپڑے پہن کر دریا سے واپس آنا خوشگوار معلوم ہوتا ہے۔ لیکن یہ عادت نقصان دہ ہے اور جسم کے جس حصے پر گیلا کپڑا ہوگا وہاں ہر وقت ہوا لگتی رہے گی۔ اور امراض پیدا کر دے گی۔

نہانے کے بعد اگر کپکپی کافی ہو تو جسم کے تمام حصوں کو اپنی ہتھیلیوں سے مضبوطی سے رگڑنا چاہئیے نہانے کے بعد کپڑے دھو کر دھوبی کی طرح پتھر پر پٹک کر دھونے سے بھی جسم میں حرارت پیدا ہو جاتی ہے۔

نہانے سے پہلے اگر ورزش مثلاً ڈنٹر اور بیٹھکیں وغیرہ کر لی جائیں تو بہتر ہے۔ اگر جسم پسینے سے بھی شرابور ہو تو ٹھنڈے پانی میں کود پڑنے سے ڈرنا نہیں چاہئیے پسینے کی حالت میں ٹھنڈے پانی سے غسل کرنے سے جسم کے تمام مسام کھل جاتے ہیں اور جلد کو کافی فائدہ پہنچتا ہے۔

گرم پانی سے غسل کرنے میں بھی کئی باتوں کا خیال رکھنا چاہئیے۔ جو پانی ایک حد سے زیادہ گرم ہو تو اس میں کافی دیر تک غسل کرنا جلد کے قریب کی نازک رگ اور ریشوں کو نقصان پہنچاتا ہے۔ اس لئے گرم پانی سے غسل کر کچھ دیر تک جسم کو اعتدال کے موافق ٹھنڈا کر لینا ضروری ہے۔ اس کے بعد پھر گرم پانی میں بیٹھ سکتے ہیں اسی طرح پر جسم کی رگوں کو اس غسل کا عادی بنایا جا سکتا ہے۔ گرم پانی کے غسل کے درمیان میں ہی ٹھنڈے پانی کے فوارے کے نیچے وقفے سے بیٹھنا چاہئیے۔ اس طرح پر خون کی حرکت بیرونی رگوں سے جسم کے اندرونی حصوں میں بھی ہو جاتی ہے۔ اور جسم کا درجۂ حرارت معتدل پہ قائم رہتا ہے۔

جو اصحاب ٹھنڈے پانی سے نہانے کے عادی نہ ہوں اُن کو سرد پانی سے نہانے کی ضرورت نہیں ہے وہ قدرے سرد اور قدرے گرم غسل کر سکتے ہیں گرم پانی کو جسم پر سے صاف کرنے کے لئے ٹھنڈے پانی میں تولیہ بھگو کر ریڑھ کی ہڈی پر رگڑنا چاہئیے۔ ایک ہاتھ کندھے کے پاس اور دوسرا کمر کے پاس رکھ کر ٹھنڈے تولئے سے پیٹھ کے بیچوں بیچ رگڑنے سے صحت کو کافی فائدہ پہنچتا ہے گرم یا ہلکا گرم پانی اگر سر پر ڈالا جائے تو آنکھوں کو نقصان پہنچتا ہے۔ سر ہمیشہ ٹھنڈے پانی سے دھونا چاہئیے۔

کچھ اصحاب اس بات کا اعتراض پیش کر سکتے ہیں کہ گرم پانی سے نہاتے وقت ٹھنڈا پانی اگر جسم پر ڈالا جائے تو پہلا پہلے کندھوں پر اور سینوں پہ آئے گا اور اس سے گرم پانی کے تمام خواص ضائع ہو جائیں گے۔ اس تکلیف کو دور کرنے کے لئے ایک برتن میں ٹھنڈا پانی لیا جائے اور سر کو اس میں ڈبو دیا جائے اور اس سے پہلے کہ پانی بہ کر جسم کے باقی حصوں پر آئے تولئے سے خشک کر لیا جائے۔ اس طرح پر سر دھونے سے نزلہ یا زکام نہیں ہوتا۔ سردی کا مقابلہ کرنے کے لئے اور جسم کو سردی کا عادی بنانے کے لئے گرم پانی سے نہانے کے بعد ٹھنڈے پانی سے بھیگے ہوئے تولئے کو تمام جسم پر پھیرنا چاہئیے۔ اس کے بعد خشک تولئے سے جسم کو صاف کر لیا جائے۔ جسم کے تمام حصوں کو صاف کرنے کے لئے ایک بند غسل خانہ میں برہنہ ہو کر غسل کیا جائے تو بہتر ہے۔ نہانے کے بعد گیلے بالوں میں تیل لگانے سے بہتر تیل لگا کر نہانا ہے۔

خط و کتابت کرتے وقت چٹ نمبر کا حوالہ دیجئے

(صفحہ ۱۴ سے آگے)

سے جنہیں خود نسب لشکر میں موجود تھے - کرم سنگھ اپنے ساتھیوں سمیت قافلے کے ساتھ قریب آیا تو فیرت نے پیچھے قدم ہٹانے سے انکار کیا - اس نے تلواریاں سے نکال کر حملہ کر دیا - تین چار سو سوار ہمراہ تھے انہوں نے بھی راجہ کا ساتھ دیا - معمولی سی جنگ کے بعد ایک راجپوت سپاہی کے ہاتھ سے کرم سنگھ مجروح ہو کر زندہ گرفتار ہو گیا -

(۵)

ہمت سنگھ بیٹے کی زیادتی سے شرمندہ تھا - مگر اس کی گرفتاری پر بڑے راجہ کو طیش آ گیا اور بڑھاپے کی سوکھی ہوئی رگوں میں شجاعت خون بن کر دوڑنے لگی - وہ سترہ ہزار منجلے جنگلی آدمیوں کی غیر تربیت یافتہ فوج لے کر شہر گڑھ پر ٹوٹ پڑا

وہ بہت ہی بے سر و سامانی کے عالم میں تھا اور اس کے پاس سامان بھی نہ تھے روپیہ کا ذخیرہ کی قفل ہے اُسے بیٹے کی محبت نے بیقرار کر دیا تھا اور وہ جذبہ انتقام سے مجبور ہو کر طاقت کی دہکتی ہوئی آگ میں کود پڑا تھا - ورنہ اگر وہ چاہتا تو ترتیب دے چار کے سینکڑوں منصب داروں کو اپنے ساتھ میدان میں لا سکتا تھا تاہم توقع کے خلاف اس نے آزمودہ کار - بازوؤں نے حالات کا نسخ بدل دیا - تین چار روز کی کوشش ہی میں اس نے قلعہ واپس لے لیا اور قلعہ بند ہو کر لڑنے لگا - موقعہ پا کر جنگلی آدمیوں کی چھوٹی چھوٹی ٹولیاں شاہی لشکر پر حملہ کر کے اُسے لوٹ لیتی تھیں - امر سنگھ بھی قلعہ کے نیچے چھاؤنی ڈالے پڑا تھا کبھی خندقیں کھودتا تھا - کبھی سرنگیں بناتا تھا مگر جنگلی راستوں سے واقف نہ تھا - اسی بنا پر حملہ آور رہزنوں کی لوٹ مار کا کوئی بندوبست نہ کر سکتا تھا -

آغا میر پوشیدہ طور پر ہمت سنگھ کو امداد بھیج رہا تھا ہزار ایک تلواریں - توپیں بندوقیں اور خود اس نے پہاڑی راستہ سے ہمت سنگھ کے پاس بھیج دیئے تھے - بہت سا خزانہ اور مال و اسباب بھی راجہ کی نذر کر دیا تھا - امر سنگھ کو جب اس کا علم ہوا تو اس نے آغا میر کی حاضری کا حکم دیا - اور گرفتار کر کے اُسے بادشاہ کے پاس بھیج دیا -

ہمت سنگھ پر اس واقعہ کا بہت اثر ہوا اور اس کی ہمت ٹوٹ گئی - آغا میر نے بادشاہ کے سامنے قسم کھائی کہ میری جان بخشی فرمائی جائے اور مجھے اس مہم پر تعینات فرمایا جائے تو میں کسی نہ کسی طرح راجہ کو اطاعت پر آمادہ کر لونگا - بادشاہ بھی چاہتے تھے وہ ہمت سنگھ کی کارگزاریوں سے واقف تھے اور اس کی جان ضائع کرنا نہ چاہتے تھے - انہوں نے آغا میر کو فوراً روانگی کا فرمان دیدیا - اور زبردست لشکر کے ساتھ اسکو امر سنگھ کی کمک پر بھیج دیا - راجہ ہمت سنگھ کو بھی معلوم ہوا کہ اس کا بگڑی بدل بھائی آغا میر اس پر تلوار باندھ کر آیا ہے لو اس نے مبادیں راجہ کا سر لانے کی قسم کھائی ہے اس کے پاس شاہی لشکر کا مقابلہ کرنے کے لئے سامان نہ تھا وہ پہلے ہی اپنی زندگی سے مایوس تھا لیکن ذلت کی موت مرنا پسند نہ کرتا تھا - اس دوران میں امر سنگھ نے جنگلی راستے معلوم کر لئے تھے اور اس کی فوج جنگلوں کی غارتگر اندوست درازیوں سے محفوظ ہو گئی تھی -

ہمت سنگھ آغا میر کے آتے ہی ہاتھ پر ہاتھ دھر کر بیٹھ گیا کئی دن تک قلعہ میں خاموشی رہی - کوئی جماعت جنگ کے لئے باہر نہ آئی قلعہ کی حفاظت میں بھی سرگرمی کا اظہار نہیں کیا گیا - خیال ہوا کہ یا تو راجہ قلعہ چھوڑ کر بھاگ گیا یا کسی خاص انتظام میں مصروف ہے - بوڑھا تجربہ کار آدمی ہے - ہزاروں میدان مار چکا ہے - نہ معلوم کیا رنگ لائے - ہر شخص اپنی اپنی جگہ متحیر اور منتظر تھا کہ چوتھے دن ایک پیادہ آغا میر کے نام خط لے کر آیا - لکھا تھا کہ بڑا پیاس لئے کا عرصہ جان بچانے کو کیا کم تھا کہ تمہارے سامنے تمہیں دشمنی پر آمادہ کر دیا - جانتا ہوں کہ تمہارا ہاتھ میرے اوپر نہ اٹھیگا - مگر یہ ضرور ہے کہ تم دشمن کے ساتھ ہو - اگر تب بغیر کسی ہتھیار کے تم آؤ اور مجھ پر بھروسہ کرو تو ممکن ہے کہ میں بچ جاؤں - ورنہ ارادہ کر لیا ہے کہ لڑتے لڑتے مر جاؤنگا لیکن زندہ ہاتھ نہ آؤنگا -

آغا میر حیرت رہ گیا - لشکر کے تمام سردار اس کے خیمہ میں جمع ہو گئے - راجہ امر سنگھ بھی آیا - آغا میر نے راجہ سے کہا -

"میں ہمت سنگھ کے پاس جانا چاہتا ہوں -"

"میری اصلاح نہیں ہے"

"میں بغیر آپ کی صلاح ہی کے جانا چاہتا ہوں"

"اگر تم نے اپنی ذمہ داری پر طے کر لیا ہے تو خیر میں کچھ نہیں کہتا - مگر کچھ آدمی ضرور ساتھ لیتے جاؤ"

"نہیں تنہا جانے دو"

"تنہا جانے ہو تو مسلح ہو کر جاؤ"

"یہ بھی نہیں ہو سکتا بالکل خالی ہاتھ جاؤنگا"

"ایسا مت کرو - ہمت سنگھ بڑا عالی ہمت ہے - اس کے نزدیک تمہاری ہستی معمولی نہیں ہے - یا تو وہ تمہیں ہلاک کر دیگا یا گرفتار کر لیگا - دیکھ بھال کر بات کی طرف جانا عقلمندی نہیں ہے"

"کچھ بھی ہو میں جاؤنگا اور ہمت سنگھ کے دل سے اس بے اعتمادی کو دور کرونگا جو میری طرف سے پیدا ہوئی ہے - اس کا خیال ہے کہ میں اس کا سر لینے آیا ہوں - حالانکہ میں کسی قیمت پر بھی یہ بے غیرتی گوارا نہیں کر سکتا"

"لیکن میں اس طرح تم کو نہ جانے دونگا تمہاری باتوں میں بغاوت کی بو آتی ہے"

"میں جانے کا قطعی ارادہ کر چکا ہوں - تم مجھے نہیں روک سکتے"

"تم پر بغاوت کا جرم عائد ہوتا ہے - میں گرفتار کر لونگا تم دشمن سے سازش کرنے جا رہے ہو - یہی بات ہے"

آغا میر آگ بگولہ ہو گیا غصہ سے اس کا چہرہ دمکنے لگا - اس نے تلوار کے قبضہ پر ہاتھ رکھ کر کہا -

"امر سنگھ شاہی نمک کا پاس نہ ہوتا تو تلوار سے اس کا جواب دیتا"

امر سنگھ بھی بگڑ گیا - لیکن فوج کے دوسرے افسروں نے بیچ میں پڑ کر معاملہ کو رفع دفع کر دیا - اور بمشکل کرم آغا میر کو قلعہ میں جانے کی اجازت دی -

قلعہ کا دروازہ ایک مسلح سپاہی نے کھولا - پہلے آغا میر کی تلاشی لی گئی پھر اسے آگے جانے کی اجازت دی - وہ اطمینان سے سر جھکائے جا رہا تھا - قلعہ کے ہر حصہ سے فوج کے دستے آ کر اسکو اپنے حلقہ میں لئے رہے تھے -

ہمت سنگھ اس بے سر و سامانی کے عالم میں بھی ایک خاص شان و شوکت اور رعب و تحمل کا مالک تھا - اس کے چہرے سے شجاعت ٹپک رہی تھی وہ ایک زخمی شیر کی طرح غصہ میں جل رہا تھا - آغا میر کو دیکھتے ہی کھڑا ہو گیا اور طنزاً کہا -

"بڑے بھیا - کیا میرے احسانات کا بدلہ یہی تھا جو تم نے دیا"

"بیشک - سچ ہے میں اور کیا بدلہ دے سکتا تھا"

ہمت سنگھ کے بدن میں غصہ کی کپکپی پیدا ہو گئی اس کا سفید چہرہ سرخ ہو گیا - اس نے اپنی لال لال آنکھیں نکالتے ہوئے کہا -

"آغا جی تم جانتے ہو کہ ابھی تمہاری بوٹی بوٹی کر ڈالوں"

"ہاں میں اسی قابل ہوں ہمت سنگھ"

"بیشک تم اسی قابل ہو - مگر کیا کروں میں دھرم سے مجبور ہوں - تمہیں بھائی بنا چکا ہوں اور بھائی پر ہمت سنگھ کی تلوار نہیں اٹھ سکتی - پھر بھی مردوں کو اپنے قول کی پیچ بھی کرنی چاہیئے - میں نے تمہیں خط بھیجکر بلایا ہے"

"کیا تم مجھے بزدل سمجھتے ہو؟ تمہارا کیا یہ گمان ہے کہ میں نے اپنے قول کی تائید نہیں کی؟"

"اب تک تو میں تمہیں بہادر ہی سمجھتا تھا - مگر جب سے تم نے میرا سر کاٹنے کی قسم کھائی ہے میں تمہیں سخت بزدل - ڈرپوک اور دغاباز سمجھتا ہوں"

"بالکل درست ہے - مگر اس طرح بلانے سے آخر تمہارا مطلب کیا تھا؟"

"بس صرف یہ جتا دینا کہ میں ذلت کی موت نہیں مر سکتا اور تمہیں میرا سر کاٹنے کی مسرت نصیب نہیں ہو سکتی"

آغا میر سے ضبط نہ ہو سکا اس نے جھنجھلا کر کہا -

"ہمت سنگھ یہ بار بار تم کیا کہتے ہو تم سے کس نے کہا کہ میں تمہارا سر کاٹنے آیا ہوں؟"

"میرے کانوں تک تمہارے وہ الفاظ پہنچ چکے ہیں اور تمہارا وہ پیمان عقیدت و نیازمندی بھی سن چکا ہوں جو تم نے خلوت کدہ شاہی میں استوار کیا ہے - میرا مخبر غلط اطلاعیں نہیں دیا کرتا"

"اور میں تو ہمیشہ غلط کہنے کا عادی ہوں - سمجھا ہوں - کیا تم میرا کوئی جھوٹ ثابت کر سکتے ہو - ہمت سنگھ اگر تمہارا مخبر غلط اطلاع نہیں دے سکتا تو میں بھی سر کٹانے کا حلف نہیں اٹھا سکتا - تعجب ہے کہ تمہیں مخبر پر اعتماد ہے اور مجھ پر نہیں"

"آغا میر تم بڑے فریبی ہو - سمجھتے ہو کہ اس وقت تمہاری جان میرے ہاتھ میں ہے اس لئے اب تم باتیں بناتے ہو -"

ہمت سنگھ زیادہ سخت امتحان نہ لو انسان کی جان اگر انسان کے قبضہ میں ہو تو نہ معلوم روز کتنے فتنے اٹھیں - جان کا رکھوالا کوئی اور ہی ہے اگر یہ خیال ہے کہ میں بے بسی کے عالم میں جھوٹ بولتا ہوں

(پچھلے صفحہ سے)

تو صرف ایک تلوار مجھے دے دو اور اپنی ساری فوج کو حکم دو کہ مجھے گرفتار کرلے۔ اور تم بیٹھ کر تماشہ دیکھو یہ نہیں کرتے تو میری بات پر یقین کرو۔ اور جس طرح میں آیا ہوں اسی طرح تم بھی میرے ساتھ لشکر میں چلو۔!

ہمت سنگھ کی آنکھوں سے آنسو رواں ہوگئے۔

اس نے آغا تیر کا ہاتھ پکڑ کر تخت پر کھینچ لیا۔ امتحان ختم ہو چکا تھا۔ آغا تیر نے اپنی بے گناہی ثابت کردی تھی۔ راجہ نے ذرا سنبھل کر کہا۔

"بڑے بھیا۔ میرے لئے کیا حکم دیتے ہو۔ بس یہی کہ جس طرح میں آیا ہوں اُسی طرح تم بھی میرے ہمراہ چلو۔ دشمنوں کے نرغے میں لئے جاتے ہو مجھے آغا تیر"۔

"میں نہیں چاہتا کہ تم پریشانی اور بے اطمینانی کی زندگی بسر کرو۔ میری دلی خواہش ہے کہ مرنے سے پہلے گوندوارے کے تخت پر تمہیں متمکن دیکھوں"۔

"اچھا میں چلتا ہوں بڑے بھیا۔!۔ جو تمہاری مرضی ہوگی وہی کروں گا۔ میری جان تمہارے ہاتھ میں ہے"۔

"ہمت سنگھ ایسا نہ کہو۔ میری اور تمہاری دونوں کی جان خدا کے ہاتھ میں ہے۔ وہی میرا اور تمہارا نگہبان ہے"۔

ہمت سنگھ نے پگڑی اتار کر پھینک دی۔ تلوار کمر سے کھول دی۔ تیر کمان کو زمین پر ڈال دیا۔ اور آغا تیر کے ساتھ ہو لیا۔

اس کی فوج نے بہت روکا۔ مگر اس نے ایک نہ سُنی۔ آخر سب نے مل کر پوچھا۔

"ہمارا کیا حشر ہوگا؟"

ہمت سنگھ نے بھرائی ہوئی آواز میں آغا تیر کی طرف اشارہ کرتے ہوئے جواب دیا۔

"جو ان کا اور میرا"

ہمت سنگھ کے بھانجے سمیر سنگھ نے قلعہ کا دروازہ کھولنے سے پہلے راجہ کا دامن پکڑ کر روتے ہوئے دریافت کیا۔

"مجھے کیا حکم ہوتا ہے ماما"۔

"پرارتھنا کرو ـــــــ بیٹے سمیر سنگھ"

ہمت سنگھ نے چلتے چلتے جواب دیا۔

"دیکھو دن ڈوب رہا ہے۔ مندر میں اپنے ہاتھ سے دیا جلا دینا۔ اندھیرا نہ رہے۔ دونوں وقت ملے مندر میں سمیر سنگھ"۔

آغا تیر ہمت سنگھ کے ہاتھ میں ہاتھ ڈالے بڑے اطمینان سے اپنے خیمہ میں چلا گیا۔ اور اپنے بیٹے سے کہہ گیا کہ میرے پوچھے بغیر کسی کو خیمہ میں نہ آنے دینا۔ اور وہاں اپنی فوج کو ہتھیار نکالنے کا حکم بھی دے دو۔

"بڑے بھیا! ایک نہتے بوڑھے کے لئے اتنا اہتمام"۔

ہمت سنگھ نے مسکراتے ہوئے کہا۔

آغا تیر کو آئے ابھی زیادہ دیر نہ ہوئی تھی کہ امر سنگھ کا حکم پہنچا کہ ہمت سنگھ کو پابہ زنجیر کرکے جلد حاضر کرو۔

امیر سنگھ فوج کا اعلیٰ افسر ہے اس کے حکم کی سرتابی آسان نہ تھی۔ تاہم آغا تیر نے جرأت کے ساتھ کہا۔

"ہمت سنگھ تنہا پابہ زنجیر حاضر نہ ہوگا آغا تیر بھی اس کے ساتھ رہیگا۔"

امیر سنگھ نے ہمت سنگھ کی گرفتاری پر اصرار کیا اس کا استدلال تھا کہ ہمت سنگھ باغی ہے۔ اسے باغیوں کی طرح طوق و سلاسل میں اسیر کرکے دربار میں لے جانا چاہئے

آغا تیر کہتا تھا کہ تم نے اسے گرفتار نہیں کیا وہ خود ہمارے پاس آیا ہے اور اسی طرح دربار میں جائیگا۔

امیر سنگھ نے صف بندی کا حکم دے دیا اور دو ڈھائی ہزار کی جمعیت سے کر آغا تیر کے خیمہ کا محاصرہ کر لیا۔

آغا تیر نے ہمت سنگھ کی کمر میں اپنے ہاتھ سے تلوار باندھی اور اپنا گھوڑا سواری میں دیا۔ ایک گھوڑے پر خود سوار ہو کر آگے ہوا۔ اور اپنے بیٹے کو بلا کر کہا:۔

"میں شاہی فوج کے خون سے اپنی تلوار سرخ کرنا نہیں چاہتا۔ تم کچھ سواروں کو ان بزدلوں کو راستہ سے ہٹا دو۔ تاکہ میں ہمت سنگھ کو لے کر نکل جاؤں۔ اور جب تک ہم ان کی زد سے باہر نہ نکل جائیں تم انہیں روکے رکھنا۔ یہ ہمارا تعاقب نہ کرنے پائیں ہم جنگلی راستوں سے بہت جلد دھنسلی پہنچ جائیں گے۔"

آغا تیر کے بیٹے آغا شہرت نے سواروں کی قطار بنا کر شاہی فوج کا رُخ کیا اور گھوڑے دوڑا دیئے۔ اس طرح بہت آسانی سے راستہ صاف ہو گیا اور آغا تیر راجہ کو لے کر صحیح و سلامت لشکر سے نکل گیا۔

آغا شہرت چار پانچ گھنٹہ تک باپ کے حکم کی تعمیل میں شاہی فوج سے اُلجھتا رہا۔ آخر کچھ سپاہیوں نے اسے چاروں طرف سے گھیر کر تلواروں سے گھائل کر دیا۔ وہ گھوڑے کی کمر سے جدا ہو کر زمین پر گر گیا۔

اس واقعہ کے ایک مہینہ بعد راجہ امر سنگھ نے شیر سنگھ کے سامنے والے میدان میں راجہ ہمت سنگھ کا استقبال کیا اور اسے فوجی سلامی دی۔ آغا تیر بھی ہمت سنگھ کے ساتھ تھا۔ کرم سنگھ بھی تھا۔

آغا تیر کو اپنے بیٹے کی موت کا اتنا غم نہ تھا جتنی ہمت سنگھ کے گدی نشین ہونے کی اسے خوشی تھی۔ مگر ہمت سنگھ بار بار کہتا تھا۔

(۶)

(صفحہ ١٢ سے آگے)

مسز مارگریٹ سینگر کی یہ صحت گاہ " برتھ کنٹرول ریسرچ بیورو " کے نام سے ٦٦ ویسٹ ١٦ اسٹریٹ، نیویارک میں قائم ہے۔ جو بہت کشادہ، خوبصورت اور قابل دید جگہ ہے۔ آج سے کوئی پانچ سال پہلے جب میں مادر وطن کو واپس جا رہا تھا مجھے اس تحریک کا غلغلہ سنا۔ اور اس تحریک کے صدر دفتر میں اس کی لیڈر مسز سینگر سے ملنے گیا تھا۔ لیکن اس وقت سے تحریک کافی تقویت پا چکی ہے انسان کا کام بہت بڑھ گیا ہے یہی وجہ ہے کہ ان کو موجودہ عمارت میں اپنا کاروبار بڑھانا پڑا۔ یہاں برتھ کنٹرول اور امراض نسواں کی بابت تعلیم دینے کے لئے ماہروں کا انتظام ہے۔ نیز علاج اور تشخیص کار کے لئے ہر قسم کے جدید سائنٹیفک آلات اور جملہ ادویات وغیرہ بڑی تعداد میں فراہم کی گئی ہیں۔ ایک " ادارۂ معلومات " بھی ساتھ ہی کھول دیا گیا ہے۔ جہاں سے ہر آنے والے کو اس تحریک اور اس کے عملی پہلوؤں اور مرکز کی بابت جملہ معلومات فراہم کر دی جاتی ہیں۔

اس کے علاوہ ایک صحت گاہ (CLINIC) برتھ کنٹرول کے سلسلہ میں اور ایک ادارۂ تحقیقات یعنی اس اہم مسئلہ کی طبی ریسرچ کرنے کے لئے مقرر کر دیا گیا ہے اور ان تمام مرکزی کاموں کی نگرانی اس تحریک کی فروغ دینے والی شہرہ آفاق خاتون مسز مارگریٹ سینگر ہیں۔

قومی تعمیر میں ضبط تولید کا حصہ

میں نے اس مرکز میں پہنچکر مسز سینگر سے دریافت کیا کہ کسی قوم کی تعمیر میں ضبط تولید کے مسئلہ کو کہاں تک دخل ہے۔ آپ نے مسکرا کر جواب دیا کہ یہ سوال نہایت ہی اچھا کیا گیا ہے۔

" کسی قوم کی تعمیر میں برتھ کنٹرول کا بہت بڑا دخل ہے اس سے اب کوئی انکار نہیں کر سکتا۔ کیونکہ ضبط اولاد سے کسی قوم کی صحت اور اس کی آمدنی و دولت کے معیار پر بڑا اثر پڑتا ہے اور یہ لازمی عناصر صحت و دولت کسی قوم کے بنانے اور بگاڑنے میں بڑا زبردست حصہ رکھتے ہیں۔ میں سمجھتی ہوں کہ برتھ کنٹرول کے کام کو میں نے کسی قوم اور ملک کے لئے مخصوص نہیں کیا ہے۔ بلکہ یہ صحت انسانی کا ایک ایسا اہم پروگرام ہے جو ہر طبقہ اور فریق کے لئے مفید اور ناگزیر ہے۔ جو مائیں بچے پیدا کرنے کے نااہل ہیں۔ جہاں زچگی کی اموات زیادہ ہوتی ہیں۔ جہاں بچوں کی افراط سے قومی انحطاط اور زوال پیدا ہو گیا ہے۔ وہاں بچوں کو سائنٹیفک طریقہ پر روکنے اور حمل کو طبی طریقوں پر قائم نہ ہونے دینے سے ہم انسانیت اور بالخصوص خواتین کی ایسی زبردست خدمت کر سکتے ہیں کہ اس کے نتائج ہمارے لئے عجیب و غریب مسرت و طمانیت کا باعث ہوں گے۔ کس قدر افسوسناک ہے یہ امر کہ غریب گھرانوں میں جہاں اولاد کی مطلق ضرورت نہیں ہے اولاد پے در پے ہوئی جاتی ہے رسمیں اور دائیاں اس باب میں حیران ہیں اور ان مصیبت زدہ گھرانوں کی ناگفتہ بہ حالت کا رونا رو رہی ہیں۔ مگر قوم کے بہی خواہ خاموش ہیں اور کچھ نہیں کرتے۔ کیا یہ مسئلہ اس قدر اہم نہیں ہے کہ تمام بہادر مصلحان قوم کچھ حرکت عمل میں لائیں۔ ہر سال ہزاروں عورتیں بچہ ہونے میں مر جاتی ہیں۔ ہزاروں بچے ایک سال کی عمر پانے سے پہلے پہلے ختم ہو جاتے ہیں۔ اور ہر سال انسانیت کو یہ خوفناک خراج ادا کرنا پڑتا ہے۔ کیونکہ ماؤں کی نگہداشت و صحیح طبی معلومات۔ ضبط اولاد کے صحیح طریقے اور اصول اور عام تعلیم کے نہ ہونے کے باعث لوگ بے خبر ہیں۔ اور وہ چیزیں اور وہ معلومات فراہم نہیں ہوتیں جن سے انسانیت کی یہ خوفناک مصیبت جو ہر سال ہزاروں جانیں لے جاتی ہے دور ہو سکے۔

بہر کیف میں نے مختصراً آپ کو بتا دیا کہ ضبط اولاد کا مسئلہ کسی قوم اور ملک کی تعمیر و تخریب اور اس کی صحت و دولت کے معاملہ میں کس درجہ دخل رکھتا ہے اور اس کی کیا اہمیت ہے۔"

ایک معین پروگرام

سوال:۔ میں نے سوال کیا کہ جیسا آپ کو معلوم ہوگا۔ علم معاشرت کے جاننے والے اس کے قائل ہیں کہ اگر آبادی کی زیادتی کم کر دی جائے تو یہ چیز امکانات جنگ کو کم کرنے میں بڑی حد تک مددگار ہوگی۔ اور یہ طریقہ جنگ کے ازالہ کا ایک سبب بن سکتا ہے۔ آپ نے اپنی تمام زندگی برتھ کنٹرول کے مسئلہ پر صرف کی ہے۔ کیا میں یہ سوال کر سکتا ہوں کہ کوئی ایسا معین پروگرام ہے جو امکانات جنگ کو کم کر دے اور اس کے ذریعہ ہم دنیا میں امن قائم کر سکیں مثلاً ہندوستان یا امریکہ کے لئے متحدہ طور پر کوئی پروگرام اس باب میں آپ وضع کر سکتی ہیں یا نہیں؟"

جواب:۔ مسز سینگر نے اس سوال کا یہ جواب دیا۔ " آپ کے اس سوال کے جواب میں میں آپکی توجہ اپنی اس تقریر کی طرف مبذول کراتی ہوں جو میں نے نیو ہسٹری سوسائٹی نیویارک کے سامنے جنوری ١٩٣٢ء میں کی تھی۔

میں نے اس سلسلہ میں جو کچھ کہا تھا آپ کی سہولت کے لئے اس کے اہم اجزا یہاں پیش کرتی ہوں۔

سب سے پہلے تو میں تجویز کروں گی کہ ہر ملک میں ایک مجلس آبادیات " پارلیمنٹ آف پاپولیشن " کے نام سے مقرر ہونی چاہئے۔ جس کے ڈائرکٹروں میں ملک کی مختلف اصلاحی

(باقی مضمون اگلے صفحہ پر)

از جناب منشی چند ربھان صاحب کیفیؔ سینئر اورینٹل ٹیچر رامجس ہائی سکول دہلی

(خاص تیج دیکلی کے لئے)

آیا بہار خیز زمانہ بسنت کا | بلبل کی ہے زباں پہ ترانہ بسنت کا
فطرت کی ہیں کتاب کے عنواں لکھے ہوئے | گل کا ورق ورق ہے فسانہ بسنت کا
غنچوں کی مٹھیوں میں جو زر ہے بھرا ہوا | گلچیں لٹا رہا ہے خزانہ بسنت کا
ساغر بکف چمن میں ہیں بھونرے کی ڈالیاں | رندوں کو مل گیا ہے بہانہ بسنت کا
گلہائے رنگا رنگ کی بو لے گئی صبا | یوں قافلہ ہوا ہے روانہ بسنت کا
گلزار میں بہار بہ داماں ہے ہر حسیں | رشک ارم ہے آئینہ خانہ بسنت کا
سلجھا رہی ہے ناز سے سنبل کی زلف کو | باد بہار بن گئی شانہ بسنت کا

سرسوں کے پھول کھل گئے کھیتوں میں جابجا | اک خرمن مراد ہے دانہ بسنت کا
ٹیسو پہ ہے بہار تو گل پر نکھار ہے | ہے اب چمن چمن میں ٹھکانہ بسنت کا

رندوں کا دل اداس ہے کیف نظر نہیں
کچھ ساقیا بسنت کی تجھ کو خبر نہیں

سردی کی رفتہ رفتہ جوانی ہے ڈھل رہی | ہے برف کوہسار کے سر پر پگھل رہی
لطف بہار کیوں نہ ہو موسم ہے معتدل | سو سو طرح امنگ ہے دل میں مچل رہی
ہے جنبش نگاہ میں نیرنگ انقلاب | دنیائے حسن و عشق ہے کروٹ بدل رہی
کس ناز سے ہے سبزۂ خوابیدہ سو رہا | باد بہار صحن چمن میں ہے چل رہی
ساقی کی چشم مست کے انداز دیکھ کر | شیشے کی گردنوں سے ہے صہبا اچھل رہی
باد صبا کی لغزش مستانہ دیکھئے | گر گر روش روش پہ ہے گویا سنبھل رہی
جاری جو سلسلہ ہے خزاں و بہار کا | اس دور انقلاب کی گردش اٹل رہی
کھل کھل کے ہر کلی سے نکلتی ہے بوئے خوش | یا نامراد دل کی ہے حسرت نکل رہی
گرمی حسن سے رخ گل ہے عرق عرق | اس پر نسیم ناز سے پنکھا ہے جھل رہی

کیفیؔ رتوں میں راج رتو ہے بسنت کی
ہر شاخ ہر شجر میں نمو ہے بسنت کی

بیروزگاری

نمبر (۳)

(از جناب سید محمود سالم بی۔ اے۔ بی۔ ٹی۔ (علیگ)

(سلسلہ کے لئے ملاحظہ ہو تیج ویکلی مؤرخہ ۱۴ر جنوری سنہ ۱۹۳۶ء)

(خاص تیج ویکلی کے لئے)

دوسرا بڑا سبب جس کی طرف ماہرین تعلیم و سیاست موجودہ بے روزگاری کو منسوب کرتے ہیں اس رابطہ کی کمی ہے جو ہماری صنعتی ضرورت اور نظام تعلیم کے درمیان ہونا چاہئے تھا۔ ہندوستان میں بے روزگاری کا سوال ایک نہایت اہم سوال ہے۔ عام طور پر یہی خیال کیا جاتا ہے اور یہ بڑی حد تک صحیح بھی ہے کہ ہمارا موجودہ نظام تعلیم دراصل محض کلرک پیدا کرتا ہے۔ مدرسہ کا واحد مقصد ہوتا گویا اب گورنمنٹ سروس تک پہنچنا تصور کیا جاتا ہے۔ موجودہ نظام تعلیم ہمارے فارغ التحصیل طلباء پر روزی کمانے کے بہت سے ایسے ذرائع مسدود کر دیتا ہے جن میں آسائش، دولت اور ترقی و شہرت سب کچھ ممکن ہے۔ ہندوستانی تعلیمیافتہ پہلے گورنمنٹ سروس کا خواہاں ہوتا ہے اور جب ہر جگہ سے ناکام ہو جاتا ہے تب نیم سرکاری اداروں میں ملازمت کا متلاشی رہتا ہے۔ ان میں بھی ہزاروں کی کھپت کہاں سے آئی۔ نتیجہ یہی ہوتا ہے کہ دن سرگشتی میں گذار جاتے ہیں۔ موجودہ تعلیم نے خاندانی پیشوں کی طرف سے ہم کو قطعی طور پر متنفر کر دیا ہے اور ہم ایسا کرنے کے لئے کبھی تصور بھی نہیں کر سکتے۔ مگر ہم کو اپنی روزی اپنے ہاتھوں سے کمانا چاہئے۔ کسی پیشہ کے وقار کو ہم اپنے دماغ میں لاتے ہی نہیں۔ ایک گھٹیا درجہ کا کلرک بنانا اور کرسے میں بٹھانے اس کے کہ کوئی

پیشہ اختیار کریں جس میں زراعت یا صنعت بھی شامل ہو یا جس کا تعلق ہماری جسمانی محنت سے ہو اور جہاں ذرائع آمدنی بہتر ہوں۔ ایک اور عجیب بات یہ ہے کہ وہ پیشہ در والدین جو غیر مہذب کہے جاتے ہیں اپنی اولاد کو اسکولوں اور کالجوں میں اس غرض سے بھیجتے ہیں کہ فارغ التحصیل ہونے کے بعد ان کو ملازمت مل جائے گی۔ پیشہ وروں کے اس طرح ہونے خاندانی تعلیمیافتہ لوگوں میں اور بھی بیروزگاری پھیلا رکھی ہے۔ ہم جہاں اس کو مانتے ہیں کہ والدین اپنی اولاد کو انتخاب پیشہ میں صحیح مدد نہیں دیتے وہاں یہ بھی تسلیم کرنا پڑے گا کہ ہمارے یہاں صنعتی، زراعتی اور کاروباری تعلیم کا قطعی فقدان ہے۔ جس کی وجہ سے ہمارے والدین ہماری صحیح رہنمائی نہیں کر سکتے۔ متمدن ممالک میں بہت سے ایسے ادارے ہیں جہاں ماہرین نفسیات، ارباب صنعت و تجارت اور سرکاری محکموں کی مدد سے طلبہ کو ان کے آئندہ کے متعلق مفید رائے مل سکتی ہے۔ اس کا نتیجہ یہ طلباء کے حق میں ہی بہتر ثابت نہیں ہوتا ہے بلکہ ملک کی عام حالت بھی سنور جاتی ہے۔ کیونکہ ایک طالب علم اپنی صلاحیت سے اور اپنے ذہنی رجحان سے واقف ہو کر ایسے پیشے کا انتخاب کرتا ہے جہاں وہ اپنی قوتوں کے صحیح مصرف لے سکے۔ اور ادھر ملک کے لئے یہ امر تسلی بخش ہے کہ اس کی معاشی تنظیم میں انقلاب نہیں ہے۔ اور گھوڑے کی جگہ گدھا اور گدھے کے بجائے گھوڑا

نہیں استعمال ہو رہا ہے۔ ہماری موجودہ ثانوی اور اعلیٰ تعلیم کا نقص یہی ہے کہ طلبا کی معلومات محض سطحی اور سرسری ہوتی ہیں۔ وہ کسی ایک مضمون میں مہارت حاصل نہیں کرتے۔ تعلیمیافتہ نوجوان کو ایک ایسی زندگی میں داخل ہونا ہے جہاں قابلی علم بیکار ہے۔ بلکہ ضرورت اس امر کی ہے کہ کم از کم کسی ایک چھوٹے شعبہ میں ٹھوس معلومات حاصل کرے۔ بلا کسی پس و پیش کے ہمارا نظام تعلیم ایک ہی سے طالب علم پیدا کرتے جا رہا ہے۔ حالانکہ ظاہر بظاہر اب اس قسم کے تعلیمیافتہ کے لئے معاشرہ میں کوئی گنجائش نہیں ہے۔ اگر ہندوستان میں بھی ایسے ادارے قائم کئے جا سکیں جن کی مدد سے طلباء کو انتخاب پیشہ میں مدد ملے تو بے روزگاری میں بہت کمی واقع ہو جائے۔ اور نوجوانوں کی ایک کثیر جماعت افلاس و مصیبت سے نجات حاصل کر سکے۔ آج کل مرکزی تعلیمی مشاورتی بورڈ تعلیم

اور بے کاری نے شور پیدا کر رکھا ہے۔ خدا کرے کہ ان کی تجاویز عملی جامہ پہنیں جو ہندوستانیوں کے لئے فلاح و بہبود کا باعث ہوں۔ اور جس بے اطمینانی اور بے کاری نے ہندوستان کے نوجوانوں کا محاصرہ کر رکھا ہے اس سے رہائی ہو جائے۔ تعلیمی نقائص کے ساتھ ہمارے معاشرہ میں بھی ایسے مصائب موجود ہیں جنہوں نے بیروزگاری کی تکلیفیں اور بھی دو چند کر رکھی ہیں۔ ذات پات کی تمیز، بچپن کی شادی، بعض فرقوں پر بعض کا بیجا تفوق وغیرہ ایسی برائیاں ہیں جو مخفی طور پر آہستہ آہستہ اپنا مہلک زہر اگلتی رہتی ہیں۔ یہاں تک کہ ہمارے معاشرہ کے رگ و پے میں سرایت کر گیا ہے ان نقائص کی وجہ سے جو اقتصادی معاملات میں تغیر اور رد و کاوش پڑتی رہتی ہیں وہ اظہر من الشمس ہیں ہماری مالی حالت سوسائٹی کی انہیں خرابیوں کے باعث روز بروز ضعیف پر ہے۔ ایک اونچی ذات والا شخص کسی ایسے کام کو کرنا پسند نہ کرے گا جس کو اس کے برادری والے ذلیل اور رکیک خیال کریں خواہ اس کو اس پیشہ میں کتنا ہی فائدہ کیوں نہ ہو۔

بچپن کی شادی نہ صرف ذہنی اکتسابات میں رخنہ انداز ہوتی ہے۔ بلکہ صغر سنی میں متاہل کے کندھوں پر بیوی بچوں کا وہ ناخوشگوار بوجھ پڑ جاتا

(باقی مضمون اگلے صفحہ پر)

(پچھلے صفحہ کا بقایا)

ہے۔ جس کا سنبھالنا اس کی قوت سے باہر ہوتا ہے۔ لیکن افسوس کہ باوجود اپنا تمام مجبوروں کے ہم نا اثر یہ زنجیر اس بری طرح جکڑ دی جاتی ہے جس سے گریز پا ہونا ناممکن ہے۔

تعلیم یافتہ متوسط طبقہ کی بے روزگاری کا ایک نمایاں سبب ہماری اقتصادی پسپائی ہے۔ جس سے ضعف اور انحطاط کے باعث ہم ابھر نہیں سکتے۔ اگر ہماری صنعت و حرفت دیگر فنون اور ترقی یافتہ ممالک کی طرح اعلیٰ پیمانہ پر ہوتی تو یقیناً ہمارے نوجوانوں میں اس کثرت سے بیروزگاری نہ دکھائی دیتی۔ انگلستان میں سول سروس اور فوجی ملازمت کو چھوڑتے ہوئے کم و بیش سولہ ہزار ایسے پیشے ہیں جن سے اس چھوٹے سے ملک والے کسب معیشت کرتے ہیں۔ برخلاف اس کے ہمارے اتنے بڑے ملک میں صرف ۴۰ ایسے پیشے ہیں جن سے بسر اوقات کی جاتی ہے۔ جب تعلیم یافتہ جماعت سات یا آٹھ فیصدی سے زائد نہیں ہے اور اس وقت بیروزگاری کا یہ عالم ہے اگر پڑھے لکھوں کے طبقہ میں اور بھی اضافہ ہوتا ہو اور حصول ملازمت میں اسی طرح دشواریاں قائم رہیں تو اس افلاس زدہ ملک کا خدا ہی حافظ ہے۔ بے روزگاری کے وجوہات اتنے زیادہ ہیں کہ ایک ایسی جامع تجویز پیش نہیں کی جاسکتی جو سب پر حاوی ہوسکے اور بے کاری میں تخفیف ہو جائے۔ حالت کو رو بہ اصلاح کرنے کو جہاں اور بہت سی تجاویز پیش کی گئی ہیں۔ وہاں کبھی کبھی یہ کہا جاتا ہے کہ ملک میں ایک مقام سے دوسرے مقام کو روزگار کی تلاش میں نقل و حرکت کی جائے۔ لیکن چونکہ متوسط طبقہ کی بے روزگاری کا حال تمام ملک میں یکساں ہے اس لئے یہ تجویز فائدہ مند ثابت نہیں ہوسکتی۔ البتہ اگر حکومت خواہ وہ کیسی ہی شکل میں ہو اپنی جانب سے کوئی ایسا بڑا کام شروع کر دے جس سے ملک کی مستقل فلاح و بہبود مقصود ہو تو یقیناً بہت سے بے کاروں کو ملازمت مل جائے گی۔ اور ملک کی خوشحالی کے ساتھ ساتھ معیار رہائش بھی اونچا ہو جائے گا۔ اور پھر وکیلوں ڈاکٹروں اور استادوں کی بھی حقیقی ضرورت پیش ہوگی۔

مدراس کمیٹی کا خیال ہے کہ موجودہ بیروزگاری کے زہر کا بدرقہ صرف یہی ہے کہ وہ لوگ جو زمیندار یا موروثی کاشتکار ہیں بہ صدق دل سرگرمی کے ساتھ زراعت کے پیشہ کو اختیار کریں اور وہ ہل جو منو کے زمانہ سے اب تک مستعمل ہے چھوڑ دیں۔ اور جدید آلات کاشتکاری کو کام میں لائیں۔ اور جہاں تک ہوسکے یہ خیال ان کے دماغ سے خارج کرنے کی سعی کریں کہ وہ وکیل یا کلرک سے کم وجاہت یا کم وقعت رکھتے ہیں۔ دراصل یہ ایک بہترین دوا ہے جو موجودہ حالات کو دیکھتے ہوئے اس وبائی مرض کے علاج کے لئے تجویز کی جاسکتی ہے۔

مقام شکر ہے کہ پڑھے لکھے لوگ آخر کار مجبور ہو کر اس طرف متوجہ ہوئے ہیں۔

مدراس کمیٹی کی یہ رائے ہے کہ حکومت کی جانب سے زراعتی فارم کھولے جائیں۔ جہاں بے روزگار تعلیم یافتہ کاشت کریں مناسب نہیں معلوم ہوتی۔ کیونکہ اگر دیہاتیوں کے مقدم حق کو نظر انداز کر دیا جائے تو بھی یہ تجویز ہر مقام پر یکساں کام نہیں دے سکتی۔ ساتھ ہی اس کے متمول کاشتکار اپنے بچوں کو اور زیادہ کالجوں اور اسکولوں میں داخل کرائیں گے۔ کیونکہ ان کو یقین ہوگا کہ بفرض محال اگر ان کی اولاد بے روزگار بھی رہی تو حکومت ان کو اپنے یہاں کے قائم کئے ہوئے فارم میں جگہ دے گی اس لئے اس پر عمل پیرا ہونا مفید نہ ہوگا۔ والدین کو کسی نہ کسی طرح سے اچھی طرح سے سمجھا دینا چاہیئے کہ گورنمنٹ سروس یا وکالت کے پیشہ میں متعلق دفتری ملازمت کے حصول کی تمنا ان کے لئے اقلیت سے بچے ہوئے ہیں۔ بلکہ اپنی اولاد کے لئے دیگر ایسے ذرائع تلاش کریں جہاں حصول روزی میں نی الجملہ سہولت ہو۔ ان اصلاحات کے ساتھ ساتھ اگر ہم اپنی اندرونی حالت کو بھی درست کرنے کی کوشش کریں تو افلاس میں ایک گونہ کمی واقع ہو۔ ہماری بے روزگاری کی ذمہ دار محض ہماری ناقص تعلیم ہی نہیں ہے بلکہ ہمارا معیار رہائش ہماری بے جا رسوم، ہماری ناعاقبت اندیشی وغیرہ وغیرہ ایسے امور ہیں جو اصلاح طلب ہیں۔ اور جو ہمارے اقتصادی زوال میں معین و مددگار ہیں۔

بیتے ہوئے جگ گئے۔ زوال کے بعد پھر عروج ضرور ہوگا۔ جلسہ والے مقبول و مقبول ہوگئے۔ عروج عالم میں انقلابات ہوتے رہتے ہیں۔ سدا کسی کی یکساں نہیں رہتی۔ چرخ نیلوفری کی ایک گردش سے کچھ سے کچھ ہو جاتا ہے۔ ہم کو چاہیئے کہ اپنی ہمت بلند رکھیں اور اپنے ارادہ میں استقلال پیدا کریں۔ خود اپنی ہی نظروں میں حقیر ہونا کمال بزدلی ہے۔ خداوند عالم ہم میں بلند حوصلگی اور وسیع نظری عطا کرے تو وہ دن دور نہ ہوگا جب ہمارا ملک دوسروں کا پھر مسجود ہو جائے گا اور ہم پھر اسی ہندوستان میں ہوں گے جس کے قصوں کو سن سن کر بڑے بڑے بادشاہوں کے منہ میں پانی بھر آتا تھا۔

عورتوں کا صفحہ

ماں کی ممتا اور حب وطن

(از قلم سید ظفر حسین زیدی)

میں مسٹر سعید کے کمرے میں بیٹھا ہوا ناول دیکھ رہا تھا کہ یکایک میرے کانوں میں کسی کے رونے کی آواز آئی۔ فوراً کمرے کے باہر آیا۔ ہوا چل رہی تھی۔ گھٹا چھائی ہوئی تھی۔ اندھیرا ہو گیا تھا۔ ہری ہری گھاس لہلہا رہی تھی۔ بچے ادھر ادھر کھیل رہے تھے۔ بہت دلفریب منظر تھا۔ مگر دوسری طرف سے کسی کے رونے کی آواز کانوں تک پہنچی۔ دل بے قرار ہو گیا۔ آواز پر کان لگائے نزدیک پہنچا۔ تو معلوم ہوا کہ ایک ضعیف عورت اپنے اکلوتے لڑکے کی یاد میں رو رہی ہے اور آہستہ آہستہ ایک طرف کو جا رہی ہے۔ میں ایک گوشہ میں چھپ گیا۔ مگر اس کے دلخراش بین سے کلیجہ منہ کو آتا تھا۔ بالآخر ضبط نہ رہا۔ مصیبت زدہ اور مظلوم سمجھ کر اس کے قریب پہنچا۔ اس شعر کے مطابق

جب میں جاتا ہوں چمن میں اور بڑھ جاتا ہے رنج
گھیر لیتے ہیں عنادل مجھ کو نالاں دیکھ کر

گریہ و بکا میں اضافہ ہوا۔ میں نے تسکین دہ باتیں کیں۔ رومال سے آنسو پونچھے۔ نبض پر ہاتھ رکھا۔ کافی حرارت محسوس ہوئی۔ چند منٹ کے بعد بڑھیا بے ہوش ہو گئی۔ کوئی اس جگہ موجود نہ تھا۔ جو ضعیفہ کو اس کے گھر پہنچائے۔ میں بہت پریشان ہوا۔ مگر اتفاقاً ایک جانب سے اسکاؤٹ کی سیٹی کی آواز آئی میں نے فوراً CALLING WHISTLE کی تین چار لڑکے جمع ہو گئے۔ ہم سب نے بڑی احتیاط سے اس کو مسٹر سعید کے کمرے تک پہنچایا۔ اور چارپائی پر بڑے آرام سے لٹا دیا۔ ہوش میں لانے کی بہت کوشش کی مگر وہ ہوش میں نہ آنا تھا نہ آئی۔

جاپان کی بہادری۔ ماں کی وفاداری اور مادر وطن کے فرزندوں کی بہادری کے قصے سنتے سنتے ضعیفہ کو بھی حب وطن پیدا ہوا اپنے اکلوتے لڑکے کو فوج میں بھیجنے کا ارادہ کیا اور گورنمنٹ کا حکم اس لڑکے کے نام آیا۔ نوجوان لڑکے نے میدان شباب میں پہلا قدم رکھا تھا۔ بغیر اپنی مادر مہربان کو اطلاع دیئے ہوئے چل کھڑا ہوا۔ بڑھیا نے لوگوں سے دریافت کیا تو معلوم ہوا کہ وہ لڑائی پر چلا گیا۔ اس وقت سے یہ ستم زدہ ضعیفہ بہت پریشان اور متفکر ہر کا غم کھا رہی ہے۔ ایک پہر اور آدھا دن گزر چکا تھا۔ کچھ کھایا تھا تو طاقت گریہ قائم کرنے کے لئے۔ پانی پیا تھا تو محض آنسوؤں کے اضافہ کے لئے۔ بیٹھی تھی تو نور نظر کے ہجر میں آنسو بہلانے کے لئے۔ اب گھر سے قدم نکالا تو کھوئے ہوئے کی تلاش میں

سردی کا موسم۔ ایک گاڑھے کی قمیض، چھینٹ کا پائجامہ۔ اور ہلکا دوپٹہ کہاں تک غریب کو سرد ہوا سے محفوظ رکھے۔ آخر وہ ٹھٹھر کر گر ہی پڑی۔ ہائے بیٹا۔ میں نہ جانتی تھی کہ تم مجھ کو یوں بے کس تنہا چھوڑ کر چلے جاؤ گے

اے بیٹا! یہ کیا ستم ہے کہ وہی میں ہوں وہی تم مگر نہ وہ بھری گود ہے نہ بھولی بھولی باتیں۔

اس کے دلخراش بین سے کلیجہ منہ کو آتا تھا ہم میں سے ایک نے پوچھا۔ کیوں مائی کیا ہے؟ کیوں روتی ہو؟ دوسرے نے کہا ضعیفہ اب نہ رو۔ مگر کچھ جواب نہ ملا۔ ہاں اس کے دونوں ہاتھ سعید کے گلے میں جو کہ اس کے سرہانے بیٹھا ہوا تھا پڑ گئے اور اپنا بیٹا سمجھ کر کہنے لگی کہ بیٹا کہاں چلے گئے تھے۔ میں تو تمہاری یاد میں تھی۔ اچھا ہوا کہ تم آگئے۔ نہیں میں خود آتی۔ اب گھر چلو اور کھانا کھا کر آرام کرو۔ ہم لوگوں نے پتہ لگا کر اس کے گھر پہنچایا اور ڈاکٹر کو بلایا۔ اس نے نبض دیکھی تو بخار تھا۔ ڈاکٹر نے کہا۔ سردی لگ گئی ہے۔ اس کے دماغ کو صدمہ سخت پہنچا۔ حالت نازک ہے۔ شام کو ڈاکٹر نے دوا بھیجی۔ پلائی گئی۔ کچھ ہوش ٹھیک ہوئے۔ کہنے لگی۔ میرا موہن کہاں گیا۔ جب نے کہا کہ تیرا لڑکا ابھی آ جائے گا مگر وہ بے ہوش ہو گئی۔ ہم لوگوں نے فوراً پتہ لگایا۔ کہ اس کا لڑکا کس دستہ میں ہے اور اس کا نمبر کیا ہے۔ اور اس وقت کہاں پر ہوگا۔ یہ معلوم کر کے ہم نے فوراً مسٹر سعید کو ڈاکخانہ بھیجا اور ایک ضروری تار اس کے لڑکے کے نام جاپان دیا اور آنے کا انتظار کرنے لگے۔ بڑھیا کی بہت بری حالت تھی۔ کوئی امید حیات باقی نہ رہی تھی ضعف کا اس قدر غلبہ ہوا کہ بیچاری آنکھ کھولنے سے مجبور ہو گئی۔ سانس اکھڑ چلی تھی مگر موہن کا نام لب پر تھا عین اسی وقت لڑکے نے گھر میں قدم رکھا اور دروازے ہی سے یہ کہتا ہوا بڑھا۔ اماں اماں میں آ گیا تمہیں اپنی سانس لیکر لگا۔ بڑھیا نے آنکھیں کھول دیں سنبھالا لیا۔ ایک نظر بھر کر بیٹے کو دیکھا اور بڑے جوش سے زار میں کہا۔ بیٹا اب مادر وطن کو میری جگہ سمجھنا۔ بھارت ماتا ہی اب تمہاری ماں ہے۔ آخری مرتبہ آ گلے لگ جا۔ اے ماں۔ وطن یاد رکھنا۔ میں آنکھیں بند کرتی ہوں مگر اپنی آنکھوں کے نور کو تیری خدمت کے لئے چھوڑے جاتی ہوں۔

ہفتہ کی اہم مختصر خبریں

لنڈن: ۲۰ جنوری۔ آج ۱۱ بجکر ۵۵ منٹ شب سینڈرنگھم محل میں بادشاہ جارج پنجم انتقال فرما گئے۔ چند لمحوں میں یہ وحشتناک خبر دنیا کے تمام حصوں میں پہنچ گئی۔ سلطنت کے گوشہ گوشہ سے اور دیگر ملکوں سے بھی تعزیت کے پیغامات موصول ہونے لگے بادشاہ نے مرنے سے قبل ہی ملکہ معظمہ، شہزادہ ویلز اور ان کے بھائیوں پر مشتمل ایک کونسل آف سٹیٹ مقرر کر دی تھی جسے اپنے تمام اختیارات منتقل کر دیئے تھے۔ اب پرنس آف ویلز بادشاہ کے جانشین مقرر ہوئے ہیں۔

نمائندہ پریس سے انٹرویو کے دوران میں بابو راجندر پرشاد صدر انڈین نیشنل کانگریس نے فرمایا کہ

"بادشاہ سلطنت برطانیہ کا ایک نمایاں نشان ہے اور مرکز زبردست اختلافات کو ایک اتحاد کی صورت میں پیش کرتا ہے۔ شاہ جارج نے بہ حیثیت ایک آئینی بادشاہ اپنے فرائض کو کامیابی کے ساتھ پورا کیا۔ لیکن اپنے ذاتی رسوخ سے بھی انہوں نے اپنے فرض کا ایک بڑا حصہ ادا کیا۔ ہندوستان میں ان کی تاجپوشی کو اس واقعہ کے ساتھ یاد کیا جائیگا کہ انہوں نے تقسیم بنگال کے اس مسئلہ کو جس کو لارڈ کرزن وائسرائے ہند یہ کہہ چکے تھے کہ یہ طے شدہ ہے عوام کی مرضی کے مطابق غیر طے شدہ کر کے دکھلا دیا۔ اور عوام میں جو زبردست بے اطمینانی پھیلی ہوئی تھی اس کو دور کر دیا۔ ان کی وفات سے ایک ایسا شاہ اٹھ گیا ہے جن کو اپنی رعایا کی بہبودی میں دلچسپی تھی۔ اور ان کی وفات پر تمام سلطنت میں ماتم منایا جائے گا۔"

پریوی کونسل کی میٹنگ میں بادشاہ ایڈورڈ ہشتم نے مندرجہ ذیل اعلان کیا۔

"میں ایڈورڈ البرٹ کرسچن جارج اینڈریو پیٹرک ڈیوڈ خدا کو حاضر ناظر جان کر میں ایک سچے پروٹسٹنٹ کی حیثیت سے اعلان کرتا ہوں کہ میں ان قوانین کے بنانے والوں کی نیت کے مطابق جن کے ذریعہ یہ ضروری قرار دیا گیا ہے کہ پروٹسٹنٹ ہی تخت نشین ہو سکے گا۔ ان قوانین کے مطابق پابندی اور حفاظت کروں گا۔"

سر شادی لال کو پریوی کونسل کے اجلاس میں شرکت کے لئے طلب کیا گیا۔ جس سے ایڈورڈ ہشتم کے بادشاہ ہونے کا اعلان کیا۔

مہاتما گاندھی احمد آباد پہنچ گئے۔ مہاتما جی گو ابھی تک کمزور ہیں لیکن خوش و خرم تھے۔ تیسرے درجہ کے ڈبے سے اترنے پر چند مخصوص اصحاب نے ان کا خیر مقدم کیا۔

فرانسیسی کیبنٹ نے استعفیٰ پیش کر دیا ہے۔

نسیم پاشا کی کیبنٹ مستعفی ہو گئی ہے۔ اس کی جگہ متحدہ گورنمنٹ قائم ہو گئی ہے جو معاہدہ کرنے سے پہلے نزاعی تصفیہ کے بارے میں گفت و شنید کرے گی۔

گورنر جنرل بہ اجلاس کونسل نے مسٹر اے۔ لقائی ممبر اسمبلی کو جو بنگال سے کانگریس کے ٹکٹ پر منتخب ہو کر آئے تھے انتخابی قاعدے کے ماتحت پانچ سال کے لئے اسمبلی کے انتخاب میں شریک ہونے کے نااہل بنا دیا ہے۔

لیگ نے ۱۳ نمائندوں پر مشتمل جو کمیٹی مقرر کی تھی اس نے سفارش کی ہے کہ بین الاقوامی ماہروں کی ایک کمیٹی مقرر کی جائے جو اٹلی کو جانے والے تیل پر پابندی لگانے کے متعلق غور کرے۔

غیر سرکاری طور پر اندازہ لگایا گیا ہے کہ حبش میں جبریہ بھرتی کے متعلق جو نیا فرمان جاری ہوا ہے اس کا تین لاکھ سے زیادہ آدمیوں پر اثر پڑے گا۔ یہ حکم محل میں ہزاروں اشخاص کے روبرو پڑھا گیا جس میں وزرا بھی شامل تھے۔

وزیر اعظم حکومت برطانیہ مسٹر بالڈون نے دار العوام میں اپنی تقریر کے دوران میں فرمایا کہ شہنشاہ کی تاجپوشی مناسب شان و شوکت کے ساتھ ویسٹ منسٹر ایبے میں آئندہ سال کی جائے گی۔

موسیو سارٹ نے نئی کیبنٹ قائم کر لی ہے جس کے مندرجہ ذیل ممبر مقرر ہوئے ہیں۔

وزیر اعظم موسیو سارٹ۔ وزیر خارجہ موسیو فلاں ڈین۔ وزیر مالیات موسیو رنیر۔ وزیر جنگ موسیو پال مانکور۔ امیر البحر موسیو پیٹری۔

پانچ پانچ سکھوں کے تین جتھوں نے ڈیرہ صاحب کے باہر ستیہ گرہ کیا۔ پولیس نے ان کو گرفتار کر لیا۔ اور سرسری سماعت کے بعد ان سب کو ایک ایک روز کی سزا دی گئی اور جیل بھیجا گیا۔

شاہ بلغاریہ بھی شہنشاہ جارج پنجم کی نماز جنازہ میں شریک ہوں گے۔ اس طرح شاہ ایڈورڈ ہشتم کے علاوہ پانچ بادشاہ نماز جنازہ ادا کریں گے۔

فلمستان

(از جناب اے۔ آر۔ رشدی۔ بھوپال)

(خاص تیج ویکلی کے لئے)

آج کل سینما نے جس قدر ترقی کرلی ہے وہ محتاج بیان نہیں۔ اب سے بارہ پانچ سال پہلے خاموش فلم رائج تھے۔ لیکن جب سے اس نے ناطق صورت اختیار کی ہے اس وقت سے ہر شخص اس کا دلدادہ اور شیدا بن گیا ہے۔ اس دور میں سینما دیکھنے والوں میں زیادہ تعداد طلباء کی ہوتی ہے۔ اگر طلباء اچھے اور مفید مباحث کے فلم دیکھیں تو یقیناً ان کا سینما دیکھنا مفید ثابت ہوسکتا ہے۔ ہمارے ملک کے فلم ساز بھی اس جانب اپنی توجہ مبذول کریں اور تعلیمی فلم تیار کریں جس سے طلباء کو زیادہ سے زیادہ استفادہ کا موقع ملے۔ ان فلموں میں تاریخ کے بہترین اوراق بہادروں اور جوانمردوں کے کارنامے، صنعت و حرفت کی ترقی اور جغرافیہ اور دوسرے پیچیدہ مسائل بتلائے جائیں اور یہ ایک مانی ہوئی بات ہے کہ تاریخ اور جغرافیہ کی ضخیم کتابیں جن کو طلباء جاننے کے لئے دن رات رٹا کرتے ہیں اور اچھی طرح ذہن سے اتر جاتی ہیں اگر انہیں واقعات کو پردہ سیمیں پر دکھایا جائے تو طالب علم کے ذہن میں اچھی طرح جم جائیں گے۔ ہر بات کا خاکہ اس کے ذہن میں نقش ہو جائے گا۔ سینما کی ایجاد کا اصول یہی ہے کہ جب ہم کسی شے کو دیکھتے ہیں تو اس کی شعاعیں اس چیز سے نکل کر ہماری آنکھوں میں آتی ہیں۔ اور اس سے اس کا خیال ہمارے دماغ میں آ جاتا ہے۔ سائنس کے اصول کے مطابق ہر چیز سے روشنی کی کرنیں نکلا کرتی ہیں

لیکن واضح رہے کہ جتنی تیز شعاعیں ہوں گی اسی طرح اس شے کا خیال زیادہ عرصہ تک قائم رہیگا۔ اسی طرح جب ہم فلم دیکھتے ہیں تو اس سے شعاعیں خارج ہوکر ہمارے لوح دماغ پر پڑتی ہیں اور فلم میں ہم جو چیز دیکھتے ہیں اس کا خیال مرتسم ہو جاتا ہے۔

اسی طرح جغرافیہ کے دو مناظر جنہیں طلباء پڑھتے وقت محض خیالی تصویر کھینچتے ہیں اگر وہی پردہ سینما پر دکھلائے جائیں تو بہت سودمند ثابت ہوسکتے ہیں خوفناک جنگل، لق و دق صحرا، عالیشان پہاڑ، ابلتے چشمے، پرستانی چوٹیاں اور دیگر تاریخی مقامات جنہیں طلباء زرکثیر صرف کرکے دیکھ سکتے ہیں اگر سینما ہی میں دکھلائے جائیں تو بہت مفید ثابت ہوگا۔ ہندوستان تو ابھی ان باتوں میں بہت پیچھے ہے مگر دوسرے یورپین ممالک اس میدان فلمستان میں بہت آگے قدم بڑھا چکے ہیں اور ان ملکوں نے اس غرض کو سمجھ لیا ہے۔ اور وہ اس سے مفید اور دلچسپ نتائج برآمد کر رہے ہیں۔ وہاں فلموں کے ذریعہ بھی تعلیم دی جاتی ہے۔ جس سے طالب علم کو بہت فائدہ پہنچتا ہے۔ اور زندگی میں ایک نئی روح پیدا ہو جاتی ہے۔ فلم کے ذریعہ دیکھے ہوئے سبق طلباء کو نہایت اچھی طرح سے ذہن نشین ہوتے ہیں۔ لیکن افسوس ہے کہ ہندوستان کے فلم ساز ایسا مسرت فلم نہیں بناتے جس سے ملک و قوم کو فائدہ پہنچے۔ حالانکہ سینکڑوں بے معنی فلمیں بن رہی ہیں جس سے اخلاق پست ہوتا چلا جا رہا ہے لیکن پھر بھی اس قسم کی تعلیمی فلمیں تیار نہیں کی جاتیں اگر تعلیمی فلمیں مارکیٹ میں آ جائیں تو پھر دیکھئے کہ ان کو کس قدر مقبولیت حاصل ہوتی ہے۔ فلم سازوں کو بھی اس سے مالی منفعت حاصل ہوسکتی ہے۔

محکمہ تعلیم کو بھی اس مفید اور کارآمد تجویز پر غور کرنا چاہئے۔ اگر ہوسکے تو تعلیمی فلمیں تیار کرائی جائیں۔ اس طریقہ سے طلباء مخرب اخلاق فلموں کے دیکھنے سے بھی بچیں گے اور اپنی زیادہ تر توجہ تعلیمی فلموں کی طرف منعطف کریں گے۔

فلمی ترکھتی بی-اے

پربھات فلم کمپنی کے کھیل امرت منتھن میں

رتن بائی

ساگر کنیا کا ایک سین

راجے پکچرس کا مشہور ویلن د ے ماد رہا ہے

رتی بائی کولہاپور سینیٹون کے فلم "دیکارن" میں

Regd. I. No. 1517.

مس نادیا

واڈیا مووی ٹون کے مشہور کھیل "فرنٹیئر میل" میں

Printed and Published by Dharampal Gupta at the TEJ Press, Burn Bastion Road, Delhi.

ایڈیٹر: دھرمپال گپتا NO. 34. DELHI 4TH FEB. 1936. · V. NO. 14. ڈائرکٹر: لالہ دیش بندھو
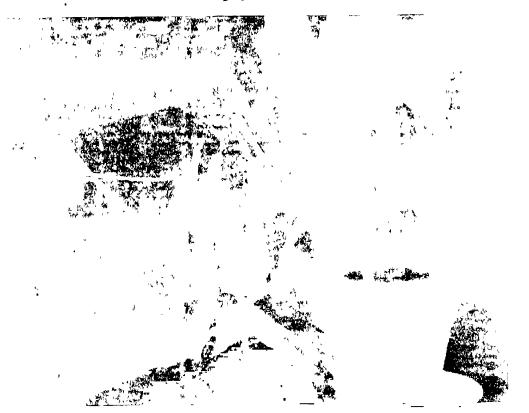
گھریلو صنعت

گھریلو صنعتوں کو ترقی دینا ایک بہت بڑی قومی خدمت ہے

ہفتہ کی مشہور شخصیتیں

مہاتما گاندھی
آپ اس ماہ دہلی آنے والے ہیں

پنڈت جواہرلال نہرو
جو اتفاق رائے سے لکھنؤ کانگریس کے صدر منتخب ہوگئے ہیں

مسٹر بھولا بھائی ڈیسائی ڈاکٹر انصاری
پارلیمینٹری بورڈ کی نئی ترتیب کے متعلق ان دونوں اصحاب میں گفتگو ہوئی

مس صوفیا سومجی
جن کی شادی ڈاکٹر خان صاحب کے صاحبزادے مسٹر عبداللہ خان سے ۲۶ جنوری کو ہوئی

مہارانی بروڈہ
ہندوستانی دیویوں کی بین الاقوامی کونسل کی مشترکہ کانفرنس کی صدر

ملکہ معظمہ میری
جنہوں نے تعزیتی پیغامات کا شکریہ ادا کیا

سیٹھ گوبند داس
آپ نے پریاگ مہلا ودیاپیٹھ کا صدارتی ایڈریس پڑھا

سردار پٹیل
آپ نے گجرات کسان کانفرنس کی صدارت کی

سنیور مسولینی
آپ نے مصر کو ایک نوٹس دیا ہے کہ تعزیری پابندیوں کا تاوان دینا ہوگا
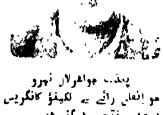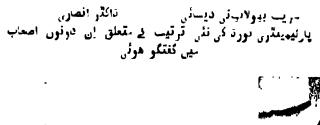
ہر ہٹلر
جنہوں نے ایک تقریر میں سفید قوموں کو حکومت کرنے اور تہذیب سکھانے کا خدائی حق کا ذکر کیا

بڑے بڑے بادشاہ جس نعمت سے محروم تھے اُس کا لطف اُٹھائیے
گھر بیٹھے دُنیا بھر کی محفلوں میں شرکت۔ سائنس کا حیرت انگیز کرشمہ
فلکو ریڈیو مشین
JUST ARRIVED!
the NEW 1936
PHILCO
فلکو ریڈیو
فلکو نمبر ۶۳۱
ڈی۔ سی کرنٹ
فلکو نمبر ۶۱۱
زمانہ گذشتہ میں بڑے بڑے بادشاہ دُنیا بھر کی دولت جن کے قدموں پر لوٹتی پھرتی تھی۔ اس نعمت سے محروم تھے، آپ کی خوش قسمتی ہے، کہ سائنس کی ایک حیرت انگیز ایجاد نے آج وہ آپکو معمولی قیمت پر مہیا کردی ہے چنانچہ آپ چاہیں تو اپنے گھر میں فلکو ریڈیو کا ایک آلہ لگا کر محض بجلی کے ایک بٹن کی جنبش سے ساری دنیا کے مختلف ملکوں کے بہترین سنگیت اور ناچ کا لطف اُٹھا سکتے ہیں فلکو ریڈیو لگا لینے کے بعد آپ یہ محسوس کرنے لگیں گے۔ کہ دُنیا بھر کے بہترین گوّیے اور ماہران رقص آپ کی تفریح طبع کے لئے ہر دم حاضر رہتے ہیں۔ اور اشارہ پاتے ہی آپ کے گھر میں بزم طرب گرم کر دیتے ہیں۔ یہی نہیں اس حیرت انگیز ایجاد کی بدولت آپ تازہ ترین تجارتی اور دیگر خبریں اور اچھے اچھے لکچر بھی سن سکتے ہیں۔
اب نہ آپ کو ہارمونیم اور گراموفون کی ضرورت اور نہ سینما و تھیٹر پر روپیہ خرچ کرنے کی حاجت ساری نعمتیں آپ کو گھر بیٹھے ہی میسر ہو سکتی ہیں۔
تجربہ مفت۔ دیکھئے اور سُنئے
آج ہی نیچے لکھے پتہ پر چٹھی لکھکر یا ٹیلیفون کر کے وقت مقرر کیجئے، ہمارا نمائندہ آپ کے گھر یا دفتر میں آکر فلکو ریڈیو لگا کر سنا دیگا!
ایسٹرن ریڈیو اینڈ جنرل سپلائی کمپنی کناٹ پلیس نیو دہلی
ڈی۔ سی اور اے۔ سی دونوں کرنٹ پر کام کرتا ہے
ٹیلیفون نمبر ۳۱۴۳
پوسٹ بکس نمبر ۱۵
نوٹ:۔ ہمارے ہاں مقامی پروگرام سننے کے لئے سستے سیٹ بھی ہیں۔ تشریف لاکر ملاحظہ فرمائیے،
ایجنٹس
میسرز روی ورما سٹیل ورکس انبالہ کینٹ
مسٹر ایس۔ ایم سریواستو ریڈیو اینڈ مکینیکل انجینیر مصورتی
میسرز نرائن ریڈیو کمپنی حضرت گنج لکھنؤ
میسرز ورلڈ ریڈیو سروس ڈیرہ دون (یو۔پی)
مسٹر ایچ۔ ہوٹز الیکٹریکل اینڈ مکینیکل انجینیر آگرہ
ال فیلڈ گیرج سول لائین جھانسی
کشمیر ریڈیو کمپنی سری نگر کشمیر

بسنت کی رُت

(از حضرت جوش ملیح آبادی)

(خاص تیج دہلی کے لئے)

ساقی! ساغر اُٹھا خدایا
سرسوں پھولی، بسنت آیا

سردی، گرمی سے مِل رہی ہے
سینوں میں کلی سی کھل رہی ہے

بھر کر قدحِ شراب رکھ دے
آ، بزم میں آفتاب رکھ دے

خونِ موسم میں ہے روانی
برسا دے شرابِ ارغوانی

پیاسے ہیں بہت ترے شرابی
ہاں طاق سے جلد اُٹھا گلابی

سردی کے مزاج میں ہے نرمی
نرمی میں ہے دِلبرانہ گرمی

تسکین کے بیج بو رہی ہے
موسم کو ہوا سمو رہی ہے

جس لطف سے مِل رہے ہیں موسم
مِل جائیں خدا کرے یونہیں ہم

آ، لطف کے وہ نکال پہلو
مسلم باقی رہے، نہ ہندو

مِل جُل کے فسانہ خوانیاں ہوں
ہر سانس میں نوجوانیاں ہوں

ہندوستان میں بالغوں میں تعلیم و تربیت کی تحریک!

انگلستان کی "جمعیت تعلیم بالغان" کی اپیل اصلاح معاشرت کے لئے

(از قلم مسٹر ارنسٹ چیمپ سن رکن "ایڈلٹ سکول یونین" انگلستان)

MR. ERNEST CHAMPNESS, ADULT SCHOOL UNION.

.....(ترجمہ:۔ از مسٹر ظفر قریشی بی۔اے).....

(یہ مضمون ہندوستان میں پہلی مرتبہ صرف "پیغام ویکلی" میں شائع کرنے کے لئے براہ راست حاصل کیا گیا۔)

"ADULT SCHOOL" (مدارس تعلیم بالغان) کے نام سے ایک تحریک انگلستان کی ایک وسیع انجمن نے شروع کی ہے جس میں مسٹر گرین پیٹرس ایم اے۔ مسٹر اے فریک وارڈ جارج پیویٹ وغیرہ مشاہیر شامل ہیں۔ اس کی یونین قائم ہے جس کے مقاصد یہ ہیں:۔

۱۔ بالغوں میں نوشت و خواند اور عمومی تعلیم و تربیت کی ترقی اور پرچار۔

۲۔ شہروں اور دیہات میں رہنے والی عام مخلوق کے فائدے کی تحریکیں اصلاح معاشرت کی تدبیریں اور فلاح و بہبود کے وسائل اختیار کرنا اور مخلوق میں ان کا پروپگنڈا۔

۳۔ بین الاقوامی محبت۔ امن اور اخوت کے لئے کوشش کرنا۔

۴۔ ان مقاصد کے لئے کام کرنے والی دیگر جماعتوں اور اداروں سے تعاون۔

اس کام کے لئے انگلستان میں بہت سی مجلسیں بنی ہوئی ہیں جن کے ماتحت بالغوں کی تعلیم و تربیت کے سینکڑوں ادارے کام کر رہے ہیں اور یہ یونین ہندوستان میں بھی اس تحریک کو شروع کرنا چاہتی ہے اور اس سلسلہ میں یہاں کے اہل الرائے اور ماہرین تعلیم سے خط و کتابت کر رہی ہے۔

میرے پاس اس یونین کے ایک رکن مسٹر ارنسٹ چیمپ سن کا ایک مضمون گذشتہ ہفتہ موصول ہوا ہے جسے یہاں پیش کیا جاتا ہے۔ جن لوگوں کو اس تحریک سے دلچسپی ہو اس سلسلہ میں کوئی امداد کرنا چاہیں یا مزید معلومات حاصل کرنا چاہیں تو وہ میری معرفت سلسلہ تعارف حاصل کر سکتے ہیں۔ امید ہے ماہران تعلیم غور کریں گے۔

ظفر قریشی بی۔اے

"تحریک تعلیم بالغان" ADULT SCHOOL MOVEMENT "جمعیت احباب" SOCIETY OF FRIENDS کی ایک نہایت مفید و کارآمد تحریک ہے جس نے دنیا کی مختلف اقوام و افراد کے درمیان بین الاقوامی مفاہمت و دوستانہ ہم آہنگی پیدا کرنے میں بڑی مدد دی ہے۔ اس جمعیت کا مقصد یہ ہے کہ انسانوں میں بلا امتیاز زبان۔ رنگ و نسل و مذہب یکجہتی۔ محبت اور مفاہمت و ہم آہنگی پیدا کی جائے اور اس بندری کا اعتقاد صرف روحانی ترقی پر ہو اور روح کو ہی انسان کی تسلیم زندگی کا مرجع بنایا جائے جب تک اس اصول و اعتقاد کو کسی خاص عملی درجہ میں نہ لایا جائے اور اس کے ذریعہ خدمت انسان کا کام نہ لیا جائے۔ اس وقت تک اس اعتقاد کی کوئی اصل اور بنیاد تسلیم نہیں کی جا سکتی۔

مسائل ہند سے دلچسپی رکھنے والے احباب اس بات سے واقف ہیں کہ اہل ہند اور اہل فرنگ کے درمیان کس قدر اختلافات ہیں اور ان کا نزاع کیا صورت اختیار کر چکا ہے لیکن ہمیں یہاں اس کی وجوہ اور اسباب سے بحث کرنے کی ضرورت نہیں ہے۔ سوچنا صرف اس قدر ہے کہ ان اختلافات کو کس حد تک دور کیا جا سکتا ہے اور اہل ہند و اہل فرنگ کے مابین تمدنی و ذہنی یکجہتی اور باہمی محبت و مفاہمت کا کام کس حد تک دونوں کی فلاح کے لئے کیا جا سکتا ہے۔ اگر جزائر برطانیہ سے کوئی ایسی تحریک شروع کی جائے جس کا مقصد اہل ہند کی تعلیمی و تمدنی اور معاشرتی اصلاح و فلاح ہو تو کیا اہل ہند و اہل فرنگ کے درمیان یہ خدمت وجہ اتفاق و محبت اور تفہیم باہمی ہو سکتی ہے یا نہیں؟

"تعلیم بالغان" ہماری جماعت کا ایک

(باقی مضمون اگلے صفحہ پر)

(پچھلے صفحے کا بقایا مضمون)

مقصد ہے اور ہم دیکھتے ہیں کہ انگلستان کی طرح ہندوستان میں بھی اس تحریک کو شروع کیا جائے بالغوں میں تعلیم پھیلانے اور ہندوستان کی داخلی حالت کے سدھار کے لئے کیا ہم اہل ہند کے تعاون کے ساتھ کوئی کام کر سکتے ہیں یا نہیں۔ یہ ہے اصل سوال جو اس مضمون کا محرک ہوا۔

یہ تحریک ہر قسم کے سیاسی اثر اور حکومت کے استعمال و مفاد و تعلق سے یکسر آزاد ہوگی اور ضرورت ہے کہ اسی بنیاد پر ہندوستان کے کلچر کا مطالعہ کیا جائے اور اس کی خوبیوں اور محاسن تمدنی کا لحاظ رکھ کر اہل فرنگ کو ہندوستان کی فوقیت سے آگاہ کیا جائے اور جو باتیں اہل ہند ہم سے سیکھ سکتے ہیں ہم انہیں سکھائیں جب تک باہمی تفہیم اور ربط کا یہ سلسلہ شروع نہ ہوگا آپس میں کسی گہرے ربط و مودت کا پیدا ہونا دشوار ہے تعلیم ایک ایسا متحدہ مقصد ہے جس کے ذریعہ ہم دونوں اقوام کی خوبیوں کو ایک دوسرے کے سامنے لاکر یکجہتی اور مودت پیدا کر سکتے ہیں۔ ہم اہل ہند سے یہ سوال کرتے ہیں کہ کیا ہم ان کے تمدن کا مطالعہ کرکے اور ان کے درمیان تعلیم و اصلاح کا کام کرکے کوئی مفید نتیجہ پیدا کر سکیں گے یا نہیں؟

یہ سمجھنا کہ اس تحریک کا اہل ہند کی طرف سے کیا جواب دیا جائے گا بہت دشوار ہے۔ ضرورت ہے کہ جب تک عملی طور پر یہ کام شروع نہ ہو جائے اس وقت تک کوئی جواب اپنی طرف سے نہ دیں۔

قومی جمعیۃ تعلیم بالغان نے اس باب میں اہل ہند و اہل فرنگ سے کافی خط و کتابت کی ہے نیز ملاقاتوں میں بھی اس کی بابت اہل الرائے سے مشورہ کیا ہے اور اس بات پر ہم غور کر رہے ہیں کہ اگر انگلستان کی طرح ہندوستان میں بھی اس "یونین" اور دیگر اصلاحی جماعتوں کی طرف سے کوئی تحریک بالغوں کی تعلیم و تربیت کے لئے شروع کی گئی تو اس کی یہ خدمت بین الاقوامی حیثیت سے انسانیت کے لئے باعث فلاح ثابت ہوگی یا نہیں؟

ابھی یہ امر بحث طلب ہے کہ تعلیم بالغان کو کس اصول کے ماتحت شروع کیا جائے اس کو کیا شکل دی جائے اور ہندوستان کے حالات کے پیش نظر اس کو کن کن درجوں میں رکھا جائے یہ ایسے سوالات ہیں جن کی بحث ہم اہل ہند پر چھوڑتے ہیں کیونکہ اس کا فیصلہ جب ہی ہو سکتا ہے کہ ہندوستان کے مختلف حصص کے لوگ اپنی اپنی ضرورتوں کا لحاظ رکھ کر بالغوں کی تعلیم و تربیت کا انتظامی پروگرام شروع کریں۔ یہاں صرف اس تحریک کے جاری کرنے اور اس کے لئے ابتدائی مراحل

طے کرنے کی گفتگو مد نظر ہے۔ اس سلسلہ میں ہماری "یونین" کی جانب سے ہندوستان کے اکثر ماہران تعلیم و اہل آرائے اصحاب کو ایک عارضی سکیم بھیجی گئی ہے یہ سکیم حسب ضرورت اصلاح اور قطع و برید کی منزلوں سے گزرے گی لیکن سردست ہم کام شروع کرنے کے لئے جس سکیم کو بحث و نظر کے لئے اہل ہند کے سامنے پیش کرتے ہیں وہ حسب ذیل ہے:

(۱) مجلس تعلیم بالغان ہندوستان کے اکثر شہروں میں بالخصوص ایسے مقامات پر جہاں کوئی کالج بھی ہو قائم کی جائے گی اس مجلس کے دو کام ہونگے

(الف) طلبہ میں بالخصوص اور دیگر لوگوں میں بالعموم یہ جذبہ پیدا کیا جائے گا کہ وہ بالغوں کی تعلیم و تربیت کے لئے کوشش کریں۔ اور بالغوں میں تعلیمی اصلاح و تربیت اور دیگر فلاح و بہبود کے کام شروع کریں۔

(ب) اس مجلس کا کام یہ بھی ہوگا کہ وہ اس امر کا مطالعہ و مشاہدہ کرے کہ مندرجہ بالا مقصد کو کامیاب بنانے کے لئے ہندوستان کے شہروں قصبوں اور دیہات میں تعلیم اور اصلاح معاشرت کے کام پھیلانے کے لئے کیا سہل و عملی ذرائع ہیں۔

اس کام میں امداد دینے کے لئے یہ تجویز کی جا رہی ہے کہ ایک کتاب اس تحریک کے اصول اور طریقہ کار کی بابت انگریزی زبان میں ہندوستان کے لئے شائع کی جائے اور اس "ہینڈ بک" کو تحریک بالغان کا آرگن سمجھا جائے۔

(۲) مجلس تعلیم بالغان کے مشاہدہ و مطالعہ میں آنے والے امور کو لوگوں میں پھیلانے۔ تربیت دینے اور علم و عمل کا چرچا پیدا کرنے کے لئے "مدارس عامہ" کھولے جائیں۔ بالخصوص دیہاتی آبادی۔ پس ماندہ آبادی، کم حیثیت آبادی اور کارخانوں وغیرہ میں کام کرنے والی مخلوق جسے اپنی ذہنی و عملی قوتوں کے بیدار

کرنے کی بہت ضرورت ہے اصل مضامین ہر دو "یونین کی جانب سے" ہینڈ بک" شائع

کیا جائے گا اس کی ترتیب شروع کر دی گئی ہے۔ اس کتاب میں دیگر مضامین و امور کے علاوہ بالغوں کی تعلیم و تربیت کے ماہروں کے قلم سے مختلف امور و موضوعات پر سبق بھی درج کئے جائیں گے چنانچہ تادم تحریر (۲۱) مشہور اہل قلم مردوں اور عورتوں نے ہندوستان کی اس "ہینڈ بک" میں تحریری امداد دینے کا وعدہ کر لیا ہے۔

یہ اہل قلم ایسے ہیں جنہیں اپنے اپنے علم اور مضمون پر پورا تجربہ اور گہرا مطالعہ ہے۔ جیسا کہ تجویز کیا گیا ہے۔ اسباق و مضامین اس طرح منقسم ہوں گے:۔

ہندوستان کی تعلیم صحت رسم و رواج اور قومی تمدن کے مباحث۔

مجلسی اصلاح کے کام

تعلیم بالغان کیا ہے؟ اس کے پھیلانے کے مختلف طریقے اور کام کی صورتیں۔

جمعیۃ الاقوام اور معاملات ہند وغیرہ وغیرہ۔

اس کے علاوہ ہندوستانی "ہینڈ بک" میں دو تین ابواب اس قسم کے ہوں گے کہ جس میں ہر دو ممالک کی مشہور ہستیوں اور اہل قلم اور اہل دماغ حضرات کا تعارف ہوگا۔ ان ابواب کا نام "رہنمایان ملک و مفکرین قوم" ہمارا خیال ہے کہ اس باب کے ماتحت ہر دو ممالک کے بزرگوں۔ مذہبی و اخلاقی و تمدنی رہنماؤں اور مفکرین و مصلحین قوم کے حالات پیش کئے جائیں گے خواہ وہ کسی طبقہ سے ہوں۔ مرد ہوں یا عورت۔ لیکن انہوں نے کسی نہ کسی طرح انسانوں کی کوئی مفید خدمت کی ہو اس

تحقیق سے ہمیں ایک دوسرے کے بزرگوں کے حالات معلوم کرنے اور ایک دوسرے کی خوبیاں سمجھنے کا موقعہ ملے گا۔ خیال ہے کہ اس طرح ہندوستان میں تحریک تعلیم بالغان کامیاب ہوگی اور صرف الٰہی کے جذبہ کے ماتحت انسانوں کو ایک دوسرے کے لئے خدمت کرنے اور ایک دوسرے سے محبت کرنے کی توفیق ہوگی۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ ہندوستان کے کئی مقامات پر تعلیم و تربیت بالغان کا کام ہو رہا ہے لیکن ابھی تک اس کو کسی متحدہ مرکز پر نہیں لایا گیا ہے۔

"ایڈلٹ اسکول یونین انگلستان" کا مقصد یہ ہوگا کہ اس قسم کی تمام جماعتوں کو اپنے ساتھ ملا کر کام کرے اور حتی الامکان ان کے ساتھ تعاون کرے۔ بہت سے ہندوستانی اصحاب ہماری "یونین" کی پیش کردہ تحریک و تجویز سے متفق ہیں اور سمجھتے ہیں کہ تعلیم بالغان کا کام جو اس وقت منتشر حالت میں ہو رہا ہے یکجا ہونا چاہئے تاکہ سب کوششیں اور محنتیں ایک متحدہ نظام اور ضابطہ کے ماتحت کام کر سکیں۔ لیکن اس کام کو ہندوستان میں ابھی تک وسعت حاصل نہیں ہوئی ہے۔ جہاں تک میرا خیال ہے ابھی تک صوبہ بمبئی کے باہر یہ کام جاری نہیں ہوا ہے۔

مجھے اس سلسلہ میں جن لوگوں سے گفتگو اور تبادلہ خیال کا موقع ملا ہے وہ بہت ہمت افزا ہے۔

آجکل زندگی ویسے ہی کٹھن اور الجھی ہوئی ہے کام اور اس پر اعتراض کرنے اور مذاق اڑانے والے لوگ علیحدہ پریشان کرتے ہیں لیکن اگر مخلصانہ جد و جہد کی جائے تو تمام مشکلات دور کی جا سکتی ہیں۔

مجھے اس باب میں ہندوستانی اور انگریز سرکاری اور غیر سرکاری طبقوں اور افراد کی جانب سے جو امداد اور ہمت افزائی ملی ہے اس سے میں مسرور و مطمئن ہوں کہ اہل ہند کی بہبودی کے لئے ہم نے جو وسائل پیش کئے ہیں وہ یقیناً اہل بصیرت کے لئے کشش کا

آئینۂ سال

مؤرخہ ۴ فروری ۱۹۳۶ء بروز منگل

روحانی حیات یا مادی معاشرت؟

غیر ممالک اب بھی ہندوستان سے فیض طلب کرتے ہیں

آرام و آسائش کی اِن تمام سہولیات و فراوانی کے باوجود جو جدید سائنس اور نئے تمدن نے مادی دنیا کے لئے بہم پہنچایا ہے، موجودہ نظام معاشرت اور سوسائٹی کے تمام ماہرین نے اس حقیقت کو تسلیم کر لیا ہے کہ دنیا اس وقت ایک کرب و اضطراب کی گرفت میں ہے اور لوگوں کو اصلی سکون اور دل کا اطمینان نصیب نہیں ہے۔ بڑی سے بڑی دولت رکھنے والے، اور عالیشان ایوانوں کے رہنے والے بھی مطمئن نہیں ہیں اور اُن کا ضمیر اُن کو ہر وقت یہ بتاتا رہتا ہے کہ کسی نہ کسی چیز کی کمی یا تلاش یا تشنگی ہے جو انھیں بے چین کئے رہتی ہے۔ آج دنیا کی جتنی مادہ پرست قومیں سونے چاندی کی پوجا میں مشغول ہیں، اُن کو آخر کار جنگ کے دیوتا کی پرستش بھی کرنی پڑتی ہے، جنگ سے دولت اور مملکت حاصل ہوتی ہے، اور دولت و ملکیت پھر جنگ پر آمادہ کرتی ہے۔ غرض ساری دنیا اسی شیطانی دائرہ میں اسیر ہے۔ اور مادی معاشرت لوگوں کو قلبی سکون اور روحانی حیات سے دور کرتی جاتی ہے۔

انہیں حالات کو دیکھ کر مختلف ممالک میں مفکرین کی ایک ایسی جماعت پیدا ہو گئی ہے جس نے جدید تمدن کی نبض پر ہاتھ رکھ کر اس کے ہیجان، فریب اثرات کو محسوس کیا ہے اور بڑھتی ہوئی مادیت کے مقابلہ پر ایک روحانی تحریک جاری کی ہے۔ ایسی سوسائٹیاں اس وقت مغرب کے تقریباً ہر ملک میں موجود ہیں۔ مشرق میں صرف جاپان ایک ایسا ملک ہے جس نے زر پرستی اور حصول مملکت میں مغرب کی تقلید کو اپنا نصب العین بنا لیا ہے۔ اور سونے کے دیوتا اور جنگ کے دیوتا کی پرستش میں مغربی مادہ پرستوں سے بھی دو چار قدم آگے بڑھنا چاہتا ہے۔ اس لئے یہ ایک فطری نتیجہ تھا کہ اس عمل کا ردعمل پیدا ہو اور یہاں بھی روحانیت کی ایک تحریک جاری کی جائے۔ چنانچہ اس سلسلہ میں اس وقت ہمارے پیش نظر مشہور جاپانی خاتون ڈاکٹر ماسیکو کورا کا بیان ہے جنھوں نے مہاتما گاندھی کو جاپان تشریف لیجانے کی دعوت دی ہے اور اس موضوع پر شریمتی ہادی دیسائی کو انٹرویو بھی دیا ہے۔

ڈاکٹر کورا کہتی ہیں:۔ ”ہم جاپانی اب ایسی دولتمندی اور خوش حالی سے تھک گئے ہیں جو دل کے لئے ایک بارِ گراں بن گئی ہے۔ ہم بیحد مادہ پرست ہو گئے ہیں۔ اور ہمیں اپنی زندگی کا کوئی مقصد دکھائی نہیں دیتا“۔ اسی سے اندازہ کیا جاسکتا ہے کہ وہ قومیں جنھوں نے روحانی زندگی کو قطعاً خیرباد کہہ کر صرف دولت پرستی اور خود غرضی کو اپنا شیوہ بنا لیا ہے، کیسے قلبی اضطراب میں مبتلا ہیں۔ ڈاکٹر کورا کا بیان کس درجہ معنی خیز ہے کہ موجودہ جاپانی قوم جو اس وقت دنیا کی بڑی سے بڑی کامیاب اور اقبالمند قوموں کی صف اول میں ہے، اب اس خطرہ کو محسوس کر رہی ہے کہ اس نے روح اور روحانی مسرت و سکون کو بیچ کر مادہ اور مادی معاشرت کے تمام تباہ کن اثرات کو خرید لیا ہے۔ آج سے دو ہزار سال پہلے اسی جاپان نے مہاتما بدھ سے روحانیت کا سبق لیا تھا، اور پھر آج وہی جاپان روحانی فیض حاصل کرنے کے لئے ہندوستان کی چوکھٹ پر آ کر مہاتما گاندھی سے روحانی فیض طلب کرتا ہے۔ جن خوشنما الفاظ میں ڈاکٹر کورا مہاتما گاندھی کو جاپان کا سفر کرنے اور اپنا روحانی فیض پہنچانے کی دعوت دیتی ہیں وہ یہ ہیں کہ ”خشک سالی کی ایک طویل مدت کے بعد جس طرح بارش ہوتی ہے، اسی طرح آپ کا روحانی اثر لوگوں کو سیراب کرے گا“۔ اس سلسلہ میں جاپان میں ایک نئی تحریک جاری ہوئی ہے جس کا نام تحریکِ حیات ہے۔ اس کا مقصد یہ ہے کہ سوسائٹی کی تنظیم روحانی مقاصد کے تحت میں کی جائے۔ اس سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ دنیا کی ذہنیت میں ایک جدید قسم کا انقلاب آ رہا ہے۔ زندگی کے غلط مقاصد کے خلاف آواز بلند ہو رہی ہے اور اس میں شک نہیں کہ مہاتما گاندھی کا فلسفہ ان قوموں کی نجات کا باعث بن سکتا ہے۔

آئی۔ سی۔ ایس کا مستقبل

انگلستان میں انڈین سول سروس کے گذشتہ امتحانات میں ان انگریز امیدواروں میں سے صرف ۴ یا سفارتی ملازمتوں میں شریک ہونے کی اجازت حاصل تھی کوئی امیدوار شریک نہیں ہوا تھا۔ اس واقعہ نے لندن کے سیاسی حلقوں میں آئی۔ سی۔ ایس کے مستقبل کے متعلق بحث و مباحثہ کا ایک دروازہ کھول دیا ہے۔ اور اخبارات بھی اس پر رائے زنی کر رہے ہیں۔ ایسی حالت میں یہ کیسے ممکن تھا کہ سر مائیکل اڈوائر خاموش رہتے چنانچہ انھوں نے اس میں حصہ لیا اور لندن کے اخبار ”ٹائمز“ میں ایک مضمون لکھ کر اس امر پر اظہار افسوس کیا ہے کہ ایسی بلند اور باعظمت ملازمت اب اس طرح سے حقیر بھی جانے لگی ہے۔ اس کا علاج ان کے خیال میں یہ ہے کہ لندن میں آئی۔ سی۔ ایس کے جو امتحانات منعقد ہوں اُن میں ہندوستانیوں کو شریک ہونے کی اجازت نہ دی جائے۔ کیا اس کا مطلب یہ ہے کہ انگلستان کے باشندے اب چھوت کے خیال سے ہندوستانی طلباء کے ساتھ آئی۔ سی۔ ایس کے امتحان میں بیٹھنا نہیں چاہتے؟ بہرحال اگر نتیجہ یہی ہو تو کچھ برا نہ ہوگا بلکہ اس سے ملازمتوں کو ہندوستانی بنانے کی اسکیم میں اور امداد ملے گی۔

ہوائی ڈاک میں اضافہ

ہوائی سفر اور ہوائی ڈاک کی نقل و حرکت میں جو کچھ اضافہ ہوتا جاتا ہے وہ ۱۹۳۵ء کی رپورٹ سے ظاہر ہوتا ہے جو حال میں شائع ہوئی ہے اور جس کے اعداد و شمار ہمارے پیش نظر ہیں۔ صرف لندن نے دوسرے ممالک میں ماہ دسمبر کے آخری ہفتہ کے اندر جو خطوط آئے گئے اُن کی تعداد پانچ لاکھ تھی۔ پارسلوں اور پاکٹوں کی تعداد اس کے علاوہ ہے اور کہا جاتا ہے کہ اس ڈاک سے تمام پچھلی ہوائی ڈاک کے ریکارڈ مات کر دئے ہیں۔ اس میں شک نہیں کہ ہوائی نقل و حرکت باوجود ... کے اب رفتہ رفتہ بہت زیادہ مقبول ہونے لگی ہے اور مختلف ممالک کے حکومتیں ... ہوائی جہازوں سے ڈاک پہنچانے کا جو کام لیتے ہیں اس میں روز افزوں ترقی ہوتی جاتی ہے۔ ہوائی ڈاک کی موجودہ اہمیت کے باعث انگلستان ... ایک ... اسکیم ...

تاریخ لکھی جا رہی ہے۔ جو نامہ بری اور پیغام رسانی کے تمام قدیم و جدید ذرائع پر مشتمل ہوگی۔ اس وقت دنیا میں ڈیڑھ لاکھ میل کے ہوائی راستے موجود ہیں۔ اور مزید رستوں کے کھلنے کی کوشش تیزی سے کی جا رہی ہے۔ ان حالات سے دنیا کی آئندہ طرز معاشرت کا اندازہ بآسانی کیا جاسکتا ہے۔

اٹلی کا طبی چٹکلہ

اطالوی میڈیکل سروس کے افسر اعلیٰ سر ایلڈ کیسٹی نے سٹیفانی کی خبر رساں ایجنسی کو اطلاع دی ہے کہ حبش کے شمالی محاذ پر اطالوی سپاہیوں میں بیماری پھیلنے کی خبر غلط ہے۔ ڈیڑھ لاکھ پچاس ہزار گورے سپاہیوں میں ۴۲ آدمی ملیریا بخار میں اور ۳۰۰ آدمی دوسرے امراض میں مبتلا ہوئے ہیں، یعنی اتنی کثیر فوج میں مریضوں کی مجموعی تعداد صرف ۳۴۲ ہے۔ اگر سر ایلڈ کی یہ رپورٹ صحیح ہے تو دنیا کی جنگی تاریخ میں اس کی مثال مشکل نہیں مل سکتی۔ جرمن مشرقی افریقہ میں بھی جنگ عظیم کے زمانہ میں اعدادیوں کی بڑی تعداد ... تھی۔ وہاں کی آب و ہوا بھی حبش سے بدرجہا بہتر تھی۔ مگر ملیریا بخار، پیچش اور دیگر امراض کی ایسی ہر ماری تھی کہ میلوں تک ہسپتالوں کے کیمپ مریضوں سے بھرے ہوئے تھے۔ اب اگر اٹلی کے میڈیکل محکمہ نے کوئی ایسا طبی چٹکلہ معلوم کر لیا ہے اور حفظان صحت کا کوئی ایسا نیا راز اس کے ہاتھ آ گیا ہے جو دنیا میں کسی کو معلوم نہیں اور جس کے ذریعہ وہ اتنی لاکھ سپاہیوں کی فوج بد ترین آب و ہوا میں امراض سے بالکل محفوظ رکھی جا سکتی ہے تو اٹلی کا یہ فرض ہے کہ میڈیکل سائنس کے مفاد کے لئے اس کو دنیا پر ظاہر کرے ورنہ سرکاری اطلاعات کو محض پروپیگنڈا کے اوزار بنا سکتے ہیں پر دیکھنے والی دنیا کی آنکھوں میں اس طرح خاک نہیں ڈال سکتا۔

ٹیلی ویژن کا ٹیلیفون

سال رواں میں جہاں جہاں ... بڑی گرم جوشی میں ... اپنا ... حیرت انگیز ... یہ بھی ہے کہ اس ... ٹیلی ویژن کو عمل ... بنا دیا ہے ... شہروں ... ٹیلی ویژن ... [illegible]

جنرل بینڈ وگلیو نے بڈگرا ان ہسپانوی ہسپتال کے پورے کیمپ پر قبضہ کر لیا اور بہت لاریوں میں رکھ کر لے گئے۔

غالباً اس لئے کہ اسے اطالوی ہوائی جہازوں کی بمباری سے محفوظ رکھیں۔

جنرل مذکور کہتے ہیں کہ اس ہسپتال میں گولہ بارود کے ۲۷ بکس موجود تھے۔

لیکن یہ نہیں کہتے کہ یہ اطالیہ کے تھے یا حبش کے۔

پنڈت جواہر لال نہرو فرماتے ہیں کہ وزیر ہند ہندوستان کی تاریخ سے واقف نہیں ہیں۔

یہ صحیح ہے۔ وہ صرف اپنے ملک کی ضرورتوں سے واقف ہیں اور تحفظات سے۔

پنڈت جی مزید فرماتے ہیں کہ برطانی پارلیمنٹ میں جو لوگ "ماہرین" کہے جاتے ہیں وہ ہندوستانی معاملات سے قطعاً بے بہرہ ہیں۔

اُن کو تو صرف یہ دیکھنا ہے کہ اُن کی تجارت بہرہ اندوز ہے یا نہیں۔

اخبار لندن "ٹائمز" کہتا ہے کہ مصر کے معاملہ میں برطانی گورنمنٹ سردست صرف اتنا ہی کر سکتی ہے کہ بیٹھکر دیکھے اور انتظار کرے کہ اس گورکھ دھندے سے کون سی چیز باہر آتی ہے۔

لیکن سوال یہ ہے کہ یہ گورکھ دھندا پیدا کیوں ہوتا ہے؟

مدارس کے ضلع مجسٹریٹ نے کہا ہے کہ گھر پر طلباء کے چال چلن کی ذمہ داری اُن کے کپتانوں پر عائد ہوگی۔

معلوم نہیں ان گھریلو کپتانوں سے کیا مراد ہے!

کوئی خانگی سی۔ آئی۔ ڈی تو نہیں۔

"لنکا شائر انڈیا کاٹن کمیٹی" کی سالانہ رپورٹ کہتی ہے کہ لنکا شائر نے ہندوستان اور برطانیہ کے درمیان رشتۂ اتحاد پیدا کرنے میں پوری امداد دی ہے۔

اتحاد پیدا کرنے میں یا اتحاد کی کمی پیدا کرنے میں!؟

آئینہ خیال

ہفتۂ جنگ

۲۵ — جنوری ۱۹۳۶ء

جنرل گرزیانی فتح کے دو گھنٹہ بعد شہر نگیلی میں داخل ہوگئے۔ شہر میں زبردست بمباری کے بعد ٹینکوں اور مسلح کاروں کی امداد سے قبضہ کیا گیا۔ جب مشین گنوں نے گھوڑ سوار فوج کو آگے بڑھنے سے روک دیا۔ تو ٹینکوں سے حملہ کیا گیا حبش کی فوجیں بھاگ گئیں۔

میکلے کے جنوب مغرب میں جنگ میں اٹلی کے ۱۷ سو سپاہی ہلاک ہوگئے اور ۲۸ سپاہیوں نے رضاکارانہ طور پر حبش کی اطاعت قبول کر لی۔

حبشی فوجوں نے اہم پوزیشن حاصل کر لی۔ اور فوج کی کمانڈ شہنشاہ کے تیرہ سالہ لڑکے کو دی گئی۔

۲۶ — جنوری ۱۹۳۶ء

یورپ کے سیاسی حلقوں میں یہ قیاس کیا جارہا ہے کہ اٹلی میں جلد ہی زبردست سیاسی انقلاب برپا ہونے والا ہے عین اغلب ہے کہ اس سے شدید نتائج پیدا ہوں اور مسولینی کے دور حکومت کا خاتمہ ہو جائے۔ اس قسم کی ہنگامی صورت حالات کا مقابلہ کرنے کے لئے اٹلی میں ابھی سے تیاریاں کی جارہی ہیں

۲۷ — جنوری ۱۹۳۶ء

گذشتہ چند ہفتے کے اندر جنوبی حبش کے ضلع سیدامو میں اٹلی کے ہوائی جہازوں نے بموں سے ۱۴ مرتبہ حملہ کیا۔ جن سے پانسو سے زیادہ شہری ہلاک ہوگئے۔

رپورٹ میں مزید لکھا ہے کہ اٹلی کے ہوائی جہاز کھلے شہروں اور مواضعات پر ابھی تک بمباری کر رہے ہیں۔ شمالی مورچہ پر جنگ سے فریقین کی فوجیں تھک گئی ہیں اور اس وقت بالکل جمود ہے۔ فریقین اپنی اپنی فوجوں کو منظم کر رہے ہیں اور ہر وقت جنگ چھڑنے کا امکان ہے۔

۲۸ — جنوری ۱۹۳۶ء

شمالی مورچہ کی جنگ تین روز تک جاری رہی اور اٹلی والوں کی پوزیشن بہت مضبوط ہوگئی ہے۔

یہ جنگ میکلے سے بارہ میل کے فاصلہ پر ہوئی جس میں اٹلی کی فوج سے دو بدو مقابلہ کرنے کے لئے حبشی کمانڈر نے ۸۰ ہزار فوج استعمال کی۔ اٹلی کی فوج گورے سپاہیوں پر مشتمل تھی جس نے زبردست مقابلہ کیا اور بالآخر اٹلی کی فوج جیت گئی۔ گو اس کو سخت نقصان اٹھانا پڑا۔

حبشی فوج نے چھپ چھپ کر لڑنے کا طریقہ چھوڑ کر دو بدو لڑنے کا طریقہ اختیار کیا۔ حبش کی فوج نے دشمن پر بڑی بہادری کے ساتھ بار بار حملہ کیا۔ لیکن وہ مشین گنوں کے مقابلہ کی تاب نہ لا سکیں۔ زبردست نقصان کے باوجود حبش کی فوج کے ڈسپلن پر کوئی فرق نہ پڑا۔

چار بجے شام کو اٹلی کی فوج کی پوزیشن بہت ہی نازک ہوگئی مگر کمک پہنچنے سے حوصلہ بڑھ گیا اور اٹلی کی فوج نے فتح حاصل کر لی اور حبش کی فوج میں ابتری پھیل گئی۔

۲۹ — جنوری ۱۹۳۶ء

میکلے کی گھمسان لڑائی کے متعلق اٹلی والوں کا دعویٰ ہے کہ ان کی فوجیں ۴۵ میل اور آگے بڑھ گئی ہیں۔ اور مقابلہ میں ۱۵۰۰ افراد ہلاک ہوگئے۔

اٹلی کے ہوائی جہازوں نے ریڈ کراس یونٹوں پر مزید بمباری کی۔

مارشل بڈاگ لیو نے سویڈن کے کیمپ ہسپتال پر جو پہلے مالکروتی میں تھا شمالی مورچہ پر قبضہ کر لیا۔ یہ ہسپتال ۵ لاریوں پر مشتمل تھا جن پر ریڈ کراس کے جھنڈے لہرا رہے تھے۔ ان کے ساتھ گولہ بارود کی ۴۴ پیٹیاں تھیں

۳۰ — جنوری ۱۹۳۶ء

اٹلی کے ہوائی جہازوں نے ابیاڈی علاقہ ٹمبین پر بمباری کرتے وقت دو گرجا گھروں کو بھی جلا ڈالا۔ ہوائی جہازوں پر رائفلوں سے فائر کئے گئے۔ ایک ہوائی جہاز نیچے گر پڑا جس میں آگ لگ گئی۔

جنرل صالح کی فوج کا گشتی دستہ چھپا ہوا تھا جب اٹلی کی گوری فوجیں میکلے کے قریب آئیں از پردہ لوگ ٹوٹ پڑے۔ ۳۵ کو ہلاک کر دیا۔ باقی جان بچا کر بھاگ گئے اور ۵ لاریاں چھوڑ گئے۔

جھلکیاں

جنوبی ہند کے پردھانوں کی کانفرنس مدراس میں پیٹرول کی مشہور کمپنی برما شیل کی عمارت میں منعقد ہوئی

بڑی خیریت ہوئی کہ اس کانفرنس میں آتشیں تقریریں نہ کی گئیں۔

اسی جلسہ میں تقریر کرتے ہوئے مسٹر جیمز نے کہا کہ اس وقت ہندوستان کو ایسی جماعتوں کی ضرورت ہے جو جدید اصلاحات کو تسلیم کریں۔

ایسی جماعتیں تو بہت ہیں جنہوں نے جدید اصلاحات کو آنکھیں بند کرکے تسلیم کر لیا ہے۔ اور طرّہ یہ ہے کہ یہ جماعتیں اصلاحات کے پہلے سے موجود ہیں۔

خیال کیا جاتا ہے کہ یو۔ پی کے ایک مجسٹریٹ نے ایک شخص کی بندوق کا لائسنس اس لئے چھین لیا کہ ڈسٹرکٹ بورڈ الیکشن میں اس نے کانگریس کی مدد کی تھی۔

سرکاری ملازمت کی روایات کو برقرار رکھنا اسی کا نام ہے۔

ایک اخبار میں ایک مضمون نگار کہتا ہے کہ حبش میں مردوں کے مقابلہ میں عورتوں کی بات زیادہ تر تسلیم کر لی جاتی ہے۔

یہ حقیقت ساری دنیا کے لئے صحیح ہے مگر "تمدن" کا تقاضہ یہ ہے کہ ہم اس حقیقت کو تسلیم نہ کریں۔

بنگال کے ایک نظر بند نے ماسٹر آف لاء کا امتحان نہایت کامیابی سے پاس کر لیا ہے۔

ہمیں یقین ہے کہ اس اعلیٰ امتحان کے لئے اپنے تمام قانونی مطالعہ کے دوران میں اس نے اس طرح کا کوئی قانون نہیں دیکھا ہوگا جس کے تحت میں وہ نظر بند ہے۔

حسن کے ماہرین نے افزائش حسن کے لئے اب کیچڑ سے غسل کرنا ایجاد کیا ہے۔

غالباً یہ تعلیم انہوں نے ہپاپوٹمس جانور سے لی ہوگی۔

غیر ملکی سیاسیات کا آئینہ

(تولیس بن) ایسے بن جائے جیسے ہم نے اس لیڈی کو دیکھا ہی نہیں

کچھ بھی ہو ہم تو پرانے دوست ہیں

جب سے مسولینی نے حبش کو اپنی جولانگاہ بنایا ہے جاپانی لیڈر بھی اس نتیجہ پر پہنچے ہیں کہ چین کے خلاف لام باندھنے اور اس سے اپنے مطالبات منوانے کا اس سے بہتر موقعہ اور کوئی نہیں ہو سکتا۔ یورپ میں جو متوازی حالت پیدا ہو گئی ہے اس سے جاپانی حکومت کے حوصلے چین کے خلاف اور بھی بڑھ گئے ہیں۔ اس کے علاوہ یہ امر بھی قابل لحاظ ہے کہ جاپان کے فوجی اکابر مثلاً جنرل ایسوگائی GENERAL ISOGAI فوجی مددگار سفیر جاپان مقیم چین اور جنرل تاڈا (GENERAL TADA) تنتسین کے سر لشکر ابھی تک دیگر فوجی حکام چین کے خلاف زہر اگلنے اور آتش ریزی میں کچھ عرصے سے بہت ہی منہمک ہیں۔ اس قدر جوش اور بے اختیاری اس سلسلہ میں اختیار کرتے ہیں کہ شاید ٹوکیو کا دفتر امور خارجہ اور دفتر جنگ بھی اس قسم کی بے باکیوں کی ہمت افزائی نہ کرے گا۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ جاپان کے دفتر جنگ نے چین میں مقیم جاپانی لیڈروں کی ان آتش بیانیوں کی کوئی تائید نہیں کی ہے لیکن کھلے لفظوں میں ان کے خلاف بھی کچھ نہیں کہا ہے۔ بس اتنا معلوم ہوتا ہے کہ وہ جاپانی لیڈروں کے خیالات سے متفق ہیں لیکن حکمت (پالیسی) اور الفاظ کے اظہار میں کسی قدر نرمی کے طالب ہیں یعنی چین کے خلاف آہنی پوش فوجی گھونسہ استعمال کرنے کی بجائے پالیسی کا مخملی طمانچہ استعمال کرنا زیادہ قابل ترجیح سمجھتے ہیں۔ ورنہ عمومی طور پر دونوں کے نقطۂ نظر میں کوئی وسیع فرق نہیں ہے۔

اگر کے حکام نے اس موقعہ سے فوراً فائدہ اٹھانے کے لئے دفتر امور خارجہ جاپان کے اس شعبہ کو جو چین کے معاملات سے متعلق ہے نیز دفتر افواج عمومی جاپان، چین کے بحری محکمہ کے حاکم اعلیٰ کو صاف طور پر لکھا کہ اس وقت چین کے سامنے اپنے مطالبات پیش کرنے کا بہترین وقت ہے۔ اور ضرورت ہے کہ بحری حکام، افواج کے اکابر اور دیگر ماہران سیاسیات مل کر چین میں جاپانی اثر و نفوذ بڑھانے کے مطالبہ پر سنجیدگی کے ساتھ غور کریں۔ تین حکام یعنی افواج کا حاکم اعلیٰ، بحری محکمہ کا حاکم اور ایک ماہر سیاست ۔ ۔ ۔ کو جاپان سے چین پہنچے اس کے بعد دو ہفتہ تک ان

(باقی اگلے صفحہ پر)

{پچھلے صفحہ سے}

حکام کی مشاورتی مجلسیں برابر ہوتی رہیں۔

اس سلسلہ میں سب سے پہلا سرکاری قدم یہ اٹھایا گیا کہ تینتسن (TIENTSIN) اور پی پنگ (PEIPING) میں جاپانی ارباب حکومت کو نہایت سختی کے ساتھ لکھا گیا کہ چین کے مختلف مقامات پر جاپان کے خلاف جو سرگرمیاں جاری ہیں انھیں یک لخت موقوف کرنے کی تدابیر اختیار کی جائیں۔ اس سرکاری اقدام کے علاوہ اور بھی کئی بیانات شائع ہوئے جو اس قدر سرکاری اور نیم سرکاری حیثیت کے تو نہ تھے مگر جاپانی حکومت کو خوب ظاہر کرتے تھے، نیز جاپانی فوجی حکام کی طرز بیانی سے اور بھی بھیانک بنا دیتی تھی کہ جاپان اپنے تین مطالبات سے ہرگز ہرگز نہیں ہٹے گا جاپان ان تین مطالبات کو کم سے کم مطالبات بتا دیتا ہے جو کسی حالت میں بھی کم نہیں کئے جا سکتے اور نہ ہی چین رد کر سکتا ہے۔ وہ مطالبات یہ ہیں:۔

(۱) تمام چین میں ان سرگرمیوں کا قلع قمع جو جاپان کے خلاف مختلف صورتوں میں دکھائی دے رہی ہیں

(۲) شمالی چین میں جاپان کے ساتھ چین کا اقتصادی تعاون۔

(۳) سوئی یوآن (SUIYUAN) اور چاہار (CHAHAR) کے علاقوں میں جو اندرون منگولیا واقع ہیں، رہی بات ترکی بالکل نیست و نابود کرنے کے لئے فوری موثر تدابیر چین اختیار کرے۔

جاپانی بیانات کی عبارت سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ ان مطالبات کو ظاہر کرنے کے بعد ارباب حکومت جاپان نے یہ امر بخوبی ظاہر کر دیا ہے کہ اگر چین نے ان مطالبات پر عملدرآمد کرنے میں اپنی "مخلصانہ نیت" کا اظہار کیا تو مزید جاپانی فوجی ڈیمنس کی ضرورت نہیں ہوگی۔ لیکن اگر چین نے چوں و چرا کی تو چین کے لاکھوں مظلوم و بیکس باشندوں کی پریشان حالی دور کرنے اور ان کی فلاح و بہبود کی خاطر جاپان مجبور ہوگا کہ چین کے خلاف جارحانہ اقدام کرے اور اپنے فوجی نظام کو حرکت دے۔ تاکہ یہ مطالبات پورے ہو سکیں۔

جاپان نے چین کے خلاف سختی کے ساتھ عمل کریگا اور اس کے بغیر چین سے نہ نبٹے گا۔ اس کا یہ مطلب بھی نکلتا ہے کہ اگر ضرورت پڑی تو جاپان ایک علیحدہ سیاسی سلطنت بنا دیگا جس میں شمالی چین کے پانچ صوبے بھی شامل ہوں گے۔ اور شاید ایسا بھی ہو کہ جنرل چیانگ (GENERAL CHIANG KAI-SHEIK) کی امداد کے ... چینی حلقے ... ترچین کے علاقوں میں مدد ... اور ... میں آنجمل ... مشغول ہیں۔

سوتو (SWATOW) کے متعلق ... افسروں نے ... شدہ چاول پر ... محصول وصول کیا اور اس پر بڑی گڑ بڑ ہوئی۔ جاپانی حکام نے زور دیا کہ چینی حکام اس امر پر افسوس کا اظہار کریں اور جو رقم زیادہ وصول کی گئی ہے واپس کی جائیں، چنانچہ چینی حکام کو جاپانی دباؤ کے ماتحت یہ کرنا پڑا۔ بین الصوباتی محصول ادا کرنے کے سلسلہ میں ایک کشتی گرفتار کی گئی تھی جس میں چاول اور تیل بھرا ہوا تھا۔ جاپان کے دباؤ میں اس کشتی کو بھی بغیر کسی مزاحمت کے چھوڑ دیا گیا۔ اور آخرکار یہ مطالبہ کیا گیا کہ فاموسا سے جس قدر چاول چین میں آتا ہے اس پر حکام چین کچھ محصول نہیں لیں گے لیکن چینی حکام نے اس دباؤ کو ماننے سے انکار کر دیا اور شہر کے گرد خندق کھودی گئی۔ نیز فوجی استحکامات عمل میں لائے گئے۔ کہ اگر جاپانی افواج حملہ آور ہوئیں اور یہ معاملہ آگے بڑھا تو چین کی طرف سے ترکی بہ ترکی جواب دیا جائے۔ لیکن یہ معاملہ آگے نہیں بڑھا۔ جاپان نے یہ مصلحت سمجھی کہ بغیر خون بہائے خاموش

(باقی صفحہ ۲۴ پر)

چین میں جاپانی مطالبات

سوویٹ سوشلسٹ ریپبلک یونین

بیرونی منگولیا

بحر جاپان

جاپان

چین

جاپان چاہتا ہے کہ بیرونی منگولیا کا خطہ بیچ میں رکھ کر چین کو روس سے الگ رکھے۔

خاص صبح دہلی کے لئے

کملا کی طبیعت اس قدر خود سر اور ضدی واقع ہوئی تھی کہ وہ تقریباً ہر وقت اپنے شوہر سے جو بیچارہ خاموش رہتی، اُسے گوکل کی غربت سادگی اور مفلسی ایک بھی پسند نہ آتی۔

گوکل اپنے قصبہ کے ٹاؤن ایریا کے دفتر میں چالیس روپے ماہوار کا ملازم تھا۔ اس کی یہ آمدنی اس کے اور اس کی بیوی بچہ کے لئے کافی خیال کی جا سکتی ہے۔ لیکن نہیں اس کی بیوی کملا بمبئی جیسے ہنگامہ آفریں اور پُر رونق شہر کی آغوش میں پلی ہوئی اور تعلیم یافتہ عورت تھی۔ اس چھوٹے سے قصبہ میں اس کی دلچسپی کا کوئی سامان نہ تھا؛ نہ وہ سوسائٹیاں تھیں اور نہ وہ کلب اور نہ ہی کوئی تھیٹر اور سینما ہال اس کی تسکین ذوق کا سامان مہیا کرنے کے لئے موجود تھا۔ غرضیکہ قصبہ کی سادہ اور بے کیف زندگی اس کے لئے سوہانِ روح ثابت ہو رہی تھی۔ اور بالآخر وہ اپنی زندگی کے اس بے مزہ تسلسل سے اکتا گئی اور اب وہ ہر وقت یہی سوچا کرتی کہ کسی نہ کسی طرح گوکل سے پیچھا چھڑا کر شہر کی کیف بار محفلوں میں شرکت کرے۔ چنانچہ اس سلسلہ میں وہ اپنے شوہر کے احکامات کی تعمیل سے روگردانی کرنے لگی۔ اور تقریباً تمام امور اپنے شوہر کی منشاء کے خلاف کرتی، اس فعل سے شاید وہ چاہتی یہ تھی کہ گوکل اس سے بیزار ہو کر خود ہی کوئی جارحانہ کارروائی عمل میں لائے اور پھر اس کے لئے کوئی ایسا موقعہ دستیاب ہو کہ اپنے تعلقات کو منقطع کرنے کے لئے اُسے ایک سبب قرار دے سکے۔

لیکن گوکل ایک نیک اور فرشتہ خصلت انسان تھا۔

ایک دن صبح کے وقت جبکہ گوکل کھانا کھا رہا تھا اُس کی بیوی کملا ایک طرف منہ بسورے بیٹھی ہوئی تھی اُسے کچھ خیال آیا تو اس نے کہا۔

"ارے تم کھانا کیوں نہیں کھاتیں"

"مجھے بھوک نہیں ہے" کملا نے یہ کہہ کر بات کو ٹال دیا۔ گوکل نے سوچا یہ اس وقت غصہ میں ہے۔ اگر میں زیادہ بات کروں گا تو ضرور جھگڑا کریگی اس لئے بمصلحت خاموش ہو گیا۔ اور کھانے سے فارغ ہونے کے بعد کپڑے پہنے اور دفتر کو چل دیا۔

شام کو جب وہ دن بھر کا تھکا ماندہ مکان کے اندر داخل ہوا تو اُس نے دیکھا کہ صبح کے جھوٹے برتن اُسی طرح پڑے ہیں۔ اور اس وقت تک کھانا پکانے کی کوئی تیاری نہیں کی گئی ہے۔

گوکل تھوڑی دیر خاموش رہا، جب اندھیرا ہونے لگا تو اس نے فردوسی سمجھا کر اپنی بیوی کو کھانا تیار کرنے کے لئے ہدایت کرے، حالانکہ اس سے قبل متعدد بار کملا نے ایسی نامعقول حرکتیں کی تھیں، لیکن سادہ لوح گوکل اُس سے بدظن نہ تھا۔ اور یہی خیال کیا کرتا کہ ابھی ناسمجھی ہے رفتہ رفتہ عقل آ جائے گی۔ تو وہ خود ہی بُرا بھلا سمجھنے لگے گی: وہ ابھی دنیا کے نشیب و فراز سے آگاہ نہیں ہے۔

گوکل اپنے دل میں سوچ رہا تھا کہ کیا وجہ ہے، برتن کیوں نہیں صاف کئے گئے۔ کھانے میں کیوں دیر کی جا رہی ہے۔ بچہ بھوک کی وجہ سے الگ پریشان ہے۔ آخر میں اس خود سر عورت سے کس طرح بات کروں۔

ابھی وہ اسی سوچ بچار میں تھا کہ کملا بپھری ہوئی شیرنی کی طرح گرج اٹھی۔

"مجھے یہ بتاؤ کہ ہم کب تک اس ویران قصبہ میں پڑے رہیں گے۔ اب میں ایسی زندگی سے تنگ آ چکی ہوں۔ یہ خاموش فضا یہ بوسیدہ مکان اور یہ غربت اور افلاس کا مسلسل دور مجھے نہایت شاق گزر رہا ہے۔"

"تمہاری یہ سب شکایتیں بے جا ہیں۔ میری محدود آمدنی تمہاری ان فرمائشات کی تکمیل نہیں ہو سکتی۔ اس کے علاوہ میں اپنی ملازمت چھوڑ کر شہر کی رنگینیوں سے اپنا پیٹ نہیں بھر سکتا۔ اور اس لئے میں قطعاً مجبور ہوں کہ اپنی زندگی میں کوئی تغیر کروں"

"تو پھر اس سے یہ مطلب ہے کہ تم میری کسی خواہش کو پورا نہیں کر سکتے"

"نہیں ہرگز نہیں۔ میں تمہاری ہر جائز خواہش کو پورا کرنے کا ذمہ دار ہوں"

"تمہارے نزدیک میری یہ خواہش ناجائز ہے"

"یقیناً ناجائز"

کملا آگ بگولا ہو کر بولی: "تو پھر میں کوئی لونڈی یا باندی نہیں ہوں۔ اور آج میں یہ صاف کہہ دینا چاہتی ہوں کہ تم گھر کے کام کاج سے سخت نفرت ہے" کملا نے انتہائی طیش اور غصہ کی حالت میں یہ جملے ادا کئے اور گھر سے بکتی ہوئی باہر نکل گئی کہ "اب میں وہاں جا رہی ہوں جہاں میری یہ خواہشات جائز تسلیم کی جائیں گی"

اُس کا چار سالہ معصوم بچہ ماتا جی ماتا جی چلاتا ہی رہ گیا۔ اور بالآخر رونے لگا۔

گوکل کا خیال تھا کہ وہ یہی سہیلی چمپا کے یہاں چلی جائے گی اور غصہ فرو ہونے کے بعد پھر واپس آ جائے گی۔ لیکن اس مرتبہ اس کا خیال موہوم تھا۔

(۲)

اسے فطرت کا مذاق کہا جائے تو کچھ بے جا نہ ہوگا کہ کملا کو جس کام سے نفرت تھی بالآخر اُسے وہی کرنا پڑا۔ آج مین سال کے عرصہ کے بعد ہم اُسے ایک ہوٹل میں برتن دھونے کی خدمات پر مامور پاتے ہیں۔ غالباً اُسے جس چیز کی تلاش تھی وہ دستیاب نہ ہو سکی اور آخرکار وہی بھگتنا پڑا جس کے لئے عزیز ترین شوہر کو ٹھکرا دیا گیا تھا۔

اب اس کے بال سفید ہونے لگے تھے۔ پہلے جو چہرہ کنول کی طرح شگفتہ تھا اب اُس پر سیاہی دوڑ رہی تھی۔ اور جھریاں پڑنے لگی تھیں۔ اوّل تو اب عمر کا بھی یہی تقاضا تھا دوسرے ہوٹل کی سخت محنت نے اُسے اور بھی نحیف و کمزور کر دیا تھا۔ وہ دن بھر ہوٹل میں کام کرتی اور شام کو کھانا کھا کر ایک کمرے میں پڑ کر سو رہتی۔ اس کو اس کام کے عوض میں چھ روپے ماہوار تنخواہ ملتی تھی جس میں اس کو بہر صورت گزارہ کرنا پڑتا تھا اور اب وہ اس کام کی بالکل عادی ہو چکی تھی۔

ہوٹل کی ملازمت کے دوران میں ایک روز اس کے بدن میں سخت درد پیدا ہو گیا۔ تکلیف کی وجہ سے وہ کام نہ کرنا چاہتی تھی۔ لیکن اُسے کام کرنا ہی پڑا۔ ہوٹل کے منیجر نے اُسے سخت سُست کہا اور نکال دینے کی دھمکی دی جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ وہ اپنے کام پر آ گئی۔ اور برتنوں کی صفائی میں چار و ناچار مشغول ہونا پڑا۔ اس تکلیف اور مصیبت کی حالت میں اُسے دفعتاً اپنے شوہر کی یاد آئی۔ کس طرح وہ میری خاطر و تواضع کرتا تھا۔ کس طرح میری جھڑکیوں کو برداشت کرتا تھا، کس طرح میں اُسے دھمکیاں دیتی تھی۔ کس طرح وہ میری عاجزی کرتا۔ میری خوشنودی کیلئے

باقی مضمون اگلے صفحہ پر

جگر پارے

از حضرت جگر مُرادآبادی

تمام منظرِ ہستی کو ایک جا کرتے
پھر اپنی شرحِ محبت جُدا جُدا کرتے

یہ کیا مجال کہ ہم ترکِ التجا کرتے
دہن کو سی بھی جو لیتے نظر کو کیا کرتے

وہ ملتفت ہی ہمیں ہے حال پہ نہ کرتے
یہ بہہ رہے ہیں جو آنسو یونہی بہا کرتے

محبت اصل حقیقت ہی اسکو کیا کرتے
ہم التجا جو نہ کرتے وہ التجا کرتے

نہیں جو وصل میسر نصیب ہجر تو ہے
ہم اتنے فرق کا اُن سے ملال کیا کرتے

یقیں کرو کہ تمہاری جگہ جو ہم ہوتے
محبتوں کے خزانے لٹا دیا کرتے

حجاب نے انھیں رکھا حجاب میں ورنہ
جب آتے سامنے اپنا ہی سامنا کرتے

سائنس

ہمارے غدود
اور ان کا اثر صحت و شخصیت پر
(۲) تھائیرائڈ گلینڈز

(از قلم پروفیسر جی۔ ڈی۔ ٹکو، ایم۔ ایس سی)
(خاص تیج ویکلی کے لئے)

تجربات کی بنا پر جو کہ انھوں نے اس گلینڈ کے متعلق کئے ہیں۔ یہ وثوق سے کہا جا سکتا ہے کہ تھائیرائڈ اور اس کی رطوبت کے بغیر جسمانی و ذہنی نشوونما بالکل ناممکن ہے۔

تھائیرائڈ گلینڈ کی رطوبت کا آیوڈین IODINE تجویٰ کام نہیں کر سکتا۔ اور سوچنا شروع ہو جاتا ہے تندرست انسان میں یہ اپنی رطوبت کو صرف جسم کی ضرورت کے مطابق ہی خون میں داخل کرتا ہے کیونکہ اس میں اپنی رطوبت کو جمع کرنے کی طاقت پائی جاتی ہے دیکھا گیا ہے کہ سردیوں کے موسم میں گرمیوں کی بہ

حلق کے گرد دو چھوٹی چھوٹی گلٹیاں ہیں جن میں سے تندرستی کی حالت میں ایک نہایت قیمتی رطوبت بنام تھائیراکسن THYROXIN رس کر خون میں شامل ہوتی ہے۔ جو رطوبت کہ ہماری زندگی کی رفتار کو کنٹرول کرتی ہے تھائیرائڈ گلینڈ کی یہ رطوبت جتنی مقدار میں زیادہ ہو اتنا ہی زندگی کی رفتار زیادہ ہو جاتی ہے اس رفتار کا طوالت عمر سے کوئی سروکار نہیں بلکہ کیمیاوی معنوں میں اس کا مطلب یہ ہے کہ وہ کیمیاوی تبدیل جو کہ ہمارے جسم میں ہوتے رہتے ہیں اور جن پر کہ زندگی کا دارومدار ہے، بہت جلد جلد سرانجام ہونے لگتے ہیں۔ زیادہ غذا تھوڑے عرصہ میں جسم کا حصہ بن کر کثرت سے قوت پیدا کرنے کا ذریعہ بنتی ہے۔ اور اسی از جی کے باعث تمام حواس چست و چالاک رہتے ہیں۔ انسان اگر سوچتا ہے تو تیزی سے۔ اگر چلتا ہے تو تیزی سے، اگر محسوس کرتا ہے تو بہت جلدی، اور اگر کسی کام کو سرانجام دیتا ہے تو نہایت پھرتی سے۔ اس کے برعکس اس رطوبت کی قلت سے جسم کے اندر کیمیاوی تبدل نہایت آہستگی سے ہونے لگتے ہیں جس سے کند ذہنی بے پرواہی غفلت اور جہالت کا پردہ چھا جاتا ہے۔ خوراک کے مقررہ وقتوں میں ہضم نہ ہونے کی وجہ سے بھوک میں کمی واقع ہو جاتی ہے۔ اور اس کے جسم میں جذب نہ ہونے کی وجہ سے چربی بڑھنے لگتی ہے جس سے انسان کا جسم بے ڈھب اور وزن میں زیادہ ہو جاتا ہے۔ معمولی کام سے تھکاوٹ محسوس ہوتی ہے اور ذرا ذرا سی بات پر غصہ آنے لگتا ہے۔

بعض دفعہ جو کئی عجیب عجیب نیلے کے پستہ قد بے ڈھب بونے دیکھنے میں آتے ہیں جو کہ چھوٹے چھوٹے بچوں کی تفریح طبع کا باعث بنا کرتے ہیں اور جن کو وہ "ڈولے شاہ کا چوہا" پکار کر ہر ممکن ذریعہ سے تنگ کرنے کی کوشش کرتے ہیں ان لوگوں میں یہ گلینڈ بالکل کام نہیں کرتا جسمانی بدنمائی، زشتی و کجی کے علاوہ ان کی ذہنیت بھی عجیب طرح کی ہو جاتی ہے۔ ایک کافی عمر کا ایسا نام نہاد انسان بعض دفعہ اپنے ماں باپ یا کسی واقف کار کو نہیں پہچان سکتا۔ نہ وہ انسان حیوان یا بے جان میں تمیز کر سکتا ہے، احساس بالکل نہیں پایا جاتا۔ اپنی ضروریات کو چیزوں کی مدد سے سمجھانے کی کوشش کرتا ہے کیونکہ اس کو الفاظ اور ان کے مطلب بالکل یاد نہیں رہتے، ایسی حالتوں میں ڈاکٹر بلر نے تجربے سے ثابت کیا ہے کہ تھائیراکسن کی ایک خوراک جو کہ مقدار میں ایک گرین سے بھی کم ہو جسم میں از جی کی پیدائش کو دوبالا کر دیتی ہے جس سے وہ تمام نقائص جو کہ اس کی قلت کی وجہ سے پیدا ہوئے تھے، رفتہ رفتہ دور ہونے لگتے ہیں۔ اگرچہ اس چیز کا استعمال مدت تک لازم ہے تمام بڑے بڑے ڈاکٹروں اور سائنس دانوں کے نز

ایک نہایت ضروری جزو ہے جو سبزیاں ترکاریاں پھل میوے و دیگر غذائیں ہم استعمال کرتے ہیں ان میں آیوڈین بہت ہی کم مقدار میں پائی جاتی ہے۔ مگر جتنی بھی ہو اس کو یہ گلینڈ خون سے جذب کر کے اپنے اندر جمع کرتا جاتا ہے۔ کیونکہ آیوڈین کے بغیر یہ گلینڈ

نسبت اس گلینڈ میں آیوڈین بہت کم پائی جاتی ہے شاید اس لئے کہ جسم کی حرارت کو قائم رکھنے کے لئے یہ اپنی بہت سی رطوبت خون میں داخل کرتا رہتا ہے تاکہ خوراک جلدی ہضم ہو اور جسم میں کیمیاوی تبدیلیاں جلد جلد ہو کر زیادہ حرارت آہستی پیدا ہو۔

تھائیرائڈ کے پیچھے کی طرف چار چھوٹے چھوٹے غدود پائے جاتے ہیں جو کہ ایک مدت تک اسی گلینڈ کا حصہ سمجھے جاتے تھے، مگر اب معلوم ہوا ہے کہ وہ بالکل مختلف ہیں اور ان کا نام پیرا تھائیرائڈز رکھا گیا ہے۔ اگر کسی جانور کے اندر سے یہ گلینڈ نکال دئے جاویں تو اس کا نروس سسٹم نہایت ہی ذی حس ہو جاتا ہے اور ذرا ذرا سی بات پر اس کی نسوں میں ایک ہنگامہ برپا ہو جاتا ہے یہاں تک کہ اگر وہ کسی اندھیرے کمرے میں ہو اور اس کمرے میں روشنی داخل کر دی جاوے تو اس کے اندر ایک ہلچل سی مچ جاتی ہے۔

اس بات کو سمجھنے کے لئے کئی قسم کے تجربات کئے گئے ہیں جن کی بناء پر یہ معلوم ہوا ہے کہ اس گلینڈ کی رطوبت خون میں کیلسیم و لائم کی ایک پوری مقدار کو قائم رکھنے کے لئے ضروری ہے۔ اور چونکہ کیلسیم لائم ہڈیوں وغیرہ کے لئے ضروری ہیں جب جسم میں سے ان غدود کو نکال دیا جائے یا جب وہ کام نہ کریں تو فوراً خون میں سے لائم کی مقدار کم ہونی شروع ہو جاتی ہے۔ اور پیشاب میں کیلسیم کی زیادتی ہونی شروع ہو جاتی ہے۔ بال گرنے لگتے ہیں ناخن کمزور ہو کر ٹوٹنے شروع ہو جاتے ہیں اور ہڈیاں نرم ہونی شروع ہو جاتی ہیں۔ پچھلے چند سالوں کے تجربات نے اس بات کو ثابت کر دیا ہے کہ خون میں لائم کی ایک اچھی مقدار نسوں کو برافروختہ ہونے سے روکتی ہے اور چونکہ ان غدود کی رطوبت کی کمی خون سے کیلسیم نکال پھینکتی ہے اعصاب عصبی پر جو اتنا برا اثر پڑتا ہے اس کو ہم بخوبی سمجھ سکتے ہیں۔

۱۹۲۳ء سے ۱۹۲۶ء کے پانچ سال کے عرصہ میں ڈاکٹر برمن نے اس رطوبت کو باہر معملوں میں تیار کرنے کی نہایت کوشش کی اس خیال سے کہ اگر ان غدود کی کمزوری کے جسم میں سے لائم نکلنا شروع ہو جانے سے تو لازم ہے کہ اگر ان کی رطوبت جسم میں بڑھائی جاوے یا باہر سے داخل کی جاوے تو جسم پر ایک نہایت ہی اعلیٰ اثر پڑے گا اور تنک مزاج لوگوں کی کمزوریوں کا یہ نہایت ہی تیر بہدف علاج ہوگا۔

چنانچہ وہ اپنے مقصد میں کامیاب ہوا اور ایک ایسا مرکب اس نے تیار کیا ہے جس کو اگر پانی میں حل کر کے خون میں انجیکٹ کیا جاوے تو وہ پیرا تھائیرائڈ کی رطوبت کا فرض انجام دے سکتا ہے۔

سالِ نو کی فہرستِ خطاب دیکھ کر
ایک مایوسِ خطاب کے جذبات

(حضرت سیوہاروی کے قلم سے)
(خاص تیج ویکلی کے لئے)

کس قدر رنگین تھی امیدِ بہارِ سالِ نو
مدتوں سے ہو رہا تھا انتظارِ سالِ نو

میکشانِ ساقیِ مغرب کے دل سے پوچھئے
کتنا لطف انگیز ہوتا ہے خمارِ سالِ نو

ہو گئی اُف! رشکِ صد فردوس دل کی چمن
رہ گیا اُجڑا ہوا اپنا دیارِ سالِ نو

قابلِ صد رشک ہم ہوتے ہما کیواسطے
سر پہ گر سایہ فگن ہوتی ہزارِ سالِ نو

ہر برس تغییر ہوتی ہے نظامِ دہر کی
انقلابِ زندگی ہے رازدارِ سالِ نو

ہاتھ پھر بڑھنے لگا میرا گریباں کی طرف
چھیڑتی ہے پھر ہوائے خوشگوارِ سالِ نو

تشنۂ دو لفظ ہم اس مرتبہ بھی رہ گئے
پھر رہیں گے سال بھر تک بیقرارِ سالِ نو

عورتوں کا صفحہ

جزیرہ نما ملایا کی عورتیں

(از قلم جگموہن لال صاحب بھٹناگری۔ بی۔ اے دہلوی)

(خاص تیج دہلی کے لئے)

ملایا کی عورتوں کا شمار دنیا کی خوبصورت عورتوں میں سے ہو سکتا ہے۔ ان کا رنگ گندمی اور معتدل جاذبہ کی خصوصیت لئے ہوئے ہوتا ہے۔ وہاں کی عورتیں چہرہ پر غازہ اور ہونٹوں پر پان کی سرخی رچانے کی شائق ہوتی ہیں۔ ان کا قد میانہ۔ چہرہ گول چپٹی ناک اور خوبصورت چکیلے بال ہوتے ہیں۔ اور ان باتوں سے ہی ان کی نسل کی شناخت ہوتی ہے۔ وہ اپنی آنکھیں سیاہی سے رنگ لیتی ہیں۔ وہ چہرے پر چاولوں کا بنا ہوا غازہ زیادہ ملتی ہیں۔ وہ ہر قسم کے زیور پہنتی ہیں۔ لیکن عام طور پر ہاتھوں میں کڑے بازو میں پازیب۔ گلے میں ہار اور انگلیوں میں انگوٹھیاں پہننا پسند کرتی ہیں۔ ان کی پوشاک میں ایک ڈھیلی ڈھالی لمبی جسم پر پہننے کا کپڑا، ایک پتلی ریشم کی جاکٹ ہوتی ہے جس پر گول سنہری بٹن لگے ہوئے ہوتے ہیں۔ بٹنوں پر بعض اوقات امریکن ڈالر کا ٹھپہ ہوتا ہے۔ وہ رنگ برنگ کا ایک نقاب پہنتی ہیں۔ اس کے علاوہ پاؤں میں پہننے کے سلیپر بڑے خوبصورت گوٹہ اور سلمے کے کام کے بنے ہوئے ہوتے ہیں۔

حالانکہ ملایا کے لوگوں کا مذہب اسلام ہے۔ لیکن وہاں کی عورتیں پردے کی قیود میں بند نہیں رکھی جاتیں۔ اور نہ ہی بازاروں میں وہ اپنے چہروں کو بالکل ڈھک کر نکلتی ہیں۔ ملایا کی عورتوں کا نقاب صرف اجنبی لوگوں سے چہرے کو چھپانے کے لئے استعمال ہوتا ہے۔ اور اکثر اوقات وہ دھوپ کی چمک سے بھی آنکھوں کو بچاتا ہے۔ اکثر عورتیں بازاروں میں پھرتی ہوئی نظر آتی ہیں۔ لیکن اعلیٰ طبقہ کی عورتیں عام طور پر مکانوں میں بند رہنا ہی پسند کرتی ہیں۔ اپنی قوم میں انہیں زیادہ آزادی حاصل ہے اور شادی یا کان چھیدنے کی تقاریب کے موقعوں پر وہ اپنی قوم اور خاندان کے لوگوں میں بالکل بے نقاب نظر آئیں گی۔

حالانکہ ایران۔ ترکی اور ہندوستان کے مسلمان اپنی عورتوں کی ترقی کے لئے کافی کوشاں ہیں لیکن ملایا کی عورتوں میں تعلیم اور تہذیب اسی معیار پر ہے جس پر پہلے تھی۔ اور وہ اسی زندگی پر قانع ہیں جسے وہ سینکڑوں برسوں سے بسر کرتی چلی آئی ہیں۔ اور وہاں کے مردوں کو اس بات کی خواہش نہیں ہوتی کہ وہ اپنی مستورات کو بھی دنیا کی نئی تحریکات میں حصہ لیتے ہوئے دیکھیں۔ اور عام طور پر عورتوں سے گھر کے دھندوں کے سوا کچھ اور توقع نہیں کی جاتی۔

تعلیم نسواں بھی ان کے لئے ایک عجیب معمہ ہے ۱۹۳۳ء میں وہاں صرف ... اسکول تھے جن میں ... لڑکیاں عربی صرف کی تعلیم پاتی تھیں ... قرآن شریف آسانی سے پڑھ سکیں ... [illegible]

ملایا کے انگریزی حکام بھی تعلیم نسواں کے بارے میں عجیب کشمکش و پیچ میں ہیں۔

ڈائرکٹر سررشتہ تعلیم سٹریٹ سیٹلمنٹ نے اپنی ۱۹۳۳ء کی سالانہ رپورٹ میں ایک دلچسپ مقالہ سپرد قلم کیا تھا۔ وہ لکھتے ہیں کہ ملایا میں لڑکیوں کی تعلیم ایک بڑا مشکل مسئلہ ہے۔ ملایا کے والدین یہ خیال کرتے ہیں کہ لڑکیوں کو تعلیم دینے کے معنی انہیں مشتبہ خطوط لکھنے کی ترغیب دینا۔ نیز ان کے اخلاق کو خراب کرنا ہے۔

ملایا میں عورتوں کی شادی پندرہ سے بیس سال تک کی عمر میں ضرور ہو جاتی ہے۔ اور شادی کی رسوم بالکل شریعت کے مطابق عمل میں لائی جاتی ہیں۔ کیونکہ ملایا لڑکی کو بازاروں میں پھرنے اور اپنا شوہر آپ تلاش کرنے کی عام اجازت نہیں ہوتی۔ کثیر الازدواجی کا ملایا میں عام رواج ہے لیکن موجودہ زمانے میں ایک شادی کا رواج بڑھتا جا رہا ہے۔

طلاق بہت جلد حاصل کر لیا جاتا ہے۔ اگر کوئی عورت اپنے خاوند کے خلاف ہو جاتی ہے تو وہ اپنے مذہبی پیشوا (قاضی) کا دروازہ جا کھٹکھٹاتی ہے۔ قاضی کو سرکار انگلشیہ کی طرف سے اس قسم کے مقدمات سننے کے اختیارات حاصل ہیں۔ عورتوں کو بہ نسبت مردوں کے زیادہ جلدی طلاق حاصل ہو جاتا ہے طلاق کے اسباب عموماً بیوی کے ساتھ برا سلوک۔ بچوں کی پرورش کا ناکافی انتظام۔ خاوند کی شراب نوشی اور خاندان کے تنازعے ہوتے ہیں۔ عورت محض اس بنا پر بھی طلاق حاصل کر سکتی ہے کہ اس کا خاوند اسے نہیں چاہتا۔ ازدواج باہمی کی بھی ممانعت نہیں ہے۔ لیکن جو شخص ملایا کی عورت سے شادی کرنا چاہے اسے مذہب اسلام پہلے قبول کرنا پڑتا ہے۔

دیہاتوں میں ملایا کی عورتیں دھان کے کھیتوں میں مزدوری کا کام کرتی ہیں اور اپنے کسان خاوندوں کی امداد کرتی ہیں۔

کیڈا میں جو ایک خود مختار ملایا ریاست ہے اور جہاں کا دیسی حکمران انگریز افسر کی امداد سے حکومت کرتا ہے۔ عورتیں چرخہ کاتتی ہیں اور کپڑا بنتی ہیں۔ یہ کپڑا بازار میں نہیں بکتا بلکہ اپنے ہی گھر کے استعمال کے لئے ہوتا ہے۔

دوسری صنعت جس میں ملایا کی عورتیں ماہر ہیں ٹوکرے بنانا ہے۔ دیہاتی عورتیں اپنے فالتو وقت میں ٹوکرے بناتی ہیں۔ کچھ عورتیں یورپین گھرانوں میں آیا کا کام بھی کرتی ہیں۔

کچھ ایسی ہمت والی ملائی عورتیں بھی ہیں جو تھیٹروں میں کام کرنے لگی ہیں۔ وہ الف لیلیٰ جیسے ڈراموں میں پارٹ کرتی ہیں۔ تمدن جدید کی جھلک لانے کے لئے عام طور پر ملایا کے گیت ڈرامے میں مغربی طرز موسیقی پر گائے جانے لگے ہیں۔ ان کام کرنے والی ایکٹریسوں کی تنخواہیں عموماً تیس روپے فی شب ہوتی ہیں۔ جزیرہ نما ملایا کے ہر ایک حصہ میں پیشہ ور ناچنے والی بھی پائی جاتی ہیں۔ یہ ناچنے والیاں عموماً ۱۵ سے ۲۰ سال تک کی عمر کی ہوتی ہیں۔ وہ عام طور پر اپنی مقبول پوشاک کیلی ہی استعمال کرتی ہیں۔ لیکن وہ کیلی ذرا بھڑکیلی اور کئی قسم کے خوبصورت رنگوں کی ہوتی ہے ایک ڈھول والا اور ایک نفیری والا ہی سازندے ہوتے ہیں۔

سلطان یا دیسی سرداروں کی بیویاں رانی کہلاتی ہیں۔ لیکن ملایا قوم میں ان کا کوئی علیحدہ درجہ یا مرتبہ نہیں ہے۔ وہ شاہی بیگمات یا دوسرے ممالک کی درباری عورتوں کی طرح مرتبہ رکھتی ہیں لیکن مختلف تقاریب مثلاً سلطان کی سالگرہ کے موقعہ پر وہ بھی پردہ سے باہر آ کر تمام رسوم میں حصہ لیتی ہیں۔ پیراک کے سلطان کے ساتھ ایک رانی کی حال ہوئے جب ویمبلی کی نمائش میں شریک ہونے کے لئے ولایت گئی تھی۔ اپنے مرتبے کی وہی ایک عورت ہے جس نے اتنا لمبا جہازی سفر کیا ہے۔ حالانکہ کئی ملایا کی عورتیں جو انگریزوں کے یہاں بطور آیا ملازم ہیں اپنے آقاؤں کے ہمراہ ولایت سے ہو آئی ہیں۔

ملایا کی شہری عورتوں کے لئے سینما بھی ایک دلچسپی کا ذریعہ ہے۔ وہ فلم دیکھنا پسند کرتی ہیں اور ان کے غول کے غول شہروں میں سینما گھر کی طرف جاتے ہوئے دکھائی دیتے ہیں۔ ان میں اب یہ بھی شوق پایا جاتا ہے کہ وہ اپنے خاوندوں کے ہمراہ سیر کے لئے یا دوست احباب سے ملنے یا بائیسکوپ میں ہوا خوری کے لئے جائیں۔ لیکن اس قسم کی باتیں شہروں ہی میں دیکھنے کو آتی ہیں۔ دیہاتوں میں ان کا کچھ اثر نہیں۔

عورتوں کا صفحہ

انگلستان کی چند ماہرین سیاست عورتیں

مس تھیلما کیزلٹ

مس فلورنس ہورسبرگ

مس ایلینور ریتھبون

لیڈی ایسٹر

جنوبی ہند کی ٹوڈا قوم کی عورتیں

مسز آئرین وارڈ

مس ایلن ولکنسن

مسز ایم بی ٹاٹے

ڈچیز آف ایتھول

ٹگرے کا محاذ جنگ اور سپاہیوں کا اجتماع

دمس میں وہ ہندوستانی سپاہی جو
سمگلنگ کا کاروبار کر رہے ہیں

مس انگالس جنہوں نے لاس اینجلس
سے نیویارک تک پرواز کرکے ایک
نیا ریکارڈ قائم کیا ہے

شہنشاہ حبش منگ کے مورچہ پر

ورلڈ ...نگ کی اموں مسٹر ویر
انتخابات میں اپنے سوہار کے لئے
ووٹ حاصل کر رہے ہیں

پہلگام کا ایک دلکش منظر

(بچوں کی دنیا)

بچہ کی بسنت

(خاص تیج دہلی)

(از جناب بھوپندر ناتھ گپتا بی۔اے)

ماں نے مجھے نئے کپڑے پہنائے۔ بسنتی پگڑی بھی سر پر باندھی۔ میں خوش اور اپنے نئے کپڑوں کو دیکھ کر پھولا نہ سماتا تھا۔ ماں نے مجھے بتایا کہ آج بسنت ہے۔ باغ میں پھول کھل رہے ہیں۔ پرندے اپنی اپنی بولیاں بول رہے ہیں۔ درختوں پر کونپلیں پھوٹ رہی ہیں۔ موسم بہار کی آمد آمد ہے۔ میں بھی خوش تھا کہ آج بسنت ہے۔ خوشی خوشی باہر کھیلنے چلا گیا۔ میں نے ارادہ کیا کہ آج میں خوب کھیلوں گا کیونکہ آج بسنت ہے۔ میں اپنے چھوٹے چھوٹے ساتھیوں کے ساتھ خوب کھیلا۔ گھر واپس لوٹا۔ تو ماں سب نیلے کپڑے دیکھ کر غصہ ہوئی۔ میں حیران تھا اور ٹکٹکی لگائے ماں کے منہ کو تک رہا تھا۔ کچھ دیر کے بعد حوصلہ سے کہا۔ "ماں تم ہی تو کہتی تھی کہ آج بسنت ہے۔ میں خوب کھیلا۔ میں نے بھی بسنت منائی۔ میرے کپڑے نیلے ہو گئے۔ اس میں میرا کیا قصور ہے"۔ ماں میری اس سادگی پر ہنس پڑی اور مجھے گود میں اٹھا۔ پیار کرنے لگی اور کہا "ہاں بیٹا تم نے خوب بسنت منائی۔ جاؤ کھیلو اور بسنت مناؤ"۔ میں خوشی خوشی پھر باہر بسنت منانے کے لئے بھاگ گیا۔

سچائی بےخوف کر دیتی ہے

(از مولینا عبدالباری۔ آسی)

ایک عالم بادشاہ کے سامنے ۔۔۔ کہہ رہا تھا صاف باتیں بیدھڑک

شاہ نے اُس سے کہا اے بوالفضول ۔۔۔ تیری باتیں سچ تو ہیں بےشک

لیکن ایسی صاف گوئی پر تجھے ۔۔۔ میرے غصّے کا نہیں ہے خوف تک

بولا ایں بھوٹا نہ ظالم بادشاہ

صاف گوئی سے ہو پھر کیونکر جھجک

صحت

(خاص تیج دہلی)

(از جناب ماسٹر بہاری لال جی۔ رام تالاب دہلی)

جس طرح انجن میں کہیں بھاپ بنتی ہے۔ کہیں کوئی پُرزہ حرکت کرتا ہے اسی طرح جسم کے تمام حصے اپنا اپنا کام کرتے ہیں۔ جب انسان غذا کھاتا ہے تو دانت چباتے ہیں۔ لعاب غذا میں مل جاتا ہے اور ہضم کرنے میں مدد دیتا ہے۔ غذا کو خوب چبا کر کھاؤ۔ غذا معدہ میں جاتی ہے۔ وہاں اس میں کچھ تیزاب مل جاتے ہیں۔ غذا ہضم ہوتی ہے اس کا رس بنتا ہے۔ اس سے خون بنتا ہے۔ خون دل میں آتا ہے اور صاف ہو کر سارے جسم میں دورہ کرتا ہے۔ سارے جسم کی میل لے کر پھر دل کی طرف آتا ہے۔ پھیپھڑے سانس کے ذریعہ خون صاف کرتے ہیں۔ گردہ بھی خون صاف کرتا ہے۔ گندہ مادہ پیشاب اور پسینے کی صورت میں باہر نکلتا ہے ناک میں بالوں کی چھلنی لگی ہوئی ہے جس سے ہوا گرد و غبار سے صاف ہو کر جاتی ہے۔ منہ میں دو نلیاں ہیں۔ ایک کے ذریعہ سانس اندر جاتا ہے۔ دوسری کی راہ سے پانی و غذا اندر جاتی ہے۔ جس طرح گھڑی کا ہر ایک پُرزہ مفید ہے۔ اگر ایک پُرزہ خراب ہو جائے تو گھڑی بند ہو جاتی ہے۔ اسی طرح جسم کی حالت ہے۔ اگر جسم کا ایک پُرزہ خراب ہو جائے۔ پھیپھڑوں میں تکلیف ہو جائے۔ دانت میں درد ہو۔ دل خراب ہو۔ جگر خراب ہو جائے تو تمام جسم بیمار پڑ جاتا ہے۔ ایک پُرزے کی خرابی سے انسان کی موت واقع نہیں ہوتی۔ انسان کے جسم کے تمام پُرزے خراب نہیں ہوتے۔ بلکہ ایک دو پُرزوں کی خرابی کی وجہ سے ہی انسان کی موت واقع ہوتی ہے اس لئے ہر ایک پُرزے کو صاف کرنا اور اس کی ٹھیک ٹھیک نشو و نما کرنا ضروری ہے۔

چھوت کی بیماری۔ تپدق۔ خسرہ۔ چیچک۔ طاعون سب ایسی بیماریاں ہیں جو چھونے سے ایک دوسرے کو لگ جاتی ہیں۔ ڈاکٹر بتلاتے ہیں کہ جب ان بیماریوں کے جراثیم کسی آدمی کے جسم میں داخل ہوتے ہیں تو آدمی کے اندر پرورش پاتے ہیں اور پھر دوسرا آدمی بھی بیمار ہو جاتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ ایسے مریضوں کے پاس جانا خطرناک ہے۔

جسمانی صحت کے لئے صفائی نہایت ضروری ہے۔ گھڑی کے پُرزوں میں میل جمع ہو جائے تو گھڑی بند ہو جاتی ہے۔ اسی طرح اگر ہمارے جسم کے پُرزے صاف نہ ہوں تو جسم کی مشین خراب ہو جاتی ہے اس لئے اپنے ناخنوں، دانتوں۔ ناک۔ کان کو روزمرہ صاف رکھنا ضروری ہے۔ مساموں کو صاف رکھنے کے لئے روزمرہ نہانا چاہئے۔

کھلی ہوا میں روزمرہ ورزش کرنا جسمانی صحت کے لئے ضروری ہے۔ ورزش سے رگ اور پٹھے مضبوط ہوتے ہیں۔ خون کا دورہ تیز ہوتا ہے۔ اندرونی میل مساموں کی راہ سے خارج ہو جاتا ہے۔ لڑکوں کے کھیل بہت مفید ہیں۔ ان سے طبیعت خوش بھی رہتی ہے۔ اور ورزش بھی ہو جاتی ہے۔ اگر انسان بے کار رہے تو سست اور آلسی بن جاتا ہے۔ بیمار رہتا ہے۔ جس طرح مشین بیکار پڑی رہنے سے اسے زنگ لگ جاتا ہے۔ انجن سے کام نہ لیں تو کچھ عرصہ میں انجن بیکار ہو جاتا ہے۔ اور اگر گھڑی بے کار رہے تو وہ بھی خراب ہو جاتی ہے۔ انسان کی تندرستی کے لئے محنت اور کام ضروری ہیں۔ ورنہ انسان کے عضو سست ہو کر خراب ہو جائیں گے۔

اگر بیماری سے بچنا چاہتے ہو۔ اور تندرست رہنا چاہتے ہو۔ تو محنت کرو۔ ورزش کرو۔ نیک عادتیں اپنے اندر داخل کرو۔

سوالات

۱۔ دانت، زبان، معدہ اور دل کیا کام کرتے ہیں؟

۲۔ پھیپھڑوں کا عمل بیان کرو؟

۳۔ ناک کی راہ سانس صاف ہو کر کس طرح جاتی ہے۔

۴۔ منہ کی دو نلیاں کونسی ہیں اور ان کا کیا کام ہے؟

۵۔ جسم کے ہر ایک پُرزے کا صاف رکھنا کیوں ضروری ہے؟

۶۔ کیا موت کے وقت انسان کے تمام عضو خراب ہو جاتے ہیں؟

۷۔ کیا کسی ایک پُرزے کے خراب ہو جانے سے آدمی بیمار ہو جاتا ہے؟

۸۔ بیمار ہو کر ڈاکٹر کو بلانے کی نسبت صحت کے قاعدوں پر عمل کر کے بیمار نہ ہونا کیوں بہتر ہے؟

۹۔ ڈاکٹر چھوت کی بیماری کے مریض کو دیکھتے ہیں لیکن بیمار نہیں ہوتے۔ اس کا کیا باعث ہے؟

۱۰۔ جراثیم سے بچنے کے لئے جسم کو مضبوط بنانا کیوں ضروری ہے؟

۱۱۔ تازہ ہوا اور روشنی جسمانی صحت کے لئے کیوں ضروری ہے؟

۱۲۔ صفائی کا اثر جسمانی صحت پر کیا پڑتا ہے؟

۱۳۔ جسمانی صحت کے لئے کھلی ہوا میں ورزش کرنا کیوں مفید ہے؟

۱۴۔ بیکار اور سست آدمی کی صحت کیوں خراب ہو جاتی ہے؟

۱۵۔ نیک عادتیں صحت کے لئے کیوں مفید ہیں؟

اس شخص سے بھلائی کی امید نہ رکھ جو دوستوں کی خطاؤں سے درگذر نہیں کر سکتا۔

ظالم کے ظلم کو دیکھ جس نے جہالت کی وجہ سے اپنے ایک فائدہ کے واسطے آدمیوں کو سو نقصان پہنچائے ہیں۔

مظلوموں اور غریبوں کے مارنے کا ارادہ نہ کر۔

ایک عقلمند نے کہا کہ تقدیر مقدم ہے لیکن تو کسی حال میں بھی تدبیر نہ چھوڑ۔

اس شخص کے ساتھ برائی کرنا مروت نہیں ہے جس نے تجھ سے بھلائی کی ہو۔

ثابت قدم رہ اور عقل کا کہا مان تاکہ لوگ تجھ سے منحرف نہ ہوں۔

سب کو مرنا ہے تو ایسے کام کر جن سے لوگ مرنے کے بعد تجھ کو نیکی سے یاد کریں۔

خوشی کے کان سے کسی کی تکلیف کو مت سن

اے کمزور زبردست کے ظلم کو برداشت کر اس لئے کہ ایک دن تو اس سے زیادہ طاقتور ہو جائے گا۔

اہل ارادے جس انسان میں موجود ہیں وہ عالی ہمت اور بلند حوصلہ انسان ہے۔

کاہلی زندگی اور بیکاری موت ہے۔

انسان کو جو کچھ ملے اسی پر قناعت کرنا چاہئیے

قرض مت لے کہ اس کا نتیجہ ذلت و خواری ہے۔

جو آدمی مستقل مزاج نہیں ہوتے ان کا کوئی کام تکمیل کو نہیں پہونچتا۔

کوئی شے مفید نہیں جو ساتھ ہی ساتھ مضر بھی نہ ہو۔

دیانت دار آدمی خدا کی بہترین صنعت ہے۔

نتھو چوری کے الزام میں ماخوذ ہوا۔ اس کے ایک دوست نے ازراہ تسلی دھیرج دی کہا: گھبراؤ نہیں۔ اطمینان رکھو۔ تمہارے ساتھ پورا پورا انصاف ہوگا۔

نتھو: یہی تو ڈر ہے اگر پورا پورا انصاف ہوا تو میں بچ نہیں سکتا۔

امسال بارش نہ ہونے کی وجہ سے لوگ تنگ آگئے، ہر شخص بارش کی دعائیں مانگ رہا تھا۔ آخر ایک دن موسلا دھار بارش ہوئی۔

ایک زمیندار نے نواب صاحب سے دوران ملاقات میں کہا: بارش بہت اچھی اور باموقع ہوئی ہے امید ہے کہ اب زمین سب کچھ اگل دیگی۔

نواب صاحب: خدا نہ کرے۔ میری تین بیویاں زمین میں دفن ہیں۔

وکیل: (اپنے موکل سے) تم نے اپنا عذر مجھ سے بیان کیا تھا یا نہیں۔

موکل: جی ہاں۔

وکیل: پھر اس نے کیا کہا؟

موکل: اس نے کہا کہ یہ باتیں کسی گدھے سے کہنا۔

وکیل: پھر!

موکل: میں سیدھا آپکے پاس چلا آرہا ہوں

ایک عرب نے کسی مسافر کو اپنے پرانے رسم و رواج کے مطابق شام ہوتے ہی اپنے گھر ٹھہرنے کو جگہ دی۔ کھانے وقت مہمان جب ذرکر روٹی لاتا تو دال صاف کر دیتا اور جب دال لاتا تو روٹی صاف کر دیتا تھا۔ نتیجہ یہ ہوا کہ میزبان کو اس رات مع اہل و عیال کے بھوکا ہی سونا پڑا۔ صبح کو جب مہمان رخصت ہونے لگا تو میزبان نے پوچھا: آپ کہاں تشریف لے جا رہے ہیں۔

مجھے بھوک نہیں لگتی۔ ایک حکیم کے پاس علاج کرانے جا رہا ہوں۔

میزبان نے گھبرا کر کہا۔

واپسی میں برائے مہربانی کسی دوسرے راستہ سے لوٹئے۔ تاکہ کسی اور کو بھی آپ کی مہمان نوازی کا شرف حاصل ہو۔

خط و کتابت کرتے وقت چٹ نمبر کا حوالہ ضرور دیجئے۔

(از جناب کوثر چاندپوری)

پہلے خیال میں تعلیم اور کامیاب زندگی دونوں مترادف المعنی تھیں۔ لیکن جب ہم ایف۔ اے کر کے اسکول سے نکلے تو معلوم ہوا کہ دنیا کے کسی گوشہ میں ہماری گنجائش نہیں۔ ہر قدم پر ہمیں اپنی کمزوریوں کا احساس ہوتا تھا اور یقین ہو گیا تھا کہ زندگی کے عملی میدان میں کم از کم اپنی علمی قابلیت سے ہم کوئی امتیاز پیدا نہیں کر سکتے۔ ناکامی کے صدمے سے ہمارے حواس پراگندہ اور عقل حیران تھی۔ کہ ایک دوست نے ہمیں مطلع کیا۔ یو۔ پی کے ایک اردو اخبار میں ایڈیٹر کی ضرورت ہے اگرچہ تنخواہ کے معاملہ کو ملاقات پر منحصر رکھا گیا ہے تاہم سو سے کم نہ ہوگی۔ تم بھی درخواست بھیج دو۔ ممکن ہے اندھے کے ہاتھ بٹیر آ جائے۔

درخواستیں بھیجنے میں ہمیں کافی مہارت تھی۔ ہفتہ میں چالیس پچاس لفافے خرچ ہو جایا کرتے تھے، ایک فاؤنٹین پن، اور سفید کاغذ کے کئی دستے ہم نے اس ضرورت کے لئے خرید لئے تھے کاغذ تو بضاعت سے زیادہ صرف ہو چکا تھا قلم کی نب البتہ اب تک کام دے رہی تھی۔ بہر حال ہم نے فوراً درخواست لکھی اور بھیج دی۔ اگلے ہفتہ میں جواب آیا فوراً آ کر ملو۔

تعلیم زدہ لڑکوں کو کپڑوں کے اہتمام کی زیادہ ضرورت نہیں ہوتی، ماں باپ کے گاڑھے پسینہ کی کمائی وہ کتابیں خریدنے کے بہانے سے منگا کر سیدھی کپڑوں پر ضائع کر دیتے ہیں اور کتابیں دوسروں سے مانگ کر کام نکال لیتے ہیں، ہم نے صندوق کھول کر عمدہ کپڑے منتخب کر کے پہن لئے اور بارہ گھنٹے کے مسلسل سفر کے بعد مالک اخبار سے جا کر شرف نیاز حاصل کیا۔

یہ بہت ہی موٹے تازے سیاہ رنگ کے آدمی تھے، ڈیل ڈول سے معلوم ہوتا تھا، فوج کے سپہ سالار ہوں گے یا کسی امیر آدمی کے مہتمم باورچی خانہ۔ آرام کرسی پر پڑے ہوئے حقہ کے کش لے رہے تھے، ہمارے آنے کی آہٹ سے ایک دم آنکھیں کھول دیں اور مونچھوں پر تاؤ دیتے ہوئے اٹھ کر بیٹھ گئے۔ ہمیں ان کی صورت سے ڈر معلوم ہو رہا تھا۔ ایک تو سیاہ آبنوسی رنگ جو بغیر کوبرا پالش کے چمک رہا تھا، دوسرے لال، لال، آنکھیں اور سفید سفید لمبے لمبے دانت اندھیری راتیں منہ پھیلا کر کھڑے ہو جائیں تو آدمی کتنا ہی اپنے وقت کا رستم اور سہراب کیوں نہ ہو ایک مرتبہ تو ضرور ہی چیخ اٹھے،

ہمیں دیکھتے ہی فرمانے لگے، کہاں سے آئے آپ کیا نام ہے آنے کا مقصد کیا ہے؟

پھر جواب کا انتظار کئے بغیر ہی کہنا شروع کر دیا، رات کو سینما گیا تھا بے وقت نیند آئی۔ سر بھاری بھاری معلوم ہو رہا ہے آپ نہ آتے تو دو چار گھنٹے اور سو لیتا ارشاد ہو تو واپس ہو جاؤں؟

اب کیا نتیجہ، بڑی کوشش سے نیند آئی تھی، دو گھنٹے پھر آنکھیں بند کروں گا جب کہیں نیند آئے تو آئے، . . . ہاں آپ کا نام کیا ہے کہاں سے آئے ہیں آپ نا وقت؟

مجھے قادر علی کہتے ہیں۔ آپ سے ملنے آیا ہوں۔ آپ نے ملاقات کے لئے مجھے طلب کیا تھا!

آہا! آپ ہیں . . . .

مزاج تو اچھے ہیں آپ کے، طبیعت راضی ہے جناب کی، کس گاڑی آئے آپ، بڑی تکلیف اٹھائی معاف فرمایئے۔ میں پہچان نہ سکا۔

آپ کی دعا سے کوئی تکلیف نہیں ہوئی بڑے آرام سے آ گیا!

ہمیں سخت خطرہ تھا کہ یہ ادارت کا امتحان نہ لے بیٹھیں۔ کیونکہ ہم تو خدا کے فضل سے ایک اس فن میں کیا دنیا کے سارے فنون میں نرے "ملا فاضل" ہی تھے۔ مگر بڑی خیریت ہوئی کہ انھوں نے اس قسم کا کوئی سوال ہم سے نہ کیا، اور سب سے پہلے تنخواہ کا معاملہ زیر بحث آ گیا!

کیا تنخواہ لیں گے آپ؟

اس سوال کا جواب ہمارے پاس کچھ بھی نہ تھا زبان ہلانے ہی میں ہمیں بہت پس و پیش ہو رہا تھا۔ اندیشہ تھا کہ تنخواہ زیادہ بتا دیں تو یہ ملازم ہی نہ رکھیں گے اور کم بتائیں گے تو ہمیں خسارہ رہے گا،

ہم اسی کشمکش و پیچ میں تھے کہ اپنے دوست کی یہ بات یاد آ گئی کہ ایڈیٹری کی تنخواہ کم سے کم بھی سو ہوگی۔ بس ہم نے فوراً طے کر لیا کہ ایک ایڈیٹر اس سے کم تنخواہ پر دستیاب نہیں ہو سکتا چنانچہ ہم نے بڑی ہمت کر کے کہا۔

تنخواہ! جناب تنخواہ تو سو روپے لوں گا ویسے آپ مختار ہیں۔ مفت بھی کہیں گے تو کام کروں گا! میں تو آیا ہی اس لئے ہوں۔

انھوں نے غالباً پہلے ہی یہ معیار مقرر کر رکھا تھا سو کا لفظ ہمارے منہ سے نکلا ہی تھا کہ منظوری صادر ہو گئی اس کے بعد قابلیت کے متعلق کوئی بات دریافت نہیں فرمائی گئی۔ بلکہ ہمیں ایک مختصر سے کمرے میں پہنچا دیا گیا۔ جہاں ایک ٹوٹی ہوئی کرسی، چھوٹی سی پرانی میز پڑی ہوئی تھی۔ یہ ہمارے اخبار کا دفتر تھا۔ ان چیزوں کے علاوہ ہمارے دفتر میں پرانے اخبارات کی چند کرم خوردہ جلدیں اور ایک معمولی قلم دوات بھی تھا۔ اور لغات کشوری کریم اللغات کی ایک ایک جلد بھی رکھی ہوئی تھی، ان سب چیزوں کا جائزہ ہمیں دیا گیا۔ اور ہم "ایڈیٹر" بن گئے۔ یا بنا دئے گئے۔

ہم فوراً ہی اخبار کی ترتیب میں مشغول ہو گئے اس کام میں بہت مشکل پیش آئی مگر دفتر کے ایک پرانے محرر نے بتایا۔ اس سر مغزی کی کیا ضرورت ہے خبریں دوسرے اخباروں سے کاٹ کاٹ کر کاتب کے حوالے کر دو۔ اور "ہمارا مسلک" کے عنوان سے دس پانچ سطریں لکھ دو جنہیں اس کے علاوہ اور کوئی بات نہ ہو کہ آئندہ اخبار میں چند اصلاحات کی جائیں گی۔ اور ممالک غیر کی تازہ خبریں خاص اہتمام سے مہیا کی جائیں گی۔ کارٹون شائع کئے جائیں گے۔ مشہور شاعروں کا کلام بڑی کوشش سے حاصل کر کے چھاپا جائے گا!

اس کے علاوہ کلکتہ میں فساد ہو گیا ہے۔ اس پر کوئی آگ پر تیل چھڑکنے والا مضمون لکھ دو۔ اس فساد کے حالات ہم نے اخباروں میں پڑھے تھے، ذہن میں تمام واقعات موجود تھے۔ ہم نے تشدد پسندوں کے خون کی بوندیں لال کی سرخی سے ٹوٹے پھوٹے الفاظ میں غلط املا کے ساتھ چار گھنٹے کی محنت میں ایک صفحہ لکھ دیا۔ جس کو محرر صاحب نے بھی پسند کیا اور کاتب صاحب نے بھی۔ مالک اخبار کو مضامین کے حسن و قبح سے کوئی بحث ہی نہ تھی۔ ان کے پاس اتنا وقت کہاں تھا کہ اخبار کے مضامین پر اصلاح دیں۔ اسی لئے مستقل طور پر ایک ایڈیٹر کی خدمات حاصل کر لی گئی تھیں۔

ہمیں اپنی اس کمزوری کا اعتراف تھا کہ ہم املا صحیح نہیں لکھ سکتے۔ چنانچہ کاتب کو مضمون دیتے وقت صاف طور پر کہہ دیا گیا۔ بھائی صاحب ذرا دیکھ لیجیئے اگر کہیں املا میں سہواً کوئی غلطی ہو گئی ہو تو اسے لکھتے وقت درست کر دیجئے گا۔

کاتب صاحب بہت ایماندار اور ہمدرد آدمی تھے، انھوں نے بڑی توجہ سے مضمون پڑھا۔ کئی جگہ ہم سے لغزشیں ہوئی تھیں، انھوں نے سب کو درست کر دیا۔ ہم نے "تاویل" میں "الف" کی جگہ "عین" استعمال کی تھی کاتب صاحب نے "ت" کو بھی "ط" سے بدل کر "طویل" بنا دیا۔ "تنبیہ" کے آخر میں ہم نے بڑی "ح" لکھی تھی۔ انھوں نے اس کو کاٹ کر چھوٹی "ہ" لکھ دی۔ "ہیزم سوختنی" میں ہم بے خیالی میں "ض" لکھ گئے تھے کاتب صاحب نے اس پر بھی قلم اصلاح پھیر دیا۔ ایک مقام پر "بے لوث" میں "س" لکھا گیا تھا انھوں نے "س" کو قلمزد کر کے "بے لوح" بنا دیا۔

اخبار چھپ کر مطبع سے آیا تو ہمارا نام بجائے "قادر علی" کے معمولی درجہ سے ترقی کر کے ------

مولانا سید قادر علی علیگ "اسیر فرنگ" کے اونچے زینہ تک پہنچ گیا تھا پہلے تو ہمیں سخت حیرت ہوئی مگر جلد ہی معلوم ہو گیا کہ اس میں کوئی بات بھی خلاف واقعہ نہیں ہے علیگڑھ کی ایک سرائے میں دو مہینہ ہم نے قیام کیا تھا اس لئے ہمارے نام کے ساتھ "علیگ" لکھا جانا مناسب تھا، اسی طرح "اسیر فرنگ" کا دم چھلا بھی مخل فصاحت نہ تھا۔ کیونکہ ریل میں بے ٹکٹ سفر کرنے کی پاداش میں کچھ دیر کے لئے ہمیں بھی منشا کے خلاف سٹیشن ماسٹر کے کمرہ میں ٹھہرنا پڑا تھا!

(باقی اگلے صفحہ پر)

پچھلے صفحہ سے

اور اسٹیشن ماسٹر یقیناً انگریز تھا۔ یہ سب باتیں سلسلۂ تقریر میں ہم نے کسی وقت خاکسار مالک اخبار کے گوش گزار کر دی تھیں جو اتفاق سے اُنہیں یاد بھی رہ گئیں۔ رہا مولانا اور سید کا اضافہ تو اس کے لئے کسی دلیل اور حجت کی ضرورت ہی نہیں معلوم ہوتی ہر شخص اگر وہ مسلمان ہے تو ایڈیٹر ہو کر "مولانا" بن جاتا ہے، چاہے داڑھی کے ساتھ مونچھوں کا صفایا بھی کیوں نہ کرتا ہو اور شیخ سے "سید" بن جانا آپ جانتے ہیں کچھ بھی مشکل نہیں۔ ہزاروں دُھنے، جلاہے "سید" ہو گئے تو ان پر تعزیرات ہند کے ماتحت کوئی مقدمہ نہ چلا تو ہم تو خدا کے افضل سے کھرے شیخ تھے اور ہمارا نام بھی ردیف، قافیہ کے لحاظ سے "سیدوں" کا سا تھا پھر ہمارے "سید" بن جانے میں کیا قباحت تھی؟ اور کسر نفسی کے ہم ابتدا ہی سے قائل ہیں۔ اس لئے ان خطابات کو ہم نے بڑی خوشی سے قبول کر لیا۔

اخبار چھپتے ہی ڈاک میں ڈال دیا گیا تھا تین چار روز کے بعد اعتراضات کی بارش شروع ہو گئی۔ اکثر اخبارات اور رسائل نے ہمارے اخبار پر تبصرہ کرتے ہوئے املا کی غلطیوں کو واضح کیا۔ ہم نے جواب میں لکھ دیا کہ یہ سب کاتب صاحب کی حماقت ہے، ہم خود شستہ مذاق ہیں کہ اُن کی جہالت سے ہمیں مفت الزام سہنا پڑا۔ اسی کے ساتھ ہم نے اپنے اخبار میں ایک "صحت نامہ" بھی شائع کر دیا۔ اور دوسرے اخباروں نے جس طرح غلط الفاظ کی تصحیح کی تھی، ہم نے بھی کر دی۔

ہم اگرچہ قد و قامت کے لحاظ سے کافی طویل تھے، سر بھی چھوٹا تھا لیکن ہماری ذہانت میں آج تک کسی کو شبہ نہیں ہوا۔ واقعی ہم بہت ہی ذہین اور سمجھدار تھے ہم نے اپنی دانشمندی اور فطری قابلیت سے اخبار نویسی کے مشکل فن میں بہت جلد ترقی کر لی۔ ہزاروں برجستہ اور پھڑکتے ہوئے اشعار ہمیں یاد ہو گئے جن کو موقعہ بے موقعہ ہم مضمون میں لکھ دیا کرتے تھے۔ مضامین کا سرقہ کرنے اور خبریں (بغیر حوالہ) نقل کرنے میں تو قابل رشک کمال ہم نے حاصل کر لیا۔ ایک اچھے مضمون کو آسانی کے ساتھ ہم اپنے الفاظ میں منتقل کر لیا کرتے تھے لیکن ایک بہت بڑی کمی بھی ہم میں تھی یعنی ہم شاعر نہ تھے، اور نہ ہو سکتے تھے۔ شعر کو موزوں پڑھنا بھی ہمارے قبضہ کی بات نہ تھی۔ شعر کہنا تو امر دیگر ہے اور مشکل یہ تھی کہ موجودہ دور کے تمام اخباروں میں منظوم کلام شائع ہوتا تھا اس کی وجہ خواہ یہ ہو کہ اخباروں کے ایڈیٹر سب کے سب شاعر تھے۔ یا کوئی اور بات ہو بہرحال خاکسار مالک اخبار نے ہمیں پابند کر دیا تھا کہ اخبار کی ہر اشاعت میں ایک نظم یا غزل ضرور ہونی چاہیئے اسی کے ساتھ مزاحیہ مضامین کے لئے بھی ایک صفحہ مخصوص کر دیا گیا۔ ہم یہ تو نہیں کہہ سکتے کہ ظریفانہ مضامین کامیابی کے ساتھ لکھ لیتے تھے۔ تاہم اس خصوص میں اتنے "پیدل" نہ تھے جتنے شاعری کے فن میں۔ ہم نے طے کر لیا تھا کہ جس مضمون کے کسی جملہ پر پڑھنے والے کو ہنسی آ جائے وہی مضمون ظریفانہ ہے چنانچہ ہم نے بھی کوشش کی کہ لوگ ہماری تحریرات کو دیکھ کر ہنسا کریں۔ مگر اس سعی کا نتیجہ یہ ہوا کہ ہم پر اخلاق سوز اور سوقیانہ مضامین لکھنے کا الزام عائد ہوا جس کی ہم نے چنداں پرواہ نہ کی۔ غزل کے لئے ہم نے اپنے دوستوں کو لکھا انہوں نے توجہ بھی کی لیکن تخلص اپنا نظم کیا۔ مولانا قادر علی کا کہیں نام نہ آیا۔ ہم نے جھنجھلا کر اپنے ایک بے تکلف دوست کو لکھا۔

بھائی ہمارا تخلص غزل میں ڈال دو تو ہم بھی جانیں۔ اپنے نام سے تو بہت لکھتے ہو۔ مہینے میں دو چار غزلیں ہماری طرف سے بھی لکھ دیا کرو۔ انہوں نے ایک دم سے چار غزلیں ہمارے نام سے کہہ کر بھیج دیں اور ہم نے اُن کو اخبار میں شائع کر دیا۔ اس سے یہ فائدہ تو ضرور ہوا کہ قارئین محترم کو ہمارے خداداد ملکۂ شاعری اور ذوق سخن کا علم ہو گیا۔ مگر یہ نقصان بھی ہوا کہ ماہانہ رسائل نے ہمارا کلام مانگنا شروع کر دیا۔ اور شہر میں بھی مشاعرے ہونے لگے۔ جہاں سخت اصرار سے ہمیں مدعو کیا جاتا اور غزل پڑھوائی جاتی۔ دو تین مشاعروں کے لئے مصرعہ طرح بھی ہمارے مشورہ سے دیا گیا۔ اور ہم نے ہر مرتبہ ایسا مصرعہ پسند کیا جس کے ردیف قافیہ میں ہمارے پاس لکھی ہوئی غزل موجود تھی۔ تیسرے مشاعرے کے لئے ہم نے اسی مصرعہ کو مشتہر کیا۔

اب تو گھبرا کے یہ کہتے ہیں کہ مر جائیں گے

اور اس کی وجہ یہ تھی کہ اسی مہینے میں ہمارے دوست نے جواب ہماری توجہ سے استاد بھی ہو گئے تھے ہمارے لئے جو غزلیں بھیجی تھیں اُن میں ایک غزل ایسی ہی تھی . . . کر جائیں گے۔ پھر جائیں گے

آخر میں جب مبتدی لوگ پڑھ چکے تو ہم نے بالکل لحن داؤدی میں پڑھنا شروع کیا۔ ابھی ایک ہی شعر پڑھا تھا کہ سامعین ایک دوسرے کا منہ تکنے لگے۔ ہم سمجھے کہ ہماری غزل بہت بلند ہے یہ لوگ حیرت سے ایک دوسرے کا منہ تک رہے ہیں۔ مگر دوسرا شعر سننے کے بعد ایک صاحب نے فرمایا۔ بحر بدل گئی جناب ایڈیٹر صاحب کہاں ہیں آپ؟

ہمیں کیا معلوم "بحر" کس جانور کا نام ہے۔ مگر اتنا قیاس سے ہم نے سمجھ لیا کہ اور لوگوں نے جو اشعار پڑھے تھے ہمارے اشعار اُن کے مقابلہ میں ذرا لمبے ہیں۔ ایک سانس میں مشکل سے ایک مصرعہ پڑھا جاتا تھا۔ اس موقعہ پر خاموش ہو جانے کے سوا چارہ نہ تھا تاہم رفع خجالت کے طور پر ہم نے خاکساری کے ساتھ عرض کیا۔ معاف فرمایئے۔ بحر کا مجھے خیال ہی نہ آیا طرح کا مصرعہ بھی یاد نہ رہا۔ غزل لکھتے وقت یہی بحر سامنے آ گئی مگر جلسہ میں ہر قسم کے لوگ تھے اکثر ہمارے پاس خاطر کی بنا پر چپ رہے۔ ایک صاحب نے بعد کی صفوں سے منہ اُبھار کر فرمایا۔

(باقی صفحہ ۳۵ پر)

داغ کی شاعری

(از افتخار الدین شمس اکبرآبادی)

(خاص تیج دیکلی کے لئے)

آج اگر ہندوستان کے شعراء پر نظر ڈالی جائے تو فصیح الملک نواب مرزا خان داغ دہلوی جیسا خوش نصیب شاعر صفحۂ ہند پر کم نظر آسکے گا۔ ہندوستان کے بہترین شعرا کی زندگی پر اگر نظر کی جائے تو یہ پتہ چلتا ہے کہ ان کی زندگی رنج والم کی داستان تھی۔ زندگی میں کوئی ان کی قدر نہ کر سکا۔ اور اب اگر تعریف کے پل باندھے بھی دیئے جائیں تو سراب خیال سے زیادہ حقیقت نہیں رکھتے۔ کیونکہ وہ حضرات کسی قسم کی تعریف سے لطف اندوز نہیں ہو سکتے۔ میر باوجود شاعری میں کمال حاصل کرنے کے کبھی خوش نہ رہ سکے۔ عمر بھر رنج و مصیبت اور درد و تکلیف میں مبتلا رہے۔ ان کی تمام زندگی رنج والم کی جیتی جاگتی تصویر ہے۔ غالب کی رگ رگ میں آبائی ریاست کا ناز خون کے ساتھ شامل رہا۔ زندگی بھی آرام سے نہ گذری۔

حیدر علی آتش کو خاک کے بستر کے سوا بوریا تک میسر نہ ہوا۔ یہی نہیں بلکہ فاقے بھی کئے۔ مگر خدا نے داغ کی قسمت میں روز ازل ہی سے آرام و چین اور عیش و عشرت کے سامان مہیا کر رکھے تھے۔ ان کی زندگی خوشی کے ساتھ گذری۔

آج ہندوستان کا بچہ بچہ داغ سے واقف ہے۔ مال و دولت کے علاوہ داغ کی شہرت کا دریا بہہ نکلا۔ ہندوستان کا وہ کون سا شہر ہے جہاں گلی کوچہ میں داغ کی غزلیں نہ گائی جاتی ہوں اور رنگین طبع اور خوش مزاج لوگوں کے دلوں کو نہ تڑپاتی ہوں۔

اس شان و شوکت کے علاوہ اگر داغ کے اشعار پر نظر ڈالی جائے تو کچھ اور ہی رنگ نظر آتا ہے۔ داغ کی شاعری عجیب طرز و انداز کی شاعری ہے۔ اس بلبل ہند کی نسبت لوگوں کے مختلف خیالات اور مختلف رائیں در پیش ہیں۔ ایک تو وہ گروہ ہے جو ان کی شاعری کو بام عروج پر پہنچانا اپنا ایمان خیال کرتا ہے۔ وہ داغ کی شاعری کے پھولوں کو باغ سخن کے بہترین پھولوں میں شمار کرتا ہے۔ گویا وہ حضرت داغ کو باغ سخن کا مالی تصور کرتے ہیں۔

اب دوسرا گروہ ان حضرات کا ہے جو داغ کے کمال سخن میں داغ لگانا اپنا مذہب سمجھتے ہیں اور جن کا یہ خیال خام ہے کہ امیر مینائی کے اکثر شاگرد داغ سے بدرجہا بہتر کہتے تھے۔ گویا یہ حضرات داغ کے کمال سخن کو بہت حقارت کی نظر سے دیکھتے ہیں۔

غرضیکہ اس وقت داغ کی شاعری عجیب کشمکش میں پڑی ہوئی ہے۔ عقل حیران ہے کہ دوسرے گروہ کے حضرات ایسا کیوں تصور کرتے ہیں جب کہ داغ نے کبھی کسی کی برائی نہ کی۔ ذوق کے شاگرد رشید ہوتے ہوئے کبھی غالب یا غالب کے شاگردوں سے نوک جھونک نہ رہی۔

میں نہ تو داغ کو بام عروج پر چڑھانا اپنا ایمان تصور کرتا ہوں اور نہ ان کی توہین و حقارت کرنا یا ان کے کمال سخن میں داغ لگانا اپنا مذہب خیال کرتا ہوں۔

حقیقت یہ ہے کہ دونوں طبقوں کے حضرات صراط مستقیم پر قائم نہیں ہیں۔ اگر داغ کی شاعری پر ایک منصفانہ نظر ڈالی جائے تو یہ ظاہر ہو جائے گا کہ نہ تو وہ اس قدر قابل تحسین تھی کہ اس کے آگے غالب ذوق، ناسخ، مومن وغیرہ جو باغ سخن میں تازہ اور خوشنما پھول کھلا گئے ہیں۔ وہ داغ کی شاعری کے پھولوں کے آگے کچھ حقیقت نہیں رکھتے اور نہ وہ اس قدر قابل نفرت تھی کہ امیر مینائی کے اکثر شاگرد بھی میدان سخن میں داغ سے آگے نکل گئے۔

داغ کو اگر فطرتی شاعر کہا جائے تو بے جا نہ ہوگا اس کے کلام کا اثر بجلی کے تار کی طرح سینہ میں اتر جاتا ہے اور ایک خاص کیفیت پیدا کر دیتا ہے جو حقیقت میں شعر کا مقصد ہے۔ داغ کے کلام کو یہ وصف اعلیٰ حاصل ہے۔ ان کا کلام نشتر کی طرح دل میں چبھتا ہے۔

اب ہمیں یہ دیکھنا ہے کہ آیا داغ کا درجہ اردو شعرا کی صف میں کون سا ہے؟ اس امر کا فیصلہ کرنے کے لئے اس بات کے معلوم کرنے کی ضرورت ہے کہ شعر کسے کہتے ہیں۔ اور شاعری کا اصل مفہوم و مقصد کیا ہے۔

جو جذبات الفاظ کے ذریعہ سے ادا ہوں وہ اشعار ہیں اور چونکہ ان الفاظ کا اثر سامعین پر بھی پڑتا ہے۔ اس لئے شعر کی تعریف یوں بھی ہو سکتی ہے کہ جو کلام انسانی جذبات کو ابھارے اور ان کو تحریک میں لائے وہ شعر ہے۔

شاعر کا کلام ایک آئینہ ہوتا ہے جس میں اس کے خیالات اور احساسات کا عکس پڑتا ہے جو اس کے دلی جذبات میں ڈوبے ہوئے اس کی زبان سے ادا ہوتے ہیں اور یہ بھی حقیقت ہے۔ ع

دل سے جو بات نکلتی ہے اثر رکھتی ہے

(باقی مضمون اگلے صفحہ پر)

(پچھلے صفحہ سے)

مختلف شعراء کے مختلف جذبات ہوتے ہیں مثلاً میر کا درد۔ غالب کی شوخی۔ مومن کی رنگین بیانی اور درد کا تصوف قابلِ تحسین ہے۔ ان جذبات کو دو حصوں میں تقسیم کیا جاتا ہے۔ ادنیٰ اور اعلیٰ۔

اعلیٰ جذبات سے فطرت انسانی کا روحانی حصہ مراد لیا جاتا ہے۔ اور ادنیٰ جذبات سے مادی حصہ۔ جس شاعر کا کلام اعلیٰ جذبات کا خزانہ ہوتا ہے وہ میدانِ سخن کی پہلی صف میں نظر آتا ہے۔ اور جس شاعر کے کلام میں ادنیٰ جذبات ترقی پذیر ہوتے ہیں وہ اس نعمت عظمیٰ سے محروم رہ جاتا ہے۔

اگر اس معیار کو پیش نظر رکھ کر داغ کی شاعری کا اندازہ کیا جائے تو صاف روشن ہو جاتا ہے کہ داغ کی شاعری ان جذبات کی تصویر ہے جن سے فطرت انسانی کا روحانی حصہ مراد لیا جاتا ہے۔ یہ بھی بالکل درست ہے کہ اردو شاعری عاشقانہ شاعری تصور کی جاتی ہے کیونکہ اردو شعراء نے زیادہ تر حسن و عشق کی تصویریں کھینچی ہیں۔ معشوق کا ذکر ملا دیا ہے۔ لیکن جو اعلیٰ درجہ کے شاعر ہیں انہوں نے حسن کو محض بازاری حسن خیال نہیں کیا ہے۔ اور عشق کو بھی جذبہ حیوانی تصور نہیں کیا ہے مگر داغ کا کلام اس بات کی صحیح ترجمانی نہیں کرتا لیکن داغ حسن و عشق کے اعلیٰ مفہوم سے کبھی بے خبر نہ تھے۔

ان کی شاعری ہمیشہ اعلیٰ شاعری تصور کی جاتی ہے۔ داغ اور غالب۔ ذوق۔ مومن۔ ناسخ وغیرہ میں صرف اتنا فرق ہے کہ ان حضرات (غالب۔ ذوق۔ مومن وغیرہ) نے عشق و محبت کا بیان صاف صاف اور کھلے الفاظ میں نہیں کیا ہے۔ وہ ہمیشہ مضامین کو دشوار اور مشکل پیرائے میں بیان کرتے ہیں۔ جس کا سمجھنا عوام الناس کے لئے بہت مشکل ہے۔ مگر داغ نے انہیں مضامین کو اس نفیس انداز میں سلجھا کر بیان کیا ہے کہ تعریف نہیں کی جا سکتی۔ اپنی زبان کے متعلق وہ فرماتے ہیں ؎

اردو ہے جس کا نام ہمیں جانتے ہیں داغ
ہندوستاں میں دھوم ہماری زباں کی ہے

داغ کا دعویٰ ہے ؎

داغ معجز بیاں ہے کیا کہنا
طرز سب سے جدا نکالی ہے

داغ پر کہیں کہیں ذوق کا رنگ چڑھا گیا ہے اور چند اشعار اس رنگ کے قلم سے نکل گئے ہیں مگر ایسے اشعار کی تعداد محدود ہے۔ مثلاً داغ کہتے ہیں ؎

دل کی کلی نہ تجھ سے کبھی اے صبا کھلی
چمپا کھلا۔ گلاب کھلا۔ موتیا کھلی

خدا کرے نہ کسی کو امیدوارِ وصال
دعائیں مانگتے ہیں ترکِ مدعا کے لئے

گئے ہوش تیرے زاہد وہ چشمِ مست دیکھی
مجھے کیا الٹ نہ دیتی جو نہ بادہ خوار ہوتا

یہ شکوہ یا فغانِ بے اثر سے
کرے گا اور تو اس سے سوا کیا

عموماً داغ کا کلام ہجر و وصل۔ کنگھی چوٹی۔ لب و رخسار کے مضامین کا خزانہ ہے۔ اور یہ بات بھی

دعوے سے خالی نہیں کہ داغ کا کلام دل میں نشتر کی طرح چبھتا ہے اور ہر پہلو سے چٹکی لیتا ہے۔ مثلاً داغ کہتے ہیں ؎

وہی جھگڑا ہے فرقت کا وہی قصہ ہے صحبت کا
تجھے اے داغ کوئی اور بھی افسانہ آتا ہے

دل کا کیا حال کہوں صبح کو جب اس بت نے
لے کے انگڑائی کہا ناز سے ہم جاتے ہیں

آتا ہے مجھ کو یاد سوالِ وصال پر
کہنا کسی کا اف وہ منہ پھیر کر نہیں

داغ کی شاعری کی شہرت کا خاص سبب یہ ہے کہ ان کی زبان دہلی کی ستھری زبان ہے۔ یہی وہ پہلے شاعر ہیں جنہوں نے اردو زبان کو دشوار گذار راستے سے ہٹا کر صاف اور سیدھے راستہ پر لگا دیا۔ پھر ان کا کلام ان جذبات و خیالاتِ انسانی کا پرتو ہیں جو عوام الناس کے دل پر بھی نشتر کا کام کرتے ہیں۔ اور خیالات کو ادا کرتے ہیں۔ جادو کا اثر رکھتے ہیں۔ اس کے علاوہ غالب و ذوق۔ ناسخ۔ مومن وغیرہ کے کلام کا سمجھنا خاص لوگوں کا کام ہے۔

اس میں ذرا شک نہیں کہ داغ کا کلام بہت صاف اور سلجھا ہوا ہے۔ ان میں استعاروں اور تشبیہوں کو زیادہ دخل نہیں محض سنہری ستھری ترکیبیں ہیں۔ اور پھر ہر شعر روزمرہ کی بول چال کا بہترین نمونہ ہے۔ یہی وجہ ہے کہ ان کا کلام زیادہ دقت طلب نہیں۔ داغ نے اول تو استعارہ اور تشبیہ سے پرہیز کیا ہے۔ اور اگر کبھی اس طرف توجہ بھی کی ہے تو صرف سادہ اور آسان استعاروں اور تشبیہوں سے کام نکالا ہے۔ مثلاً داغ فرماتے ہیں ؎

سوز و گدازِ عشق کی لذت چشیدہ ہوں
مانندِ آبلہ ہمہ تن آبدیدہ ہوں
افتادگی پہ بھی نہ گئی میری جستجو
گویا زمیں پہ سایۂ مرغِ پریدہ ہوں

ابتدائے رمضاں میں ہے پھر عید کی دھوم
کسی کافر نے دکھایا نہ ہو ابرو اپنا
کیا لطفِ ستم یوں انہیں حاصل نہیں ہوتا
غصے کو وہ ملتے ہیں اگر دل نہیں ہوتا

(باقی آئندہ)

اپنے شوہر ہرنام کو بھول بیٹھی - ہرنام نے اُسے کئی مرتبہ ہدایت کی کہ یا تو وہ فلم کمپنی کی ملازمت سے علیحدگی اختیار کرے - اور یا کام کے بعد فوراً گھر واپس آ جایا کرے - لیکن اس نے اپنے شوہر کی ہدایتوں کی مطلق پروا نہ کی - اور وہی کچھ کیا جو اس کی طبیعت میں آیا۔

ایک مرتبہ ایسا ہوا کہ ہرنام کو کئی ہفتہ شیلا کا منہ تک دیکھنا نصیب نہ ہوا - اس نے کئی مرتبہ ملازم کے ذریعہ خطوط بھیجے کہ وہ مکان پر ہو جائے لیکن شیلا نے جواب تک نہ دیا۔

بالآخر ہرنام عاجز آ گیا - اور سخت طیش کی حالت میں اُس نے اپنی خادمہ کملا سے کہا کہ معلوم ہوتا ہے کہ وہ یہاں آنا نہیں چاہتی۔

کملا ہرنام کو برافروختہ دیکھ کر سخت حیران ہوئی۔

اس کے بعد وہ اسی غصہ کی حالت میں اپنی خوابگاہ میں داخل ہو گیا پستول نکالا اور اس میں کارتوس ڈالے اور اچھی طرح سے اس کا جائزہ کرنے کے بعد وہ فلم کمپنی کی طرف چل دیا۔

کملا سب واقعات سمجھ چکی تھی - وہ بہت جلد پھرتی کے ساتھ ڈائرکٹر کی جائے قیام پر پہنچی اور اس نے ڈائرکٹر سے مخاطب ہو کر یوں کہا -

"خدا کے لئے ہرنام کی بیوی شیلا کو باہر نکال دو - وہ سخت ناراض ہے"

"کیسی شیلا - وہ تو یہاں نہیں ہے"

"وہ پستول لئے آ رہا ہے"

"مجھے اس کی قطعاً پروا نہیں"

دفعتاً کمرے کا دروازہ کھلا اور ہرنام نظر آیا -

"بتاؤ شیلا کہاں ہے ؟"

"بیکار بک بک نہ کرو - یہاں کوئی نہیں ہے"

"وہ یقیناً یہیں ہے"

"نکلو میرے کمرے سے تم دونوں نکل جاؤ" . . .

ہرنام نے فیر کر دیا۔

کملا کانپ گئی - اُسے رعشہ آ گیا - وہ کانپتی ہوئی ہرنام کے پاس پہنچی۔

"بیٹا بھاگ جاؤ . . . جلدی بھاگو . . . دنیا کی خاطر نہ سہی - اپنی بوڑھی ماں کی خاطر ہی سہی۔"

کمپنی کے تمام ملازم کمرے میں گھسے - ڈائرکٹر زمین پر پڑا تھا - اور اس کے قریب ایک ضعیف بڑھیا سر جھکائے بیٹھی تھی - "میں نے اس کو مارا ہے" بڑھیا نے کانپتے ہوئے کہا۔

غور سے دیکھا گیا - مقتول کے جسم پر زخم کا نشان نہ تھا - تھوڑی دیر میں ڈاکٹری معائنہ ہوا - ڈائرکٹر بیہوش تھا - دوا پلائی گئی - وہ ہوش میں آ گیا۔

ڈاکٹر نے اپنی تجویز لکھ دی کہ :-

"کسی فوری دھماکے کی آواز نے اُسے بیہوش کر دیا تھا جس کا ایک فلم کمپنی میں ہر وقت امکان ہے"

ثریا

(صفحہ ۱۴ سے آگے)

"بڈھی عورت پاگل ہے - اسے یہاں سے نکال دو" کمپنی کے منتظمین نے کہا۔

بڑھیا خوشی خوشی اپنے گھر کی طرف چل دی -

راستہ میں ہرنام مل گیا - وہ حیرت زدہ ہو کر بولا "کیا معاملہ ہے ماتا جی ؟"

ماتا :- ڈائرکٹر کے گولی نہیں لگی وہ صرف بیہوش ہو گیا تھا - اور مجھے پاگل سمجھ کر وہاں سے بھگا دیا گیا۔

ہرنام :- آہ بڑا غضب ہوا - وہ ابھی زندہ ہے

ماتا :- بس بیٹا بس - اب تم انتقام کی آگ میں جلنے کی کوشش نہ کرو -

ابھی یہ باتیں ہو ہی رہی تھیں کہ ایک طرف سے شیلا آ گئی - اُسے فلم کمپنی سے علیحدہ کر دیا گیا تھا - اُس کے چہرہ پر ہوائیاں اُڑ رہی تھیں - اس نے معافی طلب نگاہوں سے ہرنام کی طرف دیکھا - ہرنام نے اس کی طرف سے منہ پھیر لیا۔

کملا نے اپنے بیٹے کی منت سماجت کی اور کہا -

"بیٹا شیلا نادان اور نوعمر ہے اُسے تم میری خاطر معاف کر دو"

ہرنام اپنی ماں کے قدموں پر گر گیا۔

شیلا اس واقعہ کو حیرت خیز نگاہوں سے دیکھ رہی تھی - اسے معافی مل چکی تھی۔

ماں نے کہا :-

"بیٹا انسان تجربہ سے بنتا ہے - ٹھوکریں کھانے کے بعد پوری سمجھ آتی ہے -

ہرنام نے کہا -

"میری بزرگ محترمہ - مجھے پہلے خبر نہ تھی کہ تم میری ماں ہو - میں نے جو قصہ لکھا تھا اُس کا نام "ثریا بٹ" رکھا تھا - اب ایک قصہ میں اور لکھوں گا جس میں تم کو "فرشتہ" ثابت کروں گا - فی الواقعی تم انسان سے بڑھ کر ہو"

خط و کتابت کرتے وقت چٹ نمبر کا حوالہ ضرور دیا کریں

گردن توڑ بخار (سیریبرو سپائنل مینجائٹس)

(از جناب جے۔ رام۔ شرما)

(خاص تیج دہلی کے لئے)

آخری دو تین سال سے یہ خطرناک بیماری دفعتاً چند دوستان کے مختلف شہروں میں نمودار ہونے لگی ہے۔ دستان میں کچھ شہروں میں اس کی دستبرد دیکھا ممکن ہے۔ محکمہ جات حفظان صحت متعلقہ دہلی۔ پنجاب۔ میرٹھ۔ ہاتھرا اس کی روک تھام کے لئے جانفشانی سے کام لیتے رہے ہیں۔ سرکاری لیبوریٹریاں بھی حفظ ماتقدم کے لئے ٹیکیں تیار کرکے بھیجتی رہی ہیں۔ باوجود اس کے بیمار مرض کے حملے ہوتے ہی رہے ہیں۔ جو اسیر یا غریب اس کی زد میں آتا ہے وہ دیکھتے ہی دیکھتے لقمۂ اجل ہو جاتا ہے۔ قسمت سے کسی بیمار کو محنت اور استقلال کے ساتھ علاج کرنے والا معالج مل گیا تو ایڑیاں رگڑ رگڑ کر چار پانچ ہفتے بعد صحت یاب ہو پاتا ہے ورنہ بیماری کیا ہے موت سے اشتہا پائی ہے۔ اب تک ایلوپیتھک ڈاکٹر صاحبان نے اس مہلک مرض سے بچنے کی تدابیر اخبارات کے کالموں میں سپرد قلم فرمانے کی تکلیف اٹھائی ہے۔ اور علاج کے لئے مریض بھی اپنی صاحبان سے رجوع لاتے ہوئے نظر آتے ہیں۔ میں اس مرض الموت کی بابت ہومیوپیتھک اور بایو کیمک معالجین کا نقطۂ نظر ہدیۂ ناظرین کرنا چاہتا ہوں۔ ممکن ہے کہ میری ناچیز کوشش اور چھان بین سے میرے ہم وطنوں کو کچھ مل جائے۔ اور اس زہریلی بیماری کی غارت گری میں کچھ کمی واقع ہو سکے۔

گردن توڑ بخار کی پیتھالوجی یعنی ہیئت

یہ ایک وبائی بخار ہے جو زیادہ تر موسم سرما میں پھیلتا ہے۔ اس کے اسباب تا ہنوز تحقیقی طور پر معلوم نہیں ہوئے۔ شروع ہوتے ہی اس کا تسلط حرام مغز اور دماغ کے حجابی پردوں پر ہو جاتا ہے۔ اکثر بیس برس تک کی عمر والے نوجوان یا بچے اور کبھی کبھی ادھیڑ عمر والے بندگان خدا اس کا شکار ہوا کرتے ہیں۔ مندرجہ ذیل علامات سے اس موذی مرض کی آمد کا پتہ چلتا ہے:۔

دفعتاً شدت کے ساتھ قے ہونے لگتی ہے پیٹ میں سخت اعصابی درد ہوتا ہے۔ جلد کی قوت لامسہ تیز ہو جاتی ہے۔ سر میں شدید درد محسوس ہوتا ہے۔ بیہوشی اور ہذیان کی حالت پیدا ہو جاتی ہے اور اس حالت میں بھی دکھ درد کا احساس رہتا ہے۔ کبھی کبھی ان دردوں میں بہت شدت ہو جاتی ہے۔ بعض اوقات شرابیوں جیسا کہ اسی جیسے اعضائے جسم کانپتے ہیں ہونے لگتا ہے۔ ٹھہر ٹھہر کر گردن اور پشت کے عضلات زور کے ساتھ سکڑتے ہیں اور گردن کھنچ کر پیچھے کی طرف مڑ جاتی ہے۔ چہرہ کی رنگت زردی لئے رہتی ہے۔ تاوقتیکہ درد کے شدت کے مارے چہرہ سرخ نہ ہو جائے۔ تنفس، فعل امعا یا آلات بول کے فعل میں زیادہ فتور مشاہدہ میں نہیں آتا۔ کبھی کبھی قبض کی شکایت بھی ہو جاتی ہے۔ بعض مریضوں میں جلد پر گلابی اور ارغوانی رنگ کے نشان پائے جاتے ہیں اور منہ کے گرد چھوٹے چھوٹے دانے اور چھالے بھی نمودار ہو جاتے ہیں۔ عضلات کی شدید کمزوری ہی مریض کا خاتمہ کر دیتی ہے یا بار بار دوروں کا اٹھنا اور تشنج کا ہونا اس کی تمام قوت برداشت کو زائل کر دیتا ہے۔

بعض اوقات یہ وبائی بخار ہیضہ کی بیماری کی طرح سے تیز رفتاری دکھلاتا ہے اور مریض بہت جلد مر جاتا ہے۔ خاص کر جب کہ بدن پر اودے رنگ کے نشانات ہو گئے ہوں۔ جو تمام خون میں زہر پھیل جانے کی ردی علامات سمجھی گئی ہے۔ ایسی حالت میں مریض کا جانبر ہو سکنا کوئی تعجب کی بات نہیں ہے۔

اسباب مرض

جیسا کہ اوپر بیان کیا گیا ہے کہ اس مہلک بیماری کے اسباب ابھی تک کافی طور پر روشنی میں نہیں آئے ہیں۔ مگر موجودہ تحقیقین نے قیاسات ضرور دوڑائے ہیں اور انہیں کی بنا پر حفظ ماتقدم کے لئے ہدایات بھی بتلائی جا رہی ہیں۔

ڈاکٹر ہیرش فرماتے ہیں کہ اس وبا کا موسم سرما میں پھیلنا اس بات کی طرف اشارہ کرتا ہے کہ سردی کے بچاؤ کے لئے کواڑوں کو بالکل بند کرکے تھوڑی جگہ میں زیادہ آدمیوں کا سونا بھی ایک غالب سبب ہو سکتا ہے۔

ڈاکٹر رچرڈسن کا قول ہے کہ ناقص غذائیں بھی کسی حد تک اس وبا کے پھیلنے کی محرک ہو سکتی ہیں۔

ان قیاس آرائیوں کے ساتھ ساتھ میری ناقص رائے میں یہ بات بھی غور و خوض کی مستحق ہے کہ اس ملک کے رہنے والے اپنی موجودہ طرز زیست کی وجہ سے بیماریوں کا مقابلہ کرنے کے لئے کافی مضبوط نہیں رہے ہیں۔ ورزش کا نہ کرنا۔ بند کمروں یا تاریک کوٹھڑیوں میں گھسے رہنا۔ تازہ ہوا اور دھوپ سے روٹھے رہنا۔ دیر تک رکھشا کو فعل عبث سمجھنا۔ مصنوعی گھی اور مشروبات کا منہ سے منہ لگا۔ بالکل صاف اور سفید مشینوں میں بنی ہوئی چینی کا استعمال اور انہیں کی بنی ہوئی مٹھائیاں کھانا۔ مجبوری فاقہ کشی اور بڑے بڑے شہروں کی تنگ گلیوں میں بود و باش رکھنا۔ اور محکمہ جات حفظان صحت کی غفلتوں کو لگاتار برداشت کرتے رہنا۔ بیکاری تنگدستی اور کثیر الاولادی۔ مستورات کا پردہ کے اندر بند رہنا۔ چکی۔ چولھے اور چرخے سے خدا واسطے کا بیر

(باقی اگلے صفحہ پر)

دلچسپ معلومات

عظیم الشان کلاک

جوہانسبرگ (ساؤتھ افریقہ) کے میدان میں ایک عظیم الشان کلاک نصب کیا گیا ہے۔ اس کلاک کا چہرہ جو پھولوں سے مصنوعی ہے زمین کے ساتھ لگا ہوا ہے منٹ کی سوئی ۳ فٹ لمبی ہے اور گھنٹے کی سوئی ۱۰ فٹ لمبی ہے۔ کلاک کی مشینری زمین میں نصب ہے۔ اس کلاک کو کئی ہزار فٹ کی بلندی سے ہوائی جہاز میں سے دیکھا جا سکتا ہے۔ اسی قسم کا ایک کلاک لندن کے نزدیک ایک پارک میں بھی نصب کیا گیا ہے۔

روشن تمغہ

لندن میں ریلوے پولیس کے لئے ایک ایسا تمغہ ایجاد کیا گیا ہے جو رات کی تاریکی میں روشن دکھائی دیتا ہے۔ اس تمغہ کے اندر ایک بلب لگا ہوا ہے جس کا تعلق ایک بیٹری سے ہے جو پولیس مین کی جیب میں رہتی ہے رات کے وقت ہر ایک پولیس مین اس بلب کو روشن کر دیتا ہے۔

سڑک کوٹنے کیلئے نئی ایجاد

سڑکوں پر پتھر کوٹ کر ہموار بنانے کے لئے جرمن میں ایک نئی مشین ایجاد کی گئی ہے جو کہ ربڑ کی ایک بہت وزنی مشین ہے جس کے سلنڈر میں گیس جلتی ہے۔ جب گیس بند کرتی ہے تو مشین اوپر اچھلتی ہے اور وزن برداشت نہ کرنے کی وجہ سے واپس سڑک پر زور سے گرتی ہے۔ اس طرح سڑک کے پتھر وغیرہ دب جاتے ہیں۔ یہ مشین خود بخود آگے کو بڑھتی ہے۔ صرف ایک آدمی ہینڈل کو پکڑے رکھتا ہے اور ایک معمولی سی زنجیر مشین کو ادھر ادھر لے جاتی ہے اس مشین نے ٹریم رولر کے طریقہ کو فرسودہ بنا دیا ہے۔

عجیب و غریب پودا

برازیل کا دودھ دینے والا درخت اور سیلون کا ناریل کا درخت یا بانس اتنے مفید ہیں جتنا کہ یوگنڈا کا کیلے کا درخت آج ہے۔ ۵۰ سال پہلے یہاں کیلوں کا نام و نشان تک نہ تھا لیکن آجکل جتنا کیلے کا درخت کار آمد سمجھا جاتا ہے اتنا اور کوئی نہیں۔ اس کا چھلکا ایک مضبوط کاغذ کا کام دیتا ہے۔ اس کے ریشوں سے چٹائیاں اور رسے بنتے ہیں۔ دھوپ سے بچنے کے لئے اس کے پتوں کی ٹوپیاں بنتی ہیں۔ جب انہیں پانی میں بھگو دیا جائے تو زخموں پر باندھنے کے لئے پٹی کا کام دیتی ہیں۔ کیلوں کے گچھے کے سرے پر ایک ارغوانی رنگ کا پھول ہوتا ہے جس کا رس کئی مذہبی رسوم میں استعمال کیا جاتا ہے اور جب وہاں کوئی جادوگر مر جائے تو اُسے دفن کرنے سے پہلے اس کے جسم پر ملتے ہیں۔

درخت کی چھال سے قمیص

جنوبی امریکہ میں ایک عجیب قسم کا درخت ہے۔ ایک سیاح کا بیان ہے کہ وہاں کے اصلی باشندے اس درخت کے چھلکے کو نہایت کار آمد خیال کرتے ہیں۔ اس کے چھوٹے چھوٹے ٹکڑوں کو ٹانکے لگا کر اس کی قمیصیں بناتے ہیں۔ انگریز سیاح اسے شرٹ ٹری کہتے ہیں۔

انسانی بیرومیٹر

جنوبی آسٹریلیا میں ایک بوڑھا کسان ہے جس کی عمر ۱۲۰ سال سے زیادہ ہے۔ وہ اتنا قوی الحس ہے کہ اُسے موسم کی تبدیلی کا جھٹ پتہ لگ جاتا ہے۔ سرکاری موسمی رپورٹوں پر لوگ اتنا اعتبار نہیں کرتے جتنا کہ اس کی زبان پر۔

یہ شخص ۲۴ گھنٹے پہلے ہی بتا دیتا ہے کہ موسم میں کیا تبدیلی ہوگی۔ مینہ برسے گا یا آندھی آئے گی۔ اس کی پیشگوئی کبھی غلط نہیں ہوئی۔

اس کی ایک اور خوبی ہے کہ باوجود اتنی عمر کے وہ اب تک اپنا باقاعدہ کام کرتا ہے۔ ہر روز ۵ میل کے فاصلے سے اپنے گدھے پر بوجھ لاد کر اپنے گھر واپس لاتا ہے۔

مصنوعی پولیس کانسٹیبل

بوڈاپسٹ (ہنگری کا دارالخلافہ) میں ایک مصنوعی پولیس کانسٹیبل ایجاد کیا گیا ہے۔ جو خطرناک چوکوں پر ٹریفک کو کنٹرول کرنے کا فرض سرانجام دیتا ہے۔

اس مصنوعی پولیس کانسٹیبل کے ایک ہاتھ میں بجلی کی ٹارچ ہوتی ہے۔ اس کے بازو پر سائن بورڈ لٹکتا ہے۔ اور اس کی پیٹھ پر ٹیلیفون لگا ہوا ہے جس کا تعلق قریب کے تھانہ اور ایمبولینس چوکی سے ہوتا ہے۔

اس کے کئی جیب ہیں جن میں مختلف یورپین زبانوں میں سڑکوں کی سڑکوں کے نقشے رکھتا ہے۔ (زمیندار سرینگر)

خط و کتابت کرتے وقت چٹ نمبر کا حوالہ ضرور دیا کریں

شرائط

۱۔ فیس داخلہ صرف ایک آنہ

۲۔ سب سے زیادہ جوابات صحیح ہونے پر تقسیم انعام بذریعہ قرعہ اندازی کی جائے گی۔

۳۔ اس سلسلہ میں کوئی خط و کتابت نہیں کی جاوے گی

۴۔ ہر جواب کے ہمراہ ذیل کا کوپن آنا نہایت ضروری ہے

۵۔ ایک شخص ایک سے زیادہ کوپن بھی بھیج سکتا ہے

۶۔ منیجر اخبار تیج دہلی کا فیصلہ آخری فیصلہ ہوگا۔

۷۔ جو صاحب جواب والی کاپی منگانا چاہیں، ۲/۱ آنے زیادہ بھیجیں،

کوپن

منیجر صاحب تیج دہلی۔ اس کوپن کے ہمراہ اپنے جوابات اور ایک ۲/۱ کے ٹکٹ بھیج رہا ہوں۔ میرا نام مقابلہ کی فہرست میں درج کر لیجیے

نام ... ...

پورا پتہ ... ...

... ...

نام اور پتہ صاف صاف لکھیے،

اگر ناظرین نے اس معمہ میں بھی دلچسپی کا اظہار کیا تو اس سلسلہ کو جاری رکھا جائے گا

تیج کا اسٹاف حصہ نہیں لے سکتا،

آخری بار ۲۵ پچیس روپے انعام آخری بار

فیس داخلہ صرف ایک آنہ

حسب اعلان تیج ویکلی میں ایک نئی قسم کے معموں کا سلسلہ شروع کیا گیا ہے۔ اس سلسلہ کا تیسرا معمہ حسب ذیل ہے۔ یہ تین دلچسپ سوالوں سے مرکب ہے۔ جو صاحب ان سوالوں کو حل کر نے میں کامیاب ہوں گے وہ انعام کی تقسیم میں حصہ لینے کے مستحق ہوں گے اول انعام دس روپیہ۔ دوسرا انعام پانچ روپیہ۔ تیسرا انعام چار روپے اور باقی تین انعام دو دو روپے کے ہونگے۔ یہ معمہ صرف ہفتے شائع ہوگا اور ۱۱ فروری ۱۹۳۶ء کے تیج ویکلی میں نتائج شائع کر دیئے جائیں گے۔ داخلہ ۴ فروری ۱۹۳۶ء کو بند ہو جائے گا۔

سوالات

۱۔ ایک مقام پر دو طالب علم بیٹھے ہوئے تھے۔ ایک کے پاس پانچ روٹیاں تھیں اور دوسرے کے پاس تین۔ دونوں نے فیصلہ کیا۔ کہ تمام روٹیاں ایک جگہ جمع کر کے کھائی جائیں۔ انہوں نے روٹیاں کھانی شروع نہیں کی تھیں۔ کہ ایک ماسٹر صاحب بھی شامل ہو گئے۔ اور تینوں نے ملکر برابر برابر روٹیاں کھا لیں۔ جب ماسٹر صاحب رخصت ہونے لگے، تو انہوں نے اپنے حصے کے عوض دونوں لڑکوں کو آٹھ آنے دیدیئے، بتلاؤ ہر ایک کو کیا ملنا چاہیئے،

۲۔ ایک سو میل لمبی دوڑ میں دو موٹریں دوڑ شروع کرتی ہیں۔ ایک سو میل فی گھنٹہ کی رفتار سے چلتی ہے۔ اور دوسری ستر میل فی گھنٹہ کی رفتار سے۔ جب وہ دوڑ شروع کرتی ہیں۔ تو ایک پرندہ بھی ایک موٹر سے دوسری موٹر تک مسلسل چکر لگاتا ہے۔ اور اس کی رفتار ۱۲۰ میل فی گھنٹہ ہے بتلاؤ دوڑ کے اختتام پر اس پرندے نے کس قدر مسافت طے کی ہے۔

۳۔ ایک بالٹی کا وزن جس میں کچھ پانی ہے معلوم ہے۔ اس میں ایک دو پونڈ وزن کی مچھلی چھوڑ دی جاتی ہے۔ بتلاؤ اگر مچھلی پانی پر تیرتی ہے تو بالٹی کا کل وزن کس قدر ہوگا۔ اور اگر پانی کی سطح میں بیٹھ جائے۔ تو بالٹی کا کل وزن کتنا ہوگا۔

برہمانند گپتا منیجر اخبار "تیج ویکلی" دہلی

ٹوٹے ہوئے دل کی جذبات

از جناب چودھری موتی لال جی بالمیکی صدر مہتر سبھا

(خاص تیج دہلی کے لئے)

جب تمام کائنات پر سکوت کا عالم طاری ہوا ہوتا ہے اور فضا کی عروس شب کسی کمسن حسینہ کی طرح گوشہ نشین ہوتی ہوتی ہے۔ جب سارا عالم وجد آگیں کیف کے سرور میں محو ہو کر اپنی خوابگاہوں کے اندر عالم تخیل میں عیش و مسرت کی میٹھی و راحت بخش نیند میں مدہوش ہوا ہوتا ہے جب آسمان نیلگوں ستارے گمراہ مسافر کی رہنمائی سے چشم پوشی کرنے پر کمر بستہ نظر آتے ہیں اس وقت میں تمہاری رہ گزر کو اپنی آنکھ کی پلکوں سے پاک صاف کیا کرتا ہوں۔ اور منتظر رہتا ہوں کہ اب میرے آقا ضرور مجھ کو اپنی عنایات و برکات سے شاداب و فیضیاب کریں گے۔ اس وقت میرے قلب میں ساری دنیا منور ہوتی ہے اور جب کبھی میرے کانوں میں کسی کے پیروں کی چاپ گوش گزار ہوتی ہے میری رگ رگ میں خوشی سے رعشہ ہو جاتا ہے اور میں اپنے کو سنبھال کر مطمئن ہو کر آپ کی پیش قدمی کے لئے جرأت ز ہمت کیساتھ استقبال کے لئے اُٹھ کھڑا ہوتا ہوں اور وہ سب مصائب و آلام جو کہ لیل و نہار میں اپنے ناتوان و ضعف کے مارے ہوئے جسم پر ہر ایک فرد و بشر کے ناکارہ ہاتھوں سے بے زبان جانور کی طرح برداشت کرتا ہوں۔ آپ سے ایک دم کہہ ڈالنا چاہتا ہوں اور پھر پوچھنا چاہتا ہوں کہ کیوں میرے سوامی کیا میں آپ کے دست مبارک کی خاک نہیں ہوں۔ کیا میں نے آپ کے ہوا پانی اور سورج کی روشنی میں نشو و نما نہیں پائی۔ کیا آپ نے میرے جسم کے عضو دیگر انسانوں کی طرح نہیں بنائے۔ کیا میں آپ کی ناچیز اولاد نہیں ہوں۔ میں آپ کی گیتا میں ہدایت کئے ہوئے حکموں کی پابندی آج بھی کر رہا ہوں۔ میں کڑکتے ہوئے جاڑوں میں، جلتی ہوئی دھوپ میں اور تیا مست خیز بارشوں میں بغیر کسی مذہب و ملت کے بلا چھوٹے بڑے کے امتیاز کے ہر صبح و ہر شام کا خدمت کرتا ہوں اور اس کے بدلے حقارت نفرت مصیبت و انواع و اقسام کی ذلالت بھری بخششیں پا رہا ہوں۔

کھیتی

زراعتی معلومات کا بیش بہا خزانہ

ہندی کی یہ بہتر کتاب چودھری مختار سنگھ صاحب سابق ممبر اسمبلی کی لکھی ہوئی ہے جس میں کھیتی کے مختلف پہلوؤں پر بہت وضاحت کیساتھ بحث کی گئی ہے۔ مصنف کتاب کا علم صرف تھیوری تک محدود نہیں ہے بلکہ وسیع ذاتی تجربات کی بنا پر نہایت مفید نتیجے نکالے گئے ہیں۔ کتاب کی سب سے بڑی خوبی یہ ہے کہ ایک ایک بات کو ایسی زبان میں پیش کیا گیا ہے کہ عام لوگ آسانی سے سمجھ سکتے ہیں۔ سائنٹیفک معلومات کو پیش کرتے ہوئے بھی اصطلاحات کے گورکھ دھندے سے حتی الوسع پرہیز کیا ہے۔

کل کتاب تین حصوں پر مشتمل ہے پہلے حصہ میں مٹی۔ دوسرے میں پودا اور کھاد۔ تیسرے میں پانی اور جتائی۔

مٹی:- اس عنوان سے جو حصہ کتاب ہے اس میں واضح طور پر بیان کیا گیا ہے کہ زمین کس طرح بنتی ہے۔ اس کی کتنی قسمیں ہیں۔ پانی ہوا موسم وغیرہ سے اس کا کیا تعلق ہے اچھی اور بری قسم کی زمینوں کی شناخت کیسے ہو سکتی ہے اور بری زمین کو اچھی بنانے کی کیا تدبیریں ہیں ان سب باتوں کو وضاحت سے بیان کیا گیا ہے۔ اس جلد کی قیمت ۱ ہے۔

دوسری جلد پودا اور کھاد کے عنوان سے ہے جس میں پودے کے مختلف عضو اور ان کے کام اور بیج کی ابتدا سے لیکر اس کی آخری منزلوں تک کا سب حال لکھا گیا ہے۔ پودا کیا اور کیسے کھاتا ہے۔ کھاد اور اس کا استعمال۔ اس کے خاص خاص حصے [illegible] نقصانات وغیرہ کا ذکر تفصیل کیساتھ کیا گیا ہے۔

پانی۔ تیسری جلد ہے جس میں بتلایا گیا ہے کہ پانی کی کہاں ضرورت ہے اور پانی کا کام کیا ہے کب کتنا اور کس قسم کے پودے کو پانی کی ضرورت ہے۔ زیادہ پانی دینے سے کیا نقصان ہوتا ہے کہ کم پانی کس طریقہ سے دیا جا سکتا ہے۔

اس جلد کے دوسرے حصہ میں جوتائی اور گوڑائی وغیرہ کرنے کے فائدے اور قاعدے مذکور ہیں ہلوں کی قسمیں اور اعلیٰ قسم کی جوتائی مختلف قسم کے ہلوں کا استعمال [illegible] بری جوتائی سے کیسے گڑ بڑ ہو جاتی ہیں اور کس طرح اچھا بنایا جا سکتا ہے۔

اس طرح تینوں جلدوں کی قیمت ۳ ہے لیکن مکمل سیٹ خریدنے سے چار روپیہ میں مل سکتی ہیں۔

ہندوستان جیسے ملک میں جہاں بیشتر آبادی کھیتی پر ہی اپنا گذارہ کرتی ہے ایسی کتاب ایک قابل قدر اضافہ ہے ہر اس شخص کو جو کھیتی سے کچھ بھی دلچسپی رکھتا ہے اس کتاب کا مطالعہ ضرور کرنا چاہئے۔ کتاب حسب ذیل پتوں سے مل سکتی ہے:-

(۱) چودھری مختار سنگھ وکیل بڈھانہ دروازہ میرٹھ

(۲) لیڈر پریس الہ آباد۔

(۳) ہندی پستک ایجنسی ہیریسن روڈ کلکتہ

(نوٹ)

جو اصحاب یا سوسائٹیاں غریب کسانوں کی امداد کے لئے مفت کتابیں تقسیم کرنا چاہیں۔ انہیں اکٹھا آرڈر دینے پر مزید رعایت دی جائے گی وہ براہ راست مصنف سے خط و کتابت کریں۔

[illegible]
[illegible] مذہب اور ان کے [illegible] ایک خاص زاویۂ نگاہ [illegible] زندگی کے ہر پہلو میں عقل کو پیش [illegible] اور اس کی ترقی کا راز اسی اہم پہلو [illegible] عقلی دیانتی - وہم پرستی اور بے قاعدہ مذہبی پابندیوں کے لئے کوئی گنجائش اس کے دستور العمل [illegible] بلکہ یہ ایسا مذہب انسانیت کی بنیادیں قائم [illegible] کی کوشش ہے - جس کا دائرہ تمام عالم کو محیط ہو اور [illegible] سب سے بڑا شیوہ نہ مذہبی رواداری اور بین الاقوامی [illegible] کا عملی ثبوت پیش کر سکے۔

تاریخ کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ سقراط کے [illegible] سے کر اب تک عقلیت کا پہلو کسی نہ کسی شکل میں انسانی ترقی کے ہر شعبہ میں نمایاں رہا ہے - قرون وسطیٰ میں یورپ میں عقلیت اور عیسائیت کے درمیان ایک سخت کشمکش رونما ہو چکی ہے - جو نیچہ میں عقلیت کا [illegible] اور یہ تحریک تمام متمدن ممالک میں ترقی کرنے لگی۔

[illegible] سے لندن میں ایک مشہور انجمن سربر آوردہ [illegible] اور اہل قلم کی بنام "دی ریشنلسٹ پریس ایسوسی ایشن" قائم ہے - اور اس کی شاخیں یورپ اور ایشیا کے تمام مہذب ممالک میں پائی جاتی ہیں ہندوستان میں بھی کافی تعداد میں اس انجمن کے ممبر ہیں - اور تمام صوبہ جات میں آنریری سیکرٹری ہیں

ریشنلزم کیا ہے؟

(از جناب چودھری عبد الغنی صاحب بی اے آنریری سیکرٹری ریشنلسٹ پریس ایسوسی ایشن لندن)

(خاص تیج دیکلی کے لئے)

جن کا کام ریشنلزم کے بارے میں غلط لٹریچر تقسیم کرنا اور شک و شبہات کو دور کرنا ہے - اس سلسلہ میں انگریزی اخبارات میں اکثر مضامین شائع ہوتے رہتے ہیں - ضرورت اس امر کی ہے کہ اردو دان اصحاب کی خدمت میں بھی ان خیالات کو پیش کیا جائے - اور اس بہتک کو کہ ریشنلزم لامذہبی اور بد اعتقادی کی حمایت کا نام ہے دور کیا جائے۔

نظام کائنات پر غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ فطرت کا منشا صرف بڑے آدمیوں سے نہیں - بلکہ وجود نوع سے پورا ہوتا ہے - مغرور ہستیاں چشم زدن میں پیوند خاک ہو جاتی ہیں - مگر نظام عالم میں کوئی خلل پیدا نہیں ہوتا - بلکہ یہ کارخانہ برابر چلتا جاتا ہے - افلاطون و ارسطو کینٹ و مل شاد اجل ہو چکے - مگر فلسفہ کو موت نہیں - فطرت نہایت ہوشیار اور طاقتور آقا ہے - وہ جب ہم سے کوئی مقصد برآری کرانا چاہتی ہے تو براہ راست

اس کا حکم نہیں دیتی - بلکہ اسکو اس درجہ دلکش - مرغوب اور پُر لطف بنا دیتی ہے - کہ ہم بلا اختیار اور ارادہ اس کے کرنے پر مجبور ہو جاتے ہیں - انسان ایک غور و فکر کرنے والا - اور "کیوں - کیسے - کہاں" پوچھنے والا جانور ہے - اور یہی ہمارے تمام علم و دانش - فلسفہ اور حکمت کا مخرج ہے - عقلی انکار میں کچھ ایسا لطف ہے کہ چسکا پڑ جانے پر یہ سلسلہ نہ ٹوٹنے والا ثابت ہوتا ہے۔

انسان کے اندر ایک اور زبردست طاقت جذبات ہے جس کے زیر اثر ہمارے اکثر کام وقوع پذیر ہوتے ہیں - اور بسا اوقات عقل اور جذبہ کے درمیان سخت ترین کشمکش اور جنگ واقع ہوتی ہے - یونانی فلسفہ کے آفتاب دنیا کے اعظم ترین شخص سقراط کو زہر کا جام پی کر جان دینا ہوتی ہے۔

ہر ملک اور ہر زمانہ میں اس قسم کی مثالیں بکثرت ملتی ہیں - جنگ عظیم کے چھڑنے کی خبر آتی

ہے - اور وہ ممالک جنہیں اپنے طرز شائستگی پر ناز ہے - اپنے جذبات سے مغلوب ہو کر سفاکی اور شقاوت کے مجسم دیوتا بن کر میدان جنگ میں اتر آتے ہیں - اور حلیم ترین شریعت کی ہدایت "جو تمہارے گال پر طمانچہ مارے تو دوسرا گال بھی اس کے سامنے کر دو" طاق نسیاں ہو جاتی ہے۔

جذبات ہی کی اشتعال پذیری سے ہندوستان میں آئے دن ہندو مسلم فسادات کی آگ بھڑکی رہتی ہے - ہم دیکھتے ہیں کہ جذبات کی رہبری میں انسان وہ افعال کر گذرتا ہے جو اس سے عقل کی سرکردگی میں وقوع میں آنا ممکن نہیں ہیں - اور اشتعال جذبات ہی سے تمام مذہبی جھگڑوں کی بنیاد پڑتی ہے۔

اگر ہم عقل کو اپنا ہادی اور رہبر بنائیں تو اس ملک میں ہر مذہب اور خیال کے لوگ بلا کسی کشمکش کے ایک دوسرے کے دوش بدوش یگانگت اور میل جول سے اپنی زندگی گذار سکتے ہیں اور ترقی کے میدان میں گامزن ہو سکتے ہیں۔

(صفحہ ۳ سے آگے)

چھونے سے مریض گدگدی محسوس کرے۔ تمام بدن ٹوٹا ہوا معلوم ہو۔ دونوں کنپٹیوں میں بھاری بوجھ دبا ہوا ہو گردن کے عضلات اتنے کمزور ہو جائیں کہ سر کو سنبھال نہ سکیں۔ پشت گردن کے مہرے چھونے سے تکلیف ہو ہاتھ پاؤں میں چیونٹیاں رینگتی ہوں۔ پیشاب زیادہ آئے۔ کمزوری ہو۔ اور جابجا سطح بدن پر خون منجمد ہو جانے کے نشانات ہوں۔

آرسنک

دوران سر کے ساتھ سر میں بوجھ معلوم ہو۔ کانوں میں جھنجھناہٹ ہو۔ مغز دماغ ڈھیلا اور بوقت حرکت کھوپڑی میں ٹکراتا ہوا محسوس ہو۔ سر کی جلد ذکی الحس ہو جائے۔ اور چھونے سے درد کرے۔ رنگوں کا امتیاز جاتا رہے اور دوہرا نظر آئے۔ کانوں میں شور ہو۔ دانتوں کو تشنجی طور پر کٹکٹائے۔ چہرہ زرد اور پھیکا پڑ جائے۔ زبان خشک ہو اور کانپے۔ بار بار تھوڑے تھوڑے پانی کی پیاس ہو۔ سانس لینے میں جدوجہد ہو۔ دست آئیں۔ گردن ایسی اکڑ جائے جیسے کیلی گئی ہو۔ اس کے عضلات میں سوجن ہو۔ نہایت بیقراری۔ بیکلی۔ بیہوشی اور تشنج ہو۔

پٹیشیا

دماغ کے زیریں حصہ اور حرام مغز کے بالائی حصہ میں تکان اور درد محسوس ہو۔ مریض سر کو دائیں بائیں مارتا ہو۔ ہر وقت انگلیوں کو کاٹتا رہے اور پاؤں کو حرکت دیتا رہے۔ تمام عضلات میں غیر مستقل درد محسوس ہو۔ چکر آئے۔ تمام جسم اکڑا ہوا معلوم ہو۔ پیٹ کو چھونے سے دکھن محسوس ہو۔ قبض ہو۔ ہاتھ پاؤں سن ہوں بدن پر سرخ دھبے نمودار ہوں۔

بیلاڈونا

گردن سے شروع ہو کر دماغ تک پھیلنے والا اور عقل کو زائل کر دینے والا درد محسوس ہو۔ احساس میں جلن اور پھڑکن پائی جاتی ہو سر پچھلی طرف کو جھکتا جائے۔ سر پچھلی طرف جھکنے کے علاوہ تشنج بھی ظاہر کرے۔ چہرہ اور ہونٹوں پر تشنج معلوم ہو۔ دانتوں کو بجا کر کٹکٹائے۔ کاٹنے کی کوشش کرے۔ پیشاب رک جائے یا بے اختیار نکل جائے۔ بدن کا اوپر کا حصہ گرم ہو اور ہاتھ پاؤں ٹھنڈے ہوں۔ سارا جسم سن ہو جائے چھونے اور روشنی سے کپکپی شروع ہو جائیں۔ کبھی ہذیان ہونے لگے۔ اور کبھی بیہوشی ہو جاتی ہے۔

برائونیا

سر پھٹا جاتا ہو۔ گردن اکڑ رہی ہو۔ جوڑ جوڑ میں درد ہو۔ حرکت کرنا دوبھر ہو جائے۔ مریض کو یکایک نقاہت ہو جائے۔

کیکٹس

دل میں گھبراہٹ ہو۔ گردن کے پچھلے حصہ میں کھچنے والا درد ہو۔ بصارت دھندلی پڑ جائے۔ بعض میں جھنجھناہٹ محسوس ہو۔ اعضا اکڑ جائیں۔ یا بے حس ہو جائے۔

کیمفر

دماغ کے اندر کھنچتا ہوا درد محسوس ہو۔ سر ایک طرف کو جھک جائے۔ عقب دماغ میں تپکن ہوتی ہو۔ درد نہیں تڑپتی ہوں۔ سینہ میں بوجھ معلوم ہو۔ اور جبڑا بند ہو جائے۔ پیٹ اور دیگر اعضا میں سخت درد ہو جاتا چڑھتا جاتا ہو۔ اور چپکنے والا پسینہ آئے۔ نبض کمزور۔ صغیر اور باریک چلتی ہو۔ کزازی تشنج ہو۔ ہاتھ پاؤں تن کر سخت ہو جائیں۔

سکیوٹا

دوران سر کے ساتھ ہو۔ گرد کی اشیاء آگے پیچھے ہلتی ہوئی معلوم ہوں۔ بیمار کراہے اور شور مچائے۔ ڈرے اور دانت پیسے۔ ہر ایک اشیاء دوہری نظر آئے۔ پتلیاں سکڑ جائیں۔ یا پھیل جائیں۔ حرکت نگل بہرا ہو جائے۔ سانس جلد جلد لیتا ہو۔ چہرہ دلسا کا شکنا مشکل ہو جائے۔ چہرہ خاکی زرد رنگ کا یا نیلگوں ہو۔ جس طرف گردن مڑ جائے اس کو دوسری طرف پھیرنا دشوار ہو جائے۔ اور گردن کے پٹھے اکڑ جاتے ہیں۔ ہاتھ پاؤں کانپنے لگیں تشنج کے وقت چیخیں نکل جاتی ہیں۔

تمام اعضا میں جھٹکے محسوس ہوں۔ درد شکم اٹھانا۔ اور سخت ہونا۔ سماعت اور تکلم قطعی طور پر جواب دے دیں۔

مذکورہ بالا ادویہ کے علاوہ جیسے سیپس الٹیکا۔ کینتھرس۔ سمی سی فیوگا۔ کالکرس۔ کراٹیلس۔ کیمومیلا۔ ڈیجی ٹیلس۔ جلسیمیم۔ ہیلی بورس۔ ہائیوسائمس۔ ایسڈ۔ ایپسالس۔ اینیر کیم۔ میگنیشیا۔ فاس۔ لائیکو پوڈیم۔ نکس وامیکا۔ اوپیم۔ فاسفورس۔ پلمبم۔ اناکس۔ سولینم۔ ٹیربینتھ۔ نارتھس۔ بیکٹیا وراٹرم البم۔ وراٹرم ورائیڈ۔ اور دیگر بھی اس بیماری میں کام آنے والی سمجھی گئی ہیں۔ ان کی مخصوص علامات کے لئے شائقین کتاب موسومہ ... ملاحظہ فرما سکتے ہیں۔

اخبار کی ایک اشاعت کے لئے یہ مضمون طویل ہو گیا ہے ورنہ میں ان علامات کو بھی یہاں درج کرنے میں دریغ نہ کرتا۔ اگر ایڈیٹر صاحب ارشاد فرمائیں گے تو نہ صرف ادویہ کی باقاعدہ تفصیل ہی نذر ناظرین کروں گا بلکہ دیگر وبائی امراض کے متعلق بھی ہومیوپیتھک معالجین کا فائدہ ہوگا۔ مفصل طور پر حوالہ قلم کر کے اپنے بھائیوں کو ایک کم قیمت قدرتی اور بے حد موثر طریقہ علاج کی طرف بزور متوجہ کروں گا۔

(پچھلے صفحہ سے)

جاتی ہے۔ اب بولنے کی گنجائش ہی نہ رہی تھی ہماری بیکسی اور بیچارگی کا عیب مسلم تھا۔ سب ہی دل میں استاد کو گالیاں دے رہے تھے۔ کمبخت نے اُجرت تو پوری لے لی اور شعروں کا وزن کم کر دیا۔ عجب بے ایمان ہے۔

ہم خاموش بیٹھے ہوئے ہونٹ چاٹ رہے تھے کوئی بات منہ سے نہ نکلتی تھی۔ سامعین نے بھی کہا۔

صاحب تقطیع کر دیجئے۔ معاملہ صاف ہو جائے گا۔ اور سب پر ظاہر ہو جائے گا کہ اعتراض صحیح ہے یا غلط۔

بحث ایسے نازک مرحلہ پر پہنچ گئی تھی کہ ہم سکوت کے علاوہ کوئی جواب ہی نہ دے سکتے تھے۔

ہمارے حریف بہت چالاک آدمی تھے۔ اُنہوں نے سمجھ لیا کہ فن عروض میں ہم بالکل ہی پروفیسر السنہ شرقیہ واقع ہوئے ہیں۔ انہوں نے جھٹ تقطیع کر کے بتا دیا۔ دیکھئے ایک رکن کم ہے۔ اور سب نے اعتراض کی مقبولیت کا اندازہ لگا لیا۔

ہماری ندامت و جہالت کا اُس وقت وہی عالم تھا جو مسٹر سیمول ہور کا مسودہ اصلاح مرتب کرنے کے بعد ہوا تھا۔ بلکہ اس سے بھی زیادہ! مشاعرے میں اگر کوئی گہرا سا کنواں ہوتا تو یقیناً ہم اس میں گر جاتے۔ وہ تو خدا جزائے خیر دے مولانا آسمن کو کہ اُنہوں نے ہماری حالت پر رحم کھاتے ہوئے کھڑے ہو کر فرمایا۔

مولینا قادر علی بہت اچھے کہنے والوں میں سے ہیں۔ وہ محض اپنے فطری ذوق اور میلانِ طبع سے شعر کہتے ہیں۔ عروض کی گتھیوں میں نہیں اُلجھتے۔ یہی وجہ ہے کہ ان کے اشعار میں درد اور اثر بہت زیادہ ہوتا ہے اور تصنع نہایت کم! ایسے لوگوں کی شاعری کو عروض کے ترازو میں تولنا شعر کی لطافت اور رنگینی کو کم کرنا ہے۔ ایک پڑھے لکھے آدمی کے لئے یہ مشکل نہیں ہے کہ وہ عروض پر عبور حاصل کرے، لیکن یقین کے ساتھ یہ کہا جا سکتا ہے کہ اس کے بعد وہ شاعر نہ ہوگا۔ بلکہ شاعر گر ہوگا۔

اس تقریر سے ہمارا حوصلہ بہت بڑھ گیا۔ اور بولنے کے لئے وسیع میدان ہمارے سامنے آ گیا۔ ہم نے بہت ہی متین لہجہ میں کہا۔

واقعی آپ بجا فرماتے ہیں۔ میری ہی حالت ہے کہ بعض اوقات میں شعر ہی نہیں کہہ سکتا۔ طرح میرے سامنے ہوتی ہے غور و فکر کے لئے دماغ بھی آمادہ ہوتا ہے مگر مضامین کی آمد نہیں ہوتی طبیعت رُک جاتی ہے۔ اور ایک وقت وہ آتا ہے کہ میں ایک نشست میں پوری غزل ختم کر پھینک دیتا ہوں۔ اب اس کو آپ کمزوری کہیں یا جہالت سے تعبیر کریں میں کچھ نہیں کہہ سکتا۔ اور اعتراف کرتا ہوں کہ یہ کمزوری مجھ میں ضرور ہے۔ موضو

کی طرف اوّل تو میں نے کبھی توجہ ہی نہیں کی اور اس کی ضرورت ہی نہ سمجھی [illegible] اور اگر کبھی احیاناً کوئی شعر وزنی قواعد کے تحت کہا تو اس میں کوئی لطف مجھے نہ آیا۔ اور میں نے ترک کر دیا۔

اس تمام گفتگو کا نتیجہ یہ ہوا کہ ہماری شرمندگی کم ہو گئی۔ اور اہل فن کو معلوم ہو گیا کہ ہم کس پایہ کے شاعر ہیں۔ ہماری جہالت پر مہر تصدیق ثبت ہو گئی مگر استاد کی طرف سے ایک جذبہ نفرت ہمارے دل میں پیدا ہو گیا۔ ہم نے پختہ ارادہ کر لیا کہ ابھی گھر پہنچ کر انہیں خط لکھیں اور اپنی اجرت واپس منگائیں۔ گھر پہنچ کر ہم خط لکھنے بیٹھے ہی تھے کہ دفعتہً خیال آیا پہلے استاد کا پرچہ تو دیکھ لیں ممکن ہے نقل کرنے میں ہم سے غلطی ہو گئی ہو۔ اگرچہ اس کا بہت کم امکان تھا۔ ہم کئی کئی دفعہ مقابلہ کر لیا کرتے تھے۔ بکس کھول کر استاد کا لفافہ دیکھا تو فوراً ہی ہم نے اپنا منہ نوچ لیا اور فرطِ ندامت سے آنکھیں بند کر لیں۔ استاد نے مطلع یوں لکھا تھا:۔

بجز اس کے حسابِ شوقِ اُلفت کیا کہوں کیا ہے
کہ ہر قطرہ دلِ مضطر کا دنیائے تمنا ہے

مجھے وقت بھی پہلا مصرعہ ہی کچھ چھوٹا معلوم ہوا تھا مگر ہم نے بڑے بڑے حروف بنا کر اس کو دوسرے مصرعہ کی برابر کر دیا تھا۔ ہمیں کیا خبر تھی کہ شعر کو وزن کرنے کی ترازو بھی ہوتی ہے اور فوراً بغیر

[illegible] ہم مشاعروں کی پوری [illegible] میں [illegible] اس سلسلہ [illegible] کے متعلق ایک حرف نہیں لکھا۔ حالانکہ اب تک کے تمام حالات احاطہ میں لے چکے تھے۔ اور [illegible] وعدہ بھی کیا تھا کہ مفصل کار روائی جلد شائع کی جائے گی۔

"ہمت مرداں" کا ایک سین

بہت جلد آرہا ہے

گوبند راو نیمبے "مایامچھندر" میں

پربھات فلم کمپنی کا مشہور کھیل جو کہ کمل ٹاکیز میں چل رہا ہے

"ہند کیسری" کے چند سین

واڈیا مووی ٹون کا مشہور کھیل جو کہ جگت سنیما میں چل رہا ہے

Regd 1 No 1517

"غریب کی دنیا" کا ایک سین

میڈن تھیٹرس کا مشہور کھیل جس میں کجن، لکشمی اور کاشی ناتھ نے کام کیا ہے

Printed and Published by Dharampal Gupta at the TEJ Press, Burn Bastion Road Delhi

TEJ WEEKLY

اٹلی اور حبش کی

افکارِ عالیہ!

(از حضرت سیماب اکبرآبادی)

نقاب، جلوۂ مستور کا حجاب نہیں
تلاش کر وہ نگاہیں جو کامیاب نہیں

فریبِ جلوہ یقیناً ہے یہ جو خواب نہیں
کہ آج حدِ نظر تک کہیں حجاب نہیں

کوئی ادا ہی محبت کی کامیاب نہیں
ہنسی تو کیا مرا رونا بھی مستجاب نہیں

خرد فریب ہے نیرنگیِ جہانِ خراب
کہ سب خراب ہیں اور پھر کوئی خراب نہیں

بقدرِ شوق ہے رنگینیِ بہارِ جمال
یہ ہے نظر کی جوانی، ترا شباب نہیں

حقیر ہوں، مگر اتنا حقیر بھی نہ سمجھ!
میں ذرہ بھی تو نہیں ہوں جو آفتاب نہیں

وہ دن گئے، یدِ بیضا ملا تھا انساں کو
اب ایک داغِ شگفتہ بھی دستیاب نہیں

دہک رہا ہے شبستانِ عشق کا عالم!
یہاں نہیں کوئی تارا جو آفتاب نہیں

ہے ذرہ ذرہ سمندر جو ہو نظر سیراب
یہ تشنگی کا تری عکس ہے سراب نہیں

ہر ایک جلوہ ہے اِک جلوہ گاہِ حسن و جمال
نگاہِ شوق کو یارائے انتخاب نہیں

نظر ہو پاک، تو ہو حسن ہمکنارِ نظر
ہوس سے پردہ سہی عشق سے حجاب نہیں

صلائے بادہ کشی دے نہ مجھ کو اے ساقی!
ترے کرم سے ابھی زندگی خراب نہیں

الٰہی! خلد میں رنگین شبابِ رفتہ دے
یہ زہد کا سا بڑھاپا! مرا شباب نہیں

سکھا تو دے مجھے آدابِ خوابِ شبِ قبر
ہوئی ہے عمر کہ میں آشنائے خواب نہیں

لگائے بیٹھے ہیں اک شمعِ لاشریک سے لو
ہماری بزم میں پروانہ باریاب نہیں

اگر ہے ذوقِ تماشا تو بند کر آنکھیں
جہاں نگاہ نہیں ہے وہاں حجاب نہیں

بغیر واسطہ مخمورِ عشق ہوں سیماب
خدا کا شکر کہ شرمندۂ شراب نہیں

(رئیس القلم حامد امروہوی)

شریف حسین کو روپیہ کی امداد پہنچانے اور اس کے معاملات میں دلایت خط و کتابت کرنے کا خفیہ کام کارنوالس کے سپرد تھا

لفٹیننٹ کرنل ڈونی :-

جب لارنس عرب میں کام کر رہا تھا جس کا ذکر آئے گا۔ تو کرنل ڈونی نامی ایک انگریزی افسر کے ذمہ یہ کام تھا کہ اس کو رسد۔ سامان جنگ۔ اور روپیہ جس چیز کی ضرورت ہو بہم پہنچائے۔ کرنل ڈونی کئی دفعہ لارنس کے ہمراہ لڑائیوں میں بھی شامل رہا۔

کرنل ولسن کے کارنامے :-

دوسرا شخص جس نے عرب میں شورش پیدا کرنے کا کام کیا وہ ایک انگریزی افسر کرنل ولسن تھا۔ ترکی جنگ شروع ہونے کے چار ماہ بعد لڑائی میں شامل ہوا۔ ولسن نے نہایت خوش اسلوبی سے اپنا کام پورا کیا۔ اس کا قاعدہ تھا کہ رسد اور سامان جنگ سے جہاز بھر کر بحر قلزم میں لے جاتا اور اس کے کنارے ویران مقامات پر کشتیوں میں لے جا کر چھپا دیتا اور خفیہ طور پر باغی عربوں میں تقسیم کرا دیتا۔

لفٹیننٹ کرنل پی۔ سی۔ جوائس۔ ...

(باقی مضمون صفحہ ۳۶ پر)

سوانح عربی لارنس

(از قلم شریمت پروفیسر بی۔ ایم۔ لال۔ ماتھر)

(بسلسلہ گذشتہ)

(خاص تیج دیکلی کے لئے)

ڈاکٹر ہوگرتھ نے اس لوگوں کو بھی اس صیغہ میں رکھ کر تاہرہ طلب عرب کے اندرونی حالات جو معلوم ہوتے رہتے تھے اس کی اور ترکی اور عرب کے دیگر معاملات کی بابت ہوگرتھ عرب بلیٹن ARAB BULLETIN کے نام سے ایک پرچہ شائع کرتا تھا۔ جس کی صرف چار کاپیاں چھاپی جاتی تھیں۔ ایک کاپی وزیر اعظم سلطنت برطانیہ کے پاس بھیجی جاتی تھی۔ ایک مصر کے ہائی کمشنر اور فیلڈ مارشل کے پاس بھیجی جاتی تھی۔ ایک کاپی لارنس کے پاس جب وہ عرب میں تھا بھیجی جاتی تھی اور ایک خفیہ خبر کے محکمہ میں رہتی تھی۔

ان کے علاوہ سر گلبرٹ کلیٹن نے ہر ضرورت کے لئے بہترین اشخاص ڈھونڈھ ڈھونڈھ کر اس محکمہ میں جمع کر دیئے جن میں کئی پولیٹیکل معاملات کے ماہر تھے۔ کئی جنگی کام کے اور کئی انجینئر وغیرہ تھے۔ لارنس کے اور حالات تحریر کرنے سے پہلے کچھ مختصر سا حال ان لوگوں کا لکھا جاتا ہے۔ کیونکہ لارنس کے کارناموں سے ان کا گہرا تعلق رہا کر

لفٹیننٹ کرنل نیو کومبھ - Lt. Col. (NEWCOMBH) کا حال:-

یہ شخص انگریزی فوج میں انجینئر تھا۔ اور سب سے قابل فوجی انجینئر سمجھا جاتا تھا۔ صحرا سوڈان سے دریائے نیل کی گھاٹی میں ہو کر بحر قلزم تک جو ریل جاتی ہے وہ اسی نے بنائی تھی۔ فارس اور ایسے بیاباں پھر پھر کر اس نے خفیہ طور پر تمام سروے کر کے نقشے تیار کئے اور وہاں جنگلوں میں جہاں سڑکیں اور راستے نہ تھے۔ ایک جگہ سے دوسری جگہ پہنچنے کے لئے درختوں پر نشان لگا دیئے تاکہ جب کبھی انگریز وہاں حملہ کریں یا کوئی اور کارروائی کریں تو کسی مقام کا راستہ ڈھونڈھنے میں دقت محسوس نہ ہو۔ لارنس کی طرح یہ بھی ایک بڑا نڈر اور دلیر آدمی تھا۔ پل۔ لائن اور ریل گاڑیاں اُڑانے کا کام لارنس کو نیو کومبھ نے ہی سکھایا تھا۔ اپنے کام میں نیو کومبھ ایسا محو ہو جاتا تھا کہ کھانے تک کا خیال نہیں رکھتا تھا۔ ایک دفعہ فوج کے افسروں کے کھانے کے میس (MESS) کا انتظام اس کے سپرد کر دیا گیا۔ لیکن اپنی محویت میں کھانا پکانے کا حکم دینا یہ اکثر بھول جاتا۔ کھانا نہ تیار ہوتا۔ اور سب افسروں کو بھوکا رہنا پڑتا۔ عرب کی

بغاوت کے اندر سات مہینے تک کرنل نیو کومبھ ایک جگنو کی طرح چمکتا رہا اور لارنس سے زیادہ اس کی شہرت ہو جاتی اگر بے صد نڈر ہونے کی وجہ سے ایک لڑائی میں ترکوں کا اسیر نہ ہو جاتا۔ یہ بھی عربی لباس میں رہتا تھا۔ لیکن عربوں سے نفرت کرتا تھا۔ صحرائے عرب میں سات مہینے لارنس کے ہمراہ کام کرنے کے بعد یہ فلسطین کی طرف انگریزی فوج میں شامل ہو گیا۔ اور جب جنرل ایلن بی نے بیر شبا پر حملہ کرنے کا ارادہ کیا تو جنوب اور مشرق و مغرب کی طرف سے انگریزی فوج نے ترکوں کا گھیرا ڈالا لیکن شمال کی طرف ترکوں کی امداد کا راستہ کھلا ہوا تھا۔ یروشلم سے بیر شبا کو ایک سڑک جاتی تھی۔ بیر شبا کی ترکی فوج کو اس راستے سے امداد اور رسد جاری تھی۔ کرنل نیو کومبھ ستر آسٹریلیا کے والنٹیروں کو ہمراہ لے کر اندھیری رات میں چپکے سے ترکی فوج کے اندر سے گذر کر اس سڑک پر جا پہنچا۔ اور تین روز برابر ادھر اُدھر ہر طرف سڑک پر راہگیر ترکی سپاہیوں اور رسد اور سامان جنگ پہنچانے کی گاڑیوں وغیرہ پر حملے کرتا رہا۔ مطلب یہ تھا کہ جب تک کہ جنرل ایلن بی شبا فتح نہ کرے کوئی رسد و کمک ترکی فوج کو نہ پہنچنے دے۔ انجام یہ ہوا کہ اسکو ایک پہاڑی پر ترکوں نے گھیر لیا۔ اور یہ مع اپنے ہمراہیوں کے جو زندہ بچے تھے گرفتار ہو گیا۔ اور کئی مہینے ترکوں کی جیل میں ایک کوٹھڑی کے اندر بند رہا۔ وہاں شام کی ایک نوجوان عورت سے اس کی دوستی ہو گئی اس کی امداد سے ایک روز موقعہ پا کر وہ قید خانے سے بھاگا اور اس کے گھر میں جا چھپا۔ اور اس سے شادی کر کے رہنے لگا۔ جب لڑائی بند ہوئی تو یہ بھی انگلستان واپس آنے کے لئے آزاد ہوا۔ مگر ترکوں کے اندر جھگڑے پیدا کرنے کے لئے ترک بن کر استنبول میں ہی رہ گیا۔ اور ترکوں میں رسوخ حاصل کر کے خفیہ سازش کر کے نوجوان ترکی پارٹی کے لیڈر طلعت پاشا اور انور پاشا کے خلاف لوگوں کو بھڑکا کر ترکوں کے اندر آپس میں تفرقہ ڈالا۔ کہ ترک وقت سے پہلے جرمنوں سے علیحدہ ہو گئے جس کی وجہ سے ترک اور جرمن دونوں کی بربادی مکمل ہو گئی۔

کارنوالس (CARNWALLIS) کے حالات:-

روس کی پنجسالہ اسکیم اور صنعتی و زراعتی ترقی

اقتصادی اور مالی پوزیشن کے اعداد و شمار

(از قلم ماہر سیاسیات عالم مسٹر ایڈگر ایس فرنس)

EDGAR . S . FURNISS.

(ترجمہ خاص برائے تیج ویکلی دہلی)

سوویٹ روس کا اقتصادی مستقبل نہایت شاندار ہے اور اس نے قومی تعمیر و تنظیم کی جو تدابیر اختیار کی تھیں وہ بدرجہ آخر کامیاب ثابت ہوئیں۔ ایک ایسا امر ہے جس کے متعدد ثبوت ہمیں مل سکتے ہیں اور جدید اعداد و شمار روس کی اس قومی تعمیر و اقتصادی ترقی کے گواہ ہیں۔ حکومت روس کا زاویہ نگاہ بہت امید افزا ہوتا جا رہا ہے، اور روسی مصنوعات کی ترقی کے سبب ارباب حکومت ایک گونہ اطمینان محسوس کر رہے ہیں۔ (PLANING COMMISSION) "مجلس تنظیم عمل" روس کے سامنے ۱۹۳۵ء کے موسم گرما میں جو اعداد و شمار اور جدولیں تجارت و صنعت کی حالت کی بابت پیش کی گئی تھیں وہ اس درجہ امید افزا تھیں کہ ۱۹۳۴ء کے مقابلہ پر (۲۲) فی صدی عمومی ترقی نظر آتی تھی اور بڑی بڑی مصنوعات میں تقریباً (۳۰) فی صدی کا اضافہ دکھائی دے رہا تھا اور اسی امید افزا مستقبل کو دیکھ کر مجلس تنظیم عمل نے مصنوعات روس کا جدید پروگرام مرتب کیا اور صنعت و حرفت کی ترقی کا انتظام شروع کر دیا جو اُن کے بلند حوصلوں کی دلیل ہے۔ ۱۹۲۹ء میں جس قدر سال بھر کی آمدنی تھی، ۱۹۳۵ء کے ابتدائی تین مہینوں میں اتنی آمدنی ہوئی،

اس کا مطلب یہ ہے کہ ۱۹۲۹ء کے بعد کہ جب اقتصادی پروگرام شروع کیا گیا تھا۔ آج تک یعنی سات سال میں تقریباً (۴۰۰) فی صدی کا اضافہ عمل میں آیا ہے اور یہ اعداد و شمار نئے نظام کی حوصلہ افزائی کے لئے بالکل کافی ہیں۔ حکومت روس کا یہ پروگرام شروع کرنے سے قبل مختلف قسم کے خطرات و موانعات کا اندیشہ تھا کیونکہ پروگرام کے عمل انتظامات کو ایک مرکز پر جمع کرنا اور انسانی گروہ کے مختلف الفطرت پہلوؤں سے جنگ آزما ہونا۔ نیز اقتصادی و سیاسی پیچیدگیوں اور عالمگیر تعلقات سے اپنے پروگرام کو ٹکرانا ایک ایسی زبردست مہم تھی کہ جس کی کامیابی پر روس کے ارباب حکومت جس قدر بھی فخر کریں کم ہے اس میں کوئی شک نہیں کہ روس کی یہ صنعتی ترقی ایک کارنامہ ہے جس نے ثابت کر دیا کہ روس کا دعویٰ کہ وہ ہر صنعتی و اقتصادی جنگ اور مخالف ہواؤں کا مقابلہ کر کے کامیاب ہو سکتا ہے ایک بالکل درست حقیقت ہے۔ آہن سازی کی صنعت میں خاص طور پر فوجی ضروریات کا لحاظ رکھا گیا ہے اور اس باب میں جس قدر نقائص اور خامیاں تھے اُن سب پر رفتہ رفتہ عبور حاصل کر لیا گیا ہے۔ آہن سازی کی مختلف صنعتوں کو اب اس درجہ میں پہنچا دیا گیا ہے کہ جنگ کی حالت میں فوج کی جملہ ضروریات بڑی آسانی کے ساتھ حسب منشا روس کے لئے مہیا کی جا سکیں گی، چونکہ اس سلسلہ میں پیش آنے والی تمام مشکلات کم ہو گئی ہیں۔ اس لئے حکومت کی جانب سے روس کی مخلوق پر محصول اور دیگر پابندیوں کا جو بوجھ تھا وہ بھی فوراً ہلکا کر دیا گیا ہے۔ تاکہ مخلوق کو حکومت کی نیک نیتی اور بلند حوصلگی کا فوراً احساس ہو جائے چنانچہ ان بوجھوں کے ہٹنے سے پبلک میں ایک گونہ اطمینان پایا جاتا ہے اور وہ ارباب حکومت کی پالیسی سے متفق ہوتا جا رہا ہے اور فراہمی امداد کے لئے وہ تیار ہیں۔

روس کے زراعتی پروگرام کی کامیابی

صنعتی پروگرام کے علاوہ روس کے زراعتی پروگرام کی کامیابی ایک اور بھی قابل قدر کارنامہ ہے۔ اکتوبر ۱۹۳۵ء تک روس کی خوردنی اشیاء کی پیداوار (۱۰۰,۰۰۰,۰۰۰) فرانسیسی ٹن تک ہو چکی تھی اور شاید (۱۱۰,۰۰۰,۰۰۰) فرانسیسی ٹن تک پہنچ چکی تھی اس کے بعد جو پیداوار ہوئی وہ علیحدہ ہے۔ اس کو روس کی تاریخ میں زرعی پیداوار کا ریکارڈ سمجھا جاتا ہے۔ حکومت نے پیداوار کی جس قدر مقدار خریدنے کا وعدہ کیا تھا اور جس شرح پر خریدنے کا وعدہ کیا تھا اب اُس سے کہیں زیادہ خرید چکی ہے اور زیادہ قیمتیں دے کر خرید رہی ہے۔ جو روس سے باہر کافی مقدار میں کھپ چکا ہے۔ صرف صنعتی پروگرام کی صورت میں بلکہ زرعی پروگرام کا کامیابی کے لئے بھی ارباب حکومت سمجھتے ہیں کہ مرکزی انتظام و قبضہ کی وجہ سے کامیابی ہوئی ہے۔ اور انھوں نے جیسا پروگرام مرتب کیا تھا بالکل اسی طرح عمل میں آیا ہے۔ ارباب حکومت کو اس امر پر بھی مسرت ہے کہ سرکاری کھیتوں کی آمدنی میں گزشتہ سال کی نسبت (۱۵) فی صدی اضافہ ہو گئی ہے۔ اور آئندہ سال یقیناً زیادہ ہو گی؛

دوسرا مسرت بخش پہلو یہ ہے کہ زراعت میں مشینوں کے استعمال کی طرف توجہ بڑھ رہی ہے اور ان

(باقی اگلے صفحہ پر)

پچھلے صفحہ سے

مشینوں کی کامیابی بھی معلوم ہوگئی ہے اس سے قبل زمیندار طبقہ کی طرف سے مشینوں کے استعمال اور حکومت کے پیش کردہ پروگرام کو چلانے کی جو تدابیر اختیار کی گئی تھیں ان پر بڑا اضطراب پیدا ہوا۔ اور مخالفت کی گئی لیکن رفتہ رفتہ یہ حالت دور ہوگئی۔

اب ہر علاقہ میں ۔۔ رمی پروگرام کو کامیاب حالت میں دیکھا جارہا ہے۔ یہ دیکھ کر کس قدر حیرت ہوتی ہے کہ تھوڑے عرصہ پہلے جو علاقے اس پروگرام کی عدم تعمیل پر آمادۂ بغاوت تھے۔ اور خانہ جنگی کا اندیشہ تھا کہ ایک اس پروگرام کے عملی کارکنوں میں شامل ہوگئے اور سب نے مل کر اشتراکی کام کو ایک کامیاب کارنامہ کے طور پر دنیا کے سامنے پیش کرکے دکھادیا مثلاً شمالی کوہ قاف کے علاقہ میں آج سے تین سال قبل اس پروگرام پر بڑا ہی تشدد ہوا تھا۔ لیکن ۱۹۳۵ء میں حساب لگایا گیا تو معلوم ہوا کہ پیداوار کے معاملہ میں اور حکومت کو فائدہ پہنچانے کے معاملہ میں یہی علاقہ سب سے آگے رہا۔

معیارِ زندگی کم ہونے کا خطرہ!

۱۹۲۸ء میں پانچسالہ پروگرام شروع کیا گیا تھا۔ اور اس وقت زرعی پیداوار (۰۰۰،۰۰۰،۷۳) ٹن تھی اور جب ۱۹۳۲ء میں یہ سکیم ختم ہوئی تو پیداوار کی مقدار بہت بڑھ گئی۔ لیکن یکایک دو ہی سال بعد مقدار کم ہونی شروع ہوئی اور ۰۰۰،۰۰۰،۷۰ ٹن رہ گئی تحقیق کرنے پر معلوم ہوا کہ روس کی آبادی اس اثناء میں بہت کافی بڑھ گئی۔ اور چونکہ یہ مقدار زیادہ کھانے والوں کے لئے کافی نہیں ہوسکتی تھی اس لئے مقدار گھٹ گئی۔ اب یہ سوچا گیا کہ کسی طرح آبادی کے تناسب سے غلہ کی مقدار بھی بڑھائی جائے اور معیارِ زندگی بھی کم نہ کیا جائے ۱۹۳۲ء میں ۱۹۲۸ء کے مقابلہ پر (۰۰۰،۰۰۰،۱۱) مزید افراد کے لئے غلہ کی ضرورت آپڑی۔ اس سے اندازہ لگایا جاسکتا ہے کہ معیارِ زندگی پر کیا اثر پڑا ہوگا۔ اگر تمام کھانے والوں کو غلہ بہم پہنچایا جائے تو معیارِ زندگی کو کم کرنا پڑے گا۔ چنانچہ ۱۹۳۲ء تک یہ بات بخوبی معلوم ہوگئی کہ اگر معیارِ زندگی کو برقرار رکھے اور لوگوں کو بھوک سے بچانے کے لئے کوئی فوری اہتمام نہ کیا گیا تو پنج سالہ پروگرام ایک بیکار کوشش ثابت ہوگی۔ اور اس کی ناکامیابی کا ردعمل روس کی موجودہ حالت پر بہت برا پڑے گا۔

ابھی یہ مصیبت ختم ہونے نہیں پائی تھی کہ یکایک دوجی ضروریات کا بار ایک دم آپڑا۔ اور اس وجہ سے ایک تباہ حالی پر دوسری فکر کا بوجھ پڑگیا۔ اگر پچھلے دو سال صنعتی پروگرام کی کامیابی کے قابل حال نہ ہوتے تو روس کا نظام درہم برہم ہوجاتا۔ لیکن صورت حال نے کچھ ایسی اصلاح یافتہ شکل اختیار کی کہ بہت سا بوجھ ہلکا ہوگیا ۱۹۳۱ء اور ۱۹۳۵ء کا مقابلہ کیا جائے اور یہ مان

کرکے روس کی آبادی بڑی سرعت سے بڑھی ہے یہ بات واضح ہوجائے گی کہ تمام ملک کے غلہ کی پیداوار اس قدر کافی مقدار میں اب پیدا ہوچکی ہے کہ ہر شخص کے حصہ میں ماقبل جنگ کی مقدار پہونچ جائے گی اور پھر بھی اتنی مقدار باقی رہے گی کہ حکومت کو اس کا حصہ اور فوجی و دیگر مصارف کے لئے بھی کافی ہوسکے۔ اور یہ چیز معیار کے اعتبار سے اس قدر کافی اور قابلِ رشک ہے کہ روس کے پروگرام اور اس کے کامیاب بنانے والوں کی ہمت افزائی کرنے کے لئے ہم اپنے آپ کو مجبور پاتے ہیں۔

کاشتکاروں کو رعائتیں!

اربابِ حکومت متفق الرائے ہیں کہ پروگرام کامیاب رہا۔ اور اب ضرورت ہے کہ پابندیوں اور حالات کے بوجھ کو کاشتکاروں کے کندھوں سے اٹھایا جائے۔ اور انہیں ایسی آزادی اور رعائتیں اور سائشیں فراہم کی جائیں کہ اتنے دنوں کی کلفت کا نعم البدل ہوجائے تاکہ وہ مزید ہمت اور ولولہ سے جدید پروگرام کو کامیاب بنائیں اور پروگرام کچھ جیسے زیادہ جوش کے محتاج ہیں وہ حوصلہ افزائی سے محروم نہ رہیں چنانچہ اس خیال کے ماتحت ۱۹۳۵ء کے موسم گرما میں بہت سی آسائشیں اور رعائتیں کاشتکاروں کی بھلائی کے لئے وضع کی گئیں۔ اور عمل میں لائی گئیں، مثلاً یہ کہ اشتراکی نظام کے کھیتوں کے جتنے کاشتکار تھے انہیں ان آراضی کا مالکانہ حق دے دیا گیا جس پر ان

کا قبضہ تھا۔ اور جن پر وہ کام کررہے تھے۔ پھر کاشتکاروں کو یہ بھی اجازت دے دی گئی کہ وہ مقررہ حدود سے زیادہ ذاتی املاک یا اراضی بھی رکھ سکتے ہیں۔ ان سے باز پرس نہیں کی جائے گی۔ نیز دیگر کاشتکاروں کو بھی اشتراکی نظام میں کام کرنے والے کاشتکاروں کے ساتھ ساتھ معافیاں اور رعائتیں عطا کی گئیں۔ کاشتکاری کی عمومی فلاح وبہبودی کے لئے انتظامات کئے گئے۔ دیہات کے گھروں میں کام آنے والی روزمرہ کی چیزوں بالخصوص اشیائے خورد و نوش پر بڑا زبردست احتساب کیا گیا تاکہ کوئی چیز خراب اور غیر تسلی بخش حالت میں فروخت نہ ہو اور دیہاتیوں کی تمام ضرورتیں حتی الامکان ایک ہی سٹور سے پورے اطمینان کے ساتھ پوری ہوجایا کریں۔

دیہاتی سٹوروں میں اشیائے خورد و نوش اور دیگر سامان کا وقت پر اور مکمل حالت میں نہ ملنا بھی روس کی تمام سالی اور فاقہ کشی کا ایک باعث بن چکا ہے۔ اور اکثر دیہات میں فاقہ کی جو نوبت پہنچتی ہے وہ ان سٹوروں کا فیل ہوجانا ہے۔ یہ تمام سٹور تمام مملکت روس میں ایک مرکزی نظام کے ماتحت تھے جنہیں امداد باہمی (کوآپریٹو) کے کام کے تحت کہہ سکتے ہیں۔ ہر دیہاتی مرکز میں ایک سٹور کا ہونا لازمی تھا۔ اور دیہات میں استعمال ہونے والی چیزوں کا وہاں پوری مقدار اور میعاد میں ہونا بھی لازمی تھا لیکن مناسب نگرانی نہ ہونے کے باعث یہ سٹور اپنے مقصد کو مکمل طور پر پورا نہ کرسکے

اور آخر کار زرعی و صنعتی پروگرام کی طرح خرید و فروخت کے ان مرکزوں کو بھی اصلاح کی مشین میں سے نکالا گیا۔

نیز خزانۂ حکومت کی طرف سے (۔۔۔۔۔۔۔) مارکس اس کام کے لئے دیا گیا اور (۔۔۔) نئے سٹور کھولے گئے۔ اور انتظام کیا گیا کہ جدید سٹور بھی دیہات کی تمام ضروریات کو پورا کرسکیں چونکہ روس میں مزید کارخانے بڑی سرعت سے کام کررہے ہیں۔ اس لئے ضرورت ہے کہ کارخانوں کا مال نکلنے کے فوراً بعد براہ راست گاؤں گاؤں پہنچا دیا جائے ویسے بھی گاؤں میں ضروریات زندگی کی مانگ بڑھ رہی ہے۔ اور ان تمام کاموں کو کامیابی کی منزل تک لیجانے کے لئے ضروری ہے کہ سٹوروں کا انتظام مکمل ہو اور کوئی خرابی ان کے عمل اور انتظام میں پیدا نہ ہونے پائے۔

انسانوں کے لئے زیادہ سے زیادہ آرام!

اربابِ حکومت روس کا منشاء صرف یہی نہیں ہے کہ لوگوں کو ان کی ضروریات زندگی فراہم کرنے کے بعد خاموش ہوجائے۔ اور ان کا معیارِ زندگی کبھی ترقی اور نفاست کی طرف قدم نہ بڑھائے۔ ان کا سب سے پہلا مقصد تو یہی ہوتا ہے کہ روس میں رہنے والی ہر مخلوق کی ضروریات زندگی پوری ہوجائیں اس کے بعد ان کا مطلب یہ ہے کہ انسان کو زیادہ سے زیادہ آرام بھی میسر آئے۔ اور وہ کاشتکاروں کا معیارِ زندگی اور ان کی جیبوں کو اس قدر غنی بنادینا چاہتے ہیں کہ وہ جب کبھی شہروں کی طرف آئیں اور شہر میں آکر آرام اور عیش کی چیزیں دیکھیں تو وہ ان سے بھی لطف اندوز ہوسکیں۔ ان کو اس قابل بنایا جارہا ہے کہ رفتہ رفتہ سب میں نہیں تو بہت سے لوگوں میں آرام اور عیش کی چھوٹی چھوٹی چیزوں تک تو ان کی دسترس ہوجائے اور ان کی جیبیں اس قسم کے آراموں سے محروم بھی نہ ہوں اور آسانی کے ساتھ ان کا معیارِ زندگی بھی ضروریات کی حد سے نکل کر ترقی و نفاست کے درجہ میں پہنچ جائے۔

چنانچہ اس اصول کی کامیابی کے آثار دکھائی دے رہے ہیں۔ اور معلوم ہوا ہے کہ ۱۹۳۵ء کے پہلے تین مہینوں میں دیہات کی جانب سے آرام اور معمولی تعیشات COMFORTS AN MINOR LUXORIES کی چیزوں کی مانگ قابل لحاظ حد تک بڑھ چکی ہے اور مزید اضافہ کی امید ہے مثلاً سوتی اشیاء کی مانگ میں گزشتہ سال کی نسبت (۴۶) فی صدی کا اضافہ ہوگیا سلے سلائے کپڑوں کے لئے مانگ (۲۳) فی صدی بڑھی۔ پیروں میں پہننے کی چیزوں کے لئے ۸۰ فی صدی بڑھی کپڑوں کے سلیپروں کے لئے ۔۔ ۵ فی صدی تک مانگ بڑھ گئی ہے۔ اور اس سے روسی کاشتکاروں کا رجحان طبع معلوم ہوتا ہے۔ بہت سی ایسی چیزیں جن کا دیہات میں کبھی نام تک نہ سنا جاتا تھا مثلاً گراموفون سکے، ریکارڈ، ریڈیو، بائیسکلیں، گھڑیاں، پرمے

تبصرہ و نظر — آئینۂ خبر

مؤرخہ ۱۱ فروری ۱۹۳۶ء بروز منگلوار

جمعیت اقوام
اسکی موجودہ حالت اور اس کا مستقبل

جب سے اٹلی نے حبش پر حملہ کیا ہے اس نئی جنگ نے ایک ایسی صورت حال پیدا کردی ہے جس میں جمعیت اقوام کی عملی طاقت اور حیثیت بار بار دنیا کے سامنے آتی رہتی ہے کیونکہ اٹلی اور حبش دونوں جمعیت اقوام کے ممبر ہیں، لیکن اٹلی نے اس سے بالکل بے پروا اور بے نیاز ہو کر اپنا جارحانہ عمل شروع کر دیا۔ اور اب تک اسے جاری رکھا ہے جبش نے بھی ایک ممبر کی حیثیت سے صدائے احتجاج بلند کی اور اب بھی جب اٹلی کی فوجوں نے حبش کی آزادی پر ڈاکہ ڈالا اور ہسپتالوں پر متواتر حملے کئے ہیں، حبش نے متعدد مرتبہ جمعیت اقوام کا دروازہ کھٹکھٹایا اور مسلسل احتجاج نامے پیش کرتا رہا لیکن جمعیت کے نقارخانہ میں طوطی کی صدا کسی نے نہ سنی اور زبانی جمع خرچ کے سوا کوئی دوسرا نتیجہ برآمد نہ ہوا۔ اسی طرح جاپان چین، روس اور جرمنی کے بہت سے اہم وقتی مسائل ہیں جن پر جمعیت اقوام کے وجود کا کوئی اثر نہیں پڑا اور کسی ملک کی نگاہ میں اس بین الاقوامی انجمن کی کوئی حقیقت باقی رہی ہے۔ اسی سے اب یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ جمعیت اقوام کی موجودہ حالت کیا ہے اور اس کے مستقبل سے دنیا کو کوئی اپنی امید وابستہ کرنی چاہئے یا نہیں؟ اسی موضوع پر اس آرٹیکل میں مختلف ممالک کی وقتی سیاسیات سے بے تعلق ہو کر ایک غیر جانبدارانہ روشنی ڈالی جائے گی۔

جنگ عظیم سے پہلے کی بین الاقوامی انجمنوں سے قطع نظر یہ کہنا صحیح ہوگا کہ جمعیت اقوام کی موجودہ شکل و صورت کی بنیاد جنگ عظیم کے بعد ڈالی گئی، اس لیگ کے قیام کا اولین اور سب سے بڑا مقصد یہ تھا کہ جنگ کا انسداد کیا جائے "تاکہ دنیا اس آئے دن کی تباہ کاری اور بربادی سے بچ جائے۔ اگر ہم تھوڑی دیر کے لئے یہ فرض بھی کرلیں کہ جمعیت اقوام اپنے بعض دوسرے مقاصد حاصل کرنے میں کامیاب رہی ہے۔ تو صرف یہی جائز اور معقول دلیل کہ یہ جنگ کو اور اسلحہ سازی کی دوڑ کو نہ روک سکی۔ اس کی قطعی ناکامیابی کا سب سے بڑا ثبوت ہے۔ ہمیں اس مسئلہ کو صرف اس زاویہ نگاہ سے دیکھنا چاہئے کہ موجودہ جمعیت اقوام کی سولہ سالہ زندگی کے بعد کیا آج دنیا جنگ عظیم سے پہلے کے حالات کے مقابلہ میں کسی بہتر پوزیشن میں ہے، اور کیا اس نے امن قائم کرنے، صلح و خلوص کی فضا پیدا کرنے، اور امکان جنگ کا راستہ مسدود کرنے کی طرف اپنا ایک قدم بھی آگے بڑھایا ہے؟ اس کا جواب کھلی ہوئی نفی میں ہے۔ موجودہ حالات صاف بتا رہے ہیں کہ عظیم تر جنگ کا خطرہ سارے عالم پر محیط ہو گیا ہے۔ تمام قومیں اس کی تیاریاں کر رہی ہیں اور زیادہ سے زیادہ مسلح ہو رہی ہیں۔ جرمنی، انگلینڈ، فرانس روس، آسٹریا اور متعدد دیگر ممالک ایک ہیجان میں مبتلا ہیں۔ اٹلی اور جاپان نے تو ملک گیری کی جنگ ہی چھیڑ رکھی ہے اور مغرب و مشرق دونوں کو خطرہ میں ڈال دیا ہے۔

اس لئے ظاہر ہے کہ جمعیت اقوام کے وجود نے صورت حالات میں کوئی بہتری پیدا نہیں کی ہے، غالباً اس سے زیادہ یہ صحیح ہے کہ حالات میں مزید بدتری اور ابتری پیدا ہو گئی ہے۔ پھر جمعیت اقوام کی ہستی کن فائدوں یا امیدوں کی بنا پر ضروری یا کارآمد کہی جا سکتی ہے؟ اور جب یہی لیل و نہار اور یہی مکتب و ملا موجود ہیں تو اس کے مستقبل میں ایک ابر آلود اور تاریک فضا کے علاوہ اور کون سی چیز دکھائی دے سکتی ہے؟ ایک تو لیگ کا وجود ابتدا سے اس لئے ناقص ہے کہ اس کے کووننٹ (COVENANT) یعنی بنیادی معاہدہ میں خود نقص موجود ہے۔ اس کے علاوہ جس روز سے یہ قائم کی گئی ہے، اس کے ممبروں میں سے کسی حکومت نے اس کے ساتھ مخلصانہ سلوک نہیں کیا ہے۔ جس کے دل میں کھوٹ تھا۔ اور بڑی طاقتوں نے یہی سمجھ لیا تھا کہ بین الاقوامیت کے پردے میں اس لیگ کے ذریعہ ان کے خود غرضانہ مقاصد حاصل کئے جا سکتے ہیں کسی طاقت نے کبھی یہ کوشش نہیں کی ہے کہ لیگ کے وقار کو بڑھائے اور دنیا میں اس کا اثر و اقتدار قائم کرے۔ اس وقت بھی جمعیت اقوام ایک مفلوج جسم ہے۔ اور اگر آئندہ اس کے ممبروں کا یہی طرز عمل جاری رہا تو یقین ہے کہ مستقبل قریب میں تمام معاہدات دفن ہو جائیں گے۔ اور اس کے ساتھ لیگ بھی ابدی نیند سو رہے گی۔

افلاس اور بیکاری کی ایک تصویر

اسٹوڈنٹس کانفرنس کی صدارت کرتے ہوئے مسٹر کرتچی نے اگرچہ اس بات کو خود بخود فرض کر لیا ہے اور اس غلط فہمی میں مبتلا ہو گئے ہیں کہ رہنمایان ملک لوگوں کی اقتصادی حالت کی طرف سے غافل ہیں، تاہم ہندوستان کے افلاس اور بیکاری کی جو تصویر انہوں نے مندرجہ ذیل مختصر الفاظ میں کھینچی ہے اس سے کسی دردمند کا دل متاثر ہوئے بغیر نہیں رہ سکتا۔ وہ کہتے ہیں:

"عام طور پر یہ بات فراموش کر دی گئی ہے کہ ہندوستان میں میجر جنرل میگا ڈے کے تخمینہ کے مطابق سات کروڑ انسان ایسے ہیں جو فاقہ کشی کی لائن پر ہیں۔ اور چودہ کروڑ وہ لوگ ہیں جن کو پیٹ بھر کر کھانا نصیب نہیں ہوتا۔ اگر ان لوگوں کی اقتصادی حالت بہتر ہو اور ان میں خریداری کی طاقت پیدا ہو جائے۔ تو ہندوستان کے بیکاروں کی پوری تعداد بلکہ اس سے بھی کچھ زیادہ لوگ ملک کی صنعتوں کے کام میں کھپائے جا سکتے ہیں۔ اگر سال میں ہر ہندوستانی مزید ایک گز کپڑا خریدنے کے لائق ہو جائے تو پارچہ بافی کے کارخانوں میں تمام بیکاروں کو کام مل جائے اگر تندرستی اور بیماری کے انسداد کا کام جاری ہو، تو ہزاروں ڈاکٹروں کے لئے ذریعہ معاش پیدا ہو جائے۔"

ہم صرف اسی قدر اقتباس پر اکتفا کرتے ہیں اور چونکہ ہمارے ملک کے عام افلاس اور بیکاری کی یہ تصویر خود بولتی ہے اور توجہ کی طالب ہے اس لئے اس پر تبصرہ بھی غیر ضروری ہے۔

زنانہ تعلیم کے اخراجات!

جبل پور ڈسٹرکٹ کونسل کی جو رپورٹ شائع ہوئی ہے اس میں ایک چیز ہندوستان کے تمام دوسرے حصوں کے لئے لائق تقلید ہے اور وہ یہ ہے کہ لوکل بورڈ کے مجموعی اخراجات کا کامل ایک تہائی حصہ صرف زنانہ تعلیم کے لئے علیحدہ کر دیا گیا تھا۔ اور اسی پر صرف کیا گیا۔ ہندوستان جیسے ملک میں جہاں زنانہ تعلیم ابھی بالکل ابتدائی حالت میں ہے اور رسم و رواج کی بعض قدامت پرستانہ پابندیوں کے باعث بعض گوشوں سے زنانہ تعلیم کی مخالفت کی آوازیں بھی اٹھتی ہیں، ہمیں اس طرح کی مفید تجویزوں و کارروائیوں میں روشنی کی ایک جھلک دکھائی دیتی ہے۔ کون نہیں جانتا کہ کسی ملک کی جاہل مائیں لائق اور ہونہار اولاد پیدا نہیں کر سکتیں۔

برطانی سائنسدانوں کی قیاس آرائی

کچھ عرصے سے ہندوستان کا ایک باشندہ خدا بخش کشمیری، انگلستان میں دہکتے ہوئے انگاروں پر چلنے کے کمال کا مظاہرہ کر رہا ہے۔ اس نے بہت سے لوگوں کو حیرت میں ڈال دیا ہے۔ اس لئے بعض سائنسدانوں نے اس "تماشہ" کو دیکھ کر یہ ضروری سمجھا کہ اپنی عادت کے مطابق اپنی عقلی شکست کو تسلیم نہ کر کے اس کی کچھ سائنٹفک تاویلات پیش کی جائیں چنانچہ سائنٹفک تحقیقات کی کونسل متعلقہ لندن یونیورسٹی نے خدا بخش کشمیری کی "آتش خرامی" کے سلسلہ میں ایک رپورٹ شائع کی ہے جس میں اس امر کو ثابت کرنے کی کوشش کی گئی ہے کہ ایک دبلا پتلا آدمی ۴۳۰ ڈگری سنٹی گریڈ کی حرارت رکھنے والے جلتے ہوئے کوئلوں پر اس طرح چل سکتا ہے کہ اس کا ہر قدم آگ پر نصف سکینڈ سے زیادہ نہ ٹھہرے۔ اگرچہ یہ رپورٹ کسی قدر طویل ہے تاہم اس کے مطالعہ سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ برطانی سائنس داں اب تک کسی صحیح نتیجہ پر نہیں پہنچ سکے ہیں۔ اور یہ صرف ان کی قیاس آرائیاں ہیں، کیونکہ اگر یہ نظریہ صحیح ہے تو کسی سائنس داں کو خدا بخش کی طرح آگ پر چلکر اپنا کمال دکھلا دینا چاہئے۔

"فوٹو لپٹو فونو!"

نو سال کے مسلسل تجربوں کے بعد ارجنٹائن کا ایک انجینیر کاغذ سے آواز پیدا کرنے میں کامیاب ہو گیا ہے۔ اس نے اپنی ایجاد کا نام "فوٹو لپٹو فونو" FOTO LIPTO FONO رکھا ہے۔ گراموفون کے ریکارڈ کی طرح یہ ایک قسم کا کاغذی ریکارڈ ہے۔ جس پر کوئی گانا یا تقریر وغیرہ معمولی طباعت کی سیاہی سے چھاپ دیا جاتا ہے۔ کاغذ کے ہر تختہ یعنی ریکارڈ کا سائز ۱۷ انچ × ۲۰ انچ ہوتا ہے۔ استعمال کے وقت اس کاغذی ریکارڈ کو دھات کی چھڑی میں لپیٹ کر اس کو حرکت دینے والے آلہ پر رکھ دیتے ہیں جہاں وہ آہستہ آہستہ چکر لگاتا ہے اور اسی کے ساتھ ساتھ برقی روشنی کی ایک شعاع چھپے ہوئے حروف کو فوٹو الکٹرک سیل میں تبدیل کر دیتی ہے۔ جو لاؤڈ اسپیکر کے ذریعہ آواز پیدا کرنے لگتے ہیں۔ لندن میں اس آلے کی نمائش کی جا چکی ہے اور امید کی جاتی ہے کہ [illegible] اور گراموفون کی لائن میں مفید ثابت ہوگا۔ علاوہ [illegible] یہ ایجاد محکمہ تعلیم کو بڑی [illegible] جرت [illegible]

ایک اینگلو انڈین معاصر لکھتا ہے کہ مسٹر بھولا بھائی دیسائی کی بہترین تقریر اس وقت ہوتی ہے جب وہ کسی غیر ممتاز ہوم ممبر اسمبلی کو مخاطب کرتے ہیں۔

غالباً اس اشارہ کا مطلب یہ ہے کہ سرکاری بنچوں کی اے۔ ایس۔ ایل۔ ٹائی جلائے بیسکن کانگریس والے ایسا کیوں کرنے لگے؟۔

اخبار "ڈیلی ٹیلیگراف" امید کرتا ہے کہ مصری آزادی کی حفاظت کے لئے مصری قوم پرست طبقہ برطانیہ "دخل قبضہ" کا خیر مقدم کرے گا۔

کسی قوم کی آزادی کا تحفظ "دخل قبضہ" کے ذریعہ کرنا یقیناً ایک نرالی جدت ہے۔ اٹلی بھی اسی طریقہ پر حبش کی آزادی کا تحفظ کرنا چاہتا ہے۔

لیکن یہی اخبار لوگوں کو یقین دلاتا ہے کہ مغرب اور مشرق میں رشتہ قائم کرنے والی کڑی کی حیثیت سے برطانیہ کے مفاد کو سونپا نہیں جا سکتا۔

یہ بھی ایک تجربہ روزگار ہے کہ ہر جگہ دوسرے لوگوں کی آزادی برطانی مفاد کی راہ میں آجاتی ہے اور اس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ آزادی خود غائب ہو جاتی ہے اور صرف "مفاد" باقی رہ جاتا ہے۔

پھر یہی اخبار کہتا ہے کہ مصر کی غیر معمولی جغرافیائی حیثیت بھی اسی کی مقتضی ہے کہ اس پر برطانیہ کا تسلط قائم رہے۔

یہ بھی اس امر کا ایک مزید ثبوت ہے کہ قدرت ہمیشہ برطانیہ کا ساتھ دیتی ہے۔ اور برطانی تسلط کے لئے عذر مہیا کر دیتی ہے۔

ہز ہائی نس آغا خان نے ایک اخباری نمائندے کے سوال پر یہ جواب دیا ہے کہ جدید آئین کے دور میں صوبجاتی گورنری سے نیچے درجہ کا کوئی عہدہ قبول نہیں کر سکتے۔

عہدے قبول کرنے کے مسئلہ کے متعلق ایک جدید اور آغا خانی زاویہ نگاہ ہے جس کو ہم سن سرتا آڑنے والی نراشہ کے توازن سے کوئی تعلق نہیں ہے۔

ایک مضمون نگار لکھتا ہے کہ شہنشاہیت اور ملک گیری کو تہذیب پھیلانے والی مہم کہنا ایک نیچے درجہ کی کامیڈی یعنی "مزاحیہ افسانہ" ہے۔

لیکن جس قوم میں تہذیب پھیلائی جاتی ہے اس کے لئے تو سخت ترین ٹریجڈی یعنی حزنیہ ڈرامہ ہے۔

پچھلے صفحے سے

ایسے متعدد اخبارات جاری ہو گئے ہیں جن کے الفاظ گراموفون کے ریکارڈ کی طرح بجائے جا سکتے ہیں علمی اصطلاح میں گویا یہ "بولتے اور گانے ہوئے اخبارات" ہیں۔ اسی سے دنیا کے انقلاب انگیز مستقبل کا اندازہ کیا جا سکتا ہے۔

دماغی امراض میں مبتلا لڑکے!

لڑکوں کی امدادی انجمن کی سیکرٹری مس ایم سے ڈیویس نے معاصر بمبئی کرانیکل میں ایک مضمون لکھا ہے جس میں انہوں نے دماغی امراض میں مبتلا لڑکوں کی بیکسی اور کس مپرسی کی طرف توجہ دلائی ہے۔ یہ بہت ہی افسوسناک امر ہے کہ ان لڑکوں کی نگہداشت اور علاج کے لئے جو جنون، مالیخولیا، دماغی کمزوری وغیرہ کے شکار ہیں۔ اب تک کوئی تشفی بخش انتظام موجود نہیں ہے اور ان میں سے اکثر ایسے ہیں جو ادھر ادھر مارے پھرتے ہیں تخمینہ کیا گیا ہے کہ ہندوستان میں تقریباً بیس لاکھ ایسے لڑکے اور لڑکیاں ہیں جو دماغی امراض میں مبتلا ہیں۔ لیکن صرف دو "ہوم" یعنی شفاخانے ایسے ہیں جہاں ایسے لڑکے رکھے جاتے ہیں۔ اور ان میں بھی صرف وہی لڑکے رہ سکتے ہیں جو بڑی بڑی فیس ادا کرنے کی حیثیت رکھتے ہوں ضرورت ہے کہ تمام صوبجاتی حکومتیں مس ڈیویس کی تجویزوں کی طرف توجہ دیں اور ہر صوبہ میں کم از کم ایک گرلز "ہوم" ایسے لڑکوں کے لئے وسیع پیمانہ پر ضرور قائم کر دیا جائے جہاں یہ لڑکے رکھے جا سکیں۔ اور غریب لڑکوں کا علاج مفت ہو سکے۔

کورونیشن ہوٹل دہلی!

کورونیشن ہوٹل فتحپوری دہلی نے جب سے نیا جامہ پہنا ہے وہ اعلیٰ طبقہ کے ہندوستانیوں میں روز بہ روز زیادہ مقبول ہوتا جا رہا ہے اس کا اندازہ اس بات سے بہ آسانی ہو سکتا ہے کہ ان لوگوں نے بھی جو دہلی میں کسی بلند پایہ اور اپ ٹو ڈیٹ ہندوستانی ہوٹل کی عدم موجودگی کے باعث انگریزی ہوٹلوں میں ٹھہرا کرتے تھے، ہوٹل مذکور میں قیام کرنا شروع کر دیا ہے۔ یہاں تک کہ اس دفعہ کئی ممبران اسمبلی بھی اسی ہوٹل میں فروکش ہیں،

دہلی میں ایک ایسے ہوٹل کی سخت ضرورت تھی جو صفائی اور آرام و آسائش کے لحاظ سے انگریزی ہوٹلوں کا مقابلہ کر سکتا ہو۔ اور ان تمام خرابیوں سے پاک ہو جن میں عام طور پر ادنے قسم کے ہندوستانی ہوٹل ملوث ہو جاتے ہیں

ہم خوش ہیں کہ کورونیشن ہوٹل دہلی کے منتظمان نے اس جانب کامیاب قدم اٹھایا ہے۔ ہمیں امید ہے کہ وہ اس کا بلند معیار قائم رکھنے میں کامیاب ہوں گے اور اس طریق پر وہ حکومت ہند کی ایک بڑی ضرورت کو پورا کرینگے

صوبہ بہار کے کسانوں کا مسئلہ!

بہار پراونشل کانگریس کمیٹی نے جہاں اور متعدد مفید کام کئے ہیں وہاں کسانوں کے حالات کی تحقیقات کے لئے پچھلے دنوں ایک کمیٹی بھی مقرر کر دی ہے، اگرچہ صوبہ بہار میں بندوبست دوامی ترائج ہونے کے باعث وہاں کا قانون لگان بعض دوسرے صوبوں سے جداگانہ ہے تاہم کسانوں کی عام اقتصادی بدحالی اور مصیبت سارے ہندوستان میں ایک سی ہے۔ اس کے علاوہ بہار میں متعدد قسم کی رقمیں ہیں جو زمیندار لوگ نہایت سختی کے ساتھ مختلف ناموں سے کسانوں سے وصول کرتے ہیں۔ یقیناً اب وقت آگیا ہے کہ کسانوں کے مسئلہ کی پوری چھان بین کی جائے اور اس سلسلہ میں بہار کی کانگریس کمیٹی کا طرز عمل لائق استحسان ہے!

حکومت ہند اور دیہات سدھار!

بعض حلقوں میں بیان کیا جاتا ہے کہ پچھلے سال حکومت ہند نے دیہات سدھار کے لئے جو ایک کروڑ روپیہ کی رقم دی تھی اس روایت کو وہ اس سال بھی قائم رکھے گی، اور تین کروڑ روپیہ کی جو بچت بجٹ میں ہونے والی ہے اس میں سے ایک کروڑ روپیہ اس کام کے لئے نکال دیا جائے گا لیکن یہاں پر سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ آیا حکومت ہند حقیقت میں دیہات سدھار کی ایک مخلصانہ کوشش کرنا چاہتی ہے؟ ہندوستان کے دیہاتوں کی مجموعی تعداد پر اگر نظر ڈالی جائے تو اس میں شک نہیں کہ یہ رقم "اونٹ کے منہ میں زیرہ" کی مصداق ثابت ہوگی۔ اس کے علاوہ جب تک صوبجاتی حکومتوں کو اس امر کا یقین نہ ہو کہ دیہات سدھار کے لئے حکومت ہند نے کوئی مستقل سالانہ رقم منظور کر دی ہے اس وقت تک وہ ان ذرائع کو کام میں نہیں لا سکتیں۔ جو دیہات سدھار کی اسکیم کو کامیاب بنا سکیں۔ اگر حکومت ہند صرف کانگریس کی جدوجہد کا جواب دینا نہیں چاہتی بلکہ مخلصانہ طور پر دیہاتوں کی ترقی کی خواہاں ہے تو اس کو اس کام کے لئے ایک مستقل رقم کے ساتھ ایک مخصوص پروگرام پر عمل کرنا ہوگا!

گزشتہ برطانی عام انتخابات کو ڈاکٹر میلین نے اس کی جنگ آزما ذہنیت کے لحاظ سے "خاکی انتخاب" کہا ہے۔ کیونکہ فوجیوں کی وردی خاکی ہوتی ہے۔

ہم اس استعارہ کو اس لئے تسلیم کئے لیتے ہیں کہ اس انتخاب میں بہت سی خاک اڑائی گئی تھی۔

ایک معاصر کہتا ہے کہ لبرل حضرات کے کانگریس میں شامل نہ ہونے کا سبب ان کا مزاجی اختلاف ہے نہ کہ ان کی دماغی قابلیت۔

اس کا مطلب یہ نہیں سمجھنا چاہیئے کہ لبرل حضرات دماغی قابلیت سے قطعاً محروم ہی ہیں۔

گورنر بنگال فرماتے ہیں کہ "ابھی تک ہندوستان کو تعلیم کا وہ طریقہ ایجاد کرنا باقی ہے جو اس کے باشندوں کی ذہنیت کے مطابق ہو۔

حیرت یہ ہے کہ ایک سو برس کے عرصہ میں وہ ہندوستان جو محکوم ہے اتنا بھی نہ کر سکا۔ اس سے پہلے تو ہندوستان نے اپنے لئے بہترین طریقۂ تعلیم کا پتہ لگا لیا تھا۔

سر محمد یعقوب کہتے ہیں کہ پنڈت جواہر لال نہرو نے لندن میں پچھلے دنوں جو بیان دیا ہے اس میں انہوں نے فرقہ وارانہ مسئلہ کی اہمیت کو بہت کم کر دیا ہے۔

صحیح ہے۔ کیونکہ فرقہ وارانہ مسئلہ کی اہمیت کو بڑھانا اور اس میں مبالغہ پیدا کرنا تو فرقہ پرستوں کا کام ہے۔

معاصر "ٹائمز آف انڈیا" لکھتا ہے کہ ایک پرشور اور طوفان زدہ دنیا میں صرف برطانی امن دیکھتی ہے ایک مضبوط چٹان پر لیکن وہ یہ لکھنا بھول گیا کہ اس مضبوط چٹان کی مضبوطی کا نام ہندوستان ہے۔

ایک معاصر اپنے مزاحیہ کالم میں لکھتا ہے کہ اٹلی اور حبش کی جنگ میں حبش کو ضرور فتح ہوگی۔

اس کا سبب یہ ہے کہ جنگ کے تعین میں جس کا نام پہلے آتا ہے اس کو شکست ہو جاتی ہے مثلاً فرینکو پرشین "جنگ میں فرانس کو شکست ہوئی۔

چینی جاپانی جنگ میں چین ہار گیا۔ اسی طرح "اطالوی حبشی جنگ میں اٹلی کی شکست اغلب ہے۔

کوئلہ کی کانوں میں حادثوں کے پیش نظر غریب مزدوروں کی زندگی کے تحفظ کے لئے ایک موثر قانون کی ضرورت ہے۔ کیونکہ زندہ دفن ہونے والوں کی بیوائیں روتی ہیں اور بچے بھوکے مرتے ہیں ؛ حسن

پنڈت موتی لال نہرو کی برسی

(از جناب فکر ایم، اے)

بپا ہے آج کس سرتاجِ قوم و ملک کا ماتم
کہ جس کے انتقالِ پُرمحن پر اک جہاں رویا

لگی ہے آگ دل میں اور آنکھیں اشک افشاں ہیں
مثالِ شمع ہو کر ہر کوئی آتش بجاں رویا

غمِ ہندوستاں ہے، روح فرسا سارے عالم میں
زمیں روئی ہمارے حال پر اور آسماں رویا

کسی کو اضطرابِ وحشتِ دل اور کوئی گریاں
تو انملے نے گئے دامن کے ٹکڑے ناتواں رویا

اسی ماتم میں پھولوں نے گریباں چاک کر ڈالا
اسی غم میں بہا کر اشک شبنم گلستاں رویا

کوئی ہے خاک بر سر اور کسی نے سینہ کوبی کی
کوئی اس جانِ گُل صدمہ سے ہو کر نیم جاں رویا

ہمارا سازِ ہستی گریۂ پیہم کا مخزن ہے
اگر دیدہ عیاں رویا۔ دلِ غمگیں نہاں رویا

کلیجے کے نظر آئیں گے ٹکڑے اپنے دامن پر
ابھی یہ دیدۂ خونبار جی بھر کر کہاں رویا

یکم فروری ۱۹۳۶ء

اٹلی کے سرکاری حلقوں میں اس خبر کی تردید کی جا رہی ہے کہ حکومت اٹلی نے دوران جنگ میں عدیس ابابا ریلوے کا احترام کرنے کا وعدہ کر لیا ہے لیکن اس کا یہ مطلب نہیں ہے کہ ریلوے لائن کو تباہ کر دیا جائے گا

۲ فروری ۱۹۳۶ء

اطالوی ماشل بیڈوگلیو عدیس ابابا پر فوری بمباری کا انتظام کر رہے ہیں۔ اس بمباری میں کامیابی حاصل کرنے کی غرض سے اٹلی نئے جہاز بنا رہا ہے

اٹلی نے ابھی تک یہ قدم کیوں نہیں اٹھایا اس کے لئے دو باتوں کو ذمہ دار بتایا جاتا ہے اول سیاسی وجوہات اور دوم یہ کہ جدید طرز کے بمباری کرنے والے جہاز تیار نہ تھے۔

عدیس ابابا پر بمباری کرنے کے لئے اٹلی کی فوج کو ... میل کا سفر طے کرنا ہوگا اور تقریباً دس بارہ ہزار فٹ کی بلندی سے بمباری کرنا ہوگی۔ اٹلی میں فوج کے لئے جبریہ بھرتی ہونے لگی ہے جو لوگ گھر چھوڑ کر بھاگتے ہیں ان کے ساتھ سخت کارروائی کی جاتی ہے۔

۳ فروری ۱۹۳۶ء

اخبار "نوڑوی اٹیلیا" میں ایک آرٹیکل شائع ہوا ہے جو غالباً سائنور مسولینی کا ہے جس کے ذریعہ یورپ کے طالب علموں سے اپیل کی گئی ہے کہ وہ یورپ کو آگ لگنے سے بچائیں۔

اگر تعزیری پابندیوں میں توسیع کر دی گئی تو یورپ ایک ایسی خوفناک ونا جائز جنگ میں مبتلا ہو جائے گا کہ یورپ نے آج تک نہیں دیکھی ہوگی تیل پر پابندی کا یہ نتیجہ ہوگا کہ فوجی مزاحمت پیش کرنے کی نوبت آ جائے گی جس کے معنی جنگ ہیں جو کہ کوہ الپس میں لڑی جائے گی۔

۴ فروری ۱۹۳۶ء

یہ امر یقینی ہے کہ حبشی فوجیں شہر مکالے پر دوبارہ قبضہ کر لیں گی۔

بیان کیا جاتا ہے کہ حبشیوں نے دریا کا رخ بدل دیا ہے جو کہ پانی کی بہم رسانی کا خاص ذریعہ تھا انہوں نے گھیر لیا ہے اور اٹلی کی محصور فوج کا رسل ورسائل منقطع کر دیا ہے۔

مدنیوالا سے جنوب کی جانب ۸ میل کے فاصلہ پر پہاڑی علاقہ میں حبشیوں اور اٹلی کی فوجوں کے درمیان گھمسان لڑائی ہوئی۔ دو روز کی زبردست معرکہ آرائی کے بعد حبشی فوجیں جیت گئیں۔

۵ فروری ۱۹۳۶ء

فسٹ گرانڈ کونسل (اٹلی کے جنگی کیبنٹ) کے متعلق جو کمیونک شائع ہوا ہے اس میں لکھا ہے کہ حبشی سالی لینڈ میں اٹلی کو جو کامیابیاں ہوئی ہیں وہ صورت حالات کے لئے فیصلہ کن ہیں۔ یہ کہ اگر اٹلی کے خلاف تعزیری پابندیاں عائد کی گئیں تو اٹلی کا جواب بھی زبردست ہوگا۔

۶ فروری ۱۹۳۶ء

اٹلی کی فوج کے جس دستے نے ڈیجا زمیوٹن اور میریدہ کے درمیان جنوبی محاذ جنگ پر حملہ کیا تھا اسے واپس بھگا دیا گیا۔ اور اٹلی کی فوج کے ستر سو سپاہی میدان جنگ میں کام آئے جن میں سے زیادہ تر سیاہ پوش تھے حبشیوں نے اٹلی کے ۱۶ ٹینکوں اور ۷ مشین گنوں پر قبضہ کر لیا۔ نیز تین توپیں اور گیارہ لاریاں ان کے قبضہ میں آئیں۔

سمالی لینڈ سے جو مراسلے موصول ہوئے ہیں ان میں اس امر پر زبردست اطمینان کا اظہار کیا جاتا ہے کہ موضع ملکہ سری پر قبضے سے جہاں کہ گینیا ادجبش کی حد ختم ہوتی ہے دریا کے دونوں کنارے اٹلی والوں کے قبضہ میں آ گئے ہیں۔

اٹلی کی گوری فوج کا ایک دستہ دریا کے ساتھ ساتھ آگے بڑھا اور ایک مقام پر جس کو گینیا والے اور حبش والے مشترکہ طور پر استعمال کرتے ہیں پڑاؤ ڈال لیا۔

برطانی افسران دریا کے قریب اطالوی فوج کی ہر ایک نقل وحرکت کی کڑی دیکھ بھال کر رہے ہیں۔

پہلے لوگوں کا یہ خیال تھا کہ ایک یا دو فتوحات کے بعد سائنور مسولینی یہ اعلان کر دے گا کہ اٹلی کی فوج کا وقار قائم ہو گیا ہے اور سائنور مسولینی صلح کی گفت وشنید اٹلی کی فسٹ کونسل کے اجلاس نے مستحکم فیصلہ کیا ہے کہ جس مقصد کے لئے حبش پر حملہ کیا گیا تھا وہ ضرور حاصل کیا جائے گا اس کا یہ مطلب ہے کہ اٹلی صلح کی نئی تجویز پر اس وقت تک غور نہیں کرے گا جب تک کہ اس کو اپنے مقصد میں پوری کامیابی حاصل نہ ہو جائے۔

اگر اٹلی کے خلاف تیل پر پابندی لگائی گئی تو یہ امر لازمی ہے کہ اٹلی اس کا جواب دے گا۔

ایک دوست کے خط کا جواب ایک دلکش افسانہ کی صورت میں

پیارے دوست ←── اے ہنتے ہیں جو ہر چیز کا حد سے گزر جانا
وہاں جینا پڑا ہم کو جہاں لازم تھا مر جانا

یہ خط تم کو اُس وقت ملے گا جب میں قبر کی آغوش میں ابدی نیند سو تا ہوں گا اور میری رُوح اس خود غرض دنیا کی تمام آلائشوں سے آزاد ہو کر عرش اعلیٰ کے اُس مقام پر ——— پرواز کر جائے گی جہاں ——— پیارے تمہارے پروازِ خیال کی پہنچ بھی ناممکن ہو جائے گی۔ اپنی حالت کیا لکھوں اور کہاں سے لکھوں۔ انتہائی غمناک کہانی ہے۔ سُنو گے؟ رو دو گے! آجکل گوشہ نشینی زیادہ مرغوب ہے!

امنگوں کی تفسیر ہے۔ جو ہر وقت ورد زباں رہا کرتا ہے ؎

ہر چیز پُر بہار تھی! ہر شے میں حسن تھا
دنیا! حسین تھی مرے عہدِ شباب میں

اب جذبات مُردہ ہو گئے۔ کسی شے میں وہ دلفریبیاں نظر نہیں آتیں جو ——— عہدِ شباب میں وارفتگی کا باعث ہوا کرتی تھیں۔ قلب برف کی مانند سرد ہو گیا ہے۔ کسی طرح کے نقش اس پر مرتسم نہیں ہوتے۔ احساس گناہ قلبی تصدیعات کا باعث ہے۔ خدائے بے نیاز کی ذات سے عفو خطا کا طالب ہوں۔ اُس کی رحمت میرے گناہوں سے بڑھی ہوئی ہے۔ کیا عجب میرا یہ انفعال ندامت بخشش کا موجب ثابت ہو۔ دل و دماغ افکار دنیوی سے پراگندہ ہیں۔ وہ ——— مشاغل اور وہ ——— ولولہ انگیز طبیعت اب کہاں سے لاؤں۔ پیلے تصور میں بھی اُن کی تیرہ حال ہے ——— آج مدت کے بعد نہیں حال دل سُنانے کا موقع ملا ہے۔ پانی بھی قیامت کا برس رہا ہے معلوم ہوتا ہے اب جو برسے گا۔ زندگی وبال جان ہے۔ ہوا کا زور ——— الاماں۔ معلوم ہوتا ہے یہ سیلاب مجھے بہا کر لے جائے گا۔ پانی میں بھی طوفانی حالت بپا ہو گئی ہے۔ بجلی کی چمک اور ——— بادل کی ہولناک گرج کلیجہ دہلائے دیتی ہے۔ اُف کیسی تاریک رات ہے۔ لیکن انسانی ہستی قدرت کی کارفرمائیوں میں دخیل نہیں ہو سکتی۔ انسان مجبورِ محض ہے۔ خط طویل ہوتا جا رہا ہے اور ——— ویسے مضمون میں طنطنہ کا زور ہے تمہاری بہت سی باتوں کا جواب دینا بھی ضروری ہے ——— دنیا میں رہ کر علائق دنیا سے آزاد ہونا خلافِ فطرت ہے۔ خوشی میں خوشی کا اعادہ کرتا ہوں اور ——— غموں میں شریک۔

مگر جذبات فنا ہو گئے۔ جوانی کی پکار دور سے اب بھی جرس کارواں کی طرح کانوں میں آتی ہے۔ دل بے چین ہو جاتا ہے۔ یارائے سکت نہیں جو غبارِ کارواں کا تعاقب کر سکوں۔ منزلِ مقصود ابھی کوسوں دور ہے۔ دنیا ناکامیوں کا دوسرا نام ہے۔ یار آشنا سب بیگانے ہیں۔ کسی کو میری خبر نہیں۔ عہدِ ماضی کا زمانہ زندگی کے ساتھ ہے رات و دن جو دل پر گزرتی ہے خدا دشمن پر بھی نہ ڈالے۔ کم مائیگی ہو بیماریوں کی ایک بیماری ہے۔ اس وسیع دنیا میں میرا کوئی ہمدرد و غمگسار نہیں۔ ایک تاریک کوٹھری ہے دن سے رات اور رات سے دن اسی میں گزرتے ہیں۔ دنیا کی خبر نہیں؟ ——— عورت کی فطرت کا راز معلوم کرنا ——— انسان کا کام نہیں۔ بے پناہ حربے اُس کے تابع ہیں۔ رات کو دن اور دن کو رات کر دکھانا اُس کا ادنےٰ معجزہ ہے میں نے اس زندگی میں ——— صنفِ نازک کی فطرت کا غائر مطالعہ کیا ہے۔ کم سے کم میرا تجربہ غلط نہیں ہو سکتا۔ محبت اور وفا وفا اور فریب کا اگر تجزیہ کیا جائے تو موخر الذکر جذبہ عورت کا انتہائی مذموم اور بدترین فعل ثابت ہو۔ اس راہ میں میں نے اپنی زندگی تباہ کر دی۔ ——— عورت نام ہے ——— بیوفائیوں کا؟ ——— زمانہ کبھی موافق نہیں رہتا۔ اپنے پرائے ہو جاتے ہیں۔ یہ دنیا جائے سکون نہیں۔ انسان کی زندگی ایک طوفان ہے آیا اور نکل گیا۔ ——— پانی کے بلبلوں سے بھی زیادہ ثبات نہیں ——— بے ثباتیٔ دنیا کا رونا آج سے نہیں بلکہ روزِ ازل سے چلا آتا ہے۔ ——— خزاں اور بہار میں اب میرے لئے کوئی جاذبیت باقی نہیں رہی۔ اب تو ابدی سکون کی خواہش ہے ——— عورت اگر ایک وقت میں شیریں خواب ہے تو دوسرے وقت ——— ہلاکت آفریں۔ تعبیر؟ خوشی اور غم اُس کے قبضہ میں ہیں۔ اُس کی طاقت دنیا سے ——— کہیں زیادہ وسیع ہے۔ تم ان جھگڑوں میں مت پڑو۔ میرے تجربات اور میری پُر الم زندگی سے عبرت حاصل کرو ——— زندگی بالکل ویران ہو چکی ہے ——— دنیا نگاہوں میں سیاہ ہے۔ ایک بھولا ہوا خواب محسوس کر رہا ہوں۔ کسی شاعر کا یہ شعر میرے حسبِ حال

ہو کر اظہارِ افسوس۔ روتا بھی ہوں! ——— ہنستا بھی ہوں؟ یہ مکروہات زندگی کے ساتھ ہیں ——— دنیاداری اسی کا نام ہے۔ اس سے دور رہ کر انسان حدودِ انسانیت سے خارج ہو جاتا ہے ——— ظاہر میں ہنستا بھی ہوں۔ بولتا بھی ہوں۔ ہر دوست و دشمن سے ملتا بھی ہوں۔ مگر ——— پیارے! دل اندر ہی اندر روتا ہے۔ مقولہ ہے کہ دنیا کو ٹھکرا دو ——— دنیا پیروں پڑتی خود آ جائے گی۔ یہ تو بتاؤ کہ انسان میں اتنی قدرت کہاں کہ وہ اُس کو ٹھکرانے کی جسارت اپنے میں پیدا کر سکے دنیا مجھے خود ٹھکرا رہی ہے ——— ذرہ ذرہ اس جہاں کا اس وقت مجھے اپنے خلاف نظر آ رہا ہے۔ دنیا کی ستم ظریفیوں کا رونا کہاں تک رؤوں۔ شاید ازل ہی سے میرے لئے یہ سب سامان مہیا کر دئے گئے تھے جو آج ان آنکھوں سے دیکھ رہا ہوں۔ اور کانوں سے سُن رہا ہوں۔ مو سائی کے

باقی اگلے صفحہ پر

"صلح" کی پیشکش

ممکن ہے میں قبول کر لوں

میں بعض حصے پیش کر سکتا ہوں

ممکن ہے میں راضی ہو جاؤں

ہائے۔ ہائے

اٹلی

فرانس

برطانیہ

حبش

مغربی حکومتوں میں مشورے اور حبش کی پریشانی

(گلاسگو گارڈ)

{ پچھلے صفحہ سے }

…تعلقات حد سے زیادہ اور ——— برداشت سے باہر ہوگئے ہیں۔ قدرت کا فیصلہ ہی میرے حق میں ناکامی اور کلفت ہے۔ غم کھانے کے لئے پیدا کیا گیا ہوں ——— کھا رہا ہوں اور ابھی بہت کھاتا رہوں گا ——— زندگی ویران ہوچکی ہے ——— ہوائیں جھونکے میری زیست کے وقفے ہیں ——— کہیں زیادہ دیر پا ہیں اس زندگی میں تو خوشی کی جھلک نظر نہیں آتی ——— عاقبت کی خبر خدا جانے۔ تکلیف کے بعد راحت اور راحت کے بعد تکلیف کا ہونا دل کو سمجھاتا ہے۔ میری زندگی ایک مدت سے مصائب و آلام میں گزری اور گزر رہی ہے۔ وہ مسرت کی پر مسرت زندگی ——— میرے لئے کبھی پر سکون نہیں بن سکتی۔ تم بھی اس سن کو پہنچے اور ایسا ہی سمجھے کہ دوسروں کے رحم و کرم پر زندگی گزارنا ہوا کو مٹھی میں بند کرنا ہے۔ جس طرح سمندر کی لہروں کا شمار ناممکن ہے اسی طرح ——— غموں اور مصیبتوں کے تیر کلیجہ کو چھلنی کئے دیتے ہیں۔ ہائے ان آلام پر کوئی دو آنسو بھی بہانے والا نہیں ———

——— خود ہی روتا ہوں اور خود ہی دل کو سمجھاتا ہوں ——— لاتعداد آرزوئیں سینہ میں گردش کر رہی ہیں ———

——— غم کا بوجھ ——— زندگی پر بار ہے عزت نفس اجازت نہیں دیتی کہ دنیا پر اظہار کر سکوں ——— لاکھوں تمنائیں دماغ میں اور کروروں امیدیں دل کے گہوارہ میں پرورش پا رہی ہیں جن میں سے ایک بھی اگر پایۂ تکمیل کو پہنچ جائے سمجھوں کہ زندگی کا مقصد پورا ہوگیا ———

——— تخلق کا باعث اور زندگی کا مصرف موت سمجھا ہوں۔

——— ——— ———

——— حسن زر کا غلام ہے ——— اور محبت ——— حسن کی لونڈی؟ محبت کرنے والا دل کبھی حسن کو متاثر نہیں کر سکتا جتنا کہ ——— دولت؟ دنیا زر و مال کی کنیز ہے ———

——— بعض مناظر ایسے دلکش ان آنکھوں نے دیکھے ہیں جن کا زہر آنکھوں کی راہ دل کے ذرے ذرے میں سرایت کر گیا ہے ——— بیاعورت سے میرے جسم کا ذرہ ذرہ انتقام لینے کے لئے بیتاب ہے اس کی قاتل نگاہوں کے تیر انسان کی زندگی کو تباہ کر دیتے ہیں آہ! ——— میری آنکھیں اس وقت اشکبار ہیں ——— دل میں ہولناک ناامیدیوں کا ہجوم ہے ——— سینہ پھٹا جاتا ہے! ایک ناقابل بیان تکلیف محسوس کر رہا ہوں مگر افسوس اس بیماری کو دور نہیں کر سکتے

——— ہجوم تاسف سے دماغ خراب ہوگیا ہے عمر کے ہونہار دل میں اٹھنے والے بیکس ارمان اپنی پوری قوت و شباب سے بھی ان کا مقابلہ نہیں کر سکتا ———

——— موت کی تیز گردش میں

کتنی دیر تک قائم رہتی ہے۔ اس کا اندازہ ——— عقل و خیال میں بھی نہیں آ سکتا۔ محبت کے ہاتھوں اس عالم کی حقیقت کو سمجھ رہا ہوں۔ دیکھوں کب انکشاف حقیقت ہو؟ ———

——— رموز فطرت اور انسانی فطرت نفس کا بھی بخوبی اندازہ ہوگیا ہے ———

——— اب میں تم کو اپنی وہ پُر درد کہانی سناؤں گا جس کا ایک مدت سے میں ——— تم سے وعدہ کر رہا ہوں۔ اسے میرے ضمیر کی کمزوری سمجھ یا میری سادہ لوحی کہ تم سے اب تک میں نے اپنی زندگی کا عظیم الشان واقعہ کیوں نہیں بتایا ———

——— پہلے ایک ایک نغمہ دل کے کانوں نے سنا۔ یہ نغمہ انسانیت کو بدنام کرنے والا اور ——— عورت کی فریب کاریوں کو بے نقاب کرنے والا ہے ایک پکار آہ بیکس و ناتوان دل کی گہرائیوں کی ——— پکار جس کی شنوائی اس عالم میں نہیں ———

——— میں خود درد انگیز حیرانیوں میں مبتلا ہوں کہ میری چیخ و پکار صدائے صحرا سے زیادہ حیثیت نہیں رکھتی

——— لیکن امکان ہے کہ بہت سی باتیں ——— تمہارے لئے مفید مطلب ثابت ہوں ——— یہ راز دل کی عمیق گہرائیوں کا راز ہے جو آج تم پر منکشف کر رہا ہوں ——— دل کے گوشے گوشے سے انتقام کی ہیبتناک صدائیں ——— بلند ہو رہی ہیں اور میرے جذبات اس ایسی عورت کے خلاف برانگیختہ ہو رہے ہیں جو کبھی میری زندگی کا سہارا آخر امید کا دیا ہوا اور ——— آسمان تقدیر کا روشن ستارہ تھی آہ ——— مگر اس کے مکر و فریب اور بیوفائیوں کی داستان ہزار داستان لئے بیٹھا ہوں ——— شاعر کا دل اور دماغ کہاں سے لاؤں جو اس کے سراپائے ناز کا نقشہ دماغی ہوسکے قلم کی جنبش سے صفحہ قرطاس پر کھینچ سکوں۔ بس یہ کہہ دوں کہ ——— حسن کبھی وجہ محبت نہیں ہوتا حسن دوسری چیز ہے اور ——— محبت ——— دوسری چیز! محبت دل کے جذبات و وجدانی کا نام ہے۔ ایک شخص خوبصورت ہوتا ہے مگر ——— اس کا وہ نظر نہیں ہوتا۔ برعکس اس کے ایک غیر ملکی انسان میں کچھ ایسی دلفریبیاں ہوتی ہیں جو جاگزیں ہوکر روح و ہوش بن جاتی ہیں ——— اس میں بھی کچھ ایسی کیف سامانیاں تھیں جن سے میں خود بخود متاثر ہوگیا۔ محض رنگ روپ کا زندہ مجسمہ ہی نہ تھی بلکہ ——— تمام باطنی حسن و عشق کی رعنائیاں اس کے اندر پنہاں تھیں جس نے مجھے اپنی اداؤں میں مسحور کر لیا تھا۔ جس وقت وہ میرے سامنے سے گذرتی ——— میرے سوئے ہوئے جذبات بیدار ہوجاتے ——— حسرت سامانیوں کی حالت ——— پریم لتا مجھے کنکھیوں سے ایک نظر دیکھ لیتی۔ میرے قلم میں اتنی طاقت نہیں کہ اس وقت کے ——— روحانی جذبہ کی ترجمانی کر سکوں۔ ایک عجیب طرح

کا سرور سارے دماغ پر چھا جاتا ——— وہ گھنٹوں بوڑھی ماں کے پاس آکر بیٹھتی۔ آنکھوں آنکھوں میں مجھ سے باتیں ہوتیں۔ اس کے لطیف اشارے میرے جذبات بے خودی میں ایک کیف ہیجان پیدا کر دیتے وہ ——— میرے ماموں کی لڑکی تھی۔ بچپن سے میرا اور اس کا ساتھ تھا۔ مجھے لڑکپن ہی سے اس کے ساتھ ایک خاص قسم کی محبت تھی ——— انسیت تھی۔ بلکہ عشق تھا۔ اس میں ایک طرح کی کشش تھی جو دل کو اور نظروں کو اپنی طرف کھینچ لیتی۔ اس کی آنکھوں میں آہ ——— نرگسی آنکھوں میں قیامت کی مستی تھی جس نے مجھے دیوانہ بنا رکھا تھا وہ جب میرے سامنے آتی مسکراہٹ اس کے نازک ہونٹوں پر کھیلا کرتی ——— اس کے خوبصورت عنبریز ——— گھنگھریالے کالے بال ——— جو منتشر دماغ کو پریشان کر دیتے۔ وہ ایک مردہ کی حور تھی جس کی قربت سے میری دنیا کا ذرہ ذرہ مسرور تھا اس کے عارض نازک اس درجہ لطیف تھے کہ ——— گلاب کے پھول کی ملاحت اس کے آگے کوئی حقیقت نہ رکھتی تھی۔ اس کے سامنے سیب بادہ کے مانند تھے ——— اس کی ایک ایک ——— ادا میں ہزاروں بجلیاں مستور تھیں ——— مکان کی دوسری منزل پردہ رہا کرتی تھی۔ ایک کمرہ اس کے لئے مخصوص تھا۔ کمرے کی کھڑکیاں میرے صحن میں کھلتی تھیں۔ اکثر راتوں کو وہ انہی کھڑکیوں سے میری بے چینیاں دیکھا کرتی تھی ——— اس کے حسن کی ضیائیں کھڑکی کی درازوں سے نکل کر ساری فضا کو منور کر دیتیں ——— میں محسوس کرتا کہ ——— ہر در و دیوار پر اسی کا ——— جلوہ نمایاں ہے ——— خدا جانے کہاں کی رعنائیاں کہاں میں پھٹ پڑی تھیں۔ وہ ——— جوانی کی کیف باریوں میں سرشار تھی ——— شباب اور حسن نے چار چاند لگا کر اس کے دل کو عشق و محبت کی چاشنی سے آشنا کر دیا تھا۔ ہر وقت اس کے جذبات میں ایک ——— ہنگامہ پردہ جوش ہوتا ———

میں نے کئی سال تک اس پر اپنی طوفانی محبت کا اظہار نہیں کیا۔ ضبط نفس کی مجبوریاں ——— پیارے دوست میرے دل سے پوچھو۔ پانی جب سر سے اونچا ہوگیا مجبوراً ——— ایک دن مجھے اظہار محبت کرنا ہی پڑا آہ ——— میری پہلی شکست تھی ——— میں نے اس کے ساز دل کو اپنی محبت کی مضراب سے چھیڑنا شروع کیا۔ یہاں تک کہ ——— وہ میرے جذبات سے اچھی طرح واقف ہوگئی مگر اس کی ——— بے التفاتیاں۔ میری زندگی کو تباہ کرنے میں اسی طرح مصروف رہیں آہ ——— میں ہمیشہ کے لئے اس کے قیامت آفریں خیال میں گم ہوکر رہ گیا۔ وہ ایک آزاد خیال اور روشن ضمیر لڑکی تھی ——— میں اس کی محبت کا بھوکا تھا۔ مجھے کسی وقت اس کے بغیر چین نہ آتا۔ آہ وہ ——— کسی اور ہی خیال میں گم تھی۔ میرے اب میں اس کا رویہ انتہائی مذموم اور ریاکار تھا۔ وہ محض مجھے تباہ کرنا چاہتی تھی بلکہ ———

اس دنیائے ہست و نابود کرنا اس کا مطلب تھا! ——— وہ حسن و عشق کی باتوں سے بہت لطف اندوز ہوتی اس طرح میں اس نے نہ جانے کہاں سے یہ سب دلفریبیاں اور حشر سامانیاں اپنے میں پیدا کر لی تھیں میں چاہتا کہ اس کے ——— حسن کی تمام رعنائیوں کو اپنے دل کی عمیق گہرائیوں میں جذب کر لوں۔ مگر اس کا طرز عمل بعض اوقات میرے ارادوں پر پانی پھیر دیتا۔ وہ انتہا درجہ کی شوخ اور طرار لڑکی تھی۔ جس وقت وہ اپنی سہیلیوں میں بیٹھتی اس سے پہلے نہ بیٹھا جاتا بات بات پر شعر پڑھتی۔ مشہور اساتذہ کے اشعار اس کو زبانی یاد تھے۔ دوسری لڑکیوں کو اپنی بذلہ سنجی سے پریشان کر دیتی ——— وہ ہمیشہ میرے ہی قریب بیٹھ کر ساز مسرت چھیڑتی ——— میری پریشان حالت کا اس کو مطلق احساس نہ ہوتا۔ میں اس کے غم میں! ——— محبت میں! اپنی زندگی برباد کر چکا تھا۔ دن اور رات کا بیشتر حصہ وہ میرے آس پاس گذارتی۔ میری روح حیات اس کی اس طرز سے مسرور ہوجاتی۔ ایک دن اس نے مجھے انتہائی مایوس کن خط لکھا کہ میری اور اس کی طرف سے گھر والے اور خود اس کے والدین مشکوک ہیں اور مجھے ہدایت بھی کی ——— کہ میں اس کو کسی طرح کا خط بھی نہ لکھوں اور نہ اس سے اظہار تعلقات کروں ——— آہ یہ اس کا پہلا فریب تھا! ——— میں اس کی بربادی اور رسوائی کا کبھی خواہاں نہ تھا۔ میں نے اس کی بدنامی کا خیال کر کے کچھ دنوں کے لئے ترک وطن کا ارادہ ظاہر کیا۔ پریم لتا نے کہا:

"آپ میری وجہ سے ترک وطن کا خیال بھی دل میں نہ لائیے۔ اگر آپ کو میرے ساتھ محبت ہے تو ہرگز ——— وطن نہ چھوڑیئے ——— ورنہ میں بھی موت کی آرزو کروں گی ——— "

اس کے یہ الفاظ تھے ——— جو مجھے اپنی جان سے زیادہ عزیز تھی۔ اس کے یہ ہمدردانہ الفاظ میرے لئے سحر بن کر رہ گئے۔ اور اس نے مجھے ایسی زنجیروں میں ——— جکڑ دیا کہ میرے لئے رہائی مشکل ہوگئی

دن بھر میں گھر اندر نہ آتا مبادا میری وجہ سے اس کی بدنامی نہ ہو۔ ایک روز رات کو میں گھر نہیں آیا۔ ——— اس نے مجھ پر ظاہر کیا کہ وہ تمام رات میری وجہ سے پریشان رہی! آہ ——— میرا دل اس کے اس خیال سے مغموم ہوگیا کہ میری خاطر سے اس کو یہ تکلیف پہنچی۔ اس دن سے میں نے اپنا طرز بدل دیا۔ وہ دن بھر گھوم پھر کر میرے یہاں رہتی۔

ایک دن چاندنی رات تھی۔ گرمیوں کے ابتدائی ایام تھے۔ چاند پوری آب و تاب کے ساتھ آسمان پر نمودار ہوگیا تھا۔ فضا انتہائی خوشگوار تھی ——— آبادی سے کچھ دور ——— سنسان مقام پر ایک

(باقی صفحہ [illegible] پر)

خاص تیج ویکلی کے لئے

سونا

(از جناب شوکت تھانوی)

سونے سے مراد وہ سونا نہیں ہے جو ہندوستان سے جہازوں میں لد لد کر یورپ اور امریکہ کی طرف جا رہا ہے اور جس کی جگہ پر ہندوستان میں کاغذ کے سکے چل رہے ہیں۔ بلکہ ہماری مراد اس سونے سے ہے جس کے متعلق مس کملا جھریا نے اپنے تازہ ترین ریکارڈ میں ارشاد فرمایا ہے کہ :۔

نِندیا لاگی میں سوئے گئی گوئیاں

اس سونے کی قدر اہل زر اور سنار تو کیا کریں گے۔ البتہ ریلوے کے ملازمین اور ہمارے ایسے اہل اخبار ضرور کرتے ہیں جن کو سونے کے وقت جاگنا پڑتا ہے اور جو سوتا تو درکنار آنکھ جھپکنے تک کے لئے ترستے ہیں۔ ایک زمانہ وہ تھا اور ہائے کیا زمانہ تھا۔ وہ بھی جب ہم بحیثیت ایک طالب علم کے صبح تڑکے دس بجے کے قریب سو کر اٹھا کرتے تھے اور چراغ میں بتی پڑتے ہی جمائیاں آنا شروع ہو جاتی تھیں۔ یعنی دن اور رات کے چوبیس گھنٹوں میں مشکل سے ۸ گھنٹے جاگتے تھے۔ اور باقی تمام وقت سونے کی نذر کر دیا کرتے تھے۔ مگر تعلیم ختم کرنے کے بعد کیا ہوا؟ اُف کچھ نہ پوچھئے۔ یہ ایک ٹریجڈی ہے۔ دل ہلا دینے اور خنداً رلا دینے والا افسانۂ غم ہے جو متعدد جمائیوں اور چند انگڑائیوں کے بعد عرض ہے کہ:۔

اخبار اور پھر روزانہ اخبار کی نوکری کے بعد اگر کوئی صاحب یہ چاہیں کہ وہ نیند بھر کر سو لیا کریں تو ان کو چاہئے کہ وہ ان دو خیالات میں سے صرف ایک کو اپنے ذہن میں رکھیں۔ ورنہ یہ اجتماع ضدین ان کو نہ گھر کا رکھے گا نہ گھاٹ کا۔ اس لئے کہ کسی روزانہ اخبار کی ملازمت کے لئے جس وقت درخواست دی جاتی ہے اسی وقت درخواست کی پیشانی پر جہاں تاگاندھی کا محبوب ترین ترانہ لکھ دینا پڑتا ہے کہ:۔

"اٹھ جاگ مسافر بھور بھئی اب رین کہاں جو سووت ہے"

اور اسی کے ساتھ اخبار نویسی اختیار کرنے والے کو یہ سمجھنا پڑتا ہے کہ بھور ہر وقت ہو سکتی ہے خواہ رات کے بارہ بجے ہوں یا صبح کے تین۔

ہم نے اپنی اخبار نویسی کی اس مختصر سی زندگی میں بہت سے اخبارات کو سرفراز فرمایا ہے جن میں سے شام کو نکلنے والے اخبارات بھی تھے سہ پہر کو نکلنے والے اخبارات بھی اور صبح نکلنے والے بھی۔ شام کو نکلنے والے اخبارات کو اس لئے خارج از بحث سمجھئے کہ ان کا عملہ سونے اور جاگنے کے سلسلہ میں کوئی غیر انسانی حرکت نہیں کرتا۔ لیکن دوپہر اور صبح کے اخبارات کی ملازمت اور انسانیت سے دور کا بھی واسطہ نہیں ہوتا۔ خیر دوپہر کو نکلنے والے اخبارات تو یہی کرتے ہیں کہ انسان کو ذرا "سحر خیز" بنا دیا کرتے ہیں۔ یعنی وہ صبح صبح آدھی رات کو لحاف سے نکل کر بائیسکل پر ہوا کے فراٹے بھرتا ہوا کتوں اور پولیس والوں کی روک ٹوک سے بچتا ہوا چار بجے دفتر پہنچ جاتا ہے اور دن کو دس بجے تک کام کرنے کے بعد پھر گھر واپس آجاتا ہے اب اس کو اختیار ہے چاہے سوئے چاہے جاگے یا دل چاہے تو اونگھے۔ مگر وہ اخبارات جو سورج کے ساتھ اور کبھی کبھی سورج سے پہلے نکلا کرتے ہیں۔ ان کے عملہ کے لئے راتوں کو نیند قطعاً حرام ہوتی ہے اور وہ ٹھیک اُس وقت گھر سے دفتر روانہ ہوتا ہے جس وقت ان کے تمام گھر والے سونے کی تیاریاں کرتے ہیں اور اس کے بعد یہ ہوتا ہے کہ ع

ہم رات کو اٹھ کر روتے ہیں جب ساری دنیا سوتی ہے

ہم نے خوش قسمتی سے بہت کم ان ایسے اخبارات سے تعلق رکھا ہے جو ہماری نیند حرام نہ کریں اور زیادہ تر ان ہی اخبارات سے واسطہ پڑا ہے جو راتوں رات مرتب ہو کر صبح یا زیادہ سے زیادہ دوپہر کے قریب شائع ہوتے تھے۔ بہر حال اب تک تو جس طرح ہم نے شب بیداری کی ہے اس کی تفصیل سن کر یوں خواہ مخواہ جمائیاں لیجئے گا۔ لیکن آج کل ہم جس شان سے سوتے اور جاگتے اس کی تفصیل ضرور سن لیجئے تاکہ آپ کو بھی تو معلوم ہو کہ خدا کی اس وسیع دنیا میں کیسے کیسے لوگ آباد ہیں اور ان کے معمولات کیسے کیسے عجیب و غریب ہیں۔

آج کل اس خاکسار کا تعلق جس روزانہ اخبار سے ہے وہ صبح سات بجے نکلتا ہے لہذا اس کی ترتیب کے لئے ہمارا پروگرام یہ ہے کہ رات کو تو بالکل آدمیوں کی طرح دس بجے کے قریب سو جاتے ہیں مگر جب صبح تین بجے الارم میں کا الارم سر اقدس پر کھنکھناتا ہے تو کچھ نہ پوچھئے کہ کیسے کیسے خواب شیریں باقی آئندہ کرنا پڑتے ہیں اور کس حسرت و یاس کے ساتھ گرما گرم بستر چھوڑنا پڑتا ہے۔ مگر یہ نہ سمجھ لیجئے گا جس آسانی اور اختصار کے ساتھ ہم نے بیدار ہونے اور بستر چھوڑنے کا تذکرہ کر دیا ہے اسی آسانی اور اختصار کے ساتھ ہم بیدار بھی ہو جاتے ہوں گے اور بستر بھی چھوڑ دیتے ہوں گے۔ جی نہیں۔ بلکہ ہوتا یہ ہے کہ:۔

ہم کشتی میں سوار بندوق لئے ہوئے کانپ رہے ہیں اور مگر مچھ ہے کہ منہ کھولے ہوئے بڑے بڑے دانت نکالے کشتی کی طرف بڑھتا چلا آرہا ہے ہم بندوق چلانا چاہتے ہیں۔ مگر اس کے تمام کارتوس دریا میں گر جانے کی وجہ سے خراب ہو گئے ہیں اور ایک فیر بھی نہیں ہوتا ——— یکایک مگر مچھ کشتی پر حملہ کرتا ہے اور ہم اچک کر اس پر سوار ہو جاتے ہیں۔ اور وہ ہم کو لے کر بھاگتا ہے نہایت تیز اور پیچ و خم کھاتا ہوا۔ یہاں تک کہ وہ دریا میں بہتے ہوئے ایک درخت کے قریب سے ہو کر گذرتا ہے اور ہم اس درخت کی [illegible] پکڑ کر لٹک جاتے ہیں اب جو دیکھتے ہیں تو اس درخت پر [illegible] [illegible] میں بیٹھے ہوئے ہیں۔۔۔ ہم [illegible] گر پھر دریا میں گرنا چاہتے ہیں۔ ہم [illegible] ۔۔۔۔۔۔

(باقی مضمون اگلے صفحہ پر)

رازِ پنہانِ بہار

(از قلم جناب طاہر حسین صاحب طاہرؔ دیوبندی)

(خاص تیج ویکلی کے لئے)

ایک دن میں نے کہا اے نغمہ سنجانِ بہار
بھر دیئے کس نے گلِ رنگیں سے دامانِ بہار

کس نے بھر دیں کوٹ کر پھولوں میں نکہت بیزیاں
کون ہے مشاطۂ زلفِ پریشانِ بہار

ذرہ ہائے خاک میں کس نے نمو پیدا کیا
شوخیاں کلکی میں پنہاں زیرِ دامانِ بہار

تم سمجھتے ہو گلِ رنگیں کو نالوں کا اثر
میں سمجھتا ہوں اسے خونِ شہیدانِ بہار

سُن کے یہ اک طائر نے یوں کیا مجھ سے خطاب
اے اسیرِ دامِ گیسوئے پریشانِ بہار

تیری عقلِ نارسا بھی کس قدر محدود ہے
گل کو جو سمجھا ہے تو خونِ شہیدانِ بہار

فکرِ ناقص خود تری آنکھوں کا پردہ بن گئی
تیری نظروں میں سمٹ کر رہ گئی شانِ بہار

واقفِ اسرارِ نقطِ کُن فکاں تو بن گیا
اور نہ سمجھا حیف تو رازِ گلستانِ بہار

گل کو کہتا ہے کبھی بلبل کے نالوں کا ثمر
ابرِ باراں کو کبھی کہتا ہے تو جانِ بہار

ہمنوایانِ چمن تو ناسپاس حق نہیں
ان کے نالوں پر عبث رکھتا ہے بہتانِ بہار

خاک کے پتلے ذرا بامِ عبودیت سے دیکھ
پھر تجھے معلوم ہوگا رازِ پنہانِ بہار

جس نے تجھکو ایک مشتِ خاک سے پیدا کیا
ہے وہی تو کار فرما زیرِ دامانِ بہار

اسکا خونِ آرزو۔ اور اسکی تاثیرِ فغاں
اسکے قدرت کے نگیں ہیں مرغزارانِ بہار

ہم ہمیشہ حمد سرا ہیں اُسی معبود کے
تو سمجھتا ہے ہمیں ناحق ثناخوانِ بہار

مٹی عقلِ احمق تو خدا کو بھول کر
بن گیا سودائی زلفِ پریشانِ بہار

سُن کے یہ طاہرؔ ہوا میں غرقِ بحرِ انفعال
اور اک اک اڑ گئے یہ کہہ کے مرغانِ بہار

بر چنیں دعوائے عقلِ تو برا باید گریست
تو کجائی و کجا ایں رازِ پنہانِ بہار

{پچھلے صفحہ سے}

کے میں تہاکت ا نے کی تصویر بنا انگا ہم تکا ہاتھ کھینچ لیتے ہیں اور وہ جو ہمکو دیکھتے ہیں تو ان کی گھڑی والی انگوٹھی ہمارے آنکھ سے جاتی ہے اور ہاتھ میں آتے ہی ٹھٹھی ہے ۔۔ ٹن ٹن ٹن ٹن ۔۔۔

ہماری آنکھ فوراً کھل جاتی ہے بیقری کے عالم میں گھڑی کے الارم کا جواب دیتے ہیں "اس اں سن لیا" اٹھ بیٹھے مگر وہ بیقعدہ کوک برابر کی رہی ہے۔ یہانتک کہ ہم کو لحاف سے ہاتھ نکال کر اسے روکنا پڑتی ہے اور ساتھ ہی ساتھ لحاف سے نکلا ہوا ہاتھ اس کا اندازہ بھی کر لیتا ہے کہ سردی کتنی ہے پھر ہم ایک آدھ انگڑائی لیتے ہیں۔ ایک آدھ کروٹ لیتے ہیں اور آنکھوں کی کھٹک سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ ابھی سوئے تھے اگر ہی کروٹوں کی ادلا بدلی میں پھر غائب ہو گئے تو اخبار نکلنے کے بعد ہم عانا سے نکلتے ہیں۔ مگر چونکہ اس طرح ایک دن کی تنخواہ غائب ہو جاتی ہے۔ لہذا عموماً یہی ہوتا ہے کہ پہلے ایک ہاتھ لحاف سے نکالا اور دل کو سمجھایا کہ میاں تم خود سمجھ دار ہو اگر اس طرح نفس کشی سے کام نہ لوگے اور محنت نہ کروگے تو بچوں کو کیونکر پالوگے۔ آجکل تو بھیک مانگنے کیلئے بھی قید ہے کہ فقیر گریجویٹ ہو اور شستہ انگریزی میں صدا لگائے پیٹ بھرنا بہر حال ضروری ہے لہذا اٹھو میاں اور محنت کر کے شریفانہ طریقہ پر پیٹ بھرو۔ لیکن کاس ذریعہ کو ہاتھ سے نہ دو۔ دل ان باتوں کو درست سمجھتا ہے لہذا پھیلنے پھیلنے سے راضی ہو جاتا ہے اور ہم دوسرا ہاتھ بھی لحاف سے نکال دیتے ہیں اور پھر دل کو سمجھاتے ہیں یہانتک کہ پہلے ایک پاؤں پھر دوسرا پاؤں لحاف سے نکل آتے اور آخر کار ہم لحاف کو ایکدم ہوا ت سے کا ہے کر کہ سے ہٹا دیتے ہیں اور لحاف کے اٹھتے ہی سردی کے مارے طوطی اڑ کر بیٹھ جاتے ہیں۔ اس کے بعد عزیز از جان چارپائی کو چھوڑنا پڑتا ہے اور جلدی جلدی ضروریات سے بوقت فارغ ہونے کی کوشش کرتے ہیں۔ حالانکہ واقعہ یہ ہے کہ یہ تو وہ وقت ہوتا ہے کہ ضروریات خود رسوتی ہوتی ہیں فارغ کیونکر ہوں۔ بہر حال خدا خدا کرکے ہم ڈھائی بجے تک اس قابل ہو جاتے ہیں کہ طہراس میں رکھی ہوئی چائے پی کر کپڑوں کے اوپر کپڑے پہنیں اور سر سے پیر تک پارسل کی طرح لپٹے ہوئے سائیکل پر سوار ہو کر فہرست دفتر کی جانب سدھارے جائیں۔

رات کا سناٹا۔ ہُو کا عالم۔ سردی کا شباب اور پھر سائیکل کی ہوا دار وردی میں کچھ نہ پوچھیئے کہ کیا لطف آتا ہے۔ اب تو ہم نے یہ طے کر لیا ہے کہ جب کسی کو بددعا دینا ہوگی تو یہی کہا کریں گے کہ خدا کرے تو کسی سات بجے صبح شائع ہونے والے اخبار میں نوکری کرے اور تیرا گھر اس سے دو میل ہو۔ اکثر جاتے ہیں کہ خدا بھی یاد آ جاتا ہے۔ بعض وقت یہ کہ راستہ بھر پولیس کے پہرہ دار الگ غور سے دیکھتے ہیں کہ یہ شخص بائیسکل پر کیا لئے بھاگا جا رہا ہے۔ اگر انہوں نے بہت ضبط سے کام لیا تو صرف اپنی خوفناک آواز میں "ہو" کر کے رہ گئے ورنہ اکثر پوچھ بھی لیتے ہیں کہ اے بندۂ خدا تجھ پر کیا مصیبت نازل ہوئی اور تجھ سے کیا قصور سرزد ہوا ہے کہ آدھی رات کو بیچارہ گھر سے نکالا گیا ہے۔ تو کون ہے۔ کہاں جائے گا۔ اگر تیرا کہیں ٹھکانا نہ ہو تو چل ہمارے ساتھ کوتوالی ہی چل۔

ان حضرات کی ان تمام ہمدردیوں کا شکریہ ادا کرتے ہوئے اور ان سے بڑھ کر کتوں کی ڈانٹ ڈپٹ سہتے ہوئے اور ان سے کہتے ہوئے کہ "خاموش ہم ایڈیٹر ہیں ایڈیٹر۔ نگاہ روبرو"۔ ہم دفتر پہنچ جاتے ہیں۔ بعض اوقات اگر کسی بدتمیز کتے نے دوڑا دیا تو کچھ جلدی ورنہ عموماً تین بجکر دس چند منٹ پر ہمارا دفتر پہنچ جانا گویا قسمت میں لکھا ہوا ہے۔ اور اس وقت سے لیکر صبح آٹھ بجے تک یعنی اخبار نکلنے کے ایک گھنٹہ بعد تک تو مسلسل اور ساڑھے آٹھ بجے سے گیارہ بجے تک رعایت کے ساتھ قلم کو چلاتے چلاتے چھکر لہو بنا دینا پڑتا ہے۔ دفتر سے بارہ بجے لازمی طور پر واپسی ہو جاتی ہے اور ہم کو اس کا ذرا سا موقع حاصل ہوتا ہے کہ بھی بھر کر سو جائیں بلکہ اگر جاہیں تو پھر سکتے ہیں رات کو دو بجے تک کے لئے۔ مگر تو یہ کیجئے دن کو نیند کا کون سا وقت ہے اور وہ آ بھی جائے تو سوتا کون مردود ہے بس یہی بیٹے ذات کے لئے کافی ہے کہ چوبیس گھنٹہ میں چار گھنٹہ سو لیتا ہے اور ۔۔۔ ع

"ڈھائی سافر ہو رہی اپنی کہاں جو سودت ہے"

کی پیروی کر کے مہاتما گاندھی کی خوشنودی حاصل کرتا ہے

دُنیا میں جاسوسوں کی تعداد

صرف یورپ میں آج کل ایک لاکھ جاسوس اپنی اپنی ڈیوٹی پر کام کر رہے ہیں۔ نازی جرمنی میں ۲۰ ہزار جاسوس ہیں۔ پچھلے پندرہ سالوں میں مختلف ممالک کے رہنے والے چالیس ہزار جاسوسوں کو یہاں سے شبہ میں سزائیں دی گئیں روس میں انہی پندرہ برسوں میں اوسطاً چھ گھنٹے میں ایک جاسوس گرفتار کیا گیا۔ اور سزا دی گئی۔ امن کے وقت بھی یہ جاسوس اتنے ہی مشغول رہتے ہیں جتنا کسی خاص ڈیوٹی کے وقت رہتے ہیں۔ آدھا یورپ جاسوسی کے مرض میں مبتلا ہے۔

برلن اور روم میں تو جاسوسوں کی تعلیم و تربیت کے لئے بڑے بڑے کالج کھلے ہوئے ہیں جہاں کوئی ذمہ داری کا کام سونپنے سے پہلے جاسوس کو بہت سخت ٹریننگ پوری کرنی پڑتی ہے۔ روس میں محکمہ جاسوسی کا خرچ پہلے سے زیادہ بڑھ گیا ہے فرانس کا خرچ کم سے کم دوگنا ہو گیا ہے جرمنی جاسوسوں اور پروپیگنڈا پر چار سے ۴ کروڑ پونڈ ہر سال خرچ کرتا ہے۔ برطانیہ کے بجٹ میں محکمہ جاسوسی کے لئے ہر سال قریب دو لاکھ پونڈ کا خرچ دکھلایا جاتا ہے اور یہ ۲ لاکھ پونڈ بھی کس طرح خرچ کئے جاتے ہیں یہ کسی کو معلوم نہیں ہو سکتا۔ پارلیمنٹ اس مد پر بحث نہیں کر سکتی۔

اور اس سونے کو دراصل سب سونے سے قیمتی سمجھا جاتا ہے۔ جو ہندوستان سے لادکر ہندوستان کیا جا رہا ہے۔

سائینس

ہارمونز

اِن کا اثر صحت و شخصیت پر نمبر (۳)

(از قلم شری جی۔ ڈی۔ ٹی۔ ایم۔ ایس۔ سی)

(خاص تیج دہلی کے لئے)

جس وقت کسی انسان یا حیوان کو خونخوار دشمن کا مقابلہ درپیش ہو تو اُس کے لئے یہی چارہ ہے کہ یا تو وہ کمر کس کے میدان میں اُتر آئے یا سر پر پاؤں رکھ کر بھاگے اور اپنی جان بچانے میں کوشاں ہو تاکہ وہ اپنے مقصد میں کامیاب ہو سکے۔ قدرت نے ہر ایک جاندار کو دو ایسے غدود عطا کئے ہیں جن کی رطوبتیں اس موقعہ پر خون میں داخل ہو کر ویسی ہی جسمانی تبدیلیاں پیدا کرنا شروع کرتی ہیں۔ جیسی کہ اُس وقت کے لئے ضروری ہوتی ہیں۔ تمام اعصاب کھنچ جاتے ہیں۔ دل کی دھڑکن زیادہ ہونے سے جسم میں خون کی حرکت تیزی سے ہونے لگتی ہے۔ پٹھا پٹھا پھڑک جاتا ہے۔ جسم سیدھا ہو جاتا ہے۔ آنکھوں سے زیادہ صاف دکھلائی پڑتا ہے۔ کان غیر معمولی طور پر ہوشیار ہو جاتے ہیں۔ اور سانس کی رفتار تیز ہو جاتی ہے۔ جسم کے بال کھڑے ہو جاتے ہیں۔ اور وہ جاندار مرنے مارنے کے لئے تیار ہو جاتا ہے۔

یہ تمام جسمانی تبدیلیاں جو کہ ہم کو وقت معرکہ میں تیار کرتی ہیں ایک کیمیاوی مرکب ایڈرینیلین (ADRANILIN) کی وجہ سے ہوتی ہیں۔ جو کہ ایسے موقعوں پر خون میں شامل ہو جاتا ہے اور جو اس رطوبت کا ضروری جزو ہے۔ جو کہ گُردوں کے گرد پائے جانے والے ایک پتلی سی جھلی سے جُڑے ہوئے دو چھوٹے چھوٹے پیلے رنگ کے غدودوں سے نکل کر خون میں شامل ہوتی ہے۔ جن غدودوں کو انگریزی میں ایڈرینلز (ADRANELS) اور اردو میں غدود فوق الکلیہ کے نام سے موسوم کیا جاتا ہے۔ اور غدۂ فوق الکلیہ دو مختلف حصوں میں منقسم ہے۔ اوپر کا اور نیچے کا حصہ۔ ان دونوں میں سے علیحدہ علیحدہ رطوبتیں خارج ہوتی ہیں!

ایڈرینیلین، نچلے حصہ کی رطوبت ہے اور یہ ہمارے تمام جذبات کو برانگیختہ کرتی ہے۔

حیوانوں پر تجربہ کر کے دیکھا گیا ہے کہ ڈر یا غصہ کی حالت گزر جانے کے بعد ان غدود میں اُس مرکب کی کمی واقع ہو جاتی ہے۔ اور خون میں اُس کی زیادتی۔ کیمسٹوں نے نقلی طور پر بھی ایڈرینیلین تیار کر کے اور اُس کو جسم میں انجیکٹ کر کے یہ ثابت کیا ہے کہ اس مرکب کے خون میں داخل ہونے سے بڑی اہم تبدیلیاں واقع ہوتی ہیں۔ اور جسم کی حالت ایسی ہو جاتی ہے کہ مشکل سے مشکل کام اور سخت سے سخت مصیبت ایک معمولی سی بات معلوم ہوتی ہے۔ کیونکہ اس کے خون میں داخل ہوتے ہی نروس سسٹم پر ایک ایسا اثر پڑتا ہے کہ تمام خون کا رجحان اُس عضو کی طرف ہو جاتا ہے جس عضو سے کہ حملہ کیا جاتا ہو یا جس کی مدد سے حفاظت کی جاتی ہو۔ چند لمحوں کے لئے باقی تمام اعضاء اپنا کام بند کر دیتے ہیں۔

ذرا غور کریں ان لوگوں کی حالت پر جن میں کہ یہ گلینڈ بالکل نہ ہونے کے برابر ہے۔ آجکل کے زمانہ میں بھی جبکہ ہمارے روزمرہ شغل میں ایک ایسا مجلسی دائرہ قائم ہو گیا ہے جس میں ہم نہایت بے خوفی سے گزران کر سکتے ہیں۔ ایسے موقعے درپیش ہوتے ہیں جبکہ ہم کو رعب اور غصہ دکھلا کر اپنی شخصیت کو دکھلانا پڑتا ہے۔ اور اُس کو قائم رکھنا پڑتا ہے۔ اگر ان اشد ضروری اوقات پر یہ گلینڈ کوئی بھی رطوبت خون میں داخل نہ کرے تو ظاہر ہے کہ بزدلی اور کمزوری کی مہر ہمیشہ کے لئے ہم پر عائد ہو سکتی ہے۔

ایڈرینلز کے اوپر کے حصہ کی رطوبت کو کارٹین (CORTIN) کہتے ہیں اور جہاں نچلے حصہ کی رطوبت ایڈرینیلین صرف غصہ۔ رنج یا ڈر کی حالت پیدا ہونے سے پہلے رِسنے لگتی ہے۔ یہ رطوبت ہر وقت رِستی رہتی ہے۔ دیکھا گیا ہے کہ انسانوں اور حیوانوں میں یہ ایک خاص فرق ہے کہ ایڈرینلز کے اوپر کا حصہ جس کو کارٹکس (CORTEX) کہتے ہیں نچلے حصہ میڈولا (MEDULLA) سے زیادہ بڑا ہوتا ہے۔ اور اس کی رطوبت چونکہ دماغی نشوونما میں مدد ہے۔ اگر یہ میڈولا کی بہ نسبت چھوٹا ہو تو دماغی نشوونما نہیں ہوتی۔ یہاں تک کہ انسان کا دماغ بالکل کام نہیں کرتا۔ یہ رطوبت دماغ میں فاسفورس کی ٹھیک مقدار کو قائم رکھتی ہے۔ اور کہا جاتا ہے کہ انسانی و حیوانی دماغ میں جو فرق واقع ہوتا ہے وہ اسی کارٹکس کے بڑا ہونے کی وجہ سے ہے۔

اس کے علاوہ ڈاکٹر ایڈیسن نے ثابت کیا ہے کہ اس کی رطوبت کھال کی اُن سیلز پر جو کہ روشنی کو جذب کر کے جسمانی رنگ پیدا کرتی ہیں، بہت اثر کرتی ہے۔ اور جن حالتوں میں کسی بیماری کی وجہ سے یا ویسے ہی کارٹکس نکما ہو جاوے تو جسم کا رنگ کالا ہونا شروع ہو جاتا ہے۔ وہ مرد نما عورتیں یا عورت نما مرد جو ہم کو بعض دفعہ دکھائی پڑتے ہیں اُن کی اس حالت کے پیدا ہونے میں بھی اسی رطوبت کا ایک خاص حصہ ہے۔

جیسا کہ تصویر سے ظاہر ہے انہی غدودوں کے پاس ہی ہارمونز کا ایک مرکز بانقراس ہے جس کو انگریزی میں پینکریاس کہتے ہیں۔ اس غدہ کی سیلز ایک ایسی رطوبت تیار کرتی ہیں جو کہ جسم کو شکر کا پورا استعمال کرنے کے لئے تیار رکھتی ہے۔ شکر کا استعمال صحت کے لئے بالکل ضروری ہے۔ اور اس کے بغیر زندگی ناممکن ہے۔ اس کے ساتھ ہی اگر یہ جسم میں بہت زیادہ مقدار میں ہو جاوے تو خطرے سے خالی بھی نہیں۔ اس کی ایک خاص مقدار خون میں ہر وقت قائم رہنی چاہیئے۔ چونکہ بعض وقت ہم اس کو بہت زیادہ استعمال کر لیتے ہیں اور بعض دفعہ کئی کئی دن بہت کم استعمال کرتے ہیں۔ کوئی

انسانی جسم کے وہ مرکز جن پر ہماری صحت، جوانی اور شخصیت کا دارومدار ہے

ایسا ذریعہ ہونا چاہیئے جس کی مدد سے شکر جسم کے کسی حصہ میں جمع ہوتی رہے۔ اور ضرورت کے وقت خون میں حل ہو کر خون میں اُس کے تناسب کو قائم رکھے۔

اس کے لئے قدرت نے ایک نہایت اعلیٰ طریقہ بنایا ہے۔ جو شکر ہم استعمال کرتے ہیں وہ آنتوں میں سے خون میں حل ہو کر لیور LIVER کی طرف جانی شروع ہو جاتی ہے۔ اور وہاں لبلبہ کی رطوبت انسولین کی مدد سے ایک نئے مرکب گلائیکوجن (GLYCOGEN) میں تبدیل ہو جاتی ہے۔ یہ گلائیکوجن پانی میں حل نہیں ہو سکتا۔ لہٰذا تمام شکر اس حالت میں وہاں جمع ہو سکتی ہے۔ جب جسم کو اُس کی ضرورت ہوتی ہے تو یہ گلائیکوجن پھر شکر میں تبدیل ہو کر خون میں شامل ہو جاتی ہے۔ خون میں زیادہ شکر اس قدر نقصان دہ ہے کہ جسم اُس کو فوراً پیشاب کے راستہ باہر نکال دیتا ہے۔ بیماری ذیابیطس میں لبلبہ سے یہ رطوبت نہیں نکلتی۔ اور وہ شکر جو بیمار استعمال کرتا ہے گلائیکوجن میں تبدیل نہیں ہوتی۔ اور نہ ہی لیور میں جمع ہو سکتی ہے۔ اس لئے فوراً خون میں پھیل کر پیشاب کے راستہ خارج ہو جاتی ہے۔

ذیابیطس ایک نہایت خطرناک بیماری ہے۔ اور مدت تک لبلبہ کی اس رطوبت انسولین کو تیار کرنے کی کوشش ہوتی رہی۔

۱۹۲۲ء میں امریکہ کے دو ڈاکٹران بینٹنگ اور بیسٹ نے جانوروں کے اس غدہ سے انسولین کو صاف طور پر تیار کیا اور اُس کو بیماروں پر استعمال کرایا۔ اس تجربہ کا نتیجہ نہایت نفع بخش ثابت ہوا۔ کیونکہ اس کے انجیکٹ کرتے ہی جسم نے پھر شکر کو استعمال کرنا شروع کر دیا۔

نوٹ:- اس سلسلہ کے اگلے آخری مضمون میں اُن رطوبتوں کا ذکر کیا جاوے گا جن کے خون میں شامل ہونے سے لڑکے صحیح معنوں میں مرد اور لڑکیاں صحیح معنوں میں عورتیں بنتی ہیں۔ پیدائش کے سلسلہ پر بھی روشنی ڈالی جائے گی۔

(از جناب مسز بخش — نعیم پوری)

(خاص پنچ ویکلی کے لئے)

آج چاردانگ عالم میں سائنس کا دور دورہ ہے۔ یورپ امریکہ و نیز دیگر ترقی یافتہ متمدن ممالک اس امر کے فخریہ مدعی نظر آتے ہیں کہ انہوں نے ایسی سنسنی خیز اور تعجب نما ایجادیں کی ہیں جن کا زمانہ قدیم میں تصور ہی محال تھا۔ مثال کے طور پر زمانہ حاضرہ کی ایجادوں میں وائرلیس، ہوائی جہاز، ٹیلیفون وغیرہ پیش کی جا سکتی ہیں۔ لیکن اس حقیقت کو بھی فراموش نہیں کیا جا سکتا کہ جو انکشافات جدید سائنس نے کی ہیں اُن کے متعلق روز بروز یہ امر پایۂ ثبوت کو پہنچ رہا ہے کہ اُن میں سے زیادہ تر حصہ اُن قوموں کا ایجاد کردہ ہے جسے اس ترقی یافتہ دور میں وحشی کے نام سے پکارا جاتا ہے۔ ذیل میں اس امر پر ایک سرسری نظر ڈالی جاتی ہے کہ وحشیوں کی ایجادات سے جدید سائنس کس حد تک متمتع ہوئی۔

ابھی حال ہی میں ایک یورپین سیاح ولیم سیکن نے افریقہ کی وحشی اور غیر متمدن باشندوں میں خبر رسانی کا ایک نہایت ہی عجیب و غریب طریقہ معلوم کیا ہے جس سے پتہ چلتا ہے کہ وہ قومیں جنہیں ہم بعض اوقات جانوروں سے تشبیہ دیتے ہیں کس طرح جنگلوں اور ویرانوں میں میلوں کے فاصلہ پر بڑی سرعت کے ساتھ خبریں پہنچا دیتی ہیں۔ حتیٰ کہ جدید ریڈیو اور مارکونی کوڈ بھی اس کے سامنے کوئی حقیقت نہیں رکھتے۔ اس کا طریقہ یہ ہے کہ کسی اونچی جگہ یا پہاڑی پر یہ لوگ ایک کھوکھلی لکڑی یا ڈھول پر ایک چھوٹے سے تسمے سے چند مخصوص قسم کی ضربیں لگاتے ہیں اور جنگل کی خاموش فضا میں ان کی گونجتی ہوئی صدا آنِ واحد میں بڑے سے بڑا پیغام سینکڑوں میل کے فاصلہ پر پہنچا دیتی ہے اسی طرح سے دوسری طرف سے بھی جوابی پیغام آتے ہیں۔ افریقیوں کو یہ اچھی طرح معلوم ہے کہ مدد کے پیغامات کسی بلند پہاڑی سے بآسانی بھیجے جا سکتے ہیں۔ بالائی سکوت ان کی مدد کرتا ہے جس طرح دوسرے ترقی یافتہ ممالک میں جابجا وائرلیس اسٹیشن اور ان کو مخاطب کرنے کے لئے مخصوص اشارات مقرر ہوتے ہیں۔ اسی طرح افریقہ کا ہر سردار اپنی "ڈھول وائرلیس" کا اسٹیشن اور کوڈ رکھتا ہے۔ افریقہ کے وحشیوں میں یہ طریقہ ہزارہا سال قبل سے رائج ہے۔

۱۹۱۱ء میں سب سے پہلی بار وحشیوں نے بٹن ایجاد کئے تھے اور یہ بٹن جانوروں کی ہڈیوں سے بنائے جاتے تھے۔ اسی طرح وحشی لوگ بچوں کو دودھ پلانے والی بوتلیں بھی استعمال کرتے تھے۔

عرب میں ایک ہزار سال قبل ربڑ کی مہروں کا بالکل آجکل کی طرح رواج تھا۔ اس کے علاوہ اس وحشی قوم میں ہیلوگراف کا بھی صدیوں قبل رواج پایا جاتا ہے۔ وہ آفتاب کی شعاعوں کے ذریعہ خبر رسانی کا کام بخوبی جانتے تھے۔

دمشق میں صلیبی جنگوں کے زمانہ میں مسلمان بہت عمدہ قسم کی بندوقیں اور رائفلیں تیار کرتے تھے اور وہاں کا ریشمی کپڑا خاص طور پر مشہور تھا۔

جزیرہ "پالی نیشیا" کے ایک ہوشیار وحشی نے لکڑی میں شارک مچھلی کے دانت لگا کر دنیا میں سب سے پہلے لکڑی چیرنے کا ایک بہت عمدہ آرا تیار کیا تھا۔ اسی طرح اور بہت سی وحشی اور ابتدائی قوموں میں مختلف قسم کے اوزار ایجاد ہو چکے تھے۔

کشمیر کے دوشالے جو نہایت گرم اور ملیح ہوتے ہیں دنیا کے بہترین دوشالے سمجھے جاتے ہیں۔ یہ بھی ہزاروں سال قبل کی ایجاد ہے اور ہاتھ کی دستکاری کا بہترین نمونہ ہیں اس لئے کہ مشین سے بنے ہوئے دوشالے ان کا کبھی مقابلہ نہیں کر سکتے۔ باوجودیکہ جدید سائنس نے ان کی نقل اُتارنے میں کوئی دقیقہ فروگذاشت نہیں کیا پھر بھی وہ کامیاب نہ ہو سکے۔

ولیم فاتح کے تخت انگلستان پر گدی نشین ہونے سے قبل ہندوستانی وید امراض کے اجرام کی حقیقت اور ماہیت و اطوار کو اچھی طرح دریافت کر چکے تھے۔

دورِ حاضر میں لوہے کے معلق پل تعمیر کئے جاتے ہیں جو درحقیقت بانسوں کے اُن پلوں کی نقل ہیں جو مشرق کے نیم وحشی لوگ استعمال کرتے ہیں ۱۹۰۵ء میں وحشیوں نے ایک پل بنایا تھا جو ۱۰۰ گز لمبا تھا اور جس پر چار پایوں کے مقابلہ میں چین کی مار ہزار لوگ صحیح و سلامت دوسری جانب جا پہنچی تھی۔

علم الادویہ میں بھی وحشیوں نے حیرت انگیز ترقی کی تھی۔ خلیج میکسیکو کے وحشی مارگزیدہ کا بہترین علاج جانتے تھے۔

ہندوستان کی گذشتہ عظمت اور موجودہ پر ایک سرسری نظر

(از جناب نول کشور سیٹھ بی۔ اے (آنرز) ایل۔ ایل۔ بی وکیل۔ دہلی)

(خاص پنچ ویکلی کے لئے)

ہندوستان ایک بہت بڑا خطہ ہے جس کی آبادی ۴۰ کروڑ کے قریب ہے، مختلف اقوام اس ملک میں آباد ہیں کوئی وقت تھا جبکہ ہندوستان کی ترقی تہذیب اور تمدن کا ادا دنیا مانتی تھی۔ آپس کے تفرقات اور باہمی خانہ جنگیوں نے اس ملک کو اس حد تک گرا دیا کہ آج ہر شخص جو چاہتا ہے کہہ دیتا ہے اور ہمیں سب کچھ سنکر خاموش رہنا پڑتا ہے۔ غصہ بھی آتا ہے اور دل بھی چاہتا ہے کہ اپنے ملک کو کسی حالت سے سدھاریں اور اس سلسلہ میں حتی الامکان کوشش بھی کرتے ہیں۔ مگر حالات نے جکڑ رکھا ہے۔ ہماری حالت ایک بیمار اور جکڑے ہوئے شیر کی طرح ہے جو کہ پنجرے میں پھنسا ہوا ہے اور صرف غرّا کر یا غصہ کر کے رہ جاتا ہے۔ حال ہی میں ہر ہٹلر ڈکٹیٹر جرمنی نے ایک تقریر میں جو کہ فرینک فورٹ میں اُس نے چھ ہزار یونیورسٹی طلباء کے روبرو کی فرمایا کہ ہندوستانی انگریزوں کے پاس خوشامد کرنے نہیں گئے کہ وہ انہیں چلنا پھرنا سکھلائے بلکہ انگریزوں نے ہندوستان میں آکر اُن کو چلنا پھرنا یعنی تہذیب، تمدن اور سب باتیں سکھائیں۔ لہذا ہر ایک سفید قوم کو حق حاصل ہے کہ وہ اپنی طاقت کے ذریعے کمزور قوموں پر قبضہ کرے اور ان کو تہذیب یافتہ بنائے۔

اس میں کوئی شک نہیں کہ آج اقتصادی اور مجلسی اعتبار سے ہم دیوالیہ ہو چکے ہیں مسلمانوں نے اس ملک پر حکومت کی مگر اس جگہ کو اپنا گھر بنایا اور یہاں کی باشندہ قوموں کے ساتھ خلط ملط ہو گئے۔ مگر آج کل باہمی جھگڑوں کے باعث ہم روزبروز محسوس کرتے ہیں کہ ہم کس طرح برباد ہوتے چلے جا رہے ہیں۔ ابی سینیا کی مثال ہمارے ہموطنوں کے لئے آنکھیں کھول دینے والی ہے۔ ابی سینیا کے رہنے والے ہم سے زیادہ جاہل اور کمزور ہیں۔ مگر ان میں حب الوطنی اور قومی جذبہ موجود ہے۔ اگر یہ خوبی نہ ہوتی تو آج اہل اطالیہ نے حبش کے باشندوں کو کچل دیا ہوتا اور ان کے علاقوں پر قبضہ کر لیا ہوتا۔

گورنمنٹ آف انڈیا سیکرٹریٹ کی عمارت کے صدر دروازہ پر مندرجہ ذیل فقرہ کندہ ہے۔

LIBERTY SHALL NOT DESCEND TO PEOPLE LET PEOPLE RAISE THEMSELVES TO LIBERTY

جس کے معنی یہ ہیں کہ آزادی لوگوں کے پاس نہیں آئے گی۔ یہ فرض ایک ملک کے باشندوں کا ہے کہ وہ پہلے اپنے آپ کو آزادی کے قابل بنائیں پھر آزادی اُن کو خود بخود حاصل ہو جائے گی۔ ان الفاظ میں وہی مسئلہ پیش کیا ہے کہ FIRST DESERVE AND THEN DESIRE (پہلے اپنے آپکو کسی چیز کے حاصل کرنے کے اہل بناؤ اور پھر اس کی خواہش کرو)۔

پچھلے سال چیف جسٹس سر ڈگلس ینگ پنجاب ہائی کورٹ نے دہلی ایلومینی ایسوسی ایشن میں اپنی تقریر کے دوران میں فرمایا تھا کہ اگر ہندوستانیوں میں سے "کورپشن" یعنی اخلاقی کمزوری اور رشوت ستانی دور ہو جائے تو یہ ملک بہت جلد اپنے مقصد میں کامیاب ہو سکتا ہے۔ ہماری پستی ہماری اپنی خرابیوں کی بنا پر ہے۔ اگر ہم اپنے فرض منصبی کو ٹھیک طریقہ پر انجام دینے لگیں اور ہر شخص اپنی ڈیوٹی کو بجا لائے تو کوئی وجہ نہیں کہ یہ ملک ایک غلام ملک رہے اپنے بزرگانِ سلف کو یاد کرو اور دیکھو کہ ہم کیا تھے اور کیا ہو گئے۔ اس ملک میں رانی جھانسی جیسی بہادر اور رانا پرتاپ اور سیواجی جیسے جرنیل پیدا ہوئے ہیں اور مہارشی منو جیسے قوانین بنانے والے ہو چکے ہیں۔ کالی داس جیسے ناٹک لکھنے والے ہوئے ہیں جن کو ہندوستان کا شکسپیر کہا جاتا تھا۔ اس محکومی کے زمانہ میں بھی ڈاکٹر رابندرناتھ ٹیگور، ڈاکٹر اقبال، مہاتما گاندھی، سر جے۔ سی بوس، سر سی۔ وی۔ رامن، سر تیج بہادر سپرو جیسی قابل اور ممتاز ترین ہستیاں اس ملک میں موجود ہیں۔ مگر پھر بھی ہم اپنے اصلی مقصد میں کامیاب نہیں ہوتے۔ شریمتی بھولا بھائی ڈیسائی نے اپنی تقریروں میں کئی بار ارشاد فرمایا ہے کہ ہندوستانی انفرادی لحاظ سے بہت ترقی یافتہ ہیں۔ مگر مجموعی حیثیت سے کوئی کام پایۂ تکمیل کو نہیں پہنچا سکتے۔

اگر ہم آج فرقہ وارانہ مسئلہ کو حل کر لیں اور سمجھ لیں کہ ملک کی اصلی محبت اور حب الوطنی کیا چیز ہے تو اس دنیا میں کوئی طاقت ایسی نہیں جو ہمیں ہمارے مقصد کو حاصل کرنے میں روک سکے۔ اور ہم اپنے مقصد میں کامیاب نہ ہو سکیں۔ امید ہے کہ اہل ملک فرقہ وارانہ جھگڑوں کو چھوڑ دیں گے اور ہر مسئلہ کو مجموعی ملک کے مفاد کے خیال سے سوچیں گے تا کہ ہر شخص اور دیگر غیر اقوام و ممالک کے لوگوں کو ہمیں ذلیل سمجھنے کی جرأت نہ ہو سکے۔

سورگیہ پنڈت موتی لال نہرو

جن کی برسی تمام ھندوستان میں منائی گئی

بچوں کی دنیا

سچائی

(از شریمت ماسٹر بہاری لال جی۔ رام تالاب۔ مہرولی۔ دہلی)
(خاص تیج دہلی کے لئے)

کامیابی کے لئے راستی نہایت ضروری چیز ہے۔ کیا استاد۔ پادری۔ ڈاکٹر۔ مُصنّف۔ طالب علم سب کے لئے صداقت ضروری ہے۔ سچائی سے انسان کی ساکھ بنتی ہے بچوں کا تعلق ماں باپ اور اُستاد سے پڑتا ہے۔ جو دن رات لڑکے کی بھلائی چاہتے ہیں۔ اس لئے جو لڑکا جھوٹ بولتا ہے وہ اپنے ماں باپ اور اُستاد کو دھوکا دیتا ہے اس لئے وہ نیکی اور اعلیٰ باتوں سے جو اُس کی زندگی کے لئے نہایت مفید ہیں، محروم رہتا ہے اس طرح وہ اپنے آپ کو ہی دھوکا دیتا ہے۔ اپنا ہی نقصان کرتا ہے۔ اگر لڑکے نے سوال نہیں نکالے اور کہتا ہے کہ میں نے نکال لئے تو وہ خود اپنے آپ کو دھوکا دے رہا ہے ہم کسی سُستی کی وجہ سے کوئی کام نہیں کرتے۔ اور بہانہ بناتے ہیں مجھے یہ کام تھا وہ کام تھا۔ یا ہمارے دل میں دوسروں کے لئے ہمدردی نہیں اور فرصت نہ ملنے کا عذر کرتے ہیں۔ کسی کا دُکھ بٹا نہیں سکتے۔ اس طرح اپنے آپ کو دھوکا دیتے ہیں جس طرح متواتر اندھیرے میں رہنے سے آدمی کی آنکھیں جاتی رہتی ہیں۔ اسی طرح بار بار جھوٹ بولنے سے ہمارے دل میں سے سچائی کی وقعت نکل جاتی ہے۔ اور اس طرح ہم اپنی آنکھ میں دھول ڈال کر خود اندھے بن جاتے ہیں ؛

افواہ اڑانا ہماری کوئی چیز کھوئی گئی۔ ہمیں شک ہوتا ہے کہ فلاں شخص نے لی ہوگی اس کے بعد ہم کہنا شروع کر دیتے ہیں کہ فلاں شخص نے اُٹھائی ہوگی۔ جب تک تمہیں کسی بات کی تحقیق نہ ہو، مت کہو۔ کسی شخص کے متعلق جھوٹی افواہ اڑانا بہت بُرا ہے۔ اس طرح آہستہ آہستہ دُوسروں پر جھوٹے الزام لگانے کی عادت پڑ جاتی ہے؛

بہتان لگانا ہمارے اندر کوئی نقص ہے۔ اس کا انکشاف ہو رہا ہے بجائے اس کے کہ ہم اپنے نقص کو دُرست کریں۔ مخالفت کرنے والوں پر جھوٹی تہمت لگانی شروع کر دیتے ہیں۔ یہ بہت کمینی بات ہے ؛

مکاری جس طرح ایک پھل اندر سے گلا ہوا ہو۔ وہ کسی کام کا نہیں۔ خواہ اُوپر سے کتنا ہی خوشنما ہو۔ اسی طرح جس آدمی کے اندر کچھ ہو۔ اور ظاہر کچھ کرے وہ مکار ہے۔ لوگوں کو دھوکا دے کر اپنے آپ کو لوگوں کی نظروں میں بہتر دکھاتا ہے اس طرح کسی نہ کسی دن وہ خود ذلیل ہوتا ہے ؛

جیسا ظاہر ویسا باطن اس کا ہو کیونکر یقین، جب تلک ہو نہ امتحان ظاہر و باطن کہیں
دیکھنے میں ایک سے ہیں آب شیریں آب شور، اور بے چکھے ان میں تفاوت کچھ نہیں

خوشامد دنیا میں بہت سے لوگ ہیں جو اپنے مطلب براری کے لئے دوسروں کی خوشامد کرتے ہیں۔ اجی جناب میں تو حضور کا خادم ہوں حضور کا نام دنیا میں روشن رہے۔ حضور کا سا دانی عالم میں اور کون ہوگا۔ آپ کا نام سُورج اور چاند کی طرح کونے کونے میں مشہور ہے۔ جناب کے قدموں کی برکت ہے کہ مجھے یہ دن دیکھنا نصیب ہوا ایسے شخص میں جرأت نہیں ہوتی کہ وہ کوئی نقص بتا کر کسی کی دُرستی کر سکے۔ وہ تو اپنے رُوپے کمانے یا دوسرے کو اپنا طرفدار بنانے کے لئے ایسا کرتا ہے۔ خوشامدی آدمی اُس شخص سے بھی بُرا ہے جو جلد بازی کی وجہ سے دوسرے کو بدنام کرتا ہے۔ کیونکہ یہ دُرست ہو سکتا ہے۔ خوشامدی شخص کمیٹی میں، کونسل میں کسی جگہ بھی پبلک کے فوائد کی آواز نہیں اُٹھا سکتا۔

منہ پھٹ ہونا سچ بولنا نہایت اچھی بات ہے۔ لیکن سچی بات نہایت محبّت سے کہنی چاہیئے۔ کانے کو کہنا او کانے۔ یہ کوئی سچائی کا اظہار نہیں ہے۔ کسی کو او اندھے او لنگڑے کہنا اُس کو چڑانا ہے۔ اس کے علاوہ ایک ہی بات کئی طرح ظاہر ہو سکتی ہے۔ کسی شخص کو یہ کہنا کہ آپ جھوٹے ہیں۔ مناسب نہیں۔ یہی بات یوں بھی کہی جا سکتی ہے کہ آپ نے دُرست نہیں فرمایا۔ آپ کو کسی نے غلط خبر دی ہے۔ اس کے علاوہ یہ بھی مناسب نہیں۔ کہ کسی کے عیب پبلک میں ظاہر کئے جائیں۔ تنہائی میں اُس کے منہ پر کہہ سکتے ہیں۔ اگر پبلک کو کسی شخص سے سخت نقصان پہنچ رہا ہے اور درستی کی بالکل اُمید نہ ہو تو انکشاف ضروری ہوتا ہے مگر اخلاق کے ساتھ ؛

ہمسایوں کے عیب بیان کرتے پھرنا۔ کسی کا عیب پکڑ کر بازاروں میں اشتہار لگا دینا مناسب نہیں۔ اپنے کام کی شیخی مار کر دوسروں کو بدنام کرنے سے کیا فائدہ! دوسروں کی آنکھ کا تنکا دیکھنے سے پہلے اپنی آنکھ کا شہتیر نکالو۔ اس خراب عادت سے بچنا چاہیئے ؛

جہاں چُپ رہنے کی ضرورت ہو، وہاں خواہ مخواہ مت بولو۔ بلا ضرورت ایک لفظ نہ بولو ؛

۱۔ اُستاد۔ ڈاکٹر۔ مصنف۔ طلبہ کے لئے صداقت کیوں ضروری ہے ؛
۲۔ سچائی سے انسان کی ساکھ کس طرح بنتی ہے؟
۳۔ جو لڑکے استاد۔ ماں باپ کے سامنے جھوٹ بولتے ہیں وہ اپنے آپ کو کس طرح دھوکا دیتے ہیں
۴۔ بہانہ بنا کر کسی بات کو ٹالنا کیسا فعل ہے؟
۵۔ بہانہ بنانے والے کے دل سے صداقت کی وقعت کس طرح جاتی رہتی ہے؟
۶۔ جھوٹ بولنے والا خود اپنی آنکھ میں دھول ڈالتا ہے۔ اس کا کیا مطلب ہے؟
۷۔ شبہ کی بنا پر کسی کے برخلاف جھوٹی افواہ اڑانا کیسا فعل ہے؟
۸۔ دوسروں پر غلط الزام لگانا کیسا فعل ہے۔ انسان دُوسروں پر جھوٹا بہتان کیوں لگاتا ہے؟
۹۔ مکاری سے کیا مُراد ہے۔ مکار کا انجام کیا ہوتا ہے؟
۱۰۔ خوشامد سے کیا مُراد ہے۔ انسان خوشامد کیوں کرتا ہے؛ خوشامد میں کیا نقص ہے؟
۱۱۔ منہ پھٹ ہونا کیسا فعل ہے آدمی کیوں خراب ہوتا ہے؟
۱۲۔ جھوٹ بولتے ہو۔ ردی نکل لو۔ کس قسم کے الفاظ ہیں۔ ان الفاظ کا مطلب تہذیب کے ساتھ ادا کرو
۱۳۔ اپنی نیک نامی کی خاطر دوسروں کو بدنام کرنا کیسا فعل ہے ؛
۱۴۔ دوسروں کی آنکھ کا شہتیر نکالنے سے پہلے اپنی آنکھ کا تنکا نکالو۔ اس کا کیا مطلب ہے۔ واضح کرو ؛

حقوقِ دوستی

(از جناب مولانا عبدالباری آسی)

دیو جانس نے دو شخصوں کو دیکھا کہ باتیں کر رہے تھے دونوں مل کر
نمایاں تھا مگر اخلاص اتنا کہ دونوں ہو رہے تھے شیر و شکر
پھٹے حالوں تھا اُن میں ایک بیچارہ مگر تھا دوسرے کا حال بہتر
دیو جانس نے پوچھا کون ہیں یہ کہ ہیں اس طرح سے اخلاص پرور
کوئی بولا کہ ہیں یہ دوست ایسے کہ ہیں بے شبہ یک جان و دو پیکر
کہا جب دوست ہیں تو کیا سبب ہے
کہ اک مفلس ہے ان میں اک تونگر

اقوالِ زریں

کامیابی ... انتظار ... ہے۔

انسان اتنی قدر نہیں جتنا کہ سمجھ سکے۔

دل ارادے کے لئے دماغ تدبیر کے لئے اور ہاتھ عمل کے لئے دیا گیا ہے۔

مصیبت سے انسان کو جو اعلیٰ تعلیم اور تربیت حاصل ہو سکتی ہے وہ کسی دوسرے ذریعے سے ممکن نہیں۔

جس طرح دریا اپنا پانی نہیں پیتا اور درخت اپنا پھل خود نہیں کھاتا۔ اسی طرح نیک آدمیوں کی کمائی بھی اپنی ذات سے زیادہ دوسروں کے کام آتی ہے۔

استقلال دولت کی کنجی ہے اور کفایت شعاری اس کا تالا ہے۔

اگر تم کو کسی سے محبت ہے تو ہرگز کسی پر ظاہر نہ ہونے دو۔

محبت اپنے بس کا روگ نہیں۔ عقل و ادراک اور ہوش و حواس اس میں کچھ کام نہیں آتے یہ ایک بے بسی اور گرفتاری ہے۔ (ایمرسن)

نیکی چیتھڑوں اور میلے کچیلے کپڑوں میں اسی طرح چمکتی ہے جس طرح اودے رنگ کے نفیس اور دلکش کپڑوں میں۔ (چارلس ڈکنز)

عقیدت مند آنکھ ہر عیب پر پردہ ڈال دیتی ہے۔

خوشگوار حالات میں پیدا ہو کر غم انگیز خیالات کا سہرا تاج پہننے سے یہ بہتر ہے کہ انسان غربت میں پیدا ہو کر اپنے اندر اطمینان بخش دل کی پرورش کرے۔ (شیکسپیئر)

کسی مصیبت زدہ آدمی کی مخلصانہ امداد یہ نہیں کہ ہم خود اس کا بوجھ ہلکا کریں بلکہ اس کی صحیح امداد یہ ہے کہ ہم اس کی طاقت کو اس کے ہاتھوں کا ذریعہ کریں تاکہ اس میں بوجھ کو برداشت کرنے کا مادہ پیدا ہو جائے۔

عاقل کے ساتھ مختصر سی پر معنی گفتگو، کتابوں کے سالہا سال کے مطالعہ سے کہیں زیادہ مفید ہے

خط و کتابت کرتے وقت چٹ نمبر کا حوالہ ضرور دیں۔

موجِ تبسم

بیوی:- اف میرے سر میں سخت درد ہے۔
میاں:- یہ تو ہونا ہی تھا۔ تمہارے بھائی صاحب پہلے ہی میرے پاس دفتر میں پہنچے تھے۔

زبیدہ:- آج کل تم میں اور عمر میں وہ پہلا سا دوستانہ نظر نہیں آتا کیا وہ تمہارا مقروض ہے؟
بکر:- نہیں تو اسی کی ایکدم تم میری طرف نکلتی ہے۔

الف:- یہ کیا بات ہے کہ بیوہ عورت کی بہت جلد دوسری شادی ہو جاتی ہے
ب:- اس لئے کہ مردے شکایت نہیں کر سکتے

مصنف:- معلوم ہوتا ہے کہ اخبار والوں نے میرے خلاف کوئی سازش کر رکھی ہے۔
دوست:- کیوں؟ خیریت تو ہے؟
مصنف:- میرے تصنیف کردہ افسانے کو اب تک دس اخبارات واپس کر چکے ہیں۔

ایک دوست:- ایک ماہر طب نے مجھ سے کہا ہے کہ اگر ہم چند گھونٹ پانی اور چند بادام کھا لیا کریں تو سو برس تک زندہ رہ سکتے ہیں۔
دوسرا دوست:- اگر زندہ بھی نہ رہیں تو معلوم ایسا ہی ہوگا کہ سو برس کے ہو گئے۔

اس کا ڈاکٹری معائنہ ہو رہا تھا۔ ڈاکٹر نے پوچھا۔ تم کبھی سخت بیمار ہوئے ہو۔
اس نے جواب دیا نہیں۔
کبھی کوئی حادثہ ہوا ہے۔
نہیں۔
تمام عمر میں کبھی کوئی چوٹ لگی ہے؟
اس نے کہا۔ نہیں مگر ہاں ایک مرتبہ میری بیوی نے میرے سر پر ایک اینٹ کھینچ ماری تھی۔
تم اسے حادثہ نہیں سمجھتے ہو؟
جی نہیں۔ بیوی نے تو قصداً اینٹ ماری تھی۔

مریض:- ڈاکٹر صاحب میرے مرض میں ذرا بھی کمی نہیں ہوئی ہے
ڈاکٹر:- اپنا نسخہ لاؤ۔
مریض:- میں نے تو کل ہی اسے پی لیا۔

چلبلی:- کیوں جناب کمرہ میں یہ کیا لٹکا رکھا ہے۔
جیمس:- جی ہاں یہ کیا کروں۔ میری نیکٹائی ... ہے

اصلاحِ دیہات

(از شریمت مائی دیال جین بی-اے (آنرز) بی-ٹی)

(خاص تیج دیکلی کے لئے)

۱۹۳۱ء کی مردم شماری کے مطابق ہمارے ملک کی ۳۵۲۸۳۷۰۰۰ آبادی میں سے تقریباً ساڑھے اکتیس کروڑ آدمی دیہات میں رہتے ہیں۔ اسی بات کو دوسرے لفظوں میں یوں کہا جاسکتا ہے کہ یہاں سو میں سے ۹۰ آدمی دیہات میں بستے ہیں۔ اس کے مقابلہ میں فرانس میں ۵۱ فی صدی۔ کینیڈا میں ۴۶ فی صدی۔ اضلاع متحدہ امریکہ میں ۴۳ فی صدی اور انگلینڈ میں ۲۰ فی صدی آدمی دیہات میں رہتے ہیں۔

اس لئے یہ کہنا کوئی مبالغہ نہ ہوگا کہ ہندوستان میں اکثریت دیہاتیوں کی ہے۔ یا یہ ایک دیہاتی ملک ہے اور یہاں کی آبادی زیادہ تعداد میں دیہات ہی میں رہتی ہے۔ شہروں اور قصبوں میں صرف دس فیصدی آدمی رہتے ہیں۔

ہمارے ملک میں ۶۹۶۸۳۱ گاؤں ہیں اور ۲۵۷۵ شہر ہیں۔ ایک لاکھ سے زیادہ آدمی کے شہروں کی کل تعداد ۳۸ ہے۔ کثرت ایسے شہروں کی ہے جن کی آبادی دس اور بیس ہزار کے درمیان ہے۔ بہتر تو یہ ہے کہ ان کو شہر کہنے کی بجائے قصبے کہا جائے۔ اب رہا دیہات کے متعلق۔ دیہاتی آبادی کا کوئی نصف حصہ ایسے گاؤں میں رہتا ہے جن کی آبادی ایک ہزار سے کم ہے۔ اور ایک تہائی آبادی ایسے گاؤں میں رہتی ہے جن کی آبادی پانچ سو سے کم ہے۔

دیہات کا نام سنتے ہی ہماری آنکھوں کے سامنے عجیب و غریب مناظر پھر جاتے ہیں۔ وہ مناظر گاؤں کی سادہ۔ قدرتی اور بھولی بھالی زندگی کی وجہ سے بہت دلکش اور خوشنما معلوم ہوتے ہیں۔ اتنے ہی وہاں کی گندگی۔ جہالت۔ مرو جہ بری رسموں اور ناداری زندگی کے نہ ہونے کی وجہ سے بدنما بھی ہوتے ہیں۔ دنیا کے بکھیڑوں اور موجودہ تہذیب کی کشمکش سے اکتائے ہوئے آدمی کو جہاں دیہات کی زندگی سکون قلب کا باعث ہوتی ہے وہاں یہی دیہاتی زندگی ضروری چیزوں کے نہ ملنے کی وجہ سے تکلیف دہ ہو جاتی ہے

جس طرح شہری زندگی کے اچھے اور برے دو پہلو ہیں اسی طرح دیہاتی زندگی کے اچھے اور برے دو پہلو ہیں۔ موجودہ حالات کو دیکھتے ہوئے یہ کہا جاسکتا ہے کہ نہ تو بہت بڑے بڑے شہروں کی زندگی اور نہ چھوٹے چھوٹے گاؤں ہی کی زندگی زیادہ آرام دہ ہے۔ بلکہ قصبوں ہی میں آرام ہے۔

پرانے زمانے اور اس زمانے میں زمین آسمان کا فرق ہو گیا ہے۔ اگرچہ پہلے ہندوستان کے تمام گاؤں ایک ہی ملک کے حصے تھے۔ پھر بھی ہر ایک گاؤں اور اس پاس کے چند گاؤں کا مجموعہ ضروریات چیزیں پڑے وغیرہ اپنے لئے ہر ایک چیز مہیا کر لیا کرتا تھا اور باقی ملک سے اس کا بہت کم تعلق ہوتا تھا۔ اُن لوگوں کی ضرورتیں بھی کم تھیں اور وہ اکثر گاؤں میں ہی پوری ہو جاتی تھیں۔

حکومت کی بدنظمی۔ اچھے راستوں کی کمی اور سواری کی دقتوں کی وجہ سے ایک گاؤں کا بہت دور کے کسی گاؤں یا صوبے سے کوئی خاص تعلق نہ تھا اس لئے ایک مقام کی حالت کا دوسرے مقام کی حالت پر بہت گہرا اثر نہ پڑتا تھا۔ مگر اب زمانہ بدل گیا ہے اور گاؤں کا وہ اتحاد اور اپنی ضروریات پوری کرنے کا ملکہ زائل ہو گیا ہے۔

• لیکن ریل۔ تار۔ سڑک وغیرہ موجود ہونے کے باعث اب ملک کے ایک کونے میں ہونے والے واقعات کا کچھ نہ کچھ اثر ظاہرا یا پوشیدہ طور سے دوسرے گاؤں پر ضرور ہوتا ہے اب گاؤں کے آدمی کو بھی زندگی کی چھوٹی چھوٹی ضروریات مثلاً نمک۔ سوئی۔ دیا سلائی اور کپڑے وغیرہ کے لئے باہر والوں کا منہ تاکنا پڑتا ہے۔ اتنا ہی نہیں بلکہ اگر کسی غیر ملک میں کچھ تغیر و تبدل یا خاص واقعات رونما ہوتے ہیں تو ہمارے دیہات بھی کسی نہ کسی شکل میں متاثر ہوئے بغیر نہیں رہ سکتے ہیں۔

اپنے ملک کے کسی صوبے میں رونما ہونے والے قحط۔ فارغ البالی۔ گرانی۔ ارزانی اور دوسرے واقعات کا تو ذکر ہی کیا۔ اگر کسی غیر ملک میں کوئی قحط یا فارغ البالی یا خاص واقعہ ظہور پذیر ہو تو اس کا بھی کچھ اثر ہمارے گاؤں پر ضرور ہوتا ہے

ایسی حالت میں اور دنیا کی ترقی کے اس زمانے میں ہمیں دیہاتوں کی حالت پر ضرور توجہ دینی چاہئیے۔ اب گاؤں اور گاؤں کے رہنے والوں

(باقی مضمون اگلے صفحہ پر)

سلہ CENSUS OF INDIA, 1931 VOL I PART I PAGE 46
ٹلہ CENSUS OF INDIA 1931 VOL I PART I PAGE 46
تلہ CENSUS OF INDIA 1931 VOL I PART I PAGE 46
ٹلہ IBID PAGE 55

عہدِ شباب

(از جناب سیفی گنوری)
(خاص تیج ویکلی کے لئے)

ہوتی تو آئینہ کی طرح رکھتے سامنے
عہدِ شباب کی کوئی تصویر بھی نہیں

انسان منصوبے کا ایک ستریب تاریک ہے دست قدرت نے جب انسانی کو اس مدرسے پر وہ تعین بنا دیا ہے کہ جب تک اسکے ہر پہلو پر پوری تنقیدی قوت کے ساتھ نظر نہ ڈالی جائے اس وقت ہم اسکے ثبات اور فانی ہونیکا کسی کے دل میں خیال بھی نہیں گذرتا۔ مرنا انسان کی زندگی تین حصوں سے مرکب ہے طفلی شباب ضعیفی ان تینوں حصص میں سے ہر حصہ اپنی جگہ کے اعتبار سے اپنا جواب آپ ہے۔ مگر عہدِ شباب میں پھر ایک امتیازی خصوصیت پائی جاتی ہے۔ اگر سچ پوچھئے تو عہدِ شباب زندگی کا ماحصل اور گلشن ہستی کی طرفہ بہار ہے۔ یہی وہ زمانہ ہے کہ جب انسان پر رازِ حسن و عشق آشکارا ہوتے ہیں۔ دنیا کی کائنات کا ہر ذرہ حسین معلوم ہوتا ہے۔ ہر ساعت سکون پرور اور ہر لمحہ عشرت بیز ہوتا ہے

یہ عالم شباب ہی وہ وقت ہے کہ انسان ہوش کی دنیا میں قدم رکھنے کے باوجود مدہوش ہوتا ہے بادۂ شباب کی مستی وہ نشہ لاتی ہے کہ نہ آغاز کا ہوش رہتا ہے نہ انجام کی فکر اداسی کے ساتھ ساتھ خود آرائی و خود نمائی کا ذوق پیدا ہو جاتا ہے۔ جوش وحشت عود کر آتا ہے۔ اور اس خزاں پذیر بہار شباب کے لمحات رنگین انسان کو حسرتِ دل کے ہر اشارہ پر گردنِ تسلیم خم کرنے پر مجبور بنا کر دنیا و مافیہا سے بے نیاز کر دیتے ہیں۔ حضرت جگر مرادآبادی نے کیا خوب فرمایا ہے ؎

فکرِ منزل ہے نہ ہوش جادۂ منزل مجھے
جا رہا ہوں جس طرف لے جا رہا ہے دل مجھے

اس کیف پیشینہ سامان شباب جنبش کی صدا ابتزیر اور رہبرانہ آواز کو پست کر کے انسان کو معصوب کا بنا دیتا ہے۔ لیکن پیش کرتا ہے اس کی ہستی کو لباس معصومیت میں۔ مگر آہ! یہ حلقہ ہر تا گیا اور یہ فریب تا ہر کے۔ انجام کا یہ راز کھل کر رہتا ہے اور جب انسان اسکی ناپائیداری سے آگاہ ہوتا ہے تو وہ اپنے آپ کو ایک خوفناک تاریکی میں پاتا ہے۔ دنیا کی ہر شے اسے ہیچ نظر آتی ہے اب اس کی یہ دلی آرزو ہوتی ہے کہ کاش کسی صورت سے پھر ایک مرتبہ اس کے گلشن ہستی میں بہار شباب کی جلوہ آرائیاں ہوتیں تاکہ وہ صحیح معنوں میں اس کی قدر کر سکتا۔ مگر قدرت اس کو دنیا کے لئے درسِ عبرت بنا کر چھوڑ دیتی ہے اور وہ اپنی زندگی کے آخری لمحہ تک اپنی ناعاقبت اندیشی اور رخصت شباب کا سوگوار رہتا ہے۔ مرزا یاس عظیم آبادی نے کیا خوب کہا ہے ؎

کیوں بیٹھے ہاتھ ملتے ہو اب یاس کیا ہوا
اس ہونہار شباب پر اتنا غرور تھا

(آپ پچھلے صفحہ سے)

کو ان کی قسمت پر نہیں چھوڑا جا سکتا۔ اگر ہندوستان دنیا کے ترقی یافتہ ملکوں کے ساتھ چلنا چاہتا ہے اور اگر وہ اپنی مکمل ترقی کا خواہشمند ہے تو اہل ہند کو ملک کے رہبروں اور حکومت کو اصلاحِ دیہات کی طرف پوری توجہ دینی چاہیئے۔ ہمیں اپنی تمام طاقتوں کو دیہات کی اصلاح کے کام میں لگا دینا چاہیئے۔ دیہات کی ترقی اور اصلاح کے لئے کمر باندھ کر تن من دھن سے کوشش کرنی چاہیئے۔ کیونکہ ہندوستان کی اصلاح اس کے ساڑھے اکتیس کروڑ آدمیوں کو نظر انداز کر کے نہیں ہو سکتی۔ دیہات کی اصلاح کے بغیر ملک کی ترقی ناممکن ہے۔

اب دیکھنا یہ ہے کہ دیہات سے متعلق کن کن مسائل پر توجہ دینے کی ضرورت ہے۔ کیا آپ نے کبھی دیہاتی مسائل کو سوچنے کی آج تک تکلیف اٹھائی ہے۔ دیہاتی مسائل ہندوستانی مسائل سے جدا نہیں ہیں۔ دیہات کے بھی وہی مسائل ہیں جو عام طور پر تمام ملک کے مسائل ہیں اور جن کا ذکر ہر جگہ کچھ نہ کچھ ہو رہا ہے۔ مگر فرق صرف اتنا ہے کہ ان مسائل کے متعلق اب تک جو کچھ بھی تحریک ہوئی ہے وہ عام طور سے اخبارات اور بڑے بڑے شہروں تک محدود رہی ہے۔ ان سے باہر دیہات میں اس کا بہت کم یا نہ ہونے کے برابر ذکر ہے۔ ملکی مسائل کے متعلق دیہات میں ابھی کوئی پرچار کا کام نہیں ہوا ہے۔ اس کی کمی کی وجہ یہ معلوم ہوتی ہے کہ دیہات میں تکلیف کام کرنے والوں کو شہروں کا آرام کم حاصل ہوتا ہے۔

دیہات میں کام کرنے کے لئے بڑے استقلال اور تندہی کی ضرورت ہے اور ان اوصاف کی بہت حد تک ہمارے بہت سے کام کرنے والوں میں کمی ہے دیہات میں لیکچر دینے والوں کے واسطے موٹر وغیرہ کی سہولت کی کمی ہے۔ سرکاری افسروں کی توجہ بھی ادھر کم ہوتی ہے دیہات میں جانے کے لئے نہ لیڈروں کو فرصت ہے نہ افسروں کو فرصت۔ مگر اب ملک میں بیداری کی لہر چاروں طرف اٹھ رہی ہے اور تمام ملک ترقی کے لئے تڑپ رہا ہے اس لئے ایسے وقت میں یہ بات بہت ضروری ہے کہ دیہاتی مسائل سوچے جائیں اور پھر ان کو عملی شکل دی جائے۔

دیہاتی مسائل مندرجہ ذیل ہیں

(۱) دیہات کی صفائی۔
(۲) بیماریوں کا انسداد اور حفظِ صحت
(۳) زراعتی اصلاح۔
(۴) مالی اصلاح
(۵) مجلسی اصلاح۔ (۶) منشیات کا انسداد

آئندہ ابواب میں انہی مسائل پر وضاحت کے ساتھ روشنی ڈالی جائے گی۔

صفحہ ۱۴ سے آگے

ندی بل کھاتی ہوئی بہتی تھی۔ میرا روز کا معمول تھا کہ شام کو دل بہلانے تنہا ـــــ اسی ندی کے کنارے دور تک چلا جاتا۔ ندی کا صاف شفاف پانی اٹکھیلیاں کرتا ہوا روانی کے ساتھ بہتا ـــــ ... چاند کی روپہلی کرنوں کا انعکاس پانی کی سیمابی لہروں پر عجب قرمزی رنگ پیدا کر دیتا ـــــ میں گھنٹوں اس دلفریب منظر سے لطف اٹھاتا ـــــ موجوں کے ترنم میں کھویا رہتا ـــــ کہ میرے قدم خود بخود آگے بڑھتے گئے۔ ایک نامعلوم کشش مجھے اپنی طرف کھینچ لے گئی ـــــ ندی کے اس پار ـــــ دور ـــــ بہت دور کوئی شخص ـــــ "پیا بن نا ہیں آوت چین" ـــــ بڑی تان اور لہر کے ساتھ گا رہا تھا ـــــ آواز انتہائی درد ناک اور دلکش تھی ـــــ نغمے فضا میں منتشر ہو کر ـــــ ندی کی لہروں میں جذب ہو رہے تھے ـــــ مجھ پر ایک بےخودی کا عالم طاری تھا ـــــ فضا نغموں کے زیر و بم سے گونج رہی تھی۔ مجھے علم نہیں ـــــ میرے کان میں ـــــ وہی "پیا بن آوت ناہیں چین" کی دلکش صدا ندی کے ہر طرف سے آتی رہی ـــــ گانے والے کے پُرکیف نغمے فضا میں ارتعاش پیدا کر کے ہوا میں تحلیل ہو گئے۔ مجھ پر ایک سحر آفرینا

کیفیت گھنٹوں طاری رہی ـــــ میں تقریباً گیارہ بجے شب کو مکان واپس آیا ـــــ اُف میرے ہوش و حواس جاتے رہے ـــــ پریم لتا کنوئیں کی جگت پر بیٹھی رو رہی تھی۔ میں نے رونے کی وجہ دریافت کی لیکن وہ ـــــ منہ سے کچھ نہیں بولی ـــــ وہ گھنٹوں اسی طرح بیٹھی ہوتی رہی۔ اس کی چھوٹی بہن ستو نے کہا کہ ان کو اختلاج کی شکایت ہے۔ کچھ دیر بعد وہ اپنے بستر پر جا کر لیٹ گئی۔ پاس ہی میری چارپائی تھی۔ بلندی اور پستی کا فرق تھا۔ وہ اُٹھ کر ساری رات مجھے دیکھتی رہی ـــــ اُف میرا بھی اسکی گریہ زاری میں عجب عالم تھا ـــــ رات کسی نہ کسی طرح کرب و بے چینی سے گذر گئی ـــــ

ـــــ جب صبح دیدار ہوئی میں نے تنہائی میں پوچھا۔ "پریم لتا رات کس کے خیال میں تم بے چین تھی؟" بے اختیار اس کے منہ سے نکلا ـــــ آپ کے ـــــ بس پیارے دوست کچھ نہ پوچھو ـــــ اس کا یہ جملہ تیر بن کر دل میں سرایت کر گیا ـــــ اس کے اس لفظ کی شیرینی میرے سارے دماغ پر چھا گئی۔ ہر چیز مجھے اپنی نظر آنے لگی ـــــ کائنات کا مفہوم سمجھ میں آگیا ـــــ وہ میرے پاس بہت دیر تک بیٹھی رہی ـــــ ساری فضا حسن و عشق کی لطافتوں سے معمور ہو گئی ـــــ ـــــ وہ میرے خوش کرنے کی ہر امکانی کوشش کرتی۔

لیکن اس کے طرزِ عمل میں صداقت دلی کا عنصر نہ ہوتا ـــــ محبت کی بُو نہ ہوتی ـــــ ـــــ میری بربادی میں وہ خوش تھی۔ میرا دل اندر ہی اندر گھلا جا رہا تھا ـــــ میری زندگی شمع کے مانند پگھل پگھل کر گزر رہی تھی۔ ہر شخص میری اس حالت سے متعجب ساتھا آہ بیٹے ـــــ میں نے کسی سے اپنے دل کا حال نہیں بتایا ـــــ وہ ایک دوسری ہستی سے محبت کرتی تھی اس نے اپنی محبت کا اعتراف بھی مجھ سے کئی بار کیا تھا ـــــ اُس کے اس ہوش رُبا انداز سے مجھ پر جو اثر ہوا یا میرے قلب نازک کو جو تکلیف ہوئی ـــــ اگر دنیا کے سب الفاظ بھی اکٹھے کر دئے جائیں پھر بھی نہیں سمجھا سکتا کہ وہ ـــــ کوفت میرے لئے کیسی جانکاہ کوفت تھی ـــــ آہ! کا یہ راز مقفل الزام بھی ہو چکا تھا ـــــ وہ اپنے مرکز نظر کی فریب کاریوں میں پوری طرح گرفتار تھی ـــــ اس نے جو والہانہ خطوط اس کو لکھے تھے ـــــ وہ کئی کے ہاتھ میرے پاس پہنچ چکے تھے۔ اس کی زندگی حد درجہ قلبی کوفت کا باعث تھی ـــــ میں نے اس کو تعریف سے نکالا ـــــ کی زندگی میں ایک نئی روح پھونکی ـــــ کے خطوط میں نے جس ذریعہ سے حاصل کئے ـــــ اس کی صورت سے سامان کر ـــــ زندگی کے امید افزا خیال میں تبدیل کیا۔ اس کی تشفی و دلاسہ کی کہ اس کے دل

سے ـــــ خودکشی کا مذموم خیال حرف غلط کی طرح مٹ جائے ـــــ میں ایک حد تک اپنے مقصد میں کامیاب رہا آہ ـــــ اس نے مجھے اس کا کیا صلہ دیا ـــــ نفرت ـــــ تغافل ـــــ بیوفائی۔ ہماری فطرت کا راز میں مطلق نہ سمجھ سکا جس وقت وہ اشارتاً یا کنایتہً ـــــ اس خودغرض ہستی کا ذکر کرتی جس نے اس کو رسوا و بدنام کرنے میں حتی المقدور کوئی کسر نہ اٹھا رکھی تھی۔ مجھے سوا موت کے کچھ نظر نہ آتا مگر آہ ـــــ میں مجبور تھا کہ ـــــ اس سے محبت کروں ـــــ میں اسی لئے پیدا کیا گیا تھا ـــــ اس ذلت اور اہانت پر بھی میں اس سے محبت کرتا رہا۔ وہ محض زرد تمولوں سے متاثر تھی۔ اُدھر دنیاوی دولت اور ظاہری محبت کی فراوانی تھی ـــــ ادھر کم مائیگی اور محبت کے پُرخلوص جذبہ سے بھرا ہوا دل تھا آہ ـــــ میرے سینے کا انمول موتی ـــــ جو میں اس کی راہ میں لٹانا فخر سمجھتا تھا ـــــ لیکن اس نے میری سچی محبت کو اس کے مقابلہ میں ٹھکرا دیا ـــــ

میری زندگی برباد کر دی ـــــ میری تمام آرزوؤں اور تمناؤں کا خون کر دیا۔ وہ اب بھی صفحہ ہستی پر موجود ہے۔ میرے سامنے اسی انداز سے آتی ہے ـــــ وہی بانکی ہونٹوں کا تبسم مجھے بے چین

(باقی اگلے صفحہ پر)

{پچھلے صفحہ سے}

کرد تا ہے ــــــ وہ مجھ سے محبت کے انداز میں کلام کرتی ہے لیکن ــــــ میرا دل ظاہری اُنس سے مسرور نہیں ہوتا ــــــ میرا دل کسی محبت کا متلاشی ہے میں نے آج تک اس کو بُری نظروں سے نہیں دیکھا۔ اس کے دل کی گہرائیوں کا راز آج تک مجھ پر آشکارا نہ ہوا۔ میرا دل متمنی ہے کہ اسے کاش ــــــ "وہ مجھ سے محبت" کا راز عالم بیداری میں نہیں ــــــ خواب میں بیان کر دیتی ــــــ میری زندگی اس کی بہم طرز سے بدمزہ ہو رہی ہے ــــــ کسی شے میں لطف نہیں آتا ــــــ دل مردہ ہو گیا ہے۔ آنکھیں ہر وقت اشکبار رہتی ہیں ــــــ میری روح جسم سے نکلنے کو بیقرار ہو رہی ہے۔ بائرن کا مقولہ ہے کہ ہنسو گے ساری دُنیا تمہارے ساتھ ہنسے گی ــــــ روؤ گے تو تنہا روؤ گے۔ یہ جانتے ہوئے بھی کبھی ــــــ تبسم لبوں پر نہیں آتا ــــــ طبیعت اُداس ہے۔ دل بیٹھا جاتا ہے ــــــ ایک نامعلوم بے چینی ہر وقت زندگی کو برباد کر رہی ہے ــــــ دماغ پر قابو حاصل کرنا چاہتا ہوں لیکن ــــــ نہیں حاصل کر سکتا۔ اس کے خیال کو قلب سے علیحدہ کرنے کی کوشش کرتا ہوں ــــــ مگر ناکام رہتا ہوں۔ سمجھدار ہوں۔ اپنے زعم کا احساس ہے۔ اپنے معاملات کو اچھی طرح سمجھنے کی صلاحیت رکھتا ہوں لیکن ــــــ کوئی ــــــ "قوت" آہ ــــــ نامعلوم قوت میرے ردعمل پر ایسا غالب ہے جو مجھے اپنے زعم کی تکمیل سے روکتی ہے۔ میں اب کچھ کر سکتا ہوں اور کچھ بھی نہیں۔ اس کا تصور دل و دماغ پر اس طرح حاوی ہے جیسے دن کی روشنی تاریکی پر۔ بیچارے اس ثابت کے باوجود بھی میں اُس سے اس طرح محبت کرتا ہوں جیسے خوشبو پھول سے ــــــ اور روشنی سورج سے ــــــ سورج اور پھول سے کبھی ــــــ روشنی اور خوشبو کی محبت گھٹتی اور بڑھتی نہیں۔ نظام قدرت کے بدلنے پر ممکن ہے ــــــ روشنی اور خوشبو کی طرح میری محبت بھی ایک ناقابل بیان تغیر رونما ہو جانے وہ پیار ہے ــــــ یہ خیال اب دماغ میں نہیں جا سکتا ــــــ

ــــــ قدرت نے عورت کی فطرت کچھ ایسی بنائی ہے جو کبھی اپنے دل کا راز وقت سے پہلے ظاہر نہیں کرتی ــــــ دُنیا کے فلسفی اس کی فطرت کی گہرائیوں کو کبھی بے نقاب نہیں کر سکتے ــــــ اور دوسروں سے اظہار محبت کرنے والی ــــــ عورت کسی سے سچی محبت نہیں کرتی ــــــ

داتس اگر مجھ میں کچھ طاقت ہوتی تو ــــــ ان کے خلاف وہ طاقت تمہاری اور اپنی منفعت کے لئے ضرور کام میں لاتا۔ تم ــــــ عورت کی فطرت اور تغیر زلفوں کے کبھی قائل نہ تھے اب سمجھے کہ ــــــ عورت بڑے سے بڑے پہاڑ کو ڈھا سکتی ہے ــــــ محبت رمز شناسی کی جان ہے ــــــ جب تم اپنے والہانہ جذبات کو اپنے میں جذب کرو گے ــــــ یقین ہے سراپا محبت ہو کر رہ جاؤ گے ــــــ محبت اور شے ہے اور ــــــ عورت کی بے وفائیوں کا ــــــ شکوہ بلیغ ہونا دوسری چیز۔ خواہشات نفسانی کا غلام ہونا ــــــ محبت نہیں کہلاتا ــــــ اس وسیع دنیا میں دو سمندر ایسے ہیں جو ــــــ دل کی موجوں کو اپنے میں جذب کرنے کے لئے ہر وقت بیقرار رہتے ہیں۔ ان کے نام ہیں ــــــ عورت اور دولت ــــــ پہلا سمندر دوسرے سے زیادہ عمیق ہے۔ دولت کی نظر فریب کشش سے بچنا ممکن بھی ہے مگر ــــــ عورت کے جوبن سے انسان نجات حاصل نہیں کر سکتا ــــــ میں اپنی زندگی برباد کر چکا ــــــ ایک عورت سے التفات جتانے کا خمیازہ بھگت رہا ہوں یہ تمہارا ہی دل اور گردہ ہے جس نے آج تک اپنی یہ داستان ہ غم آلود داستان کسی سے بیان نہیں کی ایک سربستہ راز ہر اور غالباً یہ قبر میں ساتھ جائے گا۔ ایک میں واحد شخص ہوں جس پر مجھے اس دنیا میں کامل اعتماد ہے کہ میرے بعد میری طرح اس راز کو امانت کی طرح محفوظ رکھو گے۔ حالانکہ میں یہ جانتا ہوں کہ میرے تجربات اور میری نصیحت تم پر کوئی اثر نہیں کر سکتے۔

دعظ من گر فشاندہ عصیاں نرشود
آہ من شکر آلود گمس ایں نرشود

تمہارا بدنصیب۔ برباد محبت . . . پرتاپ

محبت اور شہرت

(ترجمہ از بائرن)

میں تاریخی حیثیت سے شہرت نہیں چاہتا میرا عالم شباب ہی میرا عزت اور با وقار زمانہ ہے اور میرے بائیسویں سال کے لوازمات اعلیٰ سے اعلیٰ اور ناموری سے بہتر ہیں۔

ایک بوڑھے آدمی کے لئے تاج تخت اور پھولوں کے ہار اگر غور کیا جائے تو کوئی وقعت نہیں رکھتے۔ کیونکہ وہ خزاں رسیدہ پھولوں کی مثال ہے جس کو موسم بہار کی شبنم نے آلودہ کیا ہو۔"

پس لیسے شخص کے سر سے ان ہاروں اور گجروں کو ہٹاؤ جو صرف شہرت کے لئے ہوں۔ کیونکہ وہ اس کے لئے ناموزوں اور غیر مفید ہیں۔ اور میرے نزدیک کوئی قیمت نہیں رکھتے۔

لیکن اے شہرت! اگر میں نے کبھی تیری سچی تعریف میں دلچسپی لی ہے۔ تو وہ تیری ظاہرداری اور نمائشی ٹیپ ٹاپ کی غرض سے نہیں کہ میں اس کے چاہنے کے قابل ہوں۔ یہی وجہ ہے کہ میں نے جب کبھی تجھے تلاش کیا اور جب کبھی پایا وہیں پایا۔ اس کی سراپا سحر نگاہیں تیری روشن شعاعوں سے منور تھیں اور اُن کا میری زندگی کے کسی باعزت واقعہ کو سُن کر چمک اٹھنا میرے لئے محبت اور شہرت تھا۔

صفائی اور تندرستی

(از جناب پنڈت آنندی پرشاد صاحب مصرا - جرنلسٹ - مرادآبادی)

(خاص تیج دہلی کے لئے)

تندرستی کا دارومدار صفائی پر ہے۔ اور بسا اوقات اس کی طرف سے غفلت کرنے میں زندگی کا خاتمہ ہوجاتا ہے یا کوئی بیماری ایسا مرض لاحق ہوجاتا ہے کہ جس سے زندگی تلخ ہوجاتی ہے۔ پس ایسی شے پر جس پر کہ تندرستی کا انحصار ہو جتنی بھی توجہ کی جائے کم ہے۔ نوتن فام (؟) وزن کا ایک شاعر تھا۔ وہ اپنی نظم میں لکھتا ہے:-

"جہاں اداسی نے اپنا رنگ در و دیوار پر پھیر رکھا ہے۔ جہاں درد و کرب کی چیخیں بلند ہوکر پیوستہ ہو رہی ہیں۔ جہاں بیماریاں اپنے زہر کی تخم پاشی کرتی ہیں۔ جہاں موت سروں پر منڈلا رہی ہے۔ وہاں یقیناً صفائی کا انتظام نہیں ہے۔"

جرمنی کا مشہور ڈاکٹر وان لیوتن برگ اپنی ایک کتاب میں لکھتا ہے:-

"تندرستی کی صبح کا آغاز اس ملک میں اسوقت ہوا جب بازاروں، سڑکوں اور مکانوں کی صفائی پر لوگوں کی توجہ مبذول ہوئی۔ وہ زمانہ یاد کرکے دل لرزنے لگتا ہے۔ جب کہ غلاظت کے انبار ہمارے شہروں اور قصبوں میں ہر طرف دکھائی دیتے تھے۔ جب کہ ان انباروں سے خطرناک بدبوئیں نکل کر ہوا میں پھیلتیں اور دماغوں کو پراگندہ کرتی تھیں۔ جب کہ لطافت کی جگہ کثافت اور صفائی کی جگہ گندگی ہر طرف حکمران تھی۔ جب کہ تباہی اور بربادی کی تاریکیاں ہمارے وطن کے افق کو گھیرے ہوئے تھیں۔"

ہم ہندوستانی اب تک اس ضروری امر سے بالکل بے پرواہ ہیں اور نئے دن طرح طرح کی بیماریوں میں مبتلا رہتے ہیں اور یوں اپنی زندگی کو تلخ اور بے مزہ بناکر جلد ختم کر ڈالتے ہیں۔

مکان کی صفائی

صفائی کئی قسم کی ہوتی ہے۔ سب سے اول مکان کی صفائی ہے۔ جس میں ہندوستانی پردہ نشین عورتیں عام طور پر دن رات رہتی ہیں۔ اگر اس کی طرف سے ہم ذرا بھی غفلت کریں تو ممکن نہیں کہ ہماری صحت کو کوئی نقصان نہ پہنچے۔

معمولی حیثیت کے لوگوں کے مکان عموماً چھوٹے اور تنگ صحن کے ہوتے ہیں۔ خاصکر ایسے مکانوں کی صفائی اور بھی زیادہ ہونی چاہیئے۔ کیونکہ تنگ صحن اور اونچی دیواروں کے مکانوں میں تازہ ہوا کی آمد و رفت بہت کم ہوتی ہے۔

مکان کے کل حصوں مثلاً کوٹھڑیوں، کمروں، دالان، برآمدہ، غسل خانہ، پاخانہ وغیرہ کی صفائی پر یکساں توجہ رکھنا چاہیئے۔ یہ نہیں کہ صرف اپنے رہنے کا ایک کمرہ صاف کرلیا اور سمجھا لیا۔ اور باقی مکان گندہ اور متعفن پڑا رہا۔

رسوئی گھر

سب سے زیادہ ہمیں باورچی خانہ کی طرف متوجہ ہونا چاہیئے۔ جہاں کھانا جو ہماری زندگی کا جزو اعظم ہے تیار ہوتا ہے اس کی طرف سے بے پرواہ ہونا گویا اپنے تئیں ہلاکت میں ڈالنا ہے۔ رسوئی گھر میں مکھیاں بہ نسبت اور جگہوں کے زیادہ ہوتی ہیں۔ اس کی وجہ کھانے کا لگاؤ ہے۔ مگر زیادہ تر کوڑے کرکٹ کا جمع ہونا اس کا باعث ہے۔ مثلاً ترکاریوں کے چھلکے زمین ہی پر ڈال دیئے جاتے ہیں اور وہ وہیں پڑے سڑتے اور مکھیوں کو دعوت دیتے رہتے ہیں۔

صاحب خانہ مستورات کو کھانا پکانے والی پر کامل بھروسہ نہ کرنا چاہیئے بلکہ خود رسوئی گھر کو دیکھیں کہ کس حالت میں ہے۔ کبھی ایسا ہوتا ہے کہ پتیلی یا ہانڈی کھولتے وقت مکھیاں ہانڈی میں گر پڑتی ہیں اور کھانا پکانے والی کو خبر بھی نہیں ہوتی۔ پھر وہی غذا ہمارے کھانے میں آتی ہے۔ اس لئے ضرور ہے کہ یہاں دن میں دو تین مرتبہ جھاڑو دی جائے اور کھانا پکانے کی تمام اشیاء ڈھکی رہیں۔

رسوئی گھر کی چھت اور دیواروں پر دھواں، جالوں اور گرد و غبار کے ساتھ جمع ہوجاتا ہے جو کھانا کھاتے وقت اکثر کھانوں میں جھڑتا ہے۔ اس لئے کم از کم مہینہ میں ایک دفعہ چھت اور دیواروں کو ضرور جھڑوا دینا چاہیئے۔

غسل خانہ

غسل خانہ کا فرش پختہ اور ڈھلوان ہونا چاہیئے۔ تاکہ نہانے کا پانی جمع نہ رہے۔ فوراً بہہ جائے۔ غسل خانہ میں روشن دان کا ہونا بھی نہایت ضروری ہے تاکہ فرش وغیرہ صاف نظر آئے۔ ایسی جگہ جہاں پانی وغیرہ پڑا رہتا ہے گرمی کے موسم میں سانپ وغیرہ کے بیٹھنے کا بہت احتمال رہتا ہے۔ نہانے کی چوکی اونچے پایوں کی ہو۔ اور نہاتے وقت اس کے نیچے جھک کر دیکھ لینا چاہیئے۔ صابن اور منجن وغیرہ رکھنے کے لئے ایک مختصر سی دیوار گیری اور کپڑوں کے لئے ایک کھونٹی دیوار میں لگا لینی چاہیئے۔ غسل خانہ بھی گرد و غبار اور جالوں سے پاک و صاف ہو۔ نہانے کے بعد غسل خانہ کے فرش کو صاف پانی سے دھو ڈالنا چاہیئے۔

سکونت کا مکان

رہنے کے کمرے نہایت ہوادار ہوں۔ اور ان میں اگر کوئی کھڑکی یا روشن دان نہ ہو تو ضرور بنوا لینا چاہیئے۔ تاکہ تازہ ہوا اور روشنی کا بخوبی گذر ہو سکے۔ رہنے کے کمروں میں زیادہ اسباب نہیں رکھنا

(باقی مضمون اگلے نمبر پر)

صفائی اور تندرستی

(پچھلے صفحہ سے)

چاہیئے۔ کیونکہ جہاں اسباب وغیرہ زیادہ ہوتا ہے وہاں چوہے اور سانپ وغیرہ اپنے بل بنا لیتے ہیں۔ اور ہوا کی آمد و رفت بھی اچھی طرح نہیں ہوتی۔ ہلکا اور صاف ستھرا اسباب رکھنے کا مضائقہ نہیں۔ کوڑا کرکٹ بھی ہرگز جمع نہ رہنی چاہیئے اس سے سخت نقصان کا اندیشہ ہے۔ دیواروں سے جالے اور گرد اگر روزانہ نہیں تو ہفتہ میں ایک دفعہ ضرور صاف ہوتے رہنے چاہئیں۔

اسباب کی صفائی

چیزیں صاف اور ستھری رکھنے سے عرصہ تک کام دیتی ہیں۔ اور صاحب خانہ کا پاکیزہ مذاق بھی ثابت ہوتا ہے۔ صندوق اور کپڑے گرد و غبار سے پاک اور چمکدار ہوں۔ ستیشہ کی الماریوں کے شیشے وغیرہ اگر اچھی طرح صاف نہ کئے جائیں تو الماریاں نہایت بدنما اور بے رونق دکھائی دیتی ہیں۔ شیشوں کو کھڑیا مٹی لگا کر صاف کرنا چاہیئے۔ اور لکڑی پر وارنش یا السی کا تیل پانی میں ملا کر لگانا چاہیئے۔ اس مطلب کے لئے ایک عمدہ وارنش تیار کرنے کی ترکیب حسب ذیل ہے:۔

گیرو آدھ پاؤ۔ السی کا تیل آدھ پاؤ۔ رال ایک چھٹانک۔ تارپین کا تیل ایک چھٹانک۔

گیرو کو نہایت باریک پیس کر کپڑے میں چھانیں اور السی کا تیل اور رال ڈال کر پکائیں۔ جب وہ پکنے لگے اور رال پگھل جائے تو تارپین کا تیل ڈال کر اتار لیں۔ اسے الماریوں اور کواڑوں پر لگائیں۔

باورچی خانے کے تمام برتنوں کو نہایت ہوشیاری سے صاف کرنا یا کرانا چاہیئے۔ اور دھو دھلا کر کپڑے سے ڈھک کر رکھیں تاکہ گرد و غبار اور مکھیوں سے محفوظ رہیں۔

غلہ رکھنے کے مٹکے اور پیپے ہمیشہ ڈھکے رہیں تاکہ چوہوں وغیرہ کا گذر بالکل نہ ہو سکے۔ ان کے ڈھکنے میں اگر ذرا بھی غفلت کریں تو چوہے بکثرت ہو جاتے ہیں۔ اور غلہ کھا کر غلاظت بھی کرتے ہیں۔ اور آخرکار پلیگ کا باعث ہو جاتے ہیں۔ غلہ کے مٹکے اور پیپے وغیرہ خوب صاف ہوں۔ یہی معمولی چیزیں اگر اچھی طرح صاف کر کے قرینے سے رکھی جائیں تو دیکھنے والے کی طبیعت خوش ہو جاتی ہے۔

پانی کے مٹی کے برتن مثلاً گھڑے اور مٹکے وغیرہ جب پرانے ہو جاتے ہیں۔ تو ان میں ایک قسم کی بدبو آنے لگتی ہے۔ ایسی حالت میں بہتر تو یہ ہے کہ انہیں فوراً بدل ڈالیں۔ لیکن اگر بدل نہ سکیں تو کم سے کم یہ ضرور کریں کہ انہیں پانی سے خالی کر کے خوب مانجھیں۔ پھر دھوپ میں اچھی طرح سکھائیں۔ گھڑوں کی بدبو مانجھنے اور سکھانے سے بالکل دفع ہو جاتی ہے۔ پرانے کپڑوں سے جو دھلے ہوئے ہوں گھڑوں پر باندھنے کی صافیاں خوب بن سکتی ہیں۔ انہیں باندھ کر سکورے ڈھک دیئے جائیں تو پانی بالکل محفوظ ہو جاتا ہے۔ استعمال کا پانی ہر وقت ڈھکا رہنا چاہیئے۔ کیونکہ اس سے اس میں گرد و غبار نہیں پڑتا۔

جسمانی صفائی

عام طور پر ان اعضا کی صفائی کا خیال کیا جاتا ہے جو کھلے رہتے ہیں۔ مثلاً چہرہ۔ ہاتھ پاؤں۔ باقی جسم کا اس لئے خیال نہیں کیا جاتا کہ وہ ڈھکا رہتا ہے۔ مگر یہ خیال غلط ہے کہ جسم کے وہ حصے جو کپڑوں سے ڈھکے رہتے ہیں انہیں بھی دھونے اور صاف کرنے کی ضرورت ہے۔ میل جو جسم پر جمع ہو جاتا ہے۔ یہ باہر کے گرد و غبار ہی سے نہیں بنتا۔ بلکہ زیادہ تر جسم کے اندر سے نکلتا ہے۔ جلد میں چھوٹے چھوٹے مسامات ہوتے ہیں۔ یہ ایسی چھوٹی چھوٹی نالیوں کے منہ ہیں جو گوشت کے اندر ہیں۔ مسامات ہمارے بدن میں کھڑکیوں اور روشندانوں کا کام کرتے ہیں۔ جب ہم اپنے کمرے کی کھڑکیاں کھول دیتے ہیں تو ان سے تازہ ہوا آتی ہے۔ اور خراب ہوا نکل جاتی ہے۔ بس یہی کام مسامات کرتے ہیں۔ اگر ہم جلد کو نہانے دھونے سے صاف نہ رکھیں تو مسامات بند ہو جائیں گے اور اپنا کام بالکل نہ کر سکیں گے۔ ایسی حالت میں صحت کو نقصان پہنچے گا۔ اگر جلد صاف رکھی جائے تو مسامات دن رات کام کرتے رہتے ہیں۔ ان کے ذریعہ جسم کی تمام کثافت باہر نکل جاتی ہے۔

اگرچہ غازہ اور پوڈر کا استعمال قدیم زمانہ سے چلا آتا ہے مگر اس کا مفید ہونا کسی طرح ثابت نہیں ہوتا۔ غازہ اور پوڈر جلد کے مسامات میں بھر جاتا ہے اور ان کو ان کے کام سے روک دیتا ہے جس سے تندرستی میں فتور آتا ہے۔ اور بعض وقت پھنسیاں نمودار ہو کر بجائے خوبصورتی کے بدصورتی پیدا ہو جاتی ہے۔

یہ مضمون تین حصوں میں منقسم ہے:۔

(۱) مکان کی صفائی۔
(۲) اسباب کی صفائی
(۳) جسمانی صفائی۔

انہیں تین باتوں پر صحت کی عمدگی منحصر ہے۔ امید ہے کہ اس سے ناظرین کچھ فائدہ اٹھائیں گے۔

بیوی کا قاتل

ایک آسامی کہانی کا ترجمہ

(از شریمت اننت گھوش)

(خاص ریاست ویکلی کے لئے)

کمل کے پاس ایک وقت سب کچھ تھا۔ اس کے پاس گھر کے تمام کام کا سامان تھے لیکن آج وہ سڑک کا بھکاری ہے جو آدمی ایک دن اس کے رحم کے خواہشمند تھے۔ آج انہیں کے پاس کمل کو اپنا ہاتھ پھیلانا پڑتا ہے۔ گذشتہ زندگی کا خیال کر کے وہ کچھ دیر بیٹھکر رو لیا اور پھر چلنے لگا۔

سورج کے غروب ہوتے ہی آہستہ آہستہ اندھیرا چھانے لگا۔ گائے۔ بیل۔ پرندے اور بھینس سب اپنے اپنے استھان پر پہنچکر آرام کرنے لگے۔ اس وقت کمل کی ٹوٹی جھونپڑی کے چاروں طرف اندھیرا چھایا ہوا تھا۔ کچھ دیر میں کمل نے اپنے دروازے کے سامنے آکر کہا۔ "سیوتی" دروازہ کھل گیا اور اس کی ٹوٹی پھوٹی جھونپڑی ہلکی سی روشنی سے روشن ہو گئی۔ کمل اندر گیا۔ چاول کی چھوٹی پوٹلی سیوتی کے پاس رکھکر اور ایک ٹھنڈی سانس لیکر کہنے لگا۔

"سیوتی! اس پوٹلی کا چاول تمہارے لئے کافی ہو سکتا ہے آج تمہیں کھانا کھاؤ۔ مجھے کھانے کی خواہش نہیں ہے میں سوتا ہوں"

کھلی آنکھوں سے سیوتی کچھ دیر اپنے خاوند کے چہرے کی طرف دیکھتی رہی پھر وہ کمل کے تھکے ہوئے ہاتھوں کو اپنے ہاتھوں سے اٹھا کر کہنے لگی۔ "تم نہیں کھاؤ گے۔ کیوں؟"

کمل نے کہنا شروع کیا: "اچھا سنو۔ ہم کون لوگ تھے کیا ہو گئے اور ہو رہے ہیں۔ تمام دن بھیک مانگنے کے بعد شام کو کھانے کے لئے ایشور نے ہمیں ایک مٹھی چاول بھی نہیں دیا ہے۔ جدھر جاتا ہوں اُدھر سے مایوس ہو کر آتا ہوں سب لوگ بے عزتی کرتے ہیں۔ آج نہ آندھی تھی نہ بارش پھر بھی تمام دن پھرنے کے بعد دو مٹھی چاول ملے ہیں وہ ایک آدمی کے لئے ہی ناکافی ہیں اور ہم دو آدمی ہیں۔ سیوتی! مجھے بھوک نہیں ہے۔ تشویش اور درد نے میرا پیٹ بھر دیا ہے مجھے بھوک نہیں ہے۔ مجھے آرام سے سونے دو"

سیوتی نے اپنے خاوند کو تسلی دینے کے خیال سے آہستہ آہستہ کہنا شروع کیا: "آپ کچھ فکر نہ کریں۔ آدمی کے دن ہمیشہ برابر نہیں رہتے۔ اگر آج ہم پر مصیبت ہے تو کل سُکھی بھی ہونگے ایشور جو کچھ کرتا ہے اچھا کرتا ہے۔"

سیوتی کی بات کاٹ کر کمل کہنے لگا: "میں نہیں کہہ سکتا کہ پھر کیسے بھلا ہو گا جبکہ دونوں وقت پیٹ بھر کھانا نہیں ملتا اس کے لئے اس بھلائی سے تو مصیبت ہی اچھی ہے۔ مجھے بُرائی منظور ہے:

"پھر بھی ایشور بے رحم نہیں ہے وہ دیا ساگر ہے"

سیوتی نے کہا۔

کمل کہنے لگا: "اپنے دیا ساگر پرماتما کی کہانی رہنے دو تمہارے دیا ساگر نے ہمیں کیا کیا دکھ نہیں دیئے۔ اگر وہ حقیقت ایشور دیا ساگر ہے تب کیوں مصیبت زدوں کا درد بھرا رونا اور مظلوموں کی آہیں نہیں سنتا"

سیوتی زیادہ عقلمند نہ تھی معمولی عقل سے اس نے اپنے خاوند کو تسلی دینے کی کوشش کی مگر وہ کوشش بیکار ہوئی۔ وہ خاوند کے دکھ سے دکھی اور سکھ سے سکھی ہوتی تھی۔ اسی طرح اس نے زندگی کا نصف حصہ گذار دیا تھا۔ وہ کمل کے بغیر کھانا نہیں کھا سکتی تھی۔ بہت دیر تک نیچے گردن کر کے رونے کے بعد اس نے کہا: "اگر تم نہیں کھاؤ گے تو مجھے بھی کھانے کی ضرورت نہیں ہے۔ میں اکیلی نہیں کھا سکتی:"

اس دفعہ کمل اپنے کو نہ روک سکا۔ وہ سیوتی کے گلے سے لپٹ کر رونے لگا۔ سیوتی نے اپنے مالک کے دل پر ہاتھ رکھ کر کہا "آپ دکھی مت ہو۔ آپ کے تمام دکھوں میں دور کرنیکی کوشش کروں گی" ٹھنڈی سانس لیکر کمل کہنے لگا۔ "آہ کس قسمت کے زور سے میں نے تمہیں حاصل کیا۔ تمہارا غافل رہنا بڑا پاپ ہو گا۔ میں نے طے کیا ہے کہ میں خودکشی کرونگا"

سیوتی کے بدن کے رونگٹے کھڑے ہو گئے۔ وہ کہنے لگی "خودکشی! خودکشی مہا پاپ ہے":

"پاپ ہو گا یا پُن میں نے یہ سوچا ہی نہیں ہے اور سوچنے کی خواہش بھی نہیں ہے۔ بھیک مانگ کر جینے سے موت اچھی ہے" کمل نے کہا۔

سیوتی بولی۔ "نہیں آج سے بھیک مانگنے کی ضرورت نہیں ہے۔ آج سے میں بھیک مانگوں گی اور تم گھر پر رہنا۔"

کمل کانپ اٹھا۔ سیوتی نے کیا کہا ہے۔ یہ وہ اچھی طرح نہیں سمجھ سکا۔ کچھ سنجیدہ ہو کر اس نے اپنے کپڑوں کے اندر سے ایک چیز سیوتی کو دکھائی۔

سیوتی نے کہا۔ "یہ کیا ہے؟"

"ایک چیز ہے"

"کیا ہے؟"

"زہر"

"زہر" سیوتی کا چہرہ زرد پڑ گیا۔ اُس نے فوراً خاوند کے ہاتھ سے اس چیز کو لے کر مٹھی میں بند کر لیا۔ کمل نے اس کے ہاتھ سے اس چیز کو لے کر ایک دفعہ اس کے زرد چہرے کی طرف دیکھ کر کہا۔

"ڈرتی ہے سیوتی؟"

سیوتی نے کچھ جواب نہ دیا۔

کمل نے پھر کہا۔ "ڈرتی ہے؟"

(باقی مضمون اگلے صفحہ پر)

پچھلے صفحے سے

سیوتی کی آنکھوں سے آنسوؤں کی قطار بہہ نکلی۔

اس نے زہر کی پڑیا کومل سے لے کر کہا۔ "سیوتی! اب جینے کی کچھ آس نہیں ہے۔ تیرے ایشور پر بھروسہ ہے کہ وہ تمہاری مدد کرے گا!"

کومل نے زہر کی پڑیا کو کھولا۔ اسی وقت سیوتی کومل کے دونوں ہاتھ پکڑ کر بول اٹھی "میں بھی مروں گی۔ آپ کو چھوڑ کر میں دنیا میں زندہ نہیں رہ سکتی"۔

سیوتی نے پھر کہا۔ "میں بھی مروں گی۔ اس زہر کے دو برابر حصے کر کے ایک مجھے دے دو۔ اگر موت ہو تو دونوں کی ہو۔ اسی میں مزا ہے"۔

کومل کے منہ سے ایک لفظ نہ نکلا۔ سیوتی کے چہرے کی طرف دیکھ کر وہ سوچنے لگا۔ اس نے زہر کے دو برابر حصے کئے ایک حصہ سیوتی کو دیتے ہوئے کہا۔ "سیوتی! یہ موت نہیں ہے سکھ ہے"۔ دونوں نے لوہبر میں اپنے اپنے زہر کو کھا لیا ذرا سی دیر میں سیوتی کی آواز بند ہو گئی اور وہ مر گئی۔ کومل سیوتی کے زرد چہرے کی طرف دیکھ کر لمبا سانس لے کر بیہوش ہو گیا۔

دوسرے دن جب کومل کو ہوش آیا تو دیکھا کہ دو تین شخص اس کے پاس کھڑے ہیں لیکن سیوتی اس کے پاس نہیں ہے۔ پہلے تو اسکو یہ سب خواب کی مانند معلوم ہوئی۔ اس نے پھر اپنی آنکھیں بند کر لیں۔ کچھ دیر بعد دوائی دیتے وقت اس کو سب کچھ معلوم ہو گیا۔ تب اسے معلوم ہوا کہ وہ بڑے گھر میں نہیں بلکہ شفاخانے میں ہے۔ کومل کا سینہ دکھ سے پھٹنے لگا۔ اچانک اسکو سیوتی کی یاد آ گئی۔ وہ سوچنے لگا کہ اس کی کیا حالت ہوئی ہوگی آگے نہ سوچ سکا۔ اسکا سر گھومنے لگا۔

دوسرے روز پولیس نے آکر اس سے ہر ایک بات دریافت کی اور اسکو سمجھ کر کہا۔ "یہ ہے عورت کا قاتل"۔

کومل سوچنے لگا "درحقیقت اس نے سیوتی کو موت کے منہ میں پھینک دیا۔ اس کے دل میں رہ جانے کا خیال تھا۔ ایک بار اوپر کی طرف دیکھ کر اس نے کہا "سیوتی تم کہاں ہو۔ میں یہاں اکیلا ہوں"!

مقدمہ سیشن جج کے سپرد ہوا۔ وہاں حاکم اور وکیل سب بیٹھے تھے۔ ملزم کو حاکم عدالت کے سامنے لا کر کھڑا کیا گیا۔ جج نے ملزم سے پوچھا۔

"تم نے اپنی عورت کو مارا ہے؟"

"ہاں حضور"

"کیسے؟"

"زہر سے"

"زہر کیوں کھلایا تھا؟"

کومل کہنے لگا۔

"حضور میں اپنی مصیبت کی کہانی کیا سناؤں مجھے اپنی زندگی سے مایوسی ہو گئی ہے۔ پہلے میرے پاس بہت دولت تھی۔ میرا گھر دولت اور اناج سے بھرا ہوا تھا۔ لیکن آج میں راستے کا بھکاری ہوں۔ مجھے ایک دفعہ کالا بخار ہو گیا تھا۔ اسی بخار سے بہت دکھ پایا اور اسی دوران میں میرا سب کچھ ختم ہو گیا۔ میری اکلوتی اولاد بھی مر گئی۔ آخر میں تمام عیش و آرام چھوٹ جانے کے بعد میں اور سیوتی کسی طرح بھیک سے زندگی بسر کرنے لگے۔ مصیبت کے ناقابل برداشت دکھ سے میں بے چین ہو گیا۔ تب مجھے زندگی میں تبدیلی کی ضرورت محسوس ہوئی۔ آخرکار میں نے زہر کھا کر زندگی کا خاتمہ کرنے کا فیصلہ کیا۔ لیکن سیوتی میری زندگی کی رفیق تھی۔ اس نے زہر کے دو برابر حصے کر کے ہم دونوں نے اس کو کھا لیا۔ اس سے سیوتی کو ہمیشہ کا آرام مل گیا۔ مگر میں سخت مصیبت جھیلنے کے لئے باقی ہوں۔ حضور میں درحقیقت عورت کا قاتل ہوں۔ میں نے اسے زہر دیا تھا۔ مجھے مناسب سزا دیجئے"۔

کومل کی کہانی سن کر عدالت کے سب آدمی تعجب کرنے لگے۔ خود جج بھی بہت دیر تک سر نیچا کر کے کومل کے دکھ سے دکھی رہا۔ پھر اس نے پوچھا۔

"تجھے معافی چاہیئے؟"

گھٹنے ٹیک کر کومل نے کہا۔

"مجھے معافی نہیں چاہیئے۔ میں نے سیوتی کے ساتھ موت کا وعدہ کیا ہے۔ اگر میں اس کے معافی کام کروں گا تو وہ مجھے قابل نفرت خیال کرے گی۔ اور مجھے زندگی کے باقی دن بڑی پریشانی سے کاٹنے پڑیں گے۔ آپ مجھ پر رحم کیجئے۔ مجھے رہائی نہیں چاہیئے۔ مجھے موت کی سزا کا حکم دیجئے"۔

کومل کی کہانی سنکر عدالت کے سب اشخاص متعجب ہو گئے۔ موت کے منہ سے بچنے کی کتنی کوشش انسان کرتا ہے مگر کومل اسی موت سے چمٹے ہوئے رہنا چاہتا تھا۔ کیا یہ تعجب کی بات نہیں تھی؟ کیا موت اتنی آرام دہ ہے کہ اسکو پا کر کومل کو ابدی راحت نصیب ہوگی؟ مگر وہ تو ان باتوں کو سوچتا ہی نہ تھا۔ اسے تو موجودہ حالت میں تبدیلی کی ضرورت تھی۔ تبدیلی ہونے پر اسے صبر ہو جائے گا۔

جج نے پھر دریافت کیا۔

"کومل کیا تمہیں معافی چاہیئے؟"

کومل نے کہا۔

"نہیں چاہیئے حضور! میں عورت کا قاتل ہوں۔ مجھے سزائے موت دیجئے"۔

جج نے ملزم کو سزائے موت دی۔ اس نے

اس قسم کی سادہ تشبیہوں سے داغ کی نازک خیالی
وباریک بینی کا زیادہ پتہ نہیں چلتا مگر پھر بھی اس کی
زبان سے وہ مرتبہ اعلیٰ پایہ ہے جو آج تک کسی کو نصیب
نہ ہوا۔ سادہ تشبیہوں میں بھی وہ لطف پیدا کر دیا ہے جو شعراء
دقیق طلب تشبیہوں میں بھی وہ بات پیدا نہیں کر سکتا
داغ کی زبان عشق و محبت کی تصویر کھینچنے کے لئے بہت
موزوں ہے یہی وجہ ہے کہ ان کی زبان کی بے
تکلفی اور شوخی دلکش مضامین کا حسن دوبالا کر دیتی ہے
حقیقت میں قابل تحسین ہے۔

محاورے یا چٹکلے نظم کرنا۔ سادہ اور سلیس استعارہ
و تشبیہ سے کام لینا۔ عاشق و معشوق کی نوک جھونک کے
دلربا مضامین۔ شوخی اور چھیڑ چھاڑ کے ساتھ باندھنا
داغ کی شاعری کے جوہر ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ داغ
کے اشعار لوگوں کے دلوں کو گرمانے کا بہترین آلہ ہیں
مثلاً داغ کہتے ہیں۔

لڑ گئی یار کم نگاہ سے آنکھ

داغ کی شاعری

(از جناب افتخار الدین شمس۔ اکبرآبادی)

ادبی

(خاص تیج دہلی کے لئے)

اب نہیں چھپتی ہزار سے آنکھ

ہر ادا مستانہ سر سے پاؤں تک چھائی ہوئی
اُف تیری کافر جوانی جوش پر آئی ہوئی

زاہد کو سند گی کا نتیجہ تو مل گیا
گردن خمیدہ یادِ الٰہی میں رہ گئی

بتاؤں نام اسے دہاں تجھے کیا
یہ کہدے کوئی آیا ہے کہیں سے

بتوں سے ہوش سنبھالا جہاں شعور آیا
بڑھے داغ بڑے ناز سے غرور آیا

وصل کا وعدہ اشاروں میں کبھی ہوتا ہے
میں ترے سر کی قسم کچھ نہ مری جان سمجھا

بڑا مزہ ہے جو محشر میں ہم کریں شکوہ
وہ منتوں سے کہیں چپ رہو خدا کیلئے

حقیقت میں اس رنگ سے بڑھ کر اور کوئی
کیا کہے گا۔

فریقین داغ کے چند اشعار پر اعتراض کرتے ہیں
مثلاً داغ کہتے ہیں ؎

کبھی تو صلح بھی ہو جائے زہد و مستی میں
الٰہی شیخ بھی میخوار ہوں مغاں کی طرح

اس پر اعتراض ہے کہ "مغاں کی طرح" میں
مغاں کی ترکیب خلاف فصاحت سمجھی جاتی ہے
آتش و ناسخ کے وقت میں ایسی ترکیب جائز تھی
چنانچہ آتش کا شعر ہے ؎

رفتگاں کا بھی خیال اے اہلِ عالم کیجئے
عالمِ ارواح سے صحبت کوئی دم کیجئے

غرضیکہ اور بہت سے داغ کے اشعار ایسے ہیں
جن پر فریقین اعتراض کرتے ہیں مگر افسوس ہے کہ
خود ہی غلطی کا شکار ہو جاتے ہیں۔

اب ذرا داغ کا دیگر شعراء سے مقابلہ کرتے
ہوئے یہ دیکھنا ہے کہ داغ کا درجہ اردو شعراء میں
کیا ہے۔

شب وصل میں موذن کا اذان دے کر اعلان سحر
کرنا کس قدر تکلیف دہ اور یاس افزا معلوم ہوتا ہے
امیر مینائی فرماتے ہیں ؎

صبح کا سونا جو ہاتھ آتا امیر
بھیجتے تحفہ موذن کے لئے

یہی مضمون قریب قریب تمام شعراء نے نئے نئے
انداز میں باندھا ہے۔ داغ اس مضمون کو جس انداز
میں بیان کرتے ہیں وہ حقیقت میں داغ ہی کا حصہ
ہے عجیب جدت و لطف سے کہتے ہیں ؎

دی شب وصل موذن نے اذاں پچھلی رات
ہائے کمبخت کو کس وقت خدا یاد آیا

میر تقی تو اپنے معشوق سے بگڑ کر صرف اتنا ہی کہکر رہ جاتے ہیں ؎

باہم سلوک تھا تو اٹھاتے تھے نرم گرم
کاہے کو میر کوئی دبے جب بگڑ گئی

لیکن داغ نے کوئی کسر اٹھا نہ رکھی اور صاف کہدیا ؎

غرض ہی کیا ہے سنے وہ جو آپ کی باتیں

رئیس زادہ ہے داغ آپ کا غلام نہیں
اب کے کچھ منہ سے نکالا تو نہیں جاؤ گے

داغ پھر مجھکو نہ کہنا جو برا ہو نہ کہوں

کیا کہا پھر تو کہو ہم نہیں سنتے تیری
نہیں سنتے تو ہم ایسوں کو سناتے بھی نہیں

داغ جب معاملات حسن و عشق میں شوخی کو شوخی کی حد تک پہنچا دیتے ہیں تو ایسا معلوم ہوتا
جانتے ہیں کہ اسلوب شاعری میں ان کا جواب نہیں ملتا مثلاً ؎

ترا وہ وعدہ دیدار اور وہ بھی قیامت پر
پھر اس پر صبر اتنا اے دل امیدواروں کا

کسی سے وعدہ ہے جو گھبرائے ہوئے پھرتے ہو
یہ وہ گردش ہے جو میرے بھی مقدر میں نہیں

کہا انہوں نے شب غم کا ماجرا سنکر
ترے مزاج کی شوخی تھی اضطراب نہ تھا

خط مرا پھینک دیا یہ کہکر
ہم سے دفتر نہیں دیکھا جاتا

(صفحہ ۱۸ سے آگے)

کتابیں، اخبار، سائے، کھلونے، سنگار کا قیمتی سامان وغیرہ وغیرہ بکثرت استعمال ہوتے ہیں۔ آرام و تعیشات کا زیادہ بڑھ جانا یقینی معلوم ہوتا ہے اور اس غرض سے فیکٹریاں مزید تیاریاں کر رہی ہیں حکومت روس ان تمام چیزوں کو بڑے غور سے دیکھ رہی ہے۔ اور کہتی ہے کہ یہ وعدہ ہے کہ دیہاتی تمدن کو آہستہ آہستہ بلند سطح پر لانے کے لئے جن جن چیزوں کی ضرورت محسوس ہوتی رہے گی وہ سب سے کم قیمت پر دیہاتی سٹوروں سے دستیاب کی جائیں گی اور دیہاتیوں کی ہر طرح دلجوئی کی جائے گی جو حکومت کا فرض عین ہے۔

شہری آبادیوں کو آزادی !

دیہاتی آبادی کے ساتھ ساتھ شہری آبادی کے فائدے اور آرام کی طرف بھی توجہ دی جا رہی ہے پہلے کھانا ایک خاص مرکز سے تقسیم کر دیا جاتا تھا لیکن اب یہ طریقہ اڑا دیا گیا ہے اور ہر شخص کو آزادی دے دی گئی ہے کہ وہ کھانے پینے کی چیزیں خود خرید سکتا ہے چنانچہ یکم اکتوبر کو پورے چھ سال کے بعد لوگوں کو یہ آزادی دی گئی کہ حسب منشا جس قدر مقدار میں چاہیں۔ اشیائے خورد و نوش خرید سکتے ہیں۔ حکومت نے اس کام میں خاص طور پر حصہ لیا اور کھانے پینے کی چیزوں کی قیمتوں میں ۲۰ فیصدی سے ۴۰ فی صدی تک کمی کر دی اور کھانے پینے کی چیزوں کے سٹور بھی بہت کافی تعداد میں بڑھا دئے گئے۔ چنانچہ یہ پابندی اٹھتے ہی پہلے ہی روز کھانے پینے کی چیزوں اور لذیذ کھانوں کی مانگ میں بڑا زبردست اضافہ دیکھا گیا۔ یہ چیزیں کھلی دکانوں پر نہیں مل سکتیں۔ تمام ملک روس میں ایک خاص نظام امداد باہمی کے ماتحت مقررہ سٹوروں پر ہی یہ چیزیں فروخت کی جا سکتی ہیں۔

ہر شخص کے لئے ان چیزوں کی قیمت اور معیار یکساں ہوگا۔ اور سوائے مقررہ سٹوروں کے کوئی کسی قیمت پر بھی فروخت نہ کر سکے گا۔ ہاں مقدار کی پابندی اٹھا لی گئی ہے۔

آمدنی کے اظہار کے لئے کاغذی سکہ چلتا ہے اور چونکہ آجکل یہ سکہ کاغذی قیمت میں بڑھ گیا ہے اس سے روس کی رعایا کی خوشحالی کی دلیل سمجھتی ہے اس سے قبل جو کاغذی سکہ جاری کیا گیا تھا وہ زر خالص میں تبدیل نہیں کیا جا سکتا تھا لیکن اب جبکہ ملک خوش حالی کی طرف جا رہا ہے کاغذی سکے کی بنیادیں مضبوط کر دی گئی ہیں۔ غیر ملکی مارکیٹ میں ساکھ قائم ہو چکی ہے اور تجارت ہر ملک میں مضبوط ہو گیا ہے۔ حالت بالکل بدل گئی ہے [illegible] کیا جا سکے [illegible] پختہ معیار [illegible]

[illegible] اور ممالک کر سکتے ہیں۔

روس میں سونے کی پیداوار برابر بڑھ رہی ہے اور سالانہ مقدار ۴۰۰,۰۰۰,۰۰۰ ڈالر ہو چکی ہے۔ یعنی گذشتہ دو سال میں تقریباً ۴۰ فیصدی کا اضافہ ہوا۔ اس وجہ سے کاغذی سکے کے مقابلہ پر رہنے والا شاہی ذخیرہ زر کی مقدار بھی بڑھ گئی ہے اور لوگوں کو کوئی خطرہ نہیں ہے کہ ان کا سکہ بیکار ہے یا کم قیمت کا ہے۔ بلکہ اس کی اپنی قدر (VALUE) ہے جو اس کی اصل قیمت (FIXED RATE) سے ظاہر ہوتی ہے۔

چونکہ روس نے غیر ملکی قرضہ جات اور واجب الادا رقوم جو اسے بین الاقوامی مانڈ میں دینی تھیں سب ادا کر دی ہیں۔ اس لئے اس کے پاس جو فالتو سونا بچتا ہے اسے غیر ملکی مارکیٹ میں سے ہٹا کر فوراً سوویٹ یونین بنک کے مستقل ذخیرہ میں محفوظ کر دیا جاتا ہے۔ امسال موسم گرما کے وسط میں روس کے خزانے میں ۶۰۰,۰۰۰,۰۰۰ ڈالر کا سونا تھا۔ اور یہ خیال ہے کہ ۱,۰۰۰,۰۰۰,۰۰۰ ڈالر تک اس سال میں بڑھ جائے گا۔ یہ مقدار اس قدر کافی ہے کہ بہت کم ممالک اس کا مقابلہ کر سکتے ہیں۔ یہ پختہ بنیاد فرانس اور برطانیہ کے ذخیرۂ زر کے مساوی ہے۔

غرض یہ یقینی امر ہے کہ روس کا سکہ ایک مستقل اور پختہ بنیاد پر قائم ہو گیا ہے۔ اور جوں جوں ملک کی زرعی حالت اور مصنوعات ترقی کریں گے اس کے روپے کی ساکھ قائم ہوتی چلی جائے گی۔ اور اس کی قیمت خرید میں بھی اضافہ ہو جائے گا۔ جس سے ملک کی رعایا میں خوشحالی کا ہونا لازمی امر ہے۔

روس کے ڈکٹیٹروں نے صورت حال کی اصلاح کے ساتھ ساتھ سخت گیری بھی کم کر دی ہے تاکہ مخلوق کو اس انتظام کی خوبیاں معلوم ہوتی رہیں اور ترقی و تحفظ کا تخیل لوگوں کے ذہن میں زیادہ سے زیادہ پیدا ہوتا ہے۔ بیان کردہ رعایتوں کے علاوہ جو اب حکومت کاشتکاروں اور شہریوں کو دے رہی ہے دیگر پہلوؤں سے بھی بوجھ کو ہلکا کیا جا رہا ہے اور سختیاں کم کی جا رہی ہیں۔ مثلاً گرفتاریاں۔ احکام موت کا نفاذ اور دیگر سختیاں رد کر دی گئی ہیں تاکہ لوگوں کو معلوم ہو جائے کہ قومی تعمیر کے زمانہ میں جس قسم کی سختیوں کی ضرورت تھی وہ ضرورت پوری ہو چکی ہے یا ہونے کے قریب ہے اس لئے کھنچی ہوئی تنابیں ڈھیلی کر دی جاتی ہیں۔ لوگوں کو محسوس ہونے لگا ہے کہ سیاسی ظلم دراصل ظلم نہ تھا بلکہ ایک شکنجہ تھا جو سخت ضرور تھا مگر اس کے بغیر اصلاح اور قطع و برید بھی نہ ہو سکتی تھی۔ اب یہ شکنجہ ڈھیلا کر دیا گیا ہے اور ہر طرف روس کے پنجسالہ پروگرام کے اچھے نتائج کا احساس عام ہو گیا ہے اور لوگ ڈکٹیٹرشپ کو کامیاب ادارۂ حکومت سمجھتے ہیں۔

زندگی کیا ہے؟

ایک دن جب پرندے چہچہا کر کافی تھک چکے تھے تھوڑی دیر کے لئے خاموشی چھا گئی۔ جب ایک فلسفی پرندے نے پوچھ کر تڑپا کر زندگی کیا ہے!۔

تمام پرندے اس خاموشی کے ٹوٹنے پر کچھ چونک پڑے۔ لیکن ایک گانے والے پرندے نے فوراً جواب دیا کہ زندگی ایک نغمہ ہے۔

اتنے میں ایک چھچھوندر جس نے ابھی ابھی اپنا سر زمین سے باہر نکالا تھا بولی۔ نہیں۔ "زندگی اندھیرے میں ایک کشمکش ہے"۔

جنگلی گلاب کی کلی جس کی پتیاں ایک ایک کرکے کھل رہی تھیں بولی۔ "زندگی ایک نشو و نما کا نام ہے"۔

ایک تتلی جس کے نئے کلی کا کھلنا بڑی مسرت کا باعث تھا اس کا منہ چومنے آئی تھی پکار کر کہنے لگی "زندگی سراسر خوشی کا نام ہے"۔

ایک مکھی جو پاس سے اڑی جا رہی تھی بھنبھناتی ہوئی کہنے لگی "بہتر یہ ہے کہ تم زندگی کو موسم گرما کا ایک چھوٹا سا دن سمجھو"۔

ایک چیونٹی جو ایک بھاری تنکے کو اٹھائے ہوئے تھی بڑے درد انگیز لہجہ میں کہنے لگی "میں زندگی کو سوائے مشقت کے کچھ نہیں سمجھتی"۔

مینا نے صرف ہنس دیا کہ اس کی دانائی پر پردہ پڑا رہے۔

بلاکیلومل استعمال کیجئے آپکے جگر کا فعل درست ہوجائے گا

سالنامہ "کنول" آگرہ

تقطیع ۲۰×۳۰/۸ صفحات ۱۴۴ علاوہ ضمیمہ قیمت فی پرچہ ۸/۔ چندہ سالانہ تین روپیہ

ملنے کا پتہ:۔ مرکز اشاعت آگرہ۔

آگرہ کا مشہور و معروف رسالہ "کنول" جناب منظر صدیقی اکبر آبادی کی ادارت میں تقریباً ایک سال سے جاری ہے۔ جنوری ۱۹۳۶ء کا پرچہ اس رسالہ کا خاص نمبر یعنی سالنامہ ہے۔ جس میں شائقین علم و ادب کے لئے مضامین نظم و نثر کا ایک بہت بڑا ذخیرہ موجود ہے۔ تمام کے تمام مضامین بلند پایہ ہیں۔ اور ان لوگوں کے لکھے ہوئے ہیں جن کا شمار صف اول کے ادیبوں اور شاعروں میں ہے۔ ان میں سے صرف چند اسمائے گرامی یہ ہیں:۔

ہز ایکسیلنسی مہاراجہ سرکشن پرشاد۔ حضرت سیماب اکبر آبادی۔ حضرت جوش ملیح آبادی۔ حضرت عشرت لکھنوی۔ جناب ماہر القادری وغیرہ۔ اس خاص نمبر میں آرٹ پیپر پر متعدد تصویریں شامل ہیں اور ایک سہ رنگی تصویر جس کا عنوان "موج تصور" ہے نہایت دلکش ہے۔ اور اس کے متعلق حضرت سیماب کی نظم تعریف و توصیف سے بے نیاز ہے۔ سرورق دیدہ زیب ہے۔ کاغذ نفیس اور چکنا ہے۔ اور کتابت و طباعت بہت اچھی ہے۔ ارباب ذوق کو "کنول" کا خریدار ہونا چاہئے۔

حبش کا نقشہ

دہلی کے مشہور خوشنویس اور تاجر کتب و سامان نوشت و خواند مولوی عبدالقدیر صاحب نے ابی سینیا (حبش) کا ایک نقشہ بڑی تقطیع (۲۲×۳۴) پر شائع کیا ہے جس میں خاص حبش اور اس کے گرد و نواح کو موجودہ حالات و نہایت تفصیل کے ساتھ دکھلائے گئے ہیں۔ موجودہ اطالوی حبشی جنگ کے سلسلے میں یہ نقشہ بہت ہی کارآمد ثابت ہوگا۔ اس کی جلد کے چار صفحوں پر حبش کے متعلق نہایت دلچسپ اور مفید معلومات کا ذخیرہ بہم پہنچا دیا گیا ہے۔ آبادی۔ آب و ہوا۔ مذہب۔ زبان۔ پیداوار۔ تجارت۔ رسل و رسائل۔ فوجوں کی تعداد اور حبش کی ایک مختصر سی تاریخ یہ سب کچھ اور اس کے علاوہ مزید مختلف معلومات اس میں شامل ہیں۔ نقشہ میں دو ہزار سے زائد مقامات درج ہیں۔ قیمت فی نقشہ دس آنے (۱۰/)

اس بیہودگی اور تمسخر پر سب کو غصہ آیا اور لڑائی تک نوبت پہنچ جاتی اگر اسی وقت بارش ہونا شروع نہ ہو جاتی اور یہ افسوسناک پیغام نہ دیتی کہ:۔

"زندگی آنسوؤں کی لڑی ہے"۔

عقاب جو کہ ہوا میں پرواز کر رہا تھا چلایا "تم سب غلط کہتے ہو زندگی طاقت اور مکمل آزادی کا نام ہے"۔

اس اثنا میں شام ہوگئی۔ اندھیرا چھا گیا۔ اور ایک سمجھدار پرندے نے تجویز کیا کہ وہ سب بسیرا کریں۔ ملت کی بہاک سے سرگوشی سے آہستہ سے ایک آواز نکلی۔ "زندگی ایک خواب ہے"۔

"ساربان" لاہور

ایڈیٹر:۔ غلام محمد خاں بی۔ اے

سالانہ چندہ تین روپے۔ طلباء سے دو روپے۔ فی پرچہ تین آنے (۳/)۔ تقطیع ۲۰×۳۰/۸۔ صفحات ۵۶۔

لاہور کی صحافتی دنیا میں ماہانہ رسالہ "ساربان" ایک نیا اضافہ ہے۔ جس کے چار یا پانچ پرچے اب تک شائع ہو چکے ہیں۔ یہ رسالہ صرف علمی و ادبی نہیں ہے بلکہ اس میں ملک اور قوم کو بیدار کرنے اور ان کو عمل جدید کی طرف راغب کرنے والے سیاسی اور اقتصادی مضامین بھی شائع کئے جاتے ہیں۔ "ساربان" ایک قوم پرست رسالہ ہے جو ہندو مسلم اتحاد کا حامی اور قومی پالیسی پر کاربند ہے۔ مولانا احمد سعید صاحب ناظم جمعیۃ العلمائے ہند اس کے متعلق صحیح فرماتے ہیں۔ کہ پنجاب کی مسموم فضا میں ایسے رسالہ کی ضرورت تھی۔ اس کے مضامین اچھے اور بلند پایہ ہیں لیکن نظموں کا معیار بلند کرنے کی ضرورت ہے۔ ملک کو چاہیئے کہ کارکنان "ساربان" کی حوصلہ افزائی کرے۔

پیغام

(از جناب مختار دیوبندی)

اے انسان! اپنی غفلت کو دور کر۔ ہوش میں آ۔ اور اپنے انجام کو دیکھ کہ تجھ کو کس قدر دشوار مسافت طے کرکے اپنی منزل مقصود پر پہنچنا ہے۔ تیری زندگی کی صبح ہو گئی اور دوپہر کی ظلمت کہ جس کی وجہ سے تو گمنامی کی تاریکیوں میں چھپا ہوا تھا آج زندگی کے لمحات نور سے مغلوب ہو کر کافور ہو چکی ہے۔ اور اس نادر موقعہ کو غنیمت جان اور منزل ہستی کے دشوار گذار اور پر خطر سفر کو خوشگوار بنانے کے لئے سرگرم کار ہو۔ یاد رکھ! اگر یہ زندیں اوقات تیرے ہاتھ سے نکل گیا پھر ہمیشہ ہمیشہ کے لئے کف افسوس ملنا پڑے گا۔ اور سوائے اس کے کوئی چارہ کار نہ ہوگا کہ تو بھی پہلی گمنامی کی طرح عالم زندگی میں بھی اسی طرح گمشدہ ہو کر فنا کے گھاٹ اتر جائے گا نہ جہاں پر نہ تیرا کوئی نام لیوا ہوگا اور نہ پرسان حال! اس لئے — اے غفلت کے متوالے انسان "اٹھ" اور اس قیمتی نعمت کو جو تجھے بے مانگے ملی ہے جن کی گمنامی اور ذلت کے ساحل کو کھول رہی ہے۔ پہچان — یہ نکتہ ہی دار مکافات میں وہی کامیاب رہ سکتا ہے جو عقل اور ہوش سے کام لیکر دنیا کے تمام نشیب و فراز کو سمجھتا رہے۔

صبح کی روشنی حقیقت میں تیرے لئے چراغ ہدایت جو کہ زندگی کے شاہراہوں کو بتلاتی ہے۔ پھر بھی اگر تو نہیں سمجھتا تو تیری فہم کا قصور ہے۔

"خیال کر اپنے اس زمانہ ماضیہ پر! کہ جب قدرت نے تجھ کو اپنے تمام رازوں کا محرم راز بنا کر اس ویران خانہ یعنی دنیا میں بھیج کر عطا دیا تھا۔ اگر روز ازل کا وہ فرمان تجھے اب کچھ بھی یاد ہے تو "اٹھ" اور اس وقت کو غنیمت شمار کر تا کہ اس منزل دنیا میں تمام پیش آنے والی مصیبتیں تجھ کو راحتیں معلوم ہوں۔ اور یہاں کی کوئی مضرت شے تیرے لئے مضر نہ ہو۔ اور دیکھ! اس طرح سے قدم بڑھا کہ منزل ہستی کا نشان تجھے مطلق بھی معلوم نہ ہو۔ بلکہ ہر ایک مخالف شے جو تجھ پر حملہ آور ہونے کے لئے اٹھے تجھ سے ٹکرا کر ایسی نیست و نابود ہو جائے کہ خود اس کا بھی پتہ نہ ملے۔

اے غافل انسان! تیری یہ غفلت تجھ کو قعر ذلت میں ڈبو دے گی۔ اور پھر تو نہ دین کا رہے گا اور نہ دنیا کا۔ تیری وہ تمام خصوصیات جن کی وجہ سے تو سب جانداروں پر فوقیت رکھتا ہے چھین لی جائیں گی۔ گویا تو اشرف المخلوقات کہلانے کا مستحق نہ رہے گا۔

خیال کر اگر تیرے کام اور اطوار ایسے ہو جائیں کہ حیوانوں کو تجھ پر ترجیح دی جا سکے تو پھر تو انسان کہلانے کا مستحق کیونکر ہو سکتا ہے۔

سوچ! اور غور سے دیکھ! کہ اگر تو اسی طرح دنیا میں اپنے کو بدنام کرتا رہا تو اس کا کیا حشر ہوگا۔ کیا تجھے اس کا ہیبتناک انجام معلوم ہے؟

دنیا کی دوسری ترقی یافتہ قومیں تیرے لئے نمونہ بنی ہوئی ہیں۔ ان سے نصیحت پکڑ اور عبرت حاصل کر۔ دنیا میں کام کرکے نام حاصل ہوتا ہے۔ اس لئے وہ کام کر کہ ہر ایک فرد بشر کی زبان پر تیرا نام ہو۔ اور دنیا کا بچہ بچہ تیرا مداح بنے — کیا تو یہ خیال کرتا ہے کہ یہ کام مشکل ہے؟ بیشک تیرا خیال صحیح اور درست ہے مگر کس کے لئے؟ اس کم ہمت کے لئے جو اپنے ارادوں کو دبا چکا ہو۔ ایک ایسے بزدل کے لئے جس کے تمام حوصلے پست ہو چکے ہوں۔ جس کا دل بہت ہی کمزور ہو بیشک ایسے شخص کو ذرا سی مصیبت بھی پہاڑ معلوم ہوتی ہے لیکن اگر کوئی ہمت سے کام لے اور بے خوف و پشیمانی تمام مصائب و تکالیف کا مقابلہ کرے تو کیا اس کے لئے یہ کام مشکل ہے؟ نہیں — ہرگز نہیں!

اے بادۂ غفلت کے متوالے انسان! تجھ کو بہت دن خواب خرگوش میں پڑے پڑے گذر گئے۔ اب بھی آنکھ کھول اور اس غفلت کو دور کرکے ترقی کے راستہ میں گامزن ہو۔ رحمت کی گھٹاؤں سے فیض حاصل کر۔ خدائی امداد وقت تیری مدد کے لئے تیار ہے۔ آدمی تو تولہ سے ڈرنا چھوڑ دے کسی قسم کا خوف نہ کھا۔ کیا تو اس ملک دیان کو بھول گیا جو روز ازل تیری مدد کر یگا عہدہ فرمایا تھا۔ وہ ضرور تیری مدد کریگا "اٹھ" اور ہمت سے کام لے۔

گھڑی کی آواز سے ہر وقت۔ وقت کے گذرنے کا پتہ دیتی ہے۔ اور وقت زبان حال سے اس طرح گویا ہے۔ "اے غافل انسان میری قدر کر۔ میں پھر واپس نہیں آ سکتا۔ میں وہ قیمتی شے ہوں کہ اگر تو دنیا کی تمام دولت کے عوض بھی تجھ کو ذرا سی دیر کے لئے واپس بلانا چاہے تو میرا آنا ممکن ہو۔ بس مجھے رائیگاں مت کھو"۔

مگر افسوس تیرا یہ حال ہے کہ تو اسکو اس طرح رائیگاں کھو رہا ہے کہ تجھ کو کبھی اس کا خیال بھی نہیں ہوتا۔ خیال کر! تو نے اپنی تمام زندگی میں کتنے کام نیک کئے ہیں جن سے تیری پسماندہ نسل تجھے یاد کر سکے — کتنے بھوکوں کو کھانا کھلایا — کتنے محتاجوں کو سیم و زر سے مالا مال کیا۔ کتنے سوالیوں کے سوالوں کو پورا کیا۔ یاد رکھ! یہ تمام عیش و عشرت تیرے کچھ کام نہیں آئے گی۔ یہ چند روزہ ہے۔ عقبیٰ میں کام آنے والی چیز یہی تیری نیکیاں ہیں۔ جو تو نے کسی کے ساتھ کی ہیں۔

بس اس چند روزہ آرام طلبی کو ترک کر اور دنیا پائیدار زندگی پر نظر دوڑا کر۔ یہ مثل حباب ہے۔ جو ہوا کے تند کے معمولی جھونکوں سے فنا ہو جاتی ہے۔ اب بھی کچھ زیادہ وقت نہیں گذرا۔ ہاں پھر کوشش کر "اٹھ" اور دنیا کو اپنی ہستی سے منور کر دے۔ تیری ہستی ایک ایسی ہستی ہو جس پر زمانہ ناز کرے۔ تو دنیا والوں کا سہارا ہو۔ عاجزوں کا ملجا و ماویٰ اور رنجیدہ دلوں کا غمگسار رہے۔ نہ صرف زندگی ہی میں تیری عزت و توقیر ہو بلکہ بعد مرنے بھی تیرا نام صفحۂ ہستی پر سنہری الفاظ میں لکھا ہوا قائم رہے۔

بچوں اور عورتوں کیلئے نئے فلموں کی ضرورت

(از قلم بابو وکرما دتیہ نگم ایم۔ اے۔ ایل۔ ایل۔ بی)

جب سے ہندوستان میں ٹاکیز کا پرچار ہوا ہے ہندوستانی سینما انڈسٹری دن بدن ترقی کر رہی ہے جس سے ہندوستانی زندگی میں ایک انقلاب سا پیدا ہو گیا ہے۔ عموماً سبھی فلم کمپنیاں ٹاکیز ہی تیار کر رہی ہیں۔ اور پہلے کی نسبت فلمیں بھی زیادہ تیار ہونے لگی ہیں۔ جہاں پہلے ایک سال میں ۔۔ فلمیں تیار ہوتی تھیں وہاں اب ۲۰۰ کا نمبر ہے۔ پہلے اگر ہندوستان میں ۔۔ فلم کمپنیاں تھیں تو اب ڈیڑھ سو دو سو تک نوبت پہنچ گئی ہے۔ اسی طرح ایکٹروں اور ایکٹریسوں کی تعداد بڑھ گئی ہے۔ اور یہی حال سینما دیکھنے والوں کا ہے۔

مگر یہ سب کچھ ہونے پر بھی ہندوستانی سینما انڈسٹری نے فلم آرٹ میں کوئی خاص ترقی نہیں کی ہے۔ فلم آرٹ تو درکنار ہمارے ہاں اب تک ایسی فلمیں نہیں ہیں جو ہمارے بچوں اور عورتوں کے لئے مفید ہوں۔ اگر ہم ہندوستانی ٹاکیز پر ذرا غور کریں تو فوراً پتہ چلیگا کہ اصل میں اب بچوں اور عورتوں کے لئے کوئی بھی ایسی فلم نہیں ہے جو انہیں کسی قسم کی تعلیم دے سکے۔ عورتوں کے لئے تو شاید چند ایک فلمیں ہیں بھی۔ لیکن بچوں کے لئے تو بلاشبہ ایک بھی فلم آج تک کسی بھی ہندوستانی کمپنی نے تیار نہیں کیا ہے۔ ان کے لئے سینما کا ہونا یا نہ ہونا دونوں برابر ہیں۔ موجودہ فلموں سے وہ نہ تو کوئی لطف حاصل کر سکتے ہیں اور نہ کوئی سبق ہی سیکھ سکتے ہیں۔ البتہ ان فلموں سے بری باتیں ضرور سیکھ سکتے ہیں۔ بچوں کی عادت ایسی ہوتی ہے کہ وہ عموماً ہر بات کی نقل بہت جلدی کر لیتے ہیں۔ خصوصاً بری باتوں کی تو۔ مثلاً کسی ایکٹریس کی چٹک مٹک۔ کسی کا گانا کسی کا کوئی مذاقیہ فقرہ۔ ان سب کی نقل کرتے ہیں ایسی حالت میں ہمارے بچوں کو سینما سے بھلا کیا فائدہ پہنچ سکتا ہے۔

اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ آخر اس کا علاج کیا ہے۔ ہمارے بچوں کو سینما سے کس طرح فائدہ پہنچ سکتا ہے۔ ان کے لئے کس قسم کی فلمیں تیار کرنی چاہئیں؟ اس میں شک نہیں کہ سینما بچوں کے لئے مفید ثابت ہوگا اگر ان کے لئے اچھی فلمیں تیار کی جائیں۔ اس لئے ہماری فلم ساز کمپنیوں کو چاہئے کہ وہ بچوں کے لئے بھی کچھ فلمیں تیار کریں۔ بچوں کے لئے اصلاحی۔ تعلیمی فلمیں مفید ہوں گی اور ان سے وہ لوگ کچھ سبق بھی حاصل کر سکیں گے۔ ساتھ ہی مذاحیہ فلمیں بھی ان کے لئے چاہئیں۔ ان سے انہیں آنند اور سکھ ملے گا۔ لہذا ان کے لئے ایسی ہی فلمیں تیار کرنا چاہئے۔

بعض لوگوں کا خیال ہے کہ سینما بچوں کے لئے نقصان دہ ہے۔ میرے خیال میں وہ لوگ غلطی پر ہیں۔ اس میں شک نہیں کہ آج کل کی فلمیں نقصان دہ ضرور ہیں مگر سینما خود بچوں کے لئے نقصان دہ نہیں ہے۔ سینما سے بچوں کو بہت سی نئی باتیں معلوم ہو سکتی ہیں اور ساتھ ہی وہ ان باتوں کو جلد بھی سیکھ سکتے ہیں۔ جو بات بچہ کلاس میں بیٹھ کر ماسٹر سے آٹھ دن میں سیکھے گا۔ وہی بات اگر سینما کے ذریعہ بتائی جائے تو ایک ہی دن میں سیکھ لیگا۔

اسی طرح عورتوں کے لئے بھی کوئی خاص فلمیں نہیں ہیں۔ اور اگر دو چار ایسی ہیں بھی تو وہ زیادہ اچھی نہیں۔ آج کل کی فلمیں تو ہماری عورتوں کو مغربی عورتوں کے آدرش سکھاتی ہیں۔ انہیں کالج میں بھی مغربی عورتوں کے آدرش سکھلائے جاتے ہیں۔ ایسی عورتیں بھارت کی آدرش مہلاؤں جیسے سیتا، ساوتری۔ میرا۔ تارا بائی۔ اہلیا۔ دمینتی، لیلاوتی کے آدرش کو ذرا بھی نہیں سمجھ سکتی ہیں اور اس پر طرہ یہ کہ ہمارے فلمساز بھائیوں نے اپنی فلموں میں مغربی عورتوں کے آدرش کو دکھا کر اور بھی بات بگاڑ دی ہے۔ سچ پوچھئے تو ہمارے ہاں کی عورتیں آجکل مغربی رنگ میں رنگی جا رہی ہیں۔

اس لئے ہندوستانی فلم کمپنیوں کو چاہئے کہ وہ ہندوستانی عورتوں کا خیال رکھیں اور ان کے بھلے کی فلمیں تیار کریں۔

ہماری فلم کمپنیوں کو وہ فلمیں تیار کرنی چاہئیں۔ جو ہماری عورتوں کے لئے مفید ہوں۔ جو ہماری عورتوں کو بھارتیہ مہلاؤں کے آدرش کو سکھا سکیں جو انہیں نیک چلن رہنا بتائیں۔ جو انہیں آدرش اور مہذب مہلا بنا سکیں۔ اور انہیں اپنے دھرم پر چلنا! اپنے کرتویہ کا پالن کرنا! اپنے پتی کی سیوا کرنا سکھا سکیں۔ جو انہیں سیتا، ساوتری کی مانند بنا سکیں۔

ہمارے فلمساز بھائیوں کو سمجھ لینا چاہئے کہ آج کل کی فلمیں ہماری عورتوں کے لئے نقصان دہ ہیں اور ان سے ہماری عورتیں آدرش گرہنی نہیں بن سکتیں۔

اس لئے امید کی جاتی ہے کہ ہندوستانی فلم کمپنیاں اب ایسے فلم بھی تیار کریں گی جو ہماری عورتوں کے لئے مفید ہوں۔ جب ہی ہمارا دیش ترقی کر سکتا ہے! ہماری اولاد بھی ہونہار ہو سکتی ہے اور ہمارے دیش کی قسمت جاگ سکتی ہے۔

(خط و کتابت کرتے وقت چٹ نمبر کا حوالہ ضرور دیا کریں)

"فیمی گولا" کے دو سین

جناح فیوچرس کا سنسنی خیز فلم دوکہ بکچر ہاؤس میں چل رہا ہے
جاری کردہ — نوبل ود ٹاکیز ڈھاکہ

"دو جیون" کا ایک سین

اجنتا سینیٹون کا مشہور کھیل دوکہ میجسٹک سینما میں چلنے والا ہے

Regd. No. 1517.

مس نادیا

وادیا ووڈون کا مس ودیا جوکہ "ارنکھیڑ محل" میں کام کرتی ہے

Printed and Published by Dharampal Gupta at the TEJ Press, Burn Bastion Road, Delhi.

منظر صبح

ساحل بمبئی پر آفتاب طلوع ہو رہا ہے

ہفتہ کی مشہور شخصیتیں

سر عبدالرحیم
صدر اسمبلی
جن کے کاسٹنگ ووٹ سے مسٹر بی۔ داس کے بل پر حکومت کو کامیابی ہوئی

مفتی مہاراج بہادر صاحب "برن" جو ۱۳ فروری کو اس جہان فانی سے کوچ فرما گئے

مسٹر بھولا بھائی دیسائی
جنہوں نے سیاسی قیدیوں کے متعلق تحقیقاتی کمیٹی مقرر کی ہے

سر آغا خان
جو دہلی آئے ہوئے ہیں

مسٹر بی۔ داس
ممبر اسمبلی
جنہوں نے قانون ترمیم ضابطہ فوجداری کی تنسیخ کا بل پیش کیا

مسٹر فضل الحق
میئر کلکتہ کارپوریشن
جنہوں نے کارپوریشن کے انتخابات کے متعلق خلافت کانفرنس اور مسلم مجلس کے رویہ کی مذمت کی

لارڈ لنلتھگو
ہندوستان کے آئندہ وائسرائے
جنہوں نے اپنی آئندہ ذمہ داریوں کے متعلق لندن میں تقریر کی

مسٹر ایم۔ اے۔ جناح
جنہوں نے پنجاب کے مسلمانوں کو سول نافرمانی ترک کرنے کا مشورہ دیا ہے

مسٹر لال چند نول رائے
جن سے نیشلسٹ پارٹی نے جواب طلب کیا ہے کہ انہوں نے مسٹر بی۔ داس کے بل پر پارٹی کے ساتھ ووٹ کیوں نہیں دیا

لو آگئے
فلکو ریڈیو
۱۹۳۶
JUST ARRIVED!
the NEW 1936
PHILCO
فلکو نمبر ۱۴۱
ڈی ۔ سی کرنٹ
فلکو نمبر ۶۱۱
یوں تو کہنے کو آج آپکو ہزاروں قسم کی ریڈیو مشینیں دوکانداروں کے ہاں مل سکتی ہیں لیکن جو اشخاص علم موسیقی سے کچھ دلچسپی رکھتے ہیں۔ وہ ایسا آلہ چاہتے ہیں جس کو سنکر یہ معلوم ہو کہ واقعی کوئی آدمی گا رہا ہے ایک عرصہ کی عظیم محنت اور زر کثیر صرف کرنیکے بعد یہ فلکو مشین تیار کیگئی ہے جس کو سنکر آپ یہ خیال کرینگے کہ پردہ مشین کے پیچھے کوئی آدمی سریلی آواز سے گا رہا ہے یہی نہیں بلکہ لیکچر وغیرہ بھی درست طور پر سنائی دیتے ہیں۔
تجربہ مفت
آج ہی ذیل کے لکھے پتہ پر خط ڈالدیجے یا ٹیلیفون کر دیجے۔ ہمارا نمایندہ آپ کی خدمت میں معہ مشین کے حاضر ہوگا،
ایسٹرن ریڈیو اینڈ جنرل سپلائی کمپنی کیناٹ پلیس (بارہ کھمبا) نئی دہلی پوسٹ بکس ۱۵
تار کا پتہ۔ ایسٹرن نئی دہلی
طالب علموں کے لئے خاص رعایت ہے
ٹیلیفون نمبر ۳۴۱۴
ہمارے ایجنٹس
میسرز ردہی ورما سٹیل ورکس انبالہ کینٹ
یہ ڈی ۔ سی اور اے ۔ سی دونوں کرنٹ پر کام کرتا ہے
مسٹر سی ۔ ایم سویٹ ریڈیو اینڈ مکینیکل انجنیئر مسوری
میسرز نرائن ریڈیو کمپنی حضرت گنج لکھنؤ
الفنسٹن گیرج سول لائن جھانسی
میسرز ورلڈ ریڈیو سروس ڈیرہ دون (یو۔ پی)
مسٹر ایچ ۔ ہوٹز الیکٹریکل اینڈ مکینیکل انجنیئر آگرہ
کشمیر ریڈیو کمپنی سری نگر کشمیر

یاترا

(از جناب منشی تلوک چند صاحب محروم بی اے)

(خاص تیج دہلی کے لئے)

جھمیلوں سے دنیا کے بیزار ہو کر — صداقت قریں وقفِ ایثار ہو کر
خمارِ خودی توڑ کر نفسِ دوں کا — شرابِ محبّت سے سرشار ہو کر
کئے بند چشمانِ باطل نگر کو — حقیقت کے عالم میں بیدار ہو کر
لئے اک جہاں دل میں بیتابیوں کا — سراپا تمنائے دیدار ہو کر
عقیدت کے پھولوں کو دامن میں لے کر — چلا یاتری گھر سے تیار ہو کر

پہنچ جانے منزل پہ خواہش یہی ہے
اُسے اپنے معبود کی لَو لگی ہے

یہی آرزو گدگداتی ہے اُس کو — اڑاتی ہوئی لے کے جاتی ہے اُس کو
قریب آتی جاتی ہے جوں جوں وہ منزل — ہوا اور بے خود بناتی ہے اُس کو
جو مایوس ہو کر گرے راستے میں — یہ دے کر سہارا اُٹھاتی ہے اُس کو
فضا کشورِ دوست کی جانفزا ہے — یہ مرجائے تو بھی جلاتی ہے اُس کو
لپکتا ہے یہ مثلِ پروانہ اُس پر — کرن نورِ حق کی بُلاتی ہے اُس کو

سفر ہے یہی مایۂ شادمانی
اسی کو سمجھ غایتِ زندگانی

(از شریت بی۔ ایم۔ لال صاحب ماتھر)

گذشتہ سے پیوستہ

(خاص نیج ریکل کے لئے)

جدّہ کا بیان

جدّہ بحر قلزم کے کنارے مکّہ سے چالیس پینتالیس میل کے فاصلے پر ایک بندرگاہ ہے۔ یہ ایک پرانا قصبہ ہے۔ سڑکیں اور گلیاں اس کی تنگ و تاریک۔ ٹیڑھی اور بے قرینہ ہیں۔ بہت سے مکان اس کے چھ چھ منزل بلند ہیں جو حاجیوں کے ٹھہرنے کے لئے بنے ہوئے ہیں۔ معمولی آبادی اس کی بیس ہزار کے قریب ہے۔ مگر رمضان کے مہینے میں یہاں لاکھ کے قریب آدمیوں کا اژدہام رہتا ہے۔ یہاں ہر ملک کے مسلمان ملتے ہیں۔ جو حاجی سمندر کی راہ سے حج کو جاتے ہیں وہ جدّہ کی بندرگاہ پر اُترتے ہیں۔ جہاز سے اُترنے سے قبل ہی حاجی اپنے کپڑے اُتار کر احرام کے کپڑے پہن لیتے ہیں۔ اور جو حاجی خشکی کے راستے حج کرنے آتے ہیں۔ وہ مکّے سے تیس میل ورے اپنی سواریوں سے اُتر کر پاپیادہ ہو جاتے ہیں۔ احرام کی پوشاک سر منڈا کر اور غسل کر کے پہنی جاتی ہے۔ عورتیں جو حج کو جاتی ہیں ساڑھی کی طرح ایک چادر بدن پر لپیٹ لیتی ہیں اور چہرہ پر نقاب لگاتی ہیں۔ ضعیف مرد اور عورتیں اونٹوں پر بنے ہوئے کجاوُوں میں چلتی ہیں۔ مکّہ اور اس کے گرد و نواح کی تمام زمین مقدس خیال کی جاتی ہے۔ وہاں نہ کوئی شخص کسی جانور کو ایذا پہنچا سکتا ہے۔ نہ کوئی درخت اور جھاڑی کاٹ سکتا ہے۔ مکّہ کے دائیں بائیں دونوں طرف پہاڑیاں ہیں۔ جن پر ترکوں کے تین قلعے بنے ہوئے تھے جن پر ترکی فوج رہتی تھی۔ مکّہ کے وسط میں خانہ کعبہ ہے۔ جس پر دو سیاہ ریشمی پردے آویزاں رہتے ہیں۔ جن کے حاشیہ پر سونے کی تاروں سے نہایت خوبصورتی کے ساتھ قرآن شریف کی آیتیں بنی ہوئی ہوتی ہیں۔ یہ پردے ہر سال بدلے جاتے ہیں۔ ان میں سے ایک تو دمشق میں تیار ہو کر ترکی سلطنت کی جانب سے چڑھایا جاتا تھا اور دوسرا خدیو مصر کی جانب سے تیار ہو کر آتا تھا۔ نئے پردے آنے پر پرانے پردوں کے ٹکڑے کر دیئے جاتے ہیں جن کو لوگ تبرک کے طور پر لے جاتے ہیں۔

شریف حسین اور اس کے لڑکوں کا مکّہ۔ مدینہ اور جدّہ پر حملہ آور ہونا

مکّہ کی لڑائی

شریف حسین نے مکّہ پر حملہ کرنے کا کام اپنے ہاتھ میں لیا۔ اور شریف فیصل اور شریف علی اپنے دو بیٹوں کو مدینہ پر حملہ کرنے کے لئے مقرر کیا۔ حملہ کے روز شریف حسین اپنے ہمراہیوں کو لے کر حملہ کرتا ہوا اچانک شہر کے دروازوں میں گھس گیا۔ اور شہر کے بازار۔ مسجد الحرام اور کعبہ پر قبضہ کر لیا اور چند روز تک ترکوں کے قلعوں پر حملے کرتا رہا۔ ترک قلعوں پر سے شریف حسین اور اس کے ہمراہی عربوں پر گولے برساتے رہے۔ لیکن آخر کار عربوں کے اژدہام نے ترکوں پر غلبہ پا لیا۔

جدّہ کی لڑائی

جدّہ ایک بندرگاہ ہے۔ شورش کرنے سے پہلے شریف حسین کا انگریزوں سے سمجھوتہ ہو گیا تھا۔ کہ جس روز یہ لوگ جدّہ پر حملہ کریں انگریزوں کے جنگی جہاز ان کی مدد کو پہنچ جائیں۔

چنانچہ جس وقت عربوں نے ترکوں پر حملہ کیا۔ انگریزوں کے پانچ جنگی جہازوں نے سمندر میں سے اُن پر گولے برسانے شروع کر دیئے جس کی وجہ سے ترک مغلوب ہو گئے جدّہ پر قبضہ کرنے میں عرب کامیاب ہو گئے اور ایک ہزار ترک اور جرمن عربوں کے اسیر ہو گئے۔

مدینے کی لڑائی

شریف حسین کے لڑکے شریف فیصل اور شریف علی شمالی حجاز کے عربی لوگوں کو اکٹھا کر کے مدینہ پر حملہ کرنے کے لئے روانہ ہوئے اور جو

(باقی مضمون صفحہ ۳۶ پر)

دنیا کی پہیلی

شری اروند جی کے خیالات

یہ مضمون جو ہمیں پانڈیچری سے موصول ہوا ہے. سری اروند جی کے حقائق آمیز فلسفہ کو سمجھنے کے لئے ان کے بہترین مضامین میں سے ہے. اسے دو اقساط میں شائع کیا جائے گا امید ہے کہ اس دنیوی زندگی اور حیات کی پہیلی سمجھنے میں ناظرین کیلئے باعث دلچسپی ہوگا (ایڈیٹر)

از رازِ باطن تجربے سے ظاہر کی روحانی تجربہ اس سے انکار نہیں کرے گا کہ یہ دنیا ایک ایسا مقام ہے جس پر تمام معصیت اور شر کا مضبوط شکنجہ جکڑتا ہے. دراصل یہی استدراک ہر شخص کے لئے روحانی زندگی کا آغاز کن نقطہ ہوتا ہے. بجز ان قلیل التعداد افراد کے جن پر تجربہ عالیہ اپنے آپ کو دفعتاً ظاہر کر دیتا ہے. وجود ظہور کے تمام سلسلہ پر چھائی ہوئی تاریکی کے باوجود مغلوب کن اور اذیت آمیز احساس سے مجبور ہو کر اس کی پناہ نہیں لیتے. پھر بھی یہ سوال باقی رہ جاتا ہے آیا یہی صورت حالات تمام ظہور کی اصلی نوعیت ہے. جیسا کہ دلیل جہت کے ساتھ بتایا کرتے ہیں یا کم از کم جب تک مادی دنیا کا وجود ہے تب تک اس کی نوعیت بالطبع یہی رہنے والی ہے چنانچہ رہبانیت نو لیسی سزم ظہور یا ارادہ تخلیق اولین گناہ ہے اور تولید یا ظہور سے کنارہ کشی نجات کا واحد ذریعہ. ان کثیر التعداد اشخاص کے لئے جو یہ یا اس سے مشابہ نقطۂ نظر رکھتے ہیں. گو اس کے مشہور و معروف راستے اور روحانی وابستگی کے سیدھے اور مختصر ذرائع موجود ہیں. لیکن یہ نکتہ بھی یکساں وثوق کے ساتھ پیش کیا جا سکتا ہے کہ یہ نظریہ غلط ہے اور ہم اپنی نادانی یا علم ناتمام کی وجہ سے خلقت کی اصل صورت نہیں پہچانتے ہیں چنانچہ یہ بھی اغلب ہے کہ دھوکہ خرابی اور معصیت فطرت میں ظہور اور پیدائش کی عین شرط اور اصلیت ہونے کی بجائے صرف ایک مغلوب کن عارضہ ہوں دریں صورت عقل عالیہ کا تقاضہ یہ ہوگا کہ ہم دنیا و مافیہا سے گریز کرنے کی بجائے اس کے اندر کر عازم ظفریابی ہوں اور اس کے پس پشت رہنے والی مشیت الٰہی کے کاموں میں رضامندانہ اتحاد عمل برت کر کمال کے روحانی دروازہ کی دریافت کریں. یہ دریافت الٰہیانہ مکمل معرفت اور قوت کے براہ راست نزول کا راستہ کھول لینے کے مترادف ہوگا

تمام نزر روحانی تجربے اس امر سے اثبات کرتے ہیں کہ اس سریع الزوال عالم مظہر سے اوپر اور اس شعور محدود سے پرے جس کے تنگ احاطہ کے اندر ہم ٹٹولتے اور جانفشانی کرتے پھرتے ہیں ایک ایسی ذات قیوم واقع ہے جس سے بیکرانی عین الوجودی تجلی مطلق اور خط غیر مشروط منسوب کئے جاتے ہیں.

بس اب سوال یہ ہے کہ لاہوت اور ناسوت کے درمیان کیا کوئی خلیج ناقابل عبور واقع ہے. یا کہ یہ دونوں باہم دائم المخالف ہیں اور ذات لایزال تک پہنچنے کی ناگزیر شرط یہی ہے کہ ہم اس زمانی مہم سے پیچھا چھڑائیں اور اس خلیج کے پھلانگ ماریں. اس سلسلہ تجربہ کا جس کو بودھ مذہب نے حاکمال تک پہنچا دیا ہے آخری نتیجہ تو ایسا ہی معلوم دیتا ہے اور یہی توحیدی روحانیت کا بھی خود اس تجربہ کی پیروی غائیت درجہ تک نہ کرتے ہوئے بھی اور الٰہیت اور دنیا کا کسی قدر تعلق قبول کرتے ہوئے بھی انجام کار ان کے تضاد کو یہ کہہ کر پیش کرتی ہے کہ ان میں سے ایک حقیقی ہے اور دوسرا مجازی لیکن اگر ہم ذات الٰہی کے مظاہرہ کو چھوڑ کر اس کی اصلیت کی جانب رجوع ہوں تو ہم ایک اس امر کے غیر مشکوک تجربہ سے دوچار ہوتے ہیں کہ وہ یہاں ہر چیز کے اندر اسی قدر موجود ہے جیسا کہ وہ ہر چیز سے اوپر اور ہر چیز کے محیط میں ہے اور یہ کہ کل اسی میں ہے اور کل وہی ہے. یہ ایک پر معنی اور بصیرت افروز حقیقت ہے کہ ذات مطلق کا جاننے والا دنیا میں حرکت و عمل کرتے ہوئے اور اس کے تذبذبات برداشت کرتے ہوئے بھی ایک قسم کے انتہانہ و غیر مشروط سکون تجلی اور خط میں زندگی بسر کر سکتا ہے. چنانچہ یہ امر واضح ہے کہ یہاں تذکرہ بالا سخت و کرخت تضاد محض کی بجائے کوئی دوسری چیز ہے یعنی ایک ایسا رمز اور ایک ایسا مسئلہ ہے جو اس تضاد کی بہ نسبت ایک کم انتہا پسندانہ طریق پر حل پذیر ہو سکتا ہے. یہ روحانی امکان اپنے آپ سے پرے کی طرف اشارہ کرتا ہے اور ہماری گری ہوئی زندگی کی ظلمت میں ایک شعاع امید بہم پہنچاتا ہے.

اب ایک پہلا سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ آیا یہ دنیا ہمیشہ سے یکساں مظہرات کے غیر تبدیلی پذیر تواتر کا استمرار ہے یا کہ اس کے اندر کوئی اور ارتقائی عزم یا کوئی ارتقائی حقیقت بھی ہے. یعنی ایک ایسا زینۂ معراج جو ایک ابتدائی اور ظاہری غیر شعوریت سے لے کر ایک روبہ شگفتگی شعور کی طرف چلا جاتا ہے. اور ہر شگفتگی سے عروج کرتا ہوا ان مدارج عالیہ پر پہنچتا ہے جن تک معمولی طور سے ہماری رسائی نہیں ہو سکتی.

(باقی اگلے صفحہ پر)

(پچھلے صفحہ سے)

بالفرض اگر یہ نظریہ ارتقا درست ہو تو اس معراجی ترقی کے معنی اس کے بنیادی اصول اور منطقی نتائج کیا ہوں گے؟ ہر شے ایک ایسے معراجی سلسلہ کی صداقت کا اشارہ کرتی ہے جس سے نہ صرف طبعی بلکہ روحانی ارتقا بھی منسوب ہے۔ یہاں بھی انسانی تجربہ کا ایک سلسلہ موجود ہے جو نظریہ زیر بحث کا مستوجب ہوتا ہے اور جس کے وسیلے سے اس امر کا انکشاف ہو جاتا ہے کہ جس غیر شعوریت میں کُل ماسوا کا آغاز واقع ہوتا ہے وہ محض ظاہری ہے۔ کیونکہ اس کی تہ میں لا انتہا امکانات رکھنے والا ایک عالمگیر بیکراں اور لامحدود شعور موجود ہے۔ اس ظاہری غیر شعوریت میں سے ہر امکان یکے بعد دیگرے منکشف ہوتا ہے۔ پہلے اپنے اندر رُوح کو پوشیدہ رکھنے والا مادہ منظر کا ظہور ہوتا ہے۔ پھر نباتات میں ہویدا ہونے والی حیات معرض اظہار میں آتی ہے جو حیوانات کے اندر ایک گونہ ذہنیت کے ساتھ ملی جلی ہوتی ہے اور ازاں بعد ایک منظم ذہنیت انسان کے اندر اپنے آپ کو آشکارا کرتی ہے۔ یہ ارتقا۔ یہ معراجی ترقی کیا اسی ناقص ذہنی ہستی پر جسے انسان کہا گیا ہے آ کر رُک جاتی ہے؟ یا ایک ایسے آواگون کا تواتر ہی اس کا راز ہے جس کا واحد مقصد یا انجام اس مرحلہ تک پیر گھسیٹتا ہوا جہاں پہنچنے کے بعد حرکت ارتقا کو اپنی نارسائی کا علم ہو۔ اور وہ اپنی ہستی سے دست بردار ہو کر ایک اعلیٰ اور نظیر مظہر وجود میں یا کسی قسم کی نیستی میں اپنے آپ کو معدوم کر دے۔ کم از کم ایک اس امر کا امکان معلوم ہوتا ہے۔ بلکہ ایک خاص نقطہ پر پہنچنے کے بعد یقین ہو جاتا ہے کہ جس شے کو ہم ذہن کہتے ہیں اس سے بھی بدرجہا عظیم تر ایک شعور ہے اور یہ کہ آئینۂ ارتقا کے ذہنی مدارج سے اوپر اُٹھنے پر ہم ایسے مقام پر پہنچ سکتے ہیں۔ جہاں مادی غیر شعوریت اور حیاتی و ذہنی جاہلیت کا تصرف نہیں رہتا اور ایک اصلی شعور کا ظہور ممکن ہو جاتا ہے جو عقیدۂ الہیت کو جزوی اور ناقص طور سے نہیں بلکہ بنیادی طور سے اور تمام و کمال ابھار سکتا ہے۔ اس نظریہ کے ماننے والوں پر سے ارتقا کی ہر ایک منزل اپنے سے بلند تر ایک قوت شعور کے نزول کا نتیجہ دکھائی دیتی ہے۔ جس سے طبقۂ ارضی ترقی پا کر اپنے اندر ایک نئی شے کا اضافہ کرتا رہتا ہے پھر بھی اعلیٰ ترین قوائے شعور نازل ہونے کو باقی ہیں اور ارضی وجود کا رمز اسی وقت حل ہوگا۔ اور نہ صرف روح بلکہ فطرت بھی اسی وقت نجات پائے گی جبکہ یہ پردے زمین پر اتر آئیں گے۔ یہ وہ صداقت ہے جس کی جھلکیں دیکھی جا چکی ہیں۔ رِگ ویدی رشیوں (رہبروں) کی برسپل (شیرو) جنہیں تنترنے دیر بھاؤ (بہادرانہ رویہ) اور دیو بھاؤ (قدسیانہ رویہ) کے ساد ھک موسوم کیا ہے۔ اس سے لگاتار ترقی پذیر مقدار سے دوچار ہوتی آئی ہیں۔ اور ممکن ہے کہ اب وہ صداقت اس مرحلے کے عین قریب پہنچنے کو ہو جہاں اس کا پورا انکشاف اور تجربہ ہونے والا ہے۔ چنانچہ دنیا کے اندر کشمکش، مصیبت اور ظلمت کا بار کتنا ہی بھاری کیوں نہ ہو۔ اگر اس سے گراں قدر نتیجہ برآمد ہونے والا ہو تو مطبوط اور دلیر ہستیاں آنے والی رونق کے پیش نظر سابقہ سرگذشتوں کو ایک بڑی بھاری قیمت نہیں گردانیں گی۔ بہرحال اب اندھیرا اُٹھتا جا رہا ہے اور نور قبلی ایک دور دراز کی ناقابل دسترس جھلک کی حیثیت رکھنے کی بجائے اب دنیا پر جھکتی چلی آ رہی ہے۔

اس میں شک نہیں کہ یہ مسئلہ اب بھی رہ جاتا ہے کہ جو کچھ ابھی تک ہوتا آیا اس کی ضرورت کیوں پیش آئی۔ ہمیں ان کلیف خسر رسات اور اس طویل و پُر طوفان سفر سے کیوں گذرنا پڑا۔ یہ بھاری اور صبر آزما قیمت ہم سے کیوں مانگی گئی۔ غرض ان غم اور حوادث کا ایک دم کے لئے بھی ہونا کیوں ضروری ہوا؟۔ جاہلیت میں تنزل کے کس طرح کی نسبت بہ مقابلہ کیوں۔ یعنی متاخرہ کے تمام روحانی تجربات کے درمیان ایک بنیادی اتفاق ہے۔ سب اس بات کو قبول کرتے ہیں کہ یہ تنزل، تفریق اور جدائی کے باعث پیش آیا یعنی ذات قیوم و واحد سے علیحدگی کا اصول ہی اس کی علت فاعلیہ ہے۔ خودی نے بطور خود اپنے دعاوی پیش کرنے شروع کئے۔ اس نے الہیت اور ماسوا کے ساتھ اپنی وحدت پر ذاتی خواہش اور خود اثباتی کو ترجیح دی۔ چنانچہ اعلیٰ ترین قوت، معرفت اور تجلی کی جانب سے تمام کا انسانی طاقتوں کی ہم آہنگی عمل میں آنے کی بجائے ہر طاقت اور ہر صورت کو نامحدود ممکنات

تیج ویکلی

آئینۂ خیال

مؤرخہ ۱۸ فروری ۱۹۳۶ء منگل وار

"زنانہ تحریک"

قومی اور بین الاقوامی نقطۂ نگاہ سے

بہت دنوں سے دنیا کے مختلف ممالک میں ایک "زنانہ تحریک" جاری ہے جس کا مقصد یہ ہے کہ عورتوں کے وہ حقوق جو مردوں کے بنائے ہوئے قوانین معاشرت اور زنگ آلود رسم و رواج کی بنا پر پامال کر دئے گئے ہیں یا چھین لئے گئے ہیں ان کو حاصل کر کے عورتوں کو اس قابل بنا دیا جائے کہ وہ ایک آزاد فضا میں سانس لے سکیں اور ترقی و تمدن کے میدان میں مردوں کے دوش بدوش کھڑی ہو کر قومی اور بین الاقوامی معاملات میں حصہ لے سکیں۔ یہ مقصد اگرچہ مختلف ممالک میں مختلف نوعیتیں رکھتا ہے اور اپنے اپنے تمدن و تہذیب کے ماحول کے باعث بظاہر جداگانہ مسائل کی صورت میں سامنے آتا ہے، لیکن حقیقت میں ایک ہی ہے۔ اور چونکہ انسان کی فطرت ہر جگہ ایک سی ہے اس لئے اس کے مفاد و ترقی کا عام مسئلہ بھی یکساں ہے۔

اسی بنیادی خیال کو شریمتی سروجنی دیوی نے "انٹرنیشنل کونسل آف ویمن یعنی زنانہ بین الاقوامی انجمن" کی نمائندہ خواتین کا دہلی میں خیر مقدم کرتے ہوئے ظاہر کیا ہے۔ یہ بین الاقوامی کونسل ۱۸۸۸ء سے قائم ہے اور اس کے تحت میں چودہ اسٹینڈنگ کمیٹیاں کام کرتی ہیں۔ عورتوں کے مسائل کے متعلق ہر کمیٹی کا دائرۂ عمل جداگانہ ہے؛ مثلاً عورتوں کی تجارت، بچوں کی پرورش، تعلیم، عورتوں کا حق رائے دہی، عورتوں کے معاشی حقوق وراثت، اور حق ملازمت وغیرہ۔ اس زنانہ کونسل کی طرف سے کچھ نمائندہ خواتین دنیا کے مختلف ممالک کا دورہ کر رہی ہیں۔ اور اسی سلسلہ میں وہ ہندوستان بھی آئی ہیں۔ اور ان کا ایک جلسہ شریمتی سروجنی دیوی کی صدارت میں گزشتہ سوموار کو دہلی میں منعقد ہوا ہے جس میں زنانہ تحریک کے قومی اور بین الاقوامی پہلوؤں پر کافی روشنی ڈالی گئی ہے۔

تمام ترقی یافتہ ممالک میں ترقی یافتہ اور روشن خیال عورتیں زنانہ حقوق حاصل کرنے کے لئے جدوجہد کر رہی ہیں۔ ہندوستان میں بھی زنانہ تحریک جاری ہے اور آئے دن جو خواتین کانفرنسیں منعقد ہوتی رہتی ہیں ان سے ظاہر ہے کہ اس تحریک نے کافی طاقت حاصل کر لی ہے۔ اور وہ دن دور نہیں ہے جب مردوں کے لئے عورتوں کے جائز مطالبات سے مزید چشم پوشی ناممکن ہو جائے گی۔ شریمتی سروجنی دیوی نے اپنی تقریر میں جو کچھ کہا ہے اسے ہم اس حد تک تسلیم کرتے ہیں کہ "ترقی یافتہ خواتین خواہ وہ کسی قوم و ملک سے تعلق رکھتی ہوں یا کوئی زبان بولتی ہوں، مخلصانہ خدمت کی ایک ایسی وسیع یگانگت اور ہم آہنگی میں اعتقاد رکھتی ہیں جو مشرق و مغرب میں کوئی امتیاز نہیں کرتی۔" پھر بھی ہم یہ کہے بغیر نہیں رہ سکتے کہ اس بنیادی اصول سے قطع نظر چونکہ ہر قوم و ملک کی تہذیب اور روایات جداگانہ ہیں، اس لئے عورتوں کے طلب حقوق کی صورتیں اور منزلیں بھی مختلف ہیں۔ مثلاً انگلستان میں آج عورتوں کو جو حقوق حاصل ہیں وہ صدیوں کی جدوجہد کا نتیجہ ہیں۔ ترقی یافتہ ممالک میں عورتیں اگر مردوں سے مساوات کے جدید ترین حقوق حاصل کر رہی ہیں تو ہندوستان میں ابھی زنانہ تعلیم، رسم پردہ اور طلاق کا مسئلہ ہی زیر بحث ہے اور مختلف الخیال حلقوں میں اختلاف رائے کا باعث بنا ہوا ہے۔ یہ ایک حقیقت ہے کہ تمام ممالک و اقوام کے آخری منتہا مد ایک ہی ہیں مگر ابتدائی منزلوں میں بہت بڑا فرق ہے۔ اور اس اعتبار سے غالباً ہندوستان ابھی بہت پیچھے ہے اس لئے ضرورت ہے کہ اس قومی مسئلہ کو بہترین اتحاد عمل، ہمدردی، تجربہ اور تبادلۂ خیالات کی امداد سے حل کیا جائے۔

سینما کے ذریعہ دیہات سدھار

حکومت پنجاب نے نصف لاکھ روپے کی رقم اس لئے منظور کی ہے کہ اس صوبہ میں سینما کے ذریعہ دیہات سدھار پر خرچ کی جائے۔ اور تقریباً اس سے کچھ رقم اسی مقصد کے لئے براڈکاسٹ کے سلسلہ میں مقرر کی گئی ہے۔ کہا جاتا ہے کہ پنجاب گورنمنٹ نے اس مسئلہ پر اچھی طرح غور کر لیا ہے اور اس سلسلہ میں وہ فلم کی طاقت پر پورا یقین رکھتی ہے۔ تاکہ اس کے ذریعہ دیہاتیوں کو یہ سمجھایا جائے کہ ایک صاف ستھرے اور صحت بخش گاؤں میں، اور ایک گندے اور میلے گاؤں میں کیا فرق ہے، اور اس کے علاوہ ان سینکڑوں مسائل پر روشنی ڈالی جائے جن کا تعلق دیہات سدھار سے ہے۔

دیہاتوں کی اصلاح و بہبود کا کام خواہ کسی ایجنسی یا کسی ذریعہ سے کیا جائے اس سے اختلاف رائے نہیں کیا جا سکتا۔ اور ہم اسے بھی تسلیم کرتے ہیں کہ سینما اس طرح کی تعلیم کا ایک نہایت موثر ذریعہ ہے، کیونکہ ٹکٹ کے پیسے خرچ کئے بغیر اگر غریب دیہاتیوں کو سینما دیکھنے کے مواقع ہاتھ آئیں گے تو وہ ضرور ان تماشوں سے متاثر ہوں گے اور ان کے فائدہ مند پہلوؤں پر عمل کرنے کا شوق ان کے دل میں پیدا ہوگا؛ لیکن سوال یہ ہے کہ آیا حکومت مخلصانہ طور پر دیہات سدھار کی خواہشمند ہے، اگر ایسا ہے تو وہ دیہات سدھار کرنے والی دوسری انجمنوں سے تعاون کر سکتی ہے۔ ایسا نہیں ہونا چاہئے کہ یہ رقم صرف کھیل تماشے میں ضائع ہو کر رہ جائے۔ یا دیہاتوں میں سینما اور براڈکاسٹنگ کو کسی دوسری طرح کے پروپیگنڈا کا ذریعہ بنا لیا جائے۔

کنگ جارج کے جمع کئے ہوئے ڈاک کے ٹکٹ

ملک معظم جارج پنجم نے اپنی مدت العمر میں برطانی امپائر کے تمام مختلف حصوں کے وہ ٹکٹ جمع کئے تھے جو ڈاک کے لئے چھاپے اور استعمال کئے گئے تھے۔ یہ بھی ایک دلچسپ حقیقت ہے کہ وہ اپنے امپائر کے علاوہ اور کسی ملک کا ٹکٹ جمع نہیں کرتے تھے۔ ٹکٹوں کا یہ مجموعہ دس جلدوں پر مشتمل ہے اور ہر جلد میں سائٹھ صفحات ہیں۔ اسٹامپ کے ماہرین اس مجموعہ کو دنیا کا نادر ترین مجموعہ سمجھتے ہیں اور اس کی قیمت غیر سرکاری طور پر چار لاکھ پونڈ لگائی گئی ہے۔ ٹکٹوں کی مجموعی تعداد تقریباً پچاس ہزار اور ستر ہزار کے درمیان ہے۔ اس مجموعہ کی نمائش کبھی پبلک میں نہیں ہوئی ہے۔ اسے بکنگھم پیلیس میں صرف رائل فلاٹیلک سوسائٹی کے ارکان نے اور چند برطانی یا غیر ملکی معزز ماہرین اسٹامپ نے دیکھا ہے۔ اور اس میں جو بعض نہایت ہی نادر ٹکٹ ہیں ان کو ایک فلم بنا کر پوسٹ آفس کے ذریعہ پچھلے سال دکھلایا گیا تھا۔ اس فلم کا نام "کنگز اسٹامپ" ہے جس کی نمائش بیس منٹ میں ختم ہوتی ہے۔ اب ملک معظم جارج پنجم کی وفات کے بعد ماہرین اسٹامپ کے حلقوں میں اس امر پر خیال آرائیاں ہو رہی ہیں کہ دنیا کے اس نادر مجموعہ کا مستقبل کیا ہوگا۔ بہتر تو یہ ہے کہ اسے برٹش میوزیم میں رکھا جائے تاکہ پبلک بھی اسے دیکھ سکے!

منشی مہاراج بہادر برق دہلوی

ناظرین تیج ویکلی کے لئے یہ خبر نہایت افسوس کا باعث ہوگی کہ اردو زبان کے مشہور شاعر منشی مہاراج بہادر برق بی۔ اے منشی فاضل دہلوی نے یکایک حرکت قلب بند ہو جانے کے باعث انتقال فرمایا۔ آپ ایک تقریب شادی میں شرکت کے لئے پانی پت گئے تھے اور وہاں بارہ بجے رات کو بات چیت کرتے کرتے دفعتاً اس جہان فانی سے چلے گئے۔ تیج ویکلی میں اکثر جناب برق کی بلند پایہ اور پُرزور نظمیں ٹائیٹل کے بعد پہلے صفحہ پر شائع ہوتی رہی ہیں۔ انھوں نے آخری نظم ہماری فرمائش پر "بسنت رُت" کے عنوان سے لکھی تھی جو تیج ویکلی مورخہ ۲۸ جنوری میں شائع ہوئی تھی اور "ہولی" پر بھی ایک نظم لکھنے کا وعدہ فرمایا تھا مگر افسوس کہ اس وعدہ کے وفا سے پہلے موت کا وعدہ قریب آ گیا اور آپ دنیا کو اپنے نتیجہ فکر اور نتیجات قلم سے محروم کر گئے۔ آپ کے سوانح حیات اسی اشاعت میں صفحہ ۱۳ پر شائع ہوئے ہیں۔ اس میں شک نہیں کہ جناب برق کی وفات سے دہلی کی بزم مشاعرہ سونی ہو گئی کیونکہ ہر محفل ادب میں ان کی شرکت بجائے خود گرمیٔ محفل بن جاتی تھی۔ آپ نہایت خلیق اور مخلص دوست تھے اور بذلہ سنجی و حاضر جوابی میں کمال رکھتے تھے۔ ہم اپنی طرف سے اور ناظرین تیج ویکلی کی طرف سے ان کے پسماندگان کے ساتھ جنہیں آپ کی دھرم پتنی اور چند لڑکے لڑکیاں ہیں اس صدمہ میں اظہار ہمدردی کرتے ہیں اور دعا کرتے ہیں کہ پرماتما ان کو اپنے جوار رحمت میں جگہ دے۔

"سائفر بیورو" میں ہندستانیوں کا تقرر

• سائفر بیورو یعنی حکومت کے اس محکمہ (باقی اگلے صفحہ)

آئینۂ زہرخند

(پچھلے صفحہ سے)

اشارے

لاہور کے ایک مخبّ وطن صاحب نے ایک اینگلو انڈین اخبار کو یہ تحریر کیا ہے کہ کانگریس نے پنڈت جواہرلال نہرو کو دوبارہ صدر منتخب کر کے تفکر، عمل اور تدبر کے فقدان کا ثبوت دیا ہے

غالباً "حکمت عملی اور تدبر" کا ثبوت اس وقت ملتا جب کانگریس خود انہیں حضرت کو صدر منتخب کر لیتی۔

عدیس ابابا کی ایک خبر کہتی ہے کہ مملکت سے اطالیوں کو باہر نکالنے کی ایک ناکام کوشش کے بعد راس سیوم حبشی کمانڈر نے اپنی فوج پیچھے ہٹالی۔

غالباً اب سچ بولنا "غیر متمدن حبشیوں" ہی کے لئے رہ گیا ہے۔ اٹلی تو اپنی پسپائی کو تسلیم ہی نہیں کرتا۔

خیال کیا جاتا ہے کہ حکومت کی طرف سے بہت جلد آئرلینڈ کی طرف ایک نیا "دوستانہ اشارہ" کیا جانے والا ہے۔

ہمیں اس پر حیرت نہیں ہے کیونکہ یہ بات بہت مشہور ہے کہ برطانیہ کا ضمیر ربڑ کی مانند ہے۔

جاپان کے خلاف ۱۹۳۲ء میں جنگ کرنے والے چینی سپاہیوں میں سے جو ہلاک ہوئے تھے ان کی یادگار قائم کرنے کے لئے "نامعلوم سپاہی" کا ایک مقبرہ چین میں تعمیر کیا جانے والا ہے۔

غالباً جاپان میں اسے دشمنی کا اشارہ سمجھا جائے گا کیونکہ یہ زمانہ "اشارات" کے لئے مخصوص ہے

سر این۔ این۔ سرکار نے اسمبلی میں تقریر کرتے ہوئے سائمن رپورٹ کے وقت سے لے کر اس حال تک کی تاریخ پیش کر دی۔ ان کو چاہیئے تھا کہ ... کو آدم حوا اور منجو ممنوعہ سے شروع کرتے۔

بکرامعاصر ... کے حالات کے سلسلہ میں ... بتاتا ہے۔

"... کی گرم مزاجی"

ز ... ہے جو نئی ... ہے۔

میں جہاں صحافت کو ذکی العقل ... زیادہ صیغہ راز کی نذر ... ہندوستانیوں کو ملازمت دینے کے متعلق اسمبلی میں ... سوال کا جواب حکومت کی طرف سے دیا گیا۔ ... قومی اور نسلی امتیاز کے سلسلہ میں تسلی بخش صفائی پیش نہیں کی گئی۔ ... محکمہ میں ... رکھا گیا ہے۔ ... مشکلات کا سب بیان ... اس وقت ... دستکاری ... جاتا ہو وہ حکومت ہند کی ملکیت نہیں بلکہ حکومت برطانیہ کی ملکیت ہے، نہایت نا تشفی بخش ہے۔ ... نہیں ہے کہ ہندوستان نے تسلیم کر لے۔ سوال یہ ہے اگر حکومت برطانیہ کی ہدایت ہی ہے کہ ... ہندوستانیوں کو ملازمت نہ دی جائے تو حکومت نے اس پر اب تک اعتراض کیوں نہیں کیا! ... کیا یہ نسلی امتیاز ملکہ وکٹوریہ کے اس مشہور اعلان کے منافی نہیں ہے جس میں کہا گیا تھا کہ ملازمتوں کے سلسلہ میں اس طرح کا کوئی امتیاز روا نہیں رکھا جائے گا؟

پوشاک کی بنا پر امتیاز

مذکورہ بالا سلسلہ کی ایک کڑی اگرچہ اس کی نوعیت بالکل مختلف ہے یہ بھی ہے کہ ایک اسمبلی کے ایک ہندوستانی ممبر کو پچھلے دنوں شملہ وائی۔ ایم سی۔ اے میں رہنے کی جگہ اس بنا پر نہیں دی گئی تھی کہ وہ یوروپین پوشاک میں اپنے آپ کو ملبوس نہیں کرتے تھے ہمارے ایک معاصر نے اس قابل اعتراض عمل کو پتلون کی ذہنیت کا نام دیا ہے اسمبلی میں جب اس واقعہ کے متعلق سوال کیا گیا تو معلوم ہوا کہ حکومت ہند وائی۔ ایم۔ سی۔ اے کو مالی امداد بھی دیا کرتی ہے لیکن جب یہ تجویز پیش کی گئی کہ ایسے ادارے کو جو ہندوستانی لباس ... کا مخالف ہو، امداد نہیں دی چاہیئے۔ تو ہوم ممبر نے یہ جواب دیا کہ حکومت بہت سے اداروں کو امداد دیتی ہے مگر اس کے اندرونی انتظام میں دخل نہیں دیتی!! ایسے موقعہ پر دخل اندازی نہ کرنے کا کوئی معقول سبب پیش نہیں کیا گیا اگر کوئی ہندوستانی ادارہ جو سرکاری امداد پاتا ہو، یوروپین رسم و رواج کی اس طرح توہین کرتا تو حکومت کا ... ہوتا، ہمارے خیال میں زیر بحث معاملہ کے سلسلہ میں بہتر یہ ہوتا کہ حکومت نقطی گویکہ دھندے ... وائی۔ ایم۔ سی۔ اے کو آگاہ کر دیتی کہ آیندہ اس طرح کا طرز عمل برداشت نہیں کیا جائے گا۔

ایک مُفید اور کامیاب زراعتی تجربہ

انگلستان کے ماہرین علم نباتات اپنے مسلسل تجربوں کے بعد اس نتیجہ پر پہنچے ہیں کہ اگر درختوں کو معمولی مقدار سے زیادہ اور تیز تر غذا پہونچائی جائے تو ان کی نشوونما اور بار آوری کی طاقت بہت زیادہ بڑھ جاتی ہے۔ اس سلسلہ میں انہوں نے سیب کے چند کم عمر درختوں پر یہ تجربہ کیا اور اسے کامیاب پایا۔ اس کا طریقہ یہ ہے کہ درخت کے تنے میں ایک انچ کا ایک سوراخ کر دیا جاتا ہے اور اس میں ایک شیشہ کی نلکی ڈال کر انجکشن کے طریقہ پر سیال غذا اس میں پہنچا دیتے ہیں۔ اس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ درخت کی معمولی نشوونما تین یا چار گنا بڑھ جاتی ہے اور اس میں پھل بھی بہت جلدی اور زیادہ مقدار میں آنے لگتے ہیں کھاد کے ذریعہ نباتات کو غذا پہنچانے کا طریقہ بہت قدیم ہے۔ اور بہت زیادہ وقت کا طالب ہوتا ہے اس لئے ماہرین کا یہ خیال ہے کہ انجکشن کے ذریعہ درختوں اور پودوں کے جسم میں براہ راست غذا پہنچانے کا عمل عالمگیر کامیابی حاصل کرلے گا اور زراعتی ممالک میں بہت مفید ثابت ہوگا جہاں بعض آلات اور ربڑ کی نلکیوں کے ذریعہ صرف چند پودوں کو نہیں بلکہ پورے کھیت کے کھیت کو اس ذریعہ سے شاداب کیا جا سکے گا۔

کاغذسازی کا ایک ساٹھ سالہ راز

لوگوں کا خیال ہے کہ یورپ کے باشندے اپنی سائنٹیفک تحقیقات کے تمام راز دنیا کے فائدے کے لئے شائع کر دیتے ہیں۔ مگر جہاں تک سامان جنگ اور تجارتی رازوں کا تعلق جدید سائنس سے ہے۔ یہ خیال غلط ہے چنانچہ ایک طرح کا چمکتا باریک کاغذ ہوتا ہے جسے آکسفورڈ انڈیا پیپر کہتے ہیں اور جس پر بائبل (انجیل) عام طور پر چھاپی جاتی ہے اس کو بنانے کا راز ایک شخص مسٹر ہنری فراوڈ نے دریافت کیا تھا۔ دنیا میں صرف تین آدمی ایسے ہیں جو اس صنعت کے راز سے واقف ہیں اور کاغذسازی میں شریک ہیں۔ جن ملازموں اور مزدوروں سے اس کارخانہ میں کام لیا جاتا ہے وہ بھی اس کاغذسازی کا پورا عمل دیکھنے سے محروم رکھے جاتے ہیں تاکہ یہ تجارتی راز ظاہر نہ ہونے پائے۔ معلوم نہیں ان شرکاء تجارت کے مرنے کے بعد اس مخصوص صنعت کا کیا حشر ہوگا؟

چٹکیاں

ایک معاصر لکھتا ہے کہ دیہات کے باشندے آزادی حاصل کرنے کے لئے جل رہے ہیں۔

ایسی حالت میں تو "فائر بریگیڈ" کو بلانا چاہیئے۔

یہی اخبار اپنی ایک سُرخی میں سوال کرتا ہے:-

"انڈیا گورنمنٹ کو کیا کرنا چاہیئے؟"

اس کا جواب یہی ہے کہ انڈیا گورنمنٹ کو وہی کرنا چاہیئے جو اس نے ابتک نہیں کیا ہے۔

سرنرپیندر ناتھ نے ممبران اسمبلی کو یہ بتلایا ہے کہ "آزاد" کا لفظ "آزادی" کے سلسلہ میں استعمال کیا جاتا ہے۔

لیکن معلوم نہیں اس کا علم اُن کو کیونکر ہوا۔ بقول حزیں۔ شعر مرا بہ مدرسہ کہ برد؟

سرلیفرڈ ناکس ممبر پارلیمنٹ کا خیال ہے کہ مس میو کی کتاب "فیتھ آف مدر انڈیا" اس لئے ہندوستان میں فروخت نہیں ہو سکتی کہ وہ بہت ہی دلکش طریقہ پر شائع کی گئی ہے اور اس کی قیمت ۱۵ شلنگ ہے۔

غالباً بالکل اسی طرح جیسے برطانی شہنشاہیت کو ہندوستان میں دلکش طریقہ پر قائم کیا گیا ہے اور اس کے چلانے کا خرچ بہت زیادہ ہے۔

سر این۔ این۔ سرکار نے اسمبلی میں کہا ہے کہ جو ممالک لیگ آف نیشنز میں ہندوستان کی نمایندگی کے لئے منتخب کئے جاتے ہیں ان کی "ہدایات" وزیر ہند اور حکومت ہند کے باہمی مشوروں سے طے پاتی ہیں اور صیغہ راز کے ان مراسلات کو ظاہر کرنا پبلک مفاد کے لئے نامناسب ہے۔

اسے تو ہم بھی تسلیم کرتے ہیں کہ صیغہ راز کے جو مراسلات وزیر ہند اور حکومت ہند کے درمیان ہوتے ہیں وہ پبلک مفاد کے لئے نہیں ہوتے۔

ایک اخبار کی سُرخی ہے:-

"قید کے معنی آزادی"

ہندوستان میں اس کا برعکس معاملہ ہے یعنی "آزادی کے معنی قید" قانون ترمیم ضابطہ فوجداری کا شکریہ جسے منسوخ کرنے کی کوشش میں اسمبلی ناکامیاب رہی۔

سر محمد یعقوب کا خواب

FEEDING BOTTLE

سر محمد یعقوب
YAKUB

B. VERMA

قانون ترمیم ضابطہ فوجداری کی تنسیخ کے سلسلہ میں مسٹر بی. داس کے بل کی مخالفت کرتے ہوئے سر محمد یعقوب نے اس خیال کا اظہار کیا ہے کہ ہندوستان میں خفیہ طور پر کمیونسٹ پروپگنڈا جاری ہے

غالب

(یہ نظم غالب کی برسی کے سلسلہ میں لکھی گئی)

غالب ترا کلام نوائے سروش ہے — الہام غیب و نغمۂ ساز خموش ہے

ایسا بھرا ہوا ہے غزل میں پریم رس — اس جلوہ گاہ ناز میں فردوس گوش ہے

آساں نہیں ہے جلوۂ معنی کا دیکھنا — ہر شاہد خیال ترا پردہ پوش ہے

جو بات ہے وہ شوخی گلدستۂ چمن — جو لفظ ہے بہار کف گلفروش ہے

موج رواں ہیں مصرعۂ بیساختہ ترے — بحر سخن میں بحر محبت کا جوش ہے

ان موتیوں کی قدر ہی شاہوں کی تاج میں — پرکھے نظر سے ان کو جو گوہر فروش ہے

کیف سخن سے مست ہوں تیری غزل سنیں — اس بزم میں جنھیں ہوس نا و نوش ہے

تو نے چمن چمن میں شگوفے کھلا دئے — فطرت ترے کلام کی گلشن بدوش ہے

فصلوں طرازیاں تری منہ کیھتی رہیں — گل کی زباں بند ہی غنچہ خموش ہے

بالا ترا مقام ہے دنیائے شعر میں — عرفی بھی ایک بندۂ حلقہ بگوش ہے

دنیا ترے خیال میں ہے چشمۂ سراب — رنگینی نشاط و طرب خواب دوش ہے

تیری نظر میں شاہد و مشہود ایک ہیں — دنیائے بیخودی تجھے دنیائے ہوش ہے

دانہ کو جانتا تھا تو خرمن مراد — تجھکو خبر تھی قطرے میں دریا کا جوش ہے

دیر و حرم میں بھی یہی تحقیق راز تھی — وہ جان جاں ہے کون جو جلوہ فروش ہے

افسردہ داغ سے تھے ترے محفل ادب — نے وہ سرور و سوز نہ جوش و خروش ہے

اتنی ترے مزار پہ چھائی ہے بیکسی — اک شمع اشک ریز تھی وہ بھی خموش ہے

پیمانۂ خیال سے چھلکی تھی جو ترے
کیفی اسی شراب کا اک جرعہ نوش ہے

۸ .... فروری ۱۹۳۶ء

علاقہ ... میں ... ایک خوفناک لڑائی ہوئی ... زبردست ... جو حبشیوں کی پوزیشن بہت زیادہ مستحکم ہو گئی ... پر قبضہ ... جبشی ... حملہ کرتے ہیں۔

... کا ایک آدمی بھی دکھائی نہیں ... جنگل میں آدمی ... رات کے وقت ...

۹ .... فروری ۱۹۳۶ء

... کرنے کی ... بم باری کرنے والے ... ہوائی جہاز ... کی طرف ... پہنچ کر شہر پر ... بم باری ... کے قریب کئی بم گرے ... سے انکار کر دیا ...

۱۰ .... فروری ۱۹۳۶ء

... ہوائی جہاز ...

۱۱ .... فروری ۱۹۳۶ء

...

باقی صفحہ ۳ پر

مدن کے ہاتھ سے کتاب لے کر اپنے ہاتھ کی دوسری کتابوں اور کاپیوں میں شامل کرتے ہوئے موہنی نے کہا: "دھنیہ باد" اور اتنا کہہ کر شاید وہ کبھی خیال میں محو ہونے لگی۔ مدن نے لجاجت آمیز لہجے میں منت کہا "نہیں دیوی! یہ تو کوئی بات ہی نہ تھی اور انسانی ہمدردی کی حدود ایسی حقیر شاروں کی نسبت بہت پیش رَو وہ استادہ ہیں" موہنی نے احسان مند نگاہوں سے مدن کی طرف دیکھا اور کچھ وقفہ کے بعد مسکرا کر چلنے لگی۔

مدن سڑک سے ایک طرف ہٹ کر کھڑا ہو گیا۔ اور کچھ سوچنے لگا۔ اس کی نگاہیں موہنی پر تھیں۔ جو بہت تیز چلتے چلتے یکایک نہایت سست رفتار سے چلنے لگی تھی اور ایک لمحہ میں چونک پڑی تھی۔ پھر اس کی رفتار زیادہ تیز ہو جاتی تھی۔ چند منٹوں کے اندر ہی اندر وہ بھی اس کی نظروں سے اوجھل ہو گئی۔ کیا موہنی کے دل میں آج میری ہمدردی کوئی گنجائش پیدا کر سکی ہے! اور کیا اسے وہاں قیام نصیب ہو سکے گا؟

مدن سنجیدگی سے اس پر غور کرتا ہوا آہستہ آہستہ چلنے لگا۔

اپنے جائے قیام پر پہنچ کر اس نے اپنی کوٹھری کا قفل کھولا۔ کتابیں الماری میں رکھیں کوٹ اتار کر کھونٹی پر لٹکا دیا۔ اور کھانا پکانے کے متعلق سامان درست کرنے لگا۔ صبح سے اس نے کچھ نہ کھایا تھا اس لئے بھوک لگ رہی تھی۔

اتنے میں مالک مکان نے سامنے آکر کہا۔

"مدن! دیکھو دوسرا مہینہ بھی ختم ہونے والا ہے مگر تم نے اب تک پہلے مہینہ کا کرایہ بھی ادا نہیں کیا کل تک مجھے دونوں مہینوں کا کرایہ ضرور مل جائے ورنہ ..."

مدن۔ بہتر ہے لالہ جی! میں انتہائی کوشش کروں گا۔ ویسے ابھی کالج کی ماہانہ فیس اور امتحانی فیس بھی ... ...

مدن غیر معمولی طور پر غمگین نظر آنے لگا۔ مالک مکان دوسرے کرایہ داروں کی فکر میں چل دیا مدن کے دماغ میں مالی مشکلات کا تکلیف دہ مسئلہ زیادہ دیر تک نہ ٹھہر سکا۔ کیونکہ وہ سلجھے ہوئے نیک خیالات کا بہت ہی موزوں تھا۔ اور مصیبتوں و مجبوریوں سے پریشان ہو جانا اس کے نزدیک کفر تھا۔

کھانے سے فراغت کر کے وہ برآمدے میں سستی بانی پر کتابیں سامنے رکھ کر پڑھنے کے لئے بیٹھ گیا۔ اس کا امتحان نزدیک تھا۔ لہٰذا ان دنوں وہ زیادہ توجہ سے اپنا کورس تیار کر رہا تھا۔ اس نے پولٹیکس کی کتاب کھولی اور کلایو کی پالیسی کا غور و خوض سے مطالعہ کرنے لگا۔

ابھی چار پانچ سطریں اس نے بمشکل پڑھی تھیں کہ اس کے کانوں سے دل تک ایک گونجتی ہوئی پیاری آواز سنائی دی: "دھنیہ باد" مدن نے متجسسانہ نگاہیں اپنے ہر جانب ڈالیں۔ لیکن اس کی اپنی ہستی کے سوا کوئی دوسرا متنفس وہاں موجود نہ تھا۔ پڑھنے میں اس کی طبیعت نہ لگی۔ اس نے کتاب بند کر دی تمام سامان کوٹھری کے اندر کر کے اسے مقفل کر دیا۔ یہ کیا جادو تھا؟

وہ سوچ ہی رہا تھا کہ ایک نووارد نے جو اپنی وضع قطع سے کسی مہاجن کا ملازم معلوم ہوتا تھا مدن کے سلسلۂ تخیل میں خلل انداز ہوتے ہوئے کہا: "کیا تم ہی مسٹر مدن ہو؟"

مدن:- ہاں یہ میرا نام ہے۔

نووارد:- تو ابھی میرے ساتھ چلئے۔ منوں بھیا کی ماتا جی نے آپ کو بلایا ہے۔

منوں بھیا کی ماتا جی نے مجھے آخر کیوں بلایا ہے؟

مدن دل ہی دل میں سوچ رہا تھا۔

منوں موہنی کے چھوٹے بھائی کا نام تھا یہ تو اسے معلوم ہی تھا اور سیٹھ ہیرالال جو منوں کے پتا جی ہیں ابھی دو گھنٹہ قبل مدن سے کرایہ مکان کا تقاضا کرنے کے لئے آئے ہی تھے۔ اب اسے کیوں بلایا گیا ہے مدن کی سمجھ میں نہ آتا تھا راستہ کی بات بھی اس نے یاد کی، جب موہنی کی کتاب اسکول سے واپس آتے ہوئے گر گئی تھی۔ اور مدن نے اسے اٹھا کر موہنی کو دے دیا تھا۔ ... ... جب موہنی نے ایک مخصوص انداز سے "دھنیہ باد" کہا تھا ... ... اور ... ... اور وہ کچھ بھی غور نہ کر سکا۔

اس نے نووارد سے کہا "چلو میں چل رہا ہوں" اس کے بعد وہ غیر ارادی طور پر نووارد کے پیچھے ہو لیا سیٹھ ہیرالال کی کوٹھی پر آکر ملازم نے مدن کو ملاقات کے کمرے میں بٹھا کر مکان میں اس کی آمد کی اطلاع دی۔

(باقی مضمون اگلے صفحہ پر)

جلوۂ تغزل!

(از جناب قابل گلاؤٹھی)

(خاص تیج ویکلی کے لئے)

کوئی کیا سمجھے کہ کتنی وسعت اُسکے دل میں ہے / جو تری محفل سے اُٹھ کر بھی تری محفل میں ہے
حسرتیں رخصت ہوئیں پھر بھی خلش سی دل میں ہے / ہو نہ ہو کوئی مسافر اب بھی منزل میں ہے
کس طرح کا سحر یارب نغمۂ ساحل میں ہے / سر پٹکنے کی تمنا موجِ دریا دل میں ہے
عشقِ لامحدود کی وسعت کہاں گم ہو گئی / ہے مرا پہلا قدم اور آخری منزل میں ہے
غم سلامت ہے تو احساس بھی مٹ جائے گا / دل تمنا میں ہے یا تیری تمنا دل میں ہے
شوقِ دل کو تازیانہ بن گئیں ناکامیاں / لذتِ حاصل بھی شاید سعیِ لاحاصل میں ہے
جیتے جیتے بھی وفا میری جہاں سے اٹھ گئی / مٹتے مٹتے بھی تری ظالم تمنا دل میں ہے
کھیل کر طوفان کی موجوں سے کس نے جان دی / تذکرہ کس کا یہ یارانِ سرِ ساحل میں ہے
تیر دل آیا ادھر، ہونٹوں پہ دم آیا ادھر / پہلی منزل کا مسافر آخری منزل میں ہے
بیخودی اتنی اجازت دے کہ اُن سے پوچھ لوں / کس کا سودا سر میں ہے کس کی تمنا دل میں ہے
صاف دل ہم صحبتوں سے بات چھپ سکتی نہیں / ہے زبانِ موج پر جو سینۂ ساحل میں ہے
اپنے بیگانوں میں افشائے حقیقت کیا ضرور / ورنہ تیری آنکھ میں جو کچھ ہے میرے دل میں ہے
اب اجل بھی سامنے آئے تو ہو جائے ہلاک / کشتگانِ عشق کا دم خنجرِ قاتل میں ہے
کوئی باقی ہی نہیں نبّاضِ طوفانِ سکوت / ورنہ اک حشرِ تلاطم سینۂ ساحل میں ہے
جس نے کُن کی حشر آرائی کی ڈالی تھی بنا / نغمہ کی صورت وہی آواز سازِ دل میں ہے

بیخودی کا دم سلامت یہ بھی دیکھا جائے گا
دل کسی میں ہے کہ قابل کوئی میرے دل میں ہے

ہندوستان کی صنعت و حرفت کی قابلِ افسوس حالت

حکومت ہند کے حاصل کردہ اعداد و شمار جن سے ملک کی صنعتی حالت کا اندازہ لگایا جاسکتا ہے

خاص "تیج ویکلی" کے لئے

حکومت ہند نے ہندوستان کی صنعت و حرفت کی بابت جو اعداد و شمار حال ہی میں شائع کئے ہیں اُن کا مطالعہ عمومی طور پر ہر ایک کے لئے باعث دلچسپی ثابت ہوگا نیز کارخانہ جات کے مالکوں، مزدوروں اور سرمایہ داروں کی معلومات میں اضافہ کرنے کے لئے ہم حکومت ہند کی پیش کردہ معلومات اور اعداد و شمار برائے رفاہ عام شائع کرتے ہیں تاکہ ہندوستان کی دولت، صنعت و حرفت اور کارخانہ جات کی حالت کا صحیح اندازہ ہو۔ نیز ہندوستان کو ایک ترقی یافتہ صنعتی ملک بنانے کی طرف لوگوں کی توجہ مبذول ہو۔

تمام ہندوستان میں معہ ریاستوں کے کل ۸۰۵۴ کارخانہ جات ہیں جن میں سے ۴۰۹۷ کارخانہ جات متفرق مصنوعات کے ہیں اور باقی زراعتی و موسمی پیداوار کی ساخت کے کام میں مصروف ہیں

ان مصنوعات کے تیار کرنے کے لئے ہندوستان کے ۱۵۹۹۰۵۰ مزدور کام کرتے ہیں جن میں سے ۲،۰۵۹۷ افراد اور مزدور ایسے ہیں جو صرف فصلوں کے وقت کارخانوں میں ملازم ہو جاتے ہیں اور یہ روزگار عارضی ہوتا ہے۔ موسمی پیداوار ساختہ حالت میں کارخانہ سے نکلی اور ان کا روزگار بھی آئندہ فصل تک کے لئے ملتوی ہوگیا۔

یہ اعداد و شمار کسی صورت سے بھی ہمت افزا نہیں ہیں۔ اور ہندوستان کے لئے مایوس کن ہیں۔ اس سلسلہ میں یہ امر بھی قابل لحاظ ہے کہ ہندوستان کی صنعتی ترقی کے لئے صحیح اعداد و شمار اور معلومات کا فراہم ہونا بھی از حد ضروری چیز ہے اور اس وقت تک تجارت و صنعت کی معلومات و اعداد و شمار صحت و سند کے اعتبار سے مرتب و فراہم کرنے کی طرف سے اہل ہند نے جو غفلت برتی ہے اس کی وجہ سے ہمارے ملک کو کافی نقصان پہنچ چکا ہے۔

یہ امر موجب طمانیت و اطمینان ہے کہ حکومت نے اس باب میں ایک مستحسن اقدام شروع کیا ہے۔ محکمہ کے "محکمہ اعداد و معلومات تجارت و حرفت"

"DEPARTMENT OF COMMERCIAL INTELLIGENCE AND STATISTICS" نے جو اعداد و شمار ایک ڈائرکٹری کی صورت میں پیش کئے ہیں وہ قابل غور ہیں اس ڈائرکٹری میں ہندوستان کی مختلف تجارت و صنعت کے اداروں کے متعلق قابل قدر معلومات اور صحیح اعداد و شمار پیش کرنے کی کوشش کی گئی ہے اس ڈائرکٹری میں نہ صرف ان کارخانہ جات کا ذکر ہے جو "قانون کارخانہ جات" کے ماتحت کام کرتے ہیں بلکہ وہ صنعتیں بھی شامل ہیں جن کی ملک میں اہمیت محسوس کی جاتی ہے اور اس قانون کے باہر رہ کر بھی وہ اپنے راستہ پر گامزن ہیں۔ اس ڈائرکٹری میں دکھایا گیا ہے کہ ہر صنعت میں کتنے مزدور کتنے گھنٹے اور کتنے روز کام کرتے ہیں۔ فصلی اور غیر فصلی یعنی عارضی و متفرق صنعتوں نیز مستقل اور مکمل صنعتوں کا علیحدہ علیحدہ کیا گیا ہے۔ اور ان میں کتنے مزدور کام کرتے ہیں۔ جو کارخانہ جات حکومت یا ریاست یا مقامی اداروں کے ماتحت و ملکیت میں کام کرتے ہیں ان کو علیحدہ طور پر ظاہر کر دیا گیا ہے

ڈائرکٹری میں پیش کردہ اعداد و شمار ۱۹۲۳ء کے ہیں۔ روئی بیلنے اور صاف کرنے کے کارخانہ جات کی بابت جو اعداد و شمار اس میں دکھائے گئے ہیں وہ ۱۹۲۳-۲۴ء کو محیط ہیں۔

غیر فصلی صنعتیں

ہندوستان میں ایسی مصنوعات کے کارخانے جن کا تعلق فصلوں کی پیداوار سے نہیں ہے تقریباً ۳۵۱۷ ہے اور جن میں ۱۰۸۱۰۹۷ مزدور کام کرتے ہیں۔

ان کارخانہ جات میں پارچہ بافی کے کارخانے ۵۱۲ ہیں اور ان کارخانوں میں ۳۵۸۴۲ مزدور کام کرتے ہیں۔ کپڑے کی صنعت کے علاوہ اور کسی ایک صنعت میں اتنے کارکن کام نہیں کرتے۔ ۳۴ کارخانہ جات انجنیری سے متعلق کاموں کے ہیں جن میں ۱۰۶۰۸۶ افراد روزگار سے لگے ہوئے ہیں کھانے پینے کی چیزوں اور تمباکو سے بنی ہوئی چیزوں کے کارخانوں میں ۵۴۵۰۱ افراد کام کرتے ہیں اور ان کارخانوں کی تعداد ۹۰۲ ہے۔

کاغذ بنانے والے اور چھاپہ کا کام کرنے والے کارخانوں کی تعداد ۲۷۷ ہے جن میں غالباً ۴۲۷۴۰ مزدور برسر روزگار ہیں۔

صوبہ بمبئی پارچہ بافی کی صنعت کی وجہ سے بہت مشہور ہے اور ہندوستان میں سب سے آگے ہے۔ صرف اکیلے صوبہ بمبئی میں اس کام کے ۳۴۲ کارخانے ہیں جن میں ۲۲۳۹۱۴۴ آدمی کام کرتے ہیں۔ بنگال میں اس کام کے دوران ۱۳۱ کارخانے ہیں اور مدراس میں ۴۴ انجنیرنگ کے کام کے کارخانہ جات میں بنگال آگے ہے کیونکہ وہاں لوہا اور کوئلہ بہت آسانی سے دستیاب ہوتا ہے۔ جہاں اس قسم کے کام کے ۳۳۲ کارخانہ جات ہیں اور جن میں ۴۱۲۷۷ افراد برسر روزگار ہیں۔ ... بھی اس کام کو ترقی حاصل ہو رہی ہے۔ اور بنگال کے بعد وہ اس کا مقابلہ کرنے میں آگے ہے یعنی ۱۰۲ کارخانے ہیں۔ مدراس ...

(باقی مضمون اگلے صفحہ پر)

ہندوستان کے مختلف صنعتی کارخانوں کی اجتماعی اہمیت

نوٹ:- (۱) نقشہ ہذا میں ظاہر کردہ اعداد ان مزدوروں کے ہیں جو کارخانوں میں روزانہ کام کرنے کیلئے آتے ہیں (۲) انجنیرنگ کے کاموں میں تقریباً ہر قسم کی انجنیرنگ شامل ہے مثلاً بجلی کی انجنیرنگ، بجلی بنانا، طاقت تقسیم کرنے، لوہا بنانے، ڈھلائی کرنے، لوہا پگھلانے، سونا کی چیزیں تیار کرنے، ریلیں سازی اور دیگر دھاتوں کے کام کرنے والے بھی اس میں شامل ہیں (۳) اسلحہ سازی کے کارخانوں میں توپ ڈھالنے، اسلحہ بنانے، اسلحہ کی مرمت کرنے اور سفر مینا فوج کیلئے سامان تیار کرنے اور دیگر ہتھیار بنانے کے کارخانے بھی شامل ہیں (۴) پٹرولیم صاف کرنے کے کارخانوں میں پٹرول پمپ کرنے کے کارخانے شامل ہیں (۵) اینٹیں بنانے والے کارخانوں میں سرخی پیسنے والے کارخانے، سیمنٹ کی چیزیں تیار کرنے والے کارخانے اور مختلف قسم کی روغنی مٹی کی چیزیں، بیلکھڑی کی چیزیں بنانے کے کارخانے اور ٹائل سازی کے کارخانے شامل ہیں (۶) اونی کام کرنے والے کارخانوں میں اونی قالین، نمدے، اونی دریاں وغیرہ بننے کے کارخانے بھی شامل ہیں۔

سائنس

چند تازہ ترین تحقیقاتیں

[از پروفیسر جی، ڈی، تلی، ایم، ایس، سی]

(خاص "تیج ویکلی" کے لئے)

دھوئیں اور گیس کے اندر

تقریباً ہر ایک کوئلے کی قسم ایک نہایت ہی متعفن اور زہریلی گیس پیدا کرتی ہے جس کو مارش گیس یا میتھین METHANE کہتے ہیں۔ اور جو معمولی حالت میں ہی آگ کے ساتھ بھڑک اٹھتی ہے مگر جب ہوا کے ساتھ ملی ہوئی ہو اور آگ اس کو چھو جائے تو اس زور سے پھٹتی ہے کہ خدا حافظ! چونکہ کوئلے کی کانوں میں کام کرنے والے مزدوروں کے لئے صاف ہوا اتنی ہی ضروری ہے جتنی کہ کسی اور انسان کے لئے۔ اس لئے کانوں میں پنکھوں کے ذریعہ صاف ہوا داخل کرانا ضروری ہے۔ اور یہی ہوا جو کہ اُن کے فائدہ کے لئے داخل کی جاتی ہے مارش گیس سے مل کر کان کے اندر روشنی کرنے کے لئے رکھے ہوئے لیمپوں کے ذریعہ اُن ہی کی تباہی کا ذریعہ بنتی ہے۔ کان کے اندر کام کرنے والے لوگوں کو بر موقعہ تنبیہ کرنے کے لئے سر ہمفری ڈیوی نے ایک لیمپ ایجاد کیا تھا جو کہ بہت سُودمند ثابت ہوا۔ مختلف اقسام کے لیمپ جو آجکل کانوں میں استعمال کئے جاتے ہیں وہ اصول میں اسی سے ہی مشابہت رکھتے ہیں۔ اگرچہ کسی خاص فائدہ کو مدِنظر رکھ کر اُن میں کئی تبدیلیاں کر لی جاتی ہیں۔ اور زبردست نگرانی کی وجہ سے گیس کو پھٹنے کا موقعہ آجکل کم ہی ملتا ہے مگر جب کبھی ایسا موقعہ ہو تو مارش گیس کے جلنے سے پیدا شدہ نہایت زہریلی گیس کان کے اندر پھیل جاتی ہے۔ اور بہت سے لوگ تو پہلے ہی بے ہوش ہو جاتے ہیں۔ جن کو کہ اگر موقعہ پر امداد پہونچائی جائے تو اُن کی جان بچ سکتی ہے۔ لیکن باہر سے بغیر انتظام کئے اندر آنا اتنا ہی خطرناک ہے جتنا کہ تھوڑی سی دیر کے لئے بھی اندر رہنا اور یہ دیکھنے میں آیا ہے کہ کئی جانبازوں نے دوسروں کی زندگی بچانے کی خاطر اپنی قیمتی جانیں اسی دھوئیں اور گیس کی نذر کر دیں۔

شکل نمبر (۲)

آلہ "آٹو پرو ٹو"

(جس کی مدد سے ہم دھوئیں کے اندر گھس سکتے ہیں)

(شکل نمبر ۱)

ڈیوی سیفٹی لیمپ

اس لیمپ میں شمع کے چاروں طرف ایک جالی سی ہوئی ہوتی ہے جس وقت مارش گیس بہت زیادہ مقدار میں ہو جاتی ہے تو وہ جالی کے اندر پہلے جلتی ہے اور جالی کی وجہ سے شعلہ باہر نہیں نکل سکتا۔ اندر گیس کو جلتا دیکھ کر لوگ باہر بھاگ نکلتے ہیں۔

شکل ۲ میں جو آلہ دکھلایا گیا ہے وہ میسرز سیبے گارمن اینڈ کمپنی انگلینڈ کا تیار کیا ہوا "آٹو پرو ٹو" ہے جس کو جسم کے اوپر فٹ کر کے ایک معمولی طاقت کا انسان دھوئیں اور گیس کے مضر اثرات سے بچ کر مصیبت زدہ قلیوں کی مدد کو پہنچ سکتا ہے۔ اور ہر قسم کی مدد اُن جگہوں پر پہونچا سکتا ہے جہاں دھوئیں اور گیس کے سبب انسانی یا حیوانی زندگی خطرہ میں ہو۔

اس آلہ میں دو ٹوپیاں ہیں جو منہ اور ناک پر چڑھالی جاتی ہیں۔ یہ ٹوپیاں اگرچہ باہر سے کسی گیس کو اندر نہیں آنے دیتیں مگر ان کا تعلق اندر سے اُن نلیوں سے ہے جو کہ آکسیجن کے سلنڈروں میں کھلتی ہیں۔ آکسیجن کی بوتلوں میں گیس اس قدر ہوتی ہے کہ وہ دو گھنٹہ تک انسان ان کی مدد سے جد و جہد کر سکتا ہے جسم کے اندر سے نکلی ہوئی کاربن ڈائی اکسائڈ یعنی کاربانک ایسڈ گیس ایک بڑے بیگ میں گزرتی ہے جس میں کاسٹک پوٹاش بھرا ہوا ہوتا ہے اور یہ گیس اس میں حل ہوتی رہتی ہے۔

(۲) کیا ہم آنکھوں سے بھی سُنتے ہیں؟

ہم آنکھوں سے بھی سُنتے ہیں! یہ کیسی عجیب سی بات معلوم دیتی ہے اور شاید آپ کہیں کہ ناممکن ہے۔ مگر نہیں۔ امریکہ کی اوہائیو سٹیٹ یونیورسٹی کے چند ماہر آواز سائنس دانوں نے اس بات کو کلیہ طور پر ثابت کر دکھایا ہے کہ جب ہم کسی آواز کو سُنتے ہیں تو اس میں صرف کانوں کا ہی نہیں بلکہ آنکھوں کا بھی کچھ حصہ ہے۔ چنانچہ چند نہایت مزید تجربات اس مقصد کے لئے کئے گئے ہیں جن میں سے ایک یہ ہے کہ سامعین ایک اندھیرے کمرے میں بیٹھے ہیں اور ان کے سامنے ایک موٹے شیشے کا چھوٹا سا (باقی صفحہ ۱۴ پر)

اٹلی کے خلاف اہل عرب میں بے چینی

(ماہر سیاسیات مشرق قریب مسٹر رابرٹ ایل۔ بارکر کے قلم سے)

(ترجمہ خاص برائے تیج ویکلی)

حبش و اطالوی نزاع کے معاملہ میں کہیں اس سے زیادہ دلچسپی نہیں لی جا رہی ہے اور نہ معاملات حبش میں اس قدر گہری ہمدردی کا اظہار کیا جا رہا ہے جس قدر مشرق قریب کے عربوں میں پائی جاتی ہے۔ مشرق قریب کے عرب اہل حبش کی آزادی اور اطالوی چنگل کی دست برد سے بچنے کی ضرورت کو ازحد محسوس کرتے ہیں۔ اور یہی وجہ ہے کہ ان عربوں میں اس جنگ کی بابت تشویش پھیل رہی ہے۔ ان عرب قبائل کو اس کی بابت کچھ معلوم نہیں کہ اطالوی و حبشی نزاع کا اثر سیاسیات عالم اور امن یورپ پر کیا پڑ رہا ہے۔ انہیں اس کی زیادہ پروا نہیں کہ امن یورپ اس وجہ سے کیونکر خطرہ میں پڑ گیا ہے۔ حبش پر قبضہ کرنے کا ارادہ کس قدر غیر منصفانہ ہے۔ اور امن کی حالت کو درست حالت میں رکھنے کے لئے کیا کیا پیچیدگیاں پیدا ہوئی ہیں۔ لیکن یہ عرب قبائل اس بات کو قطعی طور پر سمجھتے ہیں کہ اگر حبش پر اطالوی قبضہ عمل میں آ گیا تو ان کی آزادی بھی خطرہ میں پڑ جائے گی اس لئے حبش کی نزاع ان کی آزادی کے سلب کرنے کے لئے ایک بڑی دھمکی بن گیا ہے۔ اگر اطالیہ نے حبش پر اقتدار حاصل کر لیا تو کیا یہ ممکن نہیں کہ اس کی بڑھتی ہوئی ہمتیں اور شہنشاہی ارادوں کی گرمجوشی اردگرد کے عرب قبائل کے استیصال کے لئے بھی اسے مجبور نہ کر دے گی۔

گذشتہ چند سالوں میں اٹلی کی جانب سے عربوں کے خلاف جو عمل ظہور میں آیا ہے اس کی وجہ سے قبائل عرب بے چین ہیں اور یہ سمجھتے ہیں کہ اٹلی کے بڑھتے ہوئے حوصلے عرب کے لئے مضر ہیں۔

ٹریپولی میں عربوں کے ساتھ اٹلی نے جو سفاکی کی اسکو اگرچہ کئی سال گذر چکے ہیں لیکن اہل عرب کے حافظہ میں وہ معاملہ اب تک موجود ہے مصر، عرب، فلسطین، شام اور عراق کے عربوں میں اس معاملہ پر سخت جذبات پائے جاتے ہیں۔ اور اکثر ان ممالک کے اخباروں میں اٹلی کی ان ہولناک کارروائیوں کی طرف برہمی اور اشتعال کے ساتھ اشارہ کر دیا جاتا ہے۔ نیز اٹلی پر ٹریپولی کی مساجد کی توہین کرنے کا الزام بھی لگایا جاتا ہے اور اس قسم کے تمام معاملات عربوں میں اٹلی کے خلاف نہایت سخت جذبہ پیدا کرنے میں مدد دے رہے ہیں۔

۱۹۳۴ء کے موسم بہار میں مسولینی نے کہا تھا کہ اٹلی ایشیا میں اپنا پالیسی و تمدنی اثر و رسوخ بڑھانے کے لئے سخت گیری سے کام لے گا۔ یہ ایک ایسا آتشیں اعلان ہے کہ جس کو اہل عرب بار بار یاد کرتے ہیں اور سمجھتے ہیں کہ یہ ان کے لئے خاص طور پر چیلنج ہے۔ نیز امام یمن پر (ابن سعود سے جنگ کے پہلے) مسولینی نے جو ڈورے ڈالے تھے وہ بھی اس امر کی طرف خاموش اشارہ کرتے ہیں۔ تمام عربوں میں عربی اخبارات کے ذریعہ اس امر کا شدت کے ساتھ اظہار کیا جا رہا ہے کہ حبش پر لشکر کشی مسولینی کے حوصلوں کی ایک قسط ہے۔ اور کوئی دن جاتا ہے کہ وہ عربوں پر ٹوٹ پڑے گا۔ اس لئے عرب پہلے ہی سے ہوشیار ہو رہے ہیں۔ حبش پر مسولینی نے جس قدر چالاکی اور تنظیم کے ساتھ حملہ آوری کی ہے اس کے خلاف عربی اخبارات نہایت سخت لہجہ اختیار کر رہے ہیں۔

مسولینی عربی قبائل کی بے چینیوں سے واقف ہے اور نشر و اشاعت کے ذریعہ ان خیالات کی اصلاح اور غلط فہمیوں کی تردید کرنے کے لئے اس نے شام اور قاہرہ میں پروپیگنڈے کے مراکز قائم کر دیئے ہیں۔ اور وہ کوشش کر رہا ہے کہ کسی طرح عربوں کے دل سے یہ نفرت نکل جائے۔ قاہرہ تو پروپیگنڈے کا خاص مرکز بنایا گیا ہے جہاں ایک بڑی نیوز سروس یعنی خبر رساں ادارہ جاری کیا گیا ہے جو ہر قسم کی خبریں عربی میں ترجمہ کر کے ہر عربی اخبار کو مفت دیتا ہے۔ نیز تصاویر اور دیگر اشاعتی چیزیں بھی بلا قیمت ہر اخبار کے لئے مہیا کرتا ہے۔ باری (BARI) کے مقام پر ایک بہت طاقتور ریڈیو سٹیشن لگا ہوا ہے جہاں سے روزانہ عربی زبان میں اٹلی کی حمایت میں پروپیگنڈا کیا جاتا ہے حبش پر چڑھائی کرنے کی حکمت بتائی جاتی ہے برطانیہ اور دیگر اقوام کی طرف سے جو رائے زنی اٹلی کی حرکات کے خلاف ہوتی ہے اس کا جواب دیا جاتا ہے۔ اٹلی کے لئے بیانات۔ اعلانات اور براڈکاسٹ کی تقریریں تیار کرائی جاتی ہیں لیکن یہ تمام کوششیں تقریباً فضول ثابت ہو رہی ہیں۔ کیونکہ عربوں پر ان کا متوقع اثر نہیں پڑ رہا ہے۔

دمشق اور بیروت کی مساجد میں عربوں نے اکٹھے ہو کر ان دستاویزات اور محضروں پر دستخط کئے جو ارباب حکومت فرانس اور جمعیتہ اقوام کو بھیجے گئے تھے جن میں درخواست کی گئی ہے کہ وہ اطالوی پروپیگنڈے کو روکنے کے لئے تمام ایسے اداروں کو قانوناً بند کر دے فلسطین میں صرف ایک اخبار تھا جو اطالوی طرفداری میں مضامین لکھتا تھا لیکن لوگوں نے اسے مجبور کر دیا کہ وہ اپنا لہجہ اور حکمت تحریر بدل دے۔ چنانچہ اب وہ "راہ راست" پر آ گیا ہے۔

مصر کی قوم پرست پارٹی یعنی "جماعت وفد" حبش کے ساتھ اظہار ہمدردی کر رہی ہے لیکن وہ اپنے مسائل و معاملات میں اس قدر منہمک ہے کہ کسی اہم عملی اقدام کی اس کی جانب سے توقع نہیں ہو سکتی۔ لیکن وہ اپنے مفاد کے سلسلہ میں اس باب میں بھی کوشاں ہیں اور اس امر کا اظہار کر چکے ہیں۔

چنانچہ نسیم پاشا نے ۵ ستمبر کو اس بات کا اعلان کیا تھا کہ برطانیہ کے ساتھ مساویانہ شرکت عمل کی بنیاد پر اور حقوق ملیہ مصر کی حفاظت کے لئے اگر مصر کو جد و جہد کرنے کی حاجت ہوئی تو وہ حبش کی مدد کرے گا۔ اور اس جنگ میں اٹلی کے سامنے صف آرائی کرنے کے لئے تیار ہے۔ لیکن اس نے یہ ظاہر کر دیا کہ اگر برطانیہ اس معاملہ میں استعماریت اور شہنشاہیت کے مفاد کو تقویت دینا چاہے گی تو ہم اس کے طرفدار نہیں ہوں گے۔ لیکن اگر یہ کوشش کی گئی کہ ایک متحدہ حل تلاش کیا جائے جو حبش کے لئے مفید ہو تو ہمارے لئے اس سے بہتر موقع تعاون کا اور کوئی نہیں ہو سکتا۔

نیز یہ بھی معلوم ہوا ہے کہ عرب سلاطین مثلاً امیر عبداللہ حاکم مشرق اردن اور سلطان ابن سعود اٹلی کی جارحانہ حرکات کو روکنے کے حکومت برطانیہ کی طرفداری اور امداد کے لئے تیار ہیں، بہر حال آئندہ کیا ظہور میں آنے والا ہے۔ یہ دیکھنے کے قابل ہوگا۔

عورتوں کا صفحہ

اسوتوس گرلز سکول کے کھیل گھر میں لڑکیوں کی رسہ کشی (ٹگ آف وار)

ھلاس کی نیں دونیدیرہ لڑکیاں دلکش قومی لباس میں

الفورد کے اسکول میں لڑکیوں کو کپڑے دھونے کا کام
سکھلایا جاتا ھے

سانجوکو کے ابتدائی اسکولوں میں لڑکیوں کو جاپانی معاشرت
اور تہذیب سکھائی جاتی ھے

لندن میں تندرستی اور حسن کی نمائش کے موقعہ پر چار لڑکیوں
نے یہ ورزش دکھلائی تھی

روس کا مشہور مفکر اور مصنف کاؤنٹ لیوٹالسٹائی

اطالیہ کی مادل یونیورسٹی جسکا افتتاح سائنڈر مسولینی نے کیا

حبش کا ایک جنگ آزما سپاہی

الہند

وادی اندلس میں ایک عبادت گاہ کا محراب

شیفاون میں ایک مسجد جسکا طرز تعمیر حداگانہ ہے

ایک جدید طرز کا ہوائی جہاز جسکا کمرہ بیضاوی شکل کا ہے

عدیس ابابا (حبش) میں جنگ کا جوش و خروش

حبش جنگ میں باربرداری کے اونٹوں کا جھگڑا

جرمنی کی نئی آبدوز کشتیاں جنپر نازی
جھنڈے لگائے گئے ہیں

وینس (اٹلی) کا سب سے خوبصورت اور
مشہور پل "پونٹے دی ریالٹو"

برلن (جرمنی) کی ایک دلکش اور
آباد سڑک

فطرت کی عجیب و غریب صنعت جو لکڑی
سے یہ صورتیں پیدا کرتی ہیں

بچوں کی دنیا

پا[illegible]

(از جناب ماسٹر بہاری لال صاحب رام تالاب- دہلی)

(خاص تیج دیکلی کے لئے)

دل :- اگر ہمارا دل ناپاک ہو۔ تو ہماری زبان سے ناپاک الفاظ نکلینگے۔ بعض دفعہ ہم ان الفاظ کو چھپا لیتے ہیں اور ظاہر نہیں کرتے۔ لیکن وقت آتا ہے کہ یہ الفاظ بے ساختہ ہماری زبان سے نکل پڑتے ہیں اپنے دل کو پوتر بناؤ تاکہ خواب میں بھی یہ خیالات نہ آئیں اور تمہاری زبان سے ایسے الفاظ نکلیں۔

دل کو پاک بنانے کا طریق :- نیک آدمیوں کی صحبت میں رہو۔ نیک لڑکوں میں بیٹھو۔ بُرے نظاروں۔ بُرے آدمیوں کی طرف مت دیکھو۔ ایسے محلے سے مت گذرو جہاں بکتی ہو۔ یا جہاں لڑائی جھگڑا ہوتا ہو۔

نیک خیالات والی اعلیٰ کتابیں پڑھو۔ گندی اور فحش کتابیں۔ اور خراب ناول پڑھ کر لڑکے بگڑ جاتے ہیں۔ اچھی کتابوں سے اچھے خیالات اور اچھے الفاظ ملتے ہیں۔ ایسی تقریریں اور لکچر مت سنو جن میں نیک باتوں کا ذکر نہ ہو۔ ہمیشہ ایسے لکچر میں جاؤ جہاں نیک خیالات پیش کئے جائیں اسی طرح تم نیک بن جاؤ گے۔

بعض باتیں ہم ایسی دیکھتے ہیں جن سے ہم خوش ہوتے ہیں مثلاً اچھی تقریر سن کر۔ اور اچھے اچھے کرتب وکھیل دیکھ کر ہم خوش ہوتے ہیں جب ہم دیکھتے ہیں کہ کسی کے چوٹ لگی ہے تو ہمارا دل اس کے دُکھ سے دُکھی ہوتا ہے

ایک شخص باغ میں بیٹھا تھا۔ باغ میں پھول تھے پھل تھے۔ وہ خوش ہو رہا تھا۔ ایک دم تار آیا کہ تمہارا لڑکا مرنے کے قریب ہے۔ وہ بہت دُکھی ہوگیا۔ باغ کا خیال اس کے دل سے نکل گیا اور لڑکے کی تکلیف کے خیال نے اُسے دُکھی کر دیا۔ اس کے بعد تار آیا کہ اس کی حالت بالکل اچھی ہوگئی ہے۔ وہ ایک دم پھر خوش ہوگیا۔ خوشی اور غمی ہمارے خیالات کے اندر ہے۔ ہم اپنے لڑکے کے مرنے سے دُکھی ہوتے ہیں۔ لیکن کسی ڈاکو کے مرنے سے خوش ہوتے ہیں۔

جب ہم کسی نظارے کا تصوّر کرتے ہیں تو ہمارے اندر خیالات پہلے سے موجود ہوتے ہیں۔ یہ تصوّر اس خیال کو زندہ کر دیتا ہے۔ مصوّر تصویر بنانے سے پہلے خوبصورت تصویر کا خیال اپنے دل میں قائم کرتا ہے۔ شاعر نظم لکھنے سے پہلے اس کا تخیل اپنے دل میں قائم کرتا ہے۔ ہم کرنے سے پہلے سوچتے ہیں کہ ہمیں کیا کرنا چاہئے۔ ہم یہ خیال بھی پہلے سے کرسکتے ہیں کہ اگر یہ خیالات الفاظ میں ظاہر کریں تو لوگوں پر ان کا کیا اثر ہوگا۔ اور اس اثر کا نتیجہ کیا نکلیگا۔

جب ہم کسی بات کا تصوّر کرتے ہیں تو اس سے خیال پیدا ہوتا ہے یا خواہش پیدا ہوتی ہے یا کوئی جذبہ پیدا ہوتا ہے جس کا اظہار الفاظ میں یا عمل میں ہوتا ہے۔ اس لئے ہمیں ایسا کوئی خیال دل میں نہ لانا چاہیئے جس پر عمل کرنا مناسب نہیں۔

فرض کرو کہ ایک شخص کو پیاس لگی ہے اُسے پانی چاہیئے۔ لیکن جب تک وہ پانی لے کر پینے کا خیال نہ کرے وہ پیاسا رہیگا۔

اسی دیگر نیک کاموں کا اثر ہوتا ہے۔ دل میں خیالی پلاؤ پکانے سے کچھ فائدہ نہیں۔

سوالات

(۱) ناپاک دل کی کیا شناخت ہے؟
(۲) کیا لوگوں کی ناراضگی کے خیال سے ناپاک الفاظ ادا نہ کرنے سے دل پاکیزہ بن جاتا ہے؟
(۳) دل کو پاکیزہ کس طرح بنا سکتے ہیں؟
(۴) نیک و بد صحبت کا اثر انسان پر کیا پڑتا ہے؟
(۵) کس قسم کی کتابوں کا مطالعہ کرنا چاہیے؟
(۶) کس قسم کی تقریریں سُننی چاہئیں؟
(۷) مختلف اشیاء کے مشاہدہ کا اثر دماغ پر کیا پڑتا ہے؟
(۸) واضح کرو کہ انسان اپنے خیالات کے باعث خوش یا رنجیدہ ہوتا ہے؟
(۹) ایسے خیالات ظاہر کرو جو دُکھ یا سکھ دینے والے ہوں۔
(۱۰) کیا وجہ ہے کہ ہم بدمعاش کی موت سے خوش ہوتے ہیں اور شریف آدمی کی موت سے دُکھی ہوتے ہیں؟
(۱۱) جس بات پر عمل کرنا غیر مناسب ہے۔ اس امر کا خیال کرنا بھی کیوں بُرا ہے؟
(۱۲) اگر ہمارے دل میں کسی مصیبت زدہ کی امداد کا جذبہ پیدا ہو۔ اور ہم اس پر عمل نہ کریں تو اس کا کیا اثر ہوگا؟

لڑکا مدرسے جاتا ہے

(از جناب غلام محی الدین صاحب مائل۔ انبالوی۔ سابق ایڈیٹر "اسٹوڈینٹس میگزین")

(خاص تیج ویکلی کے لئے)

کیا بغل میں دبائے بستے کو ۔۔۔ مدرسہ جا رہا ہے وہ دیکھو
جلدی جلدی قدم بڑھاتا ہے ۔۔۔ شوق سے دیکھو کیسا جاتا ہے
دیر سے مدرسے اگر پہنچا ۔۔۔ سب کہینگے کہ غیر حاضر تھا
شرم آئے گی سامنے سب کے ۔۔۔ اُسکو رہنا پڑیگا پھر دب کے
یاد ہے اسکو سب سبق کل کا ۔۔۔ جا کے اُستاد کو سُنا دیگا
جو سوالات اور پُوچھیں گے ۔۔۔ سب کے دیگا جواب یہ دل سے
با ادب اور ہونہار ہے یہ ۔۔۔ سارے لڑکوں میں ہوشیار ہے یہ
اسکے اُستاد مانتے ہیں اسے ۔۔۔ اور شوقین جانتے ہیں اسے
اسکو دل سے سبق پڑھاتے ہیں ۔۔۔ جو یہ پُوچھے اسے بتاتے ہیں
دل یہ کیوں کام آج کا چھوڑے ۔۔۔ فرض سے اپنا منہ یہ کیوں موڑے
جب کبھی امتحان دیتا ہے ۔۔۔ سب سے نمبر زیادہ لیتا ہے
بات جو پوچھو سچ یہ کہتا ہے ۔۔۔ کیونکہ سچائی اسکا شیوہ ہے
علم حاصل کریگا یہ جلدی ۔۔۔ اور پائے گا خوب عزت بھی

خُوب روشن کرے گا یہ لڑکا
نام دُنیا میں باپ دادا کا

سائنس

(صفحہ نمبر ۱۷ کا بقایا مضمون)

کرے جس کی دیواریں اس قسم کی ہیں کہ ان کے اندر سے آواز نہیں نکل سکتی بولنے والا شخص اس کمرے کے اندر بیٹھتا ہے اور بولتا ہے اور گرد ایک اس کی آواز ایک مائیکروفون اور لاؤڈ سپیکر کے ذریعہ دوسرے کمرے میں بالکل صاف سنائی دیتی ہے اب جبکہ کمرے میں مکمل اندھیرا ہو تو لاؤڈ سپیکر میں گزرنے والی بجلی کے راستہ میں ایسا فلٹر ڈالا جاتا ہے جو آواز کی ان لہروں کو جو کہ زیادہ لمبائی رکھتی ہیں بالکل روک دیتا ہے۔ اس کے ساتھ ہی کمرے میں ایک شور برپا کر دیا جاتا ہے جس سے اندر والے آدمی کی آواز بالکل سنائی نہیں دے سکتی اس موقعہ پر تجربہ سے دیکھا گیا ہے کہ اگر اندر کے کمرے میں اور باہر کے کمرے میں روشنی کر دی جائے جس سے بولنے والے کا چہرہ نظر آنے لگ پڑے تو اس کی آواز کو سامعین بہر نوع انہیں حالتوں میں سمجھ سکتے ہیں

یہ تجربہ کئی مختلف طریقوں سے سرانجام دیا جا سکتا ہے اور مختلف طریق پر اس کو کر کے یہ ثابت کیا گیا ہے کہ بولنے والے کی تقریر کو سمجھنے میں کانوں کے ساتھ ہی آنکھوں کا بھی بہت حصہ ہے۔

(۳) فیکٹریوں میں شور و غل کا اثر

انگلینڈ انڈسٹریل ہیلتھ ریسرچ بورڈ کے ایک رکن مسٹر ولیس نے ثابت کیا ہے کہ کارخانوں میں جو شور پیدا ہوتا ہے وہ وہاں کام کرنے والے لوگوں کے کام میں بہت حرج ہے چنانچہ اس نے ایک گروپ کو جو ہمیشہ کے لئے ایک ہی کام دونوں حالتوں میں دیا پہلے جبکہ شور ہو رہا تھا۔ اور دوسرے جبکہ ان کے کانوں پر ایک ایسا ربڑ لگا دیا گیا تھا کہ جس سے شور کی آواز ان کے کان تک نہ پہنچ سکے تجربہ سے معلوم ہوا کہ دوسری حالت میں تقریباً ۶ فی صدی کام زیادہ ہو سکتا ہے۔ سنہ ۱۹۳۲ء میں پہلے بھی ایک اسی قسم کا تجربہ کیا گیا تھا جس میں یہ مقدار بارہ فی صدی کے قریب بیان کی گئی تھی۔ شاید وہ تجربہ بہتر حالات میں کیا گیا ہو گا اس بات سے انکار نہیں کیا جا سکتا کہ خاموشی اور سکون پر اثر کام کے سرانجام دینے میں نہایت سود مند ہے۔

(۴) خشک اور پختہ گھاس

انگلینڈ کی زراعت کی ریسرچ کونسل نے حال ہی میں ایک کمیٹی اس بات کو جانچنے کے لئے مقرر کیا تھا کہ گھاس اور دوسرے پودے جو کہ جانوروں کی خوراک ہیں آیا ان کی غذائیت پک جانے پر زیادہ ہوتی ہے یا کہ اس حالت میں جبکہ یہ ہرے اور نرم ہوتے ہیں۔ چنانچہ ان کی رپورٹ اب شائع ہو چکی ہے جس میں انہوں نے ظاہر کیا ہے کہ اگر گھاس کو پکنے سے پہلے کاٹ کر سکھا لیا جاوے تو یہ خوراک کے لحاظ سے جانوروں کے لئے بہت مفید ثابت ہوتا ہے

موتی

جو شخص علم رکھے اور عمل نہ کرے وہ اس گدھے کی مانند ہے جس پر کتابیں لدی ہوں۔ کیونکہ وہ اُن سے فائدہ نہیں اٹھا سکتا۔

عالم وہی ہے جو دنیا کے کاروبار میں پڑنے کے باوجود خواہشات نفسانی اور مال و دولت پرستی کو ترجیح دیتا ہو۔ وقت رائیگاں نہ کرنا اور خیالات پر قابو رکھنا بھی عالم کی خصوصیت ہے۔

خوبصورت گھوڑے اور قیمتی لباس سے فضیلت حاصل نہیں ہو سکتی۔ کیونکہ ان کی فضیلت اپنی نوع پر ہے اور انسان کی فضیلت انسانیت سے ہے

اپنے علم اور اخلاق کو سمجھنے والا انسان جاہلوں کی ملامت سے رنج و افسوس نہیں کرتا۔

کسی چیز کو جاننا نہ جاننے سے اچھا ہے مطالعہ دماغ کو روشن کرتا ہے اور اچھی کتابیں انسان کی بہترین رفیق ہیں۔

سچائی کسی کی میراث نہیں۔ نیکی کی بات جہاں سے ملے لے لو۔ اور بُری بات کو چھوڑ دو۔

سر ڈبلیو۔ بی۔ تھامس کا قول ہے کہ زمانہ حاضر کی سب سے بڑی لعنت گنوار پن ہے یعنی حماقت کی وجہ سے لوگ ثانوی اشیاء کو اول درجہ کی اہمیت رکھنے والی اشیاء میں شامل کر دیتے ہیں ایسے خالی الذہن لوگ سینما کو بلبل کی نغمہ سرائی پر ترجیح دیتے ہیں۔ اور سڑکوں کو چمنستان سے اچھا خیال کرتے ہیں۔

محبت بے اثر نہیں رہتی۔ آج کل یا سینکڑوں برس کے بعد غرض ایک دن سچائی ضرور کامیاب ہو گی۔ خدا کی تلاش میں کہاں جاؤ گے؟ کیا غریب و محتاج اور مصیبت زدہ خدا کے بندے نہیں ہیں؟ انہیں کیوں نہیں پوچھتے ہو؟ محبت کی عالمگیر قوت میں اعتماد رکھو۔ نام و نمود کی پروا نہ کرو۔ اگر تم میں محبت ہے تو تمہارا اثر عالمگیر ہوگا۔

نیو تھیٹرز اسٹوڈیو نیوز

کرورپتی مکمل ہو گیا۔ بہت جلد مارکیٹ میں آنے والا ہے۔ یہ ایک کامک فلم ہے۔ جس کو دیکھ کر آپ ہنستے ہنستے بے تاب ہو جائیں گے

منزل کے بہت سے مناظر کلکتہ کے پُر فضا باغوں میں لئے گئے ہیں۔ جو آجکل موسم بہاری کی آغوش میں سرسبز و شاداب نظر آ رہے ہیں کمپنی کے بہترین آرٹسٹ مسلسل دو ہفتہ ایڈن گارڈن اور بوٹانیکل گارڈن میں اپنے اپنے کاموں میں مصروف رہے مس جمنا اور مس لیلا نے فنی قابلیت کے اعلیٰ مظاہرے کئے۔ اور ایک نے دوسرے پر سبقت لے جانے کی انتہائی کوشش کی۔ منزل کے ڈائرکٹر مسٹر بروا اپنے فرائض کی تکمیل میں سرگرم ہیں۔ اور ان کی کوشش ہے کہ منزل ان کی بہترین پکچر ثابت ہو۔ مس جمنا نے حیرت انگیز ترقی کی ہے۔ اُن کی ایکٹنگ دیکھ کر ناظرین مسحور ہو جائیں گے۔ مس لیلا کے دلکش نغمے تھوڑی دیر کے لئے آپ کو خود فراموش کر دینگے مسٹر بروا جو منزل میں ہیرو ہیں۔ اپنے کردار کی ادائیگی میں پیش پیش ہیں۔ مسٹر نیمو اور مسٹر پرتھوی راج کی تمثیل کاری انقلاب انگیز ہے۔ منزل نیو تھیٹرز کا سنہ ۱۹۳۶ء کا شاہکار ہوگا اس کے گانے حضرت آرزو لکھنوی اور مکالمے اصغر حسین صاحب شوریدہ نے لکھے ہیں۔

دنیا لوگو انڈیا فلم بور وکا پکچر نیو تھیٹرز کے نگارخانہ میں زیر تکمیل ہے۔ ۹۵ فیصدی مکمل ہو چکا ہے۔ مسٹر پرفلا رائے دنیا لوگو کے ڈائرکٹر اپنے کام کو مسرت اور اطمینان کے ساتھ انجام دے رہے ہیں۔ دنیا لوگو کے مکالمے بسمل شرقی نے لکھے ہیں۔ اور انہیں نیو تھیٹرز کے مشہور اسٹار سائیگل سانیال۔ نواب کاشمیری۔ چندرا دیوی۔ راج کماری بہترین اداکاری اور موسیقی کے کمالات دکھا رہی ہیں۔ علاوہ ازیں بے تارک۔ جگدیش۔ کپور۔ شور۔ کیدار۔ بابولال وغیرہ بھی بڑی محنت سے کام کر رہے ہیں۔ دنیا لوگو بہت جلد پبلک کے سامنے آنے والا ہے۔

نپولین کا انتقام

کیا نپولین اعظم نے ادبی دنیا میں ناکامی کی وجہ سے دنیا کو فتح کرنے کی ٹھانی تھی

ناکام ادیب اور زبردست فاتح

(از جناب رئیس دہلوی مقیم کلکتہ ——— خاص تیج دہلی کے لئے)

پچھلے دنوں نپولین کے ادبی کارناموں کا انکشاف ہوا ہے۔ چنانچہ ذیل کے مضمون میں اس پر روشنی ڈالی گئی ہے۔ (رئیس)

کیا آپ جانتے ہیں کہ نپولین کا محرک اصل انتقام تھا۔ صرف انتقام ہی جس کی وجہ سے اس نے دنیا فتح کرنے کا قصد مصمم کر لیا۔ دنیا پر حکومت کرنے کی ٹھان لی اور سب جانتی ہے کہ وہ اس میں کامیاب ہو چلا تھا۔ دنیا اس کی اعلیٰ شخصیت کی معترف ہو گئی۔ اور تسلیم کر لیا کہ وہ بہادر جرنیل تھا اور زبردست دماغ رکھتا تھا۔ لیکن یہ نہیں جانتی کہ یہ صرف انتقام ہی تھا جس نے اس کو بہادر جرنیلوں کی صف اول میں لا کھڑا کیا۔

اگر اس انتقام کے درپے نہ ہوتا تو شاید آج بحیثیت جرنیل بہادر سلطنت نظر نہ آتا۔ بلکہ نامور ادیب کی صورت میں پیش ہوتا۔

اس ادیب ہوتا جو اپنی قلم کی جولانیوں سے ہمارے دلوں میں ہلچل مچا دیتا۔ ہم کو موہ لیتا۔ ادب کا رنگ بدل دیتا۔ اور ایک نیا معیار پیدا کرتا۔

نپولین اوائل زندگی میں ادیب بننا چاہتا تھا مگر سخت ناکامی کا سامنا ہوا۔ کسی نے اس کی ہمت نہ بندھائی بلکہ سخت نکتہ چینیاں کر کے اسے دل شکستہ کر دیا۔

نپولین کو بچپن ہی سے شہرت حاصل کرنے کا شوق یا یہ کہیے کہ خبط تھا۔ اس لئے ہمیشہ کھیل کود اور جھگڑے فساد میں اپنے ہم عمر لڑکوں میں پیش پیش رہتا تھا۔ یہ شوق عمر کے ساتھ ساتھ ترقی کرتا گیا اور ۱۷۸۵ء میں جب اس کی عمر سترہ سال کی تھی اس نے ادیب بننے کا تہیہ کر لیا کیونکہ اسے اس سے اچھا شہرت حاصل کرنے کا اور کوئی دوسرا ذریعہ نظر نہ آیا۔ لیکن اس کی قسمت نے یاوری نہ کی۔ وہ کامیاب عوام کو اپنا گرویدہ نہ بنا سکیں اور سات سال کے تلخ تجربے نے اس پر یہ حقیقت منکشف کر دی کہ نقاد اور نکتہ چیں حضرات گولے بارود سے کہیں زیادہ خطرناک ہوتے ہیں۔ معترض حضرات نے اس کے سخت اعتراض کئے۔ اور اس کے مضامین پر اس کو سارا یہ تجربہ اس کے لئے سخت اہم کن تھا کیونکہ وہ شہرت کے پیچھے دیوانہ ہو رہا تھا مگر یہ مایوسی ہی اس کے لئے مسیحا ثابت ہوئی۔ اسی مایوسی نے شوق سے دست و گریباں ہو کر ایک اور قدیمہ پیدا کر دیا اور وہ انتقام تھا۔ اس نے دنیا سے انتقام لینے کی ٹھان لی۔ اس نے ارادہ کر لیا کہ اگر عوام یوں اس کے مضامین نہیں پڑھتے تو وہ دنیا فتح کر کے ان سے بزور پڑھوائے گا۔ چنانچہ اسی انتقام کے ارادہ نے اسے بہادر جرنیلوں کی صف اول میں لا کھڑا کیا لیکن بعد میں وہ ملکی جھگڑوں کے سلسلہ میں ایسا مصروف ہوا کہ پھر مضمون نویسی کی فرصت نہ ملی۔ اس کے علاوہ ایک حد تک اس کا شوق بھی پورا ہو گیا تھا۔ کیونکہ چہار دانگ عالم میں اس کی شہرت پھیل گئی تھی جس کا وہ طالب تھا۔ لیکن پھر بھی اگر اسے فرصت ملتی تو وہ دوبارہ مضمون نگاری کرتا۔ اور لوگ اگر نہ پڑھتے تو جبریہ پڑھواتا۔

نپولین کو چونکہ شہرت حاصل کرنے کا خبط تھا اور ادبی ذریعہ اس حرص کو پورا کرنے کے لئے سب سے زیادہ آسان نظر آتا تھا اس لئے اس طرف … طبع کیا تھا۔ لیکن اس میں اہلیت نہ تھی اور معترض حضرات سخت تھے۔ معیاری اعتراضات کرنے میں حق بجانب تھے۔ کیونکہ اس کے مضامین میں نہ کوئی خوبی ہوتی تھی نہ ادبی چاشنی۔ اس کے علاوہ محاورات و استعارات اور اصول مضمون نگاری کی … سے بھی آزاد ہوتے تھے۔ لیکن اپنی اولوالعزمی اور عالی دماغی کی بدولت نپولین یہ کمزوریاں رفع کر لیتا جب کامیاب ہو سکتا تھا۔ اور نکتہ چیں حضرات بھی کی مستقل مزاجی اور عالی … کا علم ہو جاتا اور شاید وہ بھی اعتراضات کرنے میں احتیاط سے کام لیتے اور ہمت بندھاتے تو آج تاریخ عالم میں انقلاب ہونے کے بجائے ادب میں انقلاب ہوتا اور ادب کا رنگ ہی کچھ اور ہوتا۔

نپولین کو ادب کی طرف سے جس بات نے مائل کیا وہ دو کتابوں کا مطالعہ تھا۔ ایک روسو کی مشہور کتاب اور دوسری … کی کوئی کتاب۔ ان کتابوں کے مطالعہ نے اسے بھی شوق دلایا کہ وہ بھی اپنی قلم

(باقی اگلے صفحہ پر)

پچھلے صفحہ سے

کی حشوہ طرازیوں سے عوام سے خراج تحسین وصول کرے اور اسی ذریعہ سے شہرت حاصل کرے۔ اسوقت وہ فوجی اسکول میں تعلیم حاصل کررہا تھا۔ فوجی زندگی سخت ہوتی ہے اور اس کو اپنا شوق پورا کرنے کے لئے کافی وقت نہ مل سکتا تھا اس کے علاوہ قدوقامت پر ساتھیوں کی پھبتیاں سنے کی وجہ سے عاجز آکر اس نے چھٹی کے لئے درخواست دیدی جو منظور نہ ہوسکی۔ ناچار تہیہ دلپسند برجان ندوبش کے مقولہ پر عمل کرکے اس نے وہیں چمنستان ادب کو اپنے قلمی گلہائے رنگیں سے زینت دینے کی ٹھان لی اور اس کا سلسلہ بھی شروع کردیا۔

نپولین کا پہلا ادبی اقدام "تاریخ کارسیکا" ہے محدود قابلیت اور کم علمی پر تاریخ جیسا مشکل اور خشک موضوع لینا ایک دلیری تھی اور نپولین کے بس سے باہر۔ مگر جس طرح بھی ہوسکا اس نے ابتدائی دو باب ختم کرلئے اور مارتبے نامی ایک پادری کے نام پر معنون کرکے رئیل کے پاس بغرض اصلاح ایک دلچسپ خط کے ساتھ بھیجدی جس میں تحریر کیا:-

"میری عمر اٹھارہ سال کی بھی نہیں ہے۔ گو یہ عمر سیکھنے کی ہوتی ہے۔ مگر مصنف بننے کی جرات کررہا ہوں اور امید کرتا ہوں کہ یہ دلیری آپ کے مذاق کا موضوع نہیں بنے گی اور آپ شفقت سے کام لیں گے:

"تاریخ کارسیکا کا پہلا اور دوسرا باب بغرض اصلاح ارسال خدمت ہے اور بقیہ کا منتظر ہوں گا۔ اگر آپ نے پسند کیا تو مکمل کرنے کی کوشش کروں گا۔ اور اگر ناپسند کیا تو آگے نہ لکھوں گا"

اس کے جواب میں رئیل نے مختصر لکھ بھیجا۔

"پہلے معلومات اور وسیع کرو پھر لکھنے کی کوشش کرنا"

یہ جواب دل شکن ضرور تھا۔ مگر شوق کی وجہ سے اس نے نظر انداز کردیا اور کوئی اثر نہ لیا بلکہ اور زیادہ مستعدی اور دلچسپی سے دوبارہ تاریخ کارسیکا لکھنی شروع کی۔ اب اس کی رخصت منظور ہوگئی تھی چنانچہ وہ مسودے اپنے ساتھ گھر لیتا گیا۔ اور نہایت انہماک سے ڈھائی سال میں جو کارسیکا میں بسر کئے۔ کتاب مکمل کرڈالی اور دو معمولی افسانے بھی لکھے۔ ایک "دی کاونٹ آف اسیکس" اور دوسرا "دی ماسکڈ پرافٹ"۔

نپولین نے بصد شوق و آمد و یہ مسودہ پاسکوے پالی مشہور کارسیکن مدبر کے پاس اس کے نام پر معنون کرکے بھیجدیا اور خط میں استدعا کی کہ اسے وثوق ذرائع سے معلوم ہوا ہے کہ اس کے پاس کارسیکا کے متعلق کچھ تاریخی مواد مسودوں کی شکل میں موجود ہے اس لئے وہ ان کو نقل کراکے بھیجدے تاکہ اس میں سے ضروری حصے اس کتاب میں شامل کردیئے جائیں۔

پاسکوے پالی نے اس نوجوان اور شوقین ادیب کی استدعا اور آرزوؤں کا ذرا خیال نہیں کیا اور نہایت سرد مہری سے [illegible] مسودے تلاش کرنے اور نقل کر[illegible] نہیں ہے اور یہ بھی تحریر کیا:

"تم ابھی نوجوان ہو [illegible] تاریخ لکھنے کے لئے [illegible] کی ضرورت ہوتی ہے۔ اس لئے بہتر ہے کہ اس خیال خام سے باز آؤ"

نپولین کی تمام امیدوں اور آرزوؤں پر پانی پھر گیا۔ کسی نے ہمت نہ بڑھائی بلکہ انتہائی سرد مہری سے کام لیا۔ اس نے ایک اور کوشش یہ کی کہ جو گی نامی ایک کتب فروش سے خواہش ظاہر کی کہ وہ یہ کتاب چھپوادے مگر اس نے بھی ٹکا سا جواب دیدیا۔ ناچار انتہائی غصہ کی حالت میں نپولین نے تاریخ کارسیکا کی صورت بدل دی اور "ایک کسان کی زبانی پرانے واقعات کا اعادہ" کے نام سے لکھی اور فرانسیسی اقتصادی وزیر نیکر کے نام پر معنون کرکے اپنے ایک پہلے اُستاد کے پاس بغرض تنقید بھیجی۔ لیکن اس کا جواب سب سے زیادہ سخت اور دل شکن تھا۔ اس نے نپولین کی طرز تحریر پر سخت اعتراض کیا اور لکھا کہ اسے کوئی حق نہیں پہنچتا کہ فرانسیسی شہنشاہیت کے متعلق اپنی غلط رائے ایک کسان کی زبانی ادا کرائے۔

اس دوران میں نپولین کارسیکا کی سیاست میں کافی دلچسپی لے رہا تھا اور واقعات کی رفتار کا گہری نظروں سے مطالعہ کررہا تھا۔ ۱۷۹۱ء میں جب اُسے معلوم ہوا کہ بتافاکو کا جو پاسکوے پالی کا زبردست

[illegible] نپولین [illegible] کے مسودے [illegible] کی [illegible] تاریخ کارسیکا نے [illegible] کے خلاف ایک جلسہ میں زبردست تقریر کی جب جلسہ کی رپورٹ اور اس کی تقریر شائع ہوئی۔ تو اس نے ایک کاپی پالی کو بھیجکر پھر استدعا کی کہ وہ تاریخ کارسیکا کے لئے مواد نقل کراکے بھیجے۔ لیکن اس کی یہ کاوش بھی پالی کو خوش نہ کرسکیں اور اس نے پہلے سے بھی زیادہ سرد مہری سے لکھ بھیجا:-

"بتافاکو کے خلاف تقریر کرنے کی زحمت برداشت نہ کرو۔ میں تمہارے لئے مسودے تلاش کرنے اور نقل کراکے بھیجنے میں وقت صرف نہیں کرسکتا"

نپولین نے جب اپنی استدعاؤں کا اثر نہ دیکھا تو اپنے بھائی جوزف بونا پارٹ سے لکھوایا مگر اس کو بھی یہی جواب ملا:-

"مجھے تمہارے بھائی کا پمفلٹ مل گیا ہے۔ اگر تقریر میں احتیاط برتی ہوتی تو بہتر ہوتا لیکن اس نے جوش اور طرفداری سے بہت کام لیا ہے۔ مجھے اور دوسرے کام کرنے ہیں اور مسودے تلاش کرنا اور ان کی نقل اُتروا کر بھیجنا مشکل ہے:"

نپولین بہت زیادہ مایوس اور دل شکستہ ہوگیا۔ آخر کس وجہ سے اُن لوگوں کو مجھ سے ہمدردی نہیں ہے اور یہ میری ہمت کیوں نہیں بڑھاتے؟"

مزاحیہ

اشتہاری بیوی

(از جناب سید ذوالفقار الحق مہر - بھوپالی)

(خاص تیج ویکلی کے لئے)

ابھی ہم پورے جوان بھی نہ ہونے پائے تھے کہ ہمارے والد صاحب قبلہ نے ہمیں شادی کی مضبوط زنجیروں سے جکڑ دیا تاکہ انگلینڈ جاکر ہم کسی جھٹ ناگہانی میں نہ پھنس جائیں یعنی کسی اپ ٹو ڈیٹ فیشن ایبل "آفت کی پرکالا" خوبصورت بلا، انگلش دوشیزہ کو اپنی شریک زندگی بنانے کی کوشش نہ فرمائیں۔

حالانکہ ہمیں عورتوں سے اتنی نفرت تھی جتنی کہ ہماری عزیز بیوی کو حریرے سے یا ہمارے لنگوٹ سے جس کو زیب تن کرکے ہم ڈنٹ بیٹھک کیا کرتے تھے۔ مگر قاضی صاحب نے نہ معلوم جرمنی یا جبلپالی کون سا وظیفہ پڑھ کر ہمارا نکاح پڑھایا کہ حضرت ہماری نفرت محبت سے بدل گئی۔ اور ہم اپنی بیوی پر اس بُری طرح لٹو ہوئے کہ "جورو کے غلام" کا مبارک خطاب ہمیں مل گیا۔

اب انگلینڈ جانے کا زمانہ قریب آیا تو ہم لگے رونے کر خدایا اس وقت کی ہم میں تو تاب نہیں۔ تو انگلینڈ کو کھینچکر کس طرح ہندوستان میں بسا دے۔ یا ہندوستان کو کھینچکر کسی طرح انگلینڈ میں لے جا۔ تو رحیم ہے رحم کر۔ مگر جناب نہ انگلینڈ ہندوستان میں آیا اور نہ ہندوستان انگلینڈ میں گیا۔ اور ہم کو اپنی عزیز بیوی سے پانچ سال کی طویل مدت کے لئے جُدا ہونا ہی پڑا۔ جہاز پر جو ہماری حالت تھی خدا بہتر جانتا ہے بس ہمیں رونا ہی رونا چلا آتا تھا۔ کسی نے بات کی اور ہم رو دیئے جہاز والے ہم سے اس قدر خوش ہوئے کہ بقول شخصے ہماری قسمت کھل گئی۔ یعنی ایک دوسرا خطاب "روتی صورت" ہمیں مل گیا۔ اور واقعہ تو یوں ہے کہ اس کے ہم مستحق بھی تھے۔

اب جناب ہم "جورو کے غلام" اور "روتی صورت" جیسے شاندار خطابات رکھنے والے باوقار آدمی انگلینڈ میں اترے۔ ہم کو انگلینڈ جیسے مہذب اور شائستہ ملک سے بہت کچھ توقع تھی۔ ہم سمجھتے تھے کہ ہم جیسی مشہور ہستی کا استقبال بڑی شان و شوکت سے ہوگا۔ توپیں سر ہوں گی وغیرہ۔ مگر معلوم ہوا کہ دور کے ڈھول واقعی سہاونے ہوتے ہیں۔ ہم نے عہد کیا کہ آج سے انگلینڈ کو مہذب کبھی نہیں کہیں گے پھر ہمیں اپنی پیاری بیوی کا خیال آیا۔ اور جتنے آنسو نکل سکتے تھے نکالے۔ قصہ بہت طویل ہو جائیگا اگر ہم اپنی ساری حرکتیں بیان کریں۔ اس لئے مختصراً پیش کرتے ہیں۔ اور ناظرین سے امید رکھتے ہیں کہ ہمارا راز ایک شریف آدمی کی طرح اپنے ہی تک رکھیں گے۔

ہاں تو حضرت تھوڑے ہی دنوں میں ہم میں ایک زبردست تبدیلی واقع ہوئی۔ یعنی فیشن کے دیوتا کو لگے پوجنے اور اس طرح پرفیکٹ جنٹلمین بن گئے۔ ۲۴ گھنٹے ہم حسینانِ انگلینڈ سے گھرے رہتے۔ لیکن ساتھ ہی ڈرتے بھی تھے کہ کہیں ایسا نہ ہو کہ کوئی لگے پڑے اور ہم اپنے والد بزرگوار کی جائداد سے محروم کر دیئے جائیں۔ (کیونکہ انہوں نے چلتے چلتے ہم سے کہا تھا کہ دیکھو بیٹا میم وغیرہ نہ لانا۔ ورنہ یاد رکھو میری جائداد میں سے ایک حبہ بھی تمہیں نہ ملیگا)۔ یہ تھی مشکل۔ خیر جی کچھ بھی ہو۔ پانچ برس بڑے مزے سے گذر گئے۔ اور ہم اب بڑے ٹھاٹھ سے بیرسٹر بن کر اکڑتے ہوئے ہندوستان پہنچے۔ والد صاحب قبلہ خوشی سے پھولے نہ سماتے تھے۔ اس وجہ سے اور بھی کہ ہم کسی میڈم کو اپنے ساتھ نہ لائے تھے۔ ہماری رفیق زندگی بھی بلوغ بلاغ ہوئی جا رہی تھیں۔ اور خط نہ لکھنے کی بے انتہا شکایت کرتی تھیں۔ ہم تعجب کرتے تھے کہ پہلے تو اس عورت کی ادائیں ہمیں اتنی بھاتی تھیں کہ واللہ اس کے خون کی جگہ پسینہ گرانے کو...

" . . . . اسے تو پسینہ کی جگہ خون گرانے کو دل چاہتا تھا۔ مگر اب کیا ہوگیا۔ اب تو دل چاہتا ہے کہ اس کی صورت دیکھنے سے بہتر ہے کہ خودکشی کرکے ٹھاٹھ سے ہمایوں کے مقبرے میں جا لیٹیں مگر جناب انگلینڈ سے واپس آنے کے بعد خودکشی کرنا آسان بات نہیں ہے۔

خیر یہ سوچ کر کہ صبر کا پھل میٹھا ہوتا ہے ہم خاموش رہے۔ لیکن دل ہی دل میں کڑھنے کی وجہ سے دو پونڈ ویٹ (وزن) روزانہ گھٹتا رہا۔

ابھی ہمیں انگلینڈ سے آئے ایک مہینہ بھی نہ ہوا تھا کہ ہمارے والد بزرگوار ٹائیفائڈ میں مبتلا ہوکر اِس جہانِ فانی سے آنجہانی ہوگئے۔ اب ہم آزاد تھے۔ اکلوتی ہمشیرہ کا حصہ دے دلاکر دو کروڑ روپیہ کی جائداد ہمارے قبضہ میں آئی۔ پھر کیا تھا۔ بس دیدیا ایک اشتہار اخباروں میں کہ ضرورت ہے ایک یوروپین بیوی کی ایسی جو خوبصورت ہو ماہ کامل سے زیادہ اور رکھتی ہو اپنے اندر وہ تمام خوبیاں جو پائی جاتی ہیں [illegible] میں یورپ کی اپ ٹو ڈیٹ فیشن ایبل اور چلبلی حسینوں کے اندر۔

ہزاروں خطوط ہمارے پاس آئے مع تصویروں کے۔ اور کیوں نہ آتے آخر ہم تھے بھی تو دو کروڑ کی اسامی۔ جس طرح کہ کسی بڑے معمہ کا کمپائیلر (compiler) اپنے کمپیٹیٹرس (competitors) کے حلوں کا معائنہ کرتا ہے اسی طرح ہم نے بھی اپنے کمپیٹیٹرس (competitors) کے خطوط اور تصاویر کا معائنہ کرنا شروع کیا۔

الغرض ان سب میں سے ایک تصویر ہمیں بیحد پسند آئی۔ اور ہم نے اس کو انعام دینے کی ٹھہرائی۔ وہ کمسن حسینہ ایک یوروپین گریجویٹ تھی۔ شام کو ہم نے اپنا بہترین سوٹ پہنا سیکڑوں مرتبہ چاروں طرف سے اپنے آپ کو آئینہ میں دیکھا۔ اور جب یقین آگیا کہ ہم بھی کچھ ہیں تو اکڑتے ہوئے اپنے رولس میں بیٹھکر اس حسینہ کے بنگلے پر پہنچے۔ ملاقات ہوئی تو وہ اپنی تصویر سے بھی زیادہ حسین نکلی۔ ہم نے اپنی ساری قابلیت اس سے گفتگو کرنے میں صرف کر دی۔ القصہ یہ طے پایا کہ کل پانچ بجے شام کو وہ ہماری اور ہم اس کے ہو جائیں۔ انفسپرمن کل ہوئی اور ہم ایک سے دو بیوی والے ہوگئے۔ گھر میں قدم رکھنے کے ساتھ ہی ہماری یوروپین بیوی بھوکی شیرنی کی طرح ہماری غریب ہندوستانی بیوی پر ٹوٹ پڑی اور اس قدر گرم ہوئی کہ بیچاری ہندوستانی عورت کو صبح سویرے ہی اپنے میکے جانا پڑا۔

ابھی تھوڑے ہی روز ہوئے تھے کہ ہماری یوروپین رفیق حیات نے رائے دی کہ ہم اپنی ساری جائداد بیچ ڈالیں اور انگلینڈ میں کوئی عالیشان کوٹھی خریدیں اور ہندوستان سے ہجرت کرکے انگلینڈ جیسے پاک ملک میں زندگی بسر کریں۔ پہلے تو ہم راضی نہ ہوئے۔ مگر جناب پھر تھی وہ بیوی، اور یوروپین بیوی۔ اور ہم ٹھہرے "جورو کے غلام" . . .

"اچھا ڈارلنگ" ہمارے منہ سے نکلا "جیسا تم کہو"۔

اسی روز اشتہار دیدیا گیا۔ اور ایک آٹھ روز کے اندر ہم غریب ہندوستانی جائداد والے سے بے جائداد والے ہوگئے۔ گلے میں باہیں ڈالکر ہماری یوروپین بیوی نے کہا:۔

"کیوں جی یہ تمہارا روپیہ میں اپنے نام سے بنک میں رکھ سکتی ہوں؟"

بھلا جناب کس کی مجال تھی جو کوئی کہتا "نہیں بیوی۔ اگر تم نے دغا کی تو . . . " "ہاں ہاں ضرور"۔ ہماری زبان سے نکلا۔

یہ سنتے ہی ہماری یوروپین بیوی نے فرط محبت سے ہماری پیشانی کو چوم لیا اور کہا۔

"ڈیر تم مجھے کتنے اچھے معلوم ہوتے ہو ڈیئر . . .

(باقی مضمون اگلے صفحہ پر)

پچھلے صفحہ سے

کا کوئی مرد تم سے زیادہ حسین۔ تم سے زیادہ خلیق اور تم سے زیادہ بااقبال مجھے نظر نہیں آتا:

بس جی کیا تھا جناب۔ ہم سمجھے کہ ہم ہیں تو کوئی بھی نہیں۔ پتلون کی جیب میں ہاتھ ڈال کر ہم "جورو کے غلام" "روتی صورت" اکڑتے ہوئے ٹہلنے لگے۔ اور آئینہ کے سامنے پہنچ کر اپنی یوروپین بیوی کے ذوق کی داد دی۔ پیچھے سے ہماری یوروپین نے اپنی شیریں آواز میں کہا۔

"آئینہ تیری قدر کیا جانے۔ میری آنکھوں سے پوچھ تو کیا ہے" ہم ہنسنے لگے اور دل ہی دل میں اپنی قسمت کی اور اپنی بیوی کی تعریف کرنے لگے۔ کہ واہ کیسی چاہنے والی بیوی ہمیں ملی ہے۔

قصہ مختصر۔ ایک ماہ بعد ہم مع اپنی یوروپین بیوی کے ہندوستان پہنچے اور ایک عالیشان ہوٹل میں اترے دونوں سے ملتے ملاتے ایک ہفتہ گذر گیا۔

ایک روز کا ذکر ہے کہ ہم اپنے ایک پرانے کلاس فیلو کے ساتھ سینما گئے۔ وہاں سے اپنے ہوٹل میں واپس آئے تو کیا دیکھتے ہیں کہ ہماری یوروپین بیوی اپنے ایک یوروپین دوست کی گود میں اس طرح ٹھاٹ سے بیٹھی ہوئی ہیں جیسے بچہ سقہ کسی زمانہ میں افغانستان کے تخت پر بیٹھا تھا بس کیا تھا ہم آگ بگولہ ہو گئے۔ آستین چڑھا کر میدان میں کود پڑے اور لگے اپنی جوانمردی کا ثبوت دینے۔ ایک گھونسہ ان کرا بے ترتیب کی ناک پر دیا۔ وہ زمین پر گر پڑا اور خون جاری ہو گیا۔ ہماری بیوفا بیوی نے اس زور سے ہی کی نان کھینچکر ہمارے بھیجے پر ماری کہ ابتک یاد ہے۔ ہم بیہوش ہو کر گر پڑے۔ ہوش آیا تو اپنے آپ کو ہسپتال میں پڑا پایا۔ ہمارا خدمتگار سامنے کھڑا تھا۔ معلوم ہوا کہ بیگم صاحبہ اپنے چہیتے کو لے کر چل گئیں اور اپنے ہندوستانی میاں کو بالکل مفلس چھوڑ گئیں۔ ہم کو بے حد غصہ تھا۔ اور غصہ کی بات ہی تھی۔ سارے یورپ سے ہمیں نفرت ہو گئی۔ تھوڑا سا روپیہ ہمارے پاس تھا چنانچہ ہم نے ٹکٹ خریدا اور جھک مار کے پھر اپنے ہندوستان آئے اور ایک پرانے دوست کے یہاں اترے۔

رات کے دو بجے ہوں گے ہم اپنے بستر پر پڑے ہوئے رو رہے تھے کہ ہمیں اپنی ہندوستانی بیوی یاد آ گئی۔ پھر کیا تھا ہچکی لگ گئی اور ہم اس قدر روئے کہ ہمیں بھی پیٹنے کی خبر سے پھٹ کر رہ دیا ہوگا۔ الغرض ہم بستر سے اٹھ کر مکان سے باہر آ کر سڑک پر دوڑتے ہوئے چلے جا رہے تھے۔ کہاں؟ اجی اپنی سسرال۔ اپنی ہندوستانی بیوی کی ایک نظر دیکھنے۔ مکان پر پہنچکر ہم نے دیکھا کہ ایک کمرہ میں ابتک روشنی ہو رہی ہے۔ اے خدا۔ دو بجے رات کو روشنی کیسی۔ یہاں کو سب روشنی گل کر کے سونے کے عادی تھے۔ ہم بلی کی طرح دبے پاؤں گئے اور دروازے کے شیشے میں سے دیکھا۔ کیا دیکھتے ہیں کہ ہماری ہندوستانی بیوی پلنگ پر بیٹھی ہوئی ایک تصویر کو دیکھ دیکھ کر رو رہی ہے

"یہ تصویر کس کی ہو سکتی ہے؟"

ہم نے اپنے آپ سے سوال کیا۔ اور تصویر کو بغور دیکھنے لگے۔ واللہ ہم خوشی کے مارے اچھل پڑے آہ ہمیں کیا خبر تھی کہ اس غریب ہندوستانی عورت کو ہم سے اتنی محبت ہے کہ دو بجے رات کو جب سارا عالم چین کی نیند سو رہا ہوتا ہے ہماری باوفا بیوی اپنے بیوفا شوہر کی تصویر کو دیکھ دیکھ کر آنسوؤں کا دریا بہا رہی ہوتی ہے ہم اس کا نام لے کر پکارنے ہی والے تھے کہ پیچھے سے کسی نے ہمیں پکڑ لیا اور "چور چور" کہہ کر چلانا شروع کیا۔ ہمارا دل دھڑک رہا تھا۔ لہذا اپنی احمق حالت پر اپنے آپ کو خدا معلوم کیا کیا کہہ رہے تھے کہ یکایک سارا ہال بجلی کی تیز روشنی سے جگمگا اٹھا۔ تقریباً ایک درجن آنکھیں ہمیں گھور رہی تھیں۔

"اس کمبخت چور کو مار ڈالو" ایک نے کہا۔

"نہیں نہیں پولیس کو دیدو" دوسرے نے کہا

"صورت سے تو بھلا مانس لگتا ہے" تیسرے نے کہا۔

"ارے بھائی ہم چور وغیرہ نہیں ہیں" ہم نے کہا۔

"ہم تو بیرسٹر ہیں۔ ابھی انگلینڈ سے پاس کیا تھا۔ اپنی بیوی کو دیکھنے آئے ہیں"

ہم اتنا ہی کہنے پائے تھے کہ ہمارے منہ پر اس زور کا چانٹا پڑا کہ یقین کے ساتھ ہم عرض کرتے ہیں کہ پانچوں انگلیاں ہمارے منہ پر چھپ گئیں اور ہمارا منہ مشرق کی طرف پھر گیا جب ذرا ہوش ہوا تو پھر مغرب کی طرف کر کے ہم نے دیکھا تو ہمارے خسر صاحب قبلہ کا چہرہ غصہ سے لال انگارے کی طرح ہو رہا تھا۔ ہم نے ہاتھ جوڑ کر اپنا قصہ شروع کیا کہ حضرت جب ہم نے انگلینڈ سے بیرسٹری پاس کی تو۔۔۔

"بیرسٹر کے بچے" ہمارے خسر نے لال پیلی آنکھیں نکالتے ہوئے کہا۔

"تو نے میری لڑکی کی زندگی تباہ کر دی۔ ٹھہر تو جا ابھی مزہ چکھاتا ہوں۔ ابھی پولیس کو بلاتا ہوں"

ہم رونے لگے۔ ہم نے کہا۔

"اللہ کے واسطے ہم پر رحم کیجئے۔ ہم یتیم ہیں۔ اگر زندہ رہے تو آپ جیسے بزرگوں کے لئے دعائے مغفرت کریں گے" مگر جناب ہمارے خسر نے سنگ مرمر کے دل کا رحم کیا۔ ہم پھوٹ پھوٹ کر رو رہے تھے کہ مجمع کو چیرتی ہوئی کوئی عورت آتی دکھائی دی اور ہمارے خسر صاحب کے پاس آ کر ہماری زوردار سفارش شروع کی جیسے آنسو پونچھ کر ہم نے دیکھا تو وہ ہماری ہندوستانی بیوی تھی۔ الغرض ہماری خطا معاف کر دی گئی۔ اور اب ہم خوب کما کما کر اپنی ہندوستانی بیوی کو کھلاتے ہیں اور ہندوستانی اداؤں سے ہمیں محبت ہے۔

خط و کتابت کرتے وقت چٹ نمبر کا حوالہ ضرور دیا کریں

منشی مہاراج بہادر برق

مختصر سوانح حیات

(از منشی گوپی ناتھ امن)

اس ایک سال کے اندر دنیائے ادب اردو کو کتنا عظیم نقصان پہنچا ہے اس کا اندازہ کرنا مشکل ہے۔ مارچ کے مہینہ میں ... صاحب نگاہ سامنے جو لکھنؤ یونیورسٹی میں ... تھے ایک قلیل علالت کے بعد انتقال فرمایا۔ مسٹر ... اللہ روان اس سے پہلے ہی اس عالم فانی کو ... کہہ چکے تھے۔ ابھی نگار کی رحلت کو چند مہینے ہی گذرے ... کو لسان الہند حضرت عزیز لکھنوی نے کوچ کیا۔ ابھی ... برق صاحب کے انتقال کی خبر آئی۔ مسٹر ضیاء الاسلام ... مرض دق میں راہئے ملک عدم ہوئے۔ جنوری میں ... اور آخر ماہ فروری میں مصور غم علامہ راشد الخیری ہمیشہ کی نیند سو گئے۔ اور اب یہ جانکاہ خبر ملی کہ برق اس دنیا میں نہیں ہے

منشی مہاراج بہادر برق پانی پت کی کسی برات میں شرکت کے لئے تشریف لے گئے تھے۔ کون جانتا تھا کہ وہ اب زندہ دہلی واپس نہ آئیں گے۔ شادی کی تقریب ختم ہو چکی تھی اور برق صاحب ۱۳ فروری کو واپس آنیوالے تھے۔ مگر مشیت ایزدی کو کچھ اور ہی منظور تھا۔ ۱۲ فروری کو آدھی رات کے وقت احباب سے باتیں کر رہے تھے کہ یکایک حرکت قلب بند ہو گئی اور پیغام اجل آ گیا۔ بذریعہ تار دہلی کو اطلاع دی گئی۔ صبح کی گاڑی سے آپ کے بھانجے جناب طالب ... کے ہمراہ منشی بشیشور پرشاد منور مرحوم کے عزیزوں کے ہمراہ پانی پت کے لئے روانہ ہوئے۔ راستہ میں معلوم ہوا کہ نعش دہلی آ رہی ہے چنانچہ سبھالکا اسٹیشن سے یہ لوگ مع نعش کے دہلی واپس آئے۔ دوپہر تک تمام شہر میں یہ خبر پھیل گئی آپ ڈپٹی اکاؤنٹنٹ جنرل ڈاکخانہ جات کے دفتر میں سپرنٹنڈنٹ تھے۔ دفتر اس افسوسناک خبر کے پہنچتے ہی بند کر دیا گیا۔ ۴ بجے آپ کی ارتھی آپ کے زیر تعمیر مکان واقع راجہ نگر سے اٹھی اور جمنا جی پر داہ کرم ہوا۔ کئی سو اشخاص نے جنازہ میں شرکت کی جنہیں ہر مذہب و ملت کے لوگ شریک تھے دہلی کے تمام مشہور شعرا کے علاوہ بہت سے افسر (جن میں اکاؤنٹنٹ جنرل اور ڈپٹی اکاؤنٹنٹ جنرل بھی تھے) نیز رؤسا شریک ہوئے۔ دفتر کے بھی بہت سے کلرکوں نے شرکت کی۔ اور شام کو ۸ بجے کے وقت آنکھوں میں آنسو ڈبڈبائے اپنے اپنے

گھروں کو واپس آئے۔ آپ کے استاد آغا شاعر زار و قطار رو رہے تھے ہچکیاں بندھی ہوئی تھیں۔ اسی روز رات کے وقت چتر گپت سبھا کا ایک خاص جلسہ ہوا جس میں مرحوم کا تعزیتی ریزولیوشن پاس کیا گیا اور ایک موزوں میموریل قائم کرنے کے لئے منور صاحب اور چند دیگر اشخاص پر مشتمل ایک کمیٹی قائم کی گئی کہ اپنی سفارشات پیش کرے جناب منجو نے آپ کے انتقال کی خبر پاتے ہی چند اشعار لکھے جو روزانہ تیج میں درج کئے جا چکے ہیں جس عظیم ہستی کے انجام کا ذکر کیا گیا ہے اس کے آغاز کا بھی مختصراً بیان کیا جاتا ہے۔

برق دہلوی کی پیدائش بمقام دہلی ایک سکینہ کائستھ خاندان میں ہوئی۔ آپ کے والد ماجد کا نام منشی ہزاری داس اور تخلص حسرت تھا۔ یوں تو برق صاحب کے بزرگوں کا قدیم وطن سکندرآباد ضلع بلند شہر تھا۔ اور رائے جگرو بہادر آپ کے مورث اعلیٰ ہیں تھے مگر کئی پشتوں سے دہلی ہی وطن ہو گیا تھا۔ اور یہاں آپ کے بزرگ شاہی دربار میں اعلیٰ عہدوں پر مامور تھے۔ چنانچہ آپ کے دادا منشی خوب چند صاحب شاہی وکیل تھے لیکن سلطنت گردی کی حالت میں شاہی خاندان کے بعد سب سے زیادہ مصیبت ان لوگوں پر آتی ہے جو دربار شاہی سے وابستہ ہوتے ہیں۔ اکثر کائستھ خاندانوں کا زوال ہوا۔ برق صاحب کا خاندان بھی مستثنیات سے نہ تھا۔ غدر کے بعد معمولی حیثیت رہ گئی اور جب انہوں نے ہوش سنبھالا تو آپ

کے والد ڈاکخانہ میں ایک معمولی کلرک کے عہدے پر تھے۔ بعد میں وہ گوڑگانواں میں پوسٹ ماسٹر ہو گئے تھے۔

برق صاحب جولائی ۱۸۸۴ء میں پیدا ہوئے۔ ان سے قبل ان کے والد کے کئی بچے فوت ہو چکے تھے۔ اس لئے انہوں نے انکے لئے بہت منتیں مانیں اور بہت محبت سے پرورش کی۔ کچھ عرصہ گوڑگانواں میں اور کچھ عرصہ دہلی میں تعلیم پائی ۱۹۰۲ء میں پنجاب یونیورسٹی سے انٹرنس کا امتحان پاس کیا ۱۹۰۳ء میں آپ کے والد ماجد کا انتقال ہو گیا گرہستی کا بوجھ سر پر آ پڑا۔ تعلیم کا سلسلہ منقطع ہو گیا ڈاکخانہ میں ملازم ہو گئے لیکن مطالعہ کا شوق دل میں بہت زبردست تھا۔ اس لئے موقعہ کے منتظر رہے۔ اور بالآخر ۱۹۱۳ء میں منشی فاضل کا امتحان پاس کیا اور ۱۹۱۸ء میں ایف۔ اے اور ۱۹۲۰ء میں بی۔ اے کے امتحان میں کامیاب ہوئے۔ مسلسل تین سال تک ہر سال امتحان دیا۔ اور سب میں نتیجہ کامیابی۔ ایک یہ بھی وجہ بیان کی جاتی ہے کہ آپ کی شاعری کی شہرت آپ کے چند احباب کو جو گریجویٹ تھے اور وقتاً فوقتاً آپ کے گریجویٹ نہ ہونے پر طنز کیا کرتے تھے۔ برق صاحب نے بالآخر بی۔ اے کا امتحان پاس کر کے ان

(باقی اگلے صفحہ پر)

(پچھلے صفحہ سے)

کی۔ ایس بند کر دیں۔ منشی فاضل کا امتحان برق صاحب نے کس خوبی سے پاس کیا اس کا اندازہ اس امر سے کیا جا سکتا ہے کہ ایک ممتحن آپ کی کاپی دیکھ کر اتنا متاثر ہوا کہ اس نے اپنی غزل ان کے پاس اصلاح کے لئے بھیجی۔ ملازمت میں بھی برق صاحب نے خاطر خواہ ترقی کی۔ ۱۹۲۰ء میں اکاؤنٹس کا امتحان پاس کیا۔ اور اگرچہ ملازمت ایک معمولی کلرک کی حیثیت سے شروع کی تھی لیکن رفتہ رفتہ اپنے محکمے کے سپرنٹنڈنٹ ہو گئے لیکن آپ کا سلوک دفتر میں اس قسم کا تھا کہ ہر کلرک آپ کے اخلاق کی تعریف کرتا تھا۔ اب چونکہ آپ کی پنشن کا زمانہ قریب آ رہا تھا اور ملازمت کو ۳۰ سال کا عرصہ ہو چکا تھا۔ اس لئے آپ نے زر کثیر صرف کر کے رام نگر میں نئی اور پرانی دہلی کے درمیان ایک نئی بستی بسی ہے اپنی کوٹھی بنوائی تھی۔ اس میں مشاعرے کے لئے بھی ایک ہال بنوایا تھا مگر آہ! انکی نوبت ہی نہ آنے پائی اور ۵۵ سال کی عمر میں بجائے اس کے کہ آپ ریٹائر ہونے میں ابھی چار سال باقی تھے دنیا ہی سے رخصت لے لی۔ اور نوجوان بچے ایک بیوہ ایک لڑکی اور اس کے چند بچوں کو پسماندگان میں چھوڑا۔

یوں تو برق صاحب بحیثیت ایک انسان کے بھی اپنے اخلاق کی وجہ سے برادری والوں اور احباب میں بہت ہر دلعزیز تھے لیکن سب سے زیادہ جس بات سے ان کی شہرت ہوئی وہ ان کی اردو شاعری تھی۔ آپ اسکول میں طالب علمی کے زمانہ ہی سے شعر کہتے تھے۔ کیوں نہ ہو ان کے والد بھی ایک اچھے شاعر تھے۔ اور ان کے تایا لالہ دولت رام صاحب تو بہت ہی مشہور شاعر تھے۔ صاحب دیوان تھے جنہیں ذوق سے تلمذ حاصل تھا اور جن کا ذکر اکثر شعرا کے تذکروں میں آیا ہے جس عمر میں بچوں کو ایک شعر بھی یاد ہونا مشکل ہوتا ہے برق صاحب کو سینکڑوں اشعار یاد تھے۔ ان کے والد گو شاعر ہوتے ہوئے بھی یہ پسند نہ کرتے تھے کہ لڑکپن سے انہیں شاعری کا چسکا لگ جائے جو بالآخر حصول تعلیم میں مخل ہو۔ اس لئے شعر کہنے اور مشاعروں میں شرکت کرنے سے روکتے رہے لیکن جب انہوں نے انٹرنس پاس کر لیا تو اجازت دیدی۔ اور برق صاحب نے پہلے داغ سے اور بعد کو حضرت آغا شاعر سے رجوع کیا۔

برق صاحب کی سب سے پہلی نظم جو رسالہ زبان دہلی ۱۹۱۰ء میں شائع ہوئی جس کا عنوان "سادھو" تھا اور جو آج تک بہت مشہور ہے۔ اس کے بعد آپ کی نظمیں اور غزلیں مشہور رسالوں مثلاً ادیب۔ زمانہ۔ مخزن۔ العصر۔ زبان وغیرہ میں شائع ہوتی رہیں۔ اور اب تو یہ حالت تھی کہ شاید ہی کوئی رسالہ اپنے سالنامہ یا خاص نمبر کے لئے برق صاحب سے نظم کی فرمائش نہ کرتا ہو۔ اور ہر چند برق نہایت زود گو تھے لیکن تقاضے اور مطالبات اتنے زیادہ تھے کہ بعض بعض کو مایوس ہونا پڑتا تھا۔

اس مختصر سے مضمون میں یہ گنجائش نہیں ہے کہ برق صاحب کی شاعری پر کوئی رائے زنی کی جا سکے یہ مضمون بجائے خود بہت جگہ چاہتا ہے۔ اس لئے اس پر تفصیل کے ساتھ کبھی آئندہ بحث کی جائے گی لیکن اس قدر ضرور کہنا ہے کہ اگر یہ بھی کافی ہوگا کہ برق صاحب ایک کے قطعہ نہ تھے۔ جیسے شعرا صاحبان معاف کریں مگر یہ کہیں کہ جن کا مطالعہ صرف اردو ہی اردو کا ہو وہ اچھا شاعر نہیں بن سکتا۔ برق صاحب نے فارسی اور انگریزی شعرا کی نظموں کا بھی خوب مطالعہ کیا تھا اور اکثر کہا کرتے تھے کہ میں نے اردو میں وہ رنگ اختیار کیا ہے جو انگریزی میں کیٹس کا ہے۔ اکثر دیکھا گیا ہے کہ اچھے غزل گو شعرا نظم اچھی نہیں کہہ سکتے اور جو نظمیں کہنے والے ہیں انکی غزلیں روکھی پھیکی محض چند نام یا فلسفہ کا چربہ ہو کر رہ جاتی ہیں لیکن برق ان سے مستثنیات میں سے تھے جنہیں غزل اور نظم کہنے پر یکساں قدرت تھی۔ سیاسی نظمیں انہوں نے نہیں کہیں وجہ ظاہر ہے کہ وہ سرکاری ملازم تھے لیکن جہاں کہیں ان کی نظموں میں سیاسیات کی جھلک آئی ہے لطف دکھاتی ہے۔ اور دل یہ کہتا ہے کہ کاش وہ چکبست کی طرح ایک آزاد پیشہ شخص ہوتے۔ تو اردو ادب کا یہ صحیفہ بھی مزید سیراب کرتے ان کی نظموں میں کچھ مذہبی کچھ اصلاحی کچھ نیچرل اور کچھ واقعاتی مگر سب اپنے اپنے رنگ میں خوب ہیں اور ان کا دیوان مطبع انوار قابل دید ہے۔ افسوس کہ غزلیات کا مجموعہ جو برق کے نام سے مرتب کیا تھا انکی زندگی میں شائع نہ ہو سکا شاید جناب طالب یا کسی شاگرد کے ہاتھوں اس کام کی تکمیل ہو۔

برق کے اخلاق و عادات نہایت پسندیدہ تھے ملنساری انکی طبیعت میں کوٹ کوٹ کر بھری ہوئی تھی جس سے ایک مرتبہ ملتے اسے ایسا محسوس ہوتا گویا مجھ سے برسوں سے ملاقات ہے۔ بات کرتے وقت گویا منہ سے پھول جھڑتے تھے باوجود منتہائی معمہ خوددار ہونے کے اپنے عہدے یا حیثیت کا انہیں ذرا بھی زعم نہ تھا۔ وہ اپنی شاعری کے مقابلہ میں اپنی ملازمت کو بالکل ہیچ سمجھتے تھے۔ انہوں نے اپنے فرقہ کی برادری اور انجمن ترقی کی بہت مدد کی نیز ہر جگت سبھا کے کاموں میں بہت دلچسپی لیتے رہے۔ برق صاحب کے اوصاف حمیدہ کی وجہ سے ان کے احباب کا حلقہ بہت وسیع تھا۔ کبھی کبھی کسی سے ناراض بھی ہو جاتے تھے لیکن چونکہ لطیف دل تھا اس لئے بس یہ کیفیت ہوتی تھی کہ جیسے بادل برسا اور کھل گیا۔ ذرا بھی اختلاف کی باتیں شروع ہو جاتیں یا زیادہ سے زیادہ دوسری ملاقات تک وہ قضیہ طے ہو جاتا۔ آپ کو جس طرح ادبی مشغلوں میں شرکت کا شوق تھا اسی طرح اہل ادب کی حوصلہ افزائی بھی اپنا فرض سمجھتے تھے۔ اور نو آموز طبقہ کا دل بہت بڑھایا کرتے تھے۔

چونکہ برق صاحب کا نام دور دور تک مشہور ہو چکا تھا لہذا ایک دفعہ ان سے ملنے کے اشتیاق میں لندن کے مشہور شاعر منشی تلوک چند محروم دہلی تشریف لائے وہ برق صاحب کے ہی یہاں ٹھہرے اور برق صاحب کے اخلاق سے متاثر ہو کر حسب ذیل قطعہ کہا۔

برنگ کاہ کھنچ کر برق کی جانب گئے دہلی
کہ تاکہ جذب الفت میں مثال کہربا دیکھا
دل محروم نازاں ہے کہ جن سے ملاقات تھی اسکو
انہیں اس تا قدم مجموعہ صدق و صفا دیکھا
آہ! ان اوصاف والا برق آج ہم میں نہیں ہے

"تیج ویکلی" کے
انعامی معمہ — نتائج

ذیل میں ان اصحاب کے اسمائے گرامی درج کئے جاتے ہیں۔ جو انعام حاصل کرنے میں کامیاب ہوئے۔ اس مرتبہ بھی غلط جوابات بہت زیادہ تھے۔ اور صحیح جوابات صرف پچاس کے قریب تھے۔ انعامات کا فیصلہ بذریعہ قرعہ اندازی کیا گیا ہے۔

(۱) پہلا انعام ۱۰ روپے مسٹر کانشی رام اگروال معرفت لالہ جگن ناتھ اینڈ سنز سنار سکول ضلع شملہ
(۲) دوسرا انعام ۵ روپے مسز رام پیاری گلی کنڈے والی اجمیری دروازہ دہلی
(۳) تیسرا انعام ۴ روپے بابو ہری سنگھ رئیس مقام و قصبہ نانوتہ ڈاکخانہ خاص ضلع سہارنپور
(۴) چوتھا انعام ۲ روپے مسٹر رام سنگھ چپال کلرک S.T.B.B. سیکشن ریلوے کلیرنگ آفس دہلی۔
(۵) پانچواں انعام ۲ روپے مسٹر چندی لال انسپکٹر ریاست جناب چودھری پٹی پرشاد صاحب محلہ بہادر پور شہر گورکھپور (یو۔پی)
(۶) چھٹا انعام ۲ روپے مسٹر تیج رام سنگھ معرفت ڈائریکٹر آرٹس میرٹھ کالج میرٹھ

جوابات

۱۔ پہلا سوال نہایت آسان تھا۔ اس کا پانچ روٹی والے کو سات آنے اور تین روٹی والے کو ایک آنہ ہے۔ اس سوال میں عام غلطی یہ ہوئی ہے کہ معاوضہ کی تقسیم میں پانچ اور تین کی نسبت قائم کی گئی ہے۔

۲۔ دوسرے سوال کا جواب پرندے کی مسافت ۱۷۱ میل ہے۔ بہت آدمیوں نے اس کا جواب ۱۲۰ میل لکھا ہے، جو غلط ہے۔ اس سوال کے جواب میں عوام نے یہ غلطی کی ہے کہ جب پہلی موٹر دوڑ کے اختتام پر پہونچ گئی۔ تو انھوں نے دوڑ کو وہیں ختم کر دیا۔ اور دوسری موٹر کے وہاں تک پہونچ کا انتظار نہیں کیا۔ حالانکہ قاعدہ یہ ہے۔ کہ فاصلہ کی دوڑ میں کبھی ایسا نہیں ہوتا۔ کہ ایک آدمی یا ایک موٹر کے منزل مقصود پر سب سے پہلے پہونچ جانے پر دوڑ ختم سمجھی جائے۔ دوسرے یہ کہ جبتک دوسری موٹر منزل مقصود پر نہ پہونچ گئی اس وقت تک اسے دوڑ کے درمیان میں ٹھہرنے کی ضرورت کیا تھی۔

۳۔ تیسرے سوال کا جواب دونوں حالتوں میں بالٹی کا وزن ۲۲ پونڈ ہے۔ مچھلی پانی میں تیرتی رہے یا سطح میں بیٹھ جائے، اس سے کوئی فرق نہیں پڑتا۔ بہت سے آدمیوں نے اس کا جواب پہلی صورت میں ۲۰ پونڈ اور دوسری صورت میں ۲۲ پونڈ لکھا ہے

نوٹ:۔ اس سلسلہ کا چوتھا معمہ عنقریب ہی شائع کیا جاوے گا۔

منیجر اخبار تیج دہلی

غالبؔ کی بُلند پروازیٔ خیال

(از جناب برجیندر سنگھ عارفؔ ہردوئی)

(خاص تیج دہلی کے لئے)

دیکھنا قسمت کہ آپ اپنے پہ رشک آجائے ہے
مَیں اُسے دیکھوں بھلا کب مجھ سے دیکھا جائے ہے
(غالبؔ)

اس شعر میں غالبؔ کے خیالات کی بلند پروازی ملاحظہ ہو۔ فلسفی کہتے ہیں کہ "مَیں" کی دو قسمیں ہیں اصلی "مَیں" یعنی روح - اور نقلی "مَیں" یعنی نفس۔ غالبؔ کے شعر میں بھی شاید اصلی "مَیں" نقلی "مَیں" پر رشک کرتا ہے کہ وہ اسے کیوں دیکھے۔ یہ دیکھنے والا کون؟ اس کی کیا مجال!۔ شاعر کہتا ہے کہ مَیں اُسے سرے سے نہ دیکھوں۔ نہ میرا اصلی "مَیں" نہ میرا نقلی "مَیں" نہ میرا کوئی "مَیں"۔ وہ کہتا ہے کہ میرے دل میں جو رشک کی آگ دہک رہی ہے وہ اجازت نہیں دیتی کہ اُسے دیکھوں۔ غیر تو غیر خود بھی کسی حالت میں اور کسی رنگ میں نہ دیکھوں۔

اس کے بعد اسی سرزمین پر ڈاکٹر ٹیگور کے خیالات کی تنظیم ملاحظہ ہو۔ فرماتے ہیں کہ:-

- مَیں جاتی ہوں رات کو چپکے چپکے۔
دھیرے دھیرے۔
چھپ چھپ کر۔
اکیلی۔ تنہا۔
یہ کون میرے ساتھ قدم ملاتا آتا ہے۔
آہیں بھرتا۔ ٹرک ٹرک پیروں سے خاک اُڑاتا۔
آہ ... ... !
یہ جسم میرا ساتھ نہ چھوڑے گا۔ کہ مَیں مل جاؤں اُس سے ملوں۔
اس کو دیکھوں۔
اور اسکو دیکھوں۔ اور اسکو دیکھوں۔
اکیلی۔ تنہا:

وہ نہیں چاہتی کہ کوئی اس کے ساتھ ہو۔ خود اُسے اپنا جسم خاکی بھی اجیرن ہو گیا ہے وہ خود اپنے تن من سے الگ ہو کر اس کی خدمت میں جانا چاہتی ہے اور کہتی ہے کہ آہ ... ... میرا جسم میرا ساتھ نہ چھوڑے گا کہ مَیں وہاں جاؤں!! کتنا لطیف اور نازک تخیل ہے۔ ؎

جسم خاکی کے تعلق نے گرانبار کیا
کاش مَیں راہ میں تیری تن تنہا ہوتا

غالبؔ کی بلند پروازی اور نازک خیالی اور بھی بلند ہے وہ کہتا ہے ؏

"مَیں اُسے دیکھوں بھلا کب مجھ سے دیکھا جائے ہے"

غیر تو غیر مَیں خود بھی تاب نظارہ نہ لاؤں۔ نہ میری آنکھیں۔ نہ میرا دل۔ نہ میرا کوئی۔ نہ خود "مَیں"۔ وہ یہ نہیں کہتا "اکیلی تنہا" وہ تو اکیلا بھی اُسے نہیں دیکھ سکتا۔

یہ کیوں؟ شاید اس لئے کہ رعب حسن سے مرعوب ہے۔ شاید اس لئے کہ خود اس کے دل میں اپنی نگاہ سے رشک کی آگ بھڑک اٹھتی ہے۔ شاید اس کے نظارہ سے جو سرور انگیز خوشی پیدا ہوتی ہے اُسے برداشت نہیں کر سکتا۔ وہ کہتا ہے یہ کمبخت "مَیں" بھی اُسے کیوں دیکھے۔

ایک مرتبہ ڈاکٹر ٹیگور امریکہ میں نائیگرا کا آبشار دیکھنے کے لئے تشریف لے گئے۔ یہ آبشار دنیا کی سب سے بڑی آبشار ہے جو میلوں کی بلندی سے پہاڑوں کی چٹانوں پر گرتی ہے۔ دودھ سے زیادہ سفید اور چاندی سے زیادہ چمکیلی شفاف پانی کی چادریں جن پر صبح و شام سورج کی کرنیں رنگین ساڑھیاں پہنے رقص کرتی رہتی ہیں۔ اور قوس قزح کی رنگینیوں کو اس حسن سیّال کی نیرنگیوں پر نچھاور کرتی ہیں۔

اس منظر کا آنا تھا کہ ٹیگور کی آنکھوں سے آنسو اُبل پڑے اور وہ بے اختیار کہہ اُٹھے۔

"واپس لوٹو۔ مَیں نہیں دیکھونگا۔
ہرگز نہیں۔ ہرگز نہیں۔
یہ آبشار۔ یہ مناظر۔ یہ قیامت
واپس چلو
قسم ہے آبشاروں کے دیوتا کی
میں نہیں دیکھ سکتا۔
مجھ میں یہ قوت کہاں کہ
اس حسن و سرور کے سمندر کا تماشا کروں
واپس چلو:"

؏ مَیں اسے دیکھوں بھلا کب مجھ سے دیکھا جائے ہے

اب اس شعر کی بلاغت ملاحظہ ہو کہ رشک کا تمام سارا الزام "قسمت" کے سر رکھا ہوا ہے۔ شاعر غور بری الذمہ ہے ؏

دیکھنا قسمت کہ آپ اپنے پہ رشک آجائے ہے

"قسمت" کا لفظ گویا اس اقلیم معانی کا جام جمشید ہے جس کے اندر سے حقائق و معارف کی کائنات شیشہ کی طرح روشن نظر آتی ہے۔ غالبؔ نہیں کہتے کہ مَیں اُسے نہ دیکھوں۔ کیوں نہ دیکھوں۔ مگر کیا کروں اس بدبخت "قسمت" کے ہاتھوں دیکھ ہی نہیں سکتا۔ اس سے بڑھ کر میرے لئے کیا مصیبت ہو سکتی ہے کہ دیکھ سکوں۔ مگر نہ دیکھ سکوں۔

نپولین کا انتقام

(بقایا مضمون صفحہ (۲۶)

وہ اس سوال کو حل نہ کر سکا۔ اس نے سوچا ممکن ہے کہ وہ تاریخ جیسے خشک موضوع کی وجہ سے اس کے خیالات یا تحریر کو پسند نہ کرتے ہوں۔ یہ قیاس کر کے نپولین نے اپنی تحریر کا رُخ اور رنگ بدل دیا اور محبت و خوشی پر دو مضمون لکھے۔

موخر الذکر مضمون نپولین کو بہت پسند آیا چنانچہ دوسروں سے خراج تحسین حاصل کرنے کے لئے اس نے اس مضمون کو "اکیڈیمی آف لائنس" کے پندرہ سو روپے والے مقابلہ میں بھیجدیا۔ لیکن سچ ہے دوسرے لوگ نپولین کی سی پسند کہاں سے لاتے، انہوں نے اس مضمون کو سب سے آخری درجہ دیا۔ ایک جج نے رائے دیتے ہوئے لکھا۔

"یہ مضمون محض ادبی اہمیات ہے جو توجہ کا کسی طرح مستحق نہیں ہو سکتا"

دوسرے ججوں نے بھی اس سے اتفاق کیا اور مضمون قابل التفات نہ سمجھا۔

نپولین کو یہ واقعہ انتہائی ناگوار گذرا۔ وہ بہت زیادہ خود دار اور مغرور تھا۔ اس لئے اس کی خودداری پر سخت ٹھیس لگی۔ اس نے اسکو انتہائی ذلت تصور کیا اس کی ہمت ٹوٹ گئی اور بالکل دل شکستہ ہو گیا۔ یہی جذبہ اس کے انتقام کے لئے محرک ہوا۔ اس نے اپنے بھائی جوزف بونا پارٹ کو ان واقعات سے متاثر ہو کر لکھا۔۔

"ان دل شکن اور مایوس کن واقعات کے بعد اب مجھ میں ادیب بننے کی ہمت اور آرزو نہیں رہی"

دو برس بعد یعنی ۱۷۹۳ء میں وہ ایک ایسے ۔۔۔ این لکھنے میں کامیاب ہو گیا جو سیاسی ہونے کی وجہ سے کچھ مقبول ہوئے۔

فوج میں واپس جاتے ہوئے نپولین مارسلز کے راستہ میں بوکرے کی ایک سرائے میں ٹھہرا جہاں اور بھی چند سیاح قیام پذیر تھے۔ رات کو کھانا کھانے کے موقعہ پر ان سے کچھ سیاسی مسائل پر بحث ہوئی۔ گفتگو دلچسپ تھی جو نپولین نے بصورت مضمون لکھ ڈالی اور یہ مضمون چند احباب کو دکھلایا انہوں نے بڑی داد دی اور شائع کرنے پر اصرار کیا چنانچہ یہ مضمون اکثر جرائد میں نقل ہوا۔

ادبی دلچسپی کے باعث نپولین نے بہت جلد فوج میں ہردلعزیزی حاصل کر لی اور انقلابی فوج کا برگیڈیر جنرل بن گیا۔ اور اپنے اثر و رسوخ کو کام میں لا کر اپنے بھائی جوزف کو فرسٹ کلاس کیسری جنرل کا عہدہ دلوا دیا۔ اور اس کی شادی شراب کے ایک مالدار سوداگر کلاری نامی کی لڑکی سے کرا دی۔

اپنے بھائی کی پر مسرت زندگی دیکھکر نپولین کو بھی اپنی شادی کا خیال ہوا۔ اور تدریج یہ خیال غلبہ پا گیا۔ چنانچہ حسین یوجینی کلاری کو دیکھ کر جو کلاری کی دوسری لڑکی تھی فریفتہ ہو گیا نپولین یوں تو حسن پرست تھا ہی جس کا اس کی سوانح حیات سے پتہ چلتا ہے۔ لیکن کلاری کو دیکھ کر تو ایسا مفتون ہوا کہ فوراً ہی شادی کی درخواست کر دی مگر کلاری نے صاف انکار کر دیا اور کہا۔

"ہمارے خاندان میں بونا پارٹ خاندان کے ایک فرد کا ہونا کافی ہے"

نپولین کو اس انکار سے از حد صدمہ ہوا کیونکہ وہ یوجینی کلاری سے حقیقتاً محبت کرنے لگا تھا۔ اس وقت اسکی نظروں میں دنیا سمائی ہوئی تھی۔ اس انکار سے اسکی نظروں میں دنیا تاریک ہو گئی۔ چنانچہ اس محبت سے متاثر ہو کر اور قلم کی زبان سے دل کا غبار نکالنے کے لئے اس نے ایک ناول لکھا جس کا نام "کلیسا اینڈ یوجینی" رکھا۔ جس میں ایک عاشق سپاہی کا کیرکٹر لکھا جو ایک طناز اور مغرور عورت پر عاشق ہے۔ اور اس میں اس کے عجیب غریب اور پر پیچ بہادری کے کارنامے دکھانے کے بعد بتایا کہ وہ محبوب کی بے وفائیوں سے دل شکستہ ہو کر ناچار جان دینے کا فیصلہ کر لیتا ہے اور اس کو آخری الوداعی خط لکھتا ہے۔ اور جان دینے کے لئے ایک فوج کے سردار پر حملہ کر دیتا ہے اس سردار کے ماتحت سپاہی آسے بچانے کے لئے آگے بڑھتے ہیں اور چشم زدن میں سینکڑوں تلواریں بے نیام ہو کر اس بد قسمت انسان پر پڑتی ہیں اور خاتمہ کر دیتی ہیں۔

یہ نپولین نے اپنے تاثرات کا مختصر خاکہ کھینچا تھا۔ مگر اس کا یہ حشر نہ ہوا اور نہ ہی یہ جذبہ ہی اس کی فتوحات کے لئے محرک ہوا۔ البتہ اس کو بحیثیت ادیب زبردست ناکامی کا سامنا کرنا پڑا۔ اس کا دل ان واقعات سے شکستہ ہو گیا اور یہی وہ جذبہ تھا جو انتقام کے لئے محرک ہوا۔ اس کے پاس سوائے اس کے کوئی چارہ نہ تھا کہ دنیا کو فتح کر کے عوام سے بزور قوت اپنے مضامین پڑھوائے۔ اور گو بہت کم لوگوں کو معلوم ہے کہ وہ ابتدا میں ادیب ہی بننا چاہتا تھا مگر دنیا نے تسلیم کر لیا کہ وہ زبردست فاتح اور عالیشان جرنیل تھا۔ اور اسی لئے اس کی بہادری سے متاثر ہو کر جب اسکا نام سنتے ہیں تو آج بھی جوش عقیدت سے سر جھکا لیتے ہیں۔

ہفتہ کی خبریں

نحاس پاشا لیڈر وفد پارٹی کو اس ڈیلی گیشن کا پریزیڈنٹ مقرر کیا گیا ہے جو برطانیہ اور مصر کے درمیان معاہدہ کرانے کے سلسلہ میں گفت و شنید کرے گا - وزیر اعظم نے نحاس پاشا کا نام پیش کرتے ہوئے کہا کہ اہل مصر کی یہ خواہش ہے کہ برطانیہ کے ساتھ سمجھوتہ کیا جائے اور دوستانہ تعلقات کو مضبوط کرایا جائے -

---

داؤ پورے سیکرٹری سوشلسٹ لیڈر ماسٹر موتا سنگھ آنند پوری میں سیاسی اسیروں کی امداد کے لئے چندہ جمع کرنے کے واسطے پنجاب کا دورہ کریں گے -

---

دارالامرا میں لارڈ زٹلینڈ وزیر ہند نے تحریک پیش کی کہ اڑیسہ اور سندھ کو علیحدہ صوبہ بنانے کے متعلق آرڈر ان کونسل کو جو کہ دارالعوام سے پاس ہو چکا ہے منظور کیا جائے آپ نے اس کے اغراض و مقاصد کی بھی وضاحت کی اور فرمایا کہ یہ پہلا موقع نہیں ہے کہ برطانی ہند میں نیا صوبہ قائم کیا جاتا ہے۔ اس سے پہلے جب کبھی کوئی نیا صوبہ قائم کیا گیا ہے وہ انتظامیہ سہولت کی بنا پر کیا گیا ہے

اسپین کا ہوائی جہاز جس میں تیس مسافر تھے ٹوٹ کر سمندر میں گر گیا۔ ایک دوسرا ہوائی جہاز اس کی تلاش میں بھیجا گیا ہے۔

شمالی مورچہ سے آئے ہوئے ایک معتبر شخص کا جس نے وہاں کے حالات کو بچشم خود دیکھا ہے بیان ہے کہ علاقہ تمبین کو حبش کی جو فوج روانہ ہوئی ہے اس میں کم سے کم دس فیصدی عورتیں ہیں جو کہ مردوں کے لباس میں ملبوس ہیں۔ فوج کے تمام سپاہی خوش و خرم نظر آتے ہیں۔

یہ خبر نہایت افسوس کے ساتھ پڑھی جائیگی کہ اردو زبان کے مشہور جہاں شاعر افتخار الشعرا منشی مہاراج بہادر صاحب برق بی۔ اے۔ منشی فاضل دہلوی پانی پت میں جہاں آپ ایک برات میں گئے ہوئے تھے باتیں کرتے کرتے حرکت قلب بند ہو جانے سے یکایک انتقال کر گئے۔

منچوکو منگول سرحد پر جاپان اور منگولیا کی فوجوں کے درمیان پھر تصادم ہو گیا جس میں سات جاپانی جن میں لفٹنٹ بھی شامل تھا اور ۹ منگولین ہلاک ہو گئے۔ ان کے علاوہ دونوں طرف کے بہت سے آدمی مجروح ہوئے۔ یہ ہے وہ اعلان جو منچوکو کے جاپانی محکمہ فوج نے شائع کیا ہے۔

دریں اثنا منچوکو کے نائب وزیر خارجہ جاپانی اور سوویٹ کونسل جنرل کے درمیان موجودہ اختلافات کو ختم کرنے کی کانفرنس مکمل ناکامی کے ساتھ ختم ہو گئی۔

دارالعوام کے ضمنی انتخاب میں مسٹر ریمزے میکڈانلڈ کے صاحبزادے مسٹر میلکم میکڈانلڈ کو زبردست کامیابی نصیب ہوئی اور ان کے مخالف تمام امیدوار ہار گئے جن میں مسٹر چرچل کے لڑکے رینڈلف چرچل بھی شامل تھے

سنٹرل انڈین سوسائٹی نے اپنی جنرل میٹنگ میں ڈاکٹر ہنگورانی کو صدر منتخب کیا۔ گذشتہ سال کے صدر نے ہندوؤں کے خلاف گمراہ کن پروپیگنڈا کا مقابلہ کرنے کی پُرزور تائید کی جو لبرل ازم کے پردے میں برطانیہ کر رہا ہے۔

رائٹر کے ایک خاص نامہ نگار کو اُن لوگوں سے جن کا بکنگھم پیلس سے سلسلہ جنبانی ہے تحقیقات کرنے پر معلوم ہوا ہے کہ غالباً مئی ۱۹۳۷ء میں دربار کا جشن ہوگا اور اس موقع پر ساری سلطنت برطانیہ کے سیاست دانوں کا ایک عدیم المثال اجتماع ہوگا۔

معلوم ہوا ہے کہ برطانیہ کے ڈیفنس پروگرام پر جو کہ ۱۹۳۹ء تک پورا ہوگا ۳۰ لاکھ پونڈ صرف ہوں گے اور اس کے لئے قرض کی ضرورت پڑے گی۔ چونکہ بین الاقوامی صورت حالات بہت خراب ہوتی جا رہی ہے اس لئے مسٹر ایڈن وزیر خارجہ اس کوشش میں معروف ہیں کہ ڈیفنس کے بارے میں برطانیہ کی پوزیشن کو مضبوط کیا جائے۔

چودھری مولا بخش نئی شہید گنج ایجی ٹیشن کا پہلا ڈکٹیٹر جو گذشتہ جمعہ سے شاہی مسجد میں چھپا ہوا تھا اُسے آج صبح گرفتار کر لیا گیا۔ پولیس کی ایک جماعت بادشاہی مسجد میں داخل ہو گئی اور مولا بخش اور یعسوب الحسن دونوں کو ایک وارنٹ کی بنا پر گرفتار کر لیا۔

کمیونسٹوں کے حملوں کی وجہ سے غیر ملکی مشنری شمالی شنسی کو چھوڑ کر چینی فوجی گارد کی زیر حفاظت سیانفو پہنچ گئے ہیں۔

۱۱ر فروری کو ۱۰ بجکر ۲۰ منٹ پر پٹنہ میں زلزلہ کا ایک شدید جھٹکا محسوس ہوا۔ جو ۵ سیکنڈ تک رہا۔ لوگ گھروں سے باہر نکل آئے اور تمام شہر میں خوف و ہراس پھیل گیا۔

فلموں کی تعلیمی حیثیت

ایک عام خیال یہ ہے کہ سینما سے واقفیت اور معلومات میں بڑا اضافہ ہوتا ہے۔ گویا ایک طرح سے فلمیں تعلیمی حیثیت بھی رکھتی ہیں۔ یقین کا آسان ترین ذریعہ دیکھنا ہے۔ جو چیز متعدد لکچروں اور مضمونوں کے ذریعہ سمجھ میں نہ آتی ہو یا یقین نہ آتا ہو ایسا ہو سکتا ہے وہی چیز دکھا دینے سے فوراً سمجھ میں آ جاتی ہے اور آدمی کو یقین سے آتا ہے۔ چونکہ فلم میں بھی واقعات اور مناظر اسی طرح نظر کے سامنے آتے ہیں۔ گویا بالکل اصلی ہیں۔ اس لئے یہ بھی تقریباً یقین اور سمجھ پر قریب قریب وہی اثر ڈالتے ہیں جو اصلی۔ عام طور سے دیکھنے والا پردہ پر سامنے آنے والے واقعات کو اسی طرح قبول کرتا جاتا ہے جس طرح اصلی واقعات کو دیکھ کر مان لیتا۔ لیکن جہاں تک فلموں کی تعلیمی حیثیت کا تعلق ہے چند مستند اہل نظر کا خیال ہے کہ یہ خیال سراسر غلط ہے۔ کیونکہ جو کچھ فلمیں بتاتی ہیں وہ ناقص اور اکثر حقیقت کے خلاف ہوتا ہے۔ اس سے اسے صحیح معنوں میں تعلیم نہیں کہا جا سکتا ہے۔

فلموں کی تعلیمی حیثیت کا مسئلہ سخت متنازعہ فیہ ہو گیا ہے۔ اور مختلف اصحاب کی مختلف رائیں ہیں۔ ابھی تک جو دلائل اور ثبوت موئدین اور مخالفین کی جانب سے اس مسئلے کے متعلق پیش کئے گئے ہیں وہ اتنے کافی نہیں کہ ایک غیر جانبدار کوئی قطعی رائے قائم کر سکے۔

لیکن یہ قطعی طور پر کہا جا سکتا ہے کہ اگرچہ سینما اور فلم اخلاقی فوائد اور تعلیمی مفاد کی غرض سے بہ مدد کم استعمال کئے جا سکتے ہیں لیکن ہر ایک نقطۂ نظر سے اسی مناسبت سے مفید ہو سکتا ہے جس مناسبت سے وہ خود اپنی توجہ اس طرف خرچ کرے گا۔

اس سے قبل کہ ہم فلموں سے زیادہ سے زیادہ متمتع ہونے کی امید کریں ہمیں یہ سیکھ لینا چاہئے کہ ہم جو کچھ دیکھیں اُسے دیکھنے کی طرح دیکھیں اور سمجھیں اور اس سے جو کچھ حاصل ہو سکتا ہو وہ حاصل کریں۔ یہ صلاحیت پیدا ہو سکتی ہے یقیناً حاصل کر سکتے ہیں۔ یہ سکھایا ہی جاتا ہے کہ کتابیں کس طرح پڑھنی چاہئیں۔ اور ان سے زیادہ سے زیادہ فائدہ کس طرح اٹھایا جا سکتا ہے۔ یہ بھی بتایا جاتا ہے کہ کتابیں کس طرح سمجھنا چاہئے۔ اور ان میں کیا کیا چیز سمجھنے اور فائدہ اٹھانے کی ہے۔ تصویریں کس طرح دیکھنی چاہئیں اور ان میں کون کون سے فنی اور افادی پہلو ہیں۔ اور نقائص کیا کیا ہو سکتے ہیں۔ پھر کیا وجہ ہے کہ فلموں کو دیکھنے کے متعلق شائقین کو نہ بتایا جائے کہ فلم کس طرح دیکھنا چاہئے۔ اگر فلم کو معمولی تفریح اور وقت گذارنے کے ذریعہ سے زیادہ اہمیت دینی ہے تو یہ ضروری ہے کہ ہم ان کا دیکھنا سیکھیں۔

نئی پود میں فلم بینی سیکھنے کی ہلکی سی خواہش پیدا ہوئی ہے مگر فلمی شعور یا فلمی احساس خاطر خواہ پیدا نہیں ہوا۔ ان کے موجودہ احساس کی حیثیت ایسی ہی ہے جیسے کسی کو روانی کے ساتھ پڑھنا آگیا ہو ضرورت اس بات کی ہے کہ اس میں خود فکر کے ساتھ پڑھنے کا جذبہ پیدا کیا جائے۔ جو شخص بھی سلیقہ سے فلم بینی سے بہرہ ور ہوگا وہ معمولی تفریحی فلموں سے بھی بہت کچھ سیکھ سکتا ہے۔ تجربہ نے بتایا ہے کہ فلموں کی بڑی خصوصیت یہ ہے کہ دیکھنے والے کو تجربہ کا احساس ہوتا ہے اسے ایسا معلوم ہوتا ہے کہ وہ صرف تماشائی نہیں ہے بلکہ پیش نظر واقعہ میں شریک ہے۔ اس لئے اگر ایک آدمی نے بیشمار فلمیں دیکھیں تو گویا بیشمار واقعات میں شریک ہوا۔ اور بیشمار تجربے ایسے ہوئے۔ مثال کے طور پر یوں سمجھئے کہ ہر وہ شخص جس نے ہوائی جہاز میں پرواز نہیں کی ہے لیکن ہوائی جہاز کے اڑنے کے دو تین فلم دیکھے ہیں وہ بڑی اچھی طرح جانتا ہے کہ طیارہ کی پرواز کیا چیز ہے وہ اسکو اس طرح محسوس کرتا ہے گویا فضا میں اڑ چکا ہے۔

جن لوگوں نے موجودہ دور کے عالیشان جہازوں میں سفر نہیں کیا ہے۔ یورپ کے بڑے بڑے شہروں کی زیارت نہیں کی ہے۔ افریقہ کے خوفناک جنگلوں میں خونخوار درندوں کا شکار نہیں کیا ہے۔ انہیں بھی ان واقعات کی فلمیں دیکھنے کے بعد یہ محسوس ہو گیا ہے کہ یورپ اور امریکہ کے بڑے بڑے شہروں کی سیر کیسی فرحت بخش ہو سکتی ہے اور افریقہ کے شکار کتنی سنسنی پیدا کر سکتے ہیں۔ (باقی آئندہ)

پہاڑی دنیا کے دو سین

واڈیا مووی ٹون کا مشہور کھیل دو جلد آنیوالا ہے

سردار اختر دھرم کی دیوی میں

اسٹنڈرڈ آرٹ پروڈکشن کا مشہور کھیل دو جلد آنیوالا ہے

امبکا مووی ٹون کا مشہور کھیل "اپرادھی" دو دوپای ٹاکیز میں چل رہا ہے

نوجیون کے دو سین

اجنتا سینیٹون کا مشہور کھیل جو کہ میجسٹک سنیما میں چل رہا ہے

Printed and Published by Dharampal Gupta at the TEJ Press, Burn Bastion Road, Delhi.

The TEJ ILLUSTRATED

تیج ویکلی دہلی

ہندوستان کا بہترین باتصویر ہفتہ وار اخبار

ایڈیٹر:- دھرم پال گپتا NO. 54. DELHI 25TH. FEB. 1936. V. NO. 14. لالہ دیش بندھو

مشرق میں رفتار تمدن

TEJ WEEKLY

ہفتہ کی مشہور شخصیتیں

پروفیسر ایس-سی- ڈے ایم اے
آپ بنارس یونیورسٹی کے رجسٹرار
ہیں اور آپنے ستاون ہزار روپیہ
یونیورسٹی کو دان دیا ہے

پنڈت مدن موہن مالویہ
جنہوں نے شوراتری کے روز بنارس
میں ہریجنوں کو گرومنتر دیکشا
دی

شری مہاتما نارائن سوامی
آپنے دہلی کی جملہ آریہ سماجوں کے
مشترکہ عظیم الشان رشی بودھ اُتسو
کی صدارت فرمائی

مسٹر ایم-ایم- ولسن
آپ رنگوں کارپوریشن کے لئے میئر
منتخب ہوئے ہیں

سر آغا خاں
آپنے مرزا غالب کی تصویر کی
نقاب کشائی کی رسم ادا کی

آنریبل ڈیوڈ لائڈ جارج
آپ مسٹر لائڈجارج کے فرزند ہیں
جو ہندوستان کے مزدوروں کی حالت
کا مطالعہ کرنے کے لئے ہندوستان
آئے ہیں
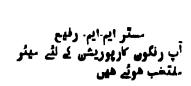
شہنشاہ راس تفاری
خبر ہے کہ آپکو ہلاک کرنے کی سازش
کی گئی اور آپکے ہوائی جہاز میں
پٹرول کی جگہ ریت بھردیا گیا

مسٹر محمدعلی جناح
جو شہیدگنج لاہور کے قضیہ کا
فیصلہ کرانے کے لئے لاہور گئے ہیں

ڈاکٹر انوار اقبال قریشی
آپ پہلے ہندوستانی ہیں جو ڈبلن کی
مشہور یونیورسٹی میں اقتصادیات
کے پروفیسر ہیں آپ آجکل دہلی
آئے ہوئے ہیں

آج کی خبریں

ایک ہلاک چار مجروح

بنگال کیمیکل ورکشاپ میں حادثہ

کلکتہ ۲۲ فروری۔ مضافات کلکتہ میں پانی ہاٹی نامی ایک مقام پر بنگال کیمیکل ورکشاپ میں آج شام کو زبردست دھماکہ ہوا جس میں ایک شخص ہلاک اور چار زخمی ہوئے جو شخص مرا ہے وہ ایک کیمسٹ تھا جو ورکشاپ میں کام کر رہا تھا۔ زخمیوں کو ہسپتال بھیج دیا گیا۔ ایک پیپے کے پھٹ جانے سے یہ حادثہ ہوا۔

لاہور میں مسٹر جناح کی بات چیت

لاہور ۲۲ فروری۔ مسٹر جناح نے آج مختلف فرقوں کے لیڈروں سے ملاقات کی۔ اور شہید گنج کے مسئلہ پر گفتگو ہوئی۔ بادشاہی مسجد میں جا کر شہید گنج ایجی ٹیشن کے ڈکٹیٹر سے گفتگو کی۔ بعد کو دوپہر کے وقت وہ ڈاکٹر گوکل چند نارنگ اور ہندو لیڈر۔ وہاں سے پنجاب کے موقر پہلے پنجاب کے اخبارات کے نمائندے بھی موجود تھے۔ سہ پہر میں سکھ لیڈر وہاں سے جن میں ماسٹر تارا سنگھ بھی تھے تین گھنٹہ تک گفتگو کی مگر سب معاملہ صیغہ راز میں ہے۔ کل مسلم لیڈروں سے ملیں گے کل ہی گورنر پنجاب سے ملیں گے۔ اور ان کے ساتھ کھانا کھائیں گے

مسلمانوں کا رجعت پسندانہ اقدام

جداگانہ طریق انتخاب کا مطالبہ

لاہور ۲۲ فروری۔ چودھری عبدالرحمٰن نے پنجاب لیجسلیٹو کونسل میں ایک ریزولیوشن کا نوٹس دیا ہے جس میں مطالبہ کیا ہے کہ ان لوکل باڈیز میں جہاں کہ آجکل مشترکہ طریق انتخاب رائج ہے لحاظ آبادی جداگانہ طریق انتخاب رائج کیا جائے اور فرقہ جات کے علیحدہ علیحدہ حلقہ جات مقرر کئے جائیں۔

کونسلوں کی کارروائی

برما کونسل کا دلیرانہ رویہ

رنگون ۲۲ فروری۔ برما کونسل نے برما کریمنل لا امنڈمنٹ بل نامنظور کر دیا تھا اور گورنر برما نے اسے دوبارہ غور ہونے کے لئے بھیجا تھا۔ آج جب وہ بل پیش ہوا تو کونسل نے پھر اسے ۳ کے مقابلہ میں ۷۳ ووٹوں کی اکثریت سے نامنظور کر دیا۔

یو۔پی وبہار

یو۔پی و بہار کونسلوں کے اجلاس آج شروع ہوئے مگر ملک معظم کا تعزیتی ریزولیوشن پاس کر کے ملتوی ہو گئے۔

سی۔پی کا خسارہ کا بجٹ

ناگپور ۲۲ فروری۔ آج سی۔پی کونسل میں سرکار نے آئندہ سال کا بجٹ پیش کیا۔ تخمینہ ہے کہ ساڑھے پچیس لاکھ روپیہ کا خسارہ رہے گا۔

کانگریس ورکنگ کمیٹی کا آئندہ اجلاس

پٹنہ ۲۲ فروری۔ بابو راجندر پرشاد صدر کانگریس نے ورکنگ کمیٹی کے ممبروں کو اطلاع دی ہے کہ مارچ کے دوسرے یا تیسرے ہفتہ میں ورکنگ کمیٹی کا اجلاس ہوگا جس کے لئے جگہ اور تاریخ بعد میں بتائی جائیگی۔

الکشن میں کانگریس کی زبردست فتح

ناگپور ۲۲ فروری۔ ضلع چاندا کے لوکل بورڈوں کا الکشن گذشتہ ہفتہ ہوا جس میں ۵۷ میں سے ۴۰ نشستیں کانگریس کو حاصل ہوئیں۔

لکھنؤ میونسپل بورڈ میں پھوٹ

لکھنؤ ۲۲ فروری۔ لکھنؤ میونسپل بورڈ میں آج عجیب نظارہ دیکھنے میں آیا چیرمین چودھری خلیق الزماں نے وقت معینہ سے آدھ گھنٹہ قبل بورڈ کا اجلاس ملتوی کر دیا۔ مگر مخالف پارٹی نے جلسہ کر کے سینئر وائس چیرمین اور مختلف کمیٹیوں کے چیرمینوں کا انتخاب کر لیا۔

کاشغر کے ہندوستانی تاجر

حکومت سنکیانگ سے گفت وشنید

نئی دہلی ۲۲ فروری۔ سر ایرک ٹیچمن ۲۹ فروری کو انگلستان کے لئے روانہ ہوں گے۔ اور انگلستان پہنچ کر سنکیانگ کے متعلق اپنی رپورٹ پیش کریں گے۔ سنکیانگ کی حکومت سے کاشغر کے ہندوستانی تاجروں کے حقوق کے تحفظ کے متعلق گفتگو ہو رہی ہے۔

ہزاری گڑھی گھاٹ سرکلر

سر عبدالقیوم کی کانفرنس

پشاور ۲۲ فروری۔ سر عبدالقیوم وزیر سرحد نے آج ہزاری گڑھی گھاٹ سرکلر کے متعلق کانفرنس کی جس میں ڈائرکٹر تعلیمات بھی موجود تھے۔ رائے بہادر ایشر داس تعلیموں کی طرف سے شریک تھے۔ معاملہ سرحد کونسل کے اجلاس تک کے لئے ملتوی ہوا۔ پنڈت کرشن کانت مالوی اس سلسلہ میں یہاں آئے ہوئے ہیں۔

ریل کی آمدورفت جاری ہوگئی

الورا ۲۲ فروری۔ گرگنہ اور لویا باد کے درمیان ریلوں کی آمدورفت جو لویا باد کے حادثہ کان کی وجہ سے بند تھی آج سے جاری ہو گئی۔

اسوی ضلع چاندا میں دیہاتی صنعتوں کی نمائش

مہاتما جی شریک ہوں گے

ناگپور ۲۲ فروری۔ اسوی ضلع چاندا میں ۲۹ فروری سے ۶ مارچ تک دیہاتی صنعتوں کی نمائش ہوگی۔ اور چرخہ سنگھیوں کا بھی جلسہ ہوگا۔ مہاتما جی اور پنڈت جواہر لال نہرو اگر وہ اس وقت ہندوستان آگئے اس میں شریک ہونگے۔ سردار پٹیل بھی شامل شریک ہوں گے۔ چاندا میونسپلٹی انہیں ایڈریس پیش کریگی۔ اور وہ ڈاکٹر بھینکر کی تصویر کی نقاب کشائی کریں گے۔ (ری۔پ)

دیہاتی صنعتوں اور کھادی کی نمائش

ریلوے کی رعایتیں

لکھنؤ ۲۲ فروری۔ سیکرٹری کھادی و دیہاتی صنعتی نمائش اطلاع دیتے ہیں کہ ہندوستان کی تقریباً تمام ریلوے کمپنیوں نے لکھنؤ کی نمائش میں آنے والے سامان کے لئے محصول میں رعایت کر دی ہے۔ جنوبی گجرات سندھ۔ سرحد مشرقی بنگال: آسام وغیرہ کے تاجروں کو جلدی کرنی چاہیئے۔ کیونکہ سامان پہنچنے میں ایک مہینہ کے قریب لگے گا۔

ٹراونکور کی ریاستی فوجوں کی تنظیم

ترینونڈرم ۲۲ فروری۔ ٹراونکور کی ریاست اپنی فوج کو از سرنو ترتیب دے رہی ہے۔

سر راگھوآچاریہ برلن میں

(تیج رپورٹر اسپیشل سروس)

برلن ۲۲ فروری۔ سر ہیرا راگھوآچاریہ آج شام کو برطانی سفیر سے ملاقات کریں گے۔ اور ۲۶ فروری کو روم کے لئے روانہ ہو جائیں گے۔ اور موسم گرما میں پھر یوروپ واپس آئیں گے۔ اور اس وقت ہر ہٹلر سے ملاقات کریں گے۔ آپ نے نمائندہ رپورٹر سے دوران انٹرویو میں کہا کہ میں نے افسران محکمہ زراعت سے جرمنی کے نئے قوانین خاص کر غیر زراعتی طبقوں سے زراعتی طبقوں کو انتقال اراضی کے متعلق قانون کے بارے میں تبادلہ خیالات کیا۔

سونا چلا جا رہا ہے

بمبئی ۲۲ فروری۔ اس ہفتہ پھر ۲۲۲۲۵۳ روپیہ کا سونا بمبئی سے یوروپ اور امریکہ کو بذریعہ دائسرائے آف انڈیا روانہ ہوا۔ جب سے برطانیہ نے طلائی معیار ترک کیا ہے اس وقت سے اب تک ۲۶۹۲۷۶۲۱۶۴۲ روپیہ کا سونا ہندوستان سے باہر جا چکا ہے

تازہ تجارتی سماچار

لندن صرافہ

لندن ۲۲ فروری

چاندی حاضر فی اونس ۱۹ ½ وعدہ ۱۹ ۷/۱۶

بازار کا رخ مضبوط ہے۔

پنس۔ شلنگ۔ پونڈ

سونا ۷ – ۱ – ½

لیورپول روئی

لیورپول ۲۲ فروری

جولائی وعدہ بند ہوئی ۵۶۸

نیویارک روئی کا بازار آج بند رہا۔

لیورپول گیہوں

لیورپول ۲۲ فروری

بازار خاموش کھلا۔ مارچ ۲/۷ ۵ مئی ۵ ۲/۷ اور جولائی ۳/۱ ۵ پر بدیشی وساوروں کی پوچھ اور سٹہ بازی کی سہایتہ کے کارن بازار مضبوط رہا۔

شکاگو گیہوں

شکاگو ۲۲ فروری

بدیشی وساوروں سے فصل خراب رہنے کے سماچار پراپت ہوئے۔ اور سرمائی فصل کی حالت بھی اچھی نہیں رہی۔

بمبئی ہند بازار

صرافہ

چاندی حاضر ۰-۲-۵۰ پہلا وعدہ ۰-۱۱-۴۹ سو تولہ

دوسرا وعدہ ۰-۷-۴۹ سو تولہ

سونا حاضر ۰-۱۳-۳۴ سونا پہلا وعدہ ۰-۱۲-۳۴ فی تولہ

" دوسرا وعدہ ۶-۱۱-۳۴ فی تولہ

اجناس

گندم مئی ۰-۶-۴ ستمبر ۹-۶-۴ فی من

السی مئی ۰-۴-۷ " ۶-۷-۷ "

تل ۰-۲-۸ انڈسی ۰-۱۲-۶ "

بنولہ ۰-۱۳-۴ مونگ پھلی حاضر ۶-۸-۷ "

پھوا ۰-۰-۵

روئی

بھروچ نئی اپریل مئی	۰-۴-۱۹۳	فی کنڈی
جولائی اگست	۰-۱۲-۱۹۴	"
اومرا مارچ	۰-۸-۱۷۸	"
" مئی	۰-۱۲-۱۷۵	"
بنگال مارچ	۰-۴-۱۲۱	"
مئی	۰-۱۲-۱۲۳	"

بمبئی بازار حصص

بمبئی ۲۲ فروری

بازار کا رخ ڈانواں ڈول اور انسچت تھا۔ گورنمنٹ تمسکات مضبوط رہنے کے باوجود بازار گر گیا سب سے زیادہ ٹاٹا ڈیفرڈ دس پوائنٹ گرا۔ بازار کا رخ انسچت ہے۔ ۳ ½ فیصدی گورنمنٹ تمسک مضبوط تھا۔

عکسِ تغزل

{ از قلم عکاسِ معرفت جناب پنڈت امرناتھ صاحب ساحرؔ صدر غالب مشاعرہ کمیٹی دہلی }

{ بزمِ یادگار نواب دبیر الملک مرزا اسد اللہ خان صاحب غالبؔ دہلوی }

غزل طرحی اردو

محوِ دیدارِ جمال و حُسنِ جاناں ہوگئیں،
جلوۂ معنی سے آنکھیں عینِ عرفاں ہوگئیں

تھا حریفِ حُسن عالم سوز عشقِ خانہ سوز
چشمکیں آپس کی برقِ خرمنِ جاں ہوگئیں

دیکھ کر امین کا جلوہ ہوگئیں مشتاقِ دید
طور پر آنکھوں نے کیا دیکھا کہ حیراں ہوگئیں

جل اٹھیں دیکھی جو وہ شانِ تجلّی بے نقاب
ایسی پتھرائیں کہ آنکھیں طور ساماں ہوگئیں

اضطرابِ دل سے جمعیت کی صورت بندیاں
انتخابِ نسخۂ خوابِ پریشاں ہوگئیں

پردہ داری حُسن کی اور پردہ فاشی عشق کی
ذوقِ مستوری و مستی میں نمایاں ہوگئیں

لن ترانی کی صدا سے ہوش کی خود داریاں
زینتِ گلدستہ ہائے طاقِ نسیاں ہوگئیں

ہے چمن زارِ حقیقت کا نظارہ شش جہت
آرزو ہائے تماشا گل بداماں ہوگئیں

آتشِ نمرود گلزارِ خلیل اللہ ہے
مشکلیں اللہ کے پیاروں کی آساں ہوگئیں

دیکھ کر ساحرؔ جمالِ یار عالم میں عیاں
آرزوئیں دید کی سو جاں سے قرباں ہوگئیں

جذبات منور

از جناب منشی بشیشور پرشاد صاحب منور لکھنوی

خاص تیج دہلی کیلئے

بڑھ جائے سوزش اور نہ وقت سحر کہیں
شاید کہ ہو نہ خاتمہ بالخیر کہیں
برپا کرے نہ حشر کسی کی نظر کہیں
رہرو کہیں ہے راہ کہیں راہبر کہیں
کرنا پڑے گا دل کو رہ عجز میں فنا
منزل کی جستجو میں اٹھیں پاؤں دیکھکر
وہ جھک کے دیکھتے میں نہیں دیکھتا ہوں سا
بے ساؤگی حسن نہ ثابت حریف راز
ہے امتیاز ناظر و منظور سے محال

بنجائیں آفتاب نہ داغ جگر کہیں
منزل نہ ہو سفر کی فریب نظر کہیں
دنیا یہ ہو نہ جائے ادھر سے ادھر کہیں
ایسے بھی کامیاب ہوا ہے سفر کہیں
بے سعی بھی ہوا ہے دعا میں اثر کہیں
ہوجائے سد راہ نہ گرد سفر کہیں
انکی کہیں نگاہ ہے میری نظر کہیں
دھوکے سے اٹھ نہ جائے کسی کی نظر کہیں
ہوجائے کامیاب یہ ذوق نظر کہیں

کعبہ سمجھ کے ہم نے وہیں سر جھکا دیا
انداز دیکھنے کا منقرر یہ دیکھکر
آسودگی کے نام سے دونوں ہیں بے نیاز
غافل نہیں ہے موت کی بھی کچھ تجھے خبر
آنے پہ موت کے بھی نہ آنکھیں تری کھلیں
ہے آگہی دل کا منازل پہ انحصار
ان سے ملیگی کیا خبر عزم رفتگاں

ویراں مکان عشق جو آیا نظر کہیں
لڑتی نہ ہو کسی کی نظر سے نظر کہیں
پایان دل کہیں ہے نہ حد نظر کہیں
مرتا ہے زندگی پہ کوئی اس قدر کہیں
سوتا ہے اسطرح سے کوئی بیخبر کہیں
یہ بیخبر کہیں ہے تو ہے باخبر کہیں
یکساں بھی ہیں نقوش سر رہگذر کہیں

قانون ارتقا کا منور ہے نہ عمل
اسوقت ہم کہیں پہ ہیں تھے پیشتر کہیں

دنیا کی پہیلیاں

شری اروندو جی کے خیالات

یہ مضمون جو ہمیں پانڈیچری سے موصول ہوا ہے اور جس کی پہلی قسط ہم گزشتہ اشاعت میں درج کر چکے ہیں۔ شری اروندو جی کے حقائق آمیز فلسفہ کو سمجھنے کے لئے ان کے بہترین مضامین میں سے ہے امید ہے ناظرین کے لئے دلچسپی اور اضافۂ معلومات کا باعث ہوگا۔ یہ مضمون آئندہ قسط میں ختم ہو جائے گا۔ (ایڈیٹر)

جہاں شعورات واحد سے ایک مرتبہ علیحدہ ہوگئے سب کے سب لامحالہ جاہلیت میں گر پڑے اور جاہلیت کا آخری نتیجہ غیر شعوریت ہوا۔ اب اس تاریک اور بے پایاں غیر شعوریت میں سے یہ مادی دنیا اور اس مادی دنیا میں سے ایک روح ابھرتی چلی آ رہی ہے جو جلوۂ مخفی کی کشش کے باعث شعور کی بیداری میں آنے کو جد و جہد کر رہی ہے اور جس گمشدہ الہیت سے یہ جدا ہوئی تھی اسی کی جانب عروج کر رہی ہے گو ابھی اس کی یہ حرکت کورانہ انداز پر چلتی ہے۔

مگر اس ماجرے کی یعنی تعریف اور اس سے برآمد نتائج کے دو توضیح پذیر ہونے کی ضرورت ہی کیا تھی۔ اس موضوع پر سوال و جواب کے ایک معمولی یعنی اشرف الخ طریقہ کو جو اخلاقانہ بغاوت و احتجاج اور جذباتی چیخ پکار پر مبنی ہے شروع سے ہی خارج کر دینا چاہیئے۔ کیونکہ معاملہ ایسا نہیں ہے جیسا کہ چند مذاہب فرض کر لیتے ہیں کہ ایک فوق العالمیاتی اور متشخص الہیت نے جو خود اس تنزل سے قطعی آزاد ہے اپنے مطلق العنان فرمان سے مخلوقات کو وجود میں لایا۔ اور پھر ان پر برائی اور مصیبت عائد کر دی۔ الہی جیسا کہ ہم جانتے ہیں ایک لامحدود ذات ہے جس کے بے کراں ظہور کے چمن میں یہ سب چیزیں آ گئی ہیں۔ وہ بھی خود یہاں موجود ہے اور ہمارے ساتھ رہ کر اس ظہور میں اپنے آپ کو پھیلاتے ہوئے اور اپنی وحدت سے دنیا کو سہارا دئے ہوئے ہے وہ ہمارے ہی اندر ہے۔ اور از خود اس تنزل اور اسکے تاریک نتائج کے بوجھ کو اپنے سہارے ہوئے ہے اگر وہ اوپر اپنے مکمل جلوہ۔ خفا اور سکون میں رہتا ہے تو وہ یہاں یعنی نیچے بھی ہے۔ اس کی روشنی آنند اور سکون یہاں بھی جز دل کی پوشیدہ طور پر پشت پناہی کر رہے ہیں۔ ہمارے اندر بھی ایک روح ایک مرکزی حضوری کا وجود ہے جو ہماری سطحی شخصیتوں کی شیرازہ بندیوں سے عظیم تر ہے اور الہیت مطلق کی طرح ان شخصیتوں کی جیسی ہوئی مصیبتوں سے مغلوب نہیں ہوتی۔ اگر ہم اس اندرونی الہیت کی دریافت کرنے میں کامیاب ہوں۔ اگر ہم اپنے آپ کو اس روح سے منسوب کریں جو اپنی اصل اور وجود میں الہیت مطلق کے ساتھ ایک ہے تب اس میں شک نہیں کہ ہمارے لئے نجات کا دروازہ کھل جائے گا۔ اور دنیا کی نیرہم آہنگیوں کے درمیان رہتے ہوئے بھی ہمارا وجود اس نجات سے وابستہ رہے گا اور ہم اپنے آپ کو روشن طبع مخلوق اور آزاد پائیں گے جتنی تو روحانی تجربہ کی صدیوں پرانی شہادت ہے۔

مگر تاہم اس غیر ہم آہنگی کے مقصد اور ماخذ کیا ہیں؟ یہ تعرائن۔ خودی اور ہیم ارتقا کرنے والی دنیا وجود میں کیوں آئی؟ الہیانہ نیکی حظ اور سکون میں بدی اور غم کا داخلہ کیوں ہوا؟ اس امر کی وضاحت انسانی ادراک کے طبقہ پر نہیں کی جا سکتی۔ وہ شعور جس سے اس تبدیل مظاہرہ کا ماخذ وابستہ ہے اور جس کے فوق الذہنی عرفان کی روشنی میں یہ بے ساختہ اور ترقی طور سے واجب دکھائی دیتا ہے دراصل ایک عالمگیر شعور ہے کہ انفرادی اور انسانی۔ انسانی منطق اور احساس کی بہ نسبت اس کا نظریہ وسیع تر ہوتا ہے اور اس کے زاویہ نگاہ تخیل اور اصطلاحات بالکل جدا ہوتی ہیں۔ پھر بھی انسانی ذہن کو سمجھانے کے لئے یہ کہا جا سکتا ہے کہ ہر چند ذات بیکراں بہ نفس خود ان تمام تذبذبات سے آزاد ہے مگر جب ایک مرتبہ ظہور کا آغاز ہوا تو ساتھ ہی ساتھ ایک امکان بے پایاں نظر آنے لگا اور جن لامحدود ممکنات کا ابھرنا عالمگیر ظہور کا کام ہو جاتا ان میں الہیانہ قوت تجلی۔ سکون اور حظ کا ظاہری اور مناقض امکان اور اس کے نتائج صراحتاً شروع سے ہی شامل تھے

پھر اگر یہ سوال کیا جائے کہ یہ مکروہ امکان کیوں قبول کیا گیا تو عالمگیر صداقت سے نزدیک ترین جواب جو انسانی ادراک بہم پہنچا سکتا ہے یہ ہوگا کہ وحدت اور کثرت کے ارتباط و انضباط کے دوران میں یا ایک کا دوسرے کے روپ میں منتقل ہوتے ہوئے ایک ایسی صورت حالات پیش آئی کہ یہ ذہن فال امکان لابد ثابت ہوا کیونکہ جب اس قسم کا امکان دکھائی دینے لگتا ہے تب ارتقائی ظہور میں اترنے والی روح اس امکان کی کشش کی تاب نہیں لا سکتی۔ سرزمین کے انسانی الفاظ میں اس کشش کی تعبیر نامعلوم کی پکار سے کی جا سکتی ہے خطرات مشکلات اور مہمات سے دوچار ہونے کی امنگ غیر ممکن کو ممکن کر دکھانے اور ناقابل اندازہ کا تخمینہ لگانے

(باقی مضمون اگلے صفحہ پر)

(پچھلے صفحہ سے)

کی اولوالعزمی - سے اور غیر پیداشدہ کو اپنی ذات اور حیات کے ارادات سے پیدا کرنے کی عظمت اور تضادات کے درمیان ہم آہنگی قائم کرنے کا شوق۔ ان سب چیزوں تک اگر ذہنی شعور سے اعلیٰ تر اور وسیع تر ایک فوق الطبعی اور فوق الانسانی شعور میں رجوع کیا جائے۔ تب ہم پر وہ وجوہات روشن ہو جائیں گی جن کے باعث روح غیر تنزل میں گر گئی۔ جب اصلی اور بے لوث ذات پر تجلی روح نزول ہوئی اسے غار کے گہراؤ کا اندازہ اور جہالت اور غیر شعوریت کے اندر الہیانہ امکانات سے واقفیت نہ تھی۔ مگر اس امر میں وحدت مطلق کی طرف سے ایک وسیع و فیاضانہ رحمت آمیز و رضامندانہ اور سوالات کن و مددگارانہ منظوری مرحمت ہوتی رہی۔ اس کی ودانت علی الاطلاق نے دیکھا کہ یہ عمل ہونا ہی چاہئے جب یہ امکان ایک مرتبہ ظاہر ہو چکا تو اسے انجام کو پہنچانا لازم ہے۔ اور گو اور اس امکان کا ظاہر ہونا ہی گویا ایک ناقابل قیاس اور لا محدود عقلمندی کا جزو ہے۔ اس نے دیکھا کہ اگر ظلمت شب میں ڈوب جانا ایک ناقابل احتراز امر تھا تو ایک نے اور بے نظیر دن کے آجانے میں ابھرنا بھی ایک یقینی چیز ہے۔ اور یہ کہ نزول سے پیداشدہ حق مطلق کے متضاد مظہرات کو سے کر ان پر عمل کرنا اور اسی طرح سے ایک سلسلۂ ارتقا کا آغاز کرکے ازلی

ہوئی روح کو ابھلنا اور ایک تغیر انجام میں لانا لازمی ہے۔ کیونکہ تب ہی حق مطلق کا کسی قدر ظہور عمل میں آسکتا ہے۔ اس منظوری میں اس عظیم قربانی کا ارادہ بھی شامل تھا۔ جو نزول الٰہی سے منسوب ہے یعنی وحدت مقدس نے غیر شعوریت کے عالم میں اتر کر جہالت اور اس کے نتائج کا بوجھ اپنے کندھوں پر اٹھانے کا فیصلہ کیا۔ اس نے اوتار اور صوفی کے روپ میں بنیادی امور میں مداخلت کرنے کی تصلیب اور ظفر یابی کے دو گوشوں کے درمیان راہ طے کرکے تکمیل اور مکتی پر پہنچنے کا تہیہ کرلیا۔

ناظرین کہیں گے کہ ناقابل اظہار صداقت کی یہ تعبیر صد استعاروں اور تشبیہوں سے لدی ہے مگر تشبیہوں اور استعاروں کے بغیر ان سے گو ہر گو اس رنگ کو کیسے پیش کیا جائے۔ جو اس سے کہیں پرے کی خبر ہے۔ یہ تشبیہیں اور استعارے ذہن کی اصلاحات میں اس لئے پیش کرنے پڑتے ہیں کہ انسانی ذہن ان کے پیچھے رہنے والے اعلیٰ ترین حقائق کو ان کی اصلی صورت میں محسوس نہیں کرسکتا۔ یہ حقائق اپنی اصلی اور الہیانہ صورت میں تب ہی دکھائی دیں گے کہ انسان اپنے محدود ادراک کی دیوار پھاند کر اس عالمگیر تجربہ اور علم کا مستحق ہوگا۔ جو ہر چیز کو وحدت کے نقطۂ نگاہ سے دیکھتا ہے۔ اس مرحلہ کے بعد یہ حقائق اسے سادہ قدرتی اور ہر شے کی ماہیت سے منسوب نظر آنے لگیں گے۔ اسی عظیم تر شعور میں داخل ہونے کے بعد انسان اس کے ظہور کی ماہیت اور مقصد بھانپ سکیگا۔

یہ تو صرف وہ ظہوری صداقت ہے جو ازلیت اور زمان کے درمیانی سرحد پر واقع شدہ شعور کے روبرو اپنے آپ کو ظاہر کرتی ہے۔ اس منطقہ پر وحدت اور کثرت کے باہمی تعلق کا تعین ہو جاتا ہے اور یہاں ہر امکانی چیز وضع حرکت میں آنے سے قبل ایک تخمی حالت میں موجود رہتی ہے۔ مگر نجات یافتہ شعور اور بھی اونچا ایک ایسے طبقہ پر اٹھ سکتا ہے جہاں ارتقاء کا مسئلہ قطعاً نہیں رہتا۔ اور اس وحدت مطلق کی روشنی میں ظہوری معاملات کو دیکھ سکتا ہے۔ جہاں ایک خودرَو اور عین الوجود صداقت میں کل ماسبق کا تعین پہلے سے ہی ہوا رہتا ہے۔ اس طریقہ پر عالم کی ظہوری کی ہر چیز اور ہر کیفیت واجب دکھائی دیتی ہے۔ کیونکہ یہ طبقہ اس لاثانی شعور، وحدانیت اور حقانیت ہے جو عالم تخلیق اور عدم تخلیق کے پس پشت رہتا ہے اور اثبات اور نفی دونوں کو اس ناقابل اظہار صداقت کی روشنی میں دیکھتا ہے جو ان دونوں کا پیدا کرنے والا اور ان سب میں سمانے والا ہے مگر یہ علم انسانی ذہن پر روشن نہیں کیا جا سکتا۔ انسانی شعور کے لئے اس کی عبارت مجملہ ناقابل فہم ہے اور نیز اس کی تجلی کی تاب ناقابل برداشت ہے کیونکہ انسانی شعور عالمیانی رمز کی رگڑ اور دھندلا پن کا اس قدر عادی بن گیا ہے اور اس میں اتنا بیتنہ ترکیب ہے کہ نہ تو وہ اس علم کا سراغ پا سکتا ہے اور نہ ہی اس کے بھید کو بھانپ سکتا ہے۔ ہم اس کے کلی معنی و مفہوم سے تب ہی آگاہ ہوں گے اور ہماری روح اس بکھیڑے سے اسی وقت نجات پائے گی جب کہ ہم ظلمت اور وجود کے عالم سے پرے اٹھ کر روح کے عالم میں داخل ہوں گے۔ (باقی آئندہ)

دہلی: مورخہ ۲۵ فروری سنہ ۱۹۳۶ء بروز منگلوار

ہندوستان کی آبادی!

اضافہ آبادی کا اثر اس ملک کے مستقبل پر

کچھ عرصہ گذرا ہم نے ایک لیڈنگ آرٹیکل میں اس حقیقت پر تبصرہ کیا تھا کہ ہندوستان کی آبادی اُس کی زمین کی پیداوار اور فراہمی غذا کی نسبت سے بڑھتی جاتی ہے اور اگرچہ یہ ہر ملک کی گنجان آبادی کی لائی ہوئی مصیبتوں کا واحد علاج نقل مکانی ہے تاہم چونکہ دنیا کی تقریباً تمام نوآبادیوں اور وسیع و غیر آباد جزائر پر مغربی قوموں نے قبضہ کر لیا ہے اور وہاں ہندوستانیوں کے جانے اور رہنے اور بسنے میں قانونی رکاوٹیں حائل کر دی گئی ہیں۔ اس لئے ہندوستان کی فاضل آبادی ہندوستان سے باہر جا کر کہیں پناہ نہیں لے سکتی۔ دیگر اسباب میں یہ بھی ایک سبب ہے جو ضبطِ تولید کے حامیوں کی طرف سے پیش کیا جاتا ہے مگر اس مضمون میں ہمیں اس مسئلہ سے کوئی بحث نہیں ہے اس وقت ہمارے پیشِ نظر پروفیسر آر۔ کے مکرجی کی وہ تقریر ہے جو انہوں نے پچھلے دنوں "ہندوستانی آبادی کانفرنس" منعقدہ لکھنؤ میں کی ہے۔ غالباً اس طرح کی یہ پہلی کانفرنس ہے اور ہم امید کرتے ہیں کہ ہندوستانی اقتصادیات کے اس اہم ترین مسئلہ کو سلجھانے میں ایسی کانفرنسوں میں تبادلہ خیالات سے بہت کچھ فائدہ پہنچے گا۔ مقرر موصوف نے اس مسئلہ پر مختلف اور متعدد نقطہ ہائے نگاہ سے روشنی ڈالی ہے اور ہندوستانی آبادی کے ارتقا کی ایک دلچسپ تاریخ بیان کی ہے۔ جس سے معلوم ہوتا ہے کہ سولھویں صدی میں اس ملک کی آبادی صرف دس کروڑ تھی، اور اب پروفیسر مکرجی کے اندازہ کے مطابق ساڑھے سینتیس کروڑ افراد پر مشتمل ہے۔

یہ ایک دلچسپ حقیقت ہے کہ دریائے گنگا کی وادی کے خطوں میں آبادی کی ترقی رفتار اتنی تیز رہی ہے کہ اس سلسلہ میں اس نے دنیا کا سب سے بڑا ریکارڈ مات کر دیا ہے اور اس کا نتیجہ یہ ہوا ہے کہ بعض حالات میں زمین کے مجموعی رقبہ میں سے پچانوے فی صدی حصہ کاشتکاری کے کام میں لایا گیا ہے اور جنگلوں، میدانوں، شکارگاہوں اور دلدلوں تک میں ہل چلا دیا گیا ہے۔ کسی ملک کی آبادی اور فراہمی غذا کے ذرائع یہ دو مسائل ایسے ہیں جو بالکل ایک دوسرے سے متعلق ہیں اور ایک دوسرے پر اثر انداز ہوتے ہیں۔ غذا کے سلسلہ میں ہندوستانی آبادی کی مجموعی ضرورت جیسا کہ پروفیسر موصوف کے جمع کردہ اعداد و شمار سے ظاہر ہے ۲۵۶ ارب "کیلوریز" سالانہ ہے اس کا مطلب یہ ہے کہ جہاں تک بنی نوع انسان کی اوسط ضرورت کا تعلق ہے، ہندوستان میں غذا کی فراہمی اب سے پانچ سال پہلے ہی تین ارب "کیلوریز" کم تھی اور اب اس کمی، یعنی عام آبادی کی فاقہ کشی میں اضافہ آبادی کے باعث خود اضافہ ہوتا جا رہا ہے اور صرف آنے والے پچیس برس کے اندر جب ہندوستان کی آبادی اپنی موجودہ ترقی رفتار کے حساب سے چالیس کروڑ دس لاکھ ہو جائے گی، تو اس کی زندگی کا مستقبل تاریک ترین ہو جائے گا۔

پروفیسر مکرجی کہتے ہیں کہ چالیس کروڑ دس لاکھ کی آبادی ہندوستان کی انتہائی گنجائش سے تعبیر کی گئی ہے اور یہ وہ قطعی اور آخری نقطہ ہے جو زراعت کے اضافہ، آبپاشی کی ترقی اور کاشتکاری کے تمام بڑھتے ہوئے ذرائع کی وسیع ترین گنجائشوں کو پیشِ نظر رکھ کر مقرر کر دیا گیا ہے اور اس کے بعد بجز خطرات کی ایک تاریک فضا کے اور کوئی چیز دکھائی نہیں دیتی۔ آبادی میں لگاتار کثیر اضافہ اور غذا میں تدریجی کمی کا نتیجہ عام طور پر یہی ہوتا ہے کہ نسلیں کمزور ہوتی چلی جاتی ہیں اور امراض کا مقابلہ کرنے کے لئے طاقت مدافعت لوگوں میں باقی نہیں رہتی۔ ذرا غور کیجئے کہ یہ کس قدر افسوسناک اور درد انگیز حقیقت ہے کہ ہندوستانیوں کو اپنی آبادی میں کمی اور اپنی مقدار غذا میں اضافہ ہونے کے لئے صرف ایک ایسی چیز سے امید باقی رہ گئی ہے جس کے نام سے لوگ لرزہ براندام ہو جاتے ہیں یعنی وبائی امراض، ماہرین کا خیال ہے کہ مستقبل کے تمام وبائی امراض ہندوستان میں زیادہ مہلک ثابت ہوں گے۔ اور اموات کی تعداد بہت زیادہ ہوگی، تاکہ آبادی اور فراہمی غذا کا تناسب قائم ہو جائے، جنگ کے بعد انفلوئنزا بخار نے آبادی کے ساتھ جو سلوک کیا تھا وہ ابھی صرف چند دنوں کی بات ہے

آبادی کا اضافہ دنیا کے اور ممالک میں بھی ہو رہا ہے۔ ہندوستان ہی کے لئے یہ کوئی خاص اور نئی بات نہیں ہے۔ لیکن دوسرے ممالک نے اس مسئلہ کا حل دوسرے طریقوں پر نکال لیا ہے۔ وہ غذا کی کمی کو اس طرح پورا کرتے ہیں کہ ملک سے باہر اپنے کارخانوں کی مصنوعات بھیجتے ہیں اور اُن کے عوض میں کھانے پینے کی چیزیں ملک کے اندر منگاتے ہیں یعنی تجارتی اصطلاح میں مال کی برآمد اور غذا کی درآمد ہوتی ہے لیکن ہندوستان کی موجودہ حالت میں اس کے لئے یہ بھی ممکن نہیں معلوم ہوتا۔ کیونکہ ایک تو اس کا اقتصادی نظام خود اپنے ہاتھوں میں نہیں ہے بلکہ غیر ملکی مفاد کے تحت میں رکھا گیا ہے، دوسرے یہ کہ دنیا کے تمام صنعتی ممالک خود اپنے کارخانوں کی پیداوار سے بھرے پڑے ہیں۔ وہ ہندوستان کی مصنوعات کیونکر خرید سکتے ہیں؟ ہندوستان کی صنعتی ترقی کا جو تذکرہ سننے میں آتا ہے اس کی اصلیت صرف اتنی ہی ہے کہ بندرہ کروڑ چالیس لاکھ مزدوروں میں صرف بیس لاکھ کام پر لگے ہوئے ہیں اور باقی سب بیکار ہیں۔

ان کی تعداد کے علاوہ تعلیم یافتہ بیکاروں کی تعداد بھی روز بروز بڑھتی جا رہی ہے۔ ملکی حالات کے بالخصوص پہلو اور مستقبل کی بنا پر ایک تصویر اپنے اور آپ ہی تبصرہ کر رہی ہے کیا اس کا کوئی حل نکالا جا سکتا ہے؟

آئینہ خیال

عورتوں کے حقوق!

[illegible] کی کانفرنس [illegible] ہندوستانی عورتوں کو اب بھی [illegible] کرنے [illegible] کے حقوق پر ایک نہایت اچھا اور ترقی [illegible] اس کا احساس ہے کہ اب تک زنانہ موومنٹ [illegible] کے بعض طبقوں کے درمیان اختلاف رائے کا باعث بنا ہوا ہے۔ مثلاً ضبط تولید اور بعض دوسری تجویزوں کے متعلق اتفاق رائے نہیں پایا جاتا ہم ذیل میں مسز [illegible] کملا دیوی کی تقریر سے اقتباس کر کے بعض اہم موضوعات پیش کرتے ہیں۔

۱۔ میاں بیوی کے جنسی تعلقات میں عورت کو خود مختاری ملنی چاہیئے۔ دوسرے الفاظ میں عورت کو اپنے جسم پر پورا اختیار ہونا چاہیئے۔ عام طور پر لوگ اسے "برتھ کنٹرول" کہتے ہیں۔ مرد اس کی مخالفت کرتے ہیں اور قدامت پرستوں کا یہ آخری معرکہ ہے جس دن عورتوں کو خود مختاری مل گئی، مرد اُن کی ہستی سے ناجائز فائدہ نہیں اٹھا سکیں گے۔

۲۔ ابتدائی زمانہ میں عورتوں کو تمام حقوق حاصل تھے کیونکہ وہ ہندوستان کی اقتصادی زندگی کا ایک ضروری جزو تھیں۔ لیکن ذاتی جائداد اور ملکیت سے پیدا شدہ ذہنیت نے عورتوں کو اس پست درجہ تک پہنچا دیا۔

۳۔ ہندوستانی عورتیں موجودہ نکمے معاشی سسٹم کا شکار ہو گئی ہیں اور اس کی وجہ سے تمام سوشل برائیاں مثلاً پردہ اور کم عمری کی شادی وغیرہ پیدا ہوئی ہیں اور اس مسئلہ کا [illegible] ہے کہ عورتوں کو اس [illegible] کو حق ہے [illegible] کتابوں [illegible] اور قوانین [illegible] جاتے ہیں

۳۔ مردوں [illegible] ہندوستان [illegible] باہمی [illegible] دوسرے کو [illegible] عورتوں کے ساتھ بالکل وہی سلوک ہے جو [illegible] کا ہندوستان کے ساتھ ہے۔

۴۔ وہ چاہتی ہیں کہ عورت اخلاقی [illegible] بنے اور اس میں دنیا بھر کی خوبیاں [illegible] لیکن وہ اپنے لئے یہ ضروری نہیں سمجھتے کہ [illegible] کوئی اخلاقی خوبی ہو۔

۵۔ ضرورت ہے کہ ازدواجی قوانین سادہ بنائے جائیں اور عورتوں کے لئے ذرائع معاش حاصل کرنے کے تمام دفاتر، تمام ملازمتوں، تمام [illegible] کے دروازے کھول دئے جائیں۔

یہ مذکورہ بالا پانچ موضوعات ایسے ہیں جو تمام پہلوؤں سے (DEBATE) یعنی بحث و مباحثہ کے لائق ہیں۔ چند خیالات ایسے ہیں جن کی موافقت اور مخالفت دونوں کی کسی حد تک گنجائش ہے لہٰذا ہم اہل قلم اور اہل رائے حضرات کو دعوت دیتے ہیں کہ وہ مختصر مضامین میں جو تیج ویکلی کے تقریباً دو کالم سے بڑھنے نہ پائیں پانچ (باقی اگلے صفحہ پر)

اشارات

مسٹر نگا آرزو کرتے ہیں کہ مسٹر نرل راؤ نے کانگریس کی پالیسی سے لدی ہوئی گاڑی جس طرح اُلٹ دی ہے اس پر وہ مستحق مبارکباد ہیں۔

افسوس ہے کہ مسٹر نگا اور ان کو اس اُلٹی ہوئی گاڑی سے کوئی پھل ہاتھ نہیں آیا۔ لیکن ان کی نگاہیں تو دوسروں کی میز پر رہتی ہیں۔

کہا جاتا ہے کہ مصری حکومت نے کالجوں اور اسکولوں میں امن قائم رکھنے کے لئے ایک اسپیشل اسکول پولیس قائم کی ہے۔

غالباً گورنر بنگال کو اس پر رشک کرنا چاہیئے۔

اسمبلی میں فارن سیکرٹری نے اس امر کو تسلیم کیا ہے کہ ہم غیر ملکی سیاسی اسیروں کو رکھنے پر حکومت ہند تقریباً ایک لاکھ روپیہ خرچ کر رہی ہے۔

غالباً یہی سبب ہے کہ ملکی قیدیوں کی آرام رسانی پر زیادہ رقم صرف نہیں کی جا سکتی۔

مسٹر سلی ہڈسن نے یہ شکایت کی ہے کہ ریلوے بورڈ ریلوے کے مقامی ایجنٹوں کے کام میں ضرورت سے زیادہ مداخلت کرتا ہے۔

کیا وہ چاہتے ہیں کہ انڈیا ایکٹ کی "صوبجاتی خود اختیاری" کی طرح ان کو بھی "خود اختیاری" دی جائے۔

اپریل میں مسلم لیگ کا جو اجلاس بمبئی میں ہونے والا ہے اس کی صدارت سر فضل حسین نے نامنظور کی ہے۔

جو مطلب برآری پس پردہ ہوتی ہے وہ سامنے آ کر نہیں ہو سکتی۔

اسمبلی نے ایک ریزولیوشن پاس کیا ہے کہ "خارج شدہ رقبوں" کو بھی ہندوستان کے دیگر حصوں کی طرح آئینی نظم و نسق عطا کیا جائے۔ اس سلسلہ میں آسام کے ایک ممبر مسٹر وڈنگٹن نے کہا کہ ان رقبوں کے باشندے باہر والوں کی آمد کے ذرا بھی روادار نہیں ہو سکتے۔

غالباً ان "باہر والوں" سے وہ غیر ملکی لوگ مستثنیٰ ہیں جو چائے کی کاشت کرتے ہیں اور مزدوروں کو کم سے کم اُجرت دیتے ہیں۔

(صفحہ (۹) سے آگے)

موضوعات ہیں سے اپنے کسی پسندیدہ موضوع پر اظہار خیال فرماتی ہیں۔

مُصنفوں کو ایک انتباہ!

انگلستان میں مصنفوں اور ڈرامانگاروں کی ایک مستند سوسائٹی قائم ہے۔ اس سوسائٹی نے ایک ہندوستانی جامہ کو ایک مراسلہ بھیجا ہے جس کا مختصر بیان ہندوستانی مصنفوں کے لئے بھی ایک انتباہ ثابت ہو سکتا ہے۔ بعض پرنٹروں اور پبلشروں نے اپنا ایک شیوہ بنا رکھا ہے کہ مصنفوں سے کتابیں لے کر چھپواتے اور فروخت کرتے ہیں اور اُس کے نفع سے خود تو فائدہ اُٹھاتے ہیں اور مصنفوں کو محروم کر دیتے ہیں اور جو پبلشر اس سے بھی زیادہ چالاک ہوتے ہیں وہ مصنف کو سبز باغ دکھلا کر طباعت کا خرچ بھی مصنف ہی کی جیب سے نکال لیتے ہیں اور بعد کو انہیں پریشان کرتے ہیں اس سوسائٹی مذکور نے اس سلسلہ میں اپنے تجربات بیان کئے ہیں اور کہا ہے کہ مصنفوں کو ایسے پبلشروں کے دام فریب میں نہیں آنا چاہیئے۔ لیکن اس سوسائٹی نے ایسے مصنفوں کے لئے کوئی علاج تجویز نہیں کیا ہے جو صرف اتنا ہی چاہتے ہیں کہ ان کی کتاب چھپ جائے۔ سرورق پر اُن کا نام چھپا ہوا دکھائی دے اور لوگ انہیں مصنف سمجھنے لگیں۔ غالباً یہی وہ لوگ ہیں جو زیادہ تر ایسے پبلشروں کا شکار بنتے ہیں!

مہاتماجی اور خالدہ ادیب خانم!

ہفتوں کی علالت کے بعد اب جبکہ مہاتما گاندھی کی صحت بہتر ہوئی ہے اور خون کا دباؤ اعتدال تک پہنچا ہے۔ خالدہ ادیب خانم کا ایک خط جو انہوں نے مہاتماجی کو لکھا ہے، نہایت دلچسپی سے پڑھا جائے گا۔ اس میں بعض حقیقتیں ہیں جو اپنی نوعیت کے اعتبار سے آب زر سے لکھنے کے قابل ہیں۔ خالدہ ادیب لکھتی ہیں:- "میں یہ جاننا نہیں چاہتی کہ آپ بیمار ہیں۔ لیکن مجھے کوئی تشویش نہیں ہے۔ جو لوگ دنیا میں کوئی مشن لے کر آتے ہیں وہ جسمانی کمزوریوں کے باوجود اس وقت تک زندہ رہتے ہیں جب تک وہ اس معاشی یا اخلاقی عمارت کو تعمیر نہ کر لیں جو اُن کی زندگی کا مقصد ہے۔ حضرت عیسیٰ اس لئے مر گئے کہ ان کو یقین تھا کہ موت ہی اُن کا مشن ہے حضرت موسیٰ فرعون اور مصر نے افریقہ دونوں کا مقابلہ کرنے کے بعد

بھی زندہ رہے۔ ہمارے پیغمبر بھی اپنے سوشل سسٹم کی بنیاد قائم کرنے تک زندہ رہے۔ اس کے بعد مہاتما جی کے مشن کا بیان کرتے ہوئے خالدہ ادیب لکھتی ہیں کہ "ہندوستان جانے کے بعد سے میں ذات پات کے مسئلہ سے زیادہ دلچسپی لینے لگی ہوں۔ مجھے ایسا معلوم ہوتا ہے کہ اس پریشان حال دنیا میں جو کچھ ہو رہا ہے وہ سب کچھ سمٹ کر صرف ایک ہی مسئلہ بن جاتا ہے اور وہ یہ ہے کہ اونچی اور نیچی ذات یعنی بلند و پست، امیر و غریب میں کوئی فرق ہونا چاہیئے یا نہیں۔ میرے خیال میں دنیا کی آئندہ سوسائٹی کی صورت اسی فیصلہ کے مطابق تنظیم پائے گی جو آپ ہندوستان میں ذات پات کے متعلق کریں گے اس لئے مجھے یقین ہے کہ جب تک ذات پات کے متعلق آپ کا ارادہ ذاتی نہ ہو چکے گا آپ اس دنیا میں ضرور زندہ رہیں گے"

ایک ترکی خاتون جب اس طرح مہاتماجی کے مشن کے لئے ایسا خیال رکھتی ہیں تو کیا خود ہندوستانیوں کا یہ پہلا فرض نہیں ہے کہ دنیا کی فلاح و بہبود کے لئے اس اہم مشن میں قدم بہ قدم مہاتماجی کا ساتھ دیں!

تیل اور پٹرول کب تک رہے گا؟

ایک امریکن ماہر سائنس ڈاکٹر الگلوف کہتے ہیں کہ اگر تیل اور پٹرول کے حاصل کرنے کا طریقہ یہی رہا جو اس وقت جاری ہے اور اُن کا خرچ بھی اسی مقدار سے ہوتا رہا تو یہ دونوں چیزیں پندرہ سال کے بعد ختم ہو جائیں گی اس بیان کو سن کر اکثر لوگوں کو یہ تشویش پیدا ہو جائے گی کہ پھر کیا ہو گا۔ گھروں کے چراغ کیسے جلیں گے، موٹریں کیسے چلیں گی، اور وہ ہزاروں کام جو تیل اور پٹرول کے ذریعہ ہوتے ہیں، کیونکر انجام پائیں گے۔ لیکن یہ کوئی گھبرانے کی بات نہیں ہے کیونکہ تیل اور پٹرول کے حاصل کرنے کے بہت سے جدید طریقے ایجاد کئے جا رہے ہیں اور امید کی جاتی ہے کہ نئے ذرائع سے جو تیل کے ... ... ۱۳ سے حاصل کئے جائیں گے وہ کم از کم ایک سو برس تک کام دیں گے لیکن ہمارا خیال ہے کہ بہت ممکن ہے کہ کچھ ایسے برقی ذرائع جلد پیدا ہو جائیں کہ تیل اور پٹرول کی اس قدر ضرورت باقی ہی نہ رہے!

اطلاع

منشی عبدالقدیر صاحب

ایڈیٹر ... خوشنویسی

ایک ... اس پر تیج ویکلی میں ریویو کیا گیا تھا بعض لوگوں نے اپنے خطوط اور خطوط دفتر تیج میں بھیجے ہیں اس سلسلہ کا کوئی خط دفتر تیج میں نہیں آنا چاہیئے اس نقشہ کو دستیاب ہونے کا صحیح پتہ یہ ہے:-

منشی عبدالقدیر الاخوان خوشنویس چتلی قبر دہلی

چٹکیاں

کہتے ہیں کہ ریلوے بورڈ اور ریاستوں کے طرز عمل کے خلاف پروٹسٹ کرنے کے لئے اسمبلی میں تقریباً دو سو نوٹس پیش کئے جائیں گے۔

اب اینگلو انڈین پریس بیٹھ کر سوچ سکتا ہے کہ ایسا قیمتی وقت جو ڈنروں اور پارٹیوں میں صرف کیا جا سکتا ہے، ان کاموں میں بے کار ضائع کیا جاتا ہے۔

ایک تجویز یہ ہے کہ ریلوے بجٹ کے مسلسل خسارہ پر غور کرنے کے لئے ایک "ماہرانہ تحقیقات" کی جائے۔

اگر ان "ماہروں" سے کم اخراجات کے باعث چند چھوٹے عہدہ داروں کو ملازمت سے باہر نہ کرنا پڑے۔

ایک اینگلو انڈین معاصر پوچھتا ہے کہ کیا ہندوستان ہمیشہ اسی امید پر بسر کرے کہ مستقبل بعید میں اس کی حالت اچھی ہو جائے گی۔

کیوں نہیں۔ ہندوستان تو بہت دنوں سے صرف امید ہی پر زندہ رکھا جا رہا ہے۔

ہوائی دوڑ کے موقعہ پر لارڈ ولنگڈن نے کہا کہ ہوائی اسٹیشن پر میرا نام ہندوستانیوں کو میری روانگی کے بعد میری یاد دلاتا رہے گا۔

اس کی کوئی ضرورت نہ تھی۔ کیونکہ ہندوستان میں بہت سی چیزیں ایسی ہیں جو اُن کی یاد دلائیں گی۔

ایک اخبار میں یہ سُرخی دیکھنے میں آئی۔ وہ ملک جہاں کے لوگ مستقل غلامی میں رہتے ہیں۔

سب لوگ جانتے ہیں کہ وہ ملک دُنیا کے کس حصہ میں ہے۔

اٹلی کا کمانڈر حبش کے ایک خطہ کی فتح کے متعلق کہتا ہے کہ وہ پہاڑ جو ہمارے پیٹ پر بار گراں بنا ہوا تھا اب ہمارا ہو گیا!

اسی سے ظاہر ہے کہ کمانڈر موصوف اور اسکی فوج کا کیا حال ہوا۔

بمبئی کا اینگلو انڈین معاصر لکھتا ہے کہ حقیقت دلچسپ ہے کہ قمار بازی کے خلاف بل پر پولیس کمشنر نے تقریر کی۔

حقیقت تو دلچسپ ہوتی ہے اگر تقریر دلچسپ نہ تھی۔

سائنس اور خدا

(ازجناب گردش لکھیم پوری)

ہیمیش کی گردن میں پیچھے کی طرف سوئی کی طرح کوئی چیز چبھتی ہوئی معلوم ہوئی۔ وہ دفعتاً چونک پڑا اور مُڑ کر دیکھا۔ مسافروں کے جم غفیر میں اُس نے اپنے پیچھے ایک ساٹھ ستر برس کی غریب بڑھیا لاٹھی ٹیکتی ہوئی دکھائی دی۔ وہ اپنی طرف شانہ پر شانہ اس کا چھوٹا بھائی بھی چل رہا تھا: یہ کیا مصیبت ہے میری گردن میں اس وقت کوئی چیز چبھتی ہوئی معلوم ہوئی اور ایں راجیت، تمہارے کوٹ پر یہ پانی کے سے دھبے کس چیز کے ہیں۔ سارا کوٹ خراب ہوگیا۔

ہوگا کچھ جانے بھی دیجئے۔ آپ پہلے گاڑی میں سوار ہو جائیے، یہاں اس وقت سب کو اپنی اپنی پڑی ہے۔ نہ جانے کس نے پانی ڈالا کیا ہوا اور خدا معلوم کیا چیز آپ کی گردن میں چبھ گئی۔ آپ کو کچھ تکلیف تو نہیں ہے"

نہیں تو اب تو کچھ بھی احساس نہیں ہوتا۔"

ہیمیش نے فرسٹ کلاس کے ڈبے میں بیٹھتے ہوئے کہا۔ ریل کے انجن نے الوداعی سیٹی بجائی راجیت نے اپنے بڑے بھائی ہیمیش کو رخصتی سلام کیا۔ اور ریل فراٹے بھرتی ہوئی لکھنؤ کے سٹی اسٹیشن سے روانہ ہوگئی۔ راجیت جلدی سے پلیٹ فارم کے باہر آیا۔ موٹر اسٹارٹ کی اور شہر کی مشہور مغنیہ مس شانتی کی کوٹھی کی طرف چل دیا۔

(۲)

دہلی پہونچکر ہیمیش مضمحل اور پژمردہ ہوچکا تھا اس کے جسم میں حرارت پیدا ہوچلی تھی جس میں لمحہ بہ لمحہ اضافہ ہو رہا تھا۔ وہ اپنے دوست کملا سیٹھ کے مکان پر جیسے ہی پہونچا ویسے ہی اُسے اپنے جگاسوں میں سخت سوزش اور جلن محسوس ہوئی۔

کملا سیٹھ بڑے خلیق اور ملنسار آدمی تھے اس

اظہار کرتے ہوئے چند فقروں میں ڈاکٹر کو حالات سے آگاہ کر دیا۔

ڈاکٹر نے مریض کی نبض دیکھی اور آلات کے ذریعہ معائنہ کرنے کے بعد ہیمیش سے پوچھا۔

"آپ کا بخار جلد جلد بڑھ رہا ہے، لیکن میرا تجربہ بتلاتا ہے کہ آپ کا بخار غیر معمولی ہے۔ کیا آپ کو اور کوئی تکلیف تو نہیں؟"

ہیمیش: ہاں ہے ڈاکٹر صاحب، میرے جگاسوں میں شدید سوزش ہو رہی ہے۔ ڈاکٹر ایک لمحہ کے لئے متفکر ہوگیا۔

پھر اس نے مقامی ہیلتھ افیسر سے ٹیلیفون کے ذریعہ کچھ

سیٹھ بھی متفکر ہوگیا۔

اور تھوڑی دیر کے لئے کمرے میں بالکل سکوت طاری ہوگیا۔

"لیکن سیٹھ جی کچھ گھبرانے کی بات نہیں۔ آپ بالکل اطمینان رکھیں۔ میں اپنی ایک کیمیاوی اور اکسیری دوا اس مریض کے اچھا کرنے میں صرف کر دوں گا۔ اسے میں نے مدتوں میں تیار کیا ہے۔ لیکن میں آپ کے تعلقات کی خاطر اپنی زندگی کا سرمایہ آپ پر نچھاور کرتا ہوں۔ اگر وہ دوا اس وقت صرف میں نہ آتی تو چند دنوں میں دوسرے ضروری تجربات کے ساتھ منظر عام پر لائی جاسکتی تھی لیکن اب اس کے تیار کرنے میں بڑی مدت کی ضرورت ہوگی"

"میں آپ کی اس عنایت اور ہمدردی کا بدل و جان شکر گزار ہوں اور ڈاکٹر صاحب میں بھی آپ کو یقین دلا دینا چاہتا ہوں کہ میں آپ کی ہر قسم خدمت کے لئے ہر وقت طیار ہوں جو میرے امکان میں ہو"

سیٹھ نے یہ جملہ پُر اخلاص لہجہ میں ادا کئے اور اب اس کی آنکھوں سے ... آنسو رواں تھے۔

اٹلی ناخوشگوار کشمکش میں

(ساؤتھ ویلز ایکو)

کے علاوہ ہیمیش اور سیٹھ جی کے تعلقات ایسے نہ تھے کہ سیٹھ جی اس سے ہمدردی نہ کرتے چنانچہ سیٹھ جی نے ہیمیش کے آرام کا مناسب انتظام کر دینے کے بعد فوراً ہی اپنے ڈاکٹر کو طلب کیا۔

تھوڑی ہی دیر میں ڈاکٹر کوشل کی موٹر کوٹھی کے سامنے رکی۔

"مجھے طلب فرمانے کی کیوں تکلیف گوارا کی گئی ہے" ڈاکٹر نے رسمی سلام و مزاج پرسی کے بعد کہا۔

سیٹھ جی نے اپنے مریض دوست کی حالت کی اور اپنی کشمکش کا اظہار کرتے ہوئے یوں کہا "سیٹھ جی مجھے سخت تعجب ہے۔ میں حیرت میں ہوں کہ آخر مریض کس مرض میں مبتلا ہے مجھے اتنا معلوم کرنے کی ضرورت ہے کہ کیا لکھنؤ میں طاعون کی شکایت تو نہیں؟"

ہیمیش: نہیں آپ پریشان نہ ہوں وہاں اس قسم کی کوئی شکایت نہیں۔

ڈاکٹر نے سیٹھ کملا کے کان میں خاموشی سے کچھ کہا۔ نہ جانے کیا بات تھی کہ جسے معلوم کرتے ہی

جاپان تیری سے نقشہ میں رنگ ... (ویسٹرن مارننگ نیوز)

باقی مضمون اگلے صفحہ پر

مصری ابوالہول نے اپنی خاموشی توڑ دی!

(منسٹر ... گلاسگو)

{پچھلے صفحہ سے}

ڈاکٹر! میرے مخلص دوست سیٹھ گھلا میری محبت اور میری خدمات جو تم سے متعلق ہیں شکرے اور معاوضے سے ہمیشہ بے نیاز رہیں گی۔

سیٹھ۔ آپ کچھ کہنے کے لئے میرے پاس الفاظ موجود نہیں۔ بہر صورت علاج جلد شروع کیجئے بہتیر رہیں اپنے حقیقی بھائی سے بھی زیادہ سمجھتا ہوں۔

ڈاکٹر نے کچھ دوائیں دیں اور وعدہ کیا کہ اپنی خاص دوائیں لے کر خود حاضر ہوں گا۔

ڈاکٹر اٹھ کر چل رہا ... مگر دفعتاً ہمیں چونک پڑا، اور اس نے ڈاکٹر صاحب کی طرف ہاتھ اٹھایا۔

"ہاں کہو کچھ کہنا چاہتے ہو"

"ہاں ڈاکٹر صاحب ایک عجیب واقعہ ہے جس پر غور کرنے کے بعد بھی میں کسی نتیجہ پر نہیں پہنچ سکا ہوں۔ ... میں جب لکھنؤ کے اسٹیشن سے دہلی روانہ ہوا تھا اور سیکڑوں مسافروں کے ہجوم میں ڈبہ میں سوار ہوتے جارہا تھا تو دفعتاً مجھے اپنی گردن میں کوئی چیز چبھتی ہوئی معلوم دی۔

آو اب میرا بخار بڑھ رہا ہے ... ہاں تو ڈاکٹر صاحب اسی وقت سے میری طبیعت بگڑنا شروع ہوئی، اور کیا آپ میری گردن کا معائنہ کرکے کسی نتیجہ پر پہنچ سکیں گے؟

ڈاکٹر کی پیشانی پر شکنیں پیدا ہوئیں اس نے جلدی جلدی گردن کا معائنہ کیا۔

اُف! یہ مہلک جراثیم پہنچائے گئے ہیں ... یقیناً انجکشن کا ذریعہ ہو سکتا ہے؟ ڈاکٹر کسی گہرے خیال میں غوطہ زن ہوگیا۔ وہ گھبرایا ہوا باہر آیا اور اپنی موٹر پر سوار ہوکر بڑی تیز رفتاری سے ایک طرف کو چلدیا

(۳)

لکھنؤ میڈیکل ہال کے علم الجراثیم کے ماہر سائنس داں ڈاکٹر ہاسن نے جلد جلد تار کا لفافہ کھولا۔ اور پڑھا۔ اور چند ہی لمحوں میں وہ عجیب و غریب پریشانی میں مبتلا ہوگیا۔ وہ اپنی طبی تجربہ گاہ میں پاگلوں کی طرح چلایا۔ فوراً اس کا نائب ڈاکٹر اس کے سامنے حاضر ہوگیا

کیا معاملہ ہے آپ کے حواس کیوں اڑے جارہے ہیں"

"پلیگ کے جراثیم کی نلکی کہاں ہے۔ وہاں سے ڈاکٹر کوسل لکھتے ہیں۔ کہ شاید وہ آپ کے طبی تجربہ گاہ سے غائب ہے جلد دیکھو۔ آؤ میرے ساتھ آؤ اور تجربہ گاہ میں مری ساتھ ہر چیز، ہر ٹیوب کا خوردبین کے ذریعہ معائنہ کرو۔

تمام جراثیم کی نلکیاں درست حالت میں موجود تھیں پلیگ مرنے بکس میں بھی ایک ٹیوب رکھا تھا۔ خوردبین سے معائنہ کیا گیا تو معلوم ہوا کہ یہ ایک مصنوعی نلکی ہے ٹیوب میں مصنوعی مرکب سیال بھرا ہے اور جراثیم ندارد۔

ایک مرتبہ ماہر سائنس ڈاکٹر چکرایا اور بیہوش ہوکر فرش پر گر پڑا۔ ساتھی ڈاکٹر کی کوشش سے وہ فوراً ہوش میں آگیا ... لیکن وہ عجیب و غریب کشمکش اور مصیبت میں مبتلا نظر آتا تھا ... چند لمحوں کے بعد اس کے بشرے پر تفکر کے آثار نمایاں ہوئے۔

"میں جانتا ہوں یہ بدمعاش راجیندر کی کارروائی ہے۔ اس کے سوا میرے طبی تجربہ گاہ میں اور کوئی نہیں آیا"

اس کے بعد ڈاکٹر ہاسن نے موٹر طلب کیا اور سپرنٹنڈنٹ پولیس کے بنگلہ کی طرف روانہ ہوئے۔

(۴)

کیا تمہیں اب بھی شک ہے کہ میں ساری دولت پر قابض نہ ہوسکوں گا اب وہ کانٹا دور ہوگیا جس کی وجہ سے مجھے اور تمہیں ہر وقت خلش رہتی تھی۔ کیسی صاف ترکیب۔ کسی کو یہ علم بھی نہ ہوسکے گا کہ یہ کیا ہوا۔ اور کس طرح بھلا چنگا تندرست آدمی دفعتاً موت کے گھاٹ اتر گیا پیاری! اب اس کی موت یقینی ہے۔ وہ اس مہلک مرض سے ہرگز جانبر نہ ہوسکے گا۔ اور ڈاکٹر کو بھی میں نے خوب ہی اُلّو بنایا۔ اُسے اس بات کا گمان بھی نہ ہوسکا کہ میں نے کیا صفائی کی، اب عنقریب ہی تمہاری منشاء کے مطابق ایک شاندار فلم کمپنی کا افتتاح ہوگا۔ جس کا نام شانتی فلم کارپوریشن لمیٹڈ رکھا جائے گا۔ کیوں پیاری شانتی!

"جس شانتی کے کنول سے شگفتہ رخساروں پر جھکی ہوئی سیاہ پلکیں قابل نوجوں کی طرح اٹھیں۔ اور ایک اچھوتے تبسم کے ساتھ اس نے راجیندر کی کشمکش کا اندازہ کرتے ہوئے کہا۔

"اور جو وہ نہ مرا تو"

"تم کتنی بھولی ہو اتنی سائنٹفک چال اور کامیاب نہ ہو؟"

"ممکن ہے کہ اس کے باوجود بھی وہ زندہ رہے؟"

"ہرگز نہیں۔ ایسا بے خطا تیر کبھی رائیگاں نہیں جاتا۔ پیاری شانتی تم کتنی نادان ہو؟"

"ہاں میں نادان ہوں جبھی تو تم جیسے عقلمند میری کمند زلف کا شکار بنے ہوئے ہیں۔

"میرا خیال ہے کہ جسے خدا زندہ رکھنا چاہتا ہے اُسے دنیا کی کوئی طاقت مار نہیں سکتی؟"

"خدا کچھ نہیں۔ یہ سب توہم پرستی ہے؟"

"یہ تمہاری بدترین نادانی ہے کہ تم خدا سے بھی منکر ہوئے جاتے ہو"

"ہاں نہیں خیال کرو کہ خدا اس میں کیا کرسکتا ہے۔ ایک انسان کے جسم میں سیکڑوں مہلک جراثیم پہنچا دئے جائیں اور پھر بھی وہ زندہ رہے؟"

"ہاں خدا کی طاقت ان خوفناک اور مہلک جراثیم سے کہیں زیادہ مسیحائی رکھتی ہے۔ وہ چاہے تو انہیں قابل جراثیم کو ایک مردہ جسم کے لئے آب حیات بنادے؟"

"تم کچھ خدا کی زیادہ قائل معلوم ہوتی ہو؟"

"ہاں میں ایک جنس نرم فرسش مخنیہ ہونے کے باوجود خدا اور روحانیت کو کبھی سائنس پر ترجیح نہیں دے سکتی"

"تو پھر تمہارا یہ مطلب ہے کہ وہ زندہ رہ سکتا ہے"

"ہاں ہو سکتا ہے کہ وہ زندہ رہے؟"

"لیکن ایک تار کے ذریعہ مجھے معلوم ہوچکا ہے کہ وہ اپنی زندگی کی آخری سانسیں گن رہا ہے؟"

"اس کے یہ معنی ہیں کہ وہ قریب المرگ ہے؟"

"اچھا تو پیارے راجیندر اب کافی دیر ہوچکی اس کے علاوہ تمہاری طبیعت بھی ٹھیک نہیں۔ میں چلنے کی اجازت چاہتی ہوں۔ ذرا ہاتھ ملاؤ۔ دیکھوں تمہارے بخار زیادہ تو نہیں؟"

الحمد دے کر۔ نہیں زیادہ تو نہیں ہے لیکن مجھے تمہاری باتوں سے گھبراہٹ اور پریشانی بڑھ رہی ہے اور خوفناک تصورات میرے دماغ میں ابھرتے جاتے ہیں۔"

شانتی اپنی اودی ساڑی کا آنچل سنبھالتے ہوئے اٹھی اور اپنی سرکش اور سیاہ زلفوں کو جو اس کے گداز سینے پر بکھری ہوئی گستاخیوں کی مرتکب ہو رہی تھیں دونوں ہاتھوں سے دباتے ہوئے کہا: آپ فکر نہ کریں بہت جلد صحت ہو جائے گی۔ خفیف حرارت ہے میں ابھی ڈاکٹر کو بھیجتی ہوں" اس کے بعد شانتی باہر نکل آئی ...

راجیندر کسی گہرے سوچ میں پڑ گیا۔ اس کے چہرے پر تفکر کے آثار نمایاں ہوئے اور چہرے کا رنگ اترنے لگا۔ ... وہ کچھ تکلیف محسوس کر رہا تھا۔ ... اور تھوڑی دیر کے بعد اس کی بغلوں میں شدید درد محسوس ہونے لگا

"حضور یہ تار دہلی سے آیا ہے"

یہ کہہ کر ملازم نے تار کے لفافہ کو راجیندر کی پُرتکلف مسہری پر ڈال دیا۔ راجیندر نے لیتے ہی لیتے اُسے کھولا اور پڑھا۔ لکھا تھا۔

ڈیر راجیندر! تمہارے بھائی صاحب ڈاکٹر کوسل کے بیش بہا علاج سے صحت یاب ہو رہے ہیں، امید ہے کہ وہ بہت جلد تندرست ہوجائے گی ... تمہارا اکملا

راجیندر کی مسہری کے نیچے سے زمین سرک گئی اس نے کہا: "اُف مارڈالا ظالم نے" ڈاکٹر کوسل بڑا زبردست سائنسداں ہے

کیا اب میرا راز کھل جائے گا۔ لیکن نہیں میں ایسی ترکیب کروں گا۔ کہ کچھ بھی معلوم نہ ہوسکے گا۔ ... اب اس کے شدید بخار ہوچکا تھا ... اس نے ملازم کو آواز دی اور کہا ابھی تک ڈاکٹر نہیں آئے فوراً ڈاکٹر کو بلاؤ۔

(۵)

راجیندر اس وقت سخت بخار میں پھنک رہا تھا۔ ایک ڈاکٹر اس کی بغلوں میں نکلی ہوئی گلٹیوں پر کوئی طبی عمل کر رہے تھے کہ دفعتاً ملازم اندر داخل ہوا۔ اور ایک ملاقاتی کارڈ پیش کرتے ہوئے کہا کہ ایک صاحب ملاقات کے لئے اندر آنا چاہتے ہیں۔

راجیندر نے بمشکل کارڈ پڑھا اور اشارہ سے بتلایا کہ ڈاکٹر صاحب کو اندر لے آؤ ... ڈاکٹر ہڈسن اندر تشریف لے آئے اور راجیندر کو مریض دیکھ کر تعجبانہ لہجہ میں بولے۔

"بخیب دشمناں آپ کی طبیعت کیسی ہے؟"

معالج ڈاکٹر نے باتوں ہی باتوں میں مریض کے حالات سے ڈاکٹر ہڈسن کو آگاہ کردیا۔

راجیندر نے ڈاکٹر ہڈسن کو سلام کرنے کی ناکام کوشش کی، اس لئے کہ اس کے اعضاء اب بے کار ہو چکے تھے۔ ... وہ کچھ نہ بول سکا۔ جذبات فہم ڈاکٹر ہڈسن نے فوراً اندازہ لگالیا کہ وہ کچھ کہنا چاہتا ہے اس نے مریض کو کوئی دوا پلائی جس سے کچھ توانائی پیدا ہوئی۔ اور پھر راجیندر نے کہا۔

"ڈاکٹر صاحب میں ... سمجھ ... تا ... ہوں ... کہ آپ ... میرے ... پاس ... کیوں ... تشریف ... لائے ہیں؟"

اس کے بعد اس نے پھر آنکھیں بند کرلیں۔

"ہاں ہاں بیان کرو۔ میں کیوں تمہارے پاس آیا ہوں؟"

اسی وقت باہر کے برآمدے میں کسی کے پیروں کی چاپ سنائی دی۔ ... کوئی شخص بلا اجازت اندر آرہا تھا۔ ...

یہ راجیندر کا بڑا بھائی مہیش تھا۔ جو دہلی سے صحت یاب ہوکر واپس آیا تھا۔ ...

باہر ملازم کی زبانی اپنے بھائی کی علالت معلوم کرکے سخت مضطرب اور بے چین ہوگیا تھا۔ اس نے اندر داخل ہوتے ہی سوال کیا: "راجندر! راجندر! کیا حال ہے"

راجیندر نے جوں ہی کہ اپنے بھائی کی آواز سنی فوراً آنکھیں کھول دیں۔

راجیندر کے چہرے پر پریشانی اور ندامت برس رہی تھی اس کی بھیانک اور خوفناک آنکھیں سرخ ہو رہی تھیں، اس نے کمزور لہجہ میں ڈاکٹر ہڈسن کو مخاطب کرتے ہوئے کہا:

"ڈاکٹر صاحب ... میں ... اب ... جبکہ ... مجھے ... موت کا ... یقین ... ہو چکا ہے ... جھوٹ ... بول کر ... اپنے گناہوں میں ... اضافہ ... کرنا نہیں ... چاہتا ... وہ دیکھئے ... موت ... کا ... ہیبت ... ناک ... فرشتہ ... میری ... جان ... لینے ... کے لئے

(باقی صفحہ ۲۲ پر)

نہر سویز کی سیاسی حیثیت

برطانیہ کے فوجی انتظام اور مصری انتداب کی موجودگی

جبش و اطالیہ کی جنگ میں دستوری مسائل کی پیچیدگی

(از قلم ماہر سیاسیات عالم مسٹر ابرٹ، ایل، بیکر)

(ترجمہ خاص برائے تیج دہلی دہلی)

نہر سویز نہ صرف انجنیری کا حیرت انگیز کمال ہونے کی حیثیت سے ایک قابل قدر چیز ہے بلکہ اس کی سیاسی اور بین الاقوامی پوزیشن بھی عجیب و غریب ہے۔ دول عالم کے سیاسی و اقتصادی تعلقات، نیز جنگی نقطہ نظر سے نہر سویز ایک زبردست حیثیت رکھتی ہے۔ انسانی ہاتھوں سے بنا ہوا پانی کا کوئی ٹکڑا دنیا میں اتنی بڑی اور اہم پوزیشن کا مالک نہیں ہے جس قدر نہر سویز ہے۔ نہر سویز کو حکومت برطانیہ کی شاہ رگ بھی کہا جاتا ہے لیکن اطالوی و حبشی جنگ کے سلسلہ میں حالات نے یہ ثابت کر دیا ہے کہ پانی کا یہ طویل خطہ صرف برطانیہ کے لئے بلکہ اٹلی کے لئے بھی شاہ رگ کی حیثیت رکھتا ہے اور اہمیت اس کی روز بروز بڑھتی ہی جا رہی ہے۔ اگر نہر سویز کو اطالوی جہازوں کے لئے روک دیا جائے جو ابیسینیا (حبش) کو تاراج کرنے کے لئے سپاہی اور اسلحہ وغیرہ لے کر گزرتے ہیں تو مسولینی کی یہ افریقی مہم بالکل ختم ہو جائے اور اس کا ایسا افسوسناک انجام کوئی عرصہ تک اسے یاد رکھے۔

جب لیگ اقوام کی کونسل میں اٹلی کی روش کے خلاف آواز بلند ہوئی تو برطانیہ عظمیٰ میں اس بات پر سخت زور دیا گیا کہ حبش کو بچانے کے لئے یہ ضروری ہے کہ نہر سویز کو اطالیہ کے لئے بند کر دیا جائے یا کم از کم کوئی ایسا قدم اٹھایا جائے جو اس منشاء کو مکمل طور پر پورا کر سکے۔ برطانیہ میں جو صدائے احتجاج بلند ہوئی۔ اس کے پیچھے "لیگ آف نیشن" اور لیگ کے حامی اخبارات تھے۔ لیگ کے حامی اخباروں میں سے "نیوز کرانیکل" نے یہ پیشگوئی کی تھی کہ لیگ کے تعزیری احکامات کا اٹلی پر کوئی اثر نہیں ہوگا۔ اور وہ ان کے بغیر بھی ویسا ہی آزاد رہے گا جیسے پہلے تھا [illegible] لیگ اقوام کو اٹلی کے لئے نہر کو بند کرنے کے [illegible] پر فوراً سنجیدگی کے ساتھ غور کرنا چاہیئے [illegible] ستیل اس یونین کے صدر نے اس باب [illegible] وضاحت کے ساتھ کہا۔

کی بندش، بالخصوص کوئی ایسی پابندی اور رکھ جو اٹلی کی نقل و حرکت کو بالکل ہی مسدود کر دے، لابدی ہے۔"

نہر سویز کے بین الاقوامی مسئلہ اور اس کو اٹلی کے لئے بند کرنے کے معاملہ میں بہت سے دستوری و سیاسی مباحث اور پیچیدگیاں شامل ہیں۔ سب سے بڑی مشکل تو یہ سوال ہے کہ نہر سویز کا اصل مالک کون ہے؟ کیا برطانیہ جمعیت الاقوام کا کارندہ بن کر نہر سویز اٹلی کے خلاف بند کرنے میں حق بجانب ہے؟ کیا اٹلی اس قسم کی جارحانہ پالیسی کو برداشت کرے گا؟ کیا جمعیت اقوام قسطنطنیہ کے اس معاہدہ نہر سویز کی خلاف ورزی کر سکتی ہے جس کی رو سے تمام دستخط کنندگان اس بات پر رضامند ہوئی تھیں کہ نہر سویز کو کسی وقت بھی پابند نہیں کیا جائے گا۔ اور وہ سب کے لئے بلا لحاظ امن و جنگ کھلی رہے گی!

رہ گیا ملکیت کا مسئلہ تو وہ صاف ہے نہر سویز چونکہ مملکت مصر میں سے گزرتی ہے جو ایک با اختیار سلطنت ہے۔ اس لئے وہ زمین کے مالک کی ملکیت ہے اور ۱۹۶۸ء میں پٹہ ختم ہونے پر اس کے حقوق مالکانہ حکومت مصر کو تفویض کئے جانے چاہئیں۔ اور اگر یہ حقوق نہ دئے

گئے تو ۱۸۶۶ء میں جو معاہدہ مجلس تنظیم نہر سویز سے کیا گیا تھا اسے دوبارہ منظور کرنا پڑے گا اور ٹھیکہ داری کی میعاد میں توسیع ہو جائے گی۔

نہر سویز ایک پرائیویٹ مشترکہ سرمایہ کی کمپنی ہے جو مصر میں قائم ہوئی تھی۔ نہر سویز کا انتظام والنصرام اور اس کے جملہ حقوق اس وقت ایک مجلس کار نہر سویز کے قبضہ میں ہیں جس کا نام

"COMAGINE UNIVERSELLE du CANAL MAITIME de SUEZ"

بین الاقوامی مجلس عمل اسنیز [illegible] کا پیرس [illegible] صدر مقام ہے [illegible] شکل [illegible] کی مالک ہے [illegible] اس کے ۳۲ ڈائرکٹر ہیں جن میں سے ۲۱ ڈائرکٹر فرانسیسی ہیں۔ حکومت برطانیہ کو تقریباً پچاس

سال سے اس نہر کی فوجی و انتظامی حفاظت کا واحد اجارہ ملا ہوا ہے۔ اور وہ اس کام کو بخوبی انجام دیتی رہی ہے۔ حکومت برطانیہ کو اپنے مقبوضات مشرق کے ساتھ سلسلہ تعلقات قائم رکھنے کے لئے اس نہر کو ہمیشہ آزاد رکھنے کی از حد ضرورت ہے تاکہ یہ سلسلہ کبھی بھی پیچیدگی میں نہ پڑ جائے۔ حکومت برطانیہ کو اس فکر کے علاوہ نہر سویز کے معاملات میں یوں بھی بہت دلچسپی ہے کیونکہ اقتصادی و مالی حیثیت سے

نقشہ نہر سویز

اس کے مفاد سب سے زیادہ وابستہ ہیں۔ برطانیہ کے پاس اس نہر کے ۴۴ فی صدی حصے پائے جاتے ہیں اس نہر کے مفاد کے ساتھ اس کی گہری دلچسپی کا ہونا قدرتی ہے۔ نہر سویز کی فوجی حفاظت کے لئے برطانیہ کو اسماعیلیہ اور بندر سعید پر زبردست فوج رکھنی پڑتی ہے اور اس کے علاوہ مصر میں بمقام قاہرہ ایک عظیم الشان فوجی سپاہ اس کے علاوہ ہے تاکہ ضرورت کے وقت استعمال میں آسکے۔

نہر سویز کی بین الاقوامی اور دستوری حیثیت ایک معاہدہ دول "CONVENTION OF POWERS" کے اعتبار سے قائم ہوئی ہے اور تمام امور کا فیصلہ اسی معاہدہ کے مطابق ہوتا ہے۔ معاہدہ قسطنطنیہ میں ۲۹ اکتوبر ۱۸۸۸ء میں ہوا تھا اور دستخط کنندگان میں برطانیہ، آسٹریا، ہنگری، فرانس، جرمنی، اٹلی، ہالینڈ، روس، اسپانیہ اور ترکی شامل ہیں۔ اس معاہدہ کی دفعہ اول کی رو سے یہ صاف طور پر معلوم ہوتا ہے کہ:-

"نہر سویز امن اور جنگ دونوں حالتوں میں تجارتی و جنگی جہازوں کے لئے بالکل آزادانہ طور پر کھلی رہے گی۔ اس نہر کو کسی کے لئے بند کرنے کے حق کو کبھی بھی استعمال نہ کیا جائے گا۔"

اس وقت یہ امر بھی تسلیم کیا گیا تھا کہ خدیو مصر اس نہر کی حفاظت کا ذمہ دار ہوگا۔ اور اگر ضرورت پڑے تو اپنے حاکم بالادست یعنی سلطان ترکی سے بھی مدد لے سکتا ہے۔ اگر حفاظت اور دفاع نہر کا مسئلہ خدیو اور سلطان دونوں کے حد انتظام اور قابو سے باہر ہو جائے تو ان کا فرض ہوگا کہ وہ معاہدہ کنندگان کے مشورہ پر عمل کریں گے اور سب نہر کی حفاظت کریں گے۔ اس معاہدہ کی رو سے نہر سویز میں سے گزرنے والے جنگی جہازوں کے لئے سخت ممنوع ہے کہ وہ نہر کے پانی میں

باقی مضمون اگلے صفحہ پر

پچھلے صفحے سے

اگر کسی جگہ سے سامان خورد و نوشش۔ سامان اسلحہ جنگ اور دیگر اسباب جنگ حاصل کریں یا جہازوں کے لئے نئے سرے سے ایندھن حاصل کریں۔ نیز ان کے لئے حکم ہے کہ وہ نہر کے پانی میں سے نہایت تیزی کے ساتھ فوراً نکل جائیں۔ ہرگز ہرگز راستہ بند نہ کریں۔ نہر کے پانی میں رہ کر آپس میں جنگ شروع کر دینے، دونوں فریقوں کے لئے نہر کے دروازے بند کرنے کی ممانعت بھی اس معاہدہ میں شامل ہے۔ جنگ کے کسی فریق کے جہازوں کے ساتھ کسی قسم کی ساز باز بھی ممنوع ہے۔ غرض اس معاہدہ کی رو سے نہر کے انتظام اور دفاع کو بالکل مکمل کر دیا گیا تھا۔

مگر

نہر کے فوجی دفاع و انتظام کے معاملہ میں برطانیہ کو روز اول سے اجارہ داری حاصل ہے اس معاہدہ میں اس کام کے لئے برطانیہ کو مقرر کئے جانے کا کسی جگہ بھی ذکر نہیں ہے لیکن نہر سوئز کی حفاظت کا معاملہ کس طرح برطانیہ کے ذمہ میں آیا اور اب تک وہ اس حفاظت کا بار اپنے کندھوں پر کیوں اٹھائے ہوئے ہے یہ ایک بالکل الگ مسئلہ ہے۔ اس کے اسباب بالکل ہی مختلف ہیں سلطنت برطانیہ کا مصر پر اقتدار

مصر کی بغاوتوں کے باعث خدیو مصر نے سلطنت برطانیہ سے امداد طلب کی کیونکہ ان پیچیدگیوں کے باعث نہر مخدوش ہوگئی تھی۔ مصر پر برطانوی قبضہ ۱۹۱۴ء تک قائم رہا۔ اور اس عرصہ میں نہر کے فوجی دفاع کا کام برطانیہ نے بطریق احسن انجام دیا۔ ۱۹۱۴ء میں جب جنگ چھڑی تو سلطنت برطانیہ نے مصر کی حکومت سے اپنا تعلق علیحدہ کر کے اپنے آپ کو مملکت مصر کا مندوب محافظ ہو جانے کا اعلان کر دیا۔ جب جنگ ختم ہوئی اور ہاری ہوئی دستخط کنندگان طاقتوں نے مل کر برطانیہ کو مصر کے معاملات میں سلطان کی جگہ سمجھ لیا تو یہ بھی تسلیم کر لیا گیا کہ نہر کے دفاع کے معاملہ میں بھی برطانیہ کو قدرتی طور پر خود بخود وہ پوزیشن حاصل ہو جاتی ہے جو سلطان کو تھی۔ چنانچہ اس طریقہ سے برطانیہ نے مصری حکومت کی ارادے نہر سوئز کے فوجی دفاع کو دستوری طور پر منظور کرا لیا۔ لیکن ۱۹۲۲ء میں حکومت برطانیہ کو آزادی و استقلال مصر کا اعلان کرتے ہوئے بتایا کہ مصر ایک خودمختار و آزاد مملکت ہے۔

"مصر اور نہر سوئز کی فوجی تنظیم و دفاع کے معاملات کا تعلق اب بھی حکومت برطانیہ سے برقرار رہے گا۔"

چنانچہ اس وقت نہر سوئز کا دفاع جو برطانیہ کے ہاتھوں میں ہے اس کا مصر کے ساتھ تعلق ہے۔ اور اسی تعلق کے باعث یہ دفاع قائم ہے۔ رہ گیا یہ امر

[illegible]

برطانیہ کا مصر کے ساتھ کیا دستوری علاقہ ہے ایک متنازعہ فیہ مسئلہ ہے۔ دستوری اور قانونی طور پر تو مصر پر برطانوی انتداب PROTEC TORATE ختم ہو گیا ہے لیکن پھر بھی جو مراسم و تعلقات مصر و برطانیہ کے اس وقت پائے جاتے ہیں انہیں ایک ہلکی نقاب میں چھپے ہوئے "انتداب" سے ہی تعبیر کر سکتے ہیں۔ گو اس کا لباس بدلا ہوا ہے!!

اس باب میں سر آرنلڈ ولسن جو مشرق قریب و وسطیٰ میں برطانوی سلطنت کے دستوری حقوق کے مسائل کے سب سے بڑے ماہر اور مستند سمجھے جاتے ہیں فرماتے ہیں:-

"مصر کے ساتھ برطانیہ کا علاقہ دستوری طور پر ایسا ہی سمجھا جائے جس طرح نہر پاناما پر امریکہ کا اثر مسلّم ہے۔ گو امن کی حالت میں بھی اس حق کو پامال کیا جا سکتا ہے اور نظر انداز کر دینے میں کوئی قباحت نہیں۔"

بہرحال کچھ بھی کہا جائے مصر پر جب تک برطانوی اثر قائم ہے سوئز کا دفاع انگریزی قبضہ میں ہی رہے گا۔

صرف دو مرتبہ ۱۸۸۲ء میں اور ۱۹۱۴ء میں نہر سوئز انگریزوں نے دو جنگی فریقوں کے لئے بند کر دی تھی، دونوں دفعہ خود برطانیہ ہی متحارب فریق تھا۔

یعنی اسے اپنی دفاعی لائین کے ساتھ سلسلہ تعلقات قائم رکھنا ضروری تھا۔ گو نہر کو تھوڑی تھوڑی بندش رکھنا پڑا۔ جنگ عظیم کے زمانہ میں بھی قانون حفاظت بھی استعمال میں آیا یعنی جرمنی اور آسٹریا کے چند معمولی جہاز نہر سوئز میں گھر گئے۔ لیکن ان پر کوئی وار نہیں کیا جا سکتا تھا مگر مصری گن بوٹوں نے انہیں جنگی فریقوں کی پوزیشن سے باہر نکال کر تین میل کی مقررہ حد سے باہر لے جا کر چھوڑ دیا۔ یہاں سے باہر نکلتے ہی قانون کی حد بھی ختم ہوگئی، اور انگریزی جنگی جہازوں نے شیر کی طرح جھپٹ کر ان جہازوں کو لقمہ بنا لیا۔

صرف ایک مرتبہ "معاہدہ قسطنطنیہ" کی خلاف ورزی ایسی ہوئی ہے کہ جس پر کوئی باز پرس نہیں ہوئی۔ ۱۹۰۴ء میں روس کا ایک بیڑہ جو بحر بالٹک میں رہتا تھا نہر سوئز کو عبور کر کے جاپان پر حملہ آور ہونے جا رہا تھا۔ جاپان اس وقت برطانیہ کا دوست تھا۔ اور روس نے نہر سوئز میں سے گزرتے ہوئے کوئلہ وغیرہ جہازوں میں بھرا لیکن روس کی اس حرکت پر برطانیہ نے کوئی عمل نہیں کیا۔ حالانکہ وہ روس کو زک پہنچا کر اپنے دوست جاپان کی مدد کر سکتا تھا۔ لیکن معلوم ہوا کہ وہ نہیں کر سکتا تھا اس وقت اٹلی عملی طور پر تمام اقوام عالم کے خلاف عمل کر رہی ہے لیکن چونکہ ابھی تک عملی طور پر جنگ نہیں چھڑی ہے اس لئے قوانین کی پابندی کرتے ہوئے اٹلی معاہدہ قسطنطنیہ

از جناب کوثر چاندپوری

شاعروں کی اصطلاح خاص میں "توارد" کہتے ہیں دو شعروں کے لڑجانے کو یعنی جب ایک شعر لفظاً یا معنی کے اعتبار سے کسی دوسرے شعر سے متصادم ہو جائے تو کہا جائیگا کہ توارد ہوا۔ اگر آج کل کے بعض شاعر "سرقہ" کو بھی "توارد" کہتے ہیں۔ ہم اس موقعہ پر اس بحث میں پڑنا نہیں چاہتے۔ ہم تو یہ بتانا چاہتے ہیں کہ موجودہ زمانہ میں شعروں کے علاوہ آدمیوں، مکانوں اور جنگلوں میں بھی توارد ہو جاتا ہے۔ مضمون کے شروع ہی میں شعر و شاعری کا تذکرہ آچکا ہے اور عنوان بھی شاعرانہ ہے ممکن ہے آپ ہماری سچی باتوں پر مبالغہ کا الزام لگائیں اس لئے ہم صاف طور پر عرض کئے دیتے ہیں کہ جب سے شاعری چھوڑی ہے مبالغہ بھی چھوڑ دیا اور نثر میں جھوٹ بولنے کی کوئی گنجائش بھی نہیں۔

ہمارے ایک بہت ہی عزیز دوست تھے محمد شریف بی۔ اے نہایت خوبصورت۔ موٹے تازے۔ سرخ و سفید۔ عرصہ تک کالج میں ہمارے ساتھ تعلیم پائی تھی۔ اس بنا پر ہم ان سے اور وہ ہم سے بہت ہی بے تکلف تھے۔ ہمارا اور ان کے جملہ احباب کا قاعدہ تھا کہ ذرا ان کو غافل پایا اور دبے پاؤں کسی نے پیچھے آکر کان پکڑ لیا۔ ... اس عمل کو "نشتر" لگانا کہتے تھے ... اب وہ ہیں کہ نشتر لگ جانے پر گھوڑے کی بولی بول رہے ہیں۔ اوئیں ایک لوہے میاں اور کبھی پھر کر منہ بھی مار دیتے ہیں۔ کالج کے لونڈے ویسے ہی شریر ہوتے ہیں۔ یہ داؤں سبھی کو معلوم ہوگیا۔ خاص طور پر سید یوسف اس معاملہ میں بہت ماہر سمجھے جاتے تھے۔ دُبلے پتلے کاغذی آدمی تھے۔ آہستہ قدم اُٹھا کر چلتے۔ آہٹ نام کو نہ ہوتی۔ اور قریب پہنچکر ایک ہی جست میں ایسی کامیاب "نشتر" لگاتے کہ اچھے خاصے آدمی کو دن میں تارے نظر آجاتے۔

ایک مرتبہ ہم اور سید صاحب دہلی کے اسٹیشن پر ٹہل رہے تھے۔ پنجاب میل کا انتظار تھا۔ چند احباب حیدرآباد سے آنے والے تھے۔ پنجاب میل پلیٹ فارم پر آکر رکا اور ہم سید صاحب کے پیچھے پیچھے سیکنڈ کلاس کی طرف بڑھے اور آگے کوئی صاحب نکلے۔ دوسرے سید صاحب نے دیکھا کہ شریف صاحب ہاتھ میں بیگ لئے چلے آرہے ہیں۔ سید صاحب نے ایک پھریری سے کر کہا۔

دیکھنا یہ شریف کہاں جاتا ہے؟۔
شریف! یہاں کہاں وہ تو بمبئی میں پریکٹس کرتا ہے
بڑا مشہور وکیل ہے بمبئی کا۔
وہ دیکھو کون ہے؟۔

نیلی شیروانی، سفید پتلون پہنے ہوئے گورے رنگ کے ایک صاحب تھے۔ اور واقعی شریف صاحب ہی تھے۔ ہم نے بیتابی سے کہا۔

"سید صاحب یہ شریف ہی ہے۔ ذرا لیناست۔ دیکھنا جانے نہ پائے۔"

بس سید صاحب نے مہارت شکاری چیتے کی طرح شریف پر حملہ کیا۔ ان کی نگاہوں سے بچتے ہوئے نہایت تیزی کے ساتھ شریف کے قریب پہنچے اور پھر ایک ہی جست میں غریب شریف کا کان ان کے ہاتھ میں تھا۔

کون ہے بدتمیز۔ پاجی۔ نابہلب۔

یہ کہتے ہوئے شریف نما انسان "غصہ میں بھر کر جو پلٹا تو سید صاحب کی گردن پر ایک دو۔ تین مکے زور زور سے رسید کئے۔ اگر کوئی دوسرا آدمی ہوتا تو شاید زمین پر گر جاتا۔ وہ تو سید ہی ایسے دل گردے کا انسان تھا کہ اس کمبخت کی چوٹ کو سہہ گیا اور اُف تک نہ کی۔ بات یہ تھی کہ سید صاحب پہلے سے اس قسم کی "ضربات" کے عادی تھے۔ "نشتر لگانے" میں اکثر ان کو اس قسم کے خطرات پیش آجاتے تھے۔ اس وقت سید صاحب بہت بُرے پھنسے تھے۔ کان چھوڑتے نہ بنتی تھی اور آنکھیں چار کرنے کی ہمت نہ ہوتی تھی۔ سر جھکائے ہوئے مکے کھا رہے تھے اور وہ "سینڈو" کا خالہ زاد بھائی تھا کہ مقابل حد سے خطرے سے بے خوف ہو کر غریب کی چٹنی بنائے دے رہا تھا ہم نے سوچا کہ اگر ذرا بھی غفلت سے کام لیا گیا تو سید بلاشبہ "خلد مکان" ہو جائینگے اور پھر ہماری ہمدردی سے انہیں کوئی فائدہ نہ پہنچیگا۔ ہم جلدی سے دونوں کے بیچ میں آگئے۔

ہیں ... ہیں۔ کیا کرتے ہو ... دیکھو مر جائیگا۔

مارنا ہی چاہتا ہوں اس شُہدے کو۔

دیکھو جی، چھوڑ دو جلدی ... آخر ہوا کیا!

اسی سے پوچھو کیا ہوا۔ دیکھنے میں تو اچھا خاصہ شریف معلوم ہوتا ہے۔

کمبخت تو بھی تو "شریف" ہی معلوم ہوتا تھا ...

... کاش شریف ہی ہوتا۔ سید صاحب جھکتے ہوئے بولے۔

"ابے تو ہم شریف نہیں! کیا بدمعاش ہیں۔ مرشد مقابلہ خود کرتا ہے اور بدمعاش ہمیں بتاتا ہے"

یہ کہتے ہوئے انہوں نے بڑے زور سے مُکا اٹھایا۔ اگر یہ "گرز گراں" سید ایسے نحیف الجثہ آدمی کی پیٹھ پر پڑ جاتا تو یقیناً "ضرب شدید" کے لئے ڈاکٹر کی فیس کا زیر بار نہ ہونا پڑتا۔ مگر ہم نے ہمت کرکے اور اپنی خیر و عافیت بچاتے ہوئے حملہ آور کا ہاتھ پکڑ لیا۔

بس رہنے دو۔ کیا کرتے ہو! کیا جان سے مار ڈالوگے اب اسے!!

تو کون ہوتا ہے ہٹ الگ ہو۔ انہوں نے ایک شدید جھٹکے سے ہمیں دور پھینکدیا۔ ... میں مار کر ہی اسے چھوڑونگا اسے۔

بس خدا کے لئے غصہ کو تھوک دو۔ اور چھوڑ دو انہیں۔ بھائی واللہ اب تو بہت ہوچکی۔ رحم کرو اب۔

ہم نے ان کی قوت کا اندازہ کرتے ہوئے ذرا عاجزی سے کہا۔ اس عرصہ میں کافی مجمع ہوگیا تھا۔ بڑی کوشش سے دونوں نبرد آزما حریفوں کو الگ کیا گیا۔ سید صاحب نے ہمارے کان کے قریب منہ لاکر پوچھا۔

دیکھا تو نہیں کسی نے!

جی نہیں! کسی نے نہیں دیکھا۔ یہ سب اندھے ہیں آپ کی دعا سے۔ تم تو سرک جاؤ جلدی سے۔

یہ تعاقب تو نہ کرے گا؟۔

میں کسی طرح روک لونگا۔ تم تو چلدو۔

سید صاحب تیجاسنہ کرکے جو روانہ ہوئے تو پیچھے مڑ کر بھی نہ دیکھا جب وہ آنکھوں سے غائب ہوگئے اور ہمیں اطمینان ہوگیا کہ حریف تعاقب کا ارادہ نہیں رکھتا۔ تو ان سے دریافت کیا۔

آخر ماجرا کیا تھا جناب؟۔

ماجرا کیا ہوتا جی۔ کان پکڑ لیا بدمعاش نے ہمارا پیچھے سے آکر۔

خوب۔ کیا وجہ تھی۔ کیا آپ مقروض ہیں پٹھان کے؟

لاحول ولاقوۃ۔ میں کیوں مقروض ہوتا۔

پھر کیا بات ہے؟ کوئی اور راز پوشیدہ اس میں۔

بلت وات کیا ہوتی۔ بھائی میں تو خاموش چلا جا رہا تھا ایک دم آکے اس نے لسنے زور سے کان پکڑا کہ خدا کی قسم اب تک آگ سی لگی ہوئی ہے کان میں۔

بھائی عجب آدمی ہے یہ بھی۔ مگر جناب کوئی بات ہوگی ضرور۔

بات کیا ہوگی بھائی۔ میں تو اسکو جانتا بھی نہیں کہ ہے کون۔ آج سے پہلے کبھی دیکھا ہو تو قسم لے لو مجھ سے۔

تحقیقات سے معلوم ہوا کہ یہ صاحب شریف کے بڑے بھائی "حنیف" ہیں۔ اور کسی کام سے دلی آئے ہیں بھائیوں کا حلیہ بہت ملتا جلتا تھا اس لئے تو راز ... یہ راز کھل جانے پر ہم نے حنیف صاحب سے کہا

جناب انہوں نے شریف سمجھکر آپ کی گستاخی کی ...

... خیر یہاں تک تو غنیمت ہے۔ ذرا شہر میں کانوں کی طرف سے ہوشیار رہیئے گا۔ کالج کا جو لونڈا بھی آپکو دیکھیگا بغیر "نشتر" دیئے نہ چھوڑے گا۔ وہ بہت حیران ہوئے ہم نے تفصیل کے ساتھ انہیں بتایا کہ ان کے چھوٹے بھائی شریف کے ساتھ دو تین سال تک کیا سلوک ہوتا رہا ہے۔ اور آپ چونکہ نقل مطابق اصل ہیں۔ اس لئے قدم قدم پر "کان" پکڑا جائے گا آپ کا۔ بھائی صاحب یہ دلی ہے۔ یہاں کے لوگ جیب ایسی صفائی سے کترتے ہیں کہ خبر بھی نہیں ہوتی۔ کان تو آخر پھر کان ہے آپ کہاں تک حفاظت کرینگے

سید صاحب نے اس حادثہ کے بعد بھی توبہ نہ کی اور اپنا عمل برابر جاری رکھا۔ ایک سال کے اندر ہی ہم اور وہ جدا ہوگئے۔ ہم اپنے گھر چلے گئے اور وہ اپنے مکان لکھنؤ روانہ ہوگئے تقریباً ڈیڑھ سال بعد ان کا خط ملا۔

ڈیر حمید۔

ہماری شادی ہورہی ہے۔ کالج کے سب دوست شریک ہوں گے۔ گوشمالی کی مشق کا نہایت اچھا موقعہ ہوگا۔ مجمع بہت زیادہ ہو جانے کا ... ۵ ارجنوری مقرر ہے تم ۲۰ کو آجاؤ۔

چار پانچ روز پہلے ہم لکھنؤ روانہ ہوگئے۔ جہاں سید صاحب اپنے والد محترم کے پاس ... ڈپٹی کلکٹر تھے مقیم تھے۔ سید صاحب چند اپنے احباب کے ساتھ اسٹیشن پر موجود تھے۔ ہمارا نہایت پرجوش خیر مقدم کیا گیا۔

جمعہ کے دن شام کو بڑے اہتمام سے برات سجائی گئی۔ سید صاحب دولھا بنے۔ سہرا باندھا گیا۔ رات کو دس بجے ریل سے برات روانہ ہوئی اور اگلے دن لکھنؤ پہنچی۔ پلیٹ فارم استقبال کرنے والوں سے بھرا ہوا تھا۔ سب نے دولھا کو حلقہ میں لے لیا۔ بینڈ بجنے لگا۔ باہر آئے تو سینکڑوں موٹریں عمدہ عمدہ قسم کی موجود تھیں سب لوگ

(باقی مضمون اگلے صفحے پر)

ملک معظم ایڈورڈ ھشتم

خبر ھے کہ ۱۹۳۷ء میں آپکا دربار دھلی میں منعقد ھوگا

عورتوں کا صفحہ

آسٹریلیا کی ایک حسینہ موسم بہار میں جھولا جھول رہی ہے

مس روتھ — کیلی فورنیا کی ایک اٹھارہ سالہ لڑکی جو شیر سے کشتی لڑتی ہے

چینی عورتوں میں جدید تمدن پھیلانے کیلئے گراموفون سے کام لیا جاتا ہے

بمبئی سوشل سروس لیگ کے چند اراکین جنہوں نے حبش کی امداد کے لئے چندہ جمع کیا

خودداری

(از شریت ماسٹر بہاری لال جی رام تالاب مہرولی دہلی)

(خاص تیج ویکلی کے لئے)

خودداری کی پہچان

(۱) اگر تم وعدہ کر لو کہ میں کبھی سگریٹ نہ پیوں گا تو تم کیا کرو گے۔ ہمیشہ اس وعدہ پر قایم رہو گے۔ جو شخص اپنے وعدہ پر قایم رہتا ہے وہ خوددار شخص ہے ⁂

(۲) اگر تم کسی کھیل میں شامل ہوتے ہو، کسی طرح کا دھوکا نہیں دیتے، امتحان کے وقت کسی کی نقل نہیں کرتے، استاد سے کسی طرح کی رعایت نہیں چاہتے کسی طرح کی ناجائز سفارش سے کامیابی نہیں چاہتے، کمزوروں کو تکلیف نہیں دیتے۔ ان کے حقوق کی حفاظت کرتے ہو تو تم خوددار شخص ہو ⁂

(۳) جو شخص صحیح و غلط کو جانتا ہے اور دوسروں کی غیر حاضری میں بھی ٹھیک کام کرتا ہے۔ معمار مکان بناتے وقت اپنا فرض ادا کرے۔ ماسٹر تعلیمی کام کو ایمانداری سے کرے۔ ڈاکٹر پبلک سے متعلق فرض کو ایمانداری سے ادا کرے۔ لوگوں کی صحت کا خیال رکھے۔ کسی فیس یا نگرانی کی پرواہ نہ کرے وہ خوددار ہے۔ ذمہ داری کا کام اس کے سپرد کیا جا سکتا ہے

(۴) اگر ایک شخص نے کسی سے وعدہ کیا ہے کہ میں تیرے لڑکے کی حفاظت کا ذمہ لیتا ہوں وہ لڑکا مصیبت میں گرفتار ہو گیا۔ جلتی آگ میں گھر گیا تو وہ شخص خود آگ میں کود کر بھی بچے کو بچائے گا۔ اپنے وعدہ کو پورا کرنے کے لئے ہر قسم کی مصیبت سہے گا ایسا شخص جو تکلیف سہہ کر بھی وعدہ پورا کرتا ہے خوددار ہے۔

(۵) ایک بھنگی کا لڑکا بیمار ہے ایک باعزت شخص اس کے پاس سے گزرتا ہے اسے اٹھا لیتا ہے۔ اس کی خدمت کرتا ہے یہاں تک کہ اس کی ٹٹی اپنے ہاتھ سے صاف کرتا ہے۔ لوگ اس کا مذاق کرتے ہیں۔ مگر وہ لوگوں کے مذاق کی پرواہ نہ کر کے درست خدمت کو سر انجام دیتا ہے۔ وہ خوددار ہے۔ خوددار آدمی لوگوں کی عزت اور مذمت کی پرواہ نہ کر کے ہمیشہ ٹھیک کام کرنے کے لئے تیار رہتا ہے ⁂

(۶) ایک دفعہ ایک ماتحت نے کوئی مضمون اخبار میں دیا جو محکمہ کی اصلاح اور طلبہ کی بہتری کے لئے لکھا گیا تھا۔ اس مضمون میں کچھ غلطی ہو گئی اس پر افسر نے ماتحت کو بلایا۔ دونوں کے درمیان حسب ذیل گفتگو ہوئی:۔

افسر:۔ یہ مضمون آپ نے تحریر کیا ہے ؟

ماتحت:۔ جی ہاں میرا تحریر کردہ ہے۔ اس پر میرا نام درج ہے۔

افسر:۔ اس میں فلاں غلطی ہے۔

ماتحت:۔ جی ہاں یہ غلطی ہو گئی ہے۔

افسر:۔ آپ اتنے تجربہ کار ہیں، آپ نے یہ غلطی کیوں کی ؟

ماتحت:۔ جناب جو کام کرتا ہے اس سے غلطی بھی ہوتی ہے۔ دو شخص غلطی سے مبرا ہیں۔ ایک تو پرماتما کی ذات غلطی سے مبرا ہے۔ کیونکہ وہ مکمل ہے دوسرے وہ شخص جو کام نہیں کرتا کیونکہ کام کرنے سے ہی اس سے غلطی سرزد ہو گی۔

افسر:۔ آپ کو یہ مضمون لکھنا ہی نہیں چاہئے تھا۔

ماتحت:۔ اگر اندرونی خرابیاں ظاہر نہ ہوں تو اس کی اصلاح کس طرح ہو ؟

افسر:۔ دیکھو ہم نے آپ کو ابھی نیا گریڈ دیا ہے۔ آپ کے ساتھ رعایت کی ہے ⁂

معتبر لوگ کسی سے بدی نہیں کرتے

(از مولینا عبدالباری آسی)

نخفا تھا دل میں ارسطو سے اک دن افلاطوں
تو بات بات سے بو آ رہی تھی رنجش کی!

یہ حال دیکھ کے استاد کا ارسطو نے
بصد ادب کیا دریافت باعث خفگی

کہا فلاں سے جو ہے معتبر مرے نزدیک
سنی ہیں آج بہت سی برائیاں تیری

ارسطو اس پہ یہ کہنے لگا کہ اے استاد
جو معتبر ہیں وہ کرتے نہیں کسی کی بدی

⁂

ماتحت:۔ میں جناب کی رعایت کا مشکور ہوں۔ لیکن اگر میرے ساتھ رعایت کی ہے تو کسی کی حق تلفی ہوئی ہو گی اگر یہ گریڈ میرا حق نہیں ہے تو مجھے نہیں ملنا چاہئے جس کا حق ہے اسی کو ملنا چاہئے

افسر: آپ تو گستاخی سے بول رہے ہیں۔

ماتحت: جناب میں نے گستاخی کا ایک لفظ بھی نہیں کہا۔

اگرچہ افسر نے ماتحت کی خودداری کی قدر نہ کی اور اسے خراب جگہ تبدیل کر دیا لیکن خوددار شخص رعایت کے طور پر کوئی چیز حاصل کرنا نہیں چاہتے ہیں نقصان اٹھا کر تکلیف سہہ کر بھی خودداری کو قایم رکھنا چاہتے اور مصیبت کو صبر سے برداشت کرنا چاہئے

خوددار آدمی کے متعلق ہمارا فرض

اگر کوئی شخص دوسروں کی خدمت کرتا ہے۔ ایمانداری سے راست بازی سے لوگوں کے حقوق کی حفاظت کرتا ہے، تکلیف سہہ کر بھی اپنے وعدے کو پورا کرتا ہے ہمارا یہ فرض ہے کہ ہم اس کی عزت کریں، اگر کوئی شخص اسے بدنام کرے تو اس کی تردید کریں اگر کبھی اسے مصیبت پیش آئے تو اس کی خدمت کریں۔

ماں باپ ہماری پرورش کرتے ہیں ہمیں نیک راستے پر چلاتے ہیں۔ ہم ہمیشہ ان کا ادب کرتے ہیں۔ اسی طرح استاد ہمیں تعلیم دیتے اور ادب سکھاتے ہیں۔ ان کی بھی ہم عزت کرتے ہیں۔ جو شخص ان کے برخلاف کچھ کہتا ہے ہم اس کو نفرت کی نگاہ سے دیکھتے ہیں۔ ہم اپنے خاندان، اپنے گھر، اپنے رشتہ داروں، اپنے گاؤں، اپنے سکول کی عزت کے محافظ ہیں۔ اپنے ملک کی بدنامی کو سننا پسند نہیں کرتے۔ لیکن ملک کی عزت اسی وقت قایم رہ سکتی ہے جبکہ ملک کے باعزت لوگوں کی ہم دل و جان سے عزت کریں۔ اسی میں ہماری ملکی و قومی عزت کا راز مخفی ہے ⁂

سوالات

(۱) اگر تم اقرار کرو کہ سگریٹ نہ پیو گے تو پھر تمہارا کیا فرض ہے (۲) [illegible] کھیل میں یا امتحان کے وقت کس طرح برتاؤ کرنا ہے (۳) [illegible] سے کامیابی حاصل کرنا کیسا فعل ہے۔ خوددار آدمی کا کیا فرض ہے (۴) اگر کام کی نگرانی کرنے والا کوئی [illegible] (۱) مزدور معمار استاد ڈاکٹر کا کیا فرض ہے (۵) [illegible] ہمارے کام کس قسم کے ہونے چاہئیں [illegible]؟

(۶) اگر آپ کسی غریب [illegible] کا ذمہ لیے ہو تو اس کی مصیبت [illegible] کیا فرض ہے؟

(۷) اگر کسی بیمار بھنگی کی خدمت کی جائے اور لوگ اس بات پر ہنسیں تو خوددار آدمی کا کیا فرض ہے ؟

(۸) ہم اپنے خاندان کی عزت کے محافظ کس طرح ہو سکتے ہیں ؟

دودھ اور اس کے فائدے

(از مسٹر ریت ادم پرکاش ترکھا)
(خاص تیج ویکلی کے لئے)

قدرت کی عطا کی ہوئی نعمتوں میں دُودھ کا درجہ سب سے بلند ہے اور سب سے پہلی خوراک ہے جو بہت سے جانداروں کو پیدا ہوتے ہی ملنی شروع ہوتی ہے انسانی خوراک کا تو یہ ایک ضروری جزو ہے۔ اس کی قدر و قیمت اس لئے بہت معلوم ہوتی ہے جو نہایت ہی زود ہضم اور زندگی بخش واقع ہوئے ہیں۔ بچوں کی پرورش کے لئے جن جن اجزا کی ضرورت ہوتی ہے۔ وہ سب اجزا دودھ میں پائے جاتے ہیں۔ یہ ایک مکمل غذا ہے۔ اس کے مقابلہ کی کوئی اور غذا اب تک معلوم نہیں کی گئی۔ پانچ سال کی عمر کے بعد انسان کو اگرچہ غذا قابل دستیاب ہو سکتا ہے مگر پھر بھی اس کی فضیلت کو نہیں پہنچ سکتا۔

یوں تو گائے۔ بھینس۔ بھیڑ۔ بکری۔ اونٹنی گدھی اور ہرنی سب کا دودھ پینے کے کام آتا ہے۔ پرانے زمانہ میں مصر کے لوگ کتیوں کا دودھ بھی پیا کرتے تھے مگر گائے کا دودھ سب سے اچھا خیال کیا جاتا ہے۔ گائے کے دودھ کا طبی تناسب حسب ذیل ہے:-

پانی	۸۶٫۸	فیصدی
پروٹین	۴٫۰	"
چکنائیٹ	۳٫۷	"
کھانڈ	۸٫۴	"
نمک	۰٫۷	"

گائے کے دودھ کے اجزا کا یہ تناسب انگریزی علم طب کی ایک تازہ اور مستند کتاب سے لیا گیا ہے۔ ہر ایک اجزا کا انسانی زندگی پر کیا کیا اثر پڑتا ہے۔ اس مضمون میں تشریحاً بیان کرنے کی کوشش کی جائیگی

پروٹین

پانی کو چھوڑ کر دوسرا درجہ پروٹین کا ہے۔ انسان کی خوراک کا یہ بہت ضروری حصہ ہیں۔ دودھ کے پروٹین مفید صحت ہونے کے علاوہ مکمل تصور کئے جاتے ہیں۔ سائنس کا دعوے ہے کہ دودھ کے پروٹین گوشت کے پروٹین سے زیادہ بہتر ہیں۔ یہ اجناس کی لذائیت کی کمی کو پورا کرتا ہے اور گوشت اور انڈوں کا بہترین بدل ہو سکتا ہے۔ مشہور و معروف سائنسدان مسٹر میکولم نے گوشت پر دودھ کو ترجیح دی ہے اور ثابت کیا ہے کہ گوشت کھانے والے لوگوں کی نسبت دودھ پینے والے لوگوں کی صحت اچھی اور طاقت زیادہ ہوتی ہے۔ سائنس دان مذکور کا کہنا ہے کہ اگر ہم گوشت کھانا ترک کر دیں تو ہماری صحت پر کوئی برا اثر نہیں پڑیگا مگر دودھ اور دودھ سے بنی ہوئی اشیاء کو اپنی خوراک میں شامل نہ کرنے سے ہماری صحت برباد ہو جائیگی۔ اور ہماری نسل کمزور ہو جائے گی۔ سائنس کے اس چیلنج کے بعد دنیا کی حکومتوں کو زیادہ سے زیادہ مقدار میں دودھ حاصل کرنے کے وسائل پر غور کرنا چاہیئے۔

چکنائی

دودھ میں چکنائی کا جو حصہ موجود ہوتا ہے اس کے برابر کی لطیف چیز سائنس نے آج تک انسانی خوراک میں نہیں ثابت کی۔ دودھ کی چکنائی نہایت زود ہضم ہونے کے سبب سے اپنے اندر جزو بدن ہونے کا فوری اثر رکھتی ہے۔ یہ چکنائی دودھ کے علاوہ دہی۔ پنیر۔ لسی۔ ملائی۔ مکھن اور گھی میں بھی بکثرت ملتی ہے۔ اگر آج ہماری خوراک میں سے چکنائی کا جزو خارج کر دیا جائے تو زندگی دوبھر ہو کر ناممکن بن جائے

میٹھاس

دودھ میں قدرت نے میٹھاپن بھی شامل کیا ہے اس میٹھاس کو انگریزی زبان میں ملک شوگر کے نام سے پکارتے ہیں۔ یہ میٹھاس گنے کی کھانڈ اور گرُ وغیرہ سے ہزار درجہ بہتر تسلیم کی گئی ہے۔ قدرت نے اسکو سوائے دودھ کے اور کسی چیز میں اس قدر فائدہ مند نہیں بنایا۔ یہ میٹھاس جسم کے کسی حصہ کو بناوٹی کھانڈ کی طرح نقصان نہیں پہنچاتی۔

نمک

لائم ایک نمک کی قسم ہے جو ہڈیوں کی نشوونما کے لئے نہایت ضروری ہے۔ یہ لائم بدن کے حصوں کے بڑھنے اور تندرست رہنے کا بڑا سادھن ہے۔ ہماری خوراک میں لائم کا پورا حصہ نہ ہونے کی وجہ سے ہمارے دانت دن بدن کمزور ہوتے چلے جا رہے ہیں اگر یہی حالت رہی تو آئندہ نسل بغیر دانتوں کے ہی ہوگی۔ اگر ہم دودھ کا استعمال رد کر دیتے تو ہمارے دانت عنقریب ہی گر جاتے۔ گائے ہمارے لئے کھیتوں اور چراگاہوں سے حاصل کئے ہوئے لائم کا قیمتی حصہ دودھ کی شکل میں ہمیں پیش کرتی ہے ساڑھے چار چھٹانک دہی کی لسی میں ہڈیوں کو مضبوط بنانے کے لئے جتنا لائم ہوتا ہے اتنا ایک درجن انڈوں میں نہیں ہوتا۔ اسی طرح لسی میں ہر قسم کے قیمتی اجزا پائے جاتے ہیں۔ ایک اونس پنیر میں پانچ انڈوں۔ پانچ پونڈ گوشت اور دو گیلن آلوؤں کی نسبت زیادہ لائم ملتا ہے۔ دن بھر میں پون چھٹانک

(باقی اگلے صفحہ پر)

دیہات کی صفائی

جب کوئی آدمی دیہات میں جاتا ہے تو اس کی نظر سب سے پہلے گاؤں کی گندی حالت پر جاتی ہے اگر آپ گاؤں میں جائیں تو آپ کو گاؤں کے باہر چاروں طرف کوڑوں کے ڈھیر ملیں گے۔ گلیوں میں بھی کوڑا کرکٹ۔ گھاس پھوس اور گرد وغیرہ بڑی مقدار میں پڑا ملے گا۔ بارش ہو جانے پر تو گاؤں کے آس پاس کی زمین اور گلیاں بری طرح سے سڑنے لگتی ہیں۔ دیہات والوں کو اس بدبو کا بہت کم خیال ہوتا ہے وہاں کے بہت زیادہ آدمیوں کے کپڑے ہی میلے ہوتے ہیں اور انہیں دھونے کا ان کو بہت کم خیال ہوتا ہے۔ گھروں کی بناوٹ بھی اس قسم کی ہوتی ہے کہ دہلیز یا دالان کے ہی ایک حصے میں مویشی باندھنے پڑتے ہیں جس سے وہاں کی زمین میں مٹی اور بدبو ہو جاتی ہے۔

سب سے زیادہ ضروری سوال کوڑے کرکٹ کا ہے۔ ان کو اس طرح سے گاؤں کے پاس ہی کھلی زمین میں ڈالنا اپنی صحت کو خراب کرنا اور قیمتی کھاد کو ضائع کرنا ہے۔ ایسا کرنے سے کھاد کی بہت سی طاقت زائل ہو جاتی ہے اور پھر اس کو کھیت میں ڈالنے سے اتنا فائدہ نہیں ہوتا جتنا کہ مناسب طریق سے جمع کئے ہوئے کھاد سے ہو سکتا ہے۔ لیکن اگر کھاد کے اس سامان کو گاؤں سے باہر دو سو گز کے فاصلے پر گہرے

اصلاحِ دیہات

(از شری ہائی دیال جین بی۔ اے (آنرز) بی۔ ٹی)

سرگزشت

(خاص تیج دیکلی کے لئے)

گڑھوں میں اکٹھا کیا جائے تو وہ اس طرح خراب نہ ہو اور اس کی طاقت بھی محفوظ رہے۔ اگر ان گڑھوں کے اوپر چھپر پڑا رہے اور چاروں طرف کچھ اونچی اونچی منڈیر ہو تو زیادہ بہتر ہوگا۔ اس صورت میں سورج کی تپش اور بارش کے پانی کا اثر اس پر نہ پڑے گا۔

کوڑے کو دیہات سے دور ڈلوانے کے کام کی طرف ابھی بہت ہی کم آدمیوں نے توجہ دی ہے انہیں باہر ڈلوانے کے لئے دیہات والوں کو موجودہ کوڑوں کے نقصانات بتانے ہوں گے انہیں سمجھانا ہوگا کہ اس طرح وہ اپنی انمول چیز کو کھو رہے ہیں اور خود بیماریوں کو بلا رہے ہیں۔ اس کام کے لئے لگاتار پرچار اور ترغیب کی ضرورت ہے۔ ترغیب سے بھی بہت سے کام آسانی سے بن جاتے ہیں۔ اس لئے اگر اہم کام میں ترغیب کو استعمال کرنا یقیناً مفید ثابت ہوگا لیکن قانون کا دباؤ بھی اس معاملے میں مفید ثابت ہوگا۔

اس کا علاج یہی ہے کہ ہر ایک گاؤں میں کوئی ایسی با اختیار انجمن ہو جو اصلاح دیہات کے دیگر کاموں کی دیکھ بھال کے ساتھ گڑھوں پر بھی نظر رکھ سکے۔ اس بات سے انکار نہیں ہو سکتا کہ شروع میں اس انجمن کو بہت سی دقتوں کا سامنا کرنا پڑے گا۔ اور اس کی مخالفت بھی بہت ہوگی۔ مگر بغیر مخالفت کے کون سا کام کب ہوا ہے۔ اصلاح کا راستہ مخالفت کے دائرہ میں سے گزرتا ہے۔ پھر مخالفت کے بعد جب زمینداروں کو کھاد سے اپنے کھیتوں کی پیداوار میں زیادتی معلوم ہوگی اور اپنا گاؤں صاف معلوم ہوگا تو ان کی مخالفت خود بخود موافقت میں تبدیل ہو جائے گی۔

گاؤں کے پاس ہی جو رفع ضروری سے فارغ ہونے کی عادت بھی گاؤں کی گندگی میں اضافہ کرتی ہے غلاظت کے ڈھیر پر مکھیاں بھی پرورش پاتی ہیں یہ مکھیاں مختلف بیماریوں کا موجب ہوتی ہیں۔ ان سے بیماریاں کیسے پھیلتی ہیں۔ اس کا جواب بڑے بڑے ڈاکٹر یہ دیتے ہیں کہ جب مکھیاں گندگی پر بیٹھتی ہیں۔ تب اس گندگی کے ذرات ان کی ٹانگوں میں اور پروں میں لگ جاتے ہیں۔ پھر یہی مکھیاں جب کھانے وغیرہ کے سامان پر بیٹھتی ہیں تب وہ گندے ذرات کھانے کی چیزوں میں مل جاتے ہیں۔ ان گندے ذرات میں ہزار ہا قسم کی بیماریوں کے نہایت ہی چھوٹے چھوٹے ذرات ہوتے ہیں۔ جو آدمی ان کھانوں کو کھاتے ہیں وہ ان گندے ذرات اور جراثیم کو بھی اپنے اندر لے جاتے ہیں۔ اور نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ وہ مختلف بیماریوں میں پھنس جاتے ہیں۔ اس کے علاوہ گاؤں کے بچے گاؤں کے باہر اسی گندگی میں کھیلتے ہیں۔ اس گندگی کی بو ان کے دماغوں کو تباہ کر دیتی ہے۔ اور اس کے ذرات ان بچوں کے سانس کے ساتھ اندر پھیپھڑوں میں بھی پہنچ جاتے ہیں۔ وہاں سے ان کی صحت خراب ہو جاتی ہے۔ اسی بدبو سے جب کبھی ان بچوں کو چکر آ جاتا ہے اور کچھ حرارت ہو جاتی ہے تب ان کی بھولی بھالی مائیں کہتی ہیں کہ بچہ بھی باہر گیا تھا اور وہاں سے آتے ہی چکر آ گیا ہے اور بخار ہو گیا ہے۔ ضرور کسی بھوت پریت کی جھپٹ ہو گئی ہے کتنی بیوقوفی ہے کہ وہ فرضی بھوت پریتوں پر الزام

(باقی اگلے صفحہ پر)

(پچھلے صفحہ سے)

رکھاتی ہیں۔ مگر ان بہتم بچوں پر کچھ الزام نہیں لگا سکتے جو کہ گاؤں کے پاس ہی گندگی پھیلا کر نقصان دہ ثابت ہوتے ہیں۔ انہیں جلد اس بری عادت کو چھوڑ دینا چاہیئے۔ اور ہمیشہ گاؤں سے دور جنگل میں یا دور کھیتوں میں رفع حاجت کرنا چاہیئے۔

جسم کپڑے اور مکانات کی صفائی

جسم کپڑے اور مکانات کی صفائی بھی نہایت ضروری ہے۔ گاؤں کے آدمی شہر کے آدمیوں کی جسمانی صفائی اور کپڑوں کو دیکھ کر شکر نہیں کرتے ہیں۔ بناؤ سنگار کرنا کچھ برا ہے اور وہ چال چلن اور صحت کے لئے کچھ مضر ہے۔ گاؤں میں اونچی ذاتوں کے آدمی مذہبی خیال سے جسم کی صفائی کی طرف کچھ دھیان دیتے ہیں اور ہر روز نہاتے بھی ہیں مگر ہمارے ملک کی چند ذاتیں مثلاً تیلی۔ بھنگی چمار۔ لوہار اور بڑھئی وغیرہ جن کے پیشے صفائی میں کچھ رکاوٹ ڈالتے ہیں۔ عام طور سے گندی رہتی ہیں۔ کپڑے کی صفائی کی طرف دیہاتی آبادی بہت حد تک بے پرواہی سے کام لیتی ہے۔ اگرچہ یہ بات بھی صفائی میں رکاوٹ ڈالتی ہے کہ وہ غریب ہیں اور کئی کپڑے بنا نہیں کر سکتے۔ مگر اس بات سے کسی کو انکار نہیں ہو سکتا کہ کپڑے صاف اور موسم کے مطابق ہونے چاہئیں۔ یہ ضروری نہیں کہ وہ قیمتی اور چمکیلے ہوں۔ کپڑے خواہ کتنے ہی معمولی کیوں نہ ہوں مگر انہیں ہفتہ میں ایک بار دھو لیا جائے۔ تو وہ صاف رہ سکتے ہیں۔ مگر ہر ایک آدمی ہفتے میں دو گھنٹے اپنے کپڑے دھونے پر خرچ کرے تو کوئی وجہ نہیں کہ اس کے کپڑے میلے رہیں۔

گھروں کی صفائی کی طرف بھی کافی دھیان دینے کی ضرورت ہے۔ ہمارے گھر اتنے صاف ہونے چاہئیں کہ ان میں بیٹھ کر دل خوش ہو جائے۔ اس کام میں مستورات اچھا حصہ لے سکتی ہیں۔ مگر وہ ہر ایک چیز ٹھیک ٹھیک جگہ پر رکھیں۔ وقت پر گھروں کو صاف کریں اور کوڑا کرکٹ مناسب جگہ پر ڈالیں تو گھر بڑے صاف رہ سکتے ہیں۔ مگر دیہاتی گھروں کی صفائی کا سوال صرف اوپر کی باتوں سے حل نہیں ہو سکتا۔ وجہ یہ ہے کہ ان میں مویشی باندھے جاتے ہیں۔ جب تک مویشی باندھنے کے لئے خاص طور سے مناسب انتظام نہ کیا جائے گا گھروں کا صاف رہنا مشکل ہے۔ اس لئے مویشیوں کے لئے گھروں میں ایک جگہ مقرر کرنے کی اشد ضرورت ہے۔ اگر مویشی باندھنے کی جگہ کچھ ڈھلوان ہو تو وہ جگہ صاف رہ سکتی ہے۔ مویشیوں کے نیچے کچھ گھاس پھوس بچھا دینا چاہیئے اور اگلے دن اس کو گڑھوں میں پھینک دینا چاہیئے۔ اس سے مکان اور مویشی باندھنے کی جگہ صاف رہے گی اور مویشیوں کا فضلہ بھی خراب ہونے سے بچ جائے گا۔ وہ ایک نہایت قیمتی کھاد کا کام دے گا۔

پانی کے متعلق بھی کافی احتیاط کی ضرورت ہے آج کل کچھ علاقوں کو چھوڑ کر عموماً ہر گاؤں میں کنوئیں ہوتے ہیں۔ مگر ان کی صفائی کا بہت کم خیال رکھا جاتا ہے۔ ان کا پانی لازمی طور سے ہر سال نہیں نکالا جاتا۔ کنوؤں میں جو گارا۔ کیچڑ اور دوسری چیزیں جم جاتی ہیں ان سے پانی میں بدبو پیدا ہو جاتی ہے۔ اس کا علاج یہی ہے کہ کنوؤں کو سال میں ایک یا دو دفعہ اچھی طرح سے صاف کرا دیا جائے۔ اگر ان میں پرمینگنیٹ آف پوٹاش (یہ ایک لال رنگ کی انگریزی دوا ہوتی ہے) ڈال کر انہیں صاف کیا جائے تو بہت بہتر ہے۔ آج کل عام طور سے یہ خرابی دیکھنے میں آتی ہے کہ سرکاری ڈاکٹر بیماری کے دنوں میں کنوؤں میں دوا ڈال دیتے ہیں۔ مگر پھر کنوؤں کا پانی نہیں نکلواتے۔ ایسا کرنے سے کوئی فائدہ نہیں ہوتا۔ ہر ایک کنوئیں پر پکا ڈھلوان اور پانی بہنے کے لئے پکی نالی ہونی چاہیئے۔ کنوؤں کے آس پاس گندگی جمع نہ ہونے دینی چاہیئے۔ جہاں تک ہو سکے پانی پینے کے کنوؤں پر نہانا اور کپڑے نہ دھونا چاہیئے۔ صاف پانی حاصل کرنے میں ان گاؤں میں زیادہ دقت ہوتی ہے جہاں تالابوں یا جوہڑوں سے پانی لیا جاتا ہے۔ اگرچہ گاؤں کے آدمی ان کی صفائی کا کچھ خیال رکھتے ہیں پھر بھی نہیں زیادہ احتیاط کی ضرورت ہے۔ جن تالابوں یا جوہڑوں کا پانی پینے کے لئے استعمال کیا جاتا ہو وہاں مویشیوں کو نہ گھسنے دینا چاہیئے۔

گاؤں کی ہوا یا شبہ بہت صاف ہوتی ہے وجہ یہ ہے کہ اس میں نہ تو ریلوں اور کارخانوں کا دھواں ہوتا ہے۔ نہ شہروں میں مکان تنگ ہوتے ہیں۔ اور نہ وہاں آبادی کی بھیڑ بھاڑ ہوتی ہے پھر بھی اگر گاؤں کا کوڑا کرکٹ دور ڈالا جائے گلیوں اور گھروں کو صاف رکھا جائے۔ اور گاؤں کے آس پاس درخت لگائے جائیں تو گاؤں کی ہوا اور بھی صاف ہو سکتی ہے۔

اوپر کی باتیں دیکھنے میں بہت معمولی معلوم ہوتی ہیں لیکن گاؤں کی صفائی کے لئے نہایت ضروری ہیں۔ اگر ہمارے دیہاتی بھائی ان باتوں کی طرف دھیان دیں۔ گاؤں کا کوڑا کرکٹ دور ڈالیں اور گھروں اور گلیوں کو صاف رکھیں تو ان کا گاؤں بہشت کا نمونہ بن جائے۔ ورنہ گاؤں میں جلدی جلدی بیماریاں پھیلیں گی اور لوگ زیادہ تعداد میں موت کا شکار ہوں گے۔ اگر آپ سکھ اور زندگی چاہتے ہیں تو ان باتوں کی طرف دھیان دیں۔ ان پر خود عمل اور عمل کرائیں۔ ہر ایک دیہاتی آدمی کا فرض ہے کہ وہ گاؤں کی صفائی کے متعلق اپنی ذمہ داری کو سمجھے اور اسکو پورا کرنے میں ذرا بھی کوتاہی سے کام نہ لے۔

۱۴ ۔۔۔۔۔ فروری ۱۹۳۶ء

وبائی امراض کے پھیلنے کے خطرہ کے پیش نظر شہنشاہ حبش نے یہ حکم دیا ہے کہ مُردوں کو دفن کرنے کیلئے چند پارٹیاں بنائی جائیں جو غیر جنگجو اصحاب پر مشتمل ہوں۔ یہ پارٹیاں تمام علاقوں کی چھان بین کریں اور مُردوں کی نعشوں کو تلاش کر کے انہیں دفن کریں۔ نیز اُن کے تمام حالات دریافت کریں۔

۱۵ ۔۔۔۔۔ فروری ۱۹۳۶ء

شمالی مورچہ پر بیبالی کے قریب اٹلی کی فوجوں نے حبش کی فوجوں کو تباہ کر دیا جن کے پاس تمام ہتھیار پرانی ساخت کے تھے۔ ایک لڑائی میں حبش کی فوج کو زبردست نقصان پہنچایا گیا۔ اور دوسری لڑائی میں اٹلی کی افریقن فوج کے ساٹھ آدمی مارے گئے۔ ارٹریا میں شدید بارش سے فوجوں کو سامان وغیرہ کی سپلائی کرنے میں رکاوٹ پیدا نہیں ہوئی۔

۱۷ ۔۔۔۔۔ فروری ۱۹۳۶ء

شمالی مورچہ پر لڑائی میں اٹلی کے تقریباً ۵۰۰ آدمی ہلاک ہوئے اور تقریباً ایک ہزار مجروح ہوئے۔ اور حبش کی فوج کے تقریباً پانچ ہزار سپاہی ہلاک ہوئے۔ یہ لڑائی ۱۰ فروری کو شروع ہوئی تھی اور اب ختم ہوئی جبکہ اٹلی کی فوج نے امبرا الاجی کی ۹ ہزار فٹ سفید چوٹی پر اطالوی جھنڈا لہرا دیا۔ یہ پہلی لڑائی تھی جس میں حبشی فوج نے پوری طاقت کے ساتھ اٹلی کی مسلح فوج کا مقابلہ کیا۔ اس لڑائی میں اٹلی کی خالص گوری فوج نے حصہ لیا۔ اٹلی کی گوری فوج اور افریقی فوج کے ۷۰ ہزار سپاہی لڑے۔ راس مولگیتا کے زیر کمان حبش کی خاکی وردی میں ملبوس ۸۵ ہزار سپاہیوں نے اٹلی کی فوج کا مقابلہ کیا۔

۱۸ ۔۔۔۔۔ فروری ۱۹۳۶ء

جنوبی میکالے کی لڑائی میں حبشیوں کو زبردست نقصان پہنچا لیکن اٹلی والوں نے علاقہ ٹیمبن پر قبضہ کر لیا۔ بیان کیا جاتا ہے کہ شہر میکالے کے اندر گھری ہوئی اطالوی فوج نے جب یہ دیکھا کہ سلسلہ رسل و رسائل منقطع ہو گیا ہے تو اس نے محاصرین پر حملہ کر دیا۔ جس کے بعد میکالے کے باہر سے توپوں سے گولہ باری کی گئی۔ اس خبر کی تردید کی گئی ہے کہ اٹلی کی فوج نے راس مولگیتا اور راس سیوم کی فوجوں کے درمیان ایک دیوار کھڑی کر دی ہے جس سے وہ آپس میں مل سکیں۔ اٹلی کی فوجوں کے ساتھ راس نعیبو کی فوجوں کا زبردست مقابلہ ہو رہا ہے۔ اسوقت اٹلی کی فوجیں شمالی اور جنوبی مورچوں پر ایک ساتھ حملہ کر رہی ہیں۔

۱۹ ۔۔۔۔۔ فروری ۱۹۳۶ء

میکالے کے جنوب میں جنگ کے بارے میں حکومت حبش کا بیان حکومت اٹلی کے بیان سے بالکل مختلف ہے حکومت اٹلی نے یہ بیان کیا تھا کہ حبش کے پانچ ہزار سپاہی مارے گئے اور اٹلی کی فوج نے حبشی علاقہ پر قبضہ کر لیا حکومت حبش کا بیان ہے کہ اٹلی کی فوجیں صرف ۵ کلومیٹر آگے بڑھنے پائیں اور اس میں اٹلی کی گوری فوج کے ۷۰۰ سپاہی اور اٹلی کی افریقی فوج کے تین سو سپاہی کام آ گئے۔ حبش کے صرف ۱۳ سپاہی مارے گئے جن میں دو سردار بھی تھے۔ راس صالح کو جنہوں نے حال ہی میں علاقہ ٹیمبن میں فتح حاصل کی تھی۔ ایک بڑی تعداد فوج کی لے کر انطیو کے جنوب میں پہاڑوں کی طرف روانہ ہونے کا حکم دیا گیا ہے۔

۲۰ ۔۔۔۔۔ فروری ۱۹۳۶ء

شمالی مورچہ پر پوزیشن کے متعلق حکومت نے بالکل خاموشی اختیار کی ہے جب راس مولگیتا کی شکست کا ذکر کیا گیا تو سرکاری طور پر صرف اتنا کہنے پر اکتفا کیا گیا کہ کوئی شخص جھوٹ بول رہا ہے۔

غیر سرکاری اطلاع مظہر ہے کہ اٹلی کی فوجیں چار انچ دہانے والی توپوں کو گولہ باری کے لئے پہاڑ پر رکھ رہی ہیں جس کو آئندہ حملہ کا پیش خیمہ خیال کیا جاتا ہے۔ دریں اثنا بغلی جانب سے حبش کی فوجیں راس سیوم اور راس کاسا کی امداد کے لئے پہنچ رہی ہیں۔

حبشیوں کو امید ہے کہ اٹلی کی نئی فوج کا مقابلہ کرنے کے لئے شمالی مورچہ پر حبش کی ڈیڑھ لاکھ فوج موجود ہوگی۔ اٹلی کے کمانڈر مارشل بدوگ لیو نے بیان شائع کیا ہے کہ راس مولگیتا کی باقی فوج اسماعی کی طرف بھاگ رہی ہے جس پر اٹلی کی فوج متواتر بم گرا رہی ہے۔ اس سے حبشی فوج کو زبردست نقصان پہنچا ہے۔ اسماعی اور الام کی جگہ میں اٹلی نے حبشی فوج کو بھگا دیا ہے۔ اور اٹلی کی فوج نے اسلحہ جات اور سامان حرب ایک بھاری مقدار میں اپنے قبضہ میں کر لئے ہیں۔

جنوبی میکالے کی جنگ میں فتح پر اٹلی میں زبردست خوشیاں منائی جا رہی ہیں۔ سائنور مسولینی نے حکم دیا ہے کہ کل تمام مکانوں پر شام تک جھنڈے لہرائے جائیں۔

اقوالِ زرین

(مرسلہ جناب اے۔ آر۔ رشدی۔ بھوپال)
(خاص تیج دہلی کے لئے)

مگر تو باپ کا ترکہ چاہتا ہے تو باپ کا علم سیکھ۔ اس لئے کہ باپ کا دنیاوی مال تو دو دن میں ختم ہو جائے گا۔

جتنا آدمی کے دل کو لگاؤ روزی سے ہے اگر روزی دینے والے سے ہوتا تو وہ مرتبہ میں فرشتوں سے بھی بڑھ جاتا۔

اے مال دار اگر تیرا دل اور ہاتھ مقصد درست تو خود بھی کھا اور دوسروں کو بھی دے۔ تو دنیا اور آخرت دونوں کو حاصل کرے گا۔

اس آدمی کی خدمت کے واسطے جو خدمت کے حق کو نہیں پہچانتا اپنی اوقات خراب مت کر۔

اگر کسی شخص سے تجھکو نقصان پہنچ جائے تو تو اس کو فائدہ ہی پہنچانے کی کوشش کر۔

جو دوسروں کے ساتھ برائی کرتا ہے وہ خود جلد تباہ و برباد ہو جاتا ہے۔

شیر اور شمشیر سے خرابی و تباہی ہوتی ہے مگر اتنی نہیں جتنی یتیم اور بیوہ کی بددعا سے۔

اس بادشاہ سے زیادہ خوش نصیب دنیا میں کون شخص ہے جس نے انصاف سے بادشاہت کی۔

مضبوط بازوؤں سے کمزور کو مت گرا۔

ظلم مت کرو۔ اس لئے کہ ظالم بدنام ہوتا ہے اور حقارت و نفرت سے یاد کیا جاتا ہے۔

انتقام کا خیال ایک کانٹے کے مانند ہوتا ہے جو ہمیشہ دل میں کھٹکتا رہتا ہے اور بغیر بدلہ لئے صدمہ نہیں جاتا۔

نیزہ کا زخم بھر جاتا ہے لیکن نیزۂ زبان کا زخم نہیں بھرتا۔

(عزیز کی بد دعا سے بچ کر رہنا) ...

موج

(مرسلہ جناب شیام سروپ شرما ساگر کیرانوی)
(خاص تیج دہلی کے لئے)

فقیر:۔ "بابا خدا کے نام پر کچھ دو"
آواز:۔ "بھائی گھر والی موجود نہیں ہے"
فقیر:۔ "میں تو خیرات مانگتا ہوں گھر والی کی تجھے بھی ضرورت نہیں ہے"

باپ:۔ "بیٹا تم کو کس نے بنایا ہے؟"
بیٹا:۔ "خدا نے"
باپ:۔ "خدا کہاں رہتا ہے؟"
بیٹا:۔ "اماں کے پیٹ میں"

ایک مدعی سے منصف نے کہا کہ:۔
"تمہارا عرضی دعوے میں نے سن لیا ہے۔ اب تم اپنے گواہ لاؤ تاکہ آگے کارروائی چل سکے"
مدعی بولا:۔
"حضور جہاں یہ واقع ہوا۔ وہاں سوائے میرے اور مدعا علیہ کے اور کوئی آدمی موجود نہ تھا جس نے دیکھا ہو۔ اس لئے میرا گواہ سوائے پرمیشور کے اور کوئی نہیں"
مجسٹریٹ نے مسکراتے ہوئے فرمایا:۔
"اچھا اسی کو بلاؤ"
مدعی نے اشٹامپ جیب سے نکال کر میز پر رکھ دی اور کہا:۔
"حضور یہ طلبانہ لے لیجئے اور بلوا لیجئے"

اجنبی:۔ (طالب علم سے) "آپ کا اسم شریف؟"
طالب علم:۔ "میں تو ابھی اسم ظرف تک ہی پہنچا ہوں"

والد:۔ (لڑکے سے) "ارے تم سبق یاد کیوں نہیں کرتے؟"
لڑکا:۔ "واہ۔ تنخواہ تو پائیں ماسٹر صاحب اور سبق یاد کریں ہم"

ایک مولوی صاحب کی ایک جگہ دعوت تھی۔ جب گھر تشریف لائے تو پیٹ میں درد ہونے لگا
بیوی:۔ "مولوی صاحب! تھوڑی سی اجوائن لاؤں!"
مولوی صاحب:۔ "بیوقوف عورت اگر اجوائن کے لئے جگہ ہوتی تو میں دو لقمے اور نہ کھا لیتا"

سائنس اور خُدا

(بقایا مضمون صفحہ ۱۴)

... ... اس طرف - ... ... کھڑا ہے
ڈاکٹر صاحب ... ... ڈاکٹر صاحب ..
... ... مجھے بچائیے - ... ... میرے
گناہوں سے مجھے بچائیے ... ... میں
نے ... ... آپ کے ساتھ ...

بُرا کیا ہے - آہ بدترین گناہ ... آپ
کے جراثیم کا ٹیوب میں نے چرایا تھا - ... مجھے
معاف کر دیجئے - ... میں آپ کا چور ہوں ..

.. اور اس سے زیادہ بدترین فعل اپنے بھائی
مہیش کے ساتھ ... ... انہی پلیگ کے جراثیم
کی نلکی کے کُل جراثیم اس کی گردن میں میں نے
ہی پہنچائے تھے .. .. اور دولت حاصل کرنے
کی خاطر .. .. شانتی اب کہاں ہے۔
بیں کی حسین خواہشوں کے لئے میں نے یہ سب
کچھ کیا ... ... جب
میں اپنے .. - بھائی
کی گردن پر - .. - انجکشن
کا عمل کر رہا تھا ... . تو
ایک خفیف جنبش سے نلکی کا کچھ سیال جراثیم
سمیت میرے کوٹ در کالر پر آ رہا تھا .. ..
... .. میں نے کافی احتیاط برتی
. لیکن خدا کو ایسا ہی منظور تھا۔ میری
عبرتناک موت .. خدا کی طاقت سائنس
سے کہیں زیادہ ہے۔

ڈاکٹر صاحب آپ اپنے جراثیم میت مُردہ جسم
سے دوبارہ حاصل کر سکتے ہیں .. لیکن
میں اپنے بھائی سے کیونکر معافی مانگ سکتا ہوں -

ڈاکٹر اس وقت جب کہ میں چند ہی لمحوں میں دنیا کو
رخصت ہونے والا ہوں - .. خوب .. سمجھ گیا کہ
خدا کی طاقت سائنس سے کہیں زیادہ ہے - میں
.. خوب جانتا ہوں کہ میرا خدا اور میرا بھائی
مجھے معاف نہ کریں گے - اس کے بعد وہ خاموش
ہو گیا۔

مہیش نے اپنی پُرنم آنکھوں سے راجندر کے
شانے ہلائے - اُسے آوازیں دیں اور کہا۔
- میں نے تجھے معاف کر دیا - ... لیکن
یہ خوش کُن جملہ سننے والا کوئی نہ تھا ... - ایک
مُردہ جسم تھا .. ... اور ڈاکٹر ہڈسن اپنے
جراثیم دوبارہ حاصل کرنے کے مسئلے پر غور
کر رہے تھے۔

(اس افسانہ کے تمام افراد خیالی ہیں)

دُودھ اور اس کے فوائد {صفحہ ۲۶ سے آگے}

ایک ضروری خوراک ہی نہیں - بلکہ قومی صحت کا سچے
معنوں میں زبردست محافظ و نگران ہے - بدقسمتی سے
آج کل بازاروں میں خالص دودھ نہیں ملتا - دودھ میں
پانی ملانا - دودھ پر سے ملائی اُتار کر بیچنا - یا دودھ سے
مکھن الگ کر کے فروخت کرنا یہ ایک معمولی بات ہے - اس
طریقہ سے حاصل کردہ دودھ سے انسان کو کوئی طاقت نہیں
ملتی - ایک مصیبت اور بھی ہے اور وہ یہ ہے کہ دودھ دینے
والے اور ایک جگہ سے دوسری جگہ لے جانے والے اور فروخت
کرنے والے سب پرلے درجہ کے گندے اور میلے ہوتے
ہیں - گھوں کی پرورش اچھے طریقہ پر نہیں ہوتی ان کو
چارہ اچھا نہیں دیا جاتا - اُن کے پینے کا پانی
صاف نہیں ہوتا - اور ان کے رہنے کی جگہ کوڑا
کرکٹ کے ڈھیر لگے رہتے ہیں - ایسی صورت میں
دودھ اچھا ملے تو کیونکر - گائے کی نسل اچھی
ہو تو کیونکر - دودھ کی جگہ چائے اور کافی نے لے

لی ہے۔
امریکہ - انگلینڈ - جرمنی - روس اور جاپان سب اس
طرف توجہ دے رہے ہیں - امریکہ میں گائے کی نسل کو دن
بدن اچھا بنایا جا رہا ہے - اور آج وہاں سب سے زیادہ
اور خالص دودھ دستیاب ہوتا ہے - کیا ہندوستان کی
حکومت بھی اس طرف دھیان دے گی - اور ملک کا
دانشمند طبقہ قوم کی صحت کا خیال رکھتے ہوئے امریکہ
کی طرح خالص دودھ زیادہ پیو کا پرچار
کرے گا۔

ہیں اور وہ زیادہ سے زیادہ دودھ حاصل کرنے کے ضروری مسائل
پر اپنا دماغ اور طاقت خرچ کر رہے ہیں - دُنیا کے چند بڑے
بڑے شہروں کی فی کس اوسطاً دودھ کے خرچ کی جو ہر
روز ہوتا ہے حسب ذیل ہے :-

نیویارک	۰.۶۸	پونڈ
لندن	۰.۳۸	پونڈ
گلاسگو	۰.۳۲	پونڈ
لاہور	۰.۲۱	پونڈ
بمبئی	۰.۱۶	پونڈ

اس سے صاف ظاہر ہے کہ گائے کی سب سے
زیادہ عزت کرنے والا ملک دُنیا کے سب ممالک سے
دودھ کم حاصل کر سکتا ہے - پس ہندوستان
کی سب سے بڑی اور اہم ضرورت زیادہ سے زیادہ
مقدار میں .. دودھ حاصل کرنے کی ہے، کیونکہ دودھ

(پچھلے صفحہ سے)

صفحے کے صفحے رنگ دیئے ہیں۔ مگر سمجھ میں نہیں آتا کہ اب تک اس طرف کیوں توجہ نہیں دی جا رہی ہے یہ وہ زمانہ ہے جبکہ لڑکا زندگی کی قیمت کو پہچاننے لگتا ہے ابھی ابھی وہ اپنے میں ایک آتشی جوش کو محسوس کر رہا ہے اس کے ایک ایک عضو سے ظاہر ہو رہا ہے کہ وہ ایک نئی زندگی میں قدم رکھ رہا ہے۔ اس کے دل و دماغ کی کلی ابھی کھلنے ہی جا رہی ہے۔ اب وہ دنیا کی دلچسپیوں کی جانب کو دیکھنے لگا ہے۔ خاص خاص شعبوں کی طرف اس کا رجحان ہونے لگا ہے۔ یہی موقع ہے جب کہ اس کی زندگی کا رخ ایک خاص سمت کی طرف ہونے لگتا ہے اور کیریکٹر کی تعمیر یہیں ہوتی ہے۔

ابتدائی تعلیم ختم ہوتے ہی ایسے نازک موقع پر لڑکا اسکول سے باہر کر دیا جاتا ہے اور دنیا میں دھکیل دیا جاتا ہے۔ اسے اپنے والدین یا سرمایہ داروں کی خود غرضی کا شکار بننا پڑتا ہے۔ دن رات سخت محنت کرنی پڑتی ہے ایسے موقعہ پر جب کہ اسے اچھی غذا اور مناسب ورزش کی ضرورت ہوتی ہے جیسے سے زیادہ مشقت اور ضرورت سے کم خوراک کے سبب اس کے نازک اعضا کی پختگی رک جاتی ہے۔ اور اس کی وہ قوت نو محنت و مشقت میں برباد ہو جاتی ہے۔ اس کا نتیجہ قبل از وقت ضعیفی اور بے وقت موت ہوتا ہے

یہی وہ عمر ہے جبکہ لڑکے میں کیریکٹر کی بنا پڑتی ہے اس کے دل میں نئی نئی امنگیں پیدا ہوتی ہیں۔ اب جس طرف اسکو لگایا جاتا ہے بڑی تیزی سے بڑھنے لگتا ہے۔ مگر ایسے موقع پر اسے پیٹ کے دھندے میں لگ جانا ہوتا ہے غرض یہ ابتدائی تعلیم جسمانی، ذہنی، اخلاق اور مجلسی نقطہ نظر سے ایک بیکار سی چیز بن کر رہ جاتی ہے۔

یہ کہا جا سکتا ہے کہ دیش میں ہائی اسکول اور کالج کھلے ہوئے ہیں جو قابل ہیں ان سے مستفیض ہو سکتے ہیں لیکن یہ اسکول اور کالج کن کے لئے کھلے ہوئے ہیں؟ صرف ان کے لئے جن کے والدین دولتمند ہیں

کسی بھی گاؤں میں جائیے۔ کسی بھی غریبوں کے محلے میں جائیے۔ جہاں پر آپ سڑکوں پر اور میدانوں میں کھیلنے والے بچوں سے ملئے۔ ان سے بات چیت کیجئے۔ آپ کو فوراً ہی پتہ لگ جائے گا کہ دیش میں لاکھوں کروڑوں بچے ایسے ہیں جنہیں مناسب ماحول کے اندر رکھا جائے گا تو وہ آج کل کے تعلیم یافتہ اور قابل کہلانے والوں سے کسی طرح پیچھے نہیں رہیں گے جنہیں ہم لوگ کند ذہن اور غبی کہتے ہیں۔ درحقیقت وہ ویسے نہیں ہوتے کسی ایک شعبہ میں انہیں دلچسپی نہ ہو تو کسی اور میں وہ کمال حاصل کر سکتے ہیں۔

مطلب صرف یہ ہے کہ بلا امتیاز سب بچوں کو بالغ عمر تک تعلیم دینے کا مکمل انتظام ہونا چاہیئے۔

صبح تاریک

(از جناب رضی اسرائیلی میرٹھی)

(خاص تیج ویکلی کیلئے)

تاریکی سفیدی میں تبدیل ہو رہی ہے ... ستارے پھیکے پڑتے جا رہے ہیں ... نسیم خوشگوار بڑی شان کے ساتھ اٹکھیلیاں کرتی اِترا رہی پھر رہی ہے ... ... وہ دیکھو۔ فضا میں خوبصورت پرندے انعکاس شعاع سے چاندی سے پر پھیلائے قدرت کی نمائش کر رہے ہیں ... ... کچھ درختوں پر اس شاخ سے اس شاخ پر پھدک پھدک کر چہچہا رہے ہیں ... اُن کا یہ لطیف نغمہ کتنا پُر کیف ہے ... کتنی موہنی اور دلکش آواز ہے ... شبنمی موتی پھولوں کے حسین رُخساروں پر اپنی تابانی دکھا رہے ہیں۔ ڈوبا ہوا آفتاب کل کی طرح پھر اسی آب و تاب سے دنیا کو روشن اور منور بنانے کے لئے بے نقاب ہو گیا۔ اس کے طلوع کے ساتھ تمام مناظر فطرت کی رنگینیاں اور رعنائیاں بے حجاب ہو گئیں ... ... تمام دنیا کی ہر شے مسرور نظر آ رہی ہے ... مگر ... میری دنیا ابھی تک تاریک ہے ... ... اے حسن و عشق کے دیوتا ... آ کہ میرا تاریک دل بھی روشن ہو جائے

... ... آ۔ میری بھی صبح ہو جائے ... ... آ میری روح کو جگمگا دے آ۔ اپنی تمام رنگینیوں کے ساتھ آ۔ اپنی تمام رعنائیوں کے ساتھ آ۔

کاش اس ساعت میں تم لاؤ پیام زندگی

صبح میں تبدیل ہو پھر میری شام زندگی

آخری گلاب کا پھول

موسم گرما کے گلاب کا پھول تنہا شاخ پر کھلا ہوا رہ گیا۔ اس کے ساتھی مرجھا چکے۔ اب نہ کوئی پھول ہے نہ کلی جو اس کی مسکراہٹ کا جواب مسکراہٹ سے یا آہ کا جواب آہ سے دے۔ اے پھول میں تیری تنہائی پر رحم کھا کر شاخ سے جدا کر کے تیری پنکھڑیوں کو دیتا ہوں بکھیر دیتا ہوں جہاں تیرے ساتھی بغیر خوشبو کے خشک پڑے ہیں۔

جب سب دوست چل بسیں تو میری دعا ہے کہ میں بھی جلد ان کے پیچھے چلا جاؤں۔ جب وفادار دل ٹوٹ جائیں اور محبوب مر رہے تو کوئی بھی اس بے وفا دنیا میں رہنا نہیں چاہتا۔

۱۹۳۵ء میں سر ظفراللہ خاں نے اسمبلی میں ریلوے کا بجٹ پیش کیا۔ اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ گزشتہ سالوں کی طرح آئندہ سال بھی ریلوے کو تقریباً ۱/۲ ۳ کروڑ روپیہ کا خسارہ رہیگا!

موجودہ سال کا جو تخمینہ پیش کیا گیا۔ اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ ابتدائی تخمینہ کے مقابلہ میں ۱/۲ ۲ کروڑ کا زائد خسارہ ہوگا!

جاپان کے گورنمنٹ چیناگ میں ایک شدید حادثہ ہوگیا جس میں چار ہندوستانی قلی ہلاک ہوئے اور تین شدید مجروح ہوئے یہ لوگ ایک پہاڑی کی تلیٹی میں زمین کھود رہے تھے!

اسمبلی میں ہوم ممبر نے بوان ہول چند نوترا نے کو بتلایا کہ حکومت شادا ایکٹ میں ترمیم کرنے اور اسے قابل دست اندازی پولیس قرار دینے کے لئے تیار نہیں!

اطلاع ملی ہے کہ شمالی محاذ پر لڑائی میں اٹلی کے تقریباً ۵۰۰ آدمی ہلاک ہوئے اور تقریباً ایک ہزار مجروح ہوئے اور حبش کی فوج کے تقریباً پانچ ہزار سپاہی ہلاک ہوئے اٹلی کی فوج نے ابراڈس کی ۹ ہزار فٹ بلند چوٹی پر اطالوی جھنڈا لہرا دیا۔ اس پہاڑ پر قبضہ کرنے سے ایالاگی کو جانے کا راستہ رک گیا ہے یہ بہی لڑائی تھی جس میں حبشی فوج نے پوری طاقت کے ساتھ اٹلی کی مسلح فوج کا مقابلہ کیا۔

خان بہادر عبدالغفور خاں صدر کونسل صوبہ سرحد رحلت فرما گئے۔ ان کی عمر ۶۰ سال تھی:

اسمبلی میں ہوم ممبر سر ہنری کریک نے سیٹھ گوبند داس کو مطلع کیا کہ مسٹر سبھاش چندر بوس کو حال ہی میں ویانا میں مقیم برطانی قونصل نے ایک نیا پاسپورٹ دیا ہے کیونکہ پہلے پاسپورٹ میں اتنی جگہ نہیں تھی کہ سفر کے متعلق مزید سہولتیں دی جا سکیں۔ نئے پاسپورٹ کے ذریعہ ان کو برطانیہ جانے کی اجازت نہیں دی گئی

موٹر لاری کا ایک شدید حادثہ بارسار کے نزدیک ضلع کانگڑہ میں ہوا جس میں پندرہ آدمی ہلاک ہوئے بیان کیا جاتا ہے کہ لاری بارسار سے ۱/۲ ۲ میل کے فاصلہ پر ایک موڑ سے گذر رہی تھی کہ نیچے ایک کھڈ میں جا گری۔ لاری ٹکڑے ٹکڑے ہوگئی!

برطانیہ کی ڈیموکریٹک حال کی تقریر کی وجہ سے جس میں انہوں نے یہ فرمایا تھا کہ فیوہرر یعنی چانسلر اور نازی پارٹی کی لیڈری کے لئے نیا جانشین منتخب کر رہا ہے۔ تمام ملک میں بڑی سنسنی پھیل گئی ہے۔ اور طرح طرح کی قیاس آرائیاں کی جا رہی ہیں کیونکہ جانشین کا نام نہیں بتایا گیا ہے!

یونائیٹڈ پریس کو معلوم ہوا ہے کہ حال میں سر آغا خاں اور مسٹر جناح کے درمیان ہندوستان کی سیاسی صورت حالات اور آل انڈیا مسلم نیشنلسٹ پالیسی اور پروگرام کے بارے میں تبادلہ خیالات ہوا!

مہاتما جی اپنی کامل صحت کے بعد ملک کی سیاسی صورت حالات کا بنظر غائر مطالعہ کر رہے ہیں اور سیاسی حلقوں میں ایک دفعہ پھر قیاس آرائیاں ہو رہی ہیں کہ آپ سیاسیات میں دوبارہ داخل ہوں گے اور کانگریس کے لکھنؤ کے اجلاس میں شرکت فرمائیں گے۔ ان دونوں سوالات کا آخری فیصلہ اغلباً دہلی میں مہاتما جی اور پنڈت جواہر لال نہرو کی گفت و شنید کے بعد ہوگا۔

ہوائی مستقر میں شہنشاہ حبش کی زندگی کے خلاف ایک سازش کا انکشاف ہوا ہے۔

بیان کیا جاتا ہے کہ شہنشاہ حبش کے ہوائی جہاز میں تیل کی جگہ ریت بھر دیا گیا جس سے سلینڈر خراب ہو گئے

اگرچہ مسٹر جناح اور سکھ لیڈروں کے درمیان شہید گنج کے تنازعہ کو طے کرنے کے لئے جو گفتگو ہو رہی ہے اسے صیغہ راز میں رکھنے کی دونوں جانب سے انتہائی کوشش کی جا رہی ہے لیکن اس سلسلہ میں باخبر حلقوں میں تحقیقات کرنے پر نمائندہ "تیج" کو معلوم ہوا ہے کہ بظاہر مفاہمت کی کوئی امید نظر نہیں آتی اور ایک جمود سا پیدا ہوگیا ہے۔ اور یہ ایک معجزہ سے کم نہیں ہوگا۔ اگر اس گفت و شنید میں کوئی کامیابی کی شکل نکل آئی۔

فرقہ وارانہ اتحاد کی گفت و شنید کے سلسلہ میں بھی بات چیت کا سلسلہ جاری ہے۔ معلوم ہوا ہے کہ سر آغا خاں اور بھائی پرمانند بھی اس گفتگو میں شریک ہوں گے۔ اور سر فضل حسین نے بھائی جی اور مسٹر بھولا بھائی سے گفتگو کی تھی۔

مہاتما گاندھی کے دہلی آنے کے بعد سر آغا خاں بھی مارچ کے شروع میں اس سلسلہ میں دہلی آجائیں گے۔ مہاتما جی مارچ کے آخر تک یہاں رہیں گے۔

حکومت اٹلی نے حکم جاری کیا ہے جس کے ذریعہ مشرقی افریقہ میں جنگ کے غیر معمولی اخراجات کے لئے دو کروڑ پچاس لاکھ پونڈ منظور کیا گیا ہے اسمیں کم رقم بری۔ بحری اور ہوائی فوج پر صرف ہوگی اور باقی رقم سپاہیوں کی فیملی وغیرہ کو مالی امداد اور دیگر اخراجات پر صرف ہوگی۔

ایک مفید ترین ایجاد ٹیلیفون

اس وقت تک دنیا میں جس قدر نئی نئی چیزیں ایجاد ہوئی ہیں۔ ٹیلیفون کو ان میں ایک ممتاز درجہ حاصل ہے۔ آپ اپنے گھر۔ دفتر یا کارخانہ میں بیٹھے ہوئے دنیا بھر سے باتیں کر سکتے ہیں اور جس چیز کی ضرورت ہو۔ پل کی پل میں حاصل کر سکتے ہیں تار کی طرح اس میں کسی خاص زبان سیکھنے کی پابندی نہیں۔ اس قدر آسان کہ بچے سے لیکر بڑے تک جس زبان میں چاہے بات کرے۔ اس کا استعمال سیکھنے میں بھی نصف منٹ سے زیادہ نہیں لگتا۔ دن رات صبح شام جب چاہو بات کرو۔ یہ چوبیس گھنٹے آپ کی خدمت کے لئے حاضر رہتا ہے خرچ اس قدر کم کہ ہر شخص آسانی سے لگا سکتا ہے بلکہ اس کے خرچ سے کئی گنی زیادہ بچت کر سکتا ہے۔ اس کی موجودگی میں نہ نوکروں کی ضرورت پڑتی ہے۔ نہ گھوڑا۔ تانگہ رکھنا پڑتا ہے۔ اور نہ ہی موٹر کا خرچ باندھنا پڑتا ہے۔ وقت کی بڑی بچت ہوتی ہے۔ فرض کرو بازار سے آپ کو کسی چیز کی ضرورت ہے اگر آپ خریدنے جائیں۔ تو ایک آدھ گھنٹہ لگ جانا معمولی سی بات ہے۔ دو چار آنے تانگہ قلی وغیرہ میں خرچ ہو جانے بھی معمولی سی چیز ہے۔ اگر آپ گھر بیٹھے ہی ٹیلیفون کر دیں تو آپ کے ایک ۱ منٹ خرچ ہوں گے۔ اور گھر بیٹھے ہی دوکاندار آپ کی خدمت میں مطلوبہ چیز پیش کر دے گا۔ غور کیجئے۔ ٹیلیفون کس قدر مفید اور عجیب و غریب چیز ہے۔ اس کے بیشمار فائدے ہیں۔ انہیں سے کچھ آئندہ اشاعتوں میں بیان کئے جاویں گے۔

یونیورسٹی کے یوم تاسیس پر بیتھون کالج کی لڑکیوں

رام کرشن پرم ہنس کی یاد

یہ وہ نظم عالی ہے جسے امیر الشعراء پنڈت وشنو پرشاد صاحب فدا بی اے نے رام کرشن پرم ہنس کی صد سالہ برسی کی تقریب پر سناتن دھرم کالج لاہور کے ایک جلسہ میں ۲۴ فروری کو سنا کر خراجِ تحسین حاصل کیا (اڈیٹر)

یہ غلط بینی حقیقت پہ ہے لوگوں کا خیال — مشرق و مغرب کا ہو سکتا نہیں ہے اتصال

مشرقی تہذیب سے بنتے ہیں انساں با صفا لطیف — روح کو تہذیب یہ ہونے نہیں دیتی ضعیف

مشرقی تہذیب کرتی ہے عیاں بیداریاں — لطفِ حق کی روح پر ہوتی ہیں جلوہ باریاں

مشرقی تہذیب کی ہے انتہا خالق کا میل — مادیت سے نہیں کھلنے کی اسکی داغ بیل

مشرقی تہذیب خود ضبطی کی اک تحریک ہے — نفس پر قابو یہاں بارہ مہینے ٹھیک ہے

مشرقی تہذیب کا مضمون ہے معراجِ دل — روح کے جو جو مدارج ہیں وہ سب جاتے ہیں مل

مشرقی تہذیب کر دیتی ہے اس خالق سے ایک — مشرقی تہذیب اہلِ دل کو کر دیتی ہے نیک

مشرقی تہذیب سے قابو میں رہتے ہیں حواس — کوئی بھی ترغیبِ بد آنے نہیں پاتی ہے پاس

مشرقی تہذیب کی رو سے دلآزاری ہے عیب — راستی خوبی میں داخل ہے تو غداری ہے عیب

مشرقی تہذیب کو پیشِ نظر رہتا ہے حق — رنگ اسکے روبرو پڑتا ہے عیاری کا فق

مشرقی تہذیب کی فانی نہیں ہے سلطنت — روبرو اسکے ٹھہر سکتی نہیں ہے شیطنت

سرزمینِ ہند کی مٹی میں ایسا ہے اثر — نخلِ عرفاں اس جگہ اکثر رہا ہے پُر ثمر

اس گئے گزرے زمانے میں بھی اسکی نظر میں — گلشنِ فردوس کے انوار سے خالی نہیں

یاد آتے ہیں ہمیں اقوال اس کے دلپذیر — جنگِ نفس و روح میں وہ برہدف گویا ہیں تیر

بنکے جادو عرش سے آیا تھا وہ بنگال میں — تھا سراسر ایک وہ اقوال اور افعال میں

نورِ حق سے آشنا اسکی تھی تمثیلِ حیات — اور حق آگاہ تھی اس مرد کی اک ایک بات

مغربی کلچر بزعمِ جاہ گو مغرور ہے — روح کے معراج سے لیکن وہ کوسوں دور ہے

سرزمینِ ہند پر وہ راج کر سکتی نہیں — مغربی کلچر میں یہ طاقت نہیں ٹک سکتی نہیں

اندرونِ دل سنی ہے آج میں نے یہ صدا — فکر نے اس راز سے آگہ مجھے ہے کر دیا

شرق سے ہوتا ہے جس طرح طلوعِ آفتاب — کھلتا مغرب پہ ہے ہر روز وہ راہِ ثواب

روح کی دنیا میں بھی مشرق ہی سے چمکینگے نور

پرم ہنسوں کا زمینِ ہند سے ہوگا ظہور

(رئیس القلم [illegible])

دیہی صنعتیں اور دیہات ... نئی

(از شری جے۔ سی۔ کمارپا)

ہندوستانی زندگی میں گاؤں کی اہمیت

ہندوستان کی ترقی کے جو آثار آج کل نظر آرہے ہیں اُن میں سب سے زیادہ امید افزا یہ چیز ہے کہ لوگوں نے اب دیہاتی زندگی کے متعلق غور و فکر کرنا شروع کر دیا ہے۔ مغربی اثر میں آنے کے بعد ہم نے یہ بات بھلا دی تھی کہ ہندوستان ایک دیہی ملک ہے۔ شہروں میں ہم نے مغربی انداز کی تعلیم حاصل کی اور یہ سوچا کہ اپنے ملک کو جدید ملکوں کے دوش بدوش لانے کے لئے جو طریقہ اختیار کیا جا سکتا ہے۔ وہ یہ ہے کہ مغرب کی تقلید میں شہری حالات کو تمام ملک میں پیدا کیا اور پھیلایا جائے۔ لیکن اب خیالات میں تبدیلی ہو رہی ہے اور ہم اس نتیجہ پر پہنچ گئے ہیں کہ ہماری نجات من حیث القوم دیہی اصلاح کے ذریعہ ہی ممکن ہے۔

کانگریس اور رائے عامہ کیوں اب دیہی اصلاح کی طرف متوجہ ہو رہی ہے۔ اس کا سبب دریافت کرنا مشکل نہیں ہے۔ یہ بات اب ہر خاص و عام کی زبان پر ہے کہ ہندوستان ایک دیہاتی ملک ہے۔ یہاں کی نوے فیصدی آبادی دیہاتی ہے اور ۹۰ فیصدی سے زیادہ اشیاء خام پیدا کرتی ہے۔ اس لئے جس کسی جماعت کے پیش نظر ملک کی اخلاقی اور مادی فلاح و بہبود ہے اُسے مجبوراً دیہات کی طرف متوجہ ہونا پڑے گا۔ اصل ہندوستان صرف گاؤں ہی میں نظر آسکتا ہے۔ یہ بجائے خود معقول دلیل ہے پھر اس کے علاوہ ایک اور بہتر دلیل بھی موجود ہے۔ ہماری تہذیب اور مغربی تہذیب میں بڑا فرق یہ ہے کہ ہماری تہذیب کی جڑ دیہاتی زندگی میں پیوست ہے اور مغربی تہذیب نے شہروں کی گود میں ہوش سنبھالا ہے اور وہیں پل کر جوان ہوئی ہے۔ قدیم یونان کے جمہوری دور میں شہروں کا ہی راگ گایا جاتا تھا یورپ کے عہد متوسط میں طرز زندگی کا تعین ایسے شاہی درباروں میں ہوتا تھا جو شہر میں واقع ہوتے تھے۔ درباری زندگی کی خصوصیات آہستہ آہستہ جاگیرداروں تک پہنچتی تھیں۔ جاگیرداروں سے زمینداروں تک اور زمینداروں سے کاشتکاروں تک۔ اسی طرح آج بھی یہ بات محتاج وضاحت نہیں ہے کہ مغربی تہذیب فی الحقیقت شہری تہذیب ہے جس کی وجہ سے لوگ کثیر تعداد میں صنعتی مرکزوں میں جمع ہو جاتے ہیں۔ ان شہروں میں بڑے پیمانے پر دولت پیدا کی جاتی ہے۔ اور لوگ ایک یکساں سانچے میں ڈھال دیئے جاتے ہیں۔ ہندوستان میں ایسا کبھی نہیں ہوا ہے۔ اس میں شک نہیں کہ ہمارے یہاں ایسے شہنشاہ گذرے ہیں جو شہروں میں شان و شوکت سے رہتے تھے لیکن پھر بھی دیہات کی آزادی کبھی ختم نہیں ہوئی۔ شہنشاہ غیر ملکی حملہ کے وقت لوگوں کی مدافعت کرتا تھا اور صنعت و حرفت اور تہذیب و تمدن کا مربی اور سرپرست ہوتا تھا۔ دیہی زندگی کے نصب العین اور زندگی کی سادگی کی عزت ہر شخص کے دل میں موجود تھی۔ اور کھیتی کو مقدس سمجھا جاتا تھا۔ ہمارے تمدن کو اسی وقت بہترین طریقہ پر سمجھا جا سکتا ہے جب اس سادہ دیہی ماحول کو سمجھ لیا جائے جس میں کہ وہ پیدا ہوا ہے۔ بنا بریں مغرب کی (جس کی ترقی کے اسباب ہم سے بنیادی طور پر مختلف ہیں) محض تقلید کرنا ہمارے قومی ترکہ کے لئے ہرگز معقول اور مناسب نہیں ہے۔

پس اگر گاؤں کو ہمارے خیالات میں ایک مرکزی حیثیت حاصل کرنی ہی ہے تو پھر یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ ان اصولوں کو دریافت کیا جائے۔ جن پر ہماری دیہاتی زندگی کی فی الواقعی بنیاد قائم کی گئی تھی۔ کیونکہ نئی عمارت کے دوبارہ بنانے کے لئے یہ ضروری ہے کہ ہم موجودہ بنیادوں پر اپنی تعمیر شروع کریں۔ خصوصاً ایسی حالت میں جبکہ ان بنیادوں کی خوبی یہ ہے کہ انہوں نے زمانہ کی ہزاروں ناہمواریوں کا کامیابی کے ساتھ مقابلہ کیا ہے۔ اس لئے ہمارے لئے یہ لازمی ہے کہ ابتدائی معماروں کے نقشوں کا مطالعہ کریں۔ کیونکہ اگر ہم ان کی تصریحات کی پوری پیروی نہ کریں گے تو ہماری عمارت بیٹھ جائے گی یا استعارہ بدل کر ہم یہ کہہ سکتے ہیں کہ اگر نئے اعضاء کو پرانے جسم پر پیوند لگانا مقصود نہیں ہے تو یہ ضروری ہے کہ ان میں اور پرانے جسم میں عضوی اتحاد پیدا کیا جائے اس کے یہ معنی نہیں ہیں کہ پرانے اعضاء کو ہی دوبارہ جسم سے جوڑ دیا جائے۔ کیونکہ کوئی زندہ جسم اپنی زندگی کے مختلف مدارج میں بالکل یکساں نہیں رہ سکتا۔ یہ بدلتا رہتا ہے۔ جب حالات مختلف ہو جاتے ہیں تو اُن سے مطابقت کی کوشش کرتا ہے اور یونہی اس کی نشو و نما ہوتی ہے۔ گاؤں کو ترقی دینے کی کوشش میں ہم اپنی کاہلی اور سہل انگاری سے ماضی کی طرف واپس نہیں جا سکتے۔ اور نہ اس کی غلامانہ تقلید کر سکتے ہیں۔ ہماری جڑیں بے شک ماضی میں پیوست ہونگی اور یوں ہمارے خیالوں اور کاموں کا اصل اصول وہی ہوگا جو ماضی کی دیہاتی تنظیم میں پایا جاتا تھا۔ لیکن اس کا اظہار اُن مختلف خیالات کی بنا پر جو اس وقت پائے جاتے ہیں مختلف ہوگا۔ کیونکہ زندگی ورثہ اور ماحول دونوں سے مل کر بنتی ہے۔

بنا بریں اپنی قومی زندگی کو دوسرے سانچے میں ڈھالنے کی کوشش کرتے وقت یہ لازم ہو جاتا ہے کہ ہم بنیادی خیالات کا صحیح اندازہ کریں۔ جن پر ہماری دیہاتی زندگی اور تنظیم قائم ہے۔ یہ خیالات جہاں تک سمجھ میں آسکتے ہیں حسب ذیل ہیں۔

(۱) جماعت کے ہر رکن کے لئے کم سے کم ناگزیر اسباب حیات یقینی طور پر فراہم کرنا۔

اس مقصد کے حاصل کرنے کے لئے کام کرنے والوں کا معاوضہ جنس کی شکل میں دیا جاتا تھا۔ اور اس طرح ان کی ضرورت کی تمام اشیاء انہیں غذا کی شکل میں مل جاتی تھی۔ یہ بات ظاہر ہے کہ ایسے نظام میں کوئی شخص بھوکا نہیں رہ سکتا۔ مشترکہ خاندان ایک دوسرا طریقہ تھا جو اسی مقصد کے حاصل کرنے کے لئے اختیار کیا گیا تھا اور اس سے دولت کی تقسیم میں بھی عدم مساوات پیدا نہ ہو سکتی تھی۔

(۲) مقابلہ اور جلب منفعت کی مطلق العنان خواہش کو قابو میں رکھنا اور اس کی جگہ امداد باہمی کو ترقی دینا۔

ذات پات کے نظام کے ذریعے جماعت کا کام اس کے مختلف ارکان میں تقسیم ہو جاتا تھا اور انہیں اپنا اپنا کام کرنا ہوتا تھا۔ اس سے اس بات کی حفاظت ہو جاتی تھی کہ اگر کسی خاص تجارت میں نفع زیادہ ہوتا تھا تو ہر شخص دوسروں سے مقابلہ کرنے کے لئے اسی طرف نہیں لپکتا تھا۔ اور اس کوشش میں جماعتی توازن کو آج کل کی طرح نہیں بگاڑ سکتا تھا۔ مثلاً جب قانون کے پیشے میں آمدنی زیادہ ہوتی ہے تو ہر شخص وکیل بننے کی کوشش کرتا ہے اور اس بات کا خیال ترک کر دیتا ہے کہ جماعت کو کتنے وکیلوں کی ضرورت ہے۔ ذات کے نظام سے جماعتی وفاداری اور امداد باہمی بھی پیدا ہوتی تھی۔ جس کی کمی اُن لوگوں میں جنہوں نے شہر میں تربیت پائی ہے بہت نمایاں ہے۔

(۳) گاؤں کی زندگی کو اپنی جگہ مکمل بنانا تاکہ ہر گاؤں اپنی ضروریات کے مطابق کافی مقدار میں اشیاء پیدا کر سکے۔ اور ابتدائی ضروریات کے لئے باہر کا محتاج نہ رہے۔

اس کا نتیجہ یہ تھا کہ مختلف تجارتوں اور پیشوں کے کاموں میں ہم آہنگی پیدا ہو جاتی تھی۔ اور لوگ خارجی حکومتوں کے ناجائز انتفاع اور ان پر انحصار کرنے سے محفوظ ہو جاتے تھے۔ طرز حکومت کے اعتبار سے بھی گاؤں اپنی جگہ پر مکمل ہوتا تھا۔ اس کے معاملات کا فیصلہ پنچایت کرتی تھی۔ اسی طرح ہر گاؤں ایک جمہوریہ ہوتی تھی جس کی صدارت کا کام پنچایت کے سپرد ہوتا تھا۔ جو اس بات کا خیال رکھتی تھی کہ دیہاتی زندگی کے تمام شعبے مناسب طور پر کام کریں۔

(۴) روحانی باتوں کا مرتبہ ارفع و بلند تھا۔

یہ اسی بات سے ظاہر ہے کہ ہندوستان کی اعلیٰ ترین ذات راجہ یا تاجر کی نہیں ہے بلکہ برہمن اور پنڈت

(باقی مضمون صفحہ ۳۴ پر)

دنیا کی رفتار

مورخہ ۳ مارچ سنہ ۱۹۳۶ء منگلوار

پریس کی آزادی

رائے عامہ کا اثر دنیا کی سیاسیات پر

یوں تو دنیا کے مختلف ممالک میں اخبارات کی اشاعت بہت دنوں سے رائج ہے اور وقتی سیاسیات، رائے عامہ اور حکومت کے نظم و نسق پر اثر انداز ہوتی رہی ہے مگر یہ ایک حقیقت ہے کہ بیسویں صدی کی ابتدا سے تمام قوموں کی سیاسی، معاشرتی اور اقتصادی زندگی میں "جرنلزم" یعنی صحافت نے ایک بڑی طاقت حاصل کر لی ہے۔ اگر غور سے دیکھئے تو ہر ملک میں اب صرف دو ہی طاقتیں برسراقتدار سمجھی جاتی ہیں۔ ایک طرف گورنمنٹ اور دوسری طرف رائے عامہ اور چونکہ اخبارات کا تعلق براہ راست رائے عامہ سے ہوتا ہے اس لئے گورنمنٹ کی طاقت کے بعد دوسرے درجہ پر صحافت ہی کی طاقت عمل کرتی ہے۔ اکثر حالتوں میں رائے عامہ کا کام یہ ہے کہ گورنمنٹ کی پالیسی پر نگرانی کرے، اور جب یہ پالیسی پبلک مفاد کے خلاف ہو تو اس کی روک تھام کرے، لیکن بعض مواقع ایسے بھی ہوتے ہیں کہ رائے عامہ کی طاقت گورنمنٹ کی طاقت سے بھی بڑھ جاتی ہے، اور گورنمنٹ کو اس کے سامنے سر تسلیم خم کر دینا پڑتا ہے۔

اسی لئے آج دنیا کے گوشہ گوشہ میں پریس کی آزادی کا چرچا سننے میں آتا ہے۔ اور بعض مغربی ممالک میں اس موضوع پر بحث و مباحثہ چھڑا ہوا ہے۔ کولمبیا یونیورسٹی کے اسکول آف جرنلزم کے "ڈین" ڈاکٹر کارل ایکرمن نے صرف صحافت اور رائے عامہ کے اہم مسائل کا مطالعہ کرنے کے لئے پچھلے دنوں ساری دنیا کا سفر کیا ہے، اور کناڈا، جاپان، ہندوستان، چین، سنگاپور، مصر، اٹلی وغیرہ کا دورہ کرنے کے بعد اپنے پُر از معلومات لکچروں کا ایک سلسلہ شروع کیا ہے اس وقت ان کا پہلا لیکچر ہمارے پیش نظر ہے۔ ڈاکٹر موصوف کہتے ہیں کہ "دنیا میں آج رائے عامہ ہی حکمرانی کر رہی ہے اور جب یہ رائے کسی بین الاقوامی مسئلہ پر مرکوز ہو جاتی ہے تو ڈکٹیٹروں اور پریسیڈنٹوں سے زیادہ طاقتور ہو جاتی ہے، ... دنیا کی تمام قومیں اپنے مقاصد، اپنے تحفظ، اپنے مواقع اور اپنے مطالبات عدل و انصاف کے اعتبار سے متفق اور ہم آہنگ ہیں۔ لیکن پروپیگنڈا، خبروں کی اشاعت پر پابندی اور ایک دوسرے کی رائے عامہ کے متعلق علم کے فقدان نے قوموں کو مخالف جماعتوں میں تقسیم کر دیا ہے۔ اس کا نتیجہ وہ بین الاقوامی پیچیدگیاں ہیں جو آجکل ظاہر ہو رہی ہیں۔

اسی سلسلہ میں پریس کی آزادی کا مسئلہ سامنے آ جاتا ہے۔ پروپیگنڈا اور خبروں کی اشاعت پر پابندی یعنی سنسر کا اثر یقیناً یہی ہوتا ہے کہ ایک ملک کو دوسرے ملک کی صحیح رائے عامہ معلوم نہیں ہوتی۔ تمام ممالک کے درمیان اگر سچی اور صحیح خبروں کا آزادانہ تبادلہ ہوا کرے تو مختلف اقوام میں بد دلی اور تلخی نہ پیدا ہو۔ آج دنیا کے ممالک کا یہ حال ہے کہ وہ دوسرے ملکوں کو اپنی خبریں نہیں بلکہ رائیں بھیجتے ہیں۔ اصلی حقیقتیں پردے میں رکھی جاتی ہیں اور وقتی اغراض و مقاصد کے مطابق پروپیگنڈا کیا جاتا ہے۔ اس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ لوگوں میں شدید ترین اختلاف رائے پیدا ہو جاتا ہے، عوام کے جذبات سے کھیلا جاتا ہے، قوموں کو فریب نظر میں مبتلا کیا جاتا ہے۔ اور نا انصافیوں کی داد طلب کی جاتی ہے۔ اس لئے ظاہر ہے کہ جب تک پریس کو آزادی حاصل نہ ہو یعنی دوسرے لفظوں میں صحیح خبروں کا تبادلہ اور اشاعت نہ ہو رائے عامہ کی صحیح رہنمائی ممکن نہیں ہے اور بین الاقوامی امن و سکون کی کوئی فضا پیدا نہیں کی جا سکتی۔

چونکہ پریس ہی صرف وہ ذریعہ ہے جو خبروں کو جمع اور تقسیم کرنے کی صلاحیت ہے اور جدید صحافت کا سارا دارو مدار بھی اسی پر ہے۔ اس لئے رائے عامہ کی صحیح اشاعت کی ذمہ داری بھی اسی پر عائد ہوتی ہے۔ ہر حکومت کا یہ پہلا فرض ہے کہ پبلک خدمات انجام دینے اور دنیا میں امن و سکون کی فضا پھیلانے کے لئے صحافت کو آزاد رہنے دے اور خبروں کی اشاعت پر بیجا پابندیاں عائد نہ کرے۔

ادبی علمی

ابدی چاندنی

علم ہئیت و نجوم کے مشہور ماہر سر جیمس جینس اکثر اس دنیا اور نظام شمسی کے متعلق پیشین گوئیاں کیا کرتے ہیں۔ آپ ایک نہایت فاضل سائنس داں ہیں۔ اور اپنے مقولوں کو ثابت کرنے میں نہایت مستند سائنٹفک اصولوں اور تحقیقاتوں سے کام لیا کرتے ہیں۔ آفتاب کے ٹھنڈے ہو جانے اور زمین اور اس کی آبادی کے ناپید ہو جانے کے متعلق سر جیمس کی اکثر پیشین گوئیاں شائع ہو چکی ہیں۔ لیکن ان حادثات کے وقوع کی تاریخ اتنی دور ہے کہ موجودہ اور چند آنے والی نسلوں کو ان سے خوفزدہ ہونے کی ضرورت نہیں ہے۔ اب ان کی سب سے زیادہ حیرت انگیز پیشین گوئی یہ ہے کہ چاند کسی آئندہ زمانہ میں ٹوٹ کر لاکھوں ٹکڑوں میں تقسیم ہو جائے گا۔ اور ہر ٹکڑا اپنی جگہ پر ایک نیا چاند بن جائے گا۔ یہ بات تو ثابت ہو چکی ہے کہ چاند رفتہ رفتہ کرۂ زمین سے قریب تر آتا جا رہا ہے، اس کا اثر یہ ہوگا کہ ایک خاص نقطہ پر پہونچکر یہ چاند دو ٹکڑوں میں، پھر چار ٹکڑوں میں، پھر آٹھ میں اور اسی طرح سیکڑوں، ہزاروں اور لاکھوں ٹکڑوں میں تقسیم ہو جائے گا۔ اس کے بعد یہ ذرات یا ریزے زمین کو ایک دائرے کے اندر اس طرح گھیر لیں گے جیسے سیارۂ زحل کے چاروں طرف ایک روشن دائرہ نظر آتا ہے، اور چونکہ ہر ذرہ آفتاب کی روشنی کو منعکس کریگا۔ اس لئے زمین کے چاروں طرف ہر رات کو متعدد چاند کے ٹکڑے ہوں گے اور دنیا ایک مستقل اور ابدی چاندنی سے منور رہا کرے گی۔ اسی سے اندازہ کیا جا سکتا ہے کہ جب دن اور رات دونوں مستقل طور پر روشن رہیں گے اور کرۂ زمین پر تاریکی کا کہیں نام و نشان نہ ہوگا۔ تو دنیا میں کیسی کیسی تبدیلیاں پیدا ہو جائیں گی اور پھر آئندہ زمانہ کے مصنف اور ناول نگار حضرات چاند اور چاندنی رات اور حسن و عشق کے راز و نیاز کے متعلق کیا تعریفیں قائم کریں گے مندرجہ ذیل قسم کے اشعار تو بالکل ہی بیکار ہو جائیں گے۔

یہ بڑا اندھیر ہے اک رات بھی آئے نہ تم
چاندنی کیا کیا ہی اے مہ لقا دو چار دن

زیر تعلیم طلباء کی صحت

پچھلے دنوں کلکتہ کے اسکولوں کے طلباء کی صحت کا عام طبی معائنہ ہوا تھا۔ اس کے متعلق حکومت بنگال نے جو نوٹ شائع کیا ہے وہ ایسی حقیقتوں پر روشنی ڈالتا ہے جو ہمارے ہندوستان کے لئے سبق آموز ہیں۔ اور چونکہ زیر تعلیم طلباء کی خرابیٔ صحت کا مسئلہ ملک کے ہر حصہ میں اہمیت رکھتا ہے اس لئے ضرور ہے کہ اس کا ایک عام حل تجویز کیا جائے۔ کلکتہ کے اسکولوں میں جتنے طلباء کا طبی معائنہ کیا گیا ان میں نصف تعداد ایسے لڑکوں کی پائی گئی جو مریض ہیں یا کوئی نہ کوئی جسمانی نقص یا بیماری میں مبتلا ہیں۔ ان میں آنکھوں کی، اعضائے ہضم کی، دانتوں کی اور پھیپھڑوں کی خرابی عام تھی اور ان کے علاوہ طلباء کی جو نصف تعداد باقی رہی ان میں بھی بہت سے لڑکے ایسے پائے گئے جن کی صحت خراب کہی جا سکتی ہے طلباء میں اس عام خرابی صحت کے بہت سے اسباب بتلائے گئے ہیں۔ مثلاً یہ کہ اکثر لڑکے جسمانی ورزش نہیں کرتے۔ ان کے والدین ان کی جسمانی صحت سے زیادہ ان کے پڑھنے لکھنے کا خیال رکھتے ہیں۔ بعض کو خاندانی بیماریاں ہوتی ہیں۔ بعض ناتندرست ماحول میں پرورش پاتے ہیں اور بہت سے طلباء ایسے ہیں جن کو غربت و افلاس کے باعث اچھی اور صحت بخش غذا نہیں ملتی تاکہ وہ امراض کی مدافعت کے لئے پوری طاقت حاصل کر سکیں۔ موخر الذکر حقیقت سب سے زیادہ افسوسناک ہے اور غالباً سب سے زیادہ عام بھی ہے۔ لیکن ظاہر ہے کہ جب تک ملک کے عام افلاس اور فاقہ کشی اور بیکاری کو دور کرنے کے ذرائع کام میں نہیں لائے جائیں گے حالات کی بہتری کی کوئی صورت نظر نہیں آتی۔ صرف دو چار کھوکھلے اور ظاہری اصلاحات سے کیا فائدہ ہو سکتا ہے

فرقہ وارانہ اسکول

گورنمنٹ کالج لدھیانہ کے کانووکیشن میں تقریر کرتے ہوئے سر جان اینڈرسن نے کہا ہے کہ ہندوستان میں فرقہ وارانہ اسکولوں کے قیام کی حوصلہ افزائی نہیں کرنی چاہئے کیونکہ ان کے ذریعہ سے ترقی رک جاتی ہے اس امر پر اختلاف رائے ممکن نہیں ہے کہ فرقہ وارانہ اسکولوں کے قیام سے لڑکوں میں بچپن ہی سے فرقہ وارانہ ذہنیت پیدا ہو جاتی ہے۔ اور ملک کے یہی فرزند جب جوان ہوتے ہیں تو یہی نہر آلود ذہنیت جو ذہن میں مضبوط اور مستقل ہو چکی ہے بدترین نتائج اور نفاق و جنگ کی باعث بن جاتی ہے۔ قوم کے ہر نوخیز پودے کو اس طرح سینچنا چاہئے کہ آگے چلکر وہ قوم کا ایک کارآمد

اشارات

ایک اخبار یہ خبر دیتا ہے۔

"سندھ میں شراب نوشی زیادہ ہے"

غالباً اس لئے کہ وہاں کے باشندے اسمبلی میں اپنے نمائندوں کو بھول جائیں۔

اس سے ہمیں وہ واقعہ یاد آتا ہے کہ مسٹر لال چند نول رائے کی "غیر جانبداری" ان کے ووٹروں میں مقبول ثابت نہ ہوئی۔ لیکن حقیقت میں یہ ووٹروں کی ناانصافی ہے۔ ان کو تو اس بات پر شکریہ ادا کرنا چاہئیے کہ ان کا نمائندہ سرکاری لابی میں جلوہ گر نہ دکھائی دیا۔

پریس کے ایک بیان میں مسٹر گیڈل حکومت ہند کے ہوم ممبر کو یاد دلاتے ہیں کہ اب سے تیرہ سال پہلے سر میلکم ہیلی نے قانون ضابطہ فوجداری کی دفعہ ۴۳ کو منسوخ کرنے کا وعدہ کیا تھا۔

"وعدہ" کا لفظ موجودہ سیاسیات میں بہت دلچسپ ہے۔ غالباً اسی وعدہ کی تیرھویں برسی اسمبلی میں منانے کے لئے سردار سنت سنگھ کی تجویز مسترد کردی گئی تھی۔

بمبئی کونسل میں ہوم ممبر کے بیان کے مطابق کانگریس کے چھ "سوراج آشرم" ابتک حکومت کے قبضہ میں ہیں۔

جو اس بات کا پتہ دیتا ہے کہ بغیر معاوضہ کے "ضبطی ملکیت" صرف سوشلسٹ ہی اصول نہیں ہے۔

ایک اخبار کہتا ہے کہ بلوچستان میں ٹڈیوں کی تباہ کاری کے متعلق تحقیقات ہو رہی ہے

لوگ ہندوستان کے دوسرے صوبوں کی ٹڈیوں کو کیوں بھول گئے ہیں۔

بمبئی کا دعوے ہے کہ سندھ کی علیحدگی کے باعث اس کی حالت "بہتر" ہو جائے گی۔ صوبہ بہار بھی اڑیسہ کی علیحدگی کے باعث ایسا ہی خیال کر رہا ہے۔

غالباً یہ دونوں چھوٹے نئے صوبے بھی اپنے "نصف بہتر" سے علیحدگی کے باعث اپنی "بہتری" پر مسرور ہوں گے۔

خط و کتابت کرتے وقت چٹ نمبر کا حوالہ ضرور دیا کریں۔

ایک ہفتہ کی خبریں

ہفتۂ جنگ:-

۲۱ ---- فروری ۱۹۳۶ء:---

اطالوی کمانڈر مارشل بڈاگ لیو نے سائنور مسولینی کو یہ خبر دی ہے کہ عدوا کا قصہ اب ختم ہو گیا ہے۔ ہم نے اچھی طرح حبشیوں سے انتقام لے لیا ہے اور اب ہم اطمینان کے ساتھ سو سکتے ہیں۔

مارشل بڈاگ لیو کا بیان ہے کہ اٹلی کی فوج نے گالا کے میدان پر قبضہ کر لیا ہے۔ اس میدان پر قبضہ بہت اہمیت رکھتا ہے۔ کیونکہ راس کاسا اور راس سیوم اندرونی علاقوں میں ہیں۔ یہاں سلسلۂ راستہ منقطع ہو گیا ہے اور ان کے لئے کوئی سلسلۂ مراسلت نہیں رہا۔

۲۲ ---- فروری ۱۹۳۶ء:---

اٹلی کے کمانڈر مارشل بڈاگ لیو نے ایک اعلان شائع کیا ہے کہ اٹلی کی فوجوں نے ۱۰ فروری سے اب تک ۲۵، مربع میل علاقہ پر قبضہ کر لیا ہے۔ ۱۸ فروری کو صبح ہی اٹلی کی فوجوں نے بغیر گولی چلائے زخیر میدان پر قبضہ کر لیا اور اب پہاڑی علاقہ پر اٹلی کی فوجوں کا قبضہ ہے۔

۲۴ ---- فروری ۱۹۳۶ء:---

شمالی محاذ پر اطالوی دستوں پر تنبیت کی جانب سے حبشی فوج نے دلیرانہ حملہ کیا۔ انہوں نے ہوائی فوج کے دو دستے مغربی اکسوم کے صدر مقام سے دیلے ماریب کی جانب روانہ کئے تاکہ وہ اطالوی سلسلۂ پیام رسانی اور ذرائع آمد و رفت کو منقطع کرنے کے لئے حملہ کریں۔ ان ہوائی دستوں نے اطالوی سپاہ کے اسلحہ کا پندرہ گودام اور دو ٹینک تباہ و برباد کر دئے اور ۳۴ گورے اطالوی فوجیوں کو ہلاک کر دیا۔ کسی شخص کو قید نہیں کیا۔

بربرا کی خبر ہے کہ پانچ ہزار ٹن وزن کا جنگی سامان بربرا میں جہاز سے اتارا گیا اور آہستہ آہستہ حبش کی سرحد پر پہونچا دیا گیا۔ اس سامان میں ٹینکوں پر حملہ کرنے والی تیس توپیں۔ ۶۰ آٹو میٹک توپیں۔ دس ہزار نقل بارہ سو نئے نمونہ کی آٹومیٹک۔ ڈیڑھ کروڑ کارتوس اور ہزاروں آگ لگانے والے بم شامل ہیں۔ بیس لاکھ کارتوس برطانیہ کے بنے ہوئے ہیں۔ یہ سامان بربرا سے دو سو میل تک لاریوں پر لیجایا گیا۔ حبشیوں کو اطالوی فوجوں کا مقابلہ کرنے کے لئے ابھی مزید اسلحہ کی ضرورت ہے۔

۲۵ ---- فروری ۱۹۳۶ء:---

شمالی مغربی محاذ پر حملہ کے بعد حبشی فوج کے ایک گشتی دستے نے رات کے وقت عدوا کے قریب اچانک حملہ کر دیا۔ دشمن کی فوجوں سے دو بدو لڑائی ہوئی مگر وہ مقابلہ نہ کرسکیں اور میدان چھوڑ کر بھاگ گئیں۔ اٹلی کی فوج کے ۲۵۶ سپاہی ہلاک ہوئے اور حبشی فوجوں نے ایک بڑی تعداد میں اسلحہ جات اور دیگر سامان لوٹ لیا۔ حبشی فوجوں کو کم نقصان ہوا۔

۲۶ ---- فروری ۱۹۳۶ء:---

فرنٹیر ہیڈ کوارٹر سے اطلاع پہنچی ہے کہ ۱۹ فروری کی رات کو حبشی فوجوں نے دریائے سٹیٹ بروا تو اطالوی قلعہ پر حملہ کر دیا۔ یہ قلعہ ریکیٹ اور ارٹریا کی سرحد پر واقع ہے۔ حبشی فوجوں نے اٹلی کی فوجوں کو بھگا دیا اور گولہ بارود کو جلا ڈالا۔ کیونکہ حبشی فوجوں کے پاس گولہ بارود کا کافی ذخیرہ تھا۔ سامان جنگ کے چار ڈپو جلا دئے گئے۔

۲۷ ---- فروری ۱۹۳۶ء:---

اٹلی اور جرمنی کے درمیان ایک اتحادی معاہدہ ہو جانے کے باعث بین الاقوامی صورت حالات بدل گئی ہے جس کا اثر اطالوی حبشی جنگ پر بھی پڑے گا۔ مندرجہ ذیل خبر کی عام اہمیت بہت زیادہ ہے:۔

اٹلی اور جرمنی کے درمیان متحدہ کارروائی کرنے کے بارے میں ایک معاہدہ ہو گیا ہے۔ اس معاہدہ کی بنا فرانس اور روس کے درمیان معاہدہ کیا جاتا ہے جس پر آجکل فرانس کی پارلیمنٹ میں بحث ہو رہی ہے۔ ان معاہدوں کے مطابق لڑائی میں جرمنی اور اٹلی ایک طرف ہوں گے۔ اور فرانس اور روس ایک طرف ہوں گے۔

حال ہی میں جرمن سفیر مقیم روم نے سائنور مسولینی سے ملاقات کی تھی اور اس کے بعد گزشتہ ہفتہ میں ہر ہٹلر سے تبادلۂ خیالات کرنے کے لئے برلن آیا تھا۔

چٹکیاں

اسمبلی میں ایک ممبر نے یہ شکایت کی ہے کہ ممبروں کے سوالات کی کوئی انتہا نہیں ہے۔

لیکن سوال یہ ہے کہ بد انتظامیوں کی کوئی انتہا ہے یا نہیں؟

سر محمد یعقوب نے اسمبلی کو یاد دلایا ہے کہ ممبروں کو اگر کچھ حقوق حاصل ہیں تو ان کے ساتھ ساتھ بعض ذمہ داریاں بھی عائد ہوتی ہیں۔

اور غالباً یہ ذمہ داری صرف اتنی ہی ہے کہ آنکھیں بند کر کے سرکاری بنچوں کی طرف داری میں ووٹ دیئے جائیں۔

حبش کے متعلق سر جان سیمن کی رپورٹ کافی ہنگامہ آرائی کا باعث بن گئی ہے۔ لیکن یہ رپورٹ ٹھیک کر جب مسولینی کے ہاتھ میں پہنچ گئی تو مسٹر ایڈن مسولینی سے یہ نہیں پوچھتے کہ نہیں یہ رپورٹ کہاں سے ملی؟

سر جیمس گرگ ہوتے تو غالباً ایسا ہی سوال کرتے۔ لیکن اصل سوال تو یہ ہونا چاہئیے کہ آیا کوئی رپورٹ سچی ہے یا جھوٹی ہے۔ اگر اسی نقطہ پر سر جیمس کی توجہ مرکوز رہتی تو اسمبلی میں پہلی ہنگامہ آرائی ہوتی ہی میں نہ آتی۔

ہوم ممبر نے کہا ہے کہ ممبروں کو چاہئیے کہ اسمبلی میں سوالات پیش کرنے کے حق کو احتیاط و اعتدال کے ساتھ استعمال کریں۔

لیکن سوال یہ ہے کہ یہ وعظ صرف مخالف بنچوں کے لئے مخصوص کیوں ہے۔ سرکاری بنچوں نے احتیاط و اعتدال کو کیوں خیرباد کہدیا ہے۔

مسٹر لال چند نول رائے نے کہا کہ موجودہ ریلوے ممبر کی پالیسی یوروپین ممبر سے بھی خراب ہے۔

اپنی ہستی اور اپنے عہدے کا جواز اور کس طرح ثابت کیا جا سکتا ہے؟

ممبر موصوف نے یہ بھی کہا کہ ایک ہندوستانی ریلوے ممبر ہی کے وقت تیسرے درجہ کا کرایہ اور گڈز کا محصول بڑھا دیا گیا تھا۔

مقولہ مشہور ہے کہ گھر کا بھیدی لنکا ڈھائے۔

شیکسپئر نے اپنے مشہور ڈراما "میکبتھ" میں چند جادوگرنیوں کا تذکرہ کیا ہے۔ جو چھپکلی کی ٹانگ، چمگادڑ کی آنکھ، بھڑ کی نیش، سانپ کی زبان اور کتے کی دُم وغیرہ سے اپنا جادو و اثر مرتب کیا کرتی ہیں۔ اٹاوہ کے لئے بھی کچھ اسی قسم کی تیاریاں ہو رہی ہیں۔ معاصر ہندوستان ٹائمز کے مشہور کارٹونسٹ مسٹر شنکر نے اسی خیال کو ظاہر کیا ہے۔

جہنم سرد ہے، جنّت کے در کھلوائے جاتے ہیں
سرِ محشر پجاری حسن کے بلوائے جاتے ہیں

غضب ہے یہ ادا اُن کی دمِ آرائشِ گیسو
جھکی جاتی ہیں آنکھیں خود بخود شرمائے جاتے ہیں

طلسمِ دہر کے اسرار کھل جائیں عجب کیا ہے
اب اپنے دِل کے کچھ آثار ایسے پائے جاتے ہیں

سحر کی ضو، شفق کی سرخیاں، برسات کے بادل
مجھے ہمراز پا کر یہ مناظر کھلائے جاتے ہیں

نہ جانے کتنی رنگیں صحبتیں ہیں میری نظروں میں
بس اے مطرب! مری آنکھوں میں آنسو آئے جاتے ہیں

شبِ وعدہ یہ کیسی تیرگی ہے؟ وقت کیا ہوگا؟
تمناؤں کے غنچے، ہمنفس کمھلائے جاتے ہیں

کوئی حد ہی نہیں اس احترامِ آدمیّت کی
بدی کرتا ہے دشمن، اور ہم شرمائے جاتے ہیں

بہت جی خوش ہوا اے ہمنشیں کل جوش سے مِل کر
ابھی اگلی شرافت کے نمونے پائے جاتے ہیں

آغاز و انجام

مشہور مصنف جان کیلس ورذی کا ایک دلچسپ افسانہ اردو لباس میں!

(از جناب قاضی خورشید الاسلام بی۔ اے)

{خاص "تیج ویکلی" کے لئے}

شام کے چھ بجے وہ کمرہ تاریک کہے جانے کا مستحق تھا جبکہ تیل سے جلنے والا ایک لیمپ مطالعہ کے واسطے سبز گلوب کے اندر روشن تھا۔ اس نے کمرے کے ترکی قالین، چند کتابوں کے سرورق اور منتخبہ کتاب کے اوراق اور کافی سٹ کے گہرے نیلے اور سنہری رنگوں کو معہ اس چھوٹے پرانے اسٹول کے جس میں مشرقی نقاشی ہو رہی تھی اپنی ہلکی روشنی میں نمایاں کر دیا تھا۔ موسم سرما کے لحاظ سے گہرے ہوئے پردے چری جلد کی نہ در تہ لگی ہوئی کتابیں اور چھت گیری اور دیواروں نے کمرے کی تاریکی میں کافی اضافہ کر دیا تھا۔ تاہم کمرہ اس قدر بڑا تھا کہ اگر اس کے روشن حصے کو جس میں وہ انگیٹھی کے سامنے بیٹھا ہوا تھا، ایک صحرائی نخلستان سے تشبیہ دی جائے تو کچھ بیجا نہ ہوگا۔ مصروفیتوں کا ایک پورا دن گزار لینے کے بعد کیتھ ڈارنٹ کا مذاق اسی منزّم فضا کا طالب تھا جبکہ مقدمات کی تیاری اور دن بھر عدالت میں اور دوسری

طعام شب سے پہلے دو گھنٹے کے لئے وہ دلچسپ مطالعہ، قہوہ نوشی، پائپ اور آرام طلبی کا عادی تھا۔ اس کا مخملی لبادہ اور سرخ سلیپر اس تاریکی اور ہلکی روشنی سے ایک طرح کی مناسبت رکھتے تھے۔ ایک مصور کے لئے اس کا نمایاں لیکن اترا ہوا چہرہ سیاہ بل کھائی ہوئی بھویں اور باوجود قانون پیشہ ہونے کے سر پر کثیر بالوں کی موجودگی اس فضا میں دلچسپی سے خالی نہ تھے۔ آرام کے اوقات میں وہ دماغی کاوشوں کی طرف سے توجہ کو منقطع کرنے میں کامیاب ہو گیا تھا اور اس کمرے میں بیٹھ کر اس کا دماغ کام کی طرف کبھی منتقل نہ ہوتا تھا۔ اگرچہ کچھ دیر پہلے اس کے متعدد مباحث اور شبہات اس کی فکر کو حیرت زدہ کرتی تھیں لیکن ذہین طبائع کے لئے دقائق کا دلچسپ ہونا عین اصول کے مطابق ہے۔ قانونی نقطۂ نگاہ سے اہمیت رکھنے والے نکات کے علاوہ تمام غیر ضروری اور فاضل باتوں کے اخراج میں اس کا دماغ بے حد مشاق تھا۔ خصوصاً اس وقت جبکہ اس کی نگاہِ انتخاب کے سامنے انسانی زندگی کے واقعات کا بے ترتیب اور منتشر ذخیرہ پیش کیا جائے۔

تاہم بسا اوقات اس کا پیشہ کافی پریشان ثابت ہوتا تھا۔ مثال کے طور پر آج صبح ہی کا واقعہ لیجئے جبکہ اس کو اپنے ایک موکل پر دروغ گوئی کا شبہ ہوا اور اس نے کاغذات کو پھینک دینے کا ارادہ کیا۔ کیتھ اپنے دل میں اس نحیف، سفید رنگ انسان کی طرف سے ابتدا ہی سے تنفر کے جذبات پاتا تھا۔ جس کا سبب غالباً اس کے مشتبہ اور بیچ جوابات اور بے ہیجان آنکھیں تھیں چنانچہ ایسے زمانہ میں ایسے آدمیوں کا مبتذل اور بے کار ثابت بہت عام ہے۔

غرض اس وقت جو کتابیں اس نے مطالعہ کے لئے نکالی تھیں ایک والٹیر کی تصنیف تھی کیونکہ وہ اس فرانسیسی مفکر کے عجیب و غریب تخیل اور طنز کا دلدادہ تھا۔ دوسری کتاب برٹن کا سفرنامہ تھی اور تیسری اسٹیونسن کی جدید الف لیلیٰ تھی۔ یہ آخری کتاب اسے پسند آئی۔ پھر بھی اس شام کو اپنے اندر وہ ایک خاص کمی محسوس کر رہا تھا۔ وہ ہر قسم کی فکر سے آزاد رہنا چاہتا تھا عدالت کا کھچا کھچ بھرا ہونا اور مکان کو واپس آتے وقت جنوبی مغربی مرطوب اور سرد ہوا نے جو بالکل طاقت بخش اجزا سے خالی تھی، سامنا ہونا اسکی شکستگی اور درماندگی کا باعث ہوا تھا۔ وہ اعصابی کمزوری محسوس کر رہا تھا۔ اسے آج رات پہلی مرتبہ گھر کی تنہائی سے اجنبیت اور تکلیف محسوس ہوئی

لیمپ کی بتی کو نیچا کر کے وہ آتشدان پر جھکا ہوٹل کی غیر لطیف غذا کھانے سے پیشتر وہ ہلکی نیند لینا چاہتا تھا کیا اچھا ہوتا کہ یہ زمانۂ تعطیل ہوتا اور میسی MASIE گھر ہوتی۔

بیوی کی وفات کے بعد جو طویل عرصہ گزرا تھا اس نے کیتھ کو عورت کی ہم جلیسی سے بے نیاز کر دیا تھا مگر آج رات وہ اپنی چھوٹی بچی کی موجودگی کا خواہشمند تھا۔ اور اس کی عجلت پسندی اور سیاہ روشن آنکھیں یاد آ رہی تھیں۔

اس کے اپنے بھائی لارین نے سب کچھ عورتوں کے پیچھے برباد کر دیا تھا۔

اور یہی شغل اس کی توجہ ارادی کا مرکز تھا۔ رہا سہا بھی ختم ہونے والا تھا۔ اور گزارہ مشکل نظر آتا تھا۔ اس نے اپنی تمام صفات حمیدہ کو کچل دیا وہ نسل سے اسکاٹ تھا۔ اور یہ گمان ہو سکتا ہے کہ اس کے نسلی مادے کو اس کا تحفظ کرنا چاہیئے تھا۔ ساتھ ہی یہ امر بھی قابل ذکر ہے کہ جب ایک کوہستان کا باشندہ اپنی بلند سطح سے مائل بہ تنزل ہو تو تیز رفتاری میں کون اس کا مقابلہ کر سکے گا۔

قابل حیرت وہ امر ہے کہ ایک ماں کے دودھ نے دونوں بھائیوں میں کس قدر مختلف اثر دکھلایا

باقی مضمون اگلے صفحہ پر

رنگِ تغزل

(از جناب پنڈت دینا ناتھ صاحب معجز دہلوی)

جلوہ گر آفاق میں۔ برکاتِ یزداں ہو گئیں
نیر انفس کے سراپردہ میں پنہاں ہو گئیں

عشق کی تاثیر سے وہ حسنِ خوباں ہو گئیں
نور سے بل کر جمالِ ماہِ تاباں ہو گئیں

سوز میں آ کر۔ فروغ شعلہ رویاں ہو گئیں
روشنی قرص خورشید درخشاں ہو گئیں

جوشِ الفت میں سرشکِ چشمِ گریاں ہو گئیں
قطرے سے دریا بنیں دریا میں طوفاں ہو گئیں

عنصری قالب میں پنہاں صورتِ جاں ہو گئیں
بو صفت زینت وہ خاک گلستاں ہو گئیں

حظِ نفسانی کی خواہشمند حیواں ہو گئیں
کیف روحانی کی دعویدار انساں ہو گئیں

عاملانِ باصفا کے دل میں عرفاں ہو گئیں
زاہدانِ بے ریا کا۔ دین و ایماں ہو گئیں

سنگِ اسود بن گئیں وہ پیروِ اسلام کا
بت پرستوں کیلئے سیب زنخداں ہو گئیں

شوخیٔ رنگِ شفق سے بن گئیں امیدِ صبح
سرخروئی کے لئے خونِ شہیداں ہو گئیں

بن گئیں راہِ محبت طالب و مطلوب میں
دوستانِ باوفا کا عہد و پیماں ہو گئیں

عہدِ پیری میں فراست نوجوانوں کا شباب
دل کے بہلانے کا ساماں بہرِ طفلاں ہو گئیں

تاکہ مخلوقات کو حاصل ہو لطفِ زندگی
جملہ محسوسات کے باطن میں پنہاں ہو گئیں

ایک عالم ان کی رعنائی کا منتظر بن گیا
ساتھ ہی وہ ذرہ ذرہ میں نمایاں ہو گئیں

خود بخود معجز کے دل پر رازِ وحدت کھل گیا
جس گھڑی تکلیف راحت دونوں یکساں ہو گئیں

{پچھلے صفحہ سے}

جبکہ خود کیتھ اپنی تمام کامیابی کو شیرمادری کا طفیل سمجھتا تھا۔

ذرا دیر میں اُس کا رجحان خیال بدل گیا اور کسی قانونی نکتہ پر اُس کے ضمیر کو خلش ہوئی۔ اگرچہ ہمہ دانی کا دعویٰ عام ہونے کی حیثیت سے کیتھ میں بھی تھا تاہم اُس کو یقین کامل نہ تھا کہ اس خاص مسئلہ میں اس کا مشورہ صحیح تھا۔ قوت فیصلہ ہونا اور ایک فیصلہ پر پہنچنے کے بعد باوجود شبہات کے اس کو صحیح تسلیم کرنے پر قادر ہونا ایک وکیل کی اہم خصوصیات ہیں اور جن کے بغیر وہ اس پیشہ کے قابل نہیں ہو سکتا۔

کیتھ عمر کے ساتھ زندگی کے تمام معاملات میں مستحکم اور فیصلہ کن عمل کا معتقد ہوتا گیا۔ خیال اور عمل کو ہم معنی سمجھتا۔ عمل مقدم تھا۔ اور تمام شبہات پس و پیش اور جذباتی کیفیات جن کی زیادتی عمر متقاضی ہے بعد کی باتیں تھیں۔

اُس کے چہرے پر ایک شاطرانہ تبسم نمودار ہوا جس طرح آتش دان میں مختلف انداز ... اور یہ تبسم طاری ہونے والی غنودگی میں گم ہو گیا اور وہ سو گیا۔

ذرا دیر میں اُس نے کچھ محسوس کیا اور بلا توجہ بولے کہا۔ کیا ہے؟ کسی کی آہٹ سنائی دی۔ اُس نے لمپ کی روشنی تیز کر دی ... کون ہے؟

دروازے پر کسی نے کہا۔ کوئی اور نہیں میں لاری" جواب کے لہجے کی تاثیر تھی یا نیند سے ابھی جاگنے کا سبب کہ وہ کانپ اٹھا اور کہا:

"میں سو گیا تھا۔ اندر چلے آؤ"

یہ بات بھی قابل غور ہے کہ نہ تو وہ اٹھا اور نہ منہ پھیر کر دیکھا۔ یہ معلوم ہونے پر کہ آنے والا کون ہے۔ بلکہ وہ بدستور اپنی نیم باز آنکھیں آتش دان پر جمائے اپنے بھائی کے سامنے آنے کا منتظر رہا۔

لارینس ڈارنٹ کی ملاقات ایک نعمت تھی، جو بے وقت نہ تھی۔ کیتھ کو اُس کے سانس کی آواز آ رہی تھی اور شراب کی بو اُس کے دماغ کو آشنا کر چکی تھی۔ کم سے کم یہاں آنے پر تو اُس کو شراب سے اجتناب کرنا چاہئے تھا۔

یہ ایک طفلانہ حرکت ہے جس میں تہذیب کا شائبہ بھی نہیں اور اُس نے کڑک کر کہا۔ کیوں لاری کیا ہو یہ ایک راز تھا۔ اُسے خود تعجب تھا کہ اس نے اسے اپنا ولی TRUSTEE کیوں بنایا اور اس رشتہ کو اس قدر مضبوطی سے کیوں تھامے ہوئے ہے وہ اپنے بھائی کی تمام خرافات کو برداشت کرنے پر مجبور ہے یا یہ صرف خون کا تعلق ہے یا کوہستانی وفاداری ہے جو خاندانی تعلقات میں کارفرما ہے۔

جو کچھ ہو یہ قدیم صفت ہے جو آجکل مفقود ہے اور جو انصاف کی نظر میں کمزوری کا مُرادف ہے لیکن یہی ایک چیز ہے جو اُس کے اور ایک کم بخت

انسان کے درمیان بندھن تھی۔ اس نے ذرا نرمی سے کہا: تم آ کر بیٹھ کیوں نہیں جاتے ہو؟ لاری اندر آ رہا تھا مگر روشنی کے دائرے سے باہر باہر دیواروں سے قریب ہوتا ہوا۔ اس کا جسم تا بہ کمر اب بھی روشنی میں تھا لیکن چہرہ سایہ میں تھا۔ اور انسانی چہرے کی بجائے ایک سیاہ بھوت کا چہرہ نظر آتا تھا۔

"کیا تم بیمار ہو" سر اور ہاتھ کو جنبش دینے کے علاوہ کوئی جواب نہ ملا۔

شراب کی بو اب اور زیادہ تیز ہو گئی۔ اور کیتھ نے خیال کیا۔ یقیناً وہ نشہ میں ہے۔ اور اگر تہذیب برقرار نہ رکھ سکا تو یہ نئے ملازم کے سامنے بُرا ہو گا۔

دیوار کے قریب والے انسانی خاکہ نے ایک آہستہ دھیمی، جو ایک مغموم دل کی صحیح ترجمان تھی جس نے کیتھ کو عسرت کے ساتھ بات کی تہ تک پہونچا دیا۔ پُر اسرار خاموشی کو سمجھ گیا۔ اٹھ بیٹھا اور آگ کی طرف کو جھکا اور ایک جذباتی کشمکش کے ساتھ بلا کسی بناوٹ کے کہنے لگا۔ اے بھائی کیا سبب ہے، کیا کسی کو قتل کر کے آئے ہو جو اس طرح خاموش ہو۔ ایک لمحہ تک کوئی جواب نہ ملا۔ سانس کی آمد و رفت بھی بند ہو گئی تب اس نے آہستہ سے کہا: جی ہاں

مصیبت کے وقت واقعیت سے سہل انگاری انسان کا ساتھ دیتی ہے۔ چنانچہ کیتھ نے پُرجوش لہجہ میں کہا: "خدا کی قسم تم شراب میں بیخود ہو" لیکن پھر بے چین ہو کر "تمہاری خاموشی کا کیا مطلب ہے۔ میرے قریب آؤ تاکہ میں تم کو دیکھ سکوں لاری کیا بات ہے کیا معاملہ ہے؟

ایک فوری جنبش کے ساتھ وہ بڑھا اور تاریکی کی پناہ چھوڑ کر روشن دائرے میں آ کر ایک کرسی پر بیٹھ گیا۔ اور دوسری مرتبہ سرد آہ کھینچی اور کہا۔

"کیتھ جو تم نے کہا بالکل سچ ہے"

یہ سنکر کچھ جلدی سے آگے بڑھا اور خود بھائی کے چہرے کو دیکھا اور ایک لمحہ میں خون ناحق کو تاڑ گیا ان آنکھوں کے انداز سے کوئی شخص بھی دھوکہ نہ کھا سکتا تھا۔ جو پریشان کن استعجاب کی جولانگاہ تھیں اور چہرے کی غمازی کر رہی تھیں، گویا مصیبت کی سچی تقویر بنی ہوئی تھیں۔ اسوقت رحم کے جذبات غصہ اور استعجاب میں مبدل ہو گئے ... خدا کے لئے بتاؤ کہ یہ کیا طوفان بدتمیزی ہے؟" غصے کے باوجود اُس نے اپنی آواز کو دبا لیا۔ لارنس کے نحیف شانے پر ہاتھ رکھ کر کیتھ نے کہا: "اچھا لاری اپنے اوسان درست کرو اور اس غیر معمولی پریشانی کو دور کرو"

"یہ سچ ہے جو کچھ میں نے کہا۔ میرے ہاتھوں سے ایک شخص مارا گیا ہے"

دفعتاً لارینس ہاتھ ملنے لگا۔ یہ حرکت اس قدر حسرتناک تھی کہ جسے دیکھ کر کیتھ کانپ اٹھا "تم یہاں کیوں آئے۔ اس نے کہا اور اس کا اظہار کیوں کیا؟" لاری کے چہرہ کا رنگ متغیر ہو رہا تھا اور بعض حالات میں وہ انسانی چہرہ معلوم

ہوتا تھا۔

"تب میں کس سے کہتا۔ مجھے بتاؤ کیتھ میں اب کیا کروں۔ یہی منشا میرے یہاں آنے کا ہے۔ اقبال جرم کروں یا کیا کروں؟"

اس معاملے کی بات چھڑتے ہی۔ کیتھ کے دل میں ایک ٹیس لگی۔ کیا یہ باتیں حقیقت پر مبنی ہیں۔ لیکن اس نے نہایت سنجیدگی سے کہا۔

"مجھے بتاؤ کہ یہ واقعہ کیونکر گذرا؟"

اس سوال نے لاری کو گویا ایک خوفناک خیالی خواب سے چونکا دیا۔

"کب ایسا ہوا؟"

"کل رات"

لاری کا چہرہ حسب عادت اب بھی ایک طفلانہ معصومیت کا آئینہ بنا ہوا تھا۔ ایسے شخص کو عدالت سے کیا نسبت۔ کیتھ نے بے چینی سے کہا۔

"کب۔ کیونکر؟۔ خاموشی سے تمام قصہ شروع سے آخر تک سناؤ۔ ایک پیالی قہوہ پی لو۔ تمہاری پریشان خاطری دور ہو جائے گی۔

لارنس نے ایک چھوٹی نیلی پیالی اٹھا کر جلدی سے پی ڈالی۔ "ہاں تو" اس نے کہا۔

"کیتھ واقعہ اس طرح ہے کہ ایک لڑکی ہے جس کو میں کچھ عرصے سے جانتا ہوں"

کیتھ نے دل میں کہا۔

"عورتوں کی داستان ... ... اچھا"

"اس کا باپ اُسے ۱۶ سال کی عمر میں چھوڑ کر مر گیا۔ وہ تنہا رہ گئی۔ ایک امریکن اوباش ہستی ویلمن نے جو اسی مسافر خانہ میں رہتا تھا۔ اس سے شادی کر لی۔ یا محض شادی کا بہانہ کیا۔ کیتھ یہ لڑکی نہایت ہی حسین ہے۔ اچھا تو یہ شخص جب کہ وہ ایک چھ ماہ کی بچی کی اور ایک اور آنے والے بچے کی ماں بن چکی تھی اُسے چھوڑ کر بھاگ گیا۔ دوسرا بچہ مُردہ پیدا ہوا۔ جس نے اس کی جان کو بھی خطرہ میں ڈال دیا تھا۔ کچھ دن اُس نے نہایت مصیبت اور فاقہ کشی میں بسر کئے اور پھر ایک دوسرے کی ہو کر رہنے لگی ... ... دو سال کے بعد ویلمن لوٹا اور اُسے بھی زبردستی اپنے ساتھ رکھا۔ یہ ظالم ہمیشہ اس کو بُری طرح بالکل بے خطا مارتا تھا۔ یہاں تک کہ پھر ایک بار چھوڑ کر بھاگ گیا ... ... جب کہ میری اس سے ملاقات ہوئی اُس کی بڑی بچی بھی ضائع ہو چکی تھی اور وہ خود بالکل ہرجائی ہو چکی تھی"

اس قدر کہہ کر اس نے دفعتاً کیتھ کی طرف دیکھا۔

"لیکن میں قسم کھا کر کہتا ہوں کہ میں نے اس سے زیادہ حسین اور وفادار عورت نہیں دیکھی۔ عورت کیا! اس وقت بیس سال کی عمر ہے جب میں کل رات اس کے پاس گیا تو وہ جانور ... ... وہی ویلمن پھر آ گیا تھا اور تلاش کرنے چلا آیا تھا۔ اور جب وہ گلا دبانے لگے ارادہ سے میری طرف بڑھا ... ... تو دیکھو"

یہاں تک کہہ کر اس نے ماتھے پر ایک چوٹ کا نشان دکھایا۔

"میں نے اس کا گلا دبا لیا۔ اور جب میں چھوڑتا ہوں ... ... تو۔۔۔"

"ہاں۔ تو کیا؟"

"مُردہ ۔۔۔۔ مجھے اس کا علم بعد کو ہوا کہ پیچھے سے وہ بھی اُسے چمٹی ہوئی تھی"

یہ کہکر پھر اس نے اپنے ہاتھ افسوسناک انداز میں ملے اور کیتھ سے خشک لہجے میں کہا۔

"تب تم نے کیا کیا؟"

"ہم دونوں لاش کے پاس بیٹھے ... ... ہاں بہت دیر تک بیٹھے رہے۔ بعد میں میں اُسے اپنی کمر پر لاد کر سڑک پر لے گیا۔ اور ایک موڑ پر پھاٹک کے قریب ڈال آیا"

"کتنے فاصلے پر؟"

"تقریباً ۵۰ گز"

"کوئی وہاں ... ... کسی نے دیکھا یا نہیں؟"

"بالکل نہیں"

"وقت کیا تھا؟"

"تین بجے"

"اور تب"

"پھر اُس کے پاس واپس چلا گیا"

"خدا کے لئے یہ کیوں ... ... کیا کیا؟"

"وہ تنہا اور خوف زدہ تھی ... ... اور میں بھی"

"یہ جگہ کہاں ہے؟"

"۴۴ بارو اسٹریٹ ساھو"

"اور وہ پھاٹک"

"مگو لین کے موڑ پر"

"خدا کی پناہ ۔۔۔۔ میں آج ہی خبر میں پڑھ چکا ہوں"

کیتھ نے فوراً اخبار اٹھا کر وہ سطور پڑھیں۔ "ایک شخص کی لاش مگو لین پر پائی گئی جس کے قریب کے نشانات مجرمانہ پُرخطر شبہات کے حامل ہیں۔ جامہ تلاشی خوب کر لی گئی ہے اور شناخت میں مدد دینے والی کوئی چیز نہ مل سکی"۔ صحیح معنوں میں قتل ہے۔ اور اسکا اپنا بھائی! ۔۔۔ رُخ بدل کر کہا۔

"تم اخبار میں بھی پڑھ کر سوتے رہے"

کیتھ۔ اگر میں نے پڑھا ہوتا تب ہی تو آتی ... نے جواباً کہا۔

اس موقعہ پر کیتھ بھی کف افسوس مل رہا تھا۔

"کیا تم نے کوئی چیز لاش سے چرا لی تھی!"

(باقی صفحہ ۱۷ پر)

{از جناب شوکت تھانوی}

{خاص تیج ویکلی کیلئے}

خدا اپنے ہر بندے کو دولتِ اختلاجِ قلب سے مالا مال کردے ع

ایں دعا از من و از جملہ جہاں آمین آباد

بات یہ ہے کہ جناب یہ خاکسار کوئی خود غرض تو ہے نہیں کہ ایک نعمتِ عظمیٰ کے جملہ حقوق اپنے نام محفوظ کرالے، اور اپنے علاوہ دنیا میں کسی اور کو اختلاج قلب کے مرض میں مبتلا ہی نہ ہونے دے۔ ہم تو یہ چاہتے ہیں کہ ہمارے تمام احباب و اعزہ کو، ہمارے تمام ہمدردوں اور غمگساروں کو اور ہر دوست اور دشمن کو اگر خدا کسی مرض میں مبتلا کرے تو وہ مرض اختلاج اور صرف اختلاج ہو۔ بلکہ اگر کسی شخص کی قسمت میں کوئی بھی مرض نہ لکھا گیا ہو صرف تندرستی ہی لکھی ہوئی ہو تو بھی اس کو خداوند عالم اپنے خزانۂ غیب سے اختلاج قلب عطا کردے،

ہم اختلاج کے پرانے مریض ہیں اتنے پرانے کہ ع

عمر گزری ہے اسی دشت کی سیاحی میں

اور اسی مرض کی بدولت دنیا کے جو لطف ہم نے اٹھائے ہیں اُس کو یا تو ہم جانتے ہیں یا دوسرے اہلِ اختلاج جانتے ہوں گے۔ بہتر سے بہتر غذا کھائیے۔ ایک سے ایک لاجواب پھل اپنی تمام شادابیاں لئے ہوئے دستِ نازک پلیٹ کے اندر رکھا ہوا آپ کی خدمت میں حاضر رہے گا۔ انگور، انار، سیب، سنگترہ، اسرد، مختصر یہ کہ جملہ انواع و اقسام کے شلجب اور شیریں مفرح اور لذیذ پھل ہوں گے۔ خوشبودار تر تراتا ہوا گاجر کا حلوہ جس میں برابر کا میوہ ہوگا اور پرسے چاندی کے ورق، خوشبو ایسی کہ معدہ اپنا منہ کھول دے سیب کا مربہ ورق نقرہ، بہیدانہ، مخوند۔ اعلیٰ درجے کے ٹھنڈے خوشبودار اور میٹھے شربت، پھر ہر ایک پر حکومت کیجئے، ہر ایک چھوٹے بڑے کو اپنے اختلاج سے مرعوب کیجئے دفتر سے چھٹی لے کر چارپائی پر پڑے رہیئے کہ تو یا اختلاج کا مرض پیدا کیجئے اور دنیا میں جنت کا لطف حاصل کیجئے زندگی کو زندگی بنایئے، اور جنت سے جلد اُس کر جنت میں داخل ہو جایئے، یہ ہمارا ذمہ کہ اگر ایک مرتبہ بھی اختلاج کی چاٹ آپ کو لگ گئی تو پھر آپ ہی یہ دعا کریں گے کہ خدا کرے اس مرض میں افاقہ نہ ہو ع

قرار ہو نہ دلِ بے قرار کو یارب!

ہماری زندگی اور کسی حیثیت سے خواہ کتنی ہی عبرت انگیز کیوں نہ ہو مگر اس حیثیت سے یقیناً قابلِ رشک ہے کہ ہم بفضلہ اختلاج کے مریض ہیں اور اپنے اس مرض کو ہم نے اس قدر تحریف آمیز بنا کر کھا ہے کہ ہمارے لئے ہر ایک دست بدعا رہتا ہے کہ خدا ہم کو شفائے کامل عطا فرمائے گو یہ بار دعا اس لئے قبول نہیں ہوتی کہ خود ہم ہر وقت یہی دعا کرتے ہیں کہ جیتے جی اس مرض سے خدا ہم کو محروم نہ رکھے

شادی سے قبل اور تعلیمی زمانہ میں تو خیر اس مرض سے آشنا ہی نہ تھے۔ ہوتا تھا کہ اسکول سے چھٹی مل جاتی تھی اور گھر پر بھی دیرہ سے ہماری ہر وقت تواضع ہوتی تھی مگر شادی کے بعد تو یہ پتہ چلا کہ اگر کسی فرمانبردار بیوی کے شوہر کو خدا نے اختلاج کی دولت سے مالا مال کیا ہے اور اس اختلاجی شوہر میں ذرا بھی عقل ہے تو وہ شاہی کر سکتا ہے گھر بیٹھے اور اپنا ایسا رعب قائم کر سکتا ہے کہ سوسینی بھی دیکھے تو ششدر رہ جائے۔ ہوتا یہ ہے کہ دفتر سے آئے ہیں اور اختلاج قلب کی رعایت سے نوا کہات سے ناشتہ کرنے کے بعد گاجر کے حلوے سے شغل فرما رہے ہیں۔ کہ بیگم صاحبہ نے سال رواں کا بجٹ پیش کرتے ہوئے یہ شکایت کی کہ خرچ بڑھتا ہی جاتا ہے۔ ۔ آمدنی کی کوئی صورت پیدا نہیں ہوتی۔ رہی مقررہ تنخواہ ہے اور خرچ کی غیر محدود مدیں ہمارا ہی کہ پیچھا نہیں چھوڑ تیں۔ روز افزوں کا مطالبہ بڑھتا ہی جاتا ہے لائف انشورنس کمپنی والے صبر کر کے بیٹھ رہے ہیں اور پالیسی ختم ہوگئی ہے۔ بچوں کے اسکول کی فیس الگ کھائے جاتی ہے اور اب اندر کھے پاس ہوئے ہیں تو نئی کتابوں کی فکر ہے نوکروں کی تنخواہ کا قصہ یہ ہے کہ ۔۔

ہم نے بات کاٹ کر کہا ۔

بیگم یہ تو بتاؤ کہ آخر میں کیا کروں۔ تم جانتی ہو کہ میں مریض ہوں۔ اپنی زندگی سے عاجز۔ جو کچھ میں کر رہا ہوں اس کو میں ہی خوب جانتا ہوں۔ میری جگہ اگر کوئی اور ہوتا تو پل کے پانی نہ پیتا؟

بیگم نے عاجزی سے کہا۔ یہ تو ٹھیک ہے مگر آپ ہی بتایئے کہ میں کیا کروں اور کس سے کہوں۔ اب یہی دیکھئے کہ اسلم میاں کے یہاں آج ہی کل میں ولادت ہونے والی ہے۔ مجھ کو چاہیئے تو یہ کہ ماں باپ اور بچے کو جوڑے دوں اور ۔۔ ۔۔ ۔۔

ہم نے اُلجھ کر کہا۔ میں اپنی زندگی سے ہاتھ دھوئے بیٹھا ہوں اور آپ کو جوڑوں کی پڑی ہے۔ اُف ۔۔ ۔۔ اُف ۔۔ ۔۔ اوہ!

ہم نے بدحواس ہو کر ٹہلنا شروع کیا اور بیگم بیٹھے بیٹھے بدحواس ہوگئیں، ہم کو مصلحتاً اختلاج شروع ہوا۔ اُن کا دل سچ مچ دھڑکنے لگا۔ ہم ٹہلتے ٹہلتے چارپائی پر بیٹھے اور قمیص کے بٹن کھول کر وحشت ناک صورت بنا کر لیٹ گئے۔ انھوں نے خود پنکھا جھلنا شروع کیا اور ملازمہ کو ہدایت کی کہ فوراً برف ملا کر بید مشک کا شربت تیار کرے۔ ملازمہ نے گھر بھر میں یہ خبر کر دی کہ میاں کو اختلاج کا دورہ ہوا ہے، اور گھر کا ہر چھوٹا بڑا ہماری خدمت میں حاضر ہوگیا۔ کوئی شربت پلا رہا ہے کوئی پنکھا جھل رہا ہے کوئی برف توڑ توڑ کر کھلاتا ہے اور زیادہ تر لوگ بیگم کا ناطقہ بند کئے ہوئے ہیں، کہ آخر ہوا کیا تھا، اور وہ بیچاری ہیں کہ چور سی بن کر رہ گئی ہیں۔ ہر ایک ان کو ہی قصوروار سمجھ رہا ہے کہ آخر تم نے ان سے ایسی فکر پیدا کرنے والی باتیں کہی کیوں؟ وہ غریب ہر ایک کو سمجھا رہی ہیں اور کا مایوسی ہو رہی ہے۔ کسی کے ہاتھ میں انار ہے تو کوئی سیب لئے کھڑا ہے۔ کسی کو خس کا عطر سونگھانے کی سوجھی ہے تو کوئی سر سہلا رہا ہے۔ پنکھا ہے کہ برابر جھلا جا رہا ہے۔ برف ہے کہ برابر کھلائی جا رہی ہے شربت ہے کہ جتنا چاہیں ہم پیئیں۔ یہاں تک ہم کو سکون ہوا اور ہم آنکھیں بند کر کے چپکے لیٹ ۔ رہے۔ ہمارا مطلب تو یہ تھا کہ دن بھر کے تھکے ہوئے دفتر سے آئے ہیں ذرا دیر پنکھا جھلا کر سو رہیں اور ہمارے تیمار داروں کی بھی یہی مرضی تھی کہ ہم کو نیند آجائے۔ لہٰذا ان عشرتوں کے ساتھ ہم سو گئے۔ اور گھر بھر میں ہماری نیند کے اہتمام کے لئے سناٹا کر دیا گیا کہ کوئی زور سے نہ بولے کوئی ایڑی سے نہ چلے سب پنجوں کے بل چلیں کسی برتن کو زور سے نہ رکھا جائے کوئی دروازہ ہولے آواز کے ساتھ بند نہ ہو۔ اور کوئی بھی ہم پر نہ بیٹھے مختصر یہ کہ کوئی ایسی بات نہ ہو کہ ہماری نیند اُچاٹ ہو سکے۔ ظاہر ہے کہ ایسی نیند کس کو میسر ہو سکتی ہے۔ ہم سوئے اور جی بھر کر آرام کی نیند سوئے، اب جو دو گھنٹے کے بعد سو کر اٹھے تو بیگم کا طرز عمل ہی دوسرا تھا۔ یا تو وہ اقتصادی مرثیہ پڑھ رہی تھیں یا ہم کو بیدار دیکھتے ہی نہایت شفقت سے بولیں۔

”سو چکے آپ“

ہم نے انگڑائی لیتے ہوئے کہا: جی ہاں کیا بہت دیر سویا؟

بیگم نے کہا: نہیں تو کوئی دو گھنٹہ سوئے ہوں گے آپ ۔ اچھا اب کچھ کھایئے گا:

ہم نے تکلف سے کام لیتے ہوئے کہا ”کچھ دل نہیں چاہتا“

بیگم نے کہا۔ ایک آدھ سیب یا سنگترہ یا یہ دیکھئے میں نے آپ کے لئے چقندر کے کچالو بنائے ہیں انگور بھی رکھے ہیں“

ہم نے کہا ”پیاس معلوم ہو رہی ہے“

بیگم نے مدارات سے کام لیتے ہوئے کہا ”تو پھر آب شربت پیجئے۔ بتایئے نارنج کا شربت بناؤں یا صندل کا یا کوئی بوتل کھلوا دوں:“

ہم نے کہا: خالی پانی پلوا دیجئے شربت کون پیئے

بیگم نے کہا ”اچھا تو پھر آپ لیمونیڈ کی بوتل پی لیجئے“

ہم نے کہا ”لایئے تو وہی سہی“

لیمونیڈ کی بوتل پی کر چقندر کے کچالو کھائے ۔۔

اب گھر کا ہر شخص فرداً فرداً خیریت مزاج پوچھنے کے لئے آنے لگا۔ کسی نے ”تاش کھیلنے“ کا مشورہ دیا تاکہ دل بہلے۔ تو کسی نے یہ رائے دی کہ ہم دفتر سے ایک آدھ روز کی چھٹی لے لیں۔ کسی نے تفریح کے لئے جانے کو کہا تو کسی نے کوئی حبشی کا نقشہ سنا کر دربار داری کے فرائض کو انجام دیا کوئی گراموفون لے کر بیٹھ گیا اور کسی نے حبش اور اٹلی کی جنگ چھیڑ دی مختصر یہ کہ رات کو اس وقت تک ہمارا یہ دربار لگا رہا جب تک کہ سونے کا وقت نہیں آگیا اور آخر ہم اسی شاہانہ ٹھاٹھ کے ساتھ بادشاہوں کی نیند سو گئے۔

اب چونکہ ہم کو اختلاج کا دورہ ہو چکا تھا لہٰذا ہمارے لئے یہ ضروری سمجھا گیا کہ دفتر سے تین روز کی رخصت حاصل کرلی جائے۔ بتایئے کہ کیا برے رہے ہم اس طرح پھر گھر پر یہ حال کہ اب چاہے کوئی مر بھی جائے (باقی اگلے صفحہ پر)

پچھلے صفحہ سے

گر ہم کو اس کا غم اٹھانے کی زحمت کوئی نہیں دے سکتا۔ عزیز و اقرباء کی اموات بچوں کی بیماریاں۔ خاندانی معاملات اور بیرونی سانحات کی اطلاع بھی ہم کو نہیں ہو سکتی بلکہ وہ بدستور سلسلہ چھپاتی ہے کہ شہزادہ اعزاز و صاحب نے پتنگ کے مشق میں کوٹھے کے اوپر سے چھلانگ کر اقدام خودکشی کیا اور گھر بھر اس حادثہ کے باعث بدحواس ہو گیا تو بیگم کی حالت پاگلوں کی سی ہو گئی اور گھر سے لے کر باہر تک ایک کہرام مچ گیا۔ ان حضرت کی مرہم پٹی ہوئی۔ غرضیکہ سب کچھ ہو گیا مگر ہم کو اس کی خبر اس لئے نہیں ہو سکتی کہ مبادا اختلاج کے باعث ہمارا دم نکل جائے۔ اور صاحبزادے کا یہ حادثہ ہمارے لئے موت کا پیغام بن جائے۔ لیکن اگر انتہائی احتیاط کے باوجود ہم کو اس حادثہ کے متعلق کچھ علم ہو جائے اور ہم اس کے متعلق بیگم سے تصدیق کریں تو وہ اپنے وحشت ناک چہرہ کو زبردستی بشاش بنا کر اپنے اضطراب کو اطمینان کے بہروپ میں پیش کر کے اپنی ہر دلی صورت کو تبسم زار بنا کر یہ کہیں گی کہ ۔

"کچھ بھی نہیں وہ چبوترے کے اوپر سے گر پڑا اور ذرا سا ہاتھ چھل گیا ہے"

مسخر اس کو کہتے ہیں کہ کوٹھے کو چبوترا بنا دیا گیا اور سر پھٹ جانے کو ملنے کا چھلنا ظاہر کیا گیا۔ ظاہر ہے کہ اس اطلاع کے بعد ہم کو اختلاج میں مبتلا ہونے کی کوئی ضرورت باقی نہیں رہتی۔ ورنہ اگر خدانخواستہ ہم کو اختلاج کا مرض نہ ہوتا تو یقین جانئیے کہ اسی کوٹھے کو جو چبوترا ظاہر کیا گیا ہے یہی بیگم صاحبہ کوہ ایورسٹ ثابت کرتیں اور یہی سر کا پھٹنا جو ملنے کا چھلنا بتایا گیا ہے سر کا دو حصوں میں مساوی طور پر تقسیم ہو جانا کہا جاتا۔ اور پھر ہم اس اطمینان کے ساتھ چارپائی پر نشست کر انگوٹھا دکھا رہے ہوتے۔ بلکہ صاحبزادے کے سر کے ٹوٹنے کی سزا میں ہماری ٹانگیں اس طرح توڑی جا رہی ہوتیں کہ ایک پیر گھر میں ہوتا اور ایک اسپتال میں۔ ایک طرف ڈاکٹر کے یہاں دوڑنے کا مشورہ دیا جاتا اور دوسری طرف دوا فروش کے یہاں جانے کا حکم۔

کبھی بیگم کو سمجھانا پڑتا، کبھی مجروح بچے کو، وہ کہتیں کہ خدا ہی اس کو بچائے اور ہم کو کہنا پڑتا کہ خواہ مخواہ تم نہ رو خدا کے فضل سے وہ بالکل اچھا ہے وہ کہتیں کہ خون اب تک جاری ہے اور ہم ان کو سمجھاتے کہ اس خون کا بہہ جانا ہی اچھا ہے۔ وہ کہتیں کہ کمزور کتنا ہو گیا ہے اور ہم کو ثابت کرنا پڑتا کہ یہ کمزوری اس کے حق میں اچھی ہے۔ وہ پوچھتیں کہ ڈاکٹر کیا کہتے ہیں اور ہم کو ڈاکٹروں کی طرف سے فی البدیہہ خدا جانے کیا کیا تصنیف کرنا پڑتا۔ راتوں کو بچہ کی تکلیف کی وجہ سے جاگتا تو ہم کو بھی جاگنا پڑتا بیگم کہتیں کہ میں تیمارداری کرتے کرتے تھک گئی ہوں تو ہم کو ان کی تیمارداری شروع کرنا پڑتی۔ بیگم علاج کے سلسلہ میں روپیہ کی کمی کا رونا روتیں تو ہم کو روپیہ لانے کے لئے خدا جانے کس مقدمہ سازش میں شریک ہونے کے متعلق غور کرنا پڑتا۔ مختصر یہ کہ ایک آفت ہوتی، ایک مصیبت ہوتی، ایک قیامت ہوتی۔ مگر اب یہ معلوم ہوا ہے کہ چبوترے پر سے لڑکا گر پڑا ہے اور سر ذرا سا چھل گیا ہے۔ لیجئے۔ کوئی بات ہی نہیں ہوئی۔ ہم خوش ہمارا خدا خوش ہم نے بھی بحیثیت باپ کے مشورہ دے دیا کہ ذرا سا ٹنچر لگا دینا ورنہ گرمی کا زمانہ ہے کہیں مواد نہ پڑ جائے۔

اس قسم کے ایک دو نہیں سیکڑوں حادثات سے خدا ہم کو بچاتا ہے پھر سب سے بڑی بات یہ کہ خواہ بیگم کے پاس کوئی کوڑی بھی نہ ہو اور تمام گھر کا کارخانہ قرض پر چل رہا ہو مگر وہ بیچاری یہ نہیں کہہ سکتیں کہ خرچ کی تکلیف ہے۔ ہماری تمام فرمائشیں تو خیر شاہانہ دریادلی کے ساتھ پوری ہوتی ہی ہیں مگر ہماری ذات کے علاوہ گھر میں جو کچھ ہوتا ہے۔ اس کا علم ہم کو اس بادشاہ کی طرح بالکل نہیں ہوتا جس کی حکومت کا تمام انتظام وزراء کے ہاتھ میں ہوتا ہے اور وہ محض شاہی کرتا ہے۔

اگر جناب ہم کو یہ مبارک مرض نہ ہوتا تو آپ جانتے ہیں کہ یہی ہماری سیدھی سادی نیک بیوی جو بظاہر فرمانبرداری کا ایک نمونہ اور شوہر کی اطاعت کی ایک قابل تقلید مثال بنی ہوئی نظر آتی ہیں کیا کرتیں؟ یہ ہمارا ناطقہ بند کر دیتیں۔ اور ہماری زندگی اس حد تک وبال بنا دیتیں کہ ہم ہر وقت خودکشی کی تدابیر پر غور کرتے مگر دل سے دعا نکلتی ہے اس اختلاج کے لئے کہ اس نے ہماری تمام مشکلیں آسان کر رکھی ہیں اور ہماری زندگی کو تفکرات سے قطعاً بے تعلق بنا کر ایک فردوسی زندگی بخش رکھی ہے۔ گویا ہم کنول رہا ہے کسی لا ابالی خاندان کے چشم و چراغ کو۔

فرمائیے کہ آپ کے لئے اختلاج کا مرض پیدا ہونے کی دعا کی جائے۔ امتحاناً آپ فرضی طور پر ہی اختلاج کے مریض بن کر دیکھئے کہ آپ کی کشتی جو ڈگمگا رہی ہے گھر بھر کا نقشہ ہی نہ بدل جائے تو راقم خاکسار کو نہ کہئے گا :

ایک ارمان

(از جناب سید وفادار حسین وفا ایم ایس سی ایل ٹی)

(خاص تیج ویکلی کے لئے)

ایک ارماں تھا الٰہی جو ہلال بن کر — اور اک خون ہوا اپنی ہی محفل بنکر
خستہ دل یک میں چمکا ہی جگنو بن کر — وہی ارماں گرا آنکھ سے آنسو بنکر
کچھ نہیں یاد تھا بھولا ہوا افسانہ تھا
یا تری بزم کا اک سوختہ پروانہ تھا
اک تماشے نے کیا کام مسیحائی کا — جوش میں آگیا دل تیری تمنائی کا
حوصلہ تازہ ہوا پھر کی جبیں سائی کا — سر میں سودا ہوا پھر تیری شناسائی کا
پھر وہ چمکا وہ خورشید کا ہمسر بن کر
گوہر شہوار بنا حسن کا زیور بن کر

✦ ✦ ✦ ✦ ✦

ہندوستان میں سڑکوں کی حفاظت کا مسئلہ

ربڑ ٹائر اور لوہے کے پہیہ کی ٹریفک کو الگ الگ کرنے کی اسکیم

حکومت اور عوام کے لئے سڑکوں کے مصارف و تصادم کم کرنے کی تدبیریں

(ایک ماہر مسٹر ایچ ای آرمیروڈ H. E. ORMEROD کے قلم سے)

..... (ترجمہ خاص برائے تیج ویکلی دہلی) .....

سڑکوں کے مصارف اور ان کے خطرات کو حتی الوسع روکنے اور کم کرنے کے لئے انگلستان اور دیگر مغربی ممالک میں ہر قسم کی سواریوں اور ذرائع آمد و رفت کے لئے مختلف قسم کی سڑکیں بنائی گئی ہیں۔ مثلاً موٹروں کی سڑک علیحدہ ہے ٹھیلوں اور بھاری سواریوں اور ذرائع آمد و رفت کے لئے علیحدہ سڑکیں ہیں۔ بائیسکلوں کا راستہ الگ ہے غرض ہر ایک کے لئے جداجدا انتظام ہے۔

ہندوستان میں سڑکوں کے حادثات بہت بڑھ رہے ہیں بالخصوص موٹر لاریوں اور موٹروں کا تصادم تو کچھ سالوں میں بہت ہی شدید اور ہولناک صورت اختیار کر گیا ہے اور اس امر کی سخت ضرورت محسوس کی جا رہی ہے کہ ٹریفک کو حادثات کو روکنے کے لئے مختلف سڑکوں اور جداگانہ راستوں کی تعمیر کا سوال ہندوستان میں بھی اٹھایا جائے۔

ہندوستان میں فاصلے اور راستے بہت طویل ہیں وقت کی بچت اور آرام دہ سفر کے لئے عمدہ سڑکوں کا ہونا ضروری ہے لیکن طویل سڑکوں کی حفاظت و انتظام پر بہت زیادہ خرچ آ رہا ہے۔ اگر ذرائع آمد و رفت کے مطابق سڑکوں کو علیحدہ علیحدہ زمروں میں تقسیم کر دیا جائے تو صرف انتظام و حفاظت کا کام عمدہ طریقہ پر سر انجام پانے لگے گا۔ بلکہ کفایت بھی ہو جائے گی۔ اور کفایت اتنا بڑا فائدہ ہے کہ ہندوستان میں اس کی طرف توجہ کرنے کی فوری ضرورت ہے۔

ہندوستان میں موٹروں کی مد سے جس قدر بھی آمدنی ہوتی ہے وہ مرکزی حکومت کے عمومی خزانہ کی خندق میں جا کر غائب ہو جاتی ہے حالانکہ دوسرے ممالک میں موٹروں کی مد سے جس قدر بھی آمدنی ہوتی ہے اس میں سب سے پہلے سڑکوں کی تعمیر و حفاظت وغیرہ امور کے لئے روپیہ علیحدہ کیا جاتا ہے اور فاضل روپیہ اگر بچ جائے تو عام خزانہ کو دیا جاتا ہے لیکن ہندوستان میں سڑکوں کی تعمیر و حفاظت اور انتظام کی مد پر عام بجٹ سے جو رقم مل جاتی ہے وہ حکومت کے رحم و کرم پر ہے۔ ورنہ اصولی حیثیت سے سڑکوں کے لئے علیحدہ مد سے خرچ نہیں کیا جاتا۔ اس وجہ سے ہندوستان میں سڑکوں کی تعمیر و تنظیم کا معاملہ ایک بہت بڑی بے اصولی پر مبنی ہے۔

کچھ سال ہوئے کہ موٹر استعمال کنندگان نے اس بات کی کوشش کی تھی کہ موٹر استعمال کرنے کے مصارف کا ایک اندازہ لگایا جائے جس کا خلاصہ یہاں درج کیا جاتا ہے۔

(۱) موٹروں اور موٹر کی قسم کی تمام سواریوں پر جس قدر قسم کے محصول لگتے ہیں ان کا اندازہ

(۲) ان محاصل کو کون کون سے ادارے جمع کرتے ہیں اور کس کو اس مد سے کیا فائدے حاصل ہوتے ہیں۔

اگر بمبئی کے صوبہ کی مثال لی جائے تو اس کی تشریح حسب ذیل ہوگی یعنی موٹر کار کے استعمال اور موٹر کار رکھنے کے مصارف یہ ہوں گے۔

(۱) موٹر کار اور لاریوں اور دیگر پرزہ و سامان پر کسٹم کا محصول (۲) پیٹرول کا محصول۔

(۳) ڈرائیور کی لائسنس فیس۔

(۴) رجسٹری کی فیس۔

(۵) میونسپلٹی۔ لوکل بورڈ اور اسی قسم کے اداروں کے مقامی محصولات۔

ان محصولات کو دیکھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ گزشتہ بیس سال کے عرصہ میں محصولات میں کافی اضافہ ہو چکا ہے جس کی تفصیل حسب ذیل ہے:۔

کسٹم کے محصولات (موٹر کاروں پر)۔ ۱۹۱۳ء ۵ فی صدی۔ ۱۹۳۶ء ۳۰ فی صدی۔ انگریزی گاڑیوں پر اور ۴۰ فی صدی دیگر ممالک کی گاڑیوں پر۔

پیٹرول کا محصول ۱۹۱۳ء ایک آنہ چھ پائی۔ ۱۹۳۶ء میں ۵ ر ۷ آنہ محصول چنگی مع (۱ ر ۲) آنہ سڑک ٹیکس یا کل ملا کر ۱۰ آنہ

ڈرائیور کا لائسنس ۱۹۱۳ء میں دس روپے، دوبارہ لائسنس جاری کرنے کی فیس دو روپے۔ ۱۹۳۶ء میں بیس روپے اور اجراء کی فیس پانچ روپے تک بڑھ گئی۔

رجسٹری کی فیس (ذاتی استعمال کی گاڑیوں کے لئے) ۱۹۱۳ء میں تولہ روپے و اجراء کے لئے کچھ دینا نہیں پڑتا تھا۔ ۱۹۳۶ء میں چالیس روپے رجسٹری کی فیس اور اجراء کی فیس ۳۲ روپے۔

میونسپل ٹیکس ۱۹۱۳ء میں کچھ نہیں ۱۹۳۶ء میں ۶۰ روپے سے لے کر ۱۶۰ روپے تک بحساب وزن جو کسی ایک کار میں پایا جائے

اب ہم یہ دیکھنا چاہتے ہیں کہ اگر پٹرول کے ایک واحد محصول کے حساب سے ان تمام ٹیکسوں کو جانچا جائے تو کیا حساب پھیلتا ہے۔

حساب پھیلانے کے لئے ہمیں یہ فرض کرنا ہوگا کہ مثال کے طور پر ایک موٹر والے کو ایک مہینہ میں ۳۰ گیلن اوسطاً پیٹرول خرچ کرنا پڑتا ہے یعنی سال میں ۳۶۰ گیلن پیٹرول کا خرچ ہے اس حساب سے صورت حال کا معائنہ کیا جائے تو یہ اعداد و شمار حاصل ہوں گے۔

جب کار ملک میں داخل ہوئی (عام طور پر فورڈ لیٹ اور فورڈ کی موٹروں کی اقسام کو سامنے رکھ کر یہ نقشہ بنایا گیا ہے) تو کم از کم (۸۰۰) روپے دینے پڑے۔

ایک موٹر کار کی اوسط عمر چھ سال اگر فرض کی جائے اور یہ قیمت منہا کر کے دیکھا جائے تو درآمد کے محصول میں موٹر خریدنے والے کو (۳۳ ر ۱۳۳) روپے فی سال ادا کرنے پڑے۔

ایک سال میں اوسطاً (۳۶۰) گیلن پیٹرول فی کار کا حساب لگایا جائے تو یہ کسٹم ڈیوٹی (۳۳ ر ۱۳۳) روپے فی کار پیٹرول کے ٹیکس کے مساوی ہے یعنی $\frac{133/33}{360}$ = (۹۲ ر ۵) آنہ۔

پیٹرول کا ٹیکس پیٹرول ٹیکس مع پیٹرول روڈ ٹیکس اور محصول چنگی دس آنے فی گیلن شمار کیا جاتا ہے چنانچہ ایک موٹر والے کو ایک سال میں ۳۶۰ گیلن موٹر پیٹرول خرچ کرنے کی حالت میں ۲۲۵ روپے فی سال محصول بھی ادا کرنا پڑتا ہے۔

مقامی محاصل بمبئی شہر میں مقامی محصولات کی تفصیل یہ ہے:۔

ڈرائیور کا لائسنس۔	(پہلا سال)	۲۰ روپے
" "	(بعد کے سال)	۵ "

(یا چھ سال کی ایک معینہ مدت کے بعد) (۲۰ + ۵ × ۵) ۴۵ روپے

رجسٹری کے مصارف	(پہلا سال)	۴۰ روپے
" "	(بعد کے سال)	۳۲ روپے

(یا چھ سال کی ایک معینہ مدت کے بعد) ۴۰ + ۳۲ × ۵ = ۲۰۰ روپے

میونسپل ٹیکس بمبئی شہر میں میونسپلٹی کے محاصل سیڑھی کی طرح اوپر چڑھتے چلے جاتے ہیں یعنی ۶۰ روپے سے ۱۶۰ روپے تک اس کی مقدار کم و بیش ہوتی رہتی ہے اگر اوسطاً ۱۰۰ روپے فی سال فی کار لگایا جائے تو چھ سال کے عرصہ میں مصارف محاصل کا یہ نقشہ ہوگا:۔

$\frac{۶۰۰ \text{ روپے}}{۲۲۵ \text{ روپے}}$ جو برابر ہے (۳۳ ر ۱۴۰) فی سال کے۔

بمبئی شہر میں موٹر کاروں پر یکم اپریل ۱۹۳۶ء سے محصول ہٹا دیا جائے گا۔

صحیح طور پر تو اندازہ نہیں لگایا جا سکتا کہ بمبئی کے صوبہ میں کل محصولات کا اوسط کیا ہے لیکن یہ بخوبی معلوم ہے کہ تقریباً ۱۲ لاکھ روپیہ فی سال موٹروں سے حاصل ہوتا ہے اور رجسٹری شدہ موٹروں کی تعداد ۲۰ ہزار ہے۔ ان اعداد و شمار سے ہمیں حسب ذیل عدد حاصل ہوتا ہے:۔

۱۲ لاکھ روپے ÷ ۲۰ ہزار = ۶۰ روپے سالانہ

بہر کیف اگر (۳۶۰) گیلن فی موٹر فی سال پیٹرول کی کھپت کا حساب لگا کر موٹر رکھنے کے مصارف کا اندازہ لگایا جائے تو معلوم ہوگا کہ موٹر رکھنے والے کو یہ رقم ادا کرنی پڑتی ہے

(۱) ٹیکس پیٹرول دس آنے فی گیلن

(۲) کار پر درآمد کا محصول (۹۲ ر ۵) آنہ فی گیلن

(۳) مقامی محصولات: (۹ ر ۸) آنہ فی گیلن

کل میزان: (۸۳ ر ۲۴) آنہ فی گیلن

سوال یہ ہے کہ یہ تمام روپیہ کہاں جاتا ہے؟

پیٹرول پر ٹیکس ۱۰ آنہ فی گیلن! دس آنے میں سے (۷۵) آنہ مرکزی حکومت کے خزانہ میں چلا جاتا ہے اور (۲۵) آنہ کو روڈ فنڈ میں جمع کیا جاتا ہے۔ جو صوبجاتی حکومتیں سڑکوں پر خرچ کرنے کے لئے اپنے لئے علیحدہ رکھ لیتی ہیں۔

محصول درآمد ۹۲ ر ۵ آنہ یہ تمام رقم مرکزی حکومت کے خزانہ میں جاتی ہے۔

مقامی محصولات ۹۱ ر ۸ آنہ (۴۴ ر ۴) آنہ بمبئی میونسپلٹی لیتی ہے جو شہر کی سڑکوں کی حفاظت و انتظام کی ذمہ وار ہے اور (۴۷ ر ۴) آنہ بمبئی کی حکومت لیتی ہے جس میں ڈرائیور کا لائسنس بھی شامل ہے اور رجسٹری کے مصارف بھی اس میں شامل ہیں۔ اس تمام تفصیل کا خلاصہ یہ ہے:۔

پیٹرول سے مرکزی حکومت کے خزانے میں = (۷۵) آنہ

درآمد سے مرکزی حکومت کو فائدہ = (۹۲ ر ۵) آنہ

(۴۲ ر ۱۳) آنہ

صوبجاتی حکومت کو پیٹرول کی آمدنی میں سے جو رقم ملتی ہے بنام روڈ ٹیکس ... ... (۲۵) آنہ

صوبجاتی حکومت مقامی محصولات کے نام سے وصول کرتی ہے۔

(۴۷ ر ۴) آنہ

میونسپلٹی کو میونسپل ٹیکس کے عنوان سے ملتا ہے۔

(۴۴ ر ۴) آنہ

کل میزان = (۸۳ ر ۲۴) آنہ

ان اعداد و شمار سے تین چیزیں خاص طور پر ہمارے علم میں آتی ہیں:۔

(۱) موٹروں پر جو محصولات لگائے گئے ہیں۔ نہایت پیچیدہ طریقہ اور بے ڈھنگے پن سے لگائے گئے ہیں۔ جن کا کوئی معین اصول نہیں۔

(۲) ان محصولات کی مقدار بہت کافی ہے جن سے بہت سے

باقی مضمون اگلے صفحہ پر

بالوں کی خوبصورتی — ہالی وود کی یہ ایکٹریس کے فرانسس اپنے بالوں کی خوبصورتی کے لئے بڑی مشہور ہے

سر اولیور لاج کی دختر مس لاج جو ہوابازی میں بڑی مشتاق ہیں

مس میدھا مودھ — اس لڑکی نے بمبئی میں "منی پوری" رقص کا مظاہرہ کرکے بین الاقوامی خواتین کانفرنس کی یوروپین ڈیلیگیٹوں کو محظوظ کیا

کوئلہ کی کان میں زمین دوز آتشزدگی کا ایک دلخراش منظر

اٹلی کی ملکہ "ایلینا" اپنے قومی لباس میں

میدان جنگ میں حبش کا ایک سپاہی اپنے قومی لباس میں

غروب آفتاب کا ایک خوشنما منظر

برسات کے دنوں میں سڑکوں پر پانی بھر گیا ہے۔
جسکی وجہ سے موٹر ٹریفک بھی بند ہوگیا ہے

اسٹریلیا میں سونے کی کانوں سے سونا نکالا جارہا ہے

بچوں کی دنیا

دُور اندیشی اور کفایت شعاری

(از قلم ماسٹر بہاری لال جی - رام تالاب - مہرولی - دہلی)

(خاص تیج ایکلی کے لئے)

بلاشبہ کھلے کی کثیف وقت اور دیگر موقعوں پر کفایت شعاری کرنا ضروری ہے۔ لیکن اخلاقی صفات میں بھی کفایت شعاری کرو۔ اخلاقی خواہشات پر غور کرو۔ کسی لڑکے کو چوٹ لگی۔ تمہارے دل میں اس کا جذبہ پیدا ہوا کہ تم نے اس کی مدد نہ کی اس طرح تمہارے رحم کا ایک جذبہ کم ہو گیا۔ اگر تم اس جذبے کے مطابق مدد کرتے تو یہ جذبہ تمہارے پاس رہتا۔ اگر تمہارے نیک تصورات و جذبات عمل میں نہیں آتے تو وہ کمزور ہو جاتے ہیں اور آخر کار مر جاتے ہیں۔

جھوٹی کفایت شعاری — بعض کپڑوں پر کم قدر زیادہ خرچ ہوتا ہے لیکن وہ دیرپا ہوتے ہیں۔ سستے کپڑے جلدی بھی پھٹتے ہیں اور ہماری جیب خالی کر دیتے ہیں۔ تو دراصل گھٹیا کپڑے خریدنا کفایت شعاری ہے۔

کنجوسی — جو شخص سوائے روپیہ بچانے کے کسی چیز کی پروا نہیں کرتا وہ کنجوس ہے۔ اپنی صحت اور عزت کو برباد کر کے روپیہ کو بچانا حد درجہ کی کنجوسی ہے۔ نہ فضول خرچ ہو نہ کنجوس۔ روپیہ انسان کے لئے ہے نہ کہ انسان روپیہ کے لئے۔

کفایت شعاری کے فائدے — (۱) خستہ حالی سے کام کرنے۔ وقت پر کام نہ کرنے اور بے قاعدہ عادتوں سے طاقت زائل ہو جاتی ہے۔ رانا پرتاپ نے سلیم پر فتح پائی۔ کیونکہ اس وقت ضائع کئے وہ چلتا رہا اور اپنی طاقت کو زائل نہ ہونے دیا۔

۲- **کام** - اگر ہم وقت کی پابندی کریں تو کام تھوڑی دیر میں ہو سکتا ہے۔

۳- **آسانی** - کفایت شعاری سے انسان مقروض نہیں ہوتا۔ جن آدمیوں کی آمدنی اس قدر کم ہوتی ہے کہ مشکل سے گزارہ ہوتا ہے ان کے لئے کفایت شعاری کی از حد ضرورت ہے۔

۴- **آئندہ فراغت** - اگر ہم ۵۰ روپیہ بچا لیں تو ہم اسے کسی جگہ استعمال میں لا سکتے ہیں اور بڑھاپے میں زیادہ آرام سے رہ سکتے ہیں۔ جو روپیہ نہیں بچاتے ان کی حالت کبھی بہتر نہیں ہوتی۔ پس کفایت شعاری کے لئے دور اندیشی اور اعتدال کی ضرورت ہے۔ چھوٹی چھوٹی چیزوں کی طرف توجہ کرنے کی ضرورت ہے۔

بعض بے پروا نوجوان بغیر سوچے سمجھے جذبات کے بس میں ہو کر کام کر بیٹھتے ہیں اور تباہ ہو جاتے ہیں۔ امتحان میں ناکامیابی پر خودکشی کر لیتے ہیں۔ اور بعض نوجوان لالچ کے بس میں آ کر مالدار بننے کی ہوس میں جوا کھیلتے ہیں اور تباہ ہو جاتے ہیں۔ اور بعض عارضی خوشی کے بس میں عیش و عشرت میں پڑ کر اپنے آپ کو برباد کر لیتے ہیں اور زندگی سے ہاتھ دھو بیٹھتے ہیں۔

سوالات

(۱) ۱- اخلاقی صفات میں کفایت شعاری کیوں ضروری ہے ؟

(۲) ۲- اخلاقی صفات کس طرح برباد ہو جاتی ہیں ؟

(۳) ۳- اخلاقی طاقت پیدا کرنے کے لئے معمولی معمولی باتوں پر غالب آنا کیوں ضروری ہے ؟

(۴) ۴- جھوٹی کفایت شعاری اور صحیح کفایت شعاری میں تمیز کرو ؟

(۵) ۵- سستا روئے بار بار۔ مہنگا روئے ایک بار۔ اس کا کیا مطلب ہے ؟

(۶) ۶- رانا پرتاپ کے تھوڑے سپاہیوں نے سلیم پر کس طرح فتح پائی ؟

(۷) ۷- وقت کی پابندی سے کام میں کس طرح کفایت ہوتی ہے ؟

(۸) ۸- ارادے کی طاقت سے کیا فائدہ ہے ؟

(۹) ۹- غریب آدمیوں کے لئے کفایت شعاری کیوں ضروری ہے ؟

(۱۰) ۱۰- کفایت شعاری کی بدولت روحانی تسکین کس طرح حاصل ہوتی ہے ؟

(۱۱) ۱۱- کفایت شعاری سے آئندہ کے لئے فراغت کس طرح نصیب ہوتی ہے ؟

(۱۲) ۱۲- بے پروا نوجوان جذبات کے بس میں ہو کر کس طرح اپنے آپ کو برباد کر لیتے ہیں ؟

صلۂ احسان

(از مولینا عبد الباری آسی)

سنا گیا ہے کہ فصلِ ربیع میں اک روز — ہوا سوار جو کسریٰ برائے سیر و شکار

نظر پڑا اسے جنگل میں کوئی پیر خرف — بحالِ خستہ بحالِ تباہ زار و نزار

لگا رہا تھا وہ زیتون کا درخت کوئی — زمین کھود کے تھالا کیا تھا اک تیار

یہ دیکھ کر کہا کسریٰ نے اس سے اے بڈھے — اٹھا رہا ہے بھلا کیوں یہ زحمتِ بیکار

پھلے گا تیرا لگایا ہوا شجر جب تک — نہ دیگی فرصتِ ہستی اجل تجھے زنہار

دیا جواب یہ بڈھے نے شاہ کو فوراً — کہ اے شہنشہ گیتی پناہ نیک شعار

پھل ان کے کھائے ہیں ہمنے بذوق و شوق اس وقت — ہمارے پہلوں نے جتنے لگائے تھے اشجار

اسی طرح سے وہ پودے جو ہم لگاتے ہیں — ہمارے بعد کے لوگ انکو پائیں گے تیار

سنی یہ بات تو کسریٰ نے زہ[1] کہا فوراً — درم دیئے گئے بڈھے کو اس پہ چار ہزار

ملے درم تو مسرت کیساتھ بڈھے نے — کہا یہ عرض ہے اے شاہ واجب الاظہار

درخت پھلتا ہے لیکن ایک عمر کے لیکن — مرے درخت پہ دم بھر میں آ گیا یہ بار

یہ سنکے شاہ نے پھر زہ کہا تو حسبِ رواج — خزانچی نے دیئے پھر درم وہ کر کے شمار

خوشی میں بڈھے نے نوشیرواں سے پھر یہ کہا — کہ ایکبار زمانہ میں پھلتے ہیں اشجار

مگر خدا کی عنایت سے دیکھ لے اے شاہ
کہ یہ درخت پھلا ایک وقت میں دو بار

[1] نوشیرواں جب کسی بات پر "زہ" کہتا تھا تو فوراً چار ہزار درم انعام دیئے جاتے تھے۔

بقایا مضمون صفحہ ۶

نظریۂ باب مفتوح

(۱) مغرب کو چین سے کوئی ہمدردی نہ تھی مگر ان کی باہمی رقابت نے چینی ہمدردی کی شکل اختیار کر لی اور ان کیلئے اور جان ہے کی سرگردگی میں باب مفتوح کا نظریہ وجود میں آیا۔ اس کے مطابق :-

(۱) چین میں ہر قوم کو آزادانہ تجارت کی اجازت حاصل ہو۔

(۲) معاہدین چین کی حفاظت کا مجموعی عہد کریں۔ اسکا مقصد تھا کہ چین کی سلطنت جوں کی توں برقرار رہے۔ اور مختلف قوموں میں اس کے حصے بخرے نہ ہوں۔ ظاہر ہے کہ چین کے بقا و قیام کے ساتھ دول یورپ کی یہ ہمدردی بین الاقوامی حسد وچشمک کا نتیجہ تھی۔

(۳) علاقہ ہائے اقتدار کی عدم تجدید۔ اس کا مقصد تھا کہ چین کے علاقے مختلف قوموں کے حلقۂ اقتدار میں نہ رہیں۔

امریکہ نظریۂ باب مفتوح پر انتہائی مصر تھا اور کافی گفت وشنید کے بعد روس۔ فرانس اور جرمنی بھی اس پر تیار ہوگئے۔ برطانیہ بھی اس نظریہ کی تائید کے لئے تیار تھا۔ مگر ایک شرط کے ساتھ کہ موجودہ علاقہ ہائے اقتدار اس نظریہ کی دفعات سے باہر رہیں۔ برطانوی کوششوں نے دیگر دول یورپ کو بھی اس نظریہ کی تائید پر تیار کر لیا۔ لیکن اس دوران میں جاپان بھی ان چالوں سے بے خبر نہ تھا وہ اپنی فوج اور بحری قوت کی تکمیل کر رہا تھا۔ ۱۸۹۵ء میں اس کی چین پر فتح ہوئی تھی۔ مگر نظریہ باب مفتوح کی وجہ سے وہ اپنی فتح سے خاطر خواہ نفع نہ اٹھا سکا تھا۔ وہ اس نظریہ کے مویدین سے تخت برہم تھا اور مناسب موقع اور وقت کا منتظر تھا۔

اسے زیادہ انتظار نہ کرنا پڑا۔ ۱۹۰۵ء میں اس نے روسی بیڑے کو ڈبو دیا۔ ڈی واسٹک کے ہر دیک شکست دے کر جنوبی سکھالین پر قبضہ جما لیا اور اب روس بحیثیت مشرق بعید کے ایک اہم مہرے کے بساط سیاست سے اٹھ گیا۔ اب روس کے جانے سے مشرق بعید میں جاپان کی طاقت سب سے زیادہ قوی تھی۔ ادھر جنگ عظیم سے قبل کی رقابت نے دول یورپ کی توجہ کو یورپ تک ہی محدود رکھا۔ اور مشرق بعید میں جاپان کو اپنی حسب خواہ طاقت بڑھانے کا موقعہ مل گیا۔ جنگ شروع ہوئی۔ اب تو دول یورپ نے مشرق بعید سے بالکل ہی توجہ اٹھالی۔ اور جاپان اور امریکہ کو بحرالکاہل میں اپنی طاقتیں بڑھانے کا موقعہ مل گیا۔

جاپان نے جنگ کے دوران میں دول متحدہ کی مدد ضرور کی تھی لیکن نہ اس انہماک کے ساتھ کہ اسے چین کے معاملہ میں توجہ کرنے کا موقع ہی نہ ملے۔

ادھر امریکہ بھی جنگ میں شریک ہوگیا۔ اب بحرالکاہل تھا اور جاپان مشرق بعید کا واحد اجارہ دار ۱۹۱۵ء میں وہ گویا فتح کر ہی چکا تھا۔ چین میں انقلاب کے بعد کے اثرات رونما ہو رہے تھے۔ آخر اس نے ۱۹۱۵ء میں چین سے ایک نہایت ہی اپنے مفید مطلب صلح کی۔ اس میں اس کے چین سے ۲۱ مطالبات طے ہوگئے۔

حقیقت یہ ہے کہ ان ۲۱ مطالبات کی رو سے جاپان کی شہنشاہی چین پر قائم ہو جاتی۔ مگر معاہدہ ورسیلز نے ایسا نہ ہونے دیا۔

چین سے معاہدہ کرنے کے بعد جاپان نے امریکہ سے بھی معاہدہ لیسنگ ایشی نطے کر لیا۔ اس معاہدہ کا مضمون اگرچہ بہت کچھ مبہم تھا تاہم امریکہ نے جاپان کو مشرق بعید کی سب سے اہم طاقت تسلیم کر لیا۔ مگر جب معاہدہ ورسلز مرتب ہو رہا تھا تو پھر فاتح طاقتوں نے چین کی حمایت کا راگ الاپنا شروع کیا۔

۱۹۲۱ء میں واشنگٹن میں مجلس تخفیف اسلحہ جات منعقد ہوئی اس کی رو سے یہ قرار پایا کہ مشرق بعید میں مزید فوجی مستقروں کی تعمیر پر پابندیاں عاید کی جائیں۔ اور نیز بڑے بڑے جہازوں اور ہوائی جہاز برداروں کی تعداد کے متعلق امریکہ۔ برطانیہ اور جاپان میں ۵ - ۵ - ۳ کا تناسب رہے ۱۹۳۰ء کی لندن کانفرنس میں اس تناسب کے تحت میں اور دیگر جنگی جہاز بھی شامل کر دیئے گئے۔

لیکن کون کہہ سکتا ہے کہ شاطران بساط سیاست کی یہ خود عاید کردہ شرائط ملکوں کی سیاسی اور اقتصادی ضروریات کے کب تک روش بلاشرارہ سکتی ہیں۔

شب فراق

(از جناب مرتضیٰ اسرائیلی - میرٹھی)
(خاص تیج ویکلی کیلئے)

کس قدر بھیانک اور مہیب رات ہے ..
... ... میری کشتیٔ حیات طوفانی سمندر میں کوہ پیکر موجوں سے مقابلہ کرتی چلی جارہی ہے۔

چاروں طرف ناامیدی کے پہاڑوں کا وسیع سلسلہ چلا جارہا ہے۔ ... ان پر نہ سبزہ ہے ... نہ درخت ہیں ... نہ پھول ہیں ... نہ پرندے ہیں ... اور نہ آبشار ہی ہیں۔
ہر چہار طرف عمیق اور اندھیرے غار ہیں۔
طوفان آچکا ہے۔ کشتی کے بادباں کی دھجیاں خوفزدہ پرندوں کی طرح اڑ رہی ہیں ... ... کس قدر پریشان کن رات ہے!

دریا کو اپنی موج کی طغیانیوں سے کام
کشتی کسی کی پار ہو یا درمیاں رہے

یہ ... ... ہے ... ... میری "شب فراق"۔

اقوالِ زرّیں

(مرسلہ جناب اے-آر-رشدی - بھوپال)
(خاص تیج دیکلی کیلئے)

جو شخص قرض لیتا ہے وہ ہمیشہ رنجیدہ رہتا ہے۔

اپنے ہمسایہ اور اہلِ ملک کے حقوق کی محافظت وطن کی محبت کا ثبوت ہے۔

بادشاہ کے لئے پارسائی سب سے زیادہ خوبصورت زیور ہے۔

نادانی اور خوشامد کرنے والوں کو اپنا ہمجلس مت بناؤ۔

مایوسی کو کبھی اپنے پاس نہ پھٹکنے دو۔ اس لئے کہ مایوسی ایک جانکاہ بیماری ہے۔

غصہ کا نتیجہ ہمیشہ غم کی صورت میں نمودار ہوتا ہے

قرض کی ادائیگی انسانیت کا جوہر ہے۔

اگر تم آرام سے رہنا چاہتے ہو تو تمہیں دوسروں کو بھی آرام دینا ہوگا۔

نیک بن جا اور لوگوں کے ساتھ نیکی کرنے کی کوشش کر۔

تسلی سعی میں مضمر ہے۔ کہ تحصیل میں۔ کمل سعی کمل فتح ہے۔

کسی سے بُری بات نہ کہو۔ ورنہ بُرا جواب سُننا پڑے گا۔

دُنیا میں کسی قوم نے اس وقت تک ترقی نہیں کی جب تک اس میں ہمدردی و ایثارِ نفس کا جوش پیدا نہیں ہوا ہے۔

• دنیا میں وہ شخص سربلند ہو سکتا ہے جو دنیا کے ہمسایوں ہو سکتا ہو۔

• دشمن کی نرمی اور مہربانی پر بھروسہ مت کرو۔

موجِ تبسم

مریض:- حکیم صاحب! میں مرض کی تکلیف سے اس درجہ پریشان ہوں کہ اس سے مرجانا ہر درجہ بہتر ہے۔

حکیم صاحب:- اجی توبہ کیجئے۔

مریض:- چونکہ میں خودکشی کو اخلاقی جرم سمجھتا ہوں اس لئے میں نے سوچا کہ آپ ہی کا علاج شروع کردوں

ایک وَید راج عام طور پر تمام مریضوں کو ڈھائی پیسے میں دوا دیتے تھے۔ اسی لئے غریب لوگ اکثر انہی سے علاج کراتے تھے۔ بڑے ہی سچے اور خداترس آدمی تھے۔

ایک دن ایک بھانڈ آیا اور اپنا کوڑھ دکھلا کر بولا:-

"مہاراج اسے اچھا کر دیجئے اور ڈھائی پیسے لیجئے۔ اگر ڈھائی پیسے میں میری بیماری نہ گئی تو میں سمجھ لوں گا کہ آپ مجھ سے بھی زیادہ جھوٹے ہیں اور دھوکا دے کر لوگوں کو ٹھگتے ہیں۔

وَید راج تاڑ گئے کہ یہ شیطان مجھ سے ڈھائی پیسے میں ہی اپنے کوڑھ کا علاج کرانا چاہتا ہے۔ مسکرا کر بولے:-

"لاؤ ڈھائی پیسے - میں دوا بنا کر دیتا ہوں"

بھانڈ نے پیسے دے دیئے۔ وَید راج اندر سے کوئی چورن سے کر آئے اور بولے:-

"اسے خرگوش کے سینگ سے گھس کر روز کوڑھ پر لگایا کرو۔ سات دن میں بیماری جڑ سے چلی جائیگی"

بھانڈ بولا:-

"تو آپ ہی دے دیجئے"

وَید راج نے جواب دیا:-

"دوا کی قیمت میں ترکیب استعمال شامل نہیں ہے۔ نہ میں کسی کو دیتا ہوں"

بیمار:- ڈاکٹر صاحب۔ آپ نے فرمایا تھا کہ میں بہت کمزور ہوں۔ اور کوئی بات یکایک میرے کان تک پہنچ گئی تو اس سے مجھ کو بہت صدمہ اور نقصان پہنچنے کا اندیشہ ہے۔

ڈاکٹر:- بے شک اس میں کچھ مبالغہ نہیں۔

بیمار:- تو آپ بھی جب اپنا بل پیش کریں تو اس بات کا ذرا لحاظ رکھیں۔

آغاز اور انجام

{صفحہ ۱۴ سے آگے}

کیتھسمتھ ہی یہ گرا تھا۔
یہ ایک خالی لفافہ تھا جس پر جنوبی امریکہ کا ٹکٹ ثبت تھا۔ اور پتے پر یہ تحریر تھا۔
"پیٹرک ڈین۔ سائیلس ہوٹل ہیبرز اسٹریٹ لندن"
یہ آگ میں ڈال دو" کیتھ نے پڑھ ورد الفاظ میں کہا۔
دفعتاً وہ رُکا۔ اُسے آگ سے نکالنے کے ارادے سے۔ لیکن یہ ۔ ۔۔ یہ تو کیتھ نے پایا تھا کہ وہ جل کر خاک سیاہ ہو گیا اور پھر اُس نے کہا۔
"خدا کے لئے یہ تو بتاؤ کہ تم اس داستان کو لے کر یہاں کیوں آئے؟"
"تم ان باتوں کو سمجھتے ہو۔ قانون جانتے ہو۔ ۔ ۔۔ میرا ارادہ قتل کا ہرگز نہ تھا۔ مجھے اُس لڑکی سے محبت ہے۔ بتاؤ کیا کروں!"
"واہ! بہت آسان بات بھی ہے!" پوچھتے ہو کہ کیا کروں ۔۔ ۔۔ تم سے یہی امید تھی۔ تمہارے خیال میں تم کو کسی نے نہیں دیکھا؟"
"وہ تو ایک تاریک کوچہ ہے۔ وہاں کون ہوتا ہے؟"
"پھر تم لڑکی کے پاس سے کب علیحدہ ہوئے؟"
"سات بجے صبح"
"اور گئے کہاں؟"

"اپنے کمرے کو"
"نٹ نرائے اسٹریٹ میں؟"
"جی ہاں"
"کسی نے تم کو کمرے میں داخل ہوتے ہوئے دیکھا؟"
"نہیں"
"اس وقت سے ابتک کیا کرتے رہے؟"
"بیٹھا رہا"
باہر تو نہیں گئے؟"
"نہیں"
"لڑکی کے پاس بھی نہیں؟"
"نہیں"
"تب تم نہیں بتا سکتے۔ کہ وہ اس وقت میں کیا کرتی رہی؟"
"میں نہیں بتا سکتا"
"کیا وہ تمہارا راز فاش کر سکتی ہے؟"
"ہرگز نہیں ـــــ"

"خلل دماغ یا ـــــ ہسٹریا سے وہ خود اپنا راز فاش نہ کر دے"
"ایسا نہیں ہوگا ـــ"
"اس کے اور تمہارے تعلقات سے کون واقف ہے؟"
"کوئی نہیں!"
"کوئی نہیں" کیتھ نے الفاظ کو دوہرایا۔
"میرے خیال میں ایسا شخص کون ہو سکتا ہے؟ گذشتہ شب جب تم وہاں گئے تھے تو کسی نے تم کو جاتے ہوئے دیکھا؟"
"نہیں کسی نے نہیں ـــ وہ پہلی منزل میں رہتی ہے۔ اور میرے پاس کمرے کی کنجیاں ہیں!"
"کچھ کر دے دو ـــ اور کوئی ایسی چیز ہے جو تمہارے اور اس لڑکی کے درمیان تعلق ثابت کر سکے؟"
"کچھ نہیں"
"اور تمہارے کمرے میں؟

"نہ وہاں"
"کوئی تصویر ـــ یا خطوط؟"
"کچھ نہیں"
سوچ کر بتاؤ"
"کچھ نہیں"
"اس چیز کو پھینکنے کے بعد کسی نے تم کو لڑکی کے یہاں جاتے ہوئے دیکھا؟"
"نہیں"
"اور صبح کو واپسی پر"
"نہیں"
"خوش قسمت ہو ۔ ... جاؤ مت بیٹھو ۔۔ ذرا میں سوچ لوں۔ تاکہ اس منحوس معاملہ میں کوئی اور بات تو پیدا نہیں ہوئی: خیال و گمان کی زد سے باہر معلوم ہوتا ہے ۔۔ ۔ ۔۔ جب کچھ سمجھ میں نہ آیا۔ تو سلسلۂ کلام یوں جاری کیا ۔ ۔۔
"اس لڑکی کے پاس یہ اس کی دوسری واپسی تھی؟"
"ہاں"
"اس نے تمہیں یہی بتایا ہے؟"
"جی ہاں"
"وہ شخص کیسے پتہ لگا سکا کہ وہ کہاں تھی؟"
"میں نہیں کہہ سکتا"

(باقی اگلے صفحہ پر)

[پچھلے صفحہ سے]

"اس وقت تم نشے میں تھے!"

"نہیں"

"تب بھی کتنی پی تھی؟"

"لیمے نسیم کے دو جام — کچھ نہیں"

"تم کہتے ہو کہ تمہارا ارادہ مارنے کا نہ تھا"

"نہیں — خدا جانتا ہے۔"

"پوچھنے کی یہ بات ہے — تم نے وہ جگہ ہی کیوں تجویز کیا!"

"وہ پہلی تاریک جگہ تھی۔"

"کیا اس کی حالت سے معلوم ہوتا تھا کہ گلا دبا دیا گیا ہے؟ — — بتاؤ"

"معلوم ہوتا تھا"

"کیا صورت بہت بگڑ گئی تھی!"

"جی ہاں۔"

"اس کے لباس کو ناقابل شناخت بنا دینے کا بھی خیال کیا!"

"نہیں۔"

"کیوں نہیں — جبکہ یہ کام کیا تھا!"

"تم کہتے ہو کہ صورت بگڑ گئی تھی کیا پہچان میں آ سکتی ہے؟"

"میں کچھ نہیں کہہ سکتا۔"

"وہ جگہ کیا تھی جہاں پر یہ لڑکی اس کے ساتھ رہتی تھی؟"

"یقین سے نہیں کہہ سکتا۔ شاید پٹنکر؟"

"وہ ساتھ تو نہیں؟"

"نہیں"

"ساتھ میں رہتے ہوئے کتنی مدت ہو گئی؟"

"تقریباً ایک سال"

"ہمیشہ سے اپنی کمروں میں!"

"جی ہاں"

"اس نواح میں یا اس سڑک پر کوئی شخص بھی ایسا ہو سکتا ہے جو اس لڑکی کو دلہن کی بیوی کی حیثیت سے جانتا ہو؟"

"میرے خیال سے کوئی نہیں۔"

"اس کا پیشہ کیا تھا؟"

"پیشہ اور معاش کہا جا سکتا ہے:"

"خوب، تو اس کا زیادہ وقت باہر ہی صرف ہوتا ہوگا!"

"جی ہاں"

"تم کچھ بتا سکتے ہو کہ کیا اس شخص کو پہچانا جانتی ہے؟"

"میں نے کوئی ایسی بات نہیں سنی۔"

اچھا لاری اب سنو۔

"یہاں سے اٹھ کر سیدھے گھر جاؤ۔ اور جب تک کہ میں تم سے کل نہ ملوں کہیں باہر مت جانا۔"

"یقین کیجئے گھر ہی رہوں گا۔"

"مجھے ایک جگہ دعوت میں جانا ہے۔ وہاں سے فراغت پا کر آؤں گا۔ شراب مت پینا۔ کسی سے بات نہ کرنا۔ اور مستقل مزاجی سے کام لینا۔"

"کیتھ جس قدر ممکن ہو مجھے زیادہ منتظر نہ رکھنا۔"

کیتھ کے دل میں رحم۔ خوف اور تنفر کے جذبات تھے۔ جن کا اظہار اس کا چہرہ اور آنکھیں کر رہی تھیں۔ اس کے باوجود اس نے لرزتا ہوا ہاتھ اٹھایا۔ اور بھائی کے کندھے پر رکھتے ہوئے کہا۔

"ہمت سے کام لو۔"

اور ساتھ ہی اپنے دل میں کہا۔۔

"یا خدا! — ہمت! خود مجھے درکار ہے۔"

شام تنہائی

(از جناب رضی اسرائیلی)

(خاص تیج ویکلی کے لئے)

میری آنکھیں جو تبسم سے چمک رہی تھیں — طوفان اشک سے مدھم ہو گئیں۔ — ان ستاروں کی طرح جو روپہلی کہر سے پھیکے پڑ جاتے ہیں۔

آفتاب امید اپنا لرزتا ہوا چہرہ سمیٹے ہوئے رفتہ رفتہ دنیا کو خیرباد کہہ رہا ہے — — شام کی اداسی بتدریج کائنات پر چھائی جا رہی ہے — … "میرا دل" جو حسن و عشق کے رنگین افسانوں سے لبریز ہے بحر مواج کی طرح — یاس و حرماں کی مہیب چٹانوں سے ٹکرا رہا ہے۔ — وہ امواج غم کو اپنی تند موجوں میں بہائے جانا چاہتا ہے جن کی اوٹ میں میری امیدوں کا آفتاب غروب ہو رہا ہے۔

ساری فضا میں آبشار کی غم انگیز آواز فغاں گونج رہی ہے — — میری کشتی امید گرداب یاس میں پھنس کر چکر کھا رہی ہے۔ — — … معلوم نہیں ساحل آشنا بھی ہو گی یا نہیں — الاماں! روح کو تھکا دینے والی کشمکش!! … … کسی "فانی" نے سچ کہا ہے۔ "دریائے محبت بے ساحل ہے" … — … آہ! — اب دیکھیں ناخدائے محبت کے ہاتھوں اس کشتی کا کیا حشر ہوتا ہے۔

لیجئے! کالے کالے خوفناک بادل امنڈ آئے۔ تند و تیز آندھیاں چلنے لگیں ہیں۔ فضا بالکل تاریک ہو گئی ہے۔ آج کی شام میں ایک بے پناہ طوفان کے آثار پائے جاتے ہیں! — — — اب کیا امید کی جا سکتی ہے۔

"یہ ہے میری شام تنہائی۔"

حقوقِ نسواں

بسلسلۂ زنانہ تحریک

(از جناب سیاح مشرقی)

(خاص تیج ویکلی کے لئے)

اب جبکہ ہم یورپ کی حقیقت اور تہذیب از سر کے علاوہ اس ایشیائی ممالک کے باشندوں کی قومی نشوونما کے لحاظ سے عالم کو دیکھتے ہیں ہر ایک قوم کے عروج کے بعد یہ حالت کہتے نظر آتے ہیں تو تسلیم کر لینا پڑتا ہے کہ ہر قوم کی ترقی کا اس قوم کی اپنی عورتوں کی ترقی سے ربط اور واسطہ ہے۔ جاپان مشرق بعید میں اگر ایک طرف جاپان کے عروج کو چار چاند لگے تو اس صنف لطیف کی ہمراہی اور مساعات کی بدولت۔ مشرق قریب میں دوسری مسلم قوم شاہد ترکی کہ آج دوبارہ حیات تازہ لی ہے تو وہ بھی اسی اتحاد عمل اور برابری کے خیال کو عمل دار رکھ کر۔ مشرق نہیں ہیں سے کشمکش اور ذلت ہی کا مرکز رہا۔ گہوارہ ایک ایسی کی رہ جو شاید وہ مذہب ہے۔ جو یہاں والوں کی فطرت میں روز ازل سے چلی آ رہی ہے۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ یہاں کے ارباب دین اس بات سے بخوبی واقف تھے کہ ہر طرف دینی اور وابستہ ہیں۔ مذہب کی تحریک ہی ایک ایسی ہیں جو ایک دفعہ شروع ہو کر مشکل سے پھر ختم ہوتی ہیں۔ گو ضعیف پڑ جانے پر بھی کوئی انہیں ہاتھ لگانے یا کم کرنے کی جرأت کرے تب بھی وہ بظاہر کروٹ سی لیتی ہیں لیکن رہتی اپنی جگہ ہیں۔ اسی بنیاد پر وہ تمام اخلاقی نیز معاشرتی ہدایات بھی جو خواہ انسان سے متعلق تھیں یا حفظان صحت سے ہمیشہ دینی شکل میں اپنے متبعین کو بتلائی جاتی رہیں تاکہ ان کو دوام حاصل ہو اور وہ تا ابد دنیا میں قائم رہیں جس کا ثبوت ہم کو آج ہر ہر قدم پر مل رہا ہے۔ بایں ہمہ اس چلتی پھرتی دنیا میں بھلا ہمیشگی کس کو حاصل ہے جو انہیں ہوتی۔

غرضیکہ اس جہان کا کارخانہ اسی اصول پر چل رہا ہے کہ کبھی عروج ہے تو کبھی زوال کبھی جوانی ہے تو کبھی بڑھاپا۔ کبھی عشرت ہے تو کبھی عسرت۔ جو دریا آج اور دوں پر ہیں وہ کل اتر جائیں گے۔ چنانچہ اسی اصول کے ماتحت ان پر ضعف بھی آ گیا جبکہ یہ سلسلہ رسمی بندشیں جو مذہبی رنگ دینے کی وجہ سے نسل بعد نسل مانی جانے لگی تھیں اب زمانہ کا ساتھ نہ دینے کی وجہ سے سب خود بخود ایک ایک کرکے رخصت ہونے لگیں۔ جیسا کہ معلوم ہے کہ کسی قدیم زمانہ میں عورتوں کی اہمیت فطری مذاہب کے بر خلاف ان کے اپنے عروج واثر نے ان کو اپنے اس پیدائشی حق سے محروم کر دیا۔ اور مرد ہو ابتدائے آفرینش ہی سے خود کو خدا کا نائب زمین کے ہر سیاہ وسفید کا مالک۔ بہادروں کا بہادر اور کمزوروں کا ولی اور وارث خیال کرتا رہا۔ اس طرح اپنے اس کمزور حریف اور مد مقابل کو جسے کہ وہ اپنا محتاج اور دست نگر بھی جانتا تھا برابر کے حقوق دے کر ہمیشہ کے لئے اپنے ہاتھ کٹوا دیتا۔

مختصر یہ کہ اس برتری اور فوقیت کے خیال اور اس زمانہ کی رفتار نے صنف نازک کو بجنسہ اسی طرح پھر نہ ابھرنے دیا۔ جس طرح کہ ایک بڑے تناور درخت کے زیر سایہ کوئی دوسرا چھوٹا سا درخت سرسبز و شاداب نہیں ہونے پاتا۔ یہ حالت صدیوں تک برابر قائم رہی۔ یہاں تک کہ اس بڑے اور چھوٹے ہونے کے خیال نے غلامانہ ذہنیت پیدا کی جو پھر بتو عمل کے سلسلہ میں گھر کی چار دیواری سے نکل کر مردوں تک میں سرایت کر گئی۔ اور جزا و سزا کے سلسلہ میں پھر ان کو وہ دن دکھلایا کہ وہ خود ان بڑی اور آزاد اقوام کے نیچے آن رہے جن کے مرد تو مرد عورتیں بھی ان سے زیادہ مردانی تھیں اور ہیں۔ لیکن اب جب کہ دنیا بھر کی ترقی کا جائزہ لینے کے بعد مردوں کو اپنی غلطی محسوس ہوئی تو سمجھا کہ قومی وجود کو قائم رکھنے کے لئے اناث کے اتحاد عمل کی بھی حد سے زیادہ ضرورت ہے۔ تب کہیں وہ اس کے لئے تیار ہوا کہ صنف نازک کو بھی برابر کا شریک گردانے۔ خوش نصیب ہے وہ ملک جہاں کے ذکور عام طور پر اس راز کو جلد سے جلد تر سمجھ لیں۔ اور اپنی اور اپنی اولاد ہی کی نہیں بلکہ اپنے ملک اور وطن کی زبون حالی کو بہتر حالت میں تبدیل کرنے کی طرف مائل ہوں۔ اور وہ بھی اس طرح کہ ہر گھر میں اصلاحی کام شروع ہو۔ لڑکے لڑکیوں میں تعلیم و حقوق نیز برتاؤ کے لحاظ سے کوئی تفریق پیدا نہ کی جائے۔ تازہ ہوا کھانے کا حق دونوں کو حاصل ہو۔ ہندوستان جو ایک گرم ملک ہے جہاں عورت کیا مرد کا بھی دھوپ اور لوؤں میں بے وجہ نکلنا ایک دشوار امر ہے اہل فرنگ کی آمد سے قبل یہاں کے بازاروں کا یہ حال تھا جہاں حبس کی کثرت۔ بالا خانوں کی آبادی اور ہر قسم کی کثافت موجود ہونے کی وجہ سے شرفا کے عیال و مستورات کے لئے مخالف ہوا دونوں خیال نہ کیا جاتا تھا۔ لیکن اب جبکہ شہروں کے باہر نہیں بلکہ اندر بھی گلگشت و لالہ زار موجود ہیں اور انسانوں کی سی شکلیں گھروں سے باہر بھی نظر آنے لگی ہیں۔ بازاروں کی صفائی بھی ملحوظ رکھی جاتی ہے۔ اور عام طور پر لوگ بھی ذرا مہذب ہوتے جاتے ہیں اور سمجھنے لگے ہیں کہ زیادہ نظر جما کر کسی کی طرف دیکھنا تہذیب کے خلاف ہے تو پھر کوئی وجہ نہیں کہ چھوٹی بچیوں کو اس بیجا حبس و قید کا عادی بنا کر ان کو ہمیشہ کے لئے حواس باختہ اور بزدل بنا دیا جائے۔ یہی لڑکیاں کل کو بڑی ہو کر مائیں بنیں گی اور ان کے بطن سے جو نونہال پیدا ہوں گے وہی نئے ہندوستان کی قسمت کے مالک ہوں گے۔

کلام برق پر ایک نظر

(از قلم جناب ستیش چندر سکسینہ طالب بی۔ اے۔ دھلوی۔ تلمیذ افتخار الشعراء برق مرحوم دہلوی)

(خاص تیج دیکلی کے لئے)

میرا موضوع ایسا عنوان شاعری تو ہو گیا پس لازم آیا کہ اپنی زبان میں شعر اور شاعر کی تعریف بیان کروں۔ میرے نزدیک شعر کی ایک نامکمل سی تعریف یہ ہوگی۔

سادگی جدت طرازی۔ ندرت و لطف بیان، یہ وہ اجزا ہیں کہ جن سے شعر پُر تاثیر بنتا ہے۔ اور شاعر میرے نزدیک وہ ہستی ہے جس نے ہر شعبۂ زندگی کا بہ نظر غائر مطالعہ کیا ہو۔ مختلف کیفیات کے زیر اثر خود کافی متاثر ہوا ہو اور پھر ان میں سے ہر ایک کے اظہار پر یکساں قدرت بھی رکھتا ہو۔ یہ آخری بیان کردہ صفت عطیۂ فطرت میں سے ہے اور اکتساب سے بھی ہاتھ نہیں آتی۔

گر ہم یہ تعریف شعر و شاعری درست ہے تو مدعیان شاعری خود ہی اپنی طبیعت میں فیصلہ کریں کہ ان میں سے فی الواقعی کتنے لیسی حقیقی معنوں میں شاعر ہیں۔ شاعر اور خطیب میں جو خفیف سا لیکن نمایاں فرق ہے وہ کچھ اہل نظر سے مخفی نہیں۔ قابلیت کے زور سے یا اردو فارسی کے وسیع مطالعہ اور عروض کی واقفیت کی بنا پر شعر کہہ دینا اور بات ہے۔ لیکن وہ کلام جو کسی خاص جذبہ کے تحت نکلتا ہے وہ اپنی جگہ سے اور ایک جداگانہ حیثیت رکھتا ہے۔

ناظرین کسی اور غلط فہمی میں مبتلا نہ ہو جائیں۔ یہ محض ضمناً چند تشریحات بھی جو درمیان میں آ گئیں۔ ورنہ بقول غالب۔ ع

رُوئے سخن کسی کی طرف ہو تو رُوسیاہ

مجھے یہ کہنے میں مطلق پس و پیش نہیں کہ میں نے افتخار الشعراء منشی مہاراج بہادر برق دہلوی (جنہیں آج مرحوم تصور کرتے ہوئے کلیجہ شق ہوتا ہے) کے کلام کو اپنے نظریہ کے مطابق جانچا اور انہیں ایک خالص شاعر پایا۔ اپنے تعلقات کی بنا پر یہ بھی کہہ سکتا ہوں کہ وہ محض شاعر ہی نہ تھے بلکہ شاعر گر بھی تھے

شاعر کا کلام چونکہ بذات خود اس کا تعارف ہے اس لئے رسمیات سے احتراز کرتے ہوئے مضمون کی جانب براہ راست رجوع کرتا ہوں۔ ؎

انہیں کو ہم جہاں میں رہروِ کامل سمجھتے ہیں
جو ہستی کو سفر اور قبر کو منزل سمجھتے ہیں

رہرو کامل پر دو شعر میں مدیر کرکے یعنی اس کے لئے ہستی کو محض سفر اور فنا کو ماحصل قرار دے کر آپ نے اسکی کامل در تشریح آرد یف نظم فرمائی ہے۔

علاوہ ازیں میں طرز بعونتی سے اس گذشتہ پانچہزار برس پرانے فلسفہ کی طرف اشارہ کرتے ہوئے اس کی یاد کو سرسبز کیا ہے وہ مستغنی تحسین و توصیف ہے۔ ؎

جو ہیں جانباز کب مشکل کو وہ مشکل سمجھتے ہیں
شناور موج طوفاں خیز کو ساحل سمجھتے ہیں

یہ شعر مردہ دلوں کے حق میں آبحیات ہے واقعی اکسیر ہے۔ اس قسم کی شعر و شاعری کی قوم کو موجودہ دور میں سخت ضرورت ہے۔ کاش دیگر شعرا تقلید کریں۔

اسی مفہوم سے ملتا جلتا ایک اور شعر یاد آیا۔ کیا خوب فرمایا ہے ؎

حادثات دہر سے گھبرائیں کیا مشکل پسند
پائے ہمت سست ہے منزل کو آساں دیکھکر

آگے فرماتے ہیں ؎

نکل جاتے ہے دل ہاتھوں سے غیروں کی مصیبت پر
جو ہیں درد آشنا اپنا سا سب کا دل سمجھتے ہیں

شعر کا مفہوم تشریح طلب نہیں۔ البتہ اس سے متاثر اور مستفید ہونے کے لئے ایک حساس معصوم اور بے لوث دل کی ضرورت ہے۔ ایک موقعہ پر یہی مضمون یوں نظم فرمایا ہے

بخشی ہے فطرت نے وہ درد آشنا طبیعت مجھے
دل بھر آتا ہے میرا ایکس کو گریاں دیکھکر

ہجوم یاس آخر نقش کس کس کا مٹا دیگا
کہ ارمانوں کی دنیا ہم جسے اسے دل سمجھتے ہیں

یاس اور ارمانوں کے مابین جو کشمکش جاری ہے اسکی منظوم صورت مندرجہ بالا شعر میں ملاحظہ فرمائیں۔ اسد سخت جان ہے مرتی ہے اور نہیں مرتی۔ یاس سے اسکا کیا مقابلہ ایک جگہ اور یہی مفہوم ذرا تبدیلی کے ساتھ یوں ادا کیا ہے ؎

محو ہے سارا جہاں نیرنگ دنیا دیکھکر
کس قیامت کی کشش نظارۂ باطل میں ہے

بےوا مرہ نظر نظارہ باطل سہی لیکن پھر بھی اسکی جاذبیت دکشش سے انکار ممکن نہیں ایک دوسرے محل سے ایک مرحلہ اظہار حق ہی سے ہوا ہے وہ لطیف وجدت کے ہر دو پہلو لئے ہوئے ہے اور بلا شک قابل داد ہے ؎

جلائے جاؤ تم ترچھی نظر سے تیر بے گنتی
اسے گو ہم حساب دوستاں در دل سمجھتے ہیں

تیر بے گنتی۔ اس پر طرہ یہ کہ ترچھی نظر کے۔ بات میں سے بات پیدا کی ہے۔ اور پھر لفظ بے گنتی کی رعایت سے حساب دوستاں در دل کے محاورہ کا برجستہ استعمال۔ اہل دل سے داد حاصل کرنے کے لئے بہت کافی دوستانی ہے ؎

اشارے نہیں ہوا کرتی ہیں حسن و عشق کی گھاتیں
نگاہوں کو نگاہیں اور دل کو دل سمجھتے ہیں

کیا اس شعر میں اور کیا گذشتہ میں محاورات جس التزام و خوش اسلوبی و بے ساختگی و برجستگی سے نظم ہوئے ہیں وہ تحسین و تعریف سے قطعاً بے نیاز ہیں۔ رہی بندش سو اس کا کہنا ہی کیا۔ اپنی جگہ ہر ایک لاجواب ہے۔ ردیف سے

(باقی مضمون اگلے صفحہ پر)

پچھلے صفحہ سے

مرقع، مرقع، مرصا ۔۔۔ سے شعر میں جو اپنے استحکام پیدا کیا ہے وہ ظاہر ہے۔ ردیف کی پختگی اور ردیف کا چمکانا اسی کو کہتے ہیں۔

بجناب برق کی ایک غیر مطبوعہ غزل کے چند اشعار بیہ

احباب تب دہ بہ فلسفہ حرارت جذبات عالیہ۔ دلفریبی و کشش دنیا جذبات حسن و عشق مختصر یہ کہ تخیل کی تمام نزاکتیں یکجا دیکھ لیجئے۔ تغزل کی خصوصیت کو ہاتھ سے نہ جانے دیتے ہوئے تغزل کا لطف پیدا کر دکھانا اور جذبات عالیہ کو ابھارنے میں آپکو ایک خاص ملکہ حاصل تھا جو آپ کو اپنے ہمعصروں میں ممتاز کئے ہوئے تھا۔ چند اشعار اور ملاحظہ ہوں۔

خستہ حالوں کی خوشی بھی نہیں غم سے خالی
خون روئے گا لب زخم جو خنداں ہوگا

یہ شعر بے یا حسرت و غم کی پرحسرت بولتی تصویر ہے۔ زخم کا خنداں ہونا گویا یعنی اس کا کھل جانا یا شگفتہ ہو جانا۔ زخم کے شگفتہ ہو جانے کا لازمی نتیجہ یہی ہوگا کہ خون آئیگا۔ جسے یہاں خون رونے سے تشبیہ کیا گیا ہے۔ یہ ایک عام مشاہدہ ہے۔ لیکن اس سے مصرعہ اولیٰ میں جو نتیجہ اخذ کیا گیا ہے اسے حاصل کرنے کی توفیق ایک فطری شاعر ہی کو نصیب ہو سکتی تھی۔ اسی طرح سے

اشک ریزی اسکی فطرت ہے۔ بدل سکتی نہیں
قبر بیکس پہ جلے یا شمع محفل میں رہے

نشان کئے ہوئے الفاظ پر زور دیجئے اور شعر غیر ارادی طور پر ذہن نشین ہو جائے گا اور یہی ایک عمدہ شعر کی شناخت ہے۔ ایسا شعر وہی کہہ سکتے ہیں جنہوں نے چشم ظاہر کے ساتھ ساتھ چشم باطن سے بھی فطرت کا مشاہدہ کیا ہو۔ سے

ریاض دہر میں ہوگا نہ بدنصیب مجھ سا کوئی
وہ غنچہ ہوں نکلتے ہی جو شاخ گل پہ جل جائے

مشہور عام شعر ہے سے

پھول تو دو دن بہار جانفزا دکھلا گئے
حسرت ان غنچوں پہ ہے جو بن کھلے مرجھا گئے

لیکن برق کو تو غنچہ کی ہستی بھی گوارا نہیں۔ شگفتہ کرنے کا تو امکان کیا ہوا۔ جب اس پہ برق پاشیاں کرتے ہوئے اس کی خرمن ہستی کو روز اول ہی خاک کر دیا گیا ہو۔ سے

سوختہ قسمت ہوں اسپہ نارسائی اس قدر
شمع کی لو تک نہ پہنچی اڑ کے پروانے کی خاک

حالانکہ پروانے کی خاک شمع کے قدموں میں ہے لیکن اُسے اس کی لو تک پہنچنے کا امکان نہیں۔

نارسائی اور بدقسمتی کی اس سے زیادہ موثر تعبیر اور کیا ہوگی۔

چونکہ اسوقت حسرت و یاس کا مضمون چھڑ گیا ہے اسلئے بیمحل نہ ہوگا اگر چند منتخب اشعار اسی موضوع پر دیگر شعراء کے بھی پیش کر دیئے جائیں۔ اس سے اہل ذوق کی خوش ذوقی ملحوظ مقصود ہے نہ کہ تنقید۔

ذوقؔ مرحوم فرماگئے ہیں سے

حسرت انگیز ہے اے شمع لحد تیری حیات
جل بجھی جس کیلئے اس نے نہ جلتے دیکھا

جناب بیخود دہلوی اکبر آبادی فرماتے ہیں سے

یہ کہہ کے میری شمع لحد ہو گئی خموش
ناگفتنی ہے صاحب تربت کا ماجرا

مرحوم رونق دہلوی کا شعر ہے سے

نوائے درد ہوں مضراب غم نہ چھیڑ مجھے
شکست ساز کا اپنے خروش نغمہ ہوں

ایک غزل پر اور تبصرہ کروں گا۔ اور بس۔ سے

وہ کہیں ظاہر کہیں اندازِ روپوشی میں ہے
نغمۂ بلبل میں ہے غنچوں کی خاموشی میں ہے

جلوت و خلوت میں کسی کی موجودگی کا ثبوت جس طرح نغمۂ بلبل اور غنچوں کی خاموشی سے دیا گیا ہے وہ خود اپنا جواب ہے۔ یعنی لاجواب۔ سے

زندگی کی کشمکش کا راز و مفہوم سکوں
دن کے ہنگاموں میں ہے راتوں کی خاموشی میں ہے

زندگی کی کشمکش کے راز اور مفہوم سکون کو جن بہترین تمثیلوں کے ذریعہ پایہ ثبوت کو پہنچایا گیا ہے وہ آپ اپنی مثال ہے۔ سے

عرض مطلب پہ تبسم ان کا بے معنی نہیں
نیم وعدے کا اگر مفہوم خاموشی میں ہے

الخاموشی نیم رضا کے مسئلہ کو منظوم صورت میں مطالعہ کرنا خالی از دلچسپی نہ ہوگا۔ یہ جدت بھی قابل داد ہے سے

یا نگاہ و یار میں ہے مستی صہبائے ناب
یا نگاہ و یار کی تاثیر مے نوشی میں ہے

واقعی کھلتا ہی نہیں کہ کیا ہے۔ کون کس میں ہے۔ کیا طلسم ہے کس قدر ہوشربا لیکن ساتھ ہی کس قدر دلفریب اور مسحور کن۔ یہ شعر بلاشک تغزل سے مالامال ہے۔

جناب برق کو موجودہ دور نے ناظم تسلیم کیا اور یہ تھا بھی درست۔ کیونکہ نظم گوئی ہی آپ کا اصل موضوع سخن تھا۔ باوجود اس کے آپ ایک غزل گو شاعر کی حیثیت سے بھی کامیاب شاعر تھے اور اپنے اس دعوے کی تائید میں ناظرین کو میں یقین دلانا چاہتا ہوں کہ ایسے صدہا انتخابات آپکی غزلیات اور اقتباسات سے اخذ کئے جا سکتے ہیں۔ رہا موضوع نظم۔ سو تو آپ کا خاص حصہ تھا۔ اور تاوقتیکہ آپکو ایک ناظم کی صورت سے پیش نہ کیا جائے آپکی شاعرانہ حیثیت کا کلیۃً مطالعہ نہیں کیا جا سکتا۔ لیکن میں دیکھتا ہوں کہ صفحات محدود ہیں اور مضمون طویل ہو رہا ہے نیز یہ کہ برق مرحوم کو ایک ناظم کی صورت سے پیش کرنا بجائے خود ایک طویل مضمون کا متقاضی ہے۔ لہذا مضمون کو یہیں ختم کرتا ہوں۔

جنّت کہاں ہے؟

(ترجمہ از ٹیگور)

قبرستان سے باپ گھر پہنچا۔
سات سالہ بچے نے متفکر آنکھوں سے باپ کو تنہا گھر میں گھستے ہوئے پوچھا۔
"ماں کہاں ہیں؟"
باپ نے بچے کو گود میں اُٹھا لیا اور بھرّائی ہوئی آواز میں آسمان کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا۔
"جنّت میں"

رات کے وقت مغموم باپ سوتے ہوئے بھی کراہ رہا تھا۔ اس کے پلنگ کے پاس ایک چراغ ٹمٹما رہا تھا اور ایک چھپکلی پروانوں کی تاک میں بیٹھی ہوئی تھی۔
بچہ جاگ اُٹھا۔ ماں کے پلنگ کو سُونا پاکر وہ کمرے سے باہر نکل گیا۔ اور کھُلی چھت پر پہنچا۔ وہ دیر تک آسمان کی طرف دیکھتا رہا۔ اس کا بے چین دل تاریک رات سے بے نیاز ہوکر نیلے آسمان سے پُوچھ رہا تھا۔
"جنّت کہاں ہے؟"
جواب نہ ملا۔ اس اندھیری رات میں اوپر آسمان پر صرف تارے ٹمٹما رہے تھے۔

(آنندی پرشاد مصرا۔ مراد آبادی)

شرارے

(از جناب نندکشور سریواستو نشاکر۔ محمود آبادی)

(خاص تیج وبکلی کے لئے)

دل نے کہا۔ "دنیا قند جیسی شیریں ہے"
"اس میرے بھولے بھالے قدردان!" دنیا جواب میں بولی۔ "ٹھہر۔ ٹھہر نادان! سنکھیا بھی تو ایسی ہی ہوتی ہے!" ... ... عقل نے دل در معقولات کے طور پر کہا۔ "دیکھ دیکھ میرے ہونٹ نیلے ہو چلے" ... ... روح حالت ہیجان واضطراب میں بولی۔

آسمان نے کہا۔ "وسیع النظری سیکھ"
شفق بولی۔ "مستقبل کو بلند خونیں نہ بنا"
سورج نے قہر آلود نگاہوں سے دیکھا۔
... ... چاند نے سرد دلی کا اظہار کیا ... ...
ستاروں نے جھلملاتے ہوئے چراغ دکھلائے ...
... بجلی عجیب آواز میں کڑک کر مسکراتی ہوئی غائب ہو گئی ... ... ابر رویا اور متواتر روتا رہا ... لیکن یہ سب بد اندیش کے نزدیک ... ... کچھ بھی نہیں۔

اندھی لڑکی کی دُعا

{ایک جرمن شاہکار کا ترجمہ}

(از جناب گردشں یکسیم پوری)

اندھی لڑکی اپنی ماں کی اُنگلی کے سہارے چلتی گئی .. ... تھوڑی دُور چل کر اس نے اُنگلی کا سہارا چھوڑ دیا۔ اور اٹکل سے باغ میں ایک طرف نکل گئی ... ... پھر ایک روش پر زمین کو ہرے بھرے اور شاداب دوب پر بیٹھ گئی ... اپنے کان اِدھر اُدھر لگا کر غور کیا کہ کوئی باغ میں موجود تو نہیں ہے ... ... باغ میں کوئی نہ تھا! صرف وہ تھی اور باغ کی خاموش فضا میں ہرے بھرے شاداب درختوں کی قطاریں ... ... اس نے اپنے دونوں ہاتھ دعا کے لئے اٹھائے ... اور اپنے دل کی عمیق ترین گہرائیوں میں پیدا ہونے والے جذبات کا یوں اظہار کرنے لگی۔

اے خدا! میری ماتا جی نے مجھکو کئی مرتبہ بتلایا ہے کہ تونے ایک چمکتا ہوا سورج بنایا ہے جو اپنی ضیا ریز کرنوں سے ساری دنیا کو گرمی اور روشنی پہنچاتا ہے۔ چاند اور ستارے بنائے ہیں جو خوفناک اندھیری راتوں میں اپنی کیف بار اور اچھوتی روشنی سے دن کی طرح ایک نورانی اُجالا کر دیتے ہیں۔

میری ماتا جی نے مجھے یہ بھی بتلایا ہے کہ تونے طرح طرح کے خوشنما پھول کھلائے ہیں جو اپنے دلفریب رنگ اور عطر بیز خوشبو سے دیکھنے والوں کی آنکھوں میں طراوت اور دل میں تازگی اور اُمنگیں پیدا کر دیتے ہیں۔
میری ماتا یہ بھی کہتی تھیں کہ تونے عالیشان پہاڑ ... دریا، سمندر ... اور جنگل بنائے ہیں جن کو دیکھکر انسانی عقول دنگ رہ جاتی ہیں۔
اے شہنشاہوں کے مالک میرے پیارے خدا! تونے جو مجھے ان سب نعمتوں کو دیکھنے کے لئے آنکھیں نہیں دیں ... ... تو میں اس کی شکایت نہیں کرتی ... ... اور ان میں سے کسی چیز کو دیکھنا نہیں چاہتی ... ... مگر میرا دل رہ رہ کر چاہتا ہے کہ ... ... کم از کم اپنی ماتا جی کی صورت تو دیکھ لیا کروں۔

بقایا مضمون صفحہ ۵

کی ہے ۔ راجہ چاہے کتنا ہی امیر اور طاقتور کیوں نہ ہو وہ ایک آتما ، گرو مفلس مہاتما کی عزت کرتا تھا ۔

اسی سلسلہ میں یہ بات بھی قابل لحاظ ہے کہ محض دولت کمانے کی بہت زیادہ قدر نہیں تھی ۔ بلکہ اس کے برعکس ترک دنیا کو انسانی ترقی کی بلند ترین منزل سمجھا جاتا تھا ۔

ان نصب العینوں کے مقابلے میں مغربی تہذیب کی بنیاد جیسا کہ اوپر بیان کیا جا چکا ہے دنیاوی زندگی تھی جس کا نتیجہ یہ ہے کہ زندگی کی سادگی کی جگہ مقبوضا کی کثرت کی تعریف و توصیف کی جاتی ہے ۔ جس آدمی کے پاس دولت ہے اس کی عزت کی جاتی ہے اور اسے ماحت و کی طرف سے مبلاء اس میں مگر ل جاتی ہے ۔

علاوہ ازیں مغرب میں معاشی تنظیم کی بنیاد سخت اور بے درد مقابلے پر رکھی گئی ہے جس کی وجہ سے کمزور پست و ذلیل ہو جاتے ہیں اور طاقتور کمزوروں سے ناجائز فائدہ اٹھا کر اور زیادہ طاقتور بن جاتے ہیں ۔ پھر معاشی ترقی کی کوئی پہلے سے سوچی ہوئی اسکیم یا منصوبہ نہیں ہے جس کی وجہ سے پیداوار میں اضافہ طلب کا لحاظ کئے بغیر ہوتا رہتا ہے تقسیم کو رسد سے کوئی مناسبت نہیں ہوتی اور تمام معاشی نظام میں ایک بے ترتیبی نظر آتی ہے ۔ حرص اور طمع کی عملداری ہے ۔ منڈیوں اور اشیاء خام حاصل کرنے کے لئے دوسرے کا گلا گھونٹ کر اپنے لئے راستہ صاف کیا جاتا ہے ۔ اور تمام اخلاقی اور انسانی خیالات کو پس پشت ڈال دیا جاتا ہے ۔ مغربی اقوام جس مصیبت سے اس وقت دوچار ہیں اس سے ہمیں عبرت حاصل کرنی چاہئے ۔ اور ان کی اندھا دھند تقلید نہ کرنی چاہئے بلکہ ہمارے معاشی مسائل کے حل کرنے میں مغرب جو حصہ لے سکتا ہے اس کو لائق اعتناء سمجھنے اور اپنی ذہنی تنظیم کے بنیادی خیالات کے مطابق تعمیر جدید کے کام کی ابتدا کرنے سے پہلے یہ ضروری ہے کہ ہم مختصر طور پر ان معاشی نظاموں کی تحقیقات کریں جو اس وقت دنیا میں برسر اقتدار نظر آتے ہیں ۔ تاکہ ہم بذات خود اس بات کا فیصلہ کر سکیں کہ اپنے گھر کی حالت درست کرنے کے واسطے ہمارے لئے کون سا طریقہ اختیار کرنا سب سے زیادہ موزوں ہوگا ۔

دنیا کے آجکل کے معاشی نظام

اس وقت معاشی زندگی کی جو دو اہم ترین شکلیں پائی جاتی ہیں ، وہ سرمایہ داری اور اشتراکیت ہیں ۔ سرمایہ داری نظام یورپ میں جاگیردارانہ نظام کے جانشین کی حیثیت سے نمودار ہوا ۔ جاگیرداری نظام میں اقتدار جاگیرداروں کو حاصل تھا ۔ وہ مضبوط قلعوں میں رہتے تھے اور اپنی دولت اور قوت میں اضافہ کرنے کے لئے وقتاً فوقتاً قرب و جوار کے چھوٹے چھوٹے گاؤں پر حملہ کرتے رہتے تھے ۔ کم حیثیت کاشتکار اور مزدور انہیں خراج ادا کرتے تھے اور اس کے بدلے میں ان کے حملے سے محفوظ رہتے تھے ۔ جاگیرداروں کی ذہنیت سوائے خود غرضانہ نفع طلبی کے اور کچھ نہ تھی جب مشین کے استعمال کی وجہ سے یورپ میں صنعتی انقلاب ہوا اور اس وقت ہندوستان سے بڑے بڑے خزانے کھینچ کر یورپ چلے گئے ۔ ان جاگیرداروں کی جگہ بڑے بڑے ساہوکار پیدا ہو گئے جنہوں نے اپنے طور پر ایک ایسا نظام قائم کر لیا جو جاگیرداروں کے نظام سے بہت سی باتوں میں مشابہ تھا ۔ اور اسی طرح یہ ساہوکار بھی منافع کمانے لگے جیسے جاگیردار خراج کے ذریعے سے کماتے تھے ۔ یہاں بھی ذہنیت خود غرضانہ نفع طلبی کی تھی اور طریقہ یہ تھا کہ مشین کے ذریعہ سے جتنا ہو سکے نفع حاصل کیا جائے اور اخلاقی پابندیوں کی کوئی پرواہ نہ کی جائے ایک واحد آدمی مشین کے ذریعے سے ہزاروں مزدوروں کی محنت کا نفع حاصل کرنے لگا ۔ وہ اپنی جیبیں بھرتا ۔ اور چونکہ مشین کا مالک وہی ہوتا تھا اس کے مزدور بے بس ہوتے تھے ۔ اور انہیں اس کی حرص و آز کو بلا احتجاج کئے برداشت کرنا پڑتا تھا ۔

سرمایہ داری نظام کی ایک سب سے بڑی خرابی ہے کہ یہ نہ صرف نفع طلبی کی ذہنیت اور اس کی معرفت بدترین حرص اور خود غرضی کو ترقی دیتا ہے بلکہ مزدور سے دولت پیدا کرنے کے ذرائع چھین کر اسکی آزادی بھی چھین لیتا ہے ۔ جب یہ ہو جاتا ہے تو سرمایہ کی فتح اور مزدور کی غلامی مکمل ہو جاتی ہے ۔ اپنے قرب و جوار کے آدمیوں سے جو ناجائز فائدہ حاصل ہوتا ہے سرمایہ دار اسی پر قناعت نہیں کرتا بلکہ سرمایہ والے اپنی حریص نگاہیں کو دنیا کے بعید ترین گوشوں تک لے جاتے ہیں کیونکہ انہیں اپنی مصنوعات کے لئے منڈیوں اور اپنے کارخانوں کے لئے خام اشیاء کی ضرورت ہوتی ہے ۔ چنانچہ بڑی بڑی رقموں کے سہارے سے وہ ان جگہوں پر قبضہ کرتا ہے اور اس بات کا بھی انتظام کرتا ہے کہ یہاں کے رہنے والوں کی حیثیت لکڑ ہاروں اور پنہاروں جیسی ہو جائے ۔ وہ انہیں اپنے ملک میں صنعتی اشیاء پیدا کرنے سے باز رکھتا ہے کیونکہ ایسی حالت میں اس کی منڈی اس کے ہاتھ سے نکل جاتی ہے ۔

غرض اس طرح نظام سرمایہ داری سے نظام شہنشاہیت پیدا ہوتا ہے ۔ اور کمزور قوموں کو غلام کر کے ان سے ناجائز فائدہ حاصل کیا جاتا ہے ۔ اس کاروبار میں یہ ظاہر ہے کہ اخلاقی پابندیوں کا کوئی لحاظ نہیں رکھا جاتا ۔ کیونکہ تجارت بہرحال تجارت ہے ۔ اور اس میں جو چیز قابل لحاظ ہوتی ہے ۔ وہ صرف نفع ہوتا ہے ۔ بنا بریں کوئی چیز ساہوکار کو اپنے گندے کام کرنے سے باز نہیں رکھتی ۔ اگر کچھ رد و کد کی جاتی ہے تو فوراً جنگ شروع ہو جاتی ہے ۔ اور ناقابل بیان کشت و خون اور تباہی پھیل جاتی ہے سرمایہ دار کو اپنا سونا چاہئے چاہے اسکی وجہ سے خون کی کتنی ہی ندیاں کیوں نہ بہہ جائیں ۔

(باقی آئندہ)

فلموں کی تعلیمی حیثیت

تمام پہلوؤں کے ما سوا اس مسئلہ کا ایک پہلو یہ ہے کہ آیا تفریحی فلمیں تعلیمی حیثیت بھی رکھتی ہیں

(باقی اگلے صفحہ پر)

مشہور فلم سٹارزھرہ

"عراق کا چور" میں

Printed and Published by Dharampal Gupta at the TEJ Press Burn Bastion Road Delhi

ہوا بہار

(از رضی ابن الحسن فکر ایم اے)

رنگ ہولی کا ہوا ہے زیبِ عنوانِ بہار
لالہ گوں مثلِ شفق ہے صبحِ خندانِ بہار

کھیلتی ہے رنگ پھولوں سے ہوائے عطر بیز
مخزنِ کیف و مسرت ہے گلستانِ بہار

یوں گلوں کی جلوہ سامانی نے شمشار کر دیا
دیدۂ نرگس ہے گویا چشمِ حیرانِ بہار

جس طرف دیکھو فضا میں آج اڑتا ہے عبیر
رنگ میں ڈوبے ہیں اجزائے پریشانِ بہار

ہند میں جاری ہے ایسے پیرِ میخانہ[1] کا فیض
ہر گدائے میکدہ ہے آج سلطانِ بہار

حسنِ فطرت کی ہوئی ہے جلوہ فرمائی تمام
ذرہ ذرہ سے ہے پیدا سازوسامانِ بہار

بزم میں ہولی کی ہے ہر شاخِ گل ساغر بکف
لالۂ گلشن بنا ہے شمعِ ایوانِ بہار

ملک میں آ جائے اصلی عیش و عشرت کا بھی دور
کاش بھر جائے گلِ مقصد سے دامانِ بہار

فکر یہ گھڑیاں مسرت کی ہیں کتنی مختصر
جانفزا ہولی بھی ہے یک روزہ مہمانِ بہار

[1] مہاتما گاندھی ۱۲

(ترجمہ خاص برائے منتج ویکلی دہلی)

یہ ہولناک پیشین گوئی سب کے لئے باعث تشویش ہوگی کہ ہمارا چاند مستقبل میں ٹکڑے ٹکڑے ہو جائے گا چند چھوٹے چھوٹے سیاروں اور اجرام فلکی کی صورت اختیار کرے گا اور زمین کے گرد چکر لگانے لگے گا۔

لیکن جب تک یہ عمل مکمل ہو یعنی چاند کی یہ کیفیت ہو اس وقت تک ہم زندہ نہیں ہوں گے کیونکہ سائنسدانوں نے اندازہ لگایا ہے کہ یہ کام اس قدر آہستگی کے ساتھ عمل پذیر ہو رہا ہے کہ چاند کے پاش پاش ہونے میں تقریباً (۵۰,۰۰۰,۰۰۰) سال لگیں گے۔

سر جیمز جینس (SIR JAMES JEANS) مشہور ماہر فلکیات سائنس داں نے اس باب میں جو زبردست پیشین گوئیاں کی ہیں اور جن کا یورپ کے علمی حلقوں میں چرچا ہو رہا ہے۔ ہم یہاں پیش کرتے ہیں:۔

سر جیمز کا بیان ہے:۔

"زمین پر جو سمندر واقع ہیں اُن کا ہیجان۔ طوفان اور موجوں کا ابھار چاند کی رفتار سے تعلق رکھتا ہے سمندری موجوں کا اثر زمین کے اندرونی طبقات پر پڑتا ہے اور اس کی وجہ سے زمین کی کشش میں کمی آتی ہے۔ ماہروں کا اندازہ ہے کہ زمین کی طاقت کشش روز بروز کم ہو رہی ہے اور اس کی وجہ سے زمین کی رفتار میں فرق پڑ رہا ہے۔ اور چاند کی زندگی خطرہ میں پڑ گئی ہے۔

سر جیمز کا بیان ہے کہ:۔

ایک وقت ایسا آ جائے گا کہ کشش زمین بہت ہی ہلکی پڑ جائے گی۔ زمین اور چاند ایک باہمی دورے متحدہ رفتار اور متحدہ وقت کے

حساب سے ہونے لگیں گے جس کا نتیجہ یہ ہوگا کہ معمولی حرکت انہیں باہم متصادم کر دے گی۔

نیز ایک وقت ایسا بھی آ جائے گا کہ زمین کی حرکت اس قدر ہلکی پڑ جائے گی کہ کرۂ ارض کے رہنے والوں کے ایک نصف حصہ کو چاند کا رُخ دکھائی ہی نہیں دے گا۔ اور دوسرا رُخ دیکھے گا۔"

"نظام شمسی اور نظام قمری کا باہمی اثر یہ بھی ہوگا کہ آہستہ آہستہ زمین کی رفتار کو کم کرتے رہیں گے۔ اور چاند زمین کے قریب تر آتا رہے گا۔

یعنی اس وقت زمین اپنی طاقت سے چاند کو جس قدر پیچھے رکھ سکتی ہے پھینکتی رہتی ہے لیکن جب اس کی کشش و رفتار میں کمی آ جائے گی تو زمین اور چاند کا درمیانی فاصلہ بھی کم ہو جائے گا۔

چاند کے قریب آ جانے سے نہ صرف زمین کے موسمی تغیرات خطرناک ہلاکت کی صورت اختیار کریں گے بلکہ سمندروں میں طوفانوں کی زیادتی موجوں اور لہروں کا بڑی زیادتی کے ساتھ اچھلنا بھی ایک مصیبت بن جائے گی نیز چاند پر بھی اس کا اثر پڑے گا۔ چاند کے عناصر ترکیبی میں بھی ہیجان پیدا ہو جائے گا اور ان عناصر میں ہلچل پیدا ہو جائے گی۔ زمین کی امواج سے چاند کے اجزائے ترکیبی کا نظام بگڑنا شروع ہو جائے گا۔ اور آخر کار وہ وقت آ جائے گا جب وہ پریشان ہو جائیں گے اور چاند پاش پاش ہو جائے گا۔ چھوٹی چھوٹی گیندوں اور سیاروں کی صورت میں وہ فضائے آسمانی میں تیرنے لگیں گے اور کوشش کریں گے کہ زمین سے ہم آغوش ہو جائیں۔

جس طرح زحل کے گرد چھوٹے چھوٹے اجرام فلکی دوربین سے دیکھنے پر تیرتے ہوئے نظر آتے ہیں اسی طرح ہماری زمین کے گرد چاند کے ٹوٹے ہوئے ٹکڑے منتشر و پراگندہ حالت میں چکر لگاتے ہوئے دیکھے جائیں گے۔

افسوس کہ چاند کا وجود ختم ہو جائیگا۔

سائنس

دورانِ جنگ میں گیسوں کا استعمال

آنسو لانے والی، چھینکیں لانے والی، ہنسانیوالی اور زہریلی گیسیں!

(از قلم پروفیسر جی۔ ڈی۔ ٹی۔ ایم۔ ایس۔ سی)
(خاص نیرنگ خیال کے لئے)

اگر جنگ کا مقصد غنیم کی فوج کو ہلاک کرنا ہے اور اس مقصد حاصل کرنے کے لئے تیز خنجر اُن کے سینہ میں گھونپے جاسکتے ہیں، تلواروں سے اُن کے گلے کاٹے جاسکتے ہیں اور ان کے جسم کو توپ اور بندوق کی گولیوں سے پانی کیا جاسکتا ہے تو دوران جنگ میں گیسوں کا استعمال بھی جائز کہا جاسکتا ہے کیونکہ ان کی مدد سے یہی مقصد بغیر چیخ اور پکار کی گونج کے آسمان تک پہنچنے کے، بغیر گرم گرم لہو کے دریا بہنے کے، اور بغیر ظاہری جسمانی ایذا کے بآسانی حاصل ہوسکتی ہے بلکہ یہ طریقہ اس لحاظ سے زیادہ موثر ہے کہ گیسیں تمام اقسام کی کھائیوں اور خندقوں میں داخل ہوکر کونے کونے میں پہنچ سکتی ہیں رہا سوال یہ کہ فضا میں زہریلی و سنسنی گیسوں کے پھیلنے سے نہ صرف سپاہیوں کی زندگی خطرہ میں پڑتی ہے بلکہ تمام ارد گرد کے علاقہ کی ہوا پراگندہ ہوجاتی ہے جس سے تمام شہریوں کو نقصان پہنچنے کا اندیشہ ہے،

اس کا دوسرا پہلو یہ ہے کہ جو سائنس داں ایک ایسی گیس معلوم کرسکتا ہے جس کے سونگھنے سے جسم میں سکتہ پیدا ہوجائے وہ یقیناً اُس گیس کے تریاق کو بھی سمجھتا ہے جس کے ہوا میں چھوڑنے سے وہی زہریلی گیس بے ضرر ہوا میں تبدیل ہوسکتی ہے ۱۹۱۵ء میں جبکہ جنگ عظیم پوری طاقت سے جاری تھی بلجیم میں "ایپریز" (YPRES) کے مقام پہ پہلے پہل گیس کی مدد سے حملہ کیا گیا اور صرف چار سال کے عرصہ میں ۱۹۱۵ء سے ۱۹۱۹ء تک تقریباً تین ہزار کے قریب مرکبات تحقیق میں لائے گئے ان میں سے مشکل سے دس یا پندرہ ایسے نکلے جو کہ جنگ میں کسی نتیجہ کے لئے استعمال کئے جاسکتے تھے، عوام میں جو یہ خیال پھیلا ہوا ہے کہ سائنس داں کے پاس ہزارہا ایسے مرکب اور ایسی گیسیں ہیں جن کے ہوا میں چھوڑنے سے منٹوں میں غنیم کی صفیں صفحۂ ہستی سے مٹائی جاسکتی ہیں، بالکل بے بنیاد ہے۔ مشکل سے ہی ایک ایسی گیس ہوگی جس کو ہم آئیڈیل سمجھ سکیں کیونکہ تجربہ گاہ کی ٹیسٹ ٹیوب اور جنگ کے میدان میں بہت فرق ہے وہاں پر استعمال میں آنے کے لائق گیس سستی ہونی چاہیئے، وہ ہوا میں بہت زیادہ حل ہونے والی ہونی چاہیئے، تاکہ ایک معمولی ہی مقدار بہت زیادہ رقبہ پر اپنا اثر کرسکے، اور اس کا اثر جسم کے ہر ایک حصہ پر ہونا چاہیئے نہ صرف ناک، کان، آنکھ، کھال یا پھیپھڑوں پر، عام طور پر استعمال میں آنے والی گیسوں یا سیال چیزوں کا اثر جسم کے ایک، دو یا تین اعضا پر ہوتا ہے اور مختلف مقامات پر مختلف صورت حالات پیدا کرنے کے لئے مختلف اقسام کی چیزیں استعمال کی جاتی ہیں۔ بعض مرکب ایسے ہیں جن کے آنکھوں کے نزدیک آتے ہی آنکھوں میں سے ٹپ ٹپ آنسوؤں کی بوندیں گرنے لگتی ہیں اور آنکھ کی پتلی میں خفیف سی جلن ہونے لگتی ہے، جس کی وجہ سے انسان آنکھیں بند کرنے پر مجبور ہوجاتا ہے، اور اُس جگہ سے بھاگنے کے سوا اور کوئی چارہ نہیں رہتا۔

اس قسم کے مرکب جن میں سے سب سے مشہور کلور اسیٹو فینون (CHLORACETO PHENONE) ہے۔ آجکل مجمع کے منتشر کرنے کے لئے مغربی ممالک میں عام طور پر استعمال کئے جاتے ہیں۔ ایسی آنسو لانے والی سیال چیزیں جو کہ ایک ہلکی سی پھوار کی صورت میں مجمع تک پہنچائی جاتی ہیں لوگوں کو منتشر کرنے میں بہت مفید ثابت ہوئی ہیں۔ ان کا اثر صرف چند گھنٹوں تک ہی قائم رہتا ہے۔ بعد میں کوئی اثر نہیں ہوتا لیکن اُس وقت لوگ اپنا کام کو سرانجام دینے سے عاجز ہوجاتے ہیں۔

ایک اور دوسری قسم کے مرکب مثل ڈائی فینایل امینو کلور آرسین (DIPHENYLAMINO CHLOROARSINE) ہیں جن کا اثر ناک اور اُس کے پردوں پر ہوتا ہے اور ان کے ناک کے پاس پہنچنے سے زور زور سے چھینکیں آنے لگتی ہیں

باقی اگلے صفحہ پر

ہولی کی بدھائی

(از مشہور قوم پرست پنڈت نیکی رام شرما)

(خاص تیج دہلی کے لئے)

ہر سال ہم کہہ دیتے ہیں کہ "ہولی" کھیلے۔ کچھ کودے۔ رنگ ڈالا۔ ذرا اور جہاں تک لگا دی تو کوئی لُٹ گیا۔ جھوٹے بچے۔ نکلے۔ نہا دھو کر صاف ہوئے۔ نئے کپڑے پہنے، اور لگے بھاگ بھاگ کر ایک دوسرے کے گلے۔ ہنسے اور کہہ دیا۔ ہولی۔

یعنی کیا ہولی؟ کسی چیز کی حد! دلوں کی صفائی یا کسی جھگڑے کی سماپتی؟

آخر وہ کیا چیز ہے جس کی بابت ہم ہر سال ہمیشہ کی طرح کہتے رہتے ہیں کہ "ہولی" تہوار تو خوشی میں منایا جاتا ہے۔ مستی میں منایا جاتا ہے اور خاص کر ہولی تو زیادہ مستی کا تہوار ہے۔ رنگ رلیاں اور گلچھرے باجے کی دھوم ہولی کی خاص پہچان ہے۔ ان باتوں کے لئے دلوں میں جس اُمنگ کی ضرورت ہے، کیا کوئی کہہ سکتا ہے کہ وہ ہم میں ہے غلامی اور غریبی سے دل مرجھایا ہوا ہے۔ رات دن پیٹ کے لالے پڑے ہیں۔ چاروں طرف فکر اور مایوسی کے نظارے ہیں۔ اس حالت میں ہمارے تہوار ہمیں کیا خوشی دے سکتے ہیں؟

ہمارے سامنے تو مصیبتوں کا ڈھیر ہے۔ بہت سی مصیبتوں کے بانی مانا کہ کوئی اور ہیں مگر یہ بھی تو سچ ہے کہ کتنی ہی مصیبتوں کے موجد ہم خود ہیں۔ اگر ہم کسی طرح اپنی ایجاد کردہ مصیبتوں کا خاتمہ کر سکیں، تو یقیناً باقی مصیبتیں بھی ختم ہو جاویں گی۔ تو آؤ آج ہم اس مل جل کر منانے والے تہوار پر آپس میں اس ڈھنگ سے ملیں کہ پھر جدائی نہ ہو سکے، سچے دل سے سچے پریم سے اور بھائی بھائی کے ناطے سے ہم سب گلے ملیں، اور اس بات کا اعلان کریں کہ اب تک جو ہوا سو ہوا مگر آج سے ہمارے جھگڑوں کی، بیر بھاؤ کی اور اچھوت پن کی اِتی شری (خاتمہ) ہولی۔

ہم سب ایک ہیں۔ ایشور کی سنتان اور بھارت ماتا کی گود کے لال ہیں۔

پریم کی پچکاری سے آج ہم محبت اور اتفاق کا رنگ برسا رہے ہیں آج ہمیں نشہ بھی ہے مگر وہ اپنے ہونے کے جوش کا نہیں۔ بلکہ سچے پریم کا۔ اسی پریم کی مستی میں ہم یہ چلا رہے ہیں کہ آج ہم سب ایک ہیں۔ بھائی بھائی ہیں۔ سب جھگڑے ختم ہوئے۔ ہولی کی آگ میں بھید بھاؤ کی آہوتی دیدی۔ اب تک جو برائی ہوئی تھی سو ہوئی مگر اب سب کام ٹھیک ہوگا۔ یہ ہے سچی ہولی کی بدھائی۔

(پچھلے صفحہ سے)

ایک غنودگی سی دماغ پر طاری ہو جاتی ہے اور بے حد سستی اور تھکاوٹ سی محسوس ہونے لگتی ہے۔

ایک اور مرکب ہے جو پھیپھڑوں پر اثر کرتا ہے اور اگر سانس کے ذریعہ اندر چلا جائے تو اس قدر جلن ہونے لگتی ہے کہ انسان بے تاب ہو جاتا ہے۔ گیس کا زہریلا مادہ خون میں پھیل جاتا ہے اور موت واقع ہو جاتی ہے۔ فاسجین گیس اس زمرہ میں آتی ہے اور جرمنی کے ڈاکٹر روڈولف ہنسیلائن نے ثابت کیا ہے کہ ایک لاکھ حصہ ہوا میں اس گیس کا ایک حصہ اپنا اثر کرنے کے لئے کافی ہے۔

"مسٹرڈ گیس" MUSTARD GAS

پھیپھڑوں کے ساتھ جسم کی کھال اور آنکھوں پر بھی حملہ کرتی ہے۔ چند منٹوں میں ہی جسم پر آبلے نکل آتے ہیں۔ اور نہ برداشت خارش ہونے لگتی ہے آنکھوں میں درد شروع ہو جاتا ہے۔ اور پھیپھڑے جلتے ہوئے معلوم ہوتے ہیں۔

یہ گیس عام طور پر دوران جنگ میں استعمال کی گئی ہے، کیونکہ ایک کروڑ حصہ ہوا میں اس گیس کا ایک حصہ اپنا عمل کرنے کے لئے کافی ہے۔ یہ وہ عمل ہے جو جسم کے ایک سے زیادہ حصوں کو اپنا شکار بناتا ہے۔ جنگ عظیم میں جرمنی ۶۶۰۰۰ ہزار پونڈ روزانہ اس گیس کو استعمال کرتا رہا ہے۔

کاربن مانو آکسائڈ اور ہائیڈروسائنک ایسڈ HYDROCYANIC ACID بھی عام طور پر استعمال کئے گئے ہیں۔ ان میں سے پہلی زیادہ سستی اور کارآمد ہے، اور دوسری زیادہ زہریلی، ہائیڈروسائنک ایسڈ۔ نروس سسٹم کو چند سیکنڈوں میں تباہ کر ڈالتا ہے، اور حرکت قلب بند ہو جاتی ہے۔

کاربن مانو آکسائڈ خون کے ساتھ آکسیجن کے مقابلہ میں دو سو گنا زیادہ تیزی سے مل سکتی ہے، اس لئے جب یہ گیس ہوا میں ہو تو خون آکسیجن کو جذب کر کے اعضا تک نہیں پہنچا سکتا۔ چونکہ اس گیس کی کوئی رنگت یا بو نہیں۔ اس لئے یہ زہریلی گیس جو کہ منٹوں میں انسان کو بے ہوش کر کے مار ڈالتی ہے جنگ میں سب سے زیادہ کارآمد سمجھی جاتی ہے۔

رفتارِ زمانہ کی جھلکیاں

مؤرخہ ۱۰ مارچ سنہ ۱۹۳۶ء بروز منگل وار

ہولی

ہندوستان میں قومی تہواروں کی اہمیت

ہولی آئی اور اپنے دامن رنگیں میں بہاروں کی ایک دنیا ساتھ لائی۔ ہندوستان میں اس مخصوص تہوار اور موسم بہار کا چولی دامن کا ساتھ ہے۔ کیونکہ موسموں کی آمد کی جو ترتیب فطرت کی طرف سے ہے وہ یہی ہے کہ موسم سرما کے بعد بہار کا موسم آتا ہے اور اس کے بعد گرمیوں کا دور شروع ہوتا ہے۔ سچ پوچھئے تو بہار کا زمانہ بسنت ہی سے شروع ہو جاتا ہے اور رنگ بھرے دنوں میں ہولی کے خیر مقدم کا ولولہ پیدا ہونے لگتا ہے۔ دنیا میں جتنے قومی تہوار ہیں، خواہ وہ کسی ملک یا قوم سے تعلق رکھتے ہوں، کسی نہ کسی نقطۂ نگاہ سے اپنی ایک خاص اہمیت رکھتے ہیں۔ اسی طرح ہندوستان میں بھی جتنے تہوار ہیں وہ بھی اپنی اہمیت سے خالی نہیں ہیں۔ ہولی کے تہوار کے ساتھ ہندوستان میں تین چیزوں کا تخیل پیدا ہوتا ہے۔ اور وہ یہ ہیں (۱) موسم کی خوشگواری اور بہار کی رنگینیاں (۲) فصل کے پکنے کا وقت اور اقتصادی خوش حالی کا دور (۳) مذہبی پہلو جس کا تعلق [illegible] کی بھگتی یعنی خدا کے عرفان سے ہے۔ برق مرحوم نے ہولی پر ایک نظم کہی تھی جو گزشتہ سال تیج دہلی میں شائع ہوئی تھی۔ اس نظم کے تین مسلسل اشعار سے ہمارے اس خیال کی پوری تائید ہوتی ہے۔ وہ اشعار یہ ہیں:-

شادابی گلزار ہے اب دید کے قابل ۔۔۔ ہر غنچۂ گل تیرا اثر انداز ہے ہولی

کھیتوں میں ہیں پکی فصل کے پکنے کا ہے موسم ۔۔۔ قدرت کا ہے تہوار، سرافراز ہے ہولی

پہلاد کی بھگتی کا نشاں اس میں ہے اسرار ۔۔۔ عرفان و تصوّف کا کھلا راز ہے ہولی

جہاں تک موسمی رنگینیوں کا تعلق ہے وہ ہر حال میں موجود ہیں۔ کیونکہ اس کا انتظام قدرت کے ہاتھوں میں ہے۔ بہار کا اپنے وقت پر آنا اور پھولوں کا اپنے وقت پر کھلنا ضروری ہے۔ لیکن بہار کی آمد اور اس کی مسرتوں کا احساس صرف انہیں دلوں کو ہو سکتا ہے جو خوش ہیں اور جو اقتصادی بدحالی اور فاقہ کشی کا شکار نہیں ہیں۔ اسی کا تعلق ہولی کے دوسرے پہلو یعنی فصل کے پکنے کے وقت اور عامۃ الناس کی خوش حالی سے ہے۔ یہ کام بھی ایک حصہ قدرت کے ہاتھوں میں ہے یعنی گیہوں اور چنے بھی اپنے وقت پر پک جاتے ہیں لیکن ہندوستان میں اس کا دوسرا حصہ جو انسان کا ذمہ ہے اس سے پیدا نہیں ہوتا یعنی باوجود فصل کی تیاری اور غلوں کی بہتات کے لوگوں کی اقتصادی اور معاشی حالت بہتر نہیں ہوتی ہے اور روٹی کے ٹکڑوں کے لئے عام محتاجی میں کوئی کمی واقع نہیں ہوتی۔ اس کا سبب جو کچھ ہے اس کے اعادہ کی غالباً ضرورت نہیں ہے۔ اگر ہمارا صنعتی، تجارتی، اقتصادی اور معاشرتی نظام خود ہمارے ہاتھوں میں ہوتا تو ممکن تھا کہ قدرت کا یہ تہوار ہمارے لئے بھی خوشحالی اور آرام و راحت کا پیغام لاتا۔ لیکن ہولی آتی ہے اور چلی جاتی ہے۔ اور ہم فطرت کی علاوہ فیاضیوں سے مستفید نہیں ہو سکتے۔

اب ہولی کے تیسرے پہلو کو دیکھئے یعنی عرفان و خدا شناسی اور حق پرستی و صداقت، تو اس کا تعلق اپنے عمل سے ہے۔ اور ظاہر ہے کہ اگر ہندوستان کے گوشہ گوشہ میں حق پرستی و صداقت کی ایک مکمل فضا پیدا ہو جائے تو یہ قومی تہوار اپنے اثر کے اعتبار سے بہت اچھے نتیجے پیدا کر سکتا ہے۔ ہندوستان میں مختلف مذاہب کے پیرو آباد ہیں، اور ہر فرقہ و ملت کے مذہبی تہوار جداگانہ ہیں۔ ہم اس وقت ان گرمیوں اور زیادتیوں کا تذکرہ کرنا نہیں چاہتے جو تہواروں کے وقت پر ملک میں فتنہ و فساد کا باعث بن جاتی ہیں، بلکہ یہ کہنا چاہتے ہیں کہ ہندوستان کو بھی ایک ایسے مشترکہ قومی تہوار کی ضرورت ہے جس میں بلالحاظ مذہب و ملت ہر شخص صرف ہندوستانی ہونے کی حیثیت سے شریک ہو سکے، اور جو ہندوستان میں اتفاق و اتحاد کی فضا پیدا کرنے کا باعث بن جائے۔ ہولی کے تہوار سے اگر وہ بازاری حرکتیں جو نیچے طبقوں میں رائج ہو گئی ہیں اور جو اس تہوار سے دراصل کوئی تعلق نہیں رکھتیں نکال دی جائیں تو اس کے مذکورہ بالا تینوں پہلو ایسے ہیں جن کا ہندوستان کے تمام باشندوں کی عام فلاح و بہبود سے تعلق ہے۔ موسم کی خوشگوار فضا اور بہار کی رنگینیاں کسی خاص فرقہ کے لئے نہیں ہیں۔ فطرت کا فیض بھی سب کے لئے یکساں ہے۔ اقتصادی خوش حالی اور معاش و رزق میں وسعت سب کی زندگی کے لئے برابر اہمیت رکھتی ہے اور حق پرستی و صداقت بھی کسی ایک فرقہ یا جماعت کا حصہ نہیں ہے، بلکہ سب لوگ اس راہ پر چل کر باہمی خلوص و محبت اور فرقہ وارانہ اتفاق و اتحاد کی زنجیروں میں منسلک ہو سکتے ہیں۔ آخر میں ہم اپنے ناظرین کو ہولی کی مبارکباد پیش کرتے ہیں۔

ایڈیٹوریل

روسی اطبا کا حیرت انگیز کارنامہ

ماسکو سے بعض دلچسپ اطلاعات کے ذریعہ معلوم ہوا ہے کہ روس کے چند ماہرین طب و سائنس نے اپنے حیرت انگیز تحقیقاتی تجربی عمل سے بعض ایسے چھوٹے چھوٹے جانوروں کو دوبارہ زندہ کر دیا ہے جو ہزاروں سال پہلے قطب شمالی کے سرد حصہ میں برف کے تودے کے اندر منجمد ہو چکے تھے۔ یہ چھوٹے چھوٹے جانور جس وقت کہ برف کے اندر سے نکالے گئے ہیں اور برف کی سردی فضا کی حرارت میں منتقل ہوتے ہی اب زندہ ہو گئے ہیں۔ اس سلسلہ میں ایک دلچسپ حقیقت یہ ہے کہ امریکہ کے بعض ڈاکٹروں نے ابھی پچھلے دنوں یہ تحقیقات کی تھی کہ مریضوں کو برف میں منجمد کر کے ان کو بیماری سے صحت بخشی جا سکتی ہے۔ ایک ڈاکٹر نے تین بیماروں کو منجمد کر دیا تھا جن میں سے ایک تو دوبارہ زندہ ہو گیا۔ دوسرا مر گیا۔ اور تیسرا اب تک برف سے نکالا نہیں گیا ہے۔ ان ڈاکٹروں کا نظریہ یہ ہے کہ امراض کے جراثیم سردی سے مر جاتے ہیں۔ اس لئے مریضوں کو برف میں منجمد کر کے ان کو کچھ دنوں کے بعد از سر نو زندہ کر دینا چاہیئے۔ لیکن سوال یہ ہے کہ اگر کوئی مریض زندہ نہ ہوا تو کیا ہوگا؟ بہرحال اگر لوگوں کو منجمد کر کے ایک صدی یا چند صدیوں تک برف میں رکھنے کا طریقہ کامیاب ہو گیا تو کچھ لوگوں کو منجمد کر کے آئندہ نسلوں سے ہمارا تعارف کرانے کے لئے زندہ کتاب بنا دیا جا سکتا ہے۔ ایسے ماہرین سائنس اگر ہندوستان کے لیڈروں کو کچھ دنوں برف میں منجمد کر کے رکھ چھوڑیں تو ہر طرح سے مفید ہوگا۔

تصویروں کے ذریعہ دیہات سدھار

ہم پہلے بھی کہہ چکے ہیں کہ دیہات سدھار کا کام خواہ وہ کسی بالقوں اور کسی ذریعہ سے کیا جائے گورنمنٹ ہر لیا [illegible] میں دیہات سدھار کر سکے۔ اور خلوص کے ساتھ دیہاتیوں کی بہتری اور بہبودی مقصود ہو تو ہندوستان کا ہر عاقل طبقہ اس کی تائید کریگا۔ حکومت نے دیہات سدھار کے لئے جو رقم الگ کر رکھی ہے اس کے متعلق یہ کہا جا چکا ہے کہ ناکافی ہے، اور ہندوستان میں دیہاتوں کی تعداد کے لحاظ سے اتنے روپیہ سے کوئی ترقی دیہاتوں کو نہیں پہنچ سکتا۔ پچھلے دنوں پنجاب کی دیہاتی تحریک کے کمشنر مسٹر ایف۔ ایل۔ برن آئی۔ سی۔ ایس نے یہ تجویز کی ہے کہ دیہاتوں میں گھروں کی صفائی، حفظان صحت اور متعدد دیگر موضوعات پر تصویریں چھپوا کر دیہاتیوں کے گھر کی دیواروں پر لٹکائی جائیں تاکہ ان تصویروں سے تعلیمی مقاصد سے مستقل فائدہ اٹھا سکیں۔ مسٹر برن کو غالباً ایک ایسے آرٹسٹ کی تلاش بھی ہے جو اس سلسلہ کی اچھی اور دلچسپ تصویریں بنا سکے، تاکہ یہ تصویریں ہزاروں چھپوا کر دیہاتوں میں تقسیم کی جائیں۔ ہم اس پر اعتراض نہیں کرتے۔ ہم ریڈیو اور سینما کے متعلق تجویزوں پر بھی نوٹ لکھ چکے ہیں، لیکن ہم صرف یہ چاہتے ہیں کہ جو سرکاری رقم دیہات سدھار کے لئے مخصوص ہے اس کو نہایت احتیاط کے ساتھ دیہات سدھار کے مخلصانہ کاموں پر خرچ کیا جائے اور ایسا نہ ہو کہ دفتر کے اخراجات اتنے زیادہ ہو جائیں کہ دیہاتوں کی گھریلو صنعتوں کی ترقی اور ان کی بہتری اور اقتصادی خوشحالی کے لئے کچھ باقی ہی نہ رہے۔

ہندوستان اور پھلوں کی تجارت

معاصر لیڈر میں ایک مضمون نگار نے ہندوستان میں پھلوں کی تجارت اور ان کو ٹین کے ڈبوں میں بند کرنے کی صنعت کے متعلق ایک نہایت دلچسپ اور پُر از معلومات مضمون تحریر کیا ہے۔ اس میں شک نہیں کہ ہندوستان میں مختلف اقسام کے پھل بہت کثرت سے پیدا ہوتے ہیں لیکن چونکہ ان پھلوں کو ٹین کے ڈبوں میں بند کرنے کی صنعت اب تک رائج نہیں ہوئی ہے اس لئے ان کو ملک کے باہر بھیجنے اور اس طرح تجارت سے فائدہ حاصل کرنے کی اپنی جگہ پابندی ہوئی ہے اور پھلوں کی ایک بڑی مقدار خراب ہو کر ضائع ہو جاتی ہے۔ مضمون نگار موصوف نے جزیرہ ہوائی کی مثال پیش کرتے ہوئے کہا کہ اس چھوٹے سے جزیرہ میں پھلوں کے باغ کثرت سے ہیں اور وہاں کے باشندے ہر سال تازہ پھلوں کی ایک کثیر مقدار ڈبوں میں بند کر کے دنیا کے مختلف حصوں کو بھیجتے ہیں۔ صرف ایک پھل یعنی انناس سے ذکی آمدنی بہت کر [illegible]

بمبئی کونسل میں ایک وکیل ایم۔ایل۔سی صاحب نے کہا ہے کہ بجلی کا ٹیکس بہت ہلکا اور اس کی وصولی بھی آسان ہے

غالباً ایک وکیل کی فیس کی طرح جو ہلکی تو بھی ہوتی ہے اور موکل کی جیب سے بآسانی نکال بھی لی جاتی ہے۔

ایک دوسرے ممبر نے فنانس بل کی تائید اس بنا پر کی کہ پریسیڈنسی کی موجودہ مالیات کو چھیڑنا نہیں چاہیئے

کیوں ہو غالباً اس لئے کہ نئے آئین سے وزارت کی امید وابستہ ہے۔

سردار سنگھ کا ارادہ یہ ہے کہ غیر پارلیمنٹری لہجہ اور الفاظ کا استعمال کرنے کی بنا پر گورنر جنرل کی ایگزیکٹو کونسل پر ملامت کا ریزولیوشن اسمبلی میں پاس کیا جائے

اُن کو تو شکریہ ادا کرنا چاہیئے کہ سرکاری ممبروں نے دفتری حکومت کی اصلی اسپرٹ کی نمائندگی کی ہے۔

مسٹر پی۔ داس کی رائے ہے کہ اسمبلی کے ایک ممبر کو پارلیمنٹ کے حقوق کا مطالعہ کرنے کے لئے دوسرے ممالک میں بھیجا جائے۔

اس مطالعہ سے ان کو یہی معلوم ہوگا جو معلوم ہے یعنی پارلیمنٹ صرف آزاد قوموں کی نمائندہ ہوتی ہے

مسٹر اے۔ ولیرا کہتے ہیں کہ آئرش فری اسٹیٹ اس وقت تک تیار ہے کہ خارج زمین کی ادائیگی کے مسئلہ کو ایک آزاد ٹریبونل کے سپرد کر دیں۔ اور یہ کہ یہ ایک چھوٹے ملک کے لئے یہ ایک بہت بڑی پیشکش ہے۔

لیکن آزاد ٹریبونل کے فیصلہ پر راضی ہونا ایک بڑے ملک کے لئے بہت چھوٹا سا عمل ہوگا۔

ایک اخبار مندرجہ ذیل سرخیاں دیتا ہے:
- اسلحہ سازی کی دوڑ میں برطانیہ کی شرکت
- وائیٹ پیپر جنگ کے خطرے پر زور دیتا ہے"

یہ خطرہ غالباً دوسروں کے لئے ہوگا۔ برطانیہ کے لئے نہیں۔ اس لئے کہ وہ تو کچھ نہ کچھ منافع ہی کے ساتھ ہر خطرے سے باہر نکل آتا ہے۔

رنگِ خیال ہولی میں

(از جناب قابل گلاؤٹھی)

(خاص نیرنگِ خیال کے لئے)

ہزار غنچہ ہوا اپنا حال ہولی میں || رہا زوالِ بہی اوجِ کمال ہولی میں
خوشی ہے غازۂ روئے ملال ہولی میں || وہی نفیس ہے ذی ایسی چال ہولی میں

سرائے زیست ہے شاید بحال ہولی میں

حرم زمیں کو ملے دیر آسماں کو ملے || جمالِ عرش بھی کچھ دیدۂ بتاں کو ملے
تری خدائی کا احساس دو جہاں کو ملے || زباں نظر کو ملے اور نظر زباں کو ملے

جواب دے تو کرو کچھ سوال ہولی میں

جو درد ہجر سے ہو مضمحل کسے دیکھے || جو ہو مجسمۂ آب و گل کسے دیکھے
جو اپنی دید سے ہو منفعل کسے دیکھے || اسیرِ مشقِ تصور ہے دل کسے دیکھے

مری نظر سے ہے میرا سوال ہولی میں

نگاہِ شب میں جمالِ رخِ سحر بھر کر || دعا کے جام میں لایا ہوں کچھ اثر بھر کر
یہ آرزو ہے کہ دیکھوں اسے نظر بھر کر || سرشکِ شوق میں خونابۂ جگر بھر کر

چھڑک رہا ہوں جہاں پر گلال ہولی میں

ہے ایک مرکزِ رنگینیٔ نظر پہ جہان || نہ انتشارِ بہار آج نہ انقلابِ خزاں
شرارِ گل نفسِ گرمِ عندلیب کہاں || نہ رنگِ حسن فروزاں نہ خونِ عشق تپاں

خطا نصیب جہاں ہے گلال ہولی میں

رواں رواں ہے مرا پیکرِ زبانِ سپاس || کہ ہے لذتِ ایذا کو پھر بھی خوف و ہراس
دلِ جفا طلب ابتک ہے میرا درد شناس || وصالِ یار تو ممکن ہے اے تسلی یاس

فراق سے نہیں ممکن وصال ہولی میں

طرحِ نظر و دورِ نرگسِ گلفام || عطائے خاص ہی پھر بھی ہے صلائے عام
وہی رعونتِ بیجا ہے بندگی ہے مدام || یہ بیخودی کہ ہے میری خودی کا ناز خرام

خدا کرے نہ کرے پائمال ہولی میں

ابھی سبب ہوا اس کا نام شکوہ و شوق || وفا سے شغل ہے لیکن ہے کام شکوہ و شوق
ہے اس کی شبِ غم و کلفت تو شام شکوہ و شوق || تمام عرض و حکایت تمام شکوہ و شوق

دکھائے عشق نے کیا کیا کمال ہولی میں

نہ شبنمِ گلِ وصل و نہ آفتابِ فراق || نہ خود فروش مظاہر نہ خوش حجابِ فراق
نہ باریابِ نظارہ نہ کامیابِ فراق || نہ قیل و قال تماشہ نہ اضطرابِ فراق

نگاہ شوق ہے پابندِ حال ہولی میں

وہ شوخ رہبری گام راہزن کی بہار || بخلوتِ دلِ عشاق انجمن کی بہار
خرام ناز میں ہنگامۂ وطن کی بہار || نگاہ میں لئے شادابیٔ چمن کی بہار

وہ آ گیا مرا آفت جمال ہولی میں

یہ میکدہ ہے یہاں ہوش میں نہ آ قابل || نگاہِ مست کی جنبش پہ سر جھکا قابل
یہ پاسِ تقویٰ و ناموس رہ گیا قابل || شرابِ ناب کی خفت کو پی بھی جا قابل

گلاب ہے عرقِ انفعال ہولی میں

ایک اخبار میں یہ دلچسپ سرخی نظر آئی: "خوشحالی کا بجٹ لوگوں کی بدحالی ظاہر کرتا ہے"

اس کا سبب یہ ہے کہ بجٹ خود حکومت کی خوشحالی کے لئے بنتا ہے نہ کہ لوگوں کی خوشحالی کے لئے۔

مسٹر سومو تبیدار کو شکایت ہے کہ مرکزی بجٹ گذشتہ برسوں کے بجٹ سے کم روشن ہے۔

ممکن ہے کہ یہ بجٹ تاریکی میں تیار کیا گیا ہو۔

آپ ہی فرماتے ہیں کہ سر جیمس گرگ نے ہندوستان کی تجارتی رائے کا کوئی خیال نہیں کیا ہے۔

وہ ایسا کیوں کرتے۔ پھر برطانیہ کی تجارتی رائے کا کیا حشر ہوتا!

ہر ہٹلر کے دست راست ڈاکٹر گوبلس کہتے ہیں کہ بہت سے لوگ ایسے ہیں جو غیر استعمال دولت کے باعث سانس نہیں لے سکتے۔ دوسرے لوگ نازیوں کے باعث سانس نہیں لے سکتے اور غریب اپنی غربت کے باعث سانس نہیں لے سکتے۔ یعنی سب لوگ ایک ہی کشتی میں سوار ہیں

سر سری گڈنی نے کہا ہے کہ ان کو یورپین تعلیم کے سلسلہ میں اپنی جماعت کے لئے کوئی خاص سلوک اور رعایت کی ضرورت نہیں ہے

ان کو ضرورت نہ ہو یہ اور بات ہے لیکن خود حکومت کو اس کی ضرورت ہے کہ ان کی جماعت کی تائید حاصل کرے

ایک اینگلو انڈین معاصر لکھتا ہے کہ حکومت ہند کے تمام محکموں میں ملازموں کی تنخواہیں ملک کی مالی صلاحیت سے زیادہ ہیں۔

حیرت ہے کہ دنیا کدھر جا رہی ہے قانون ترمیم ضابطہ فوجداری کہاں گئ

ٹائمز آف انڈیا لکھتا ہے۔ ہر حق کے ساتھ ایک "فرض" بھی ہوا کرتا ہے۔

یہ نظریہ تو صرف ہندوستانی پریس کیلئے ہے۔ اینگلو انڈین اخبارات کے لئے تو صرف حقوق ہی حقوق ہوتے ہیں۔ فرائض نہیں ہوتے۔

ہندوستان میں حقیقی معنوں میں ہولی جب ہی ہوگی جب قومی جھنڈے کے نیچے مختلف الخیال فرقے اور پارٹیاں جمع ہو جائیں گی۔

ہولی!

(از جناب محمد شفیع الدین نیرؔ)

(خاص "تیج ویکلی" کے لئے)

دنیا کے نکھار کا سماں ہے — ہولی کی بہار کا سماں ہے

عشرت کی ہوائیں آ رہی ہیں — مستی کی گھٹائیں چھا رہی ہیں

رنگ رلیاں مچی ہوئی ہیں — دل کی کلیاں کھلی ہوئی ہیں

سارا غم و رنج لوگ بھولے — خوشیوں سے نہیں سماتے پھولے

پچکاریاں بھر کے چھوڑتے ہیں — رشتے الفت کے جوڑتے ہیں

فوارے ہوا میں چھٹ رہے ہیں — نغمے بھی فضا میں لٹ رہے ہیں

دل سب کے ہیں باغ باغ اس دم — باقی نہیں غم کا داغ اس دم

راحت کے تنے ہیں شامیانے — بجتے ہیں خوشی کے شادیانے

بوڑھا، بچہ، جوان خوش ہے — سچ یہ ہے کہ اک جہان خوش ہے

آؤ ہم بھی منائیں ہولی
سب مل کے خوشی سے گائیں ہولی

"ترانۂ بہار"

(از قلم جناب نند کشور سریواستو شاکر محمود آبادی)

(خاص "تیج ویکلی" کے لئے)

گلوں میں تازگی نئی، دلوں میں خاص ولولہ ہے
یہ موسم بہار ہے، جو گرم ہے نہ سرد ہے
زمیں پہ سبز فرش ہے، فلک پہ لاجورد ہے
جوش کا نکھار ہے تو عشق بیقرار ہے — کلی کلی میں جوش ہے چمن چمن بہار ہے

فضا ہے رنگ میکدہ شمیم مے فروش ہے
نہیں ہے نرگس حسیں یہ جام بادہ نوش ہے
قدم قدم پہ لغزشوں میں عشق کا خروش ہے
جوش کا نکھار ہے تو عشق بیقرار ہے — کلی کلی میں جوش ہے چمن چمن بہار ہے

ہری ہری سی کونپلوں کی کچھ لہک عجیب ہے
ہوائے مشکبار کی یہاں مہک عجیب ہے
فضائے گل کی ہائے رے بھری چہک عجیب ہے
جوش کا نکھار ہے تو عشق بیقرار ہے — کلی کلی میں جوش ہے چمن چمن بہار ہے

لطافتوں سے پُر عجیب جوشش نمود ہے
وجود میں عیاں لطیف روح کا وجود ہے
ترانۂ بہار گل خزانۂ سرود ہے
جوش کا نکھار ہے تو عشق بیقرار ہے — کلی کلی میں جوش ہے چمن چمن بہار ہے

بہار ہو گئی گلی، گلے جو ہم سبھی ملیں
ہمارے کاش ہم وطن بہم دگر کبھی ملیں
یہی ہے وقت شاکر حزیں یہاں ابھی ملیں

جوش کا نکھار ہے، تو عشق بیقرار ہے! — کلی کلی میں جوش ہے، چمن چمن بہار ہے

عالم نسواں

چین آزادی کی راہ پر

چینی خواتین کی میدانِ عمل میں ترقی کی داستان

از قلم ای۔ ایچ۔ اینٹس (E·H·ANSTICE)

(ترجمہ خصوصی برائے تیج ویکلی)

آج کل چین کی عورت جس سرعت کے ساتھ جدید خیال بن رہی ہے اور نشست و اطوار اختیار کر رہی ہے اس کی کہانی بہت دلچسپ اور حیرت انگیز ہے۔ شاید ہی کسی ملک کی عورتوں نے اس قدر سرعت اور اس قدر کمال کے ساتھ آزادی حاصل کی ہو جس قدر چین کی عورتیں ہمارے دیکھتے ہی دیکھتے حاصل کر رہی ہیں۔

کچھ ہی دن گذرے ہیں کہ چین کی عورتیں سخت پردے میں رہتی تھیں۔ بازاروں میں سوائے ماماؤں اور گھاس بیچنے والیوں کے اور کوئی شریف اور معزز خاندان کی لڑکی دکھائی نہیں دیتی تھی۔ مکانوں کی بالائی منزلوں میں چینی خواتین سخت پردے میں اپنی زندگی گذارتی تھیں۔ جب تک وہ دوشیزہ رہتی تھیں اس وقت تک والدین کی زیر نگرانی گھر کا کام کاج کرنے اور اپنے ہونے والے خاوند کے لئے اچھی بیویاں بننے کی تعلیم حاصل کرتی تھیں۔ گھر سے باہر آنے کے لئے کوئی جگہ نہ تھی۔ ماں باپ کی مرضی سے شوہر کا انتخاب ہوتا تھا۔ لڑکی کو اپنا بر آپ تلاش کرنے کی اجازت نہ تھی۔ والدین نے جس کے پلّے سے باندھ دیا لڑکی کو اس کے ساتھ ہر حال میں زندگی کاٹنی پڑتی تھی۔ لڑکیوں اور عورتوں کو جب گھر سے باہر کہیں جانا ہوتا تھا تو پردہ دار کرسیوں میں بیٹھ کر جاتی تھیں جو کندھوں پر کہار اٹھا کر چلتے تھے۔ ان کے پاؤں چھوٹے چھوٹے پاؤں جوتوں میں مضبوطی کے ساتھ جکڑے ہوتے تھے۔ تاکہ وہ بھاگ نہ جائیں۔ ان کی چال اسی وجہ سے ڈگمگائی ہوئی ہوتی تھی۔ غرض عورتوں کے دل، دماغ، جسم اور فضا ہر ایک چیز مقید اور گھٹی ہوئی حالت میں پائی جاتی تھی۔

مگر آج کل حالت بدل گئی ہے۔ سوائے چند دور افتادہ مقامات یا بہت ہی پست قسم کے دیہات کے ہر جگہ عورتوں میں نئی روشنی کی آزادی اور روح و جسم کی آزادی پھیل چکی ہے اور لاتنے دنوں کی قید سے نکلنے کی وجہ سے وہ اب اس قدر بے باک اور آزاد نظر آتی ہیں کہ گویا یہ چین نہیں بلکہ یورپ کے کسی خطہ کی خواتین ہیں۔

چین کے کسی شہر کو دیکھئے۔ ہر جگہ عورتوں اور لڑکیوں کی بھیڑ دکھائی دے گی۔ بازاروں میں ہر عمر اور درجہ کی عورت اور لڑکی زندگی کے مختلف شعبوں اور معاشرتی و مجلسی کاموں میں مشغول نظر آئے گی۔ چین کی عورتوں نے آزادی کے میدان میں قدم رکھتے ہی پرانی رسم و رواج اور قیود کو توڑ دیا ہے۔ دفتروں میں، دکانوں میں، بازاروں میں، تجارت میں، تعلیم میں، کھیل کے میدان میں، صنعت و حرفت میں، تفریح و تفنن میں غرض ہر جگہ عورت آگے بڑھتی اور مردوں کے برابر حصہ لیتی ہوئی دکھائی دے گی۔

فرض کیجئے کہ آج سنیچر کا روز ہے۔ دوپہر کو بارہ بجے آپ دیکھیں گے کہ ایک چینی لڑکی دفتر سے نکلی۔ کھٹ کھٹ کرتی ہوئی اپنی موٹر کے قریب پہنچی جو سڑک کے کنارے کھڑی تھی۔ اپنی موٹر میں بیٹھی اور گاڑی روانہ ہو گئی۔ موٹر ہوا میں فرّاٹے بھرتی ہوئی نہ معلوم کہیں سے کہیں لے جائے گی۔ اگر جاڑے ہیں تو وہ کسی ریسٹورنٹ میں جا کر کھانا کھائے گی۔ اور اپنے دوستوں کے ساتھ کسی سنیما یا تفریح گاہ میں جائے گی اور اگر گرمیاں ہیں تو وہ کھانا کھا کر باہر گھومتی رہے گی یا ٹینس کھیلے گی۔ گھوڑ دوڑ میں جائے گی یا

اور کبھی شکل میں اپنا وقت گذارے گی۔ ... کے قہوہ خانے، کلب، سینما گھر، تفریح گاہیں اور دیگر مقامات عورتوں اور لڑکیوں کی بھیڑ سے ... جیسے جنگ کی تیزیوں سے جلوہ گر نظر آتے ہیں۔

سیاسی میدان میں

گذشتہ بیس سال میں چینی عورتیں اور لڑکیاں نہ صرف معاشرتی میدان میں بلکہ سیاسی میدان میں بھی برابر کا حصہ لے رہی ہیں اور انہی کی کوششوں کی وجہ سے ملک میں سیاسی بیداری نظر آتی ہے۔ جس طرح انگریز اور دیگر یورپین خواتین کو سیاسیات میں حصہ لینے کا ذوق پیدا ہو گیا ہے اسی طرح چینی عورتیں بھی حصہ لے رہی ہیں بلکہ یوں کہنا زیادہ موزوں ہو گا کہ چین کے ذہنی و سیاسی انقلاب میں عورت ہی ...

(باقی مضمون صفحہ ۔۔ پر)

ہولی کا سنگم

بچھڑے ہوؤں کو ملانے والا ایک دلچسپ سوشیل افسانہ

(از قلم جناب جگجیون لال صاحب بھٹناگر بی اے دہلوی)

{خاص تیج ویکلی کے ہولی ایڈیشن کیلئے}

الف

منو بھاگ کر کمرے میں گھس گیا۔ اس کی دونوں مٹھیوں میں گلال بھرا ہوا تھا۔ روپ رانی نے دیکھا منو گلال ملنے بیٹھنے لگا۔ اس نے زور سے ڈپٹ کر کہا: "دیکھو منو میرے کپڑے خراب نہ کرنا۔ میں نے تم سے کہہ دیا ہے" لیکن منو کے تیور اچھے نہ تھے۔ وہ بھابی کی گیدڑ بھبکی سے ڈرنے والا نہ تھا۔ ہولی کے دن تھے۔ آجکل اس نے سب باتیں بھلا دی تھیں۔ جب گلی محلے بازار میں چلتے ہوئے اجنبی آدمی چپ چاپ رنگ ڈال دیتے ہیں پھر بھابی کیوں نہ گلال ملوا لیں گی۔ یہی سوچ کر منو نے اتنی جرأت کی تھی لیکن روپ رانی نے عجب قسم کا مزاج پایا تھا جس روز سے وہ اس گھر میں دلہن بن کر آئی تھی وہ اور بچوں سے عام طور پر اور منو سے خاص طور پر نفرت سی کرتی تھی۔ اپنے باپ کی اکلوتی لڑکی سرچڑھائی ہوئی۔ کچھ غرور حسن۔ کچھ باپ کی امارت کا زعم اور کچھ بچپن سے چڑچڑی عادت۔ نہ کسی سے بولنا نہ کسی سے ہنسنا۔ اپنے کمرے میں پڑے رہنا جب بابو زمیندر ناتھ دفتر سے آتے ان سے شکوہ شکایت کیا جاتا۔ دن بھر کی سرگزشت سنائی جاتی اس لئے یہ کیا۔ اس نے نہ کیا۔

زمیندر بابو خوش مزاج۔ شوقین اور رنگین طبع آدمی تھے۔ علم و ادب کا بھی انہیں شوق تھا لیکن صحبت کا اثر ضرور آجاتا ہے۔ روپ رانی کے ساتھ جب سے ان کی شادی ہوئی تھی ان کے مزاج میں بھی کچھ چڑچڑا پن اور بیہوگی آچلی تھی۔ اگر آدمی بڈھوں کی مجلس میں زیادہ بیٹھتا ہے تو اس میں بڈھوں کی سی عادتیں آجاتی ہیں۔ جوانوں کی مجلس میں شریک ہونے سے نئی شگفتگی حاصل ہوتی ہے۔

زمیندر بابو کے لئے اب دفتر بھلا تھا یا گھر۔ دوستوں سے ملنا جلنا۔ مجلسوں میں تفریحوں میں شامل ہونا ایک دم کم ہو گیا تھا۔ روپ رانی نہیں چاہتی تھی کہ دفتر کے اوقات کے بعد وہ سوائے گھر کے کہیں اور رہیں۔ دوست احباب ان پر فقرے کستے تھے۔ طعنہ زنی کرتی تھے۔ لیکن وہ لاچار تھے جب کبھی وہ روپ رانی کی مرضی کے خلاف دفتر کے بعد کہیں چلے جاتے تھے تو کئی دن کے لئے کلیش ہو جاتا تھا۔ روپ رانی روٹھی رہتی کھانا پینا چھوڑ دیتی تھی۔ خاوند کی بے اعتنائی اور لاپرواہی کا گلہ کرتی اس لئے مجبور و لاچار ہو کر زمیندر بابو کو بھی گھر کی چار دیواری کے اندر ہی اپنی جنت اپنی بہشت اپنی دلبستگی مہیا کرنی پڑتی تھی۔ اور جب کبھی ان کی پاکٹ اجازت دیتی اور روپ رانی کا اصرار ہوتا وہ سینما۔ نمائش یا میلہ ٹھیلہ دیکھنے روپ رانی کو ہمراہ لے کر جاتے تھے۔ بعض اوقات دق ہو کر بابو زمیندر ناتھ روپ رانی کو بیوی نہیں بلکہ مصیبت سمجھنے لگتے تھے۔ اور اس کہاوت کی صداقت کو محسوس کرتے تھے کہ شادی ہو جانے سے پیروں میں بیڑیاں پڑ جاتی ہیں۔

زمیندر بابو کے والد کے انتقال کو کافی عرصہ گزر چکا تھا۔ انتقال کے وقت وہ دو مکان اور دس ہزار روپیہ نقد چھوڑ گئے تھے۔ اس لئے زمیندر بابو کو گرہستی کی پرورش کرنے اور تعلیم جاری رکھنے میں پریشانی نہ ہوئی تھی۔ چار سال پہلے ان کی والدہ بھی چھ سال کے منو کا ہاتھ زمیندر کے ہاتھ میں دے کر اپنے شوہر کے پاس سورگ میں چلی گئی تھیں۔ اس وقت کے بعد منو بھائی اور بھاوج کے رحم پر تھا۔ زمیندر ناتھ اس سے محبت ضرور کرتے تھے۔ خون کا جوش تھا اور دونوں نے ایک ہی ماں کے پیٹ میں پاؤں پسارے تھے، لیکن روپ رانی اپنی عادتوں سے لاچار تھی اور وہ منو کو بہت برا بھلا کہتی رہتی تھی کبھی مار بھی بیٹھتی تھی۔ بچوں میں عموماً شرارت کا مادہ زیادہ ہوتا ہے۔ منو بھی اس سے مستثنیٰ نہ تھا۔ اور جب کبھی وہ کچھ شرارت کرتا۔ روپ رانی بری طرح اس کی گوشمالی کرتی تھی۔ بچوں کی تربیت وہ بالکل نہ جانتی تھی اور اپنی تلون مزاجی سے اس نے اس مثال کو بالکل سچ کر دکھایا تھا کہ کریلا کڑوا اور پھر نیم چڑھا۔

منو اب دس سال کا تھا۔ وہ ایسا ناسمجھ بچہ بھی نہ رہا تھا۔ (باقی اگلے صفحہ پر)

ہولی کا ترانہ

(از جناب پنڈت اندرجیت شرما پچھرہ ضلع میرٹھ)

ہولی کا ترانہ
پھاگن نے بنایا
یہ شان یہ شوکت
اک اک کی زباں پر
گاتا ہے زمانہ

گاتا ہے زمانہ
کیا ٹھاٹ شہانہ
دلہن کا یہ بانا
رنگیں ہے فسانہ
ہولی کا ترانہ

عشرت کے یہ دن ہیں
ہے جوش لہو میں
عیش اور طرب کی
یعنی کہ خدا کی
گاتا ہے زمانہ

راحت کے یہ دن ہیں
الفت کے یہ دن ہیں
لذت کے یہ دن ہیں
رحمت کے یہ دن ہیں
ہولی کا ترانہ

آجا مرے ساقی
اتنی تو کھنچاوٹ
موسم ہے گلوں کا
اک جام پلا دے
گاتا ہے زمانہ

محفل ہے یہ سونی
اچھی نہیں ہوتی
ہر شے پہ ہے مستی
حسرت ہے یہ دل کی
ہولی کا ترانہ

پھر دیکھنا مجھ کو
اس دل کی تمنا
بھولا ہوا قصہ
روٹھوں کو منا دوں

وہ رنگ جما دوں
نغموں میں بہا دوں
دنیا کو سنا دوں
بچھڑوں کو ملا دوں

گاتا ہے زمانہ
ہولی کا ترانہ

(پچھلے صفحہ سے)

جو بھائی نے تو نہ سمجھا ہو۔ لیکن ہولی کا رنگ اس پر ایسا چڑھا ہوا تھا کہ وہ بھائی کے برتاؤ کو بالکل بھول گیا تھا۔ روپ رانی کو رنگ پانی اور گلال وغیرہ سے بڑی چڑ تھی۔ گر کبھی نریندر بابو ہنسی سے گلال کا ایک ٹیکہ بھی اس کے ماتھے پر لگا دیتے تھے تو وہ دیر تک منہ پھلائے رہتی تھی۔ آج منو کو دونوں مٹھیوں میں گلال لاتا دیکھکر وہ ایک دم کھڑی ہو گئی اور کوٹھری میں جانے لگی۔ منو بھی پیچھے پیچھے گیا۔ اب گلال سے بچے رہنا اس کے لئے مشکل کام تھا۔ اس نے پیچھے سے دونوں مٹھی گلال روپ رانی کے اوپر پھینک دیا۔ روپ رانی آگ بگولہ ہو گئی۔ اس نے زور سے منو کے تھپڑ مارنا چاہا۔ منو نیچے بیٹھ گیا۔ اور روپ رانی کا ہاتھ سنگار دان کی میز پر پڑا۔ اور وہ اسے گر کے رہ گئی۔ غصے کے مارے پیچ کھا گئی۔ سامنے پڑا سنگار دان کا شیشہ میز پر رکھا تھا اسے اٹھا کر منو کی طرف دے مارا۔ شیشہ ٹوٹ کر چور چور ہو گیا۔ لیکن منو پھر بھی بچ گیا۔ اس بات نے روپ رانی کے غصے میں اور اضافہ کیا۔ اور وہ آپے سے باہر ہو گئی۔ اس نے منو کا کان پکڑ کر تڑاتڑ کئی تھپڑ رسید کئے۔ منو رونے لگا۔ روپ رانی نے کہا کہ آنے دے تیرے بھائی کو دفتر سے دیکھنا تیری کیسی مرمت کراتی ہوں۔ منو بھائی کے غصہ کو جانتا تھا۔ منو نے یہ بات سوچ کر کہ روپ رانی ضرور بھائی سے نمک مرچ لگا کر قصہ بیان کرے گی اور نریندر بابو کے ہاتھ کی مار اسے ادھ موا کر کے ہی چھوڑے گی اس کے بدن کے رونگٹے کھڑے ہو گئے۔ وہ اپنی حرکت پر نادم ضرور تھا لیکن بھاوج کی نفرت بھری نگاہ اور ہتک آمیز الفاظ اس کے کانوں میں گونج رہے تھے۔

روز روز کی دانتا کل کل سے اس نے سوچا چلو کسی کنوئیں میں ڈوب مرو۔ جب کوئی اپنا غمگسار نہ ہو تو جینا بیکار ہے۔ یہی سوچ کر وہ روتا ہوا ڈیوڑھی تک آیا۔ وہاں اس نے اپنے رنگین کپڑوں سے آنسو پونچھے اور مکان سے باہر چلا آیا۔ روپ رانی نے اندر سے کواڑ بند کر لئے۔ باہر لڑکے پچکاریوں سے کھیل رہے تھے کسی نے پیسے پر پارہ چڑھا کر زمین میں گاڑ دیا تھا۔ کوئی رسی کا سانپ بنا کر شام کے وقت لوگوں کو ڈرانے کی تجویز کر رہا تھا۔ ایک لڑکے نے منو سے پوچھا۔

"تمہاری پچکاری کہاں ہے اور تم اداس کیوں ہو"

منو نے کچھ نہیں کہکر ایک طرف کا راستہ لیا۔ جمنا میں پانی تھوڑا تھا اس لئے اس کا ارادہ ہوا کہ جمنا کے کنارے قلعہ کی طرف ایک سنسان کنوئیں میں گر کر ہی اپنی زندگی کا خاتمہ کر دینا چاہیئے۔ لیکن تھوڑی دور چل کر اسے خیال آیا کہ تین روز پہلے ہی ماسٹر صاحب نے کہا تھا کہ خودکشی ایک بڑا گناہ ہے جس کو پرماتما بھی معاف نہیں کرتا۔ یہ سوچ کر اس نے اپنا ارادہ تبدیل کر دیا۔ اور وہ اسٹیشن کی طرف روانہ ہو گیا۔ اس کی جیب میں ایک پیسہ نہ تھا۔ نہ پاؤں میں جوتا نہ سر پر ٹوپی۔ وہ ایک کرتا جس پر ہری اور ایک پاجامہ پہنے ہوئے تھا۔ دروازے پر ٹکٹ کلکٹر کی نگاہ بچا کر وہ اسٹیشن میں داخل ہوا۔ ایک گاڑی چلنے کے لئے تیار تھی۔ سگنل ہو چکا تھا۔ وہ دستی بجا کر ہری جھنڈی دکھا رہا تھا۔ منو لپک کر ایک تیسرے درجہ میں بیٹھ گیا۔ اُسے یہ معلوم نہ تھا کہ وہ کہاں جا رہا ہے اور وہ کیا کرے گا۔ اس نے سوچ لیا تھا کہ وہ گھر جا کر اپنی اور زیادہ مٹی خراب نہیں کرے گا۔ کبھی بھائی کا خیال آتا تو وہ بے چینی سی محسوس کرتا تھا۔ لیکن اُسے جب یہ بات یاد آتی کہ بھائی روپ رانی کے ہاتھ میں کٹھ پتلی ہیں تو گھر سے نکل جانے پر وہ اپنے آپ کو خوش قسمت سمجھتا تھا

(۲)

شام ہو گئی۔ روپ رانی منہ پھلائے پڑی رہی۔ نہ دن میں تو نے دروازے پر آکر دستک دی نہ اندر سے دروازہ کھولا۔ نریندر ناتھ دفتر سے آئے۔ روپ رانی کی پیشانی پر شکن دیکھ کر ان کا ماتھا ٹھنکا۔ انہوں نے سبب دریافت کیا۔ پہلے تو روپ رانی منہ پھیر کر "کچھ نہیں کچھ نہیں" کہتی رہی لیکن نریندر بابو کے اصرار پر اس نے منو کی شکایتوں کے دفتر کھول دیئے۔ اور جہاں سنگار دان کا شیشہ ٹوٹا ہوا پڑا تھا اور گلال فرش پر بکھرا ہوا پڑا تھا وہ جگہ انہیں دکھائی۔ نریندر بابو غصہ سے آگ بگولہ ہو گئے۔ "کہاں ہے وہ سور۔ منو۔" وہ ادھر اُدھر اسے تلاش کرنے لگے

روپ رانی نے تیوری بدلتے ہوئے کہا۔

"اُسے یہاں کہاں ڈھونڈھ رہے ہو وہ تو صبح سے ہولی کے پیچھے دیوانہ پھر رہا ہے۔ چار دن میں امتحان ہونے والا ہے اُسے کھیل سے ہی فرصت نہیں۔ یہ ہیں آپ کے بھائی کے کرتوت جو پڑھنے کو کہا تو شیشہ زمین پر دے مارا۔"

نریندر بابو گھر سے باہر منو کو تلاش کرنے آئے۔ ادھر دیکھا اُدھر دیکھا لیکن منو کا کہیں پتہ نہ تھا۔ لڑکوں سے پوچھا انہوں نے کہا۔

"وہ تو دوپہر کے بعد دکھائی نہیں دیا۔" نریندر بابو جوں جوں تلاش کرتے جاتے تھے غصہ کی جگہ فکر اور تردد بڑھتا جاتا تھا۔ دفتر سے آنے کے بعد کھانا پینا سب حرام ہو گیا۔ گلی۔ محلے اور بازار سب چھان مارے لیکن منو کا پتہ نہ چلا۔ آدھی رات تک تلاش کرنے کے بعد ہار کر بیٹھ رہے۔ اس روز ایک دانہ کھیل تک کا ان کے منہ میں نہ گیا۔ مرحوم ماں اُن کے ہاتھ میں بچے کا ہاتھ پکڑا کر پرلوک سدھار گئی تھیں۔ عاقبت میں وہ ان کو جواب کیا دیگا۔

اگلے روز ہولی تھی دفتر میں چھٹی تھی۔ نریندر بابو نے بھی اپنا کچھ تفریح کا پروگرام بنایا تھا وہ سب چوپٹ ہو گیا۔ صبح کو اٹھ کر وہ پھر تلاش میں نکلے۔ لیکن گمشدہ بھائی نہ ملنا تھا نہ ملا۔ جب اپنی تلاش کارگر ثابت نہ ہوئی تو انہوں نے پولیس میں رپورٹ درج کرائی۔ اور پاگلوں کی طرح پریشان پھرتے رہے۔ نہ انہیں گلیوں کے رنگ کی پروا تھی نہ سیر و تفریح میں دلچسپی۔ انہوں نے اس بات کو محسوس کر لیا تھا کہ منو کے چلے جانے کا باعث ضرور روپ رانی کا سخت رویہ ہے۔ اس لئے وہ روپ رانی سے بار بار اس روز کے واقعات دریافت کرتے اور اس پر جرح کرتے۔ لیکن روپ رانی کھسیانی ہو کر اپنی بے گناہی کا ثبوت دیتی تھی۔ معاملے کی نزاکت کو وہ بھی جان گئی تھی۔ اور شکایت کی بجائے اب اس کے چہرے پر خوف کے آثار پائے جاتے تھے۔ وہ دل ہی دل میں خیال کر رہی تھی کہ اگر کہیں منو نے اس کی مار پیٹ سے دل برداشتہ ہو کر خودکشی کر لی ہو تو اس کا منہ کالا ہو جائے گا۔ دنیا میں رسوائی ہو گی اور پولیس الگ پریشان کرے گی۔ لیکن سنگدل آدمی کو اپنے کئے پر پشیمانی بہت کم ہوتی ہے۔

نریندر بابو تلاش کرتے کرتے ہار گئے۔ اخباروں میں اشتہار دیئے۔ انعام کا اعلان کیا لیکن منو کا پتہ نہ چلا۔ نریندر بابو سوچتے تھے کہ نہ معلوم اسے زمین کھا گئی یا آسمان نگل گیا۔ ان کی ہولی اس روز سے ختم ہو گئی اور طبیعت پژمردہ سی رہنے لگی۔ روپ رانی کے لئے جو تھوڑی بہت محبت ان کے دل میں تھی وہ بھی نہ رہی۔ ایک روز منو کے چلے جانے کا تذکرہ ہو رہا تھا۔ اور نریندر بابو نے صاف الفاظ میں کہدیا کہ وہ تمہارے برتاؤ کی وجہ سے ہی گھر چھوڑ کر چلا گیا ہے۔ اس بات پر روپ رانی کو بہت غصہ آیا اور وہ یہ کہہ کر "لو اگر میں بری ہوں تو تم آرام سے رہو" اپنے میکے چلی گئی۔ نریندر بابو کو اس کی یہ حرکت بُری معلوم ہوئی انہوں نے یہی بہتر سمجھا کہ روپ رانی کو بلا کر صلح کر لی جائے۔ روپ رانی رائے صاحب جواہر لال کی اکلوتی لڑکی تھی۔ اس نے نریندر بابو کو زک پہنچانے کے لئے ان پر بدسلوکی کا مقدمہ دائر کر دیا۔ وکیل کئے گئے۔ شہادتیں گذریں لیکن روپ رانی ان کا کچھ نہ بگاڑ سکی۔ نریندر بابو عدالت سے باعزت بری کر دیئے گئے۔ [illegible]

(۳)

طوفان میل سناٹے بھرتی ہوئی چلی جا رہی تھی اور منو ایک بنچ پر سکڑا سکڑایا بیٹھا تھا۔ سردی معلوم ہو رہی تھی۔ بھوک الگ ستا رہی تھی۔ دوسرے مسافر اس سے پوچھتے "تو کہاں جائے گا۔" وہ کسی کو کچھ اور کسی کو کچھ جواب دیدیتا۔ جب سردی کافی معلوم ہوئی تو اس نے ایک خالی تختے کے نیچے لیٹ کر وقت گذارنے کا ارادہ کیا۔ راستے میں دو تین ٹکٹ چیکر آئے۔ لیکن مسافروں کی بھیڑ کی وجہ سے کسی نے منو کی طرف توجہ نہ دی۔ وہ اطمینان سے سوتا رہا۔ اس گاڑی میں کئی مارواڑی مسافر کلکتے جا رہے تھے۔ دو تین کو الہ آباد میں اترنا تھا۔ منو نے ایک مسافر سے کہدیا تھا کہ اسے بھی الہ آباد جانا ہے۔ جب الہ آباد کا اسٹیشن آیا تو اس نے منو کو جگا دیا۔ منو کو چار و ناچار الہ آباد ہی اترنا پڑا۔ وہ اور مسافروں کے ریلے میں دروازے پر آیا۔ ٹکٹ کلکٹر نے ٹکٹ مانگا۔ پولیس والے نے ہاتھ پکڑا۔ منو کے اوسان بجا تھے اس نے بہانہ کیا "میں اپنے بھائی کو چھوڑنے آیا تھا۔"

پولیس نے اس کی جیبوں کی تلاشی لی۔ نہ ایک پیسہ بھی نہ تھا۔ اس لئے اس کو دو تین چپت لگا کر چھوڑ دیا گیا۔ وہ اسٹیشن کے باہر آیا۔ اس نے چاروں طرف نظر ڈالی۔ اس کی آنکھوں سے آنسو جاری تھے۔ سردی اور بھوک کی وجہ سے وہ ایک طرف سہما ہوا کھڑا تھا۔ اتنے میں ایک مسافر ادھر سے گذرا۔ اس نے منو کو روتا ہوا دیکھ کر اس سے ہمدردانہ طریق پر پوچھا۔

"کیوں روتا ہے لڑکے؟"

منو نے آنسو پونچھکر کہا۔

"کچھ نہیں بابوجی"

اس مسافر نے ہمدردی سے پوچھا۔

"یہ سوٹ کیس لے چلیگا؟"

منو نے اٹھا کر دیکھا سوٹ کیس ہلکا تھا۔ اس نے کہا۔

"جی ہاں"۔

"تو مزدوری کیا لے گا؟"

"جو آپ دیدیں گے"۔

یہ کہکر منو نے بکس اٹھا کر سر پر رکھ لیا۔ یہ اس کی زندگی میں پہلا موقع تھا جب کہ اس نے اپنے سر پر سوائے ٹوپی کے اتنا بوجھ رکھا تھا۔ لیکن وقت اور حالات آدمی کو سب کچھ سکھا دیتے ہیں۔ اس بھلے آدمی نے اس سے کہا۔

"چار پیسے ملیں گے"۔

منو نے بہت اچھا کہا اور اس کے ساتھ چلدیا۔

بابو تاراچند نے پوچھا۔

"کیا کرتا ہے لڑکے؟"

منو نے کہا۔ "ابھی تو کچھ نہیں کرتا بابوجی"

"نوکری کرے گا؟"

"جی ہاں لیکن مجھے نوکر کون رکھیگا۔ میں پردیسی ہوں بغیر ضمانت اور جان پہچان کے کون نوکری دیگا؟"

بابو تاراچند کو بھی یہ خیال ہوا کہ لڑکے کا کہنا ٹھیک ہے۔ لیکن وہ قیافہ شناس تھے۔ بھلے برے آدمی کو تاڑ جاتے تھے انہوں نے دیکھا کہ لڑکا شریف معلوم ہوتا ہے۔ انہوں نے کہا "بیشک بیشک ٹھیک ہے۔ اگر تم نوکری کرنا چاہتے ہو تو دو تین روز میرے پاس رہو۔ پھر میں تمہیں رکھنے یا نہ رکھنے کا جواب دونگا"

اتنے میں گھر آگیا۔ سوٹ کیس رکھوا کر بابو تاراچند منو کو چار پیسے دینے لگے۔ منو کا سر چکرا رہا تھا۔ اس نے کہا۔

"بابوجی میں کل سے بھوکا ہوں۔ مجھے پیسے نہیں چاہئیں۔ اگر کہیں کھانا مل سکے تو انتظام کر دیجئے۔"

ہولی کا دن تھا۔ ہندو گھرانوں میں تہوار کے دن عموماً معمول سے دیر میں کھانا بنتا ہے اس لئے گھر میں سوائے باسی پراٹھوں کے کچھ نہ تھا۔

بابو صاحب نے اس سے کہا جاؤ بازار سے کھا لینا اور چار پیسے اس کے ہاتھ پر رکھے۔ لیکن منو نے باسی پراٹھوں کو بازار کے کھانے پر ترجیح دی۔ اس روز سے وہ بابو تاراچند کے یہاں ایک ملازم کی حیثیت سے رہنے لگا۔ اس کی ایمانداری اور محنت نے سب کے دل میں گھر کر لیا۔ بابو تاراچند کا لڑکا بتوا بھی پانچویں کلاس میں تعلیم پاتا تھا۔ منو کام کے وقت کا نوکر اور فالتو وقت میں دوست اور ہمجولی تھا۔ وہی منو جو گھر پر سوائے کھیلنے کے اور کسی چیز سے دھیان نہیں رکھتا تھا۔ یہاں وقت بے وقت بتوا کی کتابیں پڑھنے لگا۔ بتوا باقاعدہ اسکول جاتا تھا اور منو گھر پر ہی پڑھتا تھا۔ اسی طرح بتوا امتحان پاس کرتا گیا اور منو گھر پر اپنی قابلیت بڑھاتا رہا۔

بابو تاراچند کے یہاں ملازمت کرتے ہوئے اُسے پانچ سال ہو گئے۔ اس نے میٹرک کے امتحان کی بھی تیاری کر لی مگر گھر والے محض یہ جانتے تھے کہ منو کچھ لکھنا پڑھنا جانتا ہے لیکن

(باقی مضمون صفحہ ۴۵ پر)

مزاحیہ خاکہ

ہم چپ

ازجناب کوثی چاندپوری

اتفاق سے ایک مرتبہ اپنے وطن مالوف کو، ارادہ تو یہ تھا کہ اس سفر کو سیروسیاحت کی گوناگوں اور رنگین وتماشہ خیز دلچسپیوں میں گزاریں گے، مگر جب سات آدمیوں کے قافلے کو لے کر ہم جی۔ آئی۔ پی کے ایک بڑے اسٹیشن سے تھرڈ کلاس میں بار ہوئے تو یہ معلوم ہوا کہ ہم کوئی بہت بڑی قسم کے مولانا ہیں اور ہمیں "نقض امن" کے خطرے سے بغیر کسی وارنٹ کے اس ڈبہ میں نظربند کر دیا گیا ہے حالانکہ واقعہ یہ تھا کہ ہم نے بہت کافی روپیہ دے کر یہ زحمت مول لی تھی ہندوستانی ریلوں کا تیسرا درجہ یار دہلی۔ جیل سے کسی طرح کم نہیں ہوتا ہمارے خیال میں یہ جس قدر پہلے اور دوسرے درجہ میں سفر کرنے والے اونچی نسل کے مولانا اور مسٹر ہیں اگر کسی وقت کسی جرم میں سزایاب ہوں تو انہیں پشاور سے بمبئی تک کسی ریل گاڑی کے تیسرے درجہ میں بٹھا کر سفر کرا دیا جائے ہم بہ حلف مذہبی عرض کرتے ہیں کہ اس عبرت ناک سزا کے بعد نہیں اوران کی سعادت مند اولاد کو کبھی جرم کے ارتکاب کی جرأت نہ ہوگی، آپ ہی انصاف فرمائیے کہ اس قسم کے تیسرے درجہ میں ہم ایسے مضمون نگار اور شریف آدمی کا اڑتالیس گھنٹہ مسلسل بیٹھے رہنا اپنی نوع کا کیسا حیرت انگیز اور صبر آزما حادثہ ہے، لیکن جناب بغیر اس کے چارہ بھی کیا تھا۔ ہم مضمون کے کسی پیکٹ میں بند ہو کر تو جا نہ سکتے تھے۔ جانا تھا بہرحال اسی ریل میں۔ چنانچہ ہم چلے اور اس صورت سے کہ مقام روانگی پر چونکہ آرام کی جگہ آسانی سے نہ مل سکتی تھی، مجبوراً ایک بوڑھے خوانچہ قلی کی امداد سے چھوٹا سا ڈبہ تلاش کر کے ہم نے اپنا سامان رکھ لیا۔ خیال تھا جگہ کم ہو گی تو چھوٹے چھوٹے اسٹیشنوں پر مسافروں کے حملے نہ ہوں گے اور اطمینان سے ہمارا یہ طویل سفر طے ہو جائے گا۔ کیونکہ آپ جانتے ہیں ہندوستانی آدمیوں کو تیسرے درجہ میں بیٹھ کر اپنے ہم جنس ساتھیوں سے جو نفرت پیدا ہو جاتی ہے وہ ہر طرح ناقابل بیان ہے اگر آپ کسی تھرڈ کلاس کا دروازہ کھول کر سوار ہونا چاہیں تو اس میں بیٹھے ہوئے انسان اس بیدردی کے ساتھ آپ کو دھکے دیں گے کہ بے اختیار آپ کو لاٹھی چارج یاد آ جائے گا۔ ہر چند آپ کہیں بھائی آنے دو۔ خدا کے لئے آنے دو۔ گاڑی چھوٹ رہی ہے۔ دیکھو گارڈ نے ہری جھنڈی دکھا دی! مگر اس خوشامد کے جواب میں دو تین آدمی کھڑکی کے قریب آ کر دروازہ کو مضبوطی سے بند کر کے آپ کو گاڑی سے نیچے گرانے کی کوشش کریں گے!

ہم مع اپنی تمام "ابن و آل" کے بخیروعافیت ریل کے ایک تنگ گوشہ میں بیٹھے ہوئے پان چبا رہے تھے۔ گاڑی اسٹیشن سے انتہائی تاریکی میں روانہ ہو کر آہستہ آہستہ چل رہی تھی۔ ہم نے کھڑکی سے منہ نکال کر پان کی بہت سی جمع شدہ پیک کو ایک دم سے جو تھوکا تو اتفاق سے ایک "صاحب" نیچے سے اوپر تک "اکالال" بن گئے اور دونوں ہاتھ اوپر اٹھا کر لگے ایک خاص انداز سے انگڑائی لینے۔ ہمیں کیا معلوم تھا کہ ان کا یہ تشنج گاڑی روکنے کی غرض سے عمل میں آیا ہے۔ اور جس طرح محبوب کی انگڑائی سے ساری کائنات زیروزبر ہو کر رہ جاتی ہے۔ ہم بھی ان کی غیر معشوقانہ انگڑائی کے اثر سے چند سے مضطرب و پریشان رہیں گے۔

صاحب کی آنکھیں بہت ہی تیز تھیں انھوں نے ہماری گاڑی کا نمبر دیکھ لیا تھا۔ آتے ہی غیظ و غضب کے ساتھ کہا۔ کدھر ہے تم پان کھانے والا آدمی!

کس کو پوچھتے ہیں آپ؟ ہم نے جواب میں کہا۔ ہمارے منہ میں اب بھی پان موجود تھا۔ اس لئے شناخت کے لئے کسی اور علامت یا شہادت کی ضرورت نہ تھی وہ ہمارے کوٹ کا دامن پکڑ کر بولے:-

تم نے تھوکا ہے ہمارے اوپر!

جی ہاں تھوکا تو ہے مگر غلطی سے!

اچھا تم نیچے اترے گا!

میں تو ابھی کچھ اوپر ہی جانا چاہتا ہوں۔ نیچے اترنے کا فی الحال کوئی ارادہ نہیں ہے۔

نہیں اترے گا۔ پولیس میں چلے گا۔

پولیس میں بھی ہم نہیں جانا چاہتے۔ اس وقت تو سیدھے دلی جا رہے ہیں۔

تم بہت خراب آدمی ہے۔

نہیں جناب ہم بہت عمدہ آدمی ہے۔ کسی رسالہ کے ایڈیٹر سے جا کر پوچھئے ہماری تعریف!

زیادہ بات نہیں کرنا مانگتا۔ نیچے اترے گا پولیس میں چلے گا۔

نہیں ہم صرف بات کرے گا۔

بہت دیر تک صاحب سے گفتگو ہوتی رہی آخر گاڑی نے سیٹی دی اور چلنے لگی۔ اب صاحب کو بہت طیش آیا اور انھوں نے انگریزی میں ہم پر خفا ہونا شروع کیا۔ مگر ہم بھی انگریزی میں جواب دیتے تو اندیشہ تھا ریل پھر رک جائے گی۔ لہٰذا ہم نے خاص ہوائی کی گزری ٹھیٹھ ہوئی زبان میں اپنے غصہ کا اظہار کیا۔ صاحب اس زبان سے بھی واقف نکلے چنانچہ "ڈیوٹ" کے متعلق انہیں معلوم تھا کہ اس پر "چراغ" رکھ کر جلایا جاتا ہے کہنے لگے۔ ڈیوٹ ہے ہم۔ ڈیوٹ! لالٹین جلتا ہے ہمارے اوپر۔ ہم لالٹین ہاتھ میں رکھتا ہے۔ دیکھا تم نے مستم سمجھا!

یہ کہتے ہوئے وہ نیچے اتر گئے۔ اور چونکہ اب مشاعرہ کا کوئی موقع نہ تھا ہم بھی خاموش ہو گئے۔ ہم نے جھانک کر دیکھا تو صاحب اپنی نوٹ بک میں کچھ لکھ رہے تھے، ممکن ہے۔ ہماری مدح میں کوئی قصیدہ نظم کر رہے ہوں اور کسی رسالہ کے سالانہ نمبر میں شائع کرائیں۔

یہ حادثہ اگرچہ بالکل ہماری بدبختی کے بغیر ظہور پذیر ہو گیا تھا۔ مگر ہمیں اپنی صحافت پر بہت ہی افسوس ہوا۔ صاحب حد سے زیادہ خفا ہو گئے تو ہم بہت ہی نسائیت کے ساتھ ان سے معافی مانگ لیتے۔ مگر تھوک ہوا و الفاظ کی طرح واپس نہ آتا۔ ہم ان سے یہ استدعا ضرور کرتے کہ ہماری پیک ہمیں واپس کر دیں۔ لیکن وہ تو ریل کا ہر ملازم اپنے آپ کو مسافروں کا "مائی باپ" ہی سمجھتا ہے اس لئے آدمیت اور تہذیب کو ان کی روزمرہ سے خارج ہی سمجھنا چاہئے۔

چنانچہ صاحب نے آتے ہی اپنی حکومت کے سکے زور کو پھر آزمانا چاہا۔ نتیجہ یہ ہوا کہ ہمیں بھی اپنا مورچہ تیار کرنے کی ضرورت ہوئی۔ اور اگرچہ یہ نہیں کہا جا سکتا کہ اس جنگ میں کامیابی ہمیں نصیب ہوئی یا صاحب کو لیکن یہ شعر ہم اپنی جرأت و دلیری کی سند میں ضرور پیش کر سکتے ہیں

شکست و فتح نصیبوں سے ہے ولے اے میر
مقابلہ تو دل ناتواں نے خوب کیا

اگلے اسٹیشن پر گاڑی اچھی طرح رکی بھی نہ تھی کہ دہقانوں کا ایک پورا قافلہ ہمارے ڈبہ میں اس طرح گھس پڑا جیسے بہت سی بھیڑیں ایک دم سے نیچے اوپر کوئیں میں گر جاتی ہیں۔ انھیں کے ساتھ دو پڑھے لکھے آدمی بھی آ گئے۔ اس بھیڑ میں سے ایک صاحب نے اپنے بوجھ کو کافی بلندی سے ہمارے سینہ پر دے پٹکا اگر ہم اپنے دونوں ہاتھوں کی قوت سے اس کو گراں کو پیچھے نہ ہٹا دیتے تو یقیناً ہماری دو چار پسلیاں ٹوٹ کر رہ جاتیں۔ جب ان لوگوں کو بیٹھنے کے لئے جگہ مل گئی اور ہماری میٹھی نیند ان کی آمد سے کافور ہو گئی تو ایک نے اپنی پگڑی میں سے چھوٹی سی چلم نکالی دوسرے نے تمباکو ڈال کر دیا سلائی سے اس میں آگ لگا دی۔

اب پہلے آدمی نے لمبا سا کش لگا کر سارا دھواں اس طرح ہماری طرف کو چھوڑ دیا جیسے آجکل اطالوی فرج حبشیوں پر زہریلی گیس چھوڑ دیا کرتے ہیں۔ چاہئے تو یہ تھا کہ ہم گھبرا کر بھاگ جاتے مگر مجبوری یہ تھی کہ سنڈاس کے علاوہ اس ڈبہ میں پناہ کی کوئی جگہ نہ تھی۔

ریل کا ڈبہ جب اس میں بہت سے مسافر بیٹھے ہوں کسی طرح "دارالعوام" سے کم نہیں ہوتا۔ سوالات کی ایسی بوچھار ہوتی ہے کہ جواب دینے والا اکثر اوقات بغلیں جھانکنے لگتا ہے۔ اور سوالات کا غیر متناہی سلسلہ ختم نہیں ہوتا ایسے ایسے سوالات کئے جاتے ہیں کہ سوچنے کے بعد بھی جواب نہیں دیا جا سکتا۔ ہماری عادت ہے کہ ہم سفر میں زیادہ تر خاموش رہتے ہیں اور بہت کم کسی کے سوالات کا جواب دیتے ہیں۔ اسی طرح خود بھی کسی سے سوال نہیں کرتے مگر کیا ضروری ہے کہ ہر موقعہ پر ہماری اس عادت کا احترام کیا جائے۔ اکثر تو یہ ہوتا ہے کہ باوجود بے انتہا سعی کے ہمیں بولنے پر مجبور ہونا ہی پڑتا ہے چنانچہ اسی قسم کا اتفاق آج بھی ہوا۔ دہقانوں کی فوراً ایک انجمن قائم ہو گئی اور ریزولیوشن پاس ہونے لگے۔ رہ گئے وہ دو پڑھے لکھے آدمی! انھوں نے اپنی اقلیت کو محسوس کرتے ہوئے ہمیں بھی اپنی جماعت میں شامل کرنا چاہا۔ ایک نے پوچھا:-

کہاں جائیں گے آپ؟

دوسرا بولا۔ جائیں گے کہیں دُور کہیں جب ہی تو بستر بچھا کر اطمینان سے تشریف رکھی ہے جیسے اور کوئی رات کو سوتا ہی نہیں!

ہاں بھائی انہیں کے روپے تو ہیں حق حلال کے ہم تو کہیں

(باقی مضمون اگلے صفحہ پر)

پچھلے صفحہ سے

حرام کرلے آتے تھے ہمیں بھلا سونے کا کیا اختیار ہے

کیا نام ہے جی بابوجی آپ کا؟
کیوں بات کرتے ہو فضول انھوں نے بولنے کی
تم کھالی ہے روزہ رکھا ہے نہ بولے گا۔
صبح ہوتے ہوتے شاید بولیں گے!
خواب میں بڑبڑائیں گے دیکھ لیں گے تم!

ہم نے دیکھا کہ یہ رنگ حد سے گزرے جا رہے ہیں ان کی تواضع ضرور کرنی چاہئے۔ اگرچہ نیند کا غلبہ تھا آنکھیں بند ہوئی جاتی تھیں۔ لیکن ایسے موقعہ پر زیادہ چپ رہنا بھی اچھا نہ تھا۔

کہاں جاؤ گے تم لوگ؟
ہم نے کروٹ لیتے ہوئے سوال کیا۔
جہاں جائیں گے آپ بھی دیکھ لینا۔
میں جانے سے پہلے معلوم کرنا چاہتا ہوں۔
تم نے تو کچھ بتایا نہیں ہم کیوں بتائیں!
ہم تو دلی جائیں گے!
کیوں جاؤ گے تم دلی؟
یوں ہی بھاڑ جھونکنے! اچھا تم کہاں جاؤ گے؟
ابھی ہماری بلی کہیں کہیں چلے ہی جائیں گے۔
آخر۔ کیا کہیں ڈاکہ ڈالنے جا رہے ہو؟
ہم بھی دلی ہی کو جا رہے ہیں۔ تمہارا نام کیا ہے جی؟
یہ نہ پوچھو!

کیا جوتے بیچتے ہو؟
نہیں جوتے بیچتا تو نہیں مگر کبھی کبھی غصہ میں لگا دیتا ہوں
گھر کہاں ہے تمہارا؟
دلی میں!
کس محلہ میں؟
گھنٹہ گھر کے قریب!
گھنٹہ گھر کے قریب! وہاں تو دوکانیں ہیں۔
بس دوکانوں ہی میں رہتا ہوں۔
کہاں گئے تھے۔
بمبئی!
کیوں؟
کوکین بیچنے!
کوکین بیچتے ہو تم!
ہاں کبھی کبھی آدمی بھی بیچ دیتا ہوں۔
آدمی تو خیر کیا بیچتا ہوگا کوئی سرکار کے راج میں!
ہم تو بیچتے ہیں بھائی کوئی بیچے یا نہ بیچے۔ ہم نے اس کا لائسنس لیا ہے ہمیں کوئی نہیں روک سکتا۔

ہمارے مخاطب تو دونوں سمجھدار تھے وہ ہماری باتوں پر صرف ہنس رہے تھے مگر دیہاتی لوگ بہت غور سے سن رہے تھے، اور ہمیں نہایت خطرناک خیال کر رہے تھے۔ کچھ دیر کے بعد ان میں سے ایک نوجوان اٹھ کر آیا اور بہت حیرت کے ساتھ سوال کیا۔

کتنے کو بیچ دیتے ہو جی ایک آدمی؟
۔تو آدمی کی حیثیت پر موقوف ہے اگر کوئی اچھا آدمی ہاتھ آ جائے تو سمجھو بیس بارہ حوالے گئے اور کہیں تم جیسا گرانڈیل جوان مل جائے تو دو ہزار لوں۔

آجکل اٹلی اور حبش کی لڑائی ہو رہی ہے۔ اٹلی والوں کو ایسے آدمیوں کی بہت ضرورت ہے تم راضی ہو جاؤ تو میرا بڑا فائدہ ہو۔

اتنے میں اسٹیشن آ گیا اور ہمارے دونوں مخاطب ہمیں سلام کر کے اتر گئے۔ اب ہم اور ہمارے دیہاتی دوستوں کی جماعت رہ گئی گاڑی چلنے کے بعد ہم نے نوجوانوں کی نبض دیکھی، جیب سے آلہ سماع الصدر ( ) نکال کر لگایا اور دو چار جگہ سے ٹھونک بجا کر دیکھا۔

کیا نام ہے بھائی تمہارا؟
بھولا!
بھولا تم بہت، اچھے داموں کو بک جاؤ گے!
یہ سنکر ایک بڈھے نے جو سالار قافلہ معلوم ہوتا تھا نوجوان کو کھینچتے ہوئے کہا ادھر آ بیٹھ بھولا تو!

نہیں۔ نہیں بیٹھے رہو!
نہیں بابوجی یہ بکنے کی چیز نہیں ہے۔ تمہیں لڑائی کے لئے آدمیوں کی ضرورت ہو تو سیکنڈ چلے جاؤ ہم تو کھیتی کر کے پیٹ بھر لیتے ہیں۔
ہم نے بہت اصرار کیا مگر اس نے بھولا کو کھینچ کر اپنے پاس بٹھا لیا۔ اور اپنی زبان میں ہم سے بات کرنے کی ممانعت کر دی۔ ہم آرام سے کمبل بچھا کر لیٹ گئے۔ تھوڑی دیر لیٹنے کے بعد خیال ہوا کہ ان کو ڈبے سے بھگا ہی کیوں نہ دیں۔ ان کی موجودگی میں نیند مشکل سے آئے گی آنکھ بچتے ہی یہ معلوم ہوتا ہے، بکس لے کر نہ بھاگ جائے ان میں سے کوئی!

چنانچہ ہم نے اپنے ساتھی کو سمجھا کر کہا۔ شریف صاحب ذرا ہمارا بکس اٹھا دیجئے۔ اور انگوٹھا لگانے کی ڈبیہ بھی دیدیجئے۔ انھوں نے بکس لا کر ہمارے سامنے رکھ دیا۔ ہم نے سالار قافلہ کو ایک پرچہ دکھاتے ہوئے کہا اس پر ذرا اپنا انگوٹھا لگا دیجئے۔ پھر پانچ روپے کا نوٹ جیب سے نکالتے ہوئے بڑے میاں سے کہا اور یہ بیعانہ بھی رکھ لو۔

کاہے کا بیعانہ!
بھولا کا! اس کی بابت بات چیت ہو ہی گئی تھی۔ ابھی ابھی۔ یہ ہمارا ہو چکا پچانوے روپے ہم دہلی چل کر دے دیں گے۔ پانچ یہ لو!
رہنے دو بس ہم ان جھگڑوں میں آنے والے نہیں بہت سفر کیا ہے ہم نے بھی۔ سیکڑوں ٹھگ دیکھے ہوتے ہیں ہم اور دلی تو تم جاؤ ہمارا گھر آگن ہے ہم ڈرنے والے نہیں ہیں۔
تمہیں ڈراتا کون ہے بھائی۔ سودے کی بات چیت ہو رہی ہے ہم میں۔
کیسا سودا۔ آدمی بھی بکنے لگے کیا اس زمانہ میں؟
ہاں جب سے لڑائی شروع ہوئی ہے آدمی بک

(باقی صفحہ ۲۴ پر)

ہندوستان کا افلاس صرف صنعتی ترقی سے دور ہو سکتا ہے

ملکی مصنوعات اور تجارت کے فروغ کی تجاویز

حکومت اور عوام کے لئے دیگر ممالک کی مثالیں

(ایک ماہر اقتصادیات مسٹر ایم۔ ایس۔ سردار کے قلم سے)

(ترجمہ خاص برائے "تیج ویکلی" دہلی)

ہندوستان میں اس وقت تجارتی ذہنیت اور کار وباری جرأت و عزم پیدا کرنے کے، نیز اہل تجارت کے لئے صحیح فضا پیدا کرنے کے لئے کوئی معقول ادارہ، جماعت یا اصول نہیں ہے، جس کی وجہ سے ہماری تجارت اور صنعت و حرفت ترقی کی حدود میں داخل نہیں ہو سکتی جن پرانے طریقوں پر ہمارے اجداد نے اور بزرگوں نے کام شروع کیا تھا زمانہ اور اس کی ضرورتیں بدل جانے کے باوجود ہمارے ملک میں اب تک وہی دقیانوسی طریقے رائج ہیں۔

ہندوستان میں کچھ عرصہ سے دیہات کی اصلاح کا پروگرام بہت خوبی کے ساتھ جاری ہو چکا ہے میں دیہات کی ترقی و اصلاح کے خلاف ہرگز نہیں ہوں لیکن چاہتا ہوں کہ شہروں اور قصبوں کی ترقی بھی نہیں رکنی چاہیئے۔ اور زراعتی ترقی کے ساتھ صنعت و حرفت اور کار و بار کو فروغ دینے اور ہندوستان میں زبردست صنعتی نظام پیدا کرنے کی کوششیں بھی ساتھ ساتھ جاری ہونی چاہیئے ورنہ یک طرفہ ترقی ملک کے لئے سود مند نہیں ہوگی۔ مسٹر ایم۔ وشویشور ایا نے جیسا تجویز کیا ہے "ایک قومی مجلس اقتصادیات" ہندوستان میں بننی چاہیئے، جو ملک کی اقتصادی حالت اور بالخصوص صنعت و تجارت کے مباحث و مسائل کا بخوبی مطالعہ کرتی رہے اور وقتاً فوقتاً اہل تجارت اور مالکان کارخانہ جات سرمایہ داران اور مزدوروں کے فوائد کے لئے اپنے مشورے ملک کے سامنے پیش کرتی رہے۔ اس مجلس میں نہ صرف ماہران اقتصادیات ہوں بلکہ سرمایہ دار۔ مزدور۔ اہل تجارت، اہل حرفہ، مالکان کارخانہ جات اور دیگر متعلقین ہوں اور وہ ایسی تجاویز ملک کے سامنے پیش کرتے رہیں جس سے ملک کی صنعت اور تجارت کو نہ صرف اس ملک میں بلکہ باہر بھی فروغ حاصل ہو۔ اس مرکزی جماعت کی شاخیں ہندوستان کے بڑے بڑے شہروں اور قصبات میں قائم کی جائیں۔ ان مجالس میں حکومت کے محکمہ ہائے صنعت و حرفت کے آدمیوں کو بھی حصہ لینے کا موقعہ دیا جائے۔ اور ایک طرف عوام سے اور دوسری طرف حکومت کے ارباب حل و عقد سے تعلق و رابطہ پیدا کر کے دونوں کے مابین ایک باہمی مفاہمت و اشتراک عمل کی فضا پیدا کی جائے۔ تاکہ دونوں ایک دوسرے کے عمل اور نقطۂ نظر سے فائدہ اٹھا سکیں۔

ٹیرف کی دیواریں اونچی کی جائیں

دوسرا مسئلہ جو ہندوستان کے لئے از بس ضروری ہے وہ ٹیرف (محصولات درآمد) کا ہے جب انگلستان جیسا ملک مناسب تحفظات تجارت (PROPORTIONATE PROTECTION) کا حامی ہے اور اپنے ملک کی بڑھتی ہوئی صنعتوں اور تجارتوں کے تحفظ کے لئے اس نے ٹیرف کی دیواریں اونچی کر دی ہیں تو ہندوستان جیسے غریب اور پس ماندہ ملک کے لئے کیا یہ ضروری نہیں ہے کہ حکومت ان صنعتوں کے لئے جو ابھی شیر خوارگی کی حالت میں ہیں بیرونی ملک سے آنے والی مصنوعات پر تحفظات کا وار لگائے اور یہاں کی صنعت و تجارت کو محفوظ کرنے کے لئے ٹیرف کی دیواریں حتی الامکان اونچی کرتی رہے

سرمایہ کہاں سے آئے؟

ملک میں سرمایہ بہت ہے، ضرورت اس امر کی ہے کہ اس سرمایہ کو بر سر کار لایا جائے اور اس کے لئے جب تک انڈسٹریل بینک قائم نہ ہوں گے ملک کا سرمایہ اجتماعی اور عملی کارگزاری کی منزل میں نہیں آئے گا۔ پس ضرورت ہے کہ جابجا صنعتوں کو ترقی دینے اور نئی نئی صنعتیں پھیلانے کے لئے انڈسٹریل بینک قائم کئے جائیں۔ جاپان۔ کینیڈا۔ جرمنی کی مثالیں ہمارے لئے بطور نمونہ ہونی چاہئیں۔

اعداد و شمار جمع کئے جائیں

صنعت و تجارت کی ترقی کے لئے یہ امر بہت ضروری ہے کہ سائنٹیفک طریقہ پر صحیح اعداد و شمار جمع کرنے کا کام شروع کیا جائے۔ جب تک اعداد و شمار ماہروں کے سامنے نہیں ہوں گے کوئی بحث بنیاد اور اصول ہمارے سامنے نہیں آ سکتا۔ ملک میں اس وقت جن صنعتوں کے اعداد و شمار مہیا کئے جاتے ہیں، ان کی نوعیت بہت معمولی ہے۔ امریکہ۔ روس۔ کینیڈا اپنی مصنوعات کے اعداد و شمار بہت اہتمام کے ساتھ وقت پر شائع کرتے رہتے ہیں۔ یہ بھی بتایا جاتا ہے کہ کس مال کی کتنی کھپت ہوئی اور کہاں ہوئی اور کس قدر اور ضرورت ہے۔ اور وہ ضرورت کب ختم ہو جائے گی وغیرہ وغیرہ

اس قسم کی معلومات جب تک ہمارے ملک میں بھی مہیا نہ کی جائے گی اور انہیں ہم تک نہ پہنچایا جائے گا، صنعتی ترقی محال ہے،

نمائشیں اور عجائب گھر

صنعت و تجارت کی ترقی جدید طریقہ ہائے نشر و اشاعت کے بغیر ناممکن ہے۔ پروپیگنڈے کے عام طریقوں میں یہ چیز بھی شامل ہے کہ صنعتی نمائشیں اور عجائب گھر قائم کئے جائیں۔ ان کے قیام سے مقامی طور پر انفرادی صنعتوں اور انفرادی مقامات کی صنعتوں کا حال دنیا کو معلوم ہوتا رہے گا۔ اور یہ اشاعت اس مقام یا اس صنعت کی حقیقی ترقی کے لئے ازحد مفید چیز ثابت ہوگی۔ میونسپلٹیوں اور دیگر مقامی اداروں کو اس طرف توجہ کرنی چاہیئے کیونکہ وہی لوگ ان چیزوں میں بخوبی امداد دے سکتے ہیں بعض بعض مرکزی مقامات اور بڑے شہروں میں صنعت کی عملی تعلیم دینے اور صنعت کے فروغ کے لئے عملی مظاہرات دکھلانے کے لئے اسٹیشن قائم کئے جائیں جو عوام اور اہل صنعت کو اپنے مظاہروں سے کام کی باتیں سکھائیں، اور پروپیگنڈا کا فرض بھی انجام دیں۔ اوکاسا جاپان میں اس قسم کے بیسیوں صنعتی اسٹیشن مفید خدمات انجام دے رہے ہیں۔

ریسرچ (علمی تحقیق)

صنعت و تجارت کی علمی تفتیش و تحقیق (ریسرچ) کا کام بھی ہماری فوری توجہ کا محتاج ہے کیونکہ جب تک مصنوعات کا معیار روز بروز بلند نہ کیا جائے اور اس کو ترقی دینے۔ اصلاح کی منزل سے گزارنے اور اس صنعت کو بڑھانے کے لئے علمی اور علمی تجربے ماہروں کے ذریعہ نہ کرائے جائیں گے اس وقت تک مصنوعات کا معیار اور ترقی کی رفتار نہیں بڑھ سکتی۔

خرچ گھٹا کر معیار کو ترقی دینا ایک اصول ہے اس کے ماتحت جب تک ریسرچ نہ کی جائے گی نفع بخش صورت حال پیدا نہیں ہوگی جب مقابلہ سخت شروع ہو جائے تو اشیائے ساختہ کا معیار بڑھانے کی ازحد ضرورت ہوتی ہے۔ امریکہ نے ۱۹۲۷ء میں صرف ریسرچ کے کام پر ۲۲۱۵ کروڑ روپیہ خرچ کیا اور برطانیہ نے ۱۹۳۲-۳۳ء میں ریسرچ کے کام کے لئے چالیس لاکھ روپے سے زیادہ خرچ کیا۔ اس سے ریسرچ کی ضرورت اور اہمیت کا اندازہ لگایا جا سکتا ہے،

ریسرچ کے کام میں یونیورسٹیاں بڑی مدد دے سکتی ہیں کیونکہ یونیورسٹیوں میں تجربہ کار ماہروں اور سامان اور تجربہ گاہوں کی کوئی کمی نہیں ہوتی۔ وہی حقیقی طور پر صنعت و تجارت کی علمی تفتیش کا کام اپنے ذمے لیکر ملک کو ترقی کے راستہ پر ڈال سکتے ہیں۔ تعلیم میں بھی صنعتی و تجارتی معلومات کا بڑا حصہ شامل ہونا چاہیئے۔ اور حتی الوسع صنعتی تعلیم کے فروغ کی کوششیں جاری کرنی چاہئیں! یونیورسٹیوں کو چاہیئے کہ زراعت۔ اقتصادیات۔ کامرس (کامرس) اور فنی معلومات کی تعلیم کے لئے آسانیاں اور رعایتیں مہیا کریں ۱۹۱۹ء کا ذکر ہے کہ ٹوکیو (جاپان) میں انڈر گریجوایٹ جو تمام یونیورسٹیوں میں زیر تعلیم تھے۔ سب سے زیادہ تعداد میں علم تجارت (کامرس) کی تعلیم حاصل کرنے میں مشغول تھے۔

ریل کے محصولات اور کرائے

ریل کے کرایوں اور محصولات کی ماہیت کافی تشویش کا باعث بن چکی ہے۔ اہل صنعت کہتے ہیں کہ کوئلہ۔ روئی اور دیگر خام اشیاء کو کارخانوں تک پہنچانے اور پھر وہاں سے مصنوعات کو منڈیوں تک پہنچانے کے لئے ریل کے کرائے بہت زیادہ ہیں ریل والے کہتے ہیں کہ مصارف بہت زیادہ ہیں اس لئے کرایوں میں تخفیف نہیں ہو سکتی۔

غرض یہ معاملہ بھی تجارت اور صنعت کے لئے بہت جلد طے ہونے کے لئے از حد ضروری ہے کہ فوراً کرایوں کو کم کریں اور کام کو سہولت کے ساتھ جاری رکھنے کے معاملات پر فوری غور کیا جائے۔

جرمنی۔ کینیڈا۔ امریکہ۔ روس اور تمام ممالک میں ریل کی طرف سے آسانیاں مہیا کی جاتی ہیں اور ہندوستان میں بھی ایسی سہولتیں مہیا کرنے کی ضرورت ہے: (باقی مضمون صفحہ ۲۰ پر)

{صفحہ ۱۶ سے آگے}

رہے ہیں۔ بہت سے خرید کر لائے ہیں ہم بمبئی سے پوچھ لو قران سے!

ہمارے سب ساتھیوں سے مشتبہارت وی کسی نے کہا ہمیں چار سو میں لیلیے کوئی بولا ہمارے پانچسو دیئے ہیں بڑے میاں بہت ہی مستقل مزاج آدمی تھے وہ دلیں تو ضرور ڈر رہے تھے مگر بظاہر بہت تن کر جوابات دے رہے تھے۔

زبردستی ہے کیا نہیں بیٹھتے ہم!

اب تو بات جیت ہو چکی!

ہم سے نہیں ہوئی کوئی بات چیت!

شریف صاحب بولے رہنے دو۔ اگلے اسٹیشن پر سب کو اسٹیشن ماسٹر سے کہہ کر حوالات میں بھروں گے زیادہ دے کر نگرانی کی بھی سزا ہو سکتی ہے۔

لو اور بولے دیکھیں گے کیا کرے گا کوئی ہمارا!

اب بڑے میاں کے چہرے سے کچھ کچھ پریشانی ظاہر ہونے لگی تھی اور گفتگو کا سلسلہ بھی اسٹیشن تک کے لئے منقطع ہو گیا تھا۔ ہم تکیے پر سر رکھ کر لیٹ گئے شریف صاحب بھی دراز ہو گئے گاڑی ٹھہری تو ہم نے۔ قصداً تغافل سے کام لیا۔ آنکھیں بند کر لیں گویا سو رہے ہیں بڑے میاں نے آہستہ سے کہا۔ بھولا چلو دوسری جگہ بیٹھیں گے یہاں بیٹھنا ٹھیک نہیں۔

بھولا نے چپکے چپکے اپنا سامان جمع کیا اور سب تھوڑا تھوڑا اسباب بغل میں داب کر دبے پاؤں اتر گئے ہم نے شریف صاحب سے کہا۔ اب آرام کرو اور صبح تک مزے سے سوتے رہو۔

رات کو ساڑھے دس بجے دہلی سے دہرہ میل میں سوار ہوئے یہاں سے مہذب لوگوں کا ساتھ ہوا اور مشکل سے تھوڑی جگہ بیٹھنے کو ہاتھ آئی۔ حالت یہ تھی کہ دن بھر دہلی میں گھومتے پھرتے بدن چکنا چور ہو رہا تھا پھر فتحپوری کے ایک ہوٹل میں پیٹ بھر کر کھانا کھا لیا تھا اگرچہ پانی کی جگہ خالص چائے نوش کی تھی مگر ایک تو سردی دوسرے جی چاہتا تھا کہ کبھی ہو پڑ کر سو رہیں۔ ہم نے اپنے ہم سفر حضرات سے اپیل کی۔ بھائیو! سونا چاہتے ہیں جگہ دو!

ایک صاحب نے لیٹے لیٹے فرمایا۔ جناب اپنا اپنا موقعہ ہے آپ نے آنے میں دیر کیوں کی۔ پہلے سے آ جاتے تو مناسب جگہ مل جاتی۔ شکر کیجئے کہ بیٹھنے کو ہی جگہ ہاتھ آ گئی۔ اسی کو غنیمت سمجھئے۔

بہت مناسب بہت خوب جناب بیٹھے ہیں ہم آپ سویئے انہوں نے آنکھیں بند کر لیں اور دو منٹ کے بعد ہی خراٹے لینے لگے۔ شریف صاحب کو ان کی بے فکری پر بہت رشک آیا۔ کہنے لگے ہندوستانیوں کی یہی تو باتیں ہیں۔ اسی وجہ سے تو یہ لوگ ذلیل ہیں۔ کم بختوں میں قومی ہمدردی نام کو نہیں۔ دیکھو اس بے حمیت کی بے تمیزی پڑا ہوا سو رہا ہے

اور اس کے چار بھائی بیٹھے ہوئے اونگھ رہے ہیں۔ ہمیں ایسے بے درد آدمیوں کے ساتھ اشتراکیت برتنی چاہیئے اور خود نہ سو سکیں تو انہیں بھی جگا دینا چاہیئے چنانچہ وہ اپنی جگہ سے اٹھے۔ اور سونے والے کا شانہ زور زور سے ہلا کر کہا بھائی آرام سے سوتے رہو آرام سے۔

وہ اٹھ کر بیٹھ گئے اور آنکھیں ملتے ہوئے سوال کیا کیا ہے؟

کچھ نہیں۔ میں یہ عرض کر رہا تھا آرام سے سویئے وہ شریف صاحب کی اس حرکت پر بہت چیں بجبیں ہوئے۔ اور ان کو برا بھلا کہتے ہوئے پھر لیٹ گئے۔ نہ معلوم نہیں سونے کا کوئی عمل یاد تھا یا کیا صورت تھی کہ پھر نصف گھنٹہ کے اندر ہی اندر وہ عالم برزخ میں پہنچ گئے اس مرتبہ شریف صاحب نے ذرا زیادتی سے کام لیا۔ اور ان کے پیر پکڑ کر نصف دھڑ سامنے والی نشست پر رکھ دیا۔ اس طرح ان کی نصف سے زیادہ جگہ خالی ہو گئی اور شریف صاحب فوراً اس جگہ لیٹ گئے؛

کیا واہیات آدمی ہو جی تم!

تم، ہم سے زیادہ واہیات ہو۔ دیکھ رہے ہو۔ بیچارے شریف آدمی بیٹھے ہیں اور آپ ہیں کہ گلمرگ کی سیر کر رہے ہیں گارڈ سے تمہاری شکایت کروں گا!

میں اسٹیشن ماسٹر سے تمہیں سزا دلواؤں گا۔

شریف صاحب لیٹے لیٹے ان سے گفتگو کر رہے تھے اور وہ غریب بستر چھوڑ کر الگ جا بیٹھے تھے ہمیں اطمینان تھا گاڑی اپنی دہلی میں جا کر ٹھہرے گی اور وہ بھی اتنی دیر کے لئے کہ یا تو کہیں نہ جاسکیں گے اور جائیں گے تو پھر آ نہ سکیں گے۔

ادھر ایک اور صاحب جو دوسری نشست پر پڑے تھے ایک دم سے اٹھ کر بیٹھ گئے اور بہت بیتابی کیساتھ جوتے پہن کر اسی گوشہ کی طرف دوڑے جس کے دروازے پر خط نستعلیق میں لکھا تھا ہے زنانہ۔ شریف صاحب بھی اپنی جگہ لٹا کر ان کے پیچھے دوڑے۔ وہ اندر داخل ہو گئے اور شریف صاحب باہر سے چٹخنی کو دبا کر بیٹھ گئے۔ ان کی خالی جگہ سے ہمارے تیسرے ہمراہی نے فائدہ اٹھایا۔ تھوڑی دیر میں انہوں نے اندر سے چٹخنی کھولنے کی کوشش کی۔ شریف صاحب کھڑے ہو گئے اور پوری قوت سے زور آزمائی کرنے لگے۔ اس کشمکش میں دو تین اسٹیشن گزر گئے اور ہمیں جہاں اترنا تھا وہ جگہ قریب آ گئی۔ شریف صاحب چٹخنی چھوڑ کر اپنی جگہ آ بیٹھے، اتفاق سے اسی وقت ہمارے میزبان جن کے بستر پر ہم آرام کر رہے تھے چسٹر کی جیبوں میں ہاتھ ڈال کر کھڑکی کے قریب آ کھڑے ہوئے۔ اندر سے وہ نکلے۔ انہوں نے دیکھا ایک شخص سینہ اس کی طرف پشت کئے کھڑا ہو اور یقیناً وہی ہے جس نے ہمیں اتنی دیر نظر بند رکھا۔ انہوں نے قہر آلود نگاہوں سے دیکھنا شروع

(باقی مضمون صفحہ ۳۶ پر)

بچوں کا دلچسپ اور معصوم کھیل

بردوان کی اولمپک دوڑ میں مس ڈالی متر (دائیں جانب) سب سے اول آئی ھیں

آل انڈیا انڈسٹریل نمائش دھلی میں انڈین ٹی سیس کمیٹی کا یہ اسٹال بہت زیادہ جاذب توجہ ھے۔یہاں لوگوں کو چاء پلائی جاتی ھے اور چاء کی کاشت کے متعلق معلومات بہم پہنچائے جاتے ھیں

امریکہ کی ایک حسینہ جو چہرہ کے حسن میں ابروؤں کو سب سے زیادہ اھمیت دیتی ھے

وہ آلہ جس کے ذریعہ الٹراوائلٹ ریز یعنی ماورا بنفشئی شعائیں پیدا کی جاتی ھیں

عربک کالج اورنٹیل سوسائٹی دہلی
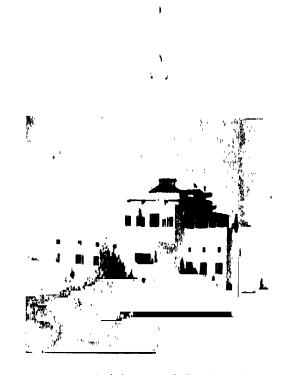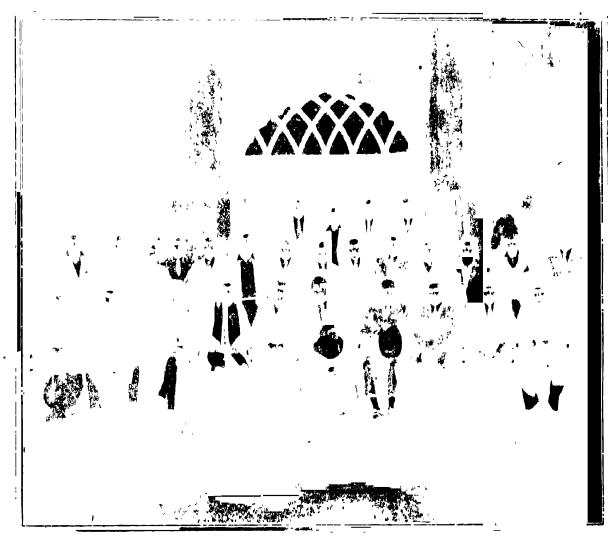
یہ فوٹوگروپ اُس وقت لیا گیا تھا جبکہ عربک کالج میں سر آغاخان نے مرزا غالب مرحوم کی تصویر کی نقاب کشائی فرمائی اس میں بیٹھے ہوئے دائیں طرف سے میر محمدحسین مسٹر امجدعلی شاہ مسٹر سی۔آئیر واکر ہز ایکسیلینسی منصور نوزاب سفیر ایران سر آغاخان۔ ہز ایکسیلینسی سردار صلاؤالدین خان سابجوقی سفیر افغانستان خواجہ حسن نظامی صاحب۔ مسٹر ساغر نظامی۔ جناب خلیل احمد وائس پریذیڈنٹ اورنٹل سوسائٹی۔ مسٹر مظہراللہ بن مظہر ہیں

۔وٹس اور ونلبنڈ کی مدد اس قانون ساز نے رائے شماری کا ایک نیا طریقہ ایجاد کیا ہے جس کے ذریعہ ہر ممبر اپنے میز پر ایک بجلی کا بٹن دباکر اپنا ووٹ رجسٹر کر دیتا ہے

ادائرہ کے اندر ایک جنگلی ہرن ہے جو اپنے گروہ سے الگ ہوکر ایک سفید چادر پر اپنے کرتبوں کا تماشا دکھلاتا ہے۔پچھلے دنوں کرنل براون نے راجپوتانہ میں اسے دیکھا ہے)

(از پنڈت کشن لال چندن - ایڈیٹر رسالہ "ارژنگ سخن" بنوں)

(خدمتِ شیخ دہلوی کے لئے)

ہوئی نمودِ سحر کے رنگ میں جلوہ نما ہولی
ہزاروں حسرتیں لیکر ہوئی جلوہ نما ہولی

چہانیں کیوں نہ مل کر عندلیبانِ گلستاں سے
ترنم ریزیاں ہیں شاخِ گل پر باغِ عالم میں

منور کر دیا عالم کو تابِ حسنِ انور سے
نہ کیوں پہنچائے سب کو منزلِ مقصود پہ دم میں

مصیبت کو محن کو یک قلم دل سے مٹا ڈالا
نہ کیوں طاری ہو ہر اک شاخِ گل پہ وجد کا عالم

دکھائے کیوں نہ شامِ غم کی ظلمت میں ضیا ہولی
مسرت بخش گھڑیاں لے کے آئی جا بجا ہولی

گلِ شبو گلِ ریحان و سنبل ہو گیا ہولی
نہ گائے کیوں خوشی سے طوطیِ نغمہ سرا ہولی

نقابِ رخ الٹ کر آئی جیسے مہ لقا ہولی
کہ ہے گم گشتگانِ راہِ حق کی رہنما ہولی

ہماری مشکلوں کی ہو گئی عقدہ کشا ہولی
چمن میں گا رہی ہے عندلیبِ خوشنوا ہولی

ہر اک پیر و جواں کے واسطے راحت کے ساماں ہیں
حرم کیا دیر کیا ہر اک جگہ کھیلینگے خوش ہو کر

نمایاں رنگ کے دھبوں سے یہ گلکاریاں کر کے
جدھر دیکھو ادھر ہولی کی ظاہر رنگ رلیاں ہیں

ہزاروں رنگ میں ہولی کے دن پوشیدہ و ظاہر
خدا کے واسطے ہولی کے دن تو لطف فرماؤ

مٹائے کیوں نہ دل سے نقشۂ رنج و بلا ہولی
حقیقت کے رنگوں سے سب حقیقت آشنا ہولی

لگے ہے گل رخوں کے زیبِ تن رنگیں قبا ہولی
محبانِ وطن کھیلیں نہ کیوں کر برملا ہولی

حسینانِ جہاں کھیلینگے با ناز و ادا ہولی
گر اب ظلم و ستم کی ابتدا و انتہا ہولی

نہیں اچھا تمہارا جبکہ ہولی کھیلنے والا
بھلا چندآ سنائیں ہم کسے اور کیا ہولی

ہولی

(ازجناب سالک۔ لکھنوی)

(خاص تیج ویکلی کے لئے)

ہولی اپنے دامن میں دنیا کی تمام مسرتیں چھپائے آئی۔ اور آتے ہی سارے ہندوستان پر رنگین بادلوں کی طرح چھا گئی۔ شمع مسرت کا دھواں اُترتا ہوا اُٹھا۔ اور بچوں کے معصوم۔ جوانوں کے پُرجوش۔ بوڑھوں کے فرسودہ دلوں میں آگ لگاتا ہوا غائب ہو گیا۔ "حسرت نصیب" دلوں کی جلتی ہوئی دنیا بے کس تمنائی "شمع مسرت" کے اُٹھتے ہوئے دھوئیں میں کچھ دیر کے لئے تڑپیں اور پھر ہمیشہ کے لئے خاموش ہو گئیں۔ جن کے پاس کچھ دولت تھی وہ خود کو رنگوا لینے اور دوسروں کو رنگنے میں مشغول تھے۔

میں نے یہ تماشا دیکھا اور خاموشی سے آگے بڑھ گیا۔ مجھے مسرت کی تلاش تھی۔ میں خوشی کا دیوانہ تھا۔ میں ہولی کی بے شمار مسرتوں میں حقیقی مسرت کو پانے کے لئے چاروں طرف گھومنے لگا ... میری نظروں کے سامنے کتنے ہی بچے: کتنے ہی جوان اپنے اپنے ہاتھوں میں خوبصورت پچکاریاں لئے ہوئے ایک دوسرے پر! آنے جانے والے پر رنگ چھوڑ رہے تھے۔

ایک سفید پوش نوجوان لوگوں کی نظریں بچاتا ہوا میرے قریب سے گذرا۔ ابھی آگے نہ بڑھا تھا کہ رنگنے والوں نے اُسے بھی رنگ دیا۔ میں نے دیکھا کہ اس کے چہرے پر خوشی کے آثار نہ تھے۔ ... کیا وہ ہولی کی خوشی میں شریک نہ ہونا چاہتا تھا۔ کیا اس کے لئے ہولی کی رنگین دنیا میں کوئی خوشی نہ تھی؟

نہیں۔ نہیں یہ بات نہیں۔ وہ مجبور تھا۔ اور مجبور کر دیا گیا تھا۔ وہ اچھوت تھا اور سوسائٹی کی نظروں میں ناقابلِ معافی مجرم تھا۔ اس کو کوئی حق نہ تھا کہ وہ "انسانوں" کی خوشی میں حصہ لے۔ وہ مفلس تھا۔ اور اس کی بے کس نگاہیں مجسم فریاد بن کر ان لوگوں سے کہہ رہی تھیں:-

"آہ! میرے پاس بھی کپڑے تھے"۔

ایک عالیشان مکان سے رقص و سرود کی بلند آوازیں آ رہی تھیں۔ پھاٹک کے سامنے کثیر مجمع تھا ... میں سب کی نظریں بچا کر پھاٹک سے اندر پہنچا اور تماشا دیکھنے لگا۔

ایک بائی جی اپنے رقص سے محفل کو "بے خود" بنائے ہوئے تھیں۔ رقص بینش رجواں شغل مے نوشی میں مشغول تھے۔ ان کی لال لال آنکھیں لالچائی ہوئی اُٹھتی تھیں اور بائی جی کے گدرائے چہرے کو دیکھتے ہوئے جھک پڑتی تھیں۔ کانپتے ہوئے ہاتھ آہستہ آہستہ کوٹ یا واسکٹ کی جیب میں جاتے اور جو کچھ ملتا بائی جی پر نچھاور کرتے ہوئے گر پڑتے تھے ... اجداد کے گاڑھے پسینے کی کمائی اُن کے بے رحم ہاتھوں سے اُڑ رہی تھی۔

چند بدنصیب خادم لیمونیڈ، سوڈا، برف شراب، سگرٹ اور پان مہیا کرنے کے لئے ایک طرف پُرسوز خاموشی کے ساتھ کھڑے ہوئے تھے۔ اُن کے دل اندر ہی اندر ان کو لعنت ملامت کر رہے تھے۔ ان کی علامتیں اندر ہی اندر ان کے حال پر آنسو بہا رہی تھیں۔ اُنہیں ہر طرف سے بے کسی! بے بسی! مجبوری اور بے چارگی گھیرے ہوئے تھیں ... ... مخمور نوجوانوں کے قہقہوں کے ساتھ سارے ہال میں ایک دلشکن صدا گونج رہی تھی ... "کوئی دنیا میں غریبوں کی صدا نہیں سنتا"۔

مسرت یہاں سے کوسوں دور تھی۔ میں چپکے چپکے واپس ہو لیا۔

ایک نوجوان بیوہ سڑک پر سے گذر رہی تھی۔ اس کے ساتھ اس کا ایک چھوٹا بچہ بھی تھا۔ وہ رو رہا تھا۔ ضد کر رہا تھا کہ ہولی کے لئے اُسے بھی رنگ منگا دیا جائے۔ تاکہ وہ بھی اپنے ہم سن بچوں کی طرح دوسروں پر رنگ ڈال کر خوش ہو۔

وہ معصوم تھا۔ اور یہ نہ جانتا تھا کہ اس کی ماں کے پاس پیسے نہیں ہیں۔ اس کو یہ بھی معلوم نہ تھا کہ سوسائٹی نے اس کی ماں کو ہمیشہ کے لئے پیس ڈالا ہے! بیوہ کر دیا ہے!

(باقی اگلے صفحہ پر)

(پچھلے صفحہ سے)

عمر بھر کے لئے بیوہ۔

وہ مچل مچل کر رو رہا تھا ۔ ۔ ۔ ماں رنج سے گھڑا دئے۔

بد قسمت عورت کی نظریں بے کسانہ انداز سے آسمان کی طرف اٹھ گئیں ۔۔

۔ ۔ اے ایشور! تو نے اپنی اس عطا میں نے کون سا پاپ کیا تھا بھگوان؟

اس کی آنکھوں میں آنسو بھر آئے۔ اور چند موٹے موٹے قطرے اپنی بے بسی پر ٹپک کر دامن میں خشک ہو گئے۔

معصوم بچہ اپنی ماں کو روتا دیکھ کر خود بخود خاموش ہو گیا۔

(۲)

بحر نشاط میں تلاطم برپا ہوا۔ وہ شمعیں جو ہولی کی پُر رونق شب میں جل جل کر محفل کو تاباں بنائے ہوئے تھیں۔ ایک ایک کر کے گل ہونے لگیں ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ خوشی کی صدائیں موقوف ہو گئیں۔ نغمے خاموش۔ مسرتیں گم! آرزوئیں افسردہ۔

لیکن ایک نغمۂ پُر سوز، خاموش فضا میں تھرتھراتا ہوا گونج اٹھا ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ میں نے یہ نغمہ سنا اور سنکر بیتاب ہو گیا۔

وہ نغمۂ درد تھا۔ جو فاقہ مستوں اور مسکینوں کے معصوم ہونٹوں سے کانپتا ہوا مسموم فضا میں خاموشی کے ساتھ گم ہو رہا تھا۔

کسی نے غور نہ کیا ۔ ۔ کسی نے نہ سمجھا کہ اس کیف و سرور میں ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ اس جہانِ انبساط میں درد کا نغمہ کس نے بلند کیا ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ کس کی یہ صدا آواز سرور انگیز فضا کو متاثر کرتی ہوئی خاموش ہو گئیں ۔ ۔ ۔ ؟

تم اپنی خوشی میں حسرت نصیب بیوہ کے ان آنسوؤں کو بھول گئے۔ وہ کسی کی یاد میں بطور پھولوں کے پیش کرتی تھی۔ تم نے اپنے عیش میں ان یتیموں ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ان خانماں بربادوں کو فراموش کر دیا۔ جو عین ہولی کی متبرک رات کو فاقہ سے تھے۔ تم رقص و سرود کی رنگین و مخمور محفلوں میں شریک ہوئے مگر ان بھائیوں کا خیال نہ کیا جو رات کو سونے کو ترس رہے تھے۔

تم نے شراب کا رنگین جام اٹھاتے ہوئے اس بات کو دھیان نہ دیا کہ تمہارے ہی چند بھائی بھوک کے تڑپ رہے ہیں۔ بے کس ہیں لاچار

پھر بھی مجبور ہیں۔

تمہارے ضمیر نے تمہیں بار بار آگاہ کیا مگر تم نے ضمیر کی آواز کو ایک کان سنا اور دوسرے کان اڑا دیا۔

تم نے بے کسوں کی آہ و فغاں سنی اور جھٹکے سے ٹال گئے۔ تم نے انہیں برباد ہوتے دیکھا اور اپنی آنکھیں بند کر لیں۔

تم نے اپنی بہنوں کو بلبلاتا اور بھائیوں کو تڑپتے دیکھا۔ بیوں کو ٹھکرا دیا۔ انسانیت سے آنکھیں پھیر لیں۔ دل کے دروازے بند کر لئے۔ جاگتے ہوئے سو گئے۔ خواب دیکھنے لگے۔ غفلت! غفلت۔ غفلت۔

چھوٹے چھوٹے یتیم دبسینے رو رو دو دن کے فاقہ سے بلک بلک کر خاموش ہو گئے۔ مگر تمہارے رحم دل پر شمہ برابر بھی اثر نہ ہوا۔ ان کی معصوم چیخیں بے تابانہ تمہارے کانوں تک پہنچیں مگر دل کے دروازے بند پاکر ناکام واپس آئیں۔

تم نے ضمیر کی نیک آواز پر دھیان نہ دیا تم نے شراب کے پُر کیف جام کے آگے ان فرود سفالی کو ٹھکرا دیا جو بغرض بھیک تمہارے سامنے پیش کئے گئے تھے۔

اب سمجھے کہ اس معاشرۂ عیش میں نغمۂ غم کا چھیڑنے والا کون تھا؟

تم اس ملک کے باشندے ہو جو سب کا سرتاج تھا۔ ۔ ۔ ۔ مگر اب سب سے ذلیل ہے اس دیش کے رہنے والے ہو جو سب سے زیادہ روشن تھا۔ مگر اب گھٹا سے زیادہ تاریک ہے۔

اگر تم چاہتے ہو کہ اس کی گئی ہوئی عظمت واپس مل جائے۔ ۔ ۔ اگر تم چاہتے ہو کہ تمہارا نام بھی دنیا کی زندہ قوموں میں شامل ہو۔ ۔ ۔ ۔ اگر تم چاہتے ہو کہ تمہارے بچے آزادی کی گودوں میں پلیں۔ تو ایک دوسرے کی مدد کرو ۔ ۔ ۔ دوسروں کے درد میں شریک ہو ۔ ۔ ۔ دوسروں کے غم کو اپنا غم سمجھو۔ اور آنکھیں کھول کر ان زندہ قوموں کو دیکھو جو آسمانِ ترقی کے روشن ستارے بن گئی ہیں۔

اگر ہمت زندہ ہے ۔ ۔ ۔ ۔ اگر عزت کی قدر ہے ۔ ۔ ۔ اگر عظمت کی آرزو ہے تو سوسائٹی سے منہ موڑ لو۔ قدامت پسندی کو توڑ دو! تعصب سے باز آ جاؤ اور اپنے کو صرف ہندوستانی سمجھو اور بس!!

اقوالِ رئیس

(مرسلہ جناب اے آر رشدی بھوپال)
(خاص تیج وبگلی کے لئے)

—(۱)—

چیونٹی کے لئے یہی بہتر ہے کہ اس کے پر نہ ہوں

—(۲)—

نیک مزاجی بہت سی ایسی باتوں سے بچاتی ہے جن سے آئندہ پچھتانا یا شرمندہ ہونا پڑے۔

—(۳)—

بادشاہی اور جہانگیری نیکی سے حاصل ہوتی ہیں

—(۴)—

تعصب سے دور رہو۔ اس لئے کہ یہ انسان کو ہزار طرح کی نیکیوں کے حاصل کرنے سے باز رکھتا ہے۔

—(۵)—

بد قسمت طاقتور کچھ نہیں کر سکتا۔ اس لئے کہ نصیبے کے یار، مضبوط بازوؤں سے بہتر ہیں۔

—(۶)—

جب تو نے دشمن کو تکلیف دی تو بے خوف مت رہ۔

—(۷)—

مصائب مصائب نہیں ہیں بلکہ وہ ایک امتحان ہے۔ جس کا نتیجہ کامیابی بھی ہے اور ناکامی بھی مگر کامیاب وہی شخص ہوتے ہیں جو ان سے خائف نہیں ہوتے۔

—(۸)—

مصیبت کے وقت اپنے نفس کو قابو میں رکھنا چاہیئے۔

—(۹)—

ارادہ کارخانۂ دنیا میں ایک عظیم الشان قوت ہے۔

—(۱۰)—

بدلہ لینا جواں مردوں کے عیبوں میں سے ایک عیب ہے اور معاف کر دینا جواں مردوں کی خوبیوں میں سے ایک خوبی ہے۔

—(۱۱)—

بُروں میں سب سے زیادہ بُرا وہ شخص ہے جو لوگوں کے عذر کو نہ مانے۔ اور معافی مانگنے والے سے دل میں دشمنی رکھے۔

—(۱۲)—

دشمن کی نرمی اور مہربانی پر بھروسہ مت رکھو۔

موجِ

ڈاکٹر کی بیوی:۔ ہم نے پچھلے ہفتہ ایک زردہ کی پُرمزہ دعوت دی تھی۔
سہیلی:۔ خوب کامیابی ہوئی۔؟
ڈاکٹر کی بیوی:۔ بڑی۔ اس عرصہ میں اس سے نئے مریض تو آچکے ہیں۔

ایک حکیم سے اس کی بیوی نے زیور بنوانے کی فرمائش کی۔ حکیم نے جواب دیا کہ کوئی رئیس بیمار ہو تو تمہارے کڑے بن جائیں گے۔

چند روز بعد ایک پڑوسی امیر کے گھر سے آواز آئی کہ آج دہی کھانے کو جی چاہتا ہے۔
حکیم نے بیوی سے کہا۔
"مبارک ہو۔ اب تمہارے سونے کے کڑے بن جائیں گے"
پھر آواز آئی کہ۔
"دہی میں ذرا سا نمک مرچ بھی ڈال دینا"
حکیم نے پھر بیوی سے کہا۔
"بیوی اب تمہارے چاندی کے ہی کڑے رہ گئے ہیں"
پھر آواز آئی کہ۔
"دہی میں اُبلا ہوا کدو اور ذرا سی رائی بھی ڈال دو"
حکیم نے مایوس ہو کر کہا۔
"بیوی اب کڑوں کا خیال چھوڑ دو۔ کیونکہ دہی میں یہ جز ڈالنے کے بعد اس میں وہ زہریلا مادہ باقی نہیں رہتا جو انسان کو بیمار کرتا ہے۔

ایک بخیل کے ہمسایہ نے اسکی دعوت کی۔ بخیل صاحب حد سے زیادہ کھا گئے اور پھر بار بار پانی پینا شروع کیا۔ جس کے باعث پیٹ پھول گیا۔ اور کرب کے مارے پیچ و تاب کھانے لگے۔
طبیب نے کہا کہ بہتر یہی علاج اس وقت یہی ہے کہ قے کر ڈالو۔
بخیل بولا۔ کہ مرنا منظور ہے مگر جو عمدہ غذا کھائی ہے اسکو قے ہرگز نہیں کرونگا۔

دُلہن کی سہیلی:۔ کیا تمہارے شوہر کو یہ توقع ہے کہ تم اسکی فرمانبرداری کرو گی؟
دُلہن:۔ نہیں۔ نہیں ان کی ایک شادی تو پہلے بھی ہو چکی تھی۔

(باقیامضمون صفحہ ۱۴)

انہیں یہ معلوم ہو گیا تھا کہ وہ منو کے دوش بدوش امتحان کی تیاری بھی کر رہا ہے۔ کھانا کپڑا اُسے ملتا ہی تھا ... وہ کچھ بچا کر قلم دوات، کاغذ پر خرچ کرتا تھا۔ ... پیسہ جوڑ کر ... ایک روز ڈرتے ڈرتے اس نے بابو تارا چند سے کہا۔

"... میں بھی منو بھائی کے ساتھ امتحان میں بیٹھوں گا۔"

بابو تارا چند حیران ہو کر اس کی شکل دیکھنے لگے۔
"کیا تم نے بھی امتحان کی تیاری کر لی ہے؟"

"جی ہاں"

منو نے سر نیچے کئے ہوئے۔ روپے کرتے ... ہوئے کہا۔

"یہ فیس کے لئے روپے ہیں"۔ اُس نے میز پر بابو تارا چند کے سامنے رکھ دیئے۔

"یہ روپے کہاں سے لائے ہو؟" بابو تارا چند نے مُسکراتے ہوئے کہا۔

"آپ ہی کے دیئے ہوئے ہیں۔ تنخواہ سے بچائے ہوئے"۔ منو نے جواب دیا۔

بابو تارا چند بہت خوش ہوئے۔ انہوں نے منو کی پیٹھ ٹھوک کر کہا۔

"شاباش تم جیسے محنتی اولوالعزم نوجوانوں کی ہندوستان کو ضرورت ہے"

منو کی آنکھوں میں آنسو بھر آئے۔ کوشش کر کے پرائیویٹ طور پر اس کا نام امتحان میں بھجوا دیا گیا۔ وہ اس بات کو بیان کرنے کی ضرورت نہیں کہ منو نے فرسٹ ڈویژن میں میٹرک پاس کر لیا۔

... اور منو کو بابو تارا چند نے اپنے ساتھ ... میں لگا لیا۔ وہ ہیروں کا بیوپار اور دلالی کرتے تھے۔ منو ایک ایماندار اور خیر خواہ ملازم تھا۔ اس کی سعادت سے بابو تارا چند کو بہت فائدہ ہوا۔ اور انہوں نے اپنا کام بمبئی ... بابو تارا چند منو بھائی جوہری کے نام سے جاری کر دیا۔ ... حصہ دار اور فرم کا منیجر بنا کر وہاں بھیج دیا۔

... بھی اور چلی جاتی تھی لیکن منو نے کبھی ... اس ... وہ بجائے خوش ہونے کے ... سا رہتا تھا۔ ... ہنسا ... زندہ ... علیحدہ ہوا تھا۔ اور اسی روز کی بدولت بھائی بھاوج ... تباہ ہو گئی تھی۔ گھر سے نکلے ہوئے اُسے بارہ سال ہو چلے تھے۔ سات سال کی تجارت اور محنت سے ایک لاکھ روپیہ ... تھا۔ ... اس نے بھائی بھاوج کا حال معلوم کیا ... اُسے معلوم ہوا کہ کنبہ بارہ باٹ ہو رہا ہے تو ... ٹکڑے ٹکڑے ہو گیا۔ روپ رانی نے تو اُسے گھر سے نکلنے پر مجبور کیا ہی تھا۔ بھائی سے بھی علیحدگی اختیار کر لی۔ ... سے یہ بھی معلوم ہوا کہ روپ رانی اپنے کئے پر نادم ہے ... جواہر لال کا انتقال ہو چکا ہے۔ روپ رانی ... رفتہ یہ معلوم ہو گیا کہ اس نے خاوند کے گھر کو ... زبردست غلطی کی۔ وہ اس غلطی کا ازالہ کرنا

چاہتی تھی۔ لیکن اب نرنیدر بابو ماننے والے نہ تھے۔ ان دونوں کے درمیان ایک وسیع خلیج پیدا ہو چکی تھی۔

(۴)

ہولی سے پہلا دن تھا۔ سہ پہر کا وقت تھا جب دستور ... کے سی ... کو تجویز کر رہے تھے۔ ایک نوجوان ... بڑے ... صاحب جواہر لال کے مکان کے دروازے پر آیا۔ اس نے نوکر سے پوچھا۔

"بی بی جی گھر پر ہیں؟"

اس نے کہا۔ "جی ہاں ہیں"

نوجوان نے کہا۔ "اندر جا کر کہدو۔ منو آیا ہے"

نوکر نے اندر جا کر کہا۔ روپ رانی آج کے دن ... کو یاد کر کے خون کے آنسو بہا رہی تھی۔ اس نے جب سُنا کہ منو آیا ہے تو اس کے جسم میں رعشہ آ گیا۔ اس نے نوکر سے کہا۔

"جاؤ انہیں اندر لے آؤ"

نوکر منو کو ساتھ لے کر اندر گیا۔ منو نے مکان میں جاتے ہی بھابی کے پاؤں چھوئے۔ دکھیانی سی ہنسی ہنس کر کہا۔

"بھابی اب بھی گلال لگاؤ گی یا نہیں"۔ اور دونوں مٹھیوں کا گلال بھابی کے قدموں پر ڈال دیا۔ روپ رانی کی آنکھوں سے آنسوؤں کی دھار بہ نکلی اس نے منو کو اُٹھا کر کلیجے سے لگا لیا۔

منو نے کہا بھابی چلو میرے ساتھ۔

"کہاں لیچلو گے بھائی"

"وہیں جہاں سے چلی آئی ہو"

"مجھ پاپی کو اپنے چرنوں میں کون جگہ دیگا؟"

منو کے اصرار پر روپ رانی ماں سے اجازت لیکر اس کے ساتھ چلدی۔ مکان کے قریب پہنچکر منو کا دل دھڑکنے لگا۔ وہ روپ رانی کو ڈیوڑھی میں چھوڑ کر اندر چلا گیا۔ نرنیدر بابو دفتر سے آ کر کپڑے اُتارنے والے تھے کہ منو نے بھیا کہکر پاؤں پکڑ لئے۔ نرنیدر حیران تھا "بھیا" کے لفظ کو سُننے کے لئے اس کے کان ترس گئے تھے۔ اس نے دیکھا کہ وہی شرارتی منو ایک شستہ جوان ہے انہوں نے اُٹھا کر بھائی کو کلیجے سے لگا لیا۔ دونوں کی آنکھوں سے آنسوؤں کا سیلاب رواں تھا۔ روپ رانی ڈیوڑھی میں کواڑ کی آڑ سے یہ رقت انگیز ملاپ دیکھ رہی تھی۔ جب رقت کچھ کم ہوئی تو منو نے کہا۔

"بھیا میں تمہارے لئے ایک تحفہ لایا ہوں۔ بولو منظور کرو گے؟"

نرنیدر نے پوچھا۔ "کیا ہے منو؟"

"کچھ ہی ہو۔ ہاں یا نہ میں جواب دیجئے"

"بھلا تیرا لایا ہوا تحفہ میں کیوں نہ منظور کرونگا"

منو ڈیوڑھی میں جا کر بھابی کو لے آیا۔ روپ رانی نے خاوند کے پاؤں پکڑ لئے اور آنسوؤں سے انہیں دھونے لگی۔

دلوں کی کدورت اور میل دُھل گیا۔ وہی ہولی کی پہلی رات جو بارہ برس پہلے منو کو بیل ہی اور نرنیدر کو اس کی تلاش اور پریشانی میں گذری تھی آج آپ بیتی سنانے میں گذ گئی۔ بابو تارا چند نے اپنی لڑکی ہیم لتا سے منو کی شادی طے کر کے ان کے لئے پہلی کا دن مقرر کیا تھا۔

اگلے روز صبح ہی اپنی موٹر میں بٹھا کر منو بھائی اور بھابی کو آگرے لے گئے۔ وہاں جمنا کے کنارے ایک عالیشان کوٹھی تھی جس میں بیاہ اور پوجا کا سب سامان جمع ہو رہا تھا۔ پنڈت ویدی بنا رہے تھے۔ بابو تارا چند انتظام میں مشغول تھے۔ بہت مہمانوں کی آؤ بھگت کر رہا تھا۔ کوٹھی عروس نو بنی ہوئی تھی۔ دروازے پر پھولوں کا سائن بورڈ تھا۔ "سنگم سدن"۔ اسی روز مکان کا افتتاح تھا۔ اور اسی روز منو کی شادی تھی۔ مہمان سفید کپڑے پہن کر آئے تھے۔ کیسو چندن اور عطر سے سب کی تواضع ہوئی۔

شادی ہونے کے بعد مناسب موقعے پر جب ہیم لتا اور منو اندر گئے تو منو نے مسکرا کر کہا۔

"بھابی لاؤ گلال!"

روپ رانی نے مسکرا کر ایک بڑا سا چپت منو کے گال پر لگا دیا۔ یہ چپت پریم کا تھا۔ منو کی آنکھوں میں خوشی کے آنسو چھلک آئے۔ روپ رانی نے ہیم لتا کو سینے سے لگاتے ہوئے کہا۔

"اب میں نے دیورانی منگا دی ہے۔ اب لگا دو جی بھر کر گلال"۔ عورتوں کی دھیمی ہنسی سے سارا ہال گونج اُٹھا۔ منو نے شرم سے آنکھیں نیچی کر لیں۔

ہولی اور جذبات شعرا

(از جناب برجیندر سنگھ عارف۔ خورجوی)

(خاص پنچ دہلی کے لئے)

ہولی کی تقریب رنگین اور نشاط سے بھی قابل دید ہوتی
ہے اور گلیوں کوچوں میں مستیاں نظر آتی ہیں۔ اس تہوار میں ہندو
مسلمانوں میں یکجہتی پیدا ہو جاتی ہے۔ سو اگر لوگ اپنی خوشی میں
بولا پکارتے ہیں۔ ہر شخص کے دل میں نئے جذبات پیدا ہوتے
ہیں اور مستی کی صحبتیں نمایاں ہوتی ہیں۔ عوام کی
ہولی شاعر کی ہولی سے جدا ہوتی ہے۔ شاعر کا تخیل بھی جدا
ہوتا ہے۔ شعرا کا تعلق ہولی سے کس قدر رہا ہے یہ تو
صاف اہل ذوق پر عیاں ہے۔ فی الحال یہاں پر چند شعر
پیش کئے جائیں گے جن سے معلوم ہوگا کہ ہولی نے شعرا
کے جذبات پر کیا اثر کیا ہے۔ برق دہلوی مرحوم کا ایک شعر
ملاحظہ ہو ؎

پالا پڑا ہے مستوں کے مسرت کا بہانہ
رندانِ قدح خوار کی دمساز ہے ہولی

شعر مذکورہ میں شراب کی مستی کا اظہار کیا گیا
ہے اور بتلایا ہے کہ رندانِ قدح خوار کے لئے
ہولی مستی کا بہانہ بن جاتی ہے لیکن پژمردہ دلوں پر
کیا اثر کرتی ہے اس کا اندازہ بھی شعر ذیل سے ہو سکتا ہے
فرماتے ہیں ؎

یہ روح نئی پھونکتی ہے مردہ دلوں میں
جادو ہے کرشمہ ہے کہ اعجاز ہے ہولی
رنگینیاں ہولی کی ہیں چہروں سے نمایاں
آئینہ رخسار ہے غماز ہے ہولی

لیکن یونہی برق کو خیال ہوتا ہے کہ اس میں مستانہ
پن جذبات حائل ہیں تو فوراً سنبھل جاتے ہیں اور جذبات
میں تغیر پیدا ہو جاتا ہے۔ ذرا ناصحانہ کلام کا اندازہ
بھی کیجئے کہ ہولی سے تہذیبی معیار پر کیا اثر پڑتا ہے۔
اور ہولی کیا سبق دیتی ہے۔ فرماتے ہیں ؎

ہولی کا مزہ جب ہے کہ تہذیب سے کھیلیں
پاکیزہ ہو اسلوب تو ممتاز ہے ہولی
جو بادہ پرستی میں لٹاتے ہیں زر اپنا
ایسوں کے لئے خانہ برانداز ہے ہولی

پہلے شعر میں برق صاحب نے ہولی کو بادہ
پرستی کا بہانہ بتلایا۔ یہاں پر سب جذبات کو
بالکل تبدیل کر دیا۔ اور جذبات میں وہ لطف پیدا
کر دیا جو واقعی شاعرانہ ہولی ہے۔

اسی سرزمین میں حضرت نظیر اکبرآبادی کے
چند شعر ملاحظہ ہوں۔ فرماتے ہیں ؎

جب پھاگن رنگ جھمکتے ہوں تب دیکھ بہاریں ہولی کی
اور دف کے شور کھڑکتے ہوں تب دیکھ بہاریں ہولی کی
پریوں کے رنگ دمکتے ہوں تب دیکھ بہاریں ہولی کی
خم شیشے جام چھلکتے ہوں تب دیکھ بہاریں ہولی کی

اب حضرت نظیر یہ بتلاتے ہیں کہ ہولی کا مزہ کیا
ہے ؎

ہو ناچ رنگیلی پریوں کا بیٹھے ہوں گلرو رنگ بھرے
کچھ بھیگی تانیں ہولی کی کچھ ناز و ادا کے ڈھنگ بھرے
دل بھولے دیکھ بہاروں کو اور کانوں میں آہنگ بھرے
کچھ طبلے کھڑکیں رنگ بھرے کچھ عیش کے دم منہ چنگ بھرے
کچھ گھنگرو تال جھنکتے ہوں تب دیکھ بہاریں ہولی کی

ہولی کی مستی درحقیقت ایسی ہی ہوتی ہے
وہ ذات پات کے نفاق کو ایک شاعر کے دل سے
دور کر دیتی ہے۔
ناظرین اندازہ لگا سکتے ہیں کہ نظیر نے ہولی
کے تمام رموز اپنے خیالات عدیم المثال میں ظاہر
کر دیا ہے۔
میاں یکرنگ دہلوی کا ایک دوہا سنئے۔ فرماتے
ہیں ؎

یکرنگ پیا سے جائے کہو کوئی ہر گھر رنگ بھوری
سر رنگ سب پھاگ کھیلت ہیں اپنی اپنی ہوری
خبر کوئی لیت نہ موری

ایک حرماں نصیب عورت کے دل میں
اپنے شوہر کی فرقت کا احساس ہوتا ہے۔ اور خیال
کرتی ہے کہ ہولی کے دن میری ہمجولیاں اپنے
شوہروں کے ہمراہ رنگ و مستی میں شریک ہونگی۔
لیکن میری بدقسمتی ہے کہ فرقت میرے حصول
لطف میں سدِ راہ بنی ہوئی ہے۔ انہی خیالات کو
ایک اردو شاعر کے الفاظ میں سنئے۔ فرماتے ہیں۔

ہولی آئی پیا نہیں آئے
مورا بن پیا جیا گھبرائے
جا سے کہاں چھپائے
پھاگ کھیلیں سب اپنے پیا سنگ
ہمرا جیا للچائے
سگری رین موہی کلپت بیتا
نین نیر بھر آئے
جائے کہو کوئی یکرنگ پیا سوں
تم بن کچھو نہ سہائے

(باقی مضمون اگلے صفحہ پر)

صفحہ

پھاگ اس جل جائے۔ کون اب گائے

یعنی ہولی آئی لیکن پیا نہیں آئے۔ اپنے شوہر کی فرقت میں میرا دل بھرا جاتا ہے۔ نہ معلوم وہ کہاں روپوش ہوگئے۔ آج میری ہمجولیاں اپنے شوہروں کے ساتھ ہولی (پھاگ) کھیلیں گی۔ میرا دل بھی للچاتا ہے۔ ساری رات بیقراری میں گذاری اور آنکھوں میں آنسو بھر آئے۔ کوئی میرے دلدار سے کہہ دے کہ تمہارے بغیر کچھ لطف نہیں ہے۔ اب پھاگن کا مہینہ جل جائے کون اس غم کی حالت میں گائے بجائے اور رنگ رلیاں کرے۔

صنفِ نازک کے جذبات اسی موقع پر مشتعل ہوتے ہیں۔ لیکن کس حد تک؟ اس کا اندازہ محض اردو اور ہندی صنفِ نازک کے کلام سے ہو سکتا ہے ہندی میں عموماً شاعرہ کے جذبات اپنے شوہر کی جانب ہوتے ہیں۔ یا کرشن اور رادھا کی جانب اشارہ کرتے ہیں۔ ایک شاعرہ "پرتاپ کنور بائی" اپنے جذبات کا اظہار اس طرح کرتی ہے کہ ؎

ہوری کھیلن کی رت بھاری

درشن پائے اتے بھیج ہری کر آس ایکدن جاری
درے اب جیت ناری
گیان گلال ابیر پریم کری پریت تنی پچکاری
لاس وسانس رام رنگ بھر بھر سرت نبوری ناری
کھیل ان سنگ رچاری

مطلب صاف ہے کہ اے نفل تیرے دل میں ہولی کھیلنے کی خواہش ہے۔ ایشور بھگتی میں مست ہو جا اور غفلت سے بیدار ہو۔ گیان کو عبیر قرار دے اور محبت کی پچکاری سے رنگ پاشی کر زبان پر رام نام رکھ کر اپنا عجب کھیل تیار کر۔ کہ مکتی کی حقیقت کا راز تجھ پر افشا ہو جائے۔

شاعرہ کے جذبات ہولی کے رنگ میں صوفیانہ ہو گئے ہیں۔ لیکن کتنا اونچا خیال ہے پچکاری اور محبت و پریم کی عبیر سے تو گیان کا ——— کیا خوب نازک خیالی ہے گویا ہولی کا سبق حیرت انگیز نہیں شعروں میں مخفی ہے۔ کمال ہے۔

اس سرزمین میں ایک دوسری شاعرہ کے خیالات ملاحظہ ہوں۔ گویا متھرا کی رنگ رلیوں میں یہ بھی شامل تھیں۔ ؎

شیام سوں ہولی کھیلن آئی

رنگ گلال کی جھوری لئے سب ناؤ سیج سج آئی
بانکے نین چپل چل رنگے پریتم پر ٹکٹکی لگائی
ہٹوی ہوڑی اودیکھا دیکھی ہوری کی رنگ چھائی
اتے سکھن سنگ آئے برجے سندر تربھون رائی
اتے سکھن سنگ ہوری راستے جو "چپلی" ٹی
ملم بار عبیر اڑا دے ڈار کرشن تک دھائی

مطلب۔ میں شیام سندر سے ہولی کھیلنے آئی ہوں۔ میں نے اپنے سارے جسم کو آراستہ و پیراستہ کیا ہے۔ اپنے ہمراہ گلال کی جھولی لائی ہوں۔ تیرے بانکے نین اس کی چھبی کو دیکھ کر اس پر عاشق ہوگئے۔ دیکھا دیکھی ہولی کھیلنے کی خواہش پیدا ہوئی اتنے میں ادھر سے اپنی گوپکاؤں کے ہمراہ شیام سندر لالہ دیوتے۔ اور ادھر سے رادھا جی آئیں۔ اور خوب عبیر اڑنے لگا۔

گویا شاعرہ نے متصور جذبات کا کام کیا ہے۔ اور رنگ رلیوں کا واقعی حال قلمبند کیا ہے۔ ایک معمولی سی شاعرہ کے جذبات میں بھی ہولی کے شوق میں یہ تلاطم پیدا ہو گیا کہ حیرت میں ڈال رہا ہے۔ کرشن سے گویا مذاق کیا ہے۔

ہمارے مشفق پنڈت اندرجیت شرما اس سرزمین میں اس طرح گلکاریاں کرتے ہیں کہ ؎

سب سدہ بدہ ہندی بھول گئے سرت میں ہندی بولی ہیا
پھیلے دھمال ہاتھ میں پھیلے دھمالیں ٹولی میں
دو چار کہیں دس بیس کہیں پھرتے ہیں ٹولی ٹولی میں
بہروپ بنایا جاتا ہے پھر سوانگ رچایا جاتا ہے
پھر ہند میں ہولی آتی ہے پھر دل کو لبھایا جاتا ہے

ان خیال آرائیوں نے سچے خیالات کا کیف طاری کر دیا ہے

اب ہم محض تفریحِ طبع کے لئے ایک ہندی شاعرہ کے اعلیٰ جذبات کا مرقع پیش کرتے ہیں۔ اور آج کا مضمون اسی جگہ پر ختم کیا جاتا ہے ملاحظہ ہو ؎

کیسے جل لاؤں میں پنگھٹ جاؤں
ہولی کھیلت نند لاڈلو کیونکر نبھن پاؤں
وہ تو تلج پھاگ مناتے ہیں کل بچ کہلاؤں
جو چھوڑیں انچل رسک بہاری دھرتی پھاٹ سماؤں

مطلب یہ ہے کہ پنگھٹ سے پانی لینے کیسے جاؤں وہاں پر تو شیام سندر پھاگن کی مستیوں میں آ رہا ہے وہ مجھے چھیڑے گا اور میرے ناموس کا باعث ہوگا۔ اگر اس نے میرا دامن پکڑ لیا تو میں زمین کو پھاڑ کے دفن ہو جاؤں گی۔

ایک معشوقہ کے کیسے خیالات ہیں۔ اس سے اس زمانے کی صنفِ نازک کی پاکیزگی کا اندازہ ہوتا ہے۔

جاپان میں خون کی ہولی

تکاہاشی اور سائیٹو وزرا کا قتل

ناظرین نے اخبارات میں ملاحظہ کیا ہوگا کہ ۲۶ فروری ۱۹۳۶ء کو جاپان میں بعض افواج نے علم بغاوت بلند کر دیا اور اکثر وزراء کو قتل کر ڈالا۔ یہ دراصل سن رسیدہ مدبرین اور نوجوان انتہا پسندوں کے درمیان قدیم کشمکش کا نتیجہ تھا۔ نوجوان طبقہ۔ خصوصاً افواج کا ہمیشہ یہ مطالبہ رہا ہے کہ جاپان کی فوجی طاقت پر زیادہ سے زیادہ رقم صرف کی جائے اور جاپان کی بیرونی حکمت عملی میں زیادہ شدت سے کام لیا جائے۔ لیکن سن رسیدہ مدبرین (جیسا کہ ہر جگہ دیکھنے میں آتا ہے) ایک بریک کا کام کرتے تھے اور ان نوجوانوں کو اندھادھند آگے بڑھنے سے روکتے تھے۔

اسی وجہ سے جاپان کے متعدد وزرا اکثر انتہا پسند طبقے کے ہاتھوں قتل ہوئے۔ چنانچہ ۱۹۲۱ء سے اب تک تین وزیر اعظم اور چار دیگر وزراء قتل ہو چکے ہیں۔

۱۹۲۲ء میں معاہدہ واشنگٹن پر دستخط کرنے کے جرم میں وزیر اعظم ہارا کو قتل کیا گیا۔ ۱۹۳۰ء میں بحری کانفرنس کی شرکت اور ۵-۵-۳ کے تناسب کو قبول کرنے کے جرم میں وزیر اعظم ہاماگوچی اور بیرن وکت سوکی کو قتل کیا گیا۔ ۱۹۳۲ء میں جب جاپان نے منچوکو پر قبضہ کیا اور لیگ اقوام نے اس کی مخالفت کی، تو لیگ کی حمایت کرنے کے جرم میں وزیر اعظم انوکئی اور ممبر مالیات انوئی کو قتل کیا گیا۔ اسی سنہ میں بیرن دان کو بھی جو ماہر مالیات تھے قتل کیا گیا کہ وہ سیاسیات میں ناجائز دخل دینا چاہتے تھے۔

پھر ۱۹۳۵ء میں میجر جنرل نگاتا کو اس جرم میں قتل کیا گیا کہ انہوں نے سیاسی خیال رکھنے والے بعض افسروں کو تنزل کر دیا تھا۔

غرضیکہ یہ چیز جاپان میں بہت عام ہے۔ موجودہ بلوہ میں دو مشہور وزراء قتل کئے گئے ایک تو تکاہاشی اور دوسرے کاؤنٹ سائیٹو۔ اگرچہ ابتدا میں یہ خبر بھی آئی تھی کہ وزیر اعظم اوکاڈا بھی قتل ہوئے لیکن بعد میں معلوم ہوا کہ وہ زندہ ہیں۔ اور پہلے سے بلوہ کی خبر پا کر کسی جگہ پوشیدہ ہو گئے اور اس طرح بچ گئے۔

ذیل میں ہم ان دو مقتول وزرا کے سوانح حیات پیش کرتے ہیں یہ واقعات مسٹر چمن لال جرنلسٹ سیاح جاپان اور مصنف "جاپان کے رازہائے سربستہ" کے اس مضمون سے ماخوذ ہیں جو آپ نے حال ہی میں "ہندوستان ٹائمز" میں شائع کرایا تھا۔

تکاہاشی

تکاہاشی ان چند معمر اور سن رسیدہ مدبروں میں سے تھے جنہوں نے جدید جاپان کی بنیاد رکھی تھی۔ اس وقت ان کی عمر ۸۲ برس کی تھی۔ اور یہ سات مرتبہ وزیر مالیات کی حیثیت سے ملک کی خدمت کر چکے تھے۔

ان کی زندگی کا افسانہ مختصراً یوں بیان کیا جا سکتا ہے کہ انہوں نے ایک چائے بردار لڑکے سے وزیر مالیات کے درجہ تک ترقی کی گویا یہ خود ساختہ انسان تھے اور ان کا تمام عروج خود ان کی ذاتی کوششوں کا نتیجہ تھا۔ یہ ایک معمولی آرٹسٹ کے گھر پیدا ہوا۔ اور ان کا عرف دیکیچی رکھا گیا جس کے معنی امن و مسرت کے ہوتے ہیں۔ اتفاق دیکھئے کہ انہیں متبنّیٰ بھی کیا تو ایک نہایت ہی غریب شخص سمرونی نے۔ اسکی عسرت کا یہ حال تھا کہ آٹھ برس ہی کی عمر میں انہیں نوکری کرنا پڑی۔ اور یہ ایک بودھ مندر میں چائے بردار کی حیثیت سے ملازم ہو گئے۔ ان کی خوش مزاجی اور مستعدی سے مندر کا مہنت اور سنڈئی تعلقدار دونوں اتنے خوش ہوئے کہ اس ہونہار لڑکے میں خاص دلچسپی لینے لگے۔ یہ وہ زمانہ تھا جب کہ بحالی کا دور ابھی شروع نہیں ہوا تھا۔ لیکن اس کے پیش خیمہ کے طور پر ایک غیر معمولی ہیجان نمودار ہو گیا تھا۔ اور اسی سلسلہ میں بیرونی زبانیں پڑھنے کی آزادی حاصل ہو چکی تھی چنانچہ سنڈئی کے تعلقدار نے انہیں انگریزی پڑھنے کے لئے یکوہاما بھیج دیا۔

اس کے بعد ہی یہ امریکہ چلے گئے لیکن کیسے گئے۔ اوکلینڈ (کیلیفورنیا) کے پاس ایک کاشتکار کے یہاں مزدور کی حیثیت سے۔ انہوں نے تین سال کے لئے معاہدہ پر دستخط کر دیئے۔ جس کی رو سے پچاس ڈالر کا معاوضہ طے ہوا۔ لیکن وہاں پہنچ کر انہوں نے محسوس کیا کہ ان کی حیثیت ایک غلام سے زیادہ نہیں ہے۔ چنانچہ کچھ عرصہ کے بعد انہوں نے اپنے دوستوں سے کچھ روپے قرض لئے اور ۳۰۰ ین کے ذریعہ سے معاہدہ سے

(باقی اگلے صفحہ پر)

اچھی صحت اور روزمرہ کی خوراک

موزوں ترین غذا

اشیاء کے خورد و نوش کے استعمال کا خاص مقصد طاقت حاصل کرنا ہے۔ تاکہ ہم اپنے روزانہ کے فرائض بخوبی انجام دے سکیں۔ حقیقتاً غذا ہماری زندگی کے قیام کے لئے بھی ناگزیر ہے۔ بچوں اور نوجوانوں کے نشو و نما کے لئے بھی خوراک ضروری ہوتی ہے۔ اور غذا ہی بوڑھوں کی وہ قوت بحال کرتی ہے۔ جو کہ کام کرنے کے باعث اور عمر کے ساتھ ساتھ ضائع ہوتی جاتی ہے۔ لہٰذا ہر شخص کے لئے اس امر کا خیال رکھنا اشد ضروری ہے۔ کہ ایسی غذا خریدی جائے جو کہ زیادہ سے زیادہ طاقت بخش ہو۔ اور جس میں نشو و نما اور بحالی صحت کے اوصاف بھی موجود ہوں۔

اس مقصد کے حصول کے لئے بہترین طریقہ یہ ہے کہ روزانہ کوکو پر بھی کچھ دام خرچ کر دیئے جائیں۔ اور بچے اور بالغ روزانہ ایک یا دو مرتبہ کوکو پیا کریں۔ جیسا کہ آپکو سابقہ مضامین میں علوم ہو چکا ہے۔ کہ کوکو میں نشو و نما سے طاقت بخش اور بحالی صحت کے لئے تمام ضروری اجزاء شامل ہیں۔ اور اسکا تقریباً ہر ایک ذرہ ہمارے قوائے جسمانی کے لئے مفید ہوتا ہے۔ اس سے ہاضمہ میں امداد ملتی ہے اور بدین جسم دیگر اغذیہ سے بھی کافی فائدہ اٹھا سکتا ہے سابقہ مضمون میں کوکو بنانے کے طریقوں پر کچھ روشنی ڈالی گئی ہے لیکن اگر آپ بطور آزمائش ایک پیالی تیار کوکو کی پینا چاہیں۔ تو آپ یہ معلوم کر کے از حد خوش ہوں گے کہ آپکو بڑے شہروں میں چھوٹے سٹیلوں میں گرم کوکو کی پیالی دستیاب ہو سکتی ہے۔ جس میں دودھ اور شکر بھی ملی ہوئی ہوگی۔ اگر آپ کوکو کو پسند کریں، اور اپنے میاں و اطفال کو بھی پسند کرانا چاہیں تو آپ ان ہی سٹیل والوں سے ایک چھوٹا نمونہ کا پیکٹ خرید کر گھر لیجا سکتے ہیں۔ یہ سٹیلوں والے کیڈبری کے ماتحت ہوتے ہیں۔ یہ وہی بڑی فرم ہے جس کی بابت آپ چند یوم قبل اخبار میں پڑھ چکے ہیں۔ کیڈبری کی یہ زبردست خواہش ہے۔ کہ آپ بہت تھوڑی قیمت خرچ کر کے ان کے کوکو کی آزمائش کریں۔ تاکہ آپکو معلوم ہو جائے کہ بہترین کوکو کا ذائقہ کیسا ہوتا ہے آپ اس سے فوراً محظوظ ہوں گے۔

بقایا مضمون صفحہ ۱۲

سب سے زیادہ حصہ لے رہی ہے ۱۹۲۷ء میں جب جنرل وانگ چنگ ہی پیکن پر حملہ کرنے کے لئے بڑھے تاکہ وہاں انقلاب برپا کریں۔ ان کی مددی بہوں سے لیکی ہوئی تھی اور ہمت بڑھانے کے لئے ایک نوجوان لڑکی ان کے ساتھ جو آخرکار مادام می یعنی ان کی بیوی بن گئی اس لڑکی نے جنرل ہی کے ساتھ انقلاب برپا کرنے میں اور عورتوں کو انقلاب کے لئے اُبھارنے میں بڑی مدد دی۔ اسی طرح ڈاکٹر سن یات سین مشہور قوم پرور چینی لیڈر کے کاموں میں مدد کرنے والی بھی ایک لڑکی ہی تھی، جو خود ڈاکٹر کی بیوی تھی۔ اور غالباً یہ معلوم کرنا خالی از دلچسپی نہ ہوگا کہ یہ لڑکی پہلی چینی لڑکی تھی جس نے کسی دفتر میں کام کرنا شروع کیا۔ اس سے پہلے عورت کے لئے دفتر میں کام کرنا عیب کی بات سمجھی جاتی تھی۔

۱۹۲۵ء میں جب چین میں قوم پرور جماعت کا دور ہوا اور انقلاب کی آواز گونجی تو قومی مجلس کومی تانگ میں عورتوں کا حصہ زیادہ تھا۔ اور ان عورتوں نے قومی تحریک کو فروغ دینے میں سرفروشانہ خدمات انجام دیں۔ پروپیگنڈے کے لئے اور قومی تحریک کو اپنی جدوجہد سے بام عروج پر پہنچانے میں چینی عورت نے جس قدر حیرت انگیز، خوش اسلوبی اور بلند ہمتی کا ثبوت دیا ہے وہ وطن دوستوں کے لئے ایک سبق آموز مثال ہے۔

جب عورتوں نے قومی تحریک میں بیش از بیش حصہ لے کر مستقل وطن کو کامیاب بنایا تو اپنی آزادی کے لئے بھی انہوں نے قوم سے مطالبہ کیا اور ان کا یہ مطالبہ بالکل حق بجانب تھا۔ انہوں نے جس قدر تندہی سے کام کیا تھا قوم نے اس کا جواب اس طرح دیا کہ عورتوں کو پرانی رسم و رواج اور قیود سے آزاد کر دیا۔

عورتوں کے حقوق تسلیم کئے گئے

رفتہ رفتہ عورتوں کی آزادی اور حقوق طلبی کی تحریک ایک مستقل آواز بن گئی۔ مردوں کے ساتھ مساویانہ حقوق مانگنے میں عورتیں کامیاب ہوئیں اور انہیں رفتہ رفتہ نظری اور عملی طور پر وہی آزادی اور حقوق مل گئے جو مردوں کو حاصل ہیں یہی وجہ ہے کہ چینی لڑکی چینی لڑکے کے ساتھ دوش بدوش کام کرتی نظر آتی ہے۔

"مس چین" کو آج وراثت کے وہی حقوق حاصل ہیں جو اس کے بھائی کو حاصل ہیں یعنی وہ ورثہ سے اب محروم نہیں کی جا سکتی۔ یہ تسلیم کر لیا گیا ہے کہ عورت کو اپنا خاوند خود تلاش کرنے کی اجازت و آزادی ہوگی اور والدین اس معاملہ میں کوئی زبردستی نہیں کریں گے۔ شادی ہونے کے بعد وہ اپنے خاوند کی وفادار بیوی بن کر رہے گی۔ اگر خاوند بدسلوکی کرے گا تو وہ طلاق حاصل کر سکتی ہے۔ خاوند کو بھی اختیار حاصل ہے کہ وہ بیوی کو طلاق دے دے۔

کام اور کھیل میں برابر شریک

کام ہو یا کھیل دونوں صورتوں میں چینی عورت مردوں کے ساتھ برابر کی شریک دکھنے میں آئے گی سیاسی میدان ہو یا فیشن کی دنیا۔ وہ اپنے مردوں کے ساتھ اس میں حصہ لیتی ہوئی دکھی جائے گی۔ جس رفتار پر زمانہ کے ساتھ مرد چل رہے ہیں اسی رفتار اور راستہ پر عورت چل رہی ہے۔

عورتوں کی اپنی یونیورسٹیاں ہیں۔ اپنے بینک ہیں جہاں صرف عورتوں کا سرمایہ لگا ہوا ہے۔ جہاں صرف عورتیں ملازم ہیں اور صرف عورتوں سے ہی کاروبار کیا جاتا ہے۔ عورت وکیل۔ عورت ڈاکٹر اور عورت اخبار نویس ہر جگہ دکھائی دیتی ہے۔ غرض زندگی کا کون سا شعبہ ایسا ہے جہاں اب چینی عورت نے اپنا قبضہ نہیں جما لیا ہے۔

حکومت کے دفاتر میں عورتیں دکھائی دیتی ہیں سول سروس یعنی حکام ملک میں ان کے طبقہ کے متعدد افراد کام کرتے نظر آتے ہیں۔ قومی مجلس میں وہ بارہا منتخب ہو کر آ چکی ہیں۔ اور اب بھی بڑے بڑے عہدوں اور منصبوں پر فائز ہیں۔

رائے دہی کا حق عورت کو دیا جا چکا ہے۔ عورت اپنے خاوند کے ساتھ غیر ملکی ہوٹلوں میں آزادی کے ساتھ آتی جاتی ہے۔ گھر میں رہ کر میزبانی کے فرائض بڑی خوبصورتی کے ساتھ سرانجام دیتی ہے۔ چینی لڑکیاں وہ سب کھیل کھیلنے جانتی ہیں۔ اور چینی گھرانوں میں وہ سب تفریحات اور کھیل کھیلے جاتے ہیں جو مغربی ممالک میں پائے جاتے ہیں۔ گھوڑے کی سواری ان میں رواج پا چکی ہیں۔ مجلسوں میں۔ کلبوں میں۔ اور گانے کی محفلوں میں وہ جا بجا نظر آتی ہیں۔ ان کی اپنی سوسائٹیاں بنی ہوئی ہیں۔ معاشرتی امور اور جراحی کاموں میں وہ حصہ لیتی اور مردوں کا ہاتھ بٹاتی ہیں۔

مختصر یہ کہ دنیا کی اور عورتیں جس قدر ترقی کر چکی ہیں چینی عورتیں بھی اسی رفتار سے ترقی کر رہی ہیں۔ یہ صحیح ہے کہ دور افتادہ مقامات پسماندہ علاقوں اور دیہات میں اب بھی لاکھوں عورتیں پرانی حالت میں ہیں اور وہاں ان آزادیوں کی ہوا ابھی نہیں پہنچی لیکن حالات رفتہ رفتہ بدل رہے ہیں مزید آزادی کی ضرورت شہری آبادی اور معزز و متوسط خاندانوں کی لڑکیوں کے لئے تھی اور انہیں وہ آزادی مل گئی ہے اور دیہات وغیرہ مقامات پر بھی رفتہ رفتہ یہ ہوا پہنچ جائے گی اور چین کی عورت بالکل آزاد اور اپنے حقوق و فرائض سے مکلف

ہندوستان کا افلاس صنعتی ترقی سے دور ہوسکتا ہے

(صفحہ ۱۱ کا بقایا مضمون)

جتنے ملکیں گی، دیہات سکے لڑکوں کی طرف سے دیسی مصنوعات کے استعمال کی زبردست مانگ پیدا ہوجائے گی تو ہندوستان خود بخود صنعتی فروغ کی منزل میں پہنچ جائیگا۔

روس اور جاپان میں کیا ہوتا ہے

جاپان میں حکومت کی طرف سے لڑکوں کو مالی امداد دی جاتی ہے۔ اگر وہ نئی نئی صنعتیں جاری کریں وہ بہت ملکوں میں، ہنروں کا کام سیکھنے اور نئے نئے طریقے دیکھنے کے لئے سفر پر روانہ کیا جاتا ہے اور وہ باہر سے لائی ہوئی معلومات سے اپنے ملک کے تجارتی و صنعتی فروغ میں حصہ لیتے ہیں۔ خود حکومت کی طرف سے بڑی بڑی صنعتوں میں شرکت کی جاتی ہے اور حکومت اپنے کارخانے خود بھی قائم کرکے صنعتوں کو بڑھانے کی فکر کرتی ہے۔ جب کارخانے چل جاتے ہیں تو وہ پرائیویٹ لوگوں کے ہاتھ فروخت کردیے جاتے ہیں۔

روس میں بھی صنعت و حرفت کی ترقی کے لئے حکومت کی طرف سے زبردست انتظامی اور مالی امداد دی جاتی ہیں۔ باہر کی مصنوعات پر اس قدر بھاری محصولات لگادیئے گئے ہیں کہ روس میں آکر وہ نفع کے ساتھ نہیں بک سکتے۔ ملک میں جس قدر مال کی کھپت ہے۔ سب وہیں بنالیا جاتا ہے اور فالتو سامان فوراً باہر کی منڈیوں میں بھیج دیا جاتا ہے۔ ان اصولوں اور حکومت کی امداد کی وجہ سے روس روز بروز ترقی کررہا ہے اور ۱۹۱۷ء کے صنعتی انقلاب کے بعد سے اس نے بہت ہی زبردست فروغ حاصل کرلیا ہے۔

ہندوستانی مفاد کچلے جاتے ہیں

غرض کسی ملک کو لے لیا جائے وہاں کی حکومت اپنے وطن کی مصنوعات کی ترقی و حفاظت کے لئے امداد پر آمادہ نظر آئے گی۔ لیکن ہندوستان میں چونکہ ایک غیر ملکی حکومت ہے اس لئے اس کے مفاد کا اُسے کوئی خاص خیال نہیں ہے۔ جب برطانیہ کے تجارتی مفاد کا سوال پیدا ہوتا ہے تو ہندوستان کے مفاد کو فوراً کچل دیا جاتا ہے۔ اور مختلف بھیسوں میں ہندوستان کی تجارت کو برطانوی تجارت سے پست رکھنے کی کوششیں ہمیں جابجا کارفرما نظر آتی ہیں۔

ضرورت ہے کہ ہم رائے عامہ ہموار کریں۔ عوام پر اچھی طرح روشن و ظاہر کردیں کہ جب تک ان میں اپنے وطن کی مصنوعات استعمال کرنے کا جذبہ پیدا نہیں ہوگا۔ اس وقت تک ملک ترقی نہیں کرسکتا۔ جب ہندوستان میں سب غیر ملکی چیزوں کے مقابلہ پر ملکی چیزیں

شریف ہندو اہل قلم

کی خدمت میں نہایت ادب سے گذارش ہے کہ پیشوا کے رسول نمبر کے لئے جلد از جلد مضامین نظم و نثر مرحمت فرمائیں۔

"پیشوا" کا رسول نمبر حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے جشن پر ایسے شریف ہندو اصحاب و سکھ عیسائی پارسی وغیرہ اہل قلم حضرات کے مضامین سے مزین ہوتا ہے جو شائقین

ہیں اتحاد بین الاقوام کو ضروری سمجھتے ہیں اور ہر قوم کے محترم بزرگوں کی عزت کرتے ہیں۔

ہر قسم کے نظم و نثر مضامین اردو، انگریزی، ہندی ۲۰ مئی تک دفتر "پیشوا" میں پہنچ جانے چاہئیں۔

راقم

(مدیر حسن نظامی مدیر "پیشوا" جامع مسجد دہلی)

عدالت اور اس کے حکام

(OUR LAW COURTS)

(مترجمہ:۔ جناب مقصود علی صاحب۔ میرٹھ)

حسب ذیل عبارت ایک انگریزی تصنیف (OUR LAW COURTS) "آور لا کورٹس" کا اقتباس ہے جو مسٹر اسے۔ بے۔ آنام بیرسٹر ایٹ لا مدراس نے تصنیف فرمائی ہے۔ اس کتاب کا باب اول فاضل مصنف نے کچھ اس دلچسپ انداز میں لکھا ہے کہ مجھ جیسے استعداد کے شخص کو ترجمہ جیسی اہم چیز کے بار کو برداشت کرنے پر مجبور کر دیا۔ امید ہے کہ اس کا مطالعہ قارئین کرام کے لئے دلچسپی کا باعث ہوگا۔ (مترجم)

عدالت حقیقتاً ایک مقدس جگہ ہے جہاں کہ عوام کی حق تلفیاں عمل میں لائی جاتی ہیں —— معاف کیجیے گا اس سے میری مراد یہ ہے —— جہاں کہ حق بحق دار رسیدہ کا مشغلہ کہیں کو پہنچتا ہے۔ عدالت ایک دلچسپ جگہ ہے۔ آپ یہاں مختلف حالتوں کے لوگوں کو اور متعدد قسم کے اشخاص کو پائیں گے۔ ایک متمول ہوتا ہے کہ ایک مفلس و نادار کسان تک وہاں موجود ہوگا۔ فاضل یا غیر فاضل، مدبر یا سٹون مزاج جج اپنی معزز کرسی پر متمکن ہوتے ہیں۔ درخواستیں وصول کرتے ہیں، مقدمات کی سماعت اور تجویز کرتے، قانون دیتے اور منصفانہ فیصلہ سناتے ہیں۔ وکلاء صاحبان محرر یا سٹے کاغذات کے پلندے لئے آتے ہیں۔ ڈبیاں۔ چھوٹے اور ناس کی ڈبیاں (SNUFF BOXES) سنبھالے ہوئے حاکم کے انتظامی فیصلوں میں ان کی مدد کرنے یا ان کو پریشان کرنے کیلئے جمع ہو جاتے ہیں۔ اہلکاران یا وہ لوگ جو پیشہ ملازمان سرکار کہتے ہیں۔ چپراسی اور پولیس والے سب کے سب ایک عجیب سراسیمگی کی حالت میں مسلوں کے پلندے و اسلحہ اور خالی کارتوس ججوں کے سامنے پیش کرتے نظر آتے ہیں۔ پنکھا قلی جو کہ بعض اوقات بہت ہی اہم حیثیت رکھتا ہے اور گورنمنٹ کی مشنری کو ٹھنڈا کرنے والے عنصر میں شمار ہوتا ہے۔ ایک خالی کرسی پر بیٹھا ہوا کمر جھکی ہوئی۔ آنکھیں بند۔ گویا ایک مراقبہ کی حالت میں اپنے فرائض انجام دیتا ہوا دکھائی دیتا ہے۔ فریقین مقدمہ اور ان کے گواہان نیم کے سایہ دار درختوں کے نیچے منتظر بیٹھے ہوئے، اپنے اپنے بیانات میں مستحکم رہنے اور سچائی پر پردہ ڈالنے کے عوض روپیہ آنے اور پائیاں وصول کرتے نظر آتے ہیں۔ غرض ہر شخص اپنی کامیابی اور اپنے حریف کو نیچا دکھانے کی بارگاہ ایزدی میں دعائیں کرتا رہتا ہے۔ پولیس والے نہایت مردانہ طریقہ پر حوالاتیوں کی نگرانی کرتے ہیں۔

انگریزی قانون کا تسلیم شدہ طریقہ یہ ہے کہ ملزمان تاوقتیکہ ایک مستحکم ثبوت سے مجرم نہ گردان دیئے جائیں بے گناہ تصور کئے جاتے ہیں۔ بلا لحاظ اس کے کہ وہ ضمانت پر ہیں یا پولیس کی حراست کی حراست میں۔ قانون کسی قسم کا شدید طرز عمل صرف ان صورتوں میں جائز قرار دیتا ہے جبکہ زیر سماعت ملزمان گرفتاری سے بچنے کے لئے ترکیبوں سے کام لیں۔ یا قانونی حراست سے بھاگ نکلنے کی کوشش کریں۔ بہت سے معاملات میں نگران پولیس کی بیہودہ سرانہ حرکات، غیر ضروری روک تھام اور سخت طرز عمل بذات خود ایک کافی آمیز بن جاتے ہیں۔ مجسٹریٹوں اور دیگر پولیس افسروں کو خاص طور پر اس بات کا لحاظ رکھنا چاہیے اور یہ محسوس کرنا چاہیئے کہ یہ بھی ان کے فرائض میں سے ایک اہم فرض ہے کہ وہ یہ دیکھیں کہ زیر سماعت ملزمان کے ساتھ اگر کوئی بے جا برتاؤ روا نہیں رکھا جاتا تو کم از کم کافی نرمی تو ضرور ہی برتی جائے۔ اسی ضمن میں یہ مطالعہ کرنا بھی دلچسپی سے خالی نہ ہوگا کہ اس عجیب جگہ جو کہ فرضخواہوں، مقروضوں کا زبوں، ظالموں اور مجرموں کا مسکن ہو وہاں وکیل کی منت کو اس کے فرائض کی انجام دہی کے لئے بھینٹ چڑھایا جاتا ہے اور وہ وہاں اُن لوگوں کے بجائے حاضر ہوتا ہے جو کہ اپنے مداوے کے متلاشی ہوتے ہیں۔ اس سے قبل کہ میں وکلاء اور جج کے اختیارات و فرائض پر اسی مفہوم کے زیر تحت تبصرہ کروں جیسا کہ ان کی بابت قانون میں درج ہے۔ میں بعض غیر مندرج قواعد۔ جو کہ آپس کے سلوک اور برتاؤ سے متعلق ہیں نہایت مجملاً طور پر بیان کرونگا۔

فرض کیجیے کہ آپ ایک وکیل ہیں اور آپ ایک جج سے احاطہ کچہری سے باہر ملتے ہیں تو یہ کوئی لازمی شئے نہیں کہ آپ ان کو سلام ہی کریں۔ چاہے وہ آپ کے دوست ہوں یا نہ ہوں؛ لیکن عدالت میں یہ آپ کے لئے ضروری ہے کہ آپ ان کو سلام کریں۔ اگر جج صاحب کھڑے ہوتے ہیں تو آپ کو بھی ضرورت محسوس ہوتی ہے ان کے ساتھ کھڑے ہو جانے کی۔ بالکل اس طریقہ پر جس سے یہ ثابت ہو کہ آپ کی کمر کی ہڈی گویا اُن کی کمر کی ہڈی ہے اور آپ کا گوشت ان کا گوشت ہے۔ جب کہ آپ ان کو خطاب کرتے ہوں

(باقی مضمون اگلے صفحہ پر)

انتخاب — اداکار

(از جناب ایچ - ایچ - ایس ایم - اے)
(خاص تیج ویکلی کے لئے)

دیگر ضروری لوازمات کے علاوہ ایک فلم کو اعلیٰ بنانے کے لئے سب سے ضروری چیز انتخاب اداکار ہے - اس کام کی طرف ہندوستان کی ایک آدھ فلم کمپنی نے اپنی پوری توجہ دی ہوگی - ہندوستانی کمپنیاں اس خیال سے توجہ نہیں دیتی ہیں کہ ان کی نگاہ میں اعلیٰ فلم وہ ہے جو کہ زیادہ سے زیادہ آمدنی دکھائے - خواہ اس فلم کا خاص اداکار صرف گانا ہی کیوں نہ جانتا ہو۔ اور خدا کی مہربانی سے اس کے ملازم بھی خوبصورت ہوں - مگر کمپنی یہ جانتے ہوئے کہ سینما کے شائقین گانا زیادہ پسند کرتے ہیں اسی گانے والے کو فلم کی خاص اداکاری پر معین کر دیتی ہے - جس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ فلم اپنی فلمی خصوصیات سے الگ ہو کر صرف آمدنی کا ذریعہ بن جاتا ہے - ایسے فلم فلمی صنعت اور آرٹ کی ترقی کے راستہ میں حائل ہوتے ہیں۔ اور شائقین فلم پر برا اخلاقی اور تمدنی اثر پیدا کرتے ہیں - ذی عقل شائقین کی نظروں میں اس قسم کے فلم کوئی حیثیت نہیں رکھتے - اور صرف بازاری لوگ انہیں پسند کرتے ہیں۔

یورپ اور امریکہ میں ایک فلم کے لئے عام اداکار اور مخصوص اداکار سب سے زیادہ اہمیت رکھتے ہیں۔

ایک کہانی یا قصہ - یا حکایت خواہ کتنی ہی اچھی اور دلچسپ کیوں نہ ہو اور کمپنی اپنی طرف سے زر کثیر خرچ کر کے محل اور تسلط اور دیگر سامان و مناظر کیوں نہ مہیا کرے - مگر جب تک قلعہ ایسے سامان کے لائق باکمال اداکار نہ ملیں یہ تمام چیزیں بے کار ہو جاتی ہیں۔

امریکہ میں کسی خاص اداکار کے لئے ایک خاص انتخاب ہوتا ہے جس میں کمپنی کے مقابل ڈائرکٹر حصہ لیتے ہیں - اور اپنی طرف سے چند اشخاص منتخب کر کے ان کا آپس میں مقابلہ کرتے ہیں کہ ان میں سے کون سب سے زیادہ موزوں رہے گا - اسی قسم کا ایک مقابلہ حال میں کیتھرن اور کرافورڈ کے درمیان ہو چکا ہے جس میں کیتھرن کامیاب ہوئی -

اداکار کا صحیح انتخاب کرنے میں ولایت کی کمپنیوں کو تین اور چار مہینے لگ جاتے ہیں - مگر جب تک ان کو اطمینان نہیں ہوتا کہ یہ اداکار بالکل موزوں ہے اس وقت تک وہ فلم بنانا کبھی نہیں شروع کرتے - وہ فلم کو فلمی دنیا اور فلمی ترقی کی خاطر بناتے ہیں - وقت کو پورا کرنے اور اپنی جیب کو گرم کرنے کے لئے نہیں - مغربی فلم کمپنیاں اپنی ذمہ داری کو اچھی طرح محسوس کرتی ہیں اور وہ خوب اچھی طرح جانتی ہیں کہ آئندہ شائقین کس قسم کے فلم پسند کریں گے - اور اگر ہمارے فلم اعلیٰ نہ ہوئے تو یقینی طور پر وہ ہمارے لئے ناکامیابی کا باعث ہوں گے۔

ایک چیز جب شروع شروع ایجاد ہوتی ہے تو ہر ایک آدمی اسکو بہت ذوق شوق سے دیکھتا ہے اور خاص کر اس چیز کو جو تفریح سے تعلق رکھتی ہو - کیونکہ انسان کی طبیعت کا خاصہ یہ ہے کہ ایک چیز سے اس کی طبیعت بہت جلد گھبرا جاتی ہے - اور وہ عمدہ اور بہتر چیز کا متلاشی ہوتا ہے۔

اسی طرح سے آج کل فلم ہندوستان میں چونکہ ایک نئی چیز ہے اس لئے وہ دن قریب ہے جب کہ شائقین موجودہ فلموں کو رد کر کے بہتر اور اعلیٰ فلم کی صدا بلند کریں گے - اور وہ کمپنیاں جو آج صرف فلم کو معمولی چیزوں سے بھر کر آمدنی حاصل کر رہی ہیں - ان کو ناکامیابی کا منہ دیکھنا پڑے گا۔

خاص اداکار فلم میں وہی حیثیت رکھتا ہے جو ایک نگینہ انگوٹھی میں - دل جسم میں - چہرہ بدن میں اور چاند آسمان میں۔

پس جس فلم میں اداکار ناموزوں ہوتا ہے وہ فلم خراب ہوتا ہے - اور جس فلم میں اداکار اچھا ہوتا ہے اس فلم میں چار چاند لگ جاتے ہیں۔

ایڈیٹر: دھرم پال گپتا NO. 73 DELHI 17TH MARCH 1936. V. NO. 14. ڈائرکٹر: لالہ دیش بندھو

TEJ WEEKLY

ہفتہ کی مشہور شخصیتیں

ڈاکٹر رابندرناتھ ٹیگور
آپ اس ہفتہ کے آخر میں دہلی تشریف لارہے ہیں

مسٹر ایم ایس انے — مسٹر آصف علی
انکی تحریکات تحقیق بدست اسمبلی میں منظور ہوئیں

ڈاکٹر انصاری
آپ نے مہاتما گاندھی کا طبی معائنہ کیا۔

سر رابرٹ کیسلر
کمانڈانچیف ہندوستان
جنہوں نے کونسل آف سٹیٹ کے ممبروں سے تقریر کی

نواب داکن
آپ اس ہفتہ دہلی تشریف لائے ہیں اور دہاں میں تقریباً ایک ہفتہ مزید رہینگے

لارڈ ولنگڈن
آپ ۸ اپریل کو اسمبلی اور کونسل آف سٹیٹ کے مشترکہ اجلاس میں الوداعی تقریر کرینگے

سر سیموئل ہور
جنھیں پھر برطانوی کیبنٹ میں شامل کیا جارہا ہے

ہر ہٹلر
ڈکٹیٹر جرمنی
جنہوں نے لیگ کے احکام کے خلاف اپنی فوجیں رائن لینڈ میں بھیجکر یورپ میں زبردست سنسنی پیدا کردی ہے

مہنت داسودرلال
جنکے خلاف دہلی کی عدالت میں تیس ہزار روپیہ کی عدم ادائیگی کے سلسلہ میں دیوانی دعویٰ ہوا ہے انہیں بھی ہنسا کے ساتھ عشق کی کڑی ہی سمجھنا چاہئیے

(از قلم علامۂ عصر جناب پنڈت برجموہن دتاتریہ کیفی دہلوی)

حسن کی نیرنگیاں کیا جلوہ ساماں ہو گئیں
دل کی آنکھیں سربسر آئینہ بداماں ہو گئیں

جب تعلق اور تعین سے ہوا آزاد دل،
بدعتیں کہتے تھے جس کو روحِ ایماں ہو گئیں

مختلف آغاز سے نکلا ہے انجامِ عشق،
سب وہ دور اندیشیاں خوابِ پریشاں ہو گئیں

رفتہ رفتہ اٹھ گئی معشوق و عاشق کی تمیز
عشق کی سب مشکلیں اس طرح آساں ہو گئیں،

شعلہ وہ ہے جل مرے پروانہ جس پر لیں تو پھر
سنگ سے چنگاریاں، اکثر نمایاں ہو گئیں

جلوہ بے پردہ تھا۔ فرطِ شوق نے ڈالی نقاب
یہ نگاہیں مضطرب ہو کر پریشاں ہو گئیں

حریت کیسی؟ عمل کی جب محرک ہو غرض
نیتیں آوارگی سے پا بہ جولاں ہو گئیں

دو لہو کی بوندیں رکھ چھوڑی تھیں چشمِ شوق میں
وہ بھی اب آویزۂ تارِ گریباں ہو گئیں

چند امیدوں سے بنا تھا خانۂ دل رشکِ خلد
اب وہی اس گھر کی بربادی کو طوفاں ہو گئیں

تھیں جو چیزیں ساری دنیا کے لئے سہل الحصول
ہائے کیا قسمت ہے وہ بھی میرا ارماں ہو گئیں

ناروا نوں کے سلوکوں نے کیا صبر آشنا
بے نیازی کی ادائیں مجھ پہ احساں ہو گئیں

اس دلِ بے مدعا نے کر دیا مجھ کو غنی،
راحتیں اور آفتیں اب مجھ کو یکساں ہو گئیں

یاس ہے قطعِ عمل، امیدِ تجدیدِ عمل
پھر بسیں گی بستیاں جو آج ویراں ہو گئیں

انفعالِ معصیت پرشانِ رحمت دیکھنا
چند بوندیں چہرۂ عصمت پہ افشاں ہو گئیں

تھیں وہ اگلی صورتیں محویت آرا کس قدر
دیکھ مٹ مٹ کر بھی زیبِ طاقِ نسیاں ہو گئیں

حشر تک اہلِ جہاں وہم و گماں ہی میں رہے
دہر کی نیرنگیاں کیا فتنہ ساماں ہو گئیں

طور سامانی عیاں فطرت کے ہر ذرے میں ہے
تیری آنکھیں دیکھ کر اک گل کو حیراں ہو گئیں

کیا چھپائیں حسنِ فطرت کی بھلا رعنائیاں
وہ تو میری آنکھ کے پردے میں پنہاں ہو گئیں

آفتاب اک ذرے میں قطرے میں بحر آیا نظر
کنہ کی رمزیں سبھی کارِ نمایاں ہو گئیں

کس قدر رم شیوہ ہیں کیفی ادائیں حسن کی
چھائیں عالم پر کبھی سینہ میں پنہاں ہو گئیں

ہندوستان کی تعلیمی رپورٹ ۱۹۳۳ — ۳۴ء

حال ہی میں حکومت ہند نے ۱۹۳۳-۳۴ء کی تعلیمی رپورٹ شائع کی ہے۔ ناظرین کی معلومات کے لئے ہم اس کا مختصر ترین خلاصہ ذیل میں درج کرتے ہیں:-

سال زیر رپورٹ میں سارے ہندوستان میں (بنگال کے علاوہ) ۲۲۲ مدرسوں کی کمی واقع ہوئی لیکن چونکہ بنگال میں ۹۹۱ مدارس کا اضافہ ہوا۔ اس لئے ہندوستان میں مجموعی طور پر ۷۷۴ مدارس کا اضافہ ہوا۔ اسی طرح طلباء کی تعداد میں سارے ہندوستان میں ۳۵۸,۲۱۹ کا اضافہ ہوا

لڑکوں کے پرائمری مدارس میں ۴۴۴ کا اور طلباء کی تعداد میں ۲۱۴,۸۱۰ کا اضافہ ہوا۔ اوسط طلباء فی مدرسہ صرف پچاس رہا۔ یہ اوسط غیر معمولی طور پر کم ہے کیونکہ جاپان میں فی مدرسہ ۳۰۰ طالب علم تعلیم پاتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ ہندوستان میں اوسط پیمانہ کا خرچ بہت زیادہ آتا ہے اور نتیجہ کچھ نہیں نکلتا۔ اگر واقعی کوشش کی جائے تو تعلیم کے خرچ میں کچھ بھی اضافہ کئے بغیر زیر تعلیم طلباء کی تعداد چوگنی زیادہ ہو سکتی ہے اور اس مناسبت سے تعلیم یافتہ حضرات کا دائرہ بڑھ سکتا ہے۔

یوروپین اور اینگلو انڈین طلباء کی تعداد میں ۲,۵۵۰ کا اور اخراجات میں ۴ لاکھ ۶۰ ہزار کا اضافہ ہوا۔ مسلمان طلباء کی تعداد میں بمبئی، پنجاب، برما، بہار اڑیسہ، آسام اور دہلی میں کمی واقع ہوئی۔ لیکن مسلمان لڑکیوں کی تعداد میں ۱۰۱,۰۰۳ کا اضافہ ہوا۔ اچھوت طلباء کی تعداد میں ۹۰ ہزار کا اضافہ ہوا۔

سال گذشتہ کے مقابلہ میں تعلیم کے اخراجات میں تمام برطانوی ہند میں ۱۱ لاکھ ۱ ہزار کا اضافہ ہوا چنانچہ کل خرچ کی صوبہ وار تفصیل ذیل میں درج کی جاتی ہے۔ مقابلہ کے لئے دس سال پہلے کے اعداد بھی دیئے گئے ہیں:-

نام صوبہ	خرچ سنہ ۲۷ء	خرچ سنہ ۳۴ء
مدراس	۲۰۲ لاکھ	۲۴۶ لاکھ
بمبئی	۱۹۹ لاکھ	۱۶۶ لاکھ
بنگال	۱۴۸	۱۳۵
یوپی	۱۹۶	۱۹۸
پنجاب	۱۵۱	۱۹۰
برما	۵۸	۹۵
بہار اڑیسہ	۶۲	۵۵
سی پی	۶۲	۴۴
آسام	۲۵	۲۸
سرحد	—	۱۹

گویا بنگال، بمبئی، بہار اڑیسہ اور سی پی میں پہلے کے مقابلہ میں تعلیم پر خرچ میں کمی ہوگئی باقی صوبوں میں کچھ نہ کچھ اضافہ ہوا۔

اب ملاحظہ کیجئے کہ حکومت ہند کی کل آمدنی کا کتنا حصہ تعلیم پر خرچ ہوتا ہے۔

نام صوبہ	خرچ فی صدی سنہ ۲۷ء	خرچ فیصدی سنہ ۳۴ء
مدراس	۱۳٫۳	۱۵٫۹
بمبئی	۱۳٫۶	۱۲٫۱
بنگال	۱۰٫۰	۱۴٫۹
یوپی	۱۶٫۲	۱۷٫۶
پنجاب	۱۳٫۹	۱۴٫۹
برما	۹٫۴	۶٫۸
بہار اڑیسہ	۱۲٫۵	۱۱٫۱
سی پی	۱۴٫۲	۱۰٫۲
آسام	۱۰٫۲	۱۳٫۰
سرحد	—	۱۱٫۰

اگر اس رپورٹ کو دیکھیں تو بظاہر یہ معلوم ہوتا ہے کہ ہر طرف اضافہ اور ہر جگہ ترقی ہے لیکن نتیجہ وہی کہ ہندوستان میں تعلیم یافتہ کا اوسط ساری دنیا سے کم ہے

یورپ میں روزگاری

انسداد کے طریقے

حکومت کا فرض اور انسدادِ بیکاری

یو۔پی لیجس لیٹو کونسل میں جب سپرو کمیٹی کی (جو انسدادِ بے روزگاری کے طریقے تجویز کرنے کے لئے مقرر کی گئی تھی) رپورٹ پیش ہوئی تو مسٹر ایس۔پی خاں۔ اسپیشل آفیسر نے فرمایا کہ بے روزگاری کا انسداد کرنا حکومت کا فرض نہیں ہے۔ ان کے اس بیان کی صحت یا عدم صحت معلوم کرنے کے لئے ہمیں دیکھنا چاہئیے کہ آیا دوسرے ممالک اس سلسلہ میں کیا طرزِ عمل اختیار کرتے ہیں۔ لہٰذا ذیل میں ہم ڈاکٹر اے۔ ایچ۔ ڈبلیو ہیک جنرل ڈائرکٹر آف لیبر ایمسٹرڈم کے ایک مضمون کا خلاصہ پیش کرتے ہیں جو موصوف نے ایمسٹرڈم بنک کے رسالہ فنانشل اینڈ اکونومک ریویو میں شائع کرایا تھا۔

نیدرلینڈ

ہالینڈ میں دو قسم کے بے روزگاری کے اعداد شائع کئے جاتے ہیں۔ ایک وہ ان لوگوں کی تعداد جن کی انسدادِ بے روزگاری کے اداروں میں روزگار کے لئے درخواستیں موصول ہوتی ہیں۔ دوسرے وہ بے روزگار جن کا بے روزگاری کے خلاف بیمہ ہوتا ہے یہ دونوں اعداد ملک میں بے روزگاری کے صحیح حالات کے مظہر نہیں ہیں کیونکہ اگر ایک طرف درخواست دینے والوں میں وہ لوگ بھی شامل ہیں جو اگرچہ بارروزگار ہیں لیکن اپنے موجودہ مالک یا موجودہ کام کو بدلنا چاہتے ہیں۔ تو دوسری طرف وہ بے روزگار بھی ہیں جن کی درخواستیں ہی موصول نہیں ہوتی ہیں۔ رہا بیمہ کا معاملہ تو چونکہ ہر شخص کے لئے بیمہ کرانا لازمی نہیں ہے بلکہ اس کی مرضی پر منحصر ہے اس لئے روزگار کے زمانہ میں بہت کم لوگ بے روزگاری کے خلاف بیمہ کراتے ہیں۔

بہرحال وہاں امداد کے تین طریقے اختیار کئے جاتے ہیں

(۱) بے روزگاری کے خلاف بیمہ

(۲) بے روزگاری کی حالت میں مالی امداد اور امدادی کام

(۳) قانون امداد الغرباء

بے روزگاری کے خلاف اس قسم سے بیمہ کرایا جاتا ہے جو ٹریڈ یونین مہیا کرتی ہے۔ اس سے فائدہ تو یہ ہے کہ سرکاری امداد کی کمی کی تلافی ہو جاتی ہے، لیکن نقصان یہ ہے کہ وہی لوگ بیمہ کرا سکتے ہیں جو ٹریڈ یونین کے ممبر ہوں۔

عام طور پر یہاں یہ قاعدہ ہے کہ اگر کسی بے روزگار کو کوئی موزوں کام پیش کیا جائے اور وہ اسے قبول نہ کرے تو پھر اسے تمام حقوق سے محروم کر دیا جاتا ہے۔

جب ان لوگوں کا بیمہ نہیں ہوتا ہے یا جو بیمے کے حق سے محروم ہو جاتے ہیں انہیں مالی امداد دی جاتی ہے، یہ امداد ان کی عام اُجرت کے ۷۰ فی صدی سے زیادہ نہیں دی جاتی۔

اکثر جگہ امدادی کام بھی ہوتے رہے گئے ہیں مثلاً بنجر زمینوں کی کاشت۔ سڑکوں اور نالابوں کی تعمیر کھیل کے میدانوں کی تیاری وغیرہ۔ ان کاموں کے سلسلہ میں جو کام عموماً مشینوں سے کئے جاتے وہ آدمیوں سے لئے جاتے ہیں اور اس طرح انہیں روزگار مہیا کیا جاتا ہے۔ اس سلسلہ میں اجرت اتنی دی جاتی ہے جو مالی امداد کی رقم سے زیادہ ہو لیکن عام اجرت سے کم ہو۔

قانون امداد الغرباء ان لوگوں کے لئے نافذ کیا جاتا ہے جنھیں بے روزگاری کے سلسلہ میں بھی کوئی مالی امداد نہیں ملتی ہے۔

بلجیم

یہاں کے اعداد مکمل تصویر پیش کرتے ہیں۔ کیونکہ وہ صرف بیمہ شدہ لوگوں کی بے روزگاری پر مشتمل ہیں۔ بیمہ یہاں بھی لازمی نہیں ہے اس لئے آدھے مزدور بھی بیمہ نہیں کراتے۔ اور چونکہ یہاں بھی بیمہ ٹریڈ یونین ہی کے ہاتھ میں ہے اس لئے جن صنعتوں کی ٹریڈ یونین زیادہ کمزور ہوتی ہے انہی میں کم مزدور بیمہ کرا سکتے ہیں۔ مثلاً کپڑے کی صنعت میں ۵۰ ہزار مزدور ہیں۔ ان میں سے صرف ۸ ہزار کا بیمہ ہوا ہے بیمہ کے اخراجات عموماً خود مزدور اور ملکی صوبجاتی اور میونسپل حکومتیں ادا کرتی ہیں۔

مالی امداد ان لوگوں کو دی جاتی ہے جنہیں بیمہ سے کوئی امداد نہیں ملتی ہے اور رقم کا تعین ہر شخص کی

(باقی اگلے صفحہ پر)

(پچھلے صفحہ سے)

ضروریات کے لحاظ سے ہوتا ہے لیکن حسب ذیل اشخاص کو بیمہ امداد نہیں دی جاتی۔

وہ لوگ جن کے خاندنوں کو ہفتہ میں کم سے کم چھ دن کام مل جاتا ہے۔ وہ لوگ جو کسی بڑے خاندان کے رکن ہیں۔

جس کے بیشتر اراکین کو کچھ نہ کچھ آمدنی ہوتی ہے۔ وہ لوگ جن کے مکان وغیرہ کرایہ پر اٹھے ہوئے ہیں۔

وہ لوگ جو مقررہ معیار سے زیادہ جائداد یا مویشیوں کے گلہ یا گھوڑوں کے مالک ہیں

مالی بحالی کی کمیٹی نے بے روزگاری کے انسداد کے لئے کار ہائے عامہ بہت سے ایسے کام کرنا بھی تجویز کئے ہیں جنہیں صرف بے روزگاروں سے کام لیا جائے گا۔ اور انہیں معمولی اجرت دی جائیگی۔

فرانس

فرانس کے اعداد بھی مکمل نہیں ہیں۔ اگرچہ وہاں بے روزگاروں کی تعداد برابر بڑھ رہی ہے لیکن حالات اتنے خراب نہیں ہیں۔ جتنے دوسرے ممالک میں ہیں۔ امداد کی رقم کا اس طرح تعین کیا جاتا ہے کہ خاندان کے بزرگ کو ۶ فرانک۔ بیوی ماں۔ دادا۔ دادی اور سولہ برس سے زیادہ عمر کے بچوں کو ۴ فرانک فی کس اور سولہ برس سے کم عمر کے بچوں کو ۳٫۵۰ فرانک دئے جاتے ہیں۔

اور اس کا لحاظ رکھا جاتا ہے کہ امداد کی میزان خاندان کی مجموعی اجرت کے نصف سے زیادہ نہ بڑھنے پائے۔ رقم کے علاوہ جنس کی صورت میں شاذ ہی امداد دی جاتی ہے امداد کا زیادہ تر بار خود حکومت برداشت کرتی ہے۔ لیکن بیمہ بوجہ اس کی اہمیت سے زیادہ ہے اس لئے بے روزگاری کو کم کرنے کے دو طریقے استعمال کئے جاتے ہیں۔ بعض غیر ملکیوں کو ملازم رکھنے کی تعداد محدود کی جاتی ہے اور وہ شہر کے بجائے دیہاتوں میں سکونت اختیار کریں۔ اس کے علاوہ ایک اسکیم ہے جس میں نئی سڑکیں تعمیر کرنا زیر تجویز ہے۔

اٹلی

اٹلی کے اعداد زیادہ صحیح ہیں کیونکہ وہاں کسانوں خانگی ملازموں اور سرکاری ملازموں کے علاوہ باقی تمام مزدوروں کے لئے بیمہ لازمی ہے کیونکہ وہاں نقد مالی امداد نہیں دی جاتی ہے۔ سائنور مسولینی اسے بیکاری کے انعام سے تعبیر کرتے ہیں۔

بیمہ کی رقم آقا اور نوکر نصف نصف ادا کرتے ہیں۔ اور بیمہ کا منافع عام طور پر سب کو ادا نہیں کیا جاتا۔ مثلاً موسمی بے روزگاروں کو اس سے محروم رکھا جاتا ہے کیونکہ ان کا خیال ہے کہ جو عارضی کام کرنے والے جاڑوں میں کام نہیں کرتے ہیں انہیں گرمیوں کے زمانے میں اتنا پس انداز کر لینا چاہئے کہ اپنی گزر عارضی بے روزگاری کے زمانہ میں کر سکیں بیمہ کا منافع زیادہ سے زیادہ ۲۰۰ لائر روزانہ ہوتا ہے اور زیادہ سے زیادہ ۱۲۰ دن تک دیا جاتا ہے اور اس کا مقصد یہ ہوتا ہے کہ ایک بے روزگار کو اس کی ابتدائی مشکلات میں کچھ سہارا دیا جائے۔ اگر اس عرصہ میں اسے کام نہ ملے تو پھر وہ فیسسٹ پارٹی کی سرشیل ریلیف کمیٹی کے سپرد کر دیا جاتا ہے جو نقد میں نہیں بلکہ جنس کی صورت میں امداد کرتی ہے۔

۱۹۲۲ء سے اطالوی حکومت کی یہ خصوصیت رہی ہے کہ وہ محض بے روزگاروں کو امداد پہنچانے کے لئے کار ہائے عامہ شروع کرتی ہے اور حسب معمول مزدوروں کو اجرت دیتی ہے

جرمنی

جرمنی میں اگست ۱۹۳۵ء میں بے روزگاروں کی مجموعی تعداد ۱۷۰۰,۰۰۰ تھی۔ جس میں ۴۰ لاکھ ایسے بیروزگار شامل تھے جو غیر کاشت شدہ زمینوں کی کاشت پر لگائے گئے تھے اور ان سے زمینوں کی اصلاح اور آبرسانی کا کام کیا جاتا تھا جرمنی میں مفت امداد کم سے کم کی جاتی ہے بلکہ زیادہ تر مزدوری کی شکل میں امداد دی جاتی ہے۔ اس کے لئے خاص طور پر کام شروع کئے جاتے ہیں اور مفت امداد کی شرح سے زیادہ مزدوری دی جاتی ہے۔ لیکن جو مفت امداد کی جاتی ہے اس کی بھی رقم حالات کے اعتبار سے مختلف ہوتی ہے

بیروزگاری کو کم کرنے کی براہ راست یہ صورت اختیار کی جاتی ہے کہ نئے نئے کار ہائے عامہ شروع کئے جاتے ہیں۔ اس سلسلے میں سارے ملک میں موٹر کی چوڑی سڑکیں بنانے کی اسکیم خصوصیت سے قابل ذکر ہے۔

امریکہ

امریکہ میں بیروزگاروں کی امداد بیشتر نجی خیرات سے کی جاتی ہے جس کے لئے لاکھوں ڈالر چندہ ہوتا ہے۔ وہاں بے روزگاری کا بیمہ یا سرکاری مالی امداد کا طریقہ نہیں ہے۔

۱۹۳۳ء میں وہاں فوری امداد کا ایک قانون منظور ہوا تھا۔ جس کی رو سے چار ارب ۸۰ کروڑ ڈالر بڑے بڑے کار ہائے عامہ کے لئے منظور ہوئے تھے اور انہیں ۸۰ کروڑ اس لئے مخصوص کئے گئے تھے کہ جب تک کام شروع نہ ہوں بیروزگاروں کی اس قسم سے امداد کی جائے۔

مذکورہ بالا اعداد و شمار کو دیکھ کر کیا اب بھی کوئی شخص یہ کہنے کی جرأت کر سکتا ہے کہ بیروزگاروں کی امداد کرنا حکومت کا فرض نہیں ہے۔ اور کیا یورپ کی قومی حکومتیں اپنے ملک کے بیروزگاروں کی براہ راست امداد نہیں کرتی ہیں۔ ہندوستانی حکومت کو بھی دیکھنا چاہئے کہ دوسرے ممالک اپنے بیروزگاروں کی امداد کے لئے کیا صورتیں اختیار کرتے ہیں۔ تاکہ ہندوستان کی بڑھتی ہوئی بے روزگاری کو روکنے کی وہ خود بھی معقول تدابیر اختیار کر سکے۔

تیج ویکلی دہلی
آئینہ خیال
مورخہ ۱۷ مارچ ۱۹۳۶ء

حیاتِ انسانی اور جنگ

کیا جدید تمدن کے ہاتھوں انسدادِ جنگ ممکن ہے؟

اس وقت دنیا کی فضا جنگ کی صداؤں سے بھری ہوئی ہے۔ اگر کوئی ایسی چیز ہے جو آجکل خطۂ زمین کے ہر باشندے کے دل و دماغ پر طاری ہے تو وہ ایک عالمگیر جنگ کا خطرہ ہے۔ یورپین ممالک کے باہمی تعلقات کی پیچیدگیوں نے ویسی حالت پیدا کر دی ہے جو ۱۹۱۴ء میں ہلاکت آفریں جنگ کا باعث ہوئی تھی اور بجا طور پر یہ خیال کیا جاتا ہے کہ اگر کوئی جنگ چھڑے گی تو گزشتہ جنگ سے کہیں زیادہ خطرناک اور عالمگیر ہوگی۔ پچھلے دنوں جرمنی کے طرزِ عمل نے جنگ کے امکان کو بہت آگے بڑھا دیا ہے۔ ہم سر دست اس بحث میں پڑنا نہیں چاہتے کہ کس کا عمل صحیح ہے اور کس کا غلط ہے۔ یا اگر جنگ ہوگی تو اس کی ذمہ داری کس پر ہوگی، بلکہ تاریخ و فلسفہ کی روشنی میں اس موضوع پر اظہارِ خیال کرنا چاہتے ہیں کہ جنگ کیوں ہوتی ہے اور کیا یہ ضروری ہے کہ بنی نوع انسان کی زندگی میں جنگ و جدل کا عنصر بھی شامل رہے۔

اگر غور سے دیکھا جائے تو جنگ کی تین قسمیں نظر آئیں گی۔ ایک تو وہ جنگ ہے جسے فلسفہ کی اصطلاح میں تنازعِ حیات یا "تنازع البقا" یعنی STRUGGLE FOR EXISTENCE کہتے ہیں۔ یہ ایک فطری جنگ ہے جو ہمیشہ سے جاری ہے اور جاری رہے گی اور اس کا وجود صرف انسانوں میں نہیں بلکہ حیوانات و نباتات میں بھی ہے۔ ہر زندہ چیز اپنی حیات کو قائم رکھنے کے لئے دوسری کمزور ہستی پر حملہ آور ہوتی ہے۔ اس کی فنا کو اپنی بقا کا ذریعہ بناتی ہے۔ لیکن یہ جنگ صرف مسئلۂ حیات سے تعلق رکھتی ہے، دوسری وہ جنگ ہے جسے مذہبی جنگ یا حق و باطل کی جنگ کہتے ہیں۔ دنیا میں پاپ اور شر کو مٹانے کے لئے اور ظلم و ستم کی تاریکیوں کو فنا کر کے حق و صداقت کی روشنی پھیلانے کے لئے یہ جنگ ہوتی ہے، ہندوستان میں سری رام چندرجی اور راون کی جنگ یا سری کرشن کے عہد میں مہابھارت اسی طرح کی جنگ کی مثالیں ہیں جن میں حق نے باطل پر فتح پائی۔ واقعۂ کربلا بھی اسی طرح کی ایک جنگ تھی جس میں اگرچہ حضرت امام حسینؑ اور ان کے رفقاء شہید ہو گئے مگر حق زندہ رہ گیا اور باطل مٹ گیا۔

لیکن تیسری قسم کی جنگ وہ ہے جو حصولِ دولت اور ملک گیری کے لئے لڑی جاتی ہے اور جس کا تعلق براہِ راست انسان کی حرص و ہوس سے ہے۔ یہ وہ نہ بجھنے والی پیاس ہے جو ہمیشہ بڑھتی جاتی ہے اور دولت و ملکت جتنی زیادہ حاصل ہوتی ہے اسی قدر اس پیاس میں اضافہ ہوتا جاتا ہے۔ بے رحمی، رشک اور حسد اس کے ساتھی ہیں۔ اور حیوانیت و بربریت اس کے سمندِ ناز پر تازیانہ کا کام کرتی ہے۔ تاریخ کہتی ہے کہ ایسی جنگ بھی دنیا میں ہوتی چلی آئی ہے۔ لیکن قدیم زمانہ میں طریقۂ جنگ دوسرا تھا۔ اور آلاتِ حرب اتنے مہلک نہ تھے اس لئے جنگ کا تباہ کن اثر انسانی آبادی پر اتنا شدید نہیں ہوتا تھا۔ اور نہ جان و مال کا اتنا وسیع نقصان ہوتا تھا۔ لیکن اب جدید سائنس نے جنگ کو بہت زیادہ تباہ کن اور ہلاکت آفرین بنا دیا ہے۔

اب یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ آیا کوئی ایسی صورت بھی ممکن ہے کہ دنیا میں حرص و ہوس کی جنگ کے اس عالمگیر فتنہ کا انسداد ہو جائے اور تمام قومیں اپنے اپنے ملک میں اپنے اپنے حصۂ زمین پر آرام و سکون کی زندگی بسر کر سکیں اور ان کے درمیان خلوص و ہمدردی کا رشتہ پیدا ہو جائے۔ اس حقیقت سے کون انکار کر سکتا ہے کہ تعلیم و تمدن کی ترقی کے ساتھ ساتھ روشن خیالی بھی زیادہ پھیل گئی ہے۔ اور روشن خیالی کے ساتھ ساتھ یہ ذہنی اقوام کے دلوں میں اگر وسعت بھی پیدا ہو جائے اور تنگ نظری و خود غرضی دور ہو جائے تو دنیا کو شاید امن و سکون کا ایک دور نصیب ہو سکے حصولِ دولت اور ملک گیری کی جنگ، حیاتِ انسانی کا لازمہ نہیں ہے بلکہ یہ وہ شر و فساد ہے جسے خود انسان نے پیدا کیا ہے کیسا افسوسناک منظر ہے کہ جدید تعلیم و تمدن خود اپنے آپ کو ہلاک کرنا چاہتا ہے اور وہ متمدن یورپ جو اپنی تہذیب و روشنی پر فخر کرتا ہے نہایت تیزی کی ساتھ قعرِ ہلاکت و گمنامی کی طرف جا رہا ہے۔ ہمارے خیال میں جدید تمدن کا سب سے بڑا مقصد یہی ہو سکتا ہے کہ جنگ کا انسداد کرے ورنہ

جاپان میں بغاوت!

ابھی حال میں جاپان میں جو بغاوت رونما ہوئی ہے وہ ان لوگوں کے لئے زیادہ تعجب کی بات نہیں ہے جو ایک عرصہ سے جاپان کی سیاسی سرگرمیوں کا مطالعہ کر رہے ہیں۔ یہ امر بخوبی روشن ہے کہ جاپان کی فوج نے ملک کا کاروبار چلانے میں نمایاں حصہ لیا ہے اور اس کے ساتھ روایتیں وابستہ ہیں۔ مشرقِ بعید میں جمہوریت کے خیالات کی ترقی اور توسیع نے بلاشبہ فوج کے پرانے اسکول اور سیاست دانوں کے درمیان ایک خلیج پیدا کر دی ہے۔ جاپان عرصہ سے اپنی تجارت کو فروغ دینے کی طرف ایسا متوجہ تھا کہ فوج پر اس کا پورا کنٹرول نہ رہا۔ اور اب جب سے جاپان نے منچوریا میں اپنا عمل دخل کرنا شروع کیا تو فوج کو پھر ایک موقعہ ہاتھ آ گیا جو اس بغاوت کی صورت میں رونما ہوا۔ اطلاع ہے کہ افسرانِ اعلیٰ باغیوں کا بلوہ فرو کرنے میں کامیاب ہو گئے ہیں مگر اس میں کوئی شبہ نہیں ہے کہ جاپان کی فوجی پالیسی پر اس بغاوت کا ایک اثر ہوئے بغیر نہیں رہ سکتا۔

روس کی فوج!

منچوریا میں جاپان کے داخلہ اور روس کے اسلحہ میں زبردست اضافے سے منچوریا اور روسی سرحد پر جو نازک صورتِ حالات پیدا ہو گئی ہے اس نے ایک مرتبہ پھر جاپان اور روس کو دنیا کا مرکز بنا دیا ہے۔ اسے ابھی طرح محسوس نہیں کیا گیا۔

لندن کے ایک نامہ نگار کی اطلاع ہے کہ ابھی تک مصدقہ طور پر معلوم نہیں ہوا کہ روس کی خفیہ فوج کب جاپان کے خلاف اپنا پہلا حملہ کرے گی۔ ۱۹۳۳ء میں جاپان کی توسیع کے باعث روس نے منگولیا اور صوبہ مسری ٹائم میں بڑی تیاریاں کی تھیں۔ اب بھی کیرا کی سرحد کو محفوظ کر لیا گیا ہے اور منچوکو کی سرحد کے پاس خندقیں کھودی گئی ہیں۔ دو سال ہوئے کہ اس علاقہ میں زبردست فوجی مظاہرہ کیا گیا۔ گزشتہ سال روس کی فوج میں اضافہ کیا گیا۔ اور پانچ لاکھ سے دس لاکھ فوج بڑھا دی گئی، اور فوجی اسلحہ میں زبردست اضافہ کیا گیا۔ اس سال بھی فوجی بجٹ میں توسیع کی گنجائش رکھی گئی ہے اور فوج کو بھی پندرہ لاکھ تک بڑھانے کا خیال ہے اور کہا جاتا ہے کہ کوئی جنگ چھڑ جانے کے دو ماہ کے اندر اندر ساٹھ لاکھ فوج میدانِ جنگ میں اتاری جا سکتی ہے۔

ان حقائق کی موجودگی میں کوئی بھی اس امر سے انکار نہیں کر سکتا کہ صورتِ حالات بہت نازک ہو گئی ہے اور ان حالات کی موجودگی میں جنگ کسی وقت بھی چھڑ سکتی ہے۔ ایک طبقہ کا خیال ہے کہ روس کی طاقت اتنی ہی ہے جتنی جاپان کی ہے۔ اور روس کسی زبردست جنگ کی تاب نہیں لا سکتا، کونسا خیال ٹھیک ہے اس کا ثبوت تو اسی وقت مل سکتا ہے کہ یا تو منگولیا میں جنگ چھڑے یا روس اور جاپان میں معاہدہ کرانے کے لئے پُر امن طریقہ پر گفت و شنید کی جائے۔

لکھنؤ کانگریس اور مشاعرہ!

یوں تو ملک کے طول و عرض میں ہر سال ہر ماہ اور آئے دن کوئی نہ کوئی مشاعرہ ہوتا ہے جس میں مصرعۂ طرح پر شعرائے باکمال اپنا کلام پڑھتے ہیں مگر اس مرتبہ لکھنؤ کانگریس کی مجلسِ استقبالیہ نے اجلاس کے موقعہ پر ایک عظیم الشان مشاعرہ منعقد کرنے کی تجویز کی ہے جو ہر طرح قابلِ ستائش ہے۔

چونکہ اس مشاعرہ کا مقصد محض ملک و قوم کی بیداری ہے اس لئے کوئی مصرعۂ طرح تجویز نہیں کیا گیا ہے بلکہ ہر شاعر کو اپنے دلی جذبات کے اظہار کی پوری آزادی دی گئی ہے۔ دنیا کی تاریخ بتاتی ہے کہ ہر ملک کے شعراء نے اپنی زبان و ادبیات اور لٹریچر کو ہی محفوظ رکھنے کی کوشش نہیں کی بلکہ عملی طور پر ملک و قوم کی بیش بہا خدمات سرانجام دی ہیں۔ اور بڑے بڑے تاریخی انقلابات ان کے ممنونِ احسان ہوئے ہیں۔ آج ضرورت ہے کہ ہندوستانی شعراء بھی اپنا فرض سمجھیں اور اپنے جذبات عالیہ سے ملک و قوم میں ایک نئی روح پھونکنے کا باعث ہوں۔ آج ہندوستانی قوم یہ امید کر رہی ہے کہ ہندوستان کے شاعروں میں بھی ملٹن پیدا ہوں جو اپنی شاعری کے ذریعہ ملک میں قوم پرستی اور حب الوطنی کا صحیح جذبہ پیدا کر سکیں۔ لکھنؤ کانگریس کا مشاعرہ اسی امر کا متقاضی ہے کہ ملک کے نامور شعراء اس میں شریک ہو کر اسے نہ صرف کامیاب بنائیں بلکہ ایک نئے طرز کے مشاعرہ کی داغ بیل ڈالیں تاکہ ہمارے ملک کے نوجوان گل و بلبل کے جھمیلوں اور حسن و عشق کو چھوڑ کر اپنی قوم کے عاشق بن جائیں۔

ایک اینگلو انڈین اخبار یوں رقمطراز ہے:۔
"ہمیں اُمید کرنی چاہئے کہ اس موقعہ پر یورپ کے مُدبّر اُٹھیں گے۔"
وہ تو اُٹھ رہے ہیں اور پوری بلندی کے ساتھ اُٹھ رہے ہیں۔ ہوائی بیڑے کو زیادہ سے زیادہ مضبوط بنانے کا نسخہ چل رہا ہے۔

اطلاع ہے کہ ہر ہٹلر کی تحریک پر برطانیہ پورے غور و فکر کے ساتھ سوچ رہا ہے اور سخت رویہ اختیار کرنے والا ہے۔ اب فرانس کی باری ہے کہ وہ برطانیہ کے سخت رویہ پر سنجیدگی سے غور کرے۔

لندن ٹائمز لکھتا ہے کہ تدبر کا زبردست تقاضا یہی ہے کہ بد اعتمادی کی فضا کو دور کر دیا جائے۔
ہمارے خیال میں برطانیہ کو یہ کام کرنا چاہئیے اور بد اعتمادی کے ایک مرکز کو ڈپلومیسی کے ساتھ دوسرے مرکز سے بدل دے۔

مسٹر چرچل فرماتے ہیں کہ جرمنی کو ایک نازک صورتِ حالات کا مقابلہ کرنا ہوگا۔
ہٹلر تو یورپ کے لئے نازک صورت حالات پیدا کر کے اس سے نکل گیا ہے۔

سر کاؤس جی جہانگیر نے فرمایا کہ "اینگلو انڈین وہ جماعت نہیں ہے جس کے خلاف تشدد قائم کیا جائے"
کیا خوب! ایک پرانے "اینگلو انڈین" کی حیثیت سے انہیں یہی کہنا چاہیئے تھا۔

سر جیمز نے مسٹر ستیہ مورتی سے دریافت کیا کہ اگر اینگلو ممبران مستعفی ہو گئے تو کیا کانگرسی ان کی جگہ لینے کو تیار ہوں گے۔
مسٹر ستیہ مورتی سے یہ سوال ان کی توہین کے مرادف ہے کیونکہ وہ تو عہدے قبول کرنے کے لئے بے تاب ہیں۔

یاد ش بخیر ہمارے پرانے کرم فرما جناب سر جان سائمن نے فرمایا کہ قانون میں کسی قوم یا جماعت کے خلاف ان کے مذہب، سیاسی عقیدہ اور قومیت کی بناء پر امتیاز روا نہیں رکھا جانا چاہیئے۔
کیا اسی لئے کہ آپ ہندوستان کے لئے کمیونل ایوارڈ کے سب سے زبردست حامی تھے جو قوموں اور ہم

۷ر مارچ ۱۹۳۶ء

معلوم ہوا ہے کہ شہنشاہ حبش نے صلح پر آمادگی اس شرط کے ساتھ ظاہر کی ہے کہ اٹلی حبش کے ان علاقوں پر قبضہ کا دعویٰ چھوڑ دے جو اس نے بجز حاصل کئے ہیں۔ اس خبر کی تردید کی جا رہی ہے کہ حبش کی تمام فوجیں بُری طرح پسپا ہو گئی ہیں۔

۸ر مارچ ۱۹۳۶ء

اٹلی کے جنگی ہوائی جہازوں نے حبش کے دارالخلافہ پر چکر لگایا جس سے بہت سے حلقوں میں خوف و ہراس پیدا ہو گیا۔ کل ڈپلومیٹک کور کا اجلاس ہوگا جس میں اس امر پر غور کیا جائے گا کہ آیا فوری بمباری کا امکان ہے۔ چند سفارت خانوں نے اپنی اپنی حکومت کو بحری تار دیا ہے کہ وہ حکومت اٹلی سے دریافت کریں۔ آیا ادیس ابابا پر فوری بمباری کا امکان ہے۔ اب تک یہ خیال تھا کہ ادیس ابابا اور دائرہ دوا کو کھلے شہر تصور کیا جاتا ہے اور ان کو فوجی مرکز خیال نہیں کیا جاتا۔ لیکن اطالوی ہوائی جہازوں کے گشت سے اب یہ خیال پیدا ہو گیا ہے کہ بمباری کرنے سے پہلے شہر کے فوٹو لئے جا رہے ہیں۔ میونسپلٹی نے تمام عورتوں، بچوں اور بوڑھوں کو کل تک شہر خالی کرنے کا حکم دیدیا ہے۔ تمام توانا اور تندرست لوگ حفاظتی خندقیں کھودنے میں لگے ہوئے ہیں۔ سرکاری اعلان شائع ہوا ہے کہ نامعلوم مقام پر خونریز جنگ ہو رہی ہے۔ سرکاری بیان میں مزید تحریر ہے کہ دونوں طرف کے ایک بڑی تعداد میں سپاہی مارے گئے ہیں۔ جن کی لاشیں سڑ رہی ہیں۔ جن کی بدبو کی وجہ سے حبشی فوجیں واپس ہٹ گئی ہیں۔

۹ر مارچ ۱۹۳۶ء

برطانی ریڈ کراس ایمبولینس نے ریڈ کراس کے علامات کو ترک کر دیا ہے اور اسے اب ایک ایسی جگہ منتقل کر دیا گیا ہے۔ جہاں حکومت حبش نے اٹلی کے ہوائی جہازوں کے حملوں کے خلاف ان کی حفاظت کا کافی انتظام کر دیا ہے۔ بمباری کے خوف سے سرکاری افسروں نے شاہی محل کو خالی کر دیا ہے اور تمام ضروری سامان شہر سے کسی خفیہ جگہ کو منتقل کر دیا گیا ہے۔
کہا جاتا ہے کہ ایک اطالوی ہوائی جہاز گذشتہ بدھ کو کورم کے قرب و جوار میں بم برسانے کے بعد جھیل اشانگی میں گر گیا۔

۱۰ر مارچ ۱۹۳۶ء

استمارا سے ایک آمدہ اطلاع مظہر ہے کہ چونکہ حکومت اٹلی نے صلح کی گفت و شنید شروع کرنے کے بارے میں جمعیت اقوام کی اپیل کو منظور کر لیا ہے اس لئے اٹلی کے اعلیٰ کمانڈر نے یہ فیصلہ کیا ہے کہ جب تک گفت و شنید ختم نہ ہو جائے اس وقت تک کے لئے ہر قسم کی جارحانہ کارروائی بند کر دی جائے۔ اور ہوائی جہازوں سے بمباری بھی نہ کی جائے۔ چنانچہ حبش کے اندرونی علاقوں میں بمباری کرنے والے ہوائی جہازوں کو واپس آنے اور ایک مرکزی مقام پر جمع ہونے کی ہدایت کی گئی ہے۔ ان کو یہ بھی حکم دیا گیا ہے کہ جب تک گفت و شنید جاری رہے۔ اس وقت تک بمباری کرنے سے احتراز کیا جائے۔

۱۱ر مارچ ۱۹۳۶ء

حبش سے سائنیور مسولینی کو اطالوی کمانڈر مارشل بڈاگ لیو نے بذریعہ ریڈیو جو پیغامات ارسال کئے ہیں ان کو چند فرانسیسی اسٹیشنوں پر سنا گیا ہے۔ ان سے پتہ چلتا ہے کہ علاقہ ٹمبین میں اٹلی کی زبردست فتح کے باوجود مارشل بڈاگ لیو حبشی فوجی صورتِ حالات کے بارے میں بہت مایوس نظر آتے ہیں اور ان کو شبہ ہے کہ اطالوی فوجیں بارش ہونے سے پہلے حبش کے کسی قابلِ قدر علاقہ پر قبضہ کر سکیں گی۔ بیان کیا جاتا ہے کہ سپہ سالار نے اس قسم کا مشورہ لینے پر ہی سائنیور مسولینی کی شرائط ماننے پر مجبور ہوا ہے۔

۱۳ر مارچ ۱۹۳۶ء

معلوم ہوا ہے کہ سائنیور مسولینی نے فسسٹ پارٹی میں چند ترمیمات کرنے کا فیصلہ کیا ہے۔ اور وہ اس کو فوجی طرز پر منظم کرنا چاہتے ہیں۔
وہ فسسٹوں کی سیاسی قوت کو کمزور نہیں کرنا چاہتے۔ لیکن وہ پارٹی کے اندر اور باہر زیادہ فوجی عنصر داخل کرنا چاہتے ہیں اور فسسٹ نوجوانوں کو فوجی تعلیم دینا چاہتے ہیں۔ جن کو گو فوجی سپاہی خیال کیا جاتا ہے مگر وہ فوجی طریقوں سے پوری طرح سے واقف نہیں ہیں۔
سائنیور مسولینی نے اعلیٰ افسروں کو مقرر کیا ہے جو نوجوانوں کو فوجی طرز پر منظم کرنے میں امداد کریں گے۔ مشرقی افریقہ میں فوج بھیجنے سے جو کمی ہو گئی ہے اس کو پورا کرنے کی کوشش کی جا رہی ہے۔ فوج کے لئے نئے رنگروٹ بھرتی کئے جا رہے ہیں۔

مسٹر بالڈون کو ابھی تک اُمید ہے کہ وہ کوئی ایسی ترکیب نکالیں گے جس سے اسلحہ جات کی حد بندی ہو سکے۔
ہم بتا دیتے ہیں، راستہ اسی وقت نکل سکتا ہے جبکہ برطانیہ پوری طرح مسلح ہو جائے۔

آپ مزید فرماتے ہیں کہ ایک قوم جنگ کر سکتی ہے مگر پچاس قومیں امن و امان قائم کرنے کے لئے تیار ہیں۔
مگر بعض اوقات پچاس قومیں بھی یہ کام سرانجام نہیں دے سکتیں۔ جیسے کہ حبش کے خلاف اٹلی کی جنگ سے صاف ظاہر ہے۔

مسٹر ایم۔ ایس۔ ایلنے فرماتے ہیں کہ اس قسم کی تحریروں سے سرکاری افسران کو کوئی فائدہ نہیں پہنچا۔
مسٹر اینے غلطی پر ہیں۔ سرکاری افسران اپنی ترقی کا راستہ مسٹر اینے سے زیادہ اچھی طرح جانتے ہیں۔

مسٹر اے۔ آئنگر نے کانگرس ممبر سے دریافت کیا کہ حکومت سونے کی درآمد کے متعلق وہی رویہ کیوں اختیار نہیں کرتی جو دوسرے ممالک کر رہے ہیں۔
جواب بالکل صاف ہے۔ ہر ایک حکومت وہی کچھ کرتی ہے جو اس کے ملک کے فائدے کے لئے ہو۔

جب کانگرس ممبر سے دریافت کیا گیا کہ کیا سونے کی درآمد سے ہندوستان کو کوئی فائدہ ہے؟ تو وہ خاموش رہے۔ "الخموشی نیم رضا" کے مصداق غالباً نیم رضا مندی برطانی مفاد کے لئے مخصوص کر لی گئی۔

ہر ہٹلر نے اس امر کی شکایت کی کہ پندرہ سال سے جرمنی کے لوگ حاکم نہیں ہیں بلکہ محکوم ہیں۔
ہٹلر کو معلوم ہونا چاہیئے کہ یہ بات معلوم کرنے کے لئے کہ درا صل اس کے کیا معنی ہیں ڈیڑھ سو سال لگ جاتے ہیں۔

ہوم ممبر صاحب نے فرمایا کہ "نیس آف انڈیا" کے خلاف تمام سلطنت میں پابندی نہیں لگائی جا سکتی
کیا اوٹاوہ ایکٹ کے ماتحت بھی یہ ممکن نہیں ہے جس میں تحفظات کا طوق باندھا گیا ہے۔

ہم مذہبوں کے درمیان امتیاز روا رکھتا ہے۔

کوہ ایورسٹ کی بلندی کیا ہے؟

کوہ ایورسٹ ہمالیہ کی سب سے اونچی چوٹی ہے اور ہمالیہ چونکہ دنیا کا سب سے اونچا پہاڑ ہے اس لئے ایورسٹ بھی دنیا کی سب سے اونچی چوٹی مانی جاتی ہے۔

جب سے اکثر غیر ملکی خصوصاً جرمنی مہم بازوں نے ننگا پربت اور ایورسٹ پر چڑھنے کی کوشش شروع کی ہے اور ان کے حالات اخباروں میں نکلنا شروع ہوئے ہیں عام طور پر ان پہاڑوں سے زیادہ دلچسپی کا اظہار کیا جانے لگا ہے۔ اور لوگ عموماً یہ معلوم کرنا چاہتے ہیں کہ ایورسٹ کی صحیح بلندی کیا ہے؟

اب تک سرکاری طور پر یہ تسلیم کیا جاتا ہے کہ ایورسٹ کی بلندی ۲۹٫۰۰۲ فٹ ہے۔ اور یہی بلندی تمام سرکاری نقشوں، رپورٹوں اور اٹلسوں میں درج کی جاتی ہے۔ لیکن ادھر کچھ عرصہ سے غیر سرکاری تخمینے بھی کئے جانے لگے ہیں۔

۲۹٫۰۰۲ فٹ والا تخمینہ ۱۸۵۲ء میں اس طرح کیا گیا تھا کہ چھ سروے اسٹیشنوں سے جدا جدا نہایت احتیاط سے جانچ کر کے حساب لگایا گیا۔ پھر ان کا اوسط نکال لیا گیا۔ اس کے بعد ۱۹۰۵ء میں سر سڈنی۔ برنارڈ۔ ایف۔ آر۔ ایس نے تحقیقات کرنے کے بعد اعلان کیا کہ ایورسٹ کی بلندی ۲۹٫۱۴۱ فٹ ہے۔ لیکن ساتھ ہی انہوں نے یہ بھی کہہ دیا کہ ابھی یہ مسئلہ قطعی طور پر یقینی نہیں کہا جا سکتا۔ اور اس میں شک کی کافی گنجائش ہے اس لئے سابقہ اعداد ہی کو تسلیم کرنا ہوگا۔

اس کے بعد ۱۹۰۵ء سے سنہ ۱۹۲۰ء تک ڈاکٹر ڈے گرف۔ ہنٹر۔ ایف۔ آر۔ ایس۔ نے مزید تحقیقات کی۔ اور سنہ ۱۹۲۲ء میں اپنے نتائج کا خلاصہ شائع کیا۔ جس کی رو سے انہوں نے ایورسٹ کی بلندی ۲۹٫۱۴۹ فٹ قرار دی۔ پھر رفتہ رفتہ یہ بلندی گھٹ کر ۲۹٫۰۸۰ اور پھر ۲۹٫۰۵۰ رہ گئی اور اس میں بھی ۵۰ فٹ کی غلطی کا امکان ظاہر کیا گیا۔

بہرحال ماہرین اور حساب دانوں میں کچھ بھی جزوی اختلاف ہو لیکن اس میں شک نہیں کہ ایورسٹ کی بلندی سطح سمندر سے کم از کم ۲۹ ہزار فٹ ہے اور اب تک کوئی بھی اس پر چڑھنے میں کامیاب نہیں ہو سکا ہے۔ ممکن ہے مستقبل کی کوششیں کامیاب ہو سکیں تو اس وقت یہ ممکن ہوگا کہ یقین کے ساتھ کوئی صحیح اندازہ پیش کیا جا سکے۔

ہندوستان کے متعلق چند حقیقتیں

کیا آپ کو معلوم ہے کہ:-

(۱) ہندوستان کی آبادی برطانی امپائر کی پوری آبادی کی تین چوتھائی ہے اور دنیا کی مجموعی آبادی کا پانچواں حصہ ہے۔

(۲) برٹش ہندوستان پندرہ صوبوں پر مشتمل ہے۔

(۳) ہندوستان کا رقبہ ۱٫۸۰۸٫۶۷۹ مربع میل ہے۔

(۴) ہندوستانی ریاستوں کا رقبہ ۷۶٫۵۲۶۷ مربع میل ہے۔

(۵) ہندوستان میں ۶۵۲۰ چھاپے خانے ہیں۔ ۱۷۰۸ اخبارات ہیں اور ۶۰۰ مختلف قسم کے رسالے ہیں۔

(۶) ہندوستان میں آٹھ ہائی کورٹ ہیں اور ان کے علاوہ مزید اعلیٰ عدالتیں ہیں جو ہائی کورٹ کے فرائض انجام دیتی ہیں۔

(۷) ہائی کورٹ کے ججوں کو وہی تنخواہ ملتی ہیں، وہ وہی حقوق حاصل ہیں جو انگلستان کے ہائیکورٹ کے ججوں کو۔

(۸) ہندوستان میں ۱۳۱ ٹریڈ یونین رجسٹرڈ ہو چکے ہیں۔

پرستارِ وطن کی موت

مسز کملا نہرو کے انتقال سے متاثر ہو کر لکھی گئی

از جناب قابلؔ گلاؤٹھی

(خاص تیج ویکلی کے لئے)

اے گلستانِ جواہر کی خزاں دیدہ بہار
دخترِ ہندوستاں، کملا، وطن کی جانثار

چشمِ حیراں میں ابھی صورت تری پوشیدہ ہے
گوشۂ ہر دل میں تیری یاد آرمیدہ ہے

تشنۂ انجام ہستی ہے جواں مرگی تری
پھر بھی لاکھوں ہستیوں کی جان ہے ہستی تری

چھوٹ سکتا ہے کہیں پھولوں سے دامانِ وطن
بوئے گل ہر حال میں رہتی ہے پابندِ چمن

قطرہ جذبِ مہر کر غائب بھی ہوتا ہے اگر
صورتِ شبنم میں پھر اک بار آتا ہے نظر

زندگی سی ہو نہیں سکتی ہے تشکیلِ حیات
موت آتی ہے تو ہو جاتی ہے تکمیلِ حیات

اپنی ہستی تک رہا ہر ضبط کا یارا تجھے
قوم کے دردِ غلامی نے مگر مارا تجھے

دردِ ملت کا بنیگا اک فسانہ تیرا غم
ہمتِ خفتہ کو ہوگا تازیانہ تیرا غم

فرطِ ناکامی سے جب چشمِ طلب گھبرائیگی
کھینچ کے آزادی کی منزل خود قریب آجائیگی

زندگی صدقے پرستارِ وطن کی موت پر
جس کے پردہ میں حیاتِ جاوداں ہو جلوہ گر

[illegible]

جذبۂ وطن پرستی کا ایک ولولہ انگیز تاریخی افسانہ

(از ڈاکٹر لکشمی دت آگرہ)

(خاص "تیج ویکلی" کیلئے)

بے شک میواڑ کے رانا راجپوتانہ کے سردار ہیں۔ قابلِ عزت ہیں۔ راجپوتوں کی ناک اور ہندوستان کی لاج ہیں۔ طاقتور ہیں۔ دولت، ثروت حکومت میں سب راجاؤں سے برتر ہیں۔ ان کے بالمقابل بوندی ایک چھوٹی سی کمزور ریاست ہے نہ روپیہ ہے نہ کوئی باقاعدہ فوج اور نہ کسی طاقتور ریاست کی حمایت۔ بے شک بوندی کی ریاست اور راجہ چتوڑ کی راجی کے سامنے ہیچ ہے۔ ناچیز ہے۔ دونوں میں کوئی مقابلہ ہی نہیں۔ بہ حیثیت حکمران بوندی میواڑ کے رانا کے روبرو میری اتنی بھی حیثیت نہیں ہے جو سورج کے سامنے ایک ذرۂ خاک رکھتی ہے۔ مجھے اپنی کمزوری کا، ناتوانی کا بے مائگی کا احساس ہے اور اسی حقیقی احساس نے مجھے والئے چتوڑ کے روبرو سر جھکانے پر مجبور کیا میں نے والئے چتوڑ کی برتری قبول کی۔ رانا کے دربار میں جب جب بھی فرمان پہنچا ہاتھ باندھے حاضر ہوا۔ اور آئندہ ہونے کو تیار ہوں یہ سب کچھ ہو سکتا ہے ہر ذلت برداشت کی جا سکتی ہے تمام ناز برداری کی جا سکتی ہے لیکن "وطن فروشی نہیں کی جا سکتی" "غلامی منظور نہیں کی جا سکتی جب تک ہاڑا نسل کا ایک بچہ بھی سرزمین بوندی پر موجود ہے آزادی کا سودا نہیں کیا جا سکتا۔" "آزادی نہیں بیچی جا سکتی۔ ماتر بھومی کے پیروں میں پرادھینتا کی بیڑیاں نہیں ڈالی جا سکتیں، چاہے وہ بیڑیاں سونے ہی کی کیوں نہ ہوں"

میری ناتوانی۔ میری کمزوری۔ میری بے مائگی ذاتی طور پر مجھے اپنی آزادی کسی دوسرے کے تابع کرنے پر مجبور کر سکتی ہے مجھے ذلیل کرا سکتی ہے، رسوا کرا سکتی ہے لیکن اپنے ذاتی آرام۔ اپنی عزت، اپنے مان کے لئے میں اپنی ماتر بھومی کی آزادی کا کسی کے ساتھ بھی سودا نہیں کر سکتا۔ میں جانتا ہوں اور مجھے وعدہ دیا گیا ہے کہ اگر میں ریاست بوندی کو "اپنی جنم بھومی کو" چتوڑ کے تابع کر دوں گا تو میں اور میرے بعد میری اولاد ہمیشہ ہمیشہ کے لئے بے کھٹکے بوندی میں راج کر سکے گی۔ میواڑ بیرونی دشمنوں سے بوندی کی حفاظت کے لئے ذمہ دار ہوگا۔ مجھے اور میری اولاد کو دربار میواڑ میں جلیل القدر عہدے و اعزاز ملیں گے۔ اور بجائے کچھ خرچ دینے کے الٹی ہر سال تخت چتوڑ سے مالی امداد ملے گی لیکن" "میری جنم بھومی کی آزادی کی" لیکن یہ ساری قیمت میری ماتر بھومی کی "آزادی" کے لئے لگائی جا رہی تھی۔ میں نے اسے ٹھکرا دیا۔ لات مار دی۔ میرا یہی فرض تھا یہی دھرم تھا۔ میرا ضمیر صاف ہے میری آتما شدھ ہے۔ میں ہاڑا ونس کے قائم مقام کی حیثیت سے والئے چتوڑ کی ذلت آمیز پیشکش کو بلا خوف تامل ٹھکرا دینے کے سوائے اور کچھ نہ کر سکتا تھا۔ میں اس وقت جوش میں تھا۔ میرا خون ابل رہا تھا۔ میرے دماغ میں طلاطم تھا لیکن اب میں شانت ہوں۔ مطمئن ہوں اور کلی اطمینان کے ساتھ اپنے فیصلہ پر غور کر رہا ہوں لیکن جتنا بھی میں سوچتا ہوں اتنا ہی مجھے اپنے فیصلہ کے صحیح ہونے کا یقین ہوتا جاتا ہے اور مجھے پورن وشواس ہو گیا ہے کہ جو کچھ میں نے کیا۔ وہی ایک راجپوت کو "ایک ہاڑا ونش کے سچے راجپوت کو کرنا چاہئے تھا مجھے معلوم ہے اور میں اس بات سے بے خبر نہیں ہوں کہ میواڑ کے سرتاج والئے چتوڑ کے مطالبات کو ٹھکرانا سرزمین بوندی پر خون کی ندیاں بہانے کا مترادف ہے، ہزاروں دیویوں کے سر سے سہاگ اتر جائے گا۔ لاکھوں معصوم بچے انا تھ ہو جائیں گے، بوندی کے در و دیوار سے نالے نکلیں گے زمین و آسمان سے تباہی کے شعلے بلند ہوں گے اور قوم کے ہزارہا نونہالوں کو ہمیشہ ہمیشہ کے لئے خاک و خون کے بستروں پر سو جانا ہوگا۔ پھر عظیم قربانیوں کے بعد بھی ہمیں اپنی کمزوری کی ۔۔۔ "اپنی ناتوانی کی سزا بھگتنی ہوگی۔ والئے چتوڑ اپنے لشکر جرار کے ساتھ ہماری لاشوں پر سے گزر کر بوندی کو تاخت و تاراج کر دیں گے۔ لیکن اس تباہی کے لئے۔ بربادی کے لئے۔ ظلم و ستم کا شکار ہونے کے لئے میری کوئی بھول۔ میری نادانی۔ میری خود غرضی ذمہ دار نہیں ہے اگر میرا کوئی دوش ہے۔ میری کوئی غلطی ہے۔ میری کوئی نادانی ہے تو وہ صرف والئے چتوڑ کے پیش کردہ طوقِ غلامی کو حقارت کے ساتھ۔ نفرت کے ساتھ ٹھکرا دینے کی ہے۔ میرے پربھو! کمزوروں اور نربلوں کے سہائک پربھو! میری پکار کیوں آپ ہی سے ہے۔ اس بے رحم اس ظالم۔ اس ناانصف دنیا میں کمزوروں کی بے کسوں کی۔ بے بسوں کی آپ ہی امید ہیں۔ آپ ہی دستگیری کرنے والے اور دھیر یہ بندھانے والے ہیں۔ آج میری ۔۔۔ میری ماتر بھومی کی لاج آپ ہی کے ہاتھ میں ہے۔ زبردست کی نگاہ۔ ظالم کی نظر: للچائی ہوئی نظر ہماری "آزادی" پر پڑ رہی ہے۔ نربلوں کو۔ ناتوانوں کو بل دینے والے پربھو! میری جاتی کے نوجوانوں کے دلوں میں اپنا پیار کر پا سے وہ برنا کی وہ آگ پھونک دے کہ ہم ماتر بھومی کی آزادی کے نہ بچے کمشتر پہلا کی طرح اپنے پران نچھاور کر سکیں! رن بھومی میں دشمن کی ہماری تعداد کو دیکھ کر ۔۔۔ چمکیلی تلوار کو دیکھ کر، ہمارے پاؤں نہ ڈگمگائیں۔ ہمارے ہاتھ لغزش نہ کھائیں اور ہم ستاروں میں کمشاتر دھرم کی مان کو، مریادا کو برقرار رکھنے میں ملز رہیں۔"

(باقی آئندہ صفحہ پر)

ٹیگور

(از جناب اندرجیت شرما ماچھرہ ضلع میرٹھ)

(خاص تیج ویکلی) (نظم)

بزمِ دنیا کے جھمیلوں سے ترا دل دور ہے — پاک ہستی سے تری افسونِ باطل دور ہے
تیرا پیکر ہے یہاں اور شکر کامل دور ہے — سرحدِ ادراک سے بھی تیری منزل دور ہے

تیرے اک اک نقطے سے ہے حسنِ فطرت آشکار
تیری ہستی ہے خدا کے راز کی آئینہ دار

جب مکمل ہو چکا روزِ ازل ایوانِ حسن — دلربا رنگینیوں سے بھر گیا دامانِ حسن
ہو گئی ایک ایک ذرہ سے نمایاں شانِ حسن — قلبِ فطرت میں مگر اک رہ گیا ارمانِ حسن

کر دیا تخلیق نے تیری وہ پورا کر دیا
ساغرِ دل بادۂ کیف آفریں سے بھر دیا

رنگِ مستقبل نظر آتا ہے تیرے حال میں — کھینچ دی کونین کی تصویر استدلال میں
فرشِ رہ آنکھیں ہوئی جاتی ہیں استقبال میں — چھپ کے بیٹھا ہے کہیں تو جادوئے بنگال میں

زندگی کا حل ہوا عقدہ تری تحریر سے
جگمگا اٹھا جہاں اک روئے پُر تنویر سے

تیرے نغموں کے ترنم سے فضا معمور ہے — نکہتِ مہر و محبت سے ہوا معمور ہے
منتیوں سے مبتدا کیا منتہا معمور ہے — بادۂ عرفاں سے ذروں کی بقا معمور ہے

تیرا افسانہ بھلا دیتا ہے فکرِ دو جہاں
تیرے نغمہ میں تڑپ اٹھتی ہے روحِ جاوداں

یوں تو لاکھوں ہو گئے ہیں شاعرانِ خوش نوا — مادرِ گیتی نہ پیدا کر سکی ثانی ترا!
عشق کو تیری بدولت درسِ خودداری ملا — حسن نے پائے عقیدت پر ترے سر رکھ دیا

ہو مقابل کون تیرا تو ہے فخرِ روزگار
نقش پر تیرے تصدق مانیِ لیل و نہار

پچھلے صفحہ سے

نصف شب کو عالم تنہائی میں اپنے محل کے برآمدہ میں بے چینی کے ساتھ ادھر سے ادھر ٹہلتے ہوئے بوندی کے رئیس راؤ ہیم سنگھ کی زبان سے بے ساختہ آہ نکلی زبان بند ہوگئی اور لب زبان کے بجائے دل کی ترجمانی کا کام آنسوؤں نے شروع کر دیا۔ راؤ ہیم سنگھ بڑی کشمکش اور رنج میں تھا۔ اس نے راجپوتانی ایمان، ذاتی عزت و بے عزتی اور مان اپمان کے تمام خیالات کو بالائے طاق رکھ کر حقیقی مدبروں کی طرح ہر ممکن کوشش کی کہ والئی چتوڑ کو منت سماجت سے، عجز و انکساری سے غرضیکہ جس طرح بھی ہو سکے اہل بوندی کی آزادی کو سلب کرنے سے روکے۔ لیکن رانا کے سر پر ملوکیت پرستی کا وہ بھوت سوار تھا کہ وہ اطاعت اور مکمل اطاعت کے سوائے کسی اور بات پر رضامند ہی نہ تھا اور یہ ایک ایسا نامعقول مطالبہ تھا کہ جسے ہیم سنگھ جیسا دیر موت کے بالمقابل کھڑا ہو کر بھی منظور نہ کر سکتا تھا۔

نتیجہ یہ ہوا کہ جو بات گفت و شنید سے طے نہ ہو سکتی تھی والئی چتوڑ نے اسے تلوار سے طے کرنے کا فیصلہ کیا۔ اور یہی دیر ہیم سنگھ کے سارے اضطراب و پریشانی کا سبب تھا۔

ہیم سنگھ کو چتوڑ سے واپس آکر صرف پانچ دن ہی اضطراب و پریشانی میں گزارنے کا موقعہ ملا تھا کہ چھٹے دن سر شام ہی سے بوندی میں وحشت ناک خبر پھیل گئی کہ چتوڑ کی دس ہزار مسلح فوج نے چاروں طرف سے شہر کا محاصرہ کر لیا ہے۔ یہ سنتے ہی ایک بار پھر بوندی کی آنیوالی تباہی و بربادی کے جانکاہ منظر راؤ ہیم سنگھ کی پرنم آنکھوں کے روبرو آگئے، لیکن اب یہ خوفناک منظر، تباہی و بربادی کے آنے والے سین اور کمزوری و ناتوانی سے پیدا ہونیوالے نتائج کمتری۔ ایک سچے کشتری کو مرعوب نہ کر سکتے تھے، پست ہمت نہ کر سکتے تھے۔ بل کی اور کشاترد ہرم کی مریادا کا پالن کرنے والے ویروں کو آزمائش کے وقت دنیا کی بڑی سے بڑی طاقت بھی ڈرا نہیں سکتی، دبا نہیں سکتی۔ پس ویر ہیم سنگھ نے ٹھہر کر بڑے صبر و اطمینان کے ساتھ شنا اور کٹتے ہی اڑاؤ نس کے پانچسو سرفروش بہادروں کو قلعہ کے اندر جمع کیا اور ان کے روبرو والئی چتوڑ کے ذلت آمیز مطالبات اور رانا کو منانے کی اپنی تمام کوششوں کا قصہ دہرانے کے بعد کہا کہ:۔

"ان حالات میں میرے ضمیر نے جو ہدایت کی میں نے اس پر عمل کیا۔ میں نے رانا کے مطالبات کو ٹھکرا دیا میں نے "غلامی" کے طوق کو جنم بھومی کی آزادی کا سودا کرنے سے انکار کر دیا۔ میں نے راجہ کو سمجھانے، منانے، خون کی ندیاں بہانے سے باز رہنے کے لئے ہر ممکن کوشش کی لیکن رانا کو اپنی فوجی طاقت و دولت کا گھمنڈ ہے وہ طاقت، دولت و غرور کے نشہ میں سرشار ہے۔ اور آج ہمارے دروازے پر، بوندی کی آزادی کا گلا گھونٹنے کے ارادہ سے آیا ہے۔ ... اس کے مقابلہ پر اس جتنی بڑی فوج لے جانے میں اس ترتیب میں، ہم اس جتنے ہتھیار مہیا کرنے سے بھی رہے۔ اور اس کی طرح دو ماہ جنگ میں روپیہ بھی پانی کی طرح نہیں بہا سکتے لیکن اس وقت اپنی دو دشمن کی طاقت کے موازنہ یا جنگ کے نتائج پر غور کرنا ہمارا کام نہیں ہے۔ اس وقت تو ہمارا کرتو یہ دھرم اور صرف کشاتر دھرم کا پالن کرنا ہے۔ گھر آئے دشمن کا شمشیر سے استقبال کرنا ہے۔ والئی چتوڑ بوندی کو فتح کرنے آئے ہیں، ویر کرنے آئے ہیں۔ مطیع کرنے آئے ہیں لیکن جب تک سرزمین بوندی پر راجپوتی کا ایک بچہ بھی موجود ہے میری جنم بھومی —— میری مادر وطن کی آزادی کو کوئی سلب نہیں کر سکتا۔"

یہ کہہ کر دیر ہیم سنگھ نے سب کو اپنے بھائیوں کی آزادی پر بھینٹ چڑھانے کی تیاری کا حکم دیا۔ آن کی آن میں تمام راجپوت گھرانوں میں جوش و خروش کا تلاطم بپا ہو گیا۔ ویروں نے کیسری بانے زیب تن کئے۔ ویرانگنیوں نے چتائیں تیار کیں۔ ماتاؤں اور بہنوں نے ولولہ انگیز الوداعی گیتوں کے ساتھ تلک کئے اور بوندی کے پانچ سو سرفروش بہادر کیسری بانا پہنے۔ ننگی تلواریں ہاتھوں میں لئے نصف شب سے پہلے ہی قلعہ میں آموجود ہوئے۔ نقاروں پر چوٹ پڑی۔ جنگی باجوں نے پرجوش ترانوں کے ساتھ رہنمائی کی۔ اور نرنا یلو کے فلک شگاف جے کاروں کے ساتھ بوندی کے دیر شیر دل ہیم سنگھ کی سرکردگی میں قلعہ سے باہر نمودار ہوئے۔

بسنت کا خوشگوار موسم تھا اور آسمان پر چاند پورے جلال کے ساتھ نمودار تھا۔ بوندی کے بہادروں نے قلعہ سے نکل کر چتوڑ کے لشکر کے اسی مرکزی کیمپ کی طرف رخ کیا۔ جہاں والئی چتوڑ بنفس نفیس فوج کی رہنمائی کر رہے تھے۔ تھوڑی ہی دیر میں دونوں طرف کی فوجیں ایک دوسرے کے بالمقابل صف آرا ہو گئیں۔ خون کی پیاسی راجپوتی تلواریں کھٹا کھٹ چلنے لگیں۔ خون آلودہ نیزے خوفناک تیزی کے ساتھ سروں کے اوپر اچھل اچھل کر انسانی جسموں کے پار ہونے لگے۔ لیکن ایک ہی گھنٹہ کی دست بدست خونریز لڑائی میں حملہ آوروں کے پاؤں اکھڑ گئے۔ بوندی کے بہادروں نے جان پر کھیل کر وہ تلوار چلائی کہ چتوڑ کے لشکر پر ہیبت طاری ہو گئی۔ لاشوں پر لاشیں گرنے لگیں اور زمین خون سے سیراب ہو گئی۔ بالآخر بوندی کی تلوار کی تاب نہ لا کر چتوڑ کے لشکر میں کھلبلی مچ گئی اور اہل چتوڑ میدان چھوڑ کر بھاگ نکلے۔ یہ دیکھ کر بوندی کے بہادروں کے حوصلے ایک دم بڑھ گئے۔ اور انہوں نے بھاگتے ہوئے دشمنوں کا میلوں تک تعاقب کیا۔ اسی بھاگ دوڑ میں شیر دل ہیم سنگھ بجلی کی طرح کڑک کر رانا چتوڑ کے کیمپ کے اندر گھس گیا لیکن رانا وہاں کہاں تھا۔ رانا تو پہلی ہی معرکہ آرائی میں بوندی کے ویروں کے ہاتھ دیکھ کر میدان جنگ سے کھسک گیا تھا۔ اور سب سے پہلے چتوڑ پہنچ چکا تھا۔ پس رانا کا کیمپ خالی دیکھ بوندی کی فوج میں فتح کے نقارے بجنے لگے۔ تمام شہر کے نرناری اپنے جانفروش بہادروں کے استقبال کے لئے شہر سے باہر نکل آئے اور وہی میدان جو چند گھنٹہ پیشتر نہایت ہی خوفناک جنگ کا نظارہ پیش کر رہا تھا۔ صبح ہوتے ہوتے ایک فتح و نصرت کے دربار کا متحمل ہوا۔

چتوڑ کا رانا بوندی کے میدان جنگ سے اپنی جان تو بچا لایا لیکن عزت اسی میدان میں کھوئی گئی۔ شکست کا رانا کے دل پر بڑا گہرا اثر پڑا۔ اور وہ کئی روز تک اپنی نادانی و بزدلی پر خون کے آنسو بہاتا رہا۔ وہ چاہتا تھا کہ جو ہوا سو ہوا اب فی الحال بات کو بھلا دینا چاہیئے اور انتقام کے لئے کسی موافق موقعہ کا انتظار کرنا چاہیئے۔ لیکن اس کا ضمیر اسے کسی پہلو بھی چین نہ لینے دیتا تھا۔ یہاں تک کہ ضمیر کی لگاتار مار سے تنگ آکر آخر ایک روز رانا نے کھلم کھلا اعلان کر دیا کہ میں نے آج یہ پرتگیا کرلی ہے کہ جب تک بوندی کو فتح نہ کروں گا کھانا نہ کھاؤں گا۔ رانا کی اس پرتگیا سے سارے چتوڑ میں سنسنی پھیل گئی۔ تمام فوجی افسر اور اراکین سلطنت دربار میں جمع ہوئے۔ رانا کی کڑی پرتگیا پر ہر پہلو سے غور ہوا۔ معاملہ بڑا پیچیدہ ثابت ہوا۔ ایک طرف رانا نے اپنی پرتگیا کی پورتی کے لئے جان کی بازی لگا دی تھی۔ اور دوسری طرف بوندی کے ویروں کی تلوار کی خوفناک جھنکار ابھی تک چتوڑ والوں کے کانوں میں گونجتی ہوئی ان کے جسموں میں لرزہ پیدا کر رہی تھی۔ میواڑ کے ماہران جنگ نے ہر نقطے سے رانا کی پرتگیا کے جنگی پہلو پر غور کیا لیکن سب کا اسی بات پر اتفاق تھا کہ فی الحال بوندی کو فتح کرنا ایسا ہی ناممکن ہے جیسا سورج کو مسر کر کے پنجرے میں قید کرنا۔ دوسری طرف اہل چتوڑ بوندی کی شکست کی نذر اپنے ہر دلعزیز رانا کی جان بھی نہ کرنا چاہتے تھے۔ اس لئے سب نے متفقہ آواز سے رانا ہی سے اپیل کی کہ وہ فی الحال اپنی ناقابل عمل پرتگیا کو ملتوی کر دیں۔ لیکن رانا اب گہرے پانی میں پہنچ چکے تھے۔ میدان جنگ سے پیٹھ دکھا کر بھاگ آنے ہی کا صدمہ کچھ کم نہ تھا کہ اس پر پرتگیا بھنگ کا سہرا اور سر سے بندھا جاتا تھا۔ پس رانا نے پرتگیا بھنگ کرنے کی ہر تجویز کو ٹھکرا دیا۔ اور اراکین سلطنت کو صاف بتلا دیا کہ نتیجہ خواہ کچھ بھی ہو جب تک بوندی کو فتح نہ کروں گا ان کا دانہ تک گرہن نہ کروں گا۔ بڑی مشکل پیش آئی۔ لیکن سوچتے سوچتے بالآخر کسی روشن دماغ کو ایک تجویز سوجھی جو سانپ مرے نہ لاٹھی ٹوٹے کے اصول پر مبنی تھی۔ اور وہ چتوڑ کے قلعہ کے سامنے میدان میں ہو بہو شہر بوندی کے نمونہ کا ایک گارے کا شہر بنایا جائے اور رانا ایک مسلح پلٹن کو ساتھ لے کر اس پر حملہ آور ہو۔ اور گارے کی اس بوندی کو فتح کر کے اپنی پرتگیا کو پورن سمجھے۔ اور آن جل گرہن کریں۔ اس بچوں کے کھیل کو سب نے رانا کی خود پیدا کردہ مشکلات سے نکلنے کا آسان ذریعہ سمجھ کر قبول کیا اور رانا بھی اس پر جان بچانے کے لئے رضامند ہو گئے۔

ایک دم ہزار مزدور رضامند ہو گئے اور دن بھر میں بوندی کے نمونہ کی گارے کی بوندی بن کر تیار ہو گئی۔ لیکن بدقسمتی دیکھئے کہ جب یہ گارے کی بوندی بن کر زیب و زیب تیار ہو چکی تھی ادھر سے کہیں شکار کھیل کر واپس ہوتے ہوئے جانباز بیرسنگھ کا بھی ہمراہیوں کے گذر ہوا۔ اور اس طوفان بے تمیزی کو دیکھ کر قدرتاً بیرسنگھ نے کام کرنے والوں سے دریافت کیا کہ یہ کیا ہو رہا ہے اور یہ ماجرا کیا ہے۔ کام کرنے والوں نے بیرسنگھ کو رانا کی ناقابل عمل پرتگیا اور پرتگیا کی پورتی کے لئے گارے کی بوندی بنائے جانے کی داستان سنا دی۔

بیرسنگھ۔ جانباز و غیرتمند بیرسنگھ بوندی کا باشندہ اور ہاڑا راجپوت تھا۔ اور بہت سے اور ہاڑا راجپوتوں کے ساتھ عرصہ سے والئی چتوڑ کی ملازمت میں تھا۔ لیکن یہ بات سنکر کہ چتوڑ کے رانا گارے کی فرضی بوندی کو فتح کر کے اپنی پرتگیا پوری کریں گے۔ بیرسنگھ کو بہت رنج ہوا۔ اور اس نے فوراً شہر میں پہنچکر ان سب بوندی کے ہاڑا راجپوتوں کو جمع کیا جو والئی چتوڑ کی ملازمت میں تھے۔ اور یوں مسلح راجپوتوں کا ایک جتھا لے کر گارے کی بوندی کے اندر جا پہنچا۔ دوسری طرف گارے کی بوندی کی تکمیل کی خبر اپنے مصاحبوں سے پاکر رانا بھی معہ ایک ایک دستہ فوج بوندی پر حملہ کر کے فتح کرنے کے لئے آن پہنچے۔ رانا تو سمجھے ہوئے تھے کہ چند منٹ میں من بہلانے کے لئے یہ کھیل کھیل کر قصہ ختم کر دیں گے لیکن ابھی رانا گارے کی بوندی کے اندر قدم بھی نہ رکھنے پائے تھے کہ بوندی کے اندر سے رانا کی پلٹن پر بندوق کا ایک زوردار فائر ہوا۔ اور رانا وہیں سہم کر دم بخود رہ گئے۔ انہوں نے اپنے مصاحبوں سے پوچھا کہ تم تو کہتے تھے کہ یہ سب کارروائی فرضی ہوگی اور چند منٹ میں ختم ہو جائے گی۔ پھر اس گارے کی بوندی سے یہ سچ مچ کی گولیاں کیسے آئیں؟ رانا کے وزیر اور جنگی سردار بھی اس ناگہانی آفت سے ناآشنا تھے۔ چنانچہ رانا کو وہیں ٹھہرا کر کچھ سردار گارے کی بوندی کے اندر گئے۔ اور دیکھا کہ بیرسنگھ ہاڑا راجپوتوں کا ایک مسلح جتھا لئے اندر کھڑا ہے اور ان ہی کی طرف سے رانا کے دستہ پر فائر کیا گیا تھا۔

جانباز بیرسنگھ کیسری بانا زیب تن کئے معہ

(باقی صفحہ ... پر)

کیا بجا ہے؟

یہ وہ سوال ہے جو عام طور پر ایک شخص کسی دوسرے اجنبی شخص سے بغیر کسی تعارف کے کر سکتا ہے بلکہ اکثر یہی سوال تعارف حاصل کرنے کے بہانے سے کیا جاتا ہے۔ نہ یہ کوئی گالی ہے نہ اس سے کسی توہین یا تحقیر کا کوئی پہلو نکلتا ہے مگر یہ عجیب بات تھی کہ جیسے ہی ہم نے اپنے شریک سفر ایک صاحب سے جو آغاز سفر سے لے کر اس وقت تک چپ شاہ کے مرید بنے ہوئے اخبار بینی میں معروف تھے یہ سوال کیا انھوں نے نہایت غضب ناک نظروں سے سر سے پیر تک ہم کو دیکھا۔ اور پھر بدستور اخبار پڑھنے لگے یقین جانئے کہ ان کی اس حرکت پر ہم نے نہایت سنجیدگی کے ساتھ اپنے حافظہ پر زور ڈال کر یہ غور کرنا شروع کیا کہ کہیں غلطی سے بجائے "کیا بجا ہے" پوچھنے کے ہمارے منہ سے کوئی گالی تو نہیں نکل گئی تھی اس لئے کہ ہم بھی آخر انسان ہیں کوئی تعجب نہیں کہ ایسی غلطی ہو گئی ہو مگر جہاں تک ہم نے غور کیا ہم کو اپنے اس نہایت سادہ اور معمولی سوال میں کوئی پہلو ایسا نظر نہ آیا جس کو شعراء کی زبان میں ذم کا پہلو کہا جا سکے۔ اب سوال یہ تھا کہ پھر یہ حضرت اس قدر برا کیوں ماننے۔ یا تو یہ حضرت کچھ پاگل تھے لیکن اگر پاگل ہوتے تو اتنا اخبار پڑھ رہے ہوتے، تو پھر یہ بہرے ہوں گے یا گونگے ہوں گے مگر سب سے زیادہ قرین قیاس یہ بات معلوم ہوئی کہ ہم نے یہ سوال اُردو میں کیا تھا ممکن ہے کہ یہ صاحب اردو نہ جانتے ہوں بنگالی ہوں گے مگر شاید مدراسی ہوں اور نہ گجراتی بلکہ آسامی ہوں یا کالے پانی سے آ رہے ہوں۔ ایسی صورت میں یہ فیصلہ کرنا کہ ان حضرت سے کس زبان میں سوال کیا جائے کچھ زیادہ آسان نہ تھا خصوصاً ایسی صورت میں جبکہ ہم ان زبانوں میں سے کوئی زبان خود نہ جانتے تھے مگر دماغ میں اگر ذرا بھی سمجھنے کی صلاحیت ہو تو اس قسم کے نازک مواقع پر انسان نہایت آسانی کے ساتھ مشکل سے مشکل معمہ کو حل کر لیتا ہے چنانچہ ہم نے بھی فوراً یہ فیصلہ کر لیا کہ ان کی زبان وہی ہو گی یا کم سے کم یہ وہی زبان سمجھ سکیں گے جس زبان کا اخبار یہ حضرت چاٹ ڈالتے ہیں چنانچہ ہم نے انگریزی میں، اس لئے کہ انگریزی کا اخبار ان کے ہاتھ میں تھا، ان سے کہا۔

"کیا آپ مہربانی فرما کر یہ بتا سکتے ہیں کہ آپ کی گھڑی میں کیا بجا ہے؟"

ہمارے سخت رکیب سفر نے لاپروائی سے ہماری طرف منہ اٹھا کر دیکھا اور پھر اس طرح کہ بولا رکبھی ہم نے وقت ضائع کیا۔ ظاہر ہے کہ اب تو بس طے ہی تھا کہ یہ بیچارے یقیناً بہرے تھے اور نہایت سخت دیوار قسم کے بہرے لہٰذا ہم نے ارادہ کیا کہ ان حضرت کو لکھ کر دیں یا یہ۔ ان کو دو تین کوئی گالی دیکر دیکھیں اگر بہرے ہوں گے تو خیر ورنہ یقیناً برس پڑیں گے۔ دراصل اس وقت ہم کو وقت معلوم کرنے کی کوئی بہت زیادہ ضرورت نہ تھی مگر اس بات نے ایک خلش پیدا کر دی تھی کہ آخر یہ اس قدر گم سم اور خاموش کیوں ہیں۔ کوئی چیز لکھ کر دینا اس لئے مناسب نہ تھا کہ اگر بہرے نہ ہوئے تو برا مانیں گے۔ اور برا بھلا کہنے میں تو یہ قباحت تھی کہ اگر بہرے نہ ہوئے تو ابھی فوجداری ہو جائے گی۔ ایک اور ترکیب ذہن میں آئی کہ اگلے اسٹیشن پر سگریٹ خرید کر ان حضرت کی خدمت میں پیش کریں گے اس وقت دیکھیں یہ کیونکر شکریہ ادا کرتے ہیں یہ ترکیب سب سے زیادہ مناسب معلوم ہوئی گو اس میں اسراف کا ایک پہلو نکلتا تھا مگر با عزت طریقہ پر اس معمہ کے حل ہونے کا صرف یہی ایک طریقہ تھا چنانچہ اسٹیشن پر گاڑی کے ٹھہرتے ہی ہم نے فوراً سگریٹ کا ایک بکس خریدا اور نہایت مہذب طریقہ پر ان کی خدمت میں سگریٹ پیش کیا۔ انھوں نے پہلے ہم کو اور پھر سگریٹ کے بکس کو نہایت حسرت کے ساتھ دیکھتے ہوئے عینک نکال کر اپنا ہاتھ پیشانی پر رکھ کر سلام کیا اور خاموش ہو گئے۔ اب ہم سمجھے کہ یہ غریب گونگا ہے مگر اور ہی خلقی ستاں کر پڑھ لکھ گیا ہے اور اخبار تنہا انگریزی میں پڑھ لیتا ہے۔ ہم نے ان کے منہ کے قریب ہاتھ لے جا کر چٹکی بجائی اور جب وہ ہماری طرف متوجہ ہو گئے تو ہم نے اشارہ میں ان سے کہا کہ کیا آپ سگریٹ نہیں پیتے۔ ہمارا اشارہ سمجھ کر ہمارے گونگے شریک سفر نے اپنی گردن ہلا کر کہا: نہیں۔ جب سگریٹ کی ڈبیہ نے اس معمہ کو حل کر دیا کہ شریک سفر گونگا ہے تو ہم نے اشارہ سے اپنی کلائی پر گھڑی کا نشان بناتے ہوئے پوچھا کہ کیا بجا ہے؟ تو ہمارے شریک سفر نے اپنی کلائی پر بندھی ہوئی گھڑی ہمارے سامنے کر دی۔ ظاہر ہے کہ ہم کو گھڑی دیکھنے کی ایسی ضرورت نہ تھی اور اگر ایسی ہی ضرورت ہوتی تو اسٹیشن پر بجائے سگریٹ خریدنے کے ہم وقت دیکھ سکتے تھے۔ یہاں تو مطلب یہ تھا کہ ان عجیب و غریب شریک سفر کے متعلق یہ معلوم کریں کہ آخر یہ ہیں کیا چیز؟ اور جب یہ معلوم ہو گیا تو ہم کو ان کی کوئی فکر نہ رہی اور ہم بھی ہنڈ بیگ سے کتاب نکال کر پڑھنے لگے۔

اب نہ ہم نے اپنے شریک سفر سے کچھ پوچھا۔ نہ انھوں نے ہم سے کوئی اشارہ بازی کی۔ دونوں ایک دوسرے سے قطعاً غیر متعلق سفر کرتے رہے یہاں تک کہ ایک جنکشن پر ٹراولنگ ٹکٹ کلکٹر نے ہمارے درجہ میں آکر پہلے ہمارا ٹکٹ طلب کیا اور پھر ان کا۔ ان حضرت نے چپکے سے ٹکٹ دے دیا۔ اور اس کے ساتھ ہی اپنے سامان کی رسید بھی۔ ٹکٹ کلکٹر نے نہایت معمولی آواز سے ان سے کہا کہ آپ کا اسباب کہاں ہے اس سوال کے جواب میں ہم کہنے ہی والے تھے کہ یہ بیچارے گونگے ہیں۔ خود گونگے نے نہایت عمدہ اُردو میں کہا:۔

"ایک بکس اور بستر میرے ساتھ ہے باقی گارڈ کے ساتھ ہے۔"

ٹکٹ کلکٹر تو ان کا ٹکٹ دے کر واپس چلا گیا۔ مگر ہم اپنی کتاب ایک طرف لاپروائی اور بے خبری کے ساتھ پھینک کر منہ کھولے کے کھولے رہ گئے۔ اور غیر ارادی طور پر ان صاحب کے چہرہ پر ہماری نظر گڑ کر رہ گئی وہ خود بھی ہماری اس حیرت کا مطلب سمجھ گئے اور اطمینان سے اپنا اخبار رکھ کر بولے:۔

"معاف کیجئے گا۔ نہ میں بہرا ہوں۔ نہ گونگا۔ جب آپ نے مجھ سے پوچھا تھا کہ کیا بجا ہے میں اسی وقت جواب دے سکتا تھا مگر دانستہ میں نے کوئی جواب نہیں دیا۔"

ہم نے اور بھی زیادہ حیران ہو کر کہا:۔

"معاف کیجئے گا مگر غالباً میرا سوال ایسا تو نہ تھا کہ آپ اس پر برا مانتے یا آپ کو اس کا جواب دینے میں کوئی زحمت ہوتی"

ہمارے شریک سفر نے نہایت متانت کے ساتھ کہا:۔

"جی نہیں نہ میں برا مانتا اس سوال کے جواب میں بظاہر مجھے کوئی زحمت ہوتی مگر دور اندیشی یہی تھی کہ میں جواب نہ دیتا۔ اور آپ بھی یاد رکھئے کہ سفر میں اس قسم کے سوالات کا جواب دینا اکثر خطرناک ثابت ہوتا ہے

(باقی آگے کا صفحہ پر)

جان بل (مصر سے) تم تھوڑی دیر تک خاموش رہو۔ میں ابھی ان لوگوں پر تعزیری پابندیاں عائد کر رہا ہوں جو میرے غریب حبش پر سختیاں کر رہے ہیں۔ (اخبار گوئرن مسینو" میلن)

مشرق بعید میں جاپان کی سرگرمیاں

مغربی طاقتوں سے معاہدے اور ان کا اثر

(از پروفیسر ٹائلر ڈینیٹ، سابق مشیر سیاسیات و تاریخ محکمۂ امور خارجہ امریکہ)

(چین میں جاپان کی سرگرمیاں اور یورپین ممالک کے تعلقات کی بڑھتی ہوئی پیچیدگیوں کے باعث اس وقت تمام دنیا میں ایک جنگ کا شدید خطرہ محسوس کیا جارہا ہے۔ اس لئے جاپان اور دول یورپ کے معاہدات کے متعلق یہ مضمون نہایت دلچسپی سے پڑھا جائے گا تاکہ وقتی معاملات کے سمجھنے میں آسانی ہو۔ ایڈیٹر)

ایک دفعہ پھر لوگوں کی نظریں مشرقی ایشیا اور بحرالکاہل کی جانب لگ گئی ہیں کیونکہ جاپان نے شمالی چین میں خود مختار حکومت کے قیام پر پھر زور دینا شروع کر دیا ہے۔ اور پہلے سے زیادہ اس معاملہ میں دخل دے رہا ہے نیز بحری جہازوں کی طاقت و وزن مساوی کرنے کے لئے اس نے مزید اصرار شروع کیا ہے اس بارے میں سب سے زیادہ تعلق امریکہ کو ہے، گفتگو یہ ہے کہ جاپان کی اس روش اور جدید حالات رونما ہونے کی صورت میں امریکہ کیا پالیسی اختیار کریگا؟

اس وقت تک امریکہ کی مشرق بعید کی پالیسی بین الاقوامی معاہدات کی روشنی میں متعین ہوتی رہی ہے جب اینگلو جاپانی معاہدہ ہوا اس امر کا ہوا کہ امریکہ یہ اس بات کو منوایا جائے کہ بحری جہازوں کی تعداد اور ان کا وزن ایک مقررہ حد سے نہ بڑھے جو جاپانی و انگریزی بیڑہ سے مشترکہ طور پر زیادہ نہ ہو تو امریکہ نے اس بات کو طے کرنے کے لئے واشنگٹن میں ۲۲-۱۹۲۱ء میں ایک کانفرنس طلب کی۔ اور ان معاملات پر غور کیا جو اس معاہدہ کی رو سے اس پر عائد ہوتے تھے۔ نیز یہ امر کہ کوئی طاقت دوسری طاقت سے آگے نہ بڑھنے پائے اور بیڑے جمع کرنے کی ایک مستقل دوڑ نہ شروع کر دی جائے۔ اس کانفرنس میں بہت سے دول کی نمائندگی تھی۔ اور کئی معاہدات طے کئے گئے جن میں مشہور یہ ہیں۔:-

• چار طاقتوں کا پیکٹ (برطانیہ، جاپان، فرانس اور امریکہ) جس کی رو سے طے پایا کہ بحرالکاہل میں مقبوضات مساویانہ درجہ میں رکھے جائیں گے۔ دوسرے پانچ طاقتوں کا پیکٹ (اوپر بیان کی ہوئی چار طاقتیں اور اٹلی اس میں شامل تھیں) اس عہدنامہ کا مقصد یہ تھا کہ بحری افواج اور اسلحہ کی ایک خاص حد بندی کی جائے۔ تیسرے • نو طاقتوں کا پیکٹ (اوپر کی پانچ طاقتوں کے علاوہ چین، ہالینڈ، بلجیم اور پرتگال) اس معاہدہ کا مقصد یہ تھا کہ چین کے معاملات اور سیاسیات میں ان اقوام کی روش اور پالیسی اپنی اپنی جگہ کیا ہوگی؟

دسمبر ۱۹۲۱ء میں "چار طاقتوں" کا جو معاہدہ ہوا تھا اس کی مدت دس سال کی تھی۔ اور بارہ مہینہ کا نوٹس پر ہر دول اس معاہدہ سے علیحدگی اختیار کرنے کا حق دار تسلیم کیا گیا تھا۔ اس معاہدہ کا یہ بھی مدعا تھا کہ اگر بحر

سایہ دار قطعوں تک جاپان چین کے علاقوں پر ۱۹۲۲ء سے قابض ہو چکا ہے ۱۹۳۵ء میں جو قبضے کئے گئے ان کی حدود معین نہیں ہیں اس لئے علیحدہ سمجھے جائیں۔

الکاہل کے جزائر کی بابت کوئی جھگڑا پیدا ہو اور وہ معمولی گفت و شنید سے طے نہ ہو سکے تو تمام معاہدہ کنندگان کی ایک مشترکہ کانفرنس طلب کی جائے گی۔ پانچ طاقتوں کا پیکٹ فروری ۱۹۲۲ء میں طے ہوا تھا اور اس کی عمر پندرہ سال تھی۔ اس میں ترمیم و تنسیخ کرنے کی گنجائش تھی، "نو طاقتوں کا پیکٹ" بھی اسی وقت عمل میں آیا تھا۔ مگر اس کی مدت کوئی خاص مقرر نہ تھی اور نہ ہی اس کی ترمیم و تنسیخ کا کوئی ضابطہ طے کیا گیا تھا۔ اس کا مقصد بحری افواج و اسلحہ کی حد بندی تھا۔ نو طاقتوں کا معاہدہ اس لئے وضع کیا گیا تھا کہ چین کے خلاف دھکیلی اور اس کو بچاؤ ملنے کی روش کا سد باب کیا جائے۔ اور یہ امر کہ عرصہ سے "چین کا دروازہ سب کے لئے کھلا ہے" کی حکمت عملی کی روک تھام کی جائے۔ کیونکہ اس سے تمام اقوام کی لالچی نظریں چین کی طرف کر دی تھیں۔ اور ضرورت تھی کہ اس اصول کی بندش کی جائے، ۱۹۱۵ء میں ٹوکیو (جاپان) نے چین کے سامنے اپنے مطالبات پیش کئے جو آجکل "۲۱ مطالبات" کے نام سے کافی شہرت حاصل کر چکے ہیں۔ اس کے فوراً ہی بعد جاپانی افواج "شانٹونگ" اور مشرقی سائبیریا میں داخل و قابض ہو گئیں۔ نو طاقتوں کے پیکٹ نے جاپان کی اس کارروائی اور چین کے "کھلے دروازہ" کی پالیسی کی روک تھام کے لئے کام شروع کیا۔ اس معاہدہ میں • اگر ——— مگر ——— لیکن ——— کی کوئی گنجائش نہیں رکھی گئی تھی۔ بلکہ نہایت صاف صاف الفاظ میں ایک معین پالیسی وضع کی گئی تھی، چین کے علاوہ دیگر دستخط کنندگان آرٹیکل نمبر ۱ پر متفق تھے مختصراً یہ معاہدہ حسب ذیل تھا

چین کی انفرادیت۔ سلطانی حقوق۔ آزادی اور مملکت و سرحد کے حقوق و مفاد تسلیم کی جائیں گی۔

(۲) چین کو مکمل آزادی و اختیار دیا جائے گا کہ وہ اپنے طریقہ پر ایک منظم حکومت اپنے ملک کے لئے بنائے۔ اور جس طرح چاہے اپنے سلطانی حقوق و سیاست کا نفاذ تیار کرے

(۳) چین میں تمام غیر اقوام ایک دوسری کو آزادانہ طریق پر تجارت کرنے اور ایک دوسرے کے لئے کاروباری سہولتیں مہیا کرنے اور سب کے تجارتی حقوق کی حفاظت و عزت کرنے کی پالیسی جاری کی جائے گی

(۴) چین کی اندرونی نزاع اور دیگر ناگفتہ بہ حالات سے کوئی طاقت ناجائز فائدہ اٹھانے کی کوشش نہیں کرے گی۔ اور نہ اپنے حقوق سے زیادہ کے لئے اصرار کرے گی۔ اور نہ چین کی حالت سے کوئی ایسا فائدہ اٹھائے گی جس سے وہاں کی رعایا کو نقصان پہنچے، اور نہ چین کی دوستدار حکومتوں کے خلاف لڑائی کرے گی، اور نہ ایسی سلطنتوں کے حقوق کو نقصان پہنچانے کی سعی کی جائے گی

• چار طاقتوں کے معاہدہ کے برخلاف "نو طاقتوں" کے معاہدہ نے کسی جھگڑے کی حالت میں مشترکہ کانفرنس طلب کرنے کے لئے کوئی قانون نہیں بنایا تھا۔ صرف یہ وعدے کئے گئے تھے کہ تمام طاقتیں آپس میں پورے طریقہ پر باہمی مفاہمت کی کوشش کریں گی۔ اگر معمولی تدبر ...... (DIPLOMACY) سے طے نہ پا سکے تو کسی طاقت کی رائے لئے بغیر ہر طاقت اپنی من مانی بات کرنے کی مجاز تھی، مطلب یہ تھا کہ چین میں جہاں جھگڑے پیدا ہونے کا بہت زیادہ امکان تھا دول ایک دوسرے کے ساتھ کوئی طاقتور بندھن باندھنے کے لئے تیار نہ تھیں بلکہ ہر جس کی سمجھ میں آیا کرنے لگا۔ ضرورت تھی کہ مشرق بعید میں ایک جمعیۃ اقوام کی بنیاد ڈالی جاتی کہ ان آئے دن کے واقعات کا سد باب ہو سکتا۔

دونوں معاملات

(باقی اگلے صفحہ پر)

(پچھلے صفحہ سے)

(۹ طاقتوں کا معاہدہ اور چار طاقتوں کا معاہدہ) ایک ہی تاریخ میں بنے تھے۔ لیکن ایک کی عمر پندرہ سال رکھی گئی تھی اور دوسرے کی کوئی معین مدت وضع نہیں کی گئی تھی لیکن نو طاقتوں کا معاہدہ نامعلوم مدت تک چل سکتا تھا۔ اور اس میں ترمیم و تنسیخ ایک دوسرے کی مرضی کے بغیر اور اطلاع و علم کے بغیر عمل میں نہیں لائی جا سکتی تھی اور کوئی دستخط کنندہ حکومت سے الگ نہیں ہو سکتا تھا جب تک دوسری طاقتیں اس کی علیحدگی پر رضامند نہ ہوں (اور یہ بات بین الاقوامی سیاست و تعلقات کی روشنی میں اگر پرکھی جائے تو بہت ہی ناممکن العمل نظر آئے گی)

جہاں تک امریکہ کا تعلق ہے اس کے لئے نو دول کا معاہدہ ایک مستقل حیثیت رکھتا تھا۔ کیونکہ اس کے نزدیک مشرق بعید میں استعمال انگیزی کا کوئی محل اس کے لئے باقی نہیں رہا تھا نیز یہ امر بھی بعید از قیاس ہے کہ امریکہ نے اس معاہدہ پر اندھا دھند رضامندی ظاہر کر دی ہو گی۔ رضامند ہونے سے قبل اس نے اچھی طرح دیکھ لیا ہو گا۔ کہ بڑی طاقتیں و جاپان کو خاص طور پر خیال کر کے اچین کی خراب حالت سے ناجائز فائدہ اٹھانے کی اہل نہ رہیں اور ہر قسم کا سدباب کر دیا جائے مگر آجکل کیا حال ہے ان معاہدوں کا؟

پانچ طاقتوں کا معاہدہ جاپان توڑ چکا ہے لندن میں اس معاہدہ کی ترمیم و تنسیخ کا معاملہ زیر غور ہے۔

رہ گیا نو طاقتوں کا معاہدہ تو وہ ایسا غیر واضح معاہدہ ہے جیسا جمعیتہ اقوام کا "کوینیشن" جسے مانتے سب ہیں مگر اس پر عمل کوئی نہیں کرتا۔

منچوریا میں جاپان نے چین کے خراب حالات سے ناجائز فائدہ اٹھانے میں کوئی کسر نہیں اٹھا رکھی اور دیگر طاقتوں کے حقوق کو مجروح کرنے کے لئے بھی اس نے کوئی تکلف محسوس نہیں کیا۔ چین کے شاہی حقوق اندرونی آزادی اور حکومت کو بے حقیقت سمجھنے میں بھی جاپان نے کوئی جھجک محسوس نہیں کی۔ ایک نئی ریاست بنانے کے بہانے سے اس نے منچوریا میں دوسری دول کے حقوق پامال کرنے اور ان کے سیاسی و تجارتی مفاد کچلنے میں بھی کوئی دریغ نہیں سمجھا۔

اسی سلسلہ میں ایک خاص مثال ہمارے سامنے آئی ہے۔ جاپان نے منچورین پیٹرولیم کمپنی قائم کی جس میں امریکی سرمایہ کو مطلق داخل نہیں ہونے دیا اور ایک ایسے علاقہ میں جہاں دو امریکی کمپنیاں ۵۵ فی صدی تیل درآمد کرنے کا کاروبار کر رہی تھیں ان سے اپنی کمپنی کو تیل کی مکمل اجارہ داری دے دی۔ منچوریا کی حکومت کٹھ پتلی کی سی حیثیت رکھتی ہے اور جاپان کے ہاتھوں میں کھلونا ہے اس کی امداد سے جاپان نے امریکی کمپنیوں کو مجبور کرنا شروع کیا کہ وہ خود درآمد تیل بالکل بند کر دے اور اپنا سارا مال اور سامان و آلات جاپانی حکومت کی عائد کردہ قیمتوں اور تجویزوں کے اعتبار سے حکومت جاپان کے ہاتھ فروخت کر دے۔ حال ہی میں ایک امریکی موٹر کمپنی اپنا کارخانہ اور جدید آلات ڈیران میں نصب کرنا چاہتی تھی مگر جاپانی ریشہ دوانیوں کے باعث یہ کام انہیں روک دینا پڑا۔

۱۷ اپریل ۱۹۳۴ء کو جاپانی دفتر خارجہ کا ایک ذمہ دار افسر ان الفاظ کو اپنے منہ سے نکالنے کا ذمہ دار تھا

"۹ طاقتوں کا معاہدہ اب عملی طور پر بیکار ثابت ہو چکا ہے اس لئے فی الحقیقت وہ ختم ہو جانا چاہئے"

جاپانی حکومت نے منچوریا میں جو روش اختیار کر رکھی ہے۔ اس سے بخوبی معلوم ہوتا ہے کہ جاپان کی جانب سے اس معاہدہ کی تحقیر کرنے اور فی الحقیقت اسے بیکار ثابت کرنے اور ختم کرنے میں کوئی دقیقہ فروگذاشت نہیں کیا گیا ہے۔

جاپان نے منچورین حملہ کے بعد دیوار اعظم کے جنوب میں قبضہ کی ایک اور مہم بھی ساتھ ہی ساتھ شروع کر دی۔ توپوں کے منہ سے اور فوجوں کی دھمکی سے ایک معاہدہ چین کے سر منڈھا گیا۔ کہ دیوار اعظم کے جنوب میں تنتیسن پیپن ریلوے کے ساتھ ساتھ جاپانی چوکیاں قائم کرنے کی اجازت دے دی جائے گی۔ اس سے چین کے شاہی حقوق اور اندرونی آزادی اور انتظامی معاملات کو سخت صدمہ پہنچنے کا خطرہ پیدا ہو گیا تھا۔ اور یہ معاہدہ کی عین خلاف ورزی تھی۔ مگر وہ کسی صورت سے بھی اپنی من مانی بات کرنے سے ٹلنے والا نہ تھا۔ چنانچہ اس نے جو کہا وہ کر کے دکھا دیا اور سب منہ دیکھتے کے دیکھتے رہ گئے۔

۱۸ اپریل ۱۹۳۴ء کو مسٹر آماؤ مشہور جاپانی ذمہ دار حاکم نے صاف صاف اعلان کر دیا کہ منچوریا میں مغربی اقوام مالی اور انتظامی امداد دیں، دینی بند کر دیں نیز تمام چین میں مالی اور فنی امدادیں دینے پر روک تھام کر دیں ورنہ جاپان کو اختیار حاصل ہو گا کہ وہ جو چاہے کرے اور تنہا اپنی ذمہ داری پر جو پالیسی اختیار کرنی چاہے کرے،

اس قسم کے سرکاری قسم کے اعلانات اور ذمہ دارانہ باتوں کی بنیاد پر ہی جاپان شمالی چین میں اپنا قدم آہستہ آہستہ بڑھا رہا ہے۔ جاپان کی جانب سے آجکل اس اقدام کی تفسیر یہ بیان کی جاتی ہے کہ کچھ اور چینی صوبجات کو خود مختارانہ حقوق دلوانے ہیں اس لئے جاپان وہاں اپنے اثر سے کام کر رہا ہے۔

امریکہ جاپان کے اس عمل کو بہت غور سے دیکھ رہا ہے۔

امریکہ نے ۱۹۲۲ء میں بحری طاقت کم کرنے کا معاہدہ کر کے بین الاقوامی مفاد کو پیش نظر رکھا ورنہ مغربی بحر الکاہل میں جنگ کا ہونا ایک معمولی بات تھی۔ اگر واشنگٹن کانفرنس نہ ہوتی تو امریکہ کی جاپان سے لڑائی چھڑ جاتی اور یورپ میں تو اب بھی یہ جنگ متوقع سمجھی جاتی ہے) لیکن آج کل امریکہ کی رائے عامہ مشرق بعید میں امریکی مقبوضات قائم کرنے یا اس کے لئے لڑائی جھگڑا کرنے کے لئے آمادہ نہیں ہے۔

۱۳ دسمبر ۱۹۳۶ء کو پانچ طاقتوں کا معاہدہ ختم ہو جائے گا۔ جاپان کی جانب سے لندن میں اس باب میں کوشش کی جا رہی ہے کہ اس معاہدہ کو دوبارہ قائم کیا جائے۔ اور اس کی ترمیم اس طرح ہو کہ جاپان کو ہر حالت میں فائدہ رہے۔ اگر یہ معاہدہ دوبارہ زندہ نہ ہوا تو مندرجہ بالا تاریخ کو اس کی مدت ختم ہو جائے گی۔ اور اس کے بعد تمام طاقتیں آزاد ہوں گی کہ اپنے سابقہ حقوق کو پھر استعمال کرنا شروع کر دیں۔

یہ بات اچھی طرح سمجھ لینی چاہئے کہ جس طرح جمعیتہ اقوام کا "میثاق" مانتے سب ہیں لیکن عمل کوئی نہیں کرتا۔ اسی طرح واشنگٹن کانفرنس کے معاہدات بھی کالعدم ہو گئے ہیں۔ اور مختلف اقوام کی طاقتوں اور ان کے حقوق کی حد بندی کا اصول بھی کارآمد نہیں ہو سکتا۔

۱۹۲۱ء میں نہیں لیکن بعد میں معاملات بحری کے ماہروں سے امریکی حکومت نے دریافت کیا کہ برطانیہ، امریکہ اور جاپان کے بحری بیڑوں کا تناسب کیا ہونا چاہئے۔ ان کی رائے ہے کہ ۵-۵-۳ کی علی الترتیب تقسیم مناسب ہو گی۔ اگر بحری طاقت کا معاہدہ ختم ہو گیا تو امریکہ یہ سوچے گا کہ اپنے مقبوضات اور تجارتی حقوق کی حفاظت کے لئے اسے مشرق بعید میں کیا کرنا ہے۔ اور جاپان اور برطانیہ اس کے لئے کس کس جگہ مانع آئیں گے۔ اور کیا ردّ عمل اسے کرنا ہو گا۔

اب سوال یہ ہے کہ کیا امریکہ کو چین کے ان مقامات پر جہاں امریکی تجارت اور امریکی آبادی ہے اپنے حقوق کی حفاظت کے لئے فوجی انتظامات کرنے پڑیں گے؟

جاپان نے دھمکی دی ہے کہ ان چینی مقامات سے امریکہ اپنی ذمہ داری اٹھا لے۔ یہ یقینی ہے کہ امریکہ بحر الکاہل کے ساحلی علاقوں کی حفاظت کے لئے اسلحہ بندی کرے گا۔ اور اسے جزیرہ ہوائی اور الاسکا۔ اور پانامہ کی حفاظت کرنے کے لئے طاقت استعمال کرنی پڑے گی۔ اگر کبھی بحر الکاہل میں جنگ برپا ہوئی تو امریکہ چپ چاپ نہیں بیٹھے گا۔

اس عورت کے سر پر یہ ٹوپی نہیں ہے بلکہ یہ ایک نئی ایجاد ہے جس سے موسم سرما میں سر کے چاروں گرمی رہتی ہے

دہلی میں کانگریس جوبلی کے موقع پر سرکردہ سیاسی لیڈر ہریجنوں کے ساتھ پرتی بھوجن کر رہے ہیں

اٹلی کی فوج اُس سڑک سے جو حال میں تیار کی گئی ہے مکالے جا رہی ہے جہاں اس نے حملہ کرکے اسے فتح کر لیا

میکالے میں اٹلی کی فوج کے داخلہ کے بعد حبش کے باشندے اُسے سلام کر رہے ہیں

بچوں کو ریلوے انجینیئرنگ اور انجن چلانے کی عملی تعلیم دی جا رہی ہے

سورگباشی لاله کورت‌مل آنند
آپ آریہ‌سماج کے ایک مشہور کام کرنے والے تھے اور اپنے سندھیا فلاسفی پر ایک بیش قیمت کتاب تصنیف فرمائی ۹۲ سال کی عمر میں اب مظفرنگر میں انتقال فرما گئے

...رھن رائے صاحب ...دن...وھن
...رناتھ شاستری (ڈائرکٹر اور
ھوئے- پنڈت پریم‌رتن جی
...انند اسسٹنٹ ایڈیٹر
...وچندر جی نے پندرہ ہزار
...ہ فرمایا ھے

بمبئی ویکلی کے چند سرکردہ اہل قلم معاونین

جناب سائل انبالوی

جناب کوثر چاندپوری

جناب گردش لکھیم‌پوری

کلکتہ میں اس کائی نے کچھ دیر کے لئے بازار کی آمد و رفت بالکل روک دی

مسٹر کے-سی- میرٹ
بمبئی میں واٹرپروف (برساتیوں) کے مشہور ترین سوداگر

ہوائی جہاز

(از جناب شام کمار صاحب پشاور)

ہم میں سے کون آسمان پر پرندوں کی طرح اُڑنے کو پسند نہ کرے گا۔ جب پرند اِدھر اُدھر پھدکتے پھرتے ہیں تو ہمارا دل بھی للچاتا ہے کہ کاشکے ہم بھی پرند ہوتے۔ اور عقاب کی طرح آسمان میں بادلوں پر سیر کرتے۔ یہی خیال ہم سے ہزاروں برس پہلے کے بچوں اور بوڑھوں کے دلوں میں بھی موجود تھا۔ معلوم نہیں ان کی یہ خواہش کبھی پوری ہوئی یا نہیں۔

یونان کے قصے کہانیوں میں لکھا ہے کہ جزیرہ کریٹ (CRETE) جو یونان کے جنوب میں ہے اور جسے کینڈیا بھی کہتے ہیں (یورپ کے نقشے میں تلاش کرو) میں ایک انجنیر ڈائیڈیلس نامی رہتا تھا۔ اس نے بادشاہ مائینوس کے لئے ایک عجیب و غریب بھول بھلیاں بنائی تھی۔ اسی میں بادشاہ نے مینا ٹور نامی دیو کا سر بھی رکھا تھا۔ جسے اس ملک کے ایک بہادر تھیسس نے بڑی بہادری سے قتل کیا تھا۔ مگر ظالم بادشاہ نے کسی بات سے ناراض ہو کر ڈیڈیلس اور اس کے بیٹے آئی کارس کو وہاں قید کر دیا تھا۔ یہ بیچارے وہاں بہت دنوں تک قید رہے آخر اسی عقل مند انجنیر ڈائیڈلیس نے اُن کو رہائی دینے کے لئے موم کے پَر بنائے۔ اُن پَروں کے ذریعے وہ اور اس کا بیٹا اوپر اُڑے باپ تو حفاظت کے ساتھ سسلی کے جزیرے میں اتر گیا۔ مگر بیٹا زیادہ اوپر اُڑ گیا۔ سورج کی گرمی سے اس کے موم کے پَر پگھل گئے اور وہ بیچارہ سمندر میں گر کر مر گیا۔

اسی طرح کا ایک قصہ شری رام چندر جی کے بارے میں ہے۔ اُنہوں نے جب راون کو شکست دی تو اُڑن کھٹولے پر بیٹھ کر گھر آئے تھے معلوم نہیں کہ ان قصوں میں کچھ سچائی بھی ہے یا نہیں۔ مگر ان سے یہ ضرور ظاہر ہوتا ہے کہ پرانے زمانہ کے لوگوں کو بھی اُڑنے کا بہت شوق تھا۔

بہرحال یہ قصے کہانیاں ہوں یا افسانے لیکن یہ حقیقت ہے کہ اب سے کوئی ۱۵۲ برس پہلے ۱۷۸۳ء میں لوگوں نے صحیح معنوں میں ہوا میں اُڑنے کی کوشش شروع کر دی تھی۔ چنانچہ مونٹ گالفر نامی دو بھائیوں نے فرانس میں غباروں میں اُڑنے پر غور کیا۔ غباروں کو تو تم اچھی طرح جانتے ہو گے شادی بیاہ یا کسی اور تقریب میں اکثر اُڑائے جاتے ہیں اور رات کو اُڑتے ہوئے بہت بھلے معلوم ہوتے ہیں۔ لیکن تمہیں یہ بھی معلوم ہے کہ وہ اُڑتے کیسے ہیں؟

بات یہ ہے کہ گرم ہوا ٹھنڈی ہوا سے ہلکی ہوتی ہے۔ اس ہلکی ہوا کو کسی ہلکی پھلکی چیز میں بھر دیا جاتا ہے تو وہ اسے اوپر لے کر اُڑتی ہے۔ غبارے میں اسی اصول سے کام لیا جاتا ہے۔ اس میں یا تو کپڑے کو تیل میں بھگو کر اس میں دیا سلائی دکھا دی جاتی ہے۔ یا پھر موم بتی جلائی جاتی ہے۔ اس طرح جب ہوا گرم ہو جاتی ہے تو ہلکی ہو کر غبارے کو بھی اوپرلے جاتی ہے۔ بس اس اصول کے مطابق ان دونوں بھائیوں نے بھی موٹے کپڑے کا غبارہ بنایا اور گھاس جلا کر اس کا دھواں اس میں بھرا۔ غبارہ پھولنا شروع ہوا اور آخر ہوا میں اُڑ گیا۔ مگر ڈیڑھ میل کے فاصلے پر جا کر نیچے گر پڑا۔ اس لئے کہ دھواں ٹھنڈا ہو کر بھاری ہو گیا تھا۔ اس طرح پہلا غبارہ بنانے کا سہرا ان دونوں بھائیوں کے سر رہا۔

پھر ستمبر ۱۷۸۳ء میں پہلی جان دار چیز غبارے میں اُڑی۔ یہ کوئی آدمی یا عورت نہ تھی بلکہ ایک بطخ۔ ایک بھیڑ اور ایک مرغی تھی۔ مگر اس سال دسمبر میں ایک انسان نے بھی ہمت کی اور ڈی روز سیر (DERZ SIER) نامی اپنی جان ہتھیلی پر رکھ کر غبارے میں سوار ہوا۔ اور ۲۳ منٹ تک اُڑتا رہا۔ اس شخص نے وہ کام کیا جو اب تک کسی نے نہ کیا تھا۔

اب سوال پیدا ہوا کہ کیا کوئی اور بھی ایسی گیس ہے جو ہوا سے بھی ہلکی ہو۔ بڑی کوششوں کے بعد معلوم ہوا کہ ہائیڈروجن (HYDROGEN) گیس ہوا سے چودہ گنا ہلکی ہے۔ اس سے دو فائدے ہوئے۔ ایک تو نئی گیس معلوم ہوئی۔ دوسرے ٹھنڈے اور گرم کا جھگڑا ختم ہوا۔ اب یہ اُڑنے والے کی مرضی پر تھا کہ جب چاہے زمین پر اترے کیونکہ غبارے کے لئے ٹھنڈا ہو کر گرنے کا خطرہ نہ تھا۔ مگر ان غباروں میں خرابی یہ تھی کہ یہ ہوا کے غلام تھے۔ جس طرح پہلے زمانہ کے "بادبانی جہاز" یعنی جس طرف کی ہوا ہوتی یہ بھی اسی طرف جاتے

آخر اس کے لئے غباروں کے سرے پر چپّو لگائے گئے اور یہ یوں ہواؤں میں اسی طرح چلائے جاتے تھے جیسے کشتی پانی میں۔

اس کے بعد لمبوتری شکل کے غبارے بنائے گئے جن کے منہ پر پنکھے لگائے گئے اور غبارے خاطر خواہ کام کرنے لگے۔ ان کو دیکھ کر جرمنی کے کونٹ زیپلن کے دل میں یہ خیال پیدا ہوا کہ یہ جنگ میں بم گرانے کے لئے بہت مفید ہو سکتے ہیں اور اس طرح جرمنی نے غبارے تیار کرنے شروع کئے جتنی کہ وہ اس میں فرانس والوں سے بھی بڑھ گئے۔

زیپلن نے غبارے کی بناوٹ میں کئی اصلاحیں کیں۔ اس کے نیچے انجن لگایا جس سے اسکی رفتار تیز ہو گئی ان ہی دنوں میں جنگِ عظیم شروع ہوئی اور جرمنوں نے ان ہوائی جہازوں سے بم گرائے اور اتحادیوں کو سخت نقصان پہنچایا۔ مگر یہ ہوائی جہاز بھی زیادہ مفید ثابت نہ ہوئے کیونکہ ہائیڈروجن کے نزدیک اگر ذرا سا بھی شعلہ لایا جائے تو وہ بھڑک اٹھتی ہے اس لئے بہت سے جہاز جل جاتے تھے۔ آخر ۱۹۱۸ء میں ایک اور گیس ہیلیم (HELIEM) نامی معلوم ہوئی۔ یہ گیس بھی ہوا سے ہلکی ہوتی ہے مگر یہ جلتی نہیں۔ اس لئے بہت مفید ثابت ہوئی۔

اسی اثنا میں لوگوں کو کرۂ ہوائی کے متعلق کافی واقفیت ہو گئی تھی اور ہوا کے دباؤ کا حال بھی معلوم ہو گیا تھا۔ چنانچہ امریکہ میں رائیٹ نامی بھائیوں نے پتنگ کی شکل کے صندوق بنائے اور ان کو پہاڑیوں کی چوٹیوں سے پھینکا اور ان کو معلوم ہو گیا کہ اگر ان کے بیلنس (BALANCE) یا وزن کا اندازہ ٹھیک ہو تو وہ کچھ عرصہ کے لئے ہوا میں رہ سکتے ہیں۔

آخر انہوں نے اس پتنگ کی اصلاح کر کے ایک طیارہ بنایا اور ایک پہاڑ کی چوٹی پر ایک بھائی اس کے ساتھ دوڑتا رہا۔ اور پھر اسے ہوا میں گرا دیا۔ بجائے اس کے کہ وہ سیدھا زمین پر گرتا آہستہ آہستہ زمین پر آ گیا۔ چنانچہ اس طرح آدمی پہلی دفعہ پروں سے اُڑا۔ اب دوسرا کام اس کے ساتھ ایک انجن لگانا تھا۔ جو اُسے ہوا میں قائم رکھے۔ آخر ۱۸۹۶ء میں پروفیسر لینگلے نے ایک انجن بھی اس کے ساتھ لگا دیا۔ جس سے طیارہ آدھ میل تک جا سکتا تھا۔ پروفیسر مذکور اس میں اور بھی اصلاحیں کرتا رہا۔ اور آخرکار جب اس کی حالت بہت اچھی ہو گئی تو پروفیسر لینگلے اس میں خود بیٹھ کر اُڑنے کو تیار ہوا۔ مگر جس وقت وہ ہوا میں تھا مشین میں کچھ خرابی ہو گئی اور وہ نیچے گر پڑا۔ پروفیسر کی ہڈی پسلی ٹوٹ گئی لوگوں نے اسکو پروفیسر کی بیوقوفی کے نام سے پکارنا شروع کیا۔ پھر ان ہی دو رائیٹ بھائیوں نے ایک طیارہ ایجاد کیا جو پٹرول کی مدد سے اڑتا تھا۔ یہ ایک گھنٹے تک آسمان میں اُڑا۔ اور ہوا میں اُڑنے کی ناممکن بات اس طرح ہوئی

ان بیشمار کوششوں کے بعد موجودہ ہوائی جہاز بنا ہے جس کے کرتب روزانہ نظر آتے ہیں کا ہوائی جہاز اصل میں ان ہی رائیٹ بھائیوں کی کوششوں کا نتیجہ ہے۔ اور تمام ہوائی جہاز چلانے والے اور حکومتیں ان کی شکرگذار ہیں۔

آج کل یہ اتنے رواج پا گئے ہیں کہ امریکہ اور یورپ میں ہوائی جہاز گاڑیوں کی طرح چلتے ہیں۔ اور ہزاروں مسافر آن کی آن میں ہزاروں میل سے آئے جاتے ہیں۔ ہوائی جہازوں کی دوڑیں بھی ہوئی ہیں۔ ابھی پچھلے سال کی بات ہے کہ لندن سے میلبورن تک جو آسٹریلیا کے انتہائی جنوبی حصے میں واقع ہے۔ ساڑھے گیارہ ہزار میل کی دوڑ ہوئی اور جیتنے والے کو بڑا انعام ملا۔ اگرچہ ہوائی جہاز بہت ترقی کر گئے ہیں مگر یہ ابھی تک انتہائی معراج تک نہیں پہنچے ایجادیں ہو رہی ہیں۔ اور ان کی حالت بہتر سے بہتر کرنے کی کوشش ہو رہی ہیں۔ ممکن ہے کہ کوئی وقت ایسا بھی آئے جب آدمی مشینری کی مدد کے بغیر خود پرندوں کی طرح اُڑیں۔

ہندوستان میں بھی بہت دنوں سے اسے رواج دینے کی کوشش ہو رہی ہے۔ ابھی ۱۵ فروری کو وائیسرائے نے دہلی میں ایک نئے کلب کا افتتاح کیا ہے۔ یہ ہندوستان کا بہت بڑا ہوائی کلب ہو گا۔

جہازوں میں کبھی آگ بھی لگ جاتی ہے۔ کبھی کبھی ایک آدھ پُرزہ بھی خراب ہو جاتا ہے۔ زمین تو ہے نہیں کہ ٹھہر کر کچھ بندوبست کریں۔ اس کے لئے یہ ہوتا ہے کہ جب جہاز گرنے لگتا ہے۔ اس دِقت کو رفع کرنے کے لئے ایک چیز پراشوٹ (PARACHUTE) نامی ایجاد کی گئی ہے۔

یہ ایک چھتری کی طرح ہوتی ہے جسے ہوائی جہاز پر چڑھنے والے کی پیٹھ پر باندھ دیا جاتا ہے۔ جُوں ہی کوئی خطرہ ہوتا ہے ہوا باز جہاز پر سے کُود پڑتا ہے چھتری خود بخود کھل جاتی ہے اور وہ آدمی نہایت آسانی سے نیچے آ جاتا ہے۔

ان خطروں کے باوجود ہوائی جہاز ایک بہت مفید اور اہم ایجاد ہے۔ اس کی رفتار اتنی تیز ہے کہ جہاں ہم بادبانی جہازوں سے مہینوں میں پہنچ سکتے تھے اور دُخانی جہازوں سے دنوں میں۔ وہاں ہوائی جہازوں سے ہم گھنٹوں میں پہنچ سکتے ہیں۔

اس طرح ہوائی جہاز نے فاصلے اور وقت کو بچایا ہے۔ امید ہے کہ کچھ ہی دنوں میں تمام ہندوستان میں گاڑیوں کی طرح ہوائی جہاز چلیں گے

تختِ طاؤس

(از قلم جناب بی - ایس - دیوان - بی - اے)

(خاص تیج دیپاولی کے لئے)

سلاطین عالم رعایا پر اپنا رعب قائم کرنے کے لئے ہمیشہ مختلف طریقے کام میں لاتے رہے ہیں وقتاً فوقتاً ان کے تحرک ہوتے عجیب و غریب عمارتوں سے خیام اور دربار کے مختلف طریقوں سے آراستگی و پیراستگی وغیرہ وغیرہ کا مقصد سطوت سلطانی کے ساتھ جرأت پیدا کرنے کے سوا اور کیا ہوسکتا ہے۔ اس لئے کسی بادشاہ وقت کو یہ خیال پیدا ہوا کہ خزانہ شاہی میں بیش بہا پڑے کار پڑے ہوئے جواہرات کو ایک تخت کی شکل میں منتقل کیا جائے۔ کوئی امر عجیب نہیں تختِ طاؤس اسی خیال کی جیتی جاگتی تصویر کہا جاسکتا ہے

جس وقت شاہجہاں نے عنانِ حکومت ہاتھ میں لی دولت مغلیہ کا سورج عین عروج پر تھا۔ بے شمار دولت اور انتہا جواہرات جو خزانوں اور جواہر خانوں میں ستان ممالک خارجہ کے تحفہ جات، امرا و شاہزادگان کے نذرانوں اور مفتوح حکمرانوں کے مال غنیمت کے سلسلے میں جمع ہوگئے تھے بیکار پڑے تھے۔ اس نفاست پسند بادشاہ کی طبیعت سب سے پہلے تختِ طاؤس بنوانے پر آمادہ ہوئی۔ تاکہ وہ خزانہ بیش بہا ایسی شکل میں منتقل ہوکر خاص و عام کو اسے دیکھنے کا موقع مل جائے۔

حکم ہوا کہ وہ سب جواہرات جو محل شاہی میں محفوظ ہیں پیش کئے جائیں۔ ان میں سے ۸۶ لاکھ روپے کے بیش قیمت جواہرات جن کا وزن ۶ من ۲۰ سیر ۶ چھٹانک اور تین تولہ تھا منتخب ہوئے۔ اور یہ سب جواہرات ۱۲۵۰ من سونا قیمتی (چودہ لاکھ روپیہ) میں جڑوانے کا فرمان صادر ہوا۔ اور بے بدل خان مہتمم زرگر خانہ شاہی اس تخت کے بنوانے پر مامور ہوئے۔

تختِ طاؤس پانچ لاکھ کاریگروں کے زیر نظام و صنعت سات سال کی مدت میں ۱۰۴۴ھ میں بن کر تمام ہوا۔ یہ تخت ۳ گز طویل - ۲½ گز عریض ۵ گز بلند اور مثمن تھا - جس میں ایک سو آٹھ لعل (ساسو رتی سے ڈھائی سو رتی تک کے وزنی) اور ۱۶۰ زمرد ۳۶ سے ۷۲ رتی تک کے وزنی جڑے ہوئے تھے۔ اور دو درخت اور ۶ طلائی مرصع پایوں پر قائم تھا۔ تخت کے گرداگرد گیارہ تختے مرصع و مرقع جواہر لگنے کے لئے بطور حاشئے کے لگے ہوئے تھے۔ اور صرف ہیچ کا تختہ جو صدر میں بادشاہ کے تکیہ لگانے کے لئے بنایا گیا تھا دس لاکھ روپیہ میں تیار ہوا تھا۔ اس تختے میں دس تو بڑے بڑے بیش قیمت لعل جڑے ہوئے تھے لیکن ایک بیش بہا اور تاریخی لعل خاص طور پر قابل ذکر ہے۔ یہ لعل شاہ عباس صفوی اول بادشاہ ایران نے جہانگیر کو تحفۃً بھیجا تھا اور (اس کی قیمت ایک لاکھ روپیہ تھی)

تکیہ گاہ کے درمیانی اونچے حصے کے عین وسط میں ایک ہیرے کا ستارہ لگا ہوا تھا جس کی شعاعیں چاروں طرف بجلی کی طرح چمک پیدا کرتی اور تماشائی کی آنکھوں کو خیرہ کرتی تھیں۔ یہ ستارہ ایسی ترکیب سے بنایا گیا تھا کہ گھمایا بھی جاسکتا تھا۔

تخت کی چھت گنبد نما خاص کر ان کی۔ اندر سے بیشتر میناکار اور کہیں کہیں مو ... کے ساتھ مرصع۔ خصوصاً باہر کی طرف لعل، یاقوت، الماس سے مرقع۔ موقع بہ موقع موتیوں کی لڑیوں کے حلقے بنے ہوئے جن میں اسلحہ سلطانی آویزاں رہتے تھے۔ درمیان میں ایک بہت بڑا صاف شفاف بیش قیمت پتھر جس سے نظر آر پار ہوسکے۔ ۲۶۰ گرین کے وزن کا لعل تو نیلم سے گھرا ہوا اس طرح آویزاں تھا کہ تخت پر جلوس کرنے والے کی نظر سامنے رہے ۔۔۔ بارہ زمردین ستونوں اور جڑاؤ محرابوں پر قائم تھی۔ درمیانی محراب پر ایک طلائی درخت آویزاں تھا جس میں لعل یاقوت اور زمرد وغیرہ کے پھل پھول اور پتے لگے ہوئے تھے اس درخت کے اردگرد دو نظیری مرصع طاؤس دُم پھیلائے کھڑے تھے۔ تخت پر چڑھنے کیلئے تین طلائی مرصع و مرقع جواہر سیڑھیاں بنی ہوئی تھیں۔ تختِ طاؤس کے مصارف کے متعلق مؤرخین میں بہت کچھ اختلاف ہے مشہور فرانسیسی سیاح جوہری ٹیورنیر جس نے اس تخت کو بچشم خود دیکھا تھا۔ اسکی قیمت کا اندازہ ۶۰ لاکھ پونڈ (۹ کروڑ روپیہ) کیا تھا۔

وہ ایسا عجیب و غریب تخت تھا جس کی مثال آج تک دنیا کو نہ ملی ۱۷۳۸ء میں دہلی کی لوٹ کے وقت اور شاہی مال و متاع کے ساتھ یہ تخت بھی نادر شاہ کے ہاتھ پڑا - اور وہ اسکو اپنے ساتھ ایران لے گیا - وہاں یہ عدیم المثال تحفہ زمانہ کے ہاتھوں محفوظ نہ رہ سکا۔ اور نادر شاہ کے مرنے کے بعد آپس کی خانہ جنگی میں یہ دنیا کو متحیر کر دینے والا تختِ طاؤس بھی پارہ پارہ ہوگیا۔

{ پچھلے صفحہ سے }

چوں بہ صاحبدل رسد گوہر شود
دلے ایسے کہ جیسے لوہا پارس سے ملنے سے خوشبو
دھات یعنی سونا ہو جاتا ہے اسی طرح نیک صحبت ایک بے وقت
کو با وقت بنا دیتی ہے۔ بقول سعدی ؎

با دولتیاں نشیں کہ غاسے
در صحبت گل تو وہ بہاست
باہر کہ نہ مقبل است منشیں
کز سرکہ نگشت تام سیریں

شریف اور نیک اصحاب کی صحبت اختیار کرو کیونکہ
بہار کے موسم میں کانٹے پر بھی صحبت کی وجہ سے بہار آجاتی
ہے۔ اور گلاب کے پھول کے باعث اس کی بھی قدر ہوتی
ہے صحبت بد سے اجتناب اور صحبت نیک اختیار کرو کیونکہ ؎

ست سنگتی کرے منگل ہوا
سوئی چل سے ہی سب سلاحین اکھولا

صحبت نیک مثل اور آنند مدیر درخت کی جڑ
ہے اور سدھی شریف لوگ اس کا اصل ہی اس کا پھل ہے اور
جو لوگ کی سہولتیں ہیں وہی اسکے پھل ہیں۔ مطلب یہ ہے
کہ نیک صحبت ہی روح کی راحت اور آرام و سکون دل ہے
بقول شیخ کے ؎

ہمنشینے کو نیلیت و کامل است
راحت روح است و آرام دل است

وانکہ نادانی و ذلت است ابر است
صحبتش مانند زہر قاتل است

صحبت بد اپنا اثر دکھائے بغیر نہیں رہ سکتی۔ لیکن
جو ذاتی شریف ہیں اور جن کا شیوہ نیکی ہے وہ
ایسے موقعوں پر بھی بقول تلسی داس خود کو محفوظ
رکھتے ہیں۔ ؎

جن کو سنگتی پر ہیں
جن کی سیم رچ گن ادر سیر ہیں

اگر اتفاقیہ کوئی نیک آدمی بدوں کے چنگل میں
مبتلا ہو بھی جاتا ہے تو وہ وہاں بھی اس طرح جیسے کہ
سانپ زہریلا ہوتا ہے اور منی میں زہر اثر نہیں کرتا
وہ خود کو عیوب سے محفوظ رکھتا ہے لیکن بد اپنی عادت
سے باز نہیں آتا۔ برا شخص ہمیشہ غیروں کو نقصان
رسانی کی ترکیبوں پر غور کرتا رہتا ہے اور محض
اسی خاطر اپنی جان تک وقف کر دیتا ہے چنانچہ
تلسی داس فرماتے ہیں ؎

پرا کاج لگی تنو پر ہرا ہیں
جیسے پالا کھیتی کو نیست و نابود کرنے کے لئے خود
گل جاتا ہے مگر کھیتی کو ضرور نیست و نابود کر دیتا
ہے۔ اسی طرح برے لوگ غیروں کے نقصان کے
لئے ہر ممکن کوشش کرتے ہیں اور وقت پر اپنی جان
تک دے دیتے ہیں۔ مگر نقصان رسانی سے باز نہیں

آتے۔ گو نیک کے لئے ایسی انسانیت کے جذبات ہی
نہیں ہیں اور وہ کسی کے نفع رسانہیں بن سکتا اسکو
جوہر و سنگ کی کیا تمیز ہو سکتی ہے اس کے لئے دن اور
رات برابر ہیں۔ بقول سعدی ؎

اگر نفع کس در نہاد تو نیست
چنیں جوہر و سنگ خارا یک است

برخلاف اس برائی و بھلائی سے ہر شخص واقف
ہے بقول تلسی داس کے ؎

گن اوگن جانت سب کوئی
جو جیہی بھاؤ نیک تیہی سوئی

گن اور اوگن کو سب جانتے ہیں لیکن
ان میں سے جس کو جو اچھا لگتا ہے اس کے لئے وہی
اچھا ہے۔ اور اس کی صفائی میں تلسی داس فرماتے ہیں ؎

جلو بھلائی پہ لہی، لہی نچائی نیچ
سیجھا سراہئے امرتا، گرل سراہئے میچ

برا آدمی اپنی بد گمانی ہی سے اپنی عزت افزائی قیاس
کرتا ہے جیسے امرت امر کرنے سے موثر سمجھا جاتا ہے اور زہر ہلاک
کرنے سے قاتل سمجھا جاتا ہے لیکن انجام کیا ہوتا ہے بقول شیخ کے ؎

بد و نیک روم چو می بگذرند
ہماں بہ کہ نامت بہ نیکی برند

اور ملاحظہ فرمایئے کہ ؎

اپنی کو سنگ سو سنگتی لاہو
لکھو وید دوٹ سب کا ہو

نرمی فرماتے ہیں کر دیئے ہیں یہی بات بتلائی گئی
ہے کہ صحبت بد سے نقصان اور صحبت نیک سے فوائد ہیں چنانچہ ؎

گگن چڑھے رج پون پرسنگا
کیچ ہی ملے نیچ جل سنگا

جب گرد و غبار ہوا کا مصاحب بنتا ہے تو آسمان
میں چڑھ جاتا ہے اور جب نیچے بہنے والے پانی کا مصاحب بنتا ہے تو
کیچڑ بن جاتا ہے۔ یہ سب صحبت ہی کا طفیل ہے۔ کیا خوب خیال ہے
لیکن جو فطرتی بد ہیں وہ کبھی بھی نیکی کا اظہار نہیں کر سکتے بقول سعدی ؎

پرتو نیکاں نگیرد ہر کہ بنیادش بد است
تربیت نا اہل را چوں گردگاں بر گنبد است

لیکن تلسی داس فرماتے ہیں ؎

دھوم کو سنگتی کارکھ ہوئی
لکھی پران منجو سی سوئی

نیک فطرت کی صحبت تو بدل سکتی ہے لیکن
بد فطرتی اشخاص بھی نیک صحبت میں رہ کر نیک طینت
بن سکتے ہیں۔

تلسی داس کی بلند خیالی دیکھئے کہ
نصیحت کے ساتھ ساتھ کلام کی خصوصیت کو
بھی برقرار رکھا ہے کہ جیسی ہونہار
ہوتی ہے وقت پر اس کے حامی و ناصر
بھی ویسے ہی ہو جاتے ہیں۔ اور بوقت
ضرورت کایا پلٹ جاتی ہے۔ اور اس
ہونہار میں ایسی طاقت موجود ہے کہ خود اس
کے پاس نہیں آتی بلکہ حامی اسکو ایسی

(باقی صفحہ ۳۲ پر)

فصلی بخار

(از قلم پنڈت آنندی پرشاد مصرا - مرادآبادی)

(خاص تیج دہلی کے لئے)

موت اور بیماری کا یوں تو کوئی وقت مقرر نہیں لیکن تبدیل موسم کے زمانہ میں جبکہ دن کو گرمی اور رات کو سردی پڑتی ہے۔ تپ ولرزہ - دست پیچش - ہیضہ اور کھانسی وغیرہ امراض بکثرت پھیلتے ہیں - اور لاکھوں آدمی داعی ملک بقا ہو جاتے ہیں - ان سب میں خطرناک مرض بخار ہے۔ صرف یو-پی میں ۵۰ فیصدی اشخاص اسمیں مبتلا ہوتے ہیں - یہ مرض سب مرضوں سے زیادہ اموات کا سبب ہوتا ہے اور آدمی کو بہت کمزور کر دیتا ہے جس کے باعث دوسری بیماریاں مثلاً سل - دق وغیرہ بھی قابو پکڑ جاتی ہیں (انسان کا کام تمام ہو جاتا ہے)۔

بیماریوں سے بچنے کی احتیاطیں

تبدیل موسم میں بعد غروب آفتاب کھلے میدان یا زمین میں لیٹنا بیٹھنا یا سونا نہ چاہئے - چھپر یا درخت کے نیچے چارپائی یا کسی اونچی جگہ پر لیٹنا چاہیئے - کمبل یا چادر رات کو ضرور اوڑھنا چاہئے - کھانا بہت نہ کھانا چاہیئے -

تازہ ترین سائنس و ڈاکٹری تحقیقات سے پایا جاتا ہے کہ ملیریا سے بچنے کے لئے مچھروں سے بچو - اور انہیں فنا کر دو۔

علاج بخار

اس میں سب سے پیشتر معدہ صاف کرنے کی ضرورت ہے - اس کی ترکیب یہ ہے کہ ارنڈی کا تیل (اگر کچا ہو تو بہتر ہے) ½ ۲ تولہ - سونف پسی ہوئی دو ماشہ - گڑ یا راب ۱ تولہ - دودھ ½ پاؤ - ان سب کو ملا کر گرم کرو - جب دودھ کھولنے لگے تو ٹھنڈا کر کے پی لیں -

جب اس دوا سے معدہ صاف ہو جائے تو املی کا مندرجہ ذیل شربت پینا چاہیئے۔

نسخہ شربت

املی کا گودا بغیر تخم آدھ پاؤ - لونگ یا الائچی ایک ماشہ - گڑ یا راب آدھ پاؤ - گرم کھولتا ہوا پانی آدھ سیر - ان سب کو خوب ملا کر اور ٹھنڈا کر کے چھان لو۔ اور جب تک بخار رفع نہ ہو تین - تین گھنٹے کے بعد ایک ایک چھٹانک یہ شربت پینا چاہیئے - یہ معدہ کو صاف رکھے گا اور پاخانہ کھل کر ہو گا -

اگر بخار میں پیاس بہت ہو تو آدھ سیر جَو دو سیر پانی میں پکائیں - جب وہ گل کر پھٹ جائیں اور کچھ پانی میں مل جائے تو اس کو چھان کر اور ٹھنڈا کر کے ایک چھٹانک یا کچھ زیادہ دودھ میں شکر ملا کر پینا چاہیئے - جب بخار جاتا رہے تو کونین استعمال کرنی چاہیئے جو ڈاک خانوں میں ہر جگہ ملتی ہے - اور تین گولی روزانہ کھانی چاہیئے -

اگر بخار سے کمزوری زیادہ ہو جائے تو کالا نمک پسا ہوا چار ماشہ - سویا یا سونف پسی ہوئی ایک ماشہ - گڑ یا راب ۴ ماشہ - ان سب کو پیسکر اور بارہ گولیاں بنا کر ایک صبح اور ایک شام دو گولی روزانہ کھانی چاہئیں - قوت کے لئے بے مثل ہیں -

متلی

اگر بخار میں اُبکائی اور قے زیادہ آتی ہوں تو علاوہ ادویات متذکرہ بالا کے آدھ پاؤ رائی تھوڑے پانی میں باریک پیسکر اور کپڑے پر پھیلا کر یہ پلستر ناف کے نیچے لگانا چاہیئے - دس پندرہ منٹ رکھ کر اُتار دینا چاہیئے۔

اگر بخار کے ساتھ سینہ میں درد ہوتا ہو تو مندرجہ ذیل دوا اور کھانا چاہیئے -

خلکسیا تر مداری کی جڑ یا چھال بقدر نصف تولہ سیل پتے پر پیسکر تھوڑا سا گڑ یا راب ملا کر بارہ گولیاں بنائیں اور دو - دو گھنٹے کے بعد ایک ایک گولی کو کھانا چاہیئے -

---

أدب لطیف

بادشاہت

(از جناب بن باسی جرنلسٹ)

(خاص تیج دہلی کیلئے)

ایک غریب گھرانے میں پرورش پانے کے باوجود میں اکثر بادشاہی کے خواب دیکھا کرتا تھا - کہ ایک نہ ایک دن مجھے ضرور ہی بادشاہت نصیب ہو گی -

آخر وہ دن بھی آ پہنچا جبکہ مجھے شاہی تاج پہنایا گیا - سبھی مجھے حسرت بھری نگاہوں سے دیکھنے لگے -

وسیع سلطنت پا کر میرے دل میں غرور اور تکبر نے گھر کر لیا - رقص و سرود کی محفلیں گرم رہنے لگیں اور عیش و نشاط کا دور شروع ہو گیا -

میرے خوفناک مظالم کے باعث ملک بھر میں زبردست جد و جہد شروع ہو گئی - رعایا باغی ہو گئی اور جمہوریت کا مطالبہ کرنے لگی -

مجبوراً مجھے تخت سے دستبردار ہونا پڑا -

اسی رنج اور گھبراہٹ کے باعث میری آنکھ کھل گئی -

(صفحہ ۱۴ سے آگے)

اپنے مسلح جوانوں کے درمیان بوندی کے دروازے پر ہاتھ میں ننگی تلوار لئے کھڑا تھا۔ اس کی آنکھوں میں خمار تھا ـــــ ماتر بھومی کی محبت کا خمار تھا۔ اور اس کے چہرہ پر جلال برس رہا تھا ـــــ وہ جلال جو فرض کی ادائیگی کے وقت ایک سچے بہادر کے چہرہ پر برسا کرتا ہے۔ وہی سرفروشانہ جلال بیر سنگھ کے نورانی چہرہ پر نمایاں تھا۔ چتوڑ کے وزیر اعظم نے آگے بڑھ کر تعظیم کے ساتھ ـــــ اس تعظیم کے ساتھ جو جانبار وطن پرستوں کا حق ہے۔ بیر سنگھ کے روبرو سر جھکایا اور نہایت ہی مودبانہ لہجہ میں ان کا مقصد دریافت کیا۔

"اور آپ لوگوں کا اس سامنے تماشے سے کیا مطلب ہے؟" بیر سنگھ نے گرک کر بے خوفی کے ساتھ دریافت کیا۔

"محض رانا کی جان بچانا۔" وزیر نے کہا۔

"محض رانا کی جان بچانے کے لئے اصل بوندی کی تحقیر کرنا کہاں کی دانشمندی ہے؟ کیا آپ کے رانا کی جان میری جنم بھومی کی آبرو سے زیادہ قیمتی ہے؟" بیر سنگھ نے طیش بھرے لہجہ میں دریافت کیا۔

"بیر سنگھ جی! اگر بوندی یا اصل بوندی کی ہتک یا ذلت کے لئے کوئی حقیقی قدم اٹھایا جاتا تب تو آپ کا غصہ بجا بھی تھا۔ مگر آپ خود جانتے ہیں کہ یہ تو سارا ایک جیسا کھیل ہے۔ محض گارسے کا ایک فرضی شہر تعمیر کرا کر رانا جی کی پرتگیا تڑوانے کے لئے اس کا نام بوندی رکھ دیا گیا ہے۔ آپ تو کیا نہیں سمجھتے کہ اس فرضی بوندی کے برباد ہو جانے سے حقیقی بوندی رانا کے تحت میں آ جائے گی۔" وزیر نے ناصحانہ انداز میں کہا۔

"نہیں نہیں۔ جب تک بوندی کا ایک بچہ بھی یہاں موجود ہے آپ فرضی بوندی کی بھی توہین نہیں کر سکتے۔ نہ آپ میری جنم بھومی کی فرضی نقل کی بھی تحقیر نہیں کر سکتے۔ رانا ہماری لاشوں پر سے گزر کر اس گارے کی بوندی کے اندر قدم رکھ سکتے ہیں۔ لیکن جب تک ہم بوندی والوں کے جسم میں آخری خون کا قطرہ بھی موجود ہے اس بڑے نام کی بوندی کی طرف بھی کوئی آنکھ اٹھا کر نہیں دیکھ سکتا۔" بیر سنگھ نے اشتعال کی زبان میں کہا۔

"یہ سب بجا و درست ہے۔ بیشک بلند خیال ہے اور آپ کی حب الوطنی آپ کا یہ ایثار آپ کو معمولی انسانوں کی سطح سے اٹھا کر دیوتاؤں کے زمرہ میں شامل کرتا ہے۔ اب اس بارے میں آپ سے کچھ کہنا سورج کو چراغ دکھلانے سے کم احمقانہ فعل نہیں ہو سکتا۔ لیکن میں بہادت ادب کے ساتھ آپ کی توجہ سوال کے ایک دوسرے پہلو کی طرف دلانا چاہتا ہوں اور وہ یہ ہے کہ جہاں ماتر بھومی کے سلسلہ میں ایک دیش بھگت کے کچھ ناقابل انکار فرائض ہیں وہاں دوسری طرف اپنے آقا کی طرف بھی کچھ فرائض ہیں کیا ہر ممکن طریق سے اپنے راجہ کی ـــ اپنے آقا و مالک کی جان بچانا بوقت ضرورت کا فرض نہیں ہے۔ کیا مالک کے لئے وفاداری بہادر راجپوتوں کی روایتی مردانگی کا ایک جزو نہیں ہے؟" ۔۔ وزیر نے نہایت عقلمندی سے پینترا بدل کر پوچھا۔ وزیر کو یہ امید تھی کہ بیر سنگھ سوال کے اس نئے پہلو کے سامنے آتے ہی پریشان ہو جائے گا اور بیک وقت دو متضاد فرائض کی ادائیگی کو ناممکن خیال کر کے اپنی ضد چھوڑ دیگا۔ لیکن بیر سنگھ نے وزیر کی بات سنتے ہی جواب دیا۔

"بیشک مجھے اس کا اعتراف ہے کہ آقا کے متعلق بھی میرے فرائض ہیں۔ میں نمک حرام نہیں ہوں۔ غدار نہیں ہوں۔ وفاباز نہیں ہوں۔ میں اپنے راجہ کے ساتھ غداری کا ٹیکہ پیشانی پر لگوا کر ماتر بھومی کے متعلق اپنا فرض ادا نہ کروں گا۔ میں راجپوت ہوں۔ فرض شناس ہوں۔ میں اپنے دونوں فرض ایک ساتھ پالن کرونگا۔ بظاہر معاملہ بڑا پیچیدہ نظر آتا ہے۔ میں دو متضاد فرائض کے درمیان کھڑا ہوں اگر ماتر بھومی کے متعلق اپنا فرض پورا کرتا ہوں تو مالک کی جان جاتی ہے اور اگر مالک کی جان بچانے کے لئے اپنی ماتر بھومی کی تحقیر ہوتے دیکھتا ہوں تو داماپ کرتا ہوں یعنی کو کلنک لگاتا ہوں اور کہیں سہارا بھی جاتا ہوں۔ لیکن میری نظروں میں ایک نیا راستہ ہے جس پر چل کر میں اپنے دونوں فرائض کو ادا کرتا ہوا سیدھا سورگ کو جا سکتا ہوں۔ میں اسی راستہ کو اختیار کروں گا۔"

یہ کہکر جانباز بیر سنگھ مع اپنے ساتھیوں کے گارے کی بوندی کے دروازے پر ہاتھ میں ننگی تلوار لئے گردن جھکا کر کھڑا ہو گیا اور رانا کو مدعو کیا کہ وہ ان تمام دیروں کے سر تن سے جدا کرتا ہوا ان کی لاشوں پر سے گذر کر بوندی کے اندر داخل ہو جائے اور اپنی جان بچا لے۔ ان کی وفاشعاری رانا پران کا ہاتھ نہ اٹھنے دیگی۔ دوسری طرف وہ اپنی ماتر بھومی کے لئے اپنی عزیز جانوں کی وہ بڑی سے بڑی قربانی پیش کر سکیں گے جو اس دنیا میں انسان کے احاطہ امکان میں ہے۔

رانا نے تلوار ہاتھ میں لے کر قدم آگے بڑھایا۔ شیروں کی جھکی ہوئی گردنوں پر تلوار کا ہاتھ پڑا۔ آن واحد میں سر تن سے جدا ہو کر گرے۔ خاک آلودہ جسموں نے زمین پر گر کر دروازہ کا راستہ روک لیا۔ ماتر بھومی کے چہرہ کو کلنک سے بچا لیا۔ فضا "بوندی کی جے" کے نعروں سے گونج اٹھی ـــ سرزمین چتوڑ کے ذرہ ذرہ سے بوندی کی جے کے نعرے بلند ہوئے۔ رانا یہ سمجھا کہ میری پرتگیا پوری ہو گئی۔ میں نے نقلی بوندی کو فتح کر لیا ـــ اور فی الحقیقت کر لیا۔ لیکن اصلی بوندی۔ بیر سنگھ کو جنم دینے والی بوندی ـــ آزاد ہو گئی اور

دنیائے نسواں

عورتوں ـــ نام

(از جناب وگیتا ساگر کرٹ بی۔ اے)

(ترجمہ خاص)

کچھ عرصہ سے انگریز حلقوں میں عورتوں کے ناموں کے متعلق ایک دلچسپ بحث چھڑی ہوئی ہے۔ چند مثل ہے کہ شادی کے بعد عورت اپنے خاوند کے گھر میں شامل ہوتی ہے اس نے اس کا بدلا نام رکھا جاتا ہے۔ بعض اقوام میں صرف سر نام یا لقب بدلا جاتا ہے اور بعض میں اصل پہلا نام بدل دیا جاتا ہے۔ یہ نام خاوند اور اس کے رشتہ داروں کی پسند کا ہوا کرتا ہے۔ مثال کے طور پر مہاراشٹر میں اگر کسی لڑکی کا نام پیلابائی ہے تو شادی کے بعد اس کا نام کملا بائی ہو جائے گا۔ نام کے بعد خاوند کا سر نام یا لقب لگا دیا جائے گا۔ اور سب سے پہلے "سوبھاگیہ وتی" یا جدید تہذیب کے مطابق "مسز" لگا دیا جائے گا۔ گویا اس کا پورا نام سوبھاگیہ وتی کملا گوکھلے یا مسز کملا ساگر ہو جائے گا اور اسی طرح اس کی سابقہ شخصیت فنا ہو جائے گی۔

عورتوں کے نام کی تبدیلی کے متعلق آج کل جو مشکلات ہیں۔ وہ ظاہر ہیں۔ تعلیم کی اشاعت کی وجہ سے اب لڑکیوں کی شادی زیادہ عمر میں ہونے لگی ہے۔ گویا ایک عورت اپنی نصف عمر ایک نام سے اور نصف دوسرے نام سے گزارتی ہے اور سکول اور کالج کے سرٹیفکیٹ یا بنک کی پاس بک وغیرہ پر نام بدلانے میں سخت تکلیف ہوتی ہے۔ یہ دقت مضمون نگار اور مصنفہ عورتوں کو اور زیادہ محسوس ہوتی ہے۔

فرض کیجئے کہ اگر کوئی مشہور اور مقبول اہل قلم اپنا نام بدل دے تو دوسرے نام سے اس کو پہچاننے کے لئے لوگوں کو ایک عرصہ درکار ہوگا۔ اور اس سے اس کی شہرت کو نقصان پہنچے گا۔ ممکن ہے کہ رانی لکشمی بائی راجواڑے۔ یا مسز سرلا آبائی تائبے یا صوفیہ سوبھی (رضا) یا مسز ارونا آصف علی جیسی بڑی بڑی شخصیتوں کو زیادہ مشکل نہ پڑے لیکن عام طور پر یہ چیز یقیناً غور طلب ہے۔ بعض عورتوں نے اس مسئلہ کو حل کرنے کی کوشش کی ہے۔ اکثر اپنا سابقہ نام اپنے خاوند کے نام کے ساتھ ملا کر لکھتی ہیں۔ لیکن جو خالی سابقہ نام لکھنے پر مصر ہوتی ہیں۔ ان پر چاروں طرف سے اعتراضات کی بوچھاڑ ہوتی ہے۔

بہرحال میرا یہ خیال ہے کہ ایک عورت اس شخص کی خاطر جو ساری زندگی کے لئے اس کی محبتوں کا مرکز ہو جاتا ہے اپنے اصل نام یا سر نام کی بھی قربانی کر سکتی ہے۔

مغربی ناموں کی تقلید

اس مضمون میں مسئلہ کے اس رُخ پر بحث کرنا مقصود نہیں ہے۔

گذشتہ ۱۵۰ برس کے برطانوی دور حکومت میں مغربی تہذیب و تمدن نے ہمارے اندر غلامانہ ذہنیت پیدا کر دی ہے۔ آج ہندوستان میں بہت کم ایسی خصوصیات باقی رہ گئی ہیں جنہیں وہ اپنا سمجھ کر ان پر ناز کر سکے۔ ہم نہ صرف مغربی لباس اور مغربی طرز معاشرت کی پیروی کرنے لگے ہیں بلکہ مغربی نام بھی اختیار کرتے جاتے ہیں۔ لیکن ہمیں فخر ہے کہ ہماری عورتیں اب بھی ہماری تہذیب و تمدن کی محافظ ہیں۔ مردوں نے کوٹ پتلون اور ہیٹ پہننا شروع کر دیئے ہیں لیکن عورتیں اب بھی ساڑھی زیب تن کرتی ہیں جو ہندوستانی نسائیت کا نشان اور ہماری تہذیب کا دلکش نمونہ ہے۔ لیکن جب ہم عورتوں کے ناموں کا خیال کرتے ہیں تو ہمیں ایک دوسری حالت نظر آتی ہے۔ اکثر لیڈی مہاراج سنگھ بیگم شاہنواز اور مسز جے۔ ایم۔ سین گپتا کے نام سننے میں آتے ہیں جن سے ظاہر ہوتا ہے کہ ان عالی قدر عورتوں کی اس سے زیادہ کوئی شخصیت نہیں ہے کہ وہ سر مہاراج سنگھ یا مسٹر شاہنواز یا مسٹر جے۔ ایم۔ سین گپتا کی بیویاں ہیں۔ آج ہمارے یہاں کی عورتوں اور پارٹیوں میں بھی مسٹر یا مسز ۔۔ ۔۔ کو مدعو کیا جاتا ہے۔ گویا کہ عورت کو صرف اس کے خاوند کی وجہ سے بلایا جاتا ہے۔ حالانکہ میرا عقیدہ ہے کہ عورتیں اب اتنی اہمیت حاصل کر چکی ہیں کہ اس کے جداگانہ مستقل نام ہونے چاہئیں۔

مس اور مسز کا ناروا رواج

"مس" اور "مسز" کے لفظ بھی بہت گمراہ کن اور غلط ہیں۔ اس کے بجائے دو قدیم لفظ "کماری" اور "سوبھاگیہ وتی" زیادہ صحیح ہیں۔ اول تو میری سمجھ میں نہیں آتا کہ شادی شدہ اور غیر شادی شدہ عورتوں کے لقب میں فرق ہی کیوں ہو۔ کسی لڑکی کا اپنے نام کے ساتھ "مس" لکھنا کیا یہ معنی نہیں رکھتا کہ وہ ہمیشہ اپنی شادی کا اشتہار دیا کرتی ہے۔ مردوں میں تو اس قسم کا کوئی فرق نہیں کیا جاتا۔ اور ہر ایک کے نام کے ساتھ مسٹر لکھا جا سکتا ہے۔ تو پھر عورتوں پر یہ ظلم کیوں

(باقی اگلے صفحہ پر)

ہفتہ کا مختصر خبریں

جرمنی کے ایک ذمہ دار افسر نے نمائندہ رائٹر سے انٹرویو میں فرانس کی مجوزہ شرائط کے بارے میں یہ ناممکن ہے کہ رائن لینڈ سے جرمن فوج کو واپس بلانے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔

قیاس غالب ہے کہ اگر جرمنی نے فرانس کی شرائط کو تسلیم کرنے سے انکار کیا تو فرانس جمعیت الاقوام کی کونسل کی میٹنگ میں یہ مطالبہ کرے گا کہ جرمنی کے خلاف تعزیری کارروائی کی جائے۔

دہلی - اسمبلی میں سوالات کے بعد صوبہ سرحد کے متعلق حکومت کی پالیسی کے خلاف مسٹر آصف علی کی تخفیف کی تحریک پر بحث شروع ہوئی - اور تحریک تالیوں کے درمیان ۵۸ ووٹ کے مقابلہ میں ۴۰ ووٹ سے منظور ہو گئی۔

پنڈت جواہر لال نہرو کے درشن کرنے کے لئے ہزاروں افراد آنند بھون میں جمع ہوئے۔ پنڈت جی اپنے گھر پہنچنے پر سیدھے اس کمرے میں تشریف لے گئے جس میں ان کی ماتا موجود تھیں۔ چونکہ وہ اپنی موجودہ صحت اور مسٹر کملا نہرو کے غم کی وجہ سے باہر آنے سے معذور تھیں۔

بابو راجندر پرشاد صدر کانگریس ۱۸ مارچ کو دہلی تشریف لے جائیں گے۔ جبکہ پنڈت جواہر لال نہرو کے بھی وہاں پہنچنے کی توقع کی جاتی ہے۔

پٹنہ - گنڈ حادہ بم کیس میں سیشن جج دربھنگہ کی عدالت سے صاحب کا فیصلہ سنا دیا گیا - اور برہم دیو نرائن ٹھاکر کو ۱۴ سال کے لئے کالا پانی اور

بنارس - پنڈت مدن موہن مالوی ناسک کے لئے روانہ ہو گئے - وہاں آپ ہریجن ادھار کے کام کے سلسلہ میں کئی روز تک ٹھہریں گے۔

چندر ناتھ مصر کو ۸ سال قید سخت کی سزا دی گئی - استغاثہ کا بیان تھا کہ یہ اشخاص موضع گنڈ حادہ میں بم بناتے تھے جبکہ ایک بم پھٹ گیا اور ایک شخص ہلاک ہو گیا۔

برطانوی ریڈ کراس ایمبولینس نے ریڈ کراس کے علامات کو نرنگ کر دیا ہے اور اسے اب ایک ایسی جگہ منتقل کر دیا گیا ہے جہاں حکومت حبش نے اٹلی کے ہوائی جہازوں کے حملوں سے بچاؤ اور ان کی حفاظت کا کافی انتظام کر دیا ہے۔ بمباری کے خوف سے سرکاری افسروں نے شاہی محل کو خالی کر دیا۔

کہا جاتا ہے کہ ایک اطالوی ہوائی جہاز گذشتہ بدھ کو کورم کے قریب دیوار میں بم برسانے کے بعد جھیل اشانگی میں غرق ہو گیا۔

موضع آنولہ ضلع بریلی سے اطلاع ملی ہے کہ ہندوؤں اور مسلمانوں کے درمیان فساد ہوگیا جبکہ ہولی کا جلوس نکالا جا رہا تھا۔ بیان کیا جاتا ہے کہ آگ لگانے سے کئی مکانات کو نقصان پہنچا۔ دو اشخاص ہلاک ہوگئے۔ ڈسٹرکٹ مجسٹریٹ اور دیگر حکام موقع پر پہنچ گئے

کلکتہ میں ہولی کا تہوار امن و امان کے ساتھ ختم ہوگیا مگر ایک معمولی سا واقعہ [illegible] اشخاص مجروح ہوگئے۔ بیان کیا جاتا ہے کہ مسلمان لڑکے پر رنگ کا [illegible] جس سے جھگڑا شروع ہوگیا۔ چار اشخاص گرفتار کیے گئے۔

فرانس اور جرمنی میں پھر وہی منظر درپیش ہے جو ۱۹۱۴ء میں تھا۔ جبکہ دونوں طرف سے لڑائی کی تیاری ہو رہی تھی اور فوجوں کی نقل و حرکت شروع ہوگئی تھی۔ فرانس نے فرانسیسی سرحد پر اپنی فوجیں بھیجنا شروع کر دی ہیں۔ بیس ریل گاڑیاں [illegible] فوج اور دیگر سامان حرب سے بھری ہوئی تھیں۔ [illegible] سے سرحد کے [illegible] ہوئیں۔ ادھر علاقہ سار میں جرمن فوجیں تعینات ہوگئی ہیں اور انہوں نے بلند مقامات پر ڈیرے ڈال دیئے ہیں

الہ آباد پنڈت جواہرلال نہرو نے جہاز سے اترنے کے بعد اپنے خاندان کے افراد کو ایک چھوٹی سی صندوقچی دی جو کہ پھولوں سے لدی ہوئی تھی اور جس میں شریمتی کملا نہرو کے پھول رکھے ہوئے تھے۔ آج شہر میں مکمل ہڑتال منائی جا رہی ہے۔ کاروبار بالکل ملتوی ہوگیا ہے اور میونسپل کمیٹی کے دفاتر اور اسکول بند ہوگئے ہیں۔

اخبار ڈیلی ایکسپریس کا بیان ہے کہ برطانی وزیراعظم مسٹر بالڈون برطانی کیبنٹ میں معمولی تبدیلی کرنے پر غور کر رہے ہیں

[illegible] پیش کر دیا جائے گا جو آبی اور بری ہوائی سروس کا انچارج بنا دیا جائے گا۔

متنازعہ علاقہ رائن لینڈ میں جرمن فوجیں بھیجکر ہر ہٹلر نے فرانس کو زبردست چیلنج دیا تھا فرانس نے اسکو منظور کر لیا ہے۔ فرانسیسی کیبنٹ کا ایک اجلاس ہوا جس میں

ہر ہٹلر [illegible] بحر روم اور ذرائع ہوائی کا اختیار دے دیا ہے کہ وہ حالات کے مطابق جو کارروائی مناسب سمجھیں کریں

تقدیر اور تدبیر

(از جناب گردش کلیم پوری)

..........(خاص تیج دیکلی کے لئے)..........

ہندوستان میں سب سے زیادہ تباہ کن سیلاب قسمت کا رونا ہے۔ اور یہ قسمت کا سوال اس قدر بھی الہیات ہے کہ ہر ہندوستانی نوجوان اس کو مد و دان سے لگے ہوئے ہے۔ قسمت کے مقابلے میں ہم کیا کر سکتے ہیں۔ ہماری بساط ہی کیا ہے! ہم سے ہو ہی کیا سکتا ہے۔ نزدیکہ بغیر کچھ کئے دھرے یہ کہنا بہت آسان ہے کہ وہی ہوگا جو قسمت میں لکھا ہے۔

اگر آپ تھوڑی دیر کے لئے اس امر پر غور فرمائیں تو آپ کو معلوم ہوگا کہ اس قسمت کے معاملہ نے ہمارے نوجوانوں میں ایک عالمگیر بے دلی اور تباہی پیدا کر دی ہے۔ اور بہت سی ترقیوں میں ستدباہ پیدا کر رہی ہے۔ لاکھوں ہندوستانی آپ کو ایسے ملیں گے جو (نہ پیر ہلائے بغیر قسمت پر شاکر و صابر پڑے رہنے کے عادی ہو گئے ہیں۔ اور ان کے لئے کوشش اور جدوجہد کرنا جیا پاپ ہے۔ اگر کوئی کام کرنے کو تیار بھی ہوئے اور کہیں ذرا بھی ناکامی یا مشکلات کا سامنا کرنا پڑا تو بس پھر بیٹھ جائیں گے۔ اور اگر کسی بندۂ خدا نے کچھ پوچھا تو بڑی آسانی سے یہ کہہ دیں گے کہ یہ تو ہماری قسمت کا نہیں معلوم ہوتا اگر یہ ہماری تقدیر میں ہوتا تو فلاں فلاں مشکلات کیوں سامنے آتیں۔ اس لئے کہ جب تقدیر کا ہوتا ہے تو گھر بیٹھے ملتا ہے وغیرہ وغیرہ

ہمارے نوجوان خود اپنی عزت کرنا نہیں جانتے۔ حالانکہ خود داری وہ اعلیٰ اور بہترین انسانی جوہر ہے جو تمام ترقی یافتہ اقوام کی تخلیقی اجزا کے لئے از بس ضروری ہے۔ تمام لغویات اور کمزوریوں سے بچنے اور ارتقائی منازل کی طرف بڑھنے اور کامیاب ہونے کا ایک ہی ذریعہ ہے جب کہ یورپین مفکر بیکن کا مقولہ ہے کہ:۔

"دنیا میں مذہب کے بعد خود کو جرم و گناہ سے بچانے کے لئے اور زندگی کی جدوجہد میں کامیاب ہونے کے لئے اس امر کی اشد ضرورت ہے کہ انسان خود اپنی عزت کرنا جانتا ہو"

جو لوگ خود اپنی عزت نہیں کر سکتے۔ اور اپنے آپ کو ذلیل تصور کئے رہتے ہیں وہ دوسروں کی نگاہوں میں کبھی عزت حاصل نہیں کر سکتے۔

خود داری سے یہ مطلب ہرگز نہیں ہو سکتا کہ ہم چھوٹے کام کرنے میں اپنی توہین سمجھیں۔ یہ خود داری کا بالکل غلط مفہوم ہے۔ ہر معقول اور شریفانہ ذریعہ سے روزی حاصل کرنا یا جائز صورتوں میں کسی کام کے لئے جدوجہد کرنا اچھا کام ہے۔ اصلی برائی خلاق کی پستی ہے۔

اگر آپ دنیا کے بڑے بڑے لوگوں کے سوانح حیات کا مطالعہ کریں تو آپ کو آسانی سے معلوم ہو جائے گا کہ ان میں سے صرف انہیں لوگوں کو کامیابی حاصل ہوئی ہے جو قسمت کی پروا کئے بغیر مشکلات اور ناکامیوں کا مقابلہ کرتے رہے۔ اور باوجود پے در پے ناکامیوں اور پیہم مصائب کے کبھی ہراساں نہ ہوئے۔ کوئی وجہ نہیں کہ ہم ان لوگوں کے تجربہ سے فائدہ نہ اٹھائیں۔ آیئے آج ہم ہزار اشتہارتوں میں سے چند واقعات آپ کے سامنے دوہرائیں۔ جن سے آپ کو اندازہ ہوگا کہ کس طرح تقدیر، تدبیر سے تخلیق ہوتی ہے۔ بشرطیکہ مشکلات اور ناکامیوں کا پامردی اور اولوالعزمی سے مقابلہ کیا جائے۔

پولین نے "سینٹ برنارڈ" کے خوفناک دروں کے حالات معلوم کرنے کے لئے جو انجنیئر بھیجے تھے ان میں سے ایک سے دریافت کیا:۔
"کیا یہ ممکن ہے کہ ہم دروں کو عبور کر سکیں؟"
اس نے تامل سے جواب دیا:۔
"شاید یہ ممکن ہو سکے"

نپولین نے وہاں کی لاکھوں تکالیف اور دقتوں کو بالائے طاق رکھ کر "آگے بڑھو" کا حکم دے دیا۔ انگلستان اور آسٹریا نے جب یہ سنا کہ نپولین کوہ ایلپس جیسے پہاڑ کو جہاں کبھی کسی گاڑی کا پہیہ بھی پہلے نہ چلا تھا مع ساٹھ ہزار فوج اور توپ خانہ اور وزنی سامان جنگ کے عبور کرنا چاہتا ہے تو انہوں نے اس کا خوب مضحکہ اڑایا۔ مگر وہ اپنے ارادے کا پکا تھا۔ اس نے موقع اور وقت کا انتظار نہیں کیا۔ اور وہ کام جسے زمانہ ناممکن سمجھتا تھا کر کے دکھا دیا۔

جب نپولین کی فتح ہو چکی تو بہت سے لوگوں نے خیال کیا کہ یہ تو مدتوں پہلے بھی ہو سکتا تھا۔ جنہوں نے یہ عذر پیش کیا تھا کہ ایسی بے پایاں تکالیف کا سامنا ہم سے تو نہیں ہو سکتا

(باقی مضمون اگلے صفحہ پر)

جادو کا چہرہ

(از جناب اُلفت بی-اے، وزیرآبادی)
(خاص تیج دیکلی کے لئے)

کسی زمانے میں ایک بلند نام اور زبردست بادشاہ حکومت کرتا تھا جس نے اپنی فوج کی مدد سے دو بڑے بڑے ملک فتح کر لئے مگر باوجود دانا اور جری ہونے کے وہ ہر دلعزیز نہ تھا۔ کیونکہ اسکا چہرہ وحشت ناک تھا۔ ماتھے پر تیوری تھی۔ بد مزاج تھا اور لبوں پر مسکراہٹ نام کو نہ تھی۔ ایک دفعہ اس نے ایسا ملک فتح کیا جس کی عنان حکومت ایک شہزادی کے ہاتھ میں تھی جو بہت خوبصورت تھی۔ بادشاہ اس کو دیکھتے ہی فریفتہ ہو گیا۔

لیکن جب وہ شاہی لباس پہن کر آئینہ کے سامنے گیا تو اپنا وحشیانہ چہرہ دیکھ کر خود متنفر ہو گیا۔ اس نے مسکرانے کی لاکھ کوشش کی مگر ناکام رہا۔ آخر بہت غور و فکر کے بعد اسے ایک تدبیر سوجھی۔ اس نے اپنے درباری ساحر کو بلایا اور حکم دیا کہ ایک ایسا موم کا چہرہ تیار کیا جائے جو خوبصورت اور خنداں ہو۔ اور ایسا چپکا ہو کہ اسکے اتارنے کی ضرورت نہ پڑے۔

ساحر نے عرض کیا غلام حاضر ہے۔ مگر شرط یہ ہے کہ آپکو اپنا چہرہ اس چہرے کے مطابق رکھنا پڑیگا تاکہ وہ بگڑ نہ جائے ورنہ نقلی چہرہ خراب ہو کر گر پڑے گا۔ اگر آپ اس شرط پر رضامند ہوں تو بندہ تعمیل حکم کو حاضر ہے۔

بادشاہ ارادے کا مضبوط تھا۔ اس نے جواب دیا کہ جو تم کہو گے وہ کرنے کو تیار ہوں۔ ساحر بولا کہ آپ نیک خیالات اور نیک افعال کی عادت پیدا کریں۔ بجائے سلطنت کی توسیع میں کوشاں رہنے کے رعایا کو خوشحال رکھنے کی تجاویز سوچیں۔ قلعے تعمیر کرانے کے بجائے مکاتب کھولیں۔

بادشاہ نے سب کچھ مان لیا۔ چہرہ تیار ہو گیا اور بادشاہ کو پہنا دیا گیا۔ تو کوئی معلوم نہ کر سکا کہ وہ نقلی ہے۔ شہزادی نے جب بادشاہ کو دیکھا۔ تو بہت پسند کیا اور شادی کرنے پر رضامند ہو گئی

بیسے گذر گئے۔ بادشاہ ساحر کی شرائط پر کاربند رہا اور کسی نے اسکے چہرہ پر غصہ یا قہر کی علامت نہ دیکھی کیونکہ بادشاہ کو معلوم تھا کہ چہرہ نقلی ہے۔ نہ جانے کب خراب ہو کر گر پڑے اور شہزادی کو اصلیت کا پتہ لگ جائے۔

پس اس نے ساحر کو بلا بھیجا اور کہا کہ مجھ سے ضبط نہیں ہو سکتا۔ یہ نقلی چہرہ میرے منہ سے اتار دو۔

ساحر نے جواب دیا کہ حضور اگر ایک دفعہ چہرہ اتر گیا تو پھر نہ بن سکیگا۔ اور پھر آپ کو اپنے اصلی پر ہی اکتفا کرنا پڑے گا۔

بادشاہ نے کہا :-

"کچھ پروا نہیں۔ میں زیادہ دیر تک اپنی محبوبہ کو مغالطہ میں رکھنا نہیں چاہتا۔ بہ نسبت اس کے کہ میں اس کے ساتھ فریب کھیلوں یہ بدرجہا بہتر سمجھتا ہوں کہ وہ مجھے حقارت کی نظر سے دیکھے۔

پس ساحر نے وہ نقلی چہرہ اتار لیا۔ اور جب بادشاہ نے اپنا چہرہ آئینہ میں دیکھا تو اسکی آنکھیں روشن تھیں۔ لبوں پر مسکراہٹ نمایاں تھی۔ تیوری غائب تھی اور اس کا اصلی چہرہ نقلی چہرہ سے ہو بہو مشابہ تھی۔ کیونکہ ساحر نے کوئی نقلی چہرہ بنایا ہی نہ تھا۔ صرف مدۃ کی کوشش سے بادشاہ کی صورت میں اس قدر فرق پڑ گیا تھا۔

ادبِ لطیف:- نفرت

(از جناب حکیم برج لال بسنت درد)
(خاص تیج دیکلی کے لئے)

موت .... اپنے .... سیاہ فولادی ہاتھ کو مجھ سے دور رکھ۔ میں ... تجھ سے نفرت کرتا ہوں

کیوں؟ اس لئے کہ

پاپی۔ تجھ سے مدد چاہتے ہیں۔
ناکام محبت۔ تجھ سے پناہ چاہتے ہیں۔
غریب تجھ سے سہارا چاہتے ہیں۔
بیمار تجھ سے آسرا چاہتے ہیں۔

مگر

میں کوئی پاپی نہیں " " جو تجھ سے مدد مانگوں " ہاں اگر پریم کرنا پاپ ہے تو میں ضرور پاپی ہوں لیکن میں تمام تکلیفوں کو خوشی سے برداشت کرنے کی ہمت رکھتا ہوں۔

میں کوئی ناکام محبت نہیں۔ پھر میں تجھ سے پناہ کی درخواست کیوں کروں۔ کیونکہ مجھ کو میری محبت کا جواب محبت سے ملتا ہے۔

میں کوئی غریب نہیں جو تجھ سے سہارا مانگوں جبکہ میرے پاس اس کی محبت کا نہ ختم ہونے والا سرمایہ موجود ہے؟

میں کوئی بیمار نہیں۔ ہاں بیمار محبت ضرور ہوں مگر مرض محبت کا علاج تیرے پاس بھی نہیں۔ پھر میں تجھ سے آرام کی توقع کیوں رکھوں؟

تو نے :-

تباہ کر دیا ---- کروڑوں خاندانوں کو
ویران کر دیا ---- لاکھوں بستیوں کو
برباد کر دیا ---- ہزاروں دیوانوں کو
نثار کر دیا ---- سینکڑوں ہستیوں کو

پھر بھی تو نفرت کا سبب پوچھتی ہے؟

بقایا مضمون صفحہ (۲۶)

جاتا ہے۔ اور مین وقت پر ہونے والے گل
لے حاضر رہتا ہے۔ کیا خوب نازک خیالی ہے۔ شاعری
دلفریب امکانات اور تخیل کی قوت علیحدہ ہے۔ کلام کی
سلاست و پختگی قابل تعریف ہے۔

محبت اور وفاداری کے موضوع پر اردو شعرائے قابل لحاظ
گل ریزیاں کی ہیں۔ لیکن ہندی شعراء کے خیالات بھی ان
کے ہم پایہ ہیں۔ تلسی داس کا بھی اسی موضوع پر ایک نصیحت
آمیز دوہا ملاحظہ ہو۔

مو رستر سوں پریتی کری ہے آن کہ آن
جاکے من نج پریم نہیں دورسے مدائے جان

جو شخص دل میں خدمت اور زبان پر دوستی رکھتا ہے وہ
قابل دوستی نہیں ہے۔ تلسی داس جی فرماتے ہیں کہ جو دوست
محبت کا مدعی بن کر دل میں کچھ اور ظاہر کچھ اور رکھتا ہے۔
ایسے دوست نما دشمن ہی نہیں بلکہ اسکو ٹھگ اور راہزن
جاننا چاہیئے۔ راہ الفت میں اس سے زیادہ خوبی کا اور
کیا موقع ہو سکتا ہے۔ وہ محبت نہیں کرتا بلکہ فریب
دینا چاہتا ہے۔ اور دوکون پردہ زبان رسانی کی
تراکیب پر عمل پیرا رہتا ہے۔ فارسی کے مشہور
شاعر سعدی کا ایک قطعہ ملاحظہ ہو۔

دوست مشمار آنکہ در نعمت زند
لاف یاری و برادر خواندگی
دوست آں باشد کہ گیرد دست دوست
در پریشاں حالی و درماندگی

علاوہ ازیں تلسی داس کے جذبات کا ایک نمونہ
اور ملاحظہ ہو۔

سیوک بشٹھ نرپ کرپن، کو ناری
کپٹی متر سولہ سم چاری
ڈراتے ہیں کہ بیوقوف نوکر۔ حریص راجہ۔ بدچلن
بیوی اور فریبی دوست۔ ان چاروں کو خار کے مانند
سمجھنا چاہیئے۔ جیسے کانٹا چبھ کر زخم پہنچاتا ہے
اسی طرح موقعہ ملنے پر یہ چاروں بغیر نقصان پہنچائے
نہیں رہتے۔ اور ان کا منشائے دوستی یہی ہوتا ہے
ایک دوہا اسی موضوع پر اور ملاحظہ ہو۔

جاکر چت اہی گتی سم بھائی
تس متر کو تیاگے پری ہوئے بھلائی

ایسے دوست نما دشمن کا دل سانپ کی طرح ہے
یعنی وقت پر وہ کاٹے نہیں چھوڑتا۔ اس دوست سے
دور رہنا ہی بہتر ہے ورنہ تباہی کے خطرات کا
اندیشہ ہے۔

کیا خوب نرالی کلام ہے کہ لفظ لفظ سے نصیحت
ٹپکتی ہے۔

تلسی داس نے بہت سے موضوعات پر دفتر کے دفتر
[illegible] ہم دیگر مضامین پر آئندہ
تبصرہ کریں گے۔

کیا بجا ؟
{صفحہ نمبر (۱۶) سے آگے}

ہم نے کانوں پر ہاتھ رکھتے ہوئے کہا۔ "بس جناب بس اب
حد ہو گئی"

ہمسفر نے نہایت سنجیدگی سے کہا۔ "جی نہیں اس میں
خفا ہونے کی گنجائش نہیں کہ جب آپ میرے
مہمان ہوتے تو میری لڑکی سے ملاقی کرنے پر مجبور ہو جاتے
اس لئے کہ وہ ہے ہی ایسی خوبصورت۔ جب آپ کی اس
سے دوستی ہو جاتی تو آپ"

ہمسفر یہیں تک کہنے پائے تھے کہ ایک اسٹیشن پر گاڑی
ٹھہری اور ہمسفر نے اس گفتگو کا سلسلہ چھوڑ کر قلی کو آواز دی
کہ اسباب اٹھائے۔ ہم نے پوچھا کہ کیا آپ اسی اسٹیشن
پر اتر رہے ہیں ؟

ہمسفر نے لاپرواہی سے جواب دیا۔ "جی ہاں۔ خدا
نہیں اتر دوں گا۔ ایک کام ہے"

اس کے بعد اپنا تمام سامان اتروا کر خود بھی پلیٹ فارم پر چلے گئے
اور قلی کو بگیج وان سے سامان اترنے کے لئے رسید دیکر ہم سے کہا۔
"ہاں جناب تو جب میری لڑکی سے آپ کی دوستی بہت بڑھ
جاتی تو آپ مجھکو شادی کی درخواست ضرور دیتے"
ہم نے چونک کر کہا۔ "یہ آپ کیا کہہ رہے ہیں"
ہمسفر نے اپنے اسی لاپرواہی کے انداز سے کہا۔
"میں واقعہ عرض کر رہا ہوں۔ ہاں تو آپ شادی کی درخواست
دیتے مگر میں اسکو منظور نہیں کر سکتا تھا۔ اور یقیناً میں اپنی
لڑکی کی شادی ایک ایسے شخص سے ہرگز نہیں کر سکتا
جس کے پاس ایک گھڑی بھی نہ ہو۔ جو دوسروں سے پوچھتا
پھرے کہ کیا بجا ہے ؟"

ہم نے کچھ کہنا چاہا۔ مگر ہمسفر نے بات روک کر طور ہی
کہا۔ "معاف کیجئے گا میری اس صاف گوئی کو

آداب عرض"
قبل اس کے کہ ہم معافی کے لئے ہاتھ بڑھائیں ہمسفر اور ہم
اور ٹرین دور دور روانہ ہو گئی۔

آرفنڈل

آل انڈیا صنعتی سودیشی نمائش دہلی میں جہاں اور بہت
سے شال نما لیے ہیں۔ وہاں آرفنڈل کا شال بھی اپنی
شان کا ایک شال ہے۔ آرفنڈل سے غیر ملکی ڈریسوں کے
مقابلہ پر دیسی ڈور یہ قیمتوں میں اندر ان تیار کر کے
ایک بہت بڑی ضرورت کو پورا کیا ہے۔

اس کے علاوہ شال کی ایک یہ بھی خصوصیت ہے
کہ یہاں قمیص کے کپڑے سوا تین تین گز کے ٹکڑوں
کی صورت میں ملتے ہیں جنہیں بہت سے ڈیزائن ہیں۔
آرفنڈل کے لوکل ایجنٹ میسرز بی سیلم۔ ملک چند ہیں۔

[illegible] کا ایک سین

آدرش چترا لمیٹڈ کا نیا سوشل دلچسپ ڈرامہ جسمیں تعلیم یافتہ ایکٹر اور ایکٹریس کام کرتے ہیں نیو رائل سنیما میں چل رہا ہے

نیا زمانہ کا ایک سین

پریمئر فلم کمپنی کا مشہور جو کہ بہت جلد آرہا ہے

خون کا خون میں
بائی شمشاد بائی

جوکہ ایلفنسٹن ٹاکیز میں چل رہا ہے

• هلال عید عرف حور سمندر • میں

قوم سقر اسوریا

Printed and Published by ...bhar Gopal Gupta at the ... Press ...

The TEJ ILLUSTRATED Weekly

تیج ویکلی

ہندوستان کا بہترین باتصویر ہفتہ وار اخبار

NO. 80 DELHI 24TH MARCH 1936. V. NO. 14.

بجلی کا سب سے بڑا پلانٹ

لاس انجلز میں شہر کو بقعہ نور بنانے کے لئے بجلی کے ایسے بڑے بڑے پندرہ پلانٹ لگائے جائینگے

TEJ WEEKLY

قیمت فی پرچہ دو آنہ

Price TWO Annas.

افکارِ عالم

(از حضرت سیمابؔ اکبرآبادی)

جلوۂ صد رنگ سے نظریں پریشان ہوگئیں — پھر سجاؤ محفلیں میری جو ویران ہوگئیں

جو امیدیں غم کی راتوں کا چراغاں ہوگئیں — صبح ہوتے ہوتے سب خوابِ پریشان ہوگئیں

شورِ وحشت کو سلیقہ ہی نہ آیا ضبط کا — اور کڑیاں واقفِ آدابِ زندان ہوگئیں

عشق کی دشواریاں ہیں حاصلِ ناممکنات — مشکلیں ہی وہ نہ تھیں شاید جو آسان ہوگئیں

کس قدر تھیں شوخ، سوزِ عشق کی چنگاریاں — راکھ ہوکر شاملِ ترکیبِ انسان ہوگئیں

میں نے کچھ دل میں لگا رکھی تھیں گرہیں ضبط کی — وہ بھی صرفِ بخیۂ چاکِ گریبان ہوگئیں

اپنے اپنے رُخ سے تھیں ہموار راہیں عشق کی — جب قریبِ منزل آپہونچیں پریشان ہوگئیں

کثرتِ تعمیرِ عالم وجہ بربادی ہوئی — بڑھ گئیں آبادیاں اتنی کہ ویران ہوگئیں

میں نے جن اینٹوں پر آزادی کی رکھی تھی اساس — میری قسمت سے وہی بنیادِ زندان ہوگئیں

پوچھتا کیا ہے غلط اندیشئ ذہنِ نشاط — خوبصورت نیکیاں جتنی تھیں عصیان ہوگئیں

تیرے دیوانے نے چھیڑا سازِ غم کچھ اس طرح — جھوم کر زنداں کی دیواریں غزلخوان ہوگئیں

تو نے تازہ تربتیں گن کر بہت ماتم کیا — جمع کر ان میں وہ قبریں بھی جو ویران ہوگئیں

اپنی دُھن میں عشق نکلا صد تباہی در نگاہ — جو زمینیں سامنے آئیں بیابان ہوگئیں

چھپنے والی صورتوں کو دے نہ الزامِ حجاب
خاک میں کردی گئیں پنہاں کہ پنہاں ہوگئیں

حیلہ سازی

TWO CRORES HOWRAH BRIDGE CONTRACT

ENGLAND انگلستان

GERMANY جرمنی

POLITICAL INSECURITY

کسٹم ڈیوٹی کا نقصان

PREMIUM & LOSS OF CUSTOMS DUTY

کسٹم ڈیوٹی کا نقصان

PORT COMMISSIONER

INDIA ہندوستان

ہوڑہ کے پل کی تعمیر کی کمیٹی نے سفارش کی ہے کہ اس پل کی تعمیر کا ٹھیکہ برطانی فرم کو دے دیا جائے۔

ملک معظم ایڈورڈ ہشتم کی آمدنی

ترجمہ خاص برائے تیج ویکلی

دارالعوام کے ۱۱ مارچ کے اجلاس میں برطانیہ کے وزیر خزانہ نے اعلان کیا کہ ملک معظم نے سول لسٹ کی جدید ترمیم کے پیش نظر یہ طے کیا ہے کہ شاہی جدی آمدنی غیر مشروط طریق پر دارالعوام کے سپرد کر دی جائے۔ لیکن اس کے ساتھ ہی ملک معظم کی یہ خواہش ہے کہ سول لسٹ ترتیب دیتے وقت ان کی شادی کے امکان کو ملحوظ رکھا جائے۔ اور اس صورت میں ملکہ اور ان کی اولاد کے لئے معقول انتظام کیا جائے۔

اس کے علاوہ ملک معظم کی یہ بھی خواہش ہے کہ یعنی ولی عہد (ڈیوک آف یارک) کے لئے ڈچی کارنوال کی شاہی جائداد سے مالی انتظام کر دیا جائے۔

کارنوال کا علاقہ ولی عہدی کے زمانہ میں ملک معظم کی ذاتی ملکیت تھا۔ لیکن اب بادشاہ ہو جانے کے بعد چونکہ ان کے کوئی اولاد نہ تھی۔ اس لئے اہل الرائے حضرات میں اس مسئلہ پر اختلاف تھا کہ آیا ایسی صورت میں یہ جائداد ملک معظم کے قبضہ میں رہنی چاہیئے۔ یا عارضی ولی عہد کے سپرد کر دینی چاہیئے لیکن ملک معظم نے مذکورہ بالا فیصلہ سے اس مسئلہ کو طے کر دیا۔

ایک ماہر مالیات نے نہایت احتیاط سے حساب لگا کر یہ رائے ظاہر کی ہے کہ شاہ برطانیہ اور شہنشاہ ہند کو تمام ضروری ٹیکس اور لازمی اخراجات وغیرہ ادا کرنے کے بعد صرف دو ہزار پونڈ سالانہ ذاتی اخراجات کے لئے بچتے ہیں۔ جو گرانی کے موجودہ زمانہ میں قطعی ناکافی ہیں۔ اس لئے دارالعوام نے ایک کمیٹی اس غرض سے مقرر کی ہے کہ وہ ملک معظم کے تمام مالی معاملات پر نظر ثانی کرے۔

چنانچہ اسی نظر ثانی کے پیش نظر ملک معظم نے مذکورہ بالا تجاویز پیش کی ہیں۔

جب شہنشاہ ایڈورڈ ہشتم کا انتقال ہوا ہے تو موجودہ ملک معظم کی عمر ۱۶ سال کی تھی۔ یعنی آپ ۱۶ سال کی عمر میں ولی عہد مقرر ہوئے۔ اب جب کہ آپ بادشاہ ہو گئے ہیں، تو آپ کے کوئی اولاد نہ ہونے کی وجہ سے آپ کے بھائی ڈیوک آف یارک کو عارضی ولی عہد بنایا گیا ہے۔ موجودہ سول لسٹ کے لحاظ سے ان کو صرف ۲۵ ہزار پونڈ سالانہ ملتا ہے۔ لیکن ولی عہدی کی وجہ سے ان کے اخراجات میں غیر معمولی اضافہ ہو جائے گا۔ اس وجہ سے ملک معظم نے ان کے لئے معقول انتظام کرنے کی سفارش کی ہے۔

علاقہ کارنوال کی آمدنی

کارنوال کے علاقہ اور جنوبی لندن کی شاہی جائداد سے تقریباً ڈھائی لاکھ پونڈ کی آمدنی ہوتی ہے۔ لیکن اس میں سے انتظامی اور متفرق اخراجات وضع کرنے کے بعد ملک معظم کو ولی عہدی کے زمانہ میں کوئی ۷۰ ہزار پونڈ سالانہ بچتے تھے۔ اس رقم میں سے عام لوگوں کی طرح آپ کو بھی انکم ٹیکس اور دیگر ٹیکس وغیرہ ادا کرنے پڑتے تھے۔ اس کے علاوہ "قومی ضروریات کے لئے" نی پونڈ ۱ شلنگ کی تخفیف آپ نے خود کر دی تھی۔

عام طور پر لوگ یہ سمجھ نہیں سکتے کہ شہنشاہ برطانیہ کو کن کن مشکلات سے بادشاہی کا رکھ رکھاؤ سنبھالنا پڑتا ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ برطانیہ کو اپنے بادشاہ کی بیش بہا خدمات صرف دو ہزار پونڈ سالانہ میں حاصل ہیں۔

شاہی خاندان کا وظیفہ

برطانوی پارلیمنٹ ہر سال شاہی خاندان کے لئے چار لاکھ ۷۰ ہزار پونڈ منظور کیا کرتی ہے۔ اس رقم کثیر سے لوگوں کو سخت غلط فہمی ہوتی ہے۔ اور ان کی سمجھ میں یہ نہیں آتا کہ اس روپیہ میں شہنشاہ جارج پنجم اور ملکہ میری کو اپنے اخراجات پورے کرنے میں کیوں مشکل پیش آتی تھی۔ اس لئے آیئے ذرا شاہی خانگی اخراجات کا جائزہ لیں۔

بادشاہ کے نجی حسابات کبھی شائع نہیں ہوتے لیکن اتنے حالات عام طور پر معلوم ہیں کہ ایک ایسا اندازہ کیا جا سکتا ہے جس سے لوگ حیرت زدہ ہو جائیں گے۔

شاہی وظیفہ ۱۹۱۰ء میں طے ہوا تھا۔ اس کے بعد جنگ عظیم نے ہر قسم کے اخراجات میں غیر معمولی اضافہ کر دیا۔ لیکن پھر بھی یہ وظیفہ جوں کا توں رہا۔ اس پر مستزاد یہ کہ جب کساد بازاری کی وجہ سے عام طور پر قومی اخراجات میں تخفیف کی گئی تو ملک معظم نے بھی اس میں شریک ہونے پر اصرار کیا۔ اور پچاس ہزار پونڈ سالانہ کی اس میں مزید تخفیف کر دی۔

اب ملاحظہ کیجیئے کہ اگرچہ ایک طرف تو اخراجات کی شرح زیادہ اور آمدنی میں کمی ہو گئی لیکن دوسری طرف ان لوگوں اور افسروں کی تنخواہیں گرانی کی وجہ سے دوگنی ہو گئیں جو بادشاہ سے متعلق ہیں یا جن کا رزق خدا نے بادشاہ کی آمدنی میں اتارا ہے۔

(باقی اگلے صفحہ پر)

{پچھلے صفحہ سے}

ہاں تو بادشاہ کی چار لاکھ ستر ہزار پونڈ کی آمدنی میں سے مذکورہ بالا پچاس ہزار بسلسلہ تخفیف وضع ہو کر چار لاکھ بیس ہزار رہ جاتے ہیں۔ پھر اس میں سے حسب ذیل شاہی اخراجات کے سلسلہ میں ۳ لاکھ ۶۰ ہزار خزانہ وضع کر لیتا ہے۔

شاہی خاندان کے افراد کی تنخواہیں ۱۲۵۰۰۰ پونڈ

شاہی خانگی اخراجات	۱۸۳۰۰۰ "
شاہی محل کے اخراجات	۲۰۰۰۰ "
شاہی عطیے	۱۵۰۰۰ "
دیگر شاہی اخراجات	۸۰۰۰ "
متفرق	۹۰۰۰ "
میزان	۳۶۰۰۰۰ "

اس طرح گویا بادشاہ کی جیب تک صرف ۶۰ ہزار پونڈ سالانہ پہنچتے ہیں۔ پھر اس میں سے بھی ایسے لازمی اخراجات کرنے پڑتے ہیں جن پر بادشاہ کو کوئی اختیار نہیں ہے

اس سلسلہ میں سب سے بڑی مشکل یہ ہے کہ اگرچہ اب سے پچیس برس پہلے موجودہ شاہی آمدنی اخراجات کے لئے بالکل کافی تھی لیکن اب اخراجات کے معیار کے بڑھ جانے سے آمد و خرچ برابر نہیں رہا ہے اور یہ اضافہ معیار شاہی خاندان پر سب سے زیادہ بار ڈال رہا ہے چنانچہ بجٹ اخراجات کے ہر شعبہ میں ملکہ معظم نے انتہائی کفایت شعاری سے کام لیا۔ جہاں کوئی عہدہ خالی ہوا فوراً اسے تخفیف کر دیا اور مختلف معاملات میں بھی نہایت احتیاط اور سخت نگرانی کی۔ لیکن اس کے باوجود تین سال ایسے گذرے۔ جب خرچ آمدنی سے بڑھ گیا۔ یعنی سنہ ۱۹۱۹ء میں پچیس ہزار پونڈ کی کمی پڑی۔ سنہ ۱۹۲۰ء میں ۵۴ ہزار پونڈ کی۔ اور سنہ ۱۹۲۱ء میں ۳۰ ہزار پونڈ کی۔ لیکن آپ اس خرچ کو مسرفانہ کہہ کر اسے اس کمی کا باعث قرار نہیں دے سکتے۔ دراصل معیار زندگی کا بلند ہو جانا اور قیمتوں میں اضافہ ہو جانا اس کی وجہ تھی۔

غرضیکہ ملک معظم کے مالی حالات اس حد تک خراب ہو گئے اور وہ اتنے مقروض ہو گئے کہ انہیں اپنی لنکاسٹر کی جائداد کے روپیہ سے کام لینا پڑا۔ اگست سنہ ۱۹۲۱ء میں وہ خود لنکاسٹر تشریف لے گئے اور ایک لاکھ پونڈ وصول کر کے لائے۔ جب کہیں جا کر شاہی قرضے ادا ہو سکے۔

اس کے علاوہ شہنشاہ اور ملکہ نے ایک ریزرو فنڈ قائم کیا تھا۔ اس سے بھی حالات کے درست کرنے میں بہت مدد ملی۔

بہت کم لوگ یہ جانتے ہیں کہ بادشاہ کے ذمہ کیا کیا خرچ لگے ہوئے ہیں۔ قریب قریب ڈیڑھ سو افراد خاندان کو انہیں پنشن دینا پڑتی ہے۔ جن کے لئے ملک کی جانب سے کوئی انتظام نہیں ہے۔

اس کے علاوہ ہزاروں پونڈ سالانہ خیراتی کاموں میں چندہ دینا ہوتا ہے۔ تاکہ نہ صرف شاہی ہمدردی کا اظہار ہو۔ بلکہ نیک کاموں میں حصہ لینے کی دوسروں کو ترغیب ہو اور مستحق لوگ جائز امداد سے محروم نہ رہیں پھر بادشاہ کے سابق ملازمین کی ایک فوج کی فوج ہے جنہیں پنشن دی جاتی ہے۔ اور معمر شاہی افسروں کے قیام و طعام کے لئے ایک ادارہ ہے جس کا خرچ بھی شہنشاہ کو برداشت کرنا ہوتا ہے

اس لئے شاہ برطانیہ کے وظیفہ کا اگر آپ دوسرے ممالک کے بادشاہوں کے وظیفوں سے مقابلہ کریں تو آپ کو اندازہ ہوگا کہ شہنشاہ کو کتنا کم روپیہ ملتا ہے۔ مثلاً ملاحظہ کیجئے۔

شاہ اٹلی کا وظیفہ	۷۵۲۰۰۰ پونڈ
سابق قیصر	۵۷۰۰۰۰ "
سابق شاہ آسٹریا ہنگری	۱۵۰۰۰۰ "
سابق شاہ زار روس	۴۵۰۰۰۰ "
سابق شاہ جاپان علاوہ سرکاری تنخواہ کے	۴۵۰۰۰۰ "

کاغذی کشتیاں

روزانہ کاغذ کی کشتیاں ندی میں ڈال دیتا ہوں۔ جن پر موٹے موٹے سیاہ حروف میں اپنا نام لکھ دیتا ہوں اور اپنے گاؤں کا۔

مجھے خیال ہے کہ کسی اجنبی ملک میں کوئی انہیں پائیگا اور مجھے جانے گا

میری کشتیاں اپنے باغ کے ننھے ننھے خوشبودار پھولوں سے بھر دیتا ہوں اور امید کرتا ہوں کہ صبح کے یہ پھول سلامتی سے کسی زمین پر پہنچا دیئے جائینگے۔

کاغذ کی کشتیاں ڈال دیتا ہوں اور آسمانی بادلوں کے ہوا سے بھرے ہوئے بادبان دیکھتا ہوں۔

معلوم نہیں کون انہیں میری کشتیوں سے مقابلہ کرنے کو بہاتا ہے

جب رات آجاتی ہے تو میں اپنے بازوؤں میں منہ چھپا لیتا ہوں۔ اور خواب دیکھتا ہوں کہ میری کاغذ کی کشتیاں ستاروں کی ٹمٹماتی روشنی میں چلی جا رہی ہیں۔ نیند کی پریاں ان میں سوار ہیں اور ان کی پھولوں کی ٹوکریوں میں خواب

پنچ ویکلی دہلی

آئینہ حال

مورخہ ۲۴ مارچ ۱۹۳۶ء

تمدن کی جانچ

شخصی آزادی اور سوشل نظام کے معیار پر

مغربی قومیں مشرقی ممالک پر حکمرانی کرنے کے لئے یہ بہانہ پیش کرتی ہیں کہ اُن کا فرض ہے کہ غیر متمدن دُنیا میں تمدن کی روشنی پھیلائیں۔ اگرچہ یہ حیلہ بہت پُرانا ہو چکا ہے۔ حکمرانی و ملک گیری کے مقاصد کی تمام حقیقتیں ظاہر ہو چکی ہیں اور سمجھنے والے لوگ اس دعوے کو مضحکہ انگیز سمجھتے ہیں۔ تاہم اب تک مغربی قومیں اسی اس کو کھلی منطق سے باز نہیں آتیں چنانچہ آج مسولینی کا قول بھی یہی ہے کہ حبش والوں کو متمدن بنانے کے لئے وہاں جدال و قتال کا یہ سلسلہ جاری کیا گیا ہے اسی "جذبہ خیر خواہی" کو (WHITE MAN'S BURDEN) کا نام دیا گیا ہے۔ لیکن سوال یہ ہے کہ جس تمدن کا آوازہ اتنا بلند ہے وہ تمدن کیا ہے۔ اور آیا یہ ایک حقیقت ہے کہ مغرب کی کسی قوم نے مشرق کے کسی ملک کے ساتھ مخلصانہ سلوک کیا ہے اور اپنی آزادی اپنے تمدن اور اپنے سیاسی اداروں سے حقیقی معنوں میں کوئی فیض محکوم قوموں کو پہنچایا ہے؟۔

ہم اس سلسلہ میں برطانیہ اور ہندوستان کے رشتہ کی صرف ایک مثال پیش کرتے ہیں۔ اور "تمدن" کو بھی اپنے خیال کے مطابق نہیں بلکہ مشہور قدامت پرست اور رجعت پسند مسٹر چرچل کے معیار کے مطابق جانچنا چاہتے ہیں۔ تاکہ یہ معلوم ہو کہ وہی قوم جو اپنے تمدن اور اپنی آزادی پر فخر کرتی ہے دوسری محکوم قوم کو اپنے تمدن کا "فیض" کس طرح پہنچاتی ہے۔ مسٹر چرچل نے پچھلے دنوں "صنعتی سائیکالوجی کے قومی انسٹی ٹیوٹ" میں ایک تقریر کی ہے۔ جس میں انہوں نے یہ کہتے ہوئے کہ برطانیہ دنیا کا سب سے زیادہ متمدن ملک ہے تمدن کے جانچنے کے لئے دو معیار قائم کئے ہیں ایک سوسائٹی کا نظام دوسرا شخصی آزادی ــــ دوسرے لفظوں میں گویا کسی قوم کی انفرادی آزادی اور اجتماعی تنظیم ہی سے اس کے تمدن کا صحیح اندازہ کیا جا سکتا ہے۔

اب انہیں دونوں نقطۂ نگاہ سے برطانیہ کے عمل پر ایک نظر ڈالئے۔ اس نے سوسائٹی کے ڈھانچے کو مضبوط بنانے کیلئے وہاں کے حاکم کو بہتر بنانے کی کوشش کی تاکہ زندگی کی ناگہانی مصیبتوں کا تریاق ہو سکیں۔ مزدوروں کے لئے "ایکسچینج" قائم کیا۔ بیروزگاری کے انسداد کی کوشش کی اور بیکاروں کے لئے امداد اور منشن کے طریقے رائج کئے۔ ان حالات کی بنا پر مسٹر چرچل یہ دعوے کرتے ہیں کہ برطانی مزدور کو دنیا کے تمام ممالک سے زیادہ حقوق حاصل ہیں۔ سب کچھ درست ہے کہ برطانیہ ہی کے زیر تسلط حکومت میں ہندوستان کا کیا حال ہے؟ غالباً اس کے اظہار کی ضرورت ہی نہیں۔ سوسائٹی کا شیرازہ بکھرا ہوا ہے۔ عوام میں بدحالی پھیلی ہوئی ہے۔ بیروزگاری اور بیکاری خطرناک تیزی کے ساتھ بڑھ رہی ہے۔

تمدن کے جانچنے کا دوسرا معیار اور بھی زیادہ اہمیت رکھتا ہے۔ کیونکہ "شخصی آزادی" ہر انسان کو سب سے زیادہ عزیز ہوتی ہے۔ اس سلسلہ میں مسٹر چرچل کے خیالات یہ ہیں: "انفرادی ہستیاں اس لئے نہیں ہیں کہ کسی اسٹیٹ یا سسٹم کی خدمت کریں۔ بلکہ اسٹیٹ یا حکومت اس لئے ہے کہ انفرادی ہستیوں کو بہترین ترقی کرنے کی طاقت بہم پہنچائے"۔ کیا وہ "تمدن" جو ایک غیر ملکی اقتدار کے ذریعہ ہندوستان میں پھیلایا جا رہا ہے اس "شخصی آزادی" کے معیار پر پورا اترتا ہے؟ خود مسٹر چرچل کا قول یہ ہے کہ اسٹیٹ کے اندر اگر ہر فرد کو شخصی آزادی کی پوری مقدار حاصل نہیں ہوتی تو انسانی ہستی کمزور اور پست ہو جاتی ہے۔ اس شخصی آزادی میں انسان کے حسب ذیل حقوق شامل ہیں ۱۔ اپنا پیشہ یا روزگار پسند کرنے اور تبدیل کرنے کا حق۔ سرمایہ داری کے نظام کے تحت میں اسٹرائک کرنے کی آزادی۔ ملک کی حکومت اور نظم و نسق میں حصہ لینے کا حق اور اگر ضرورت ہو تو طرز حکومت کو بدل دینے کا حق۔

ایک طرف ان حقوق کی وسعت کو اور برطانیہ کے تمدن کے متعلق مسٹر چرچل کے بلند آہنگ دعووں کو دیکھئے اور دوسری طرف خود انہیں کے معیار سے ہندوستان کی حالت کو شخصی آزادی کی مقدار کو "بہترین ترقی" کے ذرائع کو اور تقریر و تحریر پر سخت ترین پابندیوں کو ملاحظہ کیجئے تو معلوم ہو جائے گا کہ تمدن کے جانچنے کے لئے جو دو معیار مسٹر چرچل نے قائم کئے ہیں ان کی نسبت سے مغربی حکومت نے ہندوستان میں کس طرح کا تمدن پھیلایا ہے۔

....

ہندوستان کا جادو یورپ میں

دو تین برس سے ہندوستانی ساحروں یا بازی گروں کا ایک قدیم کرتب جو رسّی کے کھیل 'ROPE TRICK' کے نام سے مشہور ہے۔ یورپ کے بعض مفکّرین کی توجہ کا مرکز بنا ہوا ہے۔ تقریباً ہر شخص نے اس کھیل کا نام سنا ہے اور اس کے ساتھ ساتھ یہ حقیقت بھی تسلیم کر لی گئی ہے کہ کسی یورپین جادوگر نے اس میں اب تک کامیابی حاصل نہیں کی ہے۔ "رسّی کے کھیل" کے متعلق بہت سے نظریئے پیش کئے گئے ہیں اور اس کا تازہ ترین تذکرہ میجر جی ایچ ۔ اوکس نے "ہندوستانی روحانیت" پر ایسٹ انڈیا ایسوسی ایشن کے سامنے تقریر کرتے ہوئے کیا ہے۔ جس میں انہوں نے رسّی کے کھیل کے متعلق چند چشم دید گواہوں کا حوالہ دیا ہے۔ اس میں سے ایک نے یہ کہا ہے کہ وہ کھیل ایک مرتبہ دو سو لڑکیوں کے سامنے کریانگ (دار جلنگ) میں دکھایا گیا تھا۔ اس میں وہ خود موجود تھا۔ اس نے جو کچھ دیکھا تھا اس کی تفصیل اس نے یوں بیان کی ہے۔ تماشا گر نے رسّی کا ایک سرا اوپر کو پھینکا یہاں تک کہ وہ سرا فضا میں غائب ہو گیا۔ پھر زمین کی طرف سے ایک لڑکا اس رسّی پر چڑھ گیا اور خود بھی فضا میں غائب ہو گیا۔ تماشا گر نے رسّی کو کاٹ دیا۔ اس کے کچھ دیر بعد وہ لڑکا جو غائب ہو گیا تھا دفعتاً اوپر سے تماشا گر کے پیر پر گر پڑا۔

بعض یورپین لوگوں نے ہندوستان کو چیلنج دیا تھا کہ اب بھی کوئی شخص ایسا کھیل یورپ میں جا کر دکھلا دے مگر وہ قصہ رفت و گذشت ہو گیا۔ پچھلے دنوں میر خدا بخش کشمیری نے آگ پر چل کر یورپ والوں کو حیرت میں ڈال دیا ہے لیکن سائنس دانوں نے اب تک اس کی کوئی صحیح تاویل پیش نہیں کی ہے ہم ان کو سمجھ لینا چاہئے کہ "رسّی کا کھیل" اسی طرح کا ایک چیز تھی۔ شیکسپیئر نے خود کہا ہے کہ آسمان اور زمین میں بہت سی چیزیں ایسی ہیں جہاں فلسفہ اور سائنس کی رسائی نہیں ہے۔

افسر کی حیثیت

بمبئی کے ایک میونسپل کمشنر نے ایک سلسلہ مضامین کے ذریعہ اس دلچسپ حقیقت پر روشنی ڈالی ہے کہ پبلک کمیٹیوں یا اداروں کے افسروں میں کیا کیا اوصاف ہونے چاہئیں لیکن انہوں نے اس سلسلہ میں جو کچھ کہا ہے اس کا اطلاق تمام سرکاری و غیر سرکاری افسروں پر ہوتا ہے سب سے پہلا وصف جو کسی افسر میں ہونا چاہئے وہ یہ ہے کہ اسے اپنی حیثیت کو ذہن نشین کر لینا چاہئے اور یہ سمجھنا چاہئے کہ وہ پبلک کا حاکم اعلیٰ یا مخدوم نہیں بلکہ خادم ہے اس لئے اس کو عوام کے ساتھ سلوک کرنے میں بہترین اخلاق کا نمونہ پیش کرنا چاہئے خصوصاً ہندوستان کے بہت سے سرکاری اداروں میں مثلاً پولیس یا ریلوے وغیرہ محکموں میں بعض بڑے اور چھوٹے افسر یہاں تک کہ معمولی معمولی ملازمین بھی ایک خاص طرح کے غرور میں مبتلا رہتے ہیں اور عوام کے ساتھ بُرا سلوک کرتے ہیں اس کا سبب یہ ہے کہ عہدہ کے ساتھ ایک خاص طرح کے ریتبہ کا تخیل لوگوں کے ذہن میں پیدا ہو جاتا ہے۔ لیکن اب وقت آگیا ہے کہ تمام عہدہ دار اور ملازمین پبلک سروس کی ذمہ داریوں کو محسوس کریں اور خود کو عوام کا خادم سمجھیں

قومی جھنڈا

قومی جھنڈے کے سلسلہ میں اسمبلی میں ایک سوال کا جواب دیتے ہوئے سر ہنری ہیگ نے کہا کہ حکومت کو اس خیال کے ساتھ پوری ہمدردی ہے کہ دوسرے نوآبادیات کی طرح ہندوستان کا بھی الگ ایک جھنڈا ہونا چاہئے لیکن حکومت نے اس معاملہ کو آئندہ فیڈریشن کے لئے چھوڑ دیا ہے۔ حکومت کی ہمدردی تو اسی سے ظاہر ہے کہ خود قوم نے اپنے لئے جو قومی جھنڈا اپنایا اس کی اکثر جگہ مخالفتیں کی گئیں۔ اس کے علاوہ یہ بات بھی غور طلب ہے کہ کسی ملک کا اصلی قومی جھنڈا تو وہی ہوتا ہے جسے قوم نے پسند اور منظور کر لیا ہو پھر اس کی کیا ضرورت ہے کہ آئندہ فیڈریشن از سر نو ایک نئے قومی جھنڈے کے مسئلہ پر غور کرے ہمیں یقین ہے کہ اگر پبلک نے موجودہ قومی جھنڈے کے ساتھ ایسا ہی وفاداری کا سلوک کیا جیسا کہ اب تک ہوتا رہا ہے تو حکومت اور مجلس قانون ساز اسی جھنڈے کو قومی جھنڈا تسلیم کر لینے پر راضی ہو جائے گی!

محبت اور پہلی نظر

دانشا کے مشہور سائنس داں اور ماہر دماغ ڈاکٹر الیفرڈ ایڈلر نے اپنی جدید تحقیقات کے بعد یہ اعلان کیا ہے کہ مرد اور عورت کی محبت ہمیشہ "پہلی نظر" کی پیداوار ہوتی ہے۔ مشہور ڈرامسٹ شیکسپیئر نے اپنے ڈرامہ "ایز یو لائک اٹ" میں کہا ہے کہ دنیا میں کون ایسا شخص ہے جس نے محبت کی ہو اور پہلی نظر میں محبت نہ کی ہو؟ یعنی جو شخص محبت کرتا ہے وہ پہلی ہی نظر میں محبت کرتا ہو مشرقی شاعری تو ہر قدم پر اس کا ثبوت پیش کرتی ہے

ہوش جاتا رہا نگاہ کے ساتھ

صبر رخصت ہوا اک آہ کے ساتھ

ہفتہ کا جائزہ

۱۳ مارچ ۱۹۳۶ء

ایسوسی ایٹڈ پریس کے نامہ نگار خصوصی مسٹر جیمز ملز نے جو کہ محاذ جنگ حبش سے واپس آئے ہیں نمائندہ پریس سے انٹرویو کے دوران میں بیان کیا کہ ساٹینہ توپلیں نے صلح کے لئے جو شرائط پیش کی ہیں اور جن شرائط کو شہنشاہ منظور کرنے کے لئے تیار ہیں ان کے درمیان اسی قدر خلیج موجود ہے کہ سردست صلح کی گفت و شنید کے کامیاب ہونے کا کوئی امکان نہیں پایا جاتا۔ اٹلی کی پہلی شرط یہ ہے کہ شمالی اور جنوبی حبش کے ان علاقوں پر جو کہ اٹلی کے قبضہ میں آچکے ہیں آئندہ بھی اسی کا قبضہ رہے گا۔ اس کے برخلاف شہنشاہ حبش کا یہ مطالبہ ہے کہ اطالوی ان علاقوں کو خالی کر دیں۔ ورنہ صلح کی گفت و شنید سے کوئی سودمند نتیجہ برآمد نہیں ہو سکیگا۔

۱۴ مارچ ۱۹۳۶ء

ادیس ابابا کی ایک اطلاع مظہر ہے کہ حبشی فوج نے شمال میں اٹلی کی فوج پر حملہ کر دیا جہاں انتہائی میں جنگ ہو رہی ہے۔ غیر سرکاری طور پر بیان کیا جاتا ہے کہ اٹلی کے بہت سے سپاہی ہلاک ہو گئے۔ اور کئی ٹینک پکڑے گئے

۱۵ مارچ ۱۹۳۶ء

ادیس ابابا کے سیاسی حلقوں میں یہ خدشہ ظاہر کیا جاتا ہے۔ ممکن ہے کہ رائن لینڈ کے ممنوعہ علاقہ میں جرمن فوج کے داخلے سے پیدا شدہ صورت حالات کے پیش نظر معاہدہ لوکارنو پر دستخط کرنے والی حکومتیں اٹلی اور حبش کی جنگ کو جلد ختم کرانے کی کوشش کریں اور وہ عارضی صلح کا اعلان کر کے سمجھوتہ کے لئے ایسی شرائط تجویز کریں جو عقل عامہ پر مبنی ہوں۔

جن لوگوں کو شہنشاہ موصوف سے وقتاً فوقتاً ملاقات کرنے کا موقع حاصل ہوتا رہتا ہے۔ ان کو اب لیگ اور مغربی طاقتوں کی جانب شہنشاہ کے رویہ میں تبدیلی ہوتی نظر آرہی ہے شہنشاہ موصوف کا یہ خیال ہے کہ لیگ خواہ مخواہ اٹلی کے خلاف ایسی تعزیری کارروائی کرنے سے گریز کر رہی ہے جس سے جنگ کا خاتمہ ہو سکتا ہے۔ ان کی رائے میں تعزیری کارروائی ہی جنگ کو ختم کرنے کا ایک موثر ذریعہ ہے۔

ادیس ابابا۔ ایک سرکاری کمیونک مظہر ہے کہ حکومت کو یہ معلوم ہوا ہے کہ راس آطا اور سیلی کاٹ کے علاقہ میں اٹلی کی الپائن فوج کو زبردست شکست ہوئی ہے۔

۱۷ مارچ ۱۹۳۶ء

حکومت حبش کا ایک کمیونک شائع ہوا ہے جس میں اس اعلان کی تجدید کی گئی ہے کہ حبشی آخری دم تک جنگ جاری رکھیں گے اور صلح کی گفت و شنید کے متعلق تمام افواہیں بے بنیاد ہیں۔ اسی کمیونک میں یہ بھی اعلان کیا گیا ہے کہ اوزیت کے ۵ ہزار حبشیوں کو اطالوی حکومت کی جانب سے روپیہ اور اسلحہ وغیرہ مہیا کئے جا رہے تھے انہوں نے شہنشاہ حبش کی اطاعت قبول کر لی ہے۔ جنوبی محاذ میں اطالوی ہوائی جہازوں پر سے ایک ہزار بم برسائے گئے لیکن صرف تین حبشی ہلاک اور ۶ زخمی ہوئے۔

۱۸ مارچ ۱۹۳۶ء

روم۔ گو سرکاری بیان میں یہ اعلان کیا گیا ہے کہ دونوں محاذوں پر صورت حالات میں کوئی تبدیلی نہیں ہوئی۔ تاہم عام رائے یہ ہے کہ اطالیوں نے نئی پوزیشن حاصل کر لی ہے۔ اس رائے کو سائنور گائیڈی کے ایک آرٹیکل سے تقویت پہنچی ہے جس میں انہوں نے تعزیری پابندیوں پر چار ماہ کے عمل پر تبصرہ کیا ہے۔

آرٹیکل میں لکھا ہے کہ تعزیری پابندیوں پر عمل کرتے ہوئے چار ماہ گذر چکے ہیں۔ یہ عرصہ ایک زبردست حملہ کی ابتدا کے ساتھ ختم ہوتا ہے۔ جس کے لئے زبردست تیاریاں ہو رہی ہیں۔ جس کے پیش نظر اہم مقاصد ہیں۔

اریٹریا کا تمام محاذ زبردست حرکت میں ہے اور فرانسیسی سمالی لینڈ کی سرحد سے لے کر سوڈان تک اس قدر وسیع پیمانہ پر فوجوں کی نقل و حرکت جاری ہے کہ پہلے دیکھنے میں نہیں آئی تھی۔

جھلکیاں

فرانسیسی وزیر اعظم نے لنڈن میں اخبارات کے نمائندوں کو بیان دیتے ہوئے کہا کہ وہ فرانس کے ایک پرانے دوست ہیں۔

مسٹر ایڈن نے اس بیان سے خوشی ہی ظاہر کیا ہے۔ مگر انگلستان اب پرانے دوستوں پر نئے دوستوں کو ترجیح دیتا ہے۔

ہر ہٹلر فرماتے ہیں کہ جنگ کے بعد جب فرانس نے سرحد پر اپنی فوجیں تعینات کی تھیں تو جرمنی نے اس پر کوئی اعتراض نہیں کیا تھا۔ کیونکہ اس وقت جرمنی اعتراض کرنے کی ہمت نہیں کر سکتا تھا۔ اب کر سکتا ہے تو پوری آواز سے کر رہا ہے۔

اس اطلاع کی ابھی تک کوئی تصدیق نہیں ہوئی کہ جرمنی نے موسیو لاول اور مسٹر میکڈانلڈ (جو اس وقت کسی عہدہ پر مامور نہیں ہیں) کی خدمات حاصل کر لی ہیں۔ تاکہ وہ اٹلی اور حبش کے تنازعہ کا فیصلہ کرانے کے لئے "ہور لاول" تجاویز کے مطابق ہی رائن لینڈ کے سوال کا کوئی حل پیش کر سکیں۔

دہلی میں ہونے والی آل انڈیا مسلم کانفرنس کے اجلاس کی استقبالیہ کمیٹی کا چیئرمین پٹنہ کے مولوی شفیع داؤدی کو بنایا گیا ہے۔

کیا دہلی میں کوئی آدمی نہیں مل سکتا تھا؟۔ یہاں بھی تو مسلم مفاد کا دم بھرنے والے کئی۔ حاجی۔ مولانا۔ اور مولوی موجود تھے۔

اسمبلی میں حکومت کو پے در پے شکستوں کے متعلق پروفیسر رنگا فرماتے ہیں کہ اس قسم کے مظاہرہ سے حکومت کی جانب سے ووٹ دینے والوں اور اس کے حق میں رائے دینے والوں پر بڑا اثر ہوتا ہے۔

پروفیسر صاحب کو معلوم ہونا چاہیئے کہ اس قسم کا اظہار خیال سر محمد یعقوب و ڈاکٹر ضیاء الدین اور اسی قسم کے دیگر حضرات کی توہین کے مترادف ہے۔

اشارات

آکسفورڈ یونیورسٹی کے کچھ طلباء نے اس بنا پر بھوک ہڑتال کر دی کہ انہیں اچھا کھانا مہیا نہیں کیا جاتا تھا۔

شکر ہے کہ انہیں قید تنہائی نہیں دی گئی تھی۔

مکہ بازی کے مقابلہ میں ایک حبشی نے ایک اطالوی مکہ باز کو تیسرے راؤنڈ میں زبردست شکست دی۔ اٹلی اور حبش کی جنگ کے واقعات پر نظر ڈالنے سے پتہ چلتا ہے کہ وہاں بھی حبشیوں کی طرف سے لڑائی کا تیسرا راؤنڈ شروع ہوا ہے۔ دیکھیئے اونٹ کس کروٹ بیٹھتا ہے۔

کوچین اسمبلی کے کچھ ممبران اصلاحات نافذ کرنے کے متعلق حکومت کے مخالفانہ رویہ کے باعث واک آؤٹ کر گئے۔

ہو سکتا ہے کیونکہ دیوان صاحب برطانی ہند میں اصلاحات کے زبردست حامی ہیں۔ اور وہ سمجھتے ہیں کہ اس قسم اصلاحات ہر ایک کے لئے کافی ہیں۔

اسمارا کی ایک اطلاع مظہر ہے کہ اطالوی فوجوں نے ایک نیا مورچہ قائم کیا ہے

غالباً حبش کی جانب ان کی پشت تھی۔

برطانی پریس نے ہر ہٹلر سے اپیل کی ہے کہ وہ موقعہ کا فائدہ اٹھا کر یورپ میں امن و امان قائم کرنے کی کوشش کریں۔

مگر ہر ہٹلر ایسا نہیں کر سکتے وہ تو ڈکٹیٹری کے نشہ میں قوت سماعت بھی کھو بیٹھے ہیں۔

اسمبلی میں کٹر پنتھیوں نے غم و غصہ کی حالت میں پنڈت مالویہ سے پوچھا کہ اچھوتوں کو ان پر ترجیح کیوں دی گئی؟

خود ان کے رویہ سے ظاہر ہے کہ اچھوت بہتر سلوک کے مستحق ہیں۔

ایک اخبار کی اطلاع ہے کہ مسٹر جناح اسمبلی کے ڈکٹیٹر ہیں

مگر ابھی تک وہ اپنے پیروؤں کی ڈکٹیٹری بھی نہیں کر سکے۔

جاپان میں سیاست اور نظام عسکری کا تصادم — موجودہ بغاوت کے اسباب

گذشتہ مہینہ کے آخر میں جاپانی افواج کے نوجوان طبقے نے بغاوت کردی۔ جاپانی افواج کا غدر دنیا کی سیاست میں ایک اہم انقلاب تھا۔ اس مضمون میں دکھایا گیا ہے کہ افواج کا غدر کرنا کیا معنی رکھتا ہے اور اس کے اسباب کیا ہیں۔ اس تحریر سے یہ بھی معلوم ہوگا کہ افواج ٹوکیو بادشاہ کو خدائی کا درجہ دینے کے تصور کی حامی ہیں۔ اور اس وجہ سے جاپان کی سیاست ایک عجیب کروٹ لیتی ہے جس کا حال اس مضمون سے ظاہر ہوگا۔

فروری کے آخر میں ٹوکیو میں فوج نے بغاوت کردی۔ گذشتہ سال اگست میں فوجوں نے ایک اور بڑا غدر کیا تھا۔ یہ دونوں واقعات اس بات کو ظاہر کرتے ہیں کہ جاپان میں فوج کا اثر و اقتدار بہت زیادہ ہے اور اس کی گرفت سے سیاست باہر نہیں ہے نتیجہ یہ کہ غدر اور بغاوت کا خمیر فوجی حلقوں میں پکتا ہے اور بعد میں بغاوت و بے چینی کے جراثیم اطراف ملک میں پھیل جاتے ہیں۔

گذشتہ سال جو بغاوت ہوئی تھی اس میں میجر جنرل ناگاتا کو جو وزیر حربیہ جاپان جیاشانی کا دست راست تھا لفٹنٹ کرنل اے۔ زاوا کی تلوار نے ہلاک کر دیا تھا۔ اس سال کی بغاوت میں باغیوں کی گولیوں نے کابینہ جاپان کے افراد کو اپنا نشانہ بنایا۔ پچھلے سال بھی اور اس سال بھی اس بغاوت نے ترقی و ملکی ہمدردی کی ایک شکل اختیار کرلی اور اس کی صورت یہ ہوئی کہ بغاوت کی آگ جاپانی افواج کی نوجوان پارٹی کی جانب سے اچھالی گئی جو بادشاہی پسند اور بادشاہ کو خدائی کے درجہ تک پہنچا اپنا مذہبی شعار اور قومی افتخار سمجھی ہے چونکہ یہ قدیم تصور سرزمین طلوع آفتاب "یعنی جاپان" کی سیاست و روایات کا ایک اہم جزو ہے۔ اس لئے اس بغاوت کی اہمیت اور بھی زیادہ ہو جاتی ہے۔

کرنل لفٹنٹ اے۔ زاوا کے مشیر مدافعت لفٹنٹ کرنل ساکی جی متسوئی نے جو اعلان اس سلسلہ میں کیا وہ بھی قابل لحاظ ہے۔ —تمام قوم اس بات کی متمنی ہے کہ کرنل اے زاوا کی سپرٹ کا عملی نتیجہ برآمد ہو۔ اگر یہ نہ ہوا تو دوسرا اے زاوا اور تیسرا اے۔ زاوا بھی پیدا ہو جائے گا۔"

اس میں کوئی شک نہیں کہ اس وقت کرنل ... نے جو پیشینگوئی کی تھی وہ درست نکلی۔ کپتان موناکا جس کے ماتحت فروری ۱۹۳۶ء میں افواج نے بغاوت کی وہ کرنل اے۔ زاوا کا دوسرا جنم سمجھا جاسکتا ہے۔

جاپان کا مشن

یورپ اور دیگر مغربی ممالک اور ولایات میں جاپانی بغاوت کی عجیب و غریب رائے زنی ہو رہی ہے۔ نہ صرف یہ کہ رائے زنی غلط ہے بلکہ یہ بھی کہ لوگ جاپانی قوم کی نفسیات کو ہی نہیں سمجھے اور وہ نہیں جانتے کہ اس بے چینی کی تہ میں کیا لطیف سیاسی و نفسیاتی نکتہ کارفرما ہے۔ اسے مغربی نقطہ نظر اور یورپین طرز حیات کے کسی زاویہ سے دیکھنے کی کوشش نہیں کرنی چاہیئے۔

آج کل جاپانی نوجوان اور خاصکر فوجی نظام سے متعلق نوجوان کا یہ پختہ عقیدہ ہے کہ جاپانی قوم خدا نے بھیجی ہے خدا کی چہیتی قوم ہے۔ اور تمام اقوام اس کے لئے پیدا کی گئی ہیں جاپان کا ماضی اپنی تاریخ زمانہ سے اسوقت تک مسلسل اور غیر منقطع حالت میں چلا آتا ہے۔ اسے مشرق کی اقوام پر ایک والہانہ اور پُر اسرار فوقیت حاصل ہے۔ بادشاہ مامور من اللہ ہے اور بمنزلہ خدا ہے۔ اس کا جلال و رُتبہ یعنی میکادو شہنشاہ جاپان کی حیثیت خدا کی سی ہے۔ وہ خدا کا مظہر کامل ہے اور ہر جاپانی زندگی اس کے ارادہ کے تابع ہونی چاہیئے۔

یہ امر کہ بادشاہ ایک عام دستوری حکومت کا مقام حاکم ہونے کے علاوہ خدا بھی ہے۔ تمام نوجوانوں کے سینوں میں ایک مستقل حقیقت کی صورت میں پیوست ہے۔ اور وہ اس قدر شدید صورت اختیار کر چکا ہے کہ جب پروفیسر مینوب نے ایسی کتابیں لکھیں کہ جن میں بادشاہ کی خدائی سے انکار کیا گیا تھا اور یہ نظریہ پیش کیا گیا تھا کہ وہ ایک معمولی انسان ہے اور دستوری حاکم کے علاوہ اس کی الٰہی پرستش واجب نہیں اور اس کو خدا کا مظہر سمجھنا غلطی ہے تو اس شخص کی تمام کتابیں گذشتہ سال چوراہوں پر رکھ کر جلا دی گئیں۔ اس واقعہ کے بعد سے جاپان کے دستور میں یہ ترمیم کی گئی کہ دستوری اعتبار سے یہ معاملہ طے کیا گیا اور درج کیا گیا کہ "سورج رانی" امتارا سوکامی کے بطن سے ہزاروں لاکھوں سال گذرے کہ جاپان کا پہلا بادشاہ پیدا ہوا تھا اور اس وقت سے اب تک جاپان کے تمام بادشاہ آسمانی درجہ رکھتے ہیں۔ اور یہ سلسلہ بادشاہت ٹوٹے بغیر اب تک اسی حالت میں چلا آ رہا ہے۔ جس طرح شروع ان آسمان سے پیدا ہونے والے بادشاہ اول جاپان کے زمانہ سے چلا تھا۔

"بُشی دو" کا اخلاقی نظام

جاپان کے مذاہب میں "بُشی دو" (BUSHI DO) کا تصور سب سے بڑا درجہ رکھتا ہے۔ یعنی ایک اخلاقی دستور مذہبی شان سے لوگوں میں پایا جاتا ہے اس کے علاوہ اور کوئی مذہب اور دین ان لوگوں کے لئے نہیں ہے۔ اس خاص اخلاقی تصور کے ہزاروں لاکھوں ماننے والے ہیں۔ خاصکر مذہبی اعمال کے انصرام و انتظام کرانے والی جماعت "سموائی" کے افراد تو تمام کے تمام بُشی دو کے پیرو ہیں۔ یہ لوگ بھی بادشاہ کی خدائی کے قائل ہیں۔ آج کل کے نوجوان قدامت جاپان اور روایات جاپان کے زبردست علمبردار ہیں اور اسکی قدامت و زینت پر جان دینا معمولی بات سمجھتے ہیں۔

جاپانی لوگ جب دیکھتے ہیں کہ ان کے تصورات اور جاپانی نظریئے عملی زندگی کی رَو میں بہہ جاتے ہیں تو ان میں بے چینی لازمی طور پر پیدا ہوتی اور نوجوانوں نے اس پر زور دیا کہ جاپانی سیاسیات کو قدیم تصورات کے عین مطابق کیا جائے۔ اس کا نتیجہ تصادم ہوا اور وہ ظاہر ہو کر رہا۔

جاپان کی بڑھتی ہوئی آبادی کے پیچیدہ مسائل اور تجارت کی ترقی یہ دو چیزیں اہل جاپان کے لئے غیر معمولی نہیں محسوس ہوتیں۔ جاپانی قوم ان چیزوں کو غیر متوقع نہیں سمجھتی لیکن وہ یہ سوچتی ہے کہ انجام کیا ہوگا۔ اور خاصکر یہ خطرہ کہ روس بغلی گھونسہ ہے اس سے اندرونی حفاظت و مدافعت کا غلبان جاپان کے لئے ایک اور مسئلہ بن گیا ہے۔

جاپانی افواج کے افراد بادشاہ کے قدیم اور اس کے سلسلہ نسب کے غیر منقطع ہونے کے قائل ہیں۔ اور عوام الناس اس نظریہ کے جوش کے ساتھ مؤید ہیں اور چونکہ جاپانی سلطنت کے ارباب بست و کشاد اس نظریہ کے سدّ راہ ہیں اس لئے لوگوں میں یہ خیال جاگزیں ہے کہ اس باب میں لڑائی اور خون ریزی ضرور ہوگی جاپکہ اس کا اندازہ اس امر سے لگایا جاسکتا ہے کہ جاپانی کتب خانوں میں ایسی کتابوں کے انبار کے انبار دیکھے گئے جن میں جنگ کو ناگزیر مانا گیا تھا اور ٹریکی کے ساتھ جنگ کی ضرورت کو بیان کیا گیا تھا۔

چونکہ ایسی کتابوں کی وجہ سے لوگوں میں ہلچل پیدا ہوگئی تھی اس لئے حکومت کو اس قسم کی کتابوں کی اشاعت قانوناً ممنوع قرار دینی پڑی۔

قومی مدافعت کا پروگرام

لوگوں کے جنگی جذبہ کی تسکین کے لئے وزیر جنگ جاپان نے ایک مختصر سی کتاب چھاپی۔ جس کا نام "قومی مدافعت کی اہمیت اور اس کی حفاظت کی تدابیر" تھا۔

اس کتاب میں یہ بتایا گیا تھا کہ حکومت قومی و ملکی۔ اندرونی و بیرونی حفاظت کی تدابیر کو عمل کرنے میں منہمک ہے اور خالص فوجی نقطۂ نظر سے اس معاملہ پر کافی زور دیا جا رہا ہے۔

اس مختصر رسالہ میں یہ بھی لکھا گیا تھا کہ لوگوں نے تجارت کو ذاتی منفعت کے ڈھنگ پر چلا رکھا ہے حالانکہ ... ہر چیز عام ملکی مفاد کے نقطۂ نظر سے ہونی چاہیئے اس کتاب میں اس امر پر بھی زور دیا گیا ہے کہ مصنوعات کے علاوہ اہل جاپان کو زراعت۔ ماہی گیری وغیرہ کی صنعتوں کو ترقی دینے کی طرف زیادہ توجہ سے کام لینا چاہیئے۔ نیز ملکی بہبودگی کے مسئلہ کا فوراً حل سوچنا چاہیئے۔

(باقی اگلے صفحہ پر)

شہنشاہ جاپان کے متعلق فوج کا نظریہ

{ پچھلے صفحہ سے }

اس کتاب میں نہ صرف قومی پارٹیوں کے نصب العین اور ان کے طریقہ ہائے کار پر سخت اعتراض کئے گئے تھے بلکہ انہیں دشمن ملک بتانے سے بھی گریز نہیں کیا گیا تھا جس سے افراد ملک کو شدید رنج ہوا تھا۔

غرض دفتر جنگ نے لوگوں کے ہاتھ میں ایک ایسی بھڑکتی ہوئی کتاب دے دی تھی جس کے مطالعہ سے تمام جاپان کا خرمن امن بھڑک اٹھا۔

۱۹۳۴ء میں ایک اور قومی خیانت کا بھانڈا پھوٹا جس میں اکابر اور بزرگان قوم کی حالت ظاہر ہو گئی۔ وزیر تجارت و صنعت بیرن ناکاجیما اور کئی بڑے بڑے افراد جو وزارت مالیات سے تعلق رکھتے تھے پکڑے گئے مقدمہ ہوا اور انہیں جیل بھیج دیا گیا۔ امیرالبحر سائٹو کی کابینہ ٹوٹ گئی۔ گذشتہ دس سال کے عرصہ میں کابینہ کے وزراء اکابر قوم اور دیگر حکام و افسران بالا کی خیانت اور بد انتظامیوں کے ایسے ایسے بہت سے واقعات روشنی میں آکر پبلک کی برہمی کا باعث بن چکے ہیں ۱۹۳۳ء میں جاپان کے خزانہ کو کئی کروڑ کا نقصان اٹھانا پڑا اور سارے آپس کی چپقلش اور قومی پارٹیوں کے تنازع اور خورد برد کا نتیجہ تسلیم کیا گیا جس کی وجہ سے تمام قوم ناراض ہو گئی۔

سپاہیوں کا تبادلہ

فوج میں بھی ایک طبقہ بہت سیاست پسند واقع ہوا تھا۔ وہ اعلیٰ حکام فوج کے نزدیک خطرناک افراد پرستش تھا۔ اس لئے چن چن کر ایسے آدمیوں کو دار الحکومت اور بڑے بڑے علاقوں سے علیحدہ کر کے دوسری جگہوں پر تعینات کر دیا گیا۔ اور اس طرح سے موجودہ طرز حکومت پر ایک کاری ضرب پہنچائی گئی۔ کیونکہ اس نئی نقل و حرکت اور اچانک تبدیلی سے فوج میں برہمی کے آثار پیدا ہونے شروع ہو گئے۔

یہ لوگ جزیرہ فارموسا کو زیادہ تر بھیجے گئے تھے۔ جنرل مزاکی (MAZAKI) جو فوج کے نوجوان طبقہ سے زیادہ گہرا ربط و ضبط رکھتا تھا فوج سے نکال دیا گیا۔ جنرل اراکی جو علانیہ بغاوت کا دلدادہ اور علمبردار تھا اپنے بڑے اثر کے باعث فوج کی اعلیٰ مشاورتی مجلس میں رکھا گیا۔ مگر اس کے اختیارات اور عہدے کی حیثیت کم کر دی گئی۔ اور اس کا اثر توڑنے کی بھی کوششیں عمل میں لائی گئیں۔ یہ وہ وقت ہے کہ جب ہم کرنل اسے آزادی کی کروٹ دیکھتے ہیں۔ اس نے کیا ستم ڈھایا۔ اس کا حال گذشتہ سال کی بغاوت سے ظاہر ہے۔

ان حالات کے پیش نظر دفتر جنگ نے حالات پر قابو پانے کے لئے سخت احتیاط و تدابیر استعمال کرنے کی ٹھانی۔ اور وزیر جنگ جاپان سے مشورہ کر کے فوج کی اعلیٰ مجلس نے یہ فیصلہ کیا کہ جاپانی فوج کے نظام کو سیاست سے یکسر پاک اور بے تعلق کر دیا جائے۔ اور جو افراد سیاست کے شائقین نظر دکھائی دیں انہیں یک بینی و دو گوش فوج سے نکال دیا جائے۔

چنانچہ حکام نے احکام جاری کئے کہ افسران اور عام فوجی لوگ سیاسیات میں مطلق حصہ نہ لیں اور اپنے آپ کو صرف سپاہیانہ کردار و حیات کے لئے وقف رکھیں اور سیاسی معاملات و اعمال سے سروکار نہ رکھیں۔

شہنشاہیت کی حفاظت

اس کے فوراً ہی بعد لوگوں کے لئے یہ امر حیرت کا باعث بنا کہ وزیر حرب ہیاشی اپنے منصب سے مستعفی ہو گیا۔ جنرل اراکی نے جس مردانہ وقت اور چالاکی کے ساتھ اپنے مشن کو شروع کیا تھا اس استعفیٰ کو اس حکمت عملی کا نتیجہ اور اس نظریہ حکومت کی فوج کا نشان سمجھا گیا۔ مگر یہ ایک غلطی تھی۔ جنرل ہیاشی کی جگہ جنرل کاوا شیما کو وزیر جنگ بنایا گیا۔ ٹوکیو کی اخبارات کی رائے میں یہ شخص معتدل سیاسی خیالات کا حامی ہے

معتدل سیاسی خیال کا حامی ہونے کا مطلب یہ ہے کہ وہ آہستہ آہستہ اور امن و امان کے ساتھ چین میں جاپانی تسلط کا حامی ہے۔ نیز روس سے سیاسی سازباز اور آویزش کا بھی حامی ہے جس کا مطلب یہ تھا کہ شہنشاہیت کے لئے دروازہ بند ہے۔ اور یہ خیال کہ ملوکیت پرستی کا زمانہ اوج پر آئے گا۔ اسی قسم کے خیالات کے آدمی کے برسر اقتدار آنے کی وجہ سے بہت دور ہوتا ہوا دکھائی دینے لگا

شہنشاہیت کی حفاظت کے لئے ہی بریگیڈیئر فرسٹ اول نے جنرل مزاکا کے ماتحت علم بغاوت بلند کر دیا۔ ان لوگوں کے خدمات شاندار وہ لوگ بنے جو پارٹی بندی کی لعنت سے قومی حیات کی جڑیں کھوکھلی کر رہے تھے۔ یہ وہ لوگ جنرل اراکی کی شہنشاہیت پسندانہ پالیسی اور شہنشاہ پرستی کی تگ و دو میں ممد ثابت ہوئے تھے۔ جنگ عظیم کے بعد

جاپان میں ... سیاسی ... ہے ... جانے کا ... طریقہ جاپانی فوج کے ایک معتدل حصے نے ... یہ وہ تھا جو جنرل اراکی نے ... اختیار کیا تھا۔

... جاپان ... جنرل اراکی کی قیادت میں جاپان میں ایک فوجی ... قائم کر دی گئی ہے۔ معلوم نہیں کہ ... ہے لیکن اگر یہ واقعہ ہے تو پھر اس پر جاپانی ... تک قائم بھی رہیگا۔ کیونکہ اس وقت جاپان ... منگولیا کے معاملات ... ہے۔ اس کی وجہ سے جاپان ... پچھلے قدموں واپس لوٹنا ... ہوگا ...

ایک لرزہ خیز خوفناک افسانہ

خاص تیج ویکلی کے لئے

از قلم جناب ... لال بھٹناگر بی-اے- دہلوی

کنگ الفریڈ نامی جہاز بحیرہ روم میں سے گذرتے ہوئے سمندر کے تھپیڑوں میں جھکولے کھا رہا تھا ایک خوشگوار ہوا ہلکی ہی چل رہی تھی۔ سمندری پرندے اپنی خوش الحان آواز کے ساتھ دن بھر کی تکان کے بعد بسیرا لینے کے لئے اپنے ٹھکانوں کی طرف رجوع ہو رہے تھے۔ تختۂ جہاز پر میزیں لگی ہوئی تھیں۔ اٹیلین مغنی ساز نواز وائلن۔ بینجو اور کلارینٹ سے نہایت سُریلی گتیں نکال رہے تھے۔ خوش پوش خانساماں بڑی مستعدی سے اپنے کام میں مصروف تھے۔ جہاز صفائی کی وجہ سے شیشہ کی طرح دمک رہا تھا۔ مس پرم معذ اپنی مرمریں کلائیوں کو بل دیتی ہوئی صاف شفاف شیشے کا گلاس اٹھا کر اپنے لبوں تک لے جاتی تھی اور ایک چسکی لے کر میز پر رکھ دیتی تھی۔ اس میں زعفرانی رنگ کا شربت سودا یعنی شرابِ ناب بھری ہوئی تھی۔ مس پرم معذ بلبلِ نوبہار کی طرح چہک رہی تھی۔ ہر لحظہ ایک قہقہہ بلند ہوتا تھا۔ اور سُریلی ہنسی تمام فضا میں پھیل کر ایک عجیب کیفیت پیدا کر دیتی تھی۔ اس میز پر چار نفوس بیٹھے ہوئے تھے۔ جن میں ایک مس پرم معذ تھی۔ وہ نوخیز نوجوان حسینہ تھی جو آثارِ قدیمہ کی ایک طالبہ تھی۔ دوسرے مسٹر البرٹ فاکس ایک نوجوان جو علم تاریخ اور آثارِ قدیمہ کے طالب علم تھے۔ ڈاکٹر ہیریسن ڈاسن مشہور ماہرِ مصریات لندن یونیورسٹی کے پروفیسر تھے۔ مسٹر جان میکناتھن ڈاکٹر ہیریس کے معاون اور پرانے رفیق تھے۔ یہ پہلا موقعہ تھا کہ مس پرم معذ اور مسٹر البرٹ فاکس نے ساحلِ انگلستان سے سمندر کا سفر کیا تھا۔ وہ دونوں ڈاکٹر ہیریسن ڈاسن کے شاگرد تھے۔ اور عجائبات مصر میں خاص دلچسپی رکھتے تھے۔ ڈاکٹر ہیریس کئی مرتبہ مصر آ چکے تھے اور انہوں نے بہت سی جگہ کھدائی کرا کر قدیم فراعنہ مصر کے محل اور عالیشان عمارتیں برآمد کی تھیں۔ طوطن خانم کی قبریں ان کی دست برد سے نہ بچ سکی تھیں۔ یہاں سے زیادہ تر عجائبات انگلستان کے بڑے عجائب گھر میں پہنچ چکے تھے۔ اس مرتبہ ڈاکٹر ہیریس نے پھر نئے محل وقوع تلاش کرنے اور اپنے علم میں اضافہ کرنے کے لئے مصر کا سفر اختیار کیا تھا۔ وہ قدیم مصری زبان کو پڑھنے کی اہلیت رکھتے تھے۔ ہر پرانی اشیاء کو دیکھکر وہ ان کی عمر اور زمانے کا اندازہ لگا سکتے تھے۔ اور فوراً تاریخ سے ان کی شناخت کو وابستہ کر دیتے تھے۔ جب سے طوطن خانم کے مقبروں میں سے کئی معتبر تابوت برآمد ہوئے تھے اور ان میں سے حسین شہزادیوں کی لاشیں ویسی کی ویسی ہی برآمد ہوئی تھیں جیسی کہ کسی زمانے میں دفن کی گئی ہوں گی۔ لوگوں کو عام طور پر اور انگریزوں کی خاص طور پر توجہ اور دلچسپی مصر میں بڑھ گئی تھی۔ کئی ہزار سال پہلی تہذیب اور تمدن کے آثار جب نئے زمانے پر پڑے تو عجیب و غریب شوق پیدا ہو گیا۔ انگلستان میں مصر کے متعلق لکچر ہوئے۔ نوجوانوں نے اپنی خدمات پیش کیں۔ لڑکیوں نے اپنی خواہش مصر جانے کی ظاہر کی۔ آخر ڈاکٹر ہیریس کی نظرِ انتخاب مسٹر البرٹ فاکس اور مس پرم معذ پر پڑی۔ اور یہ دونوں ڈاکٹر صاحب کے ساتھ سفرِ مصر پر روانہ ہو گئے۔ پُراسرار واقعات کی مختلف روایتیں انگلستان میں مشہور تھیں۔ لیکن مغربی تہذیب میں پرورش پائے ہوئے نوجوان انہیں مضحکہ خیز اور مسخر آمیز سمجھتے تھے۔ لیکن جب کبھی ڈاکٹر ہیریس سے اس قسم کا سوال کیا جاتا تھا تو وہ سنجیدہ خاموشی اختیار کر لیتے تھے۔ جہاز میں اچھی خاصی رونق تھی۔ کھانا کھایا جا رہا تھا۔ شراب کے دَور چل رہے تھے۔ پھلوں کی طشتریاں بھری رکھی تھیں۔ باجوں کی آوازوں نے اشتہا میں اور اضافہ کر دیا تھا۔ مس پرم معذ ڈاکٹر ہیریس سے مصر کے متعلق کھود کھود کر سوال کر رہی تھی۔ اور ڈاکٹر اپنے گنجے سر کو ذرا جنبش دے کر مسکراتے ہوئے اس کی باتوں کا جواب مختصراً دے رہے تھے۔ لیکن جب مس پرم معذ مختلف سوالوں کی بوچھاڑ کر دیتی تھی تو ڈاکٹر صاحب سنجیدگی سے اس سے کہتے۔ "انتظار کرو اور دیکھو"۔ مسٹر البرٹ فاکس بھی اس دلچسپی میں پورا حصہ لیتے تھے۔ اور مس پرم معذ جیسی حسین ہستی کو اپنا ہمنوا اور ہمسفر پا کر دل میں بہت خوش ہوتے تھے۔ کافی عرصہ سے ان دونوں میں دوستانہ تعلقات تھے۔ مسٹر فاکس جسم کے مضبوط اور توانا تھے۔ اور ہر کام کو مستعدی سے کرنے کے لئے تیار رہتے۔ مصر کے متعلق انہوں نے بھی کافی معلومات بہم پہنچائی تھیں۔ لیکن انہیں مصر جانے کا پہلے کبھی اتفاق نہ ہوا تھا۔ جہاز تیزی سے پانی کو چیرتا ہوا چلا جا رہا تھا۔ رفتہ رفتہ رات اپنا تسلط جماتی جا رہی تھی۔ باجرے کے دانوں کی طرح آسمان پر تارے پھیل گئے تھے۔ ہوا میں خُنکی آ چکی تھی۔ اس لئے کھلی ہوا کا راگ رنگ ختم ہوا۔ اور سب اپنے اپنے کیبن میں چلے گئے۔ ہر روز شام کو تختۂ جہاز پر ایسی ہی رونق رہتی تھی۔ کئی روز کے طویل سفر کے بعد جہاز اسکندریہ پر لنگرانداز ہوا مسافر جہاز سے نیچے اترنے شروع ہوئے۔ محکمہ کسٹم نے اپنی جانچ پڑتال شروع کی۔ یہ چاروں مسافر بھی آخر منزلِ مقصود پر آ پہنچے۔

یہ چاروں اسکندریہ سے چلکر قاہرہ پہنچے۔ قاہرہ کے بڑے ہوٹل میں دو کمرے کرایہ پر لئے۔ پہنچنے کی شام کو قاہرہ کی یورپین سوسائٹی نے ڈاکٹر ہیریس اور ان کے ساتھیوں کو گرانڈ ہوٹل میں پرتکلف دعوت دی۔ اتوار کے روز گرجا میں جاکر چاروں ماہرین نے نماز ادا کی اور اپنی کامیابی کے لئے

(باقی مضمون اگلے صفحہ پر)

تجلیات

(از جناب آرزو سہارنپوری) خاص تیج ویکلی کیلئے

حُسن کی وہ شوخیاں آخر نمایاں ہو گئیں — درد بنکر جو حجابِ دل میں پنہاں ہو گئیں

خاطرِ ویراں میں کچھ شمعیں فروزاں ہو گئیں — میری آہیں زینتِ گورِ غریباں ہو گئیں

آرزوئیں جو حسنِ روئے جاناں ہو گئیں — کفر کی رعنائیاں اجزائے ایماں ہو گئیں

کیا ہے صحرا چند ذراتِ پریشاں کے سوا — میری کچھ ویرانیاں ملکر بیاباں ہو گئیں

خود حریفِ قوتِ نظارہ تھی تنویرِ حسن — کھل سکیں آنکھیں مگر کھلتے ہی حیراں ہو گئیں

آنسوؤں کیساتھ آخر بہہ گئے قلب و جگر — چند موجیں اسطرح پھیلیں کہ طوفاں ہو گئیں

تھا میری بیچین فطرت میں نہاں رازِ خلش — دل کی جو بیتابیاں تھیں وہ رگِ جاں ہو گئیں

عشق کی آزادیٔ فطرت نہ پوچھ اے ہم نفس — وسعتیں تخئیل کی دیوارِ زنداں ہو گئیں

اب کہاں وہ بزمِ حسن و عشق وہ دنیائے شباب — آنکھ جھپکی تھی کہ سب خوابِ پریشاں ہو گئیں

اللہ اللہ رے جنونِ عشق کی خوش ریلیاں — دھجیاں دل مل کے پھر جیب و گریباں ہو گئیں

کچھ نہ گھبراؤ کشاکش ہائے غم سے آرزو
مشکلیں اب تک وہ کیا تھیں جو نہ آساں ہو گئیں

{ پچھلے صفحہ سے }

دعا مانگی۔ پھر ڈاکٹر ہیرسن نے اپنے تمام کاغذات کی پڑتال کی۔ نقشے مرتب کئے اور نئے عزم کا پروگرام بنایا۔ مزدوروں کے ٹھیکیداروں کو طلب کیا گیا۔ اور کام شروع کئے جانے کے لئے کچھ رقوم پیشگی ادا کر دی گئیں

اگلے روز صبح ہی ڈاکٹر ہیرسن سینکڑوں مزدوروں کو ہمراہ۔ لے کر طوطن خام کے مزار کی طرف روانہ ہو گئے کچھ دور چل کر ایسے مقام پر پہنچے جہاں کی ریت کچھ سخت تھی اور ایک امتیازی کالے بالا تھا۔ جو آثار قدیمہ کا ایک حصہ معلوم ہوتا تھا۔ چنانچہ اپنے اندازے اور خیال کے مطابق ڈاکٹر ہیرسن نے وہیں ڈیرے ڈال دیئے۔

کھدائی کا کام شروع کر دیا گیا۔ ہزاروں مزدور اور بیلدار سب کدال۔ پھاوڑے اور ٹوکریاں۔ لے کر ایک جگہ کی مٹی کھود کر دوسری جگہ پہنچانے لگے۔ میدان میں ایک خیمہ نصب کر دیا گیا تھا۔ جہاں یہ چاروں ماہرین دھوپ کی تکان کے باعث آرام لے رہے تھے۔ اسی میں رات کے آرام کا بھی انتظام کیا گیا تھا۔ پہلے روز کی کھدائی کا کام ختم ہوا۔ سب مزدور اپنے اپنے ٹھکانوں کو واپس چلے گئے۔ ڈاکٹر ہیرسن۔ اس کے ساتھی اور کچھ ملازمین وہیں رہ گئے۔ رات کو دیر تک اس مقام اور نئے تجربات کے متعلق قیاس آرائیاں ہوتی رہیں۔ سب نے بیٹھکر کھانا کھایا اور اس کے بعد آرام کے لئے سب اپنی اپنی چھولداریوں میں چلے گئے۔ صبح ۵ بجے کا وقت تھا۔ پو پھٹنے میں ابھی کچھ دیر تھی کہ ڈاکٹر صاحب کے خیمے میں ان کا مصری ملازم عبدل داخل ہوا۔ اور اس نے میز پر رکھی ہوئی گھنٹی بجائی۔ ڈاکٹر ہیرسن ایکدم بستر سے اٹھ کھڑے ہوئے۔

"کیا ہے عبدل" انہوں نے مصری زبان میں کہا۔

عبدل کورنش بجالایا۔ اس نے کہا۔

"سرکار ایک آدمی خیمے کے باہر کھڑا ہے۔ اور وہ آپ سے کچھ کہنا چاہتا ہے"

ڈاکٹر ہیرسن اپنے شب خوابی کے کپڑوں میں ہی باہر نکل آئے۔ خیمہ کے باہر ایک عجیب بھیانک شکل کا آدمی انہیں نظر آیا۔ اس کا چہرہ کچھ لمبوترہ سا تھا۔ چہرے پر نہ مونچھ تھی نہ ڈاڑھی۔ بلکہ چیچک کے داغ اور کھال کے سمٹ جانے سے کچھ شکل پر عجیب سی ہیبت طاری تھی۔ لمبا ٹ لگا ہڈیوں کا ڈھانچہ۔ بے نور آنکھیں جنہیں زندگی کے آثار معدوم معلوم ہوتے تھے۔ سر پر ایک ترکی ٹوپی تھی۔ جسم پر پرانی وضع کی قبا۔ اس نے ڈاکٹر ہیرسن کو نیچے سے اوپر تک دیکھا اور اطمینان کا سانس لیا۔ ڈاکٹر ہیرسن جو آج تک سخت سے سخت مصیبت اور خطرے کے وقت بھی نہ گھبرائے تھے۔ اجنبی کی اس عجیب و غریب ہیبت سے کچھ خوفزدہ سے ہو گئے۔ اجنبی نے نہایت کرخت آواز میں کہا۔

"آپ یہاں فرعون مصر کے مزارات کھودنے آئے ہیں؟"

ڈاکٹر صاحب کا اثبات میں سر ہل گیا۔

"اچھا تو میرے ساتھ آیئے۔ میں آپ کو اصلی جگہ بتاتا ہوں جہاں آپ کچھ پا سکیں گے"

ڈاکٹر ہیرسن ایک غیر معمولی کشش کے ساتھ اجنبی کے پیچھے پیچھے روانہ ہو گئے۔ خیمے سے تقریباً دو سو گز کے فاصلے پر جانے کے بعد اجنبی ایک جگہ ٹھہر گیا۔ اس نے کہا۔

"آپ یہاں سے کھدائی جاری کرا سکتے ہیں"

ڈاکٹر ہیرسن نے ہمت کر کے پوچھا۔ "آپ کا نام کیا ہے حضرت؟"

"آپ مجھے یوسف بے کہہ سکتے ہیں۔ اچھا اب میں چلتا ہوں آپ اپنا کام جاری کریں" یہ کہہ کر یوسف بے ایک طرف کو چل دیا۔

دور سے ایک کرخت آواز جو گونج سی معلوم ہوتی تھی ڈاکٹر کے کان میں آئی۔

"میں ناہنجار طوطن سے ضرور بدلہ لونگا"

ڈاکٹر ہیرسن بت کی طرح خاموش کھڑے تھے۔ نہ وہ کچھ سمجھ سکے اور نہ ان کی زبان سے کوئی لفظ نکل سکا۔ یوسف بے کا کچھ پتہ نہ چلا۔ اس وقت تک پو پھٹ چکی تھی اور آفتاب عالمتاب کی پہلی شعاعیں زمین پر پڑ رہی تھیں۔ ڈاکٹر ہیرسن کے ساتھی بھی بیدار ہو چکے تھے۔ اور ڈاکٹر صاحب کو تلاش کر رہے تھے۔ اتنے میں ڈاکٹر صاحب اپنے شب خوابی کے لباس میں آتے ہوئے دکھائی دیئے۔ مس پرمروز نے مسکرا کر کہا۔

"ڈاکٹر صاحب آپ اتنے صبح اس پوشاک میں کہاں تشریف لے گئے تھے!"

ڈاکٹر صاحب کے چہرے پر شگفتگی نہ تھی جو ہونی چاہئے تھی۔ انہوں نے بناوٹی مسکراہٹ کے ساتھ کہا۔

"کچھ نہیں یونہی صبح کو کچھ سیر سپاٹا کرنے کو طبیعت کر آئی تھی اس لئے چلا گیا تھا۔ اس خیال سے کہ دن نکلنے سے پیشتر لوٹ آؤنگا کپڑے تبدیل کرکے نہ گیا تھا۔ لیکن اتفاق سے مجھے دیر ہو گئی"

یہ کہکر وہ اپنے خیمے میں چلے گئے۔ وہاں انہوں نے عبدل کو آواز دی۔ عبدل نے اندر پہنچکر سلام کیا۔ ڈاکٹر صاحب نے ذرا سنجیدہ صورت بنا کر کہا۔

"دیکھو عبدل صبح کے اجنبی کا کسی سے ذکر نہ کرنا"

عبدل نے بہت اچھا کہکر سر جھکایا اور خیمے کے باہر چلا گیا۔ چائے تیار تھی۔ سب نے بیٹھکر چائے پی۔ ناشتہ کیا۔ اتنے میں مزدور آنے شروع ہو گئے۔ نمبردار اور ٹھیکیدار بھی آ گئے۔

ڈاکٹر صاحب نے بڑے ٹھیکیدار کو بلا کر حکم دیا۔ آج کھدائی اس جگہ نہ ہوگی جہاں کل ہوئی تھی۔ بلکہ دوسری جگہ ہوگی۔ انہوں نے ٹھیکیداروں کو وہی مقام بتایا جہاں یوسف بے انہیں لے گیا تھا۔ اس بات سے ٹھیکیدار اور مزدوروں کے علاوہ ڈاکٹر صاحب کے ساتھیوں کو بھی تعجب ہوا۔

زمین کی کھدائی شروع ہو گئی اور تعداد مزدور اپنے کام میں مشغول ہو گئے۔ ڈاکٹر ہیرسن اور مسٹر ابرٹ فاکس مستعدی سے مزدوروں کا کام دیکھتے پڑ رہے رہے۔ زمین کھدتی جا رہی تھی۔ لیکن سوائے کنکر اور پتھروں کے کچھ برآمد نہیں ہوا تھا۔ بڑے صبر و استقلال سے تین روز تک کھدائی ہوتی رہی اور تقریباً ۵۰ گز کا ٹکڑا ۱۰ فٹ گہرا کھود ڈالا گیا۔ شام کو ۶ بجے کا وقت تھا۔ آفتاب دن بھر کی مسافت کے بعد غروب ہونے جا رہا تھا۔ جفاکش مزدور بھی اپنی دن بھر کی پسینے کی کمائی لے کر گھر جانے کے لئے مستعد نظر آ رہے تھے کہ ایک مزدور کی کدال ایک ایسی چیز سے ٹکرائی جو کسی عمارت کا ایک حصہ معلوم ہوتی تھی۔ اس نے اپنے ساتھیوں سے تذکرہ کیا۔ سب نے اسی جگہ اپنا کام شروع کر دیا۔ کئی آدمیوں کی متواتر کشمکش کے بعد ایک دیوار کے آثار معلوم دیئے۔ ڈاکٹر ہیرسن اور مسٹر فاکس بڑے اشتیاق سے اس کھدائی کے کام کو دیکھ رہے تھے۔ اور اپنی کامیابی پر پھولے نہ سماتے تھے۔ مزدوروں کی باوجود کافی کوشش کے سوائے دیوار کے ایک حصے کے اور کوئی عمارت نظر نہ آئی۔ وقت کافی ہو چکا تھا اس لئے اس روز کا کام بھی ختم کر دیا گیا۔ اور جنگل میں پھر وہی خاموشی اور سناٹا چھا گیا۔

کھانے سے فارغ ہو کر ڈاکٹر ہیرسن نے اپنے نقشے پھیلائے اور سنجیدگی سے آئندہ کام کے متعلق قیاس آرائی شروع کی۔ مس پرمروز اور مسٹر فاکس چہ میگوئیاں کرتے رہے۔ نئی معلومات کی امیدیں اور اپنی مہم کے کامیاب ہونے کے خیال نے اُن کے دلوں میں ایک عجیب اُمنگ پیدا کر دی تھی۔ ڈاکٹر صاحب اپنے مطالعہ میں مشغول تھے۔ انہوں نے مس پرمروز اور مسٹر فاکس کو آرام کرنے کی اجازت دی اور خود کام کرتے رہے۔ تین گھنٹے کی مسلسل دماغ سوزی کے بعد وہ اندازہ لگا سکے کہ کہاں پرانے قبرستان کے آثار مل سکیں گے۔ رات کے بارہ بجے وہ بستر استراحت پر دراز ہو گئے وہ تین گھنٹے بھی پرانی مصری تہذیب کے خواب نہ دیکھنے پائے تھے کہ خیمے میں کچھ آہٹ سی معلوم ہوئی۔ ہری کین لالٹین ہلکی ہلکی ٹمٹا رہی تھی اور رات کی تاریکی کو دور کرنے کی سعی کر رہی تھی۔ ڈاکٹر ہیرسن کی آنکھ کھلی تو انہوں نے دیکھا کہ وہی خوفناک مجسمہ جو تین روز پہلے صبح کے وقت انہیں اپنے ساتھ لے گیا تھا ان کے بستر کے سرہانے موجود ہے۔ خوف سے ڈاکٹر ہیرسن کی چیخ نکل جانے کو تھی کہ خوفناک اجنبی یوسف بے نے دونوں ہاتھ اٹھا کر تسلی دی اور سنجیدگی سے گہری نگاہیں ڈاکٹر کی طرف ڈال کر یہ ظاہر کیا کہ وہ کچھ کہنا چاہتا ہے اور وہ دوست ہے دشمن نہیں۔ ڈاکٹر صاحب بستر پر بیٹھ گئے اور اجنبی کی گفتگو سننے کے لئے تیار ہو گئے یوسف بے نے ویسی ہی کرخت اور خوفناک آواز میں کہنا شروع کیا۔

"ڈاکٹر میں آپ کا شکریہ ادا کرنے آیا ہوں کہ آپ نے میری تجویز کو منظور کرکے کام شروع کیا"

اجنبی پرانی شکستہ مصری زبان میں گفتگو کر رہا تھا۔ اور ایسا معلوم ہوتا تھا کہ اسکی آواز کسی گہرے کنوئیں میں سے آ رہی ہے۔

"اب آپ مشرق کی جانب کھدائی کرائیں تب گوہر مقصود ہاتھ آئے گا۔ اب میں جاتا ہوں انشاءاللہ پھر ملاقات کرونگا"

یہ کہکر یوسف بے دروازے کی طرف بڑھا اور بغیر ادھر ادھر دیکھے کمرے سے باہر نکل گیا۔ ڈاکٹر نے آنکھیں ملیں کہ شاید محض خواب کا وہم و گمان ہو۔ لیکن یہ سب واقعہ بیداری میں ہوا تھا۔ انہیں نے اپنا یقین کر لیا اور اپنے نقشے کو نکال کر مطالعہ کیا۔ ان کا نتیجہ اجنبی کی تجویز کے بالکل برعکس تھا۔ پہلی کامیابی پر اعتماد کرکے ڈاکٹر ہیرسن نے اپنے نقشے کو درست کیا۔ اور بستر پر دراز ہو گئے۔ اس کے بعد انہیں نیند نہ آسکی اور اپنے منصوبوں کی تکمیل کے خیال نے ان میں ایک نیا جوش پیدا کر دیا۔ سوائے ڈاکٹر اور عبدل کے اب تک کسی نے یوسف بے کو نہ دیکھا تھا۔ صبح کی سپیدی نمودار ہو چلی تھی۔ سب لوگ بستر سے اٹھکر ضروریات سے فارغ ہوئے۔ صبح کا ناشتہ کیا گیا۔ اسی اثنا میں مزدوروں کی آمد شروع ہو گئی اور دشت و صحرا میں پھر چہل پہل ہو گئی۔ مسٹر فاکس مزدوروں کی رہنمائی کر رہے تھے۔ اور مس پرمروز ان کے آرام کے لئے انہیں پانی سوڈا برف وغیرہ مہیا کرنے میں لگی ہوئی تھی۔ تین روز تک پھر کھدائی ہوتی رہی۔ آخر دیوار میں ایک دروازہ نمودار ہوا۔ دروازے کے کواڑ پتھر کے بنے ہوئے تھے جنہیں مزدوروں کے بیلچوں نے دم بھر میں علیحدہ کر دیا۔ اب نیچے جانے کے لئے سیڑھیاں نظر آئیں۔ ڈاکٹر نے کافور کی ایک ڈلی جلا کر تہ خانہ میں ڈالی لیکن وہ تھوڑی دیر میں بجھ گئی اس لئے اسوقت تہ خانہ میں داخل ہونا مصلحت کے خلاف سمجھا گیا اور دروازے پر جالی لگا کر اس پر چار پہرہ دار مقرر کر دیئے گئے۔ اور چاروں سیاح اپنے خیمہ میں آ گئے۔ اگلے روز ڈاکٹر اور مسٹر فاکس نے ہمت کرکے تہ خانہ میں گھسنے کا عزم کیا۔ دو مشعلیں اور کچھ مزدور اور دونوں سیاح تہ خانہ میں داخل ہوئے۔ تہ خانہ کی دیواریں مصری نقش و نگار اور پرانی لڑائیوں کی تصاویر سے مزین تھیں۔ ان کے نیچے مصری زبان میں لڑائیوں کا حال درج تھا۔ صحن کے فرش میں سنگ مرمر اور سنگ موسیٰ کے چوکور ٹکڑے جڑے ہوئے تھے۔ بیچ میں ایک چھوٹا سا خوبصورت حوض بھی تھا۔ سامنے ایک بند تابوت رکھا تھا۔ اس کے پاس ہی ایک طلائی صراحی اور ایک تپائی رکھی ہوئی تھی۔ یہ چیزیں دیکھکر ڈاکٹر کی خوشی کی انتہا نہ رہی۔ مزدوروں کی امداد سے تابوت اٹھا لیا گیا اور اسے خیمہ میں لے آئے۔ تہ خانہ کا دروازہ ویسے ہی بند کر دیا۔ چاروں سیاح اپنی مہم کو سر کر لینے کے باعث خوشی کے مارے پھولے نہ سماتے تھے۔ اس رات کو قاہرہ کی پولیس میں ایک عجیب براڈ کاسٹ تھا۔

(باقی مضمون صفحہ ۵۶ پر)

کیا جرمنی کے تخت پر قیصر پھر واپس آئیگا؟ جرمن لوگ نازیوں سے بددل ہوگئے!!

فوج بغاوت کرے گی اور نقشہ بدل جائے گا!

(ایک ماہر سیاسیات چارلس ہرلے (CHARLES HURLEY) کے قلم سے)

(ترجمہ خاص برائے تیج ویکلی)

یورپ کی سلطنتوں کی تاریخ اس امر کی شاہد ہے کہ تخت سے اتارے ہوئے بادشاہ فوج کے دوبارہ برسر اقتدار آنے اور اس کی فوقیت و تسلط کے قیام کے بعد پھر تخت پر بٹھائے گئے۔ اور شہنشاہیت واپس آگئی۔ اگرچہ یہ امر اس قدر واضح ہے کہ دلیل کی ضرورت نہیں لیکن پھر بھی عوام کو اس لطیف سیاسی نکتہ سے بالکل بے خبر رکھنے کے لئے سیاسیین کوشش کرتے رہتے ہیں۔ لیکن دقیق بین نظریں جنہیں معاملات سیاست کی پیچیدگیوں اور قدیم تاریخ کا پورا علم ہے جان جاتی ہیں کہ مستقبل میں دنیا کیا کروٹ لینے والی ہے۔ جرمنی کے معاملات پر لکھنے والے کئی مشہور اہل قلم حال ہی میں یہ امر واضح کر چکے ہیں کہ نازی سلطنت میں "ریشوہیر" یعنی نظام عسکری اس قدر زبردست فوقیت حاصل کر رہا ہے کہ تمام سلطنت اس کے تسلط آخر تک میں آگئی ہے۔

چارلس ہرلے ایک مشہور اہل قلم ہے جو انگلینڈ کے شہر ڈورن سے کافی مناسبت و تعلق رکھتا ہے۔ جہاں معزول شہنشاہ جرمنی قیصر ولیم (دوم) اپنی معزولی کے بعد سے متوطن ہے۔ چارلس ہرلے نے کسی خاص گروہ کی طرفداری کے بغیر محض ایک سیاست نویس کی حیثیت سے موجودہ جرمنی کی حالت کا یہ قلمی نقشہ تیار کیا ہے اور یہ حیرت انگیز اطلاع دیتا ہے کہ مستقبل قریب میں قیصر جرمنی کے دوبارہ برسر اقتدار آنے کے قوی امکانات ہیں۔ اس امر کے ثبوت میں اس نے جو ثبوت مہیا کئے ہیں ان کے وزن سے ہمیں انکار کرنے کی جرأت نہیں ہوتی۔ بہرکیف یہ گفتگو بین الاقوامی دلچسپی اور سیاسی اہمیت کی حامل ہے۔ اس لئے ناظرین کے لئے اس اہم مضمون کو یہاں پیش کرتے ہیں۔ (ادارہ)

کیا قیصر دوبارہ جرمنی میں واپس آجائیگا؟ — یہ ایک ایسا سوال ہے جو اکثر لوگوں کی زبان پر آچکا ہے اور جنہیں یورپ کی سیاست سے مس ہے وہ جانتے ہیں کہ اس معاملہ کو دنیا کے امن سے کیا تعلق ہے۔ جرمنی کا مستقبل ایک ایسی چیز ہے جس کی طرف سب کی نظریں لگی ہوئی ہیں اور اسکی اہمیت کے سب قائل ہیں۔ اس ملک کا مستقبل صرف دو طلسمی الفاظ میں مضمر ہے "ہٹلر اور قیصر"!! اسوقت جرمنی کے سر پر ایک جادو چڑھا ہوا ہے جس طرح ماقبل جنگ قیصر کا جادو تھا (ایک دوسرے معنوں میں) اسی طرح آجکل جرمنی کے سر پر ہٹلر کا بھوت سوار ہے۔ لیکن قیصر کا تسلط اور اس کی حیثیت و خاندانی بزرگی تاریخی روایات کی مالک تھی لیکن ہٹلر ایک نوزائیدہ چیز ہے اور اس کا نازی نظام ایک بہت ہی جدید چیز ہے اور کوئی نہیں کہہ سکتا کہ یہ نظام کتنا عرصہ زندہ رہے گا؟

جرمنی میں اب جادو کا اثر کم ہو رہا ہے۔ لوگ جو کم سمجھ تھے اب اللہ سوچ رہے ہیں کہ ۱۹۳۳ء میں ہٹلر نے ہم پر جو جادو

کیا تھا اس کا کیا نتیجہ برآمد ہوا ہے۔ اب دانشمندان جرمنی سوچ رہے ہیں کہ اس شخص ہٹلر نے ہمارے لئے کیا کیا ہے۔ اس نے جرمنی کو کیا بنا دیا ہے؟

ہٹلر کے وعدے

برسر اقتدار آنے سے پہلے ہٹلر نے جرمنی سے بڑے بڑے وعدے کئے تھے۔ اس نے اپنی تقریروں میں کہا تھا کہ میں جرمنی کو خوشحال کر دونگا۔ دودھ اور شہد کی نہریں جرمنی میں

بہنے لگیں گی۔ لیکن یہ سب وعدے سبز باغ ثابت ہوئے

جرمنی کو ہٹلر سے کیا فائدہ پہنچا۔ یہ بھی سن لیجئے ہٹلر نے جرمنی کی کھوئی ہوئی ساکھ نہایت وقار کے ساتھ قائم کر دی۔ اس کی خودداری کو مضبوط کر دیا۔ اسکا قومی افتخار کا احساس جو مردہ ہو گیا تھا اسمیں نئی جان ڈال دی۔ جنگ کے بعد جرمنی میں جو ناگفتہ بہ مصائب پیدا ہو گئے تھے انہیں یکسر ختم کر دیا۔

لیکن چند سخت غلطیاں بھی ہوئیں مثلاً یہودیوں کو جرمنی سے نکال دیا گیا۔ ان کا بائیکاٹ کیا گیا۔ اس کی وجہ سے تجارت جرمنی کو سخت دھکا لگا۔ روپیہ دینے اور روپیہ کا کام کرنے والی متمول قوم کے افراد کو چن چن کر باہر نکال دیا گیا جس کی وجہ سے جرمنی کی تجارت کو گھن لگ گیا اور مالی و اقتصادی خرابیاں اور مشکلات پیدا ہو گئی ہیں۔

اگرچہ جرمنی کو ہٹلر کے ہاتھ سے بہت سے فوائد پہنچے [illegible] لیکن عوام الناس پیٹ کی وجہ سے پریشان ہیں۔ وہ سوچ رہے ہیں کہ ہٹلر کے وعدے کب پورے ہوں گے۔ وہ دودھ اور شہد کی نہریں ملک میں کب بہینگی۔ معاملات جو صورت اختیار کر گئے ہیں انکی درستی میں اور کتنی دیر لگیگی۔ اور مالی مشکلات کا حل کیا ہوگا؟

نازی نظام کے بزرگوں کے لمبے چوڑے وعدوں اور سبز باغوں سے جرمنی کے لوگ زیادہ عرصہ تک نہیں بہلائے جا سکتے تھے انہیں تباہی اور بربادی چاروں طرف دکھلائی دیتی

تین آدمی

(از جناب محروم بی اے)

(خاص تیج ویکلی کے لئے)

(۱)

ہیں جو مردانِ جری ذی احترام ‖ کرتے ہیں اکثر جوانمردی کے کام
نیک سیرت خیر خواہِ خاص و عام ‖ ہوتے ہیں بے شبہ ممدوحِ انام
دو جہاں میں مرد کہلاتے ہیں وہ

(۲)

ڈرے رزاں جنگی ہیں جان حزیں ‖ گوشۂ راحت میں رہتے ہیں مکیں
نیکیوں میں گرچہ رکھتے ہیں یقیں ‖ ان کو توفیق عمل حاصل نہیں
بزدلوں میں نام لکھواتے ہیں وہ

(۳)

ان سے بدتر ہوتے ہیں وہ بے حیا ‖ کام عیاری ہے جن کا اور ریا
اپنے کھوٹے کو دکھاتے ہیں کھرا ‖ کہتے ہیں ارباب ہمت کو برا
پاجیوں کی ذیل میں آتے ہیں وہ

خون کی نہریں دکھائی دیتی ہیں۔ ۳۰ جون ۱۹۳۴ء کو جو خون آشام حوادث پیش آئے ان کی وجہ سے اہل جرمنی کانپنے لگتے ہیں۔ اور ہٹلر کے نازی نظام کے جور و تعدی سے خائف ہو جاتے ہیں۔

کسانوں کا نقطۂ نظر

جرمنی میں عوام کی آبادی کا غالب عنصر کسانوں پر مشتمل ہے کسان خواہ کسی قوم کے بھی ہوں قدامت پسند اور پرانی طرز حکومت و تمدن کے دلدادہ نظر آتے ہیں کاشتکار اب یہ سوچ رہے ہیں کہ موجودہ عہد کے مقابلہ میں قیصر ولیم کا عہد حکومت ایک "عہد زریں" تھا۔ [illegible] یہ سوچ رہے ہیں کہ کاش قیصر دوبارہ جرمنی میں واپس آجائے۔ اور برلن پھر قیصریت [illegible] لگے۔ اور موجودہ دور کی پریشانی [illegible]

کیا قیصر جرمنی میں واپس آسکتا ہے؟ اس [illegible] پر جرمنی میں بہت سے لوگ [illegible] [illegible] بہت کم لوگ یہ امر قبول کرتے ہیں کہ [illegible] انکار کے باوجود کچھ نہیں ہوگا۔ اس وقت جرمنی [illegible] فوج کا تسلط ہے۔ اور تمام انصرام دگرفت فوجی نظام کے ماتحت ہے اور یہ فوج کامل طور پر "شہنشاہ [illegible]" ہے۔

۱۹۱۴ء میں جرمنی کی اندرونی حالت آج کل کی حالت سے پھر بھی بہت اچھی تھی۔ قیصر کی ۲۶ سالہ حکومت میں جرمنی کو بہت سے فائدے حاصل ہوئے [illegible] کافی ترقی نصیب ہوئی۔ جرمنی ایک [illegible] سے نکل کر بین الاقوامی سیاست کا ایک [illegible] جرمنی کی بکھری ہوئی قوتیں اور نظام [illegible] سلطنت بن گیا۔ دنیا کی تجارت میں [illegible] کا ہو گیا تھا اور بحری قوت اس [illegible] کہ برطانیہ سے ٹکر کھانے لگی

[illegible] اشتراکی لوگ بھی قیصر سے خوش تھے۔ اور [illegible] ایک مشہور اشتراکی نے ہنستے ہوئے کہا تھا

"وہ وقت جلد آنے والا ہے جب ہم دیکھیں گے کہ اشتراکی بھی شاہی میز پر محل میں کھانا کھا رہے ہوں گے۔"

کیا [illegible] کہہ سکتا ہے کہ اس وقت ذرا سی بھی امید ہے کہ اشتراکیوں اور ہٹلر میں میل ہونا ممکن ہے۔ کیا اشتراکی اور ہٹلر ایک میز پر

(باقی مضمون اگلے صفحہ پر)

پہلے صفحہ سے

کی تاکہ سکتے ہیں۔

جرمنی جنگ کے بعد یورپ کے رحم و کرم پر تھا۔ اس وقت بھی قیصر لوگوں کے دلوں میں عزیز تھا۔ اور اسے لوگ چاہتے تھے۔ اور اس سوال پر کہ کیا قیصر دوبارہ تخت پر آسکے گا۔ اہل جرمن کہا کرتے تھے ۔۔

" نہیں ابھی اس معاملہ کے سوچنے کی فرصت نہیں۔ اور چیزیں زیادہ اہم ہیں"

لیکن تاج جرمنی سے لوگوں کی محبت پھر بھی دلوں میں موجود تھی۔ اور قیصریت KAISERG. EDEN KEN کے لوگ دلدادہ تھے انحادی ممالک میں قیصر کی جنگی غلطیوں اور خون آشامیوں کا جس قدر چرچا تھا۔ جرمن میں لوگ اس سے بالکل بے خبر اور قیصر کی خرابیوں سے بے تعلق تھے۔ اور لوگ ان باتوں پر یقین بھی نہیں کرتے تھے۔

۱۹۲۱ء میں قیصر ولیم کے جنم دن پر ۴۰ جلدیں ۱۰۶۶۳۳ انسانوں کے دستخطوں سے بطور یادگار پیش کی گئی تھیں۔ اس امر سے اگر آج دل قیصر کی محبت کا اندازہ لگایا جا سکتا ہے اس وقت بھی قیصر دولت و امارت کے لحاظ سے تمام جرمنوں سے زیادہ دولت مند انسان ہے۔ کیا کوئی قوم بھی واقعی طور پر ایسی جمہوریت پسند ہے جو اپنے سابق بادشاہ کو اس قدر پرتکلف و متمول حالت میں رہنے کی مہلت دے سکتی ہے۔ یعنی اہل جرمن قطعی طور پر شہنشاہیت کے دلدادہ اور پرانی طرز حکومت کے شائق ہیں اور قیصر کے لئے تو خاص طور پر بہت ہموار میدان ہے۔

فوج کا تسلط قوی ہے

جرمنی پر فوج ہی ایک ایسا نظام ہے جسے سنجیدگی اور معقولیت عمل پر بھی کہہ سکتے ہیں۔ اور یہ نظام شہنشاہیت پسند ہے۔ اگرچہ ہٹلر نے بہت کوشش کی ہے کہ لوگ قدیم شہنشاہی اقبال و رونق کو بھول جائیں اور نازی حکومت کے دلدادہ ہو جائیں لیکن لوگ پھر قیصریت کی رونق کے طلبگار ہیں۔ جرمنی کا جھنڈا ہٹلر نے بدل دیا۔ لوگ کہتے ہیں کہ قومی پرچم کو ایک خاص پارٹی کے نشان سے بدل دینا قومی تعمیر کے مترادف نہیں ہے۔ خاص کر فوج نے تو سواستکا یعنی (卐) نازیوں کے نشان کے ماتحت کام کرنے سے انکار کر دیا۔

قدیم چیزیں زندہ ہیں

جرمنی میں قدامت کو بقا ہے۔ جتنی پرانی روایات اور شہنشاہیت کی یادگاریں ہیں ان کی بقا کے لوازم موجود ہیں۔ خاص کر قیصر کے لئے تو لوگ اب بھی زندہ ہیں اور چاہتے ہیں کہ پرانی حکومت پھر واپس آئے۔ ہٹلر کے خاص جلسوں میں تقریروں میں۔ اجتماعات کے موقعوں پر لوگ چلاتے ہیں۔ " ہٹلر کو چاہئے کہ قیصر کو جرمنی میں واپس لائے " خود ہٹلر بھی فریڈرک اعظم اور دیگر قدیم جرمنی شہنشاہوں کا ذکر کئے بغیر نہیں رہ سکتا۔ کیونکہ یہی وہ لوگ تھے جنہوں نے جرمنی کو ایک طاقتور قوم بنایا۔ اور ان کی زندگیوں سے چشم پوشی نہیں کی جا سکتی۔ اس لئے ہٹلر کو بھی ان کا حوالہ دینا پڑتا ہے۔

قیصر کی ملکہ جرمنی میں

دریہ امر بھی یاد رکھنا چاہئے کہ ملکہ ہرمائن (EMPRESS HERMINE) یعنی قیصر کی بیوی اکثر جرمنی میں سفر کرتی رہتی ہے اور خود قیصر بھی برلن سے متعلق رہتا اور معاملات سے باخبر رہنے کے ذرائع اختیار کرتا رہتا ہے

قیصر نے یہ کہہ دیا ہے کہ وہ جرمنی میں اس وقت تک واپس نہیں جائے گا جب تک اس کی قوم اسے دوبارہ نہ چاہے۔ اگر اس نے اسے طلب کیا تو وہ خدمت الٰہی کے لئے جرمنی واپس جانے میں کوئی مضائقہ نہیں سمجھتا۔ لیکن معزولی کی حالت میں وہ خوش و خورم ہے۔ ہالینڈ کے مقام ڈورن میں جب سے مقیم ہے جب سے کہ وہ جرمنی سے نکلا ہے۔ وہاں اپنے خاندان اور اپنے احباب کے مجمع میں ایک خاموش زندگی بسر کر رہا ہے۔ اور اپنے محبوب اشغال اور تفریحات میں دل بہلاتا ہے

نازی پارٹی

لیکن جرمنی میں سرحد کے اس پار ہٹلر اپنے اعمال سے آہستہ آہستہ نازی پارٹی کی قبر کھود رہا ہے۔ اس نے نہ صرف عوام میں بے چینی پیدا کر دی ہے بلکہ عام کیتھولک عیسائیوں یہودیوں۔ تجارت پیشہ۔ اہل حرفہ اور کاشتکاروں اور عام مزدوروں کو اپنی پارٹی اور اس کی پالیسی کا دشمن بنا لیا ہے۔

فوج تیار ہے وہ ہٹلر اور اس کے ساتھیوں کی ڈوری ڈھیلی چھوڑتی چلی جا رہی ہے، تاکہ یہ پھندا کافی وسیع ہو جائے۔ اور نازی اس میں پھانسی لگا لیں۔ جونہی حالات نے ذرا کشاکش اختیار کی فوج قیصریت کا پرچم بلند کر دے گی۔ ہٹلر کا تختہ ہے اور قیصر تخت پر دکھائی دے گا۔ کوئی دن جاتا ہے کہ ڈورن سے "ابوالہول جرمنی" بلایا جائے گا۔ اور برلن پھر ولیم کے نام سے گونجے گا۔

شاعر

ذوق جمال سے خام

(از جناب ملک حبیب احمد صاحب بی۔ اے)

آپ بیتی کہیں یا جگ بیتی؟۔ اچھا تو آج جگ بیتی ہی سنیئے!۔

ایک تھا شاعر نحیف، لاغر، منحنی سا آدمی، مختصر سامان جسے تخلیق کرنے میں قسمت نے کفایت شعاری سے کام لیا تھا۔ اس کا چہرہ بردگی اور حساس انسان کی مانند فوٹو گراف کی آماجگاہ رہا تھا۔ جس پر حیاتِ انسانی کے سرد و گرم نے ایسے واضح اور پائدار نقوش چھوڑے تھے جیسے صحرا کی خشک ریت برسات کی چھینٹوں سے ہم آغوش ہونے کے بعد کسی رہرو کے نقوشِ پا کو اپنے سینے پر جُوں کا تُوں محفوظ کرلے! مگر اس کے اشعار میں عاشق اور سیہ چشمی کے جذبات ہنوز باقی تھے۔ لیکن سب درباری اور خود بادشاہ فیصلہ کر چکے تھے کہ شاعر بوڑھا ہو گیا ہے۔ اس کی بینائی کم ہو رہی ہے۔ مگر شاید اس کا علم اس قدر عام نہ ہو جاتا۔ اگر گذشتہ نوروز کے دربار میں وہ کمبیلا جبھدار کو آ علی حضرت شہنشاہ جہاں پناہ سمجھ کر اُ جھا نہ لاتا۔

قانون کائنات کے برعکس صرف شاعر اور مصوّر ہی ایسی دو ہستیاں ہیں جن کی زندگی بڑھاپے پر ختم نہیں ہوتی۔ جب نوعِ انسانی پر بڑھاپا آئے! جب درختوں پر پت جھڑ کا موسم ہو۔ جب چمن کی شادابی کو خزاں جھلس دے! جب ہر چیز پر انحطاط ہو اس وقت ایک صناع کا حقیقی شباب شروع ہوتا ہے۔ گو بظاہر قویٰ مضمحل ہو جاتے ہیں۔ عناصر میں اعتدال باقی نہیں رہتا۔ مگر شاعر کا دل صرف اسی منزل پر پہنچ کر جوان ہوتا ہے۔

یہ تھے وہ خیالات جن کا اظہار درباری مؤرّخ نے صدر اعظم سے اس وقت کیا جب نشاط باغ میں ان دونوں نے شاعر کو ریلی اور من موہنا کی خوش نغلیوں سے متاثر ہوکر آزادانہ ہنستے ہوئے سُنا۔ معلوم ہوتا تھا کہ شاعر کی آنکھوں میں شباب و تمنّا پوری شدّت سے مچل رہے تھے۔

باوجود اس کے کہ شاعر کی زندگی کو کبھی کسی عورت نے اپنے پریم بھرے اور رسیلے گیتوں سے پُرکیف نہ بنایا تھا۔ لیکن اس کے اشعار سے معلوم ہوتا تھا کہ اس کی زندگی ایک طویل شبِ مسرت تھی۔ جس میں کسی کسی گوری گوری اور سڈول کلائیاں شاعر کے گلے میں مسلسل حائل رہی ہوں۔ اور شاید اسی لئے لوگ محسوس کرتے تھے کہ اس کے اشعار ایک کامیاب عاشق کے جذبات تھے

جن میں وصل و ہجر سبھی کچھ تھا۔ لیکن وہ درد! وہ تڑپ! وہ سوز مفقود! جو حقیقت میں جانِ شعر ہے۔ اور شاید اسی لئے وہ قصیدے کا بادشاہ تھا۔ کہا کہ صنفِ غزل کا معاملہ دل سے نہیں بلکہ دماغ سے ہوتا ہے۔

—— آخر وہ دن بھی آگیا جب جواں بخت و جواں سال شاہ گیتی پناہ شہزادی مہر نیم روز کو بیاہ لایا۔ اس خوشی میں اُس شان کا جشن کیا گیا کہ بوڑھے اب تک اپنے نواسوں اور نواسیوں کو اس کے قصّے سُناتے ہیں۔ انعام و اکرام سے کل رعایا کو نہال کر دیا گیا۔ اکابرِ سلطنت کو نقد جواہر عطا ہوا۔ وزراء دولت کو جاگیریں ملیں۔ قرنا پھونکنے والوں، جلترنگ بجانے والوں! بھانڈ، کمایت، اور رجکاروں کو جوڑے بٹے۔ شاعر اس موقع پر تن زیب کا انگرکھا پہنے اور کمر سے دوپٹہ باندھے اپنی جگہ پر مؤدب بیٹھا ہوا تھا۔ شاہ خسرو نہاد نے اعلان کیا کہ "ما بدولت اپنے شاعر کو ملک الشعرا کا خطاب عطا فرماتے ہیں" شاعر نے ترقیٔ اقبال کی دعائیں دیتے ہوئے قصیدہ سنایا

—— ملکہ نے چلمن کے قریب بلا کروا دی اور حکم دیا کہ شاعر ہر روز سوا نیزہ دن چڑھے قصرِ سلطانی پر حاضری دیا کرے۔ حکم بظاہر بیٹے کو تو لے لیا لیکن جس آواز نے حکم دیا وہ ایسی پیاری! ایسی شیریں! اتنی لوچدار تتنی وہ بھری تھی کہ شاعر کو اس کی لذت سے مدہوشی سی معلوم ہونے لگی۔ ایک کپکپی سی محسوس ہونے لگی اور سارا جسم سنسنا گیا —— معلوم نہیں اس آواز میں کیا جادو تھا کہ شاعر اس کو سُننا چاہتا تھا اور تڑپنا چاہتا تھا! تڑپنا چاہتا تھا اور مرجانا چاہتا تھا۔ آج زندگی میں پہلی بار وہ ایک ایسی لذت سے دوچار ہوا تھا جس کے لئے باوجود ناقادر الکلام ہونے کے وہ کوئی اور نام ہی تجویز نہ کر سکتا تھا۔ مسرّت! ایک ناقابلِ بیان مسرّت اس کے رگ و پے میں امنڈی چلی آتی تھی۔ مُردہ رگوں اور خفیف شریانوں میں خون اُبلا پڑتا تھا ——

—— یہ آواز ایک دعوت تھی کہ شاعر اس دنیا کو پھول کی پنکھڑی کی طرح مسل کر رکھ دینے کے لئے تیار تھا۔ کہ سوائے اس موہنی آواز کے اُسے اور کچھ دکھائی نہ دے۔ سنائی نہ دے۔ وہ ایک لطیف نغمہ کی مانند فضائے بسیط میں تحلیل ہو جانا چاہتا تھا اس سحرِ شیریں کلامی نے اس کے جسمِ زرد میں ایک آگ سی پھونک دی تھی اور وہ بوڑھا شاعر نہ جانتا تھا کہ اس کے خون سے جو شعلے لپک رہے ہیں انہیں کون سی چیز ٹھنڈا کرے گی ——

—— وہ دربار سے سیدھا پھول باغ کی جانب بھاگا۔ مدن بان کی نرم و نازک بیلوں کو جھکا کر اُن کے سوہلی پھولوں سے اپنے جلتے ہوئے رُخسار ملنے لگا۔ جھپا کی جھاڑیوں سے اُلجھ گیا۔ پریم نگری کے پتے پتے ڈولے —— دیا سے لگ کر کیا طے کر وہ کیا کر رہا ہے۔ آج شاعر کی جوانی کا پہلا دن تھا —— آج پہلی مرتبہ جذباتِ رنگیں نے اس کے سازِ دل پر ایک متوالا گیت گایا۔ —— گھر آ کر چراغ کی مدھم روشنی میں اس نے مشقِ سخن شروع کی۔ جس رفتار سے اس کا دل دھڑک رہا تھا۔ اسی انداز سے چراغ بھی ٹمٹما رہا تھا۔ آج غضب کی آمد تھی۔ جو کچھ اس کی بوڑھی انگلیاں لکھ سکیں محفوظ ہو گیا۔ بیسیوں شعر ہوئے اور بے لکھے ضائع ہو گئے۔ اُسے یقیناً الہام ہو رہا تھا۔ زر طلبی نہ جاہ طلبی۔ نہ شہرت پسندی۔ خطاب یا لالچ کوئی چیز اس کے پیشِ نظر نہ تھی۔ آج اس کا موضوع اور نیّتِ سخن بالکل جداگانہ تھے ——

—— ان سب کے مقابلہ میں حسین نزاکت آور! پاکیزہ اور لطیف تر —— اس وقت ملک الشعرا بھی تو تھا اُسے یاد آگیا۔ مگر نہیں اب وہ اس خطاب کا محتاج نہیں رہا۔ وہ اس خطاب کو بالکل اسی طرح بھول جانا چاہتا تھا۔ جس طرح ایک بھولی لڑکی بالغ ہوتے ہی اپنی گڑیوں کو کسی اونچے سے طاق میں رکھ کر بھول جائے —— آج تو اس بوڑھے شاعر نے پیارے پیارے شعر کہے۔ آج اس کا دل شعر کہہ رہا تھا۔ اور اس کے نزدیک دماغ کی حیثیت ایک عضوِ معطل سے زیادہ کچھ نہ تھی ——

شاعر نے بے شمار راتیں شرابِ طہور کی تمنا میں کاٹ دی تھیں۔ بالآخر آج اس نے معلوم نہیں کس ترنگ میں شرابِ انگوری پی لی۔ ایک جام بھرتا اور شوقِ عبودیت سے پی جاتا۔ دوسرا تیسرا معلوم نہیں کتنے جام پی گیا۔ اور جب صراحی اس جذبۂ آتشیں سے خالی ہوگئی تو اُسے اس انداز سے پرے پھینک دیا جس طرح پجاری منہ اندھیرے دیوی کے گلے سے رات کے پہنائے ہوئے باسی ہار مندر کے دوارے دُور کہیں اور پھینک دیتا ہے۔ بہت سے شعر کہہ گیا —— کچھ دیر ٹھہرا —— کچھ رہا —— ایک جھنجھنی سی لی اور یہ شعر کاغذ پر لکھ لیا ؎

پس مُردن بنائے جائیں گے ساغر ہی گِل کے
نہ پاؤں بخشش کے بوسے ملیں گے خاک میں مل کے

—— شاعر اس رات کو اچاٹ سی نیند سویا۔ ایک عجیب سی کیفیت اس کے دل و دماغ پر مستولی تھی۔ اس نے خواب دیکھا کہ دنیا بھر کی حسین اور جوان عورتیں ایک مرغزار میں جمع ہیں اور سیوتی گلاب اور چنبیلی کے پھولوں میں اُسے تول رہی ہیں۔ کچھ دیر کے بعد ان عورتوں نے شاعر کو حلقہ میں لے لیا۔ اور سب کی سب پریت کے گیت گانے لگیں۔ شاعر نے محسوس کیا کہ وہ اپنے جسم کی کثافتوں کو ترک کر اس نغمہ کی ان لطیف تاروں پر جو فضا میں ان حسین گلوں سے تحلیل ہوکر بکھر گئی تھیں۔ شاعر خود بھی ایک رقصِ مستانہ میں معروف ہے۔

—— ابھی آفتاب کی اکسیا سنہری سے روپہلی نہ ہوئی تھی کہ شاعر بیدار ہوا۔ شہزادی کی حلاوت آفریں آواز اب بھی اس کے کانوں میں گونج رہی تھی۔ شاعر کے دل میں ایک گدگدی سی محسوس ہوئی اور وہ چاہتا تھا کہ ہمہ تن سامعہ ہو جائے۔ اس کے دماغ نے کہا "شاعر کیوں بن آئی مرنے چلے ہو؟" دل نے کہا "شاعر ایسی ہی موت کا نام تو حیاتِ ابدی ہے"!

—— شاعر سوچنے لگا آخر وہ رات اس نے شراب کیوں پی لی۔ آخر وہ کیوں اپنے شیشۂ تقدس کو توڑنے پر مجبور ہوگیا۔ کیوں اس نے شراب پی لی؟

دماغ نے کہا "یہ تھی قبرِ اخلاق کی موت"

دل نے کہا "نہیں شاعر تو نے فطرت کی بلندی کو پالیا"

شاعر نے اپنے تئیں کہا "خیر یہ تو سب کچھ ہوا۔ مگر میں اپنے آپ کو کیوں باولا کئے ڈالتا ہوں۔ بھلا سوچ تو سہی دیوانے۔ کہاں تو اور کہاں شہزادی کا عشق اُونہہ بھکاری کہیں کا"

دل نے کہا "بھکاری کیوں؟ تو بھی تو ملک الشعرا ہے"۔ دماغ کہنے لگا "بیشک جوتے جاؤ اسی خیال میں" شاعر نے یہ کہکر فیصلہ ہی کر دیا ؎

اچھا ہے دل کے ساتھ رہے پاسبانِ عقل
لیکن کبھی کبھی اسے تنہا بھی چھوڑ دے

شاعر نے پھر ایک بار اپنے تئیں کہا "شہزادی کو بولتے ہوئے سنتے رہنے کی تمنا مجھ پر کیوں اس قدر غالب آگئی —— شاید اسی کا نام —— اسی کا نام محبت ہے —— آخر ہوگا کیا۔ اگر میں اس کی آواز سننے سے محروم کر دیا جاؤں —— —— مر تو جاؤں گا نہیں —— کچھ —— " اس خیال کے آتے ہی شاعر کا دل دھک دھک کرنے لگا اور وہ کسی گہری سوچ میں پڑ گیا

(باقی اگلے صفحہ پر)

ملک الشعرا ڈاکٹر رابندرناتھ ٹیگور

مسٹر ایڈورس سوامی — مشہور سائنسدان نے اپنی ۸۱ ویں سالگرہ
پر اپنے ۲۰۰ انچ کی دوربین ایجاد کی ہے

وزیان میں موسم بہار کا ایک نظارہ جسکے ہر طرف پھول ہی
پھول نظر آرہے ہیں

لاس انجلز کی ایک دیہاتی اندھی لڑکی
کو اسکی والدہ نے چار سال تک
اندھیرے کمرے میں بند رکھ کر
اسکی بینائی بحال کردی

...س کے
سو ماکیور یو
کے مقابلہ

موبل کے کنارے جاپان کا
زبردست قلعہ

منچوکو میں "سویابین" کی کاشت
دنیا میں جسقدر یہ بیج پیدا ہوتی
ہے اُسکا ستر فیصدی حصہ یہاں
پیدا ہوتا ہے

موسم سرما میں ایک دیہاتی برف پر
سے شکار کی تلاش میں جا رہا ہے

شہنشاہ حبش راس تفاری کے محافظوں کا ایک دستہ

حبش میں ہوائی حملہ سے گیس
کے ذریعہ لوگوں کے ہاتھ جھلس
گئے

نیویارک کے سائنسداں روشنی کی بولنے والی شعاع کا جو ۴۶ میل
تک سنائی دیتی ہے مظاہرہ کر رہے ہیں
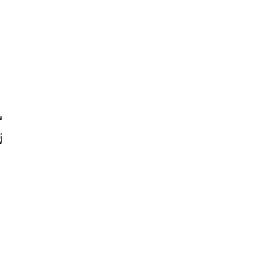
کریملن میں زار روس کے زمانہ کا
ایک تاریخی گھڑیال

ہندوستان میں ہوائی تعلیم کا مرکز جہاں یہ لیکچر
ہال بنایا گیا ہے

بمبئی کا مشہور سر کاؤس جی جہانگیر ہال جس میں سائنس کانگریس کا اجلاس منعقد ہوا

جنوبی ہند میں سراون بیلا کے پہاڑ اور وہاں کے مشہور تالاب کا ایک خوشنما منظر یہاں گومیشور کی یاترا کے لئے لوگ آتے ہیں

برما کا ایک مشہور پگوڈا-بودھوں کا مندر

اجمیر میں اناساگر جھیل کے کنارے کا ایک قابلدید منظر

Mr. E. S. Patanwala.

The welknown perfumer of India. His products are exhibited at the B M. Abuja Stall in Delhi Exhibition

The late Mr A B. Godrej

Founder of the Soap & Safe Industry of India His world famous products are exhibited in the Industrial E x h i b i t i o n People's Park Delhi.

بچوں کی دنیا

کشمیر

(از جناب سید نصیر احمد صاحب جامعی بی۔ اے)

کشمیر کا نام تو تم نے سنا ہوگا۔ یہ ملک بہت خوبصورت ہے اتنا خوبصورت کہ اسے لوگ دنیا کی جنت کہتے ہیں۔ اس کی خوبصورتی کو ہزاروں سیاحوں نے اپنے اپنے خیال کے مطابق بیان کیا ہے ایک انگریز نے لکھا ہے کہ کشمیر کی وادی خوبصورت ہیروں سے جڑا ہوا نگینہ ہے۔ وسیع جھیلوں، صاف شفاف دریاؤں۔ شاندار درختوں اور برف سے ڈھکے ہوئے پہاڑوں کا ملک ہے۔ جہاں ہوا خوشگوار ہے اور پانی میٹھا کشمیر میں ہر وہ چیز موجود ہے جس سے انسان لطف اٹھا سکتا ہے۔ شاعر اور مصور کے لئے مختلف اور خوبصورت مناظر، پہاڑ پر چڑھنے والوں کے لئے اونچے اونچے پہاڑ۔ ماہرین نباتات کے لئے انواع و اقسام کے پھول، جسے کھانے پینے کا شوق ہے اس کے لئے عمدہ پھل اور سبزیاں جو اتنی سستی ہیں کہ دنیا کے کسی دوسرے ملک میں نہیں مل سکتیں۔ بیمار اور مریض ہاؤس بوٹ[1] میں چنار کے سایہ کے نیچے اپنی کھوئی ہوئی صحت دوبارہ حاصل کر سکتا ہے۔

کشمیر جانے کے لئے کئی راستے ہیں۔ مگر آج کل صرف دو ہی استعمال ہوتے ہیں۔ ایک راولپنڈی اور دوسرا جموں کا۔ دونوں راستے بہت اچھے ہیں لیکن جموں کا راستہ زیادہ خوبصورت ہے راہ میں اتنے اچھے مناظر اور عمدہ مقامات ملتے ہیں کہ دل چاہتا ہے کہ بس یہیں رہ جائیں۔

سرینگر کشمیر کا دارالخلافہ ہے۔ دریائے جہلم اس کے بیچوں بیچ بہتا ہے اور اس پر لکڑی کے سات پل ہیں سرینگر بہت خوبصورت شہر ہے اور اسے مشرق کا وینس کہا جاتا ہے۔ اس شہر کے متعلق تفصیل سے پھر کبھی لکھوں گا۔ آج صرف ڈل اور تین باغوں کا ذکر ہوگا۔

ڈل

ڈل ایک جھیل کا نام ہے جو سرینگر سے بالکل قریب ہے اس کی لمبائی ۴ میل اور چوڑائی ۲ میل ہے۔ دنیا میں اس سے بہتر شاید ہی کوئی جگہ مل سکے۔ یہ کہنا مشکل ہے کہ جھیل کس زمانہ میں زیادہ خوبصورت معلوم ہوتی ہے۔ لوگ کہتے ہیں کہ اکتوبر میں آکر اسے کوئی دیکھے، اس وقت بید مجنوں کا رنگ سبز سے سنہرا ہو جاتا ہے۔ اس کی شاخیں پانی پر جھکی عجب دلفریبی پیدا کرتی ہیں۔ چنار کے شاندار درختوں کا رنگ سرخ ہو کر اور ہی شان پیدا کر دیتا ہے۔ ڈل کے ارد گرد پہاڑ ہیں۔ ان پر عجیب قسم کے رنگ پیدا ہو جاتے ہیں یہ سب چیزیں مل ملا کر کچھ ایسا منظر پیش کرتی ہیں کہ دنیا میں اس کی مثال نہیں مل سکتی۔ ڈل کے کنارے بہت سے باغ ہیں جن میں تین بہت مشہور اور قابل دید ہیں۔ یعنی نشاط باغ، نسیم باغ اور شالامار باغ۔

نشاط باغ

آصف خاں نے جہانگیر کے اشارے سے ڈل کے مشرقی کنارے کی جانب یہ باغ بنوایا تھا۔ جھیل کے کنارے سے پہاڑ کی چوٹی تک اس باغ کے بارہ طبقے بنوائے گئے تھے اور ہر اوپر کے طبقہ تک آنے کے لئے زینے تھے۔ پہاڑ کے اوپر سے اس باغ تک پانی لا کر نلوں کے ذریعے ہر طبقے میں پہنچایا گیا تھا نشاط کے بارہ طبقوں کا نام بارہ برجوں پر رکھے گئے تھے۔ اور ہر طبقے میں سینکڑوں عجیب و غریب پھول تھے۔ یہ باغ ہر موسم میں ہرا بھرا رہتا تھا۔

اس زمانے میں تو یہ باغ ظاہر ہے کہ کیا ہوگا لیکن اس زمانے میں بھی اس میں اتنی خوبصورتی اور دلکشی ہے کہ انسان دیکھ کر مبہوت ہو جاتا ہے۔ اس وقت نشاط کا احاطہ ۵۹۵ گز لمبا اور ۳۶۰ گز چوڑا ہے۔ اور اس کے دو حصے کئے گئے ہیں۔ اوپر کے حصہ میں کئی چھوٹے چھوٹے طبقے ہیں۔ زنانہ محل کے لئے جو طبقہ تھا اس کے سامنے ۲۰ فٹ اونچی دیوار ہے۔ دیوار کے اوپر ایک آبی بارہ دری ہے اس کے بیچ میں ۱۴ مربع فٹ اور تین فٹ گہرا حوض بنایا گیا ہے اس میں ۲۵ فوارے چلتے ہیں۔ گرمیوں کے موسم میں اس آبی بارہ دری کے اندر بیٹھنے میں خوب لطف آتا ہے۔ یہاں سے ڈل کا نظارہ بہت دلفریب ہے۔

---

[1] ہاؤس بوٹ اس کشتی کو کہتے ہیں جس پر لکڑی کا خوبصورت سا مکان بنا ہوتا ہے اور سیاح اس میں آکر ٹھہرتے ہیں۔ اور گرمیوں کا موسم عموماً اسی میں گزارتے ہیں۔

گرمی!

(از جناب ماسٹر شفیع الدین صاحب نیرؔ دہلوی)

(جملہ حقوق بحق مصنف محفوظ ہیں)

اب گرمی آجائے گی — ناک پہ چنے چبوائے گی
سورج سر پر آئے گا — پرچھائیں چھپ جائے گی
تپ کے زمیں اب سورج سے — تانبا سی ہو جائے گی
دھوپ میں چلنے پھرنے سے — دیکھنا لو لگ جائے گی
ہونٹ تری کو ترسیں گے — خشک زباں ہو جائے گی
شربت اور فالودے سے — دل کی کلی کھل جائے گی
برف بنے گی کثرت سے — گھر گھر بکنے آئے گی
ٹھنڈے پانی سے خس کی — ٹٹی چھڑکی جائے گی
گرمی کی گرما گرمی — دیکھنا ناچ نچائے گی
کام سے جی اکتائے گا — جسم میں جاں بولائے گی

ایسی گرمی میں کیوں کر
نظم یہ لکھی جائے گی

نسیم باغ

چونکہ اس باغ میں چنار کے درختوں کے نیچے ہر وقت سرد ہوا آتی ہے اس لئے اس کا نام نسیم باغ رکھا گیا ہے اس باغ میں نہریں۔ فوارے اور دیواریں سب غائب ہو چکی ہیں۔ مگر علی مردان خاں کے لگائے ہوئے چنار اب تک موجود ہیں۔ جہانگیر بادشاہ اکثر نسیم باغ اور شام نشاط باغ میں گزارتا تھا

شالامار باغ

یہ باغ شاہجہاں نے اپنے باپ کی فرمائش سے بنوایا تھا اس کا نام فرح بخش تھا۔ لیکن چونکہ یہ باغ جہاں موجود ہے اس کا نام شالامار تھا اس لئے یہی نام مشہور ہو گیا۔ یہ باغ بہت خوبصورت ہے۔ اس میں داخل ہونے کا راستہ ایک نہر ہے جو ڈل سے آتی ہے۔ اس کے دونوں کناروں پر چنار کے درخت ہیں۔ باغ کے وسط میں ایک عمارت ہے۔ یہاں ایک اور چھوٹی نہر ہے۔ اس کے علاوہ ادھر ادھر بڑے بڑے حوض ہیں جن میں مختلف قسم کے فوارے ہیں۔ یہاں بھی پھولوں کی کثرت ہے۔ جدھر دیکھو رنگ برنگ کے پھول نظر آتے ہیں۔ ان باغوں کی حالت اس زمانہ میں ہے۔ خیال تو کرو اس وقت ان کی کیا شان ہو گی جب جہانگیر اور شاہجہان زندہ تھے۔

عورتوں کا صفحہ

(از شریمتی گیان کماری جی جھنور)

زمانہ کے انقلاب کے ساتھ ساتھ استری سماج نے بھی پلٹا کھایا۔ بھارت نے کروٹ لینے میں استری شکشا کی پکار ہوئی جس کی وجہ سے آج استری سماج میں کافی تعلیم پائی جاتی ہے۔ بہت سی دیویاں اعلیٰ تعلیم حاصل کر رہی ہیں اور استری سماج میں مروجہ بہت سی برائیوں کو دور کرنے کی کوشش کر رہی ہیں۔ آزادی کا جذبہ بھی ان کے دلوں میں گھر کر رہا ہے۔ یہ گرہست کے جھگڑوں سے دور ہی رہنا پسند کرتی ہیں۔ اور کنواری رہ کر زندگی گزارنا ان کا مقصد ہے۔ شادی شدہ یا غیر شادی شدہ ان دونوں زندگیوں میں سے ہم کسی کو برا نہیں کہتے۔ مقصد کے لحاظ سے دونوں ہی اچھے ہیں۔ پرانے شاستروں میں زندگی کو انہیں دو حصوں میں تقسیم کیا گیا ہے۔ شادی شدہ عورت وہ ہے جو شادی کرا کر وید کے مطابق اپنے فرض کا پالن کرے۔

شادی ہو جانے کے بعد صرف گھر کا ہی کام کاج نہیں ہوتا بلکہ دھرم۔ جاتی اور دیش سیوا کرنا بھی اس کا فرض ہے۔ اس کا رب سے بڑا مددگار اس کا خاوند ہے۔ دوسرا حصہ غیر شادی شدہ کا ہے۔ اس کو یوں بیان کیا گیا ہے کہ شادی نہ کرا کر سچائی کی تلاش کرے۔ ودیا پراپت کرے اور ایک اونچا آدرش قائم کرے۔ مگر دکھ کی بات یہ ہے کہ آج کل بہت سی پڑھی لکھی عورتیں غیر شادی شدہ رہنا تو پسند کریں گی مگر "براہم وادنی" ہونا جس کا اوپر بیان کیا گیا ہے شاید ہی کوئی پسند کرے۔

آج بھارت میں "گارگی" "مکاتیانی" اور دیدکماری جیسی دیویاں نہیں ہیں۔ ان دیویوں نے زندگی بھر کنواری رہ کر سچی "براہم وادنی" ہو کر دکھایا۔ گارگی جیسی ستی ہونا آسان کام نہیں ہے۔ آج ہمارے اندر وہ طاقت بھی نہیں رہی جو اپنی ان اونچے آدرش والی ماتاؤں کی لاج کو برقرار رکھ سکیں۔ خود آدرش بن جانا بہت مشکل ہے۔ موجودہ زمانہ کی استری جاتی کی بری حالت کسی سے پوشیدہ نہیں ہے غیر شادی شدہ رہنے والی لڑکیوں کا آدرش پوترتا ہے۔ اس کے بغیر ہم کسی طرح بھی ترقی نہیں کر سکتے۔ پوترتا کے بغیر صحت۔ سداچار۔ اونچے

خیالات وغیرہ کی کچھ بھی اہمیت نہیں رہتی۔ کتنے ضروری ہے کہ زندگی کی کامیابی کے لئے اور آدرش والی بننے کے لئے پوترتا اتنی ہی ضروری ہے جتنا جب کے ساتھ ہی زندگی میں پوترتا آتے ہی سدھتا کا جذبہ پیدا ہوتا ہے۔ پوترتا کے لئے اچھی اچھی کتابوں کا پڑھنا بڑا مفید ہے۔ دیش اور دھرم کی ترقی اور اسکی مریادا قائم رکھنے کے لئے قربان ہو جانا ہی زندگی کا اعلیٰ مقصد ہے اور اس ایک جذبہ کو پیدا کرنے کے لئے ضروری ہے کہ ہم اپنی زندگیوں کو پوتر بنائیں۔

حبش کی عدالتیں

(خاص ترجمہ برائے تیج ویکلی)

اگرچہ حبش کی عدالت عالیہ ابتک حضرت سلیمان ہی کے طریقوں پر چلتی ہے اور اسی طرح فیصلہ کرتی ہے لیکن چھوٹے چھوٹے معاملات مختلف اضلاع کی عدالتوں میں طے ہوتے ہیں۔

عدالت عالیہ حبش کی دارالسلطنت عدیس ابابا میں قائم ہے اور اس میں بڑے بڑے جرائم مثلاً ڈاکہ زنی اور قتل وغیرہ اور خاص خاص معاملات ترکہ وراثت اور واجبات وغیرہ کا فیصلہ ہوتا ہے۔ مقامی عدالتوں کے لئے حکومت مجسٹریٹ مقرر کیا کرتی ہے۔ یہ لوگ عموماً اوسط درجہ کے میونسپل افسران ہوتے ہیں۔ اور حکومت ان کو مقدمات طے کرنے کا پروانہ عطا کر دیتی ہے جس شخص کو یہ پروانہ ملتا ہے وہ شہر کے معزز اصحاب کو اپنے ساتھ شریک کر لیتا ہے۔ پھر لب سڑک کوئی موقع کی جگہ تلاش کر کے اپنی عدالت جا لگاتا ہے اور مقدمہ والوں کا انتظار کرتا ہے۔

چونکہ حبش کے تجارتی رواج اور لوگوں کا مزاج بالکل عجیب ہے اس لئے آئے دن معمولی جھگڑے ہوتے رہتے ہیں۔ اور ان عدالتوں کو زیادہ دیر انتظار کی زحمت گوارا نہیں کرنی پڑتی۔ جہاں کسی شخص کو یہ احساس ہوا کہ میرے ساتھ کوئی زیادتی یا بے انصافی ہوئی۔ فوراً وہ اپنے مخالف سے عدالت کے روبرو چلنے کی فرمائش کرتا ہے۔ اور وہاں کے رواج کے مطابق ہر شخص کا یہ فرض ہے کہ وہ اس فرمائش کی تعمیل کرے۔ اگر کوئی شخص انکار کرتا ہے تو مدعی فوراً تنہا عدالت میں چلا جاتا ہے۔ اور وہاں اسے بہت سے ایسے جوشیلے لوگ مل جاتے ہیں جو اس کے ساتھ جا کر مدعاعلیہ کو سرِ دست لے آتے ہیں اور ساتھ لے آتے ہیں۔

مدعی اور مدعاعلیہ دونوں کو اپنا نقطۂ نظر پوری طرح پیش کرنے کا حق ہوتا ہے اور انہیں اجازت ہوتی ہے کہ وہ اپنے ساتھ جتنے گواہ چاہیں لے آئیں۔ اس کے علاوہ وہ جرح اور بحث بھی کر سکتے ہیں اگر کوئی شخص اپنے مقدمہ کی بابت خود پیروی نہ کرنا چاہے تو اسے اپنا پیروکار یا وکیل مقرر کرنے کا اختیار ہوتا ہے۔ اس قسم کے لوگوں کی وہاں کوئی کمی نہیں ہے۔ کیونکہ ایسے لوگ مجمع ہی میں موجود ہوتے ہیں جو نہایت دلچسپی اور شوق سے مقدموں کے حالات سنتے رہتے ہیں اور جب ضرورت ہوتی ہے تو نہایت آزادی سے آگے بڑھ کر اپنی رائے کا اظہار بھی کرتے ہیں حبش والے عدالتوں میں محض تماشہ دیکھنے ہی جاتے بلکہ وہ انہیں سیاسی معلومات حاصل کرنے کا ذریعہ بھی سمجھتے ہیں۔

یہ سرراہ عدالتیں حبش میں بہت مقبول ہیں اور اس کی وجہ شاید یہ ہے کہ یہاں سچ بولنے کا حیرت انگیز مشاہدہ ہوتا ہے اور اس کے علاوہ قومی رسم و رواج کے مطابق شرطیں بھی لگائی جاتی ہیں۔

مدعی یا مدعاعلیہ اپنی تائید میں کوئی شرط لگاتا ہے اور اپنے مخالف کو بھی اس کی دعوت دیتا ہے کہ شرط بڑھا کر اسکی تردید کرے۔ مثلاً وہ آدھ سیر گوشت یا نصف بھیڑ سے شروع کرتا ہے۔ اور اس کا مخالف ایک گھوڑے تک بڑھ جاتا ہے۔ اگر مخالف یہ چیلنج قبول نہ کرے تو اسے اپنی ہار ماننا پڑتی ہے۔ بعض مرتبہ تو جتنی قیمت کی چیز زیر فیصلہ ہوتی ہے اس سے زیادہ کی شرط لگ جاتی ہے۔

مجسٹریٹ کو حکومت کی جانب سے کوئی تنخواہ یا معاوضہ نہیں ملتا ہے۔ ان کا گذارہ اسی شرط کی آمدنی سے ہوتا ہے۔ کیونکہ جو شخص ہارتا ہے وہ شرط کی چیز مجسٹریٹ کی نذر کرتا ہے اسی غرض سے مجسٹریٹ ایک مکان کا بھی انتظام کرتے ہیں۔ تاکہ اگر گواہوں کے نہ ملنے یا مزید تحقیقات کرنے کی وجہ سے مقدمہ فوراً طے نہ ہو سکے تو جب تک وہ طے نہ ہو جائے فریقین کو اس مکان کے ایک ہی کمرے میں ایک ہی ساتھ رکھا جائے۔

بعض جگہ یہ رسم بھی ہے کہ دوران سماعت میں مدعی اور مدعاعلیہ کے کپڑے اس طرح باندھ دیئے جاتے ہیں جیسے ہندوستان میں دولہا اور دولہن کے کپڑوں میں گرہ لگا دی جاتی ہے۔ کبھی کبھی ایک چھوٹی سی زنجیر سے بھی یہی کام لیا جاتا ہے۔ اور جب تک مقدمہ پوری طرح طے نہ ہو جائے فریقین کو جدا جدا بیٹھنے پھرنے کی اجازت نہیں ہوتی۔

جو شخص مقدمہ ہارتا ہے۔ گویا مقدمہ کے ساتھ شرط ہارتا ہے۔ اور اگر شرط کی چیز فوراً ادا نہیں کر سکتا تو جب تک وہ ادا نہ کر دے مجسٹریٹ اسے مذکورہ بالا مکان میں بند رکھتا ہے۔ یہ صورت مہینوں تک جاری رہ سکتی ہے۔ اسی لئے طویل قید کے خوف سے کبھی ایسی شرط نہیں کی جاتی جو فریقین کے احاطہ امکان سے باہر ہو۔

عموماً ان عدالتوں میں اتنے زیادہ مقدمات ہوتے ہیں کہ اکثر عدالتیں صبح ۹ بجے سے شام کے ۵ بجے تک برابر کام کرتی رہتی ہیں۔

نوٹ:۔ خط و کتابت کرتے وقت چٹ نمبر کا حوالہ ضرور دیا کریں

اقوالِ زریں

(مرسلہ جناب اے۔ آر۔ رشدی بھوپالی)
(خاص نیرنگِ خیال کے لئے)

ایک خوش خلق آدمی دوسرے آدمی کی بری عادتوں پر بھی اچھا اثر ڈال سکتا ہے۔

اچھے کاموں کا بدلہ اچھا اور برے کاموں کا بدلہ برا ملتا ہے۔

تم کو ہمیشہ حق بات منہ سے نکالنا چاہیئے۔

انصاف سے ہمیشہ تسلی بخش کام ہوتا ہے۔

تم کو اپنے دوستوں سے مشورہ کرنا چاہئے۔ اس لئے کہ مشورہ ایک عمدہ چیز ہے۔

احسان ایک ایسی چیز ہے جو شریف طبیعتوں میں دوستی کو مستحکم اور پختہ کر دیتا ہے۔

ایک اچھا عالم، اچھا نقاش، اچھا انجینئر، اچھا موسیقی دان بغیر سخت محنت کے نہیں بن سکتا۔

رشک و حسد سے آدمی کبھی کامیاب نہیں ہو سکتا۔

عالموں کی صحبت روح کی لطافت کا سبب ہوتی ہے۔

علم کی تلاش کرو۔ اور اس کے تعاقب میں جاؤ۔

اپنے دل میں عالی ہمتی پیدا کرو۔

ایسا کام نہ کرو جس سے کسی کو تکلیف پہنچے۔

عقلمند آدمی کی ذات اشرفی اور سونے کے ما نند ہے کہ جہاں کہیں وہ جاتا ہے لوگ اس کی قدر کرتے ہیں۔

کسی کو آزار پہنچانے تک کا خیال دل میں نہ لاؤ۔

موجِ شراب

جج:۔ بہتر ہے کہ فریقین آپس میں فیصلہ کریں۔

ملزم:۔ میں تو یہی کر رہا تھا۔ مگر پولیس مانع ہوئی۔

ایک شخص نے اپنے ایک کاہل دوست سے دریافت کیا کہ:۔

"تم نے کبھی سمندر کا سفر بھی کیا ہے؟"

کاہل دوست نے جواب دیا:۔

"سفر؟ میں نے تو سمندر کو سمندر بنا دیا۔ بحر الکاہل کا نام میری نمایاں ترین خصوصیت سے منسوب ہے۔"

تین دوست ایک دوسرے سے زیادہ بڑا بن کر دکھانے کی زبانی کوششوں میں مصروف فقرہ بازی تھے ایک نے کہا:

"نہیں معلوم ہے۔ کل جب میں بازار جا رہا تھا تو ایک شخص نے میری طرف اشارہ کر کے کہا۔

"یہ شخص بالکل سوتیلی معلوم ہوتا ہے۔"

دوسرا بولا:۔

"اور اس سے پہلے دن جب میں بازار سے گزر رہا تھا۔ تو ایک شخص نے جو اپنے دوست کی ہمراہی میں میرے قریب سے گزر رہا تھا اپنے دوست سے مخاطب ہو کر کہا۔

"یہ شخص اپنے ہنر سے کس قدر شاہیت دکھاتا ہے!!!"

تیسرا بولا:۔

"تم دونوں نے کس قدر چھوٹی چھوٹی شخصیتوں سے خود کو نسبت دی ہے۔ آج ہی جب میں بازار کے ایک نکڑ پر کھڑا تھا تو ایک سپاہی نے مجھ سے مخاطب ہو کر کہا۔

"اے مقدس ذات شریف سلام۔ آپ دوبارہ تشریف لے آئے!"

ایک مکان میں پانی کے نل کا پائپ ٹوٹ گیا اور اس سے پانی بڑی تیزی کے ساتھ نکلنے لگا۔ پلمبر کو ٹیلیفون کیا گیا وہ بہت دیر میں پہنچا جب وہ آیا تو مکاندار سے پوچھنے لگا۔

"کیا کیفیت ہے؟"

مکان والے نے جواباً کہا۔

"اب ہمیں پلمبر کی حیثیت سے آپ کی ضرورت نہیں الحمد۔ اگر آپ تیراکی کے جوہر دکھانے چاہیں تو بسم اللہ۔"

بقیہ مضمون صفحہ ۱۲

اور اس میں ڈاکٹر صاحب کا شریک ہونا بہت ضروری تھا۔ میں وقت عجلت خیمے میں آگیا۔ ڈاکٹر نے سب لوگوں کو خیمے سے باہر کر دیا۔ اسوقت ان چاروں سیاحوں کے سوائے اور کوئی خیمہ میں نہ تھا۔ سرہانے کی طرف سے تابوت کھولا گیا۔ جس میں ایک پوری ممی (لاش) مصالحے کے کپڑے میں لپٹی ہوئی موجود تھی۔ اس کے سر کی طرف ایک ہاتھی دانت کی خوبصورت صندوقچی تھی۔ اس کے اوپر مصری زبان میں کچھ عبارت کندہ تھی ڈاکٹر ہیریس نے کوشش کر کے عبارت کا مطلب نکالا۔

"یہ لاش شہزادی لطیف خانم کی ہے اور اس صندوقچی میں اس کی زندگی کا سربستہ راز پوشیدہ ہے اور اگر کوئی شخص اسے کھولنے اور راز معلوم کرنے کی کوشش کرے گا تو خدا کے قہر کا مستوجب ہوگا۔ اور اپنے کئے کی سزا پائے گا!"

ان الفاظ سے ڈاکٹر کے چہرے پر خوف وہراس کے آثار نمودار ہوگئے۔ وہ فراعنہ کی بددعا اور انتقام کو اچھی طرح جانتے تھے اور کبھی ایسی غلطی کا ارتکاب کرنے کے لئے تیار نہ تھے۔ جس سے جان پر آنچ آئے۔ مسٹر البرٹ بھی ان کے چہرے کا اتار چڑھاؤ دیکھ رہے تھے۔ انہوں نے ڈاکٹر کی پریشانی کا سبب دریافت۔ ڈاکٹر صاحب نے صندوقچی کے اوپر لکھی ہوئی عبارت کا مطلب بیان کیا تو مسٹر البرٹ اور مس پریم روز دونوں نے زور کا قہقہہ لگایا۔ ڈاکٹر ہیریس کے چہرے پر غصے کے آثار پیدا ہوگئے۔ انہوں نے زور سے چلا کر ان دونوں کو تنبیہ کی "خبردار۔ بے ہوش مت۔ دارالحکام کا احترام کرو۔" چاروں طرف خاموشی سی چھا گئی۔ دونوں نے اپنے اپنے سینے پر ہاتھ رکھ کر گردن جھکائی۔ تمام مزدوروں اور ٹھیکیداروں کا حساب کتاب کرتے ہوئے شام ہوگئی۔ ڈاکٹر صاحب نے آٹھ پہرے دار ملازم رکھ لئے۔ اب سب نے یورپین کلب کے ڈنر میں جانے کی تیاری کی۔ لیکن مسٹر فاکس نے ناسازیٔ طبع کا بہانہ کر کے چھٹی حاصل کر لی۔ ڈاکٹر ہیریس مس پریم روز اور مسٹر جان میکناٹن اور ملازمین کو ہمراہ لے کر اور خیمے پر مسٹر فاکس اور چھ ملازمین کو چھوڑ کر کلب گھر کی طرف روانہ ہو گئے۔ کلب گھر میں فیشن ایبل خواتین اور با مرتبہ حکام کی بھیڑ بھاڑ تھی۔ سب شام کی پوشاک میں ملبوس تھے اور ہر ایک ایک دوسرے سے مذاق اور گفتگو کر کے حظ اٹھا رہا تھا۔

مسٹر البرٹ فاکس نے ناسازیٔ طبع کا بہانہ ضرور کیا تھا۔ لیکن وہ اس کی پوشیدہ تحریر کو نکال کر پڑھنے اور اس کا مطلب حل کرنے کا ارادہ کر رہے تھے۔ انہوں نے عملے کو باہر چلے جانے کی ہدایت کی اور خود تابوت کے پاس آکر ہاتھی دانت کی صندوقچی کھولنے میں مصروف ہو گئے۔ لالٹین کافی تیز جل رہی تھی۔ تھوڑی سی کوشش کرنے کے بعد صندوقچی کھل گئی۔ اور اس میں سے ایک کاغذ لپٹا ہوا برآمد ہوا۔ مسٹر فاکس نے میز کے قریب جا کر اس کاغذ کو کھول کر پڑھنے کی کوشش کی۔ ابھی وہ صرف دو چار لفظ ہی پڑھنے پائے تھے کہ انہیں ایسا معلوم ہوا کہ کوئی ہڈیوں کا ڈھانچہ اپنے لمبے بازو ان کی طرف بڑھا رہا ہے۔ بایاں فولادی پنجہ ان کے گلے پر تھا اور دایاں اس پُراسرار کاغذ پر۔ مسٹر البرٹ کے حلق میں سے خوفناک چیخ نکلی۔ ہاتھ میں سے کاغذ کا پلندہ چھٹ گیا۔ زور کا دھماکہ ہوا۔ لالٹین زمین پر گر کر بجھ گئی۔ مسٹر فاکس ایک دم بیہوش ہو کر گر پڑے۔ اور ان کے قلب کی حرکت بند ہو گئی۔ ممی کا قہر نازل ہو گیا تھا اور اس قہر کا پہلا شکار مسٹر فاکس ہوئے۔ خیمے میں سے مسٹر فاکس کی چیخ اور لالٹین کے گل ہو جانے سے جب ملازمین خیمے کے پاس حاضر کرتے تھے۔ وہ سب وہاں سے بھاگ کر دور ایک کھجور کے درخت کے نیچے ہاتھ پھیلا کر دعا مانگنے لگے۔ مس پریم روز کلب گھر میں اپنی ہم جنس نازنینوں کے ساتھ خوش گپیوں میں مشغول تھی۔ اتنے میں ایک مصری خادمہ نے آہستہ سے مس پریم روز کے کان میں کہا۔

"حضور کو ایک بیگم صاحبہ دوسرے کمرے میں یاد فرماتی ہیں۔ بہت ضروری کام ہے۔"

مس پریم روز چپ چاپ اس کے پیچھے چلدی۔ سب لوگ اپنی رنگ رلیوں میں مشغول تھے۔ مس پریم روز دوسرے کمرے میں آئی۔ وہاں ایک عجیب شکل کا مصری بہایت تیز نظروں سے مس پریم روز کی طرف دیکھ رہا تھا۔ اسکی آنکھوں میں زندگی کا نور موجود نہ تھا۔ شکل بہایت خوفناک تھی۔ مس پریم روز نے اجنبی کی طرف دیکھا اور اس کا تمام جسم کانپ اٹھا۔ اور وہ اجنبی کے زیر اثر ہو کر اس کے پیچھے چلنے لگی۔ وہ پُراسرار ہستی یوسف بے ہی تھا۔ جس نے ڈاکٹر ہیریس کو شہزادی لطیف خانم کے مقبرے کا سراغ دیا تھا۔ مس پریم روز کو اپنے تن بدن کا ہوش نہ تھا۔ یوسف بے نے ایک پُراسرار طریقے سے خانے کا دروازہ کھولا اور مس پریم روز کے اس میں داخل ہوگیا۔ ممی کا تابوت جو ڈاکٹر ہیریس اپنے خیمے میں لے گئے تھے اپنی اصلی جگہ پر موجود تھا۔ سامنے چار موم بتیاں جل رہی تھیں۔ یوسف بے نے تابوت کا ڈھکنا کھولا۔ دونوں ہاتھ اپنے سینے پر رکھے اور سر جھکایا۔ اور مصری زبان میں کچھ منتر اپنی زبان سے نکالے۔ اس کے بعد یوسف بے نے ویسی ہی کرخت اور خوفناک آواز میں مس پریم روز کو مخاطب کر کے کہنا شروع کیا۔

"لطیف خانم پیاری۔ تمہارے لئے ہی میں بہت عرصے سے پریشان ہوں۔ آج میں تمہیں اپنی موجودگی میں پاکر بہت خوش ہوں اور میری تپیدہ اور سوختہ روح کو تسکین مل رہی ہے۔ میں اس مقام پر مدتوں سے منڈلا رہا ہوں۔ آج مجھے یہ موقعہ میسر آیا ہے کہ اپنی محبوبہ کو اپنے روبرو پاتا ہوں۔ لطیف خانم کیا نہیں یاد ہے کہ کس طرح تم نے میرے دل کے ٹکڑے ٹکڑے کر کے میری روح کو اذیت پہنچائی تھی۔ اور کس طرح تم اس بے جان ممی کی شکل میں

(باقی اگلے صفحہ پر)

(پچھلے صفحہ سے)

ہیلو کے لئے رہین وقف کر دی تھیں!

مس برم تمور اس وقت تک کچھ ہوش و حواس میں آ چکی تھی۔ اس نے گردن ہلا کر اس امر سے انکار کر دیا۔ یوسف بے نے غصے اور تحکمانہ لہجہ میں کہا۔

"اچھا۔ آؤ میں تمہیں تمام واقعات دکھا کر تمہاری یادداشت کو تازہ کر دوں!"

یکایک برم کا چہرہ حوض آئینے کی طرح چمک رہا تھا۔ یوسف بے نے مس برم تمور کو اس میں جھانکنے کا اشارہ کیا۔ مس برم تمور کی آنکھیں خیرہ ہو گئیں۔ اس نے دیکھا کہ ایک مصری طرز کا شاہی محل ہے جو بڑی خوبصورتی سے آراستہ ہے۔ حبشی غلام ادھر ادھر پھر رہے تھے۔ صاف اور شفاف زمین ہے۔ لوبان اور خوشبویات سے تمام محل مہک رہا ہے۔ نازک اور حسین لونڈیاں خوبصورت شیشے کی صراحیاں لئے ایک طرف سے دوسری طرف جا رہی تھیں۔ ہر ایک اپنا کام خاموشی سے انجام دے رہا تھا اتنے میں ایک زبردست شور بلند ہوا۔ شہنائی کی آواز سنائی دی۔ نفیریوں نے صدا بلند کی۔ شہزادی خانم کی سواری آ رہی ہے۔ تھوڑی سی دیر میں چار جری اور قوی ہیکل حبشی ہاتھ میں تلوار لئے۔ کمر پر ڈھال سجائے نمودار ہوئے۔ اس کے بعد خوبصورت لونڈیوں کا ایک غول تھا۔ جن میں سے کچھ کے پاس باجے اور کچھ کے پاس کھانے پینے کا سامان تھا۔ ان کے پیچھے ایک سنہری

پالکی میں شہزادی لطیف خانم قدیم مصری

لباس میں خوبصورتی کے ساتھ جلوہ گر تھی۔ ۴ ہٹے کٹے مضبوط حبشی پالکی کو اپنے کاندھوں پر اٹھائے ہوئے تھے۔ ساتھ ساتھ سنہری عصا لئے ہوئے وزیر اعظم چل رہا تھا جو شکل و صورت میں بالکل یوسف بے سے مشابہ تھا۔ فرق صرف اتنا تھا کہ یوسف بے محض ہڈیوں کا ڈھانچہ تھا۔ اور وہ مضبوط اور توانا آدمی تھا۔ شہزادی کے خط و خال میں اپنی صورت کی جھلک پا کر مس برم تمور بہت زیادہ متحیر ہوئی۔ جہاں جہاں سے سواری گذرتی گئی وہاں لوگ سربسجود ہو گئے۔ وزیر اعظم کے حکم سے ایک جگہ سواری رکی۔ [illegible] اور اس نے [illegible] پالکی [illegible] اپنے ہاتھ میں لے کر اسے بوسہ دیا۔ اور جذبات سے زیر اثر ہو کر اس نے ہاتھ کو زور سے دبایا اور شہزادی کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر اپنی محبت کا اظہار کرنا چاہا۔ شہزادی نے نفرت سے منہ پھیر لیا۔ اور جھٹک کر ہاتھ چھڑا لیا۔ نقیب نے زور سے کہا "خبردار" سامنے سے ایک مضبوط اور شکیل آدمی زرہ بکتر لگائے۔ ڈھال سجائے۔ ہاتھ میں برچھی لئے ہوئے آیا۔ وہ شکل و صورت میں رابرٹ فاکس سے ملتا جلتا تھا۔ وہ شہزادی خانم کا سپہ سالار تھا۔ اس کی طرف دیکھ کر شہزادی مسکرائی اور اس نے جذبات تعشق کا اظہار کیا۔ اس بات سے وزیر اعظم کا چہرہ غضبناک ہو گیا۔ اس کے بعد چاروں طرف اندھیرا چھا گیا۔

دوسرا منظر سامنے یہ آیا کہ آہ و بکا۔ نالہ و شیون کی آواز سنائی دے رہی ہے۔ شہزادی لطیف خانم کی لاش سامنے پڑی ہے۔ تابوت تیار ہو رہا ہے۔ وزیر اعظم ایک طرف کھڑا ہوا یاس اور حسرت سے یہ تماشا دیکھ رہا ہے۔ یکایک اس نے اپنے سینے پر دو خنجر مارا اور شہزادی خانم کے تابوت پر گر پڑا۔

یہ منظر دیکھتے دیکھتے مس برم تمور کا دل دہل اٹھا اور وہ چیخ مار کر بے ہوش ہو گئی۔

بعد میں کیمپ میں جب تھوڑی دیر تک مس برم تمور نظر نہ آئی تو چاروں طرف اس کی تلاش شروع ہوئی۔ رنگ میں بھنگ ہو گیا۔ ڈاکٹر ہیرسن دوڑتے ہوئے اپنے خیمے پر گئے۔ وہاں نہ چوکیدار نہ ملازم خیمہ بالکل تاریک پڑا تھا۔ کھجور کے درخت کے نیچے چوکیدار لوگ سہمے ہوئے بیٹھے تھے۔ وہ ڈاکٹر ہیرسن کو دیکھ کر قریب آئے۔ کچھ آدمی حوصلہ کر کے خیمے میں داخل ہوئے۔ وہاں کا عالم عجب برہم تھا۔ ممی کا تابوت وہاں سے غائب تھا۔ اور رابرٹ فاکس کی بے جان لاش زمین پر پڑی تھی۔ ڈاکٹر ہیرسن نے دل درد سے اپنا سینہ پیٹ لیا۔ "افسوس نوجوان فاکس اپنی حماقت کا شکار ہو گیا۔ اس نے ممی کے راز کا احترام نہ کیا اور اپنی جان سے گیا!"

پولیس نے مسٹر فاکس کی لاش پوسٹ مارٹم کے لئے بھیجی اور مس برم تمور کی تلاش شروع ہوئی۔ [illegible] لطیف خانم کے مزار والے تہ خانہ میں گیا۔ انہوں نے دیکھا کہ تہ خانہ جوں کا توں ہے اور مزار میں حوض کے پاس مس برم تمور بے ہوش پڑی ہے۔ ممی کا تابوت اپنے ٹھکانے پر رکھا ہوا ہے۔ اس کا ڈھکنا کھولا گیا تو صندوق خالی تھا۔ ممی قاہرہ کے عجائب خانہ میں بھیجی گئی۔ کہا جاتا ہے کہ وہ ممی آجکل قاہرہ کے عجائب خانہ میں موجود ہے۔ ڈاکٹر ہیرسن قاہرہ کے مون لائٹ ہوٹل میں آکر مقیم ہوئے۔ مس برم تمور کو چار روز کے بعد ہوش آیا۔ اس نے تمام گذشتہ واقعات بیان کئے۔ ایک ہفتے کے بعد ڈاکٹر ہیرسن رات کو ایک بجے ایک دم نیند سے چونک پڑے۔ دیکھا کہ یوسف بے نہایت غضبناک صورت بنائے کھڑا ہے۔ [illegible] ہیبت ناک آواز میں کہا۔

"ڈاکٹر اگر خیریت چاہتے ہو کہ کل ہی سرزمین مصر سے روانہ ہو جاؤ۔ ورنہ تمہارا بھی وہی حشر ہوگا جو تمہارے ساتھی کا ہوا!"

اگلے روز صبح ہی ڈاکٹر ہیرسن مس برم تمور اور اپنے ساتھی مسٹر [illegible] کے ساتھ مصر سے روانہ ہو گئے۔ واپسی میں نہ وہ چہل پہل تھی۔ نہ وہ شوق اور نہ جوش۔ ہم واپس آنے کے تھوڑے دن بعد مس برم تمور کو دیوانگی کے دورے ہونے لگے اور وہ زیادہ عرصہ زندہ نہ رہ سکی۔ البتہ ڈاکٹر ہیرسن جب کبھی زمانہ مصر کا حال پڑھتے یا کوئی ایسی چیز ان کی نظر سے گذرتی تو وہ احترام سے سجدہ کرنے لگتے تھے۔ اور [illegible] کے قہر کے خوف سے کانپ

تپ دق اور اس کے اسباب

(از قلم جناب ڈاکٹر ایم، اسی، آفادر۔ پوسٹ گریجویٹ اِن ٹیوبر کلوسس اینگ تلعہ گوجر گھ لاہور)

(خاص تیج دہلی کے لئے)

تپ دق: تھائسس۔ پلمونری، ٹیوبر کلوسس کیا ہے؟

یہ پھیپھڑوں کی ایک بیماری ہے جو کہ ایک قسم کے جراثیم کی وجہ سے پیدا ہو سکتی ہے یہ پھیپھڑوں میں داخل ہونے سے ہوتی ہے ان کے جراثیم کی کئی اقسام ہیں۔ عام طور پر دو اقسام کے جراثیم انسان پر حملہ کرتے ہیں (۱) ہیومن (۲) بوائن۔ انگلستان میں بوائن قسم کے جراثیم زیادہ تر تپ دق کے مریضوں کے مشاہدہ میں پائے گئے ہیں۔ اس کی خاص وجہ یہ ہے کہ وہاں دودھ دینے والے جانوروں میں یہ مرض عام ہے۔ اور دودھ سے یہ مرض انسانوں میں پھیلتا ہے گھریلو جانوروں مثلاً بلی کتے اور دیگر پالتو جانوروں میں بھی یہ مرض بکثرت ہے۔ پرندے بھی اس موذی مرض سے نہیں بچ سکتے۔ ہندوستان میں اس مرض کا صدیوں تک کسی کو پتہ نہ تھا۔ یہ مرض یورپ میں بہت تھا۔ یہاں تک کہ وہاں کی آدھی اموات اسی سے ہوتی تھیں۔ ۱۸۸۲ء میں ڈاکٹر بیڈ میس آف لندن یونیورسٹی ہالینڈ نے اس مرض کی تشخیص کی۔ یہ پہلا شخص تھا جس نے ثابت کیا کہ اس کے کیڑے سانس کے ذریعہ باہر ہوا میں پھیل کر دوسروں کے پھیپھڑوں میں داخل ہوتے اور تپ دق پیدا کرتے ہیں۔ ڈاکٹر رچرڈ مارٹن نے ۱۹۰۰ء میں ایک کتاب شائع کی جس کا نام (PHTHISIOLOGY) تھا۔ یورپ میں جوں جوں یہ مرض ترقی پذیر ہوتا گیا ڈاکٹروں اور سائنس دانوں نے بھی اس کی تحقیقات اور اس کے روکنے کی تدابیر میں کوئی دقیقہ فروگذاشت نہ کیا۔

مارٹن نے یہ تحقیق کی یہ بیماری روکی جا سکتی ہے۔ اگر انسان مندرجہ ذیل باتوں کا خیال رکھے۔

(۱) عمدہ خوراک اور صاف پانی۔
(۲) باقاعدگی۔ آرام اور درست عادات۔
(۳) ہلکی ورزش اور مالش۔
(۴) کمزور کرنے والی اشیاء سے پرہیز مثلاً دست آور چیزیں۔
(۵) ہر وقت خوش و خرم رہنا۔
(۶) تازہ اور صاف ہوا۔

ملک اسپین میں یہ مرض ۱۷۵۱ء میں بہت بڑھ گیا۔ گورنمنٹ نے ہر ممکن طریقہ اس کے تدارک کے لئے استعمال کیا۔ قانون نافذ کر دیئے گئے۔ قانوناً لوگوں کو فوری اطلاع دینی پڑتی تھی کہ فلاں جگہ یا گھر میں تپ دق کا مریض ہے۔ تپ دق کے مریضوں کے لئے شہروں سے باہر سینی ٹوریم بنائے گئے۔ بہت سے بورڈ آف ہیلتھ بنائے گئے جو باقاعدہ ہر ایک گھر میں جا کر معائنہ کرتے تھے۔ اگر انہیں کسی آدمی پر شک گذرتا تھا تو وہ فوراً ہسپتال پہنچا دیا جاتا تھا۔ غرضیکہ اس مرض کو روکنے کی تدابیر یورپ کے ہر ملک میں بڑے زور و شور سے کی گئی۔ یہاں تک کہ ڈاکٹر کاک نے ۱۸۸۲ء میں برلن یونیورسٹی میں اس مرض کے کیڑے کی پوری شناخت خورد بین کے ذریعہ سے کی۔ گو یہ بیماری اب بہت کم ہو گئی ہے تاہم وہ لوگ اس کے انسداد کے لئے بہت کچھ کر رہے ہیں۔ لیکن ہمارے ملک میں ان باتوں کی طرف توجہ ہی نہیں دی جاتی۔ حالانکہ سب ملکوں سے زیادہ اموات ہمارے ہی ملک میں ہوتی ہیں۔ اگر یہ حالت کسی اور ملک میں ہوتی تو وہاں کہرام مچ جاتا۔ یہاں بھی جب کبھی پلیگ اور چیچک پھیلتی ہے تو ٹیکہ لگواؤ ٹیکہ لگواؤ کا شور بلند ہو جاتا ہے۔ لیکن تپ دق جو زہر کی طرح اپنا کام کر رہا ہے جس سے ہزاروں انسان لقمۂ اجل ہو رہے ہیں خاص خیال نہیں کیا جاتا۔ ہمارے ممبران اسمبلی و کونسلوں کا فرض ہے کہ وہ گورنمنٹ پر زور دیں تاکہ بہت سے سینی ٹوریم گورنمنٹ کی طرف سے کھولے جائیں۔ قانون نافذ کئے جائیں تاکہ کوئی مریض گھروں میں نہ رکھا جائے۔ اور دوسرے ممالک کی طرح ہسپتال کی ایمبولینس کاریں مریضوں کو ان کے گھروں سے خود لے جائیں۔ مریض کا کسی بھی گھر یا محلے میں رکھنا جرم قرار دیا جائے اس سے ہزاروں آدمیوں کی جانیں بچیں گی۔

پنجاب کے ممبران میونسپلٹی پر فرض ڈالنا چاہیئے کہ وہ اس معاملہ کو اپنے ہاتھ میں لیں۔ اگر میونسپلٹی سینی ٹوریم نہیں کھول سکیں تو ٹیوبر کلوسس ڈسپنسری تو کھول سکتی ہیں۔ کلکتہ کارپوریشن جادوپور تپ دق ہسپتال کو ایک بڑی بھاری گرانٹ دیتی ہے اور بھی کئی ٹیوبر کلوسس ڈسپنسریاں ہیں۔

اسی طرح پنجاب اور دہلی کی میونسپلٹیوں کو بھی چاہیئے کہ وہ اس مرض کے انسداد کے لئے کوشش کریں وارڈ صفائی اور ہیلتھ انسپکٹرز، میونسپل ڈاکٹروں کو اجازت ہونی چاہیئے کہ وہ مہینہ میں کم از کم ایک دن ضرور ہر گھر کا ضرور ملاحظہ کیا کریں۔ عورتوں اور بچوں کے معائنہ کرنے کے لئے لیڈی ڈاکٹروں کا انتظام ہونا چاہیئے۔ جس طرح پلیگ سے بچو۔ ہیضہ سے بچو۔ چیچک سے خبردار رہو وغیرہ کے پوسٹر دیواروں پر چپک

(باقی مضمون اگلے صفحہ پر)

(بقیہ صفحہ ۔۔ سے)

کی آنکھیں گلے سے لگائے جاتے ہیں اسی طرح تپ دق سے بچنے کی ہدایات کے متعلق بھی پوسٹر لگانے چاہئیں۔ اگر اس مرض کی یہی رفتار رہی تو یاد رکھئے کہ کوئی گھر اس ظالم مرض سے نہ بچا رہیگا۔

اسباب

اس مرض کے پیدا ہونے کا ایک ہی سبب ہے کہ ٹیوبرکل جراثیم جسم میں داخل ہو جاتے ہیں (INFECTION) کئی طریقوں سے ہوتا ہے۔

(۱) وراثت

(۲) زخموں وغیرہ کے ذریعہ جراثیم کا اندر داخل ہونا۔

(۳) سانس لیتے وقت ہوا کے ساتھ جراثیم کا نالیوں میں چلے جانا۔

(۴) خوراک۔

(۵) خون کی نالیوں میں داخل ہو کر ایک جگہ سے دوسری جگہ چلے جانا۔

(۱) **وراثت** کا حصہ تپ دق پھیلانے میں بہت کم ہے۔ اور بہت سے اشخاص۔ کہتے ہیں کہ یہ مرض موروثی نہیں ہے۔ البتہ جن بچوں کے والدین کو تپ دق ہوتی ہے ان بچوں کے پھیپھڑے کمزور ہو جاتے ہیں جو تپ دق کے کیڑے کے پھلنے پھولنے میں اچھی زمین کا کام دیتے ہیں

(۲) زخموں وغیرہ کے ذریعہ بھی اس کے جراثیم انسانی جسم میں داخل ہو جاتے ہیں۔ عام طور پر یورپ میں ریوڑ لوگ اس مرض میں مبتلا ہو جاتے ہیں۔ کیونکہ وہاں یہ مرض گائے بیل میں زیادہ ہوتا ہے اور اگر زخم ہاتھ وغیرہ پر ہو تو اس کے کیڑے اس زخم کے ساتھ جسم میں داخل ہو جاتے ہیں۔

(۳) **بذریعہ ہوا**:۔ سب سے زیادہ اور خاص سبب تپ دق کے پھیلنے اور جراثیم کے اندر داخل ہونے کا یہ ہے کہ ہوا کے ذریعہ جراثیم ہمارے اندر داخل ہو جاتے ہیں۔ یہ جراثیم ان مریضوں کی تھوک سے ہوا میں پھیلتے ہیں جو ہوا میں کھانستے ہیں۔ تھوک کو بجائے کاغذ یا لفافہ میں ڈال کر رومال میں پھینکنے کے دیواروں اور فرش پر پھینکتے ہیں۔ وہی تھوک جس وقت ذرا خشک ہو جاتا ہے تو آس پاس کی تمام ہوا کو خراب کر دیتا ہے۔ بس اسی ہوا سے بہت سے لوگ اور بھی متاثر ہو جاتے ہیں۔ ہمارے ملک میں تو اس بات پر بالکل توجہ نہیں دی جاتی۔ جہاں چاہیں تھوک دیتے ہیں۔ کھانستے ہیں تو بھی سیدھا دوسرے کے منہ پر۔ یہ نہیں کہ منہ پر رومال یا ہاتھ رکھ لیں۔ یہاں پر تعلیمیافتہ لوگوں میں بھی اس بات کا خیال کم ہے۔ دیواروں پر اور راستے میں تھوکنا معیوب خیال نہیں کیا جاتا۔ انگریزوں کے مقابل ہندوستانی پبلک جگہ جگہ میں جا بجا بے پرواہ تھوکتے پھرتے ہیں۔

(DONOT SPIT)

مریضوں کے لئے تو نہایت ضروری ہے کہ وہ کسی کاغذ کے لفافہ یا رومال میں اپنا تھوک پھینکیں اور بعد ازاں اس کاغذ کو کسی ڈس انفیکٹنگ لوشن میں پھینک دیا جائے۔ یا جلا دیا جائے۔ اس سے آپ صرف اپنے گھر والوں کو ہی نہیں بلکہ ہزاروں گھروں کو اس خونخوار مرض سے بچائیں گے۔

تھوک کے ذروں۔ راستوں اور دیواروں پر پھینکنے سے ایک تو جراثیم ہوا میں پھیل جاتے ہیں اور دوسرے مکھیاں اُن پر بیٹھ جاتی ہیں۔ اور یہی مکھیاں ان جراثیم کو ہماری خوراک تک پہنچا دیتی ہیں جس کے کھانے سے یہ مرض لاحق ہو جاتا ہے۔

تیسرے تپ دق کے مریضوں سے بچوں کو گھیلتے ہیں وہ ان جراثیم کو آسانی سے حاصل کر لیتے ہیں۔ اس لئے پبلک کو خاص طور پر اس بات سے آگاہ کرنا چاہئیے کہ تھوکنا معیوب ہے۔

(۴) خوراک۔ گوشت۔ دودھ وغیرہ۔ ان جانوروں کا گوشت جو کہ بیمار ہوں۔ یا ان کا دودھ استعمال کرنے سے بھی یہ مرض ہو جاتا ہے۔ یورپ میں چونکہ یہ مرض دودھ دینے والے جانوروں میں زیادہ ہے اس لئے وہاں تپ دق زیادہ تر (BORINE TYPE) جراثیم سے ہوتی ہے۔ وہاں گائے کا گوشت استعمال کیا جاتا ہے اور گائے بیل کو ہی یہ مرض اس ملک میں زیادہ ہوتا ہے کیونکہ کہا جاتا ہے کہ بکری کو تپ دق نہیں ہوتا۔

وہ خوراک جو ہوا میں پڑی رہی ہو اور مکھیاں اس پر بیٹھتی رہی ہوں۔ اور وہ مکھیاں کہیں ایسے تھوک جو کہ تپ دق کے مریض کی ہو وہاں سے جراثیم اپنے ساتھ لائی ہوں۔ یا دودھ و خوراک کسی تپ دق والے مریض کے ہاتھ سے حاصل کیا گیا ہو۔ دودھ کو خوب ابالنا چاہئیے اور پھر استعمال کرنا چاہئیے۔

(۵) تپ دق کے جراثیم اگر جسم کے ایک حصہ میں ہوں تو بذریعہ خون کی روانی دوسری جگہ پہنچ سکتے ہیں۔ جن لوگوں کو انتڑیوں کی تپ دق ہو انہیں پھیپھڑوں کی بھی تپ دق ہو جاتی ہے۔ یا اگر پھیپھڑوں کی ہو تو مریض اپنے تھوک کو اندر لے جانے سے انتڑیوں کی تپ دق میں بھی مبتلا ہو جاتا ہے۔

(باقی آئندہ)

مزاحیہ

چند روز عطارد میں

(از جناب قیصر واحدی صاحب دہرہ دون)

(خاص تیج ویکلی کے لئے)

نوٹ:- کئی برس ہوئے ایک مقامی رسالہ میں ایک مضمون "عالم مریخ میں چند روز" کے عنوان سے شائع ہوا تھا۔ اسی عجیب سلسلہ کو پیش نظر رکھ کر یہ مضمون سپرد قلم کیا گیا ہے۔ اگرچہ بادی النظر میں یہ مضمون "گلیورز ٹریولز" سے ملتا جلتا معلوم ہوتا ہے لیکن حقیقت میں اس کا ماخذ خود مصنف کا عالم خیال ہے۔

سفر مریخ میں ایک سال کی ناقابل فراموش تکالیف دیکھ کر میرا آتش شوق بھڑک اٹھی اور وہ جذبہ جو مدت سے میرے پہلو میں سو رہا تھا جاگ اٹھا۔ میں نے مصمم ارادہ کر لیا کہ خواہ کچھ بھی ہو اب کے جمعہ کی صبح کو میں ضرور عطارد کی طرف پرواز کر دوں گا۔ میں نے اپنے عزیز و اقربا کو ملاقات کے خطوط بھیجے۔ مستقبل کی کسی کو کیا خبر ہے شاید میری یہ ملاقات آخری ہو۔

جمعہ کا دن تھا میری سب تیاریاں مکمل ہو چکی تھیں لوگوں نے میرے گلے میں پھولوں کے ہار ڈالے اور دعائیں دیں۔ میں نے انجن اسٹارٹ کیا اور تھوڑی سی دیر میں فضائے آسمانی میں ہزاروں میل کی بلندی پر جا پہنچا۔ میں دل ہی دل میں اپنی ہمت کی داد دے رہا تھا کہ ہوا کی قلت اور سردی کی کثرت و مہیب مصیبتوں نے مجبور کر دیا۔ جلدی سے آکسیجن کا تھیلا میں نے اپنی ناک سے باندھا اور بدن پر جو پہلے ہی سے آٹھ گرم ترین کپڑوں سے لدا ہوا تھا دو کا اور اضافہ کر دیا۔

جہاز برابر اپنا کام کئے جا رہا تھا۔ یہاں تک کہ بہتر گھنٹے کے ختم پر میں عطارد سے صرف چند سو میل کے فاصلہ پر رہ گیا تھا۔ میرے سامنے اس وقت کیا تھا؟ ایک فرضی آسمان اور اس کے نیچے ایک سیاہ - - - - یہ عطارد کی سرزمین تھی۔ میں نے اپنے جہاز کی رفتار کو کم کیا اور کسی نامعلوم خطرے کے لئے تیار ہو گیا۔ لیکن جہاز! اُف وہ انتہائی تیزی سے اُڑ رہا تھا۔ کہ یکایک ایک دھماکہ ہوا۔ اور میں بے ہوش ہو گیا ہوش میں آنے پر مجھے معلوم ہوا کہ میرا جہاز رُکا ہوا ہے۔ میں نے فوراً کھڑکی کھول کر جھانکا اور ساتھ ہی ایک نعرہ مارا "عطارد"!

اب میں عطارد میں تھا۔ میری حیرت کی کوئی انتہا نہ رہی جب میں نے دیکھا کہ باوجود دھماکہ کے جہاز کو کوئی نقصان نہیں پہنچا۔ میں یہی دیکھ رہا تھا کہ پشت کی طرف سے ایک ننھی سی سوئی میرے کان کے قریب آ کر لگی اور ساتھ ہی بھنبھناہٹ کی آواز کان میں آئی۔ میں نے پیچھے مڑ کر دیکھا تو ایک متحرک سیاہ لکیر کے سوا مجھے کچھ دکھائی نہ دیا۔ میں نے اپنی دوربین نکالی اور دیکھا کہ وہ سب آدمی تھے۔ لیکن بہت چھوٹے چھوٹے کسی کا قد چار پانچ انچ سے زیادہ نہ تھا۔

حیرت اور خوشی نے مجھے دیوانہ بنا دیا۔ میں نے ان کے قریب جانا چاہا۔ لیکن وہ بھاگ گئے۔ میں نے اشاروں کے ذریعہ انہیں یقین دلایا کہ میں انہیں کوئی نقصان نہیں پہنچاؤں گا۔ آخرکار میرے اشارے سے مطمئن ہو کر وہ میرے قریب آ گئے۔ ان میں سے ایک کو میں نے ہتھیلی پر کھڑا کیا۔ خوف کے مارے اس کا برا حال ہو گیا۔ ننھے ننھے بدن کپکپانے لگے۔ لیکن جب میں نے مسکرا کر انہیں پھر نیچے کھڑا کر دیا تو وہ لوگ خوش ہو گئے۔ اور میرے گرد جمع ہو گئے۔ آہ اپنے دل کی کیا حالت کہوں جب میں نے ان کے چہرے غور سے دیکھے۔ کہنے کو تو ان میں ہر ایک بالشت بھر کی جان تھا لیکن قدرت نے ان میں حسن کوٹ کوٹ کر بھرا تھا

بس یہ معلوم ہوتا ہے کہ خدا نے حور و غلمان کے پاکٹ سائز نمونے اس سرزمین پر اتار دیئے ہیں۔

اب وقت جھٹ پٹا سا ہو گیا تھا اور مجھے بھوک لگ رہی تھی۔ اشاروں کے ذریعہ میں نے انہیں سمجھایا شکر ہے مذاق حقیقی کا کہ میرا اظہار مدعا ان کی سمجھ میں آ گیا اور ان میں سے کچھ لوگ وہاں سے چلے گئے کچھ دیر بعد ہنسی کے مارے میرا برا حال ہو گیا۔ جب میں نے دیکھا کہ وہ سینکڑوں پلیٹوں میں جو میرے ناخنوں کے برابر تھیں کھانا اور پانی لا رہے ہیں۔ خیر میں نے لیٹ کر اپنا منہ جو ان کے خیال میں ایک پھاٹک سے کم نہ ہوگا کھول دیا اور ان لوگوں نے باری باری سے وہ پلیٹیں اُلٹنی شروع کر دیں ان کی بارہ تیرہ پلیٹوں سے میرا ایک نوالہ بنتا تھا۔ کھانا بے حد بدمزہ تھا۔ لیکن بھوک کے وقت اسی نے اچھے کھانے سے کہیں زیادہ مزہ دیا۔ کھانے کے بعد میں نے حسب معمول اپنا چاندی کا خلال جو تلوار کی شکل کا بنا ہوا تھا نکالا۔ وہ لوگ متعجب ہو کر میرے گرد جمع ہو گئے کیونکہ وہ شکل اور سائز میں ہو بہو اُن کی فوجی تلواروں کی طرح تھا۔ ان میں سے ایک منچلے نے اُچک کر پکڑ لیا اور تلوار کی طرح پھرانے لگا۔ لیکن مشکل یہ تھی کہ چراغوں کی روشنی میں چاندی کی چمک سے ان کی آنکھیں خیرہ ہوئی جاتی تھیں۔

تھوڑی دیر میں ایک آدمی ایک گھوڑے پر چڑھ کر آیا جو شکل سے ۵-۶ انچ لمبا ہوگا۔ لوگوں نے

(باقی اگلے صفحہ پر)

(پچھلے صفحہ سے)

احترام سے معلوم ہوتا تھا کہ اس حکومت کا کوئی بڑا افسر ہے۔ اس نے مجھے ایک طرف چلنے کا اشارہ کیا۔ میں نے اسے حو گھوڑے کے ہتھیلی پر اُٹھا لیا اور اس کے اشارہ پر چلنے لگا۔ آبادی میں ہوتے ہوئے ہم بادشاہ کے محل کی طرف چلے۔ میرے ہر قدم پر ایک زلزلہ سا برپا ہوتا تھا۔ کیونکہ سڑک کی تنگی کی وجہ سے میرا قدم کسی گھر کی کھڑکی پر پڑتا تھا اور کبھی کسی کی عمارت کی چھت پر۔ آخر ہم وہاں پہنچ ہی گئے۔ بادشاہ مع ملکہ کے میرے استقبال کو آیا۔ بادشاہ بالکل ننھا تھا۔ رات کافی گذر چکی تھی اور مجھے نیند آ رہی تھی۔ بادشاہ شاید یہ سوچ کر کہ اگر میں محل میں گر پڑا تو سارا محل تباہ ہو جائے گا مجھے ایک سامنے کے میدان میں سونے کا حکم دے کر اندر چلا گیا۔ لیٹتے ہی مجھے نیند آ گئی۔

صبح جب میری آنکھ کھلی تو بادشاہ کو اپنے قریب ہی کھڑا پایا۔ میرے جسم پر بہت گرد جمی ہوئی تھی۔ میں نے نہانے کا اشارہ کیا۔ بادشاہ سمجھ گیا۔ اور ایک آدمی سے مجھے ایک طرف لے جانے کو کہا۔ وہ مجھے ایک تالاب کے کنارے لے گیا۔ میں اس میں اُترا تو پانی میری پنڈلیوں تک آیا۔ حالانکہ یہ اس سلطنت کا سب سے بڑا تالاب تھا۔ غسل کرنے کے بعد اسی طریقے سے میری ضیافت کی گئی۔ اب بادشاہ نے مجھ سے ملاقات کرنی چاہی۔ لیکن نہ میں اسکی زبان سمجھ سکتا تھا نہ وہ میری۔ آخر حکومت کی طرف سے مجھے چند ننھی ننھی کتابیں دی گئیں اور ۲۵ بن رسیدہ استاد میرے پڑھانے پر مقرر ہوئے۔ اپنی خوردبین کی مدد سے میں اُن کتابوں کو پڑھ تو لیتا تھا۔ لیکن ایسی کوئی صورت نہ تھی جس سے اپنے استادوں کی آواز آسانی سے سن سکوں۔ اس مشکل کو دور کرنے کے لئے میں نے جہاز سے لاؤڈ سپیکر نکالا۔ ان کی آوازوں کو ڈہائی سو گنا کرنے پر بھی ایسا معلوم ہوتا تھا کہ کوئی شخص آہستہ آہستہ کانا پھوسی کر رہا ہے۔ آخر بہزار دقت ایک ہفتے میں اس لائق ہو گیا کہ ٹوٹے پھوٹے الفاظ میں گفتگو کر سکوں۔

مجھے عطاردہ میں رہتے ہوئے کئی دن گذر گئے اور اب میرے دل میں ہندوستان کی یاد پیدا ہوئی۔ میں نے بادشاہ سے درخواست کی کہ اب مجھے جانے کی اجازت دی جائے اور میرے ساتھ عطاردہ کے باشندے اور چند مویشی بھیجدیں۔ بادشاہ نے درخواست کے پہلے حصے کو تو خوشی منظور کر لیا۔ لیکن دوسرے کیلئے وہ ہرگز تیار نہ ہوئے۔ میں بھی بغیر اُن کو ساتھ لئے واپس جانا نہیں چاہتا تھا اس لئے موقع کی تاک میں رہا۔

کئی دن اور گذر گئے۔ آخر ایک دن غیر معمولی طور پر سردی ہو گئی اور لوگوں کے چہرے پر حزن و ملال کے آثار نمایاں ہو گئے۔ میں نے بادشاہ سے اس کا سبب پوچھا تو انہوں نے بتایا کہ ہماری سلطنت کے دوسری طرف ایک زرخیز سلطنت ہے۔ مان سون ہوائیں جب بارش لے کر آتی ہیں تو یہ پہاڑ جو تم دیکھتے ہو اُنہیں روک کر ادھر ہی برسا دیتا ہے اور ادھر نہیں آنے دیتا اسی لئے ہمارا ملک بالکل بنجر ہو گیا ہے۔ میں نے دیکھا کہ بادشاہ کی آنکھوں میں آنسو بھر آئے۔ مجھ سے یہ دیکھکر برداشت نہ ہو سکا۔ فوراً اُٹھ کر اس پہاڑ کی طرف چل دیا۔ قریب جا کر معلوم ہوا کہ ایک بڑا سا ٹیلہ ہے جو بمشکل چوتھائی میل لمبا ہوگا۔ میں نے مصمم ارادہ کر لیا کہ وہ تمام بارود اور ڈائنا میٹ جو میرے جہاز میں موجود ہے اسی کام میں صرف کر دوں گا۔

اگلے دن اس کا ذکر میں نے بادشاہ سے کیا اور اپنی مدد کو ۵ سو آدمی طلب کئے۔ بادشاہ کو اس کا یقین تو نہ آیا کہ اتنا بڑا پہاڑ کسی طرح نیست و نابود کیا جا سکتا ہے۔ لیکن میرے کہنے کی وجہ سے اپنی فوج کا ایک رسالہ میرے پاس بھجوا دیا۔ میں نے اس سے میں سیکڑوں چھوٹی چھوٹی سرنگیں کھدوائیں اور آتشگیر مادہ بچھا کر ایک وقت مقررہ پر آگ لگا دی۔ بہت زور کا دہماکہ ہوا۔ سیکڑوں آدمی بیہوش ہو گئے۔ بعضوں کے طائران روح قفس ہائے عنصری سے پرواز کر گئے۔ لیکن بادشاہ کی خوشی کی کوئی انتہا نہ رہی۔ وہ فوراً جائے وقوع کی طرف روانہ ہو گیا۔ لیکن اسی وقت اتنے زور کی بارش ہوئی کہ اُسے مجبوراً واپس لوٹنا پڑا۔

بادشاہ تو درکنار اب سلطنت کا ہر فرد مجھ پر اپنی جان نثار کرنے کو تیار تھا۔ اس کا لازمی نتیجہ یہ ہوا کہ بادشاہ نے بغیر کہے دس گائیں۔ سترہ بھیڑیں۔ چھ گھوڑے اور سات مرد اور عورتیں جن کو مختلف مقدمات میں پھانسی اور جلا وطنی کی سزائیں ملی تھیں میرے حوالے کر دیئے۔ میں نے بادشاہ سے اجازت چاہی اس نے بخوشی منظور کر لی۔ لیکن ساتھ ہی یہ بھی کہا کہ میں کچھ کار آمد اشیا بطور یادگار چھوڑ جاؤں۔ میں نے اپنی گھڑی جیب سے نکالی اور ایک عالیشان عبادتگاہ کے اوپر بلند گھنٹہ گھر نصب کر دی۔ رعایا میں خوشی کی لہر دوڑ گئی۔ لیکن میں اپنے محسن بادشاہ کیلئے بھی کوئی یادگار چھوڑنی چاہتا تھا۔ دفعتاً میری نظر ملکہ کی گڑیا کی موٹر پر پڑی تھی جسے شاید میں کھیلتے کھیلتے میرے جہاز میں چھوڑ گئی تھی اُسے اٹھا لایا اور بادشاہ اور ملکہ کو بٹھا کر چابی دیدی۔ موٹر منٹوں میں ہوا سے باتیں کرنے لگی۔ بادشاہ اس سے بیحد خوش ہوا۔ اور ملکہ بھی جامے میں پھولی نہ سماتی تھی لیکن مشکل یہ تھی کہ موٹر کو چابی دینے کیلئے ۱۰ آدمیوں کی ضرورت پڑتی تھی۔

اگلے دن میں نے عطاردہ کو الوداع کہی اور بخیریت گھر واپس آ گیا۔ افسوس ہے کہ اس دنیا کی ہوا عطاردہ کی ان حسین اور نازک اندام ہستیوں کو جو میرے ساتھ آئی تھیں راس نہ آئی اور وہ سب ایک ایک کر کے عالم جاودانی کو کوچ کر گئیں۔

باغ لگانے اور کیاریاں تیار کرنے کی ترکیبیں

سبزی پیدا کرنے والوں کے لئے ایک دلچسپ مشغلہ

(باغات کے ماہر مسٹر راجندر پرشاد پالیوال کے قلم سے)

(ترجمہ خصوصی برائے تیج دہلی)

بنگلہ اور مکان کے گردا گرد اگر احاطہ ہو تو اس میں چمن لگایا جاتا ہے اور پھول لگائے جاتے ہیں۔ خوشبودار اور رنگین پھول بے شک بہت خوشنما ہوتے ہیں۔ اور ہندوستان میں پھول کے درخت اور پودے لگانے کا بہت رواج ہے۔ لیکن اگر بنگلے کے گرد پھولوں کی کیاریوں کے ساتھ ترکاریاں بونے کا بھی انتظام کیا جائے تو ہندوستان میں اس کے لئے بہت مناسب آب و ہوا اور سہولتیں میسر ہیں۔ میرا مطلب یہ ہے کہ مکان کے احاطہ اور بنگلے کے کمپونڈ میں باورچی خانہ کے استعمال کی ترکاریاں پیدا کرنے کے لئے لوگوں کو توجہ دینی چاہئے۔

نہ صرف یہ کہ ترکاریوں کے بونے سے ہمارے لئے عمدہ غذائیں مہیا ہو سکتی ہیں بلکہ یہ بھی کہ ان کے بونے سے تر و تازگی اور کھیت کی خوشنما فضا اور صحت بخش نظارہ بھی ہمارے لئے مفید و دلچسپ ہوگا۔ بالکل تازہ ترکاریاں ہمیں ہر وقت حسب مرضی مل جایا کریں گی۔ ترکاریاں سبزیاں جس قدر تازہ ہوں۔ ان میں "حیاتین" (VITAMINS) یعنی قوت بخش اجزا اسی قدر زیادہ ہوں گے۔

فرض کیجئے کہ آپ نے اپنے بنگلہ کے احاطہ میں ٹماٹر اور مٹر بو دیئے ہیں۔ جب آپ چاہیں رسیلے، خوبصورت اور تر و تازہ ٹماٹر اور خوبصورت و ذائقہ دار مٹر آپ کو مل سکتے ہیں۔ اور جیسا آپ کو پسند ہے ہر طرح کا ذائقہ ذرا سی دیر میں مل سکتا ہے۔ بازار سے منگائی ہوئی ترکاریاں آپ کی اپنی بوئی ہوئی ترکاریوں کے مقابلہ پر بالکل مٹی معلوم ہوں گی۔

باغ کا ایک حصہ سبزیاں بونے کے لئے عمدہ جگہ ہوتی ہے۔ پانچ چھ آدمیوں کے ایک کنبہ کے لئے ساٹھ فٹ لمبا تیس فٹ چوڑا قطعہ زمین سبزیوں کی کیاریاں بنانے کے لئے بالکل مناسب رہے گا۔ اس قطعہ زمین کو تین برابر کے حصوں میں تقسیم کیا جا سکتا ہے۔ یہ حصہ زمین باغ کی جھاڑیوں اور عام بڑے بڑے درختوں سے علیحدہ ہونا چاہئے۔ اور ایسی جگہ کہ دھوپ اور ہوا آسانی سے آ جا سکے۔

اگر ہوا بہت تیز چلتی ہو تو ہوا کو روکنے کے لئے پندرہ بیس گز کے فاصلہ پر جالی دار پردے رکھے جائیں تاکہ وہ ہوا کے زور کو روک سکیں۔ لیکن عام طور پر اس قسم کی کسی احتیاط کی ضرورت نہیں ہوتی۔

کیاریاں لمبی زیادہ اور چوڑی کم ہوں۔ یعنی "مستطیل" شکل میں ہوں۔ اور اس قدر بڑی ہوں کہ ایک معمولی مزدور پھاوڑے اور کھرپے سے آسانی کے ساتھ اس میں بیٹھ کر کام کر سکے۔ اگر کیاریاں ساٹھ فٹ لمبی اور ڈھائی فٹ چوڑی بنائی جائیں تو عام طور پر بہت عمدہ اور قابل عمل ثابت ہوتی ہیں۔ یہ ضروری ہے کہ ایک کیاری صرف ایک ہی ترکاری کے لئے وقف کر دی جائے۔

رہ گئی یہ بات کہ کتنی کیاریاں بنائی جائیں؟ اس کا فیصلہ اس طرح ہو سکتا ہے کہ جس قدر زمین آپ کے پاس ہو۔ اُسے اپنی پسند کی ترکاریوں کے حساب سے چند چھوٹی چھوٹی ترکاریوں پر تقسیم کر دو۔ ہر موسم کے بدلنے پر ترکاریوں کی کیاریاں تبدیل ہو سکتی ہیں۔

کانٹے دار جھاڑیاں جیسے جھڑبیری، بسوری، کنس، موتھا، دوب وغیرہ کو کاٹ چھانٹ کر خوب اچھی طرح زمین میں دفن کر دینا چاہئے اور پھولوں پھلوں اور ترکاریوں کی کیاریاں بنا لینے کے لئے تو ایسی جنگلی پیداوار کا صاف کرنا اور خوب اچھی طرح خس و خاشاک سے زمین کو پاک کر دینا لازمی ہے۔ چونکہ یہ جڑ دار درخت پھولوں اور ترکاریوں کے لئے بہت مضر ثابت ہوتے ہیں، اس لئے ان کو شروع ہی میں صاف کر دینا نہایت ضروری ہے۔ چونکہ ان کی جڑیں دور تک چلی جاتی ہیں اس لئے زمین سے ان کو بالکل پاک و صاف کرنے کے لئے یہ ضروری ہے کہ خوب گہرائی کھدائی کر کے بالکل صاف کر دیا جائے۔ لیکن جب ترکاریاں زمین پر پھیل گئی ہوں۔ اس وقت ان جڑوں کو کھودنا آسان نہیں ہے۔ اس لئے یہ ضروری ہے کہ ترکاریاں بونے سے پہلے ہی اس مصیبت سے نجات حاصل کر لی جائے۔

کیاریوں کی زمین بالکل صاف اور ہموار حالت میں ہونی چاہئے۔ جہاں سے پانی آتا ہو وہاں سے ذرا سا ابھار دینا چاہئے۔ تاکہ پانی چھوٹی چھوٹی نالیوں سے بہہ کر کیاریوں کے چاروں طرف پہنچتا رہے۔

ترکاریوں وغیرہ کے لئے پانی کا مسلسل آنا جانا (لیکن آہستگی اور کمی کے ساتھ) ضروری ہے۔ زیادہ پانی چھوڑ دینے سے کام خراب ہو جائے گا۔ زمین کے مسام جب پانی سے بالکل بھر جائیں گے تو ہوا کو جذب نہیں کریں گے۔ اور ترکاریوں کے لئے خرابی پیدا ہو جائے گی۔ پانی کا معاملہ ترکاریاں بونے والے کے لئے بہت ہی ضروری معاملہ ہے اگر باغ کے وسط میں سے کوئی پانی کی نہر گذرتی ہے تو ترکاریوں کی کیاریاں اس پانی کے ہر دو جانب بنائی جائیں۔ اور پھر چھوٹی چھوٹی نالیوں کے ذریعہ آبپاشی کا انتظام کرنا چاہئے۔ اگر پانی کنوئیں سے آتا ہے تو تب بھی مناسب طریقہ پر نالیوں کا انتظام کرنا پڑے گا۔ دھات کے نلکے بھی استعمال کئے جا سکتے ہیں۔ چھاؤنیوں میں یا "رائل ٹائیسڈ ایریا" اور میونسپل علاقوں وغیرہ میں واٹر ورکس کے نل کے ذریعہ پانی آتا ہے۔ ضرورت ہے کہ نل چمن کے عین وسط میں بنایا جائے اور پانی کو بہت احتیاط سے استعمال کرنے اور کفایت سے خرچ کرنے کی ضرورت کو اچھی طرح سے محسوس کر لیا جائے۔ مزید کفایت اور صفائی پیدا کرنے کے لئے کیاریوں میں سے گذرنے والی نالیاں پکی بنوائی جائیں۔

اکثر کیاریاں جو ہم کھاتے ہیں ایک خاص کیاری میں ایک خاص اونچائی تک اگائی جاتی ہیں۔ اس کے بعد ان کو زمین سے نکال کر اور دوسری کیاریوں میں "دبنے" کی صورت میں دبا دیا جاتا ہے۔ اور جب وہ بڑی ہو جاتی ہیں تو ترکاریاں لگنے لگتی ہیں اور پکنے لگتی ہیں۔

باورچی خانہ کے باغ کے لئے بھی یہ ضروری ہے۔ کہ ننھے ننھے پودوں کی کیاریاں (نرسری) الگ ہوں۔ یہ کیاریاں پانی کے آنے کی جگہ کے بالکل نزدیک ہونی چاہئیں۔ کیونکہ ننھے ننھے پودوں کو زیادہ پانی کی بہت ضرورت ہوتی ہے ان میں ہر وقت تازہ پانی آتا رہنا چاہئے۔ لیکن یہ یاد رہے کہ پانی وہاں جما نہ رہے۔ کیونکہ اگر پانی جم کر سڑ جائے تو خراب مادے اور کیڑے پیدا ہو جاتے ہیں۔ اس لئے کیاریوں کو پانی کی بندش سے بچانا چاہئے۔

اگر دس انچ کی اونچائی دے دی جائے تو خراب پانی کی نکاسی کے لئے بہترین ذریعہ پیدا ہو جاتا ہے۔ اکثر لوگ ایسا ہی کرتے ہیں۔ مگر اس میں خرچ کچھ زیادہ ہوتا ہے۔ لیکن اگر ذرا سے زیادہ خرچ سے نتائج عمدہ برآمد ہوں تو کیا مضائقہ ہے۔

اگر لکڑی کے بکسوں میں کھاد ڈال کر یا برادہ لکڑی ڈال کر ترکاریوں کے ننھے ننھے پودے اگائے جائیں تو پانی اور ہوا کے تمام مصائب سے کافی نجات مل جائے گی۔ جب چاہا ہوا انہیں حسب ضرورت سایہ میں اٹھا کر لے جا سکتے ہیں۔ اس طرح جو بیج بوئے جاتے ہیں انہیں بہت عمدہ سمجھا جاتا ہے۔ مگر اس میں خرچ زیادہ ہے۔ پودوں کی نمائشیں اور سبزیوں کے ماہروں کے ہاں مظاہرے کے لئے جو چیزیں پیش کی جاتی ہیں وہ بھی اسی طرح بکسوں میں پیدا کی جاتی ہیں۔

ننھی ترکاریوں کی کیاریاں یعنی "سیڈ بیڈ" کی زمین ایسی ہونی چاہئے۔ کہ جس میں ریت کے اجزا زیادہ ہوں۔ اس زمین میں پانی جذب کرنے کی خاصیت زیادہ ہوتی ہے اور کھاد بھی زیادہ کھینچتی ہے۔ اور عمدہ نتیجہ برآمد ہوتا ہے۔ اگر کچھ ٹوکریاں ریت کی اپنے باغ کی ان کیاریوں میں ڈال دی جائیں۔ تو نتیجہ بہت اچھا برآمد ہوگا۔

اگر عام زمین میں یہ ریت ملا دیا جائے تو وقت سے پہلے ہی ترکاریاں پیدا ہونے لگتی ہیں۔ کیونکہ پانی زیادہ جذب ہونے کی وجہ سے ترکاریوں کی پرورش سرعت کے ساتھ عمل میں آتی ہے۔ اور وہ بہت جلد پک جاتی ہیں۔

برسات کے موسم میں باغ میں کیاریاں بنانے کا بہترین موقع ہوتا ہے کیونکہ وہ زمانہ ہوتا ہے جب زمین میں نمو کی قوت بہت ہوتی ہے جھاڑ اور جڑیں۔ خراب گھاس وغیرہ بھی ابھر آتی ہے اور آسانی کے ساتھ انہیں صاف کیا جا سکتا ہے۔

دل کی دنیا

دل! تم کیا شے ہو؟ دن رات نالے آہیں بھرنا۔ سوز الفت میں مبتلا رہنا۔ یہی ہے نا تمہارا شیوہ

بھلا اس بدصورت، بدنام مورت میں دھرا کیا ہے جسے تم حسن دیکھنے ہو

کچھ بھی نہیں حسن تمہارے اندر ہے۔ میاں اپنے اندر دیکھو تم سے بڑھ کر حسن اور کون ہے!

لیکن تم تو ہمارے دل ہو نا۔ ہر کسی بات کو مانو گے۔ اب بھی معلوم ہوتا ہے تم رو رہے ہو اور موتیوں سے آنسو ٹپکا رہے ہو۔

تم عجیب شے ہو بھائی! نہ تم سمجھے نہ ہم سمجھ سکے

(بنگالی سے ترجمہ) (از پیری؟)

کوئیٹہ میں پھر زلزلہ کا ایک شدید جھٹکا محسوس ہوا جس سے مکانوں کے دروازے اور کھڑکیاں کھڑ کھڑا نے لگیں اور لوگ رات سے جاگ پڑے۔

بیلجیم کی تازہ ترین اطلاع مظہر ہے کہ مسیو فلنڈن نے ایک بیان میں واضح کر دیا ہے کہ وہ جرمنی کی دوسری شرطماننے کی نسبت لندن اور ہیگ کو خیر باد کہنا پسند کریں گے۔ برلن کی اطلاعات سے معلوم ہوتا ہے کہ لیگ کونسل کے اجلاس میں شرکت کے لئے جرمنی نے دو شرطیں پیش کی ہیں۔ اول یہ کہ تمام گفت و شنید برابری کی بنا پر ہوگی۔ دوم یہ کہ لوکارنو کے معاہدہ پر بحث کے ساتھ ساتھ ہر ہٹلر کی صلح کی تجاویز پر بھی غور کیا جائے گا۔

۱۰ مارچ کو دہلی میں قومی جوش و خروش کا دریا اُمنڈ آیا جب کہ ہندوستان کے مایۂ ناز نوجوان اور کانگریس کے صدر منتخب پنڈت جواہر لال نہرو یہاں وارد ہوئے۔ اسٹیشن پر مقامی کانگریسی رہنماؤں اور کارکنوں کے علاوہ پبلک کا کثیر ہجوم تھا۔ گاڑی سے اُترتے ہی پنڈت جی کا پُرتپاک خیر مقدم کیا گیا۔ سفر کی تکان کے باوجود پنڈت جی کا چہرہ بشاش تھا۔ شہر کے بازار اور دکانیں پنڈت جی کے سواگت میں رضاکارانہ طور پر آراستہ کئے گئے تھے۔

مشرقی فرانس میں قلعوں پر تعینات کرنے کے لئے دو ہزار پانچ سو فرانسیسی سپاہی پیرس سے روانہ ہو گئے ہیں۔ بیان کیا جاتا ہے کہ ان سپاہیوں کو سرحد پر روانہ کیا جانے گا۔ جو کہ ایک معمولی واقعہ ہے۔

اطالوی کمانڈر جنرل ہیڈ کوارٹر نے ایک کمیونک شائع کیا ہے جس میں بیان کیا گیا ہے کہ اٹلی کے بمباری کرنے والے ایک ہوائی جہاز کے ٹوٹنے کی اطلاع موصول ہوئی ہے۔ جس سے ہوائی جہاز کے پانچوں مسافر ہلاک ہو گئے۔

جنوبی امریکہ کی ریاست ارجنٹائن کے چلارلمی مقام پر ایک زبردست طوفان آیا جس میں ۹ اشخاص ہلاک ہو گئے۔ اور بہت سے زخمی ہوئے۔ متعدد مکانات گر گئے۔

ہریجن بستی دہلی میں کانگریسی رہنماؤں کے درمیان موجودہ صورت حالات پر باہمی گفتگو شروع ہو گئی ہے۔ امید ہے کہ چند روز میں کانگریس کی آئندہ کی پالیسی مرتب ہو جائے گی اور پھر اسے ورکنگ کمیٹی میں پیش کر دیا جائے گا۔ پنڈت جواہر لال جی نے بابو راجندر پرشاد۔ سردار پٹیل اور سیٹھ جمنا لال بجاج سے دو گھنٹہ تک گفتگو کی۔

حیدرآباد (سندھ) ۲ مارچ کو حیدرآباد میں زلزلہ کا زبردست جھٹکا محسوس ہوا۔ تقریباً نصف منٹ تک گڑگڑاہٹ جاری رہی۔ تمام شہر میں خوف و ہراس پھیل گیا۔ لوگ گھروں سے باہر نکل آئے۔ شہر میں کسی قسم کا نقصان نہیں ہوا۔

جرمن نمائندہ وان ربن ٹروپ اپنے رفقاء کے ہمراہ لندن پہنچ گئے۔ لیکن دیر ہو جانے کی وجہ سے لیگ کونسل کے اجلاس میں شریک نہ ہو سکے۔ لیگ کونسل کے عام اجلاس میں برطانوی وزیر خارجہ مسٹر انتھونی ایڈن نے فرانس اور بلجیم کے ریزولیوشن کی تائید کی۔ آپ نے فرمایا کہ اس سے انکار نہیں کیا جا سکتا کہ رائن لینڈ کے غیر فوجی قرار دینے کے متعلق معاہدہ ورسلز میں جو دفعات ہیں ان کی خلاف ورزی کی گئی ہے۔ برطانیہ مغربی یورپ کے تحفظ کی کوششوں میں پورا حصہ لینے کو تیار ہے۔

باخبر حلقوں میں اخبار اسٹیٹسمین کی اس اطلاع کے بارے میں کہ پورٹ کمشنروں کی سب کمیٹی نے سفارش کی ہے کہ ہوڑہ پل کا ٹھیکہ برطانوی فرم میسرز کلیولینڈ کو دیا جائے۔ تحقیقات کرنے سے معلوم ہوا ہے کہ کمیٹی کے دس ممبروں میں سے کل تین ممبروں نے برطانوی فرم کو ٹھیکہ دینے کی سفارش کی ہے اور باقی سات نے ہندوستانی فرم کو ٹھیکہ دینے کی سفارش کی ہے۔

لاہور ہائیکورٹ میں جسٹس منرو نے پیلز بنک آف انڈیا کے سرکاری لکویڈیٹر کی درخواست پر لالہ ہرکشن لال کو دیوالیہ قرار دے دیا۔ فاضل جج نے فیصلہ کیا ہے کہ لالہ ہرکشن لال دو معاملات میں دیوالیہ ثابت ہو چکے ہیں۔

ہریجن بستی میں کانگریس کی آئندہ سیاسیات کے سلسلہ میں گفتگو شروع ہو گئی۔ پنڈت جواہر لال نہرو کے کمرے پر لیڈروں کی کانفرنس ہوئی۔ اس کے بعد پنڈت جی نے بہا تما جی سے ملاقات کی۔ کانگریس کے دستور اساسی کے متعلق سب کمیٹی کی میٹنگ بھی ہوئی۔ معلوم ہوا ہے کہ سب کمیٹی کانگریس کے دستور اساسی میں اہم تبدیلیاں کرنے کی سفارش کریگی۔

پھو (ل

جب طوفانی بدلیاں آسمان پر گڑگڑاتی ہیں اور جون کی جھڑیاں آتی ہیں۔ تم چھوٹا ململ جیسے موتی بھولا بانس کی شاخوں پہ بانسری بجا کر گاتی ہے۔ ہر وقت پھولا لٹکا جھنڈ یا کیسا نکل آتا ہے کوئی نہیں جانتا کہاں سے! اور گھاس پر مستانہ خوشی سے ناچتا ہے۔

تم سمجھو میرا خیال ہے کہ پھول ابھی زمین کے نیچے اسکول میں جاتے ہیں۔ وہ دروازہ بند کر کے سبق پڑھتے ہیں۔ اور اگر وقت سے پہلے آنا چاہیں تو ماسٹر انہیں کونوں میں کھڑا کر دیتے ہیں۔ برسات میں انہیں تعطیل ہوتی ہے۔

جنگل میں شاخیں ٹکراتی ہیں اور ویرانی ہوا میں پتیاں کھڑکھڑاتی ہیں۔ بجلی والی بدلیاں سب جناتی ہاتھوں سے تالیاں بجاتی ہیں۔ اور پھول بچے اپنے گلابی، پیلے اور اجلے بستوں میں اٹھلاتے ہیں۔ تم جانتی ہو اماں۔ ان کا گھر آسمان میں ہے۔ جہاں ستارے ہیں۔

تم نے دیکھا ہے۔ وہ وہاں جانے کے کتنے مشتاق ہیں۔ جانتی ہو۔ وہ کیوں اتنی جلدی میں ہیں۔

البتہ قیاس کر سکتا ہوں کہ وہ اپنے ہاتھ کس لئے پھیلاتے ہیں۔

میری طرح ان کے بھی اماں ہیں۔

مہتاب فرنگیون گماشتہ میں

... کا مشہور کھیل جو کہ بہت جلد آرہا ہے

کنجن ... میں
جو کہ بہت جلد آرہا ہے

دیوبکت چیتاہ کا ایک سین جو کہ بہت جلد آرہا ہے

Regd. L. 1517

دیوڈرادی ، میاں بیوی اور ماں کی مامتا ، میں

بمبئی ٹاکیز کا مشہور کھیل ہوک نیو رائل سنیما میں چل رہا ہے
جاری کردہ—منورنجن ٹاکیز دهلی

Printed and Published by Dharampal Gupta at the TEJ Press Burn Bastion Road Delhi

NO. 87 DELHI 31ST. MARCH 1936. V. NO. 11.
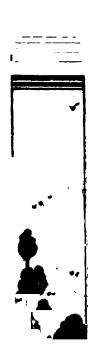
کشمیر میں وادی جہلم کا ایک خوشنما منظر

قیمت
فی پرچہ
دو آنہ

Price
TWO
Annas.

دُنیا کے ہر مُلک و قوم نے بہت خیر مقدم لیا

۱۹۳۶ء فلکو ریڈیو کی ہر دلعزیزی

اپنے لئے آج ہی ایک منگا لیجئے

مقامی پروگرام سُننے کے لئے ہمارے پاس سستے ریڈیو بھی ہیں

فلکو ریڈیو دُنیا کے لیڈنگ ریڈیو ہیں

یہ ۵۵۰۰۰ ریڈیو میں بلحاظ

قدرتی آواز ———— طاقت

اعلیٰ کوالٹی ———— خوبصورتی

اور بیرونی دُنیا کی خبریں بہم پہونچانے میں سبقت لے گئے

۳۴ ماڈل تیار ہیں۔ قیمتیں ۱۴۰ روپیہ سے ۳۲۵ روپیہ تک

مزید حالات پتہ ذیل سے طلب فرمایئے

ایسٹرن ریڈیو اینڈ جنرل سپلائی کمپنی کناٹ پلیس نئی دہلی

پوسٹ بکس نمبر ۱۵ ———— ایجنٹس ———— ٹیلیفون نمبر ۳۴۱۴

بلیسٹ اینڈ کمپنی۔ چاندنی چوک دہلی

روی ورما سٹیل ورکس انبالہ کینٹ

ایم۔ ایس۔ سویٹ ریڈیو اینڈ مکینیکل انجنیئر مصوری

میسرز نرائنز ریڈیو کمپنی حضرت گنج لکھنؤ

ورلڈ ریڈیو سروس دہرہ دون (یو۔ پی)

ایچ۔ ہوٹرز الیکٹریکل اینڈ مکینیکل انجنیئر آگرہ

ال فیلڈ گیرج سول لائن جھانسی

کشمیر ریڈیو کمپنی سری نگر کشمیر

طلباء مذہبی اور تعلیمی درسگاہوں کو خاص رعایت

{ از امیر الشعراء پنڈت دِتستہ پرشاد صاحب فِدا بی۔اے }

جا نفزا کیسی ہے اس موسم میں پھولوں کی ادا
دیکھ کر جن کو نکلتی ہے زبان سے واہ وا

کس مسّرت سے چمن میں جھومتی ہیں ڈالیان
سینکڑوں پتّے بجاتے ہیں خوشی سے تالیان

کوئلیں کرتی ہیں کس تقریب پر باغوں میں شور
کیا سبب ہے ناچتے پھرتے ہیں گلزار و مین مور

کس لئے اُٹھتی ہیں شاخوں سے پپیہوں کی صدا
چہچہاتے ہیں خوشی سے طائرانِ خوش نوا

بہہ رہی ہیں ندّیاں کیوں ناچتی گاتی ہوئی!
کیوں نظر آتی ہیں لہریں وجد میں آتی ہوئی!

کیوں نسیم صبح میں ہے عام اس درجہ سرور
کونسی ساعت کا ہونے کو ہے عالم میں ظہور

جوابِ شاعر

کیوں نہیں کہتے کہ یہ ہے رام نومی کا اثر
فکر کے طائر نے جو پرواز کو کھولے ہیں پر

رام نومی ہند میں اُس روز کی ہے یادگار
باغِ دسرتھ میں ہوئی تھی فصلِ گل جب آشکار

عہدِ کوشلیا میں کی تھی رام نے جلوہ گری
خود خدا نے عنصرِ خاکی کی تھی یاوری!

قصرِ دسرتھ سے اٹھی تھی شادیانوں کی صدا
بن گئی تھی ابن آدم کی زمانے میں ہوا

آئے تھے وہ دھرم مریادا سکھلانے کے لئے
آدمی حیوانِ ناطق کو بنانے کے لئے

راز ہائے زندگی سے سب کو آگہ کر دیا!
نقدِ آئینِ وفا سے سب کا دامن بھر دیا

درسِ بے خوفی کیا ارزاں بشر کے واسطے
صاف سب عقدے کئے اہلِ نظر کے واسطے

اے فِدا ہر وقت رکھ پیشِ نظر تصویرِ رام
ہے ضروری رہنمائی کے لئے تنویرِ رام

مادری زبان کی اہمیت

(از جناب محمود علی خاں - جامعی)

(خاص تیج ویکلی کے لئے)

اس مضمون میں ایک نہایت اہم مسئلہ چھیڑا گیا ہے۔ ملک و قوم کے تمام بہی خواہ اس کی اہمیت کو تسلیم کرتے ہیں۔ مندرجہ ذیل تحریر میں بعض باتیں ایسی ہیں جن میں اختلاف رائے کی گنجائش بھی ہے۔ اس لئے ضرورت ہے کہ اہل رائے حضرات اس طرف توجہ کریں۔ (ایڈیٹر)

جس طرح افراد سے ایک قوم بنا کرتی ہے اسی طرح انفرادی سیرت سے ایک خاص تہذیب اور تمدن کی نشو و نما ہوتی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ انفرادی سیرت کے بگڑنے سے قومی تہذیب و تمدن کی اصلاح ہوتی ہے۔ ہر ملک اور قوم کی تہذیبیں اس کی آب و ہوا اور وہاں کے حالات کے مطابق تدریجی ارتقا کے ماتحت صدیوں میں بنتی ہے اور اس کی بنیاد میں پشت ہا پشت کے ذاتی تجربے شامل ہوتے ہیں۔ اسی لئے جو اقوام اپنی تہذیب سے بے توجہی اختیار کرتی ہیں ہمیشہ ٹھوکر کھاتی ہیں اور نقصان اٹھاتی ہیں۔ بخلاف اس کے وہی قومیں ترقی کے مدارج طے کرتی ہیں جو دنیا میں سرفراز ہوتی ہیں جو اپنی تہذیب کو اپنے لئے باعث فخر سمجھتی ہیں اور اسے اپنی جان سے زیادہ عزیز رکھتی ہیں۔

لیکن ہندوستان میں آجکل اگر ایک طرف ترقی کی کوششیں کی جا رہی ہیں تو دوسری طرف اپنی تہذیب سے انتہائی بے توجہی برتی جا رہی ہے۔ ممکن ہے اس سلسلہ میں یہ کہا جائے کہ انسانی تہذیب ہمیشہ یکساں رہنے والی کوئی شے نہیں ہے اس میں بھی انسانی ضروریات کے مطابق تبدیلی ہو سکتی ہے۔ اور چونکہ دوسری اقوام کے ملنے جلنے سے ایک دوسرے کی تہذیب پر اثر پڑا کرتا ہے اس لئے آج ہماری تہذیب بھی یورپین تہذیب سے متاثر ہو کر ایک نئی صورت اختیار کر رہی ہے۔ مجھے اس میں کوئی کلام نہیں ہے لیکن تین باتیں بہر حال قابل لحاظ ہیں۔ اول یہ کہ ہر ملک۔ قوم اور تہذیب کی چند امتیازی خصوصیات ہوتی ہیں۔ اور انہیں خصوصیات میں اس کی زندگی کا راز مضمر ہوتا ہے اس لئے ہمیں مغربی تہذیب اختیار کرتے وقت اس کا ضروری خیال رکھنا چاہیئے کہ ہماری قومی خصوصیات فنا نہ ہونے پائیں۔

دوسری اہم ترین چیز یہ ہے کہ مغربی تہذیب نے ہمارے اخراجات کو بڑھا دیا ہے اور آمدنی میں کسی طرح کا اضافہ نہیں ہوا ہے۔ اس کی وجہ سے یہ بوجھ غیر متوازن اور ناقابل برداشت ہو گیا ہے۔

تیسری چیز یہ ہے کہ مغربی تہذیب کے لوازم تمام تر مغرب ہی سے آتے ہیں۔ اور اس کے بدلے میں ملک کا روپیہ وہاں کھنچا چلا جاتا ہے۔ جس کا نتیجہ یہ ہے کہ ملک مفلس سے مفلس تر ہوتا جا رہا ہے۔ میں مغربی تہذیب و تمدن کا مخالف نہیں ہوں بشرطیکہ :-

(۱) آپ کی قومی خصوصیات فنا نہ ہوں۔

(۲) آپ کے اخراجات میں غیر معمولی اضافہ نہ ہو اور آمدنی سے کسی طرح نہ بڑھنے پائیں اور (۳) اس کی بدولت آپ کی دولت غیر ممالک کو نہ چلی جائے۔

تہذیب میں زبان کی اہمیت

تمہید کے طور پر یہ چند الفاظ عرض کر دینے کے بعد اب میں خاص موضوع کی طرف رجوع کرتا ہوں۔ یہ امر مسلمہ ہے کہ ہر قوم کی زبان اس کی تہذیب کی سرمایہ دار ہوتی ہے۔ صدیوں کی روایات اور امتیازی خصوصیات اسی میں محفوظ ہوتی ہیں۔ اسی وجہ سے جو قوم اپنی زبان ترک نہیں کرتی وہ اپنی تہذیب سے بھی بے بہرہ اور ناآشنا نہیں ہو سکتی۔ بدقسمتی سے ہمارے یہاں آج کل اپنی زبان سے اتنی بے توجہی برتی جاتی ہے کہ لوگ اپنی تہذیب سے روز بروز دور ہوتے چلے جا رہے ہیں۔ کوئی عام تجویز پیش کر دینے سے عموماً اس کا دائرہ عمل متعین نہیں ہوا کرتا۔ اسی لئے اس کا خاطر خواہ نتیجہ برآمد نہیں ہوتا۔ میرے سامنے بھی اس وقت یہی صورت ہے اور میری تجویز بھی بہت عام ہے لیکن میں اسے فی الحال چند باتوں تک محدود کر دینا چاہتا ہوں تاکہ لوگوں کو ان پر غور کرنے اور عمل کرنے کا موقعہ مل سکے۔

اپنی زبان کو بیرونی اثر سے محفوظ رکھنے کے سلسلہ میں اسوقت میں صرف پانچ باتیں پیش کرتا ہوں۔

(۱) بلا ضرورت آپس میں انگریزی میں گفتگو نہ کی جائے

(۲) بلا وجہ انگریزی میں خط و کتابت نہ کی جائے۔

(۳) انگریزی میں دستخط کرنا ترک کر دیا جائے۔

(۴) دوکانوں پر انگریزی کے سائن بورڈ نہ لگائے جائیں

(۵) دفاتر میں انگریزی میں اسٹیشنری نہ رکھی جائے۔

انگریزی میں بات چیت

آج کل نئی روشنی کے لوگوں میں عام طور پر یہ دیکھنے میں آتا ہے کہ ادھر انہوں نے دو چار لفظ انگریزی کے پڑھ لئے اور ادھر انگریزی میں بات چیت کرنا شروع کر دی۔ یہ وہ لوگ ہیں کہ جب انہوں نے اپنی ماں کی گود میں آنکھ کھولی تھی تو انہیں انگریزی بولتے نہیں سنا تھا اور نہ خود انہوں نے انگریزی بولنے سے ابتدا کی تھی اور آج بھی وہ اپنی ماں۔ بہن۔ بیٹی اور بیوی سے انگریزی میں بات چیت نہیں کرتے ہیں۔

علاوہ ازیں یہ بھی ظاہر ہے کہ وہ اپنے خیالات اور جذبات کو اپنی مادری زبان میں زیادہ خوبی اور تکمیل کے ساتھ ادا کر سکتے ہیں۔ اور انگریزی میں تمام مطالب ادا کرنے پر اتنے قادر بھی نہیں ہیں۔ لیکن کیا یہ آئے دن دیکھنے میں نہیں آتا کہ آج کل جہاں تعلیمیافتہ لوگوں میں ایک جگہ جمع ہوئے ہیں۔ خصوصاً آپس میں نہایت بے تکلف دوست ہوں انگریزی ہی میں گفتگو شروع کر دیتے ہیں۔

کیا میرے تعلیمیافتہ بھائی اس کے جواز میں کوئی وجہ بتا سکتے ہیں کہ دو شخص جن کی مادری زبان ایک ہی ہو۔ جو آپس میں بے تکلف دوست یا قریبی رشتہ دار ہوں اظہار خیال کا ذریعہ انگریزی کو کیوں قرار دیں اور کیوں نہ اپنی مادری زبان میں گفتگو کریں۔

میں اسے تسلیم کرتا ہوں کہ ضرورت کے وقت انگریزی میں بات چیت کرنا نہ صرف یہ کہ قابل اعتراض نہیں ہے بلکہ بعض حالات میں ضروری ہوتا ہے۔ مثلاً اگر کوئی صاحب کسی سے ایسی بات کہنا چاہتے ہیں جو وہ تیسرے شخص سے جو انگریزی نہیں جانتا پوشیدہ رکھنا چاہتے ہیں تو وہ آپس میں انگریزی میں بات کر سکتے ہیں۔ یا اگر کوئی والد صاحب اپنے لڑکے کو انگریزی بولنے کی مشق کرانا چاہتے ہیں تو وہ بھی انگریزی میں بات چیت کر سکتے ہیں۔ یا اگر مختلف صوبوں کے ایسے دو شخص بات کرتے ہیں جو ایک دوسرے کی مادری زبان نہیں سمجھتے تو انہیں بھی انگریزی بولنے کی اجازت ہونا چاہیئے۔ لیکن بلا ضرورت انگریزی میں بات چیت کرنا بہر صورت ترک کر دینا چاہیئے۔

انگریزی میں خط و کتابت

یہی صورت انگریزی میں خط و کتابت کرنے کی ہے۔ کسی زبان کا لکھنا بولنے سے زیادہ مشکل ہوتا ہے ظاہر ہے کہ جب آپ مادری زبان میں اپنا مافی الضمیر زیادہ بہتر طریقہ سے واضح کر سکتے ہیں تو پھر ایک اجنبی زبان لکھنے سے کیا فائدہ۔

عام طور پر یہ خیال ہے کہ بعض صورتوں میں انگریزی میں خط لکھنے سے رعب زیادہ پڑتا ہے دراصل یہ بھی اسی غلط ذہنیت کا نتیجہ ہے۔ اگر ہم آہستہ آہستہ اس ذہنیت کو بدل دیں تو انگریزی سے زیادہ ملکی زبان کے خطوں سے رعب پڑنے لگے۔ مجھے اس میں کوئی اعتراض نہیں ہے کہ موقع اور ضرورت کے مطابق

(باقی مضمون صفحہ ۔۔۔ پر)

تیج ویکلی دہلی

آئینۂ خیال

مورخہ ۳۱ مارچ سنہ ۱۹۳۶ء

بیکاری کا انسداد

حکومت کو کیا طرزِ عمل اختیار کرنا چاہیئے؟

اسمبلی میں فائیننس بل کے سلسلہ میں اور کونسل آف اسٹیٹ میں سپرو کمیٹی رپورٹ کے سلسلہ میں بیکاری کا مسئلہ پیش ہوا۔ اور اس پر کافی بحث و مباحثہ بھی ہوا۔ سپرو کمیٹی کی رپورٹ دراصل مسئلہ بیکاری کے اُن پہلوؤں سے تعلق رکھتی ہے جو صوبہ یو۔ پی میں لوگوں کے پیش نظر ہیں۔ مگر اس مسئلہ کے متعدد پہلو ایسے بھی ہیں جن کا تعلق سارے ہندوستان سے ہے اور عام بے کاری کے اُن اندوہناک حالات پر روشنی ڈالتے ہیں جو افلاس، تنگدستی کے سیاہ بادل بن کر ملک کے طول و عرض پر چھائے ہوئے ہیں۔ خود سپرو کمیٹی کی سفارشات میں بھی یہ تجویز پیش کی گئی ہے کہ اس اہم قومی مسئلہ کو حل کرنے کے لئے ہندوستان کے مختلف حصوں کے درمیان پورا اتحاد عمل ہونا چاہیئے، اور ایک مخصوص پروگرام مرتب کر کے منزلِ مقصود کی طرف قدم بڑھانا چاہیئے؛

اب سوال یہ ہے کہ بے کاری کے انسداد کے لئے کون سی موثر تدبیریں عمل میں لائی جا سکتی ہیں۔ اور اس سلسلہ میں حکومت کے فرائض کیا کیا ہیں؟ سپرو کمیٹی نے سب سے پہلے تعلیمی اصلاح کو اپنی سفارشات کی بنیادی اینٹ قرار دیا ہے۔ اس کا خیال ہے کہ تعلیم کا موجودہ سسٹم بالکل بدل دیا جائے تاکہ ملک کے نوجوان سوسائٹی کے مفید افراد بن سکیں۔ نظامِ تعلیم کی اصلاح کے متعلق انہیں کالموں میں ہم بہت کچھ لکھ چکے ہیں لیکن کونسل آف اسٹیٹ میں مسئلہ تعلیم کی اہمیت کو تسلیم کرنے کے باوجود مسٹر کلو کا یہ جواب تشفی بخش نہ تھا کہ تعلیم کی اصلاح کی راہ میں مالی رکاوٹیں موجود ہیں۔ مسٹر ڈیوڈ دیواس نے بنگال کی حالت کی طرف اشارہ کرتے ہوئے بہت صحیح کہا ہے کہ وہاں جو کثیر رقمیں دہشت انگیزی کے انسداد کے لئے خرچ کی جاتی ہیں، اگر بے روزگاری کے انسداد کے لئے خرچ کی جائیں تو دہشت انگیزی خود بخود ختم ہو جائے گی؛

اگر غور سے دیکھا جائے تو ہندوستان میں فرقہ وارانہ ذہنیت اور فرقہ وارانہ فسادات کی ذمہ داری بھی بڑی حد تک لوگوں کی بے کاری پر عائد ہوتی ہے۔ ایک بہت پرانی ضرب المثل ہے کہ بے کار آدمی کا دماغ "شیطان کا کارخانہ" (DEVIL'S WOPKSHOP) ہوا کرتا ہے۔ اور اسی کارخانہ میں فتنہ و فساد کے خیالات ڈھلتے رہتے ہیں۔ اگر بے کاری دُور ہو جائے اور سب لوگوں کے لئے معقول ذریعہ معاش پیدا ہو جائے تو فرقہ وارانہ ہنگامے بھی بند ہو جائیں جب روٹیاں کم ہوں اور بھوکوں کی تعداد زیادہ ہو تو لڑائی کا امکان بھی زیادہ ہوتا ہے اور جب سب کی طبیعتیں سیر ہوں اور سب لوگ احتیاج سے بالاتر ہو جائیں تو حصہ رسدی اور بانٹ بخرے کے جھگڑے ہی کیوں ہوں؟

سپرو کمیٹی کی رپورٹ نے بے کاری کے مسئلہ کو حل کرنے کے لئے تین مرکزی نقطے قائم کئے ہیں (۱) تعلیم۔ (۲) زراعت (۳) صنعت و حرفت، اس بناء پر حکومت کی طرف سے یہ جواب دیا گیا ہے کہ یہ تینوں منتقل یعنی TRANSFERRED صوبجاتی موضوعات ہیں، تاہم حکومتِ ہند یہ کوشش کر رہی ہے کہ تمام صوبوں کے درمیان ایک متحدہ ترقی کی روح پیدا کی جائے، ہم اس جواب کو کافی نہیں سمجھتے، کم از کم بے روزگاری کا عام مسئلہ اس وقت ایک آل انڈیا مسئلہ بنا ہوا ہے۔ سارے ہندوستان میں لوگوں کا حال یکساں ہے اور عام بے کاری نے افلاس کی بیماری کو گوشہ گوشہ میں پھیلا دیا ہے۔ صوبجاتی حکومتیں اپنے طور پر جو کچھ کریں وہ بہتر ہے لیکن حکومتِ ہند کو تقریر و تحریر اور مجالس آئین ساز میں سوال و جواب کے تنگ دائرہ سے نکل کر پوری ہمت اور مستعدی کے ساتھ میدانِ عمل میں آنا چاہیئے، صوبجاتی حکومتوں کو مرکزی حکومت کی طرف سے کافی مالی امداد ملنی چاہیئے، بہت دنوں سے یہ شکایت حکومت کے کانوں تک پہنچائی جا رہی ہے کہ بیکاروں کی کوئی مردم شماری ہندوستان میں نہیں ہوئی ہے ضرورت ہے کہ جلد سے جلد یہ عمل کیا جائے اور تعلیم یافتہ و غیر تعلیم یافتہ دونوں قسم کے بے کاروں کے اعداد و شمار مرتب کئے جائیں اور ہندوستان کے مختلف حصوں کی اقتصادی پیمائش کی جائے، حکومتِ ہند کا فرض یہ بھی ہے کہ دیسی صنعت و حرفت کو جو زندہ ہے اور بڑے پیمانہ پر جو جاری کی جائیں اُن کو پوری امداد بہم پہنچائے، مثال کے طور پر موٹر کار انڈسٹری یا ریلوے کے انجنوں کی تعمیر، یا جہاز سازی کی صنعت کو دیکھیئے۔ ہندوستانی کارخانوں کی اگر حوصلہ افزائی کی جائے، اور ہندوستانی مفاد کو غیر ملکی تجارتی مفاد پر اگر قربان نہ کیا جائے تو کیا ہندوستان میں مذکورہ بالا صنعتیں جاری نہیں ہو سکتیں؟ حکومت اگر خلوص اور صحیح عمل کے ذریعہ اس مسئلہ کو حل کرنا اور ملک کی عام بے کاری کو دُور کرنا چاہے تو کامیابی مشکل نہیں۔ لیکن اگر نیت ہی بخیر نہ ہو تو اس کا علاج کچھ بھی نہیں!

مشترکہ تہوار کی ضرورت!

ہم نے تیج ویکلی کے ہولی ایڈیشن میں لیڈنگ آرٹیکل لکھتے ہوئے اس امر کی طرف توجہ دلائی تھی کہ ہندوستان میں ایک ایسے مشترکہ قومی تہوار کی ضرورت ہے جس میں ملک کے تمام باشندے بلا امتیاز مذہب و ملت شریک ہو سکیں۔ اور عام مسرتوں میں حصہ لے سکیں ہمیں یہ دیکھ کر خوشی ہوئی کہ بمبئی کے ہفتہ وار معاصر "سرارج" نے ہماری تجویز کی تائید کی ہے۔ اور تیج ویکلی کے اس مضمون کی طرف لوگوں کی توجہ مبذول کرائی ہے۔ اگر ملک کے دوسرے اخبارات بھی اس سوال کی اہمیت پر زور دیں تو بہت ممکن ہے کہ ہم جلد کسی ایک تہوار کو مشترکہ قومی تہوار بنانے میں کامیاب ہو جائیں معاصر موصوف نے صحیح کہا ہے کہ اس تجویز کا مقصد اتحاد اور باہمی یگانگت کے سوا اور کچھ نہیں ہو سکتا! یقیناً ہندوستان کی مسموم فضا کو خوشگوار بنانے کا اس سے بہتر کوئی دوسرا طریقہ نہیں ہو سکتا۔ اور یہ ایک ایسی آواز ہے جسے سنکر ہر امن پسند اور محبِ وطن ہندوستانی کا یہ فرض ہے کہ وہ دلی آرزوؤں کے ساتھ ایسی مبارک و مسعود گھڑیوں کا خیر مقدم کرنے کے لئے تیار رہے۔ معاصر موصوف نے "ہولی" دیوالی، اور عید وغیرہ کا ذکر کرتے ہوئے سب سے زیادہ زور بسنت کے تہوار پر دیا ہے۔ اور یہ کہتا ہے کہ بسنت کا تہوار ایک زمانہ سے ہندو اور مسلمان دونوں کے لئے مشترکہ تہوار چلا آرہا ہے مسلمانوں کے یہاں صوفیائے کرام تک اس تہوار کے موقع پر خاص مجلس سماع منعقد کرتے ہیں اور بسنت کے متعلق قوالیاں اور نظمیں تصنیف کی جاتی ہیں اور گائی جاتی ہیں ہم نے "ہولی" کے تہوار کو تین اسباب کی بنا پر اہمیت دی تھی۔ ایک تو موسمی رنگینیاں دوسرے کھیتوں میں فصل کے پکنے کا موسم جو اقتصادی خوشحالی کا پیش خیمہ ہے، تیسرے عرفان و حق پرستی اور خلوص و اتحاد جو ہولی کے تہوار کی بنیاد ہے۔ بہرحال بسنت اور ہولی میں کوئی بہت بڑا فرق نہیں ہے۔ سوال تو صرف اتفاق رائے کا ہے جس تہوار پر سب لوگ متفق ہو جائیں اس کو قومی تہوار بنایا جا سکتا ہے۔

سمندر کی پودوں سے انسانی غذا

یہ تو نہیں کہا جا سکتا کہ دنیا میں جب تک آفتاب کی روشنی اور بارش کے پانی کے ذریعہ زراعت کا کام ممکن ہے اس وقت تک انسان اپنی محنت کی پیدا کی ہوئی غذا سے محروم ہو جائے گا لیکن چونکہ ماہرین سائنس نظام شمسی میں ہونے والی تبدیلیوں کی خبر دے رہے ہیں۔ اس لئے انہیں سائنس دانوں کے پیشِ نظر یہ مسئلہ بھی ہے کہ اگر زمین سے انسانی غذا بالکل نایاب ہو جائے گی تو انسان کیا کھا کر زندہ رہے گا؟ اس کا جواب بعض جاری تحقیقاتوں میں ہے جو سمندر کے پودوں میں غذا کی مقدار کے متعلق کی جا رہی ہیں۔ کہا جاتا ہے کہ سمندر کی تہ میں انسان کے کھانے کے لئے اتنی چیزیں موجود ہیں جو کبھی ختم ہی نہیں ہو سکتیں۔ سمندر کے پودوں میں ایک خاص قسم کی گھاس ہے جو بہت صحت بخش اور طاقتور بتلائی جاتی ہے۔ اسی طرح کا ایک دوسرا پودا ہے جسے خشک کر کے اس کی کیمیاوی تشریح کی گئی ہے اور اس میں ۳۵ فی صدی سوڈیم، کیلسیم، میگنشیم، فاسفورس، آئوڈین اور دوسرے قسم کے نمک پائے گئے ہیں۔ جو انسانی غذا کے لئے ضروری سمجھے جاتے ہیں۔ لہٰذا اب بہت جلد سمندر کی بعض پیداوار بھی انسانی غذا میں شامل کی جانے والی ہے اور اس سے یہ توقع ہے کہ صنعت و حرفت کی ترقی نے زراعت میں جو کمی کر دی ہے وہ سمندری غذاؤں سے پوری ہو جائے گی۔ اس لئے لوگوں کو اس بات سے خوف زدہ نہیں ہونا چاہیئے کہ اگر زمین پر کھانے کی چیزیں پیدا نہ ہوں گی تو زندگی کیونکر بسر کی جائے گی!

اسمبلی کا فٹ بال میچ

اسمبلی کی اکثریت نے سرٹیفکیٹ یافتہ فائینس بل کو پھر نا منظور کر دیا ہے۔

برطانیہ کی بحری قوت کا زوال

دنیا جانتی ہے کہ برطانیہ کی عظمت اُس کی بحری قوت اور جنگی بیڑے پر قائم ہے لیکن ناظرین کو یہ سنکر حیرت ہوگی کہ جنگ عظیم کے بعد سے برطانوی بحری بیڑے میں مسلسل زوال ہو رہا ہے اور دوسرے ممالک اپنے بیڑے برابر بڑھاتے چلے جا رہے ہیں۔

اس وقت دنیا میں پانچ سلطنتیں بحری بیڑے کے لحاظ سے پیش پیش سمجھی جاتی ہیں ان کے بیڑے کے سنہ ۱۹۳۴ء کے اعداد پر ایک نظر ڈالنے سے یہ چیز آئینہ کی طرح روشن ہو جاتی ہے۔

ذیل کے نقشہ میں تیار سامانِ جنگ کے اعداد ہم نے پہلے لکھے ہیں اور زیر تعمیر کے اعداد بعد میں (+) کے ساتھ لکھے ہیں۔

	بڑی جنگی جہاز	طیارہ بردار جہاز	مسلح جہاز	تارپیڈو
برطانیہ	۱۵+۰	۸+۳	۵۰+۲۳	۲۱۲+۳۵
امریکہ	۱۵+۰	۴+۲	۲۲+۱۲	۳۱۱+۵۴
جاپان	۹+۰	۶+۲	۳۱+۶	۱۲۲+۳۶
فرانس	۹+۳	۲+۰	۱۷+۹	۱۲۹+۳۶
اٹلی	۴+۲	۱+۰	۲۴+۹	۸۴+۱۲

اس نقشہ سے اس بات کے علاوہ کہ اب برطانیہ کو دوسرے ملکوں پر کوئی غیر معمولی فوقیت حاصل نہیں رہی ہے۔ یہ بھی ظاہر ہو رہا ہے کہ ایک طرف امریکہ اور جاپان اور دوسری طرف فرانس اور اٹلی جو مستقبل کے حریف ہیں کس طرح ایک دوسرے کے مقابلہ میں تیاری میں مصروف ہیں۔

اس کے ساتھ ہی ان ممالک کے بحری افسروں اور جوانوں کی تعداد بھی ذرا ملاحظہ کیجئے۔

	سنہ ۱۹۱۴ء	سنہ ۱۹۳۴ء
برطانیہ	۱½ لاکھ	۹۲ ہزار
امریکہ	۶۷ ہزار	ایک لاکھ
جاپان	۵۰ ہزار	۸۸ ہزار
فرانس	۷۰ ہزار	۶۶ ہزار
اٹلی	۴۰ ہزار	۵۳ ہزار

ان اعداد سے ظاہر ہوتا ہے کہ برطانیہ اور فرانس کے علاوہ باقی دوسرے ممالک نے ترقی کی ہے یہی وجہ ہے کہ اٹلی کے حوصلے بڑھ رہے ہیں اور جاپان اور امریکہ کی کشمکش نازک تر ہوتی جا رہی ہے۔

ہندوستانی سیمنٹ کی عمارتیں بہار اور کوئٹہ کے زلزلوں میں قائم رہیں

امریکہ جیسا ملک ہندوستانی سیمنٹ کا معیار تیار نہ کرسکا

تعمیرات اور انجینئرنگ سے دلچسپی رکھنے والوں کیلئے مفید ہدایات

ترجمہ خاص برائے تیج ویکلی

یہ تقریر بمبئی کے براڈکاسٹنگ اسٹیشن سے ۱۱ مارچ ۱۹۳۲ کو مسٹر ایچ۔ ای۔ آرمیروڈ (H. E. ORMEROD) رکن انڈیا سیمنٹ مارکیٹنگ کمپنی لمیٹڈ نے نشر کی۔ جسے دلچسپی کے ساتھ سنا گیا۔ اور پہلی بار ہم اپنے کالموں میں شائع کر رہے ہیں۔

آج کی شب آپ کے سامنے ہندوستان میں سیمنٹ سازی کی صنعت کی بابت کچھ کہنے کے لئے بلایا گیا ہے۔

ہندوستان میں سیمنٹ سازی کی صنعت بہت منظم اور معقول پیمانہ پر کام کر رہی ہے۔ اور اس وجہ سے اس صنعت کو ہم بہت حد تک نصیب کہہ سکتے ہیں کہ اس کی حالت بہت منظم اور ترقی پذیر ہے۔ اس وقت ہندوستان کے مختلف حصص میں تقریباً گیارہ مرکزوں پر سیمنٹ سازی کے بڑے بڑے کارخانے کام کر رہے ہیں جن میں سے دس کارخانے ایک خاص ادارہ کے ماتحت اپنا مال فروخت کرتے ہیں۔ یعنی سیمنٹ مارکیٹنگ کمپنی آف انڈیا۔ یہ تمام ادارے گو علیحدہ علیحدہ حیثیت رکھتے ہیں لیکن عنقریب وہ ایک مستقل عظیم الشان ادارہ میں مدغم کر دیئے جائینگے۔

سیمنٹ کے گیارہ نام اور قسمیں ہندوستان میں خاص طور پر مشہور ہیں جن کا ذکر خالی از دلچسپی نہیں۔ "گنپتی مارکہ" پوربندر کاٹھیاواڑ میں بنتی ہے۔ "جہاز" "کالسنگر" اور "گھوڑے کا سر" مارکہ بمقام دوارکا کاٹھیاواڑ۔

"قلعہ" مارکہ سیمنٹ جو کٹنی سی پی میں بنتی ہے۔

"سواستکا" مارکہ جو بمقام کیمور سی پی میں بنتی ہے۔

"جھنڈا" مارکہ جو بمقام میہاگاؤں سی پی میں بنتی ہے۔

"ینن بی" مارکہ جو لکھیری ریاست بوندی راجپوتانہ کی مشہور سیمنٹ ہے۔

"سورج" مارکہ سیمنٹ جو "بنوری" گوالیار میں تیار ہوتی ہے۔

"چار مینار" جو شاہ آباد دکن میں بنتی ہے۔

"منیگری" جو مدکارائی کے مقام واقع کوئمبٹور جنوبی ہند میں تیار ہوتی ہے۔

"رہتاس" مارکہ جو جاپلا بہار اڑیسہ میں بنتی ہے۔

سیمنٹ مارکیٹنگ کمپنی دس اداروں کا مشترکہ کاروبار کرتی ہے۔ اس کمپنی کا کام یہ ہے کہ سیمنٹ فروخت کرنے، تمام ہندوستان میں مشترکہ طریقوں سے اس کی تقسیم عمل میں لائے اور اس کی تجارت و فروخت کو فروغ دینے کے لئے نئے راستے پیدا کرتی ہے۔

اس تجارتی ادارہ کا ایک حصہ خاص فنی نوعیت کا بھی ہے۔ جو سیمنٹ ایسوسی ایشن آف انڈیا کے نام سے مشہور ہے۔ اس کو عالم وجود میں آئے آٹھ سال ہو چکے ہیں۔ اس کا مقصد یہ ہے کہ ہندوستان میں صنعت سیمنٹ سازی کو ترقی دے سیمنٹ کے استعمال کرنے والوں کو بلا معاوضہ فنی امور اور ہدایات سے آگاہ کرے سیمنٹ کے استعمال کے طریقے اور اس کو مختلف صورتوں میں استعمال کرنے والوں کو فنی معلومات بہم پہنچاتی ہے۔

بہت لوگ نہیں جانتے کہ اس کی صورت کیسے والفریشن کیا جاتا ہے کہ پورٹ لینڈ سیمنٹ (PORTLAND CEMENT) جو مشہور کی سیمنٹ کا نام ہے وہ اگرچہ ایک نئی ایجاد ہے لیکن سیمنٹ اور اس کی سی ہوئی چیزوں کا استعمال زمانہ قدیم سے چلا آتا ہے۔ گو اسے سیمنٹ کے نام سے تعبیر نہیں کیا جاتا۔ جس سیمنٹ کو پورٹ لینڈ سیمنٹ کہتے ہیں وہ انیسویں صدی کے ابتدائی ایام میں ایک موجد جیمز اسپڈن (JAMES ASPDIN) نے پہلی بار پیٹنٹ کرایا تھا۔ اس کا نام پورٹ لینڈ سیمنٹ اس وجہ سے رکھا گیا ہے کہ یہ تعمیری مسالہ جب خشک ہو جاتا ہے تو پورٹ لینڈ میں پائے جانے والے پتھر کی سی شکل و صورت اختیار کر لیتا ہے۔

پورٹ لینڈ سیمنٹ کو ریت اور پتھر میں آمیز کرنے کے کام میں بڑی کثرت سے استعمال کیا جاتا ہے۔ ریت اور پتھر کو سیمنٹ میں ملا کر جو تعمیری مسالہ تیار کیا جاتا ہے اسے کنکریٹ (CONCRETE) ...

(باقی مضمون صفحہ ۳۱ پر)

{خاص تیج ویکلی کیلئے}

از جناب قابل گلاؤٹھی

"چلو مسٹر ترلوکی سے ذرا باتیں کریں"

میں نے سامنے کی طرف اشارہ کرتے ہوئے حمید صاحب سے کہا۔

شام کا وقت تھا۔ ہم ملکی مصنوعات کی نمائش کی سیر کرتے ہوئے اس حصہ میں پہنچ چکے تھے جہاں جدید و قدیم وضع کے بلے چلے چائے خانے اور ہوٹل وغیرہ قائم کئے گئے تھے۔ سامنے ایک بینچ پر مسٹر ترلوکی بیٹھے ہوئے تھے، اور جیسے ہوں اس وقت بھی کسی خیال میں گم دنیا و مافیہا سے بے خبر معلوم ہوتے تھے۔

نمائش کی تمام فضا سُریلی اور دلکش آواز کے نغمات سے گونج رہی تھی۔ اور آلات نشر الصوت کے جابجا نصب ہونے کی وجہ سے ایسا معلوم ہوتا تھا کہ موسیقی کی دلکش تانیں سماعت کی موجوں پر رقص کرتی ہوئی یہاں کی رنگین فضا میں تیرتی پھر رہی ہیں۔ مسٹر ترلوکی سے میرے آج کے نہیں، اُس وقت کے تعلقات تھے جب میں اور وہ ایک ہی کالج میں پڑھا کرتے تھے اور جب کچھ نا معلوم وجوہ کی بنا پر وہ یکایک کالج سے دل برداشتہ ہو کر بی۔ اے کا امتحان دیے بغیر گھر چلے آئے تھے۔

مدت تک کانگریس کی سرگرمیوں میں انھوں نے حصہ لیا تھا۔ اس سلسلہ میں دو یا تین مرتبہ وہ جیل بھی جا چکے تھے، اور ہر مرتبہ جیل سے واپسی پر پہلے سے زیادہ سرگرمی اور جوش کے ساتھ قومی تحریکوں میں شریک ہو جاتے تھے مجھے مسٹر ترلوکی کی پُراسرار عادات اور ان کی ملکم مزاجی کی وجہ سے بعض اوقات وحشت سی ہونے لگتی۔ ... ...

اور میں بار بار کوشش کرتا کہ کسی طرح ان کی موجودہ زندگی کا نصب العین اور ان کی کچھ مجذوبانہ عادات کا راز معلوم کر سکوں۔ مگر ہر مرتبہ میری کوشش ناکامی کا منہ دیکھتی، میں کبھی کبھی تھک کر ان سے سوال کر بیٹھتا۔ مگر میرے سوالات کی بوچھار میں بھی وہ ایک مضبوط چٹان کی طرح ثابت قدم نظر آتے اور آخر جب میں ان کے حال و مستقبل کے متعلق اُن سے پوچھ گچھ کر کر کے تھک جاتا تو اُن کا ایک معنی خیز تبسم مجھے پہلے سے بھی زیادہ وحشت و شوق کے عالم میں چھوڑ دیتا۔

کچھ دن سے میرا اصول تھا کہ روزانہ صنعتی نمائش کی سیر کرنے اپنے کسی نہ کسی دوست کے ساتھ آتا۔ آج بھی میرے ایک دوست حمید صاحب میرے ساتھ تھے، اور اگرچہ ان کے اصرار سے میں ارادہ یہ کر کے چلا تھا کہ کچھ دیر کارنیوال کی سیر کروں گا مگر نہ معلوم کیوں نمائش کے سامنے سے گزرتے ہی میں اندر جانے پر مجبور ہو گیا۔ میں دو ٹکٹ خرید کر کسی نہ کسی طرح حمید صاحب کو بھی اپنے ساتھ یہاں لے ہی آیا۔

مسٹر ترلوکی سے میری وجہ سے وہ بھی کچھ نہ کچھ واقف بلکہ بے تکلف ہو گئے تھے۔ مختلف دکانوں کی سیر کرتے ہوئے ہم

جب نمائشی بازار کے عقب کے اس حصہ میں پہنچے تو میرے توجہ دلانے پر انھوں نے مسٹر ترلوکی کے غرق الخیال مجسمہ پر نظر ڈالی۔ اور ہم دونوں تیز تیز قدم بڑھاتے ہوئے ان کے پاس جا پہنچے۔

\+ \+ \+ \+ \+ \+ \+ \+ \+ \+ \+ \+

"معاف کیجئے گا۔ ترلوکی صاحب! مجھ سے پہلے حمید صاحب نے ہماری بے محل و مفاجاتی رسائی کی ناموزونیت کو ہموار کرتے ہوئے کہا۔

"ہم آپ کے استغراق میں کچھ مخل تو نہیں ہوئے؟"

"نہیں" مسٹر ترلوکی نے ہنس کر جواب دیا۔

"آہاہ! . . آپ ہیں!" انھوں نے اس انداز سے مجھے دیکھ کر کہا گویا اب تک انہیں میرے وجود کا علم ہی نہ تھا۔ ترلوکی کا جی تو بالکل نہیں چاہتا تھا کہ اس وقت وہ کسی کو اپنے پاس بیٹھنے اور ان کے لطیف تصورات میں مخل ہونے کی اجازت دیں۔ مگر شہریت، سوسائٹی اور تمدن و معاشرت کے اصولوں میں وہ بھی اس زمانے کے مہذب لوگوں کی طرح جکڑے ہوئے تھے۔ انھوں نے وہ سب کچھ گوارا کر لیا جسے ان کی روح اور ان کا دل احتجاج کرنا چاہتے تھے۔

ہم دونوں ترلوکی صاحب کے پاس ہی بینچ پر بیٹھ گئے۔ ہماری بینچ اس طرف بچھی ہوئی تھی جہاں آتشبازیاں چھوڑی جانے والی تھیں۔ نمائش کے دیگر حصوں کے مقابلہ میں یہ مقام کچھ بے شور و شر معلوم ہوتا تھا اور اسی وجہ سے ہمارے دوست مسٹر ترلوکی نے اپنی عادت کے موافق اسے پسند کیا تھا۔

\+ \+ \+ \+ \+ \+ \+

ادھر ادھر کی باتیں ہونے لگیں۔ مسٹر ترلوکی سے ملتے ہی ہم سیاسیات پر اٹل بے جوڑ گفتگو شروع کر دیا کرتے تھے کبھی ملکی معاملات و حالات پر تبصرہ ہونے لگتا کبھی غیر ملکی جنگ و صلح کی کانفرنسوں پر اس طرح گفتگو کرتے گویا ان ممالک کی نمایندگی کی خدمات ہمیں ہی تفویض ہوئی ہیں اور ہم آئندہ مجالس میں اپنے اپنے ملک کی صفائی و تحفظ حقوق کے لئے وکیلوں اور مقدمات کے گواہوں کی طرح تقریریں تیار کر رہے ہیں۔

ترلوکی کے جوابات سے ہم مطمئن و قائل ہونے سے زیادہ محظوظ ہوا کرتے تھے اور ان کے بوکھلاہٹ بھرے جوابات کی وجہ سے ہی ہماری گفتگو کی عمر اکثر دراز ہو جایا کرتی تھی۔

آج میں نے طے کر لیا تھا کہ گفتگو کی نوعیت ذرا بدل دی جائے گی اور کسی دوسرے موضوع پر گفتگو چھیڑ کر ترلوکی کے جذبات کا اندازہ کریں گے۔

"کہئیے، مسٹر ترلوکی آج نمائش دیکھنے کو کیسے جی چاہ آیا۔" میں نے غیر ارادی طور پر

(باقی اگلے صفحہ پر)

جلوہ زار

(از جناب تاجور سامری شاگرد علامہ دتاتریہ کیفی دہلوی)

خاص تیج ویکلی دہلی کیلئے

ہر گل میں نرالی ہی ادا دیکھ رہا ہوں — ہر ذرے پہ اک حسن نیا دیکھ رہا ہوں
ہر سمت نظر آتا ہے اک طور کا عالم — حیران ہوں میں آج یہ کیا؟ دیکھ رہا ہوں
یہ صبح کے انوار کے پردوں میں نمایاں — کس برق تجلی کی ضیا دیکھ رہا ہوں
خورشید کے پرتو میں نظر آتا ہے کوئی — مہتاب میں یہ کس کو چھپا دیکھ رہا ہوں
وہ کون ہے تاروں کی حسیں ساز یہ شب کو — مانند جسے نغمہ سرا دیکھ رہا ہوں
بادل میں گرج، برق میں بیتابی ہے کس کی — اور رات کی خاموشی میں کیا دیکھ رہا ہوں
ہنگامۂ ہستی میں یہ تحریک ہے کس کی — ان جلووں میں کیا صبح مسا دیکھ رہا ہوں
سچ پوچھو تو میں شاہد فطرت میں نمایاں — محبوب حقیقی کی ادا دیکھ رہا ہوں

سو پردوں میں مستور ہی سن رکھا تھا جس کو
میں آج اسے جلوہ نما دیکھ رہا ہوں

{پچھلے صفحہ سے}

سلسلہ گفتگو شروع کرنے کے لئے کہہ دیا: آپ تو اس ہنگامہ کی دنیا سے بہت دُور دُور رہا کرتے ہیں؟

"جی ہاں یہ تو آپ کا خیال صحیح ہے۔ کارنیوال سے واپسی میں یہاں چلا آیا!

کارنیوال سے واپسی میں!!؟" میں نے ایک ایک لفظ پر زور دے کر کہا۔ "تو گویا آپ کارنیوال بھی تشریف لے گئے تھے؟"

"جی ہاں قابل صاحب! مگر میں کارنیوال بھی کسی اپنے مقصد سے گیا تھا۔

مسٹر ترلوکی مجھے حیرت ہے آج میں آپ کے مزاج میں یکایک تبدیلی دیکھ رہا ہوں۔ کیا آپ کرم کر کے مجھے وہ مقصد بتا سکتے ہیں"

حمید صاحب اب تک خاموش بیٹھے ہوئے تھے۔ میری درخواست میں اور زور پیدا کرنے کے لئے وہ بھی کہنے لگے۔

ہاں ترلوکی صاحب! ہمیں بتا دیجئے آخر وہ کیا مقصد تھا۔ ممکن ہے ہم اس سے کچھ فائدہ حاصل کر سکیں؟

مسٹر ترلوکی نے کچھ دیر بعد ایک گہرا سانس لیا۔ میں چونکہ ان کے مزاج سے واقف تھا سمجھ گیا وہ اب اس واقعہ کو زیادہ عرصہ تک بھید نہیں رکھنا چاہتے

"آپ تو کارنیوال گئے ہوں گے نہ"

"جی ہاں کئی مرتبہ" میں اور حمید صاحب نے جلدی سے کہا

آپ نے وہ تھیٹر دیکھے ہیں جو اس ستون کے عقب میں ہیں جہاں سے ایک شخص آگ لگا کر کودتا ہے؟

"یہی نا جن کے سامنے کئی مرد عورتیں طرح طرح کی صورتیں بنا کر لوگوں کو تماشہ دیکھنے کی دعوت دیتے ہیں۔

"جی ہاں جی"

"اچھا پھر"

"اس کے قریب ہی ایک دوسرا خیمہ ہے اس میں جا کر بھی آپ نے کچھ دیکھا؟"

"اس میں تو کوئی قابل دید چیز معلوم ہی نہیں ہوئی"

بس یہی تو میرے اور آپ لوگوں کے زاویہ نگاہ میں فرق ہے وہاں ممی کی ہوئی ایک مردہ انسان کی کھوپڑی تو

"جی ہاں ہے مگر وہ کس کام کی"

مسٹر ترلوکی نے زہر خند کے ساتھ میرے فقرے کے آخری حصہ کو دہرایا: "کس کام کی" تمہیں کیا معلوم تم لوگ روحوں سے واقف ہو تو اس بات کو جانو"

"ترلوکی صاحب آپ تو روحوں سے خوب واقف ہوں گے" حمید صاحب نے ذرا انہیں بناتے ہوئے کہا۔

+ + + + + + +

اسی وقت تعلق سے میری نظر مسٹر ترلوکی کے چہرے پر پڑی۔ ان کے رخسار تمتمائے ہوئے تھے۔ آنکھوں پر ایک کیف سا طاری تھا۔ اور یہ معلوم ہوتا تھا وہ کسی دوسرے عالم میں پہنچ چکے ہیں۔ وہ اپنے خیالات میں اس قدر غرق تھے کہ انہوں نے اس کی بھی پرواہ نہیں کی کہ حمید صاحب انہیں بنا رہے ہیں۔ وہ سنجیدگی سے کہنے لگے۔

"میں روحوں سے خوب واقف ہوں" جناب واقف کیا میں تو اس واقفیت کی بدولت ہی اس حال کو پہونچا۔

مجھے مسٹر ترلوکی کے اس فقرہ میں نئی انسانیت نظر آئی۔ ایسا معلوم ہوا کہ وہ کسی نیا دلچسپ واقعہ اور حکایت کی طرف ہمیں لئے جا رہے ہیں۔ میں نے بے چین ہو کر کہا۔

"ترلوکی صاحب! دیکھئے آپ ہم سے اب تک راز داری برتتے ہیں۔ میں آپ کا پرانا دوست ہوں۔ مگر اب تک آپ نے مجھے اس قابل نہیں سمجھا کہ آپ کے حالات معلوم کر سکوں؟"

"نہیں یہ آپ کیا فرماتے ہیں؟"!

"تو آپ ہمیں بتا دیجئے کہ روحوں کی کونسی واقفیت کی بدولت آپ اس حال کو پہونچے"

ترلوکی ذرا سنبھل کر بیٹھے

تو آپ لوگ مجھے مجبور کرتے ہیں کہ میں اپنے دل کی بات آج بتا ہی دوں۔

جی ہاں بحیثیت آپ کا دوست ہونے کے ہمیں حق ہے کہ آپ سے اصرار بھی کریں۔

اچھا تو سنئے:۔

"آپ اور میں تو ایک ہی کالج میں پڑھا کرتے تھے؟" انہوں نے میری طرف مخاطب ہوتے ہوئے کہا۔

میں نے لفظوں میں جواب دینے سے بھی یہ خیال کیا کہ شاید ترلوکی صاحب کی داستان میں ہرج واقع ہو سر کے اشارہ سے اثبات میں جواب دے دیا۔

"اچھا وہ تو آپ کو یاد ہے کہ ایک روز آپ نے اور میرے کئی دوستوں نے میرے چال چلن کے متعلق کچھ شبہات کا اظہار کیا تھا؟"

معاً کچھ گزشتہ واقعات میری نظروں میں پھر گئے اور میں نے ترلوکی کے سامنے گردن جھکا لی حقیقت یہ ہے کہ مجھے اس وقت سخت ندامت تھی اور آج پہلی مرتبہ یہ احساس ہوا تھا کہ ترلوکی پر جو الزام ہم نے لگائے تھے وہ اگرچہ بڑی حد تک عینی مشاہدہ پر مبنی تھے مگر الزام تھے۔ ترلوکی نے اس وقت سے آج تک ان کے متعلق کوئی صفائی بھی پیش نہیں کی تھی۔ مگر نہ معلوم کیوں آج ان کے ایک فقرہ اور اس طرز گفتگو سے میری طبیعت سے وہ تمام شبہات دُور ہو گئے تھے اور کچھ اس قسم کا احساس ہو گیا تھا گویا میں نے غلطی کی۔ ترلوکی جیسے شخص کے متعلق اس قسم کے شبہات کو دلیں جگہ دی۔

وقت بہت کم تھا۔ اور میں ترلوکی کی باتیں سننے کیلئے بے تاب تھا۔ ورنہ اب اس قلیل وقفہ میں جو میں نے ترلوکی کے عادات کا جائزہ لیا تو مجھے تسلیم کرنا پڑا کہ کالج سے پہلے بھی وہ میرے ساتھ اسکول میں پڑھ رہے تھے اور شروع سے انہیں نیک چلن دیکھا گیا تھا۔ کبھی کسی کو ان کے متعلق کوئی شکایت نہیں پیدا ہوئی تھی؟

میں اپنی شرمندگی سے فرصت پا کر کچھ کہنا ہی چاہتا تھا کہ ترلوکی نے خود کہا۔

نہیں آپ سے کچھ کہنے کی ضرورت نہیں۔ مجھ پر آپ کا الزام غلط سہی لیکن مشاہدہ صحیح تھا۔ اور آپ کی جگہ جو کوئی بھی ہوتا وہی کہتا جو آپ نے کہا۔

آج میں اپنے علم میں وہ تمام واقعات لاتا ہوں جن سے آپ اس گتھی کو سلجھا سکیں گے۔

ہم دونوں دیرے سراپا شوق بنے بیٹھے تھے۔ ترلوکی نے کہنا شروع کیا۔

+ + + + + + +

میری عمر کا ابتدائی حصہ اٹاوہ میں گزرا۔ وہیں میں پیدا ہوا۔ وہیں میری ابتدائی تعلیم ہوئی۔

جس زمانہ میں میں ہائی اسکول میں پڑھا کرتا تھا میرے ساتھ ایک لڑکی ساوتری بھی تعلیم پایا کرتی تھی۔ بڑی خوش میلی اور بھولی بھالی لڑکی تھی مجھے خوب یاد ہے باوجود میرے قریب ہی بیٹھنے کے مدت تک مجھے اس سے بے تکلفانہ تعلقات پیدا کرنے کی بھی جرأت نہیں ہوئی۔ کلاس کے لڑکوں سے بہت کم وہ بات کرتی، اور اگرچہ وہ غیر ضروری طور پہ میل جول رکھنے اور باتیں کرنے سے پرہیز کرتی مگر اس کے طور طریقہ سے کوئی شخص بھی یہ اندازہ نہ کرتا کہ اسے کچھ غرور پیدا ہو گیا ہے یا وہ لڑکوں سے نفرت کرتی ہے نہیں بلکہ اس کی وضع سے یہ معلوم ہوتا کہ وہ ایک ہی جگہ بیٹھنے لکھنے۔ ایک ہی جگہ پڑھنے لکھنے کے باوجود شریف، حیادار لڑکیوں کی طرح لڑکوں کے نامناسب اور متجاوز میل جول پسند نہیں کرتی۔

میں اپنی جماعت میں مانیٹر تھا اس وجہ سے جماعت کے تمام لڑکے میرا ادب کرتے۔ کلاس میں اساتذہ کے بعد سب سے زیادہ میرا اثر تھا۔ میری عادت بھی کچھ ایسی نہیں تھی کہ میں خواہ مخواہ اپنی ہم جماعت ایک ایسی لڑکی کے رویہ پر اعتراض کرتا یا نوٹ لیتا جو فطرتاً لڑکوں سے شرماتی تھی اور اُن سے دُور دُور رہنا ہی پسند کرتی تھی؟

مجھے اور واقعات تو یاد نہیں، ممکن ہے اس سے قبل کوئی ایسا واقعہ ہوا ہو جس نے اس لڑکی کو میری طرف راغب کر دیا ہو مگر اتنا یاد ہے کہ ایک مرتبہ جغرافیہ پڑھنے کے کمرہ میں میرے ہاتھ سے ایک قیمتی گلوب ٹوٹ گیا۔ چونکہ اس حادثہ میں کچھ نہ کچھ میری شوخی اور طفلانہ شرارت کو بھی دخل تھا اس وجہ سے مجھے اپنی اس غلطی کی پردہ پوشی کرنا پڑی اور میں نے جماعت کے تمام لڑکوں سے جو اس وقت موجود تھے یہ کہہ دیا کہ کسی ماسٹر کو بھی یہ علم نہ ہونے پائے کہ گلوب مجھ سے ٹوٹا ہے، بھلا کس کی مجال تھی کہ کوئی لڑکا میرے کہنے کے خلاف کرتا۔ جغرافیہ کے گھنٹہ میں جب ماسٹر صاحب نے گلوب ٹوٹا ہوا دیکھا تو حیران ہو کر پوچھا کہ یہ حرکت کس نے کی ہے؟

کلاس بھر میں سناٹا تھا ان کے کئی دفعہ دریافت کرنے پر بھی کسی لڑکے کا جسم کا اظہار نہیں کیا۔ تو ماسٹر صاحب نے ایک ایک لڑکے کو کھڑا کر کے اس سے دریافت کرنا شروع کیا۔

میری بھی باری آئی اور میں نے بھی اور لڑکوں کی طرح اپنے ضمیر کا گلا گھونٹتے ہوئے جھوٹ بول دیا کہ گلوب میں نے نہیں توڑا۔

میرے بعد ساوتری کا نمبر تھا۔ ساوتری کے متعلق کبھی مجھے گمان بھی نہیں ہو سکتا تھا کہ وہ اس وقت خلاف توقع ایک دوسری قسم کا مظاہرہ کر کے ہم سب کو حیران کر دے گی اس سے بھی حسب معمول دریافت کیا گیا کہ تم نے تو گلوب نہیں توڑا مگر بجائے اس کے کہ وہ بھی ہم سب کی طرح صاف انکار اور لاعلمی کا اظہار کر کے خلاصی پا لیتی۔ اس نے خاموشی اختیار کر لی۔

ماسٹر صاحب کو یقین ہو گیا کہ گلوب ساوتری سے ہی ٹوٹا ہے انہوں نے اسے سزا دی اور کئی روپیہ جرمانہ کر دئے

ساوتری نے یہ سب کچھ میری خاطر برداشت کیا

+ + + + + +

جغرافیہ کے گھنٹہ کے بعد وقفہ ہونے والا تھا۔ کلاس میں وقت کاٹنا دشوار ہو گیا۔ کچھ نہیں معلوم اُس روز ماسٹر صاحب نے کیا پڑھایا اور کیا کام بتایا؟

میرا ضمیر مجھ پر برابر ملامت کر رہا تھا ساوتری کے ایثار اور ہمدردی پر مجھے حیرت سے زیادہ ندامت تھی، کلاس کے جس لڑکے سے نظریں چار ہوتی تھیں یہ محسوس ہوتا تھا گویا اس کی نگاہیں مجھے انتہا درجہ ذلیل سمجھ رہی ہیں۔ میں اپنی اس وقت کی حالت کسی طرح بیان نہیں کر سکتا؟

آدھ گھنٹہ کی چھٹی ہوئی اور میں سب سے پہلے اپنے ہم جماعتوں کی نظروں سے منہ چھپا کر اسکول گراؤنڈ کے اس حصہ میں چلا گیا جہاں پیاؤ لگی ہوئی تھی اور اکثر ساوتری آدھ گھنٹہ کی چھٹی میں وہاں جا کر پانی پیا کرتی تھی۔ میں سوچتا تھا اس سے آنکھیں کس طرح چار ہوں گی۔

کچھ ہو بہرحال ساوتری سے معافی مانگنا ضروری ہے، میں نے طے کر لیا تھا۔

+ + + + + +

مجھے اس جگہ ساوتری کا انتظار کئے کوئی دو چار منٹ ہی ہوئے ہوں گے کہ ساوتری آتی ہوئی نظر آئی۔ اس کے سامنے آتے ہی میری نگاہیں منہ چھپانے کو جگہ ڈھونڈنے لگیں۔ اس نے میری اس حالت کو دیکھ لیا کیونکہ میں نے کنکھیوں سے جو اس پر نظر ڈالی تو وہ نظر پھیرے ہوئے

(باقی مضمون صفحہ (۲۷) پر)

سائنس

غذاؤں میں سب سے مکمل غذا

دودھ اور اس کی جزوی دھاتیں

(از قلم پروفیسر جی۔ ڈی۔ تلی۔ ایم۔ ایس۔ سی)
خاص تیج ویکلی کے لئے

دودھ کا استعمال کرنے والے اشخاص شاید اس بات سے بے خبر ہوں کہ اس امرت کے ایک چھوٹے سے گلاس میں پچیس سے زیادہ مختلف اقسام کی دھاتیں پائی جاتی ہیں۔ دودھ میں اسی فی صدی کے قریب پانی ہوتا ہے باقی بارہ فی صدی آکسیجن۔ کاربن۔ ہائیڈروجن اور نائیٹروجن کے مرکب پروٹین۔ فیٹ۔ لیکٹوز وغیرہ ہوتے ہیں جن پر کہ دودھ کی اعلیٰ غذائیت کا دارومدار ہے۔ اور جو کہ ایک آدرش تناسب میں ملے ہوئے اس چیز میں پائے جاتے ہیں۔

آسٹریا کے ڈاکٹر ستوارٹز لکھتے ہیں کہ پچھلے ۲۷ سال کے عرصہ میں انہوں نے دودھ کے سوائے کسی دوسری چیز کا استعمال نہیں کیا۔ اور آج ساٹھ سال کی عمر میں اُن کی صحت دیکھنے سے تعلق رکھتی ہے۔ جس سے یہ بات صاف طور پر ظاہر ہے کہ دودھ میں وہ تمام کیمیاوی اجزا مکمل طور پر پائے جاتے ہیں جن کا استعمال صحت اور جسمانی ترقی کو قائم رکھنے کے لئے ضروری ہے۔ کیونکہ دودھ میں اور خاص کر گائے کے دودھ میں وہ تمام چیزیں پائی جاتی ہیں جو کہ انسانی جسم میں موجود ہیں۔

لیکن ہمارے مضمون کا تعلق اُس باقی ایک فی صدی سے ہے جو کہ باقی ۲۱ دھاتوں سے مل کر بنی ہے۔ جس وقت دودھ کو معمولی حرارت پر گرم کیا جاتا ہے تو پہلے پہل اُس کا پانی ضائع ہو جاتا ہے۔ پانی کے خشک ہونے پر جو ٹھوس مادہ باقی رہ جاتا ہے۔ وہ تیز حرارت سے جلایا جا سکتا ہے جس سے اس کی پروٹینز کیسین۔ لیکٹ البیومن وغیرہ اور چربی اکار بوہائیڈریٹس وغیرہ جل کر بالکل ضائع ہو جاتے ہیں اور کاربن ڈائی آکسائیڈ میں تبدیل ہو کر ہوا میں مل جاتے ہیں۔ باقی جو راکھ رہ جاتی ہے اس میں وہ تمام دھاتیں پائی جاتی ہیں جن سے دودھ کی وہ ایک فی صدی جس کا کہ اوپر ذکر کیا گیا ہے مل کر بنی ہے۔

کیلشیم۔ پوٹاشیم۔ سوڈیم۔ فاسفورس۔ سلفر۔ میگنیشیم۔ سلیکان۔ بوران۔ بیریم۔ کرومیم۔ ٹن۔ سلور۔ کاپر۔ نکیلیم۔ سٹرانشیم۔ زنکیم اور بیلڈیم۔ ٹائی ٹینیم۔ جرمینیم۔ کلورین اور آیوڈین۔ یہ اکیس دھاتیں اور ان کے مرکب دودھ کے اس حصے کے جزو ہیں۔ ان میں سے چند ایک تو کافی مقدار میں پائے جاتے ہیں مگر باقی صرف نام کو ہی ہوتے ہیں ان میں سے کیلشیم اور فاسفورس سب سے زیادہ ضروری ہیں کیونکہ یہی دھاتیں ہیں جن سے کہ ہڈیاں اور دانت بنتے ہیں۔ اگر خوراک میں ان کی کمی ہو۔ یا ان چیزوں کی کمی ہو جن کی وجہ سے یہ مکمل طور پر استعمال میں لائی جا سکتی ہیں تو ایک نہایت ہی تکلیف دہ بیماری جس کو رکٹس کا نام دیا جاتا ہے، پیدا ہو جاتی ہے۔

سائنٹیفک تجربات سے ثابت ہوا ہے کہ ہمارے لئے روزانہ ایک گرام کے قریب کیلشیم کا استعمال لازمی ہے۔ اور چونکہ گائے کے دودھ میں اوسطاً ۰.۱۲ فی صدی کیلشیم پایا جاتا ہے روزانہ خوراک میں ایک گرام کیلشیم پیدا کرنے کے لئے تقریباً ایک سیر دودھ کی ضرورت ہے۔ کیلشیم دودھ میں ایک ایسی حالت میں ہوتا ہے کہ نہایت آسانی سے جسم میں جذب ہو سکے۔

روس کے ڈاکٹر پاولیف نے حال ہی میں یہ ثابت کیا ہے کہ دودھ کو ہضم کرنے کے لئے کسی خاص زیادہ طاقت یا کسی خاص جسمانی رس کی ضرورت نہیں۔ کیونکہ کیلشیم کو جسم کا حصہ بنانے والی سب سے اعلیٰ چیز وٹامن ڈی ہے اور یہ وٹامن دودھ میں ہی پائی جاتی ہے۔

دودھ دینے والے مویشیوں کو سائنٹفک طریقے سے خوراک دینے سے یا اُن کی خوراک کو الٹرا وائلٹ ریز کے سامنے کافی دیر تک رکھ کر بعد میں اس غذا کو استعمال کرانے سے وٹامن ڈی دودھ میں بڑھائی جا سکتی ہے۔

جس سے دودھ کی غذائیت جسمانی نشوونما کے لحاظ سے دوبالا ہو جاتی ہے۔

دودھ میں پایا جانے والا کیلشیم لوہے کے جسم میں حل ہونے میں مدد دیتا ہے اگرچہ دودھ میں لوہا صرف ۰۰۰۲۴ فی صدی کے قریب ہوتا ہے مگر اس کی غذائیت بہت زیادہ ہے۔

مزید تحقیق سے معلوم ہوا ہے کہ خون کے سرخ ذرات کی پیدائش میں جو لوہا صرف ہوتا ہے وہ دودھ میں پائے جانے والے تانبے اور اس کے مرکبات کی مدد سے اپنا فعل بہتر طریقہ سے سرانجام دے سکتا ہے جس سے انیمیا یا خون کی کمی کی بیماری پیدا نہیں ہو سکتی۔

دودھ میں آیوڈین کی مقدار دودھ دینے والے جانور کی خوراک پر منحصر ہے۔ چونکہ آیوڈین تھائیرائڈ گلینڈ کی نشوونما کو کنٹرول کرتی ہے۔ اور اس کی کمی سے یہ غدہ پھول کر بے کار ہو جاتا ہے۔ اس لئے دودھ میں آیوڈین کی ایک خاص مقدار لازمی ہے۔ جو کہ جانوروں کو ایسے پودے کھلانے سے پیدا کی جا سکتی ہے جن میں کہ آیوڈین بہت زیادہ مقدار میں پائی جاتی ہو۔

مختلف غذاؤں کا موازنہ کرنے کے بعد چند سال ہوئے امریکہ کے ماہر غذا ڈاکٹر میک کالم نے ایک فہرست ان غذاؤں کی تیار کی تھی کہ جن کے استعمال سے جسمانی نشوونما مکمل طور پر ہوتی رہے۔ اور جن کے استعمال سے انسان بیماریوں سے محفوظ رہے۔ اس فہرست میں دودھ کا نمبر اوّل تھا۔ کیونکہ یہی ایک ایسی مکمل غذا ہے جس سے بوڑھا بچہ اور نوجوان سب یکساں فائدہ اٹھا سکتے ہیں۔

دلچسپ معلومات

بے دُم کا طیارہ

اُن لوگوں کے لئے جو ہوا بازی کے شوقین ہیں مگر ذرائع بہت محدود رکھتے ہیں۔ اضلاع متحدہ امریکہ میں ایک ایسا بے دُم کا ہوائی جہاز تیار کیا گیا ہے جو بہت ہی ارزاں ہے۔

عام اس سے کہ کیسا ہی اناڑی آدمی اس کو چلائے وہ چالیس میل فی گھنٹہ کی رفتار سے چل سکتا ہے۔ اس ہوائی جہاز میں ایسی خصوصیات ہیں جن کے متعلق اب سے ایک سال پہلے تک بعض نمایاں سائنسدانوں کا خیال تھا کہ ایک ہی طیارے میں یکجا ہونی مشکل ہیں۔

مشینی ڈاک خانہ

جرمنی میں ایک عجیب و غریب قسم کی مشین ڈاک خانوں میں لگائی گئی ہے۔ اس مشین میں سیدھے تسلے روپے وغیرہ کے لئے سوراخ بنے ہوئے ہوتے ہیں۔ ایک پیسہ ڈالنے سے ایک پیسہ والا ٹکٹ باہر نکل آتا ہے۔ دو پیسے ڈالو تو اس قیمت کا ٹکٹ نمودار ہو جائے گا۔ اسی طرح ایک مشین ایسی ہے جس میں کاغذ اور لفافے ہوتے ہیں اور پیسے روپے ڈالنے سے اتنی ہی قیمت کے لفافے باہر نکل جاتے ہیں۔

مصنوعی اُون

ایک اطالوی سائنسدان نے دودھ کے ایک جزو سے ایسا اُون تیار کیا ہے جو صورت و شکل میں بالکل اصلی اُون جیسا ہے اور اس کی [illegible] بھی رکھتا ہے۔ یہ اُون ہو بہو [illegible] کی دنوں میں استعمال ہونا شروع ہو گیا ہے۔

ٹھوس غیر آتشگیر پٹرول

امریکہ میں ایک قسم کا پٹرول دریافت ہوا ہے جو اس وقت تک نہیں سلگتا جب تک کہ اس کو دیا سلائی نہ لگائی جائے۔ اگر وہ توقعات جو اس پٹرول کی نسبت کی جاتی ہیں غلط ثابت نہ ہوئیں تو کوئی وجہ نہیں معلوم ہوتی کہ اس مادہ دریافت کے بعد ہوائی جہاز کو آگ لگنے کا خطرہ کیوں نہ قطعیت و نابود ہو جائے۔

شیشے کے بلیڈ!

عرصہ کے تجربہ کے بعد زیکوسلوویکیا کے ایک کارخانے نے شیشے کے بلیڈ بنانے میں کامیابی حاصل کر لی ہے۔ [illegible] شیشے کے بلیڈ دوں سے زیادہ خوبصورت ہونے کے علاوہ بہت کم قیمت بھی ہیں۔

ایک عجیب آلہ

ایک آلہ ایسا ایجاد کیا گیا ہے جس کی مدد سے جعلی نشانات انگشت، جعلی خط اور نوٹوں کا پتہ لگ جاتا ہے نشانات کا اس آلہ کے ذریعہ نہایت کامل سے مقابلہ کیا جاتا ہے جو کہ روشنی سے بڑے نمایاں ہو کر اس کے شیشے پر دکھائی دیتے ہیں۔

صرف ساڑھے ۱۲ انچ لمبی موٹر کار

[illegible] میں ایک [illegible] کا [illegible] سفر واپس آیا ہے جس کی کل لمبائی صرف ۲۰ انچ ہے [illegible] اس پر پہلا سفر [illegible] ماہ [illegible]

پھلوں کی سربندگی کی صنعت

لاکھوں روپے کی دولت ہندوستان میں پیدا کی جا سکتی ہے

(از مسٹر پریم بہاری ماتھر ! ! ؟)

(ترجمہ خاص :- برائے تیج دہلی)

ہندوستان صنعتی، تجارتی ترقی میں ابھی دنیا کے بڑے ممالک سے تو کجا، چھوٹے ممالک سے بھی بہت پیچھے ہے۔ اور اسی وجہ کی تجارتی تگ و دو میں وہ رفتار عالم سے بہت پیچھے پرانی ڈگر پر گامزن دکھائی دیتا ہے۔ بہت سی ایسی صنعتیں جن کے لئے اسے ممالک غیر کا محتاج و دست نگر نہ ہونا چاہیئے تھا۔ آج ہماری دولت کی کثیر مقدار ہمارے ملک سے لے جانے کا باعث بنی ہوئی ہیں حالانکہ ان صنعتوں کے لئے قدرتی طور پر ہمارے ملک میں کثیر ذرائع موجود ہیں۔ مثلاً پھلوں کی صنعت۔ پھلوں کی صنعت سے ہماری مراد یہ ہے کہ پھل پیدا کرے اور انہیں تجارتی پیمانہ پر محفوظ کر کے بیچنے کے طریقوں سے ہندوستان ابھی تک بہت بڑی حد تک محروم ہے۔

کچھ ہی زمانہ گزرا ہو گا کہ ہر مالک اراضیات کے باعث ایک چھوٹا سا باغ ضرور ہوتا تھا جہاں وہ حسب منشا کچھ میوہ دار درخت لگاتا تھا۔ اور ان کی پیداوار فروخت کر کے ہر موسم میں کثیر منافع حاصل کرتا تھا۔ اکثر مالکان اراضی اپنی اولاد اور ورثاء کے لئے منجملہ دیگر چیزوں کے ایک خوشنما باغ بھی چھوڑ کر جاتا تھا اور فخر کرتا تھا کہ اس نے اپنے شوق اور ذوق کے اعتبار سے پھل دار درختوں کا ایک عمدہ ذخیرہ مہیا کیا ہے جو اس کے لئے یا اس کے ورثاء کے لئے ہمیشہ باعث فخر و مسرت ہو گا۔

مگر افسوس کہ ہمارے زمینداروں میں پھلوں کے درخت اور باغ نصب کرنے کا ذوق بہت بڑی حد تک کم ہو گیا ہے، اور اب باغ لگانے اور پھلوں کے پیدا کرنے کی جانب زمانہ ماضی کی سی دلچسپی نہیں پائی جاتی۔ ہمارے بزرگوں نے جو باغات لگائے تھے وہ توجہ کال نہ ملنے کے باعث قریب الختم ہو گئے ہیں اور جدید باغ لگانے کی طرف عام طور پر اس قدر دلچسپی کا اظہار نہیں کیا جا رہا۔

اب ذرا غیر ممالک کے باغات اور ان کی صنعت باغبانی کا حال سنیئے۔ باہر ذرا ذرا سے باغوں کی اہمیت سمجھی جاتی تھی۔ وہاں گھاس کا ایک پتا بھی بے کار نہیں ہونے دیا جاتا۔ ہر نباتاتی چیز کا کوئی نہ کوئی مصرف مقرر کر رکھا ہے۔ اور حتی الوسع کوئی شے باغ میں پیدا ہونے والی ضائع نہیں ہونے دی جاتی۔ امریکہ کے مشرق میں ہوائی (HAWAII) جزائر کا ایک خوشنما سلسلہ چلا جاتا ہے۔ ان جزیروں میں باغبانی کی صنعت بکثرت زیر عمل ہے یہاں سے پھل سربند کر کے دنیا کے ہر ملک کو بڑی بھاری تعداد میں بھیجے جاتے ہیں۔ اگرچہ یہ جزیرے بہت ہی چھوٹے ہیں مگر ان کی صنعت کا اندازہ لاکھوں کروڑوں روپے سالانہ ہے۔

صرف انناس کی درآمد سے بیس کروڑ روپے سالانہ کی آمدنی ہے۔ تمام جزیروں میں بڑے بڑے کارخانے کام کرتے ہیں جہاں بوتلوں اور ٹین کے ڈبوں میں خشک و تر میوے اور پھل بکثرت سربند کئے جاتے ہیں۔ صرف ایک کارخانہ میں ایک لاکھ ٹین فی گھنٹہ تیار کرنے کی رفتار ہے۔

اس سے تمام کارخانوں کے کام کرنے کی وسعت کا بخوبی اندازہ لگایا جا سکتا ہے، ہر پھل کی مکمل حفاظت کی جاتی ہے۔ کوئی درخت، کسی درخت کی کوئی شاخ، شاخ کا کوئی پھل خراب نہیں ہونے دیا جاتا اور ماسوا ناگہانی آفات کے بہت کم ایسا ہوتا ہے کہ کوئی پھل خراب ہو جائے۔ عام طور پر سارے پھل عین وقت پر مکمل حالت میں کارخانے روانہ کر دیئے جاتے ہیں۔ پھلوں اور باغ کی پیداوار کو آسمانی آفتوں، ناگہانی واقعات، بیماریوں، کیڑا لگنے، داغ لگنے اور مختلف طریقوں سے ضائع ہونے کی صورتوں سے بچانے کے لئے ایک مکمل نظام کام کر رہا ہے جو ان جزائر کی کیا تمام امریکہ کی باغاتی پیداوار کی حفاظت کا ذمہ دار ہے اور حکومت کے نظم میں یہ محکمہ کام کرتا ہے۔ صرف بہترین پھل ہی بازار میں برائے فروخت بھیجے جا سکتے ہیں۔

حکومت کی جانب سے نہ صرف کارخانے والوں کو مالی امدادیں دی جاتی ہیں بلکہ پھلوں کی خور و پرداخت کے طریقے سکھلانے، پھلوں کی سربندی کرنے کے طریقے اور موسمی و تجارتی امور کی بابت ہدایات دینے اور باغاتی پیداوار بڑھانے کے معاملات سمجھانے کے لئے ایک علیحدہ محکمہ کام کرتا ہے اور یونیورسٹیوں میں پھلوں کی پیدائش اور سربندی کی تعلیم باقاعدہ نصاب دی جاتی ہے، سکولوں اور کالجوں میں اس تعلیم پر خاص زور دیا جاتا ہے۔

اب ذرا اپنے ملک کی حالت کو دیکھئے۔ فصل پر پکے ہوئے سب قسم کے پھل انباروں کی صورت میں باغ کے کونوں میں ڈھیر کر دیئے جاتے ہیں یا بہت بے سلیقگی کے ساتھ گاڑیوں میں بھر کر منڈیوں کو بھیج دیئے جاتے ہیں۔

(باقی صفحہ ۲۵ پر)

چائے

(از جناب کوثر چاند پوری)

خاص "تیج و نکلی" کے لئے

چائے ایسی چیز ہے جس سے ہر شریف آدمی کو تھوڑی بہت محبت ضرور ہوتی ہے۔ بعض نازک دماغ شاعروں نے اس کو جوانان صالح کی شراب سے تعبیر کیا ہے۔ حالانکہ پیران دانا بھی اس کی جرعہ کشی سے لذت یاب ہوتے ہیں

اب سے تیس سال پہلے یہ بیچارہ دولت کے گھروں میں محفوظ رہتی تھی۔ وہ اسی طرح استعمال ہوتی تھی مگر اب ہر مہذب اور غیر مہذب مجلس میں تواضع اور مدارات کے سلسلہ میں پان اور حقہ کے دوش بدوش اس کا بھی ایک دور ہو جاتا ہے۔ اور ہر گلی کوچہ میں جہاں بھی چائے فروخت ہوتی ہے اس کی تختیاں لٹکی ہوئی نظر آتی ہیں،

اگرچہ بعض ڈاکٹر اور طبیبوں نے جو پوشیدہ طور پر چائے پی لینا جائز رکھتے ہیں اس کے لئے نقصانات بیان کئے ہیں کہ سنکھیا بھی اس کے سامنے ہیچمدان ہو کر رہ گیا ہے مگر اس کی عام مقبولیت میں ابھی کوئی کمی واقع نہیں ہوئی اور جب تک ہندوستان میں ہم جیسے لکھنے پڑھنے والے متقی، پرہیزگار لوگ موجود ہیں کوئی امید نہیں کہ چائے کی حیثیت عرفی کا ازالہ ہو جائے۔ دنیا کی تمام پرلطف چیزوں کو ذاہب اور مصلحین قوم نے ممنوع قرار دے دیا ہے۔ ایک غریب چائے ہی باقی ہے جس کی ایک پیالی سے انسان کے دل و دماغ میں نئی قوت حیات دوڑ جاتی ہے اور پژمردہ رگوں میں دوران خون ہونے لگتا ہے۔ تو خدا بھلا کرے اُن ڈاکٹروں اور حکیموں کا یہ زیادہ عرصہ تک اسے بھی نہ پینے دیں گے۔ ابھی تک ہمارے دل پر ان کی بزرگانہ نصیحتوں کا کوئی اثر نہیں لیکن ممکن ہے، ہمارے بعد کی نسل جو اپنی کمزوری اور دائم المرضی کے باعث لازمی طور پر معالجوں کے زیر اثر ہوگی۔ اس بہت نے متاثر ہو جائے اور چائے جیسی عجیب و غریب چیز کو چھوڑ کر کونین یا گل بنفشہ پینے لگے۔

ہم اگر چائے چھوڑ دیں تو اس کا مطلب یہ ہے کہ زبردستی زندہ درگور ہو جائیں کیونکہ اس کے بعد ہم نہ کچھ لکھ سکیں گے نہ پڑھ سکیں گے۔ جب آپ عرصہ تک ہمیں اخباری دنیا سے غیر حاضر پائیں گے تو یقیناً "مرحوم" سمجھ کر تعزیت کا ایک ریزولیوشن پاس کر دیں گے۔

اب تک ہماری یہ کیفیت ہے کہ جہاں لکھتے لکھتے دماغ میں تھکن کا احساس ہوا اور مضامین کی آمد بند ہوئی۔ بدن میں خستگی و ماندگی پیدا ہو کر انگڑائیوں اور جماہیوں کا سلسلہ شروع ہوا۔ وہیں ہم نے ہاتھ بڑھا کر بذیر تریاق کو کا پان اٹھا کر منہ میں رکھ لیا۔ اس سے بھی تسکین نہ ہوئی یعنی سستی و کاہلی باقی رہی اور ہوئی تو ایک پیالی چائے پر مقصود پر پہنچ کر جو قلم ہاتھ میں لیا تو اچھا خاصہ طول طویل مضمون لکھ کر پھینک دیا۔

اب ان ڈاکٹروں اور حکیموں سے کوئی پوچھے کہ آپ کے مشورہ پر عمل کرنے سے اگر ہم چائے سے متعلق کچھ نہ لکھ سکیں تو یہ مضمون لنگڑی کیونکر ہو؟

لیکن واقعہ یہ ہے کہ دوران سفر میں چائے کے متعلق جو تلخ اور اندوہناک تجربات ہوتے ہیں ان کا تقاضا تو یہی ہے کہ کم از کم ایسے موقعوں پر اپنے طبابت پیشہ دوستوں کی رائے پر ضرور عمل پیرا ہونا چاہیے ورنہ کسی روز کوئی معرکہ آرا یا سنسنی خیز واقعہ ہو جائے گا اور وقت ہمارا مذاق اڑایا جائے گا۔ کہ آخر ہوئے نا خود سر اور بد پرہیزی کی انتہا!

ہمارا اصول یہ ہے کہ چائے بہت اہتمام اور قاعدہ سے تیار کراتے ہیں۔ برتنوں کے دھونے اور پانی کے پکانے میں بہت احتیاط ملحوظ رکھی جاتی ہے۔ شکر نہایت عمدہ قسم کی استعمال کی جاتی ہے اور اچھی چائے کی تلاش میں تو کافی روپیہ صرف کیا جاتا ہے ان ارکان کی ادائیگی میں کوئی معمولی سا نقص بھی رہ جاتا ہے تو چائے بے لطف اور طبیعت بے کیف ہو جاتی ہے۔ چنانچہ اکثر اس بے لطفی اور بے کیفی کے عالم میں ہمارا نقصان بھی ہو جاتا ہے کبھی چائے کے پانی میں لکڑیوں کے دھوئیں کا اثر ہو جاتا ہے اور ہم ایک گھونٹ پی کر چائے کو مع پیالی کے پھینک دیتے ہیں یا کسی وقت چائے کم ڈالی جاتی ہے اور رنگ اچھا نہیں آتا۔ تو ہم غصہ میں چائے دانی توڑ ڈالتے ہیں۔ اس طرح ہمیں چائے کے شوق میں عاشقی سے زیادہ نقصانات برداشت کرنا پڑتے ہیں۔

بعض احباب کی رائے میں یہ ساری جنون سامانیاں چائے کی کثرت کا کرشمہ ہیں۔ لیکن جو شخص اس ام الامراض کو شروع ہی سے "شفاء الابدان" سمجھا ہو وہ اس نوع کی ہرزہ سرائی پر کیونکر اعتبار کر سکتا ہے۔ تاہم اس مرض میں مبتلا ہونے تو ممکن تھا یقین آجاتا مگر ہم تو جس بڑے آدمی پر نظر کرتے ہیں، وہ اس کے خدنگ نظر کا مجروح دکھائی دیتا ہے، خصوصاً اخباروں کے ایڈیٹر اور رسائل کے رئیس التحریر کے لئے تو چائے پینا اور عینک لگانا بالکل لازمی ہے۔

مگر اس زمانہ میں کسی کو چائے نوشی سے خشکی کی شکایت پیدا ہو جائے تو سمجھنا چاہیئے کہ اس کے دماغ میں غذا دوڑ رہنے کی صلاحیت قدرتاً مفقود ہے!

بہرحال جو شخص اس اہتمام اور صفائی سے چائے پینے کا عادی ہو آپ خود ہی اندازہ کیجئے کہ سفر میں اُسے کہاں تک یہ ہولتیں میسر آسکتی ہیں چنانچہ بیشتر یہی ہوتا ہے کہ کھانا بھی اچھا مل جاتا ہے۔ ٹھہرنے کے لئے مکان بھی جو دستیاب ہو جاتا ہے۔ نہیں ملتی تو بس ایک اچھی چائے نہیں ملتی اور اسی لئے سفر کی ساری دلچسپیاں ایک ناقابل بیان تکلیف اور ہمیشہ یاد رہنے والی اذیت میں بدل جاتی ہیں!

ایک مرتبہ ہم اپنے ہم پیالہ دوست حبیب صاحب کے ہمراہ شکار کو روانہ ہوئے۔ جاڑوں کا زمانہ تھا۔ خوب سردی پڑ رہی تھی، گھر سے چلتے وقت خیال تھا، صبح سویرے ہی جھیل پر پہنچ جائیں گے،

کامیابی کی ایک خیالی حرارت نے جسم میں اتنی گرمی پیدا کر دی کہ گھر سے روانہ ہوتے وقت کمبل، رضائی، لحاف، بچھونا اور اسی قسم کے دوسرے کپڑے جن کی عدم موجودگی نمونیا کا پیش خیمہ ثابت ہوا کرتی ہے اتار کر پھینک دیے اور صرف گرم کوٹ پہن کر روانہ ہوگئے دو تین میل نکل جانے پر ہم ٹھٹھر کر برف خانہ کے میر صاحب ہو گئے بڑی مشکل سے ہم نے چار میل کی مسافت طے کر کے ایک معمولی سے قصبہ میں پناہ لی۔ ایک چھوٹی سی چوپال میں ہم بند کر کے بیٹھے آگ سے سینکا یا تھوڑا گیا۔ پھر ہمارے دوست کی فرمائش پر چائے تلاش کی جانے لگی۔

ہم نے اب تک صرف تحریک پیدا کرنے کی غرض سے چائے نوشی کا تجربہ کیا تھا۔ سردی دفع کرنے اور گرمی پیدا کرنے کے فوائد پر کبھی غور نہیں کیا تھا۔ کیونکہ تین سیر روئی کے لحاف اور پچاس ساٹھ روپے کی قیمت کے کمبل کی موجودگی میں دو پیسے کی چائے کے ان بعید از قیاس فوائد کا تجربہ کرنے کی حماقت ہم سے ممکن نہ تھی مگر حبیب صاحب کا عقیدہ تھا کہ چائے سردی رفع کرنے میں بہت ہی کارگر ثابت ہوتی ہے ہم نے اُن سے کوئی اختلاف نہیں کیا۔ نتیجہ یہ ہوا کہ چائے اور شکر آگئی۔ برتن بھی دستیاب ہو گئے اور گاؤں کے ایک ہوشیار آدمی نے چائے بنانے کا کام شروع کر دیا ہمارے دوست بھی قریب بیٹھے ہوئے مختلف ہدایات فرماتے رہے

دیکھو پانی کو اچھی طرح جوش دے کر چائے ڈالنا!

اور ذرا زیادہ ڈالنا!

چائے ڈال کر ایک جوش بھی دے لینا تاکہ رنگ اچھی طرح آجائے!

شکر خوب صاف کر لینا!

چائے ذرا زیادہ بنانا!

اور دیکھو کہیں نمک نہ ڈال دینا!

دودھ کو الگ ایک برتن میں گرم کر لو!

اماں کوئی چمچہ بھی لے آئے ہو؟

بھیّا ذرا پیالیوں کو اچھی طرح صاف کر لینا!

بس جلدی سے بنا دو۔ دیر کا موقع نہیں ہے۔

دیکھو سورج نکلا آتا ہے۔

ان ہدایات کا یہ اثر ہوا کہ چائے جلدی اور ذرا عمدہ تیار ہو گئی۔ اور مام چینی کی دو بڑی بڑی لبریز پیالیاں ہمارے سامنے آگئیں۔

چوپال میں روشنی کے لئے مٹی کے تیل کی ایک چھوٹی سی ڈبیہ جل رہی تھی۔ اور روشنی صرف اتنی تھی کہ تاریکی نہ تھی، ذرا غور سے دیکھنے پر چلتا پھرتا آدمی نظر آجاتا تھا حبیب صاحب نے دو چار پھونکیں لگا کر ایک لمبا سا گھونٹ لیا اور چائے کو حلق سے اتارتے ہوئے بولے:۔

اُف وہ! بہت تیز ہو گئی۔ حلق کو چھیلے ڈالتی ہے بس سردی میں اسی قسم کی چائے پینی چاہیئے۔ لیکن چائے بری معلوم ہوتی ہے اور حلق کو بچاتے ہوئے جرعہ کشی شروع کی، پہلے ہی گھونٹ میں ہمیں نہایت تیز بُو اور تلخی کا احساس ہوا۔ ہم نے چپکے سے حبیب صاحب کی آنکھ بچا کر چائے کی پیالی پلنگ کے نیچے لوٹ دی۔ حبیب صاحب اطمینان سے مزے لے لے کر پیتے رہے اور پوری پیالی چڑھا کر دم لیا۔ اگرچہ تلخی انہیں بھی محسوس ہو رہی تھی مگر زندگی نہایت عزیز چیز ہے اس کے لئے سب کچھ کرنا پڑتا ہے انہیں پورا یقین تھا کہ اس وقت چائے نہ پی گئی تو خدانخواستہ ضرور نمونیا ہو جائے گا۔ اور جان کے لالے پڑ جائیں گے چائے پی کر ہم نے منہ ہاتھ دھویا۔ اور تالاب کی طرف چل دئے۔ تھوڑی دور

باقی صفحہ ۲۴ پر

عورتوں کا صفحہ

ہندوستان کی گذشتہ مہارانیاں

(از خواجہ عبدالرحیم صاحب بی۔ اے۔ ڈیرہ دون)

(خاص "شعور" دہلی کے لئے)

مہارانی دروپدی

مہارانی دروپدی پانچال کے راجہ کی دختر تھی اور اس زمانہ کے رواج کے مطابق سوئمبر کے ذریعہ قسمت آزمائی ہونے کے بعد مہاراجہ یدھشٹر سے اس بیاہ ہوا تھا۔ دروپدی کی سوانح زندگی کے ساتھ بعض واقعات ایسے وابستہ ہیں جو ہمیشہ عزت اور عظمت کے ساتھ یاد کئے جائیں گے۔ اس کی دماغی قابلیت بہت اعلیٰ تھی اور وہ اعلیٰ اخلاق کا مکمل نمونہ تھی۔

مہاراجہ یدھشٹر کو جوا کھیلنے کا بہت شوق تھا۔ راجہ کے اس شوق سے فائدہ حاصل کر کے دریودھن نے جو راجہ یدھشٹر کا چچا زاد بھائی تھا اپنے دلی عناد کو پورا کرنے کی تدبیر نکالی۔ اور وہ اس تدبیر میں اس قدر کامیاب ہوا کہ راجہ یدھشٹر ایک بازی میں سب راج پاٹ، اپنے چاروں بھائی، خود اپنی ذات اور رانی دروپدی تک کو ہار بیٹھا۔ جوئے کی شرط پوری ہونے پر دریودھن کے ایک بھائی نے دروپدی کو سر دربار ذلیل کرنا چاہا۔ جب اس کی خبر مہاراجہ دھرت راشٹر کو پہنچی تو وہ اپنے بیٹے کی اس بیہودہ حرکت پر بہت برافروختہ ہوا۔ اور دروپدی کو بلا کر معافی مانگی اور قدیم ہندو فرمانرواؤں کے قاعدہ کے مطابق "بردان" دینے کی خواہش ظاہر کی۔ اور کہا۔

"جو تم مانگتی ہو، دینے کو تیار ہوں۔"

دروپدی نے جواب دیا۔

"اگر آپ ایسے ہی مہربان ہیں تو راجہ یدھشٹر کو غلامی سے آزاد کر دیجئے۔"

راجہ دھرت راشٹر نے اس درخواست کو قبول کرتے ہوئے کہا کہ

"ابھی کچھ اور مانگ۔ یہ بردان بہت کم ہے۔"

دروپدی نے کہا۔

"بھیم، ارجن، نکل اور سہدیو کو بھی آزاد کر دیجئے۔"

یہ سوال بھی قبول کی گئی اور مہاراجہ نے پھر کہا۔

"ابھی کچھ اور مانگ۔"

دروپدی نے جواب دیا۔

"میں چھتری ہوں اس لئے دو سے زیادہ بردان مانگ کر اپنے مذہب کی خلاف ورزی نہیں کر سکتی۔ اب میں کچھ نہ مانگوں گی۔"

آزاد ہونے کے بعد راجہ یدھشٹر کو اپنے چاروں بھائیوں کے ساتھ بارہ برس کی صحرا نوردی اور ایک برس کی گمنام زندگی اختیار کرنی پڑی۔ اس زمانہ میں بھی رانی دروپدی جس نے ناز و نعم اور شاہانہ آسائشوں میں پرورش پائی تھی بیابان جنگل کی خاک چھاننے میں اپنے شوہر کی شریک رہی۔

معینہ مدت کے ختم ہونے پر جب پانچوں بھائی واپس ہوئے اور اپنے چچا زاد بھائیوں سے اپنی سلطنت واپس مانگی تو انہوں نے انکار کر دیا۔ اس پر کوروکشیتر کی مشہور لڑائی وقوع میں آئی جس میں ہندوستان کے تمام راجہ مہاراجہ شریک تھے۔ یہ لڑائی برابر اٹھارہ دن تک ہوتی رہی۔ آخر راجہ یدھشٹر کو فتح حاصل ہوئی۔ فاتح مہاراجہ پر اس لڑائی کا اس قدر اثر ہوا کہ چند روز کے بعد اندرپرست کا راج اپنے بھائی ارجن کے پوتے کے سپرد کر دیا اور خود اپنے چاروں بھائیوں اور رانی دروپدی سمیت تارک دنیا ہو کر ہمالیہ کی گھاٹیوں میں بود و باش اختیار کر لی۔

مہارانی دروپدی کے بعد سلطنت دہلی کی تاریخ میں رانی سنجوگتا کا نام بہت نمایاں ہے۔

رانی سنجوگتا

رانی سنجوگتا قنوج کے فرمانروا جے چند کی بیٹی تھی۔ اس کی خوبصورتی کے چرچے دور دور تک پھیلے ہوئے تھے۔ اور ہندوستان کے بڑے بڑے شہزادوں میں ہر ایک کی یہ خواہش تھی کہ سنجوگتا کی قسمت اس کے ساتھ وابستہ ہو۔ جے چند نے سوئمبر کا جلسہ منعقد کیا۔ دہلی کی سلطنت کے مالک پرتھی راج کے سوا ہندوستان کے سب شہزادے اس جلسہ میں شریک ہوئے۔ باوجود دعوت کے پرتھی راج کے نہ آنے کو اس نے اپنی بے عزتی سمجھی۔ ذلیل کرنے کے لئے جے چند نے پرتھی راج کا ایک مجسمہ بنا کر اس مقام پر کھڑا کر دیا جہاں سوئمبر کی رسم ادا ہونے والی تھی۔

جب سب شہزادے اس جگہ جمع ہو چکے تو جے چند نے اپنی پیاری دختر سے کہا کہ وہ اپنی پسند کے مطابق شوہر انتخاب کرے۔ جلسہ میں پہنچ کر سنجوگتا نے چاروں طرف دیکھا اور پھر آہستہ آہستہ ایک گشت کی۔ جب وہ پرتھی راج کے پتلے کے پاس پہنچی تو اس نے اپنے گلے کا ہار نکال کر اس مورتی کے گلے میں پہنا دیا۔

جے چند کے غیظ و غضب کی کوئی انتہا نہ رہی۔ اس نے لڑکی کو فوراً قید کر دینے کا حکم دے دیا۔ ناکام شہزادے رخصت ہو گئے۔

جب پرتھی راج کو اس واقعہ کی خبر پہنچی کہ کس طرح شہزادی نے جرأت سے کام لیا۔ اور اس کے ساتھ کس قدر ظالمانہ سلوک کیا جا رہا ہے تو وہ فوراً مظلوم سنجوگتا کی مدد کے لئے تیار ہو گیا اس نے جنگ کی تیاری کی اور جے چند کے مقابلہ کے لئے پہنچ گیا۔ جے چند کو شکست ہوئی اور پرتھی راج سنجوگتا کو لے کر دہلی واپس ہوا۔ اور بڑے تزک و احتشام کے ساتھ سنجوگتا کے ساتھ شادی کر لی۔

اس زمانہ میں مسلمان فاتحین کا سیلاب ہندوستان میں آنا شروع ہو گیا تھا۔ ۱۱۹۱ء میں جب شہاب الدین محمد غوری تھانیسر تک پہنچا اس وقت پرتھی راج ہی حکمران تھا۔ اس نے اس جوانمردی کے ساتھ محمد غوری کی مزاحمت کی کہ اسے ناکام واپس جانا پڑا۔

اس کے بعد ۱۱۹۲ء میں پھر سلطان شہاب الدین غوری ہندوستان پہنچا۔ اس دفعہ جب پرتھی راج مقابلہ کو نکلا تو اسے کامیابی کی امید نہ تھی لیکن وہ بہادر آخری دم تک اپنے ملک کی حمایت کرنے کا آرزومند تھا۔ سنجوگتا بھی دوران جنگ میں اپنے شوہر کے ساتھ رہی۔ راجہ اسے اس قدر چاہتا تھا کہ گھڑی بھر کے لئے بھی جدا نہ کرنا چاہتا تھا۔ آخر جب بالکل ناکامی کے آثار پیدا ہو گئے تو عورتوں کی حفاظت کے لئے رانی کا دہلی چلے جانا ضروری سمجھا گیا۔ بوقت رانی اپنے شوہر سے رخصت ہونے لگی تو پرتھی راج نے کہا۔

"پیاری بیوی۔ میں اس وقت تک کہ میرے جسم میں جان باقی ہے میدان جنگ چھوڑنے اور لڑائی سے منہ موڑنے کی ذلت گوارا نہ کروں گا۔ مجھے کامل یقین ہے کہ میرا ہر سپاہی اور ہر ساتھی بھی ضرور میرا ساتھ دیگا۔"

رانی نے کہا۔

"پیارے شوہر۔ میں بھی اسی خیال سے رخصت ہوتی ہوں۔ اگر میں دہلی نہ جاؤں تو وہ غریب اپنے کو بچا نہ سکیں گی۔ اب انکی دہشت و خوف کی کوئی انتہا نہ ہوگی لیکن جب غنیم کی فوج دہلی میں داخل ہوگی تو انہیں ایک زندہ عورت کی صورت دکھائی نہ دے گی۔"

چنانچہ ایسا ہی ہوا جب پرتھی راج اور اس کے ساتھیوں نے میدان جنگ میں اپنی جان دیدی اور فتحمند فوج آگے بڑھی تو دہلی شہر میں پہنچکر وہ چتا دیکھی جس میں رانی سنجوگتا اپنے ساتھیوں سمیت جل کر راکھ ہو گئی۔ اس کے تقریباً ڈیڑھ سو سال بعد کارگذار ...

ان دو لڑکیوں میں سے موسیقار اور مس درکار نے توازن قائم رکھنے کی دوڑ میں حصہ لیا

ایک چھوٹی لڑکی بچہ کی دیکھ بھال کر رہی ہے

ملک چین کے زمانہ قدیم کا ایک تکیہ جس پر سر رکھکر لیٹنا
یا سونا بہت تکلیف دہ تھا

لیڈی ودیا گوری نیلکنٹھ
آپ پہلی گجراتی گریجوئٹ لیڈی
ہیں جنہوں نے آل انڈیا خواتین
کانفرنس دہلی کی صدارت فرمائی

چین کی یونیورسٹی کے طلبا اور طالبات اپنی موجودگی کا
احساس کر رہے ہیں

دهلی نمائش میں بی ایم آهوجه اینڈ کمپنی کا عظیم الشان سٹال جہاں هندوستان کے بہترین ریشمی کپڑے ساڑھیاں جارجٹ وغیرہ اور کوٹ پیس ہیں۔ ہوزری کے سامان فروخت ہوتے ہیں

Sir Frank Noyce stopped during his visit to the Delhi Industrial Exhibition. He was keenly interested in the demonstration being given in the Indian Soft Coke Cess Committee's stall.

دهلی نمائش میں اروند مل کا شاندار سٹال جہاں اونی-سوتی ریشمی غرضیکہ ہر قسم کے نفیس اور پائدار کپڑے فروخت ہوتے ہیں۔ اس مل کے مقامی ایجنٹ—
میسرز بی-این-تلوک چند ہیں

(از جناب شام کمار صاحب)

پرماتما نے انسان کو بے شمار چیزیں بخشی ہیں۔ اور ایک سے ایک بڑھ کر مفید ہے۔ ان ہی میں سے ایک چیز آنکھیں ہیں۔ درحقیقت یہ بہت بڑی نعمت ہیں۔

دیکھو۔ ایک اندھا کتنا بدنصیب معلوم ہوتا ہے۔ نہ وہ دنیا کے خوبصورت نظاروں کو دیکھ سکتا ہے۔ نہ پیارے پیارے پھولوں کو۔ نہ اچھی اچھی چیزوں کو۔ اس کی دنیا ایک تاریک دنیا ہے۔ جس میں کچھ بھی نظر نہیں آتا۔

اگر تمہاری آنکھوں میں تھوڑی دیر کے لیے پٹی باندھ دی جائے تو تمہارا کیا حال ہو؟ بس ایسا معلوم ہوگا جیسے اندھے کنوئیں میں ڈال دیئے گئے۔ سچ تو یہ ہے کہ بغیر آنکھوں کے دنیا میں زندگی بسر کرنے کا کچھ بھی لطف نہیں۔ مگر یہ بہت نازک ہیں۔ خدا نے تمہیں آنکھیں دے تو دیں لیکن اگر تم ان کو حفاظت سے نہ رکھوگے تو خراب ہو جائیں گی۔

بعض لڑکے ایسی حرکتیں کرتے ہیں جن سے ان کی آنکھیں خراب ہو جاتی ہیں۔ میں یہاں انہیں لکھتا ہوں۔ یقین ہے کہ تم ان سے بچوگے اور اپنی آنکھوں کو خراب نہ کروگے۔

(۱) ناک میں انگلیاں ڈالنا۔ اور بال کھرچنا۔
(۲) کھانا بہت نمکین کھانا۔
(۳) سر پر گرم پانی ڈالنا۔ زیادہ گرم پانی سے نہانا وغیرہ۔
(۴) ہر وقت اپنے دشمنوں کا خیال کرنا۔
(۵) سورج دیکھنے کی کوشش کرنا۔
(۶) یک بیک تاریکی سے روشنی اور روشنی سے تاریکی میں جانا۔
(۷) بغیر کچھ کھائے پیئے بھوکے پیٹ نظر کا کام کرنا۔ مثلاً پڑھنا لکھنا وغیرہ۔
(۸) بہت کم یا بہت زیادہ سونا۔
(۹) دوپہر کو سونا یا رات کو جاگنا۔
(۱۰) کسی چیز کو بہت نزدیک سے دیکھنا۔
(۱۱) نزدیک سے پڑھنا۔
(۱۲) قبض کی بیماری رہنا۔
(۱۳) مصالحے دار، چٹ پٹی، کھٹی اور کڑوی چیزیں کھانا۔
(۱۴) لال مرچ، تمباکو، شراب، سگرٹ یا نشے والی چیزیں پینا۔
(۱۵) آنکھوں کو ملنا۔ یا انگلیاں ڈالنا۔
(۱۶) دیر میں ہضم ہونے والی چیزیں کھانا۔
(۱۷) چلتی گاڑی میں یا لیٹ کر پڑھنا۔
(۱۸) زیادہ رونا یا بہت غمگین اور غصہ ور ہونا۔
(۱۹) جب دوائی کی ضرورت نہ ہو تب استعمال کرنا۔
(۲۰) دوپہر کے وقت لکھنا یا پڑھنا۔
(۲۱) چاندنی یا اور کسی معمولی روشنی میں پڑھنا۔
(۲۲) بہت تیز روشنی میں پڑھنا۔

یہ بائیس باتیں تم نے پڑھ لی ہیں۔ ان میں سے کوئی بھی ایسی نہیں جس سے تم بچ سکتے ہو۔
امید ہے کہ تم انہیں دھیان سے پڑھوگے اور اپنی آنکھوں کو تمام عمر تیز رکھوگے۔

لڑنا بُرا

منظوم کہانی

از قلم جناب مائل۔ انبالوی

(خاص تیج دیکلی کے لیے)

دوستی دو بلیوں میں خوب تھی ۔۔۔ دل میں ٹھانی ایکدن جب سیر کی
چلتے چلتے راستے میں اک جگہ ۔۔۔ ایک روٹی مل گئی ان کو پڑی
ایک بولی یہ تو میری چیز ہے ۔۔۔ دوسری یہ سن کے غصہ میں بھری
دونوں نے ناخن نکالے تیز تیز ۔۔۔ خوب پھر ان میں جھپٹ ہونے لگی
سن رہے تھے اک میاں بندر کہیں ۔۔۔ رہنمائی عقل نے ان کی یہ کی
اے بہنوں کس لئے لڑتی ہو تم ۔۔۔ آدھی آدھی تول کر۔ کردوں ابھی
ہاتھ میں لے کر ترازو آ گئے ۔۔۔ اور دو حصوں میں روٹی توڑلی
جب ادھر پلڑا جھکا تو کیا کیا ۔۔۔ دانت سے تھوڑی سی روٹی کاٹ لی
جب ادھر دیکھا کہ کچھ بھاری ہے وہ ۔۔۔ پھر ادھر سے اور تھوڑی صاف کی
الغرض جتنی تھی روٹی سب کی سب ۔۔۔ ہضم اسکے پیٹ میں ساری ہوئی
بلیاں دونوں کی دونوں دیکھتا ۔۔۔ رہ گئیں بندر کے منہ کو دیکھتی

چھوٹے بچو بلیوں سے لو سبق
ورنہ لڑنے کا نتیجہ ہے یہی

ہی چلئے کہ حبیب صاحب نے گھبرا کر کہا۔
دیکھنا میں گرا مجھے تھامنا۔
ہم بے حد حیران ہوا۔ پیچھے پھر کر دیکھا تو واقعی ان کے پیر قابو سے باہر تھے۔ اور قریب تھا کہ گر جائیں، ہم نے دوڑ کر انہیں سہارا دیا۔ مگر بھاری جسم کے آدمی تھے۔ ہم سے سنبھل نہ سکے۔ اور ہمیں ساتھ لئے ہوئے حضرت زمین پر گر پڑے۔ اب جو دیکھا تو ان کا سانس رکنے میں نہ تھا سانس تیزی سے چل رہا تھا نبض کمزور ہو گئی تھی بڑی کوشش سے ہم نے گاؤں کے دس پانچ آدمی جمع کئے۔ اور ان کی زندہ لاش کو پلنگ پر ڈال کر اسی چوپال میں لے گئے جہاں ہم نے شہر کر چائے پی تھی سب کو تعجب تھا کہ اچھا خاصا ہٹا کٹا آدمی دفعتہً کیسے بیمار ہو گیا۔ چائے کے علاوہ کوئی چیز کھانے پینے میں بھی نہیں آئی، فوراً تحقیقات شروع ہو گئی ہم نے سب سے پہلے چائے کے برتنوں کی اور جس چولہے پر چائے پکائی گئی تھی اس کے ماحول کی دیکھ بھال کی چولہے کے پاس ہی دو پڑیاں دستیاب ہوئیں ایک میں تھوڑا سا خشک تمباکو تھا دوسری میں دو تین تولہ چائے تھی، خیال ہوا آدمی نے چائے کی جگہ تمباکو پکا کر پلا دیا۔ فوراً اس کی تدبیر شروع ہوئی بڑی مشکل سے دو تین گھنٹے کے بعد حبیب صاحب کے حواس درست ہوئے۔ اور خدا خدا کر کے وہ بات کرنے کے قابل ہوئے انہوں نے غور سے ہماری صورت دیکھتے ہوئے دریافت کیا
مجھے کیا ہوا؟ میں کہاں ہوں؟
کچھ نہیں ہوا آپ بالکل اچھے ہیں اور جھیل کے کنارے پڑے ہوئے ہیں!
نہیں میں اچھا نہیں ہوں، مجھے جلدی سے گھر لے چلو کیا نمونیہ ہو گیا مجھے؟
نہیں ہرگز نہیں بھلا ایسی تیز چائے پینے کے بعد نمونیہ کا کیا کام؟
اور مجھے کیا ہوا۔ میرا دماغ بھاری معلوم ہو رہا ہے زبان سوکھی جاتی ہے ہاتھ پیروں میں سنسنی ہو رہی ہے

بقیہ مضمون صفحہ ۱۷

تب تمباکو پی گئے ہیں!
تمباکو۔ میں نے تو کبھی تمباکو نہیں پیا!
جب ہی تو کیفیت ہوئی۔ پیتے رہتے تو یہ حالت کیوں ہوتی۔
آخر کس نے پلا دیا مجھے تمباکو؟
آپ کے اس دیہاتی دوست نے!
ہم نے چائے بنانے والے آدمی کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا۔
کیسے؟
چائے میں!
کبھی نہیں، ایسا نہیں ہو سکتا چائے میں تمباکو کیونکر ملایا جا سکتا ہے؟
آدمی نے غلطی سے چائے کی جگہ تمباکو ڈال دیا۔ چائے کی پڑیا بدستور رکھی ہوئی ہے۔
پھر کیا ہو گا میں مر جاؤں گا؟
نہیں تمباکو زہر نہیں ہے۔ جو کچھ ہونا تھا وہ ہو چکا اب آپ بالکل اچھے ہیں، کوئی خطرہ نہیں ہے،
آپ کا کیا حال ہے؟ مجھے کیا ہوا تھا!
آپ نے بھی تو چائے پی تھی؟
جی نہیں میں ایسا بے وقوف کہاں ہوں کہ اتنی تیز چائے پی لیتا۔
سب کے سامنے پی ہے آپ نے!
صرف آپ کے دکھانے کو، ایک گھونٹ پی کر میں نے پلنگ کے نیچے پھینک دی تھی وہ تو غنیمت ہوا اپیالی تام چینی کی تھی ورنہ حسب عادت ہم اسے بھی توڑ

”کوئی نہیں جانتا“

نالے

(از جناب مسٹر کیم برج لال زٹشی ترپم)
(خاص تیج ویکلی کے لئے)

منہ اندھیرے گلاب کا پھول پھوٹ پھوٹ کر رو رہا تھا۔
کس کی جدائی میں؟
یہ کوئی نہیں جانتا۔
میں نے صبح کے وقت اس کی گالوں پر آنسو دیکھے جو کہ سورج کی روشنی میں موتیوں کی مانند چمک رہے تھے۔
ایک بلبل اڑتی ہوئی آئی۔
اس نے کچھ گایا۔
شاید محبت کا گیت جس کو سن کر گلاب کا چہرہ شرم کے مارے سرخ ہو گیا۔
اس کے آنسوؤں کا کیا ہوا۔
یہ کوئی نہیں جانتا۔
شام کے وقت بلبل پھوٹ پھوٹ کر رو رہی تھی۔
کس کی جدائی میں؟
یہ کوئی نہیں جانتا۔

پھلوں کو سربند کرنے کی صنعت

(بقایا مضمون صفحہ ۱۶)

دھوپ اور خاک دھول سے بچانے کے لئے کوئی معقول حفاظتی تدبیر عمل میں نہیں لائی جاتی وافر اور اچھے پھل سب ایک جگہ رکھدئے جاتے ہیں اور بلا امتیاز بیچ دئے جاتے ہیں۔ دباکی حالت میں پکے ہوئے پھل یا گلے سڑے پھل یا یوں ہی پھینک دئے جاتے ہیں یا زمین میں دبائے جاتے ہیں۔ ان باتوں سے پھل بیچنے والے اور پھل اگانے والے کے لئے نفع کی گنجائش بہت ہی کم رہ جاتی ہے اور بعض اوقات تو اخراجات بھی پورے نہیں ہوتے، اور باغبان ترضدار ہو جاتا ہے، دوسری طرف اچار مربّے والے ہیں۔ جو نہایت ہی غیر صحت بخش طریقوں سے بری وضع پر اچار مربے ڈالتے ہیں۔ ان کی دکانوں پر مکھیوں کی بھنبھناہٹ عجیب سماں پیدا کرتی ہے جسے کوئی معقول آدمی برداشت نہیں کر سکتا۔ پھر وہ مٹکوں میں ڈال کر آپ کو سودا بھی دیتے رہتے ہیں۔

غرض ایسی غلیظ فضا دوالے گندا سودا بیچنے میں آتا ہے کہ لوگوں نے ایسی اچار مربوں کی جگہ غیر ملکی ڈبوں میں بند پھل کھانے اور ولائتی اچار چٹنیاں وغیرہ استعمال میں لانی شروع کر دی ہیں جن کی وجہ سے لاکھوں روپیہ باہر چلا جا رہا ہے۔

سرکاری اعداد و شمار سے معلوم ہوتا ہے کہ دنیا کے ہر ملک سے ہمارے ہاں خشک و تر میوے، ترکاریاں اور پھل سربند یا دیگر طریقوں سے چلے آتے ہیں حالانکہ ہمارے ملک میں دنیا کی ہر آب وہوا میں پیدا ہونے والے پھلوں کو پیدا کرنے کی پوری صلاحیت ہے خواہ سرد ممالک کے پھل ترکاریاں ہوں یا معتدل یا گرم یا گرم خشک آب وہوا کی پیداوار ہو۔

ہندوستان میں سنہ ۳۰-۱۹۲۹ء میں تازہ پھلوں اور سبزیوں کی درآمد (۲۳،۵۹،۰۱۸) روپے کی ہوئی۔

سنہ ۳۱-۱۹۳۰ء میں (۲۳،۹۶،۷۶۱) روپے
سنہ ۳۲-۱۹۳۱ء میں (۲۶،۶۳،۲۴۲) روپے
اور سنہ ۳۳-۱۹۳۲ء میں (۲۸،۲۵،۴۰۰) روپے

سنہ ۳۰-۱۹۲۹ء میں مربّے جو غیر ممالک سے ہندوستان میں آئے ان کی تعداد و مقدار کا اندازہ قیمت سے لگایا جا سکتا ہے۔

ممالک برطانیہ، متعلقہ جزائر برطانیہ۔ لنکا۔ جزائر ہٹ۔ یمنی۔ ہانگ کانگ، سٹلمنٹ۔ مغربی آسٹریلیا۔ وکٹوریہ نیسا نیو ساؤتھ ویلز، کوئینز لینڈ۔ ممالک محروسہ۔ آسٹریلیا اور دیگر مقبوضات برطانیہ) " (۴۹،۰۱۹) روپے، فرانس سے (۲۷،۹۸۲) روپے۔ اٹلی سے (۱۳،۳۱۹) روپے۔ چین سے (۱۹،۳۸۶) روپے امریکہ وغیرہ سے (۸،۴۴،۱۳۳) روپے۔ کل میزان (۱۴،۰۶،۸۴۴) روپے۔

سربند پھلوں اور مربّوں کے علاوہ ترکاریاں اچار۔ چٹنیاں۔ بڑے جیلیاں۔ رس ایسنس۔ شربت۔ عرق اور دیگر باغاتی پیداوار کی بڑی بھاری مقدار ہندوستان میں ہر سال درآمد کی جاتی ہے۔

ہمیں نہ صرف اس کی ضرورت ہے کہ باغاتی پیداوار کی مقدار زیادہ کی جائے اور رقبہ جات جن پر باغ لگے ہوئے ہیں آج کل (۶۵۴۲۰۰۰ ایکڑ زمین پر باغ لگے ہوئے ہیں) زیادہ کی جائے بلکہ پھلوں کی حفاظت اور پھلوں کو سربند کرنے کی جب یہ صنعت کو ملک میں فروغ دیا جائے۔

اگر کسی سال باغ کی پیداوار کثرت کے ساتھ ہو تو ضرورت سے زیادہ پھلوں کو جدید سائنٹفک طریقوں پر محفوظ کرکے انہیں ہوا بند (AIR TIGHT) ڈبوں اور بوتلوں میں محفوظ کرنے۔ اچار۔ مربّے۔ چٹنیاں۔ جیلیاں وغیرہ تیار کرنے کی صنعت کو فروغ دیا جائے۔ تاکہ جب پھلوں کی کمی پڑے تو یہ محفوظ شدہ مقدار آسانی کے ساتھ مارکیٹ میں لائی جا سکے

ہندوستان میں بہت کم سرمایہ داروں اور اہل کارخانہ جات نے اس نفع بخش صنعت کو ترقی دینے اور اس میں روپیہ لگانے کی طرف پوری توجہ دی ہے۔ بہت کم سرمایہ دار اس کام میں روپیہ لگانے کے لئے اپنے آپ کو تیار پاتے ہیں لیکن اگر بہ پیمانہ کثیر کام کیا جائے تو کروڑوں روپے سالانہ کی بچت ہو سکتی ہے۔ ترکاریوں اور پھلوں کی حفاظت اور سربند کرکے فروخت کرنے کی صنعت ہندوستان کے حالات کے عین مطابق ہے، ہندوستان میں چونکہ سرمایہ دار کو مزدور دیگر ممالک کے مقابلہ پر آسانی کے ساتھ سستی اور ارزاں ریٹ پر مل سکتے ہیں اس لئے غیر ممالک کے مقابلہ پر بہت نفیس چیز بہت کم قیمت پر ہندوستان میں فروخت کی جا سکتی ہے۔ علاوہ بریں ہمیں ان مصنوعات پر درآمد کا محصول بھی دینا نہیں پڑے گا ممالک برطانیہ کی باغاتی پیداوار پر ۲۰ فی صدی، ورنہ ادا کرنا پڑتا ہے۔ اندرون ملک میں یہی چیزیں اگر تیار کی جائیں تو یہ بچت الگ ہے

ہندوستان کی مخصوص چیزوں مثلاً آم اور جامن اور دیگر پھلوں کو غیر ممالک میں بھیجکر کافی نفع حاصل کیا جا سکتا ہے۔ کیونکہ یہ ثابت ہو چکا ہے کہ یورپ وغیرہ میں ہمارے پھلوں کو بڑی قدر کی نگاہ سے دیکھا جاتا ہے۔ پس یہ یقینی ہے کہ ہندوستان کے علاوہ

ہندوستان کے باہر بھی نہایت معقول مارکیٹ

(باقی اگلے صفحہ پر)

مسکرا رہی تھی۔

وہ میرے قریب آئی اور اس طرح گویا کوئی واقعہ ہی نہیں ہوا، مجھے حسب معمول کلاس لیکر جانے کو کہا۔ میں ایک طرف شرمایا ہوا کھڑا تھا۔ اور اپنی جگہ گھبرا رہا تھا۔ "مجھے اپنا فرض ادا کرنا چاہیئے" میرے ضمیر کی آواز کانوں میں آتی ہوئی معلوم ہوئی۔

میں ہمت کرکے آگے بڑھا۔

"سا وتری" میرے منہ سے بے اختیار نکل گیا میں معافی کے کچھ الفاظ کہنا چاہتا تھا مگر زبان نے مدد دی اور ہجوم جذبات میں میری نادم آنکھوں سے دو آنسو گر گئے۔

نہیں معلوم ساوتری نے میرے ان آنسوؤں کو دیکھا یا نہیں مگر میرے منہ سے اپنا نام سنتے ہی وہ میری طرف متوجہ ہو چکی تھی۔ وہ بغیر مزید انتظار کئے خود کہنے لگی۔

مسٹر ترلوکی مجھے کہتے میں نے آج ہیڈ ماسٹر کے حکم کی خلاف ورزی کی۔ مگر امید ہے جب آپ خود فرمائینگے تو میری اس جرأت کو معاف کر دینگے۔ میں نے جو کچھ کیا وہ اس وجہ سے کہ میں آپ پر دو دو الزام قایم ہوتے نہیں دیکھ سکتی تھی۔

میں بہت کچھ سنبھل چکا تھا۔ اپنے متعلق دوسرے الزام کی تفصیل معلوم کرنیکے لئے بے چین تھا۔ میں نے بڑی ہمت سے سوال کیا۔

"وہ دو الزام کونسے ہیں؟"

یہی کہ راز معلوم ہو جانے پر اول تو آپ اس نقصان کے مرتکب قرار دیئے جاتے۔ دوسرے دروغ بیانی کا الزام بھی عائد ہوتا۔ یہ آپ اندازہ کر سکتے ہیں کہ لڑکوں سے یہ بات بعید تھی کہ زیادہ عرصہ تک اس واقعہ کو راز میں رکھ سکیں۔

میں ساوتری کے اس اظہار پر پہلے سے زیادہ حیرت زدہ

مجھے اس کا مرتبہ پہلے سے عام لڑکیوں اور عورتوں سے بہت

بلند ایک دیوی معلوم ہوتی تھی۔ آج میں نے پہلی مرتبہ محسوس کیا کہ عورت اپنی فطرت کے باوجود اپنی سرشت کی نزاکت اور پاکیزگی کا کسقدر مکمل مظاہرہ کر سکتی ہے۔ میں نے اسے کچھ ایسی نظروں سے دیکھا جنمیں تشکر بھی حیرت بھی تھی اور محبت بھی۔

ساوتری نے یہ حالت دیر تک قایم نہ رہنے دی اور یہ کہکر کہ آپ ناراض تو نہیں۔ اُسنے میری طرف سے منہ پھیر لیا۔ اور دو وقت ہوئی کلاس کی طرف چلی گئی۔ میرے لئے اسوقت تک قدم اٹھانا دشوار ہو گیا جب تک گھنٹہ نہ بجا اور مجھے یہ نہ یاد آیا کہ ابھی مجھے کئی گھنٹے آج اسکول میں گذارنے ہیں۔

حمید صاحب اپنے ہتھیلی پر رخسار رکھے میری طرح بڑے غور سے ترلوکی کی باتیں سُن رہے تھے اس موقعہ پر وہ بڑے بیتاب ہو کر بول اٹھے۔

"تو ترلوکی صاحب یوں کہئے آپ کو ساوتری سے محبت ہو گئی۔ اچھا یہ بتایئے اُسے بھی کچھ آپ سے محبت ہوئی یا نہیں"

"اُسے تو پہلے سے ہی محبت تھی" میں نے برجستہ کہا "محبت نہ ہوتی تو وہ اپنے ماسٹر صاحب کیلئے یہ ایثار ہی کیوں کرتی"

"دیکھئے آپ نے پھر بیچ میں بنانا شروع کر دیا۔ اچھا بتایئے میں کچھ کہتا ہی نہیں" ترلوکی صاحب یہ کہکر ہم سے کچھ ذرا بگڑ گئے اور ہم دونوں پھر انکی خوشامد کرنے لگے۔ خصوصاً مجھے تو بڑی ہی پشیمانی ہوئی۔ میں تو اس نیت سے انکی کہانی سن رہا تھا کہ کل کوئی مست

اپنے دوست ترلوکی صاحب کو مزدور دکھا کہ اماں سے کہیئے

کہئے حضرت آپ ہمارے ترلوکی صاحب کے متعلق کیا رائے رکھتے ہیں۔

بہرحال ہم نے کسی نہ کسی طرح اپنے روٹھے ہوئے دوست ترلوکی صاحب کو منا ہی لیا۔ انہوں نے ذرا ہنسکر کہا میری طبیعت کچھ پریشان سی ہو گئی ہے۔ حمید صاحب لپکے ہوئے گئے اور آئس کریم کا ایک گلاس لاکر ترلوکی صاحب کے منہ کو لگا دیا۔

یہ جب سے قومی تحریکوں میں حصہ لینے لگے تھے انہیں اپنے مسلمان دوستوں سے کسی قسم کا پرہیز نہیں رہا تھا۔ منٹ بھر میں سارا گلاس چڑھا گئے اور ہم اپنی خاطر و مدارات ہونیکی شکایت دل میں لیکر مصلحتاً انکی کہانی کی تکمیل دیکھنے کے منتظر ہو بیٹھے۔ ترلوکی صاحب نے کہنا شروع کر دیا۔

اسدن سے ایک بات میں نے محسوس کی ساوتری مجھ سے اتنا اجتناب نہیں برتتی تھی جتنا اور لڑکوں سے وہ کبھی کبھی حساب وغیرہ کی کتابیں لیکر میرے مکان پر بھی آجاتی ہم دونوں امتحان کیلئے ساتھ تیاری کیا کرتے کبھی کبھی میں بھی اسکے مکان پر چلا جاتا۔ اسکے والد ڈپٹی کلکٹر تھے اور وہ اپنے والدین کی اکلوتی لڑکی تھی۔

میں آپ سے کیا کہوں ... ہمارے تعلقات اور ایکدوسرے سے محبت بڑھتی ہی گئی۔ ساوتری ہر طرح پرستش کرتی تھی کہ میں کہیں اس حقیقت سے واقف نہو جاؤں کہ وہ مجھے دل و جان سے زیادہ عزیز رکھتی ہے لیکن نادان لڑکی۔ بھلا وہ عشق کو کیسے چھپاتی۔ میں نے اچھی طرح اندازہ کر لیا کہ وہ مجھپر مٹی ہوئی ہے۔

لیکن یہ احساس میرے لئے کچھ خوشگوار نہیں تھا۔ مستقبل کی مشکلات اور ہماری سوسائٹی کے رسم و رواج ہمیں آزادانہ طور پر ایک منٹ کیلئے بھی یہ تصور کرنیکا موقعہ نہیں دیتے تھے کہ ہم کبھی بے خطر محبت بھی کر سکینگے۔ اور اپنی آیندہ زندگیاں ایک دوسرے کیساتھ بسر کر سکینگے۔ وہ تو یہ کہیئے ہم دونوں کی خوش قسمتی سے ہم دونوں کے والدین اور بزرگ وار روشن خیال واقع ہوئے تھے انہیں ہمارے تعلقات کا علم ہوا تو انہوں نے ہمیں کہنے کا بھی موقعہ نہیں دیا اور میرے پتاجی کی درخواست پر ڈپٹی صاحب نے اپنی لڑکی ساوتری کی شادی میرے ساتھ منظور کر لی۔

"تو آپ کی ساوتری کیساتھ شادی ہو گئی" حمید صاحب نے بے صبری سے دریافت کیا۔

"جی ہاں ساوتری سے میری شادی ہو گئی" ترلوکی نے متانت کیساتھ جواب دیا۔

میں گھبرا گیا۔ ترلوکی کے قصہ میں کچھ دلچسپی پیدا ہو چلی تھی۔ میں حمید صاحب کی چھیڑ چھاڑ نے ترلوکی کو ختم داستان پر مجبور کر دیا۔ میں نے منت سے کہا۔

"ترلوکی صاحب دیکھئے آپ پھر کچھ واقعات چھپا رہے ہیں۔ آپکو ہماری دوستی کا واسطہ ہمیں اپنے تمام حالات بتا دیجئے"

"نہیں نہیں۔ میں آپکو تمام حالات ہی بتا رہا ہوں ابھی اصل واقعہ تو آپنے سنا ہی نہیں جسکے لئے یہ تمام تمہید پیش کی گئی ہے۔ ساوتری کی شادی پر حیرت زدہ ہونیکی ضرورت

اقوال زرّین

مرسلہ جناب چودھری ہوتی لال بی ٹھکی
(خاص پنچ دہلی کیلئے)

جو صداقت سے معمور ہے وہی عالم ہے۔ وہی سخن سنج ہے۔ اور جو نیک ہے وہی ہمیشہ خوش و خرم رہتا ہے (افلاطون)

ظلم کی حقیقی سزا کوڑوں کی مار یا موت نہیں ہے، بلکہ ظلم کو نیست و نابود کرنا ہی اسکی سزا ہے۔ (سقراط)

انسان صرف ایک پاک خیال کے ذریعہ زندگی کے سفر کو بخوبی طے کر سکتا ہے۔ انسان کو لازم ہے کہ وہ اپنے قلب کو بیکار فکروں کا مخزن نہ بنائے۔ (مارکس آریلیش)

خدا جو کچھ کرتا ہے عقلمندی کے ساتھ کرتا ہے ایسا خیال نہ کرو کہ جو کچھ ہو تمہاری خواہش کے مطابق ہو۔ بلکہ یہ خیال کرو کہ جو کچھ ہوتا ہے وہ فائدہ مند ہی ہوتا ہے۔ (اسپکٹیٹس)

اس دنیا اور اس کی عجیب خوبصورتیاں ہمیں روز مرہ کی استعمال کی شے بن جانے سے ہمیں اس کا خیال بھی نہیں رہتا۔ اور اگر چہ کبھی ایسا ہوا بھی تو اس کے لئے ہمارے قلب کے اندر حمد و ثنا کا شوق نہیں ہوتا (رسکن)

مرنا مزہ ہی ہے۔ پھر تکلیفیں اٹھاتے ہوئے کیوں مرنا چاہیئے۔ (اسپکٹیٹس)

[illegible]

کارخانہ کا مالک:- کیا فورمین نے تم کو سب کام بتا دیا ہے۔ کہ تمہیں کیا کیا کرنا ہوگا؟

نیا ملازم:- جی حضور، اس نے مجھے بتایا ہے کہ آپ کو آتے دیکھ کر میں اسے جگا دیا کروں۔ اس لئے اب میں اسے جگانے جا رہا ہوں۔

ایک ادھیڑ العمر دو شیزہ جو لڑنے کے لئے مشہور تھی۔ اپنے ایک رشتہ دار سے ایک آدمی کی شکایت کرتے ہوئے بولی:-

گرنتھ ہمارے معلم ہیں وہ ہمیں بلا مار پیٹ کے عمدہ تعلیم دیتے ہیں۔ وہ کبھی کڑوے الفاظ نہیں بولتے۔ کبھی ناراض نہیں ہوتے۔ ان کے نزدیک کسی وقت بھی جایئے کبھی سوتے ہوئے نہیں ملتے (ریچرڈ)

جو شخص گرنتھوں سے محبت کرتا ہے۔ اسے یقینی دوستوں۔ اور مددگاروں کی کمی نہیں رہتی۔ (بیرو)

عورت اپنے سر کے بال سے جتنا وزن کھینچ سکتی ہے اتنا دو بیلوں کی جوڑی سے بھی نہیں کھینچا جا سکتا۔ (پوئس)

"میں تو اس سے پریشان ہوں۔ وہ تو میرے بالکل ہی پیچھے پڑا ہوا ہے"

"تو آپ اس سے بیاہ کر لیجئے" رشتہ دار نے جواب دیا۔

"اس سے پہلے میں چاہتی ہوں کہ اسکو پھانسی دے دی جائے"

"آپ اس سے شادی کر لیجئے۔ پھانسی تو وہ پھر خود ہی لگائے گا۔"

ایک:- کیوں صاحب بھابی سے خوب بنتی ہے نہ؟

دوسرا:- بالکل نہیں بنتی۔

پہلا:- کیوں شائد دونوں کی طبیعت مختلف ہے؟

دوسرا:- یہی تو خرابی ہے کہ ہم دونوں کی طبیعت ایک جیسی ہے۔

پہلا:- تب پھر بنتی کیوں نہیں۔

دوسرا:- نہ میں اسکی پروا کرتا ہوں نہ وہ میری پروا کرتی ہے

آقا:- (اپنے نوکر سے) تم کیسے غلیظ ہو کبھی نہاتے بھی نہیں۔

نوکر:- جناب من جن کے پاس میں پہلے نوکر تھا وہ ڈاکٹر تھے۔ وہ کہا کرتے تھے کہ،

"پیٹ بھر کھانا کھانے کے تین گھنٹے بعد نہانا چاہیئے"

لیکن جب سے میں حضور کے ہاں نوکر ہوا ہوں ایک دفعہ بھی پیٹ بھر کر کھانا نصیب نہیں ہوا۔ اب آپ ہی فرمایئے کہ میں نہاؤں کیسے؟۔

(صفحہ ۱۲ کا بقایا مضمون)

ہلتے ہیں - اور یہ پختہ اور دیرپا ہونے میں مشہور عام ہے -

کنکریٹ کی خوبی اور معیار اس بات پر منحصر ہے کہ اس میں ریت اور کنکر کس قسم کا اور کس تناسب میں ملایا گیا ہے - اور کنکر یعنی ٹکڑے بڑے پتھر اور ریت کی قسم عمدہ ہے یا معمولی - ان باتوں کو دیکھکر کنکریٹ کی عمدگی کا اندازہ لگایا جا سکتا ہے

عمدہ کنکریٹ کی تعریف یہ ہے کہ وہ زیادہ سے زیادہ بوجھ اور دباؤ کو سہار سکتا ہے اور جوں جوں مدت گذرتی جاتی ہے وہ پختگی کے اعتبار سے زیادہ سے زیادہ عمدہ ہوتی جاتی ہے - جس پر کہ وہ ہر سانچہ اور شکل میں ڈھل سکتی ہے اور ٹوٹتی نہیں -

اگر کنکریٹ کو بہت زیادہ دباؤ طاقت اور بوجھ کا حامل بنانا ہو تو اس میں لوہے کا فریم داخل کر دیا جاتا ہے - جس وقت کہ کنکریٹ کا مسالہ گیلا ہو - لوہے کے پتر سے بہت مضبوطی کے ساتھ اس میں جام ہو جاتے ہیں اور وہ ہر قسم کا کھچاؤ اور دباؤ برداشت کرنے کے قابل ہو جاتی ہے -

لوہے اور کنکریٹ کے ملے ہوئے تعمیری کام کو (REINIORCED CONCRETE) مضبوط کنکریٹ کہتے ہیں - اور وہ آج کل ایسی جگہوں اور موقعوں پر بہت استعمال ہو رہا ہے جہاں زیادہ پختگی اور دباؤ کا کام کرنا پڑتا ہو - اور زیادہ طاقت حاصل کرنا مقصود ہو -

تعمیری کاموں میں لوہے اور کنکریٹ کے ملاپ سے بہت کام لیا جا رہا ہے - اور یہ نہ صرف یہ کہ کم سے کم خرچ پر زیادہ سے زیادہ پختگی اور طوالت عمر حاصل کرنے میں مدد دیتا ہے - بلکہ خوش قسمتی سے یہ بھی فائدہ ہے کہ سیمنٹ یا کنکریٹ لوہے یا لوہا کنکریٹ پر کوئی مضر کیمیاوی اثر نہیں ڈالتا بلکہ دونوں نہایت عمدہ آمیزش ثابت ہوئے ہیں - بڑھانے اور گھٹانے کے معاملہ میں بھی وہ یکساں ثابت ہوتے ہیں اور اس وجہ سے مضبوط کنکریٹ کی خوبیاں تعمیری کاموں میں روز بروز واضح ہوتی جا رہی ہیں - اور یہ امر کہ وہ ساتھ ہی ساتھ گھٹتے بڑھتے ہیں - گرم ممالک مثلاً ہندوستان میں بہت زیادہ عمدگی کا باعث ہوتے ہیں - کیونکہ یہاں کی آب و ہوا اور گرمی بعض اوقات تعمیری مسالوں پر ایسا اثر ڈالتی ہے کہ نتیجہ بہت خراب برآمد ہوتا ہے - لیکن مضبوط کنکریٹ ہندوستان کے تعمیری مسالوں میں بہترین سکیم ثابت ہوئی ہے - اور اس وجہ سے تعمیری کام کرنے والوں کے لئے ایک بہت اطمینان بخش چیز ہے کیونکہ یہ ہر موسم میں یکساں پختگی اور پائیداری قائم رکھتی ہے -

جب ۱۵ جنوری ۱۹۳۴ء کو بہار میں اور ۳۱ مئی ۱۹۳۵ء کو کوئٹہ میں زلزلے آئے تو کنکریٹ کی خوبیاں ظاہر ہوئیں - مکانات اور پلوں کی تعمیر میں کنکریٹ کے استعمال سے جو فوائد حاصل ہوئے ہیں ان زلزلوں نے ان کا ثبوت دیا -

دونوں زلزلوں میں کوئی ایسی عمارت جس میں کنکریٹ استعمال ہوا تھا برباد نہیں ہوئی - اور ستا نامی دریا پر خوبصورت پل حال ہی میں بنا ہے بوکا آبانگ کے نزدیک بہت مشہور ہے جو اس آفت سے محفوظ رہا حالانکہ دریا کا بند نہایت سخت پہنچا تھا - اس پل کے خوبصورت فریم میں کنکریٹ اور لوہے کا مسالہ لگایا گیا ہے جو عام طور پر پلوں میں استعمال ہوتا ہے - یہ پل زلزلہ کے شدید جھٹکے کو برداشت کر گیا - اور اسکو نقصان نہیں پہنچا - اور اس کے جوڑوں میں جہاں کنکریٹ بھرا گیا تھا ذرا سی بھی جنبش نہیں ہوئی اور نہ ہی دراڑ پڑی -

میں نے آپ کو سیمنٹ اور اس کی خوبیوں کی بابت بتا دیا ہے - اب اس ادارہ یا نظام کی بابت بھی کچھ عرض کرنا چاہتا ہوں - جو ہندوستان میں اس صنعت کو ترقی دینے اور اس کے استعمال کو فروغ دینے کے لئے کام کر رہی ہے -

ہم لوگ سیمنٹ اور اس کے کام سے متعلق ہیں جانتے ہیں کہ یہ ادارہ کس قدر مفید خدمات انجام دے رہا ہے اور اس کے کارنامے کس قدر قابل تعریف ہیں جو مہذب و منظم ممالک مثلاً امریکہ تک ابھی تک نہیں کر سکے ہیں -

ہمیں کچھ عرصہ ہوا کہ امریکہ سے ایک خط ملا تھا جس میں ہمیں ہماری کامیابیوں پر مبارکباد دی گئی تھی اور کہا گیا تھا کہ باوجود کوشش کے امریکہ جس خصوصیت کو ابھی تک حاصل نہیں کر سکا ہے - ہندوستان نے اس معاملہ میں حاصل کر کے واقعی ایک بڑا کارنامہ انجینئرنگ کی دنیا میں پیش کیا ہے -

ہندوستان کی بنی ہوئی سیمنٹ کی خوبیاں اب اس قدر عالمگیر ہو گئی ہیں کہ عمدگی و پختگی کا معیار بن گئی ہیں جس طرح انگلستان میں "ہال مارک" کی چاندی کو بہترین اور خالص چاندی تسلیم کر لیا جاتا ہے - بالکل اسی طرح ہندوستانی ساختہ سیمنٹ اپنی معیاری خوبیوں کی وجہ سے

(باقی مضمون صفحہ ۴۳ پر)

(پچھلے صفحہ سے)

لوگ علما رسی کے خلاف احتجاج کرنے میں تو ہا شبہ حق بجانب ہے۔ لیکن سرمایہ داری کے مرکزیت پسند طریقہ پیداوار کو اپنی حالت پر برقرار رکھنے میں وہ ٹھیک نہیں ہے کیونکہ سرمایہ داری کے مرکزیت پسند طریقہ پیداوار کا مفہوم اس کے سوا اور کچھ نہیں ہے کہ جو اشیا پیدا کی جانے والی ہیں ان کے متعلق سوچنے اور منصوبہ بنانے کا کام مرکز کے چند با اقتدار آدمیوں کو سونپ دیا جائے اور باقی سب آدمی مشین کے پہیے کے ایک حقیر جزو بنا دیئے جائیں۔ نتیجہ یہ ہوا کہ کام کرنے والے اشتراکیت کے نظام میں بھی اسی بلا کا شکار ہو گئے جس کے وہ نظام سرمایہ داری میں شکار تھے۔ یعنی یہ کہ ان کا کام سوچ سمجھ کر کام کرنا نہ رہا۔ بلکہ بغیر شرط اطاعت اور فرمانبرداری ہو گیا۔ مرکز پر جو لوگ ہیں ان کے حکم کے مطابق ایک ہی قسم کی اشیا کثیر پیمانے پر پیدا کی جانے لگیں۔ اور اکثر ایسا ہونے لگا کہ ایک آدمی کا کام صرف یہ رہ گیا کہ جب ڈبے تیزی سے یکے بعد دیگرے اس کے سامنے سے گذریں تو وہ ان پر لیبل لگاتا ہے۔ اس کام کی یکسانیت روح کو مردہ کرنے والی ہے اور جس مشین کو انسان نے بنایا تھا اس نے آخرکار خود انسان کو بھی مشین بنا کر چھوڑا۔ کیونکہ اس مشین کی طرح جسے وہ چلاتا ہے وہ بھی صرف ایک حرکت کرنا جانتا ہے۔ اور صرف اس وقت کام کرتا ہے جب مرکزی دفتر میں بٹن دبا دیا جاتا ہے۔ اُپج! جدّت! اظہار نفس سب مفقود ہو گئے ہیں۔ اور اگر کہیں باقی ہیں تو وہ اس نظام میں پسندیدگی کی نگاہ سے نہیں دیکھے جاتے لیکن کیا اظہار نفس کی خواہش ایک انسان کا سب سے قوی محرک عمل نہیں ہے؟ ایک بچہ کو غور سے دیکھو وہ اس وقت سب سے زیادہ خوش نظر آتا ہے جب اسے سب سے زیادہ موقع اظہار نفس کا ملا ہوا ہوتا ہے۔ اور افسردہ ہو جاتا ہے جب اس پر کسی طرح کی پابندی عاید کی جاتی ہے۔ اور اگر اسے روکا جائے تو بہت خفا ہوتا ہے۔ آپ اس کی ننھی ننھی اینٹوں سے اسے ایک خوبصورت سا مینار بنا دیں۔ وہ اسے دیکھکر بہت خوش ہوگا لیکن فوراً ہی اسے گرا دے گا تاکہ دوبارہ وہ خود بنائے۔ چاہے اس کا بنایا ہوا مینارہ کتنا ہی کمزور ہو اور آسانی سے گر جائے۔ لیکن وہ اپنے اس ذاتی کارنامے کو دیکھ کر خوشی کے مارے پھولا نہ سمائے گا۔ یہی حال سیاسیات میں ہے آخر لوگ حکومت خود اختیاری کا کیوں مطالبہ کرتے ہیں۔ بعض صورتوں میں ممکن ہے کہ بدیشی حکومت نہایت معقول ہو۔ لیکن انسان محض معقولیت ہی کا تو تشنی نہیں ہوتا۔ دراصل وہ تو اظہار نفس کا خواہشمند ہوتا ہے اس لئے اس کا دعوےٰ ہے کہ اچھی حکومت بھی حکومت خود اختیاری کی نعم البدل نہیں ہو سکتی۔ چاہے مزدوروں اور کسانوں کی عام حالت سرمایہ داری کے مقابلے میں اشتراکیت کے ماتحت کہیں بہتر ہو کیونکہ سرمایہ داری کی طرح اشتراکیت میں پیداوار انفرادی مفاد کے لئے نہیں ہوتی۔ لیکن جب تک اشتراکیت میں پیداوار کی مرکزیت موجود ہے۔ اس وقت تک تنوع کی گنجائش نہیں ہو سکتی اور نہ عوام کو اظہار

نفس کا موقع مل سکتا ہے۔

ہندوستانی مشکلات کا حل

عدم مرکزیت اور سودیشی

اگر دنیا کا موجودہ اقتصادی نظام سلسلہ تعمیر قوم کا کوئی حل پیش نہیں کر سکتا جس کی آج ہمیں ضرورت ہے تو ہمیں کوئی ایسی معقول تدبیر تلاش کرنا چاہئے جس کے ذریعہ سے ہم اپنی قومی عمارت کی تعمیر کر سکیں۔ سرمایہ داری میں یہ نقص ہے کہ وہ ذاتی نفع حاصل کرنے کی پوری آزادی دیتی ہے جس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ خود غرضی، حرص، تشدد اور ناجائز فائدہ اٹھانے کے جذبات کو فروغ ہوتا ہے۔ اشتراکیت نے اس کے تدارک کی کوشش کی۔ لیکن اس کوشش میں وہ دوسری انتہا کو پہنچ گئی۔ یعنی اس نے ہر طرح کے ذاتی منافع کا انسداد کر دیا۔ جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ انفرادی اظہار رائے کا باب قطعی مسدود ہو گیا۔

اس لئے ہمیں غور کرنا چاہئے کہ آخر ہماری نجات کس چیز میں ہے؟ ہم یہ نہیں طے کر سکتے کہ آیا ہمیں ذاتی نفع کا اصول ترک کر دینا چاہئے یا باقی رکھنا چاہئے۔ اس لئے ہم عجیب گومگو میں ہیں۔ لیکن جیسا کہ منطق جاننے والے اچھی طرح جانتے ہیں کہ گومگو کی یہ حالت محض خیالی ہوتی ہے اور ہمیشہ ایک درمیانی راستہ نکالا جا سکتا ہے چنانچہ اس معاملہ میں بھی ہماری نجات اسی درمیانی راستے میں ہے۔ اگر ہیگل کا یہ قول صحیح ہے کہ حق نہ تو دعوے میں ہوتا ہے نہ اس کی تردید میں بلکہ ان دونوں کی امتزاجی ترکیب میں ہوتا ہے جس میں دونوں کے صحیح اجزا شامل ہوتے ہیں تو پھر ہم بھی اپنی مشکل کا حل معلوم کر سکتے ہیں۔ خوش قسمتی سے ارادی طور پر یا غیر ارادی طور پر ہمارے آباؤ اجداد بھی اسی پر عمل کرتے آئے ہیں اور یہی ہماری مشکلات کا حل ہے کہ نہ تو انفرادی نفع کا اصول اپنی جگہ پر غلط ہے اور نہ اجتماعی قبضہ و اختیار میں کوئی برائی ہے۔ البتہ اگر انفرادی نفع کا اصول اپنی حدود سے تجاوز کر جائے اور اس سے دوسروں کو نقصان پہنچنے لگے تو وہ برا ہے۔ اسی طرح اگر اجتماعی قبضہ و اختیار کا اصول اپنی حدود سے گذر جائے اور افراد کی آزادی عمل سلب کرے تو وہ بھی برا ہے۔ ایسی حالت میں ہمیں کوئی ایسی تدبیر نکالنی چاہئے جس میں انفرادی نفع اور اجتماعی قبضہ و اختیار دونوں کی گنجائش ہو۔

ہمیں یقین ہے کہ صورت صرف اس طرح ممکن ہو سکتی ہے کہ پیداوار کی مرکزیت کو ختم کر دیا جائے۔ اور سودیشی کے اصول کو رواج دیا جائے۔

(باقی آئندہ)

متعدی بیماریاں

(از قلم پنڈت آنندی پرشاد صاحب مشیر مراد آباد)

(خاص پنجاب پبلک کے لئے)

حفظان صحت کی ان آسان باتوں میں سے جو بغیر کسی زائد خرچ کے عمل میں آسکتی ہیں ایک یہ ہے کہ تدبیر اور احتیاط کے ساتھ متعدی یعنی چھوت دار بیماریوں کو روکا جائے۔

ہم یہاں اُن احتیاطوں کا ذکر کرنا چاہتے ہیں جن میں خرچ نہ ہو اور چھوت سے بچاؤ ہو جائے۔

بارہا دیکھا گیا ہے کہ گھر میں ایک آدمی کو زکام ہوا۔ اور دو ایک روز میں تمام گھر کے سب آدمیوں میں پھیل گیا۔ یا ایک بچے کی آنکھیں دکھنے آئیں اور آہستہ آہستہ دوسرے بچے بھی اس مرض میں گرفتار ہو گئے۔ ایسا کیوں ہو جاتا ہے؟

اہل تحقیق نے بہت سے امراض کی بابت ثابت کیا ہے کہ وہ خاص خاص قسم کے جراثیم سے پیدا ہوتے ہیں۔ اور ان جراثیم کے پھیلنے سے وہ پھیلتے اور دوسروں کو لاحق ہوتے ہیں۔ مثلاً زکام کے جراثیم ناک کی رطوبت میں موجود ہوتے ہیں۔ آنکھوں کی بیماری کے جراثیم اس کے چیپڑ میں ہوتے ہیں۔ چیچک کے جراثیم اس کے آبلوں کے چھلکوں میں ہوتے ہیں۔

جب ہماری کسی غفلت یا بے احتیاطی سے ایک مریض کے مرض کے جراثیم کسی دوسرے شخص کے جسم میں جا پہنچتے ہیں تو اسی قسم کا مرض اسمیں پیدا ہو جاتا ہے۔ دیکھا گیا ہے کہ بہت سی صورتوں میں یہ جراثیم ایک مریض سے دوسرے مریض میں تولیہ کے استعمال سے پہنچتے ہیں۔ مثلاً زکام والے مریض نے منہ دھویا اور تولیہ سے پونچھا۔ اب اسی تولیہ سے دوسرے آدمی نے اپنا منہ پونچھا۔ اس صورت میں گمان غالب ہے کہ اس کو بھی زکام ہو جائے۔ کیونکہ یہ ممکن ہے کہ منہ پونچھتے وقت تولیہ کو ناک کی کچھ رطوبت لگ جائے، اور وہ دوسرے شخص پر جا اثر کرے۔ اسی طرح آنکھ کے مریض کے چیپڑ کا کوئی ذرہ تولیہ کے ذریعہ دوسرے شخص کی آنکھ میں پہونچکر یہی مرض بآسانی پیدا کر سکتے ہیں۔

لوگ سمجھتے ہوں گے کہ چیچک اور خسرہ میں جب تک مرض کا زور رہتا ہے صرف اسی وقت تک اس کی چھوت کا بھی زور رہتا ہوگا۔ حالانکہ یہ بات نہیں ہے۔ مرض کی شدت میں چھوت کا اس قدر خطرہ نہیں ہوتا جتنا صحت پا چکنے کے بعد ہوتا ہے۔ خسرہ اور چیچک کے مریض میں جب بخار تیز دانے اور آبلے خشک ہو کر بالکل مرجھا جاتے ہیں اور مریض غسل صحت کر چکتا ہے تو سب سے زیادہ خطرناک وقت چھوت کا یہی ہوتا ہے۔ خسرہ کے مرجھائے ہوئے دانوں کی بھوسی اور چیچک کے خشک شدہ آبلوں کے چھلکے کچھ نہ کچھ روزانہ جھڑتے ہیں اور ہوا میں اڑتے پھرتے ہیں اسی بھوسی اور چھلکوں میں ان موذی امراض کے زندہ جراثیم بھرے ہوتے ہیں۔ اور وہ جہاں اڑکر جسم انسانی میں پہنچے فوراً اس طرح پھولنے پھلنے لگتے ہیں جس طرح برسات میں کوئی اُگنے والا دانہ زمین دبتے ہی نشو و نما پانے لگتا ہے، یہ بھوسی اور چھلکے مریض کے لباس اور بستر میں کثرت سے ہوتے ہیں۔ اس لئے ایسے مریض کے بستر پر کسی تندرست بچے کا لیٹنا نہایت خطرناک ہے

ان سب خطرات کی روک تھام کے لئے صرف اتنی احتیاط کافی ہے کہ کوئی تندرست آدمی کسی مریض کا تولیہ ہرگز استعمال نہ کرے اور نہ اس کے بستر پر لیٹے۔

بچوں کی آنکھیں صاف کرنے کے لئے اور آنکھیں دکھنے کی حالت میں منہ صاف کرنے کے لئے بھی تولیہ استعمال نہ کیا جائے، ورنہ یہ ممکن ہے کہ آنکھیں اچھی ہو جانے کے بعد چھوت کا کوئی ذرہ آنکھ میں چلے جانے سے مرض پھر عود کر آئے، بہتر یہ ہے کہ آنکھیں صاف کرنے کے دھلے ہوئے صاف کپڑوں کی دھجیاں استعمال کی جائیں اور پھر ایک مستعمل دھجی پھینکتے جائیں اور اس کی بجائے نئی صاف دھجی استعمال کی جائے،

اس طرح صاف کرنے سے آنکھ کی آلائش کا کوئی ذرہ دوبارہ آنکھ میں نہیں جا سکتا ہے۔ آنکھوں کو صاف کر چکنے کے بعد ان دھجیوں کو جلا دینا چاہیئے، تاکہ جو جراثیم آنکھ کی آلائش کے ساتھ دھجیوں میں چلے گئے ہیں وہ جل کر ہلاک ہو جائیں۔

جس طرح تولیہ کے استعمال سے ایک مریض کا مرض دوسرے کو لگ سکتا ہے اسی طرح جو بستر ایک مریض کے کام میں آچکا ہے وہ دوسرے مریض کے استعمال میں آنے سے وہی مرض پیدا کر سکتا ہے۔ اس لئے بستروں سے کام لینے میں بہت احتیاط کی ضرورت ہے، بارہا مہمان ہونے کی صورت میں میزبان کے بستر سے کوئی مرض لگ جاتا ہے لہٰذا ہر شخص کو سفر میں اپنا بستر اپنے ساتھ رکھنا چاہیئے اور جب اپنا بستر کسی مہمان کو دینا پڑے تو مہمان کے چلے جانے کے بعد فوراً وہ بستر دھلوا لیا جائے۔

٭ ٭ ٭ ٭ ٭

(بقایا مضمون صفحہ ۶)

انگریزی میں خط لکھا جاسکتا ہے۔ مگر بلا وجہ انگریزی میں ہرگز خط وکتابت کرنا چاہیئے۔

حال ہی میں اخبار "لیڈر" میں ایک صاحب کا مضمون شائع ہوا تھا جس میں انہوں نے لکھا تھا کہ انگلستان میں جب ہندوستانی طلباء آپس میں انگریزی میں گفتگو کرتے ہیں اور انگریزی ہی میں خط وکتابت کرتے ہیں تو اکثر انگریز حیرت کرتے ہیں اور ان سے دریافت کرتے ہیں کہ کیا تمہاری کوئی مادری زبان نہیں ہے۔ اُسوقت شرم سے اُن کی آنکھیں جھک جاتی ہیں۔ اور وہ کوئی جواب نہیں دے سکتے

خط وکتابت کے سلسلہ میں ایک چیز اور زیادہ مضحکہ خیز ہے۔ یعنی لوگ اکثر خط تو مادری زبان میں لکھتے ہیں لیکن پتہ انگریزی میں تحریر فرماتے ہیں۔ ممکن ہے یہ کہا جائے کہ مدراس اور بنگال کے محکمۂ ڈاک کے ملازم ہماری زبان نہیں جانتے۔ اس لئے خطوط کے گم ہو جانے کا اندیشہ رہتا ہے۔ ہمیں اس دلیل کے تسلیم کرلینے میں کوئی عذر نہیں۔ لیکن اس کا کیا جواب کہ دہلی کا ایک باشندہ لکھنؤ کے ایک باشندہ کو خط تو اردو میں لکھے اور پتہ انگریزی میں۔ آخر اس عادت کو کیوں نہ ترک کیا جائے اور اس امر کی احتیاط کی جائے کہ بلا وجہ کہیں انگریزی نہ لکھی جائے۔

انگریزی میں دستخط

انگریزی بولنے اور لکھنے سے زیادہ بڑھا ہوا مرض انگریزی میں دستخط کرنے کا ہے۔ انگریزی کے دو حرف جاننے والا بھی انگریزی ہی میں دستخط کرنا اپنی شان سمجھتا ہے۔ اور روزمرہ کے کاغذات اور رسیدوں وغیرہ پر انگریزی ہی میں دستخط کرتا ہے بنک کے دستخطوں کی کتاب جاکر دیکھئے تو آپ کو اندازہ ہوگا کہ بجز ان لوگوں کے جو انگریزی کے حروف شناس بھی نہیں ہیں ہر شخص کے دستخط انگریزی میں موجود ہیں آخر ایسا کیوں ہے؟

اس سلسلہ میں ایک دلیل یہ پیش کی جاسکتی ہے کہ انگریزی میں دستخطوں میں زیادہ اختصار ہوسکتا ہے اس لئے ہمیں سہولت ہوتی ہے۔ مجھے یہ اعتراض تسلیم ہے لیکن میرا خیال ہے کہ اپنی مادری زبان میں بھی اختصار کی صورتیں پیدا ہوسکتی ہیں۔ اور اگر لوگ اس طرف متوجہ ہوجائیں تو مزید پیدا ہوجائیں گی لیکن اس کا کیا علاج کہ آپ اس جانب توجہ تو کریں نہیں اور طوالت اور دقت کا الزام لگائیں علاوہ ازیں بنک میں تو ہر شخص عموماً پورے دستخط کیا کرتا ہے اور یہ مسلمہ ہے کہ انگریزی کی تحریر اردو کی تحریر کے مقابلہ میں زیادہ طویل ہوتی ہے۔ پھر کیا وجہ ہے کہ بنک میں آپ انگریزی میں دستخط کرتے ہیں۔ بہرحال ہمیں اس کا خیال رکھنا چاہیئے کہ عادتاً ہم صرف اپنی مادری زبان میں دستخط کیا کریں۔

انگریزی کے سائن بورڈ

جاپان میں آج سے دس برس پہلے بازار میں تمام سائن بورڈ عموماً انگریزی میں ہوتے تھے۔ لیکن جیسے جیسے وہاں قومی تحریک ترقی کرتی گئی انکی تعداد کم ہوتی گئی حتیٰ کہ اس وقت شاذونادر وہاں کوئی انگریزی سائن بورڈ نظر آتا ہو۔

آج آپ دہلی کے چاندنی چوک میں نکل جایئے ۲۵ فیصدی بورڈ تو خالص انگریزی زبان کے نظر آئیں گے ۵۰ فیصدی انگریزی کے ساتھ کسی ہندوستانی زبان میں بھی ہوں گے اور صرف ۲۵ فیصدی بورڈ ایسے ہوں گے جن پر انگریزی نظر نہ آئے۔ ایک حجام جو انگریزی سے قطعی نابلد ہے اور اسکی دوکان پر بال بنوانے کے لئے صرف ایسے ہی لوگ آتے ہیں جو انگریزی کا ایک حرف نہیں جانتے لیکن اس کی دوکان کا سائن بورڈ اگر آپ دیکھیں تو وہ انگریزی میں ہوگا کیا یہ پُرمذاق مگر افسوسناک بات نہیں ہے

مجھے اس پر اعتراض نہیں ہے کہ اگر آپ کا کاروبار بیشتر انگریزوں سے ہے یا ایسے صوبوں کے باشندوں سے ہے جو آپ کے شہر کی زبان نہیں جانتے تو آپ انگریزی کا سائن بورڈ کیوں استعمال کریں۔ بے شک معقول وجہ کی بنا پر آپ ہمیشہ انگریزی زبان سے کام لے سکتے ہیں۔ لیکن میرا اعتراض تو انگریزی کو عادت میں داخل کرلینے پر ہے۔ ضرورت اس بات کی ہے کہ کوئی شخص غیر ارادی طور پر انگریزی استعمال نہ کرے

ہے۔ یقیناً آپ کے تجارتی اغراض جس حد تک انگریزی زبان کے استعمال کرنے پر مجبور کریں۔ آپ کرسکتے ہیں۔ لیکن بلا وجہ کی تقلید سے پرہیز کرنا اچھا ہے۔ اس تیسری زبان کی موجودگی کی وجہ سے آج اردو اور ہندی آپس میں دُور سے دُور تر ہوتی جارہی ہیں۔ اگر آپ اس تیسری زبان کو اپنی زندگی سے خارج کردیں تو جلد تر ایک خالص ہندوستانی زبان بن سکتی ہے اور ایک خاص علمی درجہ حاصل کرسکتی ہے

انگریزی میں اسٹیشنری

آپ نے یہ اکثر ملاحظہ کیا ہوگا کہ ایک رسالہ اردو یا ہندی کی اشاعت کا دعوےٰ کرتا ہے۔ ایک بک ڈپو صرف اردو یا ہندی کی کتابوں کی تجارت کرتی ہے یا ایک انجمن اور اکاڈمی مادری زبان کی حمایت کے لئے قائم کی گئی ہے۔ لیکن اس کی تمام اسٹیشنری خط کے کاغذ! لفافے، رجسٹر! اشتہار۔ قانون وغیرہ انگریزی زبان میں ہیں اور کارروائی بھی انگریزی میں لکھی جاتی ہے۔ آپ ہی بتایئے کہ یہ کہاں تک جائز اور مناسب

اچھی صحت روزمرہ کی خوراک

غذاؤں کے اوصاف

یہ جاننا موجب دلچسپی ہوگا کہ قوائے انسانی نشوونما اور انکو طاقت بخشنے کے لئے کن کن چیزوں کی خاص طور پر ضرورت ہے۔ یہ چیزیں پروٹین۔ چربی اور کاربوہائیڈریٹ کہلاتی ہیں۔ پروٹین بہت سے پھلوں اور ترکاریوں میں پائی جاتی ہے۔ چربی عام طور پر دودھ گھی اور مکھن وغیرہ کی شکل میں استعمال کی جاتی ہے اور کاربوہائیڈریٹ روٹی اور شکر وغیرہ میں پائی جاتی ہے۔

ان اجزاء کے طاقت بخش اوصاف کا اندازہ "کیلوریز" میں لگایا جاتا ہے۔ اور اندازہ اسی طرح صحیح لگایا جاتا ہے جسطرح کہ گزوں میں کپڑے کی پیمائش کی جاتی ہے۔ یا وزن کا اندازہ پونڈ یا سیر میں لگایا جاتا ہے اعلیٰ قسم کے کوکو کے ایک پونڈ میں قریباً ۲۰۰۰ کیلوریز ہوتی ہیں۔ مقابلتاً ایک پونڈ گیہوں کی روٹی میں ۱۲۰۰ کیلوریز ہوتی ہیں۔ ایک پونڈ اُبلے ہوئے چاول میں صرف ۵۰۰ کیلوریز ہوتی ہیں۔ کوکو اسوجہ سے بھی خاص طور پر زیادہ طاقت بخش ہے کہ اس میں تھیوبرومائن بھی تھوڑی مقدار میں موجود ہوتا ہے جسکی وجہ سے اسمیں ایسا ہی طاقت بخش وصف موجود ہوتا ہے۔ جیسا کہ چائے یا قہوہ میں پایا جاتا ہے۔ لیکن کوکو کا اثر اسقدر تیز نہیں ہوتا ہے جیسا کہ کافی کا ہوتا ہے۔ اور اسیوجہ سے کوکو نوجوانوں اور بوڑھوں کے استعمال کے لئے قطعی موزوں اور مناسب ہوتا ہے۔

انگلستان میں چائے کی طرح ہی کوکو کے استعمال کا عام رواج ہے۔ کیونکہ وہاں کے باشندے اسکے مندرجہ بالا فوائد کو بخوبی سمجھتے ہیں۔ ان اوصاف کے ساتھ اگر اعلیٰ اور خوشگوار خوشبو بھی شامل کردی جائے جیسی کہ کیڈبری کے کوکو میں ہوتی ہے۔ تو لوگ اسکو خاص طور پر دیگر اشیاء پر ترجیح دینے لگتے ہیں۔

ٹریڈمارک تجارتی نام ادویات وغیرہ

گورنمنٹ آف انڈیا کلکتہ رجسٹریشن آفس سے رجسٹر کرانے کے لئے کلکتہ ٹریڈمارک کمپنی رجسٹرڈ چاندنی چوک دہلی۔ ہندوستان کی مشہور فرم ہے۔ ملک کے بلند پایہ ادویات سازی کے کارخانوں اور مشہور دواخانوں نے اس فرم کو اعلیٰ اور اطمینان بخش خدمات سے خوش ہوکر شاندار سرٹیفکیٹ عطا کئے ہیں۔ ہم نے تجربہ سے یہ تسلیم کرلیا ہے۔ کہ فرم مذکور کی فیس مقابلتاً کم ہے خدمات زیادہ اطمینان بخش اور کارکنان کا رویہ بزنس جیسا ہے امید ہے ٹریڈمارک نام وغیرہ رجسٹری کرانے والے اصحاب اس فرم کی خدمات سے فائدہ اٹھائیں گے

ہفتہ کی اہم اور مختصر خبریں

ڈیلی ٹیلیگراف کا بیان ہے کہ الجیریا کے فرانسیسی علاقہ پر اٹلی والوں کے مسلسل حملہ کی وجہ سے فرانس اور اٹلی کے درمیان ایک زبردست سفارتی بحث چھڑ گئی ہے۔ بیان کیا جاتا ہے کہ تریبہ کے اطالوی علاقہ سے قبیلہ کے لوگ الجیریا میں داخل ہو رہے ہیں تاکہ ٹریپولی کے فوجی حکام کے غیظ و غضب سے بچ جائیں۔

اٹلی کی ہوائی فوج کے ایک دستہ نے ان لوگوں کا فرانسیسی علاقہ میں تعاقب کیا اور الجیریا کی فوجی چوکی پر بم گرائے جہاں کہ پناہ گزینوں نے اپنے خیمے کھڑے کر لئے تھے۔

جواہر لال نہرو صدر منتخب کانگریس غیر ممالک میں ہندوستانی مرکز قائم کرنے کے حق میں ہیں تاکہ کانگریس کو ہندوستان کے واقعات اور کانگریس کو غیر ممالک کے واقعات سے واقفیت حاصل ہوتی رہے۔

سیشن جج لاہور نے بابا جیون سنگھ کے قتل کے الزام میں لال دین ملزم کو سزائے موت کا حکم دیا۔ قتل گزشتہ دسمبر میں تنازعہ شہید گنج کے سلسلہ میں شیخوپوریاں اسٹریٹ لاہور میں ہوا تھا۔ اور اس سلسلہ میں اس قتل کا نمبر پانچواں تھا۔

لندن میں موجودہ ڈپلومیٹس میں زبردست سنسنی اور استعجاب پھیل گیا جبکہ پیرس سے یہ خبر موصول ہوئی کہ حکومت فرانس کسی حالت میں بھی لوکارنو کانفرنس کے فیصلہ سے ایک قدم پیچھے ہٹنا نہیں چاہتی اور کہ اس نے حکومت جرمنی کو الٹی میٹم دے دیا ہے کہ اس کے لئے صرف دو راستے ہیں کہ وہ یا تو لوکارنو کانفرنس کے فیصلہ کو منظور کرے یا اس کو نامنظور کر دے۔

برلن کی اطلاع مظہر ہے کہ جرمنی کے سرکاری حلقے دنگ رہ گئے جبکہ یہ معلوم ہوا کہ موسیو فلانڈن نے جوابی تجویز پر غور کرنے سے انکار کر دیا ہے۔

شری بت سری کرشن دت پالیوال نے آج اسمبلی کے اجلاس میں یہ تحریک پیش کی کہ ڈاک سے رجسٹرڈ اخبارات بھیجنے کے لئے آٹھ تولہ کے بجائے ۱۰ تولہ وزن کے لئے ایک پیسہ کا ٹکٹ لگانا ضروری قرار دیا جائے۔

اٹلی آسٹریا اور ہنگری کے درمیان جو معاہدہ ہوا ہے اس کی ایک دفعہ یہ بھی ہے کہ اگر لیگ جرمنی کے خلاف تعزیری پابندیاں لگانے کا فیصلہ کرے تو اٹلی۔ آسٹریا اور ہنگری تعزیری پابندیوں میں حصہ نہیں لیں گے۔ بیان کیا جاتا ہے کہ معاہدہ میں آسٹریا کی آزادی برقرار رکھنے کا بھی فیصلہ کیا گیا ہے۔

احمد آباد سے اطلاع ملنے پر پولیس نے مندر پر چھاپہ مارا۔ اور اس کی تلاشی لینے پر وہاں سے ۱۲۸۰ دستر ناجائز افیون برآمد کی۔ پولیس نے افیون اپنے قبضہ میں کر لی اور تین اشخاص کو گرفتار کر لیا۔

لوکارنو کانفرنس میں پاس شدہ تجویزوں کا ہر ہٹلر نے جواب دے دیا ہے یہ جواب ہر ہٹلر کے ایک ذاتی پیغام کی شکل میں ہے اس پیغام میں تحریر ہے کہ جرمنی علاقہ رائن لینڈ سے اپنی فوجیں ہٹانے کے لئے قطعی تیار نہیں ہے۔ اور نہ ہی دوسری قوموں سے غیر مساوی شرائط کی بنا پر گفت و شنید کرنے کے لئے تیار ہے پیغام میں مزید لکھا ہے کہ ہر ہٹلر نے صلح کی جو تجویز پیش کی تھیں وہ ان کی پابندی کرنے کو تیار ہے اور اس کے لئے اس کی بالادستی کو بحال کرنا ضروری ہے۔

برلن کے اخبار دالکشکر بیوباکنر کا نامہ نگار مقیم روم اپنے اخبار کو بذریعہ تار مطلع کرتا ہے کہ حکومت اٹلی نے یہ دھمکی دی ہے کہ اب وہ یہ گوارا نہیں کر سکتی کہ فرانس اس کے خلاف تعزیری کارروائی کرتا ہے۔ اگر اس نے تعزیری کارروائی کی پالیسی کو جاری رکھا تو وہ گزشتہ جنوری کے اس معاہدہ کو ٹھکرا دے گی جس کے ماتحت ٹیونس میں اطالویوں کے آباد ہونے کے بارہ میں ۳۰ سال پرانا جھگڑا طے ہو گیا تھا۔

اخبار پریٹی ہرلاڈ کی ایک اطلاع مظہر ہے کہ زیکو سلویکیا کی سرحد پر عظیم پیمانہ پر فوج کی نقل و حرکت کی تیاریاں کی جا رہی ہیں وہاں سوویٹ کے اسٹاف افسر اور روسی فوج بھی موجود ہے۔ جو کہ ہوائی مستقروں اور بارکوں کی تعمیر کی نگرانی کر رہی ہے۔

لندن کا اخبار مانچسٹر گارڈین رائن لینڈ کے منوعہ علاقہ میں جرمن فوج کی نقل و حرکت پر تبصرہ کرتے ہوئے رقمطراز ہے:۔

اگر رائن لینڈ کے منوعہ علاقہ پر جرمنی کی مکمل شہنشاہیت پھر بحال ہو گئی تو اسے فوجی نقطہ نظر سے فرانس کے مقابلہ میں ایک زبردست فائدہ کی پوزیشن حاصل ہو جائیگی کیونکہ دریائے رائن ایک ایسی ناقابل عبور حد قائم کرتا ہے کہ کوئی شخص جرمنی پر دھاوا بولنے کی جرأت نہیں کر سکتا۔

ہندوستان میں صنعت فلمسازی کا مستقبل

(از جناب شیخ افتخار الرسول بی۔ اے۔ بادایٹ۔ لاء)

اگرچہ ہندوستانی فلمسازی پر ابھی جبو جبہ آلودن کی پیدائیش کی شل صادق آتی ہے لیکن اس سے انکار نہیں کیا جاسکتا کہ یہ صنعت ترقی کے راستے پر گامزن ہے۔ اور وہ دن دور نہیں جب کہ متحرک تصاویر ملک کی بہترین صنعتوں میں شمار ہونے لگیں گی۔

آج سے اس برس پیشتر لوگ اسے تعیش اور چو نچلے کا سامان اور محض بے کاری کا مشغلہ سمجھتے تھے مگر اب یہ صنعت ایک منفعت بخش تجارت کی صورت اختیار کر رہی ہے۔ اور کرتی چلی جا رہی ہے جس کے سہارے مختلف حیثیتوں اور مختلف قابلیتوں کے بے شمار انسانوں کی گذر اوقات ہوتی ہے۔

اس وقت یوروپ اور امریکہ میں ایسے فلمساز بکثرت موجود ہیں جو اپنا مال ہندوستان جیسی غیر ملکی منڈیوں میں فروخت کرنا چاہتے ہیں۔ ہمارے ملک میں بھی غیر ملکی فلموں کی نمائیش اس قدر بڑھ گئی ہے کہ بہت کم سینما ایسے ہیں جہاں کامیابی کے ساتھ ہندوستانی فلمیں دکھلائی جاتی ہیں۔ اگرچہ چند پرانی تہذیب کے دلدادہ اسے عزت کی نگاہ سے نہیں دیکھتے۔ لیکن میرا خیال ہے کہ ہر شخص جس کو متحرک تصاویر سے بالواسطہ یا بلاواسطہ ذرا بھی تعلق ہے وہ اس حیرت انگیز کامیابی پر نازاں ہے جو اس صنعت نے تھوڑے ہی عرصہ میں حاصل کی ہے۔ اور اگر میں یہ کہوں کہ اس کے شاندار مستقبل کی شہابی کرنیں دنیا کو منور کرنے والی ہیں تو بیجا نہ ہوگا

ہر نئی صنعت کو معرض وجود میں آتے ہی اپنی قسم کی کسی نہ کسی ایسی صنعت کا مقابلہ کرنا پڑتا ہے جو پہلے سے ہی دنیا میں رائج ہوتی ہے۔ چنانچہ متحرک تصاویر کی سب سے بڑی رقیب صنعت اسٹیج ہے۔ اگرچہ قدامت کے لحاظ سے اسٹیج کو اولیت کا شرف حاصل ہے۔ لیکن اس بات کو تسلیم کرنا پڑے گا کہ متحرک تصاویر نے تھوڑے ہی عرصہ میں اپنی فوقیت کا سکہ جما دیا ہے۔ یورپ کو چھوڑ کر اگر ہندوستان میں ہی دیکھا جائے تو معلوم ہوتا ہے کہ تھیٹر اب بالکل نابود ہو چکا ہے۔ اسکی وجہ یہ ہے کہ متحرک تصاویر کی نسبت اسمیں تفریح کا سامان کم ہے یہاں یہ کہنا بھی غیر مناسب نہ ہوگا کہ فکر احتساب کی حد تک اس عظیم الشان صنعت کی ترقی میں خارج ہو رہا ہے لیکن احتساب کی کوئی نئی بات نہیں۔ بلکہ جب سے دنیا میں اختلاف رائے کا ظہور ہوا ہے وہ موجود ہے بڑے سے بڑا سیاسی معاملہ ہو۔ یا چھوٹا موٹا فرقہ وارانہ جھگڑا یہ ہر جگہ موجود ہے۔ دنیا میں جب بھی کسی معاملہ پر اختلاف رائے پیدا ہوا ہے۔ ہمیشہ ایک گروہ نے اپنے مقابل کے جذبات کو دبانے کے لئے کوشش کی ہے لیکن متحرک تصاویر جیسی اہم صنعت کے متعلق واقعات کے سلسلے میں ایک اور سوال پیدا ہو گیا ہے۔ ہندوستان اور انگلستان دونوں ملکوں کی مختلف حکومتوں نے بڑھتے ہوئے ضرورت سے زیادہ ... کی گئی ہے کہ فلموں کے اخلاقی

پہلوی اصلاح پر توجہ کی جائے۔

فلم کی صنعت کا منشا صرف یہ نہیں ہے کہ ہم اُلٹے سیدھے فلم تیار کر کے اُن پڑھ طبقہ کو خوش کر لیں۔ ہندوستان کو اس وقت مغربی فلموں کی ہر دلعزیزی کا مقابلہ کرنا ہے اور پڑھے لکھے طبقہ کی ضروریات کو بھی پورا کرنا ہے جب تک ہماری فلمیں عالمگیر شہرت حاصل نہ کریں گی اہل مغرب ایشیا کی تہذیب اوضاع و اطوار سے واقف نہ ہوں گے۔ وقت آگیا ہے کہ سرمایہ دار اس طرف متوجہ ہوں۔

اب ذرا ہندوستانی فلموں کے چند نقائص کی طرف توجہ کیجئے۔ سب سے زیادہ افسوسناک بات یہ ہے کہ ہمارے ڈائرکٹر تعلیم و تربیت سے اس قدر محروم ہیں کہ وہ نہ صرف سرمایہ داروں کا روپیہ ضائع کرتے ہیں بلکہ کمپنی کو بدنام اور ہندوستانی ذہنیت کو خراب کرنے میں کوئی دقیقہ فروگذاشت نہیں کرتے۔ ہندوستانی فلموں میں جہاں شراب خوری کے منظر دکھلائے جاتے ہیں وہ مغربی فلموں سے لئے ہوئے ہوتے ہیں اور یہ عمل نہایت ہی مضحکہ خیز ہے

فلم نگاروں کی یہ حالت ہے کہ ان لوگوں نے بھی فلم کے منظر لکھنے کی تربیت حاصل نہیں کی۔ وہ مقامی دلچسپی کے بعض مضامین تک اپنی تحریروں کو محدود رکھتے ہیں اور ان میں بھی پرانے زمانے کے افسانوں اور طلسم الاصنام کی داستانوں کا زیادہ دخل ہوتا ہے۔ ان کو کبھی یہ خیال نہیں آتا کہ انسانی زندگی میں حقیقت کے ہزار ہا چشمے موجود ہیں جن سے دنیا بھر کا آرٹ سیراب ہوتا ہے۔ انہیں کبھی یہ خیال نہیں گذرتا۔

بطور خود انسانی زندگی کا مطالعہ کریں اور اپنی بصیرت سے دکھکر ان کو اپنے آرٹ میں استعمال کریں۔

فلم ایکٹروں پر اس صنعت کی کامیابی یا ناکامی کی بہت بڑی ذمہ داری عائد ہوتی ہے۔ ہمارے تمام ایکٹر مغربی ایکٹنگ کی نقل کرتے ہیں۔ انہیں معلوم ہونا چاہیئے کہ یہ ان کے لئے مفید نہیں ہے۔ اہل مغرب کی حرکات و سکنات ہم سے بہت مختلف ہیں۔ ہندوستانی تہذیب کی بنیاد روحانی ہے۔ اس لئے معاشرت میں بھی روحانی رنگ غالب رہنا چاہیئے۔

یہ حقائق ہیں جن کو نہ چھپایا جا سکتا ہے نہ ان کی تردید کی جاسکتی ہے۔ سرمایہ داروں، ڈائرکٹروں فلم نگاروں اور ایکٹروں کو چاہیے کہ ان نقائص کو دور کرنے کی کوشش کریں۔ خدا کرے کہ یہ سال ہندوستان کے لئے نیک ثابت ہو۔ اور ہماری کوششیں بارآور ہوں۔

این دعا از من و از جملہ جہاں آمین باد

پرستان

اگر لوگ میرے بادشاہ کے محل کو جان لیں تو یہ ہوا میں غائب ہوجائے گا۔

اس کی دیواریں سفید چاندی کی سی ہیں اور چھت چمکیلے سونے کی۔

رانی سات دالان والے محل میں رہتی ہے اور اس کے جواہر کی قیمت سات سلطنتوں کے برابر ہے

آؤ اماں میں تمہارے کان میں کہدوں کہ میرے بادشاہ کا محل کہاں ہے۔؟

وہ دیکھو۔ بالاخانہ کے اس کونہ میں جہاں تلسی کا گملا ہے

سات سمندر پار ساحل پر شہزادی سوئی ہے

سارے دنیا میں کوئی نہیں جو اُسے پاسکے

اس کے ہاتھوں میں کڑے ہیں اور کان میں بندے

اس کی زلفیں زمین پر لوٹ رہی ہیں۔

جب میں جادو کی چھڑی سے چھوؤں گا تو وہ جاگ اُٹھے گی اور جب وہ مسکرائے گی تو اس کے منہ سے لعل نکلیں گے۔

لیکن آؤ اماں میں تمہارے کان میں کہدوں۔ شاہزادی بالاخانہ کے اس کونہ میں ہے جہاں تلسی کا گملا ہے۔

جب نہانے کا وقت آجائے تو بالاخانہ پر اس چبوترہ کے پاس جاؤ۔

میں کونہ میں جہاں دیوار کے سائے ملتے ہیں تمہارے ساتھ صرف بلی آسکتی ہے کیونکہ اُسے معلوم ہے کہ کہانی والا حجام کہاں رہتا ہے۔ لیکن آؤ اماں میں تمہارے کان میں کہدوں کہ کہانی والا حجام کہاں رہتا ہے۔؟

وہ دیکھو بالاخانہ کے اس کونہ میں جہاں

گوڈریج سوپ

ہندوستان کی سوپ انڈسٹری میں گوڈریج سوپ کو ایک ممتاز درجہ حاصل ہے یہ ایک ایسا صابن ہے جسمیں چربی کی آمیزش نہ ہونے کی گارنٹی کیجاتی ہے۔ اس کے عمدہ اور نفیس اور اب۔ ٹو۔ ڈیٹ ہونے کا اندازہ اس امر سے بخوبی لگایا جاسکتا ہے۔ کہ یہ بہترین قسم کے نباتاتی تیلوں سے ایک عظیم الشان بکٹری میں جرمنی سائنٹسٹوں کی زیر نگرانی تیار ہوتا ہے۔ ہندوستان کا یہ پہلا صابن ہے جو عمدگی و نفاست اور پاکیزگی کے سبب نہ صرف ہندوستان بلکہ جرمنی۔ فرانس۔ انگلینڈ اور یورپ کے دیگر ممالک میں بکثرت استعمال ہوتا ہے۔ اور ان ممالک میں ان کی مانگ روز بروز بڑھ رہی ہے۔

ہندوستان کے بڑے لیڈروں مثلاً مسز سروجنی دیوی ڈاکٹر انصاری صاحب۔ راجگوپال آچاریہ اور دیگر لیڈروں نے گوڈریج سوپ کی بڑی تعریف کی ہے۔ ڈاکٹر انصاری صاحب فرماتے ہیں۔ کہ گوڈریج سوپ بہترین کوالٹی کا صابن ہے اور میں گذشتہ ۱۰ سال سے استعمال کر رہا ہوں۔

میجر ڈکینس صاحب گورنمنٹ کیمیکل اگزامنر بمبئی فرماتے ہیں۔ کہ گوڈریج سوپ ہر طرح سے مکمل ہے جرمنی کے ایک سکن سپیشلسٹ لکھتے ہیں۔ کہ ذاتی تجربہ کیمیکل امتحان کے بعد میں گوڈریج سوپ کو خوبصورتی اور صحت کے لحاظ سے اعلیٰ درجہ دیتا ہوں یہ چند سرٹیفکٹ ہیں جو ہمارے سامنے ہیں۔ ان کے علاوہ گوڈریج سوپس لمیٹڈ کے پاس بیشمار سرٹیفکٹ اور میڈل موجود ہیں۔

گوڈریج کے صابن نمبر ۱-۲-۳ خاص طور پر قابل ذکر ہیں۔ صندل سوپ اور شیونگ بار سوپ بھی بہت استعمال ہوتے ہیں۔ اس کی خوشبو بہت اور نیل سوپ بھی بہت مقبول ہیں۔ نیل سوپ عورتوں اور بچوں کے لئے بہت عمدہ چیز ہے۔ دہلی نمائش میں گوڈریج کا سٹال لگا ہوا ہے۔ یہاں سے یہ سب صابن ملتے ہیں۔

وکیل ایجنسی:- بھارت سٹور لمیٹڈ صدر بازار دہلی

"ستیر پاس" کا ایک سین

ایسٹ انڈیا فلم کمپنی کا مشہور کھیل جسمیں گل حمید اور نور جہاں نے کام کیا ہے
موہلی ٹاکیز میں چل رہا ہے

"ستیہ نارائن" کا ایک سین

مادل پکچرس کا مشہور کھیل جو بہت جلد آرہا ہے

"رنگین گناہ" کا ایک سین

کنول موویٹون کا مشہور کھیل جو کہ بہت جلد
آرہا ہے

« ویلاون » کے چند سین

کولہاپور سینیٹون کی مشہور فلم جو دہلی ویسٹ اینڈ ٹاکیز میں چل رہا ہے

Printed and Published by Dharampal Gupta at the T.K.I Press Burn Bastion Road Delhi

NO. DELHI 7TH APRIL 1936. V. NO. 14.

TEJ WEEKLY

قیمت
فی پرچہ
دو آنہ

ملک الشعراء ڈاکٹر ٹیگور کی نذر

(از قلم جناب ڈاکٹر سعید احمد صاحب سعید بریلوی)

{خاص "تیج دہلی" کے لئے}

نوٹ:- جناب ڈاکٹر صاحب نے یہ نظم اُس عظیم الشان جلسہ میں پڑھی تھی جس میں باشندگانِ دہلی کی جانب سے ڈاکٹر ٹیگور کی خدمت میں ایڈریس پیش کیا گیا تھا۔ یہ نظم بہت مقبول ہوئی (ایڈیٹر)

مُلک و صوبے کی قیود سے بہت عالی ہے تو — وہ غلط کہتے ہیں جو کہتے ہیں بنگالی ہے تو

اُلفتِ ابنائے آدم تیرے آب و گِل میں ہے — دردِ دُنیا بھر کا پوشیدہ ترے دِل میں ہے

آسماں کی رفعتوں سے بھی بہت بالا ہے تو — اور اونچے منظروں کا دیکھنے والا ہے تو

پھول بنتے ہیں ترے گلزار میں بے خار ہیں — تیری دُنیا ہے الگ اُن سے جو دُنیا دار ہیں

تجھ پہ روشن ہو چکا ہے رازِ پنہانِ حیات — تجھ سے سرگوشی کیا کرتی ہے ساری کائنات

پتا پتا دفترِ تفسیر ہے تیرے لئے — ذرہ ذرہ بولتی تصویر ہے تیرے لئے

چاند دُنیا بھر کے افسانے سُناتا ہے تجھے — لوریاں گا گا کے ہر تارا سُلاتا ہے تجھے

کشتیٔ مہ میں کبھی بیٹھا نظر آتا ہے تو — کہکشاں میں گاہ خاموشی سے چھپ جاتا ہے تو

تو سُنا کرتا ہے نغمے، شور میں سیلاب کے — جاگتے میں دیکھتا ہے تو مناظر خواب کے

نورِ عرفاں سے ترا دل اس قدر معمور ہے — ٹیلہ ٹیلہ مُلک کا تیری نظر میں طور ہے

فلسفے کا اور نفسیات کا ماہر ہے تو — مختصر یہ ہے کہ سچ مچ اِک بڑا شاعر ہے تو

لوگ ہیں مسرور تیرے لطف فرمانے سے آج — کھل گئی دہلی کی قسمت تیرے آجانے سے آج

ابر تیری شاعری کا بس یونہی چھایا رہے
مدتوں قائم ابھی سر پر ترا سایا رہے

ہندوستان میں شاید ہی کوئی ایسا شخص ہو جو کہ خاندان نہرو کی خدمات اور قربانیوں سے واقف نہ ہو۔ اس خاندان میں پنڈت موتی لال نہرو پہلے فرد تھے جنہوں نے کانگریس میں حصہ لے کر آزادی کی صدا بلند کی اور اپنی زندگی ملک اور قوم کی فلاح اور بہبودی کے لیے وقف کر دی۔ پنڈت موتی لال دُنیا کے اُن چند خوش قسمت لوگوں میں سے تھے جنہوں نے اپنی حیات تک اپنی اولاد کو انتہائی شہرت اور ترقی کی راہ پر دیکھا ہو۔ ہندوستانی باپ کے لئے اس سے زیادہ کیا باعث فخر ہوگا کہ وہ اپنے بیٹے کو ہندوستان کے واحد قومی ادارے کا صدر دیکھے۔ جب کہ پنڈت جواہر لال نہرو ۱۹۲۹ء میں کانگریس کے صدر منتخب ہوئے۔ اور کہا جاتا ہے کہ آپ کانگریس کے سب سے کم عمر صدر ہیں۔

پنڈت جواہر لال نہرو ۱۸۸۹ء میں الہ آباد میں پیدا ہوئے۔ پنڈت جی پہلے صدر کانگریس ہیں جو کانگریس کے وجود میں آنے کے بعد پیدا ہوئے۔ پنڈت موتی لال نہرو نے اپنے اکلوتے بیٹے کی تعلیم و تربیت میں کوئی کسر نہ اُٹھا رکھی۔ ان کو جواہر لال کی صحت کا ہمیشہ خیال رہا۔ یہی وجہ ہے کہ وہ اکثر اوقات بیشتر اپنے گھر والوں کو کشمیر اپنے وطن بھیجتے رہے۔ تاکہ یہاں کی آب و ہوا کا اثر اُن کی صحت پر اچھا پڑے۔

جب پنڈت جواہر لال نہرو کی عمر سولہ برس کی ہوگئی تو ان کو تحصیل علم کی غرض سے ۱۹۰۵ء میں انگلستان بھیجدیا گیا۔ وہاں ان کا داخلہ ہیرو کے مشہور اسکول میں ہوا۔ اس کے بعد آپ کیمبرج کے ٹرینٹی کالج کے طالب علم ہو گئے۔ ۱۹۱۲ء میں لندن سے بیرسٹری کی ڈگری حاصل کرلی۔ آپ کو سائنس سے ہمیشہ رغبت رہی جس کا ثبوت آپ کی تصنیف کردہ کتاب "باپ کے خطوط اپنی لڑکی کے نام" ہے جو ۱۹۲۹ء میں شایع ہوئی۔ آپ نے نیچرل سائنس کے آنرس کا امتحان پاس کرکے انگلستان چھوڑ دیا۔ اسی کالج نے آپ کو ایم۔ اے کی ڈگری عطا کی۔

پنڈت جواہر لال نہرو نے اپنے انگلستان کے قیام میں ہندوستان کی حالت اور یہاں کے واقعات کو کبھی فراموش نہ کیا۔ اور یہاں کی سیاست اور تحریک سے بھی دلچسپی لیتے رہے۔ ۱۹۰۷ء میں جب لالہ لاجپت راے کی جلاوطنی کی خبر پنڈت جواہر لال نہرو تک پہنچی تو آپ کو بے حد افسوس ہوا۔ اس وقت ہندوستان کی سیاسیات میں لالہ لاجپت رائے۔ بال گنگا دھر تلک اور ڈاکٹر اینی بیسنٹ خاص لوگ شمار کئے جاتے تھے۔ ان لوگوں کا پنڈت جی پر بہت اثر پڑا۔

انگلستان سے واپس ہونے پر پنڈت جواہر لال نہرو نے الہ آباد ہائی کورٹ میں بیرسٹری شروع کر دی۔ اور ۱۹۱۳ء سے ۱۹۲۰ء تک یہ سلسلہ جاری رکھا چونکہ آپ کی طبیعت کا رجحان اس طرف کچھ زیادہ نہ تھا۔ اس لئے آپ نے تحریک عدم تعاون میں حصہ لینا شروع کر دیا۔ اور ۱۹۲۰ء میں وکالت ترک کر دی۔ ۱۹۲۰ء میں کلکتہ میں لالہ لاجپت راے کی زیر صدارت کانگریس کا خاص اجلاس منعقد ہوا جس نے تحریک عدم تعاون کا فیصلہ کیا۔ اب پنڈت جواہر لال نہرو نے کانگریس میں کھلم کھلا حصہ لینا شروع کر دیا اور ۱۹۲۱ء میں آپ چھ ماہ کے لئے گرفتار کر لئے گئے۔ اس کے بعد دو سال کے عرصہ میں آپ متعدد بار گرفتار اور رہا کئے گئے۔ لیکن کبھی چھ یا سات ماہ سے زائد جیل میں نہ رہے۔

۱۹۲۳ء میں آپ ریاست نابھا میں قانون شکنی کے سلسلہ میں ڈھائی سال کے لئے گرفتار کر لئے گئے لیکن فوراً ہی کچھ عرصہ کے بعد رہا کر دیئے گئے۔

۱۹۳۴ء میں کلکتہ میں باغیانہ تقریر کرنے کے الزام میں آپ کو دو سال کی سزا ہوگئی۔ لیکن مسز کملا نہرو آنجہانی کی خطرناک بیماری کی بنا پر قبل از وقت رہا کر دیئے گئے۔ جس کے فوراً بعد آپ یورپ روانہ ہوگئے جہاں کہ آپ کی رفیقۂ حیات زیر علاج تھیں۔

پنڈت جواہر لال نہرو ہندوستان کی قومی تحریک سے ہمیشہ منسلک رہے ہیں۔ ۱۹۱۲ء میں آپ کانگریس کے جنرل سکرٹری منتخب ہوئے اور ۱۹۲۹ء و ۱۹۳۶ء میں آپ کا انتخاب صدر کانگریس کی حیثیت سے عمل میں آیا۔

۱۹۲۶ء کا بیشتر حصہ آپ نے یورپ میں گذارا۔ جہاں آپ نے یورپی ملکوں میں ہندوستان کی آزادی کی آواز تقریروں اور تحریروں کے ذریعہ لوگوں تک پہنچائی۔

۱۹۲۷ء میں جب کہ سوویٹ روس کی سالگرہ منائی جارہی تھی پنڈت جی موصوف ماسکو میں تشریف فرما تھے۔ وہاں سے واپسی پر آپ نے روس کے حالات کو قلمبند کیا۔ اور ایک کتاب کی صورت میں شایع کیا۔ آپ نے واپسی پر مدراس کانگریس کا اجلاس دیکھا۔ اور وہاں مکمل آزادی کی تجویز پاس کرانے کی کوشش کی۔ جس کو بعد میں انھوں نے اپنی زیر صدارت لاہور میں پاس کرا دیا۔

۱۹۱۶ء میں پنڈت جواہر لال نہرو کی شادی ایک نہایت شریف اور اعلیٰ تعلیم یافتہ لڑکی سے ہوئی۔ جس نے آخری وقت تک ملک اور قوم کی خاطر اپنے ذاتی آرام اور مفاد اور زندگی تک کو قربان کر دیا۔ مسز کملا نہرو ہندوستان کی ان چند عورتوں میں سے تھیں جن پر ہندوستان جس قدر ناز کرے تھوڑا ہے۔ ہندوستان کی آزادی کے لئے کملا نہرو نے جس دلیری اور قربانی سے کام لیا ہے اس کی مثال ہندوستان میں پیدا ہونا محال ہے۔ گذشتہ سول نافرمانی کی تحریک میں کملا نہرو کی اَن تھک کوششیں اور قوت برداشت کبھی بھولی نہیں جا سکتیں۔ اُن کے انتقال پُرملال نے پنڈت جواہر لال نہرو کو آزادی کے میدان جنگ میں اکیلا چھوڑ دیا۔ پنڈت جی موصوف موجودہ نسل کے نوجوان لیڈر ہیں۔ جن کی بے غرض محبت اور قربانیوں سے انکار کرنا کفر ہے۔

پنڈت جواہر لال نہرو دُنیا کی ان چند ہستیوں میں سے ہیں جو اپنے دشمنوں سے بھی خراج وصول کرتے ہیں۔ انگلستان میں آپ سے اس قدر اختلاف رکھنے کے باوجود بھی لوگ ہمیشہ آپ کی تعریف کرتے ہیں۔ پروفیسر لاسکی جو علم سیاست میں دنیا کے ماہرین میں شمار ہوتے ہیں آپ کی تعریف حسب ذیل الفاظ میں کرتا ہے۔

"پنڈت جواہر لال نہرو کی رگوں میں سورج کا خون دوڑ رہا ہے۔ آپ کے والد ماجد نے آزادی کی لڑائی میں بے حد دلیری سے کام لیا۔ لیکن پنڈت نہرو اُن سے دو قدم آگے ہے۔ پنڈت نہرو ہندوستان میں صرف سیاسی انقلاب ہی نہیں بلکہ معاشرتی انقلاب بھی دیکھنا چاہتے ہیں۔ جس نے یہاں کے معاشی نظام کو بُری طرح سے جکڑ رکھا ہے"

اس وقت پنڈت جواہر لال نہرو نیشنل انڈین کانگریس کے صدر منتخب ہوئے ہیں۔ اب دیکھنا یہ ہے کہ آپ اپنے جدید خیالات کو کانگریس میں کہاں تک کامیاب بناتے ہیں۔ اور یہ واقعہ بھی ہے کہ اس وقت کانگریس کی باگ ڈور ایسے ہی نوجوان شخص کے ہاتھ میں ہونا بھی چاہیئے جس کی ملک کو سخت ضرورت ہے۔

خط وکتابت کرتے وقت چٹ نمبر کا حوالہ ضرور دیا کریں

سوویٹ پارلیمنٹ میں ایک دن

شاہی ایوان میں روس کی پارلیمنٹ کا اجلاس

(از مسٹر عزیز آزاد ہندی مقیم ماسکو کے قلم سے)

ایک غیر روسی اخبار نویس، مصنف، سیاست شناس اور شاعر و ادیب کے لئے جو روسی سیاست کا مطالعہ کر رہا ہو، اس سے زیادہ اور کوئی دلچسپ موقع نہیں مل سکتا۔ کہ وہ جا کر روسی پارلیمنٹ کے کسی اجلاس کی کاروائی خود اپنی آنکھ سے دیکھے اور مجلس مندرجین مدرس کے اجتماع کا ذکر دوسروں سے کرے۔

امریکہ، برطانیہ اور فرانس میں جس قسم کی پارلیمنٹیں قایم ہیں روس میں اس طریقہ پر کوئی چیز نہیں پائی جاتی، لیکن پھر بھی روس میں ایک نوع کی پارلیمنٹ پائی جاتی ہے جسے مرکزی مجلس عمل CENTRAL EXECUTIVE COMMITTEE کہتے ہیں۔ اس میں تمام اطراف روس اور اقوام و حصص مملکت کے نمائندے شریک ہوتے ہیں،

"مجلس عمل" کے اجلاس سابق زار روس کے شاہی محلات میں منعقد ہوتے ہیں یہ شاہی محلات کسی زمانہ میں روس کے زاروں کی شوکت و دولت دیکھ چکے ہیں۔ مگر آج کل جمہوریت کا غلغلہ ان میں بلند ہوتا ہے۔

زار روس کا تخت جس کمرہ یا عظیم الشان ایوان میں بچھا ہوا تھا وہاں آجکل جمہوریت روس کی "مجلس عمل" کے اجلاس ہوتے ہیں۔ یہ مقام "کرملین" ماسکو میں واقع ہے۔ کسی زمانہ میں یہ جگہ کروڑوں روپے کی دولت اپنے سینہ میں چھپائے رعب و زینت کا مجسمہ بنی کھڑی تھی مگر اب سادگی اور سیاسی غل شور کی آماجگاہ ہے۔ روس کے زار کی دولت و حشمت کا نام و نشان باقی نہ رہا۔

ایوان تخت شاہی فن تعمیر کا ایک لاجواب نمونہ تھا چھتیں سونے سے مرصع۔ جواہرات کی پچی کاری اور خوبصورت زینتوں اور نقوش سے جگمگایا کرتی تھی، اس کا نقشہ تقریباً ایسا ہی تھا جیسا کہ لال قلعہ دہلی میں دیوان عام کا ہے۔ یہ ایوان تین بڑے طویل حصوں میں منقسم ہے جس میں پانچ پانچ لمبے ستونوں کی قطاریں چلی گئی ہیں۔ یہ ستون سنگ مرمر کے ہیں اس ایوان شاہی کے بالکل نزدیک ہی ایک محل تھا جس کے کمروں میں بادشاہی ملبوسات رکھے جاتے تھے،

جب سے بجلی کا رواج ہوا تھا اس شاہی ایوان میں قندیلوں اور قمقموں کے ذریعہ نہایت تیز روشنی کی جاتی تھی تاکہ شاہی جواہرات قیمتی لباس اور ایوان کی مرصع کاری اور در و جواہر کے ٹکڑے جگمگائیں اور لوگوں پر رعب شاہی طاری ہو جائے۔ زار روس کے وقتوں کا یہ ایوان اپنی دولت و حشمت کے لحاظ سے ایک جدید یوروپین سلطنت کا محل ہونے سے زیادہ قدیم وضع کے مشرقی بادشاہ کا محل معلوم ہوتا تھا۔

مگر جب روس کی حکومت کسانوں، دہقانوں اور مزدوروں کے ہاتھ میں آئی تو یہ امید کرنا کہ جمہور زر و دولت کے ان انباروں کو برداشت کریں گے بالکل ناممکن تھا۔ چنانچہ نئی انقلابی حکومت نے اس ایوان کو تباہ کر دیا۔ سوائے اس کے کہ پرانی عمارت بدستور باقی رہنے دی ہے اور کچھ مزید تعمیر اور زینت کا اضافہ کر کے اسے مجلس کے لئے موزوں بنا لیا ہے

ایوان شاہی میں صرف ایک محدود تعداد کے لئے گنجائش نکالی گئی تھی جو صرف کھڑے رہتے تھے، لیکن جدید ایوان کو جب مجلس کے لئے وسیع کیا گیا اور نئی ترمیمیں کی گئیں، تو بہت کافی گنجائش نکل آئی اس وقت اس ایوان میں دو ہزار لوگوں کے لئے بچھی ہوئی نشستیں قایم کر دی گئی ہیں۔ اس ایوان میں ان نشستوں کے علاوہ ارد گرد کی غلام گردشوں اور دو رویہ برآمدوں میں اس قدر گنجائش ہے کہ سینکڑوں آدمیوں کے لئے گنجائش نکل سکتی ہے۔

اس ایوان کو مجلس عمل کے اجلاس اور نشست کے لئے کیوں منظور کیا گیا اس کی ایک وجہ یہ بھی ہے کہ اس میں لگے ہوئے سونے اور جواہرات کو برقرار رکھنے اور اس عمارت کی غور و پرداخت

(باقی اگلے صفحہ پر)

سوویٹ پارلیمنٹ میں ایکدن

شاہی ایوان میں روس کی پارلیمنٹ کا اجلاس

(پچھلے صفحے کا بقایا مضمون)

کے لئے ایک بڑا معیار رکھنا پڑتا اور بالشویکوں سے یہ امید رکھنی کہ وہ زار کی دولت وحشت کے ان دیکھا ہوا یا اس کی عمارتوں کے معیار بن کر مضبوط ہو گئے بالکل غیر ممکن تھا۔ اس لئے ان عمارتوں کو جمہور کے کام کے لئے وقف کر دیا گیا۔

سب سے پہلی ترتیب گزر۔ سال مجلس عمل کا اجلاس اس مقام پر منعقد ہوا ایوان کو بالکل بدل دیا گیا ہے۔ سنگ مرمر کے ستون نکال دئے گئے ہیں زر و جواہر اور سبت و نقوش کی جگہ تصاویر اور روغنی مرصع کاری کر دی گئی ہے۔ وسط میں سیاست دانوں کے لئے بکس بنا دئے گئے ہیں جن کو قیمتی ساز و سامان سے سجا یا گیا ہے۔ چاروں طرف رنگ برنگ کے ریشمی پردے اور قندیلیں آویزاں کر کے ایوان کی پرانی شان کو ایک نئے انداز سے پیش کیا گیا ہے۔ باہر سے کوئی آدمی آئے اور ایوان کی موجودہ سجاوٹ کو دیکھے تو وہ اس پر معترض نہیں ہوگا کہ زار کے زمانہ کی دولت و حشمت کا مظاہرہ تو بے شک نہیں دکھائی دے گا لیکن جہاں تک خوبصورتی نفاست اور جاہ و حشم کی آرائش کا تعلق ہے وہ سب بہاں ہٹا دی گئی ہو۔ یہ ایوان اب اس معیار پر آ گیا ہے جس کام کے لئے اسے استعمال کیا جاتا ہے یعنی جمہور کے نمائندوں کے لئے جلسے اجتماع کا کام۔ آجکل کے مانند سے حس مزاج اور بس مذاق کے لوگ جو ہیں وہ یکسر جا رہا ہے۔ اس کے مذاق کے مطابق یہ ایوان بالکل موزوں ہے۔

نئی عمارت میں اخبار نویسوں اور مدبرین سیاست کے لئے نشستوں کا انتظام تھیٹر کے بکسوں کی وضع سے کیا گیا ہے، لیکن وہ اس قدر فاصلے سے رکھے گئے ہیں کہ ممبران مجلس سے گفت و شنید یا اشارہ بازی نہیں کر سکتے جیسا کہ پہلے ہوا کرتا تھا۔ یہ لوگ ایک طائرانہ نظر سے تمام کارروائی کو دیکھ سکتے ہیں کہ کرۂ ارض کا ۱/۶ حصہ یعنی روس اور اس کے ارباب حل و عقد کیا کر رہے ہیں؟ اس کا تھوڑا بہت اندازہ ان اخبار نویسوں اور زائرین کو ہو جاتا ہے جو فاصلے سے بیٹھے ہوئے اس عظیم الشان مجلس کی نقل و حرکت اور گفت و شنید کو سمجھنے اور مطالعہ کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔

مجلس کی کارروائی بہت خشک اور غیر دلچسپ ہوتی ہے، کیونکہ بہت زیادہ یکساں اور غیر متبدل حالت میں کارروائی ہوتی ہے صدر کا نام میکائیل آدن وف کالینن ہے۔ اس کے ساتھ ۶ مزید صدر ہوتے ہیں جو ایک لمبی میز پر بیٹھتے ہیں اس میز پر زر کار سرخ میز پوش پڑا ہوتا ہے جس پر روس کی چھ جمہوریتوں کے نقوش ہوتے ہیں۔ ان چھ صدروں میں سے تین صدر مسلمان ہیں۔ ہر صدر کسی نہ کسی جمہوری وحدانیت کا نمائندہ ہوتا ہے صدر ایک مختصر تقریر کر کے اجلاس کی کارروائی شروع کرنے کا اعلان کرتا ہے جس چبوترے کی پشت پر لینین کا قد آدم مجسمہ کھڑا ہوا دکھائی دیتا ہے۔

اجلاس جب باقاعدہ شروع ہو جاتے تو ایجنڈا بالاتحمل پیش ہونا شروع ہوتا ہے اور اس پر رائے شماری ہوتی ہے۔ رائے شماری کا قاعدہ بالکل معمولی ہے یعنی جو لوگ موافق ہوتے ہیں ان سے ہاتھ اٹھانے کو کہا جاتا ہے۔ جو مخالف ہوتے ہیں ان کے بھی ہاتھ اٹھوائے جاتے ہیں۔ نیز غیر جانبدار لوگوں کو بھی ہاتھ اٹھانے پڑتے ہیں۔ لیکن بہت ہی کم ایسا ہوتا ہے کہ کسی معاملہ میں اختلاف پایا گیا ہو ورنہ عموماً ہر بات پر سب لوگ متفق ہوتے ہیں اور مخالف پارٹی کی رائے شماری کی نوبت ہی نہیں آتی۔

اس کی وجہ یہ ہے کہ روس میں پارٹی بازی کی سیاست نہیں ہے۔ یعنی صرف ایک پارٹی ہے یعنی مزدوروں اور کسانوں کی جماعت اور وہ ایک خیال و عمل پر متفق ہیں اور اس وجہ سے شاذ و نادر ہی کوئی تنازعہ مسئلہ سامنے آتا ہے۔

میں اس مجلس کے اجلاس میں کئی بار شریک ہو چکا ہوں لیکن شاید ایک بار بھی کوئی تحریک یا تجویز ایسی نہیں دیکھی جس کے خلاف ایک ہاتھ بھی اٹھا ہو۔

باقی صفحہ ۳۴ پر

مورخہ ۷ اپریل ۱۹۳۶ء بروز منگلوار

آرٹ اور اُس کی نکتہ چینی

فنی معیار کے متعلق ڈاکٹر ٹیگور کے خیالات

جب سے دنیا میں اعلیٰ ادب اعلیٰ شاعری اور اعلیٰ مصوری کا آرٹ موجود ہے۔ اُن آرٹسٹوں کو جن کے دل و دماغ بلند ترین تخلیقی چیزیں پیدا کرنے کے عادی ہیں ہمیشہ شکایت رہتی ہے کہ ناقدین آرٹ کی نکتہ چینیاں بے محل ہوتی ہیں اور اصلی آرٹسٹوں کے لئے قابل اعتنا نہیں ہیں۔ اسی سلسلہ میں کسی نے کہا ہے کہ:۔

THEREARE MANY CRITICS BUT FEW AUTHORS

یعنی ناقد اور نکتہ چیں تو بہت ہوتے ہیں لیکن مصنف بہت کم ہوتے ہیں۔ اس خیال کی تہ میں ایک دوسرا خیال یہ ہے کہ جب کوئی مصنف یا آرٹسٹ بہت کامیاب ہوتا ہے اور دنیا اس کے کمالات کی شہرت سے گونج اٹھتی ہے تو رشک و حسد کا جذبہ بعض دوسرے ناکامیاب لوگوں کو اس کی تصنیف اور آرٹ کی سخت ترین نکتہ چینی کی طرف مائل کر دیتا ہے اور اس کے ذریعہ یہ کوشش کی جاتی ہے کہ اس بلند پایہ آرٹسٹ کو دنیا کی نظروں سے گرا دیں اور اس کے فنی کمال کو نیچا دکھائیں۔

ڈاکٹر رابندرا ناتھ ٹیگور نے اسی موضوع پر "وشوا بھارتی" میں ایک مضمون لکھا ہے جس میں آپ فرماتے ہیں کہ پیشہ ور نکتہ چیں لوگ آرٹ کے اُس مقدس مندر کے دروازے پر بیٹھ جاتے ہیں جس کے اندر ان کو باریابی حاصل نہیں ہوتی اور جو لوگ مندر میں مصروف عبادت ہوتے ہیں اُن پر آوازے کستے ہیں اور اُن کو برا بھلا کہتے ہیں۔ لوگوں کو ڈرانا دھمکانا اور بہتوت لینا اُن لوگوں کا کام ہے لیکن حقیقت میں صرف وہی لوگ اس مندر تک پہنچنے کا حق رکھتے ہیں جو مقدس ماں کی سچی اولاد اور سچے پجاری ہیں:

جہاں تک اس مسئلہ سے پیشہ ور نکتہ چینوں کا تعلق ہے جو صرف رشک و حسد کے باعث آرٹ کی بہترین پیداوار کے نکتہ چیں بن جاتے ہیں اور اعلیٰ تصنیفوں کے کمالات کے متعلق دنیا کو دھوکا دینا چاہتے ہیں ۔

ہم ڈاکٹر ٹیگور کے نظریہ کو حرف بحرف تسلیم کرتے ہیں لیکن اس کے یہ معنی نہیں ہیں کہ آرٹ پر تنقید و تبصرہ کا سلسلہ قابل ملامت اور ہر طرح کی نکتہ چینی قابل اعتراض ہے، دیکھا گیا ہے کہ آرٹ بھی جب اپنے جوان جذبات کے دور سے گزر چکا ہے اور وسعت نظر اور شعوری قابلیت کی منزل میں پہنچا ہے تو مخالفانہ تبصرہ کو بھی پسند کرنے لگا ہے اور اس حقیقت کو تسلیم کر لیتا ہے کہ جس طرح دنیا کی ترقی کے لئے اعلیٰ آرٹ کی ضرورت ہے اسی طرح دنیا میں نکتہ چینوں کی بھی ایک خاص جگہ ہے اور بعض حالات میں ان کی نکتہ چینی آرٹ کو نقصان پہنچانے کی بجائے مفید ثابت ہوتی ہے:

ڈاکٹر ٹیگور کا فرمانا صحیح ہے کہ آرٹ کے مقدس مندر میں نکتہ چینوں کی رسائی نہیں ہو سکتی، لیکن اُن لوگوں کا کیا علاج ہے جو اصلی صلاحیت و قابلیت نہ رکھتے ہوئے بھی مصنف، شاعر اور آرٹسٹ بننا چاہتے ہیں اور اپنے دماغ کی ذلیل پیداوار سے آرٹ کو بدنام کرتے ہیں۔ مقدس مندر میں پوجا کرنے والے اعلیٰ آرٹسٹ تو صرف دو چار ہوتے ہیں باقی حشرات الارض کی ایک فوج ہوتی ہے جو مقدس مندر پر حملہ آور ہونا چاہتی ہے۔ ایسی ہی حالت میں نکتہ چینوں کی ضرورت ہوتی ہے جن کا فرض یہ ہے کہ ادنیٰ درجہ کے آرٹ کے تمام عیوب اور کھوکھلے پن کو ظاہر کر کے ایسے لوگوں کو جو بدنام کنندہ نکو نامے چند ہیں، آرٹ کے مقدس مندر کی طرف بڑھنے نہ دیں، اچھے آرٹ کو زندہ رکھنے کے لئے یہ بھی ضروری ہے کہ بُرے اور ناقص آرٹ کو پنپنے کا موقع نہ دیا جائے۔

اس لئے اگر آرٹ کے مقدس مندر کو نقل اور ناکارہ آرٹسٹوں کے دستبرد سے پاک رکھنا ہے تو آرٹ کی دنیا میں نکتہ چینوں کی موجودگی بھی ضروری اور لازمی ہے:

* * * * * * * * * *

ہوائی ڈاک کے انتظام میں تبدیلی

ہوائی ڈاک کی سروس کو زیادہ تر مفید بنانے کے لئے ڈاک کے اُن ہوائی جہازوں کے اوقات میں تبدیلی کر دی گئی ہے جو لندن سے مصر، ہندوستان اور افریقہ کے لئے روانہ ہوتے ہیں، موجودہ انتظام کے مطابق امپیریل ایرویز کے وہ طیارے جو مصر، فلسطین، عراق، ہندوستان، سیام، اور ملایا کو ڈاک لے جاتے ہیں، ہر منگل کو لندن سے روانہ ہوتے ہیں، اور انہیں راستوں سے آسٹریلیا کو ڈاک لیجانے والے طیارے ہر سنیچر کو روانہ ہوتے ہیں۔ جدید انتظام میں سنیچر کے روز کی روانگی تو برقرار رہے گی لیکن منگل کو جو ہوائی جہاز لندن سے روانہ ہوتے ہیں وہ آئندہ بدھ کو روانہ ہوا کرے گا اور اپنی رفتار کو تیز کر کے دوسرے مقامات پر بھی موجودہ وقت سے پہلے پہنچا کرے گا اس انتظام کے باعث ہوائی ڈاک کے پہنچنے میں ایک روز سے کر تین روز تک کی بچت ہو جائے گی ہندوستان کی ڈاک کے سلسلہ میں بھی کراچی اور لندن کے درمیان ایک دن بچ جائے گا اور امید کی جاتی ہے کہ اوقات کی یہ تبدیلی تجارت اور سفر کے سلسلہ میں مفید ثابت ہوگی

وائسرائے کے آنے اور جانے کی تقریب

ہندوستان کے پرانے وائسرائے لارڈ ولنگڈن بہت سی تلخ یادگاریں چھوڑ کر جا رہے ہیں اور نئے وائسرائے لارڈ لنلتھگو آ رہے ہیں کسی کو معلوم نہیں کہ ان کا رویہ کیا ہوگا بہرحال وائسراؤں کی اس آمد و رفت کے متعلق ایک خیال یہ پھیلا ہوا ہے کہ ہندوستان کی سرزمین پر آنے والے اور جانے والے وائسرائے ایک دوسرے سے نہیں ملتے۔ اس روایت کو سر آرس بارکر نے اخبار "سنڈے ٹائمز" کو ایک خط لکھتے ہوئے تاریخی حیثیت سے غلط ثابت کیا ہے۔ اس سلسلہ میں صرف ایک عجیب روایت ہے جسے ہم ناظرین کی ضیافت طبع کے لئے پیش کرنا چاہتے ہیں:۔

۱۸۵۷ء کے ہنگامہ کے پہلے جو رسم جاری تھی اس کے متعلق خود لارڈ ڈلہاوزی ۱۸۵۶ء میں تحریر کرتے ہیں: پہلے تین روز تک جانے والے گورنر جنرل نئے گورنر جنرل کی خوب دعوتیں کرتا ہے۔ اس کے بعد تین روز تک نیا گورنر جنرل پرانے گورنر جنرل کو اپنا مہمان بناتا ہے اس لئے میں نے بھی لارڈ ہارڈنگ کو ویسی ہی دعوتیں دیں جیسی کہ انہوں نے مجھے دی تھیں تمام وہی لوگ ... بالکل اسی لباس میں جو انہوں نے پہلی دعوت ... ان میں شریک ہوئیں ... لارڈ کرزن کے وقت سے اس رسم

کی بھی ... نرسی پرانے وائسرائے کی روانگی سے پہلے چند روز اس سے مشورہ کرے، اُس کے تجربات سے فائدہ اٹھائے اور کئی ضروری معلومات کو حاصل کرے۔

ایڈیٹری کی مشین!

برٹش براڈ کاسٹنگ کمپنی نے ایک نئے قسم کا آلہ ایجاد کیا ہے جس کا نام پروگرام مکسر ہے جس کا عمل یہ ہے کہ اگر گراموفون ریکارڈ سے کوئی گانا یا تقریر براڈ کاسٹ کی جا رہی ہے تو یہ آلہ خود بخود اس سے غیر ضروری چیزوں کو خارج کر دیتا ہے۔ یا گراموفون کے اگر چار یا پانچ ریکارڈ ایک ساتھ بجائے جاتے ہیں تو سب ریکارڈوں میں سے صرف ضروری چیزیں منتخب کر کے پروگرام میں شامل کر دیتا ہے اس آلہ کا بہترین استعمال اس وقت ہوتا ہے جب کسی دنگل یا میلے وغیرہ کی آوازوں کو براڈکاسٹ کرنا ہوتا ہے کیونکہ یہ پروگرام مکسر تمام غیر ضروری شور یا آواز کو خارج کر کے صرف ضروری آوازوں کو برقرار رکھتا ہے۔ ریڈیو کی یہ حیرت انگیز ایجاد بہت مفید ثابت ہو رہی ہے:

غبارہ کی پرواز کا رکارڈ!

انسان بہت دنوں سے یہ کوشش کر رہا ہے کہ کرۂ زمین سے اڑ کر دوسرے اجرام فلکی تک پہنچ جائے اس سلسلہ میں یورپ کے ماہرین سائنس بہت دنوں سے تجربے کر رہے ہیں۔ متعدد غباروں کی پرواز بھی اسی سلسلہ کی ایک کڑی ہے ۱۹۳۳ء میں میجر چیسٹر فورڈنی اور لفٹنٹ سٹل کا غبارہ ۶۱،۲۳۶ فٹ کی بلندی تک گیا تھا، لیکن پچھلے دنوں کپتان اسٹیونس اور کپتان اینڈرسن کی پرواز نے اس رکارڈ کو مات کر دیا ہے۔ ان کے غبارہ کی حیرت انگیز پرواز ...۷۴ فٹ تک پہنچی اس سے جو معلومات حاصل ہوئیں وہ یہ ہیں کہ اس مقام پر کاسمک شعاعوں کی تیزی زمین کے مقابلہ میں ایک سو پچاس گنا زیادہ تھی۔ اور برف آلود غبارے کے اندر کا ٹمپریچر ... ڈگری تھا۔ اب امید کی جا رہی ہے کہ مزید غباروں کی پرواز اس سے بھی بلند تر ہوگی اور مریخ اور چاند تک پہنچنے میں زیادہ آسانی ہو جائے گی مگر جہاں تک تجربات کے نتیجوں سے پتہ چلتا ہے یہ مرتبہ بین خیال نہیں ہے کہ ... غبارہ اس بلندی تک پہنچ سکے۔ اس لئے ضروری ہے کہ راکٹ طیاروں کا استعمال کیا جائے اس طرح کے تجربات روس اور جرمنی کے چند سائنسدانوں کے ہاتھ میں ہیں جو نہایت غور و فکر سے ... راکٹ کی تیاری میں مصروف ہیں جو مریخ یا چاند تک ... سفر کر سکے۔

اشارات

مسٹر انتھونی ایڈن کہتے ہیں کہ برطانیہ کا مقصد یہ ہے کہ یورپ کے پیچیدہ مسائل کا ایسا متفقہ حل نکالا جائے جس پر سب راضی ہوں۔

یہی مقصد ہر ہٹلر کا بھی ہے اور فرانس کا بھی لیکن اس مقصد کے سلسلہ میں ڈھونڈنا بہت کچھ نظر آتا ہے اور پاتا کچھ بھی نہیں۔

بمبئی کونسل کی پریذیڈنٹ کے انتخاب کے سلسلہ میں ملتوی شماری پر صرف ایک ممبر نے ڈاکٹر اتیجہ کر کو ووٹ دیا۔

جب ڈاکٹر صاحب کے ستنے معتقدین اور پیرو موجود ہیں تو ایسی حالت میں وہ آسانی سے خود اپنا ایک نیا مذہب قائم کر سکتے ہیں۔

ہر ہٹلر کا بیان ہے کہ یورپ ایک خاندان ہے اس لئے یہ مناسب نہیں ہے کہ خاندان کا ایک رکن دوسرے رکن کے گھر میں ہمیشہ دخلت کیا کرے۔

لیکن اس کا کیا جواب ہے کہ اس خاندان کا ہر فرد بندوق رکھتا ہے اور اس کے ذریعہ دوسرے افراد پر رعب جمانا چاہتا ہے۔

جدید بحری معاہدہ کی رُو سے ہوائی جہازوں کو لے جانے والے بحری جہاز کا وزن ۲۷ ہزار ٹن کی بجائے ۲۲ ہزار ٹن ہوگا

لیکن سوال یہ ہے کہ اگر ان کے وزن اور تعداد میں کوئی کمی نہ ہوئی تو جہاز کے وزن میں تخفیف سے کیا فائدہ!

اس معاہدہ کے مطابق جنگی جہازوں کو ۲۰ سال کی بجائے ۲۶ سال تک رکھا جائے گا۔

لیکن اگر جنگ چھڑ گئی تو دیکھ لیجیے گا کہ بعض جہازوں کو پانچ منٹ سے بھی زیادہ اس دنیا میں رہنا نصیب نہ ہوگا۔

مسٹر آصف علی کے جواب میں سر ظفر اللہ نے کہا تھا کہ آئندہ سال کے سلسلہ میں کچھ ملازموں کو برطرف کرنے کے لئے ایک اصول بنانے کے متعلق ریلوے بورڈ اور ریلوے مینز فیڈریشن کے درمیان مشورے ہو رہے ہیں۔

قدیم اصول تو یہی چلا آتا ہے کہ صرف چند کلرک اور چپراسی بحال رہنے دیے جائیں۔ ریلوے ملازمت کو غیر ہندوستانی تنہا ان ہی اصحاب کا نام ہے۔

۲۶ مارچ ۱۹۳۶ء

حبشی فوجوں نے ریلوے سٹیشن پر واقع اطالوی قلعہ پر حملہ کر دیا۔ یہ قلعہ ویکیٹ اور اریٹریا کی سرحد پر واقع ہے حبشی فوجوں نے اٹلی کی فوجوں کو بھگا دیا اور گولہ بارود کو جلا ڈالا۔ کیونکہ حبشی فوجوں کے پاس گولہ بارود کا کافی ذخیرہ موجود تھا۔

۲۷ مارچ ۱۹۳۶ء

اطالوی ہوائی جہازوں نے ایک گھنٹہ تک شہر ہرار پر بمباری کی۔ ابھی تک معلوم نہیں ہوا کہ کتنے اشخاص ہلاک و مجروح ہوئے۔ جو عمارتیں تباہ ہو گئی ہیں ان میں، ڈگرم گمرٹ فریغ مشن ہسپتال۔ فرانسیسی سفارت خانہ وائرلیس اسٹیشن اور جیل خانہ بھی شامل ہیں۔ ۱۵ بم مصری ہسپتال پر پڑے۔ اور کئی بم حبشی ریڈ کراس پر پڑے۔ تمام ہسپتالوں پر ریڈ کراس نشانات نمایاں طور پر نظر آ رہے تھے۔

۲۸ مارچ ۱۹۳۶ء

ہرار پر بمباری سے عدیس ابابا میں زبردست حیرت کا اظہار کیا گیا جو کہ ایک بڑا مسلم مرکز ہے۔ اب تک اطالوی فوج مسلمانوں پر حملہ سے احتراز کر رہی تھی۔ لیکن اب اس نے مسلمانوں پر بھی حملہ کرنا شروع کر دیا۔ شہر ہرار بالکل تباہ ہو گیا ہے۔

۳۰ مارچ ۱۹۳۶ء

ڈگاپور کے جنوب میں اٹلی اور حبش کی فوج میں زبردست مقابلہ ہوا جس میں طرفین کے ہزاروں آدمی کام آئے۔ گذشتہ دو روز کے اندر اطالوی فوج ورنڈاس کی جانب ۲۰ میل آگے بڑھی۔ لیکن حبشیوں کے رات کے حملوں نے اطالوی فوج کو پسپا ہونے پر مجبور کر دیا۔

حبش سے اطلاعات موصول ہونے کی وجہ سے کہ اطالوی ہوائی جہازوں نے ہرار پر بمباری کی اور زہریلی گیس کا اپنے دشمنوں کے خلاف استعمال کیا۔ انگلینڈ کی پبلک کو گہرا صدمہ پہنچا جس کا ثبوت اس امر سے ملتا ہے کہ پارلیمنٹ کے دونوں ایوانات میں اس کے بارے میں سوالات کئے گئے۔

۳۱ مارچ ۱۹۳۶ء

اطالوی فوج کے کمانڈر مارشل بیڈوگلیو کی بھیجی ہوئی اطلاع سے ظاہر ہوتا ہے کہ اطالوی بغیر کسی مزاحمت کے شمالی مورچہ کی جانب بڑھتے جا رہے ہیں اور اب اس علاقہ کو جو کہ جھیل ٹسانہ کے قریب واقع ہے اور جہاں دریائے بلیو نائل کی بالائی شاخ بہتی ہے شدید خطرہ در پیش ہے۔

یہ شاخ جھیل ٹسانہ کے جنوبی مشرقی کنارے سے نکلتی ہے۔ جھیل مذکور ۴۵ میل لمبی اور ۲۵ میل چوڑی ہے اور شمال سے جنوب تک پھیلی ہوئی ہے۔

اطالوی ہوائی جہازوں نے ہرار پر پھر بمباری کی۔ ۱۴ ہوائی جہازوں سے تین سو بم برسائے گئے جن میں سے ۵۰ مصری ریڈ کریسنٹ پر ۱۴ کیتھولک مشن پر۔ ۴ فرانسیسی ہسپتال پر اور ۴ حبش کے ملٹری ہسپتال پر۔ چونکہ شہر جلدی خالی کر دیا گیا تھا۔ اس لئے صرف ۱۴ آدمی بمباری سے ہلاک ہوئے۔

یکم اپریل ۱۹۳۶ء

اٹلی اور حبش کی فوجوں میں زبردست مقابلہ ہوا جس میں شہنشاہ حبش اور ان کی بہترین فوج کو زبردست شکست ہوئی۔ کہا جاتا ہے کہ یہ پہلی جنگ ہے جس میں شہنشاہ موصوف خود شریک ہوئے ہیں۔ جن فوجی سپاہیوں نے اس جنگ میں حصہ لیا ان کے متعلق یہ کہا جاتا ہے کہ وہ شہنشاہ کے خانگی سپاہی تھے۔ اور انہوں نے پیشتر کبھی لڑائی نہیں لڑی تھی۔

مارشل بیڈوگلیو کا بیان ہے کہ اٹلی کو اس جنگ میں زبردست فتح حاصل ہوئی ہے۔ اندازہ لگایا گیا ہے کہ سات ہزار حبشی ہلاک ہو گئے جن میں کئی نائب چیف بھی شامل ہیں۔ اٹلی کے بارہ فوجی افسر اور ۱۵ سپاہی ہلاک ہوئے۔ اور ۴۴ افسر اور ۱۵۲ سپاہی مجروح ہوئے۔ کہا جاتا ہے کہ ان کے علاوہ اریٹریا کے بھی ۸۰۰ افراد ہلاک یا مجروح ہو گئے۔ اطالوی فوج نے بہت سے حبشیوں کو قید کر لیا اور ان کا بہت سا سامان جنگ اپنے قبضہ میں لے لیا۔

شمالی مورچہ سے اطلاع موصول ہوئی ہے کہ وہاں شہر بلاتے پر بمباری کی گئی جو کہ ہرار کی فوج کا ہیڈ کوارٹر ہے اور ڈگاپور کی جنوب میں واقع ہے۔

بمبئی کا ایک اینگلو انڈین اخبار کہتا ہے کہ برطانیہ نے ہندوستان کو جو سب سے زیادہ مفید تحفہ عنایت کیا ہے وہ لا اینڈ آرڈر کی تھیوری یعنی قانون و امن کا نظریہ ہے۔

نظریہ سے زیادہ مفید تر غالباً قانون و امن کا عملی مظاہرہ ہے

خانہ تلاشیاں اور گرفتاریاں

مسٹر نعمت اللہ خاں شروانی کی برسی

ایک مقامی اخبار نے یہ سرخیاں دی ہیں۔ برسی بھی تو ایک محب وطن ہی کی تھی۔ بہر حال سرخیاں دلچسپ ہیں۔

ہندوستان کے آئندہ وائسرائے کی الوداعی دعوت کے موقع پر لارڈ ڈلمینڈ نے کہا کہ لارڈ لنلتھگو بھی انکسار اور عقیدت کی اسی اسپرٹ کے ساتھ ہندوستان جا رہے ہیں جو اسپرٹ لارڈ کرزن میں موجود تھی

اس میں کیا شک ہے؟ برطانی حکومت میں تو تمام وائسرایوں کی اسپرٹ ایک ہی ہوتی ہے۔

لارڈ لنلتھگو نے مستقبل کے لئے یہ اپیل کی کہ لوگ ان خوف اور شبہات کو بھول جائیں جو پہلے کے ناخوشگوار واقعات کے باعث حافظہ میں موجود ہیں۔

لیکن مشکل یہ ہے کہ وہ سب کچھ گورنمنٹ آف انڈیا ایکٹ؛ قانون ترمیم ضابطہ فوجداری اور دیگر سخت گیر قوانین کے سایہ میں موجود ہے۔

ایسوسی ایٹڈ پریس کی اطلاع ہے کہ مسٹر سبھاش چندر بوس مارسلز سے ہندوستان کو روانہ نہیں ہوئے۔

جس سے معلوم ہوتا ہے کہ عمال حکومت کس قدر دانا اور دُور اندیش ہے۔

آل انڈیا مسلم کانفرنس کے صدر کی حیثیت سے تقریر کرتے ہوئے سیٹھ عبداللہ ہارون نے مطالبہ کیا ہے کہ مٹی کے تیل اور دیا سلائی کے تمام ٹیکس منسوخ کر دیئے جائیں۔

کیسا خطرناک اور آتش گیر مطالبہ ہے!

اسمبلی کے کانگریسی ممبر مسٹر سری پرکاش نے دیہاتیوں کو یہ مشورہ دیا ہے کہ وہ اپنے پیروں پر کھڑے ہو جائیں۔

لیکن مشکل یہ ہے کہ ڈیڑھ صدی سے جاگیر ان کے سر پر کھڑا ہے۔

اسمبلی نے اوٹاوہ پیکٹ کو نامنظور کرتے ہوئے یہ ثابت کر دیا ہے کہ اس سے ہندوستان اور برطانی امپائر کی دوسری نوآبادیات کے رشتہ میں کھچاوٹ پیدا ہوتی ہے

پنڈت جواہر لال نہرو

"تیج ویکلی" کے خاص شاعر کے قلم سے

بہارِ گلشنِ صدق و صفا جواہر لال
مدبّروں میں مدبّر، یگانۂ عالم
سیاسیات کا ماہر، زکی و دانشمند
مخالفین بھی ہوتے ہیں جس پہ عکس افگن

فدائے قوم و وطن رہنما جواہر لال
مآلِ بیں و حقیقت نما جواہر لال
نکاتِ دہر کا عقدہ کشا جواہر لال
حقیقتوں کا ہے وہ آئینہ جواہر لال

تمام مشرق و مغرب ہے اس کا گرویدہ
خلوص اس کا ہی شیوہ سچائی اس کا شعار
خجل ہو بلبلِ گلشن وہ ہے تری تقریر
غریب ہم وطنوں کی ہے فکر دامنگیر

نظر میں رکھتا ہے وہ کیمیا جواہر لال
ہے روحِ الفت و جانِ وفا جواہر لال
ریاضِ ہند کا رنگیں نوا جواہر لال
ہے دردِ قوم کا غم آشنا جواہر لال

خلوصِ دل نے ہے اس کے اثر یہ پیدا کیا
ہر ایک کہتا ہے یہ ہے مرا جواہر لال

کانگریس کے مختلف سالانہ اجلاس اور ان کے صدر

کانگریس کے اجلاس لکھنؤ کے سلسلہ میں ذیل کی معلومات قارئین تیج دہلی کے لئے دلچسپ ثابت ہوں گی۔ (ایڈیٹر)

اجلاس نمبر	سال	مقام	نام صدر
۱	۱۸۸۵ء	بمبئی	مسٹر ڈبلیو سی بنرجی
۲	۱۸۸۶ء	کلکتہ	مسٹر دادا بھائی نوروجی
۳	۱۸۸۷ء	مدراس	مسٹر بدرالدین طیب جی
۴	۱۸۸۸ء	الہ آباد	مسٹر جارج یولے
۵	۱۸۸۹ء	بمبئی	سر ولیم ویڈربرن
۶	۱۸۹۰ء	کلکتہ	مسٹر پی ایم مہتہ
۷	۱۸۹۱ء	ناگپور	مسٹر پی آنندا چارلو
۸	۱۸۹۲ء	الہ آباد	مسٹر ڈبلیو سی بنرجی
۹	۱۸۹۳ء	لاہور	مسٹر دادا بھائی نوروجی
۱۰	۱۸۹۴ء	مدراس	مسٹر الفریڈ ویب
۱۱	۱۸۹۵ء	پونہ	مسٹر سریندر ناتھ بنرجی
۱۲	۱۸۹۶ء	کلکتہ	مسٹر رحمت اللہ سیانی
۱۳	۱۸۹۷ء	امراؤتی	مسٹر سی شنکرن نائر
۱۴	۱۸۹۸ء	مدراس	مسٹر اے ایم بوس
۱۵	۱۸۹۹ء	لکھنؤ	مسٹر آر سی دت
۱۶	۱۹۰۰ء	لاہور	مسٹر این جی چندا ورکر
۱۷	۱۹۰۱ء	کلکتہ	مسٹر ڈی ای واچا
۱۸	۱۹۰۲ء	احمد آباد	مسٹر موتی لال گھوش
۱۹	۱۹۰۴ء	بمبئی	سر ہنری کاٹن
۲۰	۱۹۰۵ء	بنارس	شریمت گوپال کرشن گوکھلے
۲۲	۱۹۰۶ء	کلکتہ	دادا بھائی نوروجی
۲۳	۱۹۰۷ء	سورت	ڈاکٹر راش بہاری گھوش
۲۳	۱۹۰۸ء	مدراس	
۲۴	۱۹۰۹ء	لاہور	پنڈت مدن موہن مالوی
۲۵	۱۹۱۰ء	الہ آباد	مسٹر ولیم ویڈربرن
۲۶	۱۹۱۱ء	کلکتہ	پنڈت بشن نرائن دھر
۲۷	۱۹۱۲ء	بانکی پور	شریمت آر۔ این۔ مدھولکر
۲۸	۱۹۱۳ء	کراچی	نواب سید محمد
۲۹	۱۹۱۴ء	مدراس	شریمت بھوپندر ناتھ بسو
۳۰	۱۹۱۵ء	بمبئی	شریمت ایس پی سنہا (لارڈ سنہا)
۳۱	۱۹۱۶ء	لکھنؤ	شریمت امبیکا چرن مزمدار
۳۲	۱۹۱۷ء	کلکتہ	مسز اینی بیسنٹ
اسپیشل	۱۹۱۸ء	بمبئی	مسٹر حسن امام
۳۳	۱۹۱۸ء	دہلی	پنڈت مدن موہن مالوی
۳۴	۱۹۱۹ء	امرتسر	پنڈت موتی لال نہرو
اسپیشل	۱۹۲۰ء	کلکتہ	لالہ لاجپت رائے
۳۵	۱۹۲۰ء	ناگپور	شریمت سی وجے راگھوا چاریہ
۳۶	۱۹۲۱ء	احمد آباد	شریمت سی۔ آر۔ داس

(صدر منتخب کے جیل میں ہونے کے باعث حکیم اجمل خانصاحب نے صدارت فرمائی۔)

اجلاس نمبر	سال	مقام	نام صدر
۳۷	۱۹۲۲ء	گیا	شریمت دیش بندھو سی آر داس
اسپیشل	۱۹۲۳ء	دہلی	مولانا ابوالکلام آزاد
۳۸	۱۹۲۳ء	کوکناڈا	مولانا محمد علی
۳۹	۱۹۲۴ء	بیلگام	مہاتما گاندھی
۴۰	۱۹۲۵ء	کانپور	شریمتی سروجنی نائیڈو
۴۱	۱۹۲۶ء	گوہاٹی	شریمت سری نواس آئینگر
۴۲	۱۹۲۷ء	مدراس	ڈاکٹر ایم اے انصاری
۴۳	۱۹۲۸ء	کلکتہ	پنڈت موتی لال نہرو
۴۴	۱۹۲۹ء	لاہور	پنڈت جواہر لال نہرو
۴۵	۱۹۳۱ء	کراچی	سردار ولبھ بھائی پٹیل
۴۶	۱۹۳۲ء	دہلی	سیٹھ رنچھوڑ لال
۴۷	۱۹۳۳ء	کلکتہ	مسز نیلی سین گپتا
۴۸	۱۹۳۴ء	بمبئی	بابو راجندر پرشاد
۴۹	۱۹۳۶ء	لکھنؤ	پنڈت جواہر لال نہرو

کیا آپ کو معلوم ہے کہ

دنیا کا سب سے بڑا چاقو ایک مرتبہ لندن نمائش میں دکھایا گیا تھا۔ یہ ۱۸۵۱ء میں بنایا گیا تھا اور اس کے ۱۰۵ پھل تھے۔

شہنشاہ جارج پنجم کے پاس ایک ہزار سے زیادہ ٹائم پیس اور گھڑیاں تھیں۔

ایڈنبرگ کے جیمز ڈونلڈسن نے اپنے ایک چھوٹے کمرہ کی دیواروں پر ڈاکخانہ کے ۱۰۰۰۰۰ ٹکٹ چپکائے ہیں۔

جرمنی کے ایک عادی چور کو ۵۰۰ چوریوں کے لئے ۲۴ سال کی قید کی سزا دی گئی تھی۔

لندن کے بانڈ سٹریٹ میں اس وقت ایک مربع فٹ زمین کی قیمت ۴۰ پونڈ (سوا پانچ سو روپے) ہے۔

دنیا میں اس وقت تک انسانی بالوں کی ۱۷ مختلف قسمیں دریافت ہو چکی ہیں۔

ہمارے ناخن ہر سال تقریباً ڈیڑھ انچ بڑھتے ہیں۔

افسانہ

گجراتی زبان کے ایک مشہور افسانہ نگار پرشیرم بابو کی ایک کہانی کا ترجمہ

(از جناب اظہر علی فاروقی۔ اُدے پرتاپ کالج بنارس)

{خاص "تیج ویکلی" کے لئے}

"چھوڑ دے ... ارے چھوڑ دے ٹپو! بلی نہیں تو زندہ نہ چھوڑوں گی۔"

"... ارے ... اے ..."

گاؤں کی آبادی سے باہر برگد کے ایک گھنے اور بھاری درخت کے نیچے پھٹی ساڑی پہنے دس بارہ سال کی ایک لڑکی اپنے کتے سے کہہ رہی تھی۔ ایسا معلوم ہوتا تھا کہ ان دونوں کا کوئی والی وارث نہ تھا۔ کتے کا نام ٹپو تھا اور لڑکی کا گنّی۔ کتے کے منہ میں ایک گلہری تھی جو اپنی جان بچانے کی کوشش کر رہی تھی۔ گنّی، ٹپو کو تنبیہہ کر رہی تھی کہ گلہری کو چھوڑ دے۔ کتے نے اس تنبیہہ کی پروا نہ کی اور وہ گلہری کے ساتھ کھیلنے میں مست رہا۔

گنّی جھنجلا گئی اور وہیں پڑی ہوئی ایک اینٹ اٹھائی۔ جس کو ٹپو نے دیکھا اور گویا اُس نے زبانِ حال سے کہہ دیا۔ "گنّی فضول ناراض ہوتی ہو، دیکھو وہ مر تو گئی نہیں۔ میرے منہ میں وہ کیسی محفوظ اور کھڑا رہے۔"

آناً فاناً اس نے گلہری چھوڑ دی۔ مگر اس بیچاری کی کمر ٹوٹ گئی تھی۔

"ارے نگوڑے تو کتنا بے رحم ہے تجھے ذرا بھی ترس نہ آیا۔" ... "بیچاری!" گنّی نے چلّا کر کہا۔ گلہری کچھ سنبھلی اور ایک آدھ قدم آگے بڑھی ٹپو نے اپنی ٹانگوں کو بڑھایا اور للچائی ہوئی نظروں سے اپنے شکار کو دیکھنے لگا۔ دل میں سوچنے لگا کہ دیکھیں کب گنّی اس کی جان بچانے کے لئے بڑھتی ہے اور کب اس پر وہ ٹوٹ پڑتا ہے۔

"جانتا ہے کہ نہیں ... " ... میں جانتی ہوں تیری مرضی کیا ہے، ہتیارا کہیں کا! دور ہو یہاں سے!" گنّی نے غصہ ہو کر کہا اور پھر ایک اینٹ اٹھائی۔ ٹپو گیند کی طرح اچھلتا کودتا دوڑا، اور گلہری کو اپنے منہ میں دبا کر بھاگ گیا۔

"اب آنا ادھر" ... "ہتیارے کہیں کے!" اینٹ پھینکتے ہوئے گنّی نے کہا ٹپو نے گنّی کے غصہ کی کوئی پروا نہ کی۔ دور جا کر نہایت اطمینان سے اپنے شکار کو کھاتا رہا۔ کھانے کے بعد زبان اور منہ صاف کر لیا، پھر آنکھیں بند کئے ہوئے آہستہ آہستہ گنّی کی طرف بڑھا گنّی برگد کے نیچے ایک چٹان پر بیٹھی خشک روٹیوں کے ٹکڑے کھانے میں مشغول تھی۔ ٹپو کو آتے ہوئے اُس نے دیکھا۔ مگر کچھ توجہ نہ کی۔ ... کس طرح گنّی کے پاس جائے، اور کس طرح اُسے پھسلائے" یہ سب ٹپو نے پہلے ہی سوچ لیا تھا۔

گنّی کے پاس آ کر وہ کھڑا رہا لیکن گنّی نے اس کی طرف آنکھ بھی نہ اٹھائی۔ ٹپو نے اگلی ٹانگوں سے زمین کو کریدنا شروع کیا۔ گویا کہہ رہا تھا "گنّی، اے گنّی! میں آ گیا ہوں۔ ذرا دیکھو تو۔" پھر غرانے لگا۔ اُس کا غرانا سنکر گنّی نے اُس کی طرف دیکھا۔ لیکن اُس کا پارہ ابھی نیچے نہ اترا تھا۔ وہ برابر اپنی نگاہ روٹی پر جمائے رہی۔ اور کھانے میں مگن۔ ٹپو کو یہ فرعونیت پسند نہ آئی۔ اتنا غصہ چھوٹی سی گلہری کے لئے! چاہے گنّی مار کیوں نہ ڈالے لیکن ... ٹپو آگے بڑھا۔ اپنا منہ اس کے قدموں پر رکھ دیا۔ گنّی نے اپنے سارے جسم کی طاقت لگا کر اُسے زور سے دھکا دیا اور وہ کچھ دور جا کر گر پڑا۔ لیکن سنبھل کر پھر اُس کے پاس آ گیا۔ گویا کہہ رہا ہے بہن،

"بہن گنّی! ہاتھوں میں چوٹ تو نہیں لگی؟"

"بدمعاش، شرم بھی نہیں آتی۔ ہٹ یہاں سے، ابھی وہ بیچاری گلہری ... ابھی پیٹ میں ہضم بھی تو نہ ہوئی ہوگی، اور تو میری خوشامد کرنے آیا ہے۔ دور ہو بے رحم کہیں کا!" اتنا کہتے کہتے اُس نے ایک لات اور جمائی۔

ٹپو زور سے چلّایا اور کچھ دور جا کر کھڑا ہو گیا۔ گویا جھنجلا کر روٹھ گیا ہو۔ کچھ دیر یہ جھگڑا یوں ہی جاری رہا۔ گنّی سوکھی روٹی کے ٹکڑے کھانے میں مست رہی اور ٹپو ادھر روٹھا کھڑا رہا۔ لیکن وہ دل سے روٹھا نہ تھا۔ کیونکہ وہ جانتا تھا غلطی اسی کی ہے۔ اُسی نے گنّی کو ناراض کیا ہے جس طرح ہو سکے گنّی کو منانا چاہیئے،

یکایک وہ دھول میں لوٹنے لگا اور کوں کوں ... کرنے لگا۔ گنّی نے اس کی طرف دیکھا۔ ٹپو دھول میں لوٹ رہا ہے اور رو رہا ہے اُسے رحم آ گیا۔ اُس نے دل میں کہا۔

"بیچارہ ، ہو گئی" پھر وہ اُس کی طرف مشفقانہ نظروں سے دیکھ کر بولی۔

"ٹپو! دیکھ، اب کبھی ایسا کام نہ کرنا۔ نہیں تو پھر کبھی تیرا منہ نہ دیکھوں گی

آ، ادھر، اُس نے اپنی روٹی سے دو ٹکڑے ٹپو کی طرف پھینکے؛ ٹکڑوں کی پروا نہ کی۔ وہ اٹھا اور گنّی کے پاس جا کر اُس نے اپنا منہ اس کے دوپٹہ کے آنچل میں چھپا لیا۔

گنّی ہنس دی۔ "پاگل کہیں کا۔ دیکھ اب کبھی ایسا نہ کرنا۔ پھر اُس کے گھنے بالوں پر ہاتھ پھیرنے لگی ... ...

یہ دونوں ساتھی ایک دوسرے سے اس طرح بار بار لڑتے جھگڑتے، ایک دوسرے سے روٹھتے اور آخر کار معافی مانگ ایک ہو جاتے ایک دن دونوں لاوارث ایک دوسرے سے ندی کے کنارے ملے تھے، اور جبھی سے ایک دوسرے کے تعلقات ہیں۔ گویا جنم سے ایک دوسرے کو پہچانتے ہیں۔ ٹپو گنّی سے ایک لمحہ بھی جدا رہنا پسند نہ کرتا تھا، اور گنّی کو اس کی جدائی ایک سکینڈ کے لئے بھی شاق تھی، ایک کو دوسرے سے انتہائی محبت تھی گویا وہ بھائی بہن ہوں۔

اسی برگد کے پاس ایک دھرم شالا تھا۔ اسی کے چبوترے پر گنّی رات

(باقی اگلے صفحہ پر)

حسنِ تغزل

خاص ”تیج ویکلی“ کے لئے

(از جناب منشی بشیشور پرشاد صاحب منوّر لکھنوی)

جب یہ حالت ہو تو معلوم ٹھکانا دل کا
بھر گئے پاؤں جہاں قصد کیا منزل کا

طرب و غم کے ہر انداز میں کی لاکھ تلاش
نہ کھلا پر نہ کھلا رازِ سکونِ دل کا

خاک ہو کر اسے معراجِ فنا حاصل ہے
کر دیا غم نے بلند اور بھی پایہ دل کا

زندگی نغمۂ جاوید بنی جاتی ہے
آج جنبش میں ہر اک تار ہے سازِ دل کا

ابھرے خود اپنے سہارے سے تو ابھرے ورنہ
نام لے ڈوبنے والا نہ کبھی ساحل کا

تیز گامی کے طریقوں سے خبردار کیا
کیوں نہ ممنون ہوں میں رہگزرِ مشکل کا

کہیں گمراہ بنا دے نہ فریبِ امید
ہر قدم پر مجھے ہوتا ہے گمان منزل کا

ہم سے جتنا بھی تقاضہ یہ کئے جائیگی
ساتھ اتنا ہی دئے جائینگے ہم منزل کا

اے منوّر تجھے مرنے پہ یہ ہوگا معلوم
کیا تھا رتبہ ترے مجموعۂ آب و گِل کا

(پچھلے صفحہ سے)

سینٹی گریڈ تک کوئی پانچ سات منٹ تک گرم کریں، اور نکال کر باہر ٹھنڈا ہونے دیں۔

فوسس بادوک اوپر اب گتے کا ایک دھکنا دیں جس سے صرف کاربن کا ٹکڑا ہی کے اوپر مٹی کی ٹوپی سے باہر رہ جاوے گا۔ گتے کے اوپر گرم گرم پگھلا ہوا سپوڑ ڈال دیں جس سے سلنڈر کا منہ بالکل بند ہو جاوے گا۔

اب ڈرائی سیل تیار ہے۔ باہر ایک گتے کا خول چڑھا کر اس کے اوپر لیبل چسپاں کر کے آپ مارکیٹ میں بھیج سکتے ہیں،

نیچے دیئے ہوئے سلوشنوں کے استعمال سے ایک اعلیٰ قسم کی بیٹری تیار ہوگی جو ہر حالت میں دوسری قسم کی بیٹریوں سے بہتر ہوگی۔

مکسچر نمبر ۱: مینگنیز ڈائی آکسائیڈ

MANGANESE DIOXIDE ایک پونڈ

بلیک لیڈ (BLACK LEAD) تین پونڈ

ان کو ملا کر اس میں ۲ داونس نیچے دیا ہوا سلوشن ڈال دیں۔

زنک کلورائیڈ چار اونس ———
ایلومینیم کلورائیڈ ایک اونس ———
پانی ۶-۱۰ اونس ———

مکسچر نمبر (۲)

ایلومینیم کلورائیڈ	ایک حصہ ———
زنک کلورائیڈ	ایک حصہ ———
پلاسٹر آف پیرس	تین حصہ ———
پانی . . .	۲ دو حصہ ———
مرکری کلورائیڈ . .	۱/۲ حصہ ———

مکسچر نمبر (۳)

گندہ بروزہ — پانچ حصہ ———

تارپین کا تیل — ایک حصہ ———
چاک . . . تین حصہ ———
لال یا نیلا رنگ — تین حصہ ———

تازہ ترین تحقیقات و معلومات
چند تازہ ترین تحقیقات و معلومات

انسولین کے موجد کنندہ ڈاکٹر سی۔ ایچ۔ بیسٹ نے ایک نئی وٹامن دریافت کی ہے جس کا نام مجوزہ نے وٹامن ایف یا اینٹی فیٹ کے بجائے کولین رکھا ہے۔ یہ ثابت ہو گیا کہ انسولین یا نقرس یا لبلبہ کی رطوبت ہے اور یہ جسم میں شکر کے تناسب کو قائم رکھتی ہے۔ ذیابیطس کے جسم میں نہ ہونے سے مرض ذیابیطس پیدا ہو جاتا ہے، اور شکر لیور میں جمع رہنے کی بجائے خون میں حل ہوتی رہتی ہے اور چونکہ خون میں شکر کی ایک خاص مقدار چاہیے اس لئے فالتو شکر پیشاب کے راستہ خارج ہونے لگتی ہے جو کہ ایک نہایت خطرناک بات ہے۔ اس نئی وٹامن کی مدد سے بھی یہی نتائج پیدا کئے جا سکتے ہیں جو کہ انسولین کو جسم میں انجیکٹ کرنے سے اور یہ دیکھا گیا ہے کہ اگر جسم میں یہ وٹامن موجود ہو تو لیور اپنا کام مستعدی سے کرتا رہتا ہے اور جو شکر وہاں تک پہنچتی ہے وہ پانی میں حل نہ ہونے والے نئے مرکب گلائیکوجن میں تبدیل ہوتی رہتی ہے۔

وٹامن کے نہ ہونے سے لیور اپنے کام میں سست ہو جاتا ہے ڈاکٹر بیسٹ کے ساتھی مسٹر فلیٹین نے حال ہی میں اس نئی وٹامن پر بہت کام کیا ہے۔ اور اپنے نظریہ کو پایۂ ثبوت تک پہنچا دیا ہے۔ یہ وٹامن گوشت۔ انڈوں اور خمیر میں کثرت سے پائی جاتی ہے۔

* * * * * * * * * * *

ناظرین نے الیکٹرو۔ کارڈیوگراف کا نام سنا ہوگا یہ ایک آلہ ہے جو کہ دل کی حرکتوں کو بجلی کی لہروں میں تبدیل کر کے ایک گراف خود بخود کاغذ پر بنا تا جاتا ہے جس پر غور کرنے سے ماہر لوگ دل کی بیماریوں کی جانچ کر سکتے ہیں۔

اب ایک اور نیا آلہ ایجاد ہوا ہے جس کا نام "الیکٹرو۔ اینسیفیلوگراف" رکھا گیا ہے۔ یہ آلہ دماغ کی مختلف حالتوں کو اسی طرح گراف کی شکل میں کاغذ پر لا سکتا ہے۔ دماغ کے اندر کی بجلی کی لہریں بیماری اور تندرستی کی حالتوں میں کم و بیش ہوتی رہتی ہیں۔ اس کا ایک خاص شکل کا تیار کیا ہوا ٹکڑا دماغ کے اوپر کی کھال کے نزدیک لگا دیا جاتا ہے۔ جو کہ دماغ کے اندر گزرنے والی لہروں کو چن کر ریڈیو کے اصول پر ان معمولی سی لہروں کو خوب بڑھا لیتا ہے جس کی وجہ سے یہ لہریں ایک آسیلوگراف کو چلا سکتی ہیں۔ آسیلوگراف سے نکلتی ہوئی روشنی ایک فوٹوگراف کی فلم پر پڑتی ہیں اور فلم پر دماغ کی لہریں ایک گراف کی صورت میں ریکارڈ ہو جاتی ہیں۔

بوسٹن کے ہسپتال اور براؤن یونیورسٹی کے ڈاکٹر ایچ۔ ایچ۔ جاسپر اور ڈاکٹر کارمائیکل نے اس آلے کو استعمال کر کے یہ ثابت کر دیا ہے کہ یہ ایک نہایت فائدہ بخش چیز ہے اور اس کی مدد سے اب دماغی بیماریوں کی شناخت نہایت آسان ہونی ممکن ہے۔

* * * * * * * * * * *

برٹش میڈیکل کالج منکاگنے سے خبر آئی ہے کہ ایک عجیب و غریب جاپانی مچھلی جس کو بٹرلنگ کہتے ہیں پتہ بتلا سکتی ہے کہ مادہ کو حمل قرار پا گیا ہے کہ نہیں وہاں کے ڈاکٹر اس چیز کو اب عام استعمال کر رہے ہیں اور ان کا خیال ہے کہ اس مچھلی کا استعمال جلدی دنیا بھر میں پھیل جاوے گا۔ اگر ٹب پانی کے بھرے ہوئے پیالہ میں مادہ کے گردہ کی رطوبت کے چند قطرے ڈال دئے جاویں اور اس میں اس مچھلی کو چھوڑ دیا جائے تو ۲۴ گھنٹہ کے اندر اندر اس مچھلی کے پیٹ کی طرف سے ایک نیا لمبا سا پر باہر نکل آتا ہے۔

عورتوں کا صفحہ

دہلی یونیورسٹی کے کنووکیشن کے موقعہ پر ڈگریاں حاصل کرنے والی چند لڑکیوں کا ایک فوٹوگروپ

کٹک کے گورنمنٹ میڈیکل کالج کی فسٹ ائیر کی ایک لڑکی مس کملا راؤجسے مہاراجہ جےپور نے ڈھائی سو روپیہ کا وظیفہ دینا منظور کیا ہے

لاہور کی کملا گوسوامی اور مس دیوتی دیوان نے انٹر کالج مقابلہ میں ٹروفی بطور انعام حاصل کی ہے

فن رقص مشہور ماہرہ کملیش کماری

بچوں کا صفحہ

اخروٹ کی کہانی

(از جناب فراق)

بہت دور پہاڑوں پر شاہ بلوط کا جنگل ہے۔ اس میں بہت سے اخروٹ کے درخت بھی ہیں۔ بہار کے موسم میں اخروٹ کا درخت پھولتا ہے۔ تو اس کے بھورے بھورے پھول بہت اچھے معلوم ہوتے ہیں۔ جیسے بھیڑ کے بچوں کی بھدی بھوری دُم ہوا میں لہرا رہی ہو۔ کہیں ول ول پھول بھی کھلتے ہیں مگر وہ اتنے کم ہوتے ہیں کہ تم انہیں مشکل سے دیکھ سکتے ہو۔ جب کلی کے ریزے جھڑ جاتے ہیں تو ان میں دانے لگتے ہیں۔ اور گرمیوں کے ختم تک ننھی ننھی گولیوں کے برابر ہو جاتے ہیں۔ یہ ڈنڈے ایک خوشے میں دو۔ دو۔ تین تین۔ چار چار اور کبھی کبھی بہت ہوتے ہیں۔ ہمارے دانے پر پھول کی پنکھڑیوں کی طرح ہری ہری نرم ڈوبلی ہوتی ہے جب یہ بڑے ہو جاتے ہیں تو اخروٹ کی گریں اس ٹوپی سے باہر سر نکالتی اور ہوا اور دھوپ سے پک کر اپنی اصلی حالت پر آ جاتی ہیں۔

ہمارے اخروٹ میاں جن کی یہ کہانی ہے جنگل کے کنارے ایک درخت میں اکیلے پیدا ہوئے تھے۔ آس پاس کے درختوں پر ایک ایک خوشے میں دو۔ دو۔ تین تین اخروٹ تھے۔ مگر یہ حضرت تمام درخت میں اکیلے تھے درخت ان کی بڑی دیکھ بھال اور چوکیداری کرتا تھا۔ وہ یہ کھلی ہوا۔ دھوپ اور بارش میں مزے سے پل رہے تھے۔ یہ بڑے ہی پیارے تھے اور درخت کو ان پر بڑا ناز تھا۔

بے چارا درخت ہر وقت اس فکر میں رہتا تھا کہ نہ جانے میرے اس پیارے اخروٹ پر کیا گذرے۔ میں نے اب تک ایسا خوبصورت اور پیارا اخروٹ نہیں دیکھا۔

اخروٹ میاں ہوا کے جھونکے میں مزے سے جھولتے اور یہ گیت گایا کرتے

کیا ہوگا ... اور تم کیا دیکھو گے
میں جہاں ہوں اور یہیں رہوں گا
درخت کی سب سے اونچی چوٹی پر

اور اسی طرح دن پر دن دھوپ اور ہوا میں بڑھتے رہے۔

ایک دن اگست میں ایک بڑا بھدا کوّا کہیں سے اڑتا ہوا اور اخروٹ کو دیکھ کر بولا:-

"آہا! کیا بڑھیا اخروٹ ہے"

اور اپنی مضبوط چونچ سے اُسے کھینچنے لگا۔ اخروٹ میاں نہایت مضبوطی سے اپنی جگہ پر اڑے رہے اور ذرا نہ ہلے۔ کہنے لگے۔ جناب کوّے صاحب! آپ مجھے کتنا ہی اپنی مضبوط چونچ میں جھنجوڑیئے مگر آپ مجھے اس شاخ سے نہیں جھٹک سکتے۔

کوّا مایوس ہو کر اڑ گیا اور اخروٹ میاں ہوا کے جھونکے میں مزے سے جھولنے لگے۔

ستمبر میں ایک روز بی گلہری ایک درخت پر اِدھر اُدھر کود رہی تھیں کہ ان کی نظر اخروٹ پر جا پڑی۔ بے اختیار بول اٹھیں واہ! کیا بڑھیا اخروٹ ہے میں اسے ذرا لے جاؤں گی اور جاڑے میں کام آئے گا۔ فوراً درخت کی چوٹی پر چڑھ گئیں اور ہلانے لگیں مگر درخت بڑی مضبوطی سے شاخ کو پکڑے رہا اور کہنے لگے

بی گلہری۔ کوّے صاحب کو تو میں نے خوش ہونے ہی نہیں دیا۔ آپ ہزار ہلائیں کھینچیں لیکن آپ مجھے اس جگہ سے ہلا کر نہیں گرا سکتیں۔

بی گلہری بھی چلی گئیں اور اخروٹ میاں ہوا کے جھولے پر مزے سے جھولتے رہے۔

ایک روز اکتوبر میں ننھی اور ان کے ننھے سے بھائی بڑے بڑے ڈنڈے اور ایک ٹوکری لئے جھومتے جھامتے جنگل میں اخروٹ توڑنے آئے انہوں نے ہمارے اخروٹ میاں کو دیکھ لیا اور کہنے لگے:-

"اوہو کیسا بڑھیا اور پکا ہوا اخروٹ ہے"

وہ اخروٹ تک اپنے ڈنڈوں کو لے جانے کی کوشش کرنے اور اس سے اخروٹ کو پکڑنے لگے لیکن سوائے پتوں کے کچھ ہاتھ نہ آیا۔

اخروٹ میاں بڑی مضبوطی سے اپنی شاخ سے چمٹے رہے اور کہا۔

کوّے صاحب آئے اور اپنا سا منہ لیکر چلے گئے بی گلہری بھی مجھے نہ گرا سکیں۔ اب مجھے آپ لینے آئے ہیں۔ لیکن آپ کتنا ہی مجھے ماریں۔ ڈنڈے چلائیں مگر میں آپ کے ہاتھ نہیں آنے کا۔

پس یہ ہوا کے پالنے میں جھولتے رہے۔

اس کے بعد اخروٹ میاں کو کسی نے نہ ستایا اور یہ دن پر دن بھورے رنگ کے ہوتے گئے۔ راتیں اب بہت زیادہ سرد ہونے لگیں درختوں کی ہری پتیاں پیلی پڑ گئیں۔

ایک روز درخت کی تمام پتیاں جھڑ گئیں۔ اخروٹ میاں بہت اداس ہوئے اور بھرائی ہوئی آواز میں کہنے لگے۔

کوّے صاحب مجھے نہ پا سکے! بی گلہری مجھے نہ گرا سکیں۔ بچے بھی مجھے نہ پا سکے۔ لیکن اب میں آرام کی نیند سوؤنگا

پس اخروٹ میاں اونگھنے لگے۔ اور اونگھتے اونگھتے درخت کی چوٹی سے ارارا دھم سے نیچے آ رہے۔ یہاں آ کر سو گئے۔ اور ان کے اوپر بہت سی پتیاں آ کر جمع ہو گئیں۔ اور یہ گرم بچھونے پر بڑی دیر تک سوتے رہے۔ لیکن بہار کے موسم میں ایک ننھی سی ہری کونپل زمین سے نکلی اور بچی ہوئی پتیوں اور گھاس کو چیرتی پھاڑتی زمین سے اوپر تک آ گئی۔ اب کونپل سے دو ننھیاں نکل آئیں۔ اس کے بعد اور پتیاں نکلیں۔ اور نکلیں۔ اور نکلیں۔ اگر تم اس ننھے سے پودے کو کھودتے کھودتے اس کی جڑ تک پہنچ جاؤ تو تمہیں معلوم ہوگا کہ یہ وہی اخروٹ میاں ہیں جو درخت کی چوٹی سے آرام سے سونے کے لئے گر پڑے تھے۔

ایک روز اخروٹ کے درخت نے نیچے دیکھا کہ اس کا ننھا سا بچہ اب ایک پیارے سے ہرے ہرے ننھے سے پودے کی شکل اختیار کر چکا ہے اور ہاتھ پاؤں نکالنے لگا ہے تو اس نے کہا۔

"آہا! میرا پیارا اخروٹ اب ایک ننھا سا اخروٹ کا درخت ہو گیا ہے!"

پھر ننھے سے اخروٹ کے پودے نے سر ہلا کر کہا۔

"ہاں ہاں۔ میں اب ایک ننھے سے اخروٹ کی شکل میں یہاں ہوں گا۔"

دیکھو کس طرح ننھے بچے اپنی حفاظت کرتے ہیں اور بڑھتے بڑھتے ایک روز بڑے آدمی ہو جاتے ہیں۔

بہلی

خاص تیج کیلئے

(از جناب مائل اناوی)

کیسی بہلی بنی ہوئی ہے یہ
خوبصورت ہے کیسی اچھی ہے
خوب اُجلا بچھا بچھونا ہے
اک طرف پردہ چھوڑ رکھا ہے
بیل اچھے ہیں اور موٹے ہیں
سینگ پر ہیں سنگوٹیاں ان کے
اسمیں بیٹھے ہوئے ہیں پنڈت جی
جا رہے ہیں یہ اپنے مکتب کو
بہلی نیچے سے ان درختوں کے
بیدھڑک جا رہی ہے دیکھو کیسی
صاف پختہ سڑک کے ہونے سے
پہلے اس دیس کے امیر تمام

خوب عمدہ رنگی ہوئی ہے یہ
کاریگر نے سبک بنائی ہے
سرخ پردہ بھی کھلا رہے کا ہے
دھوپ کا یہ بچاؤ اچھا ہے
نسل ناگوری اچھے ہوتے ہیں
سینگ لگتے ہیں خوشنما کیسے
جن سے زینت ہوئی ہے بہلی کی
دینگے تعلیم طلبا ہی سب کو
جو اُگے ہیں کنارے سڑکوں کے
کیونکہ پکی سڑک ہے اور اچھی
لگتے بالکل نہیں ہیں ہچکولے
رتھ میں ہوتے تھے وہ سوار مدام

اور جو کم مایہ دار ہوتے تھے
بہلیوں میں سوار ہوتے تھے

مزاحیہ

جُوتا کانفرنس

{از جناب توفیق محمد خان - بھوپالی}

(خاص پنچ دہلی کے لئے)

ایک شب عالم رویا نے مجھے جُوتوں کی دنیا میں پہنچا دیا وہاں ہر قسم کے جوتے تھے - اونچی ایڑی کے، نیچی ایڑی کے سیاہ، بادامی، دیسی، ولایتی وغیرہ وغیرہ - لیکن سب "کار رفتہ۔"

یہ کوئی دنیا سے اوپر بات نہ تھی - خوابوں میں کیا کچھ نظر نہیں آ جاتا - لیکن میری حیرت کی کوئی حد نہ رہی - جب میں نے دیکھا کہ وہ آپ کی ہماری طرح باتیں بھی کر رہے ہیں - میرے دل میں اس معمے کے حل کرنے کی خلش پیدا ہوئی - مگر جلد ہی اور معمولی کاوش کے بعد میں تہ کو پہنچ گیا۔

ایک قدیم اور باران دیدہ فوجی "اف بوٹ" کے زیر صدارت جوتا کانفرنس کا اجلاس ہو رہا تھا - حاضرین میں جوتے بھی تھے اور جوتیاں بھی - تجاویز معرکۃ الآرا مباحث کے بعد منظور یا مسترد کی جا رہی تھیں۔

"حضرات خاموش رہیے اور ایک ایک کر کے بولیے"! صاحب صدر نے بلند آواز اور تحکمانہ لہجہ میں کہا۔

"مسٹر براؤن آپ کیا کہنا چاہتے ہیں"

"جناب صدر، خواتین اور حاضرین جلسہ" مسٹر براؤن نے کہنا شروع کیا۔

"آدمی ہمیں اپنے نازک و کمزور قدموں کی حفاظت کے لئے استعمال کرتا ہے (بلکہ ہم میں سے بعض کو کسی افغانی کے بھاری اور بے ڈول قدم کا بار اٹھانے کا بھی تجربہ ہوگا) دوران استعمال میں یہ ہمیں کچھ خوراک بھی بہم پہنچاتا رہتا ہے جس کا نام اس نے اپنی زبان میں روغن رکھ چھوڑا ہے - ہم میں سے چند ہی ایسے خوش قسمت ہوتے ہوں گے جنہیں روزانہ غذا ملتی رہتی ہوگی - ورنہ اکثریت کو ایک ہی خوراک سے ہفتہ پورا کرنا پڑتا ہے۔

اس قلت غذا سے روز بروز ہماری نسلیں کمزور ہوتی چلی جا رہی ہیں اور ہم جلد بوڑھے ہو کر قبل از وقت بیکار ہو جاتے ہیں - نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ ہمارا آقا دوسرا جُوتا خرید لیتا ہے اور ہمیں بارش میں استعمال کے لئے یا تو اپنے گودام کے کسی تاریک گوشے میں پٹک دیتا ہے یا کوڑے پر پھینکوا دیتا ہے جہاں فاقہ کشیوں اور موسموں کی شدت کے باعث ہم بے کسی کی مرگ کا شکار ہو جاتے ہیں۔

آج متمدن اور زندہ اقوام کے روبرو سب سے اہم سوال اپنے بیکاروں کے لئے کام بہم پہنچانے کا ہے۔ یہ موقعہ ہے کہ ہم بھی بیدار ہوں اور مسئلہ کا کوئی خاطر خواہ حل دریافت کریں"!

یہ کہہ کر وہ اپنی جگہ پر بیٹھ گئے۔

"نہایت اہم مسئلہ ہے اس کے حل کی جانب فوری توجہ ہونی چاہیئے"! ہر سمت سے آوازیں آ رہی تھیں۔

"جناب صدر" وسط میں سے ایک باریک سُریلی آواز آئی۔

"مستورات کو بھی اظہار خیال کا موقعہ دیا جائے"!

"۔۔۔ اور خاکسار تائید مزید -" ایک ہندوستانی گھنیلے نے سر اٹھا کر کہا۔

"آپ کیا فرمانا چاہتی ہیں محترمہ زینب قدم تشریف لائیے" صدر نے کہا۔

تالیوں کی سامعہ شکن آواز میں مس بیب قدم سٹیج پر ٹھکتی ٹھکتی آ کھڑی ہوئیں۔

"محترم صدر، خواتین اور معزز حضرات"!

مبارز ریزولیوشن گو بزرگوں کا پامال مگر نہایت اہم ہے - میں اس وقت پردے کے خلاف صدائے احتجاج بلند کرنے کھڑی ہوئی ہوں۔

میں نے اپنی زندگی کی بہاریں ایک حسین شریف اور نیک دل خاتون کے قدموں میں گذاری ہیں - جو ہمیشہ میرا بڑا خیال رکھتی تھی اور ہر طرح کی خاطر کرتی تھی لیکن میں اقرار کرتی ہوں کہ حقیقی مسرت نہ کبھی مجھے میسر ہوئی اور نہ میری مالکہ کو - اور اس تلخ کامی کا باعث یہی گھر کی چہار دیواری تھی جس نے دنیا سے ہمیں اور ہم سے دنیا کو ہمیشہ پوشیدہ رکھا - گمنامی میں پیدا ہوئے - گمنامی میں بسر کی اور گمنامی میں چل بسے -

اگر موقعہ دیا جائے تو عورت زندگی کے کسی میدان میں مرد سے پیچھے نہیں - جہاں وہ بزم میں کامیاب ہے وہاں ایتھوپیا کی رزم میں اٹلی کے چھکے بھی چھڑا سکتی ہے

غرض دنیا آج اپنے بہتر نصف کی قیمت سے بہتر طور پر آگاہ ہو چکی ہے - میں نے حضرات! میں آپ سے اپیل کروں گی کہ آپ ہماری مدد کو اٹھیں اور ٹرکی اور ایران کی طرح اس حبس بیجا کا ہمیشہ کے لئے خاتمہ کر دیں"!

تقریر کے بعد مس صاحبہ اپنی جگہ پر تشریف لے گئیں۔

"پردے میں آپ کی سرگرمیاں کسی قیامت سے کب کم رہی ہیں جواب باہر تشریف لانے کا بھی

(باقی اگلے صفحہ پر)

مائیں

(از جناب پنڈت آنندی پرشاد مصرا - مراد آبادی)
(خاص تیج ویکلی کے لئے)

اگر دنیا کے بڑے بڑے لوگوں کی خانگی زندگی کا وکھی طور پر صحیح حال معلوم ہو جائے تو دو عجیب باتوں کا انکشاف ہوگا۔

اول یہ کہ ایسے لوگ جنہوں نے کارہائے نمایاں کئے ہیں اور اہل دنیا کی ترقی کا باعث ہوئے ہیں - اور جنہوں نے دنیا کی تاریخ کے صفحوں کو اپنے کارناموں سے رنگ دیا اور لوگوں کے دلوں اور خیالات میں ایک انقلاب عظیم پیدا کر دیا وہ عموماً کسی غریب گھرانے کے چراغ تھے۔

دوئم یہ ان کی ترقی کا باعث زیادہ تر ان کی مائیں ہوئیں۔ بچے کو بچپن میں زیادہ سابقہ اپنی ماں سے پڑتا ہے اس لئے اس کا اثر دیر پا اور نازک دماغ اپنی ماں ہی کے خیالات کا ایک چھوٹا سا خاکہ بن جاتا ہے جس کا اثر اس کی آئندہ زندگی میں قائم رہتا ہے۔ سن شعور کو پہنچنے کے بعد ماں کی محبت آمیز لہجہ میں پند نصائح اس کے لئے باپ کی گھڑکی اور تنبیہہ سے زیادہ موثر ہوتی ہیں۔

نپولین اعظم کا قول ہے کہ فرانس کے لئے صرف عمدہ ماں کی ضرورت ہے۔ اگر بنظر انصاف اور بنظر غور سے دیکھا جائے تو کس قدر عمدہ اور سچا قول ہے۔

ابراہیم لنکن جب امریکہ کا پریزیڈنٹ مقرر ہوا تو اس نے ایک موقعہ پر اپنی تقریر میں کہا کہ جو کچھ میں نے اب تک حاصل کیا ہے وہ سب میری ماں کی بدولت ہے۔

ابراہیم لنکن ایک فلاح کا لڑکا تھا۔ اس کے باپ کا انتقال صغر سنی ہی میں ہو چکا تھا۔ ماں کی آنکھوں کا نور اور دل کا سرور تھا۔ سمندر کے کنارے تیرہ پچیس میل کے فاصلے پر ایک خستہ جھونپڑی میں رہا کرتا تھا۔ اور اس کی زندگی انتہائی تنگدستی میں بسر ہوا کرتی تھی۔ ایسی حالت میں کوئی کہہ سکتا تھا کہ یہ غریب بدصورت لڑکا جو فاقوں کا مارا ہوا ہے اور جس کے پاس تن ڈھانکنے کے لئے کافی کپڑے بھی نہیں ہیں ایک دن امریکہ کے ایسے وسیع اور زبردست ملک کا حکمران ہوگا۔ مگر اس کی نگاہوں کے سامنے اس کی غریب مصیبت زدہ صورت اور اس کی تکالیف کا بھیانک نقشہ گھوما کرتا تھا۔ اس نے یہ ارادہ کر لیا تھا کہ کچھ بھی ہو میں تعلیم ضرور حاصل کروں گا - اور اپنی ماں کو ان مصائب کے پنجوں سے نجات دلاؤں گا۔

چنانچہ اس کی تعلیم کا سلسلہ قریب ہی کے ایک دیہات کے چھوٹے اسکول میں شروع ہوا بعد کو وہ تمام دن مزدوری کرنے کے بعد شام کو پندرہ میل کی مسافت طے کر کے اپنے ایک خوشحال دوست کے پاس کتابیں مانگنے کو جایا کرتا تھا - اور لکڑیاں جلا کر ان کی روشنی میں پڑھا کرتا تھا۔ یہ اس کی ماں کی محبت کا اثر تھا جس نے اس کے دل میں اس قدر عجیب طاقت اور اس کے ارادوں میں اتنا استحکام دے رکھا تھا۔

یہ ایک مثال ہے جو میں نے بطور نمونہ پیش کی ہے۔ اگر تحقیقات کی جائے تو ایسے ہزارہا واقعات ملیں گے۔

اگر لڑکے کو اس کا احساس ہو جائے کہ جس غریب، ضعیف اور بیوہ ماں نے اس کی تعلیم اور بہبود کے لئے اپنے تمام آرام کو خیرباد کہہ رکھا ہے اور ایک وفادار غلام کی طرح ہمہ وقت اس کی خدمت میں سرگرم ہے اس کی تمام امیدیں صرف اسی کی ترقی پر وابستہ ہیں، وہ اسکو بہ امید لگی ہوئی ہے کہ ایک زمانہ وہ آئے گا جب اس کا لڑکا دنیا میں کچھ نام پیدا کرے گا۔ ایسی حالت میں اس کا لڑکا جو کچھ نہ کرے وہ کم ہے۔

مگر باوجود ان تمام باتوں کے تعجب اور افسوس اس کا ہے کہ دنیا نے ماؤں کے احسانات کو کس قدر گہرائی میں دفن کر رکھا ہے کہ کبھی بھولے سے بھی ان کا تذکرہ نہیں آتا۔ اس میں شک نہیں بڑائیوں سے بری نہیں ہوتیں۔ مگر بحیثیت ایک ماں کے ہر عورت یقیناً ایک اعلیٰ ترین نمونہ بننے کی کوشش کرتی ہے۔ بدترین سے بدترین عورت کو بھی یہ خواہش ہوتی ہے کہ اس کا لڑکا بہترین انسان ہو۔ اس سے بحث نہیں کہ وہ اپنی کوششوں میں کہاں تک کامیاب ہوتی ہے۔

جب کبھی دنیا اپنے کسی بڑے آدمی کی کسی ایسی ہستی کی جس کو اس نے کمال انسانیت تسلیم کر لیا ہے تصویر پیش کرتی ہے۔ تو بد قسمتی سے اس تصویر پر ایک ہلکا سا عکس اس مقدس ہستی کا بھی دکھائی دیتا ہے جس کو قدرت نے اپنی اس بیش بہا امانت کا امین بنایا تھا۔ جس نے اپنی اولاد کے اس عروج کو دیکھنے کے لئے کیسی کیسی مصیبتیں نہیں جھیلیں تھیں۔ مگر دنیا ہمیشہ اس ہلکے سے عکس کی طرف سے آنکھیں بند کر لیتی ہے صرف یہی نہیں بلکہ غضب تو یہ ہے کہ اکثر اس کی اولاد بھی حرص کی غلامی میں اب غریب ماں نے زندگی بسر کر دی دنیا کے ہم خیال بن جاتی ہے۔ اس احسان فراموشی کے صدمہ کو کسی مصیبت کے دل سے پوچھئے تو حقیقت ظاہر ہو۔

اقوالِ زریں

جنگ میں وہ مزا نہیں جو صلح میں ہے۔

جیتے وہی ہیں جو جینا جانتے ہیں۔

زندگی کا لطف تنوع اور جدّت میں ہے۔

قدامت جدّت سے ہمیشہ برسرِ پیکار رہی ہے۔

ترقی اور قدامت پسندی میں بیر ہے

اصلی شکریہ وہ ہے جو عملی ہو۔

لفظی شکریہ محسن کو احسان پر اس قدر نہیں اُبھارتا۔ جس قدر عملی شکریہ۔

دوسروں کے لئے مرنا اپنے لئے زندہ رہنے سے بہتر ہے۔

دنیا ایک میدانِ کارزار ہے جہاں کمزوروں کا جینا محال ہے۔

دنیا جوانوں کے لئے ہے۔

راحت میں وہی ہے جس کو راحت کی تمنا نہیں ہے۔

مصیبت میں بھی بہت سی لذتیں ہیں۔

انتقام دشمنی کی آگ کو بجھاتا نہیں بلکہ اور بھڑکاتا ہے

کم بولنا کم علمی کی علامت نہیں اور بسیار گوئی دانشمندی کی

دائمی ترقی خود فکر پر منحصر ہے

سچ بکارت دماغ کی ورزش ہوتی ہے جو اس کی ترقی کا باعث ہے۔

ہر چیز جو انسان کے لئے مسرت پیدا کرتی ہے بیش بہا دولت ہے۔

قسمت پر بھروسہ کرکے بیٹھ رہنا جہالت ہے اور اس سے بڑھ کر جہالت یہ ہے کہ انسان ہر کوشش کے بار آور ہونے کی امید رکھے۔

موجِ تبسم

(مرسلہ جناب شیام سروپ شرما ساغر ۔ کیرانوی)
(خاص تیج ویکلی کے لئے)

اُستاد :۔ (غصہ سے) تم بڑے ہی نالائق ہو۔ جب میں تمہاری عمر کا لڑکا تھا تو مشکل سے مشکل سوال حل کر لیتا تھا۔

شاگرد :۔ جناب آپ کا اُستاد لائق ہوگا۔

دو بیوقوف سر بازار آپس میں ہاتھا پائی کرنے لگے۔ ایک پولیس کانسٹیبل نے آکر انہیں گرفتار کر لیا اور حوالات میں بند کر دیا۔ مگر ایک بیوقوف پھر بھی برابر ہی بکتا رہا۔ دوسرے نے کہا۔
"نالائق چپ۔ اب اس قسم کی بکواس کرکے یہاں سے بھی نکلوا دے گا"

ایک قاضی صاحب نے بڑھاپے میں ایک کمسن لڑکی سے شادی کر لی۔ قاضی صاحب کی پہلی بیوی کے لڑکے ان کی دوسری بیوی کو "ماں" نہیں کہتے تھے۔ خلوت میں لڑکی نے قاضی صاحب سے شکایت کی۔ قاضی صاحب فرمانے لگے۔
"ان کی کیا مجال ہے کہ تجھ کو ماں نہ کہیں۔ میں تو اب بھی تجھ کو ماں کہتا ہوں"

ایک دوکاندار اپنے بیوقوف لڑکے کو دوکان پر بٹھا کر کسی کام کو گیا۔ اتفاق سے ایک آدمی کٹورے میں ایک پیسے کا تیل لینے آیا۔ لڑکے نے الٹے کٹورے بھر دیا۔ اتنے میں اس کا باپ آکر خفا ہونے لگا۔ لڑکا بولا۔
"دیکھئے جی گاہک کو نہیں کہتے جو اتنا بڑا برتن لے کر چلا آیا"

ایک شخص اپنی بیوی سے بہت جدا جدا رہتا تھا۔ بیوی نے ایک دن جب وہ کتاب پڑھ رہا تھا محبت آمیز لہجہ میں کہا کہ۔
"اگر میں کتاب ہوتی تو ہر وقت تمہاری نظروں میں رہا کرتی"۔
خاوند نے کہا۔
"کاش کہ تو جنتری ہوتی اور میں سال ختم ہونے پر بدل دیتا"

ایک کانے نے کسی سے شرط لگائی کہ میں تم سے زیادہ دیکھتا ہوں اور شرط کے ساتھ ہی بول اُٹھا کہ میں جیتا۔ کیونکہ میں تمہاری دو آنکھیں دیکھتا ہوں اور تم میری ایک ہی آنکھ دیکھتے ہو۔

مہیش داس راجہ بیربر

(از جناب رام سروپ - بھٹناگر)
(خاص نیشنل ویکلی کے لئے)

یہ مشہور ہستی جس کا اسم گرامی زیب عنوان ہے اکبر کے ساتھیں نورتن میں شمار ہوتی تھی ان کا نام اکبر کے ساتھ اسطرح آتا جس طرح سکندر کے ساتھ ارسطو کا - ان کا اصل نام مہیش داس تھا قوم برہمن - کالپی ضلع جالون وطن - ابتدائے عمر میں یہ بہت ہی کمالی آدمی تھے - بغرض تلاش معاش دہلی وارد ہوئے اور ایک ہم وطن پان والے کی دکان پر قیام کیا - کہ ان کے سامنے ایک سفید پوش خوش وضع شخص اس دکان پر آدھ سیر چونا خریدنے آیا - بیربر نے اس کو کہا کہ بھائی تم چونا نہ لو بلکہ آدھ سیر دہی لیجاؤ تاکہ تمہاری جان بچ جائے - وہ آدمی اس معمہ کو بالکل نہ سمجھا اور برہمن کی بابت کو جو کہ اس زمانہ میں جاہل و مجنون خیال کرلی جاتی تھی مان کر آدھ سیر دہی لیکر دربار میں حاضر ہوا - بادشاہ نے حکم دیا کہ اس کو کھالو - وہ شخص فوراً کھا گیا - صبح کو جب بادشاہ نے اس شخص کی نسبت معلوم کیا کہ زندہ ہے یا مر گیا تو معلوم ہوا کہ زندہ ہے - بیحد تعجب ہوا - فوراً طلب فرمایا اور معلوم کیا کہ تو کیونکر زندہ رہا تو اس نے تمام ماجرا دکان کا سنایا - اور عرض کیا کہ خادم کو فلاں شخص نے بجائے چونا خریدنے کے دہی خریدنے پر مجبور کیا - اکبر بادشاہ تو پہلے ہی دور اندیش اور دانا شخص کا متلاشی تھا - فوراً اسکو بلانے کا حکم دیا - بیربر دربار میں حاضر ہوا - بادشاہ نے معلوم کیا کہ تم نے فلاں شخص کو تعمیل حکم سے کیوں روکا - بیربر نے نہایت سنجیدگی کے ساتھ جواب دیا کہ خداوند جب اعلیٰ پوشاک پہنے ایک شخص اکیلا آدھ سیر چونا خریدے تو وہ شاہی خدمتگار کے سوائے اور کون ہو سکتا ہے - غلام نے سمجھا کہ اس خدمتگار نے بادشاہ کے پان میں زیادہ چونا لگا دیا ہے جو غصہ میں آکر اس کو یہ سزا دی ہے - چنانچہ غلام نے بادشاہ کو گناہ سے بچانے کے لئے یہی صلاح دی کہ بجائے چونے کے دہی لیجا - بادشاہ اس جواب کو سنکر بے حد خوش ہوا - اور ملازمت میں داخل کر لیا - رفتہ رفتہ بیربر نے اپنی عقلمندی اور حاضر جوابی سے وہ ترقی کی کہ بادشاہ کو اس کے بغیر چین نہ آتا تھا -

جو کام بڑے بڑے بہادر تلوار کے دھنی باوجود کوشش اپنی تلوار سے نہیں نکال سکے بیربر نے باتوں میں نکال دیئے "رشتہ میں راجہ مان کرن رہی .... جس کی لڑکی کے ساتھ اکبر شادی کرنا چاہتا تھا کسی طرح رضامند نہ ہوتا تھا - اگر تلوار کام میں لائی جاتی تو راجپوت جیسی خوددار قوم جوہر کے ذریعہ جوہر دکھلاتی کہ آن کی آن میں اپنے کو فنا کر دیتی اور اکبر کی تمام مرادیں خاک میں مل جاتیں - اکبر بھی اس بات کو اچھی طرح جانتا تھا - چنانچہ اس مہم پر بیربر کو روانہ کیا گیا - بیربر نے اپنی عقلمندی سے راجہ کو رضامند کر کے ہم چشموں کو دکھلا دیا کہ بیربر صرف ظریف ہی نہیں ہے بلکہ قابل مدبر بھی ہے اور اسکی عقل ہی سے ایسے ایسے اہم معاملات جو تلوار سے حل ہونے ناممکن تھے حل ہو جاتے ہیں - بادشاہ بھی بیربر کی عقلمندی کے قائل تھے اور ان کی بیحد عزت کرتے تھے - جس طرح دیگر ارکین سلطنت کے مکان پر جاکر دعوت کھا کر ان کی عزت افزائی کرتے تھے بیربر کو بھی یہ فخر حاصل تھا چنانچہ ایک دفعہ بیربر نے اکبر کی ضیافت کی بادشاہ نے بخوشی منظور فرمائی - ان کے مکان پر تشریف لے گئے اور دعوت کا سامان دیکھکر بیحد خوش ہوئے -

بیربر نے اپنی دانائی سے لوگوں کو دکھلا دیا کہ عقلمندوں کے [illegible]

کو زہ میں خطاب سے سرفراز فرمایا - بیربر نے جو لطیفے مشہور ہیں اور زبان زد خاص و عام ہیں آجکل بھی جب آدمی کو بہ زبانی سے مختلف و الم گھیر لیتے ہیں وہ ان لطیفوں سے دل بہلاتا ہے - اس سے پتہ لگتا ہے کہ جب اکبر بادشاہ کا دل ملکی معاملات نیز مہم کی مشکلات سے گھبراتا ہوگا تو اس کو راہ راست پر لانے کے لئے اور آئندہ غور و فکر کی طاقت بخشنے کے لئے بیربر ہی مسیحا کا کام کرتے ہوں گے -

[illegible] بادشاہ اور بیربر ان کو نقصان پہنچانے کا ہمیشہ اندیشہ رہتا - مگر بادشاہ ان کی عقلمندی کا قائل تھا - اس لئے ان کا کچھ نہ بگاڑ سکتے تھے -

آخر وہ دن آگیا جو ہر ایک کو آنا ہے مگر لطف یہ کہ جان بھی وفاداری میں گنوائی - اور اکبر بادشاہ نیز ہم چشموں کو اپنی وفاداری کا پورا پورا ثبوت دے دیا - افغانوں سے شمال مغربی سرحد پر لڑائی جاری تھی - زین خاں سپہ سالار اس مہم پر کام کر رہا تھا - کہ یکایک اس نے کمک مانگی - دربار میں سوال ہوا کہ کس کو فوج کا افسر بنا کر روانہ کیا جائے - ہر ایک وزیر امیر اور

مشیر یہی چاہتا تھا کہ یہ شرف مجھکو ہی عطا ہو - بیربر کی بھی یہی خواہش تھی اور نمک حلالی و وفاداری کا حق ادا کرنا ان کی قسمت میں تھا - چنانچہ قرعہ پر فیصلہ کرنا ٹھہرا - موت کے دستے نے انہیں کا نام سامنے کر دیا - اکبر کو ان کی جدائی شاق تھی - ہرچند جی نہ چاہتا تھا - مگر جبراً قہراً اجازت دی - انداز محبت دیکھیئے کہ جب بیربر روانہ ہونے لگے تو بادشاہ نے ان کے بازو پر ہاتھ رکھ کر کہا "جلد لوٹنا" - رخصت ہوئے - مگر بادشاہ کو کہاں چین تھا اس کے پیچھے پیچھے حکیم ابوالفتح کو بھی فوج دے کر روانہ کیا زین اور بیربر میں تنازعہ تھا - باہمی تنازعہ سے دوران جنگ میں کچھ ایسی صورتیں درپیش ہوئیں کہ شاہی فوج کو شکست ہوئی اور بیربر بھی میدان جنگ میں کام آئے - بادشاہ کو ان کی بے وقت موت نے بہت صدمہ پہنچایا - کھانا پینا ترک کر دیا - مگر یہ بھی کب تک کچھ دنوں کے بعد صبر آگیا - اور بیربر کے متعلق ہر طرف سے یہی صدا آئی -

حق مغفرت کرے عجب آزاد مرد تھا

اعصابی امراض میں مالش کا فائدہ

(ترجمہ خاص برائے تیج ویکلی)

مالش کا طریقہ [illegible] وہ علم [illegible] نہیں ہے۔ یہ علاج صد [illegible] سال اور دوسرے ملک [illegible] شفا [illegible] کے بعد [illegible] ڈاکٹر [illegible] اور مریض کا علاج اور [illegible] ہی مالش ہی سے کیا جاتا تھا۔ جینی اور ہندو ویدوں کے یہاں تین ہزار سال قبل مسیح میں بھی اس کا حوالہ ملتا ہے۔ چین کی قلمی کتاب "[illegible]" جو تین ہزار سال قبل مسیح لکھی گئی تھی اور آیورویدک کتابوں میں جو اس سے بھی پہلے کی ہیں مالش کی اریخی تفصیلات درج ہیں اس کی ابتدائی تاریخ کے متعلق [illegible] اور دوسرے قدیم و جدید مصنفین نے یہاں کافی حالات ملتے ہیں۔ فرانس میں گزشتہ صدی کے ابتدائی زمانہ میں مالش کا رواج تھا۔ لیکن اس کے ماہرین اس فن کو صیغہ راز ہی میں رکھتے تھے اور اس کے طریقے کسی کو نہ بتاتے تھے

مالش کے جدید طریقوں کے لئے آج مغربی ممالک مسٹر [illegible] کے ڈاکٹر [illegible] کے رہین منت ہیں۔ انہوں نے [illegible] میں اس کا مطالعہ شروع کیا اور [illegible] کے بعد وہ برابر اس پر عمل کرتے رہے۔ اس کے بعد پروفیسر [illegible] کا نمبر ہے۔ ان کا طریقہ زیادہ صحیح اور سائنٹفک تھا۔ لیکن مغربی ماہرین کی تمام ترقیوں کے باوجود مالش کا طریقہ علاج ابھی وہاں بالکل ابتدائی حالت میں ہے

آیورویدک کی کتابوں میں مالش کے مفصل طریقے درج ہیں۔ لیکن بجز مالابار کے ہندوستان میں اور کسی جگہ اس پر باقاعدہ عمل نہیں ہوا۔ وہاں کے ویدوں نے اس کے تمام متعلقات پر اپنی کتابوں میں روشنی ڈالی ہے۔ بعض کتابوں میں تو مالش کے چندہ طریقے درج ہیں۔

مالابار میں دو موسموں میں مالش سے علاج ہوتا ہے۔ گرمی میں اور برسات میں۔ وہاں بعض لوگوں کا تو خالص پیشہ ہی مالش کرنا ہے۔ یہ لوگ ٹوٹی ہوئی ہڈی کو جوڑنے اور اترے ہوئے جوڑوں کو درست کرنے میں کمال رکھتے ہیں۔ بیمار لوگ بیماری کو رفع کرنے اور تندرست لوگ صحت کو قائم رکھنے کے لئے مالش کراتے ہیں۔ مالابار میں مغربی تہذیب کے رائج ہونے سے پہلے راجہ اور زمیندار جولائی اور اگست کے مہینہ میں خاص طور پر فن مالش کی سرپرستی فرماتے تھے۔ امراض کا علاج کرنے کے سلسلہ میں مالش ایک سائنٹفک طریقہ ہے اور ایک خاص مقصد کے پیش نظر خاص خاص اعصاب پر مخصوص طریقوں سے مالش کی جاتی ہے۔ اس لئے مالش کرنے والوں کو جسم اور اعضا کی ساخت، اور اعصاب وغیرہ کا پورا علم ہونا ضروری ہے گویا مالش ایک فن ہے جو متواتر مشق اور معقول رہنمائی سے حاصل ہو سکتا ہے۔

[illegible] کے ڈاکٹر [illegible] مالش کے فوائد کے متعلق پیش کرتا ہوں۔ وہ فرماتے ہیں کہ بہت سی اعصابی بیماریوں کا علاج اس طریقہ سے ہو سکتا ہے۔ اور یہ بہت سے امراض میں مفید ہے۔ اس کے چند خاص فوائد ذیل میں درج کئے جاتے ہیں:

(۱) اس کے ذریعے خون میں سے زہریلے اثرات زائل ہو جاتے ہیں۔ مثلاً ایسے اثرات جن سے میریا یا گٹھیا وغیرہ پیدا ہوتا ہے

(۲) اعصاب قلب اور نبض کو قوت پہنچتی ہے۔ اور بدن سے تھکان دور ہو کر چستی آتی ہے۔

(۳) اچھا اور صحت آور خون پیدا ہوتا ہے

(۴) غدود اپنا صحیح کام کرتے ہیں۔

(۵) بدن کی گرمی قائم رہتی ہے

(۶) بھوک کھلتی ہے اور خوراک بڑھتی ہے

(۷) فالج گٹھیا، جگر اور معدے کے امراض ہسٹریا، قبض چوٹ اور موچ کے لئے بہت مفید ہے۔

(۸) ان لوگوں کے لئے بہت مفید ہے جو زیادہ چلتے پھرتے نہیں۔ بلکہ بیٹھکر کام کرنے کے عادی ہیں۔

غرضکہ مالش کے فائدے سے کسی کو انکار نہیں مغربی ممالک آج اس کی سفارش کرتے ہیں اور برابر اسے اختیار کرتے جا رہے ہیں لیکن ہمارے یہاں جہاں اس فن کی ابتدا ہوئی یہ فنا ہوتا جا رہا ہے کاش ہمارے ڈاکٹر اور حکیم اور وید اس طرف توجہ دیں اور اس فن کی صحیح سرپرستی کریں

سرگوشیاں

خوشی ہو تو سب سے مل کر ہنسو۔ دکھ ہو تو اکیلے رو دو۔

قہقہے دن کی روشنی کے لئے ہیں۔ آنسو رات کی تاریکیوں کے لئے۔

دنیا صرف تمہارے متبسم لب دیکھنا چاہتی ہے
پُر نم آنکھوں سے وہ منہ پھیر لیتی ہے
(تمنائی)

کلیم عجم

تقطیع ۲۰×۲۶/۱۶ - صفحات ۲۰۰
کاغذ چکنا اور بیش قیمت
کتابت اور طباعت بہت اچھی اور صاف -
جلد سرخ اور سنہری -
قیمت تین روپے علاوہ محصول -
ملنے کا پتہ :-
دار الاشاعت - قصر الادب — آگرہ

"کلیم عجم" حضرت سیماب وارثی اکبر آبادی کی غزلوں کا مجموعہ ہے جو حال ہی میں شایع ہوا ہے اس سے پہلے آپ کی نظموں کا ایک مجموعہ "کار امروز" کے نام سے شایع ہو کر ہندوستان کے حلقۂ علم وادب میں بڑی مقبولیت حاصل کر چکا ہے۔ نہ حضرت سیماب کی ذات کو تعارف کی ضرورت ہے اور نہ "کلیم عجم" تبصرہ کا محتاج ہے۔ ملک کے بہت کم ایسے ادبی رسائل ہوں گے جن میں حضرت سیماب کا کلام عزت و افتخار کے ساتھ شایع نہ کیا گیا ہو۔ اور ہندوستان میں کوئی ایسا مشاعرہ اور وقیع آل انڈیا مشاعرہ ہوا ہوگا جس میں حضرت سیماب کو زحمت شرکت پر مجبور نہ کیا گیا ہو

اس لئے سیماب کے کلام بلاغت نظام کی خوبی تخیل کی پرواز اور معانی آفرینی سے صرف شعر و ادبا کا طبقہ نہیں۔ بلکہ تمام قدر دان سخن اچھی طرح واقف ہیں۔ پھر "کلیم عجم" پر کیا یہ کافی تبصرہ نہیں ہے کہ سیماب جیسے فاضل اور جیّد شاعر کا کلام ہے جو زیور طباعت سے آراستہ ہو کر ملک کے سامنے آیا ہے؟ "کلیم عجم" میں مقدمہ کے طور پر حضرت سیماب کے چودہ خطبات ہیں۔ جو مختلف مشاعروں میں پڑھے گئے اور جن میں شاعری اور فن شعر گوئی پر نہایت سیر حاصل بحثیں کی گئی ہیں۔ اور شایقین سخن کے لئے مفید معلومات کا ذخیرہ موجود ہے۔

"کلیم عجم" کی غزلوں کو حضرت سیماب نے تین حصوں میں تقسیم کیا ہے پہلا حصہ ۱۸۹۸ء سے ۱۹۱۰ء تک کی غزلوں پر مشتمل ہے۔ دوسرے حصہ میں ۱۹۱۰ء سے ۱۹۲۰ء تک اور تیسرے حصہ میں ۱۹۲۰ء سے ۱۹۳۵ء تک کی غزلیں ہیں۔ تمام غزلوں کی کل تعداد ۲۱۲ ہے۔ اور چونکہ ان غزلوں کا ہر شعر اپنی جگہ پر ایک دفتر معانی ہے۔ اس لئے ہم مناسب نہیں سمجھتے کہ چند اشعار منتخب کر کے پیش کریں۔ جو لوگ ہندوستان کے اس شاعر گرامی کے نتیجۂ فکر سے فائدہ اٹھانا چاہتے ہیں۔ وہ "کلیم عجم" منگا کر مطالعہ فرمائیں۔

"کلیم عجم" میں حضرت سیماب کی مختلف عمروں کی تین تصویریں بھی شامل ہیں

نسیم عرفاں

بھگوت گیتا ایک عالمگیر شہرت کی کتاب ہے۔ متعدد زبانوں میں اس کے ترجمے شایع ہوئے چنانچہ اردو میں بھی بہت سے ترجمے نکلے بعض مشتاقان فن نے نظم کا نظم میں بھی ترجمہ کیا۔ یہ بھی اردو نظم میں مثنوی کی بحر میں بھگوت گیتا کا ترجمہ ہے۔

جو لوگ اردو شاعری سے مس رکھتے ہیں ان سے بشیشر منشی بشیشور پرشاد منوّر۔ ملک الشعرا منشی دوارکا پرشاد افق کے صاحبزادے اور منشی نوبت رائے نظر کے شاگرد رشید ہیں۔ اس لئے ان کی زبان میں صفائی اور روانی بندشوں میں چستی اور ادائے مطالب میں بے تکلفی بالکل ایک غیر متوقع چیز ہے۔ لیکن ساتھ ہی یہ امر بھی قابل لحاظ ہے کہ حسن بندش ترجمہ کی صورت میں اور زیادہ دشوار ہے۔ اوّل تو ایک زبان کے لحاظ سے دوسری زبان سے مختلف ہوتے ہیں دوسرے سنسکرت جیسی زبان سے اردو میں ترجمہ کرنا اور بھی زیادہ مشکل ہے کیونکہ اردو ابھی تک فلسفیانہ اصطلاحات کی اچھی طرح متحمل نہیں ہو سکتی۔ مصنف موصوف نے اس دشواری پر بھی بخوبی عبور پا کر ہر جگہ زبان میں روانی کے ساتھ ساتھ اصل اسپرٹ موجود ہے۔ جہاں کہیں عبارت ایسی ہے کہ گیتا کے مفسروں میں اس کے مافی مطالب کے متعلق اختلاف رائے ہے اس موقعہ پر نوٹ کی صورت میں عبارت نثر لکھ کر وضاحت کر دی گئی ہے

تجربہ سے گلزار نسیم کی بحر مثنوی کے لئے نہایت موزوں ثابت ہوئی ہے۔ لیکن حسن و عشق کے قصے سے تو اور بات ہے۔ مگر اتنی چھوٹی بحر میں دقیق سے دقیق خیالات کا ادا کرنا کار سے دارد ہے۔ ہمارے خیال میں مصنف کی یہ خود اعتمادی تھی کہ اس نے اس بحر کو گیتا کے ترجمے کے لئے منتخب کیا اور بالآخر وہ اس میں کامیاب ثابت ہوا۔

کتاب کی تعریف میں ہندو شریمتی سروجنی نائیڈو - ڈاکٹر بھگوان داس اور علامہ کیفی جیسے مشہور ادیبوں نے کی ہے - ان کے خیالات کتاب کے شروع میں درج ہیں۔ علاوہ ازیں منشی گرسرن لال بی اے لکھنوی کا تعارف درج ہے۔ مصنف کی جانب سے ایک مختصر سی عبارت نثر میں اور ایک نظم میں ہے۔ اس کے بعد اصل ترجمہ ہے۔ ترجمہ کے بعد مصنف کی ایک نظم بھگتی کے متعلق ہے۔

یہ کتاب ادب اردو میں ایک قابل قدر اضافہ ہے۔ جو لوگ ہندو مذہب سے تعلق نہ بھی رکھتے ہوں ان کے لئے بھی اس کا مطالعہ بہ حیثیت ایک ادبی کارنامے کے دلچسپی سے خالی نہ ہوگا

کتاب میں علاوہ مصنف کے مصنف کے والد ماجد منشی دوارکا پرشاد صاحب افق اور استاد منشی نوبت رائے نظر کی تصویریں بھی آرٹ پیپر پر ہیں

کتاب کی لکھائی نہایت نفیس ہے چھپائی بھی اچھی ہے۔ کاغذ دبیز اور ٹائٹل دلفریب ہے
قیمت دو روپے

ملنے کا پتہ
منشی بشیشور پرشاد منوّر - ساکن بلبلی خانہ دہلی

سوویٹ پارلیمنٹ میں ایک دن

(بقایا مضمون صفحہ ۶)

روس میں سب سے زیادہ مزدوروں دستکاروں اور مزدور ہیں۔ اور سوویٹ روس کی مجلس ملی میں ان لوگوں کی ہی سب سے زیادہ نیابت ہے۔ ان کی تعداد ساڑھے ۶۰ فی صدی ہے۔ بیس سے پچیس فی صدی مندوبین زراعت پیشہ طبقہ کے ہیں۔ اس کے بعد سرخ افواج روس کی نیابت ہوتی ہے۔

دولت مندوں۔ ۔ ملکی کارخانجات یا مشتمل پُرانے خاندانوں اور سرمایہ داروں کو نیابت نہیں دی گئی۔ انہیں روس کی مجلس ملی میں کسی قیمت پر بھی شریک نہیں کیا جا سکتا۔ ان لوگوں کو بالکل اچھوت بنا دیا گیا ہے۔ اگر کسی کا ان سے تعلق اور ساز باز معلوم ہو جائے تو اس کا نتیجہ سوائے تباہی کے اور کچھ نہیں ہو سکتا۔ امیروں اور سرمایہ داروں کو بالکل علیحدہ کر دیا گیا ہے

روس کی پارلیمنٹ میں مملکت روس کے ہر حصہ کے لوگ آتے ہیں۔ وسط ایشیا کے ترک سے لے کر سائبیریا کے سرد علاقوں کے باشندے اور ہر وضع قطع کے لوگ اس میں جمع ہوتے ہیں۔ ہر نمائندہ اپنے وطنی لباس میں اور اپنے قومی اسلحہ سے مزین ہو کر آتا ہے جس کی رونق اور رنگا رنگی دیکھنے کے قابل ہوتی ہے۔ اور اس کی خوبصورتی و دلچسپی میں اس وجہ سے اور بھی اضافہ ہو جاتا ہے کہ ان مندوبین میں زیادہ تعداد صنف نازک کی ہوتی ہے ایسی مندوبین میں عورتیں زیادہ منتخب ہو کر آتی ہیں۔

سال کا اجلاس شروع ہونے کے وقت مندوب مالیات کی تقریر ہوتی ہے جس میں بجٹ پیش ہوتا ہے اور تمام ملک کی مالی حالت اور آئندہ مالی سکیمیں ملک کی رائے کے لئے پیش کی جاتی ہیں۔

اس کے بعد فوج اور دیگر شعبوں کے صدر اپنی اپنی سکیمیں اور پچھلے سال کے کوائف سے نمائندگان ملک کو آگاہ کرتے ہیں۔

رپورٹیں پیش ہونے کے بعد ان پر بحث ہوتی ہے اور آخر کار انہیں منظور کر کے آئندہ سال کے لئے نئی نئی سکیمیں اور تجویزیں منظور کی جاتی ہیں۔ اس کام کے لئے مجلس کو عموماً دو حصوں میں تقسیم کر دیا جاتا ہے۔

(۱) مجلس ارکان جمہوری

(۲) مجلس افراد ملی

یعنی جمہوریتوں کے بڑے بڑے ارکان مل کر ریزولیوشنوں پر غور کرتے ہیں اور پھر اپنی اپنی جمہوریتوں کی ماتحت مجالس سے تبادلۂ خیال کر کے ترمیم و تنسیخ سے کام لیتے ہیں اور آخر کار اُن پر رائے شماری کی جاتی ہے۔ جس میں بہت کم اختلاف دیکھا گیا ہے۔

اس سال کا سیشن خاص طور پر قابل لحاظ تھا۔ کیونکہ روس نے گذشتہ چند برسوں میں جس قدر ترقی کی ہے اس تمام کارروائی پر غور کیا گیا ہے۔ اور حکومت کے نظام اور ملکی شعبوں میں کئی نئی تبدیلیاں کی گئی ہیں۔ جس سے آئندہ چند برسوں میں روس کی حالت بالکل بدل جائے گی۔ نیز چند دستوری ترمیمیں بھی کی گئی ہیں جن کی وجہ سے روس کی پارلیمنٹ اب برطانیہ اور فرانس کی مجالس آئین ساز کی طرح منظم و ہر دلعزیز ہو جائے گی

{پچھلے صفحہ سے}

ہی کے سچے اور مصنوعی موتیوں میں صرف شکل سے امتیاز نہیں کیا جا سکتا ہے۔ کیونکہ دونوں کی ایک ہی سی شکل ہوتی ہے۔ لیکن ہندوستانی اور ایرانی موتیوں سے امتیاز کرنے کے لئے اتنا ہی کافی ہے۔ علاوہ ازیں ریڈیو گراف اور دوسرے ذرائع سے بھی انہیں آسانی سے پہچانا جا سکتا ہے

اب تک صرف جاپانی صدف سے اس قسم کے موتی پیدا کئے جا سکے ہیں۔ کیونکہ یہ صدف اُدھلے پانی میں رہتے ہیں۔ اس لئے ان کی نگہداشت کرنا اور اس پر سائنس کا عمل کرنا آسان ہوتا ہے

ہندوستانی صدف گہرے پانی میں رہتے ہیں اور یہ خیال ہے کہ یہ اُدھلے پانی میں زندہ نہیں رہ سکتے۔ اس لئے بظاہر ہندوستان اس صنعت کی کامیابی کا کوئی امکان نہیں ہے۔ لیکن گذشتہ تجربوں سے اس حد تک کامیابی ہوئی ہے کہ ہندوستانی صدف بھی اُدھلے پانی میں ایک سال سے زیادہ مصنوعی حالات میں زندہ رکھے جا سکے ہیں۔ اس لئے اس صنعت کے فروغ پانے کی امید کی جا سکتی ہے۔

بہرحال یہ پہلا قدم ہے اور زمانہ ہی طے کرے گا کہ آیا جاپان کی طرح ہندوستان میں بھی موتی بنانے میں کامیابی ہو سکتی ہے یا نہیں؟

دیہی صنعتیں اور دیہات کی نئی تعمیر

(از شری یت جے۔ سی۔ کمارپا)

گذشتہ سے پیوستہ

عام مرکزیت کا منشا یہ ہے کہ مرکز سے ہدایت
دی جائے کہ کس قسم کی اشیاء پیدا کی جائیں اور کس
طرح بلکہ پیدا کرنے والے کے ذوق اور استعداد پر اس معاملے
کو چھوڑ دیا جائے۔ صرف اسی صورت میں عوام کو ذاتی اظہار
جائے اور ذاتی عروج کا موقعہ مل سکتا ہے۔ اس کے خلاف
یہ کہا جا سکتا ہے کہ اگر ہر شخص کو اپنا من مانا کرنے کی اجازت
دے دی جائے تو اس کا نتیجہ وہی سرمایہ داری ہوگی کیونکہ
ایک شخص کو اپنی حرص کی وجہ سے پیداوار پر قابض ہونے
کا موقع ملے گا۔ یہ صحیح ہے لیکن بہر حال اس کا انسداد کرنا
ہوگا۔ اور یہ اس طرح ہو سکتا ہے کہ بڑی مشینوں سے کام
نہ لیا جائے اور زیادہ مقدار میں پیداوار نہ ہو۔ یعنی صرف وہی
مشینیں استعمال کی جائیں جن میں صرف ایک شخص کام کر سکے۔
مثلاً سینے کی مشین۔

علاوہ ازیں ہمیں عوام میں سودیشی کی تبلیغ کرنا ہوگی
تاکہ وہ سب سے قریب ترین لوگوں کی بنائی ہوئی چیزیں دور والوں
کی تیار کردہ چیزوں کے مقابلے میں استعمال کرنا اپنا فرض
سمجھیں۔ بالفاظ دیگر ہمیں ہر گاؤں کو کافی بالذات بنانے
کے قدیم نظریے کو از سر نو جاری کرنا ہوگا۔ تاکہ لوگوں کی
خاص خاص ضرورتیں خود ان کے گاؤں میں پوری ہو
سکیں۔ اور بڑی حد تک باہر کے محتاج نہ رہیں۔ اگر ہر گاؤں
اس طرح باہر سے مستغنی ہو جائے۔ اور اپنی خاص خاص
ضروریات خود پوری کرنے لگے تو ہر کاریگر صرف اتنی مقدار
میں چیزیں تیار کرے گا جتنی اس کے گاؤں کو ضرورت
ہو۔ یعنی پیداوار گاؤں کی مانگ کے مطابق محدود ہو جائے گی
اور جب یہ صورت ہوگی تو نہ زائد از ضرورت کا سوال پیدا ہوگا۔
اور نہ نئے نئے بازار تلاش کرنے کی شکل درپیش آئے گی
پھر کوئی تمام پیداوار پر قبضہ کرنے کی کوشش بھی نہ کرے گا کیونکہ
جب سودیشی کے استعمال کی وجہ سے ہر گاؤں کو اپنے گاؤں
کے باہر کی چیزوں کی ضرورت نہ رہے گی تو وہ اسے سعی
لاحاصل سمجھے گا۔

یہاں پر مناسب معلوم ہوتا ہے کہ سودیشی کا صحیح مفہوم
واضح کر دیا جائے۔ اور تمام امکانی غلط فہمیاں رفع کر دی
جائیں۔ کیونکہ سودیشی اور تنگ خیال جماعت بندی میں واقعی
غلط فہمیاں پیدا ہونے کا امکان ہے۔ تنگ نظر جماعت
بندی میں تو ایک شخص اپنی ہی جماعت فرقہ یا طبقہ کی چیزیں
استعمال کرنے کی قسم کھاتا ہے اور دوسرے کی یہاں گنجائش
ہی نہیں ہوتی۔ اسے کسی اصول سے تعبیر نہیں کیا جا
سکتا۔ اور اگر اس پر عمل کیا جائے تو قومی اور بین الاقوامی
اتحاد کے لئے منافی ثابت ہوتا ہے۔ فی زمانہ ریڈیو، ہوائی
جہاز اور تار برقی وغیرہ نے لوگوں کو ایک دوسرے سے
قریب تر کر دیا ہے۔ گویا فاصلے کے لحاظ سے دنیا سمٹ گئی
ہے۔ ایسی حالت میں یہ انتہائی حماقت ہوگی کہ دنیا کو چھوٹے
چھوٹے محدود حلقوں میں تقسیم کر دیا جائے۔ جہاں ایک
حلقہ کا دوسرے سے کوئی تعلق ہی باقی نہ رہے جامیان
سودیشی کا یہ منشا ہرگز نہیں ہے۔ ان کا منشا تو محض
یہ ہے کہ "خیرات پہلے گھر ہی سے شروع ہونا چاہیئے"
ہم پر سب سے پہلے ہمارے قریب پڑوسی کا حق ہے۔ اس
کے بعد رفتہ رفتہ یہ حلقہ وسیع ہوتا جاتا ہے۔ یہاں تک کہ تمام
بنی نوع انسان کو اپنی آغوش میں لے لیتا ہے۔

مثال کے طور پر ایک خاندان کو لیجیے۔ ہر شخص اپنے
اہل و عیال اور اپنے افراد خاندان سے زیادہ متعلق اور
منسلک ہوتا ہے اس لئے دوسروں کے مقابلہ میں اس کا
یہ فرض ہے کہ وہ ان کے خور و نوش کا انتظام کرے
اور انہیں نشانہ بھوک کا نہ رہنے دے۔ اپنے خاندان کے
فرائض سے بھی وہ بڑا ہوتے ہیں گویا سماج اور
تمام بنی نوع انسان کے فرائض سے سبکدوش ہوتا
ہے۔ یہ تمام دائرے ایک دوسرے سے جدا نہیں ہیں
بلکہ ان سب کا مرکز ایک ہی ہے۔ یعنی ایک کے اندر
ایک واقع ہے۔ چھوٹے اور بڑے دائرے میں کوئی
مخالفت یا تضاد نہیں ہے اس لئے اگر ہم چھوٹے دائرے
کی خدمت کریں تو گویا وہ بڑے دائرے کی بھی خدمت
ہوگی۔

لہذا سودیشی کا مفہوم یہ ہوا کہ قریب ترین لوگوں کا
حق پہلے ادا کیا جائے کیونکہ دوسروں کے مقابلہ میں ان
کا ہم پر زیادہ حق ہے۔ لیکن اس کا یہ منشا نہیں ہے کہ
ہم ایک خاص طبقہ تک اپنے آپ کو محدود کر لیں۔ اور باہر
کے افراد کے حقوق بالکل نظر انداز کر دیں۔
اس سلسلہ میں یہ کہاوت ہے کہ "خیرات گھر سے
شروع ہونا چاہیئے" بالکل صادق آتی ہے۔ کیونکہ اس
میں خیرات کے گھر سے شروع ہونے کی طرف اشارہ
ہے۔ یہ نہیں کہا ہے کہ خیرات گھر ہی میں ختم بھی ہو جانا
چاہیئے۔ اسی طرح سودیشی تحریک کا بھی یہی منشا ہے
کہ پہلے ہر شخص اپنے گاؤں کے حقوق سے عہدہ برا ہو
پھر رفتہ رفتہ اپنے دائرۂ عمل کو تمام نوع انسانی تک
پھیلا دے۔ یہ مسئلہ اتنا اہم ہے اور اس میں اتنی غلط فہمیاں
پیدا ہونے کا امکان ہے کہ سودیشی تحریک کے بانی کے
الفاظ بجنسہٖ نقل کر دینا زیادہ مناسب ہوگا۔ وہ فرماتے
ہیں کہ "سودیشی ہی ایک ایسا اصول ہے جو انسانیت
محبت کے عین مطابق ہے۔ اگر میں اپنے خاندان ہی کا
حق پوری طرح ادا نہیں کر سکتا تو سارے ہندوستان کی خدمت
کا خیال عبث ہے۔ اس لئے یہ مناسب ہے کہ میں اپنی تمام
سرگرمیوں کو اپنے خاندان کے لئے وقف کر دوں۔ اور یہ
یقین رکھوں کہ اس طرح ساری قوم بلکہ ساری دنیا کی خدمت
کر رہا ہوں۔ اسی کا نام محبت ہے اور یہی انسانیت ہے۔
ہر فعل کی نوعیت نیت پر منحصر ہوتی ہے۔ مثلاً اگر میں
دوسروں کی تکلیف کا لحاظ کئے بغیر اپنے خاندان کی غلط خدمت
انجام دوں جیسے فرض کیجیے کہ میں کوئی ایسی ملازمت یا
کاروبار کروں جس میں دوسروں سے زبردستی روپیہ حاصل
کیا جائے تو میں اپنے خاندان کو مالا مال کر دوں گا اور
اس کی تمام ناجائز ضروریات بھی پوری کر دوں گا۔ لیکن
حقیقت میں نہ تو یہ خاندان کی صحیح خدمت ہوئی اور نہ
ملک و قوم کی۔ بخلاف اس کے اگر میں یہ کہوں کہ خدا
نے مجھے ہاتھ پیر اس لئے دیئے ہیں کہ میں صرف اپنی اور
اپنے متعلقین کی پرورش کروں تو گویا میں اپنی
زندگی کو سادہ تر اور آسان تر بناتا ہوں۔ اس طرح مجھ سے
کسی کو نقصان نہیں پہنچے گا۔ اور صرف اپنے قریب ترین
لوگوں کی خدمت انجام دونگا۔ تصور کیجیے کہ اگر ہر شخص
یہی طرز عمل اختیار کرے تو ملک کی حالت کتنی بہتر اور
قابل رشک ہو جائے گی۔

یہ صحیح ہے کہ سب کے سب بیک وقت اس پر عمل
نہیں کر سکتے۔ لیکن جو کریں گے وہ بہر حال منزل مقصود
کو قریب تر لانے میں ممد ثابت ہوں گے۔ اگر میں تمام
دوسرے ممالک کو نظر انداز کر کے صرف ہندوستان کی ہی
خدمت کرنا چاہوں تو میرے اس طرز عمل سے کسی
ملک کو نقصان نہیں پہنچے گا

یہ نہ صرف ایک اعلیٰ نظریہ ہے بلکہ ایک مذہبی اصول
ہے۔ اہنسا اور محبت پر عمل کرنے کا ایک معقول ذریعہ
ہے ہم اس عقیدے کے علمبردار ہیں۔ اس لئے ہمیں
اپنے عمل سے یہ ثابت کرنا چاہیئے کہ وہ وطن پرستی
جس کی بنیاد محبت پر قائم ہو حیات بخش ہوتی ہے اور
جس کی بنیاد نفرت پر ہو وہ روح کو فنا کر دیتی ہے۔"

گویا سودیشی کی تحریک اپنے مفہوم میں پوری وسعت
رکھتی ہے۔ جب ہمیں یہ تسلیم ہے کہ ساری دنیا ایک کل
ہے اور اس کے تمام اجزا ایک دوسرے سے بہت زیادہ
منسلک ہیں تو سودیشی کا مفہوم یہ ہوا کہ ایک محدود
طبقے کی خدمت ساری دنیا کی خدمت کے مترادف ہے
بشرطیکہ اس کا بھی لحاظ رکھا جائے کہ دوسروں کو
بھی اسی طرح اپنے محدود حلقے کی خدمت کا حق
حاصل ہے۔ (باقی آئیندہ)

فلم میں اصلاح

صفحہ ۴۷ سے آگے

اخلاق و شرافت اور تہذیب و معاشرت کے لئے خطرۂ عظیم قرار دیا ہے۔

جہاں تک حقایق و واقعات کا تعلق ہے کسی حقیقت کے دعوے کو یکسر بے اصل اور ناقابلِ التفات قرار نہیں دیا جا سکتا۔ سینما کی افادیت سے قطعی انکار، روزِ روشن میں چمکتے ہوئے آفتاب کی تکذیب ہے اور اس کے مفاسد اور مضار پر پردہ ڈالنا خود کو اور دوسروں کو مبتلائے فریب کرنے کی سعی کا نام ہے۔ اس ہنگامہ زار تصادم و کشمکش میں طریقِ صواب یہی ہے کہ ہم سینما کے منافع و مفاد کا بھی اعتراف کریں۔ اور اس کے مضار و مفاسد کے قبول سے بھی گریز پا نہ ہوں۔ اس سنجیدہ اور معقول مفاہمت کا نتیجہ یہ ہوگا کہ ہم اتحادِ خیال اور اشتراکِ عمل کے ساتھ سینما میں ایسی کامیاب اصلاح کر سکیں گے جس سے وہ ہمارے لئے قریب قریب کلیۃً تفریح بخش اور فائدہ رساں بن جائے گا۔ اور اس کی مضرتیں اور خرابیاں تقریباً نیست و نابود ہو جائیں گی۔ جو حضرات سینما کے مخالف ہیں۔ ان کی خدمت بالخصوص میرا مشورہ اخلاص ہے کہ ان کے احتجاج پر پبلک اس دلکش ترین پیرایۂ تفریح کو ترک نہیں کر سکتا۔ لہٰذا قلوب سینما کے دلدادہ "آہ فلستانی" پر ایمان لا چکے ہیں کہ آپ کی مطلق صدائے رد و انکار فضائے بسیط کم ہو جانے کے سوا آپ کی سامعہ نوازی کے لئے کوئی زیادہ تاثیر نہیں رکھتی۔ اس لئے حجت و انکار کی بجائے جادۂ اصلاح کی راہ پر گامزن ہونا زیادہ قرینِ صواب ہوگا۔ ساتھ ہی حامیانِ سینما سے بھی مجھے یہ عرض کر دینا ہے کہ اگر آپ معقول پسند ہیں اور آپ کو بصیرت و سنجیدگی سے گریز نہیں ہے تو آپ کو بھی مطلق العنانی اور کجروی کی راہ ترک کر دینی چاہیے۔ اور اپنی تمام سرِ فکر و توجہ کو سینما کی اصلاح کے لئے وقف کر دینا چاہیے۔ آپ اپنے گوشِ شنوا میں غفلت کی روئی ٹھونس کر اور چشمِ بینا پر بے بصیرتی کی پٹی باندھ کر دانش و بینش کا ثبوت نہیں دے سکتے۔ آخر اس کے کیا معنی ہیں کہ ہم تفریح و دل بستگی کے نام سے ان حیا سوزیوں اور بدکرداریوں کو روا رکھیں جن پر شرافتِ انسانی کو ماتم گسار ہونا پڑے۔ مغربی ممالک کے باشندوں سے زیادہ تفریح و دل بستگی کا والہ و شیدا اور کون ہو سکتا ہے؟ وہ اپنے جذبۂ تفریح کی پرورش سے تجاوز کر کے پرستش کی حد تک پہنچ چکے ہیں۔ یہاں تک کہ ان کی بد اشغالی کے ہاتھوں شرافتِ انسانی کا دامن تار تار نظر آ رہا ہے۔ لیکن فلمی مغرب میں بھی وہ بے اصولیاں اور بے اعتدالیاں موجود نہیں ہیں جو فلمی ہند میں کار فرما ہیں۔

(باقی آئندہ)

مہاتما ودرن کا ایک سین

کولہاپور سینیٹون کا مشہور کھیل بہت جلد آرہا ہے

مختار بیگم مجنوں ۱۹۳۵ء میں

جو کہ جوبلی ٹاکیز میں چل رہا ہے

Regd L No [illegible]

دھرم کی دیوی میں

کمار اور سردار اختر

Printed and Published by Dharampal Gupta at the TKJ Press, Burn Bastion Road Delhi

سوراجیہ بھون الہ آباد

سورگیہ پنڈت موتی لال نہرو کی عطا کی ہوئی عالیشان تاریخی عمارت جو اس ہفتہ کانگریس کی سرگرمیوں کا مرکز رہی

TEJ WEEKLY

ہفتہ کی مشہور شخصیتیں

بابو سبھاش چندر بوس
آپ کو ساحل بمبئی پر اترتے ہی گرفتار کر لیا گیا

مسٹر بھولا بھائی ڈیسائی
انہوں نے کملا نہرو میموریل فنڈ میں پانچ ہزار روپیہ دان دیا ہے

سری سی راجگوپال آچاریہ
جو خاص دعوت نامہ پر کانگریس ورکنگ کمیٹی میں شریک ہوئے ہیں

مسز نیلی سین گپتا
آپ کلکتہ کارپوریشن کی ایلڈرمین مقرر ہوئیں

مسٹر ڈی پی کھیتان
آپ انڈین مرچنٹس چیمبر [illegible] کے صدر منتخب ہوئے ہیں

مہاراجہ پٹیالہ
آپنے ایوان والیان ریاست کی صدارت سے استعفیٰ دیدیا

مسٹر ڈی ویلیرا
جنکی آنکھ کا آپریشن کامیاب ثابت ہوا

سر فلپ چٹووڈ
سابق کمانڈر انچیف ہند
انہوں نے فوج کو ہندوستانی بنانے کے خلاف لندن میں ایک سخت تقریر کی

لارڈ ولنگڈن
انہوں نے قانون ساز ایوانوں کے مشترکہ اجلاس میں تقریر کرتے ہوئے کانگریس کی تحریک کے خلاف سخت الفاظ استعمال کئے

آج کی خبریں

مسٹر جناح کے نام بابو راجیندر پرشاد کا ضروری مراسلہ

ایک مشترکہ محاذ کے متعلق اہم تجاویز

بمبئی - ۱۰ اپریل یونائٹڈ پریس کو معلوم ہوا ہے کہ بابو راجندر پرشاد نے مسٹر جناح صدر آل انڈیا مسلم لیگ کے نام ایک خط تحریر کیا ہے جس میں کانگریس اور مسلم لیگ کے درمیان اسمبلی اور اسمبلی سے باہر بہت سے اہم معاملات کے متعلق مشترکہ طریق کار تجویز کیا گیا ہے۔ یہ بھی معلوم ہوا ہے کہ بابو راجندر پرشاد نے مسٹر جناح کو کمیونل ایوارڈ اور مشترکہ انتخاب کے سلسلہ میں بھی کئی اہم تجویزیں بھیجی ہیں۔ خیال کیا جاتا ہے کہ مسٹر جناح نے ان اہم معاملات کے متعلق مشترکہ محاذ قائم کرنے کے سلسلہ میں بابو راجندر پرشاد کی تجاویز سے اتفاق ظاہر کیا ہے۔ ی۔ پ۔

جاپان کا سالانہ بجٹ

نصف فوجی کاموں کیلئے

ٹوکیو - ۱۰ اپریل ۱۹۳۶ء اور ۱۹۳۷ء کیلئے جاپان کا سالانہ بجٹ ساڑھے تیرہ کروڑ پونڈ کا منظور کیا گیا ہے جس میں سے آدھا روپیہ جنگی کاموں پر خرچ کیا جائیگا۔ اندازہ کیا گیا ہے کہ تین کروڑ بیس لاکھ پونڈ تو بری فوج اور تین کروڑ پونڈ بحری فوج پر خرچ ہوگا۔

کانگریس کا آئندہ اجلاس

لکھنؤ - کانگریس کیمپ - ۱۰ اپریل معلوم ہوا ہے کہ انڈین نیشنل کانگریس کا آئندہ اجلاس پونہ میں ہوگا جہاں کے لئے مہاراشٹر کی جانب سے مشترکہ طور پر اجلاس مدعو کرینگے۔ ا۔ پ۔

تیرہ کی کمیٹی کا اجلاس ملتوی

جینوا ۱۰ اپریل - مختلف حکومتوں کے تیرہ نمائندوں پر مشتمل کمیٹی کا اجلاس ۱۶ اپریل تک ملتوی ہو گیا تاکہ مسٹر ایڈن کو موقع دیا جائے کہ وہ اطالوی صورت حالات سے اچھی طرح آگاہ ہو سکیں۔

مسٹر ایڈن کی تحریک پر یہ فیصلہ کیا گیا کہ مسولینی سے یہ التماس کرنے کے لئے کہا جائے کہ اٹھارہ کی کمیٹی کسی وقت بھی اپنا اجلاس منعقد کرنے کے لئے تیار رہے گی خیال ہے کہ اٹھارہ کی کمیٹی کا اجلاس غالباً آئندہ شکروار کو ہوگا۔

جرمنی سفیر کی لندن میں وفات

حرکت قلب بند ہو گئی

(نامہ نگار اسپیشل سروس)

لندن ۱۰ اپریل - لندن میں جرمنی سفیر وان ہیچ کا حرکت قلب بند ہو جانے کے باعث انتقال ہو گیا۔ ۱۹۳۲ء سے اب تک لندن میں یہ سفیر مقرر تھا۔ اس کی عمر اس وقت ۵۴ سال کی تھی۔ اس سے پیشتر ۱۹۲۳ء سے ۱۹۳۲ء تک یہ پیرس میں بھی جرمنی سفیر رہ چکا تھا۔ رائن لینڈ میں جرمنی کی فوجوں کے تعینات ہونے کے بعد اس سفیر نے ہر ہٹلر کے خیالات کی لندن میں بڑی حد تک ترجمانی کی۔

سرحد پر حادثہ

سردار ہلاک ہو گیا

پشاور - ۱۰ اپریل - موضع ... مرزا ساکن یوسف سرحدی پولیس گزشتہ شام کو ایک مسلح مفرور کو گرفتار کرنے کی کوشش میں ہلاک ہو گیا۔ حملہ آور بھی اس جنگ دو دو میں زندہ نہ بچ سکا۔ ا۔ پ۔

ہنڈن برگ کا تند ہوا سے مقابلہ

دو انجن ناکارہ ہو گئے

برلن - ۱۰ اپریل - انجن میں خرابی ہونے کے باعث ہنڈن برگ نامی جہاز بجائے خلیج بسکے کے بحیرہ روم سے پرواز کر کے قریبی راستے سے واپس آ رہا ہے اور خیال ہے کہ آج فریڈرکس ہافن میں پہنچ جائے گا۔

بیان کیا جاتا ہے کہ انجن میں کچھ نقص پیدا ہو گیا ہے۔ زیپلن کے ایک افسر نے بیان کیا کہ زیپلن جنوبی بحر اوقیانوس کو نہایت آسانی کے ساتھ عبور کر سکتا ہے خواہ ایک انجن ناکارہ ہی کیوں نہ ہو جائے۔ سائیلز کا ایک پیغام مظہر ہے کہ ہنڈن برگ اس وقت جبرالٹر کے اوپر سخت تند ہوا کا مقابلہ کر رہا ہے۔

پیرس کی ایک اطلاع مظہر ہے کہ فرانس کی ہوائی وزارت نے ہنڈن برگ کے ایک فوری پیغام کے جواب میں اسے فرانس کے علاقہ سے پرواز کرنے کی اجازت دے دی ہے۔

بعد کی اطلاع مظہر ہے کہ ہنڈن برگ جہاز کے چار انجنوں میں سے دو انجن ناکارہ ہو گئے ہیں۔ اس لئے کوہ ایلپس سے سیدھا جانے کے بجائے یہ رہون وادی سے گذر رہا ہے۔

شری سبھاش بوس کی گرفتاری کیخلاف صدائے احتجاج

کراچی والوں کا عام جلسہ

کراچی ۱۰ اپریل - لوکل کانگریس کمیٹی کے زیر اہتمام آج شام کو باشندگان کراچی کا ایک عام جلسہ سوامی گوبند آنند کی زیر صدارت منعقد ہوا جس میں شری سبھاش چندر بوس کی گرفتاری کے خلاف صدائے احتجاج بلند کی گئی اور شری سبھاش بوس کو خراج تحسین ادا کیا گیا۔ مقرروں نے کہا کہ کسی عدالت کے ذریعہ مقدمہ چلائے بغیر اس طریقہ پر شری بوس کو گرفتار کر لینا بالکل نامناسب ہے۔ (ا۔پ)

توہم پرستی کی حد ہو گئی

گنجے سروں پر ناریل توڑے گئے

مدراس - ۱۰ اپریل - اس سے بیشتر توہم پرستی کے سلسلہ میں بہت سی باتیں سامنے آئی ہیں مگر آج ایک نئی قسم کی بات معلوم ہوئی ہے۔ مدراس کے ایک موضع ترم مالی سے اطلاع ملی ہے کہ وہاں کے ایک مندر میں ایک سالانہ تہوار کے موقع پر بہت بھگت لوگ اکٹھے ہوئے اور انہوں نے اپنی سر دھاریوں کھائی کہ گھٹے ہوئے سروں پر تین تین چار چار ناریل توڑ کر ٹکڑے ٹکڑے کر دیئے جائیں چنانچہ ان بھگتوں کا ایک گروہ مورتی کے سامنے جھک گیا اور پجاریوں نے ان کے سروں پر ناریل دے مارے۔ بھگتوں نے منہ سے اف تک نہ کی اور ناریل تڑواتے رہے۔ دیکھنے والوں کے رونگٹے کھڑے ہو رہے تھے مگر یہ بھگت ٹس سے مس نہ ہوتے تھے۔ ا۔ پ

ایک شب میں تین قتل

ہندو ساہوکار ہلاک کر دیئے گئے

کراچی - ۱۰ اپریل - لاس بیلا ریاست سے ... میں قتل کی تین وارداتوں کی اطلاع ملی ہے۔ کہا جاتا ہے کہ تین ساہوکار ایک احاطہ میں سو رہے تھے کہ آدھی رات کے وقت چند مسلم قرضداروں نے جو کلہاڑیوں اور دیگر ہتھیاروں سے مسلح تھے ان پر حملہ کر دیا۔ اور انہیں مہلک ضربات آئیں۔ اس کے بعد حملہ آوروں نے ان پر ضعیفوں کو ڈال دیا۔ صبح کو جب یہ ساہوکار اپنی دکان پر نہ جا سکے تو ایک آدمی ان کے مکان پر آیا اور دروازہ اٹھا کر دیکھا تو پتہ لگا کہ انہیں کوئی قتل کر گیا ہے۔ پتہ لگا ہے کہ مقتولوں نے تیس ہزار روپیہ بطور قرض دے رکھا تھا۔ اور روپیہ وصول نہ ہونے کی صورت میں انہوں نے قرضداروں کے خلاف قانونی کارروائی کر رکھی تھی۔ پولیس تحقیقات کر رہی ہے۔ (ی۔ پ)

محکمہ کوآپریٹو کے افسران کی تربیت

بنگال گورنمنٹ کی نئی اسکیم

کلکتہ - ۱۰ اپریل - یونائٹڈ پریس کو معلوم ہوا ہے کہ حکومت بنگال اس صوبہ میں محکمہ کوآپریٹو کے افسران اور دیگر کارکنان کی تربیت کے لئے ایک سکیم جاری کرنے والی ہے جس کے ماتحت ایک بینک قائم کھولا جائے گا جہاں ان افسران کو لیکچر دیئے جائیں گے۔ (ی۔ پ)

آل انڈیا مسلم لیگ کا اجلاس

سنٹرل مسلم پارلیمنٹری بورڈ کی تجویز

بمبئی ۱۰ اپریل - آل انڈیا مسلم لیگ کا ۲۴ واں سالانہ اجلاس کے سلسلہ میں جو کل ہو رہا ہے لیگ کونسل کا ایک ضروری اجلاس آج شب کو اسلام کلب میں مسٹر جناح کی زیر صدارت منعقد ہوا۔ حاضرین میں سر محمد یعقوب۔ مسٹر عبدالمتین چودھری۔ نواب احمد یار خاں دولتانہ۔ سر سید وزیر حسن۔ سر سلیمان قاسم مٹھا۔ مسٹر حسین بھائی لالجی ممبر اسمبلی اور مسٹر سید حسین امام کے نام خاص طور پر قابل ذکر ہیں۔ جلسہ میں مسٹر جناح کے پیش کردہ کئی ریزولیوشنوں پر بحث ہوئی اور انہیں سبجیکٹ کمیٹی میں پیش کرنے کے لئے منظور کیا گیا۔ سب سے اہم ریزولیوشن یہ تھا کہ ایک مسلم سنٹرل پارلیمنٹری بورڈ قائم کیا جائے۔ تاکہ صوبجاتی کونسلوں میں مسلم امیدوار کو بھیجا جائے۔ اور الیکشن میں باقاعدہ حصہ لیا جائے۔ یہ ریزولیوشن کونسل نے منظور کیا۔

دوسرا ریزولیوشن راجہ غضنفر علی خان نے پیش کیا کہ آل انڈیا مسلم لیگ کونسل کے ممبران کو منتخب کیا جائے کہ وہ کسی دوسری مسلم انجمن کا ممبر نہ بنے۔ لیگ کی ممبری کی فیس میں تخفیف کرنے کا ریزولیوشن بھی پیش کیا گیا۔ (ی پ)

علیگڈھ یونیورسٹی کورٹ کی میٹنگ

پرو وائس چانسلر کا انتخاب

علیگڈھ - ۱۰ اپریل - پرو وائس چانسلر کے انتخاب کے متعلق ایک ترمیم کے فیصلہ کرنے کے لئے علیگڈھ یونیورسٹی کورٹ کا ایک اجلاس منعقد ہوا۔ شروع میں شہنشاہ جارج پنجم کی وفات پر تعزیتی ریزولیوشن پاس کیا گیا۔ اور بہت سی دیگر حضرات کی وفات پر ریزولیوشن پاس کئے گئے۔ اور اجلاس ملتوی ہو گیا۔ دوپہر کو پھر اجلاس ہوا جس میں پرو وائس چانسلر کے عہدہ کو برقرار رکھنے کا فیصلہ کیا گیا۔ اور پروفیسر اے۔ بی۔ اے حلیم کو پرو وائس چانسلر منتخب کیا گیا۔ ا۔پ

بریلی ۱۰ اپریل - گورنر یو۔ پی اور لیڈی ہیگ شیر گڑھ (؟) کو دورہ ریاست میں تشریف لائے۔

حبش کی جنگ آزادی سے اظہار ہمدردی جمعیت اقوام کی مذمت

سبجکٹس کمیٹی کے اجلاس میں انڈیا ایکٹ مسترد کرنے کے ریزولیوشن پر بحث

کونسلوں کے بائیکاٹ اور پارلیمنٹری بورڈ کو توڑنے کی اسکیم

وزارتوں کی منظوری کے حامیوں و مخالفوں میں رسہ کشی

صوبائی نگر کیمپ۔ ۱۰ اپریل۔ آج سبجکٹس کمیٹی میں نئے آئین کے متعلق ورکنگ کمیٹی کی ترامیم پر مزید گرما گرم بحث و تمحیص ہوتی رہی۔ کانگریس، ورکنگ کمیٹی کی تمام ترامیم منظور ہو گئیں۔ سوشلسٹوں نے ایک ترمیم کے ذریعہ ورکنگ کمیٹی کی سفارشات کے خلاف نسبتی نیابت حاصل کرنے کی کوشش کی لیکن پنڈت جواہر لال نہرو کی حمایت کے باوجود ان کی ترمیم مسترد ہو گئی۔

چار بجے کے بعد ورکنگ کمیٹی کا جب دوبارہ اجلاس شروع ہوا تو مسٹر کے۔ ایف۔ نریمان نے اٹلی اور حبش کی جنگ کے سلسلہ میں کانگریس کے رویہ کے متعلق حسب ذیل ریزولیوشن پیش کیا۔

یہ کانگریس حبش کے لوگوں سے جو ملوکیت پرستانہ جارحانہ اقدام کے خلاف اپنے اور وطن کی حفاظت میں نہایت بہادری سے لڑ رہے ہیں۔ ان سے ہندوستانی قوم کی طرف سے اظہار ہمدردی کرتی ہے۔ اور حبش کی جنگ کو تمام ان قوموں کی جنگ آزادی سمجھتی ہے جن سے ناجائز نفع بازی کی جاتی ہے۔ مسٹر اچیت پٹوردھن (کانگریس سوشلسٹ) نے اس ریزولیوشن میں حسب ذیل اضافہ کیا:۔

یہ کانگریس بڑی بڑی حکومتوں اور جمعیت اقوام کی ان کی اس پالیسی کی مذمت کرتی ہے جو انہوں نے اٹلی اور حبش کی جنگ کی جانب اختیار کر رکھی ہے۔

مسٹر نریمان کا اصلی ریزولیوشن معہ مسٹر پٹوردھن کی ترمیم کے جب رائے شماری کے لئے پیش ہوا تو اتفاق رائے سے پاس ہو گیا۔

انڈیا ایکٹ مسترد

اس کے بعد بابو راجندر پرشاد نے وہ جامع ریزولیوشن پیش کیا جو کانگریس ورکنگ کمیٹی نے گورنمنٹ آف انڈیا ایکٹ کے متعلق اب الہ آباد کے اجلاس میں مرتب کیا تھا یہ ریزولیوشن اس طرح سے ہے:۔

گورنمنٹ آف انڈیا ایکٹ ۱۹۳۵ء وہائٹ پیپر اور جائنٹ پارلیمنٹری کمیٹی کی رپورٹ پر مبنی ہے اور جو کئی لحاظ سے ان تجاویز کی نسبت بھی بہت بدتر ہے جن کا اس میں ذکر کیا گیا ہے اور یہ ایکٹ کسی طرح سے بھی ملک و قوم کی نمائندگی نہیں کرتا نیز اس کا خاکہ اس طرح سے تیار کیا گیا ہے جس کا مقصد ہندوستان کے لوگوں کو ہمیشہ کے لئے غلام رکھنا نیز ان سے ناجائز نفع بازی کرنا ہے۔ اور اس کو ہندوستان پر شہری آزادی سلب کرنے اور جابرانہ قوانین کے ساتھ ٹھونس دیا گیا ہے۔ اس لئے یہ کانگریس تمام نئے آئین کو مسترد کرنے کے ریزولیوشن کا اعادہ کرتی ہے اور اس نئے آئین کو بالکل نامنظور کرتی ہے۔

یہ کانگریس قومی آزادی کے لئے نیز ایک جمہوری حکومت کے لئے ہندوستانیوں کی نمائندہ ہونے کی حیثیت میں اس امر کا اعلان کرتی ہے کہ کوئی آئین جو کسی بیرونی طاقت کی طرف سے ہم پر ٹھونس دیا جائے یا کوئی آئین جس سے ہندوستان کے لوگوں کی آزادی کم ہوتی ہو ناقابل قبول ہوگا۔ ان کو اپنے سیاسی اور اقتصادی مستقبل کی تشکیل کرنے نیز اس پر عمل کرنے کا حق حاصل ہونے کا اختیار نہ دیا گیا ہو کسی بھی صورت میں منظور نہیں کیا جا سکتا۔ اس کانگریس کی رائے میں ایسا آئین ہندوستان کی بحیثیت ایک قوم کے آزادی پر مبنی ہونا چاہئے۔ اور اس قسم کا آئین ایک نمائندہ اسمبلی ہی مرتب کر سکتی ہے۔ جو حق رائے دہی بالغان کے اصول یا اس سے ملتے جلتے کسی اصول پر ملک کے منتخب نمائندوں پر مشتمل ہو۔ اس لئے یہ کانگریس اپنے ریزولیوشن کا اعادہ کرتی ہے اور ہندوستانی باشندوں پر مشتمل ایک نمائندہ اسمبلی کے پرزور مطالبہ کا اعادہ کرتی ہے اور اپنے نمائندوں اور ممبروں سے خواہ وہ مجالس آئین ساز کے اندر ہوں یا باہر درخواست کرتی ہے کہ وہ اس مطالبہ کو پورا کرنے کے لئے کوشش کریں۔

وزارتوں کی منظوری کا مسئلہ

بابو راجندر پرشاد نے اپنا ریزولیوشن پیش کرتے ہوئے اپنی تقریر میں فرمایا کہ ہمیں صحیح طور پر معلوم نہیں ہے کہ نیا آئین کب نافذ ہوگا۔ اور وزارتوں کی منظوری یا نامنظوری کے متعلق دو ٹوک فیصلہ کرنا قبل از وقت ہوگا اور اس ریزولیوشن کی عبارت اس طرح سے تجویز کی گئی ہے جس سے دونوں نظریات کے لئے دروازہ کھلا ہے۔ اور اگر وزارتوں کی منظوری سے ہمارے مقصد کو تقویت پہنچتی ہو تو ہم اسے بے ضابطہ قرار نہیں دے سکتے۔

دس بجے کے بعد جب دوبارہ اجلاس شروع ہوا تو ورکنگ کمیٹی کے وزارتوں کی منظوری اور اصلاحات کے بارے میں ریزولیوشن میں چھ ترامیم پیش ہوئیں۔ مسٹر امرت لال سیٹھ کی ترمیم کے سوا باقی ترامیم سوشلسٹوں کی طرف سے پیش کی گئی تھیں کہ نئے آئین کو تباہ کرنے کی پالیسی اختیار کی جائے۔ مسٹر امرت لال سیٹھ کی ترمیم کا مقصد یہ تھا کہ ہندوستانی ریاستی پرجا کو بھی نمائندہ اسمبلی میں شامل کیا جائے۔ ان ترامیم کی حمایت میں سوشلسٹ مقرروں نے اس امر پر زور دیا کہ اگر ہم آئین تباہ کرنے کی پالیسی اختیار نہیں کرتے اور اس کے بجائے وزارتوں کی منظوری کے لئے دروازہ کھلا چھوڑتے ہیں تو اس کا مسترد بے معنی ہے۔ وزارتیں منظور کرنے سے کانگریس کا آدرش کم ہو جائے گا اور یہ ایک اخلاقی گراوٹ ہے۔ جس سے بہت ہی ناخوشگوار صورت حالات کے پیدا ہونے کا امکان ہے۔

کونسلوں کے بائیکاٹ کی ترمیم

مسٹر اے۔ کے۔ [illegible] نے ایک ترمیم پیش کی کہ نئے آئین کے ماتحت کونسلوں کا بالکل بائیکاٹ کیا جائے کیونکہ اس سے ہماری ناکامی ثابت ہوتی ہے۔

مسٹر [illegible] نے ایک ترمیم پیش کی کہ پارلیمنٹری بورڈ کو توڑنے کا پیراگراف ریزولیوشن میں سے نکال دیا جائے۔ اپنی تقریر کے دوران آپ نے ہاؤس سے مطالبہ کیا کہ وہ اس معاملہ پر غور کرنے کے بعد اپنی رائے ظاہر کریں اور وزارتوں کی منظوری کے سوال پر اچھی طرح سے غور کریں۔ کیونکہ یہی انقلابی راستہ ہمارے لئے کھلا ہوا ہے اور دوسرے تمام طریقے ناکام اور غیر موثر ثابت ہو چکے ہیں۔

کویشر جی کی ترمیم

ورکنگ کمیٹی کے دفتری ریزولیوشن میں سردار شاردول سنگھ کویشر نے تحریک پیش کی کہ نئے آئین میں وزارتوں کی منظوری پر پابندی عائد کر دی جائے۔ معلوم ہوا ہے کہ ورکنگ کمیٹی نے اپنے اصلی ریزولیوشن پر قائم رہنے کا فیصلہ کیا ہے اور ورکنگ کمیٹی کے ممبر مجموعی طور پر اس دفتری ریزولیوشن کی حمایت میں ووٹ دینگے۔

ریاستی پرجا اور کانگریس

ورکنگ کمیٹی کے دوسرے اجلاس میں حسب ذیل دیگر مسائل پر غور کیا گیا (۱) ریاستی پرجا اور کانگریس کے درمیان رشتہ (۲) ورکنگ کمیٹی کا اقتصادی پروگرام جس کی تجویز کانگریس سوشلسٹ پارٹی سبجکٹس کمیٹی کے روبرو پیش کرے گی اس کی جانب کیا رویہ اختیار کرنا چاہئے (۳) جدید اصلاحات کے ماتحت ہندوستان سے برما کی علیحدگی کے پیش نظر سارے برما کی کانگریس کمیٹی کا انڈین نیشنل کانگریس سے کیا رشتہ رہے گا۔

پہلے معاملہ کے متعلق معلوم ہوا ہے کہ ورکنگ کمیٹی نے پنڈت جواہر لال نہرو کو یہ اختیار دیا ہے کہ آپ ورکنگ کمیٹی کے کل کے اجلاس میں کانگریس کے نظریات پر مشتمل اپنا مسودہ پیش کریں۔ دوسرے معاملہ کے متعلق پنڈت پرشوتم داس ٹنڈن سے کہا گیا کہ آپ اس کے متعلق ایک مسودہ ورکنگ کمیٹی کے کل کے اجلاس میں پیش کریں۔

تیسرے معاملہ کے متعلق یہ فیصلہ کیا گیا کہ جدید اصلاحات کے ماتحت برما کی ہندوستان سے علیحدگی کے باوجود برما اور کانگریس کے موجودہ تعلقات جاری رہیں گے۔

سبجکٹس کمیٹی کا اجلاس آج رات کے ۹ بجے ختم ہوا اور کل پھر ۲ بجے کے بعد دوپہر شروع ہوگا۔ جبکہ اس معاملہ پر رائے شماری ہوگی۔ رات کا وقفہ فریقین کو اپنی طاقت منظم کرنے کا موقع دے گا۔ ورکنگ کمیٹی کا اجلاس کل صبح پھر ۹ بجے صورت حالات پر غور کرنے کے لئے شروع ہوگا۔

حال کے آثار ظاہر کرتے ہیں کہ سبجکٹس کمیٹی کے اجلاس میں سوشلسٹ طبقہ اپنی اس ترمیم کے لئے کہ مجالس آئین ساز میں داخل ہو کر کانگریس کو نیا آئین تباہ کرنا چاہئے کافی ووٹ حاصل کر سکے گا۔ ورنہ وہ اپنی جدوجہد کھلے اجلاس میں جاری رکھیں گے۔

آل انڈیا سنتھ کانفرنس کا اجلاس

غیر معینہ عرصہ کیلئے ملتوی

دہلی۔ ۱۰ اپریل۔ آل انڈیا سنتھ کانفرنس کی استقبالیہ کمیٹی کا اجلاس مسٹر پرشوتم لال ایڈووکیٹ کی صدارت میں منعقد ہوا۔ جس میں فیصلہ کیا گیا کہ چونکہ ایسٹر کی تعطیلات میں کانفرنس کا اجلاس منعقد نہیں ہو سکا۔ اس لئے غیر معینہ عرصہ کے لئے ملتوی کر دیا جائے۔ (ا۔پ)

آبکاری پولیس کا چھاپہ

۸ مرد اور ایک عورت گرفتار

مانٹگمری ۱۰ اپریل۔ چک نمبر ۱۵ سے ۸ آدمیوں اور ایک عورت کی قانون آبکاری کے ماتحت گرفتاری عمل میں آئی ہے۔ بیان کیا جاتا ہے کہ آبکاری پولیس نے چھاپہ مار کر ان کے قبضہ سے بہت سی ناجائز کشید شراب لاہن اور کشید میں کام آنے والے آلات برآمد کئے۔

ریونیو ممبر جبلپور رخصت پر

ناگپور ۱۰ اپریل: ایک اعلان مظہر ہے کہ آنریبل مسٹر ای۔ گارڈن ریونیو ممبر گورنمنٹ کونسل ۲۲ اپریل سے اپنے عہدہ سے مستعفی ہو کر رخصت پر جا رہے ہیں۔ خیال کیا جاتا ہے کہ آپ کی جگہ مسٹر بی۔ پی۔ برٹن کمشنر جبلپور ڈویژن کو مقرر کیا جائے گا۔ (ا۔پ)

مادرِ وطن کے سرمایۂ ناز پنڈت جواہر لال نہرو

از نتیجۂ فکر جناب امیر الشعرا پنڈت ... صاحب ...

اے جواہر لال، موتی لال کے لختِ جگر | تجھ پہ رہ رہ کر وطن والوں کی پڑتی ہے نظر
شمعِ محفل سے سوا تیری ضیا میں ہے اثر | آب لاثانی ہے جس کی، تو وہ یکتا ہے گہر

نوجوانِ ہند کی معراج ہے تیرا وجود!
تیری رفعت کو پہنچ سکتا نہیں چرخِ کبود!

ذاتِ واحد نے عطا کی ہیں تجھے وہ خوبیاں | ذکر سے جن کے ہیں قاصر شاعرانِ خوش بیاں
تیری بے خوفی کے آگے ہیچ ہے شیرِ ژیاں | تیری ہمت کو نرا معیار رکھتا ہے جواں

صبر ہے تیرا ہنر اور راستی تیرا شعار
ہند کا عالم میں قائم ہے ترے دم سے وقار

آگ میں جس طرح سونے کی چمک ہوتی ہے تیز | دھوپ میں باغوں کے پھولوں کی مہک ہوتی ہے تیز
شب کی تاریکی میں ہیرے کی دمک ہوتی ہے تیز | چاند کی کرنوں میں غنچوں کی چٹک ہوتی ہے تیز

خوبیاں تیری اسی طرح نمایاں ہو گئیں
"مشکلیں اتنی بڑھیں حد سے کہ آساں ہو گئیں"

عزم تیرا پربتوں سے بھی کہیں ہے سخت تر | کر نہیں سکتا تجھے اندوہگیں کوئی خطر
چرخ کے تیور ہیں تیرے سامنے سب بے اثر | راستی کھولے گی تیرے واسطے بابِ ظفر

گو غمِ ملک تجھے کوہِ گراں سے کم نہیں
خدمتِ قومی سے تیری اٹھ نہیں سکتی جبیں

زیرِ گردوں زہد میں گاندھی ہے فخرِ روزگار | فکر میں ٹیگور بھی کچھ کم نہیں ہے آبدار
مادرِ بھارت کے ہیں دلبند دونوں جاں نثار | اے جواہر لال تیری اور ہی لیکن بہار

رہنمایانِ وطن کا آج تو سردار ہے
قوم کا حامی ہے تو اور مصدرِ انوار ہے

طبعِ موزونِ ... سے آج نکلی ہے دعا | بارگاہِ حق سے خضر ہو تجھ کو عطا
مہرِ تاباں کی ضیا تجھ سے رہے کسبِ ضیا | ... وطن کے واسطے ... ہوا

مسئلہ آبادی اور جنگ

کیا آبادی میں اضافہ جنگ کا باعث ہوتا ہے؟

(از جناب ف۔ ک۔ ایم اے)

موجودہ زمانہ میں جب دو قوموں کے درمیان کوئی بڑی جنگ ہوتی ہے تو جارحانہ عمل کرنے والا فریق اپنی طرف سے یہ عذر پیش کرتا ہے کہ اسے اپنے ملک کے باشندوں کے لئے زیادہ جگہ کی ضرورت ہے۔ یعنی وہ اپنے ملک کی گنجان اور حد سے بڑھی ہوئی آبادی کا ایک حصہ کسی نو آبادی میں منتقل کرنا چاہتا ہے تاکہ لوگ تنگ و تاریک کوٹھریوں سے نکل کر دنیا کی کھلی ہوئی فضا میں سانس لے سکیں۔ دنیا پر یہ ظاہر کیا جاتا ہے کہ حملہ آور فریق سخت حالات سے مجبور ہو کر امن کا پرسکون راستہ چھوڑتا ہے، اور جنگ کی خطرناک راہ اختیار کی ہے۔ اس مقصد یعنی حصول نو آبادی کو پیش نظر رکھ کر دنیا کو دو تصویریں پہلو بہ پہلو دکھلائی جاتی ہیں۔ ایک تصویر میں نہایت گنجان آبادی اور جگہ کی تنگی کا نقشہ کھینچا جاتا ہے جس سے یہ ظاہر ہو کہ گویا زمین اس کثیر آبادی پر تنگ ہو چکی ہے، اور ملک میں اتنے ذرائع موجود نہیں ہیں جو اس کی زندگی اور بود و باش کو سنبھال سکیں، اس لئے ضرورت ہے کہ لوگ وطن سے نکل کر دوسرے مقامات پر آباد ہوں اور پھیل جائیں۔ دوسری طرف زمین کے ان خطوں کی تصویر پیش کی جاتی ہے جو زیادہ آباد نہیں ہیں، جہاں بڑے بڑے رقبوں میں صرف تھوڑے سے آدمی آرام سے بسر کرتے ہیں، جہاں جگہ کی وسعت زیادہ اور آبادی بہت کم ہے، اور جہاں انسانی زندگی کے لئے ذرائع کی فراوانی ہے مگر وہ ذرائع استعمال نہیں کئے جاتے۔ ان دونوں تصویروں کو دیکھ کر نہایت آسانی سے یہ نتیجہ نکال لیا جاتا ہے کہ کسی ملک کی کثیر آبادی کو جس پر عرصۂ حیات تنگ ہو رہا ہو یہ حق حاصل ہے کہ غیر آباد یا نسبتاً کم آباد حصۂ زمین پر جو دوسرے کی ملکیت ہے بود و باش اختیار کرے اور یہی وہ دلیل ہے جو آجکل ہر جنگ کے جواز میں جارحانہ فریق کی طرف سے پیش کی جاتی ہے۔ اب اس مسئلہ کو سمجھنے کے لئے ضروری ہے کہ دنیا کے مختلف حصوں کی آبادی اور رقبہ زمین پر ایک نظر ڈالی جائے۔

کرۂ زمین کا سطحی رقبہ تقریباً ۱۹۲،۰۰۰،۰۰۰ مربع میل ہے لیکن ماہرین طبقات الارض و جغرافیہ نے اندازہ لگایا ہے کہ اس مجموعی رقبہ میں سے ۷۳ فی صدی یعنی تقریباً ۱۴۰،۰۰۰،۰۰۰ مربع میل سمندروں پر مشتمل ہے باقی ۵۲،۰۰۰،۰۰۰ مربع میل زمین ہے۔ لیکن آب و ہوا پہاڑوں صحراؤں، جھیلوں اور جنگلوں کی کثرت اور متعدد دیگر اسباب کی بنا پر یہ تمام کا تمام رقبہ انسان کی بود و باش کے لائق نہیں ہے۔ بلکہ اس کا صرف تھوڑا سا حصہ انسانی آبادی کے لئے مخصوص ہے۔

بہر حال زیر بحث موضوع کے سلسلہ میں یہ کہنا کافی ہوگا کہ زمین کا مجموعی رقبہ ۵۲،۰۰۰،۰۰۰ مربع میل ہے اور اس پر ۲،۰۷۳،۰۰۰،۰۰۰ انسان آباد ہیں اس آبادی میں مرد، عورتیں اور بچے سب شامل ہیں۔ معمولی حساب یہ بتلاتا ہے کہ آبادی کا اوسط چالیس آدمی فی مربع میل ہے یعنی اگر زمین کو ہر مرد عورت اور بچے پر برابر برابر حصوں میں تقسیم کر دینا ممکن ہو تو ہر فرد کے حصہ میں سولہ ایکڑ زمین آئے گی۔

دنیا کے مختلف براعظم پر رقبہ زمین اور ان کی آبادی کا تناسب حسب ذیل ہے:-

یورپ:- ۵،۶۰۰،۰۰۰ مربع میل، ۵۱۳،۰۰۰،۰۰۰ باشندے۔ اوسط ۹۲ آدمی فی مربع میل،

ایشیا:- ۱۴،۹۰۰،۰۰۰ مربع میل۔ ۱،۱۴۰،۰۰۰،۰۰۰ باشندے۔ اوسط ۷۶ آدمی فی مربع میل و صرف اس براعظم کی آبادی دنیا کی نصف آبادی سے زیادہ ہے)

اس کے بعد دوسرے ممالک ہیں جن کی آبادی فی مربع میل اس سے بہت کم ہے۔ یہاں تک کہ آسٹریلیا میں ہر مربع میل پر صرف تین آدمی آباد ہیں۔ دنیا کے جس ممالک جو سب سے زیادہ آباد ہیں انکا نقشہ ذیل میں دیکھئے

ملک کا نام	آبادی فی مربع میل
(۱) بلجیم	۷۰۰٫۵
(۲) انگلستان اور ویلز	۶۸۴٫۸
(۳) نیدر لینڈ	۶۵۹٫۱
(۴) جاپان	۴۴۹٫۲
(۵) جرمنی (سار کے علاوہ)	۳۶۳٫۵
(۶) اطالیہ	۳۵۶٫۰
(۷) چین	۲۹۹٫۳
(۸) زیکوسلواکیہ	۲۷۱٫۵
(۹) سوئٹزرلینڈ	۲۵۵٫۱
(۱۰) ہنگری	۲۴۱٫۸
(۱۱) پولینڈ	۲۲۱٫۲
(۱۲) ڈنمارک	۲۲۰٫۵
(۱۳) آسٹریا	۲۰۸٫۸
(۱۴) فرانس	۱۹۶٫۸

باقی اگلے صفحہ پر

پچھلے صفحہ سے

(۱۵) ہندوستان . . .	۱۹۵/۱
(۱۶) پرتگال . . .	۱۹۲/۳
(۱۷) رومانیہ . . .	۱۵۳/۷
(۰) بلغاریہ . . .	۱۵۲/۹
(۱۹) یوگوسلیویا . . .	۱۳۵/۸
(۰) یونان . . .	۱۳۱/۷

اس نقشہ میں ان لوگوں کے لئے جو مسائل آبادی سے ناواقف ہیں، بعض چیزیں حیرت انگیز ہیں۔ مثلاً عام عقیدہ کے خلاف چین اور ہندوستان دنیا کے سب سے زیادہ آباد ممالک نہیں ہیں۔

آبادی کے تناسب میں چین کا نمبر ساتواں اور ہندوستان کا نمبر پندرھواں ہے۔ چونکہ ہندوستان میں پوری آبادی کی مردم شماری ہوتی ہے اور ایک بہت ہی مختصر سی آبادی کے متعلق اندازہ سے کام لیا جاتا ہے اس لئے اس کی مردم شماری کی رپورٹیں معتبر سمجھی جاتی ہیں۔ مندرجہ بالا اعداد و شمار سے ظاہر ہے کہ مجموعی طور پر ہندوستان کی آبادی تقریباً ۱۹۵ فی مربع میل ہے جو تقریباً فرانس کی آبادی کے برابر ہے۔ لیکن چونکہ ہندوستان کے بہت بڑے بڑے حصے پہاڑوں اور جنگلوں کی موجودگی کے باعث انسانوں کے آباد ہونے کے قابل نہیں ہیں، اس لئے باقی حصوں کی آبادی بہت کثیر ہے اور ہر مربع میل پر آبادی کا اوسط ۱۹۵ سے کہیں زیادہ ہے۔

چونکہ صرف چین اور ہندوستان کی مجموعی آبادی دنیا کی مجموعی آبادی کا ۲/۵ حصہ ہے اس لئے لوگ یہ خیال کر لیتے ہیں کہ سطح زمین کے سب سے زیادہ آباد خطے یہی ہیں حالانکہ حقیقت کو اس سے کوئی سروکار نہیں ہے۔ صنعتی و تجارتی مرکز ہونے اور حمل و نقل میں آسانیوں کے باعث مغربی دنیا کے بعض حصوں کی آبادی اس قدر گنجان ہو گئی ہے کہ مشرق کے آباد ترین حصوں سے بھی زیادہ ہے۔ اسی اصول کے مطابق شہروں کے صنعتی مرکز دیہاتوں سے بہت زیادہ آباد ہوتے چلے جاتے ہیں۔ کشش کی یہی طاقتیں بعض ممالک اور ان کی نوآبادیات کے درمیان بھی کارفرما ہیں۔ چھوٹے چھوٹے رقبوں کے ساتھ گنجان آبادی رکھنے والے ممالک مثلاً یورپ اور جاپان میں صنعت و تجارت بہت زیادہ ترقی کر گئی ہے۔ اس لئے وہاں مزید ملکیت اور مزید زمین کی چیخ پکار ہے۔ تاکہ لوگ دوسرے خطوں میں جاکر آباد ہو سکیں۔ لیکن خود ان ممالک کے باشندوں کا یہ حال ہے کہ وہ اپنا وطن چھوڑنا دل سے پسند نہیں کرتے مثلاً جنگ عظیم کے زمانہ تک اٹلی اپنے صرف آٹھ ہزار باشندوں کو ہی افریقی نوآبادیات میں بھیج سکا تھا، اور پہلی جولائی ۱۹۱۳ء کو جرمنی کے صرف چوبیس ہزار باشندے جرمنی سے باہر آباد ہو سکے تھے۔ اگر پوچھا جائے کہ اس کا سبب کیا ہے تو اس کا جواب یہ ہے کہ ایک تو انسان فطرتاً اپنے وطن کی سرزمین سے محبت رکھتا ہے، دوسرے یہ کہ سائنس کی روز افزوں ترقی کے باعث اس کا خیال یہ ہوتا ہے کہ وہ کسی دور افتادہ اور ویران نوآبادی سے کہیں زیادہ آرام و آسائش کی زندگی اپنے وطن میں بسر کر سکے گا۔ اس مسئلہ میں قومی اور انفرادی دونوں حیثیتوں کا یکساں عمل دخل رہتا ہے اس لئے جارحانہ حملہ کرنے والی یا زور شمشیر سے نوآبادیات حاصل کرنے والی قوموں کا یہ کہنا صحیح نہیں ہے کہ وہ بود و باش اختیار کرنے کے لئے زمین تلاش کر رہی ہیں بلکہ ان کا مقصد صرف یہ ہوتا ہے کہ نوآبادیات سے صرف دولت حاصل کی جائے اور وہ دولت وطن میں خرچ کی جائے۔ یہ قومیں دنیا کو، اس کی زرخیز زمینوں کو اور دولت آفریں ذرائع کو لالچ کی نگاہ سے دیکھتی ہیں، اور اسے حاصل کر کے اس کی طلائی اور نقرئی پیداوار کو اپنے مصرف میں لانا چاہتی ہیں۔ وہ دوسروں کی زندگی کا معیار پست کر کے اپنی معاشرت اور عیش و عشرت کا معیار بلند کرتی ہیں، اور امپائر کے قیام میں اس کے سوا کوئی اور مقصد نہیں ہوتا۔ اب ہم مندرجہ نقشہ میں چند ایسے ممالک اور ان کی آبادی کے اعداد و شمار پیش کرتے ہیں جو بعض سیاسی اسباب کی بنا پر امپائر کہے یا سمجھے جاتے ہیں:-

ملک کا نام	امپائر کا رقبہ	امپائر کی آبادی
برطانیہ	۱۳۰،۴۴،۸۹۶	۴۹۶،۴۴۴،۵۷۶
روس	۸،۲۴۱،۹۲۱	۱۶۵،۷۷۸،۴۰۰
فرانس	۴،۷۴۹،۴۰۶	۱۰۵،۲۴۳،۷۹۵
ریاستہائے متحدہ امریکہ	۳،۷۳۸،۳۳۷	۱۳۷،۰۰۴،۳۳۰
اٹلی	۹۹۲ ۹۴۴	۴۵،۰۵،۷۳۸
بلجیم	۹۲۹،۷۷۵	۱۷،۷۴۴،۰۴۱
پرتگال	۸۴۸،۰۹۶	۱۵،۷۴۸،۹۵۴
ہالینڈ	۸۰۰،۵۹۹	۶۶،۷۰۹،۲۲۸
جاپان	۳۴۳،۱۹۲	۱۲۹،۰۴۳،۵۵۵

امپائر کے اس رقبہ اور آبادی کے مقابلہ میں ہر اصلی حکمراں ملک کا رقبہ اور آبادی بہت کم ہے مثلاً انگلستان ویلز اور اسکاٹ لینڈ کا مجموعی رقبہ صرف ۸۸،۷۴۵ مربع میل ہے اور آبادی ۴۴،۸۸۸،۳۷۷ ہے۔ بہرکیف یہ ایک حقیقت ہے کہ دنیا کی مندرجہ بالا قومیں جن کی آبادی دنیا کی آبادی کی ۲۳ فی صدی ہے۔ اور جو خود دنیا کے مجموعی رقبہ کے صرف ۱۴ فی صدی حصہ زمین پر آباد ہیں، دنیا کی ۶۶ فی صدی زمین پر اور انسانی آبادی کے تقریباً ۷۵ فی صدی حصہ پر حکمراں ہیں، اور اسی غیر متناسب تقسیم میں جنگ کے وہ تمام جراثیم اور خطرات پوشیدہ ہیں جس سے آج کرۂ زمین کے باشندے لرزہ براندام ہو رہے ہیں۔ صرف جرمنی، جاپان، اور اٹلی ہی کو دیکھئے جو اپنے امپائر کو وسیع کرنے اور نوآبادیات حاصل کرنے کے لئے بے چین نظر آتے ہیں، اور اس فکر میں ہیں کہ اس خوبصورت دنیا کے بعض حصے حاصل کر کے ان کی زرخیزی سے فائدہ اٹھائیں، اور ان کی دولت سے اپنے گھر بھریں۔ آبادی کی کثرت اور زمین کے رقبہ کا تعلق اس وقت دنیا کا اہم ترین مسئلہ بنا ہوا ہے۔ جنگ نہ تو سطح زمین میں اضافہ کر سکتی ہے اور نہ انسانی آبادی کو کسی بڑی حد تک کم کر سکتی ہے اس لئے جنگ کے ذریعہ یہ مسئلہ حل نہیں ہو سکتا بلکہ پرامن نقل مکان MIGRATION اس کا علاج ہے۔

تلخ و ترش

آئینۂ خیال

مورخہ ۱۳ اپریل ۱۹۳۶ء بروز سوموار

جمہوری طرز حکومت

مشرق و مغرب میں اس کا حال اور مستقبل

یورپ میں جمہوریت کا آوازہ بہت دنوں سے بلند کیا جارہا ہے۔ لیکن اگر یوروپین ممالک کی تاریخ کا غائر مطالعہ کیا جائے تو یہ حقیقت واضح ہو جائے گی کہ جس چیز کو اصلی جمہوری طرز حکومت کہتے ہیں وہ انیسویں صدی کے آخری پچیس سال اور بیسویں صدی کے ابتدائی چند برسوں کے علاوہ کبھی یورپ کے کسی ملک میں موجود نہیں رہی ہے جمہوریت کی اصلی روح یہ ہے کہ جس سیاسی خیال کی جماعت کو وقتی اکثریت اور اقتدار حاصل ہو وہ تمام مخالف سیاسی اعتقادات و خیالات کا احترام کرے، اور صرف کسی خاص عقیدہ کی بناء پر کسی کو مجرم نہ ٹھہرائے، لیکن یورپ کی نام نہاد جمہوریتوں میں ایسا نہیں ہوتا۔ انتخابات میں جن طریقوں سے ووٹ حاصل کئے جاتے ہیں اور اکثریت و اقتدار حاصل کرنے کے بعد طاقت کا جو نشہ چڑھتا ہے، ان کو اگر ہم نظر انداز بھی کردیں، تو ہم کم از کم حقیقت سے انکار نہیں کیا جاسکتا کہ جس چھوٹی سی جماعت کو اگزیکیٹو کے تمام اختیارات مل جاتے ہیں وہ اپنے مخالفین کے عقائد کو برداشت کرنے کی تاب نہیں لاتی۔ کسی زمانہ میں مذہبی اختلاف رائے پر زیادہ زور دیا جاتا تھا مگر اب ملکی معاملات میں صرف سیاسی و اقتصادی عقائد میں اختلافات کو اہمیت دی جاتی ہے۔ اور جو لوگ وقتی حکومت کے اعتقاد و عمل کے مخالف ہوتے ہیں ان کا منہ بند کرنے اور ان کو مجرم ٹھہرانے کے لئے سخت سے سخت ترکیبیں عمل میں لائی جاتی ہیں، جرمنی کو دیکھئے جہاں ہر وہ شخص جو موجودہ ڈکٹیٹر کی پالیسی سے اختلاف رکھتا ہے یا تو اسے خاموش رہنا پڑتا ہے یا جلا وطن ہو کر دوسرے ممالک میں سیر و سیاحت کرنی پڑتی ہے۔ اٹلی میں مسولینی کی رائے کے خلاف کوئی آواز اٹھانا جرم ہے۔ فسسٹوں اور نازیوں نے اپنے عقیدے کو جاری کرنے اور مخالفین کو نیست و نابود کرنے کے لئے جس سختی اور بے رحمی سے کام لیا ہے اس کی مثال دنیا کی تاریخ میں بہت کم ملتی ہے۔ پچھلے دنوں ہسپانیہ میں طرز حکومت کی تبدیلی کا جب اعلان کیا گیا تو گزشتہ حکومت کے تمام ارباب حل و عقد وطن چھوڑ کر بھاگ گئے۔ اور جبرالٹر میں پناہ گزین ہوئے۔ غرض یہ کہ یورپ میں اس وقت کسی ملک میں برسر اقتدار حکومت کے خلاف رائے رکھنے والوں کو پناہ نہیں ملتی۔

یوروپین ممالک میں صرف برطانیہ ایک ایسا ملک ہے جو اپنی بتدریج ترقی کرنے والی جمہوریت پر فخر کرتا ہے مگر دیکھئے کہ خود اس کا حال کیا ہے؟ اٹھارھویں صدی کے وسط تک یہاں بھی وقتی حکومت کے خلاف کسی ناگوار رائے کا اظہار کرنا سزایابی کا باعث ہوتا تھا۔ اس زمانہ کے بعد اگر سیاسی مخالفین کو مجرم گرداننے اور سزا دینے کا عمل جاری نہ رہا تو اس کا سبب یہ نہ تھا کہ جمہوریت کے اس پہلے اور بنیادی اصول کو فراخدلی کے ساتھ تسلیم کر لیا گیا۔ بلکہ یہ کہ برطانی قوم نے محسوس کر لیا کہ جہاں تک زندگی کے اصلی مسائل کا تعلق ہے برطانیہ کے تمام باشندوں کی ضروریات مشترک ہیں اور دوسرے لفظوں میں گویا برطانیہ میں جمہوری حکومت اس لئے قائم رہ سکی کہ اہل برطانیہ نے یہ معلوم کر لیا کہ اگر اندرونی سیاسی اختلافات میں زیادہ سختی سے کام لیا جائے گا تو اس پھوٹ کے باعث ملک میں اپنے وسیع امپائر پر قابض رہنے کی صلاحیت باقی نہیں رہے گی۔ قدیم زمانہ میں روما کی مشہور جمہوریت بھی اسی بناء پر قائم تھی اور جدید ترین دور میں برطانیہ کی نیشنل گورنمنٹ بھی اسی کی ایک دلیل ہے، اس سے ایک عجیب سا نتیجہ یہ نکلتا ہے کہ دوسری قوموں کو محکوم بنانا اور ان سے مالی و اقتصادی فائدہ اٹھانا بھی مغربی جمہوریت کے قیام کے لئے حفاظت و ضمانت کا کام دیتا ہے۔

اگر ایسا ہی ہے تو کیا اس نظریہ کو تسلیم کرانا چاہیئے کہ جدید تمدن کی ساری عمارت دنیا کی ناکامیوں کے آثار سے زیادہ حیثیت نہیں رکھتی، اور ضرورت اس کی ہے کہ اسے جلد سے جلد ڈھا دیا جائے؟ معلوم تو ایسا ہی ہوتا ہے کہ انسان نے جس چیز کی تعبیر جمہوریت اور سلامتی سے کی تھی وہ اس دنیا میں موجود ہی نہیں، لیکن تاریخ کہتی ہے (اگرچہ مغربی اقوام اسے تسلیم نہ کریں) کہ برطانی یا رومن جمہوریت کے علاوہ دنیا میں اور بھی جمہوریتیں کارفرما رہی ہیں، اور بہت ممکن ہے کہ اگر سائنس صرف چند مغربی قوموں کے ہاتھ میں ہلاکت آفرینی کے آلات نہ دے دیتا تو اب تک مشرق میں ایسی جمہوریتیں موجود ہوتیں جو صحیح معنوں میں جمہوریت کہی جاسکیں۔ آج اس حقیقت پر کس کی نظر ہے کہ قدیم ہندوستان کی موجودہ سلطنت بھی جمہوریت ہی کے اصولوں پر قائم تھی، اور اسلام نے بھی عرب میں جمہوریت ہی کی بناء ڈالی تھی لیکن یہ گئی گذری باتیں ہیں، اور ہمارے فوری اور وقتی مسائل ان کے اعادہ سے حل نہیں ہوسکتے۔ جہاں تک پیش بینی سے کام لیا جاسکتا ہے یہ بات صاف معلوم ہوتی ہے کہ ہندوستان کو بھی مستقبل قریب میں جمہوریت کے اصولوں کا عملی تجربہ کرنا پڑے گا۔ اس سلسلہ میں اگر نام نہادی مغربی جمہوریتوں کے برے اثرات کو روکنا ہے، تو یہ جمہوریت ایسی ہونی چاہیئے جس میں برسر اقتدار حکومت سے سیاسی عقائد میں اختلاف رکھنا ... جرمنی اور اٹلی کی طرح جرم نہ بن جائے۔ وسیع اگزیکیٹو اختیارات صرف ایک یا چند آدمیوں کے ہاتھ میں آکر سخت گیری کا آلہ بن جاتے ہیں۔ اس وقت یورپ کی تمام جمہوریتیں ڈکٹیٹروں کے ہاتھوں میں محض دفتری طرز حکومت اور جبیروت کی عمارت بن کر رہ گئی ہیں لیکن یہ سمجھ لینا چاہیئے کہ جس وقت دفتری حکومت تمام اگزیکیٹو اختیارات اپنے ہاتھوں میں لے لیتی ہے جمہوریت کی روح غائب ہو جاتی ہے۔ اگر ہندوستان کو اس سے بچنا ہے تو اسے حقیقی اور اصلی جمہوریت کو تلاش کرنا چاہیئے جس میں سیاسی اختلاف ... اور تمام اہل ملک کی فلاح و بہبود کی گنجائش ہو۔

ریلوے اور "سیاسی اثرات"

جس وقت آئینی ریلوے بورڈ کے قیام کی تجویز حکومت کے پیش نظر تھی تو اس کے وجود میں لانے کا سبب ہمیں یہ بتلایا گیا تھا کہ ریلوے کو صرف تجارتی کاروبار کے لئے مخصوص کر کے اسے سیاسی اثرات سے الگ کر دینا چاہیئے اگرچہ ہندوستان نے اس کی مخالفت کی تھی تاہم کوئی شنوائی نہ ہوئی، لیکن حیرت تو یہ ہے کہ حکومت خود اپنی کہی ہوئی بات پر بھی قائم نہیں رہتی۔ ملاحظہ فرمایئے کہ سر ظفر اللہ نے اسمبلی میں ایک سوال کے جواب میں کیا فرمایا تھا آپ کہتے ہیں کہ ہندوستانی اخبارات میں ریلوے کا اشتہار دینے کے لئے کوئی قاعدہ و ضابطہ معین نہیں ہے لیکن جب اشتہارات تقسیم کئے جاتے ہیں تو اخباروں کے "TONE" یعنی طرز نگارش کا خیال کیا جاتا ہے۔ اب سوال یہ ہے کہ اگر ریلوے اب صرف ایک کاروباری مسئلہ ہے تو اس کے اشتہارات دینے کے لئے کسی اخبار کے طرز نگارش یا سیاسی خیال پر نظر رکھنے کی کیا ضرورت ہے؟ جب ریلوے کو سیاسی اثرات سے الگ رکھا گیا ہے تو اشتہار دینے کے وقت صرف کسی اخبار کی اشاعت اور پبلک اثر کو دیکھنا چاہیئے۔ اگر ایسا نہیں ہوتا تو حکومت کا یہ دعویٰ بھی قابل تسلیم نہیں ہے کہ ریلوے کو صرف تجارتی کاروبار کے لئے مخصوص کر دیا ہے۔

ہندوستانی اسٹور اور ہرجانہ کی ادائیگی

معلوم ہوا ہے کہ حبشہ (ابیسینیا) میں ہندوستانی اسٹور کے منیجر کو برطانی قونصل نے یہ جواب دیا ہے کہ جنگ کے دوران میں اگر چیزیں تباہ و برباد ہو جائیں تو ان کا ہرجانہ ادا کرنے کا کوئی سوال پیدا نہیں ہوتا۔ یہ جواب حیرت انگیز نہیں ہے کیونکہ اٹلی اور حبش کی جنگ کی پوری تاریخ یہ بتلا رہی ہے کہ خود لیگ آف نیشنز بھی اٹلی کو مجرم ٹھہرانے کے بعد بالکل خاموش ہو کر بیٹھ گئی ہے اور وہ اٹلی جس کی تمام جارحانہ کارروائیاں قابل اعتراض ہیں نہایت اطمینان کے ساتھ ایک بے گناہ ملک پر ہر طرح کے ستم ڈھا رہا ہے۔ جب اٹلی کو یہ اجازت حاصل ہے کہ خود لیگ کو کچھ نہ سمجھے، ہسپتالوں اور عبادت گاہوں کو مسمار کرے اور عورتوں اور بچوں کو ہلاک کرے تو ایک ہندوستانی اسٹور کی تباہی کا ہرجانہ مالکان اسٹور کو کیونکر دیا جاسکتا ہے؟ کیا حکومت ہند اس کی طرف متوجہ نہیں ہوسکتی؟

انگلستان میں "ٹیلی ویژن"

متعدد ممالک میں "ٹیلی ویژن" کو ریڈیو اور سینما کی طرح تجارتی بنیاد پر قائم اور جاری کرنے کی کوشش کے باوجود انگلستان پہلا ملک ہوگا جس میں پبلک کے لئے "ٹیلی ویژن" سروس جاری کی جارہی ہے۔ دور دراز سے اپنے کسی دوست سے بات چیت کرنا اور ساتھ ساتھ اس کا چہرہ بھی پردہ پر دیکھتے جانا یا دوسرے ممالک میں منعقد ہونے والے جلسوں یا اسٹیج کے ڈراموں کو گھر بیٹھے دیکھنا اور سننا یقیناً ایک نہایت عجیب اور دلچسپ تجربہ ہوگا مگر اب دنیا میں کوئی چیز حیرت انگیز نہیں رہی ہے۔ پچھلے دنوں ہم نے ایک اطلاع دیکھی ہے کہ حیدرآباد (دکن) باقی اگلے صفحہ پر

سائنور گرینڈی نے پھر اس بات کا یقین دلایا ہے کہ اطالیہ حبش میں برطانی معاہدے کے حقوق کا احترام کرے گا

غالباً اس لئے کہ برطانیہ بھی اٹلی کے تمام جارحانہ "حقوق" کا احترام کرتا ہے۔ بہر حال اٹلی کی طرف سے اس کے اعادہ کی ضرورت تھی اس سے تو یہ شک ہوتا ہے کہ پھر کچھ دال میں کالا ہے۔

جرمنی کو نو آبادیات کی ضرورت ہے۔ اس سلسلہ میں ایک معاصر لکھتا ہے کہ چونکہ دوسری بڑی بڑی حکومتوں کو بھی نو آبادیات کی ضرورت ہے، اور جو غیر ملوکہ خطے اب تک باقی ہیں ان کی طلب اٹلی کو ہے اس لئے جرمنی کو پرتگال کی نو آبادیات دیدی جائیں۔

لیکن سوال یہ ہے کہ اخبار مذکور کو دوسروں کی نو آبادیات تقسیم کرنے کی کیا سوجھی ہے!

ماسٹے بہادر لالہ رام سرن داس نے کہا ہے کہ وہ دکا خیال بھی اس بات کو تسلیم نہیں کر سکتا کہ سرٹیفکیٹ کا اختیار ایسے معمولی کاموں کے لئے رکھا گیا تھا جیسا کہ یہ سال بہ سال کیا جا رہا ہے۔

یہ درست ہے لیکن دفتری نظام حکومت میں "وہ دکا خیال" بہت جلد "نزدیک کا خیال" بن جاتا ہے۔ جدید آئین کے "تحفظات" کا نتیجہ بھی دیکھ لیجئے گا۔

کراچی کارپوریشن نے سندھ کے نئے گورنر کو ایڈریس پیش کرتے ہوئے کہا ہے کہ آپ سندھ کے پہلے آئینی گورنر ہیں۔

گورنر کو قبل از وقت "آئینی" کہہ دینے کی کیا ضرورت تھی؟ لارڈ ولنگڈن جب آئے تھے تو انہوں نے خود اپنے آپ کو "آئینی گورنر جنرل" کہا تھا۔ مگر "آئین" کے نفاذ سے پہلے ہی رخصت ہو رہے ہیں۔

ایک انگریزی اخبار کہتا ہے کہ اگر قومیں آپس میں سمجھوتہ پر تیار نہیں ہیں تو انہیں جنگ کے لئے تیار رہنا چاہئے۔

وہ تو جنگ کے لئے پہلے ہی سے تیار ہیں۔ آخر یہ اسلحہ سازی کی دوڑ کس لئے ہے؟

(پچھلے صفحہ سے)

نے بھی ایک ماہر انجینیر ٹیلی ویزن کا سلسلہ قائم کرنے کے لئے مقرر کیا گیا ہے۔ بہت ممکن ہے کہ ریڈیو کی طرح ٹیلی ویزن بھی ہندوستان میں جلد رائج ہو جائے۔

عورتوں کی پوزیشن

کچھ دنوں سے ہٹلری دور میں جرمنی میں یہ تحریک جاری ہے کہ عورتوں کو باہر کی دنیا اور سیاست و ملازمت سے کوئی تعلق نہیں رکھنا چاہئے۔ بلکہ ان کو اپنی پرانی جگہ یعنی باورچی خانہ میں واپس جانا چاہئے۔ ہٹلر کے خیال میں عورت صرف اسی کی اہل ہے کہ وہ خانہ داری کا انتظام اور بچوں کی پرورش کرے، اور ملکی معاملات میں کوئی دخل نہ دے۔ لیکن ہٹلر کا یہ فلسفہ غالباً اس وقت دنیا کے کسی دوسرے حصہ میں قابل تسلیم نہ سمجھا جائے گا۔ امریکہ، انگلستان اور فرانس کی عورتیں بالکل آزاد ہیں۔ ان کے علاوہ ترکی میں بھی عورتوں کو سب حقوق حاصل ہو چکے ہیں، اور وہ سوسائٹی اور معاشرت کے مختلف شعبوں میں پورا پورا حصہ لے رہی ہیں۔ ہندوستان میں بھی زنانہ تحریک پوری طاقت سے جاری ہے۔ اور وہ دن دور نہیں جب عورتیں اپنے حقوق حاصل کر کے رہیں گی۔ باورچی خانہ کو واپسی کا زمانہ اب باقی نہیں ہے۔ اور امید کی جاتی ہے کہ عورتوں کی پوزیشن بہت جلد ایسی ہو جائے گی کہ وہ اپنے گھر بار کو سنبھالنے کے علاوہ مردوں کے دوش بدوش ملک کی سیاسیات میں بھی کافی حصہ لے سکے۔

ایڈیٹر کے لئے معمہ

اخبارات کے ایڈیٹروں کے پاس جو خطوط آتے ہیں، ان میں جس جس طرح کے عجیب و غریب سوالات کئے جاتے ہیں ان کی تفصیلات شائع کرنا ممکن نہیں ہوتا لیکن بعض باتیں ایسی دلچسپ ہوتی ہیں کہ قارئین کو ان سے باخبر رکھنا نا انصافی ہے۔ پچھلے دنوں ایک ہندوستانی اخبار کے ایڈیٹر کے پاس ایک انگریز سپاہی نے جو فوج میں ملازم ہے ایک خط لکھا ہے جس میں مندرجہ ذیل بات پوچھی گئی ہے۔

میں چند ماہ سے یہ معمہ حل کر رہا ہوں کہ ہندوستانی عورتیں اپنے جسم کے چاروں طرف (سر اور کندھوں کو ملا کر) ساڑی کس طرح لپیٹ لیتی ہیں۔ کہ اس کا ابتدائی اور انتہائی سرا نظر نہیں آتا۔ میں نے اس کے متعلق باتصویر کتابیں حاصل کرنے کی کوشش کی مگر ناکام رہا۔ چند روز ہوئے میں نے اپنی بہن کے لئے جو انگلستان میں ہے چوکی کی ایک ساڑھی خریدی ہے اور میں بہت خواہشمند ہوں کہ اسے ساڑھی پہننے کا صحیح طریقہ بتلا دوں۔

ایک ایڈیٹر بیچارے کے لئے یہ کیونکر ممکن ہے کہ ساڑھی پہننے اور اس کے آنچل اور سروں کو درست کرنے کی ترکیب کاغذ پر لکھ بھیجے! ایڈیٹر مذکور اس مشکل میں ہے کہ یہ معمہ کس طرح حل کیا جائے!

قلم اور فلم

شریمتی مہادیو دیسائی نے اخبار "ہریجن" کی ایک اشاعت میں یہ سوال پیش کیا ہے کہ کیا دیہات سدھار کی تحریک کے سلسلہ میں سنیما اور فلم کوئی امداد بہم پہنچا سکتا ہے۔ آپ نے اس سلسلہ میں کہ فلم دیہات سدھار کے لئے کوئی زیادہ موثر و کارآمد چیز ثابت نہ ہوگا جو دلائل پیش کی ہیں وہ اخلاقی حیثیت سے بہت بلند ہیں، لیکن ان دلیلوں کے پورے احترام کے باوجود ہم یہ محسوس کرتے ہیں کہ انھوں نے اس اہم مسئلہ پر کافی غور و خوض نہیں فرمایا ہے۔ آپ کے دو سوالات یہ ہیں:۔

کیا یہ بیں مسئلہ بے روزگاری کے حل کے قریب پہنچائے گا؟ کیا یہ بھوکوں کے لئے کھانا بہم پہنچا سکے گا؟

لیکن سوال یہ ہے کہ کیا پریس اور اخبارات کے متعلق بھی یہ نہیں پوچھا جا سکتا کہ کیا اس سے بے روزگاری کا مسئلہ حل ہوگا یا بھوکوں کو کھانا ملے گا؟ جب ہم اس بنا پر قلم کے کام کو نہیں چھوڑ سکتے تو فلم سے اس درجہ ترک تعلق کرنے کی کیا ضرورت ہے۔ قلم اور فلم میں صرف اتنا فرق ہے کہ اول الذکر پرانا ذریعہ تعلیم ہے اور موخر الذکر نیا ہے مگر ہیں دونوں ذریعہ تعلیم ہی۔ ہم اسے تسلیم کرتے ہیں کہ ہندوستان کے فلم ابھی بہت نیچے درجے کے ہیں۔ اور کوئی تعلیمی حیثیت نہیں رکھتے۔ لیکن دیہات سدھار کی تعلیم دینے کے لئے اگر مخصوص فلم بنائے جائیں تو یقیناً کارآمد ثابت ہو سکتے ہیں۔ فلم کی تعلیمی طاقت سے انکار نہیں کیا جا سکتا۔ لیکن اصلی شرط یہ ہے کہ ایسے فلم تیار کئے جائیں جو اصلی مقصد کے لئے کارآمد ثابت ہو سکیں۔

✦ ✦ ✦ ✦ ✦ ✦

چٹکیاں

بمبئی میں اٹلی نام کا ایک گھوڑا جو عنقریب ہونے والی گھوڑ دوڑ میں مقابلہ کے لئے داخل کیا گیا تھا۔ مگر عین وقت پر اس نے دوڑنے سے انکار کر دیا

غالباً اُسے اپنا نام پسند نہ تھا۔

علی گڑھ یونیورسٹی کا ہفتہ وار رسالہ جو وائس چانسلر کی ادارت میں شائع ہوتا ہے کہتا ہے کہ وائسرائے کی تشریف آوری پر ہز ایکسیلینسی کے BUMBLE (SERVANTS) نے ان کو ایڈریس دیا۔

ہم تو "خاکسار" کو آج تک HUMBLE جانتے تھے یہ (BUMBLE) کیا چیز ہے!

ایک اخبار میں یہ سرخی دی گئی ہے:۔

"لوگوں کو سفید بھوت کا دھوکا ہو گیا"

یہ بھوت غالباً بین الاقوامی مرکز جینوا میں امن کا فرشتہ ہوگا۔

سر نرپیندر ناتھ سرکار نے اسمبلی میں فرمایا ہے کہ بے روزگاروں کے لئے کام مہیا کرنے اور امدادی کاموں کے لئے ... ... ۲۰۰ روپیہ خرچ کرنے کے متعلق ایک بل پیش کیا جانے والا ہے۔

ہم تو انگشت بدنداں ہیں کہ یہ کیا معاملہ ہے۔

بقول غالب ؎

خامہ انگشت بدنداں کہ اسے کیا لکھئے
ناطقہ سر بگریباں کہ اسے کیا کہئے

ایک معاصر کا نامہ نگار قاہرہ سے اطلاع دیتا ہے کہ فلسطین میں ایک پریس ایکٹ پاس ہوا ہے جس کی رو سے برطانی ہائی کمشنر کو یہ اختیار دیا گیا ہے کہ فلسطین میں جو اخبار حکومت کی نکتہ چینی کرے اسے بند کر دیا جائے

غالباً فلسطین والوں کو بھی "آزادی اور جمہوریت" کے اصولوں کی تعلیم دی جا رہی ہے۔ آرڈیننس کے ذریعہ دوسرا سبق بھی دیا جا سکتا ہے۔

سائنور مسولینی نے حال میں ۵۰ ہزار اطالوی نوجوانوں کے سامنے تقریر کی ہے جنھیں سے ہر ایک کے گلے میں GAS (MASK) یعنی گیس کے زہریلے اثرات سے بچنے کا آلہ لٹکا ہوا تھا۔

سرکنی محو گیس کا سب سے بڑا مخالف ہے ان کے ان نوجوانوں کو چاہئے تھا کہ گیس ماسک کو گلے میں لٹکانے کی بجائے تمک اور منہ پر لگا لیتے۔

مصر میں جنگ آزادی

(از جناب ضمیر احمد صدیقی۔ علیگڈھ)

(خاص تیج ویکلی کے لئے)

پنڈت جواہر لال نے جیل سے جو خطوط اپنی لڑکی کو لکھے ہیں وہ ایک کتاب کی صورت میں شائع ہوئے ہیں جن کا نام تاریخ دنیا کی جھلک ہے۔ مصر اور ہندوستان کے حالات یکساں ہیں اس لئے امید ہے کہ پنڈت جواہر لال نہرو کے حوالہ مندرجہ ذیل ترجمہ ناظرین کے لئے دلچسپی کا باعث ہوگا۔ (ضمیر)

۳۰ مئی ۱۹۳۳ء

ہم کو اب مصر میں قومیت اور نشاہیت کی جدوجہد دیکھنا چاہیئے۔ ہندوستان کی طرح وہاں بھی برطانیہ کی حکومت ہے۔ حالانکہ برطانیہ کا اثر نسبتاً کچھ کم عرصہ سے قائم ہے لیکن تاہم دو صدی کے عرصہ میں واقعات میں کافی یکسانیت ہو گئی ہے۔ حصول آزادی کے طریقے مختلف اختیار کئے گئے ہیں۔ لیکن ہندوستان اور مصر کی قومی تحریکیں ایک ہی ہیں اور تحریکوں کے دبانے کے ذرائع بھی یکساں ہیں۔ اس لئے ہندوستانی اور مصری ایک دوسرے کے تجربوں سے کافی فائدہ اٹھا سکتے ہیں۔ اور خوش قسمتی سے ہندوستانیوں کو ایک خاص فائدہ یہ اور ہے کہ ہم مصر کی سیاسیات سے یہ اندازہ لگا سکتے ہیں کہ برطانیہ کی نظروں میں آزادی کا کیا مفہوم ہے۔ اور آزادی دینے سے کیا مراد ہے۔

مصر کافی ترقی یافتہ ملک ہے اور نہر سویز کے وجود سے اس ملک کی اہمیت اور بھی بڑھ گئی ہے انیسویں صدی میں دیگر ایشیائی ممالک کی بہ نسبت یہ یورپ سے زیادہ متعلق ہو گیا ہے۔ اس کی قومیت دوسرے اسلامی ممالک سے جدا ہے۔ لیکن مذہب، زبان اور روایات کے ایک ہونے کی وجہ سے اس کے اسلامی تمدن میں کوئی فرق نہ آ سکا۔ یہاں سے قاہرہ کا روزانہ اخبار تمام عربی ممالک میں بھیجا جاتا ہے اور کافی اثر رکھتا ہے۔ ان تمام ملکوں میں قومی تحریک سب سے پہلے مصر میں شروع ہوئی۔

میں نے گذشتہ خط میں بتایا تھا کہ ۸۲-۱۸۸۱ء میں عربی پاشا نے کس طرح مصر میں قومی تحریک کی ابتدا کی تھی۔ اور اہل برطانیہ نے کس طرح اس تحریک کو دبا دیا۔ میں نے جمال الدین افغانی جیسے ریفارمر کا تذکرہ کرتے ہوئے یہ بھی لکھا تھا کہ دقیانوسی خیال کے مصریوں پر مغرب کی تند ہوا کے جھونکوں نے کس طرح اثر کیا۔ ان ریفارمروں نے قدیم روایات کو موجودہ روشنی کے ڈھانچہ میں ڈھالتے ہوئے ان تمام باتوں کو ختم کر دیا جس سے سوسائٹی کا نظام گندہ ہو رہا تھا۔ دوسرا کام انہوں نے یہ کیا کہ سوشل اداروں کو مذہب سے الگ کر دیا۔ تاکہ دونوں ادارے اپنی اپنی جگہ صحیح طور پر کام کر سکیں۔ اسلام اور ہندو مذاہب نے مذہبی تعلیم کے علاوہ انسان کے لئے دنیوی معاملات میں وہ اصول بنا دیئے ہیں جو روزانہ زندگی میں بہت سہولیت پیدا کرتے ہیں۔ ہندو مذہب نے تو ذات پات کے اصولوں سے اس میں خاص اہمیت پیدا کر دی ہے۔ اور جس سوسائٹی اور معاشرہ میں مذہب کا دخل ہوتا ہے۔ اس میں کسی قسم کی تبدیلی دشوار ہو جاتی ہے۔ اسلامی [illegible] ریفارمروں نے سیاسیات کو مذہب سے علیحدہ کرنے کی کوشش کی اور لوگوں کو بتایا کہ پرانے زمانہ میں لوگ ان صورت حالات کی بنا پر ایسا کرنے پر مجبور تھے۔ لیکن اب واقعات میں تبدیلی پیدا ہو گئی ہے۔ اور پرانی روایات اب کچھ کام نہیں دے سکتیں۔ مثلاً ایک بیل گاڑی موٹر کے مقابلہ پر مفید ثابت نہیں ہو سکتی۔

یہ دلائل تھے جو وہاں کے ریفارمر اور رہنماؤں نے قوم کے سامنے پیش کئے۔ یہی وجہ ہے کہ وہاں کے لوگوں نے سیاست اور مذہب کو الگ الگ کر دیا۔ اور ہم دیکھتے ہیں کہ ترکی نے بھی یہی طریقہ اختیار کر لیا۔ ترکی کی جمہوریت کا صدر خدا کے نام سے حلف نہیں اٹھاتا۔ بلکہ خود اپنی قسم کھاتا ہے۔ مذہب از ریاست کی علیحدگی کی تحریک دیگر اسلامی ممالک میں بھی بڑھ رہی ہے۔ ترک۔ مصری۔ شامی اور ایرانی ایک مذہب اسلام کے پیرو ہوتے ہوئے بھی قومیت کو پیش نظر رکھتے ہیں۔ لیکن ہندوستان کے مسلمانوں نے قومیت جیسی ضروری چیز کو پس پشت ڈال رکھا ہے ہندوستان میں اوسط درجے کے لوگوں کی ترقی کے ساتھ ساتھ قومیت کا جذبہ بھی ترقی پذیر ہے۔ اور شاید مسلمانوں میں اوسط طبقے کی کمی سے یہ جذبہ بھی مفقود ہے۔ اور یہ بھی ممکن ہے کہ اقلیت میں ہونے کے خوف سے مسلمان ہر نئی تحریک سے خائف ہیں اور پرانے خیالات اور روایات پر قائم ہیں۔

مصر میں درمیانی طبقہ کو انیسویں صدی کے آخر میں غیر ملکی تجارت سے بہت فروغ حاصل ہوا۔ اس طبقہ کے "فلاح" خاندان سے ایک شخص سعد زاغلول پیدا ہوا۔ جب عربی پاشا نے برطانیوں کو چیلنج دیا تھا۔ اس وقت سعد زاغلول نوجوان تھا اور عربی پاشا کے تحت میں اس نے کئی سال تک کام کیا۔ اس وقت سے ۱۹۲۷ء تک جب کہ چالیس سال کی عمر میں وفات پائی اس نے اپنی ہستی کو مصر کی آزادی کے لئے وقف کر دیا۔ اور مصر کی تحریک آزادی کا لیڈر بن کر رہا۔ وہ کسانوں کا ہمدرد اور درمیانی طبقے کے لوگوں کا دوست اور بہی خواہ تھا۔ زمیندار طبقہ اس سے ہمیشہ نالاں رہا۔ کیونکہ یہ لوگ ایسے شخص کو بڑھتا ہوا نہیں دیکھنا چاہتے تھے جو ایک معمولی خاندان سے ترقی کر گیا ہو۔

برطانی لوگ ہمیشہ کوشاں رہے کہ وہ مصر کی ایک مذہبی یا سیاسی جماعت کو ملائے رہیں جو ملک میں قومی تحریک کو عوام سے بچائے رہے۔ ہندوستان کی طرح وہاں بھی اقلیت کے خیرخواہ ہونے کا دعویٰ کیا لیکن ناکامیابی ہوئی اور پُرزور الفاظ میں کہا کہ ہم اقلیتوں کے حقوق کے علمبردار ہیں۔ اور ان کو خطرہ میں دیکھنا نہیں چاہتے۔

جنگ عظیم کے دوران میں مصر میں مارشل لا رکھا گیا ۱۹۱۰ء (DISARMAMENT ACT)

(باقی مضمون اگلے صفحہ پر)

افق اور اس کے آثار

روس دیکھتا ہے کہ اُفق کے دونوں طرف اس کے جنگ آزمائی کی تیاریاں ہو رہی ہیں (راچسٹر ٹائمز یونین)

چند اوراق الٹیے

اور (CONSCRIPTION ACT) بھی پاس کردیئے۔ اور جنگ کے شروع ہوتے ہی مصر کے (BRITISH PROTECTORATE) ہونے کا اعلان کر دیا۔ جنگ کے ختم ہونے پر قومی تحریک پھر شروع ہو گئی۔ حکومت کے سامنے آزادی کا حق پیش کرتے ہوئے صلح کانفرنس پیرس میں بھی یہ سوال اٹھایا گیا۔ اس وقت چونکہ وطنی تحریک کی پارٹی کمزور تھی اس لئے ایک زبردست وفد زاغلول پاشا کی زیر نگرانی مصر کی صدائے آزادی بلند کرنے کے لئے پیرس اور لندن بھیجا گیا۔ اور یہی "وفد پارٹی" کی ابتدا تھی۔ لیکن حکومت برطانیہ نے وفد کو لندن جانے کی اجازت نہ دی اور زاغلول پاشا کو ۱۹۱۹ء میں گرفتار کر لیا۔

اس واقعہ سے ایک انقلاب برپا ہو گیا۔ قاہرہ انقلابیوں کے قبضہ میں آ گیا۔ عوام کی حفاظت کے لئے قومی ادارے اور کمیٹیاں قائم ہو گئیں۔ اس شورش میں یونیورسٹی کے طلبا نے بہت نمایاں حصہ لیا۔ گو بظاہر اس فتنہ کا خاتمہ ہو گیا تھا لیکن واقعات نے دوسری خطرناک صورت اختیار کر لی۔ اور برطانیہ مصریوں کے حقوق دینے کے لئے مجبور ہو گیا۔ لارڈ ملنر کی زیر صدارت ایک کمیشن بھیجا گیا۔ جس کا مصریوں نے بائیکاٹ کیا۔ کمیشن ان واقعات سے اس قدر متاثر ہوا کہ حقوق کے معاملہ میں مصریوں کا طرفدار ہو گیا کمیشن کی تجویز کو برطانیہ نے رد کر دیا۔ اور تحریک پھر شروع ہو گئی۔ جو ۱۹۱۹ء سے ۱۹۲۲ء تک مسلسل جاری رہی۔

زاغلول پاشا گرفتاری کے بعد فوراً چھوڑ دیئے گئے ۱۹۲۱ء میں وہ دوبارہ گرفتار کر لئے گئے اور جلا وطن ہو گئے۔ لیکن اس سے واقعات میں بہتری کی صورت پیدا نہ ہو سکی۔ حالانکہ انتہا پسند زاغلول پاشا اپنے ملک سے کوسوں دور تھے پھر بھی مصالحت نہ ہو سکی۔ اس کی وجہ گورنمنٹ اور مصریوں میں کچھ ابتدائی اختلافات تھے۔ انہیں اختلافات کی بنا پر ہندوستان میں بھی مصالحت نہ ہو سکی۔ مصری برطانیہ کے حقوق نظر انداز نہیں کرنا چاہتے تھے۔ بلکہ پہلے وہ مکمل آزادی چاہتے تھے اس کے بعد برطانی حقوق کا مسئلہ اٹھانا چاہتے تھے۔ کیونکہ محکومی کی حالت میں کسی قسم کا معاہدہ کوئی حقیقت نہیں رکھتا۔ اور برخلاف اس کے برطانیہ یہ خیال کرتا تھا کہ اس کا کام ہے کہ مصر کو کتنی آزادی دے اور کتنی نہ دے۔ لہذا مصالحت میں دقتیں پیدا ہو گئیں۔ برطانیہ حقوق کے جائز مطالبہ کو محسوس کر رہا تھا۔ اور چاہتا تھا کہ کچھ نہ کچھ ضرور ہونا چاہیئے۔

چنانچہ ۲۸ فروری ۱۹۲۲ء کو اعلان کر دیا کہ آج سے مصر کو آزاد حکومت مانا گیا۔ لیکن چار حسب ذیل مسائل آئندہ طے کرنے کے لئے ملتوی کر دیئے گئے۔

(۱) مصر میں حکومت برطانیہ کی خط و کتابت کا تحفظ۔

(۲) مصر میں غیر ملکی دخل کا تحفظ۔

(۳) مصر میں اقلیت اور غیر ملکی مفاد کا تحفظ۔

(۴) سوڈان کا مسئلہ۔

مصر اور ہندوستان کے تحفظ میں کوئی زیادہ فرق نہیں ہے۔ ان کو ہم ہندوستان میں انگریزی کے خاص لفظ (SAFEGUARDS) سے منسوب کرتے ہیں۔ ان تحفظات کو مصریوں نے نہ اس وقت قبول کیا اور نہ اب ماننے کے لئے تیار ہیں۔ کیونکہ ان سے داخلی اور خارجی مسائل میں کوئی آزادی نہیں دی گئی۔ لہذا ۱۹۲۲ء کا اعلان ایک طرفہ ایکٹ تھا جس کو مصریوں نے منظور نہیں کیا۔ آزادی کے باوجود بھی مارشل لا نافذ رہا۔ اور یہ غالباً اس وقت بند ہوا جب مصری حکومت نے (ACT OF INDEMNITY) پاس کیا۔

مصر کی آزادی لوگوں کی خلاف منشا آئین حکومت کے ساتھ ظہور میں آئی۔ مصریوں کے سر پر بادشاہ فواد کو وسیع اختیارات سے بٹھا دیا گیا۔ حکومت کی باگ ڈور بادشاہ فواد اور برطانی افسروں کے ہاتھ میں رہی۔ یہ لوگ قومی تحریک والوں کو ناپسند کرتے تھے۔ اور آزادی تو آزادی وہ مصر کے لئے مجلس طرز حکومت کے بھی خلاف تھے۔ چنانچہ فواد نے برطانیوں کے مدد پر مجلس آئین کو برخاست کر دیا۔ اور ڈکٹیٹر کی حیثیت سے حکمران ہو گیا۔

مصر کی نام نہاد آزادی کے بعد برطانیہ نے ایک کثیر رقم طلب کی بجائے ان افسروں کو دینی تھی جو جدید دور حکومت میں ریٹائر ہوئے تھے۔ بادشاہ فواد مصر کے حکمران ہونے کی حیثیت سے سالانہ ہم ہزار پونڈ دینے پر راضی ہو گئے۔ یہاں یہ بات بیان کرنا ضروری ہے کہ مصر کوئی بڑا ملک نہیں ہے۔ اس کی آبادی شاید یو۔پی کے ایک تہائی ہے۔

مصر کے آئین حکومت میں صاف طور پر لکھا ہے کہ قوم کی حکومت ہے۔ لیکن تم کو تعجب ہوگا کہ جب سے یہ آئین عمل میں آیا ہے کوئی پارلیمنٹ زیادہ عرصہ تک قائم نہ رہ سکی۔ جہاں تک مجھے علم ہے میں کہہ سکتا ہوں کہ کوئی مجلس یا پارلیمنٹ اپنے مقررہ دور حیات کو پورا نہ کر سکی۔ ہمیشہ بادشاہ فواد کے حکم سے وقتاً فوقتاً ختم ہوتی رہی۔ نئی پارلیمنٹ کا انتخاب ۱۹۳۶ء میں ہوا۔ اور زاغلول پاشا کی پارٹی نے جو وفد پارٹی کے نام سے موسوم کی جاتی ہے شاندار کامیابی حاصل کی۔ ان کو ملک سے نوے فیصدی ووٹ ملے۔ اور ۲۳۲ نشستوں میں سے ۱۷۰ نشستیں ان کے ہاتھ آئیں۔

(باقی آئندہ)

آج اُن کو بیگار میں گئے تیسرا روز ہے اور وہ نہیں آئے۔ تبلا نے اپنے دل میں کہا صرف چار آنے کا آٹا لے کر دے گئے تھے، وہ آج ختم ہو گیا ہے۔ کیا اُن کو اس بات کی فکر نہ ہوگی؟ لیکن وہ لاچار ہوں گے۔ یہ اُن ظالموں کا " " " نہیں " " "

نہیں میں اُن کو ہرگز بد دعا نہیں دوں گی، آخر ان سے بھی تو کوئی کام ہی لیتا ہے۔ پیٹ کی خاطر آدمی کیا کچھ نہیں کرتا۔

یہ سوچتے ہی اُس کو اپنا خیال آیا اُسے کل صبح سے کھانا نصیب نہیں ہوا تھا۔

چور پیٹ کی خاطر چوری کرتا ہے اور دوسرے کی گاڑھے پسینہ کی کمائی کو جس پر اُس کا کوئی حق نہیں ہوتا اڑا لاتا ہے۔ وہ اس بات کی ہرگز پروا نہیں کرتا کہ اُس آدمی کا کیا حال ہوگا جس کا مال چرا لاتا ہے اُس کا ضمیر مردہ ہو جاتا ہے۔ بھائی پیٹ کی خاطر بھائی کی گردن کاٹتا ہے۔ یہ کرتے اُسے ذرا خیال نہیں آتا چونکہ محبت کا احساس پیٹ کی نذر ہو چکا ہوتا ہے۔

عورت حیا کی پتلی، اپنی شرم کو بالائے طاق رکھ کر پیٹ کی خاطر اپنی عزت کو بیچتی پھرتی ہے۔

یکے بعد دیگرے یہ خیالات تبلا کے دل میں آ رہے تھے اور وہ بار بار دروازے کی طرف تک رہی تھی، دور سے اُسے ایک آدمی اپنے جھونپڑے کی طرف آتا ہوا نظر پڑا۔ وہ فوراً اٹھ کھڑی ہوئی، شاید اُس کا خاوند ہو۔ لیکن جوں جوں وہ نزدیک آتا گیا اُسے کچھ شک ہونے لگا۔ وہ تو اتنے لمبے نہیں ہیں؟ اس نے تو کوٹ بھی پہنا ہے وہ نہیں ہو سکتے۔ تو پھر اور کون اُس کے گھر آ سکتا ہے۔ جب اور نزدیک آیا تو اُس کا شک گھبراہٹ میں تبدیل ہو گیا۔ بیرو نمبردار کا لڑکا بیرو ہی ہے مگر اُسے یہاں کیا کام ہو سکتا ہے کیا اُسے نمبردار نے بھیجا ہے؟ شاید اُن کی کوئی خبر لے کر آیا ہو۔ وہ دروازے سے ہٹ کر اندر جا بیٹھی۔

۲

گاؤں کے نمبردار کا لڑکا بیرو اٹھارہویں سال میں تھا۔ نہایت خوبصورت نوجوان۔ اُس نے اچھے رنگ کا ایک کوٹ پہنا ہوا تھا جس سے اُس کی طبیعت کی شوخی ظاہر ہوتی تھی۔ بچپن ہی سے اُس کی طبیعت شرارت کی طرف مائل تھی اور کچھ عرصے سے گاؤں کے بدمعاشوں کی صحبت میں پڑ کر بڑی سے بڑی بدمعاشی کر گزرتا تھا۔ ماں باپ کا لاڈلا تھا۔ اگر کوئی شکایت لے کر آتا بھی تو یہ کہہ کر ٹال دیتے ابھی بچہ ہے۔ سمجھا دیں گے، آج اس کے یہاں آنے کا مقصد گہری سازش کا نتیجہ تھا۔ گاؤں میں تبلا کی خوبصورتی کی دھوم تھی۔ وہ نتھو بھنگی کی عورت تھی۔ اور ابھی نئی بیاہی آئی تھی۔ عام بھنگیوں کی طرح نتھو اُس کو اپنے ساتھ کام پر لے جاتا تھا۔ دونوں میں گہری محبت ہو گئی تھی۔ ایک دوسرے کو دیکھ دیکھ کر جیتے تھے۔ گاؤں کے بدمعاشوں نے اس چھلی کو جال میں پھنسانا چاہا۔ لیکن نتھو کی موجودگی میں یہ امر ناممکن تھا۔ اب اُس کی غیر حاضری کا فائدہ اٹھا کر انھوں نے بیرو کو اکسا کر اُس کے پاس بھیجا۔ بیرو کو اس ہنر میں ابھی زیادہ مشق نہ تھی۔ لیکن تبلا کی خوبصورتی کی تعریف اُس کے دل میں گھر کر چکی تھی۔ اور وہ اُس کو کسی طریقے سے قابو میں لینا چاہتا تھا۔ دروازے پر پہنچ کر اُس نے دستک دی۔ تبلا نے اندر سے آواز دی۔ کون؟

بیرو۔ میں ہوں نمبردار کا لڑکا بیرو۔

تبلا۔ کیا کام ہے؟

بیرو۔ نتھو سے ملنا ہے

تبلا۔ اُن کو تو بیگار میں گئے آج تیسرا روز ہے

بیرو۔ اوہو۔ آج کوئی ٹھہر جائے تو میں پتہ منگوا دوں گا کہ اتنی دیر کا کیا سبب ہے؟ تبلا کسی چیز کی ضرورت ہو تو بتلانا

تبلا کو اپنا خیال آیا۔ اُس نے کل سے کچھ نہ کھایا تھا کیا وہ بھی پیٹ کی خاطر بھیک نہ مانگے۔ لیکن اُس کی خودداری نے دستِ سوال دراز کرنے کی اجازت نہ دی اور اس نے کہا:۔

نہیں بھائی تمہارا ہی دیا کھاتے ہیں مجھے کسی چیز کی ضرورت نہیں۔

بیرو۔ ذرا دروازہ تو کھولو۔ کیوں ناراض ہو؟

تبلا کا ماتھا ٹھنکا اور اُس نے ذرا سختی سے جواب دیا۔ میرا تم نے کیا بگاڑا ہے کہ ناراض ہوں۔

بیرو۔ اوچھوڑا ہی کیا ہے۔

تبلا۔ یہاں سے چلے جایئے ورنہ اچھا نہ ہوگا۔

بیرو نے سوچا۔ اس طرح کام نہ چلے گا۔ وہ واپس آیا اور اپنے دوستوں سے آ کر مشورہ کرنے لگا۔ کہ اب کون سی چال چلی جائے،

ایک نے کہا:۔

بیرو! ذرا ہمت کی ضرورت ہے چشمہ سے پانی لینے جائے گی تو غائب کر دیں گے۔

بیرو۔ اور پھر جیل میں سات سال عیش کریں گے

وہی:۔ اجی گواہی کون دیگا۔ کاٹ کر پھینک دیجئے! اور پھر نمبردار سلامت رہے۔ اُس کے مقابلہ میں پیش لگانے والا کون ہوگا۔

بیرو۔ بھئی اگر گڑ سے دشمن مرے تو زہر دینے کی کیا ضرورت ہے مجھے تمہاری صلاح پسند نہیں۔ پہلے نرمی۔ اگر کام نہ چلے تو سختی۔

یہ سوچ کر اُس نے ایک معتبر شخص کو سمجھا بجھا کر شہر میں بھیج دیا۔ اور گھر آ کر اُس کا انتظار کرنے لگا۔

۳

نتھو کو بیگار میں آئے تین دن گزر چکے تھے اس کا خیال رہ رہ کر اپنی پیاری تبلا کی طرف جاتا تھا لیکن کام تھا کہ ختم ہونے کو نہ آتا تھا۔ اور اس سے پیشتر رہائی مشکل تھی۔ اُس نے دو ایک دفعہ اپنی بے کسی افسروں کے آگے ظاہر کی لیکن اُسے رہائی نہ ہوئی۔ راجہ کی سند یاترا تھی۔ اور اُس سے پہلے سڑکوں کی مرمت ختم کرنی ضروری تھی۔ ہر شام نتھو کام سے فارغ ہو کر اپنے ساتھیوں سے آنکھ بچا کر دیوی کے مندر کی طرف آتا اور بیرونی دیوار کے باہر ہی دوزانو ہو کر پرارتھنا کرتا اور کہتا کہ اے منو کامنا پوری کرنے والی دیوی تیری غیر حاضری میں میرے دل کی مالک تبلا کی رکشا کرنا۔ اُس کے پاس

(باقی اگلے صفحہ پر)

میں تفسیرِ جلوہ کیا چاہتا ہوں | اک آغازِ بے انتہا چاہتا ہوں
تعیّن کی حد سے بڑھا چاہتا ہوں | تری رہ گزر کا پتا چاہتا ہوں
مجسّم تماشہ بنا چاہتا ہوں | تجھے دیکھ کر دیکھنا چاہتا ہوں
تری اک نگاہِ محبت کے صدقے | خدا جانے میں کیا ہوا چاہتا ہوں
حجاباتِ معنی اٹھا چاہتے ہیں | درِ دل پہ سجدہ کیا چاہتا ہوں
تجھے دیکھنا چاہتا ہوں میں لیکن | تری آنکھ سے دیکھنا چاہتا ہوں
تمنّا نے دھوکے دئیے ہیں یہاں تک | کہ ترکِ تمنا کیا چاہتا ہوں
مجھے ڈھونڈھ اب اے جمالِ حقیقت | ترے حُسن میں گم ہوا چاہتا ہوں
ذرا سازِ دل چھیڑ اے جذبِ کامل | حدیثِ محبّت سُنا چاہتا ہوں

جہاں تک تقاضائے حُسنِ ادا ہے،
وہیں تک میں سجدے کیا چاہتا ہوں!

(پچھلے صفحہ سے)

کھانے کو کچھ نہیں ہے مجھ ہی کو سہارا دینا۔ دو روز اسی طرح اور گذر گئے تیسرے روز کام بالکل مکمل ہو گیا اور سب کو گھر جانے کی اجازت مل گئی۔ لیکن ٹھیک تیسرے نتھو اور ایک اور شخص کو یہ کہہ کر روک لیا کہ وہ یاترا تک مندر کی حفاظت کریں اس نے بتیرو کی منت کی اور صرف ایک دن کی رخصت مانگی لیکن ناکام۔ بتیرو کا تو یہی اپنا کام کر رہا تھا

۴

بتیرو نے جیسے اپنا آدمی بھیجا تھا اس کے لئے ایک ایک گھڑی گزارنی مشکل ہو رہی تھی۔ دل میں تبلا کی خیالی صورت کھینچ لیا۔ اور اس کو نا معلوم ان لی سکیم سوچا۔ خدا خدا کر کے اس کا قاصد واپس آیا۔ بتیرو اس کو دور سے آتا دیکھ کر اس کی طرف بھاگا اور دروازے سے باہر ہی روک کر پوچھا ہاں بھائی۔ کیا کام ؟

دوست۔ مٹھائی کھلاؤ تو سناؤں۔

بتیرو۔ کہو بس اب صبر نہیں خدا بتاؤ جلدی۔

دوست۔ پیسہ کما کچھ نہیں کر سکتا۔ تھوڑی سی لگی مانی۔ آپ کی بھیجی یہ کہہ کر اس نے رومال میں بندھی ہوئی چیز اس کو دے دی۔

بتیرو نے رومال لیا اس وقت سورج غروب ہو چکا تھا اور کچھ اندھیرا ہو گیا تھا وہ لوگوں کی آنکھ بچاتا ہوا پھر نتھو کے گھر پہنچا اور پچھلے سے دروازہ کھول کر اندر داخل ہو گیا۔ اندر اس نے دیکھا کہ تبلا ایک چھوٹی سی مورتی کے آگے بیٹھی پرارتھنا کر رہی ہے اس نے آخری فقرہ سنا جو یہ تھا:۔

اے سب جیووں کی رکشا کرنے والے دیوتا۔ مجھے ہمت دے کہ میں اپنا دھرم پرانوں کے ساتھ نبھا سکوں وہ اٹھی اور بتیرو کو پیچھے کھڑا دیکھ کر گھبرا کر جلدی سے اپنا کپڑا سنوار کر کہنے لگی آپ کا اس وقت یہاں آنے کا مطلب ؟

بتیرو۔ جو سمجھو۔ نتھو کی غیر حاضری میں میں نے اپنا فرض سمجھا کہ آپ کی ہر ضرورت کو پورا کروں اور یہ کہتے ہی اس نے رومال میں بندھی ہوئی نفیس مٹھائیاں اس کی طرف بڑھاتے ہوئے کہا

اس کو قبول کرو۔

تبلا نے دو دن سے بھوکی تھی للچائی ہوئی نگاہ رومال میں بندھی ہوئی مٹھائیوں پر ڈالی۔ پیٹ کی خاطر آدمی کیا کچھ نہیں کرتا اس نے سوچا۔ لیکن یہ خیال ایک لمحہ کے لئے تھا۔ فوراً اس کو اپنے دھرم کا خیال آیا اور اس کے دل سے پرارتھنا اٹھ کر زبان پر آ گئی۔ اس نے نفرت سے ہاتھ اٹھا کر کہا مجھے آپ کی کسی چیز کی ضرورت نہیں۔

بتیرو تبلا مجھے ٹھکراؤ نہیں۔ ذرا سوچو۔ ایک زمیندار کے لڑکے کے ساتھ محبت کرنے میں کیا برائی ہے۔

تبلا میں اپنے پتی کو چھوڑ کر جو تمہارا اور ہمارا ان داتا سب کے مالک ہیں۔ راجہ کی طرف بھی آنکھ اٹھانے کو تیار نہیں

بتیرو۔ تبلا اس محبت کا کسی کو پتہ ہی کیا لگے گا۔ بھلا خیال تو کرو مجھے ساری عمر اس گاؤں کا حاکم بن کر گزارنی ہے اور تم ایک غریب ہنگی کی حیثیت رکھتی ہو۔ تمہیں مجھ سے کتنا فائدہ پہنچ سکتا ہے

تبلا۔ مجھے ایسے فائدے کی ضرورت نہیں آپ یہاں سے تشریف لے جائیے۔ ورنہ میں ابھی آواز دیکر

بتیرو اس بات کے لئے تیار نہ تھا کہ وہاں ٹھہر لگ جائے وہ فوراً مٹھائی کو وہیں چھوڑ باہر چلا گیا۔ اب اس کمرے میں صرف تبلا تھی اور وہ مٹھائیاں۔ کیا پیٹ کی خاطر عورت ۔ ۔ ۔ اس نے اس خیال کو وہیں روکا۔ ہرگز نہیں اس نے دبکی آواز میں کہا ایک پتی ورتا عورت کے لئے نا ممکن ہے کہ وہ اس مطلب سے دی ہوئی رشوت قبول کرے۔ اس نے بتیرو کی ٹھوکر سے مٹھائی کو گھر سے باہر پھینک دیا۔ گلے خشک تھے تبلا میں اتنی طاقت نہ تھی کہ جہاں سے پانی پینے جا سکے، لیکن دیوتا کے اشنان کے لئے پوتر جل کی ضرورت تھی وہ چلی۔ راستہ ایک سنسان جگہ میں سے ہو کر گزرتا تھا۔ تبلا آہستہ آہستہ جا رہی تھی کہ درخت کی آڑ میں سے کسی نے نکل کر اس کا ہاتھ پکڑ لیا۔ وہ بتیرو تھا

تبلا۔ بتیرو تمہیں شرم آنی چاہئے میں بیاہی ہوئی عورت ہوں تم بھی اپنے دھرم سے واقف ہو پرائی عورت کو بری نظر سے دیکھنا کتنا بھاری پاپ ہے۔

بتیرو میں اپنا دل تمہاری نذر کر چکا ہوں۔ اب مجھ میں پُن پاپ کے وچار کی صلاحیت نہیں رہی۔ مجھے تباہ نہ کرو۔ دیکھو میں تمہارے لئے یہ ہار بنوا کر لایا ہوں۔

تبلا۔ (حقارت سے اس کی طرف دیکھ کر) اسے اپنی دلہن کو دینا۔

بتیرو۔ اگر تبلا نتھو کو کوئی اعتراض نہ ہو۔

تبلا یہ سنتے ہی کانپ گئی کہ شاید مجھے پیسوں کی خاطر بیچ دیں گے۔ پھر اس کا خیال اپنے دیوتا کی طرف لے گیا۔ اور اس نے کہا بے شک نہ ہو لیکن میں اپنا پتی ورت دھرم پرانوں کے ساتھ نبھاؤں گی۔ اتنے میں گاؤں کی چند اور عورتوں کو اس کی طرف آتا دیکھ کر بتیرو درختوں کی آڑ میں ہوتا ہوا وہاں سے بھاگ گیا۔

۵

نتھو نے جوں توں کر کے دو دن اور کاٹے۔ اب اس پر ہر گھڑی بھاری ہو رہی تھی۔ تبلا کا خیال اسے ستا رہا تھا۔ بغیر خوراک اور بغیر پیسوں کے وہ کیا کرے گی۔ اس کی پرارتھنوں کا الٹا اثر ہو رہا تھا اور سب چلے گئے اور وہ روک لیا گیا۔ اس نے سوچا کہ شاید اگر میں دیوتا کے روبرو عرض کروں تو منظور ہو جائے لیکن ایک ہنگی مندر کے اندر داخل کیسے ہو۔ کیا وہ انسان نہیں۔ اس نے سوچا کیا اس کے دل میں دیوتا کے لئے عزت نہیں تو پھر دیوتا اس کے نزدیک جانے سے کیوں ناراض ہوں گے۔ لوگ ناراض ہوتے ہیں تو ہوں۔ اسے ان کی پرواہ ہونی چاہئے۔ یہ سوچ کر وہ صبح سویرے اٹھا اور سنتریوں کی نظر بچا کر مندر میں داخل ہو گیا۔ پجاری ابھی دیوتا کو اشنان کرانے میں مشغول تھے۔ اس نے جاتے ہی اندر گھس کر دیوتا کے روبرو اپنی پرارتھنا کہنی شروع کر دی۔ مندر کے پجاریوں میں سے ایک شخص اسے پہچانتا تھا۔ دیکھتے ہی اس نے چلانا شروع کر دیا مندر میں ہنگی گھس گیا۔ مارو۔ نکالو۔ دیوتا بھرشٹ ہو گئے۔ اس کی آواز پر چاروں طرف سے لٹھ لے کر پجاری اس کی طرف لپکے اور آؤ دیکھا نہ تاؤ بیچارے نتھو پر لٹھ پڑنے شروع ہو گئے۔ وہ چلاتا تھا کہ بھائیو میں بھرشٹ کرنے نہیں بلکہ دیوتا کی پرستش کرنے آیا تھا۔ لیکن اس کی کون سنتا!

یہ مار اس وقت تھمی جب وہ بے ہوش ہو گیا اس پر پجاریوں نے دو کہار بلا کر اس کو گھسیٹ کر مندر سے باہر گرا دیا۔ دن چڑھنے پر ایک خدا ترس آدمی نے اس کے زخموں پر پٹیاں باندھیں اور اس کو ہوش میں لا کر اس کا حال پوچھا اور فوراً بیگار کو اطلاع کرا دی۔ داروغہ نے اس کی حالت دیکھ کر اس کو گھر جانے کی اجازت دے دی اب وہ لکڑی کے سہارے آہستہ آہستہ گھر کو روانہ ہوا اس نے سوچا یہ سب مصیبت اس پر اس لئے آئی کہ وہ دیوتا کے نزدیک چلا گیا۔ جو دیوتا یہ برداشت نہیں کر سکتا کہ میں ان کے نزدیک تک بھی پھٹک سکوں تو اس کو کیا ضرورت پڑی کہ خواہ مخواہ اس کے پاس جائے۔ اس کی دلی شردھا کی جگہ غصہ نے لی اب اس نے پختہ ارادہ کر لیا کہ گھر پہنچتے ہی وہ سب سے پہلے اپنے گھر میں رکھی ہوئی مورتی کو نکال کر باہر پھینک دیگا۔

۶

بتیرو کو گھڑی بھر چین نہ تھا۔ تبلا کی موہنی شکل اس کے دل میں گھر کر چکی تھی اور اس کے دوستوں کے طعنوں نے اس کے تن بدن میں آگ لگا رکھی تھی۔ اس کو اس رات نیند نہ آئی۔ اگلے دن پھر اسی ادھیڑ میں لگا رہا شام ہوتے ہی اس نے پھر نتھو کے گھر کی راہ لی۔ پہلے اس نے چند ہمسایوں سے علیحدگی میں باتیں کیں اور اپنی تسلی کر کے دیوار پھاند کر اندر کود گیا۔

تبلا نتھو کے خیال میں غرق پڑی تھی وہ سوچ رہی تھی کہ نہ معلوم وہ کونسی مصیبت میں گرفتار ہے ایک ہمسایہ کی اس نے منت کی کہ جا کر پتہ لا دے لیکن سب نتھو سے جلتے تھے۔ اسی لئے کسی نے اس کی نہ سنی، آواز سنکر وہ چونکی اور بتیرو کو سامنے کھڑا دیکھ کر گھبرا اٹھی۔ بتیرو نے اس کو کچھ کہنے کا موقعہ نہ دیا۔ اور فوراً دو زانو ہو کر نہایت عاجزی سے کہنے لگا۔ تبلا رحم کرو۔

تبلا۔ بتیرو اس سے کچھ مطلب حل نہ ہوگا۔

بتیرو۔ دیکھو یہ میری آخری گزارش ہے اب کچھ سوچ کر جواب دینا۔ ایک طرف تو ذلت کی زندگی اور دوسری طرف عیش۔ ایک طرف سب کچھ عزت کے ساتھ اور دوسری طرف سختی اور ڈنڈے کا زور۔

تبلا۔ میرا یہی جواب ہے۔

بتیرو۔ تم بے سمجھی پر بحث کرتی ہو۔

تبلا۔ میرے گھر سے باہر ہو جاؤ ورنہ میں آواز دیکر لوگوں کو جمع کر لوں گی۔

بتیرو۔ (اونچی آواز سے) ارے کوئی آئیو۔ بتیرو مجھے پکڑتا ہے۔

دیکھا میں نے تمہارا کام کر دیا۔ اب ذرا دیر انتظار کر کے دیکھو کون آتا ہے۔ تبلا نے بھانپ لیا کہ اس نے سب کو پیسے دے کر گانٹھ لیا ہے۔ بتیرو نے تبلا کی طرف ہاتھ بڑھانا چاہا۔ تبلا جو فاقوں سے کمزور ہو چکی تھی اس کا ہاتھ لگتے ہی شیر کی طرح جھپٹی اور دونوں میں کشمکش شروع ہوئی۔ تبلا نے بڑی دلیری سے مقابلہ کیا۔ اسی کشمکش میں طاق میں سے جلتا ہوا لیمپ گرا اور چارپائی کو آگ لگ گئی جو ایک دم پھوس کی چھت میں جا لگی تبلا نے آخری نگاہ اپنے دیوتا پر ڈالی اور کہا ہے بھگوان میری لاج بچاؤ۔

ادھر نتھو اپنے گھر کے نزدیک پہنچ چکا تھا اپنا جلتا ہوا گھر دیکھ کر اس کے جسم میں بجلی کی سی طاقت آ گئی۔ اس نے دو چھلانگیں لگائیں اور دروازہ توڑ کر اندر داخل ہو گیا تبلا اب بے بس ہو چکی تھی۔ نتھو کے داخل ہوتے ہی بتیرو نے گھبرا کر اسے چھوڑ دیا۔ اور خود پچھلی کھڑکی میں سے نیچے کود گیا۔ لیکن ایسا کرنے میں اس کا جسم کئی جگہ سے جل گیا۔

تبلا نے شکریہ کی نگاہ پہلے اپنے دیوتا کی مورتی اور پھر نتھو پر ڈالی اور کہا۔ بھگوان نے میری لاج بچا لی آؤ اس کے آگے پرارتھنا کریں۔ نتھو تبلا کو اس وقت ناراض نہ کرنا چاہتا تھا۔ اس لئے اس کے ساتھ مورتی کے سامنے گردن جھکا کر بیٹھ گیا

تبلا نے کہنا شروع کیا۔

بھگوان میں کس زبان سے تمہارا شکریہ ادا کروں۔ تمہارے بن مجھ نربل کا کون ساتھی تھا۔ تمہاری ہی شکتی نے مجھے فاقوں رہتے ہوئے بھی اپنے پتی ورتا دھرم نبھانے کی ہمت دی۔ تمہارے سہارے تم دھن ہو۔ یہ کہہ کر اس نے نہایت عزت سے مورتی کو اٹھایا۔ اور باہر چلی۔ نتھو بھی پیچھے پیچھے باہر آ گیا۔ اب اس کی آنکھوں کا پردہ ہٹ چکا تھا۔ اگر اس کو مار نہ پڑتی تو وہ اپنی پتی ورتا استری کی عزت بچانے کے لئے موقعہ پر نہ پہنچ سکتا۔ مکان جل گیا۔ اور انہوں نے اس کو بجھانے کی کوشش نہ کی بلکہ مورتی کو لے کر اس گاؤں سے نکل گئے۔

کہتے ہیں کہ بتیرو نے اپنے بیاہ کے بعد اپنی دلہن کو وہی ہار جو اس نے تبلا کے لئے بنوایا تھا دیتے ہوئے کہا۔ کہ یہ میری بہن تبلا کی طرف سے ہے۔

ہر بارہ سال اور ساٹھ سال بعد زمین کی سطح پر ہیجان!

مسٹر متھرا پرشاد وزیر ریونیو ریاست پٹیالہ

آئندہ تین چار سال میں موسمی تبدیلیوں اور فضائے آسمانی کی حالتوں میں ایک تغیر محسوس کیا جائے گا، آفتاب میں جو سیاہ دھبے دکھائی دیتے ہیں وہ ہر گیارہ سال کے بعد محاذ زمین سے ہٹ کر دوسرا رخ اختیار کرتے ہیں اور نئے دھبے سطح آفتاب پر اس انداز سے ابھر آتے ہیں کہ ہماری زمین اور اس کے موسمی حالات پر اس تبدیلی کا نمایاں اثر پڑتا ہے، ۱۹۲۲ء میں جبکہ ریڈیو کا کام شروع کیا گیا تھا آفتابی داغ ایک تبدیلی میں سے گزر رہے تھے جس کی وجہ سے ریڈیو کی لہریں خراب ہو جاتی ہیں، اور غیر ملکی پروگرام سننے میں خرابی محسوس کی جاتی ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ ہماری زمین کے گرد جو فضائی کرہ لپٹا ہوا ہے اس میں فضائی اجزا و ذرات برق کی کمی ہو جاتی ہے جو آفتاب سے براہ راست کسب کرنے کی وجہ سے ہماری زمین کو پہنچتی رہتی ہے۔ جہاں اس عمل میں کوتاہی ہوئی فضائی خرابیاں پیدا ہو کر ریڈیو سننے والوں کے لئے پریشانی کا باعث ہوتی ہیں

آئندہ تین سال اور چار سال میں طغیانیوں کی کثرت آندھیوں اور سمندری طوفانوں کی زیادتی اور دیگر شمسی اثرات دنیا اور اہل دنیا کے لئے باعث فکر و تشویش ہوں گے تجربی طغیانیوں میں بیرومیٹر کا پارہ سب سے نیچے درجہ تک پہنچ جائے گا۔ کیونکہ ہوا کا دباؤ حرارت آفتاب کم ہو جانے کے سبب کم ہو جائے گا؛

آفتاب میں جہاں جہاں داغ دکھائی دیتے ہیں وہاں سے کرنیں کم طاقت کی نکلتی ہیں اور باقی سطح سے صاف اور بے روک ٹوک حرارت ہماری زمین تک پہنچتی رہتی ہیں۔ پس اگر آفتاب کی سطح پر دھبے زیادہ مقدار میں نظر آنے لگیں تو سمجھ لیا جائے کہ حرارت جس قدر مقدار اور درجہ کی زمین پر پہنچ رہی تھی اس میں کمی آ گئی ہے؛

آفتاب کے دھبے کیا ہیں؟ آفتاب کے دھبے دراصل سطح آفتاب پر بڑے بڑے عمیق غار ہیں جن میں برقی قوت گردشوں اور لٹ طاقت کی چکر کھاتی اور اپنی شعاعیں اور حرارت باہر پھینکتی رہتی ہے۔ یہ برقی قوت ہر سائنسدان تسلیم کرتا ہے۔ اور برق پارے نہایت تیز رفتاری کے ساتھ بگولہ کی طرح ان غاروں میں چکراتے رہتے ہیں۔ اور ان میں مقناطیسی قوت پائی جاتی ہے۔ ایک ایسا اصول ہے جسے تمام سائنسدان اور ماہران فلک تسلیم کرتے ہیں؛

آفتاب کے ان دھبوں کی علمی تحقیق کی بابت ہندوستان کے علم ہیئت کے ایک ماہر مسٹر متھرا پرشاد وزیر مال ریاست پٹیالہ اپنے خیالات اس طرح ظاہر کرتے ہیں:

آفتاب کے داغوں اور ان کی تبدیلیوں کا ایک معمولی دورہ چکر ہے ایک پورا چکر ختم ہونے پر آفتاب کے یہ داغ پھر تبدیل ہوتے ہیں اور دوسری نئی کروٹ لیتا ہے لیکن یہ امر کہ یہ چکر گیارہ سال کے بعد آتا ہے یا بارہ سال کے بعد ایک اختلافی مسئلہ ہے۔ ہندوستانی ماہران فلک بتلاتے ہیں کہ بارہ سال لگتے ہیں لیکن یورپ کے ایک استاد مسٹر ولیم بیوسچ کا خیال ہے کہ (۳۵/۵) سال میں تین چکر آتے ہیں ہر دور اس اعتبار سے تقریباً (۱۱/۸۳) سال کا ہوا۔ جو بارہ سال کے بہت قریب ہے۔ اور گیارہ سال سے بہت دور ہے۔ اس لئے جو یورپین استاد گیارہ سال کا حساب لگا کر گفتگو کرتے تھے غلط ہے، کولوراڈو (امریکہ) اور آسٹریلیا کے قدرتی چشموں میں جو تبدیلی رونما ہوتی ہے وہ پورے بارہ سال کے بعد ہوتی ہے۔ اس لئے ہندوستان ہیئت دانوں کا حساب اس معاملہ میں زیادہ قابل لحاظ ہے۔ کیونکہ ثبوت ظاہر ہے اور اس لئے زیادہ درست ہے؛

اب ایک مسئلہ اور زیر بحث آ گیا ہے وہ یہ ہے کہ آفتاب پر جو داغ دکھائی دیتے ہیں وہ فی الحقیقت اس کی سطح پر واقع ہیں یا کسی اور طریقہ سے پیدا ہوتے ہیں۔ یہ تو یقین نہیں کہ آفتاب بارہ سال کے بعد چکر آتا ہے۔ اور اگر چکر لانے بھی تو صرف ایک دور پیدا ہونے سے اتنی تبدیلیاں رونما نہیں ہو سکتیں اگر یہ خیال کیا جائے کہ زمین کے دورے ہمارے سمندروں کی

(۱) ہر گیارہ سال کے بعد گرین لینڈ کی برف زیادہ گھلتی ہے۔
(۲) ہر گیارہ سال پر مشرقی برطانیہ میں گیہوں کی پیداوار زیادہ ہوتی ہے (۳) وکٹوریہ جھیل کے پانی میں مد و جزر پیدا ہوتا ہے۔ (۴) بحر ہند میں سخت ترین طوفان آتے ہیں۔
(۵) آسٹریلیا میں حرارت بڑھ جاتی ہے۔ (۶) اس مقام پر برفباری بہت زیادہ ہوتی ہے

لہروں میں وقتی تبدیلیاں ہوتی ہیں تو یہ بھی ثبوت کے درجہ تک نہیں پہونچتا۔ کیونکہ یہ معلوم کرنا دشوار ہے کہ کسی خاص وقت پر اور کسی خاص درجہ تک ہی ان لہروں میں کیوں گڑبڑ ہوتی ہے۔ ان تمام بحثوں سے یہ نتیجہ ضرور نکلتا ہے کہ آفتاب پر چاند اور اس کی عہد بہ عہد کی دورانی کیفیت ہوتی ہے جو آفتاب پر عکس فگن ہو کر یہ داغ پیدا کرتی ہے

جس طرح سورج اپنے گرد کے تمام ستاروں اور اجرام فلکی پر اپنا اثر ڈالتا ہے اسی طرح یہ تمام ستارے اور خاص کر بڑے بڑے سیارے مل کر آفتاب پر اثر انداز ہوتے ہیں ایک دوسرے پر عمل اور رد عمل (ری ایکشن) کرتے رہتے ہیں۔ جو ستارہ سب سے بڑا اور بھاری بھرکم ہے اسی کا اثر آفتاب پر زیادہ پڑے گا؛

جوپیٹر جسے پرانی زبان میں برہسپت کہتے ہیں سب سے بڑا اور بھاری ستارہ ہے۔ نہ صرف اہل یورپ بلکہ قدیم سنسکرت کتابوں میں بھی اس کو بڑا تسلیم کیا گیا ہے۔ چنانچہ ہندو ہیئت دانوں نے قدیم زمانہ میں اس بات کو پہلے ہی مان لیا تھا اور کتابوں میں جب اس ستارہ کا نام "گرو" اور "ورہسپتی" پڑھا جاتا ہے تو معلوم ہوتا ہے کہ پہلے زمانہ کے ہندو ہیئت دانوں کی تحقیق زیادہ مکمل تھی، جس پر آجکل کے سائنسدان عرصہ دراز کی غور و فکر کے بعد پہنچے ہیں۔ چونکہ برہسپت (عطارد) بہت بڑا ستارہ ہے اس لئے اس کا اثر اور کشش بھی آفتاب پر زیادہ ہی وارد ہوتی ہوگی۔

برہسپت ستارہ سورج کے گرد تقریباً بارہ سال میں اپنا دورہ ختم کرتا ہے۔ سورج کے اثر سے قطع نظر ہم یہ غور کرتے ہیں کہ ہمارے سمندروں کی لہروں کا اتار چڑھاؤ روز ایسا ہی نہیں ہوتا جیسا پہلے ہو چکا ہے بلکہ کچھ نہ کچھ تبدیلی اور اختلاف ظہور میں آتا رہتا ہے۔ زمین کے دورے کے ساتھ چاند کے دورہ پر بھی سمندری لہروں کے ہونے اور ان کی نوعیت کے بدلنے کا انحصار ہے۔ پس اسی اصول کے لحاظ سے ہمیں یہ ماننا پڑے گا کہ جس طرح چاند کا اثر ہماری زمین کی سطح پر پائے جانے والے پانی میں لہروں کے اتار چڑھاؤ کا موجب ہوتا ہے اسی طرح برہسپت ستارہ کے چکر کا اثر آفتاب پر پڑتا ہوگا۔ کیونکہ وہی آفتاب سے قریب ترین اور وزنی ترین ستارہ ہے چونکہ آفتاب کی سطح زمین کی سطح کی نسبت

(باقی اگلے صفحہ پر)

(پچھلے صفحہ سے)

زیادہ سنیاں اور زہرہ ہے۔ اس لئے برہسپت کا اثر اس پر زیادہ پڑتا ہوگا۔ بہ نسبت چاند کے اثر کے جو وہ اپنے دور کے سطح زمین پر ڈالتا ہے۔

میری گزارش ہے کہ جدید علم ہیئت کے جاننے والوں اور سائینسدانوں کو اس بات پر ضرور غور کرنا چاہیئے کہ ہندوستانی علم فلک کے اس رخ کو بھی توجہ کرتے۔ ان اپنے سامنے رکھنا چاہیئے کیونکہ اگر انہوں نے قدیم ہندوستان کا علم ہیئت پرکھا تو بہت مفید نتائج سے آگاہ ہوں گے۔

بارہ سال کا جو چکر آفتاب کی سطح پر نمایاں ہوتا ہے اس کی بابت ذکر آ گیا ہے۔ ڈاکٹر برکس سائینسدان دو اور (۰۰) سال کے اور (۵۰) سال کے بتاتے ہیں۔ جو کہ وارڈ اور امریکہ کے جنگلوں اور پیل کے بالی میں نمایاں اثر ڈالتے ہیں۔

ڈاکٹر صاحب کا بیان ہے کہ ۱۱ سال کے عرصہ میں ترتیب یہ چکر نمایاں ہوتے ہیں۔ مگر ان کا اثر برسات تو میں چکر کے بعد زمین پر ظاہر ہوتا ہے لیکن ڈاکٹر صاحب یہ نہیں بتلاتے کہ برسات تو میں ترتیب چکر کر ... صاحب کا اثر کیوں زمین پر پڑتا ہے۔ سب سے پہلے چھ مرتبہ ایسے ہی داغ نمایاں ہوتے ہیں تو ان کا اثر کیوں نہیں پڑتا۔ یہ کیا چیز ہے جوان دوروں سے اثر کو چھ مرتبہ روک کر پھر تو ہیں بارہ سے الزام داری کا موقع دیتی ہے۔

مختصر یہ ہے کہ ہر ستارہ خواہ وہ کتنا ہی بڑا یا چھوٹا ہو برہسپت کی طرح آفتاب پر اثر انداز ہوتا ہے۔ جو ستارہ جس قدر بڑا ہوگا جتنے فاصلہ پر ہوگا جیسی طاقت کا ہوگا اس کا ویسا ہی اثر آفتاب پر پڑے گا۔ پس ۱۹۲۶ء میں سب ستاروں کا مجموعی حیثیت سے جو اثر آفتاب پر پڑ رہا ہے بالکل ویسا ہی اثر اس وقت پڑے گا جب یہ تمام چھوٹے بڑے ستارے بالکل اسی پوزیشن اور زاویہ میں آ جائیں گے جو ۱۹۲۶ء میں تھا۔ یعنی جب بھی کسی ستارہ کی حیثیت اور ان کی پوزیشن کسی سابقہ اجتماع یا قران (CYCLE) کی طرح آ پڑے گی بالکل ویسا ہی اثر نمایاں ہوگا۔ جیسا پہلے نقشہ میں ہوا تھا۔ جب یہ معلوم ہو گئی تو اب صرف معمولی حساب کا کام رہ جاتا ہے کہ وہ پتہ لگا کر بتلائے کہ کس سنہ اور کس سال میں کس وقت کیسا حال رونما ہوگا اور کس کی پچھلی نظیر کیا ہے۔

کم حیثیت ستارے مثلاً زہرہ کا دور بہت چھوٹا سا ہوتا ہے۔ اور جلدی ختم ہو جاتا ہے۔ لیکن بڑے ستارے مثلاً مریخ کا دور بہت بڑا ہوتا ہے یعنی ۱۲ سال کا ایک دورہ ہوتا ہے۔ جب عطارد کے ساتھ مل کر اپنا جو دگم کر دیتا ہے پس عطارد اس کے ساتھ کے سب چھوٹے بڑے ستارے پورے بارہ سال میں اپنے اپنے دورے ختم کر دیتے ہیں اس لئے ہر بارہ سال کے بعد وہی اثر ظہور پذیر ہو جانا ضروری ہے۔ جو بارہ سال پہلے ہوا تھا یعنی ہر بارہ سال یکساں ... ہوتے ہوں ... پس جہاں تک ان ستاروں کا تعلق ہے۔ وہ جب کبھی بھی اپنی سابقہ پوزیشن حسب دستور اختیار کریں گے ان کا عمل وہی ہوگا جو پہلے ہو چکا ہے لیکن عطارد کے بعد دوسرا بڑا ستارہ سنیچر کا ہے وہ اپنا دورہ تیس برس میں ختم کرتا ہے۔ اس لئے اگر اس کا اثر عطارد اور اس کے ساتھیوں کے اثر پر وارد ہوا تو زمین پر نئی چیزیں ظہور میں آئیں گی۔ لیکن صرف اسی وقت جب دونوں ستاروں کے چکر آپس میں آ کر ایک ہی سال منطبق ہو جائیں۔ اس لئے ستاروں کی چال پر زمین کے موسمی تغیرات کا بہت بڑا انحصار ہے۔ ۲۴ سال کے بعد عطارد وغیرہ اپنی سابقہ پوزیشن اختیار کر لیں گے لیکن سنیچر کی پوزیشن وہ نہیں ہوگی۔ اس کی پوزیشن تیس سال کے بعد پہلی حالت پر آئے گی۔ ۲۴ سال اور ۳۰ سال کے بعد عطارد اور دیگر ستاروں کی چال ایک ہو جائے گی لیکن سنیچر کی نہیں ہو سکتی۔ لیکن پورے ساٹھ سال کے بعد عطارد اور سنیچر دونوں کی پوزیشن آ کر مل جائے گی اور وہ ایسی ہی ہوگی جیسی آج ۱۹۲۶ء میں پائی جاتی ہے۔ یہ ۱۹۸۶ء میں رونما ہوگا یہ دورہ ۶۰ سال کا اپنی حالت کو دہرا تا رہتا ہے یعنی ۶۰ سال ۱۹۸۶ء میں ہوگا۔ جو ۱۹۲۶ء میں ہے۔ اس لحاظ سے ۱۹۲۶ء میں بھی ایسا ہی ہوگا جیسا ۱۸۶۶ء میں ہوگا غرض یہ علی الترتیب ایک ہی ضبط کے دور میں سے گزرتا رہے گا۔

اگر جدید ہیئت دان ہی سائنس کے ساتھ قدیم علم ہیئت کو بھی اپنے سامنے رکھیں تو بہت سی غلطیوں سے بچ جائیں گے۔ اور ان کے علمی کام میں بڑی سہولت ہو جائے گی۔

نادان دل

(سنسکرت سے ترجمہ)

اے دل! تو اپنی کوشش سے باز آ جا۔ اس شخص کا ملنا تیرے لئے نہایت مشکل ہے۔ تیری محنت کبھی کارگر نہ ہوگی اس سے تجھے کچھ فائدہ نہ پہنچے گا۔ بلکہ تیری کوشش تیرے لئے باعث تکلیف ثابت ہوں۔

مزید برآں کیسی بے سمجھی کی بات ہے کہ جس شخص کو محض ایک مرتبہ دیکھ لینے سے اب تجھ کو آنند کھا ہوا ہے تو پھر اسی سے ملنے کی کوشش کر رہا ہے اے نادان کیا تجھ کو خبر نہیں آئی کہ جس کے ساتھ تو نے پیدائش ہی سے اب تک پرورش پائی ہے اسے یکدم ترک کر کے ایک ایسے شخص سے کہ تجھ کو دنیا سے جسکو تو نے صرف ایک جھلک میں دیکھا ہے۔

(کچھ دیر سوچ کر) اچھا اس میں تیرا بھی قصور نہیں ہے شاید تو بھی کام دیو کے تیروں سے ڈرتا ہوا یہ کام کر رہا ہے شاید تو یہ سمجھتا ہے کہ اس شخص سے مل کر تو کام دیو کے تیروں سے بچ جائے گا۔ کام دیو بھی عجب بے رحم اور ضدی ہے کہ جس نے اپنی طاقت سے تمام عالم کو (کیا فرشتے، کیا انسان، کیا حیوان) سب کو جیت لیا ہے۔ اب کمزوروں پر وار کر رہا ہے۔

(بنارسی داس انڈسٹریل کالج لاہور)

کانگریس ہندوستان کی عزت ہے

شریت بھولا بھائی ڈیسائی ممبر اسمبلی لیڈر کانگریس پارٹی کے خیالات!

{ازجناب ساغر نظامی}

{جناب ساغر نے بادۂ مشرق میں پنڈت جواہر لال نہرو پر ایک نظم لکھی ہے جس کے چند اشعار ہم لکھنؤ کے جلاس کانگریس کی موقعہ پر ہدیۂ ناظرین کرتے ہیں۔ (ایڈیٹر)}

اے جواہر! اے بہارِ گلستانِ آریہ
ہے ترے پیکر میں کیا روحِ دروناچاریہ

اے کہ تو ہے گوہرِ جیب و گریبانِ وطن!
نور سے تیرے منور ہے شبستانِ وطن

سینۂ ہندی میں پھر تجدیدِ سوز و سازِ ہے
سوم دت کیا تیری پیکر میں حیات افروز ہے

تو بھی ہے ہندوستاں میں نغمہ خوانِ حریت
زندہ باد اے شانِ آزادی و جانِ حریت

بحر و بر لرزے میں ہیں کون و مکاں زیرِ نگیں
تیرے نغموں سے دلوں کی آسماں لرزی میں ہیں

تیرے نغمے گرم کرتے ہیں محبت کا لہو
روپ میں انسان کے گوپال کی بنسی ہے تو

شاہکارِ صنعتِ بتخانۂ آذر ہے تو
جذبۂ ایثار و قربانی کا اک پیکر ہے تو

جس کے دم سے ہے بہار و نیرِ شبابِ رنگ و بو
ہند میں وہ عندلیبِ باغ آزادی ہے تو

سانس لیتا ہے تری پیکر میں طوفاں کا شباب
آندھیوں کی نوجوانی زلزلوں کا پیچ و تاب

بے حقیقت ہے تری دنیا میں غم کا ماجرا
موت ہے موجِ تبسم، زندگی اک قہقہا

کیفِ موسم سے فضائے گلستاں ہو جو نہ ہو
جذبۂ آزادیِ ہندوستاں موجوں پہ ہو

تیری ہستی اک نئے احساس کی تمہید ہے
یاس کے عالم میں تو اک مرکزِ امید ہے

جس قدر قطرے ہیں اُن قطروں کو پھر دریا کریں
آکہ میخانے میں پھر ماحول نو پیدا کریں

(کانگریس کے متعلق شریت بھولا بھائی ڈیسائی کے ایک مضمون کا مختصر ترجمہ لکھنؤ کے اجلاس کانگریس کے موقع پر ذیل میں پیش کیا جاتا ہے جو قارئین کے لئے دلچسپی کا باعث ہوگا۔
ایڈیٹر)

اگرچہ کانگریس کا لفظ جمہوری یا دوسری اقسام کی متعدد انجمنوں کے لئے دنیا کے مختلف حصوں میں استعمال کیا جاتا ہے۔ لیکن ہندوستانیوں کے دل و دماغ میں کانگریس ان کی قومی انجمن کا نام ہے۔ اور وہ انڈین نیشنل کانگریس ہے۔ جو ملک کی آزادی کی علمبردار ہے کانگریس کے ارتقائی تاریخ ہندوستان کی آزادی کے لئے بڑھتی ہوئی جد و جہد کی تاریخ ہے۔ یہ کہنا غالباً صحیح ہوگا۔ اپنے اصلی مقصد میں کانگریس اپنے وجود کے کامل دوران میں بالکل ایک سی رہی ہے۔

۱۸۸۵ء میں کانگریس کے بانیوں نے ایک عام انجمن کی ضرورت محسوس کی کیونکہ اُس وقت تک درجہ وسطی کے طبقہ کے کچھ لوگ انگریزی تعلیم سے مستفید ہو چکے تھے۔ ۱۸۸۵ء اور ۱۹۰۵ء کے درمیان یہ کوشش کی گئی کہ ہندوستانیوں کو پبلک ملازمتوں میں زیادہ تر حصہ مل سکے۔ اور غیر ملکی حکومت کی بعض لازمی خرابیاں دُور کی جاسکیں۔ اس مدت میں کانگریس نے ایک خدمت یہ کی تھی کہ ملک میں ایک رائے عامہ پیدا کردی۔ ۱۹۰۵ء میں انڈین نیشنل کانگریس کا نصب العین سوراجیہ حاصل کرنا بنا دیا گیا۔ گو یہ امید رکھی گئی کہ انصاف اور آزادی کا احساس خود برطانیہ کو یہ ترغیب دیگا کہ وہ ہندوستان کو ایک معقول مدت کے اندر خود اپنا نظم و نسق اپنے ہاتھ میں لینے دے۔ اس وقت سے ۱۹۱۷ء تک رہنماؤں کو یہی امید تھی کہ خود اختیاری حکومت برطانیہ کی فیاضی اور انصاف پسندی کے ذریعہ عطا کردی جائے گی!

جنگ یورپ کی پہلی رَو میں تمام اتحادیوں اور خصوصاً برطانیہ نے یہ وعدہ کرنا شروع کیا کہ دنیا کی محکوم قوموں کو آزاد کرنا بھی اس جنگ کا ایک مقصد ہے۔ لیکن چونکہ خطرات ختم ہوگئے۔ یہ تمام وعدے فراموش کردئے گئے اور بیانات سے یہ ظاہر ہوا کہ وعدے اس لئے نہیں کئے گئے تھے کہ پورے کئے جائیں۔ اس کے بعد وہ آخری صورت حال پیدا ہوئی جس میں کانگریس سے مہاتما گاندھی اور اُن کی تحریک عدم تعاون اور ستیہ گرہ کا گہرا تعلق پیدا ہوا۔ مہاتما گاندھی نے پہلی مرتبہ عدم تشدد اور رضاکارانہ تکلیف کی طاقت کو محسوس کیا تاکہ ہمارے کاز پر اخلاص کا اثر پڑے۔ انھوں نے یہ بھی محسوس کیا کہ ہندوستان کے باشندے اپنی قومی انجمنوں کے ذریعہ اس وقت تک اپنا مقصد نہیں حاصل کرسکتے جب تک کہ عامۃ الناس کی جماعت ان کے ساتھ نہ ہو۔ اسی وقت یہ بات معلوم کی گئی کہ ہماری جد و جہد ایک جداگانہ قسم کی ہوگی۔ اور اس میں عوام بھی شامل ہوں گے۔

پہلے کانگریس کے سالانہ اجلاسوں میں صرف ریزو لیوشن پاس ہوا کرتے تھے اور اُن کو وائسرائے یا وزیر ہند کے پاس بھیجدیا جاتا تھا۔ لیکن اب ان سے عامۃ الناس کے ہر فرد کو آگاہ کیا جانے لگا۔ یعنی ہم نے یہ محسوس کیا کہ ہم اپنی ظاہری نگاہوں سے حکمرانوں کی طرف نہ دیکھیں بلکہ باطنی نگاہوں سے اُن لوگوں کی طرف دیکھیں جو ہماری طرح محکومی میں مبتلا ہیں۔ اس لئے کہ آزادی خود ہندوستانیوں ہی کی مدد سے حاصل کی جاتی ہے۔

آخر کار ۱۹۲۰-۲۱ء میں کانگریس نے پہلی مرتبہ مہاتما گاندھی کی رہنمائی میں عدم تعاون اور ستیہ گرہ کے اصولوں کا عملی تجربہ کرنے کی کوشش کی۔ جو ہندوستانیوں کو غفلت اور بے حسی سے نکالنے کا پہلا قدم تھا۔

اس کے بعد آٹھ سال کی مدت گزر گئی، اور ۱۹۲۸ء میں صرف گجرات کے ایک محدود رقبہ کے اندر لگان کے اضافہ کے سلسلہ میں ستیہ گرہ جاری کیا گیا۔

اس کے بعد وہ بڑی جد و جہد شروع ہوئی جس کے واقعات ابھی سب کے حافظہ میں محفوظ ہیں اور جس کی تاریخ اس وقت بیان کرنے کی ضرورت نہیں۔

اس کی تمام مخالفتوں کے باوجود ہندوستانی باشندوں کے دماغ نے اس حقیقت کو محسوس کرلیا ہے کہ آزادی خود اپنے ہی عمل کے ذریعہ حاصل کی جاسکتی ہے اور وہ جد و جہد اور قربانی جو سچائی اور خاص عدم تشدد پر مبنی ہو ملک کے لئے آزادی حاصل کرنے کا واحد ذریعہ ہے۔ مجھے کامل یقین ہے کہ ہندوستان کا حق ہے کہ وہ آزادی حاصل کرے۔ انڈین نیشنل کانگریس ہندوستان کی عزت اور خودداری کا نشان ہے۔ ہندوستانیوں کی سیاسی اور اقتصادی آزادی کی علمبردار ہے۔

میں ایک مزاح نگار ہوں

(از جناب شوکت تھانوی)

(خاص نیچ دیکلی کے لئے)

"محترمی تسلیم۔ آپ کے والد کے انتقال پُرملال کا حال معلوم ہوا۔ انتہائی قلق ہوا۔ خداوند کریم آپ کو صبر جمیل عطا فرمائے۔ مجھ کو اپنا شریک غم سمجھئے۔

جون کے آخر میں ۔۔ ۔۔ ...کا سالنامہ شائع ہو رہا ہے۔ اور اس سالنامہ کو بہتر سے بہتر بنانے کے لئے تمام ممکن تدابیر اختیار کی جا رہی ہیں۔ آپ بھی یہی کیا پہلی فرصت میں کوئی لاجواب مزاحیہ افسانہ مرحمت فرما کر ممنون فرمائیے۔ یہ مزاحیہ افسانہ ایسا ہو کہ آپ کے دیگر افسانوں کو مات کر دے۔ اپنی تازہ ترین تصویر بھی ضرور بھیجیے۔"

(نیاز مند ۔۔ ۔۔ ۔۔ ایڈیٹر)

ملاحظہ فرمایا آپ نے یہ تعزیت نامہ۔ کہ ایک شخص کا باپ مر گیا ہے وہ یتیم ہو گیا ہے۔ وہ مادری کا پہاڑ اس پر چھٹ پڑا ہے۔ عملی زندگی میں وہ قدم رکھ رہا ہے۔ مگر چونکہ وہ مزاح نگار ہے۔ لہٰذا اس کو ایسا نازک موقع پر بھی مجبور کیا جاتا ہے کہ فقیر تمہارے باپ مر گئے تو مر جانے دو مگر فوراً ہمارے ناظرین کو ہنسانے۔ اس کا غم غلط کرنے کے لئے ان کی تفریح طبع کا سامان مہیا کرو۔ خود روتے رہو تو روتے رہو کوئی منع نہیں کرتا خدا تمہیں صبر جمیل عطا فرمائے۔ مگر دوسروں کو ہنساؤ اور اپنی بے حیائی کا روشن ثبوت پیش کرو۔ کہ تم نہایت لاجواب قسم کے چکنے گھڑے ہو جس پر حوادث روزگار کا صرف اتنا اثر ہو سکتا ہے کہ گویا پانی کی بوندگری اور پھسل گئی۔

اب بتائیے کہ اس قسم کے موقعوں پر سر نہ پھوڑیں تو اور کیا کریں۔ یہاں نہ دل قابو میں ہے نہ دماغ۔ زندگی سے بیزار بیٹھے ہیں اور آپ ہیں کہ ہمارے ہاتھ میں قلم دیکر ہم ہی سے یہ فرمائش کر رہے ہیں کہ آپ ہم کو روزہ رکھ کر ہنسائیں۔ واہ رے آپ! افسوس تو اس کا ہے کہ اب تک درج بھی ہم سے شگفتگی ترتیب معلوم نہیں کرائی۔ ۔۔ ۔۔ تبسم کے لئے ہنسنے حضرت ہر اہل قلم کو ٹائپ رائٹر کی قسم کی کوئی مشین سمجھتے ہیں کہ کیا مجال جو دل جانا اور جن حالات کے ماتحت دل چاہا اور جو کچھ چاہا لکھوا لیا گویا نہ ہم انسان ہیں نہ ہمارے سینے میں دماغ ہے نہ سینہ میں دل ہے اور نہ ہم میں حس کا مادہ ہے۔ بلکہ ہم ہر وقت اس کے لئے تیار بیٹھے رہتے ہیں کہ ہم کو حکم ملے اور ہم مزاحیہ مضامین لکھنا شروع کر دیں۔ جس طرح نل کا کام یہ ہے کہ اس کو کھول دیجئے وہ پانی دے گا۔ ٹائپ رائٹر کا کام یہ ہے کہ اس کے حروف چھپنے والے بٹنوں کو دبا دیجئے وہ لکھنا شروع کر دیگا۔ گھڑی کا کام یہ ہے کہ اس میں کوک بھر دیجئے وہ وقت بتانے لگی۔ اسی طرح چونکہ ہم مزاح نگار ہیں لہٰذا ہمارا کام یہ ہوا کہ ہم سے کہیے کہ مضمون لکھو۔ ہم فوراً لکھنا شروع کر دیں گے۔

کاش کبھی ان مضمون لکھوانے والوں نے ایک مزاح نگار کے مصائب پر بھی غور کیا ہوتا کہ وہ غریب کس قدر قابل رحم ہوتا ہے۔ مصیبتیں سب پر پڑتی ہیں اور حادثات کا مقابلہ سب ہی کو کرنا ہے مگر واقعی بے چارہ مزاح نگار کہ اس کی حالت دنیا سے قطعاً جداگانہ ہوتی ہے۔ سب مصیبت پر روتے ہیں مگر اس کو ہنسنا اور ہنسانا ہی نہیں بلکہ دوسروں کو ہنسانا پڑتا ہے۔ سب بیماری میں کراہتے ہیں مگر وہ بیماری میں بھی قہقہے بلند کرنے پر مجبور کیا جاتا ہے۔ سب اپنے عزیز کی موت پر سوگ مناتے ہیں۔ مگر وہ اس موقع پر بھی افسردگی کے لئے آزاد نہیں ہوتا۔ سب پریشانی میں پریشان ہوتے ہیں مگر وہ اس وقت بھی بے غم رہنے پر مجبور ہوتا ہے۔ ایک مزاح نگار کی ان مشکلات کا اندازہ کیجئے تو آپ کا دل بھر آئے گا۔ کہ اس کی زندگی کس قدر مظلوم ہوتی ہے اور اس غریب پر کتنی بڑی زیادتی ہے کہ اس کی زندگی کے تمام حالات اور واقعات کو عام انسانی زندگی کے حالات اور واقعات سے اس قدر مختلف سمجھ لیا گیا ہے کہ گویا وہ کسی اور دنیا کی مخلوق ہے۔ اگر سچ پوچھئے تو مزاح نگار کی ہنسی میں اکثر اشکوں کے سینکڑوں طوفان ہوتے ہیں۔ آپ کو کیا معلوم کہ جس وقت ایک مزاح نگار آپ کو ہنسانے کے لئے اور آپ کی تفریح طبع کے لئے کوئی چیز پیش کرتا ہے اس وقت خود اس غریب پر کیا عالم گذر رہا ہوتا ہے۔ خود ہم پر ایک دو مرتبہ نہیں سینکڑوں بار یہ کیفیت گذری ہے کہ تمام گھر ہسپتال بنا ہوا ہے۔ کوئی بخار میں کانپ رہا ہے تو کوئی درد میں کانپ رہا ہے۔ کوئی درد سے کراہ رہا ہے تو کوئی دمے یا کھانسی کے زمین اور آسمان کے قلابے ملا رہا ہے اور ہم ایسا کہ ہم کو دل لگی سوجھ رہی ہے۔ بیٹھے مزاحیہ مضمون لکھ رہے ہیں۔ دل اپنے اعزہ کے لئے دعائے صحت میں مصروف ہے اور دماغ ان حالات کو قہقہوں پر اُڑا رہا ہے۔ سمجھتے ہیں کہ ہم بڑے عالی دماغ ہیں مگر حرکت ہے بالکل پاگلوں کی سی۔ ذہن کے آدھے حصہ میں مزاحیہ مضمون کا جاٹ ہے اور نصف حصہ میں مریضوں کے نسخے اور دوا پلانے کے اوقات۔ خیر یہ تو دوسروں کی بیماری ہے مگر ایسا بھی ہوا ہے کہ خود صاحب فراش ہیں۔ دواؤں کا سلسلہ جاری ہے۔ سر ادا بند ہے۔ دل اور دماغ دونوں بیکار ہیں کہ عین اسی حالت میں کسی ایڈیٹر صاحب کا مکتوب گرامی موصول ہوتا ہے کہ:۔

"کرم فرمائے من بندہ تسلیم۔ آپ کی علالت سننے تو بڑا طول

(باقی مضمون صفحہ ۔۔ پر)

پنڈت جواہر لال نہرو

لکھنؤ کانگریس کے صدر منتخب

ہندوستان

دو ہندو اخبار نویس لڑکیاں

نہال خواتین کانفرنس کے ایک عظیم الشان اجلاس

مہاتما گاندھی ہریجن سفر دہلی میں

مسٹر ایم آر فاٹر
ٹ دھای نمائش میں انڈس کی مس
مثال کے انچارج ھیں

ر جانے پر رھے ھیں

بڑے عہدے کی زینت ہوتی ہے

(از جناب مولانا عبدالباری آسی)

سکندر نے ناراض ہوکر کسی سے | نہایت ذلیل اسکو سونپی تھی خدمت
مگر حسن کیساتھ اس نیکدل نے | وہی خدمت انجام دی ایک مدت
سکندر نے اک روز ہنسکر یہ پوچھا | کہ اس عہدے کی تونے کیا پائی حالت
سنی شاہ کی جب یہ طنزیہ تقریر | دیا یہ جواب اس نے باصد متانت

کہ عہدے سے انساں کی زینت نہیں ہے
مگر اس سے عہدے کی ہوتی ہے زینت

بچوں کی عادتیں

فرانسیسی بچہ صبح کو اُٹھتے ہی اپنے کپڑوں کو دیکھتا ہے کہ کہیں داغ دھبہ تو نہیں۔ کہیں سے خراب اور میلے تو نہیں ہوئے۔ اگر میلے اور خراب ہوگئے ہیں تو انہیں بدلنے کی خواہش کرتا ہے۔ فرانس کے بچے صفائی کے لئے دنیا بھر میں سب سے زیادہ مشہور ہیں۔

انگریزی بچہ صبح اُٹھنے کے بعد اپنی کتابوں اور اخباروں کو تلاش کرتا ہے پڑھے ہوئے سبق کو دوہراتا ہے۔ اخبار میں نئی نئی خبریں تلاش کرتا ہے۔ اسی لئے عام طور پر روزانہ خبروں سے واقف ہوتا ہے۔ اور اسے معلوم رہتا ہے کہ دنیا میں کیا ہورہا ہے۔ انگلستان میں بچوں کے اخبار رسالے اور دوسری کتابیں بے شمار چھپتی اور ہاتھوں ہاتھ بکتی ہیں۔

ہندوستانی بچہ تو صبح اُٹھتے ہی روتا ہے۔ چیختا ہے اور کھانا مانگتا ہے اور روٹی تلاش کرتا ہے۔

از جناب جلیل قدوائی ایم اے لیکچرار اردو مسلم یونیورسٹی (علی گڑھ)

پھاگن کا مہینہ ہے گیہوں کے کھیت زرد پھولوں سے اٹے پڑے ہیں۔ بسنت رُت آگئی ہے۔ سرسوں پھولی ہوئی ہے۔ کسی کسی کھیت میں لاہی کے پودے بھی کھڑے ہیں۔ ان میں بھی زرد پھول ہیں۔ لاہی کے پھول سرسوں کے پھولوں سے ذرا الگ ہیں۔ ان کا رنگ ہلکا زرد ہے۔

گیہوں کی فصل کے ساتھ ساتھ سرسوں اور لاہی بھی تیار ہوجائے گی۔ کسان ان کو کاٹ کر بازار میں بیچ آئے گا۔ تیلی مول لے جائیں گے اور کولھو میں پیل کر ان کا تیل نکالیں گے۔ جس اناج سے تیل نکلتا ہے اُسے تلہن کہتے ہیں۔ سرسوں، لاہی، تل یہ سب تلہن کہلاتے ہیں اور جو آدمی تل نکالنے کا کام کرتے ہیں اُسے تیلی کہتے ہیں۔

آؤ ذرا تیلی کے ہاں چل کر دیکھیں کہ وہ تیل کس طرح سے نکالتا ہے۔ وہ دیکھو سامنے چھپّر کے نیچے کولھو چل رہا ہے۔ ایک بیل کولھو کے چاروں طرف چکّر لگا لگا کر اُسے کھینچ رہا ہے۔ وہ صبح سے شام تک یوں ہی چکّر لگاتا ہے۔ اس کی آنکھوں پر پٹی باندھ دی گئی ہے کہ کہیں اُسے چکر نہ آجائے۔ اس کے گلے میں گھنٹی بھی لٹک رہی ہے جو چلتے میں ٹن ٹن بجتی جاتی ہے۔ یہ اس لئے لٹکا دی گئی ہے کہ اگر تیلی کسی کام سے باہر جائے تو اسے گھنٹی کی آواز سے پتہ چلتا رہے کہ بیل رُکا نہیں۔

کولھو کو بھی تم نے دیکھا؟ کس ترتیب سے بنایا ہے۔ پہلے ایک لکڑی کی اوکھلی زمین میں گاڑی۔ پھر ایک گول لکڑی کا لٹھ اس میں کھڑا کردیا۔ اس میں ایک اور لکڑی جوڑ کر ہل کی طرح بیل کے کندھے پر رکھ دی۔ اوکھلی میں سرسوں بھری ہے۔ لکڑی کے بوجھ سے دب کر اس میں سے تیل نکل آتا ہے۔ اور نالی میں سے ہو کر نیچے رکھے ہوئے برتن میں ایک ایک بوند ٹپک رہا ہے۔ اسے کڑوا تیل کہتے ہیں۔

تیلی اس کو کپڑے میں چھان لیتا ہے۔ اور بڑے بڑے برتنوں میں بھر کر بازار لے جاتا ہے۔ اس سے سب لوگ تیل مول لے کر اپنے کام میں لاتے ہیں۔ تیل کھانے اور جلانے دونوں کے کام آتا ہے۔ تیل کی پکی ہوئی چیزیں بڑی سوندھی اور مزے دار معلوم ہوتی ہیں۔ کہتے ہیں کہ کڑوے تیل کے چراغ سے پڑھنے سے آنکھوں میں ٹھنڈک اور روشنی آتی ہے۔ جب سے تیل نکالنے کی مشینیں چل گئی ہیں تیلیوں کا کام ذرا مندا ہوگیا ہے پھر بھی اُنہیں اتنا کام مل جاتا ہے کہ پیٹ کا دھندا اچھا خاصہ چلتا ہے کیونکہ کولھو کے نکلے ہوئے تیل کو اب بھی سب پسند کرتے ہیں۔ کل کے نکلے ہوئے تیل میں وہ بات نہیں ہوتی۔

صنف نازک کے لئے ورزش

(از جناب روشن - نکودری)

وہ دن گئے جب عورتیں کمزوری اور ناتوانی کو اپنے طبقے کا ایک لازمی جزو تصور کیا کرتی تھیں۔ آجکل عورتوں میں یہ خواہش پیدا ہو گئی ہے کہ وہ جسمانی طاقت میں مردوں کی ہمسری کریں۔ زمانے کی روش نے صنف نازک کے طبقے میں ایک حرکت پیدا کر دی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ ہر شعبۂ زندگی میں عورتیں مردوں کے پہلو بہ پہلو نمایاں حصہ لے رہی ہیں۔ علم و حکمت، وکالت غرضیکہ ہر پیشہ میں عورتوں نے کمال کر دکھایا ہے۔ ایسے حالات کے زیر اثر اگر عورتیں جسمانی طاقت میں بھی مردوں کی ہمسری کا دعوےٰ کریں تو بیجا نہ ہوگا۔ انگریزی زبان میں عورتوں کے لئے WEAKER SEX کا لفظ استعمال ہوتا ہے جو سراسر غیر صحیح ہے۔ کیونکہ آج کل ہم دیکھتے ہیں کہ امریکہ، انگلستان، جرمنی اور جاپان کے باشندے اپنی مستورات کو صحت اور جسمانی طاقت کی تعلیم دینے میں کوشاں ہیں۔ اس لئے لامحالہ سوچنا پڑتا ہے کہ ہندوستانی عورتوں کا کیا حشر ہوگا؟

زمانہ قدیم میں عورتیں مردوں سے بہ لحاظ طاقت کسی طرح کم نہ تھیں۔ وہ اپنے حلقے میں اپنے کھیلوں اور تفریح کا سامان خود بہم پہنچاتی تھیں۔ میدانِ جنگ میں بھی مردوں کے پہلو بہ پہلو اپنی بہادری، دلیری اور شجاعت کے جوہر دکھاتی تھیں۔ اس زمانے میں دیہات کی سیر کرنا ایک عام ورزش خیال کیا جاتا تھا۔ تفریح طبع کے لئے باغوں کی سیر کرنا ہندوستانی عورتوں کا شیوہ تھا۔ تیرنا بھی ورزش کے زمرے میں شمار کیا جاتا تھا۔ سیرگاہوں کے ساتھ ساتھ ایک تالاب بھی بنوایا جاتا تھا جس میں عورتیں اور لڑکیاں اپنی سکھی سہیلیوں کے ساتھ پہروں تیرا کرتی تھیں۔ اسی طرح ان کے جسم کے اعضا حرکت کرنے اور ورزش کرتے تھے۔ "سوریا نمسکار" کے ادا کرنے کا کچھ ایسا طریقہ مروج تھا جس سے عورتوں کے جسمانی اعضا مضبوط اور طاقتور ہو جاتے تھے۔ بہو کے گھر میں پہلی دفعہ وارد ہوتے وقت اور مندروں میں دیوتاؤں کی پرستش کے وقت "سوریا نمسکار" کی رسم ادا کی جاتی تھی۔

آج کل زمانے کی روش کچھ اور ہی ہے۔ ہندوستانی عورتیں خصوصاً بڑے بڑے شہروں میں رہتی ہیں یا تو اپنے کو تنگ و تاریک اور غیر کشادہ مکانوں میں بند رکھتی ہیں۔ یا موٹر کاروں میں گدیوں پر بیٹھ کر سیر کرتی ہیں جس سے ان کے اعضاء کو جنبش تک نہیں ہوتی۔ ان حالات کے زیر اثر ہمارے ملک کی اکثر عورتیں تپ دق میں مبتلا ہو جاتی ہیں۔ اور ان کے بچے پوری عمر تک پہنچنے سے پہلے ہی ملک عدم ہو جاتے ہیں۔

ہمارے سامنے جاپان کی مثال موجود ہے جس نے گذشتہ پچاس سال کے عرصہ میں اپنی مستورات کو جسمانی لحاظ سے مضبوط اور طاقتور بنانے میں نمایاں ترقی کر لی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ آج کل وہاں کی عورتیں علاوہ خانگی امور سرانجام دینے کے کار خانہ جات میں مردوں کا ہاتھ بٹاتی ہیں اور اس طرح سے اپنے ملک کی خوشحالی اور فارغ البالی کا باعث بنتی ہیں۔ ہم کو چاہیئے کہ جاپان سے سبق حاصل کریں۔

جاپان کا ایک کھیل جو جوجسٹو کے نام سے موسوم ہے۔ اس پر طرّہ یہ کہ بچہ۔ بوڑھا، جوان، مرد۔ عورت سب اس کھیل میں شریک ہو سکتے ہیں۔ جاپانیوں کے کھیل جو صرف عورتوں کے لئے مخصوص ہیں ہمارے ملک کی لڑکیاں ہندوستان کے موجودہ حالات کو مدنظر رکھتے ہوئے بڑی آسانی سے کھیل سکتی ہیں۔

جاپان میں بچپن ہی سے بچے کی ورزش کا انتظام شروع ہو جاتا ہے۔ صبح کے وقت نہانے کے بعد بچے کو کوئی پیغام دے کر کسی دوست کے گھر بھیجا جاتا ہے اس طرح سے نیچے کے اعضا خوب پرورش پاتے ہیں اور ساتھ ہی خوف و تشویش کا مادہ اُن کے دل و دماغ سے نکل ہو جاتا ہے۔ جاپانی اپنے بیمار بچے کو بھی ورزش کرانے سے گریز نہیں کرتے۔ بچوں کو اکثر کھلی ہوا میں رکھا جاتا ہے تاکہ تنفس کے وقت باہر کی تازہ ہوا بکثرت مل سکے۔

جاپان کے باشندے اپنے بچوں کے لباس کا خاص خیال رکھتے ہیں۔ لباس ایسا پہنایا جاتا ہے جو کہ ڈھیلا ہو تاکہ جسم کے کسی حصہ پر دباؤ نہ پڑے۔

کھیلوں کے وقت ہر ایک لڑکی اپنی سہیلی کو ساتھ لاتی ہے تاکہ دونوں کھیل میں شریک ہو سکیں۔ ان کے والدین بطور استاد کے ان کو کھیل سکھاتے ہیں۔ کسی ایک کھیل پر وقت زیادہ صرف نہیں کئے جاتے۔ اور ایک دن میں دو سے زیادہ کھیل نہیں کھیلائے جاتے۔ لڑکیوں کے لئے ۲۲ کھیل مخصوص ہیں جو بالترتیب عمر کے لحاظ سے عمل میں لائے جاتے ہیں۔ جسم کے مختلف اعضا کے لئے خاص قسم کی ورزش مخصوص ہے۔ تاکہ جسم کے تمام اعضا ایک ساتھ نشو و نما پائیں اسی طرح ہندوستانی عورتوں کی جسمانی اور دماغی طاقت کی بھی نشو و نما ہونی چاہیئے کیونکہ اس طبقے کی بہتری سے ہی بہتری ہے اس طبقے کے مضبوط اور تندرست ہونے سے ہماری اولاد جفاکش محنتی اور ذہین ہوگی۔

(از جناب صوفی لچھمن پرشاد ایڈیٹر ہندوستانہ جوگی لاہور)
(خاص تیج ویکلی کے لئے)

سبزیوں اور پھلوں کو ڈبوں میں بند کرنے کے طریقہ جاننے سے پہلے ہمیں ان وجوہات کی بابت جو کہ پھل اور سبزی کو خراب کرتے ہیں کچھ جان لینا ضروری ہے۔ تاکہ ان کو بند کرنے کے طریقے اچھی طرح سمجھ میں آ جائیں۔ جو چیزیں پھلوں کو خراب کرتی ہیں وہ مندرجہ ذیل ہیں:۔

(۱) اُلّی یعنی پھپھوندی (MONLDS)
(۲) خمیر (YEAST)
(۳) جراثیم (BECTERIA)

ان تینوں چیزوں کے لئے ہوا، پانی اور حرارت ضروری ہیں۔ اگر کسی طرح سے ان کو ہوا، پانی اور حرارت سے محروم کر دیا جائے تو یہ پیدا نہیں ہو سکتیں۔ پھل اور سبزیوں کو بند کرنے کے تمام طریقے اسی اصول پر مبنی ہیں۔

(۱) عام طور پر اگر کوئی چیز مثلاً روٹی یا مربا کسی گیلی جگہ پر پڑا رہ جائے تو اس میں پھپھوندی لگ جاتی ہے اور اس کے نمودار ہونے کے بعد وہ چیز ترش اور بے مزہ ہو جاتی ہے۔ یہ حرارت سے ۱۶۰ - ۱۸۰ درجہ فارن ہیٹ تک مر جاتی ہے۔ اور اگر چیز اچھی طرح خشک ہو تو پھر یہ بھی نہیں ہوتی۔

(۲) خمیر (YEAST) یہ عام طور پر شربت اور چٹنی وغیرہ کو خراب کرتی ہے۔ اس سے ہم کئی طرح کے فائدے بھی اُٹھاتے ہیں۔ مثلاً ڈبل روٹی اور کیک وغیرہ اسی کی مدد سے تیار ہوتے ہیں۔ جو پھل اور شربت زیادہ میٹھا ہو اس میں یہ پیدا نہیں ہو سکتی۔ اگر چیز کو ۱۹۰ درجہ فارن ہیٹ تک حرارت دی جائے تو یہ مر جاتی ہے۔

(۳) جراثیم (BECTERIA) یہ سبزیوں کو زیادہ خراب کرتے ہیں۔ یہ بہت چھوٹے ہوتے ہیں اور آسانی سے نظر نہیں آتے۔ بہت جلدی بڑھ جاتے ہیں اور ان کو زائل کرنے کے لئے چیز کو ۲۱۲ درجہ فارن ہیٹ یا اس سے بھی زیادہ گرم کرنا پڑتا ہے۔

پھلوں اور سبزیوں کی حفاظت کے کئی طریقے تو عارضی ہیں اور گھروں میں یہی طریقے استعمال ہوتے ہیں۔ مثلاً پھل کو برف میں رکھنے سے بھی پھل زیادہ دیر تک خراب نہیں ہوتا۔ یا سبزیوں کو اور کئی چیزوں میں ڈال کر رکھ دیتے ہیں اور وہ کافی عرصہ تک خراب نہیں ہوتی۔ مثلاً نمک۔ سرکہ۔ کھانڈ۔ تیزاب۔ نمک عک یا سوڈیم فلورائیڈ وغیرہ عام طور پر استعمال کئے جاتے ہیں۔ اور نمک سرکہ اور کھانڈ تو بہت ہی زیادہ استعمال ہوتے ہیں۔

دوسرے طریقے مستقل ہیں۔ کئی آدمی سبزیوں کو دھوپ میں خشک کر کے رکھ لیتے ہیں۔ وہ سال بھر تک خراب نہیں ہوتیں۔ یا چیزوں کو بوتلوں اور ڈبوں میں بند کر کے اُبلتے ہوئے پانی میں ڈال دیتے ہیں اور کافی دیر تک پکاتے ہیں تاکہ جو جراثیم ان کے اندر موجود ہوں وہ زائل ہو جائیں۔ اس عمل کو (STERILIZATION) کہتے ہیں۔ ان بوتلوں کو اس طرح سے بند کیا جاتا ہے کہ اس میں ہوا داخل نہ ہو سکے۔

تیسرا طریقہ یہ ہے کہ چیزوں میں کسی قسم کا خمیر ڈال کر چیز کی حالت کو بدل دیا جاتا ہے جس سے وہ خراب نہیں ہوتی۔

پھل کی حفاظت کے لئے برتن وغیرہ جس میں پھل رکھ کر کاڑھا جائے گرم کیا جائے۔ برتن یا تو تمام چینی کے یا مٹی کے ہونے چاہئیں۔ پھل کو دھات کے برتن میں نہیں رکھنا چاہئے۔ چمچے وغیرہ بھی لکڑی کے استعمال کرنے چاہئیں۔

ڈبے جو اس مطلب کے لئے استعمال کرتے ہیں وہ سینٹری کینز (SANITARY CANS) کہلاتے ہیں۔ بازار سے دستیاب ہو سکتے ہیں۔ یہ ٹین یا مٹی کے چوڑے منہ کے ڈھکنے والے ہونے چاہئیں۔ جیسی کہ امریکہ سے مربہ وغیرہ کی آتی ہیں۔ ڈھکنے کے نیچے ایک ربڑ کا چھلا بھی ہوتا ہے۔ جو بہت ضروری ہے۔ اس سے بند کرنے کے بعد ہوا اندر داخل نہیں ہو سکتی۔ ڈبوں کو سربند کرنے کے لئے ایک خاص قسم کی مشین آتی ہے جسے (BUR PEE CAN SEA LER) کہتے ہیں۔

پھل اور سبزیوں کو سربند کرنا

ڈبوں میں بند کرنے کے لئے جو پھل استعمال کریں وہ بالکل پکا ہوا نہیں ہونا چاہئے۔ بلکہ ذرا کچا ہونا چاہئے۔ اس قسم کا پھل چھانٹ کر اُسے اچھی طرح پانی میں دھو کر صاف کر لیں۔ پھر اُسے ایک کپڑے میں باندھ کر گرم اُبلتے ہوئے پانی میں ڈبو دیں۔ (اگر پھل بہت سخت ہو تو پانی میں زیادہ دیر رکھیں۔ پھل کو دس سیکنڈ سے تین منٹ تک اس طرح گرم پانی میں رکھ سکتے ہیں۔ یہ ہر ایک پھل کے چھلکے اور سائز پر منحصر ہے) اور پھر اس میں سے نکالتے ہی فوراً ٹھنڈے پانی میں ڈال دیں۔ اس کے بعد پھل کا چھلکا علیحدہ کر دیں۔ بعض پھل مثلاً خوبانی اور اسٹرابری وغیرہ کو چھیلنے کی ضرورت بھی نہیں پڑتی۔ آڑو وغیرہ جیسی چیزوں کا چھلکا

(باقی مضمون اگلے صفحہ پر)

{ پہلے صفحہ سے }

ایک اور طریقہ سے علیحدہ کیا جا سکتا ہے۔ وہ یہ کہ ایک برتن میں ۲ فیصدی سوڈا کاسٹک سولیوشن (یعنی ۱۰ تولے سولیوشن میں دو تولے سوڈا کاسٹک) کو آگ پر گرم کریں اور جب وہ ابلنے لگے تو نکال کر ٹھنڈے پانی میں خوب دھوئیں۔ چھلکا خود علیحدہ ہو جائیگا۔ اس کے بعد پھل کو کاٹ کر مناسب ٹکڑے کریں۔ اور اس کے بعد انہیں بوتلوں یا ڈبوں میں بھر دیں اور اس میں پکتا ہوا شوگر سولیوشن ڈالدیں۔ اگر پھل کی بجائے سبزی بند کرنی درکار ہو تو شوگر سولیوشن کی بجائے سالٹ سولیوشن استعمال کریں۔ کئی دفعہ شوگر اور سالٹ کو ملا کر بھی استعمال کرتے ہیں۔ بوتل اور ڈبے استعمال کرنے سے پہلے اچھی طرح گرم پانی میں پکا لینے چاہئیں اور استعمال کے وقت بھی یہ گرم ہی ہونے چاہئیں۔

اگر بوتل استعمال کریں تو پھل اور سولیوشن ڈالنے کے بعد اس کا ڈھکن خوب دبا کر کس دیں۔ اور پھر ذرا ڈھیلا کر کے اُسے اس طرح گرم پانی میں رکھیں کہ ڈھکن پانی کی سطح سے باہر رہے تھوڑی دیر اس طرح رکھنے سے اس کے اندر کی ہوا خارج ہو جائے گی۔ پھر ڈھکن کو اس طرح بند کریں کہ ہوا اندر نہ جانے پائے۔

اگر ڈبا استعمال کیا جائے تو مندرجہ ذیل وقت تک اسکو گرم اُبلتے ہوئے پانی میں رکھنا ضروری ہے۔ اگر بوتل استعمال کی جائے تو زیادہ دیر رکھنا ضروری ہے۔

پھل	
آلو بخارا	بیس سے تیس منٹ تک
خوبانی	۲۰ منٹ تک
ناشپاتی	۲۵ " "
آلوچہ	۱۰ سے ۱۵ " "
اسٹرابیری	۱۰ " ۱۵ " "
انگور	۱۰ " ۱۵ " "
سیب	۲۵ منٹ تک
آم	۳۰ " "
چیری	۲۵ " "

اس کے بعد ڈبوں کو پانی سے نکال لیں وہ خود بخود ٹھنڈے ہو جائیں گے۔ سبزی اور پھل کے بند کرنے میں صرف اتنا فرق ہے کہ سبزی میں تیزابی مادہ کم ہونے کی وجہ سے جراثیم جلدی پیدا ہو سکتے ہیں اور اس لئے اسے زیادہ دیر تک اور اونچے درجہ حرارت پر (STERILIZE) کرنے کی ضرورت ہے۔

مربہ

زیادہ تر مندرجہ ذیل پھلوں کا مربہ استعمال ہوتا ہے اور یہی بازاروں میں زیادہ بکتے ہیں:۔

آم۔ سیب۔ آلو بخارا۔ گاجر۔ رس بھری۔ خوبانی۔ ناشپاتی۔ بادام وغیرہ

کئی پھل جن کا چھلکا موٹا ہوتا ہے انہیں چھیل کر ان کی گٹھلی بھی علیحدہ کر دینی چاہئے۔

طریقہ، پہلے پھل کو اچھی طرح دھولیں۔ پھر چھلکا اور گٹھلی علیحدہ کر کے مناسب سائز کے ٹکڑے کاٹ کر ہیں۔ پیدا کرنے کیلئے پانی میں ڈال کر گرم کریں ... لکڑی کے چمچے سے پھل کے ٹکڑوں کو کچلتے جائیں۔ اس کے بعد برابر وزن کی کھانڈ اس میں ملا دیں اور اُبلنے دیں (کھانڈ اور پھل کا تناسب پھل کی قسم تیزابی اور مٹھاس پر منحصر ہے۔ اگر پھل زیادہ میٹھا ہو تو کھانڈ ¾ حصہ لی جاسکتی ہے۔ بعض حالتوں میں اگر پھل میں تیزابی مادہ بالکل نہ ہو تو تھوڑا سا لیموں کا رس بھی ملا دیتے ہیں)۔

جب یہ پک کر مناسب گاڑھا ہو جائے (اس وقت درجہ حرارت ۲۱۸ سے ۲۲۱ ڈگری ہوتا ہے) اسے گرم گرم ہی بوتلوں یا ڈبوں میں بھر کر بند کر دیں اور اُسے ۲۰ سے ۳۰ منٹ تک (STERILIZE) کریں۔

مارمالیڈ (MARMALADE)

سنگترے یا مالٹے کر ان کا چھلکا علیحدہ کریں پھر چھلکا سے کر چاقو سے باریک باریک پیاز کے لچھے کی طرح کاٹ کر اُسے خوب پانی میں اُبال لیں تاکہ اس کا کڑواپن جاتا رہے۔

باقی چھلکوں کو بھی اسی طرح اُبال کر ان کا کڑواپن زائل کرلیں اور کپڑے میں چھان لیں۔ اور اسی چھنے ہوئے پانی میں تین چار لیموں نچوڑ لیں۔ بعد ازاں اس میں ¾ وزن کے برابر کھانڈ ملا کر آگ پر پکائیں۔ تھوڑی دیر پکنے کے بعد جو چھلکے پہلے کاٹ کر بچائے گئے تھے وہ بھی ملا دیں۔ اس کو اتنا پکائیں کہ درجہ حرارت ۲۲۰ فارن ہیٹ ہو جائے۔ (اس وقت اگر اس کو چمچے سے نیچے گرایا جائے تو وہ اکٹھا ہو کر قطرے بن بن کر گرے گا) پھر اسے نیچے اُتار کر ذرا ٹھنڈا کریں۔ اور جونہی درجہ حرارت ۱۸۰ ڈگری فارن ہیٹ ہو جائے تو اُسے گرم بوتلوں یا ڈبوں میں بھر کر انہیں بند کر دیں۔ اور بند کرنے کے بعد ڈھکنوں کو ذرا ہلا دیں۔

چٹنی ٹماٹر

(TOMATO KETCHUP)

پکے ہوئے سُرخ سُرخ ٹماٹر چھانٹ لیں۔ اگر ان میں کوئی سبز حصہ موجود ہو تو اسے کاٹ کر علیحدہ کریں۔ ٹماٹر کا رنگ جتنا زیادہ سُرخ ہوگا اتنا ہی چٹنی کا رنگ بھی خوشنما ہوگا۔ ان ٹماٹروں کو پانی میں اچھی طرح دھو کر صاف کریں۔ تاکہ مٹی وغیرہ سب صاف ہو جائے۔ پھر ان کا چھلکا علیحدہ کریں۔ چھلکا اُتارنے کے لئے اگر ٹماٹروں کو ایک کپڑے میں باندھ کر دو تین منٹ کے لئے اُبلتے ہوئے پانی میں رکھیں تو چھلکا آسانی سے علیحدہ ہو جائے گا۔ پھر ان ٹماٹروں کو برتن میں ڈال کر لکڑی کے چمچے میں کچل لیں۔ اور چھان کر گودا اور بیج علیحدہ کر دیں۔ پھر اس گودے کو برتن میں ڈال کر ٹماٹر کے چھنے ہوئے رس میں سے تھوڑا سا

(باقی مضمون صفحہ ۱۱۳ پر)

افسانہ

ان کی سرگزشت

(از جناب اشرف قریشی لکھنوی)

(خاص تیج دہلی کے لئے)

(۱)

آنچل کی اوٹ۔ ساڑی کا پلو۔ کواڑ کی آڑ۔ چلمن کا پردہ یہ وہ تمام ذرائع تھے جن میں اپنے آپ کو چھپانے میں کامیاب ہوجاتی تھی۔ کیونکہ مجھے ان سے شرم آتی تھی۔ میں اُن سے چھپی چھپی رہتی تھی۔ لیکن پھر بھی جب ان کو موقعہ ملتا تو وہ میری کتاب میں خط چھپا جاتے۔ لیکن میں ہمیشہ تجاہل عارفانہ سے کام لیتی رہی۔ آخر میری خاموشی کو دیکھکر ایک دن مختصر سا پرچہ ملت کو سستے وقت وہ میرے پاس پھینک گئے جس میں لکھا تھا۔ "جب میری زندگی کی بہار مجھ سے بیزار ہے تو پھر میں کیوں زندہ رہوں۔ کل صبح آپ میری لاش دیکھیں گی" یہ پڑھکر مجھ میں ہیجان پیدا ہوگیا۔ میرا سر چکرانے لگا۔ مجھے اس وقت کیا خبر تھی کہ دوسرے کے حسن کردہ فریب کا نتیجہ ہو سکتے ہیں۔ میں اول تو گھبرا کر اٹھی اور کمرہ میں ٹہلنے لگی۔ پھر جھجکتے سے اُن کے کمرے کی طرف گئی۔ وہ کرسی پر سر کہنیٹے بیٹھے تھے۔ یہ دیکھکر میں واپس چلی آئی۔ اندر جانے کی ہمت نہ پڑتی تھی۔ اسی طرح کئی دفعہ گئی اور واپس آئی۔

(۲)

آلا خر جانے کے ہمیت میں دل کڑا کر ان کے کمرہ میں داخل ہوگئی۔ یہ آہٹ پاکر انہوں نے نیچے دیکھا۔ میں نے کہا کیا ارادہ ہے؟ ان کی آنکھوں میں آنسو بھرے ہوئے تھے۔ مجھے دیکھکر کھڑے ہوگئے۔ ایک کاغذ کو کھول کر کہنے لگے "سنئیے ہے" ..... "تم مجھیں خدا کے لئے اور ؛ تمہارا اسکرت مجھے تباہ کئے دیتا ہے۔ تم مجھ پر ہی ظلم کرو۔ لیکن لبوں کی جنبش سے"۔ اسی طرح بہت سے دیوانہ جملے وہ پڑھتے رہے۔ میں دم بخود میز سے ٹیک لگائے کھڑی تھی۔ وہ اٹھے اور میرا بازو پکڑ کر کہنے لگے۔

"میری معبودہ۔ میں نے جس وقت تک تم کو نہیں دیکھا تھا صرف دیکھنے کی خواہش تھی۔ اب جب تجھے دیکھ لیا تو ۔۔۔ پا لینا چاہتا ہوں۔ خدا کے لئے مجھے مایوس نہ کرو"۔

میں ہٹ گئی۔ وہ مجھے دیکھتے رہے اور میں انہیں۔ میری آنکھوں سے آنسو جاری تھے۔ ایک عورت کے لئے اس سے زیادہ جاذبیت کسی امر میں نہیں کہ وہ کسی نوجوان کے اندر احساس عشق کی شدت کو محسوس کرے۔ اور دنیا کی کوئی سخت سے سخت چیز ایسی نہیں ہے جسے آنکھ سے نکلنے والا آنسو نرم نہ کر دیتا ہو۔ میں بھی ان جذبات سے متاثر ہوگئی۔ بالآخر جب میں وہاں سے واپس ہوئی تو اپنی ساری کائنات انہیں کو سونپ چکی تھی۔

(۳)

اس واقعہ کے کچھ دن بعد مجھے دنیا بدلی نظر آنے لگی۔ مجھے ان کے طرز عمل پر شبہ ہونے لگا۔ میں نے بارہا ان سے شکایت کی۔ مگر انہوں نے ٹال دی۔ پھر جب واقعات کو میں نے اپنی آنکھوں سے دیکھ لیا تو پھر میں نے دوبارہ شکایت کی۔ مگر انہوں نے کچھ سماعت نہ کی۔ آخرکار ایک دن وہ جھنجھلا کر بولے "یہ زندگی کی روحانیت ہے۔ تم مجھ سے بدگمان کیوں ہوتی ہو ..." لیکن اب خمار اُتر چکا تھا اور بلبل رفتہ رفتہ چھٹ رہے تھے ... آہ اس سے زیادہ بدقسمتی اور کیا ہوگی کہ وہ مجھ سے ناراض ہوگئے جنہیں میں اپنی آسرت اور سرمایہ حیات سمجھتی تھی۔

(۴)

مرد کی خود غرضی تاریخ کا نیا واقعہ نہیں اور اسی لئے جو مظالم عورت پر کئے وہ ایسے نہیں کہ عورت آسانی سے انہیں فراموش کر دے۔ میرا سب سے بڑا گناہ یہ تھا کہ میں نے شادی کیوں نہیں کی؟ لیکن جب میں نے ان سے کہا کہ دنیا کے بڑے بڑے انسان غیر شادی ہیں تو انہوں نے کہا "عورت کے لئے یہ جائز نہیں"۔ میں نے کہا کیوں؟ تو کہنے لگے "اسی لئے کہ وہ عورت ہے"۔ میں نے کہا تو عورت کا سب سے بڑا جرم اس کا عورت ہونا ہے؟ کہنے لگے "ہاں"۔ میں نے کہا بس اس سے زیادہ میں اپنی توہین برداشت نہیں کر سکتی!۔ بولے "تو پھر میں مجبور ہوں اور تم آزاد"۔ اس پر میں کیا کہتی وہ خفا ہو کر چلے گئے اور میں دیر تک سناٹے میں کھڑی رہی!

(۵)

میں نے اس زندگی کو چھوڑا یا اس نے مجھے ۔ یہ ایک بڑی بات ہے لیکن مجھے اس شخص کی خود غرضی جو میرے ساتھ پیش آیا۔ اس کے بعد میں نے پہلی ٹرین سے "اس" کو ضرور چھوڑ دیا لیکن میرے لئے خود دنیا کی ایک بالکل نئی شاہراہ مزید کھل گئی۔ راستہ بھر اسی حیرت میں لگی رہی کہ کہاں جاؤں اور کیا کروں۔ میں نے کبھی ظاہر طور پر اپنی تلاش کو باہر نہیں چھپایا لیکن پھر بھی میرے دل پر یہ ایک عجیب الجھن تھا جس کا جواب میرے پاس کوئی نہ تھا۔

(۶)

عورت اپنے دماغی نشو و نما کے لحاظ سے خواہ کتنی ہی بلند کیوں نہ ہو۔ لیکن جس وقت اس کے پندار کو شکست ہونے لگتی ہے تو پھر وہ ہر طریقہ سے مرد سے انتقام لینے کی کوشش کرتی ہے۔ چنانچہ میں نے بھی اُن سے انتقام لینے کی جو صورت اختیار کی وہ یہ ہے کہ آج دنیا میری گرویدہ نظر آرہی ہے اور میں کس کس طرح انہیں ذلت و حقارت سے ٹھکرا رہی ہوں لیکن لوگ ہیں کہ اپنی ساری دولت میرے ایک تبسم پر نثار کر رہے ہیں۔ ہر شخص مجھ سے محبت کرنے کے مدعی ہیں۔ مگر خوش ہوں کہ اب کسی بھی التفات یا سرتی اور جو کچھ بھی وہ محض تصنع اور بناوٹ ۔۔۔ لیکن اسی کے ساتھ میں یہ بھی تسلیم کرتی ہوں کہ صنعت حرفت بازار میں جیسا کہ صنعت اپنی نہیں رہتی کہ وہ باز سکی۔ ایسا جنس ہو جاتی ہے جو لاکھ گراں ہونے پر بھی ارزاں ہے۔ مگر میرے سامنے بجز اس کے اور چارہ ہی کیا تھا۔

کامیاب گرہستی وہی ہے جو گرہست آشرم کے دھندوں سے اچھی طرح آگاہ ہو۔

گرہست آشرم اتنا آسان نہیں جتنا کہ بظاہر معلوم ہوتا ہے

جو شخص قسمت سے مدد کی توقع رکھتا ہے اور خود اپنی مدد نہیں کرتا قسمت اسکی کوئی مدد نہیں کرتی۔

کھرا کھوٹا آزمائش کے موقع پر پہچانا جاتا ہے۔

غریب کماتا ہے اور سرمایہ دار کھاتا ہے۔

بیکار بیٹھنے سے کچھ کرنا اچھا ہے

دائم المریض اور ناکارہ اولاد پیدا کرنے سے لاولد رہنا بہت اچھا ہے۔

میں ماندگی تھکاوٹ کی سی دولت کی بعض بعض بہت کی پشیمانی سے بہتر ہے

نہ ہر خوش پوش شریف ہوتا ہے اور نہ میلے کپڑے پہننے والا ذلیل۔

ہر انسان انسان نہیں ہوتا۔ بلکہ انسان کی صورت میں بہت سے حیوان بھی موجود ہیں۔

دولت کی حرص ذلیل بنا دیتی ہے۔

ہر شخص جو بظاہر نیک معلوم ہوتا ہے اس کا نیک ہونا یقینی نہیں ہوتا۔ کیونکہ بہت سے بھیڑیئے بھی بھیڑ کے لباس میں چھپے ہوتے ہیں۔

نیکوں کی اصل قدر تب معلوم ہوتی ہے جب بدوں سے واسطہ پڑے۔

بد گو جھوٹے سے بے چھوٹا رہنا بہت زیادہ آرام دہ ہے

جھوٹے آدمی کی دوستی پر کبھی اعتبار نہ کرو۔ کیونکہ جھوٹا آدمی اکثر دوستی میں بھی جھوٹا ہی ثابت ہوتا ہے۔

ایک مالکہ کسان کو:۔ میں ہر روز اپنی خادمہ کو دودھ لینے کے واسطے تمہارے پاس بھیجا کروں گی۔ ایک سیر کے کیا دام لوگے؟

کسان:۔ چار آنے

مالکہ:۔ مگر تمہیں اچھا اور خالص دودھ بھیجنا ہوگا۔

کسان:۔ ایسے دودھ کے چھ آنے لگیں گے۔

مالکہ:۔ میری خادمہ دودھ دوہتے وقت تمہارے پاس موجود ہوا کرے گی۔

کسان:۔ ٹھہر جاؤ۔ ایسے دودھ کے واسطے میں آٹھ آنے لونگا۔

پہلا چور:۔ (اپنے ساتھی سے) کیوں کچھ ہاتھ لگا؟

دوسرا چور:۔ نہیں۔ اس مکان میں وکیل رہتا ہے۔

پہلا چور:۔ تو ذرا اپنی جیبیں تو دیکھو کہیں کچھ نکل نہ گیا ہو۔

معمار:۔ معاف فرمایئے مجھ کیا ہو گیا آپ کا نام بھی تھیں؟

لیڈی:۔ جی ہاں میں گھر ہی تھی کیوں!

معمار:۔ کچھ نہیں ذرا اپنے شوہر سے کہہ دیجئے۔ کہ دوسری منزل کی سیڑھی کا سفید ہو گیا تھا۔ وہ دو مرتبہ کام چھوڑ چکے ہیں۔

مولوی صاحب:۔ (ایک لڑکے سے) اب پڑھتا ہے یا میرا منہ دیکھ رہا ہے؟

لڑکا:۔ ابی جناب میں تو پڑھ رہا ہوں۔ جس نے آپ کا منہ دیکھا ہو۔ اس نے الو کا منہ دیکھا ہے۔

باپ:۔ تو نے میرا قلم کیوں توڑ دیا!

بچہ:۔ اس لئے کہ آپ مجھے سزا دیں۔

باپ:۔ کیا سزا تجھے اچھی معلوم ہوتی ہے!

بچہ:۔ سزا تو اچھی معلوم نہیں ہوتی لیکن سزا کے بعد اماں جان مجھے مٹھائی کھلاتی ہیں۔

بھلا منو۔ یہ تو بتاؤ تمہاری عمر کیا ہے!

منو:۔ اب تو چھ برس کی ہے۔ مگر اماں کہتی ہے کہ اگر میں خوب دودھ پیوں گا تو اگلے سال سات برس کا ہو جاؤں گا۔

دیہی صنعتیں اور دیہات کی نئی تعمیر

(از شری جے سی کمارپا)

گزشتہ سے پیوستہ

اسی اصول کے مطابق پھر یہ سوال ہی پیدا نہ ہوگا۔ کہ چند بہتر اور زیادہ اہل پیدا کرنے والے دوسروں سے ناجائز فائدہ اٹھائیں گے یا انہیں اپنا غلام بنا سکیں گے۔ کیونکہ جیسا کہ ہم پہلے ہی عرض کر چکے ہیں۔ اس حالت میں پیداوار صرف مقامی ضروریات تک محدود ہوگی۔ اور موجودہ سرمایہ داری کی سی حرص اور خود غرضی کا کوئی موقع ہی نہ ہوگا علاوہ ازیں مانگ کے مطابق پیداوار مساوی طور پر تقسیم ہوگی جب پیداوار مساوی ہوگی تو منافع بھی مساوی ہوگا۔ جس کا لازمی نتیجہ یہ ہوگا کہ دولت صرف چند افراد کے پاس جمع نہ ہو سکے گی۔ آمدنی کی افراط اور تفریط جاتی رہے گی جس کی وجہ سے افلاس اور فاقہ کشی کی مصیبت دور ہو جائے گی اور سب کو کافی خوراک ملنے لگے گی۔

البتہ ایک گاؤں دوسرے گاؤں سے مختلف چیزوں کا تبادلہ کیا کرے گا۔ کیونکہ ہر گاؤں دنیا کی ساری چیزیں نہیں تیار کر سکتا۔ اور اگر اس کی کوشش بھی کرے تو ناممکن ہوگا۔ کیونکہ ہر جگہ کے مقامی حالات اور طریقہ پیداوار مختلف ہوتی ہے۔ لیکن یہ تجارت یک طرفہ نہ ہوگی بلکہ باہمی ہوگی تاکہ کوئی گاؤں پیداوار کا ایسا مرکز نہ بن جائے جس سے دوسرے گاؤں کو نقصان پہنچے۔ اور ان کا استحصال ہوجاتا ہے

یہاں یہ سوال کیا جا سکتا ہے کہ یہ چیز کیسے حاصل ہوگی۔ اس کا جواب صاف ہے۔ اگر سودیشی کی اہمیت عوام کے ذہن نشین کر دی جائے اور رائے عامہ کو اس کے لئے تیار کر لیا جائے تو یہ مسئلہ بہت آسان ہو جائے گا۔ کیونکہ لوگ خود بخود قریب کی تیار شدہ چیزوں کو دور کی آئی ہوئی چیزوں کے مقابلے میں ترجیح دیں گے۔ لیکن اس دوران میں دیہاتی پنچایتوں کو قانون یا بذریعہ محصول اس کا انتظام کرنا ہوگا کہ باہر کی چیزیں بلا ضرورت نہ آنے پائیں اس سے نہ صرف گاؤں کا توازن قائم رہے گا بلکہ ایسے ذاتی منافع حاصل کرنے کی کوششوں کا بھی قلع قمع ہو جائے گا۔ پیداوار کی عدم مرکزیت کی بدولت جب ہر گاؤں اپنی ضروریات کے واسطے خود پیدا کرے گا تو باہمی کے لئے مقابلہ مفقود ہو جائے گا۔ اور جب بازاروں کا مقابلہ نہ ہوگا تو جنگ یا اجتماعی تشدد کی بھی ضرورت نہ پڑے گی۔ اس طرح ملک میں خصوصاً اور ساری دنیا میں عموماً امن و خوشحالی کا دور دورہ ہوگا۔

علاوہ ازیں چونکہ عدم مرکزیت کے مطابق ہر فرد کو یہ آزادی حاصل ہوگی کہ وہ جو چاہے اور جس طرح چاہے تیار کرے۔ اس لئے اختراعی کوششوں اور انفرادی ترقی کے لئے بھی کافی میدان ملے گا۔ فرمائیے کسی سماجی نظام سے اس سے زیادہ اور کیا توقع ہو سکتی ہے۔

لہذا انہی اصولوں پر ہمیں اپنی قومی زندگی کی داغ بیل ڈالنا چاہیئے۔ کیونکہ یہ نہ صرف سرمایہ داری اور اشتراکیت کے مصائب کا انسداد کرتے ہیں بلکہ ہمارے آبا و اجداد کی یادگار بھی ہیں۔ ہم پہلے بھی اس جانب اشارہ کر چکے ہیں کہ ہمارا قدیم دیہی نظام محدود ذاتی منافع کا سخت مخالف تھا۔ اور اس کا حامی تھا کہ آمدنی میں افراط و تفریط نہ ہو تاکہ سب کو کھانے پینے کے لئے سب کو کافی مل جائے۔ اور ہر گاؤں اپنے طور پر مستغنی بالذات ہو جائے۔ ہمارے نزدیک یہ تمام باتیں پیداوار کی مرکزیت کو مٹانے سے اور مذکورہ بالا طریقہ پر سودیشی پر عمل کرنے سے حاصل ہو سکتی ہیں۔

آل انڈیا ولیج انڈسٹریز ایسوسی ایشن

تاریخ اور اس کا دستور اساسی وغیرہ

ان مقاصد کو عملی جامہ پہنانے کے لئے گاندھی جی نے ایک آل انڈیا ولیج انڈسٹریز ایسوسی ایشن (تمام ہندوستان کی انجمن صنائع دیہی) کے قیام کی ضرورت کو محسوس کیا۔ چنانچہ ان کے ایماء سے انڈین نیشنل کانگریس نے اپنے اڑتالیسویں سالانہ اجلاس منعقدہ بمبئی ۲۶ اکتوبر ۱۹۳۴ء میں حسب ذیل تجویز منظور کی۔

"چونکہ اس وقت ملک کے ہر حصہ میں انجمنیں اور ادارے قائم ہوتے ہیں جو سودیشی کو رواج دینے کے دعوی ہیں اور ان میں بعض کانگریس سے امداد حاصل کرتے ہیں۔ اور بعض خود مختار ہیں اور چونکہ عوام کے لئے سودیشی کی ماہیت کا سمجھنا مشکل ہو گیا ہے۔ نیز کانگریس چونکہ شروع ہی سے عوام کی ترجمانی کرتی چلی آئی ہے اور دیہات کی تنظیم اور سدھار تو کانگریس کے تعمیری پروگرام میں اصل ہی ہے۔ اور چونکہ اس قسم کی اصلاحی کوششوں کا لازمی نتیجہ کھدر اور چرخہ کے ساتھ دیہات کی دوسری مردہ اور قریب المرگ صنعتوں کو زندہ کرنا اور ان کو ترقی دینا ہوگا۔ اور ظاہر ہے کہ اس کام کو کھدر اور چرخہ کی ترویج کی طرح صرف ایسی متحدہ اور غیر معمولی جد و جہد سے کیا جا سکتا ہے جو کانگریس کی سیاسی سرگرمیوں سے آزاد اور ان کے اثرات سے مامون ہو۔ اس بنا پر شری جے سی کمارپا کو یہ اختیار دیا جاتا ہے کہ وہ گاندھی جی کی مشورہ سے آل انڈیا ولیج انڈسٹریز ایسوسی ایشن کے نام سے ایک ادارہ قائم کریں جو کانگریس کی سرگرمیوں کا ایک جزو ہو۔ ایسوسی ایشن مذکورہ دیہاتی صنعتوں کے احیاء ان کی ترقی اور دیہاتیوں کی اخلاقی اور جسمانی بہتری کی کوشش کرے گی اور اسے دستور اساسی بنانے سرمایہ فراہم کرنے اور اپنے کام کو چلانے کے لئے مناسب ذرائع اختیار کرنے کا حق ہوگا۔"

اس تجویز کے مطابق ۱۴ دسمبر ۱۹۳۴ء کو ایسوسی ایشن کی تشکیل عمل میں آئی اور اس کا نام آل انڈیا ولیج انڈسٹریز ایسوسی ایشن یا اکھل بھارت گرام اودیوگ سنگھ یا تمام ہندوستان کی انجمن صنائع دیہی رکھا گیا۔ اس کا مقصد دیہات کی تنظیم دیہاتی صنعتوں کا احیاء اور ترقی اور دیہاتیوں کی اخلاقی اور جسمانی بہتری ہے۔ ایسوسی ایشن یہ سب کام گاندھی جی کی سرپرستی میں کرے گی۔

ایسوسی ایشن مذکورہ ارکان پر مشتمل ہے۔

امناء یا اساسی ارکان انتظامی بورڈ، معمولی ارکان، نمائندے، اعزازی کارکن، تنخواہ دار کارکن، شرکاء اور مجلس مشاورت ان کے علاوہ ہوگی۔

امناء

(باقی مضمون اگلے صفحہ پر)

دلچسپ معلومات

آگ کھانے والا سنگھالی ہندو

...دہے کی سلاخ میں سُرخ کر کے اپنی زبان پر رکھ لیتاہے۔ اور کسی قسم کا درد تک محسوس نہیں کرتا۔ امریکہ میں پچھلے دنوں جو نمائش ہوئی تھی اس میں یہ بھی مدعو کیا گیا تھا۔

لندن کی عدالتیں

یہاں کی ہائی کورٹ انگلینڈ بھر کی بڑی کچہری ہے۔ جیوری کے ذریعہ جن میں عیسیٰ بھی ہوتی ہیں معاملات پر غور ہوتاہے۔ بیسیوں جج ہیں۔ اس کچہری میں بہت سے اجلاس ہیں۔ نیچے بڑا بھاری ہال ہے بیرسٹروں کے گون پہننے کا کمرہ الگ ہے۔ جب اجلاس پر جج بیٹھ جاتے ہیں تب کمرے کا دروازہ کھلتاہے اور پیرشوں کو مقدمے کی خبر دے کر بلا لیا جاتاہے۔

اچھی صحت اور روزمرّہ کی خوراک

بچوّں کے پینے کیلئے بہترین چیز

حالانکہ بچوں کے لئے بہترین قدرتی غذا تازہ دودھ ہے لیکن بہت سے بچےّ ایسے بھی ہیں جو کہ خالص دودھ کافی مقدار میں نہیں پی سکتے۔ بلکہ یہ چاہتے ہیں، کہ اس میں کوئی خوش ذائقہ چیز ملائی جائے۔ بچوں کی ماؤں کو خصوصاً ان بچوّں کی ماؤں کو جو کہ بہت کمزور ہوتے ہیں۔ اپنے بچوّں کے لئے کوکو میں ایک اعلیٰ غذا ملیگی جس کے استعمال سے ان کے بچےّ جلد ہی توانا اور تندرست ہو جائیں گے،

کوکو میں گوشت بنانے اور قوت بخشنے کے اجزا کافی مقدار میں موجود ہوتے ہیں۔ تمام بچےّ اس کے ذائقہ کو پسند کرتے ہیں، اور خواہ وہ دوسری چیزوں کو پینے سے گریز کرتے ہوں لیکن کوکو کو شوق سے پینے لگیں گے، جیسا کہ اس سلسلہ کے سابقہ مضامین میں بیان کیا جا چکاہے۔ کوکو بہت زود ہضم ہے اور اس کا تیار کرنا بہت آسان ہے، اس لئے بچوّں کو دودھ اور شکر ملایا ہوا کوکو دن میں ایک یا دو مرتبہ استعمال کرنے کی ترغیب دینی چاہئیے،

عام طور پر یہ تسلیم کیا جاتاہے کہ بہترین کوکو بورنیہ ولی انگلستان کی مشہور فرم کیڈبری تیار کر کے فروخت کر رہی ہے، جو اس امر کی دل سے خواہاں ہے کہ عوام کوکو کے فوائد کو بہترین طریقہ پر سمجھنے لگیں اس مقصد کے حصول کی خاطر فرم مذکور نے یہ انتظام کیاہے کہ آپ کو تیار شدہ کوکو نہایت ارزاں قیمت پر دستیاب ہو سکے اپنے قریب شہروں میں کوکو فروخت کرنے والے ٹھیلے دیکھے ہونگے، جہاں کہ آپ ایک پیالہ تیار شدہ کوکو کا یا نمونہ کا ایک پیکٹ اپنے گھر پر استعمال کرنے کے لئے خرید سکتے ہیں۔

بہادر کُتّا

دسمبر ۱۸۰۵ء کی بات ہے۔ آسٹرلٹز کے میدان میں فرانس اور آسٹریا کے درمیان گھمسان لڑائی ہو رہی تھی۔ فرنچ جھنڈا اٹھانے والا گولی کھا کر مر گیا اور جھنڈا ایک آسٹرین سپاہی کے ہاتھ آ گیا۔

فرانسیسی فوج کے ساتھ ایک کتّا تھا جو سب سپاہیوں کو پیارا تھا۔ وہ بھی لڑائی دیکھ رہا تھا۔ اس کا نام تھا مسٹاش۔ اس نے ایک باہر کے آدمی کو جھنڈا لیتے دیکھ کر جھپٹ کر جھنڈا منہ میں دبا لیا۔ اور بیچارے آسٹرین سپاہی پر پنجوں سے بری طرح وار کیا۔ جھنڈا لے کر محفوظ مقام پر جا پہنچا۔

لڑائی کے بعد بہادر کتے کو فرانس کا سب سے بڑا فوجی اعزاز کراس آف دی لیجن آف آنر ('CROSS OF THE LEGION OF HONOUR') ملا۔

پانی کیوں نہیں جلتا اور مٹی کا تیل کیوں جل جاتاہے؟

اس میں شک نہیں کہ پانی اور مٹی کے تیل دونوں میں یکسانیت دکھائی دیتی ہے۔ دونوں زمین سے نکلتے ہیں۔ لیکن تیل جلتاہے اور پانی نہیں۔ پانی میں اگر جلتی ہوئی ماچس ڈال دی جائے تو وہ بجھ جائے گی اس کی وجہ یہ ہے کہ پانی جلی ہوئی چیز ہے۔ اس میں اتنی آکسیجن نہیں ہے جو ماچس کی لَو کو پکڑ سکے۔

اس کے علاوہ پانی میں جب جلتی ہوئی چیز ڈالی جاتی ہے تو فوراً ہی پانی اپنی گرمی کھول کر اپنا درجہ حرارت گھٹا دیتاہے۔ اس لئے وہ جل نہیں سکتا اور مٹی کے تیل میں کاربن اور ہائیڈروجن جیسی چیزیں ہوتی ہیں جو آکسیجن سے ملنے کو تیار رہتی ہیں اور جل اٹھتی ہیں۔

سائبیریا میں اتنی برف گرتی ہے کہ وہاں پودے نپپ ہی نہیں سکتے۔ پھر بھی وہاں کے ایک گاؤں میں کھجور کا ایک بہت بڑا درخت ہے۔ اس گاؤں کے لوگ اس کی بہت عزت کرتے ہیں اور اسے جنت کا درخت کہتے ہیں۔ سال میں ایک مرتبہ بہت دھوم دھام سے اس کی پوجا ہوتی ہے جب برف کا طوفان آنے والا ہوتاہے تو اس درخت میں سے سیٹی کی سی آواز سنائی دیتی ہے۔ آج تک کوئی اس کا پتہ نہ لگا سکا کہ یہ آواز کہاں سے نکلتی ہے۔

نیویارک میں ایک کیمرہ تیار ہواہے جس سے آنکھ کے اندر کے حصے کی تصویر اتر آتی ہے۔ اور اس کی مدد سے یہ ثابت کیا جا سکتاہے کہ یہ شخص مجرم ہے یا نہیں۔

شیشے کے گھر شاید بہت جلد بننے لگیں۔ اب ایسا شیشہ تیار ہو گیاہے جس کی پرچھائیں نہ پڑتی ہو۔ اس شیشے میں یہ بھی فائدہ ہے کہ گرمی کو دور کرتاہے۔ علاوہ اس کے اگر اس سے مکان بنے گا تو اس کے اندر رہنے والے باہر کی چیزیں اچھی طرح دیکھ سکیں گے۔ مگر باہر والے اندر کی کوئی چیز نہ دیکھ سکیں گے۔

اٹلی کے ایک سائنس دان نے نقلی یا مصنوعی اُون تیار کیاہے۔ جو فائدے میں اصلی اُون کے قریب قریب برابر ہی ہے۔ کہا جاتاہے کہ یہ اُون نقلی دودھ سے بنایا گیاہے۔ یہ بھی مشہور ہے کہ تھوڑے دنوں میں ایلومینیم سے ایسے کپڑے تیار ہونے لگیں گے جو گرمی میں سرد اور سردی میں گرم رہیں

لندن میں قمیص تیار کرنے کا ایک کارخانہ ہے اس میں شروع سے آخر تک تمام کام مشینوں کے ذریعہ ہوتاہے۔ طرح طرح کے فیشنوں کی قمیصیں پانچ منٹ میں نہ صرف تیار ہو جاتی ہیں بلکہ تہ کر کے رکھ دی جاتی ہیں۔

نئی دولہن سے خطاب

(خاص اتیج دیکلی کے لئے)

از جناب ... برج لال رسوخت دسادا

نئی دولہن - تیرا الم تیری انتظار میں ہے

اندھیری رات ختم ہو چکی ہے - پرندے چہچہا رہے ہیں - صبح صادق ہزاروں روشن قندیلوں کو اٹھا کر فضا سے ستاروں کو جھڑتی چلی آ رہی ہے۔
لیکن تو ... - تو ابھی - خواب غفلت میں پڑی ہوئی ہے
اٹھ - نئی نویلی دولہن اٹھ - ..

تیرا الم تیری انتظار میں ہے۔

(۲)

نئی دولہن اٹھ - اس اندھیری کوٹھڑی کو چھوڑ دے - دیکھ باہر دھوپ ہے - تتلی میٹھی چمن میں بہار آئی ہوئی ہے - بھنورے پھولوں پر ناچ رہے ہیں۔
سُن بچھڑا چکوری کے کان میں کیا کہہ رہا ہے - -
- - نرگس کی آنکھ کس سے لڑ رہی ہے ... - دیکھ یہ سبز لباس میں سج دھج کر کون جھوم رہی ہے

لیکن

تو ابھی خواب غفلت میں پڑی ہوئی ہے - -
- ... اٹھ نئی نویلی دولہن اٹھ

تیرا الم تیری انتظار میں ہے

(۳)

نئی دولہن اٹھ - تیرا الم مدت سے تیری انتظار میں کھڑا ہے ... - اس کی آنکھیں پتھرا گئی ہیں -
- نہ معلوم ... - کب سے تیری راہ دیکھ رہا ہے۔
اس کے دماغ میں بادل گرج رہے ہیں - اس کے سینہ میں آگ لگ رہی ہے ... - اس کا دل سنسان ہے ... اس کے پھیلے ہوئے ہاتھ میں خالی جام ہے -

نئی دولہن ... - ...

اس کے سینے کی تپش کو ٹھنڈا کر دے -
- ... اپنے لب سے دل کی سنسان نگری کو آباد کر دے۔
اس کے جام کو اپنی شراب محبت سے بھر دے۔
لیکن - تو - تو ابھی خواب غفلت میں پڑی ہے
اٹھ - نئی نویلی دولہن اٹھ - تیرا الم تیری انتظار میں ہے۔

(۴)

نئی دولہن - تیرے بال ایسے - جیسے کشمیر کے پیچ در پیچ خوبصورت پہاڑی رستے ان کو بول بلیاں بنا کر ... اپنے الم کو اب گم کر دے

کہ اسکو باہر کی خبر نہ رہے ... - ٹوٹ ..
... نئی دولہن - ... ڈھونڈ کر ... - اپنے الم کے دل کی محبت کو لوٹ لے - تو حکم نہ کرے .. پھر بھی ... وہ تیرے اشاروں پر ناچنا فخر سمجھے - وہ دیکھ .. - سیب کے منہ میں امرت بوند گر کر سوتی ہیں رہا ہے - لیکن تو ... - تو ابھی خواب غفلت میں پڑی ہوئی ہے۔

اٹھ - نئی نویلی دولہن اٹھ -

تیرا الم تیری انتظار میں کھڑا ہے۔

(۵)

نئی دولہن - - ...

آبشاروں کے ترنم میں ... - نرگس کے نینوں میں
برف کی سفیدی میں .. - گلاب کی سرخی میں
شاعر کی شاعری میں ... - مصور کی تصویروں میں
جذبات کے طوفان میں - - وہ تجھکو ڈھونڈ رہا ہے ... مایوسی ... - اس کے ... - باغ امید کو ویران کر رہی ہے - لیکن تو .... .. تو ابھی خواب غفلت میں پڑی ہوئی ہے -

تیرا الم تیری انتظار میں ہے۔

(۶)

نئی دولہن -

شام ہو چکی ہے - پنچھی واپسی کا گیت گاتے ہوئے اپنے اپنے گھونسلوں کی طرف پرواز کر رہے ہیں - ریگستانی قافلہ نے اپنا سفر پھر شروع کر دیا ہے
بجلی کی روشنی میں دیکھ - دولہنیں اپنے پیا کو متوالا کرنے کیلئے سنگار کر رہی ہیں - موتیوں کے ہار ان کے ابھرے ہوئے سینوں پر اٹکھیلیاں کر رہے ہیں - قہقہے مار کر ہنستی ہیں جیسے کوئی غنچہ خود بخود چٹک کر کھل جاتا ہے - نئی دولہن -

دیکھ ... - چاند نے سیاہ بادلوں کی چادر پھاڑ ڈالی ہے - چکوا کا دل شاد ہے
لیکن - ... تو ... بے شرم حیا والی نئی دولہن کیوں گھونگھٹ اوڑھ کر بیٹھی ہے - اٹھ - اپنے الم کو مل لے - اس کے شانوں پر اپنے نرم و نازک ہاتھ رکھ کر اپنا سر اس کے دھڑکتے ہوئے سینہ پر رکھ دے -
دیکھ - وہ تیری انتظار میں ہے
نئی دولہن اٹھ -

تیرا الم تیری انتظار میں ہے
لیکن تو تو ابھی خواب غفلت میں پڑی ہوئی ہے

معیارِ زندگی

آہ! موت کتنی مہربان ہے کہ زندگی کی کبھی ختم نہ ہونے والی مصیبتوں کا خاتمہ کر دیتی ہے - پھر بھی حیات موت کی آمد پر خوفزدہ ہو کر پیچھے ہٹ جاتی ہے
وہ تاریک راستہ کو دیکھتی ہے
وہ نہیں دیکھتی کہ وہ خالی ہے ایک جام نور کا
اسی طرح کمزور زیست پر عشق کی نزدیکی درد کو دیکھکر ایک تخویف خیز لرزہ طاری ہو جاتا ہے .. .
گو بادہ تاریکی فنا میں جو کہ "خود ی" جو روح کی ایک تاریک و کثیف ستمگر ہے - مٹ جاتی ہے .. جب عشق بیدار ہوتا ہے
اس اسکو تاریکی میں فنا ہو جانے دو - مگر تم نسیم سحر کا ایک خوشگوار سانس لو اور خوش رہو - (ترجمہ) محمد حنیف احمد (بریلوی)

سبزی اور پھلوں کی حفاظت

(بقایا مضمون صفحہ ۲۶)

اس گودے میں ملا دیں اور گرم کریں اور پھر چھان لیں تاکہ پھر جو باقی بچے وہ زیادہ تر بیج ہی ہوں۔ اب اس چھنے ہوئے پانی کو آگ پر گرم کریں۔ اور اس میں ایک کپڑے کی پوٹلی میں مصالحہ وغیرہ باندھ کر ڈال دیں۔ جب کچھ دیر پکنے کے بعد اس میں سے مصالحوں کی خوشبو آنے لگے تو پوٹلی نکال کر پھینک دیں اور اس میں کھانڈ ڈال کر پکائیں۔ اتنا پکائیں کہ پک کر یہ ½ حصہ رہ جائے۔ پھر اس میں سرکہ ملا دیں۔ اور پکا کر مناسب گاڑھا کر لیں۔ اتارنے سے تھوڑی دیر پہلے نمک ڈالیں اور اتار لیں۔ گرم گرم بوتلوں میں ڈال کر ان میں بند کر دیں اور ۲ دو گھنٹہ تک (STERILIZE) کریں۔

مصالحہ وغیرہ ثابت استعمال کرنے چاہئیں۔ اگر پسے ہوئے استعمال کریں تو مقدار آدھی کر دیں۔

مصالحے مندرجہ ذیل مقدار میں ملانے چاہئیں۔

ٹماٹر کا پانی	۱۰ پونڈ
پیاز کٹا ہوا پوٹلی میں	۴ اونس
دارچینی لونگ کالی مرچ ثابت لوکر	ایک چمچہ (TABLE SPOONFUL)
کھانڈ	ایک پونڈ ۴ اونس
سرکا	۲½ پونڈ
نمک	۴ اونس

چٹنی آم

(MANGO CHATNI)

کچے آم چھیل کر ان کی گٹھلی علیحدہ کر دیں۔ پھر چاقو سے کاٹ کر چھوٹے چھوٹے ٹکڑے کر لیں۔ یا کدوکش سے نکال لیں۔ غرضیکہ کسی طرح سے آم کا لچھا سا بنا لیں۔ اس میں ایک چھٹانک فی سیر کے حساب سے نمک ملا کر دھوپ میں رکھ دیں۔ آدھ گھنٹے بعد اسے نچوڑیں۔ چھان کر گودا اور پانی علیحدہ علیحدہ کر لیں۔ اب ایک کپڑے میں مصالحے مندرجہ ذیل مقدار میں لے کر پوٹلی بنا لیں۔ اگر گودا پانی نکالنے سے پہلے ایک سیر ہو تو

مرچ سرخ	ایک تولہ
سونف	½ چھٹانک
میتھی	½ "
سب مصالحہ ملا کر	ایک "
کھانڈ	ایک سیر

اس پوٹلی کو آم کے نکالے ہوئے پانی میں ڈال کر پکائیں پھر

جب اس میں سے مصالحوں کی خوشبو آنے لگے تو مصالحوں کی پوٹلی نکال دیں۔ اور برابر وزن کھانڈ ملائیں اور پکائیں جب یہ کافی گاڑھا ہو جائے تو اس میں گودا جو علیحدہ کیا تھا وہ ملا دیں۔ تھوڑی دیر پکا کر جب مناسب گاڑھا ہو جائے تو اتار لیں۔ اور گرم گرم ہی بوتلوں میں بھر دیں اور بوتلیں بند کر دیں۔ اس کے بعد ان بوتلوں کو آدھ گھنٹہ تک (STERILIZE) کریں۔

اگر آم زیادہ کھٹے ہوں تو انہیں سوڈا لائم (SODA LIME) سولیوشن میں دو منٹ تک ابال لینے سے ترشی کم ہو سکتی ہے۔ آگ پر چٹنی کو پکاتے وقت خیال رکھیں کہ آگ زیادہ تیز نہ ہو۔

پھلوں کی مٹھائی

(CANDY)

پھل کی مٹھائی بنانے کے لئے ذرا کچا پھل استعمال کریں۔ اگر اس کا چھلکا کڑوا ہو تو اسے تھوڑی دیر کے لئے گرم پانی میں یا دو فیصدی کاسٹک سوڈا سولیوشن میں ابال لیں۔

جس پھل کی مٹھائی بنانی درکار ہو اسے پانی میں دھو کر صاف کریں اور پھر کاٹ کر مناسب سائز کے ٹکڑے بنا لیں اسے پھر گرم پانی میں ڈال کر ابال لیں تاکہ پھل نرم ہو جائے۔ پھر ان ٹکڑوں میں چاروں طرف چھوٹے چھوٹے سوراخ کریں۔ پھر اس پھل کو کسی برتن میں ڈال کر اس میں ۲۵ فی صدی شوگر سولیوشن ملا کر تھوڑی دیر پکائیں۔ اور پھر ڈھک کر رکھ دیں۔ دوسرے دن اس میں سے شوگر سولیوشن نکال کر اس میں شوگر اور ملا کر پکائیں۔ (اگر پہلے روز شوگر ایک سیر ڈالی تھی تو دوسرے روز ایک پاؤ یعنی ¼ حصہ اور ملا دیں) اور اسی پھل میں ڈال کر رکھ چھوڑیں یہی عمل کریں جب تک کہ شوگر سولیوشن کی طاقت ۷۰ یا ۷۵ فیصدی ہو جائے۔ پھر اسے دو تین روز تک اسی حالت میں پڑا رہنے دیں۔ دو تین روز کے بعد اسے نکال کر چھلنی میں چھان لیں۔ اور خشک ہونے دیں۔ اگر عمل کے درمیان میں پھل پر الّی (پھپھوندی) نمودار ہونے لگے تو شیرے کے ساتھ پھل کو بھی پکائیں۔ پھر یہ دور ہو جائے گی۔ اگر اس مٹھائی کو کچھ چمکدار بھی بنانا ہو تو خشک کرنے کے بعد اس پر مندرجہ ذیل سولیوشن تیار کر کے اس کا غلاف چڑھا دیں اور خشک کریں۔

پانی	۱۶ گرام
کھانڈ	۶۰ گرام
گلوکوز (GLUCOSE)	۲۵ گرام

گوروکل یونیورسٹی

(از جناب سید محمد سالم کندر کوی۔ بی۔ اے۔ بی۔ ٹی (علیگ)
(خاص تیج دہلی کے لئے)

دورِ حاضر میں جو غیر سرکاری اعلیٰ تعلیم گاہیں ہیں ان میں خصوصیت کے ساتھ ڈاکٹر ٹیگور کی شانتی نکیتن، جامعہ ملیہ دہلی اور گوروکل یونیورسٹی قابلِ ذکر ہیں۔ ہر تعلیم گاہ جداگانہ روایات اور علیحدہ تہذیب رکھتی ہے۔ جو تعلیم گاہ کسی واحد شخصیت کی مالک نہیں ہوتی اس کے طلبا میں بھی کوئی نمایاں انفرادیت نہیں پائی جاتی ہے۔ تعلیم کے اعلیٰ مقاصد میں سے ہے کہ طالب علم کی شخصیت کو ابھارا جائے۔ لیکن جو تعلیم گاہ خود کسی شخصیت کی حامل نہ ہو اس کے طلبا میں بھی کوئی شخصیت نہیں پائی جاسکتی۔ گوروکل یونیورسٹی ان اعلیٰ تعلیمی اداروں میں سے ہے جہاں کا ماحول ایک خاص انداز رکھتا ہے۔ جہاں کی تعلیم کا جزو اعظم تہذیب قدیم پر مشتمل ہے۔ دراصل یہ یونیورسٹی ایک مخصوص انفرادیت کی حامل ہے۔ اور بلاشبہ یہاں کے طلبا میں ایک انوکھی شخصیت پائی جاتی ہے۔

گوروکل یونیورسٹی سورگ باشی سوامی شردھانند جی کی مساعی جمیلہ کا نتیجہ ہے۔ سوامی جی نے انتھک کوششوں کے بعد ایک قطعہ اراضی حاصل کیا۔ جہاں یونیورسٹی کی بنیاد قائم کی۔ یہ یونیورسٹی نہر گنگ کے کنارے [illegible] نہایت صحت بخش مقام پر واقع ہے۔ یونیورسٹی کے سامنے کوہ ہمالیہ عجیب و غریب منظر پیش کرتا ہے۔ ہندوستان کا مشہور و معروف تیرتھ گاہ ہردوار یہاں سے تقریباً ۳ میل کے فاصلہ پر ہے۔ سنہ ۱۹۲۴ء کے طوفانِ عظیم نے یونیورسٹی کی پرانی عمارت کو بہت نقصان پہنچایا۔ لیکن فوراً ہی چندہ کے لئے اپیل کی گئی اور ایک عالیشان عمارت کھڑی کر دی گئی۔ اراضی تقریباً [illegible] مربع ہے جہاں دو آشرم بنائے گئے ہیں ان میں سے ایک ابتدائی جماعتوں کے لئے وقف ہے۔ [illegible] اعلیٰ تعلیم دی جاتی ہے۔ ان دونوں آشرموں کے درمیان [illegible] رہ سکتے ہیں۔ [illegible] بنائے ہیں جن سے ایک ایک [illegible] اساتذہ اور طلبا کے واسطے ایک علیحدہ گھاٹ بنایا گیا ہے جہاں ہر شخص کو اشنان کرنا ضروری ہے۔ نہر میں کشتی رانی کا بھی انتظام ہے۔ آشرم کے کمرے نہایت نفیس بنے ہوئے ہیں۔ ہوا اور روشنی کی کافی رعایت رکھی گئی ہے۔ ہر کمرہ میں برقی روشنی اور پانی کا انتظام ہے۔ خوش وضع اور [illegible] مکانات کی بجائے [illegible] پتھر اور سیمنٹ کی مضبوط اور مستحکم عمارتیں تعمیر کی گئی ہیں۔ تمام کتب خانے تجربہ گاہیں اور باورچی خانے وغیرہ موجودہ روش پر بنائے گئے ہیں۔ [illegible] سرد رات کے اعتبار سے کافی ہیں۔

یونیورسٹی کے ارباب حل و عقد نے اس امر کو بھی پیش نظر رکھا ہے کہ تعلیم مادری زبان میں دی جائے۔ چنانچہ تمام مضامین کی تعلیم ہندی زبان میں ہوتی ہے۔ البتہ اعلیٰ درجوں میں پہنچ کر سنسکرت کو اہمیت دی جاتی ہے۔ ابتدائی جماعتوں سے لے کر یونیورسٹی سے فارغ التحصیل ہونے تک ۱۴ سال کا عرصہ درکار ہے۔ گوروکل نصاب تعلیم کی تکمیل اس عرصہ میں کی جاتی ہے۔ انگریزی زبان کی تعلیم ساتویں جماعت سے شروع کی جاتی ہے اور کالج کے درجات تک رہتی ہے۔ مختلف مذاہب کے مقابلہ کی تعلیم گریجویٹ ہونے کے بعد دی جاتی ہے۔ کوشش اس امر کی کی جا رہی ہے کہ پالی کی تعلیم کا بھی انتظام ہو جائے۔ جس کا مقصد ہے کہ یہ یونیورسٹی ہر سنسکرت داں کے لئے ایک جاذب توجہ درسگاہ بن سکے۔ جو کوئی شخص [illegible] ہے سے۔ شمال سے چلے یا جنوب سے۔ یہاں پہنچ کر دل اچاٹ نہ ہو۔ بلکہ یہاں پہنچ کر ہر طرح کی دلچسپی محسوس کرنے لگے۔ ویدک تہذیب کے دوبارہ قائم کرنے کی بہت زیادہ سعی کی جاتی ہے۔ اور ساتھ ہی اس کے سنسکرت کی تعلیم پر بہت توجہ دی جاتی ہے۔

اس اجمالی بیان سے یہ خیال نہ کرنا چاہئے کہ گوروکل یونیورسٹی کوئی پرانے زمانہ کی پاٹھ شالہ ہے جہاں پڑھ لینا اور گورو جی کی خدمت کرنا ہی بس تعلیم میں داخل تھا بلکہ گوروکل میں ذہنی نشو و نما کے ساتھ ساتھ جسمانی تربیت کا لحاظ رکھا جاتا ہے۔ ہاکی اور فٹ بال کی باقاعدہ مشق ہوتی ہے۔ جمناسٹک ڈنڈ اور دیسی کسرت پر کافی توجہ دی جاتی ہے۔ تیرنا، کشتی، کھیلنا وغیرہ بہت سی ایسی ورزشیں ہیں جن کی مدد سے طلبا کی صحت بہت اچھی رہتی ہے۔

یونیورسٹی کے لئے جس خطہ کا انتخاب کیا گیا ہے وہ ہر نو وارد کے لئے کچھ نہ کچھ سامانِ کشش ضرور رکھتا ہے۔ لیکن اس سے زیادہ گہرا اثر اس کے دل و دماغ پر اس قدر خوشگوار ربط و ارتباط

(باقی مضمون اگلے صفحہ پر)

مت پڑھیئے! اگر آپ کے دل میں اپنے ملک سے محبت کا پاک جذبہ موجود نہیں ہے

"مہاتما جی کا پیغام"

معزز ناظرین! آج میں آپ کی خدمت میں شری مہاتما جی کا وہ بیش بہا و نادر نسخہ پیش کرنا چاہتا ہوں۔ جو خود مہاتما جی نے مجھے بتلایا تھا۔ اور حکم دیا تھا کہ اسے میرا پیغام سمجھ کر اس نسخہ کو رفاہ عام کے لئے مشتہر کر دیا جائے۔ تاکہ ایسے نادر الوجود نسخے دنیا سے نابود نہ ہونے پائیں۔ اس کے استعمال سے بدن کا خراب اور پتلا خون صاف اور صحت درست ہو جاتا ہے جس سے بھوک نہ لگنا۔ ہمیشہ قبض کی شکایت رہنا۔ داد کھجلی۔ سفید داغ۔ پھوڑے پھنسی۔ آتشک سوزاک۔ جریان۔ احتلام۔ نامردی۔ ہر قسم کی کمزوری۔ فوطوں کا بڑھ جانا۔ کف۔ کھانسی۔ دمہ۔ نزلہ زکام۔ بدن میں خون کی کمی۔ وائی گولہ۔ درد گردہ گٹھیا۔ یرقان۔ جگر اور تلی کی خرابیاں دل کی دھڑکن حافظہ یاد داشت کی کمی۔ نیند کی زیادتی ہیضہ۔ قے۔ دست۔ پسلی چلنا۔ پسلی کا درد۔ حاملہ کی قے۔ مسوڑھوں میں زخم۔ عورتوں کے مخصوص بیماریاں۔ ماہواری کی بے قاعدگی وغیرہ وغیرہ بیماریاں امراض دور ہو جاتے ہیں

جن نوجوانوں کی جوانی مٹی میں مل چکی ہے۔ چہرے کا رنگ پھیکا پڑ گیا ہے چار قدم چلنے سے دم آتے ہیں۔ تپش پیچھا نہیں چھوڑتا۔ بھوک نہیں لگتی۔ ہمیشہ سستی اور کاہلی سوار رہتی ہے کسی کام میں جی نہیں لگتا۔ بدن نکما ہو چکا ہے، تو ایک بار اس دوا کا بھی چالیس روز استعمال کر کے دیکھیں۔ اس کی پہلی خوراک ہی رگ رگ میں بجلی کی طرح اثر پیدا کر دیتی ہے۔ سات روز میں تازہ خون دورہ کرنے لگتا ہے۔ اکیس روز میں چہرہ کا رنگ گلاب کی طرح شگفتہ ہو جاتا ہے۔ اور چالیس روز میں پوری طاقت پیدا ہو کر بدن نہایت طاقتور اور تندرست ہو جاتا ہے۔

جو اصحاب ذیابیطس سے تکلیف اٹھا رہے ہوں۔ سینکڑوں ادویات کے استعمال سے بھی پیشاب میں شکر آنا بند نہ ہوتا ہو۔ وہ اس دلیسی نسخہ کو بھی چالیس روز استعمال کر کے اس کا کرشمہ دیکھیں کہ مہاتما جی کے اس عجیب غریب نسخہ سے کتنی جلدی صحت کلی حاصل ہوتی ہے۔ ہیضہ اور طاعون کے ایام میں اگر اس کو روزانہ استعمال کیا جائے تو ان موذی امراض کے حملہ کا اندیشہ نہیں رہتا۔ موسم گرما میں لو لگنے سے بچاؤ کے لئے اس کا استعمال آب حیات کا کام دیتا ہے۔ اگر بچوں کو استعمال کرایا جائے، تو چیچک سے محفوظ رہتے ہیں۔ بواسیر خونی و بادی کا قلع قمع ہو جاتا ہے۔ سانپ۔ بھڑ۔ بچھو کے کاٹنے کا زہر زائل ہو جاتا ہے۔ بلکہ ایسی حالتوں میں یہ معجزہ سے کم نہیں اس میں یہ بھی خوبی یہ ہے، کہ سردی گرمی اور برسات وغیرہ تمام موسموں میں بچوں اور بوڑھوں۔ عورتوں اور مردوں کو یکساں مفید ہے، ہر صاحب کو ایک شیشی ضرور ہر وقت اپنے پاس رکھنا چاہیئے، تکلیف کے وقت آپ کی قیمتی جان کی محافظ اور آپ کا سچا دوست ثابت ہو گی۔ آپ یہاں چالیس روز استعمال کر کے اس کا معجزہ ملاحظہ فرمائیں۔ نسخہ مندرجہ ذیل ہے،

آنولہ سار گندھک اعلیٰ قسم کو گائے کے خالص گھی میں پگھلا کر بارہ مرتبہ گائے کے دودھ میں اور بارہ مرتبہ بھنگراج کے عرق میں اور ایک مرتبہ پھلا کے گاڑھا میں چھان دیں۔ اس طریقہ سے صاف کی ہوئی گندھک ۲ تولہ لیکر ۱ تولہ آک کے دودھ میں خوب گھوٹ کر برابر کی گولیاں بنالیں۔ اور سکھا کر مرغی کے بانجھ انڈے میں چھید کر کے اس کی کل غلاظت نکال ڈالیں۔ ۔ وہ اس کو کر سکھالیں اور اس چھید کے راستے سے اس قدر گولیاں بھر دیں کہ نصف انڈا بھر جائے۔ پھر چھید کو بند کر کے سات تہ کپڑے کو مٹی میں تر کر کے سکھا کر آدھ سیر السی کے تیل میں دھیمی آنچ پر بارہ گھنٹہ تک پکا دیں۔ ٹھنڈا ہونے پر چھید کھولکر لال رنگ کا تیل شیشی میں نکال لیویں۔ یہی نسخہ سعفرآئیل (گندھک کا تیل) مہاتما رام پرکاش جی سے حاصل ہوا تھا۔ جو کہ اپنا ثانی نہیں رکھتا۔ ہمارا ہزارہا مریضوں پر آزمایا ہوا ہے۔ خوراک صبح اور شام ۳ بوند حسب ہدایت مریض کے مریض کو دیں۔ لال مرچ۔ تیل۔ کھٹائی وغیرہ سے حتی الوسع پرہیز کریں۔ اور پھر اس کا کرشمہ دیکھیں۔ اگر کوئی بات دریافت طلب ہو تو جوابی کارڈ ارسال کر کے جواب منگا سکتے ہیں

نوٹ:- اگر کسی وجہ سے اس دوائی کو خود تیار نہ کر سکیں اور اس کی جادو اثری کی آزمائش کرنا چاہیں۔ تو ۴۰ روز کے ۸۰ خوراک تیل ڈاک خرچ سمیت ۲ (اڑھائی روپیہ) میں ہم سے منگالیں۔ ہماری دوکان لکھنؤ بنگلیس میں بھی آئی ہے۔ آپ کو مشورہ دیا جاتا ہے کہ آپ سنوڈیشی بازار دوکان نمبر 128 میں تشریف لاویں جہانکہ یہ دوائی آپکو دو روپیہ فی شیشی کے حساب سے مل سکتی ہے ڈاک خرچ کی بچت ہو گی۔ ایک بار ضرور آزما کر فائدہ اٹھایئے،

سیوک شیام بہاری لال ویدبھوشن۔ آیوروید وشارد۔ شیام چکر کاریالیہ ۲۲۵
شاہجہان پور (یو۔پی)

سے بڑا نا ہے جو بالعموم آجا یہ اور بہم جاری کے درمیان پایا جاتا ہے۔ یونیورسٹی گویا ایک وسیع خاندان ہے۔ جہاں تصنع اور نمائش کو مطلق دخل نہیں ہے۔ اگر گھر کے ماحول اور تعلیم گاہ کی فضا میں کوئی نمایاں فرق رکھا جائے گا تو بچے کو اجنبیت محسوس ہوگی۔ وہ ان دونوں کے حالات سے متاثر ہوگا۔ ایک کو دوسرے پر ترجیح دے گا تعلیم ایک غیر دلچسپ شے معلوم ہو گی۔ اس لئے ضرورت اس امر کی ہے کہ ماحول مدرسہ کو اس انداز میں ڈھالا جائے کہ بچہ کو اپنی تبدیلی کا احساس نہ ہونے پائے۔ تعلیم اسی صورت میں معنی خیز اور پر لطف بن سکے گی۔ گورو کل میں اس اصول کا بہت زیادہ لحاظ رکھا گیا ہے۔ سابق میں طلباء کو گھر جانے کی بہ دقت اجازت ملتی تھی اور مدرسہ کے قوانین سخت تھے۔ لیکن اب ان میں بھی رفتہ رفتہ کمی ہو رہی ہے۔

بہرصورت مدرسہ کا تعلق جہاں ایک طرف خانگی زندگی سے ہے وہاں دوسری جانب معاشرت سے بھی اس کو رشتہ ہے اور ان تینوں میں آپس میں واضح طور پر منافرت نہ ہونا چاہیئے۔ موجودہ دنیا عمل کی دنیا ہے۔ یہاں اگر علم محض ذخیرۂ معلومات کے لئے حاصل کیا جائے گا اور اس سے عملی کام نہ لیا جائے گا تو گویا پڑھ لکھ کر مقصد تعلیم کو فنا کر دیا۔ ضرورت اس امر کی ہے کہ ذخیرۂ علم عمل کے سرچشمہ سے ابل کر ایک دریا سے مواج بن جائے بہت بہتر ہے کہ گورو کل یونیورسٹی کے گریجویٹ کی ہستی تہذیب قدیم کی صحیح معنوں میں آئینہ دار ہو۔ لیکن اگر موجودہ ہندوستانی ماحول میں وہ اپنے کو کھپا نہ سکا تو گویا زندگی برباد ہو گئی اور کشمکش حیات میں پھنس کر ایک ناکام کی زیست بسر کرنا ہوگی لیکن مقام شکر ہے کہ موجودہ روشنی کی جھلک اب ہر گورو کل کے طالب علم میں پائی جاتی ہے۔ چونکہ گورو کل یونیورسٹی میں تعلیم اعلیٰ اصولوں پر دی جاتی ہے اور ہر ممکن طریقہ سے اس امر کی کوشش کی جاتی ہے کہ جفاکشی اور ایثار اور قربانی بنی نوع انسان کے لئے محبت اور ہمدردی ہر طالب علم کے دل میں کوٹ کوٹ کر بھر دی جائے۔ اس سے توقع ہوتی ہے کہ گورو کل کا گریجویٹ ملک و قوم پر بار ہونے کے بجائے ہندوستان کی صحیح خدمت انجام دے گا۔

بانیان یونیورسٹی نے سادہ رہنے اور اعلیٰ خیال رکھنے کے زرین اصول کو پیش نظر رکھ کر تعلیمی کام شروع کیا۔ موجودہ دور عام اقتصادی پسپائی کا زمانہ ہے۔ علی الخصوص ہندوستان پر بے روزگاری کا مہیب بھوت اپنی پوری طاقت

کے ساتھ مسلط ہے۔ دوسری یونیورسٹیوں کے گریجویٹ ناخوشگوار عہد میں بھی گورو کل کا تعلیم یافتہ کسی طرح سے بھی معاشرہ پر بار نہیں ہو سکتا۔ اس کو تلاش معاش کا مسئلہ بہت زیادہ خطرناک صورت میں پیش نہیں آتا۔ وہ اپنا دن خود کھینچتا ہے۔ دوسروں کے کندھوں پر سوار ہو کر چلنا سکی مادری تعلیم کے لئے ننگ ہے ضبط نفس کی وہ گراں بہا خوبی اس کی طبیعت میں داخل کر دی گئی ہے جس سے وہ اپنی معاشرتی زندگی میں مستفید ہوتا ہے اور جب تک کہ اس قابل نہ ہو جائے کہ اپنا اور اپنے اہل و عیال کا پیٹ خوبی سے پال سکے اس وقت تک وہ سوسائٹی کے خون چوسنے والوں کی تعداد میں اضافہ کرنا مناسب خیال نہیں کرتا ہے

ہم پہلے کہہ چکے ہیں کہ تعلیم کا مقدس فرض ہے کہ طالب علم کی شخصیت کو ابھارے اس کو اس کی انفرادیت سے روشناس کرائے لیکن ہندوستان میں تعلیم ختم کرنے کے بعد ۹۵ فیصدی طلباء اپنی شخصیت کو کچلا ہوا پاتے ہیں۔ نہ ان میں ذوق تجسس ہوتا ہے نہ مادہ تخلیق نہ اپج ہوتی ہے نہ ہمت و استقلال مگر گورو کل میں صورت حالات اس کے مختلف ہے۔ گورو کل یونیورسٹی کے گریجویٹ کی جسمانی بشاشت اور دماغی تازگی کو دیکھ کر ہر شخص کو حقیقی مسرت ہوتی ہے۔ یونیورسٹی کے ہر طالب علم میں خدمت قوم کا جذبہ پایا جاتا ہے۔ اس کی تعلیم کی بنا سادگی اور صداقت پر رکھی جاتی ہے۔ حق یہ ہے کہ گورو کل کا تعلیم یافتہ فارغ التحصیل ہونے کے بعد اپنی شخصیت کو ابھرا ہوا پاتا ہے خواہ کتنی ہی قدیم کیوں نہ ہو لیکن وہ ایک مخصوص تہذیب کا مظہر ہوتا ہے۔ ضرورت اس امر کی ہے کہ اس تجربہ کو اعلیٰ کامیابی پر پہنچایا جائے۔ تاکہ ہندوستان کے ہر حصہ میں بے لوث قومی خادم کثیر تعداد میں مل سکیں۔

ہفتہ کی اہم اور تازہ خبریں

انڈین نیشنل کانگریس کے ۴۹ ویں اجلاس کے صدر منتخب پنڈت جواہر لال نہرو کی لکھنؤ میں آمد پر آپ کا شاندار اور پرجوش خیر مقدم کیا گیا۔ پنڈت جی کے عملی طور پر سوشلسٹ ہونے کا ثبوت تو اس امر سے ملتا ہے کہ آپ نے کانگریس استقبالیہ کمیٹی کی زبردست درخواست کے باوجود کہ آپ الہ آباد سے اسپیشل ٹرین کے ذریعہ لکھنؤ تشریف لائیں تمام راستہ تیسرے درجہ کے ایک ڈبہ میں سفر کیا۔

کانگریس ورکنگ کمیٹی نے سبھاش بابو کی گرفتاری کی مذمت میں ایک زوردار ریزولیشن پاس کیا ہے۔ اس کے بعد پرائیویٹ سیشن میں ریزولیشنوں پر غور کیا گیا۔ کمیٹی نے نو آبادیوں میں آباد ہندوستانیوں سے ہمدردی کے متعلق بھی ریزولیشن پاس کیا اور عوام اور کانگریس کے درمیان رشتۂ اتحاد مضبوط کرنے کی تدابیر پر غور کرنے کے لئے ایک خاص کمیٹی مقرر کی ہے۔

مسٹر سبھاش چندر بوس کو جس وقت ہی انہوں نے بمبئی کے ساحل پر ایس۔ ایس کیزر ہند جہاز سے قدم رکھا ۱۸۱۸ء کے ریگولیشن کی دفعہ کے ماتحت گرفتار کر لیا گیا۔ خان بہادر گارڈ ڈپٹی کمشنر سی۔ آئی۔ ڈی نے جو مسٹر سبھاش چندر بوس کا انتظار کر رہے تھے انہیں وارنٹ گرفتاری دکھلایا اور انہیں دوسرے راستہ سے لے گئے تاکہ ہجوم جو اس راستہ پر اکٹھا ہو گیا تھا مظاہرہ نہ کرے۔

بڈھے جوان ہو گئے

۲۴ گھنٹہ میں طاقت

سبھاش چندر بوس کی گرفتاری کے خلاف پروٹسٹ کے طور پر آج کلکتہ میں دوپہر تک ہڑتال منائی گئی۔ ہندوستانی حلقوں میں کاروبار بند رہا۔

سبھاش بابو کی گرفتاری پر دہلی کے قوم پرست حلقوں میں بڑی ناراضگی کا اظہار کیا جا رہا ہے۔ اور اس بات پر خاص طور سے حیرت کا اظہار کیا جا رہا ہے کہ حکومت نے اس معاملہ میں رائے عامہ اور مصلحت وقت کو قطعی نظر انداز کر دیا۔

معتبر ذرائع سے معلوم ہوا ہے کہ کوئم پر اب اٹلی کی فوج نے مکمل طور پر قبضہ کر لیا ہے اور حبشی فوج میں بھاگڑ مچ گئی ہے۔ اٹلی کی فوج نے حبشی فوج کا سرگرمی سے تعاقب کیا۔ اطالوی ہوائی جہازوں سے حبشی سپاہیوں پر جو کہ ابتری اور انتشار کی حالت میں جنوب کی جانب بھاگ رہے تھے حملہ کیا۔

احمد آباد میں کل پانچ عورتیں جو کہ ایک خندق کھودنے میں مصروف تھیں۔ مٹی کے ایک ڈھیر کے نیچے دفن ہو گئیں۔ میونسپلٹی کے ملازمان اور پولیس کے آدمی فوراً ہی موقعہ پر پہنچ گئے۔ اور مٹی ہٹا کر ان کو باہر نکالا۔ چار عورتیں وہیں پر مردہ پائی گئیں اور پانچویں ہسپتال میں پہنچکر فوت ہو گئی۔

معلوم ہوا ہے کہ برطانیہ فرانس اور بلجیم کے فوجی افسران کے درمیان گفت و شنید لندن میں ہو رہی ہے۔

ہسکیانگ کی ایک اطلاع مظہر ہے کہ سوویٹ روس

نے منچوکو کی صدود میں جس پر کہ جاپان کا قبضہ ہے داخل ہونا شروع کر دی ہے۔ ایک سوویٹ کا جنگی جہاز سینچیانگ کے شمال مشرق میں مقام ملینانڈ پر پرواز کرتا ہوا دیکھا گیا۔ اس کو جاپانی منچوکو کی سرحد کے گارڈوں پر حملہ کر کے اسے واپس لوٹ جانے کے لئے مجبور کر دیا۔ منچوکو کے ہیتو اور دیگر مقامات پر سوویٹ روس کے بمبار طیاروں نے پرواز کیا۔

حکومت فرانس کا ایک کمیونک مظہر ہے کہ فرانسیسی لیفا کی کونسل نے اس میمورنڈم کو جو کہ جرمنی کی صلح کی تجاویز کے جواب میں بھیجا جائے گا۔ نیز حکومت کی اس اسکیم کو جو کہ قیام امن کے واسطے تعمیری کارروائی کرنے کے لئے مرتب کی گئی ہے منظور کر لیا ہے۔ حکومت اپنی اس اسکیم کو جمعیت اقوام کی کونسل کی میٹنگ میں بھی پیش کرنے کا ارادہ رکھتی ہے۔

عراق اور ابن سعود کے درمیان ایک معاہدہ ہوا ہے جس کے ماتحت یہ طے پایا ہے کہ بصورت جنگ یا انقلاب وہ ایک دوسرے کی امداد کریں گے۔ آج اس معاہدہ کی شرائط شایع ہو جانے سے سیاسی حلقوں میں کافی دلچسپی پیدا ہو گئی ہے۔

یونائیٹڈ پریس کو معلوم ہوا ہے کہ مسٹر سیٹھ عبداللہ بھائی ڈیسائی نے مسز کملا نہرو کے میموریل فنڈ کے لئے پانچ ہزار (۵۰۰۰) روپیہ دان دیا ہے۔

اس سلسلہ میں یہ امر قابل ذکر ہے کہ کل کانگریس ورکنگ کمیٹی نے اس سلسلہ میں ایک ریزولیشن پاس کیا تھا۔

گردوں میں خرابی ہونے سے

خون زہر آلودہ ہو جاتا ہے

اشتہار نیلام

عام اطلاع دیجاتی ہے۔ کہ بتاریخ ۱۲ و ۱۳ اپریل ۱۹۳۶ء بروز اتوار و سوموار بروز بوقت ۸ بجے صبح سے بمیدان جو مندر گوری شنکر کے مقابل پتھر والے کنوئیں اور نمائش کے پاس دہلی میں واقع ہے۔ بہت قسم کا سامان خانہ داری از قسم فرنیچر۔ دریاں و قالین۔ بائیسکلان، گراموفون باجے۔ ایک سازبون رنگ بالکل نیا۔ ایک گھوڑا العمرہ سال و ایک گھوڑی بعمر ۱۱ سال ہے۔ نیلام کیجاوے گی۔ اور اسی روز بموجب ہدایت دی منیجر صاحب آف آئیڈیل بنک لمیٹڈ دہلی بذمہ داری میاں محمد خلیل صاحب ایک موٹر کار اولڈ موبائیل چار سیٹ کی چلتی ہوئی حالت میں ٹھیک دس بجے صبح وہاں ہی پر نیلام کیجاوے گی۔

المشتہر:- نیاد رمل ورنگی لال گورنمنٹ و ریلوے آکشنیرز
ہملٹن روڈ دہلی فون نمبر ۹۳۴۶

(بسلسلہ گذشتہ)

ہمارے اس ملک کے لئے علیحدہ سینما گھر نہیں اور عام سینما گھروں میں، خواہ کیسی ہی فلمیں دکھائی جاتی ہوں ان کے دروازے ہر قسم کے تماشائیوں کے لئے بلا تفریق کھلے ہوتے ہیں۔ لیکن برطانیہ جیسے آزاد مغربی ملک میں بھی جس وقت کسی عام تماشہ گاہ میں ایسی فلم پیش ہونے والی ہوتی ہے جس کی نسبت خیال کیا جاتا ہے کہ بچوں کی کم سنی اس کے اثرات کی متحمل نہیں ہوسکتی اور وہ بداخلاقی اور بدکرداری میں مبتلا ہو جائیں گے اس وقت سینما گھر کے دروازہ پر لکھ دیا جاتا ہے کہ انیس سال سے کم عمر والوں کے لئے داخلہ ممنوع ہے۔ اس میں شک نہیں کہ بچوں کے لئے تیرہ برس سے لے کر ۱۹ برس تک کی عمر کا زمانہ نہایت نازک ہوتا ہے۔ اور جو ملک اپنے ایسے نونہالوں کے جذبات، اخلاق اور احساسات کی صحیح تربیت اور حفاظت نہیں کر سکتا وہ کبھی فلاح یاب نہیں ہو سکتا۔

جرمنی میں لڑکوں کے لئے علیحدہ سینما گھر ہوتے ہیں جنہیں فلموں کے ذریعہ انہیں تاریخ جغرافیہ اور دوسرے ضروری علوم کے معلومات بہم پہنچائے جاتے ہیں اس کی سیرت و کردار کی تربیت و تعمیر کی جاتی ہے۔ اور ان میں قومی اور ملکی ذمہ داری کا مادہ پیدا کیا جاتا ہے۔ اس کو دوسرے لفظوں میں یوں بھی کہہ سکتے ہیں کہ یہی سینما جو ہمارے ملک میں نوجوانوں کی سیرت و کردار کی تباہی کا باعث ہے دوسرے ممالک میں نوجوانوں کے اندر اوصاف حسنہ اور جذبات عالیہ کی تخلیق کا سب سے بہتر ذریعہ ہے۔ اس سے یہ نتیجہ آسانی سے اخذ کیا جا سکتا ہے کہ ہمارے ملک میں سینما کے ذریعہ جو مفاسد وقوع پذیر ہو رہے ہیں ان کا اصلی سبب سینما نہیں ہے بلکہ ارباب سینما کا غیر صحیح طرز عمل اور طریق کار ہے۔

امریکہ سینما کا عظیم الشان مرکز ہے اور اہل امریکہ خوشحالی و فارغ البالی و تفریح پرستی میں کسی ملک کے باشندوں سے پیچھے نہیں ہیں اور وہ تفریحی مشغلے کے اعتبار سے سینما سے کافی لطف اندوز ہوتے ہیں۔ لیکن تفریح و دل لگی کے ساتھ انہوں نے اعلیٰ ترین ملکی و ملی مقاصد کو نظر انداز نہیں کیا ہے اور بچوں کے لئے تو سینما اور تعلیمی اداروں سے بھی مفید تر تسلیم کر لئے گئے ہیں۔ کسی کو اس امر سے انکار نہیں کہ فلمی سٹیج کے واقعی اور عملی مناظر کی اثر اندازی کے مقابلہ میں درسگاہوں کے کتابی اسباق کوئی حقیقت نہیں رکھتے۔

جس طرح روشن خیال اور تربیت یافتہ سوسائٹی وسیع تجارت اور بلند سیاست سے کسی ملک کی عظمت ظاہر ہوتی ہے اسی طرح اعلیٰ لٹریچر اور باکمال ادیبوں سے بھی اس ملک کی برتری کا اظہار ہوتا ہے کیونکہ حقیقی ادب ہی ملک کے اوصاف و محاسن کا آئینہ دار ہوتا ہے اسی لئے جس حد تک کسی ملک کے ادبیات کی نشو و اشاعت ہوتی ہے اسی حد تک دنیا کو اس کی عظمت و برتری کا علم و اعتراف ہوتا ہے۔

امریکہ نے اپنے ادبیات کی ترویج و تبلیغ میں سینما سے گرانقدر استفادہ کیا ہے۔ اس نے سینما کے ذریعہ اپنے ادبیات اور اہل ادب کی زبردست خدمت کی ہے۔ اگر ہمارے نگار خانے صحیح بنیادوں پر قائم ہو جائیں تو کیا ہم بھی سینما سے یہی کام نہیں لے سکتے؟

ہمارے تماشائیوں کو تو معلوم ہی نہیں کہ فلم میں اولین ہستی جو قابل لحاظ ہے وہ افسانہ نویس کی ہے۔ لیکن سینما ہاؤسوں میں ہم ہم کی کمی دنیا داری اکیٹروں اور ایکٹرسوں کے نام کی جانب ہوتی ہے۔ اس لئے فلمساز طبقے نے پبلک کے مذاق کی تربیت ہی ایسی کی ہے۔ ہر ملک کچھ مخصوص اوصاف و محاسن کا مالک ہوتا ہے۔

ایک محکوم اور درماندہ ملک ہونے کے باوجود ہندوستان کا دامن مذہب و تاریخ اور تہذیب و اخلاق کے گرانبہا اور تابناک جواہرات سے گرانبار ہے۔ اگر فلموں کے ذریعہ ان کی نمائش کی جائے اور وہ مناظر دکھائے جائیں تو ہندوستان کی شان و عظمت میں بیحد اضافہ ہو سکتا ہے۔ اور نوجوانان ملک کے سینے بھی زندگی بخش اور ولولہ انگیز انوار سے متجلی ہو سکتے ہیں۔ لیکن ہمارے نگار خانوں میں ایسی فلمیں شاید و باید تیار ہوتی ہیں۔ علی العموم ایسی ہی فلمیں معرض وجود میں لائی جاتی ہیں جو صنفی تحریصات کو ہیجان میں لائیں اور شبابی جذبات کو برانگیختہ کریں۔ ۱۰ سے زرشدہ قصوں کو فلمی جامہ پہنایا جاتا ہے جس میں طلسم و سحر کے باطل اور بے سرو پا مناظر ہوتے ہیں۔

یہ صحیح ہے کہ امریکہ اور یورپ کے نگار خانوں میں بھی عشقیہ فلمیں تیار کی جاتی ہیں لیکن ہندوستان اور ان ممالک کے طرز معاشرت میں زمین اور آسمان کا فرق ہے ہمارے اخلاق کی فرسودگی اور کردار کی درماندگی کی اس سے زیادہ افسوسناک مثال اور کوئی نہیں ہو سکتی کہ ہم اپنی شرافت زندگی کو فراموش کر کے دوسروں کی بے معصیت زندگی میں گم ہو جائیں۔

اسی طرح اگر بہترین فلمیں پیش کی جائیں تو پبلک کے ذوق تماشا میں بھی تبدیلی ہو سکتی ہے۔ پھر لوگ انہیں فلموں کے والہ و شیدا نظر آئیں گے جن سے وہ آج سو اہری کا برتاؤ کرتے معلوم ہوتے ہیں۔

بہرطرح فلمی ہند میں اصلاح و تغیر ناگزیر ہے۔ ارباب سینما کا فرض ہے کہ اپنی شرافت و اخلاص سے کام لیں اور سینما کی اصلاح و تعمیر میں مزید تعویق و تاخیر کو راہ نہ دیں۔

رادھا رانی [illegible] کا شکارہ میں

جو [illegible] ٹاکیز میں چل رہا تھا

نادرا "دیس دیپک" میں

پکچر ہاؤس میں چل رہا ہے

[illegible] ستارہ "لال چٹوی" میں

ایلفنسٹن ٹاکیز میں چل رہا

Regd. L. No. 1517.

شائقہ أپئے

دراسدوت رسمی، صس

Printed and Published by Dharampal Gupta at the TEJ Press, Burn Bastion Road, Delhi

لالہ دیش بندھو

TEJ WEEKLY

Price
TWO
Annas.

ہفتہ کی مشہور شخصیتیں

نئی کانگریس ورکنگ کمیٹی کے ممبران

ـار ولبھ‌بھائی پٹیل

یت سی۔ راجگوپال آچاریہ

شریمت جیرام‌داس دولت‌رام

پرانے وائسرائے کی روانگی اور نئے وائسرائے کا ورود

{"تیج ویکلی" کے خاص شاعر کے قلم سے}

چلے گئے

ہندوستاں سے آج سدھارے ولنگڈن
ناکامیوں کا بار اُٹھا کر چلے گئے

اک یادگار چھوڑ گئے آرڈیننس ایکٹ
قانونِ سخت گیر بنا کر چلے گئے

رکھا کبھی نہ پیشِ نظر ہند کا مفاد
موقع ملا تو بات بنا کر چلے گئے

مزدور اور کسان کے فاقے ہوئے نہ دور
اور آپ خوب دعوتیں کھا کر چلے گئے

از بسکہ تھے جناب شہنشاہیت پسند
طاقت کا رنگ روپ دکھا کر چلے گئے

آ گئے

لندن سے آ گئے جو نئے وائسرائے ہند
دہلی میں اُن کے طالبِ دیدار آ گئے

ہندی سیاسیات کے اسٹیج پر پھر آج
برطانیہ کے خاص اداکار آ گئے

آئینِ نو کا ہاتھ میں ساغر لئے ہوئے
کیف آفریں خیال سے سرشار آ گئے

خوشیاں کریں وہ لوگ جو ہیں طالبِ رسوخ
جنسِ وفا کے اور خریدار آ گئے

حسنِ عمل کا جلوہ رنگیں دکھائیں گے
برطانی پالیسی کے طرفدار آ گئے

شیریں کلامیوں کا کوئی کیا کرے یقیں
آئینِ نو سے جب کوئی امید ہی نہیں

گنگا اور جمنا کے پانی میں حیرت انگیز روحانی طاقت

سائنسدانوں کی جدید تحقیق

مہلک بیماریوں سے بچنے کا راز

دنیا کے قدیم ترین دریاؤں کی پراسرار طاقت کا اعتراف

(از قلم ڈاکٹر دھرنیدر ناتھ رائے پی۔ ایچ۔ ڈی)

(ترجمہ خاص برائے تیج ویکلی)

گنگا اور جمنا مقدس دریاؤں کو جس عزت و عقیدت کی نگاہ سے دیکھا جاتا ہے اور ہندوستانیوں کے نزدیک ان پاک دریاؤں کی جو روحانی قوت پائی جاتی ہے وہ عجیب و غریب ہے۔ عہد حاضر کی سائنٹیفک تحقیقات کی رو سے بھی گنگا اور جمنا کے پانی کی حیرت انگیز قوتوں کا علم ہوا ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ ان پاک دریاؤں کے ماننے والے کسی اندھے عقیدہ کے پجاری نہیں ہیں بلکہ ان کے بزرگوں نے ان دریاؤں کی جو عظمت اور روحانی خوبی بیان کی تھی وہ واقعی دور رس حیرت انگیز تھی۔ اور اس کی ایسی پختہ بنیاد تھی جسے آج کل کی سائنس بھی تسلیم کرنے پر مجبور ہے۔

گنگا جمنا صرف معمولی دریا نہیں ہیں۔ وہ دریاؤں سے زیادہ کوئی زیادہ حیثیت رکھتے ہیں۔ ان کے پانیوں میں روحانی طاقت پائی جاتی ہے جو دنیا کے کسی اور ملک کے دریاؤں میں نہیں ہے۔ گنگا جمنا کی اس روحانی عظمت کا اعتراف عہد موجودہ کے کئی بڑے بڑے سائنسدانوں نے کیا ہے۔ چنانچہ ڈاکٹر ایف۔ سی۔ ہیریسن سابق پرنسپل میکڈانلڈ کالج میکگل یونیورسٹی کینیڈا اس مسئلہ پر گفتگو کرتے ہوئے ایک مضمون کے دوران میں جس کا عنوان ہے "پانی کی مافوق العادت طاقتیں" رقمطراز ہیں:۔

"یہ امر حیرت انگیز ہے جس کی کوئی تسلی بخش توجیہہ اور سبب عقل اور سائنس کے ذریعہ معلوم نہیں ہو سکا ہے کہ جمنا اور گنگا کے پانی میں ہیضہ کے مہلک کیڑے چار یا پانچ گھنٹہ کے قلیل عرصہ میں کیوں فنا ہو جاتے ہیں۔ یہ امر قابل ذکر ہے کہ ان دریاؤں میں ہزاروں انسان دن رات نہاتے ہیں۔ سینکڑوں لاشیں اس کے پانی میں پھینکی جاتی ہیں۔ اس کے علاوہ گندہ پانی نکلی سڑی چیزیں اور مختلف قسم کے مزار اور مضر عناصر ان کے پانی میں آ آ کر شامل رہتے ہیں۔ لیکن پھر بھی ان کا پانی پاک اور صاف رہتا ہے۔ اور اس بات میں کوئی صداقت معلوم ہوتی ہے کہ اہل ہنود کے نزدیک گنگا اور جمنا مقدس دریا ہیں اور کسی طرح اس کے پانی ناپاک اور خراب نہیں ہو سکتے اور جب چاہیں اس کا پانی پی سکتے ہیں اس میں نہا سکتے ہیں اور بلا تردد ہر قسم کا استعمال کر سکتے ہیں۔ آج کل کے علم الجراثیم کے اعتبار سے بھی اس حیرت انگیز قوت کا ثبوت ملتا ہے۔ اگر جمنا کے پانی کو ابالا جائے تو جراثیم ہلاک کرنے کی جو حیرت انگیز طاقت اس میں پائی جاتی ہے جاتی رہتی ہے۔ اور یہ امر واقعی عجیب ہے۔ نیز یہ بھی کہ گنگا جمنا کے قریب کے کسی کنوئیں کے پانی کو لے لیا جائے اس پانی میں ہیضہ کے کیڑوں اور دیگر مہلک بیماریوں کے جراثیم پرورش پانے کی بہت اہلیت ہوتی ہے۔ مگر ان دریاؤں کے پانی میں اتنی خرابی ملی رہنے کے باوجود کوئی مضرات نہیں پائی جاتی یعنی گنگا جمنا پاک دریا ہیں اور پاک ہی رہتے ہیں۔"

ڈاکٹر ڈی ہیرل (DR. D. HERELLE) ایک فرانسیسی طبیب نے بھی دریائے گنگا کی پراسرار خوبیوں کی بابت تحقیقات شروع کی تھی۔ اس نے دیکھا کہ پانی میں ہیضہ اور پیچش سے مرے ہوئے لوگوں کی لاشیں تیرتی پھرتی ہیں مگر پانی گندہ نہیں ہوتا۔ اس کا بیان ہے کہ:۔

"ہیضہ، ٹیفائڈ اور پیچش وغیرہ کے کروڑوں جراثیم پانی میں ان لاشوں کے چند فٹ نیچے پائے جانے چاہئیں مگر تحقیقات سے معلوم ہوا کہ گنگا کے پانی میں جراثیم کش ہونے کی ایسی زبردست طاقت ہے۔ یعنی جراثیم کا نام و نشان تک نہیں پایا جاتا۔ میں نے پیچش اور ہیضہ کے مریضوں کے جو انجکشن لگائے ان میں بھی دریا (گنگا) کا پانی آمیز کیا اور یہ دیکھ کر کس قدر حیرت ہوئی کہ ان بیماریوں کے جراثیم گنگا جل سے ہلاک ہو گئے۔"

ایک انگریز طبیب ڈاکٹر سی۔ ای۔ نیلسن ایف۔ آر۔ ایس۔ گنگا کے پانی کی بابت ایک اور حیرت انگیز بات بیان کرتے ہیں:۔

"دریائے گنگا میں گندگی کثرت سے دیکھی جاتی ہے۔ اس کے ایک دہانہ واقع ہگلی سے تازہ پانی پینے کیلئے کر جو جہاز کلکتہ سے ولایت کو روانہ ہوتے ہیں۔ آرام سے سفر کرتے ہیں کیونکہ گنگا کا پانی تمام راستہ صاف ستھرا اور پینے کے قابل رہتا ہے لیکن انگلستان سے جو جہاز چلتے ہیں انہیں تھوڑی مسافت طے کرنے کے بعد معلوم ہو جاتا ہے کہ لندن سے پینے کا جو پانی لیا تھا۔ وہ بمبئی پہنچنے سے پہلے خراب ہو گیا۔ بمبئی تو کلکتہ سے ایک ہفتہ قبل پہنچ جاتے ہیں۔ اگر یہ پانی کلکتہ تک پہنچتا تو بالکل ہی سڑ جاتا۔ انگلستان سے آنے والے جہازوں کو بندرگاہ نہر سویز یا عدن یا بحر احمر میں نیا پانی لینا پڑتا ہے۔ ورنہ پینے کا پانی نہ ملنے سے تکلیف ہو۔"

انگلستان، فرانس اور امریکہ کے ان سائنسدانوں اور ڈاکٹروں پر ہندوستان کی قدیم مذہبی روایات کا کوئی اثر نہیں ہے۔ اس لئے یہ نہیں کہا جا سکتا کہ ان کی رائے کسی اعتقاد کے تابع ہے بلکہ گنگا جمنا کے پانی کی تاثیر اور عقل میں نہ آنے والی قوت نے انہیں بھی مجبور کر دیا ہے کہ وہ ان پر اسرار اوصاف اور مافوق العادت کا اعتراف اپنی زبان سے کریں اس لحاظ سے یہ امر کچھ زیادہ تعجب انگیز نہیں کہ اہل ہند گنگا جمنا کے پانی کو پاک، پوتر اور پر اسرار روحانی طاقت سے لبریز کیوں سمجھتے ہیں۔ اور ان کے بزرگوں نے ان دریاؤں کی عظمت و طاقت کی بابت جو کچھ تعلیم و تلقین کی تھی وہ کس قدر پختہ بنیاد پر تھی جسے آج سائنس نے بھی مان لیا۔

ہندوستان کی آزادی کی راہ میں چند رکاوٹیں!

{از شریت راما نند چٹرجی، ایڈیٹر ماڈرن ریویو}

[ترجمہ خاص برائے تیج دہلی]

سیاسی خیال رکھنے والے تمام محب وطن ہندوستانیوں کو یہ فکر ہے کہ ہندوستان کب اور کس طرح آزاد ہوگا؟ بعض ہندوستانیوں کو اس بات کا یقین ہے کہ ہندوستان ضرور آزاد ہوگا اور بعض لوگوں کو یہ شک ہے کہ ہندوستان کبھی آزاد ہوگا بھی یا نہیں، ان کے علاوہ ایک طبقہ اُن لوگوں کا ہے جو بہت پیچھے ہیں، قطعاً غیر تعلیم یافتہ ہیں اور سیاسی خیالات سے اس قدر دور اور علیحدہ ہیں کہ وہ اپنے ملک کی آزادی اور غلامی میں کوئی امتیاز ہی نہیں کر سکتے، ہندوستانی آبادی کی ان مختلف جماعتوں کی تعداد معلوم کرنا ممکن نہیں لیکن اس میں کوئی شک نہیں کہ غیر تعلیم یافتہ عوام میں بھی جن کی تعداد ۹۰ فی صدی ہے، سیاسی بیداری رفتہ رفتہ پھیلتی جاتی ہے،

اگرچہ یہ کہنا ممکن نہیں کہ ہندوستان کب اور کیونکر آزاد ہوگا، لیکن یہ معلوم کرنا مشکل نہیں ہے کہ حصول آزادی کی راہ میں کیا کیا رکاوٹیں موجود ہیں۔ جب یہ رکاوٹیں دور ہو جائیں گی تو ہندوستان کو حکومت خود اختیاری حاصل ہو جائے گی۔

(۱) ہندوستانی اتفاق و اتحاد کی راہ میں جو رکاوٹ ہے وہ ہندوستانی آزادی کی راہ میں پہلی رکاوٹ ہے۔ ہندوستانیوں میں بہت سے فرقے ہیں اور ہر فرقہ کے درمیان بھی بے شمار تقسیمیں اور جماعتیں موجود ہیں اس سے مخالفین آزادی نے بڑا فائدہ اٹھایا ہے اور خیال کیا جاتا ہے ان فرقہ وارانہ اختلافات کے باعث ہندوستان حکومت خود اختیاری کے لائق نہیں ہے۔ لیکن متعدد دوسرے آزاد ممالک کی مثالیں یہ ثابت کرتی ہیں کہ یہ کوئی رکاوٹ نہیں ہے۔

سوویٹ روس میں تقریباً دو سو قوموں اور فرقوں کے لوگ رہتے ہیں، اور وہ بھی ایسے ہیں جو تمدن کی مختلف منزلوں میں ہیں۔ دنیا کے اس بڑے حصے میں جتنی زبانیں بولی جاتی ہیں اُن کی تعداد ہندوستان کی زبانوں سے زیادہ ہے۔ تمام مذاہب کے پیرو روس میں آباد ہیں۔ مگر یہ قومی، مذہبی، نسلی اور تمدنی اختلافات آزادی کی راہ میں رکاوٹ نہیں ہے۔ روس میں اس وقت بھی آزادی اور خود مختاری ہے۔

ولایات متحدہ امریکہ میں بھی ہندوستان سے زیادہ قومیں اور فرقے رہتے ہیں اور زبانیں بولی جاتی ہیں۔ ہندوستانیوں کے علاوہ جن میں تقریباً دو سو زبانیں رائج ہیں جنوبی اور وسطی امریکہ کی مختلف اقوام تمام یورپین قوموں کے افراد ایشیا افریقہ اور جزائر کے باشندے، امریکہ میں رہتے ہیں، اور مختلف مذاہب کے پیرو ہیں پھر بھی یہ ملک آزاد ہے۔

کناڈا کے متعلق جو ایک خود مختار ملک ہے تازہ ترین اعداد و شمار یہ بتلاتے ہیں کہ وہاں ۸۰ زبانیں بولی جاتی ہیں۔ ۵۳ قومیں اور ۹۰ مذاہب موجود ہیں اس ملک کی آبادی ایک کروڑ سے کچھ زیادہ نہیں ہے اور ہندوستان کی ۳۵ کروڑ ہے تاہم کناڈا آزاد ہے۔ اسی طرح بہت سے آزاد ممالک ہیں یہاں تک کہ خود برطانیہ میں بھی مختلف قومیں رہتی ہیں، مختلف مذاہب موجود ہیں۔ کبھی کبھی قومی اور مذہبی جھگڑے بھی ہوتے ہیں لیکن ان باتوں سے آزادی میں کوئی فرق نہیں آتا

(۲) دوسری چیز تعلیم کی کمی ہے جو ہندوستانی آزادی کی راہ میں رکاوٹ سمجھی جاتی ہے۔ لیکن دنیا میں ایک وقت ایسا بھی تھا جب سب لوگ غیر تعلیم یافتہ تھے، حکمرانی کرنے کے لئے تعلیم یافتہ لوگ مریخ سے یا کسی دوسرے ستارے سے نہیں لائے گئے تھے۔ تاریخ کہتی ہے کہ کسی زمانہ میں برطانیہ اور دوسرے یورپین ممالک ہندوستان ہی کی طرح غیر تعلیم یافتہ تھے۔ اور پھر بھی آزاد اور خود مختار تھے بہت سے چھوٹے چھوٹے آزاد ممالک کی پوری آبادی سے ہندوستان کے صرف تعلیم یافتہ لوگوں کی تعداد زیادہ ہے پھر یہ حکومت خود اختیاری کے لائق کیوں نہیں سمجھے جاتے مزید برآں اگر برطانی حکومت ایسا چاہتی تو ڈیڑھ سو سال کے دوران حکومت میں ہندوستان کے ہر فرد کو تعلیم یافتہ بنا دیتی جاپان اور سوویٹ روس وغیرہ تو صرف چند سال میں تعلیم یافتہ ہو گئے ہیں اس لئے ہندوستان کی آزادی کے خلاف یہ دلیل بھی غلط اور ناقابل اعتنا ہے

(۳) اس کے بعد بعض دوسری مگر متعاقباً زیادہ تقسیمیں ہیں جو آزادی کی راہ میں رکاوٹ بن گئی ہیں۔ مثلاً ہندوستان کے باشندوں کو جنگ آزما اور غیر جنگ آزما یعنی MARTIAL &

(اگلے صفحہ پر ملاحظہ فرمائیں)

{پچھلے صفحہ کا بقایا}

NON-MARTIAL قوموں میں تقسیم کر دیا گیا ہے دنیا کے کسی ملک میں اس طرح کی تقسیم رائج نہیں ہے ہندوستان ہی کو لیجئے تو اس کا کوئی صوبہ ایسا نہیں ہے جس نے جنگ آزما سپاہیوں اور فوجی نیتاؤں کو پیدا نہیں کیا ہو۔ اس نو ایجاد تقسیم نے اُن صوبوں اور جماعتوں کو جن پر غیر جنگ آزما ہونے کی تہمت لگا دی گئی ہے اکر دنیا دیا ہے۔ اور ان کو اپنے ملک کی حفاظت کرنے کے حق سے محروم کر دیا ہے۔ اگرچہ وہ جنگ آزما صوبوں کے برابر ٹیکس ادا کرتے ہیں تاہم وہ فوج میں شریک ہونے کے اقتصادی مفاد سے محروم ہیں اس لئے ہندوستانی حب الوطنی کا مطالبہ یہ ہے کہ فوج میں ان ما لوگوں کی بھرتی کی بجائے جو جسمانی حیثیت سے اس کام کے لائق ہوں۔ اور صوبوں اور جماعتوں کی یہ تقسیم مٹا دی جائے جب یہ ہو جائے گا تو حصول آزادی کی راہ میں یہ رکاوٹ بھی دور ہو جائے گی۔

(۴) ہندوستانی ریاستوں کے فرمانروا یہ چاہتے ہیں کہ فیڈریشن کے مرکزی لیجسلیچر میں ان کی تعداد آبادی کے تناسب سے زیادہ ان کو نشستیں مل جائیں۔ جب لوگ بھی اس نامنصفانہ خواہش سے باز آئیں گے اور برطانوی ہند کے صوبوں کے ساتھ برابر کے سلوک کا مطالبہ کریں گے تو ہندوستانی آزادی کی راہ میں یہ رکاوٹ بھی باقی نہیں رہے گی۔

(۵) مرکزی لیجسلیچر میں نشستوں کا تعین بھی صحیح نہیں ہے کیونکہ خیالی اہمیت اور غیر اہمیت کی بنا پر کسی صوبہ کو زیادہ اور کسی کو کم نشستیں دی جاتی ہیں۔ یہ مانٹیگو چیمسفورڈ اصلاحات کا ایک جزو ہے سوائے اس آئین میں بھی جو نئے گورنمنٹ آف انڈیا ایکٹ کے ذریعہ ہندوستان کے سر تھوپا گیا ہے برقرار رکھا گیا ہے۔ جب خود ہندوستان کے صوبے اس غیر مساویانہ سلوک کو ناپسند کریں گے اور تمام ہندوستانی صوبوں کے باشندوں کے ساتھ برابری اور خلوص کے برتاؤ کی اہمیت کو سمجھیں گے تو ہندوستانی آزادی کی راہ سے ایک دوسری رکاوٹ بھی دور ہو جائے گی۔

(۶) صوبوں کے درمیان آمدنی کو تقسیم کرنے میں بھی بعض کے ساتھ زیادہ فیاضانہ سلوک کیا گیا ہے اور بعض کے ساتھ ناانصافی برتی گئی ہے۔ اس لئے چند صوبوں کے باشندے خوش اور مطمئن نہیں ہیں۔ اور صدائے احتجاج بلند کر رہے ہیں۔ جب تمام صوبے مل کر اس ناانصافی کو دور کرنے کی کوشش کریں گے۔ تو حصول آزادی کی یہ رکاوٹ بھی جاتی رہے گی۔ اگر ہندوستان میں فیڈرل حکومت کی بجائے یونیٹری حکومت ہوتی تو یہ خرابی خود بخود دور ہو جاتی۔

(۷) موجودہ مانٹیگو چیمسفورڈ آئین میں جماعتوں اور مذہبی فرقوں کو دوسری جماعتوں اور مذہبی فرقوں کا مقابلہ میں ترجیح دیا گیا ہے۔ آئندہ آئین نے بھی اس مذہبی تفریق کو برقرار رکھا ہے۔ اور قومی، ملکی اتحاد کی راہ میں حائل ہے۔

ہندوستانی حب الوطنی کا مطالبہ یہ ہے کہ وہ لوگ جو اس طرح کی نامناسب عنایتوں اور بخششوں پر خوش ہیں ان کو قبول کرنے سے انکار کر دیں جب خاص سلوک کا سلسلہ ختم ہو جائے گا تو حصول آزادی کی راہ سے ایک سنگین رکاوٹ دور ہو جائے گی۔

(۸) پبلک ملازمتوں کا ایک معین حصہ اقلیتوں کے لئے ریزرو ہونا، قومی اور انتظامی اصول کے خلاف ہے اور اگر آبادی کی تعداد کے تناسب سے زیادہ حصہ کسی جماعت کو عطا کیا جائے تو وہ ترقی کے لئے سدِ راہ ہوتا ہے اور اصول انصاف کے بھی خلاف ہے۔ اسی لئے اس تقسیم کے خلاف ملک میں آوازیں اٹھائی جا رہی ہیں۔ لیکن جب خود اقلیتوں کی جماعت جو اس مخصوص سلوک سے بہرہ اندوز ہوتی اس کے خلاف صدائے احتجاج بلند کرے گی۔ اس طرح کی تقسیم کو ناجائز قرار دے گی۔ اور ان عنایتوں پر اپنے عمل اور خودداری کو ترجیح دے گی۔ تو ہندوستان کی حکومت اختیاری کی راہ سے یہ آخری رکاوٹ بھی دور ہو جائے گی۔

غرض یہ کہ جب صوبے، جماعتیں اور فرقے اس طرح کی تخصیصات و تحفظات کا خیال اٹھا دیں گے جو ملک کے اندر پھوٹ اور اختلاف کا باعث بنتے ہیں تو ہندوستان یقیناً آزادی کی راہ پر لگ جائے گا۔

ادبِ لطیف۔
رعنائی خیال

(مترجمہ:۔ آنند ی پرشاد مصرا مرادآبادی)

(خاص تیج ویکلی کے لئے)

جب میں گاؤں میں گھر گھر بھیک مانگنے گیا تھا تب تیری زرّین سواری ایک سہانے خواب کی طرح دور سے آتی ہوئی دکھائی دی۔ اور میں متعجب ہوا کہ یہ شہنشاہ کون ہے؟

میری امید وار میں اضافہ ہوا اور میں نے یہ تصور کر لیا کہ اب میری غریبی کے ایام کا اختتام پہونچا اور میں اس امید میں کھڑا ہو گیا کہ تو بے مانگے ہی مجھے بھیک دے گی۔

تیری جمیل سواری میرے پاس آ کر رک گئی اور تو نے مجھے محبت کی نظر سے دیکھا۔

پھر ایک لطیف تبسم کے ساتھ سواری سے اتر آیا میں سمجھا کہ میری دبی ہوئی قسمت کا ستارہ چمکا اس کے بعد دفعتہً تو نے اپنے داہنے ہاتھ کو میری جانب بڑھا کر کہا۔ تیرے پاس مجھے دینے کے لئے کیا ہے؟ میں گھبرا گیا اور جواب دے سکا کہ یہ عجیب شاہانہ استہزا ہے۔

اس کے بعد میں نے اپنی جھولی سے اناج کا سب سے چھوٹا دانہ نکالا اور اسے دیا۔ لیکن جب شام کو میں نے اپنی جھولی کو خالی کیا تو دانوں کے ڈھیر میں سونے کا ایک ریزہ ملا۔ اور میں رونے لگا کہ میں نے حقیقتاً کیوں نہ اپنا سب اس کو دے دیا۔ (از گیتانجلی)

مورخہ ۱۲ اپریل ۱۹۳۶ء بروز منگل وار

دنیا میں ریل گاڑیوں، دخانی جہازوں کے دور کے بعد اب جو ہوائی جہاز اور ریڈیو کا زمانہ آیا ہے تو فاصلہ کا لفظ غلط ہو گیا ہے۔ زمین ہو یا پانی اب دونوں کے راستے ہوائی جہازوں سے نہایت تیزی کے ساتھ بلکہ یوں کہنا چاہیئے کہ چشم زدن میں طے کر لئے جاتے ہیں! اور ریڈیو کے ذریعہ ہم ہزاروں میل کی باتیں گھر بیٹھے سن لیتے ہیں اب نہ شہروں اور ملکوں کے درمیان کوئی فاصلہ باقی رہا ہے اور نہ بڑے بڑے براعظم ایک دوسرے سے دور کہے جا سکتے ہیں گویا ساری دنیا اب ایک ہی شہر یا قصبہ بن کر رہ گئی ہے اور مختلف ممالک کی حیثیت قریب کے پڑوسیوں کی سی ہے۔ اس کا فطری نتیجہ یہ ہونا چاہیئے تھا کہ آپس میں خلوص و یگانگت کا رشتہ پیدا ہوتا دنیا کی قومیں ایک دوسرے سے بھائیوں یا پڑوسیوں جیسا سلوک کرتیں۔ ایک بین الاقوامی برادری قائم ہوتی۔ اور مشرق و مغرب کا امتیاز باقی نہ رہتا لیکن جو کچھ ہوا وہ اس کا بالکل برعکس نظر آتا ہے رنگ و نسل کے جھگڑے زیادہ شدت سے جاری ہیں فاصلہ کے خاتمے اور مقامات کی ظاہری نزدیکی نے قوموں میں بہت زیادہ دوری پیدا کر دی ہے۔ اور دنیا اس وقت ایک بدترین قسم کے ہیجان میں مبتلا ہے۔ آج بھی بقول ڈیارڈ کپلنگ "مشرق مشرق ہے اور مغرب مغرب ہے۔ یہ دونوں آپس میں کبھی نہیں مل سکتے"

ایسی حالت میں کون اس حقیقت سے انکار کر سکتا ہے کہ جس چیز کو مغربی تمدن کہتے ہیں ناکامیاب ثابت ہوا ہے اور اس نے نہ صرف یہ کہ دنیا کی حقیقی مسرتوں میں کوئی اضافہ نہیں کیا ہے بلکہ جسمانی عافیت کا تھوڑا سا سامان بہم پہنچا کر ذہنی اور دماغی آرام و سکون کو چھین لیا ہے۔ اسی حقیقت کو سوامی داس گپتا نے مسوری شام کے ایک پبلک جلسہ میں تقریر کرتے ہوئے واضح کیا ہے اور مغربی تمدن کی ناکامی کا سبب مندرجہ ذیل فقروں میں بیان کیا ہے۔ آپ کہتے ہیں کہ ہمیں اس سے انکار نہیں ہے کہ انسان کی دماغی طاقتیں ترقی کر گئی ہیں اور اس نے فطرت کی چند طاقتوں پر زیادہ تر قابو حاصل کر لیا ہے لیکن اس کے ساتھ ساتھ کیریکٹر یعنی اخلاق میں کوئی ترقی نہیں ہوئی ہے اور نہ نظر میں وسعت پیدا ہوئی ہے مادی حیثیت سے دنیا آگے بڑھ گئی ہے لیکن یہ اب تک اپنی روح کی تلاش میں ہے۔

یہی وہ "روح" ہے جو مغربی قوموں کو مشرق کے سوا اور کہیں نہیں مل سکتی۔ ان کا سائنس کہاں پتہ دے سکتا ہے۔ اور نہ جدید ترین انکشافات کے ذریعہ روحانی عظمت حاصل کی جا سکتی ہے سب جانتے ہیں کہ دنیا کو دائمی امن اور قلبی سکون کی ضرورت ہے لیکن سوال یہ ہے کہ یہ چیزیں آیا مغرب کی مادیت سے حاصل ہو سکتی ہیں یا مشرق کی روحانیت آج ہم دیکھتے ہیں کہ اس نئی روشنی کے زمانہ میں انصاف اپنی اصلی حیثیت میں باقی نہیں ہے۔ بلکہ موسائیٹی کی ہر دینی ضرورت کا دوسرا نام ہے رحم محبت اور خلوص کے جذبات مفقود ہو چکے ہیں۔ اور ان کی جگہ ظلم، عداوت اور خود غرضی نے لے لی ہے۔ حق کوئی چیز نہیں ہے۔ بلکہ طاقت کے مظاہرہ اور استعمال سے جو چیز حاصل ہو جائے وہی حق ہے۔ افراد، فرقوں اور جماعتوں کے علاوہ قوموں میں حرص۔ خود غرضی۔ بالا دستی اور جنگ و جدال کی اسپرٹ کام کر رہی ہے۔ تو پھر ان حالوں میں دنیا کے امن و سکون کا اہم ترین مسئلہ کیونکر حل کیا جائے؟

اس کا جواب بہت مشکل ہے ظاہری صورتوں میں اس کا کوئی حل نظر نہیں آتا۔ دنیا کی فضا خطرات سے لبریز ہے لیکن کوئی ہوشمند انسان یہ دیکھنا بھی پسند نہیں کرے گا کہ یہ دلکش اور خوبصورت دنیا اور اس کے وہ باشندے جو اشرف المخلوقات کہے جاتے ہیں تباہی اور ہلاکت کے شکار ہو جائیں۔ اور موجودہ روشنی ایک مایوس کن تاریکی میں تبدیل ہو جائے اس لئے ضرورت اس بات کی ہے کہ مشرق مغرب سے کچھ جدید علوم و فن سیکھے اور انتظامی قابلیت کا سبق لے اور مغرب مشرق سے سچائی۔ خلوص محبت اور روحانیت حاصل کرے سائینس کی ترقیوں کا اثر روح کی گہرائی تک نہیں پہنچا۔ مغرب ... کا طالب ہے لیکن ... اس کے پاس نہیں ہے ... اور دانائی دوسری چیز ہے۔ لیکن عقل سلیم کا درجہ اس سے کہیں زیادہ بلند ہے۔ دنیا کی زندگی کا نقشہ خواہ کسی صورت سے مرتب کیا جائے اور انسان کی مادی ضروریات کی فہرست خواہ کتنی ہی مکمل ہو تاہم غیر محدود ... حوادث سے نجات نہیں حاصل کی جا سکتی ... مطالبات کو خاموش کیا جا سکتا ہے ... سائنٹفک تحقیقات کے ذریعہ جو کچھ دنیا کو دیا ہے اس کی ... کم نہیں ہے صحیح استعمال سے تمام چیزیں ... ثابت ہو سکتی ہیں اور انسانی زندگی کو خوش گوار بنا سکتی ہیں۔ لیکن اخلاق و محبت کے بغیر بھی ہم سکون و مسرت کی زندگی بسر نہیں کر سکتے۔ مشرق و مغرب میں ایک دوسرے سے مستفید ہونے کے ... عناصر موجود ہیں۔ لیکن اگر مغرب والے اپنی خودی اور خود پسندی کے زعم میں اپنی خیالی فوقیت اور برتری کے COMPLEX میں مبتلا رہے تو دنیا کو بہت جلد اپنی حالت پر افسوس کرنا ہوگا۔

رات کو پرواز کرنے میں جاپانیوں کی سہولتیں

جاپان کے ہوائی راستوں پر رات کو پرواز کرنے کیلئے چند جدید سہولتیں بہم پہونچائی جا رہی ہیں۔ ان میں ایک خاص قسم کی روشنی کے منار ہیں جو پرواز کے راستہ پر اہم مقامات پر جابجا تعمیر کئے جا رہے ہیں یہ روشنی کے معمولی ہوائی منارے نہیں ہیں جیسے کہ عام طور پر ہوائی سٹیشنوں پر ہوتے ہیں۔ بلکہ مختلف مقامات اور ہوائی جہازوں کی مختلف پوزیشن کے اعتبار سے ان کی روشنی میں بجلی کی طرح ایک خاص قسم کی تیز چمک پیدا ہوتی ہے۔ اور اس کے ذریعہ طیاروں کو یہ معلوم ہو جاتا ہے کہ وہ کس جگہ پر ہیں اور صحیح راستہ پر پرواز کر رہے ہیں یا نہیں۔ اس طرح کے متعدد برقی منارے کراچی اور کلکتہ کے درمیان زیر تعمیر ہیں، جن کی روشنی کی تیزی اٹھارہ لاکھ موم کی بتیوں کے برابر ہوگی۔ ان مناروں کا عمل بھی آٹومیٹک ہوگا یعنی ایک برقی گھڑی کی امداد سے یہ خود بخود اپنے وقت پر روشن ہو جائیں گے۔ اور بجھ جائیں گے اور اگر کوئی لیمپ خراب ہو جائے گا تو خود بخود دوسرا لیمپ اس کی جگہ پر کام کرنے لگے گا امید کی جاتی ہے کہ یہ جدید منارے رات کی پرواز کے لئے بہت مفید ثابت ہوں گے اور رات کو پرواز کرنے کے باعث ہندوستان کے اندر بھی ہوائی سفر بہت جلد طے ہو جایا کرے گا۔

اینگلو انڈین ملازموں کی شرح تنخواہ!

سر ہنری گڈنی کو اس بات کی بڑی فکر لاحق ہو گئی ہے کہ چونکہ ریلوے اور ڈاک و تار کے محکموں میں شرح تنخواہ میں کسی قدر تخفیف کر دی گئی ہے اس لئے اینگلو انڈین طبقہ کے افراد ان ملازمتوں کے خواہشمند نہیں رہے ہیں، آپ کہتے ہیں کہ یہ وہ "بنیادی محکمے" ہیں جو اینگلو انڈین لوگوں کے لئے خاص اہمیت رکھتے ہیں اور ان کی شرح تنخواہ میں تخفیف کر دینا گویا ان تمام تحفظات کا خاتمہ کر دینا ہے جو اینگلو انڈین طبقہ کے حقوق کے معاملہ میں سر ہنری گڈنی کا خیال ہے کہ چونکہ برطانی پارلیمنٹ نے آئینی ایکٹ کے رو سے یورپین ملازموں کی تنخواہوں کی ذمہ داری لے لی ہے اس لئے اینگلو انڈین ملازموں کی تنخواہ کی ذمہ داری بھی اسی پر عائد ہوتی ہے۔ اس بیان کے ساتھ ساتھ ایک دھمکی بھی ہے کہ اس مقصد کے حصول کے لئے وہ انتہائی حدود تک جانے کے لئے تیار ہیں، بہت ممکن ہے کہ سر ہنری اور اسی طرح کے بعض دوسرے سربرآوردہ اینگلو انڈین حضرات نے ریلوے کے اینگلو انڈین ملازموں کیلئے کوئی جداگانہ شرح تنخواہ معین کر دی ہو مگر اس سے یہ معلوم ہوگا کہ جدید آئین کے مخصوص اختیارات کن کن کاموں کے لئے استعمال کئے جائیں گے، ابھی تو آئین نافذ بھی نہیں ہوا ہے مگر اس کے مستقبل کا رنگ جھلک ... رہا ہے۔

اخبارات پر ڈاک کا محصول

پچھلے دنوں ایک کتابچہ کے مطالعہ سے یہ معلوم ہوا کہ جاپان میں اخبارات پر ڈاک کا محصول نصف "سین" ہے مشہور جاپانی سکہ "ین" ایک سو "سین" کے برابر ہوتا ہے "ین" اس وقت ہندوستان کے بارہ آنے کے برابر ہے اس لئے ایک "سین" نصف پیسہ یعنی ڈیڑھ پائی کے برابر اور نصف سین چوتھائی پیسہ یعنی ¾ پائی کے برابر ہوا اس پر ہمیں مسٹر بیوورکا بیان یاد آیا جنھوں نے پچھلے دنوں اسمبلی میں فنانس بل کے سلسلہ میں مسٹر ... کے سوال کا جواب دیتے ہوئے کہا تھا کہ اگر ایک پیسہ میں آٹھ تولہ کی بجائے دس تولہ کا اخبار بھیجا جا سکے گا تو حکومت کو اس سے ..۴۰،۰۰ روپیہ کا نقصان ہوگا اور اخبارات پر محصول ڈاک کی یہ شرح دوسرے ممالک کے مقابلہ میں (باقی صفحہ ... پر دیکھئے)

آئینہ خیال

انگلستان کا اخبار "ڈیلی ٹیلیگراف" اس خبر کا ذمہ دار ہے کہ ہندوستان کی وائسرائنس، مدتوں کا مل طور سے حصہ لینے کے لئے لیڈی لنلتھگو نے "دی بیٹ بینڈ" کے ایک ایسے ہی سوس کی دوکان میں آئینہ کے سامنے ایک سو گھنٹے صرف کئے ہیں اور لیڈی لنلتھگو کے ملبوسات کو درست کرنے میں کامل پانچ ماہ کا وقت صرف ہوا ہے۔

کیا یہ دلچسپ خبر کسی تبصرہ کی محتاج ہے؟

صدر آل انڈیا مسلم لیگ سر وزیر حسن نے اپنے خطبۂ صدارت میں کہا ہے کہ اب "آل انڈیا مسلم کانفرنس" کے وجود کی ضرورت باقی نہیں ہے۔

لیکن گذشتہ اجلاس میں آل انڈیا مسلم کانفرنس والوں نے بھی یہ کہا تھا کہ اب مسلم لیگ ہی کی ضرورت باقی نہیں ہے

تو کیا اس کا مطلب یہ سمجھا جائے کہ دونوں کا وجود بے کار ہو چکا ہے

اسی تقریر میں سر وزیر حسن نے یہ بھی کہا ہے کہ مسلمانوں کا مقصد بھی یہی ہے کہ مادر وطن کے لئے ذمہ دارانہ حکومت حاصل کی جائے۔ اور بنیادی اصولوں میں انڈین نیشنل کانگریس کا مقصد بھی یہی ہے

اس انکشاف سے یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ جب مسلم لیگ اور کانگریس دونوں کا مقصد ایک ہی ہے تو کیا سر وزیر حسن کانگریس میں شامل ہونے کے لئے تیار ہیں؟

برٹش الاؤنس کو شکایت ہے کہ پچھلے دنوں عام برطانوی مظاہروں میں اٹلی کو نظر انداز کر دیا گیا ہے۔

جہاں تک ہمارا خیال ہے حبشی نمائندے کو بھی یہی شکایت ہے۔

مسٹر اٹلی اس بات پر زور دیتے ہیں کہ دنیا میں جا.. کی ہمیں جلد سے جلد کچھ رفت و نیا کرنی چاہئے۔

مگر سوال یہ ہے کہ یہ گفت و شنید جاپانیوں اور اطالویوں سے کی جائے گی؟

حبشی نمائندے نے یہ شکایت پیش کی ہے کہ لیگ آف نیشنز نے مظلوم فریق اور جارحانہ حملہ کرنے والے فریق میں کوئی امتیاز نہیں کیا۔

اسے تو لیگ کی "غیر جانبداری" پر خوش ہونا چاہئے کہ اس نے جارحانہ حملہ کرنے والے فریق کو انعا.. سے سرفراز نہیں کیا۔

پچھلے صفحہ سے!

.. جاپانی اخبارات پر ڈاک محصول کی جو شرح ایک پیسہ بیان کی گئی ہے اس سے مسٹر بیودور کے بیان کی صاف تردید ہوتی ہے۔ کیونکہ ہندوستان میں کم از کم محصول ایک پیسہ یعنی تین پائی ہے اور جاپان میں ایک پائی کا چھٹا حصہ ہے

کسانوں کو ایک دلچسپ نصیحت

پنجاب میں دیہاتوں کی ترقی کے کمشنر مسٹر ایف۔ ایل برین نے فیروز پور کے کاشتکاروں اور باشندگان دیہات کے ایک مجمع میں تقریر کرتے ہوئے کہا ہے کہ دیہات کے لوگ کاہل ہوتے ہیں اور موسم سرما میں ہر صبح کو آگ کے ارد گرد بیٹھ کر دو تین گھنٹے ضائع کر دیتے ہیں۔ انہوں نے اس کی شکایت بھی کی کہ لوگوں میں ترقی کے لئے مسلسل محنت کرنے کی عادت نہیں پائی جاتی۔ ایک اینگلو انڈین معاصر نے اس پر تبصرہ کرتے ہوئے اتفاق رائے کا اظہار کیا ہے۔ وہ کہتا ہے کہ دیہاتوں کی ترقی کی راہ میں صرف یہی ایک رکاوٹ ہے کہ دیہاتیوں میں کوشش اور محنت سے ترقی کرنے کی خواہش نہیں ہے جو لوگ ہندوستان اور خصوصاً پنجاب کے محنتی اور مفلس کاشتکاروں کی حالت سے واقف ہیں وہ خود بخود ان بیانات کی تردید کر سکتے ہیں۔ سوال یہ نہیں ہے کہ پنجاب کا کسان کپکپاتی ہوئی سردی کو دور کرنے کے لئے صبح کو گھنٹہ دو گھنٹہ آگ کے پاس بیٹھتا ہے بلکہ یہ کہ اگر کسی شخص کے پاس پہننے کو گرم کپڑے نہ ہوں اور افلاس نے اس کی جسمانی صحت کو ضروری مضبوطی اور طاقت سے محروم کر دیا ہو تو وہ علی الصبح آگ سے اپنے جسم کو سینکے بغیر دن کا کام کیونکر شروع کرے!

شہد کے فوائد!

مشہور ماہر صحت ڈاکٹر ہیرس وہائٹ نے اپنے ایک گرانمایہ مضمون میں شہد کے فوائد پر روشنی ڈالی ہے۔ صحت اور امراض کے سلسلہ میں شہد کے فائدے بے شمار ہیں جن میں سے چند یہ ہیں کہ شہد کا استعمال انسان کو تندرست و توانا رکھتا ہے! اعصابی کمزوریوں کو دور کرتا ہے اور تلی کے پتے کے مرض کے ساتھ ملا کر کھانسی اور زکام میں بہت مفید ثابت ہوتا ہے۔ شہد ملین ہے اور جسم میں طاقت و حرارت بھی پیدا کرتا ہے اس سے پھوڑے پھنسیاں اور چپ، دیگر قسم کے زخم اچھے ہو جاتے ہیں۔ مگر سب سے بڑی مصیبت یہ ہے کہ بازاروں میں خالص شہد دستیاب نہیں ہوتا ضرورت اس کی ہے کہ شہد کی مکھیوں کو پالنے اور شہد پیدا کرنے کی صنعت کو زیادہ سے زیادہ ترقی دی جائے

دہلی یونیورسٹی میں ہومیوپیتھی کی تعلیم!

ہومیوپیتھی طریق علاج کے موجد ڈاکٹر ہانیمان کی ..اسالہ برسی کے موقع پر دہلی یونیورسٹی میں یہ تجویز پیش کی گئی ہے کہ ہومیوپیتھی کی تعلیم بھی یونیورسٹی کے موضوعات میں داخل کر لی جائے اور غالباً یونیورسٹی کے وائس چانسلر نے اس پر غور کرنے کا وعدہ بھی کیا ہے اس میں شک نہیں کہ جس طرح ایلوپیتھی۔ یونانی اور ویدک طریقہ علاج ہندوستان میں جاری ہے اسی طرح ہومیوپیتھی نے بھی اپنا قدم جما لیا ہے اور حکومت یا پبلک اداروں سے کسی طرح کی حوصلہ افزائی کے بغیر بھی ہومیوپیتھی طریقہ علاج ہر شہر اور ہر قصبہ میں جاری ہے۔ اور بہت سے لوگ اس کے معتقد ہیں اور علاج سے فائدہ اٹھاتے ہیں لیکن چونکہ ہومیوپیتھی کی تعلیم کے لئے کوئی سرکاری انتظام موجود نہیں ہے اور نہ بڑے مستند کالج ہی موجود ہیں اس لئے بعض چھوٹے چھوٹے ڈاکٹروں نے اس کی تعلیم کا سلسلہ جاری رکھا ہے۔ اور بعض ایسے نقلی "کالج" قائم ہو گئے ہیں جو تھوڑی سی رقم کے عوض ہومیوپیتھی کے ڈاکٹر ہونے کی ڈگریاں دیا کرتے ہیں۔ اگر ہندوستان کی یونیورسٹیاں اپنے موضوعات میں ہومیوپیتھی کو شامل کریں گی اور اس طریقہ علاج کی تعلیم دیں گی تو ان مریضوں کو جو اسی علاج کے معتقد ہیں۔ کم از کم اتنا اطمینان تو حاصل ہوگا کہ ان کی زندگیاں ماہر معالجوں کے ہاتھ میں ہیں اور "نیم حکیم خطرۂ جان" کا بھی تجربہ ان کو حاصل نہیں ہوگا۔

حضرت مسیح اور مسیحیت!

حبش کے "آرچ بشپ" یعنی مفتی اعظم نے مسیحی دنیا کے تمام بڑے پادریوں کو "ایسٹر" کے تہوار کے موقع پر پیغام بھیجا ہے کہ وہ اٹلی کے جارحانہ حملہ کے خلاف اپنا اثر استعمال کریں، لیکن غالباً حبش کے آرچ بشپ کو یہ معلوم نہیں ہے کہ حضرت مسیح نے جس عدم تشدد کی تعلیم دی تھی آج یورپین ممالک کی مسیحیت میں اس کا نام و نشان بھی نہیں ملتا۔ غالباً ایسٹر کے تہوار کے موقعہ پر یورپ میں بہت کم ایسے عیسائی ہونگے جنہوں نے حضرت مسیح اور ان کی تعلیم کو یاد کیا ہو بلکہ سب لوگوں نے تفریحات اور خوشیوں میں یہ موقعہ گزار دیا۔ یورپ کی موجودہ مسیحیت کا تو یہ حال ہے کہ ایسٹر کے روز بھی عیسائی اٹلی نے عیسائی حبش پر بمباری جاری رکھی!

چٹکیاں

سب کو معلوم ہے کہ جانے والے وائسرائے کی بیوی لیڈی ولنگڈن کا پسندیدہ رنگ بیگنی تھا۔ اب سننے میں آیا ہے کہ آنے والے وائسرائے کی بیوی لیڈی لنلتھگو کا پسندیدہ رنگ گلابی ہے

جب لارڈ ولنگڈن نے وائسرائے کے عہدے کا چارج لیا تھا تو ان کی اسپیشل ٹرین کو بیگنی رنگ میں آراستہ کرنے کے لئے ساٹھ ہزار روپیہ کی رقم خرچ کی گئی تھی۔ امید کی جاتی ہے کہ "بلا کمشٹ" سفر کرنے والے مسافروں کے لئے ایسی کوئی رقم دوبارہ صرف نہیں کی جائے گی۔

سر ہنری کریک نے اسمبلی کو یقین دلایا تھا کہ نظر بندوں کی تعداد میں مستقل کمی ہوتی جا رہی ہے۔

لیکن سبھاش بابو کی گرفتاری سے ایک اضافہ ہو گیا ہے۔

لارڈ مینس فیلڈ نے دارالامراء میں کہا ہے کہ ہندوستان کے سردار سیاست دانوں کو قانون انتخاب میں اصلاح کی کوشش کرنی چاہئے۔

ہندوستان کے ذمہ دار سیاست دان خود گورنمنٹ آف انڈیا ایکٹ ہی کو بدل دینے کی کوشش کریں گے۔

سر اے۔ ایچ۔ غزنوی کہتے ہیں کہ وائسرائے کی تقریر نے میرے دماغ پر ایک خوشگوار اثر چھوڑا ہے۔

اس میں کسی کو شک نہیں

لندن کا اخبار "ڈیلی میل" یہ سرخیاں دیتا ہے۔

روح کی آواز

"دوبارہ مسلح ہو جاؤ!"

معلوم ہوتا ہے کہ برطانوی پریس کا اب کوئی فرضی نامہ نگار نہیں رہا۔ اس لئے "روح کی آواز" سے امداد لینے کی ضرورت پڑ رہی ہے۔

لکھنؤ کانگریس کے پبلسٹی ڈیپارٹمنٹ کا اخبار نادیز مبارکباد دیتا ہے کہ کانگریس کے اجلاس میں لاؤڈ سپیکر لگا دئے گئے تھے

تو کیا ان لاؤڈ سپیکروں کی آواز اتنی بلند تھی کہ نادیز کے دفتر میں سنی جا سکے؟

ایک امریکن مصنف کہتا ہے کہ برطانیہ کے باشندے ہفتہ میں ۴ دن تک آف انگلینڈ کی پوجا کرتے ہیں اور ساتویں روز گرجا گھر جاتے ہیں۔

ایک انگریز اخبار نویس اس کا جواب دیتا ہے کہ یہ صحیح نہیں ہے

ہم بھی اس سے متفق ہیں۔

میں چاند تک جا رہا ہوں!

انسان سرزمین ماہ میں جا کر کیا دیکھے گا؟

ڈاکٹر پیری رروائیڈ مشہور سائینس داں کے قلم سے
BY. (DR. PIERE ROID)

ترجمہ خاص برائے تیغ ویکلی دہلی

دنیا کے پانچ چھ ممالک میں اس وقت سائینسداں اس کوشش میں لگے ہوئے ہیں کہ کس طرح چاند میں پہنچا جائے! ماسکو (روس) شکاگو (امریکہ) پیرس (فرانس) سان فرانسسکو (امریکہ) اور مانچسٹر (انگلستان) کے سائینسدانوں کے ہاں جا کر ان کے کارخانوں میں میں نے ایسے فضائی طیارے اور ہوائیاں بنتی ہوئی دیکھی ہیں جو چاند تک پہنچنے کے لئے بنائی جا رہی ہیں۔

اس وقت تک چاند تک رسائی ناممکن تصور کی جاتی ہے اور جولس ورن اور ایچ جی ویلز جیسے فسانہ نویسوں کی دماغی پرواز اور خیالی قصوں تک ہی اس پر یقین کیا جاتا ہے لیکن حقیقت کے طور پر ابھی اسے کوئی ماننے کے لئے تیار نہیں ہے۔ لیکن واقعہ یہ ہے کہ سائنس کا ہر کرشمہ اور قدرت پر فتح مندی کی ہر کوشش کامیابی سے پہلے ناممکن ہی معلوم ہوتی ہے۔ سنہ ۱۹۰۰ء میں ریڈیو کا امکان اور ۴۰۰ میل فی گھنٹہ کی رفتار کا ہوائی طیارہ ایجاد کرنا بھی ناممکن ہی معلوم ہوتا تھا۔ مگر اب یہ چیزیں اس قدر عام ہو چکی ہیں کہ کوئی توجہ بھی نہیں کرتا۔

جب لاسلکی ایجاد نہیں ہوئی تھی تو قدامت پسند لوگ کہا کرتے تھے "حماقت ہے! بالکل فضول خیال ہے، ناممکن ہے ایسا ہرگز نہیں ہو سکتا"

لاسلکی پر ہنسنے والے لوگ اس وقت ۲۰ سال کے تھے۔ لیکن پچاس سال کی عمر تک نہ پہنچنے پائے تھے کہ ان کی آنکھوں نے لاسلکی کا وجود دیکھ لیا اور ان کی حقارت آمیز اور مضحکہ خیز اعتراضی قوت فنا ہو گئی۔ اب انہیں لاسلکی (وائرلیس) کی مشینوں اور آلات کو درست کرنے اور انہیں مکمل حالت پر لانے کے لئے جس طرح دن رات کوششیں کی گئیں اور اس میں دیر لگی اسی طرح چاند تک پہنچنے کی کوششوں کو بھی ایک مکمل ضابطہ میں لانے کی کوشش کی جا رہی ہے، جونہی سائینٹفک طریقے تکمیل کو پہنچے مقصود حاصل ہو جائیگا

گزشتہ ہفتہ میں نے ایک فرانسیسی سائینس داں کی تجربہ گاہ میں چند گھنٹے اسی سلسلہ میں گزارے، وہاں ایک عجیب و غریب دھات دیکھی، بہت چمکیلی، اس دھات سے ایک مشین بنائی گئی ہے بظاہر توپ کے لمبوترے گولہ کی طرح بنائی گئی ہے اور دور سے توپ کا گولہ معلوم ہوتی ہے۔ لیکن یہ حقیقت نہیں ہے یہ چیز کسی جنگ میں کام نہیں آئے گی۔ میں آپ کو بتاؤں یہ کیا ہے؟

یہ ایک خفیہ طریقہ سے بنائی ہوئی دھات ہے جس میں کئی دھاتیں ملی ہوئی ہیں جس کا نسخہ صرف سائینس دانوں کو معلوم ہے۔ یہ المونیم سے بھی زیادہ ہلکی ہے اور اس قدر سخت اجزاء سے مرکب ہے کہ توپ خواہ کتنی ہی طاقتور اس پر چھوڑی جائے اس کے اجزاء کو منتشر نہیں کر سکتی۔ اس دھات سے ایک ہوائی تیار کی گئی ہے جو انسان کو چاند تک لے جائے گی۔ اس دھات کی ہوائی میں چھ گول کھڑکیاں بیرونی منظر دیکھنے کے لئے بنائی گئی ہیں۔ ان کھڑکیوں پر شیشہ کی وضع کا کوئی چیز منڈھی ہوئی ہے میں نے اسے توڑنے کی کوشش کی گر وہ عجیب و غریب چیز ہے یعنی ضرب سے ٹوٹتی نہیں شاید سلولائیڈ کی چیز ہے گر وہ آتشگیر ہے اس لئے اسے تو استعمال نہیں کیا جاتا کوئی اور مسالہ ایجاد کیا گیا ہے۔ بظاہر چقماق اور کچے لوہے کے ذرات سے ملا کر کوئی چیز تیار کی گئی ہے۔ اس ہوائی کے اندر انسان کے رہنے کا سامان اور جگہ نکالی اور بنائی گئی ہے الماریاں، غسل خانے۔ سامان اور اوزار رکھنے کے تختے، بیٹھنے کی جگہ۔ سونے کا چبوترہ، اسلحہ رکھنے کے لئے، سٹینڈ پانی کا خزانہ غرض ہر قسم کے آرام اور حفاظت کے لئے ضروری سے ضروری گنجائشیں نکال لی گئی ہیں

یہ مشین ابھی نمونہ کے طور پر تیار کی جا رہی ہے اور تکمیل میں بہت سی چیزیں باقی ہیں لیکن میرا خیال ہے کہ میں نے چاند تک جانے کے لئے اس سے بہتر کوئی اور مشین نہیں دیکھی!

یہ "ہوائی" ایک بہت بڑی توپ میں رکھ کر فضا میں چھوڑ دی جائے گی۔ لیکن سوال یہ درپیش ہے کہ ۶۰ میل فی منٹ کی تیز رفتار پر چلنے سے اس مشین میں آگ تو نہیں لگ جائے گی! اور یہ کہ جب یہ مشین توپ میں سے چھوڑی جائے گی تو اس کی جو ضرب اور جھٹکا ہوگا اسے بھی برداشت کیا جا سکے گا یا نہیں ——!

ان دونوں نقائص کو دور کرنے کے لئے بھی حفاظتی انتظامات کئے گئے ہیں جو میں نے دیکھے مثلاً یہ کہ تیز حرارت اور آگ لگنے کے خطرہ سے بچنے کے لئے اس کے گرد پانی سے بھری ہوئی ایک ٹنکی چلا کریگی اور ادھر ادھر مچھلی کے سے پر لگائے جائیں گے جو حرارت کو روکے رہیں گے۔ ایک بہت طویل توپ میں مختلف قسم کی گیسیں بھری جائیں گی جو اس طیارہ کو بہت آسانی کے ساتھ باہر پھینک دیں گی۔ اور جنبش اور ضرب کا سارا اثر گیسوں میں جذب ہو جائے گا۔ اور طیارہ پر کوئی ناگوار جھٹکا نہیں پہنچے گا۔ اور یہ خطرہ بھی اس طرح دور کر دیا جائے گا!

تیسرا اہم مسئلہ خرچ کا ہے۔ میرے فرانسیسی سائینسداں دوست کا خیال ہے کہ توپ اور مطلوبہ طیارہ جو توپ میں سے چھوڑا جائے گا، بنانے کے لئے کم از کم ایک کروڑ روپے کی سخت ضرورت ہے۔

سمندروں کی تہ جاننے اور پانی کے اسرار معلوم کرنے کے لئے لوگ گئے تھے مگر پراسرار طریقہ پر غائب ہو گئے قطب شمالی کے برفانی علاقوں میں جہاں صرف ریڈیم سے زندہ رہا جا سکتا ہے لوگ گئے تھے مگر لاپتہ ہیں۔ اسی طرح چاند کی سیر کا جنون بھی اپنی قیمت لیگا۔ اور ابھی تک انجام نامعلوم ہے کہ چاند تک جانا اور وہاں جا کر زندہ رہنا اور واپس آ کر کچھ بیان کرنا ممکن ہے یا ناممکن ہے اور ان تمام کوششوں کا انجام کیا ہوگا؟

گزشتہ سال میں بحر الکاہل کے ایک ساحلی مقام پر چاند کی سیر دوربین سے کر رہا تھا یہ دوربین بہت قوی ہے۔ اس نے چاند کو ہماری زمین کے بہت ہی نزدیک کر دیا تھا یعنی صرف ۱۰۰ میل کے فاصلہ پر۔ چاند اس وقت ۲۴۰۰۰۰ میل کے فاصلہ پر ہے۔ لیکن دنیا کی بڑی بڑی دوربینیں چاند کو زمین کے قریب تر لانے کی کوشش کرتی رہتی ہیں۔ سب سے پہلے گلیلو نے دوربین ایجاد کی تھی اور چاند کو دس ہزار میل کے فاصلہ پر لا کر دکھا رہا تھا۔ مگر سائینسدانوں کی کوششیں برابر جاری ہیں، سو میل تک چاند کو لایا جا سکا ہے۔ اور اب اتنی بڑی اور طاقتور دوربین بنائی جا رہی ہے جو چاند کو (جو فضائے آسمانی میں ہمارا قریب ترین پڑوسی ہے) ہم سے صرف پچاس میل کے فاصلہ پر لا کر کھڑا کر دیگی۔

جس وقت طیارہ چاند کی طرف تیزی سے بڑھ رہا ہوگا ان دوربینوں کی مدد سے اس کی رفتار کو انسان اپنی آنکھ سے دیکھے گا!

چاند کا جو حصہ ہماری نظروں کے سامنے ہے اس کی بابت کافی معلومات انسان کو حاصل ہو چکی ہیں یہ تو قطعی یقینی ہے کہ اس خشک اور اجاڑ سرزمین پر آکسیجن نہیں ہے اس لئے "آواز" پیدا نہیں ہو سکتی چونکہ ہوا کی لہریں نہیں ہیں اس لئے آواز پیدا نہیں ہوتی۔ اور اس وجہ سے چاند ایک خشک۔ مردہ۔ خاموش اور سنسان سرزمین ہے۔ بھیانک اور ڈراؤنی۔ خاموشی کی لبریز سکوت موت!

چونکہ چاند میں کشش کی قوت کم ہے اس لئے تیس چالیس فٹ بلندی تک فضا میں اچھل جانا اور چھلانگیں مارنا بالکل معمولی بات ہوگی۔

کھلنے بند ہونے والی مختصر سفری ہوائی جہاز چاند میں لے جانے کی کوئی ضرورت نہ ہوگی، کیونکہ وہاں "ہوا" نہیں ہے۔ جو ہوائی جہاز کی پرواز کا انتظام کریگے۔ ہاں پانی میں نہلانے کے سوٹ پہن کر سرزمین چاند کی دیکھ بھال کرنے کی ضرورت ہوگی!!! چاند میں پہنچ کر کیا نظارے دیکھیں گے ——! سنیئے اس کی حیرت انگیز داستان، دیکھئے اس کا عجیب و غریب نقشہ! آپ تصویر حیرت بنجائیں گے چاند کا ایک روز زمین کے چودہ روز کی برابر ہوگا۔ اور اس طویل عرصہ کو آپ ایک روز سمجھیں گے۔ کیونکہ آپ چاند میں ہیں —— ایک سیاہ پوش آسمان اور تاریک افق پر چمکتا ہوا سورج دکھائی دیگا جو پورے دن تک (یعنی زمین کے چودہ روز کی مدت تک) آپ کے سامنے جگمگاتا دکھائی دیگا۔ آفتاب غروب ہوتا دکھائی دیگا۔ مگر بے رنگ۔ چاند میں رہ کر آپ کی نظریں غروب آفتاب کی رنگینیوں کو نہیں دیکھ سکیں گی غروب آفتاب کا عمل پورے ۲۴ گھنٹہ تک جاری رہے گا۔

چاند کی رات (ہماری زمین کے حساب سے پورے چودہ روز کا طویل وقفہ) برف کی سردی سے زیادہ سرد اور بے انتہا خنک رات ہوگی جس کے تصور سے انسان لرز جاتا ہے۔ یہ رات اتنی طویل رات، اس قدر خنک اور منجمد کر دینے والی رات ہم کو چاند کے پہلے تجربات میں سمجھ لینی چاہیئے۔ اگر مصنوعی آلات و اشیائے چاند کی خنکی کو دور کرنے کے لئے ہم سامان اپنے ساتھ نہ لے گئے تو اس

(باقی صفحہ ۳۸ پر)

تلسی داس

(مشہور قوم پرست لیڈر شریت پنڈت نیکی رام شرما کے قلم سے)

(ہندی کے مشہور شاعر گوسوامی تلسی داس کے متعلق جن کی رامائن گھر گھر میں پڑھی جاتی ہے، یہ مضمون نہایت دلچسپی کے ساتھ پڑھا جائے گا۔ ایڈیٹر)

گوسوامی تلسی داس جی کا جنم سمت ۱۵۸۹ میں ہوا تھا اور ان کا سمت ۱۶۸۰ میں دیہانت ہوا۔ اس طرح انھوں نے پورے اکیانوے سال کی عمر پائی۔ ان کا کافی عرصہ دیہانت ہوا تھا۔ اس واقعہ کو آج ۳۱۲ سال ہو چکے۔ کافی عرصہ گزر گیا۔ لیکن ایشور بھگتی اور شاعری کی وجہ سے ان کا نام آج بھی زبان پر موجود ہے۔ تلسی داس جی نے چھوٹی بڑی کل ۱۲ کتابیں لکھیں۔ ان کی لکھی ہوئی ساری کتابیں اچھی اور مفید ہیں لیکن ان کی لکھی ہوئی رامائن ان کی بہترین تصنیف ہے۔

بہار، یو۔پی، راجپوتانہ اور پنجاب ان صوبوں میں تو گاؤں گاؤں میں رامائن پڑھی جاتی ہے۔ گھر گھر میں رامائن کا پرچار ہے لیکن ہندوستان کے باقی صوبوں میں بھی رامائن کا کافی پرچار ہے۔ ہر سال رامائن کی لاکھوں کاپیاں چھاپہ خانوں میں چھپتی اور بکتی ہیں۔ سمندر پار کے ملکوں میں جہاں ہندوستانی بستے ہیں وہاں بھی رامائن کا خوب پرچار ہے۔ اگر میں یہ کہوں کہ تلسی داس کی رامائن سے زیادہ اور کسی کتاب کا پرچار نہیں ہے تو اس میں ذرا بھی مبالغہ نہیں ہوگا۔

یہ رامائن کب اور کیسے لکھی گئی اور اس کی خاص تعریف کیا ہے؟ میرا خیال ہے کہ آپ یہ جاننے کے خواہشمند ہوں گے لیکن اس سے پہلے میں رامائن کے مصنف تلسی داس جی کا تھوڑا حال بتلاؤں۔ تو نامناسب نہ ہوگا۔ ہاں تو سنئے۔

باندا ضلع میں راجہ پور ایک گاؤں ہے، تلسی داس جی کا اسی گاؤں میں جنم ہوا تھا۔ ان کے باپ کا نام پنڈت آتما رام دوبیدی اور ماتا کا نام ہلاسی تھا۔ تلسی داس جی کا جنم مول نکشتر کے پہلے چرن میں ہوا تھا جیوتش شاستر میں یہ نکشتر برا مانا جاتا ہے۔ آتما رام دوبیدی اتنے گھبرائے کہ آؤ دیکھا نہ تاؤ نوزائیدہ بچے کو باہر جنگل میں پھنکوا دیا جنگل میں پڑے، روتے ہوئے بالک کو نرسنگھ داس سادھو نے اٹھایا اور اس کی پرورش کی پہلے لاڈ کا نام رام بولا تھا اور پھر گرو دکشا کے بعد تلسی داس نام رکھا۔ تلسی داس جی نے اپنے گرو نرسنگھ داس سے بھگوان رام چندر جی کا جیون چرتر سنا تب وہ چھوٹے تھے۔ بالک کے نٹ کھٹ ہردے میں رام کتھا کا بہت اثر ہوا اور اس سے متاثر ہو کر انھوں نے رامائن لکھی۔

تلسی داس جی شسندر تھے اور سدا چاری بھگت تھے۔ ان کے اوصاف سے فریفتہ ہو کر دین بندھو پاٹھک نے اپنی بہت ہی خوبصورت لڑکی رتناولی کی تلسی داس سے شادی کر دی۔

رتناولی کی غضب کی خوبصورتی، اوصاف، فطرت اور اس کے سلوک سے تلسی داس جی اس پر اتنے لٹو ہوئے کہ وہ ایک لمحہ کے لئے بھی اس سے الگ ہونا پسند نہیں کرتے تھے۔ دین بندھو پاٹھک نے کئی بار رتناولی کو بلایا لیکن تلسی داس جی نے نہیں بھیجا۔ ایک دن تلسی داس جی کسی کام کے لئے باہر گئے ہوئے تھے ان کی عدم موجودگی میں رتناولی اپنے بھائی کے ساتھ پتا کے گھر چلی گئی۔

تلسی داس جی نے واپس آ کر جب رتناولی کو غائب پایا تو بہت گھبرائے۔ تب ... [illegible] ... ہی سسرال جا پہنچے، رتناولی وہاں پہنچی ہی تھی، اور گھر والوں سے اچھی طرح ملاقات بھی نہ ہوئی تھی تلسی داس جی کو سامنے دیکھ کر رتناولی بہت شرمائی۔ اور ناراض بھی ہوئی۔ اور کہا کہ اے پران ناتھ جیسا پریم آپ میرے گوشت اور ہڈیوں کے اس جسم سے رکھتے ہیں اگر بھگوان شری رام پر ہوتا تو آپ کو بہت سکھ ملتا۔ وقت کی بات تھی تلسی داس جی کے ہردے میں جا لگی ویراگ ہو گیا اور سب کچھ چھوڑ کر سیدھے کاشی پوری میں چلے گئے۔ وہاں بہت دنوں تک بھجن کرتے رہے اور پھر چترکوٹ چلے گئے۔ کئی لوگوں نے یہ بھی لکھا ہے کہ کاشی جی میں تلسی داس جی کو ہنومان جی کے درشن ہوئے تھے اور پھر چترکوٹ کے راستہ میں لبوبی کے، انھوں نے تلسی داس جی کو چترکوٹ جانے کا مشورہ دیا چترکوٹ میں تلسی داس رام کی تلاش کرتے تھے۔ وہ رام نام میں اتنے وارفتہ تھے کہ وہاں کی ہر چیز میں رام کو دیکھنا چاہتے تھے۔ تلسی داس کی کئی کوتیاؤں میں ایسا بھاؤ پایا جاتا ہے کہ گویا وہ رام کو دیکھ پاتے تھے۔

ان کوتیاؤں میں چترکوٹ کے گھاٹ پر بسی سنتن کی بھیڑ تلسی داس چندن گھسیں تلک دیت رگھوبیر یہ دوہا بہت مشہور ہے۔

چترکوٹ سے تلسی داس جی بھگوان رام کے جنم استھان ایودھیا پوری میں آئے، وہاں پر رامائن بنانے کا ارادہ ہوا۔ اور انھوں نے سمت ۱۶۳۱ میں چیت شدی نومی منگل وار کو لکھنا شروع کر دیا۔ اس وقت تلسی داس جی کی عمر بیالیس سال کی تھی۔ ایودھیا میں رہتے ہوئے انھوں نے رامائن کا بال کانڈ اور ایودھیا کانڈ لکھا۔ تیسرا ارنیہ کانڈ وہ لکھ ہی رہے تھے کہ ایودھیا کے ویشنوؤں میں جھگڑا ہو گیا۔

تلسی داس جی کا من وہاں سے گھبرا گیا اور وہ کاشی جی چلے گئے۔ اور پرسی گھاٹ کے کنارے ایک کٹی میں جا بسے اور رامائن کو وہیں پورا کیا۔

کہتے ہیں کہ کاشی کے پنڈتوں نے بھاشا کے گرنتھ کی عزت بڑھتے دیکھ کر تلسی داس جی سے کہا کہ تم نے دیو بھاشا سنسکرت کو چھوڑ کر بھاشا میں گرنتھ کیوں لکھا لیکن تلسی داس جی نے ہنس کر ایک دوہا پڑھا جس کا مطلب یہ ہے کہ مٹی کی ہانڈی یا سونے کے برتن میں پکائے ہوئے چاولوں کا سواد برابر ہے۔ اسی طرح دیوتا یا منشیہ کی بولی میں پرماتما کا نغمہ بیان کیا جائے تو کیا فرق ہے؟

کاشی میں رہتے تلسی داس جی نے کئی کرشمے دکھلائے۔ ان کی بھگتی اور شاعری کی چاروں طرف دھوم مچ گئی تھی۔ کہتے ہیں کہ دہلی کے بادشاہ نے بھی تلسی داس کا کرشمہ دیکھا تھا۔ تلسی داس جی کی طبیعت سادہ تھی۔ وہ پریم کے پتلے تھے۔ کسی کو دکھی دیکھ کر وہ گھبرا جاتے تھے، اور حتی الوسع اس کے دکھ کو دور کرتے تھے ان کی زندگی کی ایسی کتنی ہی مثالیں مشہور ہیں۔ جن سے ان کی طبیعت پر روشنی ظاہر ہوتی ہے۔ تلسی داس جی کو راجے مہاراجے بڑی بڑی بھینٹ پیش کرتے تھے لیکن جسم ایسا تلسی داس انہیں اتو بھی نہ لگاتے تھے۔ ایک دفعہ کہتے ہیں کہ دہلی میں بادشاہ نے اشرفیوں کا ڈھیر سامنے لگا کر گوسوامی جی سے کہا کہ اس بھینٹ کو منظور کیجئے۔ تلسی داس جی نے یہ کہہ کر انکار کر دیا کہ ہم اس کا کیا کریں گے۔

خیر ان کہانیوں کا مطلب یہی ہے کہ تلسی داس جی اونچے درجے کے بھگت اور اعلیٰ درجے کے شاعر تھے وہ صرف رام نام سے پریم رکھتے تھے۔ باقی دنیا کی چیزیں ان کی نظر میں کوئی قیمت نہ رکھتی تھیں تلسی داس جی کی یہ سمجھ بلاشبہ ان کی پتنی رتناولی کی پھٹکار کا نتیجہ تھی۔ خود گوسوامی جی نے بھی یہ تسلیم کیا ہے۔

اس سے زیادہ تلسی داس جی کی زندگی کی باتیں بتانا اس قلیل وقت میں ناممکن ہے اب میں آپ کی اجازت سے دو چار الفاظ تلسی داس جی کے متعلق بھی کہہ دوں:۔

بھگوان رام کا چرتر مہرشی بالمیکی نے لکھا ہے وہ رامائن سنسکرت میں ہے اور اس کا پہلا باب منظوم ہے۔

تلسی داس جی نے بالمیکی رامائن کا اپنی کوتیا میں ترجمہ کیا ہے۔ کہانی کو کم یا زیادہ بھی کیا ہے کہیں کہیں بالکل ایسی کہانی لکھ دی ہے جو بالمیکی جی کے دماغ میں بھی نہ تھی، بالمیکی اور تلسی داس میں بڑا بنیادی فرق یہ ہے کہ ایک تاریخ لکھ رہا ہے اور دوسرا اپنے دیوتا کا یش گا رہا ہے۔

غریب تلسی داس جو کچھ لکھتا ہے اس میں یہ خیال رکھتا ہے کہ پربھو کی شان میں کوئی گستاخی نہ ہو جائے کشکندھا کانڈ میں بالی نے مرتے وقت جو رام سے کہا ہے وہ بالمیکی نے اور ڈھنگ سے لکھا ہے اور تلسی داس نے اور ڈھنگ سے، بالمیکی کا بالی مناسب شبدوں میں رام کو خوب لعن طعن کرتا ہے اور کہتا ہے

کر ترجمے کا دھوکہ ہے ... [illegible] ... تلسی داس کا بالی گڑگڑا کر صرف اتنا کہہ رہا ہے کہ میں بڑی سگر یو پیارا۔ کارن کون ناتھ موہی مارا۔ دونوں کے بیان میں کتنا فرق ہے میں نے بالمیکی رامائن کے ساتھ تلسی داس کی رامائن کو بھی پڑھا ہے۔ مجھے تو یہ پتہ چلا کہ تلسی داس نے بھگتی بھاؤ سے مغلوب ہو کر کئی جگہ صحیح بات کہنے میں تامل کیا ہے۔ اس ایک کمزوری کو چھوڑ کر باقی باتوں میں تلسی داس جی کی رامائن لاثانی ہے۔ سب ملکوں میں اور سب زبانوں میں تلسی داس کی رامائن کی عزت ہوتی ہے رامائن کا انگریزی میں بھی ترجمہ موجود ہے۔ مشہور مورخ ونسنٹ سمتھ اور مسٹر گریرسن نے تلسی داس جی کی بہت تعریف کی ہے۔ یہ گرنتھ ہی ایسا ہے، دھرم سماج اور نیتی پر جگہ جگہ بہت قیمتی اور صحیح رائے دی گئی ہے۔ کہنے میں کوئی پیچیدگی نہیں ہے۔ زبان نہایت صاف اور سادہ ہے۔ وقت نہیں ہے ورنہ میں کتنی ہی ایسی چیزیں بتلاتا جن میں تلسی داس جی کے قلم نے اپنا جوہر دکھایا ہے۔ ساری کی ساری کتاب شروع سے لے کر کتنی بار پڑھیں، جی نہیں بھرتا۔ کچھ نہ کچھ جدت اور نئی چیز معلوم دیتی ہے۔

میں نے یو۔پی میں کچھ ایسے سجن دیکھے ہیں جو تلسی جی کی چوپائی کے کئی معنی کرتے ہیں اور میرا خیال ہے کہ ان کے سب معنی صحیح معلوم دیتے ہیں۔

رامائن میں صرف سات کانڈ ہیں۔ چھپی ہوئی رامائن میں لو کش کانڈ نام کا آٹھوں کانڈ بھی شامل ہے۔ مگر یہ تلسی داس جی کا نہیں ہے۔ ساری رامائن میں ۴۳۸۰ چوپائیاں ہیں۔ ۱۱۷۳ دوہے ہیں۔ ۵۰ سورٹھے، ۲۰۷ چھند ہیں۔

اس کے بعد پنڈت جی نے گوسوامی جی کی کچھ چیدہ چیدہ چوپائیاں سنائیں۔

چوپائی!

پرہت سرس دھرم نہیں بھائی
پر پیڑا سم نہیں ادھمائی

ایک ہی چوپائی میں پاپ اور پنیہ کی کتنی شستہ ویاکھیا کی ہے۔

آپ نے بتایا ہے کہ پرا اپکار اور دوسروں کی بھلائی کرنا دھرم ہے اور دکھ دینا پاپ ہے۔

"اشکِ ندامت"

سبق آموز سوشل افسانہ

(از جناب روشن پٹیالوی بی اے)

(خاص تیج ویکلی کے لئے)

۱

"کیا ان کے صحت یاب ہونے کی کوئی امید نہیں؟"

سریش نے لڑکھڑاتی ہوئی آواز میں کہا۔

"کچھ نہیں کہہ سکتا۔ مرض شفا کی حد سے گزر چکا ہے مالک کے فضل پر بھروسہ رکھتے ہوئے علاج جاری رکھو"

ڈاکٹر شرما نے یہ مایوس کن الفاظ کہہ کر دہلیز سے باہر قدم رکھا۔ تو سریش نے مریض کی چارپائی کے پاس جا کر اس سے بات کرنے کی کوشش کی مگر ضعف و ناطاقتی کی وجہ سے وہ کسی بات کا صحیح طور پر جواب نہ دے سکا۔

مہیش کو بیمار ہوئے چھ ماہ گزر چکے تھے، مرض بڑھتا گیا جوں جوں دوا کی" والا معاملہ تھا کلکتہ کے بہترین و شہرۂ آفاق اطبا کی میڈیکل ایڈ کے باوجود بھی مہیش کو صحت نہ ہوئی۔

شام ہوتے ہوتے مہیش کی حالت میں غیر معمولی تبدیلی واقع ہوئی اس نے کئی روز کے بعد نیم وا آنکھیں اچھی طرح کھولیں اور ستیش کو آواز دی۔

بھولا بھالا ستیش اپنے بیمار باپ کی آواز سن کر بے تابی سے آیا اور آتے ہی مہیش کے گلے سے چمٹ گیا، اس کے چہرے سے معصومیت ٹپکتی تھی، ہونٹوں پر تبسم ناچ رہا تھا اور پیشانی جوش انبساط سے تمتما رہی تھی،

مہیش نے کھانستے ہوئے کہا۔ بیٹا بھائی سریش کو تو بلا لاؤ!

سریش نے توتلی آواز میں چاچا

چاچا۔ کہنا شروع کیا۔

سریش بابو اور ان کی بیوی پریم لتا فوراً وہاں آ گئیں اور مہیش کو ہوش میں دیکھ کر انہیں بہت تسکین ہوئی اور انہوں نے پرماتما کا شکریہ ادا کیا۔

مہیش نے پہلے اپنی بے نور آنکھوں سے سریش کی طرف دیکھا پھر دھیمی آواز میں کہا۔

اور سب لوگ تھوڑی دیر کے لئے باہر چلے جائیں، مجھے بھائی صاحب سے ایک پرائیویٹ بات کرنی ہے سریش بابو کے علاوہ مزاج پرسی کو آئے ہوئے تمام مرد وزن کمرے سے باہر چلے گئے اور کمرے کے اندر تین زندہ تصویریں رہ گئیں ۔ ۔ ۔ سریش، مہیش، اور ستیش،

مہیش نے سریش سے مخاطب ہو کر کہا۔

پیارے بھائی! میرا آخری وقت آ پہنچا ہے۔ صبح ہوتے آپ مجھے اس طرح بولتا نہ پائیں گے۔ میری آمدنی قلیل تھی۔ لیکن صرف ستیش کے مستقبل کا دھیان رکھتے ہوئے تکلیفیں اٹھا کر پیٹ کو گانٹھیں دے کر ایک ہزار روپیہ پس انداز کیا ہے، یہ روپیہ آپ کو دیتا ہوں اور اپنے لختِ جگر ستیش کو بھی آپ کے حوالے کرتا ہوں، اس کی تعلیم و تربیت اور پرورش اب آپ ہی کے بھروسے ہے آپ یتیم و مسکین ستیش کی خبر گیری کا وعدہ فرمائیں،

" بس " یہی " میری "

آخر کہتے کہتے مہیش کی زبان خشک ہونے لگی، اور سانس رک رک کر چلنے لگی۔

سریش نے پانی کے چند قطرے اس کے حلق میں ٹپکائے تو مہیش کو کچھ تسکین ہوئی۔ اور پھر آہستہ آہستہ کہنے لگا۔

پیارے بھائی! آپ ستیش کے سر پر ہاتھ رکھ کر قسم کھائیں کہ آپ میری خواہش کو ضرور پورا کریں گے"

سریش نے قسم کھا کر ستیش کی پرورش و غور و پرداخت کا وعدہ کرتے ہوئے مہیش سے کہا:۔

بھائی تم اس کا بالکل فکر نہ کرو۔ میں اسے اپنا ہی لڑکا سمجھوں گا"

مہیش نے انگلی کا اشارہ کرتے ہوئے کہا:۔

وہ سامنے صندوقچی میں ایک ہزار کے نوٹ پڑے ہیں۔ آپ انہیں لے لیں اور مجھے الوداع کہیں"

سریش نے گویا کچھ نہ سنا وہ جہاں بیٹھا تھا وہیں کا وہیں بت بن کر رہ گیا۔ اب تک اس نے جذبۂ محبت کو دبایا ہوا تھا۔ مگر اس آخری جملے نے اسے بیتاب کر دیا۔ اور اس کی ایک آنکھ ساون اور دوسری بھادوں بن گئی۔ ستیش بھی جو باپ اور چچا کی پریشانی کو دیکھ کر مضمحل سا ہو گیا تھا چیخیں مار مار کر رونے لگا۔

مہیش نے اسے سینہ سے لگا لیا اور اس کی پیشانی اور رخساروں کو بوسے دئے اور وادیٔ مرگ کی راہ لی۔

سریش نے مہیش کی نبض ٹٹولی۔ دل پر ہاتھ رکھا۔ اس کی دھڑکن محسوس کرنے کے لئے

مگر وہاں کچھ نہ تھا۔ نبض ساکت تھی۔

اور دھڑکن خاموش۔

ستیش ابھی تک مہیش سے چمٹا ہوا تھا۔ اسے کیا معلوم تھا کہ وہ اب نہ بولیں گے۔ وہ تو یہ سمجھ رہا تھا کہ وہ ابھی سو رہے ہیں، ابھی اٹھ کر مجھے پیار کریں گے،

۲

دولت کا نشہ کتنا تیز ہوتا ہے۔ انسان اس کے زیر اثر کتنا مغرور، کتنا خود غرض اور کتنا ظالم بن جاتا ہے۔ کس طرح غریبوں اور بے کسوں کے گلے پر چھری چلاتا ہے ان کے جائز حقوق کو پامال کرتا ہے۔ ان کے ارمانوں اور تمناؤں کا خون کرتا ہے کس طرح اپنی بناوٹی عزت اور شان کے لئے دوسروں کے خون سے ہاتھ رنگتا ہے

باقی آگے کا صفحہ پر

جذباتِ بسمل

(جناب بسمل الہ آبادی)

روبروئے داورِ محشر کے وہ رسوا نہ ہوا! رہ کے دنیا میں بھی جو طالبِ دنیا نہ ہوا

رات دن وارے ہوتی ہیں صدا اینق بلند بعد منصور کے پھر ویسا تماشا نہ ہوا

عشق جس ڈھنگ سے ہے اس نے اٹھائی ذلت حسن جس رنگ میں ہے وہ کبھی رسوا نہ ہوا

کہنے سننے کو ہیں ناقوس و اذاں کے جھگڑے تفرقہ دونوں کی آواز میں پیدا نہ ہوا

کون سمجھائے مجھے فلسفۂ مرگ و حیات آج تک حل یہ کسی سے بھی معمہ نہ ہوا

دم بخود موسمِ گل میں ہیں اسیرانِ قفس ان کو سودا بھی باندازۂ سودا نہ ہوا

روئے روشن کو تمہارے کوئی دیکھے کیونکر کوندنا برق کا ٹھہرا بھی تماشا نہ ہوا

میں کچھ ایسا رہا بدمستِ مئے نابِ الست زندگی بھر مجھے اندیشۂ فردا نہ ہوا

میری ہستی میں تھی دراصل قضا کی ہستی نیستی کیا ہے یہ احساس بھی پیدا نہ ہوا

جلوۂ یار جہاں تیرا تماشائی ہے اور تو اب بھی مصروفِ تماشا نہ ہوا

میرے حصے میں ہے جذبات کی دنیا لیکن
شاعری کا مجھے بسمل کبھی دعوےٰ نہ ہوا

پچھلے صفحہ سے

کس طرح عیش و عشرت کی زندگی بسر کرنے کے لئے اپنے ضمیر کا خون کرتا ہے

سریش اب پہلا سا سریش نہ تھا۔ پہلے وہ رحم دل تھا مگر اب سنگدل۔ پہلے وہ مجسم ہمدردی و اخلاص تھا لیکن اب ظالم و بے رحم۔ پہلے وہ الفت و محبت کا معبود تھا لیکن اب نفرت و کدورت اور حسد کا قابل نفرین مجسمہ۔ خود غرض نفس پرست؟

معصوم ستیش کی کچھ نہ پوچھئے۔ پہلے اس سے لاڈ پیار ہوتا تھا لیکن اب بات بات پر گالیوں کی بوچھاڑ۔ پہلے اس کے آرام و آسائش کا خاص خیال رکھا جاتا تھا لیکن اب بلا وجہ تکلیف دی جاتی تھی، اسے ستایا جاتا تھا معمولی سے معمولی قصور پر سخت سے سخت سزا دی جاتی تھی وہ ستیش جس کی آنکھیں دلکشی کا چشمہ تھیں چہرہ کنول کے پھول کی طرح دلفریب تھا ہونٹ گلاب کی پنکھڑی تھے جس کے بشرے سے ہر وقت مسرت ٹپکتی رہتی تھی اب غمگین و اداس رہتا تھا۔ اس کی شکل ڈراؤنی و وحشتناک بن گئی تھی۔ صورت سے حسرت برسنے لگی تھی

شام ہوتے ہی ستیش باہر گلیوں میں آوارہ پھرنے لگتا۔ کوئی اس کی خبر گیری کرنے والا نہ تھا۔ سریش بابو صبح ہی دفتر چلے جاتے شام کو گھر لوٹتے تمام دن ستیش پر کیا گزری اس کی انہیں مطلق پرواہ نہ تھی شام کو جس وقت سریش بابو مکان میں قدم رکھتے، تو ستیش کے برخلاف اُن کے کان بھرے جاتے

"یہ بڑا شریر ہے، بے حد ضدی ہے، کہنا ہی نہیں مانتا مجھے تو اس نے تنگ کر دیا ہے"

یہ الفاظ تھے جو اکثر پریم رانی کی زبان سے نکلتے تھے۔

سریش کا لڑکا بنواری دیکھتے دیکھتے چھ سات سال کا ہو گیا۔ ماں باپ کا اکلوتا لڑکا تھا۔ خوب ناز و نعمت میں پرورش ہوتی تھی۔ قصور کرنے پر بھی اسے معاف کر دیا جاتا تھا۔ اس نامناسب نرمی اور محبت نے بنواری کو بے حد شریر بنا دیا تھا۔ وہ بلا وجہ بچارے ستیش کو پیٹ دیتا۔ اس کی والدہ بجائے اس کو دھمکانے کے یہ کہہ کر اس کی پیٹھ ٹھونکتی،

"یہ بہت بدمعاش ہے کسی کو کچھ سمجھتا ہی نہیں۔ اتنا سر پر چڑھ گیا ہے اس کو خوب مرمت کیا کرو، جبھی ٹھیک ہو گا"

ایک دن بنواری نے بلا وجہ ستیش کو بُری طرح مارا اور رونا اپنی والدہ سے جا کر کہا:

"اماں! مجھے ستیش مجھے دو گالیاں دیتا ہے اگر میں نے ذرا ڈانٹ دیا تو آسمان سر پر اٹھا لیا"

پریم رانی نے ستیش کے سر پر ایک دو تھپڑ لگا کر کہا "مرا ماں باپ تو نہیں۔ ماں باپ مر گئے اور سے ہماری جان کھانے کو بیٹھ گئے ہیں تمہارے یہ سب جانتی ہوں۔ آنسو گویا آنکھوں سے باہر ہی دھرے رہتے ہیں۔"

ستیش کچھ بولنا ہی چاہتا تھا کہ پریم رانی نے اس کا منہ بند کر دیا۔ بنواری منہ پا کر ادھم مچا۔ چلا کرنے لگا۔

"بدمعاش اگر پھر کچھ بولے گا تو زبان کھینچ لوں گی سر توڑ کر رکھ دوں گی۔ اپنی جان کی خیر چاہتا ہے تو خاموش ہی رہ"

سریش کھانا کھا رہے تھے۔ ان کے سامنے یہ ظلم ہو رہا تھا۔ مگر ان کا پتھر دل نہ پسیجا۔ خون جوش میں نہ آیا۔ فرض کا احساس نہ ہوا اور ستیش کو کہنے لگے۔

"ایسا نہ کیا کرو۔ آئندہ احتیاط رکھنا"

"بیٹا تو تنگ کر ڈالا"

"کمبخت لاتوں کے بھوت باتوں سے بھی مانتے ہیں ہمیشہ منہ کالا کر کے گھر سے باہر نکالو۔ تب سے ہوش آ جائے گا۔ اتنا بڑا ہو گیا ہے۔ نہ کچھ کام کرے نہ دھندا مفت کی روٹیاں کھانے کے سوا اسے اور کام ہی کیا ہے۔"

اس روز ستیش تمام دن گلیوں میں روتا پھرتا رہا۔ کس سے اپنی شکایت کرے۔ کس کو اپنا دکھڑا سنائے۔

(۳)

لالہ پریم ناتھ شہر کے مشہور وکیلوں میں سے تھے ان کی لیاقت کی دھوم مچی ہوئی تھی۔ ایڈوکیٹ کے جج بھی ان کی خاص قدر و منزلت کرتے تھے اصلاحی و مجلسی معاملات میں وہ پیش پیش رہا کرتے تھے۔ تقریباً ہر سوشل کلب کے وہ ممبر تھے۔ آریہ سماج کے پُر شفقت سہاسد اور اناتھ ہتکاری سبھا کے پردھان تھے۔ وہ نہایت ہی رحم دل، خلیق و ملنسار تھے۔ بیکس غریبوں سے انہیں خاص لگاؤ تھا۔ فرصت کا تمام وقت وہ اناتھ آلیہ میں گزارتے گھنٹوں یتیموں سے محبت بھری باتیں کر کے ان کی ڈھارس بندھاتے۔ وہ سادہ بیٹھے کبھی کبھی گرم گرم آنسو بھی ان کے رخساروں پر ڈھلک پڑتے۔ ایسا معلوم ہوتا کہ درد جگر آنکھوں کے ذریعہ بہا جا رہا ہے۔

اُن کے سینہ میں ایک درد بھرا دل تھا جو انہیں ہر وقت بے چین رکھتا تھا۔ اٹھتے بیٹھتے سوتے جاگتے انہیں قوم کی ناگفتہ بہ حالت کا خیال رہتا تھا۔ وہ گھنٹوں مختلف مسائل پر غور کرتے لیکن کوئی حل نہ سوجھتا۔ اس کے باوجود ہمت نہ ہارتے اور اپنی کوششیں برابر جاری رکھتے۔

بدقسمتی سے اس فرشتہ سیرت انسان کے کوئی اولاد نہ تھی۔ ان کی بیوی پریم رانی ایک خوبصورت۔ تعلیم یافتہ اور نازک خیال عورت تھی۔ مگر اولاد نہ ہونے کا غم اسے اُبھرنے نہ دیتا تھا۔ اس نے کئی دفعہ اپنے خاوند کو دوسری شادی کرنے کی ہدایت دی مگر لالہ پریم ناتھ نے یہ کہہ کر ٹال دیا کہ۔

"اگر بھگوان کو منظور نہیں تو دوسری شادی سے اولاد کا ہونا کون سا ضروری ہے۔ یہاں جو کچھ ملتا ہے نصیبوں سے ملتا ہے۔ اس لئے ہمیں صبر و اطمینان سے کام لینا چاہئے۔"

(۴)

آفتاب عالمتاب کی زرنگار شعاعیں نیم خوابیدہ عالم کو بیدار کرنے لگیں ساقی قدرت نے گویا سے نشاط انڈیل دی ہوائے زور رو پرندوں سے بوئے عنبرین و زاکر ستانہ ملا بہنے لگی۔ طائران خوش گو ترنم ریز تانیں اڑانے لگے۔ سحر انگیز نغمے گانے لگے۔

لالہ پریم ناتھ حسب معمول گاڑی میں سیر کے لئے نکلے۔ شہر سے باہر تھوڑی ہی دور گئے ہوں گے کہ ایک دردناک نظارہ نظر آیا۔ ایک معصوم بچہ زمین پر بے دم پڑا تھا۔ انہوں نے فوراً کوچوان کو گاڑی روکنے کا حکم دیا اور نیچے اتر کر اس کے قریب گئے نبض پر ہاتھ رکھ کر دیکھا۔ یہ نہایت کمزور و مدھم ہو گئی تھی۔

آنکھیں پتھرا گئیں۔ بدن سردی کی وجہ سے اینٹھ گیا تھا اس سے لالہ پریم ناتھ کو یقین ہو گیا کہ مناسب تدابیر سے یہ بچہ تندرست ہو جائے گا۔ اس لئے انہوں نے فوراً اس کو اٹھا کر گاڑی کی سیٹ پر لٹا لیا۔ اس کو اپنا قیمتی کمبل اوڑھا دیا اور کوچوان کو گھر لوٹنے کا حکم دیا۔

گھر پہنچ کر لالہ پریم ناتھ نے بچہ کو ایک پلنگ پر لٹا دیا۔ پاس انگیٹھی روشن کر دی اور گرم دودھ کے چند قطرے اس کے حلق میں ٹپکائے۔ تھوڑی دیر یہی عمل جاری رہا۔ اور آخر بچے نے آنکھیں کھول دیں۔ وہ حیرانی سے دیدے پھاڑ پھاڑ کر چاروں طرف دیکھنے لگا۔ لالہ پریم ناتھ سمجھدار اور موقع شناس تھے۔ فوراً بھانپ گئے کہ کیا ماجرا ہے اور بچہ کے پاس جا کر ہنستے ہوئے بولے۔

"بیٹا! تم گھبراؤ نہیں۔ سے اپنا ہی گھر سمجھو۔"

بچہ کچھ جواب دینا ہی چاہتا تھا کہ کمزوری کی وجہ سے جوابی الفاظ حلق میں ہی رک گئے۔ لالہ پریم ناتھ نے اس کو پھر گرم دودھ پلایا۔ اور وہ آرام سے سو گیا۔

گھنٹے نے اس بجائے تو پریم رانی نے لالہ پریم ناتھ سے کہا۔

"کیا آج کچہری۔ جاؤ گے؟"

"مجھے اس بچے سے کچھ دلی محبت سی ہو گئی ہے میں اسے اکیلا نہیں چھوڑ سکتا"

"میں اس کی ہر طرح دیکھ بھال کروں گی۔ آپ بیفکر رہیں اور کچہری ہو آئیں۔"

"آج کوئی خاص مقدمہ بھی نہیں ہے اور مجسٹریٹ صاحب چھٹی پر ہیں۔ اس لئے منشی ہی کو صیغہ بتا جلد تاریخیں لے لیگا"

پریم رانی نے انہیں بضد دیکھ کر زیادہ زور دینا مناسب خیال نہ کیا اور اپنا کام کرنے لگی۔

پریم ناتھ نے بچے کی خدمت میں دن اور رات ایک کر دیا۔ کبھی سرہانے بیٹھ کر سر دباتے۔ کبھی دودھ پلاتے کبھی سینک دیتے اور کبھی خود ہی دوا پلاتے۔

آخر پریم ناتھ کی محنت پھل لائی اور تین دن کی سرتوڑ کوشش کے بعد بچہ اٹھنے بیٹھنے کے قابل ہوا پریم ناتھ کی خوشی کا کوئی ٹھکانہ نہ تھا۔ وہ بچہ کا دل طرح طرح کی کہانیاں سنا کر بہلاتا۔ کبھی تاش کھیلتا۔ کبھی اسے کھلونے دیتا۔

اس دوران میں پریم ناتھ نے اس کی گذشتہ زندگی کے حالات دریافت کرنے کی کوشش کی مگر بچہ خاموش رہا۔

(۵)

پریم ناتھ اور پریم رانی کا دل چاندنی راتوں کی طرح روشن ہو گئے پہلے وہ غم و افسوس کی آماجگاہ تھے۔ لیکن اب راحت و مسرت کا مسکن۔ پہلے ان پر ناامیدی کے بادل گھرے ہوئے تھے۔ لیکن اب شعاع امید نے تاریکئی یاس ہٹا کر انہیں نور ریز کر دیا تھا۔

پریم ناتھ اور پریم رانی کو بچہ سے بے حد اُنس تھا۔ وہ اُسے اپنا ہی لڑکا تصور کرنے لگے۔ پریم رانی ہر وقت اس کے لاڈ اور چاؤ میں مصروف رہتی جس وقت وہ ہنستا تو پریم رانی کے پژمردہ دل کا غنچہ کھِل اٹھتا۔ وہ خوشی سے جامہ میں پھولی نہ سماتی۔

پریم رانی نے اس کا نام پرکاش رکھا۔ واقعی وہ پرکاش تھا ۔۔۔ اُجالا ۔۔۔ پریم ناتھ اور پریم رانی کے اندھیرے گھر کا چراغ ۔۔۔ جس طرح موافق آب و ہوا ملنے سے درخت بڑی تیزی کے ساتھ نشو و نما پاتا ہے۔ ٹھیک اسی طرح پرکاش ناز و نعمت سے پرورش پانے کی وجہ سے حیرت انگیز تیزی سے شباب کی منزل کی طرف بڑھنے لگا۔

پرکاش کی عمر سولہ برس کی ہو گئی۔ اس نے ایف۔ اے کا امتحان دیا۔ عمر کے لحاظ سے تعلیمی میدان میں بھی اس نے قابل رشک ترقی حاصل کی۔ اُستاد اور ہم جماعت اس کی ذہانت اور قوت یادداشت پر شیفتہ تھے جو کچھ ایک دفعہ نظر سے گذر جاتا وہ لوح دل پر نقش ہو جاتا کیا مجال کہ محو ہو جائے۔

لالہ پریم ناتھ کی طرح پرکاش بھی دھارمک سوسائٹیوں میں بڑھ بڑھ کر حصہ لینے لگا اور دھواں دھار لیکچر دینے لگا۔ وہ تعلیم یافتہ و سمجھدار تھا۔ جب وہ بولتا منہ سے پھول جھڑتے۔ اسی لئے بہت جلد اس نے دور و نزدیک شہرت حاصل کر لی۔ لوگ اس کے لیکچروں کو خاص عزت اور توجہ سے سننے لگے۔ اس کے خیال لوگوں کے دلوں کی عمیق ترین گہرائیوں میں اُتر جاتے اور وہاں پیوست ہو کر رہ جاتے۔

اناتھ ہتکاری سبھا کا سالانہ جلسہ تھا۔ پرکاش کی لیاقت کا سکہ بیٹھ چکا تھا۔ اس کے لیکچروں کا اعلان لوگوں کی کشش کا بہترین ذریعہ تھا۔ کارپردازان نے اس لیکچر کا اشتہار دیا۔ پرکاش نے اس لیکچر کے لئے خاص تیاری کی۔ وقت سے پہلے پنڈال حاضرین سے بھر گیا تل دھرنے کو جگہ باقی نہ رہی۔ پرکاش سٹیج پر آیا۔ حاضرین نے تالیوں سے استقبال کیا۔ پرکاش نے تقریر شروع کی۔ حاضرین توجہ سے سننے لگے اور تھوڑے ہی عرصہ میں وہ گویا بت بن گئے۔ اس نے اناتھوں کی ناگفتہ حالت کا نقشہ کھینچا تو سب کی آنکھیں پُرنم ہو گئیں پرکاش کی اپیل پر کئی ہزار روپیہ بات کی بات میں جمع ہو گیا۔

اتفاقاً سریش بھی اس لیکچر کو سننے آ گیا تھا۔ وہ پرکاش کی شکل دیکھ کر دل ہی دل میں کچھ سوچ رہا تھا۔ ایک غیر معمولی کشش اسے اس کی طرف کھینچے لئے جا رہی تھی۔ اس کے دل میں ایک خیال آتا تھا اور دوسرا جاتا تھا۔ اس کی آنکھوں کے سامنے تمام گذشتہ واقعات سینما کی تصویروں کی طرح گھوم گئے۔ پرکاش لیکچر ختم کر کے بیٹھنا ہی چاہتا تھا کہ سریش نے آگے بڑھ کر اسے چھاتی سے لگا لیا۔

پرکاش نے دیکھا اور فوراً پہچان لیا۔ یہ اس کا چچا سریش تھا

"ستیش! بیٹا میرے قصور کو معاف کر دو میں نے تم پر بہت ظلم کیا ہے۔ ۔۔ مجھ ۔۔۔ سے ۔۔۔ فراوانی جذبات سے وہ

انسانی حیات اور اخلاقیات پر رنگوں کا اثر!

مترجمہ جناب قابل گلاؤٹھی
(خاص پنچ دہلی کے لئے)

موجودہ سائنس داں طبقہ نے بہت سی ایسی چیزوں کا پتہ لگا لیا ہے جو زمانہ قدیم میں لوگوں کو معلوم تھیں لیکن مختلف اسباب و وجوہ کی بنا پر مدت سے ناپید ہو چکی تھیں، اور دنیا کو ان کا علم بھی نہیں رہا تھا!

نباتات اور جڑی بوٹیوں کی تحقیقات سے بہت سی اس قسم کی چیزوں کا پتہ چلا ہے جو پرانے زمانہ میں علاج معالجہ میں کامیابی کے ساتھ استعمال کی جاتی تھیں، بہت سے امراض کے لئے اکسیر ثابت ہوتی تھیں۔ تہذیب قدیم کی تاریخ مطالعہ کرنے سے اس قسم کی جڑی بوٹیوں کے احوال معلوم ہوتے ہیں۔ جدید تحقیقات سے اس سلسلہ میں جو نتائج حاصل ہوئے ہیں ان کے پیش نظر یہ کہنا کچھ بے جا نہیں کہ موجودہ سائنس نے پہلے فراموش کردہ علم الاسلاف کو از سر نو زندگی عطا کر دی ہے۔ دنیا ان علوم و فنون کا رفتہ رفتہ علم ہوتا جا رہا ہے جو بزرگوں سے اب تک نہ ملے تھے۔

رنگ اور آواز کے متعلق سائنس کی جدید تحقیقات سے ایسی بہت سی مثالیں ظہور میں آئی ہیں جن سے یقین کرنا پڑتا ہے کہ قدیم زمانہ کے اہل حکمت ان دونوں کے متعلق غیر معمولی علم رکھتے تھے، لیکن زمانہ کے انقلابی دور نے ان کی نسلوں کو ان کی قیمتی معلومات کو محفوظ رکھنے سے محروم کر دیا تھا۔

علم قدیم پر جہالت کے پردے پڑ جانے کا نتیجہ یہ ہوا کہ عام طور پر یہ خیال کیا جانے لگا کہ پرانے زمانہ میں سائنس اور حکمت صحیح معنی میں موجود ہی نہیں تھی اور اسلاف کے اس سلسلہ میں جس قدر کام بھی انجام دئے، وہ یا تو جہالت پر مبنی تھے یا ان میں جدت و دلچسپی کی کوئی صورت ہی نہیں پائی جاتی تھی۔

اب سے چند سال پیشتر تک رائے عامہ اسی تاریکی میں رہی اور حکمائے قدیم کے متعلق [illegible] قسم کے نادرست و غیر صحیح خیالات عوام و خواص کے خیال میں پرورش پاتے رہے مگر جب [illegible] کے دور میں سائنس کی جدید تحقیقات کا سہارا لے کر اسلاف کی کارگزاریوں پر نظر ڈالی گئی اور ان کی [illegible] اس زمانہ کے حقائق کا مطالعہ کیا گیا تو پتہ چلا کہ اس زمانہ سے جہالت منسوب کرنا تو [illegible] لوگوں کی [illegible] اور تعمر معلومات ہے ورنہ حقیقت یہ ہے کہ جو [illegible] اس زمانہ کی سائنس اور حکمت کے ذریعے غیر معمولی ثابت ہوئی ہیں، اور جن کے متعلق ہم سمجھتے تھے کہ ان کا علم اسی زمانہ میں لوگوں کو حاصل ہوا ہے وہ اس زمانہ کے بچے بچے کو معلوم تھیں اور ہر شخص ان سے واقف تھا۔ گویا ہماری نئی روشنی کی جدید تحقیقات اس پر ظلمت اور تاریک دور میں اب سے صدیوں پہلے انہیں اسلاف اور حکمائے قدیم کی دماغی کاوش کا شکار ہو چکی تھیں جنھیں اپنی بدقسمتی اور لاعلمی کی بنا پر جاہل و متعصب سمجھے ہوئے ہیں۔

بعض لوگوں کا یہ دعویٰ ہے کہ انہیں کواکب اور ستاروں کے رنگ کے متعلق دلی طور پر مخصوص علم حاصل ہے۔ اگر ہم اسے نظر انداز بھی کر دیں اور حقیقی سائنس اور حکمت کے حلقہ ہی تک اپنی معلومات اور واقفیت کو محدود کریں تو بھی اس زمانہ میں دنیا پر جو رنگوں کے دیرپا اور غیر محسوس اثرات مرتب ہوئے ہیں اُن کی زندہ اور بے شمار شہادتوں اور ثبوتوں سے عہدہ برآ اور منحرف نہیں ہو سکتے۔

روشنی میں جو ہیبت ناک قوت کا ذخیرہ موجود ہے اور جو رنگ کی صورت میں مرکز نور سے برانگیختہ ہوتی ہے۔ اب کسی نہ کسی حد تک تو سراہا جا سکتا ہے لیکن جہاں تک رنگ کی حرکت و جنبش کا تعلق ہے ہماری معلومات اور ہمارا علم بالکل ابتدائی دور میں ہے۔ تحقیقات سے یہ امر روشن ہو چکا ہے کہ بعض رنگ دوسرے رنگوں کی آمیزش سے ایک دوسرے میں جذب ہو کر ایک موسیقی خیز اور ترنم انگیز حرکت پیدا کرتے ہیں اور جو رنگ ایک دوسرے سے میل نہیں کھاتے اُن سے موسیقی پیدا نہیں ہوتی اور ان کی یکجائی سے ایک پر شورش حرکت اور ہیجان پیدا ہو جاتا ہے۔ رنگوں کی ان حرکتوں اور جنبشوں کا افراد کی صحت اور کیفیات پر براہ راست اثر پڑتا ہے۔

پرانے زمانہ میں بڑے بڑے حکمراں بادشاہوں اور ان کے دور کے تیل مصری اور آرین مذہبی پیشواؤں اور بزرگوں کو رنگ کے موضوع پر ہدایات دی جایا کرتی تھیں۔ اس میں شبہ کی گنجائش نہیں کہ رنگ کی جنبشوں اور حرکات کے موضوع پر اگر اور پوری طرح علم حاصل ہو گیا تو بنی نوع انسان کو بے شمار اور دائمی فوائد پہونچیں گے۔

باوجود معلومات جدید اور سائنس کی لامحدود تحقیقات کے اب تک اس امر پر بہت کم توجہ صرف کی گئی ہے کہ ہم اپنے اور اپنے مکانات اور بستیوں کے گرد رنگوں کا صحیح اور مفید تموج پیدا کریں۔ بعض رنگ اس قسم کے ہوتے ہیں کہ ان کی موجوں سے سکون بخش اور طمانیت انگیز کیفیات طاری ہوتی ہیں۔ ان کے خلاف بعض ایسے بھی ہوتے ہیں جو بالکل ان کیفیات کی ضد پیدا کرتی ہیں۔

ان مشاہدات کے پیش نظر یہ بات پایۂ ثبوت کو پہنچ گئی ہے کہ غذا کے ساتھ ہی ساتھ رنگ اور آواز کے معاملہ میں بھی جو چیز ایک شخص کی غذا ثابت ہوتی ہے دوسرے کے لئے سم قاتل کا حکم رکھتی ہے اور یہ معلوم کرنا خود انسان کا کام ہے کہ کن رنگوں سے اُسے مسرت و سرور حاصل ہو سکتا ہے کیونکہ جو رنگ اُس کے مزاج کے مناسب ہوں گے انہیں کے امتزاج سے اس کی صحت و مسرت قائم رکھنے کو صحیح موجیں پیدا ہو سکیں گی جو لوگ رنگوں کی تحریک اور تموج کے مطالعہ کے بالکل عادی نہیں ہیں۔ انھیں بھی کبھی رنگوں کے اثرات پر توجہ کرنے کا احساس ہوا ہے انھوں نے بھی اس کو محسوس کیا ہوگا کہ بعض رنگوں سے تو سرور بخش اور سکون آمیز اثرات مرتب ہوتے ہیں، بعض سے نقاہت انگیز اثرات نکلتے ہیں، اور بعض رنگ قوت و ترغیب پیدا کرتے ہیں! بعض رنگوں یا رنگوں کے مرکب سے اجتماعی طور پر سوزشی کیفیات طاری ہو جاتی ہیں۔ مکانات اور دفاتر کی کھڑکیوں کے داغدار شیشوں میں چھن چھن کر جو روشنی کمرہ میں داخل ہوتی ہے اور اُس کی موجوں سے جس قسم کی فضا پیدا ہو جاتی ہے، کون سا ایسا شخص ہے جو اُس کے اثرات غیر اختیاری اور مفاجاتی طور پر محسوس نہیں کر لیتا۔ جس کمرہ میں میلے کچیلے پردے آویزاں ہوتے ہیں اور کرسیوں اور کوچوں پر بدنما اور غیر مُصفّا غلاف چڑھے ہوتے ہیں، بہت سے اشخاص تو اُن کے اثرات کو بھی محسوس کر لیتے ہیں۔

جب ارد گرد اس قسم کی میلی اور غیر صاف اشیاء نظر آتی ہیں تو زوال انگیز اور نقاہت خیز اثر طاری ہو جاتا ہے۔ مُردہ دلی سی چھا جاتی ہے لیکن اس کے برعکس روشن و شفاف رنگوں سے مسرت و سرور کی بارشیں ہونے لگتی ہیں۔

رنگوں کو دواؤں کی جگہ قوت بخش اور نشہ آور ادویہ کے طور پر بھی استعمال کیا جا سکتا ہے اور بعض دماغی اور اعصابی امراض مثلاً تشنج، اختلاج، امراض جلد، گٹھیا، افسردگی، ناطاقتی وغیرہ دور کرنے میں اکسیر ثابت ہوئے ہیں۔ بعض اوقات رنگوں کو موسیقی کی آمیزش کے ساتھ استعمال کیا جاتا ہے کیونکہ موسیقی کی دلکش تانیں رنگوں کی امواج میں جذب ہی نہیں ہو جاتیں بلکہ ان میں زیادہ قوت اور تحریک پیدا کر دیتی ہیں۔

ہم ان امواج کے اثرات سے علیحدہ تو رہ نہیں سکتے خواہ یہ موجیں تقویت بخش اور سرور انگیز ہوں یا اختلال پیدا کرنے والی ہوں۔ ان امواج سے ہماری صحت اور چال چلن دونوں پر اثر پڑتا ہے۔ اس لئے اس بات کی سخت ضرورت ہے کہ ہم ان رنگوں اور رنگوں کی ان امواج سے واسطہ رکھیں جو ہمارے لئے زیادہ مفید ہوں۔

اگر صحیح انتخاب سے کام لیا گیا اور رنگوں کا خوش گوار حلقہ پیدا کیا گیا تو ان سے سکون اور نیند اچھی طرح حاصل ہوگی۔ اور یہ دونوں چیزیں صحت و حسن کے لئے ضروریات میں سے ہیں۔ عام طور پر خواب آگیں رنگ وہ ہوتے ہیں جو بالکل پُرتسکین اور سکون بخش ہوں مثال کے طور پر یوں سمجھئے کہ پُرکیف سبز رنگ سے یہ منشا حاصل ہو جاتا ہے۔

خواب گاہ کے پردوں وغیرہ کے لئے اسی قسم کا رنگ استعمال کرنا چاہئیے۔ سبز رنگ بے حد سکون بخش اور سرور انگیز ہوتا ہے اور اس زمانہ کے پرشور دور حیات میں اس کی بے حد ضرورت ہے۔

عام طور پر استعمال میں لائے جانے والے رنگوں میں بھورے اور گہرے بادامی رنگ بدترین ہوتے ہیں، اگر متواتر انہیں استعمال میں لایا جائے تو وہ بہت مُضر ثابت ہوتے ہیں۔ اور صحت پر برا اثر ڈالتے ہیں۔

کھانے کے کمروں میں اور کھانے کے اوقات میں اشتعال و ہیجان پیدا کرنے والے رنگوں کو نہیں استعمال کرنا چاہئیے۔ ہمت خیز اور جرأت انگیز رنگ کام کرنے کے لئے استعمال میں رکھنے چاہئیں۔

رنگوں سے استفادہ کرنے میں اس بات کا خیال رکھنا چاہئیے کہ صرف رنگ ہی اثر انداز نہیں ہوا کرتے بلکہ سائے اور نشان زیادہ تر اثر کیا کرتے ہیں۔ کسی ایک رنگ کے ہی مختلف شیڈ اور سائے مختلف اثرات رکھتے ہیں۔

آج کل اس کی سخت ضرورت ہے کہ ہماری زندگی پر رنگوں اور ان کے سایوں سے جو اثرات مرتب ہوتے ہیں اُن کی اہمیت کو اچھی

(باقی اگلے صفحہ پر)

پچھلے صفحے سے

طرح محسوس کیا جائے۔ اگر ہم میلے کچیلے بھورے اور بادامی رنگ کا لباس ترک کر دیں۔ اور اس قسم کے کپڑوں کے بجائے خوش رنگ حسین لباس زیب تن کریں۔ اور استعمال میں لائیں تو دنیا آج سے کہیں زیادہ مسرت و اطمینان سے معمور ہو جائے بعض لوگوں کو تو رنگوں کے مطالعہ سے مادی فائدہ اور آمدنی بھی حاصل ہو سکتی ہے اس قسم کے رنگ غالباً دو یا تین ہی ہیں جو سب سے زیادہ انسانی حیات و صحت کے لئے مفید ثابت ہوتے ہیں ہمیں چاہئیے کہ اپنے مکانات میں اس قسم کے رنگوں کو جگہ نہ دیں جو غیر مناسب اور سوزش انگیز ہوں۔ بلکہ ایک دوسرے کے رنگ و مناسبت کو ملحوظ رکھتے ہوئے پوری پوری شعریت اور موسیقیت رنگوں میں ملحوظ رکھنا چاہئیے۔ تاکہ پرسکون خیال اور غیر معمولی امتزاجی رنگ پیش نظر ہیں۔

اس زمانہ میں دنیا کو ترکیب رنگوں کی ضرورت ہے بالفاظ دیگر یوں سمجھئے کہ ایسے رنگ درکار نہیں جن سے سوزش و انتشار پیدا ہو۔ ایسے چمکیلے اور چمکنے والے رنگوں کی ضرورت ہے جو ہیجان و سوزش نہ پھیلائیں۔ ایسے رنگ بھی درکار ہیں جو سکون انگیز ہوں اور مردنی کا باعث نہ ہوں۔ وہ رنگ جو ہمیں توانائی و طاقت نہ عطا کریں مگر بے چینی اور بد اطمینانی سے دور رکھیں نہایت ضروری ہیں ایسے رنگ جو ہماری بے چینی اور بے تابی کے وقت بھی ہماری روح کو طمانیت اور قلب کو اطمینان بخشیں۔ ان سے بڑھ کر اور کس قسم کے رنگوں کو خوش آیند سمجھا جا سکتا ہے۔

بعض رنگوں کا جو بعض اشیاء سے قریبی تعلق پیدا ہو گیا ہے یہ کوئی اتفاقی امر نہیں بلکہ اپنے اندر مستقل حقائق رکھتا ہے۔

مثال کے طور پر یوں خیال فرمائیے کہ سرخ رنگ کو جنگی اور فوجی رنگ سمجھا جاتا ہے۔ وجہ یہ ہے کہ اس رنگ سے جذبات میں ہیجان و جوش اور اضطراب پیدا ہوتا ہے۔ ہم جانتے ہیں کہ بیل یا سپاہی پر سرخ جھنڈے کا کیا اثر ہوتا ہے۔ سیاہ رنگ کو موت، ماتم، سوگ اور زوال سے متعلق سمجھا جاتا ہے۔ سفید رنگ کو پاکیزگی اور ہرے رنگ کو سبزہ زار، حب وطن اور سکون عافیت سے نسبت دی جاتی ہے۔

مذکورہ بالا سطروں میں رنگوں کے اثرات کی جس اہمیت پر بحث کی گئی ہے وہ کسی طرح بھی نظر انداز کر دئے جانے کے قابل نہیں۔ معمولی عقل اور سمجھ کا انسان بھی ان حقائق کو سمجھنے کے بعد اندازہ کر سکتا ہے کہ اگر ہم اپنی روزمرہ زندگی میں ذرا فکر و دانائی سے کام لیں۔ اور اپنے گرد و پیش سے ان رنگوں کو دور کر دیں جو درپردہ ہمارے اخلاق و عادات اور ہماری زندگی کے ہر شعبہ پر زبردست اثر اندازی کر رہے ہیں تو تھوڑے ہی دنوں میں دنیا کی اصلاح ہو سکتی ہے اور جو ترقیاں دیگر ذرائع سے ابھی تک حاصل نہیں ہو سکیں اور دماغی رجحان درست ہو کر مزاج کی اصلاح پذیر ہو کر حاصل ہو سکتی ہیں۔

پریتم پیارے

(از جناب ثمر صدیقی ردولوی)

(خاص تیج ویکلی کے لئے)

پریتم پیارے ——
—— رات کی تاریکی جب کائنات کے ذرہ ذرہ پر چھا جاتی ہے، —— سارا سنسار سپنے کی گہری نیند میں مدہوش —— ہو جاتا ہے اس وقت تم میرے دل میں کیوں براجمان ہوتے ہو؟

فضائے چمن جب گلوں کی لطیف خوشبو سے معمور ہو جاتی ہے —— گلزار کا پتہ پتہ —— بلبل ہزار داستاں کی نغمہ سرائیوں سے متاثر ہو کر جھومنے لگتا ہے، —— آبشار کی روانی اور موسم کی تبدیلیاں جب باغوں میں بہار کی نئی روح پھونک دیتی ہیں —— میرے پریتم اس وقت میرا دل —— سکون و اطمینان کے گہوارہ سے نکل کر —— تیرے خیال میں کیوں محو ہو جاتا ہے؟ ——

چودھویں رات کا دلفریب چاند جب آسمان پر جلوہ گر ہو جاتا ہے —— ستارے کنول کے پھولوں —— کی طرح سطح آسمان پر نمودار ہو جاتے ہیں —— دنیا کے خلوص کا ساز جب قدرت اپنی مضراب سے بجاتی ہے —— میرے پریتم اس وقت تیری محبت کے نغمات میرے دل کے ذرہ ذرہ سے کیوں بلند ہو جاتے ہیں؟ ——

شاید اس لئے کہ ——
تیری غیر فانی محبت کا جذبہ میری روح حیات میں شامل ہو چکا ہے ——

پھولوں کی نکہت —— ماہ کامل کی شہابی روشنی —— تاروں کی جھلملاہٹ ——
—— پانی کی دلکش روانی ——
—— مجھے محبت کا درس کیوں دیتی ہیں۔
—— چمکتے —— پھولوں کا تبسم
غنچوں کی کھلکھلاہٹ —— مرجھوں کا جوش
—— میرے پریتم ——
—— سب فانی ——
—— اور میری محبت غیر فانی ہے

امیدواری سے ہماری مراد وہ امیدواری نہیں ہے جو غریب گھروں میں ہر سال اور داجوں، مہاراجوں، رئیسوں اور سیٹھوں کے یہاں ساری عمر میں اتفاق سے ایک آدھ مرتبہ ہوا کرتی ہے۔ بلکہ وہ امیدواری ہے جو انٹرنس بی۔ اے اور ایم۔ اے پاس کرنے کے بعد کالج کے صاحبزادے دفتروں میں کیا کرتے ہیں اور برسوں کرتے رہتے ہیں، مگر بالعموم کوئی نتیجہ برآمد نہیں ہوا کرتا۔

تعلیم کے دوران میں پڑھنے والوں کا بار ان کے والد محترم اٹھایا کرتے ہیں اور امیدواروں کے مصارف خدا ہی پورے کرتا ہے کہ انہیں نہ کام کا کوئی معاوضہ ملتا ہے اور نہ گھر سے ماہانہ منی آرڈر آتے ہیں کیونکہ امیدواری کوئی تعلیم تو ہے نہیں جس کی میعاد مقرر ہو۔ اور قبلہ والد صاحب اس توقع پر کہ کل کو برخوردار پڑھ لکھ کر ہزار پانسو کا ملازم ہو جائے گا آنکھیں بند کر کے تعلیم سے زیادہ اس کی فیشن پرستی پر روپیہ برباد کرتے رہیں۔ یہ تو ایک قسم کی قید با مشقت ہے جہاں ماں باپ کا بھیجا ہوا رزق انسان کو نہیں ملا کرتا۔ بلکہ اسے محض خدا کی رزاقی پر بھروسہ رکھنا پڑتا ہے۔ یا افسران متعلقہ کی عنایت پر! پھر اس قید سے رہائی بھی محض قسمت اور حسن اتفاق پر موقوف ہے! چنانچہ نصیب دشمناں ہمیں بھی ایسی امیدواری سے ایک مرتبہ واسطہ پڑا۔

واقعات اس طرح پر ہیں کہ ہم جو اسکول سے نکلے تو گویا رزق کے فرشتہ نے ہمارے کان میں کہا کہ کماؤ اور کھاؤ، یعنی آپ اپنے پیروں پر کھڑے ہو جاؤ۔ اور چونکہ کمانے اور کھانے کا ترجمہ ہندوستان میں "ملازمت" ہے۔ لہذا ہمیں فوراً ہی ملازمت کی فکر پیدا ہوگئی۔ مگر وہ تو بات یہ ہے کہ جیسے لیڈری بغیر جیل کی تکالیف برداشت کئے اور صحت بلا سہل لئے حاصل نہیں ہوا کرتی، ملازمت بھی امیدواری کی منزل ہفتوں کو طے کرنے سے پہلے نہیں ملتی۔ اور اگر مل جائے تو سمجھو کہ وہ ملازمت نہیں بلکہ پنیری ہے جو صرف تاگہ کے حیلے سے مل جایا کرتی ہے۔ بہر حال ہم بہت کوشش اور خوشامد کے بعد ایک دفتر میں امیدوار ہوگئے۔ جس میں ایک انگریزی لب و لہجے کے مشرقی [illegible]

خدائے مجازی تھے، ہمیں سب سے پہلے امتحان کی غرض سے ان کی پیشی میں کاغذات پڑھ کر سنانے کا پابند کیا گیا چنانچہ ہم کاغذات کا ایک بہت بڑا بوجھ لیکر صاحب کے سامنے پہنچے۔ وہ نہایت اطمینان سے آرام کرسی پر پڑے ہوئے تھے۔ صاحب نے فرعونی انداز میں سوال کیا:-

کیا نام ہے تمہارا؟

محمد اسحق!

شیخ ہے تم؟

نہیں جناب بی۔ اے ہوں!

اردو جانتے ہو؟

خوب اچھی طرح۔ یہ میری مادری زبان ہے!

مادری زبان تم کس کو بولتا ہے؟

ماں کی زبان کو۔

ماں کی زبان کو اور تمہارے باپ کی زبان انگریزی ہے؟

نہیں، ماں اور باپ دونوں کی زبان اردو ہے!

تمہاری زبان انگریزی ہے؟

نہیں میری بھی اردو ہے!

انگریزی نہیں جانتا تم؟

جانتا ہوں، میں نے انگریزی پڑھی ہے۔

اردو نہیں پڑھی تم نے؟

اردو بھی پڑھی ہے!

ڈیوٹ جانتا ہے تم کس کو بولتا ہے؟

جی ہاں جانتا ہوں!

کس کو بولتا ہے؟

چراغ رکھنے کی لکڑی کو ڈیوٹ کہتے ہیں۔

گلط (غلط) " " " تم نہیں جانتا ڈیوٹ کو۔ دیکھو تمہارے جیسے آدمی کو ڈیوٹ کہتے ہیں! اب ہمیں بجا اور درست اور جی ہاں حضور کہنے کے سوا کوئی مفر نہ تھا۔ وہ تو غنیمت ہوا کہ صاحب نے پہلی ملاقات میں ڈیوٹ ہی بنایا اگر اور کچھ کہہ دیتے تو ہم ان کا کیا کر لیتے۔ ہم نے سر جھکا کر پست آواز میں کہا۔ بالکل صحیح کہتے ہیں آپ۔ ہم ڈیوٹ نہ ہوتے تو آپ کے دفتر میں امیدوار ہی کیوں ہوتے

اس کے بعد ہم نے صاحب کے اشارے سے میز کے سامنے کھڑے ہو کر کاغذات پڑھنے شروع کئے۔ پہلا دن تھا اور امتحان کا موقعہ، ہم نے طے کر لیا کہ مطلب پورا ہو یا نہ ہو تیزی سے کاغذوں کو پڑھنا چاہیئے کوئی لفظ سمجھ میں نہ آئے تو اپنی طرف سے تصنیف کر کے شامل کر دینا چاہیئے۔ ہم چار پانچ کاغذ بہت روانی سے پڑھ گئے۔ بغیر رکے اور جھجکے پڑھتے ہی چلے گئے۔ کہیں ٹھہرنے اور سانس لینے کا ذکر بھی نہیں آیا۔ صاحب قلم ہونٹوں پر رکھے حیرت کے ساتھ ہمارا منہ دیکھ رہے تھے اور ہم تھے کہ ورق پر ورق الٹتے جا رہے تھے، ایک دفعہ صاحب کرسی پر سنبھل کر بیٹھ گئے اور گھبرا کر حکم دیا۔ پیچھے ہٹو منشی! پیچھے ہٹو!

ہم فوراً دو تین قدم پیچھے ہٹ گئے۔

صاحب گڑبڑا کر بولے۔ کاگج میں، ہٹو کاگج میں!

(کاغذ میں ہٹو کاغذ میں)

کاغذ میں پیچھے ہٹنے کا مطلب ہم بہت دیر کے بعد سمجھ کو اور دو تین سطر چھوڑ کر ہم نے پھر اسی کاغذ کو پڑھنا شروع کیا۔ کوئی بہت ہی اہم کاغذ تھا۔ صاحب نے سننے کے بعد کہا۔ " میز پر رکھ دو ہم ابھی گور ماریگا۔

(غور کریگا)

دو تین روز میں ہمیں بہت سی نئی اصطلاحات معلوم ہوگئیں اور نہایت کامیابی سے صاحب کی اردو سمجھنے لگے۔ دفتر کے کاغذات کی ترتیب وغیرہ میں بھی ہمیں کافی سلیقہ پیدا ہوگیا۔ ہم نے بجائے خود یقین کر لیا کہ ہمیں بہت جلد کوئی اچھی اسامی مل جائے گی مگر بات یہ ہے کہ خدا "اسقاط" کی مصیبت سے بچائے جو مہینوں کی امید کو لمحوں میں ختم کر دیتا ہے۔ حسن اتفاق سے ہمارے دفتر میں ایک جگہ خالی ہوئی۔ ہم نے جگہ خالی ہونے سے ایک ہفتہ قبل ہی درخواست پیش کر دی، نتیجہ یہ ہوا کہ ہماری درخواست زیر غور رہی، صاحب نے نہ معلوم اس پر کب تک غور کرنے کا ارادہ کیا تھا اور خالی جگہ کو ایک حسین و جمیل صاحبزادے کے تقرر سے پر کر کے "اللہ جمیل و یحب الجمال" کی حقیقت پر مہر تصدیق ثبت کر دی گئی اور واضح کر دیا گیا کہ ملازمت کے لئے صرف امیدواری اور حسن لیاقت ہی درکار نہیں بلکہ حسن صورت بھی لازمی ہے۔ اور یہ ڈبلوما اتفاق سے ہندوستان کی کسی یونیورسٹی سے حاصل نہیں کیا جا سکتا۔ لہذا ملازمت بھی نہیں مل سکتی ——————

یہاں سے مایوس ہو کر ہم ایک روزانہ اخبار کے دفتر میں چلے گئے۔ اسے ایک اسسٹنٹ ایڈیٹر کی ضرورت تھی، اور جن اوصاف کا آدمی درکار تھا وہ سب ہم میں موجود تھے، اس لئے یہ توقع بے کار نہ تھی کہ ہماری یہ امید ناکام نہ ہوگی۔ اخبار کے ایڈیٹر اتنے شریف اور بامروت آدمی تھے کہ انہوں نے بغیر امتحان کے ہمیں امیدواری کے لئے منظور کر لیا۔ اور دفتر میں نائب مدیر کی حیثیت سے ہم کام کرنے لگے۔ ہم نے بہت محنت اور دلچسپی سے اپنے فرائض انجام دئے ہماری مستعدی کا اعتراف بھی کیا گیا۔ لیکن امیدواری ختم نہ ہوئی اور اس جگہ کے لئے اشتہار بھی برابر شائع ہوتا رہا۔ ہمارے ساتھ ساتھ پندرہ آدمی اور اس جگہ کے امیدوار تھے، جو امتحاناً کام کر رہے تھے، اور ہر شخص کو یقین تھا کہ میں ہی اس جگہ کا تنہا مالک اور مستحق ہوں۔

چند مہینے نہایت خاموشی کے ساتھ بسر ہوگئے اور ہم ایڈیٹری کے کام میں اتنے مشاق ہوگئے کہ ہمیں اس رقم کا نصف کسی طرح مل جاتا جو ہماری تعلیم پر صرف ہوئی تھی۔ تو یقیناً ہم اس روزنامہ سے بہتر روزانہ نکال سکتے تھے۔ لیکن خداوند عالم نے تعلیم کے لئے جتنا روپیہ ہماری قسمت میں لکھا تھا ماں باپ نے اس سے نصف بھی کاروبار کے لئے محفوظ نہ رکھا اور رکھتے کیونکر؟ انہیں تو یقین تھا کہ صاحبزادے کالج کی چار دیواری سے نکلے ہی یا تو جسٹس کے تحت حکومت پر جلوہ افروز ہو جائیں گے اور ڈپٹی والوں کے ملاکت یا سبب ان کا کچھ نہ بگاڑ سکیں گے۔ یا کم از کم ہندوستان میں ہی انہیں اپنی اعلیٰ قابلیت کے صلہ میں کوئی صوبہ حکومت کرنے کے لئے مل جائے گا۔ اور پھر جناب تعلیم کے زمانہ میں ہم نے اپنی جو جائداد رہن یا بیع کر دی ہے وہ سب چھوٹ جائے گا۔ اور دولت و ثروت ہمارے قدموں میں پڑی پھرے گی۔ اس غلط فہمی میں انہوں نے ہمارے حصہ کی

(باقی اگلے صفحہ پر)

پچھتانے سے صحت

پو ... تعلیم پر صرف کر ... بھی گیا معلوم
... حال تعلیم ... زندگی ست
... کی ... میں مبتلا ہو جائیں گے جو
... سننے ... ہیں
... کے متعلق کوئی علم ...
... فروختنی
... باب ... التقرر ہونا چاہیئے
... وقت ... ہی نہ تھا بہت
... آپ کو ... کی اجازت دی تھی۔

غالباً سب نے کام سیکھ لیا

ممکن ہے! آپ کے علاوہ ایڈیٹر ... امیدوار ...
... سے کس ایک کا تقرر ہونا چاہیئے۔
اور اگر آپ سب کو علاوہ رکھنا چاہتے ہیں تو مجھے اس پر بھی کوئی اعتراض نہیں۔

ہمیں سنسنیوں کی فوج بھرتی کرنے کی ضرورت نہیں ہے۔ اخبار کا دفتر کوئی فوجی مستقر نہیں ہے۔ ہم کام کا آدمی چاہتے ہیں اور ظاہر ہے کہ اس گروہ میں ایک آدمی بھی کام کا مل سکے گا:

اور وہ آپ کی رائے میں کون ہوگا؟

جو ... مقابلہ میں سب سے اول آئے!

... امتحان مقابلہ ... ہوگا؟

... نام ... سمجھیں گے۔

... چاہتا ہوں کہ جس وقت آپ ... سب ... معین کردیں۔

... ایڈیٹر صاحب نے امتحان مقابلہ کا اعلان کیا ... اپنی اپنی قسمت آزمانے کے لئے دفتر ... بیٹھ گئے۔ ایڈیٹر صاحب درمیان میں ... والی کرسی پر بڑی شان اور دبدبے کے ساتھ ... ہوئے انھوں نے نادرشاہی لہجہ میں تین عنوانات مضامین لکھنے کے لئے ارشاد فرمائے۔

ہر امیدوار ... قلم ہاتھ میں لئے اور سفید کاغذ کا ڈھیر سامنے لگائے مضمون لکھنے میں مصروف تھا۔ ہم بھی بہت کوشش سے اچھے اچھے جملے اور پھڑکتے ہوئے الفاظ جمع کر کے نہایت فصیح و بلیغ اور جامع و مانع مضمون لکھ رہے تھے۔ دو گھنٹے کا وقت دیا گیا تھا۔ ہم نے دو گھنٹہ گزرنے سے پہلے ہی ہر عنوان پر ایک عمدہ مقالہ سپرد قلم کر کے میز پر رکھ دیا۔ اور امیدواروں نے بھی اپنی اپنی قابلیت اور معلومات کو صرف کر کے مضامین لکھے۔ ایڈیٹر صاحب نے تمام کاغذات بکس میں رکھتے ہوئے فرمایا:
اب آپ صاحبان بدستور دفتر میں کام کریں میں مضامین دیکھ کر انتخاب کر دوں گا۔

کب تک اس انتخاب کا اعلان ہو جائے گا؟

کوئی مدت اور تاریخ مقرر نہیں کی جا سکتی۔ میں علیم الفرصت زیادہ رہتا ہوں۔ امید نہیں کہ ایک مہینہ سے کم میں ان کاغذات کو دیکھ سکوں۔

مضامین بہت کوشش اور محنت سے لکھے گئے تھے ہر شخص کو کامیابی کی امید تھی اور خیال تھا کہ سب نہیں تو دو چار تو ضرور ہی کامیاب ہو جائیں گے، لیکن ایک مہینہ کے بعد اخبار میں ... امتحان کے متعلق جو اعلان ہوا وہ ... مشکل تھا۔ اس اعلان کی رو سے کوئی امیدوار خاص بٹ کا اہل نہ تھا۔

... ہر امیدوار نے اپنا سر پیٹ لیا۔ دوستوں نے ... یا شرمندہ ... کم بخت کہیں کے کالج میں جو لڑکیں ... امتحان کے وقت پرچے اڑا لیتے تھے، یہاں یہ چال نہ چل سکی اور محض قابلیت سے کام لینا پڑا تو معلوم ہوا کہ بڑے احمق ہی ہو۔

کسی نے کہا بھائی اخبار کی ایڈیٹری معمولی چیز نہیں ہے اس کے لئے بڑے دماغ کی ضرورت ہے۔ تمہیں سوجھی کیا تھی آخر؟ جو دنیا کے ہزاروں کام چھوڑ کر اخبار کے دفتر میں جا گھسے۔ اب تک تو کسی سرکاری دفتر میں امیدواری کرتے تو کچھ نہیں تو منشی ٹوٹے کی تانو گری یا ترقی امینی تو مل ہی جاتی۔

ہم تھے کہ اس قسم کے خالص ہندوستانی رنگ کے خطوط کو دیکھ کر بار بار ارادہ کرتے تھے کہ ... کھا کر تمام سو جائیں، مگر یہ احساس فرائض ہی کا جذبہ تھا کہ ہم زندہ رہا کرتے تھے۔ کوئی ان عقلمندوں سے پوچھے کہ ہم کوئی چور ہیں یا ڈاکو ہیں نہیں کہ تھیٹر اور سینما میں روپیہ برباد کرتے، اور دونوں وقت پیٹ بھر کر روٹی بھی کھلاتے وہ تنخواہ لیکہ ہماری آمدنی مبلغ بارہ روپیہ ماہوار سے زیادہ نہ تھی، بلکہ شب و روز ملازمت اور کام سیکھنے کی فکر میں رہتے تھے لیکن قسمت اور عقل کو کیا کریں جس نے کالج سے نکلتے ہی ساتھ چھوڑ دیا۔ عقل کی تو خیر کوئی پرواہ نہیں کہ وہ من علم کے لئے صرف ایک من عقل درکار ہوتی ہے بلکہ جب سے ہندوستانی یونیورسیٹیوں نے علم کی ارزانی کر دی ہے۔ دس بارہ من علم سے کام لینے کے لئے چھ سات ماشہ عقل بھی کافی ہے۔ اور بہت سی صورتوں میں تو ایک پڑھا لکھا آدمی بغیر عقل ہی کے کام نکال لیتا ہے البتہ قسمت سے ضرور گلہ ہے کہ وہ ساتھ دیتی تو کہیں سب ہیر پھیر ہی ہو جاتے۔ سنتے ہیں اس مدیں پنشن سے پہلے عقل کا کوئی سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔

یہ تو تھا کہ ہماری حرکت قلب بند ہو جاتی لیکن یہ تو خیر بڑی بات ہے، ہمیں اختلاج، دورہ سر یا غشی کا بھی کوئی دورہ نہیں پڑا۔ اور اگر ہمارے ... میں تمام آدمی ہماری طرح تعلیم یافتہ ہوتے تو ہمیں آزردہ ہونے کی زحمت بھی گوارا نہ کرنا پڑتی۔ کیونکہ اس قسم کا یہ دوسرا واقعہ تھا۔ اور ہمارے دل میں قوت برداشت پیدا ہو چکی تھی۔

یہاں سے نکل کر ہم نے ایک اور دفتر میں از سر نو امیدواری شروع کر دی۔ یہ بھی ایک باقاعدہ دفتر تھا اور امیدواری کے امتحانات بھی سخت ہوتے تھے مگر چار چھ مہینے میں ...

جگہ ضرور مل جاتی ہے۔ خوش قسمتی سے ہم امتحان میں کامیاب ہو گئے اور چوتھے نمبر پر ہمارا نام درج ہو گیا لیکن اس دفتر میں سب سے بڑی مصیبت یہ تھی کہ ہمارا افسر بہت ہی سخت مزاج تھا۔ بات بات میں خفا ہوتا، بگڑتا، گرجتا، چیختا، چلاتا اور کبھی کبھی بے اختیار ہو کر دل بھی دکھا دیتا۔ چنانچہ ہم میں سے پہلے امیدواروں میں سے ایک صاحب جو سب سے اول نمبر پر تھے۔ ... ایک وقت صاحب کے غصہ کی نذر کر چکے تھے۔

ہم نے اسی دن طے کر لیا تھا کہ ایک دانت نہیں چاہے سامنے کے پورے دانت ٹوٹ جائیں مگر سو دوسو کی ملازمت ہمیں بھی مل جائے، لیکن مثل مشہور ہے کہ بدبختی میں سایہ بھی انسان سے الگ رہتا ہے۔ امیدواروں سے صاحب کا ... دور دور رہنے لگا۔ اور انہوں نے امیدوار نمبر ایک کا دانت اکھاڑنے کے بعد دست بدست ... مقابلہ کی بجائے یورپ کا بزدلانہ طریق جنگ اختیار کیا جس کو کیس کی لڑائی سے تعبیر کر سکتے ہیں۔ اب وہ کسی امیدوار پر ناراض ہوتے تو بزرگانہ شفقت سے زد و کوب نہ کرتے۔ بلکہ خاموشی سے دو چار روپیہ جرمانہ کر دیتے اور حکم یہ ہوتا کہ اگر ایک ہفتہ میں جرمانہ داخل نہ ہو تو رجسٹر امیدواران سے نام خارج کر دیا جائے۔

اس طرز عمل سے ہمیں یہ فائدہ تو ضرور ہوا کہ ہم سے پہلے دو امیدوار جو باقی رہ گئے تھے وہ دونوں صاحب کے اس حکم کی خلاف ورزی میں نکال دیئے گئے۔ دونوں نے جرمانہ میعاد کے اندر داخل نہیں کیا۔ نتیجہ یہ ہوا کہ نام امیدواروں کی فہرست سے خارج ہو گیا۔ اور ہم چوتھے نمبر سے پہلے نمبر پر آ گئے۔

ہر چند جرمانہ کے مقابلہ میں صاحب کا پیار ... ایسے امیدواروں کے لئے زیادہ مفید تھا جن کو افلاس اور غربت کے باعث گھر سے صرف کھانے پینے کے ہی مصارف ملتے تھے اور مجروح ہو جانے کی صورت میں ان کے والدین دعائے صحت تو ضرور کر سکتے تھے۔ مگر جرمانہ کے روپیوں کا منی آرڈر کسی طرح نہ کر سکتے تھے۔ لیکن ہم زیادہ نالائق بھی نہ تھے۔ اور صاحب اتنی عنایت کیا کرتے تھے کہ چار آنے سے زیادہ جرمانہ نہ کرتے تھے۔

ایک دن شامت اعمال سے ہمیں صاحب کے ساتھ ... میں جانے کی غرض سے نامزد کر دیا گیا۔ اور ان کے کیمپ کے تمام انتظام ہمارے سپرد ہوئے۔ امیدواری کرتے ہوئے ہمیں دو تین مہینے سے زیادہ نہ ہوئے تھے اور جو شخص ... کی امیدواری کے بعد بھی اخبار نویسی کے امتحان میں ناکام ہوا تھا اس سے کیا توقع ہو سکتی تھی کہ وہ ایسے زبردست عملی امتحان میں کامیاب ہو جائے گا۔ مگر پہلی ملاقات میں کامیابی خطرات کے ہجوم کا دوسرا نام ہے اور جو شخص خطرات سے ڈرتا ہے وہ کبھی اپنی منزل مقصود پر نہیں پہنچتا۔

(باقی صفحہ ۲۲ پر)

لارڈ لنلتھگو

ھندوستان کے نئے وائسرائے جو ۱۸ اپریل کو دھلی تشریف لائے

بیگم میر امین الدین

آپ ڈسٹرکٹ گرل گائڈ ایسوسی ایشن منگلور کی صدر منتخب ہوئی ھیں آپ کلکتہ یونیورسٹی کی آنرز گریجویٹ ھیں

کولمبو سے ستر میل کے فاصلہ پر کنڈی کے مقام پر بودھوں کا ایک عظیم الشان میلہ ھوتا ھے جس میں اس قسم کا رقص ھوتا ھے

لکھنؤ کانگریس پر لیڈی والنٹیر پریڈ کر رہی ہیں

لکھنؤ کانگریس کے کھلے اجلاس میں پنڈت جواہرلال نہرو صدر کانگریس پلیٹ فارم
سے تقریر فرما رہے ہیں

پنڈت جواہرلال نہرو صدر کانگریس استقبالیہ کمیٹی کے چیرمین سریت سری پرکاش
سے گفتگو فرما رہے ہیں

راجہ جوالاپرشاد

سابق چیف انجینئر اور سکرٹری
یو۔ پی۔ گورنمنٹ — آپ بنارس
ہندو یونیورسٹی کے آنریری
فائننس سکرٹری مقرر ہوئے ہیں

سر وزیر حسن

سابق چیف جج اودھ ہائی کورٹ
ابھی بمبئی میں آل انڈیا مسلم
لیگ کے سالانہ اجلاس کی صدارت
فرمائی

یہ خاموش اور سنسان وادی جہاں ہندوستان کے رشی منی رہا کرتے تھے اب
تک ان کی ارواح کے تقدس کا پتہ دیتی ہے

ہزہائی نس سر آغاخاں کی جوبلی کے موقعہ پر انھیں ترازو میں سونے
سے تولا جارہا ہے

بنگال لیجسلیٹو کونسل کی عالیشان عمارت

دنیا کا سب سے چھوٹا "شریف"
میلک کا شریف ورن دبلیو موفسں جو صرف چار فٹ لمبا ہے۔
اس سلسلہ میں اپنی دنیا کا ریکارڈ مات کیا ہے

دھلی کے بازاروں میں ایک مٹھائی والا آواز لگاتا ہوا جارہا ہے

M. Paras Ram.

Representative of Messrs. J. B. Mangha Ram & Co who has won about 27 gold medals for his Company.

(از جناب ماسٹر محمد شفیع الدین نیر - ماڈرن ہائی سکول نئی دہلی)

اُٹھو بیٹا! آنکھیں کھولو ۔ بستر چھوڑو، لو منہ دھو لو
اتنا سونا ٹھیک نہیں ہے ۔ وقت کا کھونا ٹھیک نہیں ہے
صُبح ہوئی ہے وقت سُہانا ۔ گاؤ خُدا کی حمد کا گانا
سُورج نکلا تارے بھاگے ۔ دُنیا والے سارے جاگے
ڈالی ڈالی چڑیاں چہکیں ۔ کیاری کیاری کلیاں مہکیں
پھول کھلے خوش رنگ رسیلے ۔ سُرخ، سفید اور نیلے، پیلے
جُوہی اور چنبیلی مہکی ۔ چمپا الگ اکیلی مہکی
سُورج ابھی ابھی نکلا ہے ۔ ٹھنڈا وقت ہے سیر ہوا ہے
پتّوں پر ہیں اوس کے قطرے ۔ صاف اور سُتھرے موتی جیسے
سُرخی مشرق پر چھائی ہے ۔ اچھی خاصی بہار آئی ہے
بنیا، پنساری، حلوائی ۔ سب نے اپنی دُکان لگائی
ہل اور بیل کسان بھی لے کر ۔ جا پہنچا اپنی کھیتی پر
کاریگر بھی کام پہ آیا ۔ آ کر اپنا کام جمایا
دُنیا دِن بھر کام کرے گی ۔ رات کو پھر آرام کرے گی
تم بھی پہلے کھانا کھاؤ ۔ پھر بستہ لو مکتب جاؤ

کام میں جو اس آن نہیں ہیں
نیّر وہ انسان نہیں ہیں

{از جناب محمد حسین حسّان}

ننھی میری فرانس کے ایک فارم میں رہتی ہے۔ آج صبح وہ تڑکے سے اُٹھ بیٹھی ہے۔ کوئی بات ضرور ہے۔ بہت خوشی کی بات ہے۔ ویسے بھی فرانس کے لڑکوں کو منہ اندھیرے اُٹھنے کی عادت ہے۔ بچوں کو بھی سویرے اُٹھا دیتے ہیں۔ انہیں سُست اور کاہل بچوں کی طرح بستر پر اینڈنے نہیں دیتے۔
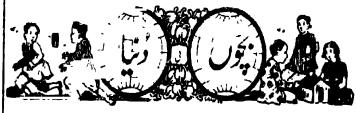
میری کی اماں اور اباجان پہلے ہی اُٹھ گئے تھے۔ ناشتہ بھی تیار ہو چکا تھا۔ میری کا ناشتہ کیا تھا۔ بس گرم دودھ کا ایک پیالہ اور پاؤ روٹی کا ایک توس۔ فرانس میں کئی قسم کی روٹیاں تیار ہوتی ہیں۔ گھر کی پکی ہوئی روٹی جو دیہات میں کھائی جاتی ہے کچھ کالی ہوتی ہے مگر بہت مزے دار۔

بات یہ تھی کہ آج میری کے چچا آ رہے تھے۔ اور میری کو انہیں لینے کے لئے اسٹیشن پر جانا تھا۔ یہ فرانس کے اکثر علاقوں کی سیر کر چکے تھے اور میری کو اچھے اچھے قصے سنانے تھے۔ میری نے جلدی جلدی ناشتہ کیا اور بڑے شوق سے صبح کے کاموں میں لگ گئی۔ سب سے پہلے وہ خرگوشوں کو دانہ ڈالنے دوڑی۔ پھر دوسرے کام کئے۔

فرانس میں دیہات کے مکان آنگن کے چاروں طرف بنائے جاتے ہیں۔ میری کا مکان بھی اسی طرح بنا ہوا ہے چاروں کونوں پر گول مینار بھی ہیں۔ صحن کے ایک طرف اصطبل ہے۔ یہاں گائیں بندھی رہتی ہیں۔ اور دودھ دوہا جاتا ہے۔ دوسری طرف ہل جوتنے والے بڑے بڑے گھوڑوں کا اصطبل ہے۔ یہ گھوڑے بہت اچھی نسل کے ہیں۔ نہایت مضبوط اور خوبصورت۔ ان سے ہل جوتنے اور بوجھ اٹھانے کا کام لیا جاتا ہے۔ پاس ہی بطخوں اور مرغیوں کے تارے گھرے ہوئے دڑبے ہیں۔ دوسرے کونے میں ایک چھوٹا سا حوض ہے۔ ایک طرف سائبان میں دیہاتی گاڑیاں اور کھیتی باڑی کے اوزار ہیں۔ میری کا گھر کھپریل کا ہے۔ گھر کے سامنے بڑا سا باغ ہے۔ اس کے چاروں طرف احاطے کی چار دیواری ہے۔ باغ میں آڑو، ناشپاتی اور آلوچے کے درخت ہیں۔ ترکاریوں کی کیاریاں ہیں۔ جن کے چاروں طرف خوبصورت پھولوں کے پودے ہیں۔

میری سب کاموں سے فارغ ہو چکی تو اسٹیشن جانے کی تیاریاں شروع ہوئیں۔ ماں تو پہلے ہی تیار ہو چکی تھی۔ میری نے بھی جلدی جلدی کپڑے پہنے اور ماں کے ساتھ روانہ ہو گئی۔ دونوں ماں بیٹیاں کھڑاؤں پہنے تھیں۔ فرانس کے دیہات میں اس کا عام رواج ہے۔ سڑک پر جب وہ اپنی ماں کے پیچھے دوڑتی تھی تو اس کی کھڑاویں کُٹ کُٹ بولتی تھیں۔

جیسے ہی یہ دونوں اسٹیشن پر پہنچیں گاڑی بھی آ گئی۔ چچا نے اُترتے ہی ننھی میری کو گود میں لے لیا اور خوب پیار کیا پھر وہ دونوں کو پاس کے کیفے (فرانس میں ہوٹل یا ریسٹوران کو کہتے ہیں) میں لے گیا اور پھلوں کا مزے دار شربت پلایا۔ جب گھر کی طرف چلنے لگے تو راستے میں چچا نے میری کو اپنے بچپن کے قصّے سنائے۔ جب وہ لڑکے تھے خوبصورت قصبے میں رہتا تھا جس کے بیچ ایک خوبصورت گرجا تھا۔ آبادی کے چاروں طرف انگور کے سرسبز و شاداب باغ۔ بہار کے خوشگوار موسم میں کس طرح انگور کے تختے مزدوروں سے بھرے رہتے تھے۔ جو اپنی ٹوکریاں اودے اودے انگوروں سے بھر کر پیٹھ پر لاد لیتے تھے۔ رات کو بڑی بڑی گاڑیاں انگوروں سے بھری گھروں پر آتی تھیں اور خوشے چننے والے مزدور کیسے مزے سے گاتے تھے۔ اس نے میری کو اپنے سفر کی باتیں بھی بتائیں۔

وہ لیون جیسے شاندار شہر میں بھی ہو آیا تھا۔ جہاں دنیا کے بہترین ریشم کے کپڑے تیار ہوتے ہیں۔ اس نے فرانس کے جنوبی ساحل کا بھی سفر کیا ہے جو بحر روم کے نیلگوں پانی سے گھرا ہوا ہے اس نے فرانس کی مشہور بندرگاہ مارسیلز کی بھی سیر کی ہے جہاں تمام دنیا کے جہاز نظر آتے ہیں۔ وہ بورڈو جیسے مشہور شہر میں بھی ہو آیا ہے جہاں سے بہترین قسم کے انگور آتے ہیں۔

میری اپنے دل میں چچا کو بہت بڑا سیاح سمجھ رہی تھی۔ اس کا جی چاہتا تھا کہ چچا میاں اس قسم کے قصّے برابر سناتے رہیں مگر افسوس کہ یہ وقت بھی بہت جلد ختم ہو گیا اور گھر آ گیا۔

{بقایا مضمون صفحہ ۱۸}

پھر ہم روانہ ہو گئے۔ پہلے ہی مقام پر ہمارا نہایت شاندار خیر مقدم ہوا۔ گاؤں کے سینکڑوں آدمی کیمپ کے دروازے پر موجود تھے۔ سب نے جھک کر سلام کیا۔ پہلے تو ہمیں خیال ہوا کہ شاید انہوں نے صاحب سمجھ کر غلطی سے ہمارا استقبال کیا ہے۔ مگر چپراسی نے بتایا کہ صاحب کا سررشتہ دار بھی معمولی چیز نہیں ہے۔ ان لوگوں کا سارا کام سررشتہ دار ہی کے ہاتھ ہوتا ہے۔ اس دورے میں سررشتہ داری چونکہ آپ کے سپرد ہے اس لئے یہ سب آپ ہی کے سلام کو آئے ہیں۔ اس حقیقت سے واقف ہونے پر ہمیں مسرت تو بہت ہوئی مگر ساتھ ہی صاحب کا "رول" یاد آ گیا اور ساری خوشی کرکری ہو کر رہ گئی۔

اس خطرے کے پیش نظر سب سے پہلا کام ہم نے یہ کیا کہ چپراسی کی خوشامد کر کے "رول" صاحب کی میز سے ہٹا کر اپنے خیمہ میں چھپا دیا۔

ہمیں صاحب کے سامنے بہت سے کاغذات پیش کرنا تھے۔ اور ان میں کوئی کاغذ بھی ایسا نہ تھا جس کو اچھی طرح ہم نے سمجھ لیا ہو۔ حالانکہ صاحب سے کہا گیا تھا کہ کاغذات اچھی طرح ہمیں سمجھا دیئے گئے ہیں اور واقعہ بھی ایسا ہی تھا کہ سررشتہ دار نے اپنی دانست میں کاغذات ہمیں سمجھا دیئے تھے۔ مگر ہم سمجھے نہیں تھے۔

صاحب نے حکم دیا کہ ہم ٹھیک دس بجے سے کام شروع کریں گے۔ کاغذات تیار رکھیں ہم نے بڑی کوشش سے آج کی تاریخ میں پیش ہونے والے کاغذات نکال کر قاعدہ سے میز پر رکھ دیئے۔ مگر اس کام میں ہی اتنا وقت صرف ہو گیا کہ ہم کسی کاغذ کو پڑھ نہ سکے۔ معینہ وقت پر صاحب نے گھنٹی بجائی اور ہم بدحواس ہو کر ان کے اجلاسی خیمہ کی طرف دوڑے وہ ایک پنسل کو غور سے دیکھ رہے تھے۔ ہمیں دیکھتے ہی پوچھا۔

پورن کون ہے؟

حضور آدمی ہے۔

کاشتکاری کرتا ہے؟

جی ہاں۔

کہاں رہتا ہے؟

اسی علاقہ میں اپنے گھر رہتا ہے۔

صاحب نے ایک مرتبہ نیچے سے اوپر تک ہمیں دیکھا۔ پھر کاغذ پر نگاہیں جما کر فرمایا۔ تم نے کاغذوں کو خوب پڑھا ہے؟

جی ہاں۔ اکثر میں نے زبانی یاد کر لئے ہیں

اس گاؤں میں کتنے آدمی آباد ہیں۔ تمہیں کچھ معلوم ہے؟

جی ہاں کیوں نہیں۔ پانچ ہزار ہیں۔ پونے چار ہزار کے قریب ہندو ہیں۔ ایک ہزار مسلمان ہیں۔ بقیہ بھنگی چمار وغیرہ ہیں۔

کوئی مندر تو ہیں اس گاؤں میں؟

جناب چار مندر اس وقت موجود ہیں۔ ایک منہدم ہو گیا ہے۔ کسی زمانہ میں دو مسجدیں تھیں مگر اب ایک ہی رہ گئی ہے۔

کوئی جرائم پیشہ تو نہیں رہتا یہاں؟

رہتا کیوں نہیں صاحب! ایک بہت بڑا ڈاکو پہلے رہا کرتا تھا۔ اب مر گیا ہو تو میں کچھ نہیں کہہ سکتا۔

یہاں پر عام طور پر کن چیزوں کی کاشت ہوتی ہے!

کاشت کے متعلق حضور کیا پوچھتے ہیں۔ گیہوں، چنا، جو، ساوا، سرسوں، مونگ، السی، سرسوں، دال، آلو، گوبھی، شلجم، گاجر سب ہی کچھ تو ہوتا ہے یہاں۔

گاؤں میں پانی دینے کو کچھ کنوئیں بھی ہیں؟

جی ہاں تقریباً بیس کنوئیں ہیں۔ ۹ پختہ اور باقی خام۔

غنیمت تھا کہ صاحب ہمارے جوابات صرف سن رہے تھے۔ لکھ نہیں رہے تھے۔ مگر ہماری وسعت معلومات سے وہ بہت متاثر ہوئے۔ اپنے دل میں انہوں نے ہماری قابلیت، حاضر جوابی کے متعلق یقیناً بہت اچھی رائے قائم کی ہوگی۔

اتنی گفتگو کے بعد آج کا اجلاس کل پر ملتوی ہو گیا اور ہمارے پورے دانت آج کی رات کے لئے محفوظ رہے۔

اگلے دن خانساماں کی غلطی سے صاحب کی چائے کا قدر ٹھنڈا پی گیا اور انہیں چائے نہ مل سکی یا ملی تو سادہ۔ دوسری مصیبت یہ نازل ہوئی کہ وہ دس بجتے ہی اجلاس پر آ گئے۔ آج اُن کے چہرے سے غصہ کے آثار ہویدا تھے۔ صورت دیکھتے ہی ہمارے ہاتھ پیر پھول گئے۔ انہوں نے لکھتے لکھتے ہماری طرف دیکھ کر فرمایا۔

بہت کاغذ رکھے ہیں تم نے میز پر۔

آج کی تاریخ میں اتنے ہی تھے۔

کہاں سے تھے اتنے؟

معلوم نہیں جناب کہاں تھے اتنے۔

صاحب کا منشا دراصل یہ تھا کہ اتنا ان کی طبیعت بے کیف ہے تو کام بھی کم ہو۔ اور ہم ایسے سے کچھ کاغذات اٹھا لیں لیکن مزروع وائی جنابش کی فن ہے۔ ہم اس مزکور کو نہ سمجھ سکے۔ ہم نے خیال کیا کہ آج کا کام آج ہی ہونا چاہئے۔

ہمارے منہ سے معلوم نہیں کا لفظ نکلنا تھا کہ صاحب نے جھنجھلا کر میز پر رول تلاش کرنا شروع کیا۔ رول دستیاب نہ ہوا تو پیپر ویٹ اٹھا کر انہوں نے بڑی تیزی اور قوت سے ہماری طرف پھینکا۔ ہم نے نہایت قابلیت سے بقدر دو فٹ سر تسلیم خم کر کے صاحب کا وار خالی دیا۔ اس سے وہ اور آگ بگولہ ہو گئے اور اب انہوں نے موٹی سی پنسل اٹھائی۔ ہم نے دیکھا کہ یہ کوئی خطرناک ہتھیار نہیں ہے۔ اگر لگ بھی جائے تو دانت کو کوئی ضرر نہیں پہنچ سکتا۔ ہم بدستور کھڑے رہے۔

صاحب بھی یہی چاہتے تھے کہ وار نیچ کر کے ہم ان کے دست و بازو کی توہین نہ کریں۔ انہوں نے زور سے پنسل ہمارے منہ پر رسید کی۔ پنسل کی نتھی سی نوک بس اتنا ہماری بائیں آنکھ کو مجروح کرتا ہوا کان میں لگا۔ اگرچہ کان بھی مضروب ہوا۔ کان کی ہمیں کوئی پروا نہیں تھی۔ چہرے کی زیبائش کے لئے ناک اور آنکھیں کافی ہیں اگر آنکھ کو ہم بہت عزیز رکھتے ہیں۔ اور آنکھ دے کر پانچ سو روپے کی ملازمت بھی ملے تو ہم لات مار دیں۔

اس حادثہ کے وقوع پذیر ہوتے ہی ہم خیمہ سے نکل بھاگے۔ اور اپنے خیمہ کی طرف چلے تاکہ ہم بھی منہ سے آنکھ کی مزاج پرسی کریں اور آئندہ کے لئے کوئی معقول انتظام۔ ابھی ہم اپنے خیمے تک نہ پہنچنے پائے تھے کہ صاحب نے گھنٹی بجائی۔ ہم نے اس طرف قطعی توجہ نہ کی اور آتے ہی اپنا بکس کھولا۔ نوٹ نکال کر جیب میں رکھے۔ اور رول ہاتھ میں لے کر ہم اس خیال سے باہر نکلے کہ روپیہ صاحب کے سامنے ڈال دیں۔ اور رول انہیں دے کر کہیں کہ پچاس روپے تک آپ جرمانہ کر لیں اور رول سے جتنے دانت توڑنا چاہیں توڑ ڈالیے مگر آنکھ کا نقصان ہم کسی حال میں بھی برداشت نہیں کر سکتے۔ ملازمت ملے یا نہ ملے۔

ادھر سے تو ہم اس ٹھاٹ باٹ سے برآمد ہوئے اور ادھر سے صاحب جنہیں ہمارا اس طرح بھاگ آنا بہت گراں گذرا تھا اور گھنٹی بجاتے بجاتے عاجز آ گئے تھے ہماری تلاش میں خیمے سے باہر نکل کر ہماری طرف چلے۔ مگر وہ زیادہ مسافت طے کر چکے تھے ہم مشکل سے دس پانچ قدم چلے ہوں گے۔ دفعتہً انہوں نے دیکھا کہ ہم رول ہاتھ میں لئے تیوروں پر بل ڈالے آ رہے ہیں تو انہیں یقین ہو گیا کہ ہم مارنے آ رہے ہیں۔ وہ بہت عجلت سے پھر کر بھاگے اور خیمے میں گھس گئے۔ ہم نے دیکھا کہ صاحب اس بُری طرح پسپا ہو گئے اور قدرتاً ہمارا رعب ان پر پڑ گیا تو تعاقب میں ذرا تیزی سے کام لیا اور فوراً چق اٹھا کر اندر داخل ہو گئے۔ صاحب خیمہ کے پچھلے حصہ میں شب کی آڑ لئے تشریف فرما تھے۔ ہمیں دیکھتے ہی سہم کر بولے۔

منشی دیکھو ہم اکیلے ہیں۔

اور ہمارے پاس کون سی فوج ہے۔

دیکھو رول مت مارنا چوٹ لگ جائے گی۔

پنسل ماروں کہ آنکھ پھوٹ جائے۔

ہم معافی مانگتے ہیں۔

ہم نوکری چاہتے ہیں۔

اچھا ہم نے تمہیں نوکری دی۔

اور ہم نے تمہیں معافی دی۔

معاف کرو منشی جلدی معاف کرو۔

نوکری دو صاحب جلدی سے

اچھا "رول" پھینک دو۔

ہم نے رول پھینک دیا اور صاحب اطمینان کے ساتھ باہر نکل آئے۔ میز پر آ کر انہوں نے سو روپے کی ایک جگہ پر ہمارا تقرر کرتے ہوئے فرمایا۔ ابھی آفس چلے جاؤ اور پیشکار سے بولو تمہیں نوکری مل گئی۔

ہم رول کی عجیب و غریب تاثیرات کا اپنے دل میں اعتراف کرتے ہوئے جس نے دو امید واروں کو اپنے اجلاس سے ملازمت دلائی خوش خوش واپس آ گئے۔

دوستی

{از جناب پرہلاد چند چھابڑہ ؛ حضوی}

(خاص تیج دیکلی کے لئے)

فطرت انسانی گوناگون جذبات وکیفیات کا ایک تلون ہے۔ جہاں انسان میں دوسرے جذبات ہیں وہاں دوستی کا جذبہ بھی موجود ہے۔ انسان قدرتی طور پر دوستی کا پیاسا ہے۔ وہ برق جو جسم میں کام کر رہی ہے ایک دوسرے کو قریب کھینچنے کی کوشش میں رہتی ہے۔

کائنات مختلف طبائع اور خصائل کے افراد سے بھری پڑی ہے۔ بعض افراد ایسے بھی ہیں جن میں یہ جذبہ بہت کم پایا جاتا ہے اور وہ اپنے ہم جنسوں سے میل جول پسند نہیں کرتے۔ لیکن بعض لوگ ایسے بھی ہیں جو انسانوں کی صحبت سے دور بھاگتے ہیں۔ ظاہر ہے کہ یہ بہیمیت کی نشانی ہے۔ دوستی نے سب سے بڑا احسان انسانی سلوک پر یہ کیا ہے کہ ہمیں رشتۂ اخوت سے منسلک کر دیا ہے۔ اور اس اتحاد کی وجہ سے ہماری زندگی میں ایک قسم کی خوشگواری پیدا ہو گئی ہے۔

قانونِ معاشرت کی ضروریات کو نظر انداز کر دیجئے پھر بھی انسان قدرتی طور پر دوستی اور محبت کا تشنہ ہے۔ وہ چاہتا ہے کہ اپنے دل کے راز کہنے کے لئے دوست پیدا کرے۔ نیک مشورے حاصل کرنے کے لئے دوستوں کی تلاش میں نکلے۔ دوستی انسان کے لئے ایک ضروری اور لازمی چیز ہے اگر محبت و دوستی نہیں ہے تو تمام صحبتیں اداس ہیں گھر خانۂ چین ہیں۔

جس شخص کو دنیا میں سچا دوست حاصل ہے اس سے زیادہ خوش قسمت نہ زمینوں پر ہے اور نہ شاید آسمانوں پر۔ اور جس کو سچے دوست حاصل نہیں اس کی زندگی ایک ماتم اور اس کی تنہائی ایک برباد تجرد کے مترادف ہے۔ جس انسان کی ترکیب مزاجی میں محبت اور جذبات دوستی کا عنصر غیر معمولی طور پر کم ہے اس کے حیوان ہونے میں سوسائٹی کو شک نہیں کرنا چاہیئے۔

دوستی انسان کے قلب کے لئے اطمینان اور آسائش کا پیغام ہے۔ زود اثر دواؤں سے جس طرح دل و دماغ کی صحت ہو جاتی ہے اسی طرح دوستی سے دل کا جمود دور ہو کر زندگی واپس آ جاتی ہے۔ جب انسان کا دنیا میں کوئی ہمراز اور دوست نہیں ہے وہ اپنے جذبات دل و دماغ ہی میں رکھنے کے لئے گھٹن ہے۔ دوستی راحتوں کو زیادہ اور غموں کو کم کرتی ہے۔ دوست کا اصلی کام غمخواری اور ہمدردی ہے۔ دوستوں کے قلوب میں ایک ایسی برقی رَو دوڑتی رہتی ہے جو راحت اور آرام، محبت و اخوت، چین اور سکون کو دلوں پر جھڑکتی رہتی ہے۔ دوست جب باہم ملتے ہیں تو ان کے چہرے خوشی کی روشنی سے دمک اٹھتے ہیں اور ان کی مسکراہٹیں اصلی نورِ محبت سے ہیروں کی چمک کو مات کر دیتی ہیں۔

دوستی کی افضلیت کا قدرتی ثبوت

نظام عالم کی ہر شے معرض ظہور میں ایک خاص امتزاج اور عناصر کی ترکیب سے جدا آئی ہے۔ اتحادِ ہستی کے لئے لازمی شے ہے۔ انسان خود اتحادِ عناصر کا نتیجہ ہے۔ کیمیا بجائے خود کوئی چیز نہیں ہے لیکن بعض اجزا اور ان کا ترکیبی اتحاد کیمیا ہے۔

انسان جب خیالات کی تاریکیوں اور پراگندگیوں میں گھر جاتا ہے اور اس کی عقل سے قوت فیصلہ مفقود ہو جاتی ہے اس وقت دوست ہی ہوتا ہے جو اپنی نیک رائے سے دوست کی رہبری کرتا ہے اور تبادلہ خیالات سے انسان پر اپنے عزائم اور تخیلات کی اصلیت، اچھائی اور برائی معلوم ہو جاتی ہے۔ آدمی دوست سے اپنی کمزوریاں بیان کرتے ہوئے نہیں شرماتا۔ یہی وجہ ہے کہ معاملہ کے ہر پہلو پر آزادی کے ساتھ بحث و مباحثہ نیز تبادلۂ خیالات ہوتا ہے اور گوہرِ مقصود مل جاتا ہے۔

ذہن اور تخیل میں جو باتیں نہایت خوبصورت، سہل الحصول اور بہتر انجام نظر آتی ہیں۔ اکثر اوقات میں غلط اور تاریک ثابت ہوتی ہیں۔ اس لئے انسان ...... کو چاہیئے کہ وہ ایسے دوست سے جو حقیقی دوست ہو مشورہ کرے پھر اپنے دوست کے مشورے اور اپنے عزائم کو ملا کر ایک ایسا معتدل و متوازن رستہ اختیار کرے جو مقصد میں کامیابی کا موجب ہو۔ اثرات کے لحاظ سے مشفق دوست کا مشورہ یا نصیحت بہترین نعمت ہے۔ وہ انسان جو بہت جلد اخلاقیات اور اپنے کاروبار میں زوال پذیر ہو جاتے ہیں اس کی پہلی وجہ یہ ہے کہ ان کو سچے دوست اور سچے مشورے نہیں ملتے۔ ان کے چاروں طرف خود

(باقی مضمون اگلے صفحہ پر)

{پچھلے صفحہ سے}

غرض افزائی کی بیحد رہتی ہے۔ صحیح مشعدہ راسخ اور صادق دوست کے علاوہ کسی سے نہیں مل سکتا۔ دوست کے علاوہ مشورے دینے والے کبھی غرض سے خالی نہیں ہوتے۔

دنیا میں انسان کی زندگی ہر وقت غیر یقینی ہے

تھوڑے ہی خوش قسمت انسان ایسے ہیں جو اپنی زندگی میں اپنی مقصودہ تجویزوں کو اپنے متخیلہ ارادوں کو عملی جامہ پہنانے میں کامیاب ہوتے ہیں۔ کیونکہ آرزوئیں و مقصد اور تمنائیں غیر مختتم ہوتی ہیں۔ ایک ایسا انسان جو اپنی زندگی میں ایک صحیح دوست حاصل کرنے میں کامیاب نہیں ہو سکا ہے مرنے سے قبل شدید پریشانی اور کرب میں مبتلا ہو جاتا ہے کیونکہ وہ اپنے بعد اپنے متعلقین اور متعلقات کی حفاظت اور تکمیل کے لئے کسی ایسی ہستی کو اپنے پاس نہیں دیکھتا جو اس کے بعد اس کے عزیزوں اور بچوں کی نگہداشت کرے۔ جن کی بہتری سوچنا اور کرنا اس کی زندگی کا خاص مشغلہ تھا۔ لیکن وہ شخص جو زندگی میں ایک صادق دوست حاصل کرنے میں کامیاب ہو گیا ہے۔ اطمینان کے ساتھ دنیا پر آخری نگاہ ڈالنے کا حق دار ہے۔ کیونکہ اس کو اطمینان ہے کہ اس کا سچا دوست اس کے متعلقہ امور کی تکمیل کے لئے اپنے فرض کی ادائیگی میں کوتاہی نہیں کرے گا۔ یاد رکھو جہاں دوستی ہے وہاں مرنے کے بعد بھی آرام و آسائش ہے لیکن جس کا کوئی دوست نہیں اسے زندگی میں بھی لطف و آرام اور مسرت و راحت نصیب نہیں۔

واقفیت محض اور دوستی

یہ خیال غلط ہے کہ دوستی راہوں کی سلاموں اور مجلسوں کی مسکراہٹوں اور بازاروں کی چہل پہل سے حاصل ہو سکتی ہے۔ ہاں یہ ہو سکتا ہے کہ ایسے ہی حسن اتفاقوں سے کوئی صادق القول اور نیک سیرت دوست مل جائے تو عجب نہیں۔ لیکن حقیقت یہ ہے کہ دوستی اصلی دوستی کا حاصل ہونا اسعادت کا حاصل ہونا ہے۔ سچے دوست کا مل جانا مال و دولت کا حاصل ہو جانا ہے۔ دوستی میں انسان کو ذاتی ایثار و قربانی کی جس منزل سے دوچار ہونا پڑتا ہے۔ اس میں راسخ الاعتقاد اور قائم رہنے کے لئے مضبوط ترین انسانی کیرکٹر اور اخلاقی صفات کی ضرورت ہے۔ انسان کی ملاقات سینکڑوں انسانوں سے ہوتی ہے۔ لیکن دوست ان ملاقاتوں میں کون ہے اس کا اندازہ کرنا شدید مشکل بات ہے۔ محض واقفیت اور سناشائی سے دوستی کی تعبیر نہیں کی جا سکتی۔

دوستی کا اصلی مفہوم یہ ہے کہ دوست کا دل حسد و رشک اور خود غرضی اور بے غرضی، نفع و نقصان کے جذبات سے خالی ہو۔ سچے دوست کی پہچان یہ ہے کہ وہ اپنے دوست کے زوال پر آنسو بہائے اور اس کی گذشتہ ترقی کے بحال کرنے میں دل و جان سے کوشش کرے

دوستی کا اصل راز (صفحہ ... کا بقیہ) ... تھالی

طاقت۔ دل کی صداقت۔ بے لوث محبت اور انسانی ہمدردی میں پوشیدہ ہے۔ ہمارے بزرگ اور اسلاف جو مشرقی اور ہندوستانی علوم کے عالم اور واقف تھے بہت زیادہ ان صفات سے متصف تھے۔ وضعداری ان بزرگوں کی علامت ثانیہ تھی۔ اخلاق ان کا اصول تھا۔ سچائی ان کا دھرم تھا۔ وہ محبت کے دیوتا تھے اور ہمدردی ان کی فطرت تھی۔ یہاں قدیم دوستیوں اور پرانے دوستوں کے افسانے دہرانے کا موقع نہیں ہے۔ نہ میں انشا نگاری کو کوئی اہمیت دیتا ہوں۔ میں تو علم النفس اور علم الحقیقت کی رو سے یہ محسوس کرنا اور کرا دینا چاہتا ہوں کہ موجودہ ماحول سے ہماری اخلاقیات کس بری طرح بہیں کر رہی ہے دیا ہے اور اس کی پہلی وجہ زمانہ کے اخلاقی خلا ملط میں پوشیدہ ہے۔ معاشرت اور تمدن کی رو انگی میں چھپی ہوئی ہے۔ ہمارے اسلاف اپنا خود ایک تمدن ایک معاشرت اور ایک اخلاق رکھتے تھے۔ اس لئے ان کے اعمال و افعال میں صداقت زیادہ اور منافقت کم تھی۔ قدیم دوستیاں اس قسم کی تھیں کہ جن میں جانی تھی لیکن آنچ نہیں جانی تھی۔ دوستی کی خاطر گھر بار لٹا دیا جاتا تھا۔ نہایت بے لوث اور بے غرضانہ۔ ہمارے بزرگوں کا اپنے دوستوں کی خاطر اپنے مال اور اپنی جان کی پرواہ نہیں ہوتی تھی۔ سب کچھ تباہ ہو جائے مگر دوست پر آنچ نہ آئے۔ وہ دوست کی عزت اپنی عزت اور دوست کی ذلت اپنی ذلت خیال کرتے تھے۔

آج کل کی دوستی

لیکن کون ہے جو مجھے بتائے کہ آج کل کی دوستی اسکے مقابلہ میں کوئی اصلیت اور حقیقت بھی رکھتی ہے۔ آج کل دوستی کی بنیاد قطعی خود غرضی اور منافقت پر قائم کی گئی ہے۔ دوست کے لئے کوئی ایثار و قربانی نہ کجا۔ مروت تک لوگوں کے دلوں میں نہیں ہے میں یہ تسلیم کرتا ہوں کہ کسی چیز کا اصل مفقود نہیں ہو سکتا کئی اشخاص ایسے ہوں گے جو حقیقی معنوں میں دوست کہلانے کے مستحق ہوں گے۔ لیکن عام طور پر دیکھا جاتا ہے کہ جب تک انسان کا اقبال قائم رہتا ہے اس کے چاروں طرف ایک انبوہ و اسباب نظر آتا ہے۔ اور مصیبت میں کسی ایک شخص کی شکل تو کجا پرچھائیں بھی دکھائی نہیں دیتی۔ آج کل کی دوستی محض ریاکاری اور اخلاق سے کھلی ہوئی بغاوت ہے۔ لوگ ایک دوسرے سے اغراض کو لے کر ملتے ہیں اور تکمیل غرض کے بعد رام رام بھی ترک کر دیتے ہیں۔ آج کل کی دوستی سوسائٹی کا مستقل فریب، گہری منافقت کھلا ہوا دھوکا اور نمایاں دغابازی ہے

دوستی کی کسوٹی

... سے بچنے کی پہلی اور آخری تدبیر یہ ہے کہ انسانوں کو دوستی کی کسوٹی پر دنوں، مہینوں اور برسوں

(باقی مضمون صفحہ ۲۵ پر)

شریر کا دوست اس کی شرارت سے بہت کم بچ سکتا ہے۔

جو شخص جلد دوستی پیدا کر لیتا ہے وہ جلد توڑ بھی دیتا ہے۔

جن لوگوں کو دنیا بڑے آدمی کہتی ہے ان میں سے اکثر بڑا کہلانے کے مستحق نہیں ہوتے۔

دشمن پر قابو پانا اس قدر مشکل نہیں جس قدر اپنے نفس پر قادر ہونا۔

مصیبت پڑنے سے پہلے سمجھ لے کہ مصیبت پڑنے پر تو اکیلا ہی رہ جائے گا

مصیبت دوستی کی کسوٹی ہے اور فارغ البالی ایمان کی۔

تکلف میں تکلیف ہے اور سادگی میں آرام۔

ان دنیا والوں کے لئے دنیا آرام کی جگہ ہے جو قناعت کی دولت سے مالا مال ہیں۔

حریص کی حرص اس کے اطمینان قلب کو کھو دیتی ہے

نیکی پر نیکی کے لئے کاربند رہو۔ اس کے انجام پر نگاہ نہ کرو۔ اور بدی کو بدی کے لئے چھوڑ دو اور اس کے انجام پر نگاہ رکھو۔

احسان کر کے جتلانا احسان نہ کرنے سے کچھ اچھا نہیں

احسان کا بدلہ اتارنے کی خواہش اور کوشش کرنا احسان کرنے سے کچھ کم نہیں۔

محنت و عمل کے بعد مزدوری ملنے سے مزدور کو اس سے کچھ کم اذیت نہیں ہوتی جتنی اسے مزدوری نہ ملنے سے ہوتی ہے۔

کسی کو صاف جواب دے دینا اس سے کہیں بہتر ہے کہ تم اسے انتظار میں رکھو۔

نوکری غلامی سے کچھ ہی بہتر ہے۔

نوک جھونک

مس روز :- میں ایسے شخص سے شادی نہیں کروں گی جس کو مجھ سے محبت نہ ہو۔

مس ماڈ :- (سہیلی سے) فرض کرو کوئی لکھ پتی تم سے شادی کرنا چاہے اور تمہیں اس سے محبت نہ ہو۔

مس روز :- مجھے لکھ پتی سے محبت نہ کرنے کی وجہ کیا ہو سکتی ہے۔

دو آدمیوں میں بحث شروع ہوئی کہ غزال کون سا جانور ہے؟

ایک نے کہا :- ایک قسم کا کتا ہوتا ہے۔

دوسرا بولا :- واہ۔ بکری ہی کی ایک قسم کو غزال کہتے ہیں۔

آخر فیصلہ ہوا کہ تیسرے شخص سے پوچھا جائے جو پیشاب کرنے گیا ہوا تھا۔ جب وہ واپس آ گیا تو اس سے پوچھا گیا کہ غزال کون سا جانور ہوتا ہے؟

اس نے جواب دیا :- "بھئی مجھے مرغیوں کی قسموں کے متعلق زیادہ واقفیت نہیں ہے۔

جج نے ملزم کو مخاطب کر کے کہا۔

"تم کہتے ہو کہ تم نے بھول کر اپنی بیوی کو مکان کی دوسری منزل کے نیچے پھینک دیا۔

اس پر ملزم نے کہا۔

حضور یہ ٹھیک ہے۔ ہم پہلے مکان کی نچلی منزل میں رہتے تھے۔ پھر اوپر کی منزل میں رہنے لگے۔ جب میں اپنی بیوی کو اٹھا کر پھینکنے لگا تو مجھے یاد نہیں رہا تھا کہ آیا ہم پہلی ہی منزل میں رہتے ہیں یا دوسری منزل میں آ گئے ہیں۔ اسی سہو کی وجہ سے یہ غلطی ہو گئی ہے۔

ایک شخص نے اپنے پرانے دکان دار سے کچھ سودا خریدا۔ پھر کہنے لگا۔

"بھئی دیکھو پرسوں رات تم نے ہمیں کھوٹا روپیہ دے دیا"

دکان والے نے جواب دیا۔ واہ جناب میرے گلے میں تو کبھی کھوٹا روپیہ پیسہ ہوتا ہی نہیں۔ ہم برس یہ کام کرتے گذر گئے۔ کھوٹا روپیہ پیسہ میری انگلیاں فوراً معلوم کر لیتی ہیں۔

اچھا یہ تو بتاؤ کہ پرسوں والا روپیہ تو چل گیا ہے؟

جواب ملا "ہاں۔ ابھی تو تمہیں دس روپیہ دیا ہے :

صفحہ ۲۷ کا بقایا مضمون

کرو۔ اگر وہ دوستی کے معیار پر صحیح اتریں۔ تو ان پر اعتبار و اعتماد کرو۔ اس سے رازداری رکھو۔ اور دوستی کا سلوک روا رکھو۔ ورنہ اس کے ساتھ عام میل جول کے آدمیوں کی طرح معاملات کرو۔ ایسی صورت میں آپ خود اپنے دوست ہونگے کیونکہ انسان خود ہی مقابلتاً اپنا بہترین دوست ہے۔ دوست کا امتحان حاجت اور مصیبت میں لو۔ ایک طویل نشست و برخاست میں اس کی عادت اور چال چلن کا اندازہ کرو۔ ذمہ دارانہ معاملات میں اس سے مشورہ لو۔ اور اپنے فیصلہ سے اس کا مقابلہ کرو۔ سچا دوست کبھی نقصان اور تباہی کی طرف رہبری نہیں کرتا۔ لیکن منافق ہمیشہ بربادی کی طرف لے جاتا ہے۔ امتحاناً اس کے ساتھ تھوڑا سا کاروبار اور لین دین کا معاملہ کرو۔ اور کبھی اس کے سامنے تباہی اور بربادی کی طرف لے جانے والی باتوں کی تعریف کرو اگر وہ برملا میں صاف اور بیباکانہ اثر سے اور برائیوں کے ارتکاب کی تائید کرے تو سمجھ کہ خود بھی وہ اپنی زندگی کا دشمن ہے اور تمہاری حیات کو بھی پامال کرنا چاہتا ہے۔ لیکن باوجود دوستی کے اگر وہ غلطی سے تمہاری تردید کرے تو یقیناً وہ سچا دوست بن سکتا ہے۔

دوست نما دشمن

جو شخص ہر وقت تمہاری خوشامد کرے اور مصاحبانہ انداز میں [illegible] کرے وہ ہرگز دوست نہیں ہے بلکہ شدید دشمن ہے۔ کیونکہ انسان کے احساس و ضمیر کو ماؤف اور غافل کرنا سب سے بڑی دشمنی ہے۔

دنیا میں سچے دوست کم ہیں

ہر چند کہ انسان دوستی اور دوست کا محتاج ہے اور اس کی سماجی زندگی میں آسانیاں پیدا کرنے کے لئے ہر وقت اس نعمت اور راحت کی ضرورت بھی ہے لیکن یہ عجیب نکتہ یاد رکھنا چاہیئے کہ دنیا میں تھوڑے دوست زیادہ اور سچے دوست بہت کم ہیں۔ ہر دو سے ہم چھٹکارا نہیں لیکن حقیقی جستجو سچے دوست کو حاصل کرنے میں ہمیشہ کامیاب ہوتی ہے۔ اگر انسان دوستی کے معاملہ میں خود صادق و راسخ رہے گا تو اسے سچے دوست ملنے میں جلد کامیابی ہوگی۔ محبت بھی غرض اور لطف سے خالی نہیں ہوتی۔ محبت کا تعلق انتہائے دل سے ہے اس لئے خود غرضی پیدا ہونے کا امکان ہے۔ لیکن دوستی محبت کی انتہائی منزل ہے

دوستی محبت کی انتہائی منزل ہے

جس میں انسان کو اپنے دوست کی روحانی و جسمانی آسائشوں کا اپنے سے زیادہ خیال رہتا ہے اور وہ کسی معاوضہ کا طالب نہیں ہوتا۔ محبت محبوب پر قبضہ جمانے کی تائید میں رہتی ہے۔ مگر دوستی دوست کو آزاد رکھ کر خدمت کرنے کی رائے دیتی ہے محبت کرو اور دوست ہو کر پہلی سیڑھی پر قدم رکھو۔ اور بام عروج تک پہنچ جاؤ۔ دوستی کے بغیر یہ تمام دنیا ایک تاریک جنگل ہے۔ صرف دوستی ہی کی شمع سے یہ تمام کائنات روشن نظر آتی ہے۔

میل جول کے آدمیوں سے محبت

اگر انسان کے اپنے اندر ایک بہترین دوست بننے کی اہلیت ہو تو کوئی وجہ نہیں کہ اسے ویسا ہی صادق دوست نہ مل سکے۔ لیکن اگر اس کی کوشش تلاش دوست میں تاہنوز ناکام اور تشنۂ تکمیل ہوں اور کوئی شخص معیارِ دوستی پر پورا نہ اترا ہو تو بد دل ہو کر عام میل جول کے آدمیوں سے کنارہ کش نہ ہو جائے۔ بلکہ ان سے نہایت محبت و پیار کا سلوک کرے۔ اور جہاں تک تعلقات کا تعلق ہو ان کی امداد و اعانت سے بھی دریغ نہ کرے۔ غمی و شادی میں شامل ہو اور کھانے کھلانے میں پیچھے نہ رہے۔ کیونکہ دنیا میں بیشتر ایسے کام ہیں جو دوسرے آدمیوں کی اعانت کے بغیر تکمیل نہیں پا سکتے۔ اس لئے کیا عجب ہے کہ کسی وقت تمہیں کسی کے اثر و رسوخ کے استعمال اور امداد کی ضرورت پڑ جائے۔

دوستوں کی اصلاح

ایسے دوستوں کی اصلاح جو دوستی کے صحیح راستہ پر جا رہے ہوں اور جو تعلقات کو سنجیدگی کے ساتھ نباہنے سے قاصر ہوں اس سلسلہ میں ان کو دوستی کی تعلیم دینا اور پند و نصائح سے گرانبار کرنے کی نسبت اپنے طرزِ عمل اور کیریکٹر کے نمونہ سے ان کی اصلاح کرنا یقیناً بہتر طریقِ اصلاح ہے۔

دوست کا تاریک پہلو

دوستی اور دوست کا تاریک ترین پہلو اگر کوئی ہو سکتا ہے تو وہ یہی ہے کہ خود دوستی کی تمام اہلیتیں اپنے وجود میں نہ پیدا کی جائیں اور دوسروں سے دوستانہ توقعات قائم کی جائیں۔ دوست کا تاریک پہلو یہ ہے کہ وہ کسی وقت دشمن ہو جائے۔ کیونکہ جو بہترین دوست ہو سکتا ہے اس کے متعلق یقین رکھنا چاہیئے کہ وہ بدترین دشمن بھی ہو سکتا ہے

سچے دوست کا روشن پہلو

لیکن ایک سچے دوست کا روشن ترین پہلو یہ ہے کہ وہ کبھی اپنی وضعداری اور بلندیٔ اخلاق کے اثرات کی وجہ سے دشمن بننے کی ذلیل جرأت نہیں کر سکتا۔ شرافت اور دوستی کا چولی دامن کا ساتھ ہونا چاہیئے۔ اس لئے لازم ہے کہ دوستی اختیار کرتے وقت جہاں دیگر طریقوں سے اسے پرکھا جائے وہاں اسکی خاندانی شرافت کے متعلق بھی تحقیقات سے تسلی کر لینی چاہیئے۔

سچی دوستی دنیا میں اعلیٰ شرافت کا دوسرا نام ہے۔

گذشتہ سے پیوستہ

(از جناب ضمیر احمد صدیقی ۔ علیگڑھ)

(خاص "تیج" ویکلی کے لئے)

معاملات کے لئے ایک بار اور کوشش کی گئی ناکامی ... تاکہ اس غرض کے لئے لندن بھیجے گئے لیکن صرف دو معاملات پر صلح نہ ہو سکی۔ ان میں سے ایک سوڈان کا مسئلہ بھی تھا۔ سوڈان مصر کے جنوب میں واقع ہے۔ یہ ملک مصر سے بالکل مختلف ہے اور یہاں کے باشندوں اور نسل میں بھی اختلاف ہے۔ دریائے نیل سوڈان کے شمالی حصہ سے گذرتا ہے۔ یہ دریا مصر کی جان ہے۔ مصر کی تمام ... اور کاروبار کا انحصار اس دریا کی سالانہ طغیانی پر ہے جو ہر سال اپنے ساتھ ہزاروں من زرخیز مٹی بہا لاتا ہے اور مصر کے ریگستان پر پھیلا دیتا ہے۔ ... کمیشن کی ... دریائے نیل کے متعلق لکھتے ہیں۔

"دریائے نیل کا مستقل پانی جو مصریوں کے لئے صرف آسائش ہی نہیں بلکہ زندگی کا باعث ہے ہمیشہ مصریوں کے اختیار میں رہنا چاہیئے۔ تاکہ مصر آئندہ کے خطرات سے محفوظ رہ سکے"۔

اور چونکہ نیل کا شمالی حصہ سوڈان سے گذرتا ہے اس لئے سوڈان کا مسئلہ مصر کے لئے نہایت اہمیت رکھتا ہے۔

گذشتہ برسوں میں سوڈان مصر اور برطانیہ کی مشترکہ ملکیت سمجھا جاتا تھا۔ اور یہ اینگلو مصری سوڈان کے نام سے موسوم تھا۔ جیسا کہ آج کل بھی بعض نقشوں میں پایا جاتا ہے اور چونکہ برطانیہ مصر کا اصلی حکمران تھا اس لئے کوئی جھگڑا ہی نہ تھا۔ جس طرح کہ ہندوستان کی آمدنی کا بہت کافی روپیہ حکومت سرحدی معاملات پر خرچ کرتی ہے۔ اسی طرح مصر کا روپیہ سوڈان میں خرچ ہوتا تھا۔ اس کے متعلق لارڈ کرزن نے بھی ۱۹۱۹ء میں پارلیمنٹ میں کہا تھا کہ اگر مصر کا روپیہ سوڈان میں نہ لگایا گیا تو سوڈان دیوالیہ ہو جائے گا۔ جب مصر کی آزادی کا سوال پیدا ہوا۔ تو برطانیہ سوڈان چھوڑنے کے لئے تیار نہ تھا۔ مصری جانتے تھے کہ ان کی زندگی کا دارومدار سوڈان پر ہے۔ کیونکہ دریائے نیل کا شمالی حصہ اس خطہ سے گذرتا ہے اس لئے تنازعہ ختم نہ ہو سکا۔

۱۹۲۴ء میں جب مسٹر برطانیہ اور زاغلول پاشا سوڈان کے مسئلہ کو طے کرنے میں مشغول تھے اس وقت اہل سوڈان نے مصریوں سے متعلق ہونے کے کئی ثبوت دیئے۔ اس بات پر برطانیہ نے مصری حکومت کی رائے سے سوڈان کے معاملہ میں جو چاہا وہ کیا حالانکہ حکومت مصر اور برطانیہ کی مشترکہ تھی۔

مصر کو آزادی دیتے وقت ایک روک برطانیہ نے اور بھی رکھی تھی جس کو تحفظ داخلی کے نام سے منسوب کیا۔ اور وہ داخلی مفاد کیا تھے؟ میں نے اس کے متعلق کسی گذشتہ خط میں لکھا ہے۔ جب حکومت ترکی کمزور ہو رہی تھی اس وقت دیگر طاقتور حکومتوں نے اس پر کچھ قیود قائم کر دی تھیں۔ تاکہ ترکی میں ان حکومتوں کے شہریوں کو مساوی حقوق مل سکیں۔ اور یہ یوروپین شہری خواہ کتنا ہی سنگین جرم کیوں نہ کریں ان کی سماعت کسی ترکی عدالت میں نہیں ہو سکتی تھی ان کے مقدمے اُن کے ملکی نمائندے ہی کر سکتے تھے یہ غیر ملکی مختلف ٹیکسوں اور محصولوں سے بھی بری تھے اور چونکہ ترکی کی حالت بدتر تھی، اس لئے ان تمام شرائط کو وہ بے چوں و چراں ماننے کے لئے تیار ہو گیا۔ مصر حالانکہ ترکی سے کچھ بہتر حالت میں تھا لیکن ترکی اور مصر کی قیود اور پابندیوں میں کوئی زائد فرق نہ تھا۔

اسی طرح ترکی اور مصر کے شہروں میں غیر ملکی سرمایہ داروں کا اضافہ ہونے لگا۔ جو اپنے مفاد کی خاطر حکومت کے خلاف کسی قسم کی تحریک کو پسند نہ کرتے تھے۔ مصر میں غیر ملکی تجارتی ادارے اور تھے جن کی حفاظت کرنا بھی برطانیہ کے ذمہ تھا۔

ان وجوہات سے مصر کی اقتصادی حالت پر بہت گہرا اثر پڑ رہا تھا۔ اور مصری ایسے طریقہ حکومت کو جو اُن کو بد سے بدتر بنانے میں کوئی دقیقہ نہ اُٹھا رکھے ایک لمحہ بھی دیکھنا گوارا نہ کرتے تھے اور جب سرمایہ دار طبقہ ٹیکس دینے سے بچنا چاہے تو کسی ملک کی معاشرتی حالت سنبھلنا مشکل ہی ہو جاتی ہے۔ برطانیہ کے ... دور حکومت میں تعلیم، صحت عامہ، صفائی اور اصلاح دیہات کے لئے کچھ بھی نہیں ہو سکا۔

(باقی آگلے صفحہ پر)

لاہور ایکٹر ... رسالہ ... لوہاری منڈی لاہور

کچھ ایسا اتفاق ہوا کہ ترکی نے جو عرصہ سے یورپ کا بیمار کہا جاتا تھا۔ اور ہر غیر ملکی طاقت سے دبنے کے لئے تیار تھا مصطفےٰ کمال پاشا کے زیر اثر ترقی کرکے ایک خاص اہمیت حاصل کر لی اور دنیا کی طاقتور قوموں میں شمار ہونے لگا۔ لیکن مصر کی مصیبت ابھی تک نہ ٹلی تھی۔

یہاں یہ بتانا زیادہ مناسب معلوم ہوتا ہے کہ غریب چین بھی اس مرض میں شامل ہے جاپان بھی کچھ عرصہ تک اس مرض میں مبتلا رہا۔ لیکن طاقتور ہوتے ہی اس نے بھی اس طوق کو اتار پھینکا۔ اس طرح غیر ملکی مفاد مصر اور برطانیہ کی مصالحت میں خاصی رکاوٹ پیدا کر رہا ہے۔ اور اکثر ایسے چھوٹے چھوٹے مفاد ہی آزادی میں مخل ہوتے ہیں۔

۱۹۲۲ء کے اعلان آزادی میں برطانیہ نے اقلیتوں کے تحفظ کا بھی وعدہ کیا تھا۔ یہاں کی خاص اقلیت ایک فرقہ کا پٹس (COPT S) پرستش ہے۔ یہ لوگ قدیم مصریوں کی اولاد میں سے خیال کئے جاتے ہیں۔ اصلی مصری باشندے یہی ہیں یہ سب عیسائی مذہب سے تعلق رکھتے ہیں یورپ کے عیسائی ہونے سے قبل ہی یہ لوگ اپنا مذہب تبدیل کر چکے تھے۔ بجائے اس کے کہ یہ لوگ اعلان آزادی پر برطانیہ کے مشکور ہوں۔ انہوں نے صاف الفاظ میں کہہ دیا کہ اس کے فرقہ کی حفاظت کے لئے غیر ملکی حکومت کے تحفظ کی ضرورت نہیں۔ اور اسی سال انہوں نے منعقد جلسہ کیا اور یہ طے کیا کہ قومی اتحاد اور ملکی آزادی کے لئے اقلیت کی نمائندگی کوئی ضروری نہیں ہے۔

برطانیہ کے مدبروں نے مصر کی اقلیت کو سمجھایا کہ یہ فیصلہ ان کے حق میں قطعی مناسب نہیں ہے۔ بلکہ ایک بیوقوفی ہے۔ خواہ بیوقوفی ہو یا سمجھداری۔ انہوں نے برطانیہ کے دعویٰ تحفظ اور حقوق اقلیت کے مسئلہ ہی کو ختم کر دیا۔

اس امر سے انکار نہیں کیا جا سکتا کہ اس فرقہ نے قومی اتحاد اور جنگ آزادی میں بہت نمایاں حصہ لیا۔ اور غالباً اس کی وجہ اکثریت کی فراخ دلی تھی۔

اکثریت کی دریا دلی اور اقلیت کے اس فیصلے سے فرقوں کے مفاد کا سوال اٹھ گیا۔ اور ۱۹۲۴ء میں سارے معاملات طے ہو گئے۔ اس پر حکومت برطانیہ بہت پیچ و تاب کھائی۔ وفد پارٹی کے رکن اصلاح پر مصر تھے۔ ایسی حالت میں برطانیہ نے وفد پارٹی اور مصری مجلس اعلیٰ پارلیمنٹ کو کچھ سبق دینا چاہا۔ اور اتفاق سے انہیں فوراً ہی یہ موقعہ مل گیا۔

برطانیہ نے کس طرح مصر کی سیاسیات پر دوبارہ اقتدار حاصل کیا۔ اس کو میں کسی دوسرے خط میں واضح کروں گا۔ کیونکہ ان واقعات کے لئے ایک ... خط درکار ہے

انجامِ موت

(از جناب بابو لال ... پانڈے صاحب خاص تیج ویکلی کیلئے)

کل تک ——— وہ شہنشاہ تھا

دولت ——— اسکی بے دام باندی تھی

ثروت ——— اسکی پاسبان تھی

اور ——— اس کی سلطنت میں

ایک شاہ تھا

عزت ——— اسکی دمساز تھی

نعمت ——— اسکی ہمدم تھی

مگر آج ——— وہ شہنشاہ اور شاہ ایک ہی درجہ پر پہنچے

ملک الموت نے ان دونوں کی روح پر قبضہ کر لیا۔

شہنشاہ کی دولت اور ثروت دنیا میں رہ گئی

شاہ کی عزت اور نعمت نے اسکا ساتھ چھوڑ دیا۔

ان دونوں کا مسکن ——— سینۂ زمین تھا۔

موت شاہ اور شہنشاہ کی تمیز و تفریق کو اڑا دیتی ہے۔ اس کی نظر میں سب ایک ہیں۔

شہرت

(از جناب منوہر لال ارواہ ... خاص تیج ویکلی کے لئے)

شہرت تو کہاں ہے۔ دنیا میں لاکھوں تیرے متلاشی ہیں جو تیرے دست شفقت کے طلبگار ہیں۔ تیرے شربت دیدار کے پیاسے ہیں۔ ... ... مگر آہ! ان کی حسرتیں دل کی دل ہی میں رہ جاتی ہیں۔ ان کی تمنائیں خاک ہوئی جاتی ہیں ارمان کی خواہشات مٹی جاتی ہیں ... کیونکر تو انہیں نہیں ملتی۔

اے شہرت کی دیوی! بتا کہ تو نے کون سا گوشۂ تنہائی اختیار کیا ہے۔ تو کس جگہ پوشیدہ ہے۔ اور تیرے پاس آنے کا کون سا راستہ ہے ... ... تاکہ میں تجھ تک پہنچ سکوں۔ تیرے نعموں سے مسرور ہو سکوں۔ تیرے سائقوں سے شہرت نوش کر سکوں اور تجھ سے تعلق رکھنے والوں کو تیرے حصول کا طریق بتا سکوں۔ تاکہ وہ بھی مصائب بھر کر راحت وصل سے متمتع کریں۔

آہ! تو نے مجھے بتایا۔ میں تجھے دیکھ رہا ہوں۔ تو ایک پر تکلف تخت پر جلوہ افروز ہے اور اپنے سنہری چھترے چاند ایسا پیمانہ لگن ہے۔ تیرے چھترے ان پر رحمتیں برس رہی ہیں۔

... ہاں سنتا ہوں۔ کیا کہا؟ ـ تو ان کو چاہتی ہے جو تیری پرواہ نہیں کرتے۔ بلکہ تجھ سے دور رہنا چاہتے ہیں۔ تو مجھ جیسے شہرت کے متلاشیوں کی شکل بھی دیکھنا پسند نہیں کرتی۔

آم

(از جناب رام سروپ صاحب بٹنا گر)

(خاص پنچ دیکلی کے لئے)

ہندوستان کی بہار کے بار پرور پھلوں میں آم سب سے زیادہ نمایاں ہے۔ اس کو اہل فارس انبہ یا اَب، اہل توران انغزک اور اہل یورپ مینگو کہتے ہیں۔ یہ ماندان نباتات کو چار چاند لگانے والا اور ہر صغیر و کبیر کے دل کو لبھانے والا میوہ عنقریب ہر شہر کے بازار اور ہر قریہ کی گلیوں کو رونق بخشیگا۔ اس کی مدح میں مختلف شعراء نے طبع آزمائی کی ہے۔ چند منتخب اشعار ہدیۂ ناظرین کئے جاتے ہیں (ایڈیٹر)

غالبؔ

مجھ سے پوچھو تمہیں خبر کیا ہے
آم کے آگے نیشکر کیا ہے
نہ گل اس میں نہ شاخ و برگ نہ بار
جب خزاں ہو تب آئے اس کی بہار

یا

نظر آتا ہے یوں مجھے یہ ثمر
کہ دوا خانۂ ازل میں مگر
آتشِ گل پہ قند کا ہے قوام
شیرے کے تار کا ہے ریشہ نام

نظیرؔ اکبرآبادی

ہے تشبیہ آموں کی یہ برمحل
زمرد کے پتے زمرد کے پھل
ہوا زور سے چلتی ہے سرد سرد

تو ہلتے ہیں وہ آم کیا سرخ و زرد
جو سیندورئیے ان میں ہیں بیشمار
ہیں لعل بدخشاں بھی ان پر نثار
وہ ہلتے ہیں زرد آم جو سامنے
لٹکتے ہیں پکھراج لے تھامنے
پڑے ہیں وہ ٹپکے ہوئے بیشمار
زمیں ہو رہی ہے جواہر نگار

تو نے ترشی پائی ہے شاید مزاج یار سے
اور شیرینی لی لب ہائے شکر بار سے
چاشنی پائی ہے تو نے لذت آزار سے
زرد رنگی مول لی ہے عشق کے بازار سے

داغؔ دہلوی

آم ہر اقسام زمرد کی ہے شکل
لال ڈبا صورت لعل یمن
دو گھڑ کے ہو جائے معطر دماغ
منہ میں مگر ان کے ہے مشک ختن
سیکڑوں قسمیں اسی میوے کی ہیں
بھر ہے یہ افراط کہ لاکھوں ہیں من
[illegible] ان آموں کی تعریف میں
کم ہے جہاں تک کہیں اہل سخن

شیر علی افسوسؔ

آم میں ہے ایک حلاوت عجب
رہتی ہے اس کی تو ہمیشہ طلب
ہند کے سب میووں کا سردار ہے
رونق ہر کوچہ و بازار ہے
شوخ یہ سیندوریئے کا رنگ ہے
سیب سمرقند بھی یاں دنگ ہے
میووں میں ہے بس وہی سرو سبز
سیب غلام اس کا ہی ہے کنیز

دردؔ بریلوی

تجھ پہ کیوں نازاں نہ ہو ہندوستاں کی سرزمیں
قدرتی جاموں سے تیرے ہے شراب الصالحیں

یہ تو صرف نظم کی تعریف ہے۔ ذیل میں آم کی بابت کچھ حالات بھی درج کئے جاتے ہیں۔

آم دنیا کے ہر اس خطہ میں پایا جاتا ہے جہاں سردی زیادہ نہیں پڑتی۔ برما۔ عمان۔ اور سوڈان میں بھی پایا جاتا ہے۔ مگر ہندوستانی آم میں جو خوبیاں ہیں وہ ممالک مذکورہ بالا کے آموں میں نہیں پائی جاتیں۔ آم ہندوستان میں ہر جگہ پیدا ہوتا ہے مگر گجرات۔ مالوہ۔ کشمیر۔ وسطی ہند۔ یو۔ پی۔ بہار بنگال۔ دکن اور مدراس میں بکثرت پیدا ہوتا ہے۔ اس کا پودا اس کی گٹھلی سے پیدا ہوتا ہے۔ پتیاں [illegible] پتلی اور [illegible] میں [illegible] ہوتی ہیں۔ [illegible] کا رنگ سنہرا ہوتا ہے۔ تمازت آفتاب سے بچنے کے لئے نیچے کو لٹکی رہتی ہیں۔ کچھ عرصہ کے بعد ان کا رنگ سبز ہو جاتا ہے اور وہ سخت ہو جاتی ہیں۔ آم کے پھول [illegible] میں [illegible] گرہ دار [illegible] میں بور اور بعض دوسرے

(باقی مضمون اگلے صفحہ پر)

جنرل بلوچر - روسی فوج کا دیو

(خاص ترجمہ برائے تیج ویکلی)

دنیا کی موجودہ فوجی شخصیتوں میں سب سے نرالی شخصیت جنرل بلوچر کی ہے جو روسی افواج کا دیوتا ہے یہ مشرق بعید کی روسی افواج کا سب سے بڑا کمانڈر ہے۔ لیکن دراصل اس کی حیثیت اس سے کہیں زیادہ ہے اس کی زبردست شخصیت اور اس کی غیر معمولی فوجی اہلیت سے سوویٹ روس کے مستقبل کی امیدیں وابستہ ہیں۔ کیونکہ اگر روس اور جاپان میں جنگ چھڑ گئی تو یہی وہ شخصیت ہوگی جس پر روس کے بچے بچے کی نظریں کامل اعتماد کے ساتھ اٹھیں گی اکثر روسی تو اسے نپولین اور ہنڈن برگ کا مشترکہ مجسمہ سمجھتے ہیں۔

جنرل بلوچر کے آغاز کے متعلق بہت سی باتیں بیان کی جاتی ہیں۔ بعض لوگوں کا خیال ہے کہ وہ اس مشہور جنرل کی اولاد سے ہے۔ جو واٹرلو کی جنگ میں ولنگٹن کے ساتھ لڑا تھا۔ اور بعض یہ کہتے ہیں کہ اس کا نام بلوچر نہیں کچھ اور ہے۔ بہرحال اس میں شک نہیں کہ جرمنی طرز کا نام اس کا اصلی نہیں ہے بلکہ فرضی نام ہے۔

بلوچر جنگ عظیم کے پہلے ہی سال میں گمنامی سے منظر عام پر آگیا۔ وہ گیلیشیا کے محاذ پر زار کی افواج کا نان کمیشنڈ افسر تھا۔ یہاں وہ نہایت بے جگری سے لڑا۔ اور زخمی ہوا۔ لیکن اس کے کمالات کو اس وقت تک چمکنے کا موقعہ نہیں ملا جب تک کہ انقلاب کے بعد بالشویک برسر اقتدار نہ ہوگئے۔ پھر تو اس صاحب رائے اور قیادت کی انتہائی خوبیاں رکھنے والے شخص کے لئے ترقی کے دروازے کھل گئے۔ اس کی صورت یہ ہوئی کہ بلوچر کو سائبیریا کے خلاف فوج کی کمان سپرد ہوئی۔ وہ بالشویکوں کی مٹھی بھر فوج لے کر لڑا اور ایسے ایسے کارنامے کر دکھائے جو افسانہ بن گئے ہیں۔

بلوچر نے زکیس کے خلاف جنگ کی اور چند معمولی فتوحات بھی حاصل کیں۔ اس کے بعد وہ گرفتار ہوگیا۔ وہ ایک ایسی فوج کا افسر تھا جو نہایت غیر منظم اور ایک وسیع رقبہ میں منتشر تھی۔ غرضیکہ یہ بھول کھلنے سے پہلے ہی مرجھا جاتا اور دنیا کا یہ قائد اعظم منظر شہود پر آنے سے پہلے ہی ختم ہوجاتا اگر اس کی فطرت اس کی مدد نہ کرتی۔ شہرت کا زینہ اس کے سامنے لگا تھا اس نے موقعہ کو غنیمت جانا اور جان پر کھیل کر قید سے نکل بھاگا۔

بلوچر کو گرفتار کرنے والوں نے اس کی رہائی کو کچھ زیادہ اہمیت نہ دی لیکن دنیا جانتی ہے کہ یہ اس کی زندگی اور روس کی تاریخ کا کتنا اہم واقعہ تھا۔ بلوچر کی نظر ان وحشیوں پر تھی جو مسلح تو تھے لیکن منظم نہ تھے اور بے چرواہے کی بھیڑوں کی طرح جنگلوں میں مارے مارے پھر رہے تھے۔ چنانچہ اس نے فوراً انہیں منظم کرنا شروع کیا۔ ان میں ایک نیا جوش اور ولولہ پیدا کیا اور ایک نئی روح پھونک دی۔

چنانچہ ایک دن ایسا آیا کہ وہ انہیں پھر مجتمع کر کے میدان جنگ میں لے آیا۔ ان کی تعداد کوئی بارہ ہزار ہوگی۔ یہ لوگ کوئی چیدہ چیدہ جنگجو سپاہی نہ تھے بلکہ وہ لوگ تھے جنہیں رہنما کی تلاش تھی۔

چنانچہ جنرل بلوچر کی رہنمائی میں انہوں نے وہ حیرت انگیز کرشمے کر دکھلائے کہ دنیا دنگ رہ گئی انہوں نے پیش قدمیاں کیں۔ پیچھے ہٹے۔ فتوحات کیں۔ ناکامیوں کے منہ دیکھے۔ ڈٹ کر لڑے۔ پھر غائب ہو گئے۔ ایک عرصہ بعد پھر کسی دوسری جگہ نمودار ہوئے اور نئے سرے سے حملہ کیا۔ ان کا سب سے قیمتی جوہر جنرل بلوچر کی مقناطیسی شخصیت ہی تھی۔ اسی کی سرکردگی میں انہوں نے کولچک افواج کو شکست دے کر نیست و نابود کردیا۔ چنانچہ بلوچر ہی پہلا وہ شخص تھا جسے سوویٹ کا فوجی تمغہ "نیلا ستارہ" عطا ہوا۔

اس کے بعد بلوچر کی زندگی کے ایک نئے اور عجیب و غریب باب کا افتتاح ہوا۔ وہ یکایک غائب ہوگیا اور کچھ عرصہ کے بعد کنٹن میں ایک جنرل گیلنس سننے میں آیا۔ جو روسی مشن کا سردار تھا۔ اور جس کے سپرد چینی سرخ افواج کی تنظیم کرنا اور تربیت دینا تھا۔

اس کی نگرانی میں ہزاروں چینی افسروں نے تربیت پائی۔ سینکڑوں رجمنٹیں ترتیب پائیں۔ اور دیکھتے دیکھتے ایک مستقل فوجی جماعت بن گئی جو پوری طرح منظم، تربیت یافتہ اور ہر طرح کے ساز و سامان سے آراستہ تھی۔

اسی زمانہ میں چینی جنرل "کئی شیک" نمودار ہوا کچھ عرصہ تک تو دونوں مل کر کام کرتے رہے۔ لیکن چونکہ دونوں زبردست شخصیتیں تھیں اس لئے ان کا کبھی نہ کبھی ٹکرانا لازمی تھا۔ چنانچہ یہ دونوں علیحدہ ہوگئے۔

گیلنس کی چینی فوج نے اکثر پیش قدمیاں کیں اور معرکے سر کئے۔ لیکن بالآخر چین کی سیاسی بساط پر ایسی چالیں چلی گئیں کہ روس کا اثر و اقتدار ختم ہوگیا اور گیلنس کو پھر بلوچر بن کر روس واپس آنا پڑا۔

یہاں آنے کے بعد اب تک جنرل بلوچر اس متوقع جنگ کی تیاریوں میں مصروف ہے جو روس

(باقی اگلے صفحہ پر)

(از صوفی لچھمن پرشاد صاحب ایڈیٹر "مستانہ جوگی" لاہور)

(خاص تیج دہلی کے لئے)

روزانہ سوالوں سے دانتوں کے امراض کے متعلق بھی کثرت سے مشورے طلب کئے جاتے ہیں عموماً پائیریا (گوشت خورہ) کی شکایت بہت بڑھ رہی ہے جس میں مسوڑھوں کا گوشت دانتوں کو چھوڑتا جاتا ہے مسوڑھوں سے خون بہتا ہے یا پیپ پڑ جاتی ہے یا مسوڑھے پھول جاتے ہیں۔ دانتوں میں درد رہتا ہے اور دانتوں اور مسوڑھوں کا زہریلا مواد غذا کے ساتھ پیٹ میں جا کر مختلف بیماریاں پیدا کرتا ہے۔ دانت گرنے لگتے ہیں۔ اس کے علاوہ دانتوں کو کیڑا لگنا یا دانتوں کا کمزور یا میلا ہونے کی بھی عام شکایت ہے

ان تکلیفوں سے بچنے کے لئے اول تو کھانا کھانے کے بعد دانت ایسے صاف کرنے چاہئیں کہ غذا کا ایک ریزہ بھی دانتوں کے درمیان یا منہ میں نہ رہے کہ جو رہنے پر خمیر بن کے دانتوں کے امراض کا سبب بنتا ہے۔ اور ہر صبح کیکر یعنی ببول یا مولسری یا نیم کی سبز شاخ کے اگلے حصہ کو دانتوں سے چبا کر اور برش بنا کر اس سے دانت صاف کرنے چاہئیں اور کھانا کھانے کے ہر دفعہ بعد منہ کو صاف کر لینا چاہئے۔ اس طرح انسان دانتوں کے امراض سے بچا رہتا ہے۔ ولایتی برش استعمال کرنے سے مسوڑھے زخمی ہو جاتے ہیں اور ان کے بالوں میں مرض کے جراثیم پھنسے رہتے ہیں۔ اس لئے برش کا استعمال قطعی نہیں کرنا چاہئے۔ اگر احتیاط کا وقت گذر گیا ہے اور آپ کو پائیریا یعنی گوشت خورہ یا دانتوں کا کوئی مرض ہو گیا ہے تب مندرجہ ذیل منجن تیار کر کے استعمال کریں۔ اس کے مسلسل استعمال سے دانتوں کی ہر مرض دور ہو جائے گی اور اگر تندرست اس کا استعمال کریں گے تو ان کو بھی دانتوں کی کوئی بیماری نہ ستائے گی۔ ہزاروں پر تجربہ شدہ ہے۔

نسخہ ذیل میں درج کیا جاتا ہے:۔

شاخ مرجان یعنی مونگا ایک سیر لے کر کوئلوں کی آگ میں اس قدر گرم کریں کہ مونگا سرخ انگارہ ہو جائے۔ پھر سرد ہونے پر مونگا سفید اور بھربھرا سا ہو جائے گا۔ اس کو کھرل میں سرمہ کی طرح باریک پیس لیں۔

اس کے بعد سبز اجوائن کے داتوں کو چٹنی کی طرح پیس کر اور کپڑے سے نچوڑ کر اس کا رس نکال لیں جو کہ وزن میں ایک سیر ہو۔

اب اس رس کے اندر مونگے کو کھرل کریں پھر سبز پودینے کے پتوں کے ایک سیر رس میں مونگا کھرل کریں۔ پھر درخت اخروٹ کی چھال کے نصف سیر رس میں کھرل کریں۔ پھر مولسری کی نرم چھال کے نصف سیر رس میں کھرل کریں۔ پھر دو تولہ کا فور کو سپرٹ میں ملا کر مونگے میں ڈال کر کھرل کریں۔ پھر درخت ببول کی شاخوں کے نرم چھلکے کا ایک پاؤ رس اس میں ڈال کر کھرل کریں۔ پھر چالیس قطرے ایسڈ کاربالک کے دو تولہ پانی میں حل کر کے ڈالیں اور کھرل کریں۔

پھر پھٹکی کے پھول کی دو چھٹانک ٹکڑیاں ڈال کر کھرل کرنے کے بعد کسی چینی کے برتن میں دوا کو پھیلا کر سایہ میں خشک کر کے پھر سرمہ جیسا باریک پیس کر بوتلوں میں بھر لیں۔

ہر روز صبح و شام بتن سے دانت صاف کر کے یہ منجن دانتوں اور مسوڑھوں پر ملنے سے دانتوں کی ہر مرض دور ہو جاتی ہے اور پائیریا کا تو یہ قطعی علاج ہے۔

{چوتھے صفحہ سے}

اور جاپان میں کسی موقعہ پر بھی چھڑ سکتی ہے۔ انہیں یقین ہے کہ یہ میدان کار زار سائبیریا میں گرم ہو گا جس طرح ہنڈن برگ جنگ عظیم سے برسوں پہلے سے ایک ایک حرکت اور ایک ایک قدم پر جو اٹھایا جا سکتا تھا غور کر رہا تھا اور اس کے لئے تیاری کر رہا تھا۔ اسی طرح جنرل بلوچر بھی سائبیریا میں تیاری میں مصروف ہے۔ جس طرح گذشتہ جنگ عظیم کے تمام امکانات ہنڈنبرگ کے سامنے آئینہ کی طرح روشن تھے اسی طرح بلوچر بھی جنگ روس و جاپان کے تمام نشیب و فراز سے پوری طرح واقف ہے اور ان کے لئے جاپان کی کوئی پیش قدمی غیر متوقعہ نہ ہو گی۔

یہی نہیں بلکہ اس نے ایک ایسی روسی فوج ترتیب دے لی ہے جس کی اس سے پہلے مثال ملنا مشکل ہے۔ یہ فوج اتنی منظم اور تربیت یافتہ اور جدید ترین ساز و سامان سے اس طرح آراستہ و پیراستہ ہے کہ دنیا کے وہم و گمان میں بھی نہیں آ سکتا۔

لہذا اگر کبھی روس اور جاپان میں جنگ چھڑی تو سائبیریا کے نپولین کا خورشید صبح طلوع ہو گا۔ اور جنرل بلوچر کا ڈنکا چار دانگ عالم میں بجے گا۔ اس لئے ناظرین کو انہیں اچھی طرح پہچان لینا چاہئے۔

دیہی صنعتیں اور دیہات کی نئی تعمیر

(بسلسلہ گذشتہ)

(از جناب شریت جے سی ایکسارپا)

منظور شدہ ادارے

منظور شدہ اداروں سے مراد وہ دوکانیں اور تجارتی ہیں جو ایسوسی ایشن کے ذریعہ دیہات کی بنی ہوئی چیزیں مہیا کریں اور ان کو فروخت کریں۔ یہ لوگ ایسوسی ایشن کے تجارتی کارندے ہوں گے۔ اسوقت تک ایسوسی ایشن کی طرف سے حسب ذیل اشیاء کی خرید و فروخت کے متعلق اجازت نامے دیئے جاچکے ہیں۔

چکی کا پسا ہوا آٹا۔ گڑ۔ شہد۔ ہاتھ کا نکالا ہوا چاول گھانی کا تیل۔ ہاتھ کا بنا ہوا کاغذ۔ گھی، دال اور خشک پھل وغیرہ۔

مالیت

ایسوسی ایشن کا نصب العین تاہرگز نہیں ہے اور وہ نہایت خلوص سے اس پر عمل پیرا ہے۔ چنانچہ اس نے اپنے پروگرام میں مقامی طور پر مالی امداد کا انتظام کیا ہے۔ اس کے نمائندے اپنے کام کے لئے اپنے اپنے حلقوں سے چندہ فراہم کریں گے۔ البتہ ایسوسی ایشن کا مرکزی دفتر اپنے ہمدردوں سے عطیات یا چندے قبول کرتا ہے اور نیز اسے اپنے معمولی شرکاء اور دائمی شرکاء سے سالانہ چندے بھی وصول ہوتے ہیں۔ امید ہے کہ آگے چل کر مرکزی دفتر کا کام ملحقہ اداروں اور منظور شدہ اداروں کی فیسوں سے چل جایا کرے گا۔

ارکان کی تعداد

۱۰ نومبر تک ایسوسی ایشن کے مختلف ارکان کی تعداد حسب ذیل تھی:۔

معمولی ارکان	۲۲۴
نمائندے	۹۱
منظور شدہ دوکانیں	۲۷
ملحقہ ادارے	۵

نشر و اشاعت

ایسوسی ایشن نے جن چیزوں کے متعلق اسوقت تک قابل اعتماد معلومات فراہم کی ہیں ان پر چھوٹے چھوٹے رسالے شائع کئے ہیں نیز ہے اغراض و مقاصد کی نشر و اشاعت کے سلسلہ میں اخبارات اور رسائل میں مضامین لکھے گئے ہیں۔ اور اس وقت ہفتہ وار "ہریجن" ایسوسی ایشن کا ترجمان ہے۔ یہ اخبار انگریزی، گجراتی اور ہندی میں شائع ہوتا ہے۔ کارکنوں کو چاہیئے کہ وہ مفید مشوروں کے لئے اس کا مطالعہ کریں۔

انجمن کا پروگرام

ظاہر ہے کہ دیہات کے تمام مسائل کو سلجھانا ایسوسی ایشن کے بس میں نہیں۔ مزید برآں بعض مسائل تو صرف حکومت کرسکتی ہے۔ کیونکہ ان کے لئے تمام ہندوستان پر سیاسی اور اقتصادی اختیارات کی ضرورت پڑتی ہے۔ ان حالات میں ضروری ہے کہ ایسوسی ایشن اپنے دائرہ عمل کو صرف ان طریقوں تک محدود رکھے۔ جن کا انحصار شخصی انتظام اور ذاتی اختیار پر ہو۔ اور اس میں حکومت کے اداروں اور اثر و نفوذ کی ضرورت نہ پڑے۔

اس میں شک نہیں کہ ہر اس ادارہ کو جس کا مقصد دیہات کی اصلاح ہے۔ سب سے پہلے دیہاتیوں کی جسمانی حالت کی طرف توجہ کرنا ہوگی۔ کیونکہ دیہاتی ہی تمام سرگرمیوں کا مرکز ہے۔ اور جب تک اس کی جسمانی حالت اچھی نہ ہوگی گاؤں کی اصلاح کی امید رکھنا بے کار ہے۔ اس امر کو ملحوظ رکھتے ہوئے ایسوسی ایشن نے سب سے پہلے گاؤں کی صفائی کو لیا ہے۔ ظاہر ہے کہ جب تک گاؤں کی گلیاں بازار وغیرہ صاف ستھرے نہ رکھے جائیں گے اور آب و ہوا کو اچھا اور صاف نہ بنایا جائے گا گاؤں والے آئے دن بیماریوں کا شکار رہیں گے۔ جو ان کی رہی سہی قوت کو بھی ختم کردے گی۔ بہرحال وہ لوگ جو دیہاتیوں کا بھلا چاہتے ہیں ان سے ایسوسی ایشن کی درخواست یہ ہے کہ وہ سب سے پہلے گاؤں کی صفائی کا کام شروع کریں۔ اور وہ اس طرح کہ گاؤں میں معمولی طور پر راستے بنائیں۔ جگہوں کو گندگی کے ڈھیروں سے جو مکھیوں اور بیماریوں کے جراثیم کا گھر ہوتے ہیں پاک کریں۔ پاخانوں کی غلاظت کو کام میں لانے کے لئے نئے اصلاحی طریقے رائج کریں۔ اور گاؤں کے تالابوں اور کنوؤں کو صاف کیا جائے۔ اور دیہاتیوں کو حفظان صحت کے طریقوں اور گھروں کی روشنی اور صفائی کی ضرورت کپڑوں اور کھانے پکانے کے بارے میں مناسب ہدایات دی جائیں۔

اس کے علاوہ ایسوسی ایشن ناکارہ خوراک کی اصلاح کے متعلق غور و خوض کر رہی ہے۔ وہ کھانے کی ایسی مناسب نوعیت معلوم کرنا چاہتی ہے جو دیہاتیوں کی گرہ کے مطابق ہو۔ اور اس میں غذائیت کے ضروری جزا بھی ہوں۔

کسان کی اہلیت پیداوار اچھی خوراک نہ ملنے کی وجہ سے بھی گھٹ گئی ہے۔ لہذا یہ ضروری ہے کہ اس کے کھانے میں زندگی بخش عناصر کو شامل کیا جائے ورنہ جو کچھ اسے ملتا ہے کم از کم اس کی غذائیت تو نہ گھٹنے پائے۔

(باقی مضمون اگلے صفحہ پر)

گردوں کے فعل کو درست کیجئے

اگر گردوں میں خرابی کی وجہ سے سستی، کمر میں درد، بار بار پیشاب آنے، جلن اور شب کو تکلیف، معدہ میں تیزابیت ہوتا ہے تو نئی ایجاد سسٹیکس (CYSTEX) استعمال کیجئے۔ آٹھ دن میں آرام نہ ہو تو دام واپس۔ ہر دوا فروش سے ملتی ہے یا مارٹن سیکلین اینڈ کمپنی کراچی سے منگائیے۔

مفت مفت مفت

نوجوانوں کی گرتی ہوئی حالت کو دیکھ کر اور پبلک کے زور دینے پر پنجاب کے مشہور وید کوی راج ... صاحب بی۔ اے گولڈ میڈلسٹ ماہر معالج پوشیدہ پرانے امراض اعلان کرتے ہیں۔ کہ احتلام، جریان، پوشیدہ امراض کا صرف چار ماہ کے لئے مفت علاج کیا جائیگا۔ ضرورتمند اصحاب ان کو چھ فارسیسی واقعہ چیمبرلین روڈ گوالمنڈی لاہور میں مل سکتے ہیں یا پورا پتہ لکھ کر دوائی بذریعہ ڈاک منگا سکتے ہیں

دیہی صنعتیں اور دیہات کی نئی تعمیر

(پچھلے صفحہ سے)

اگر وہ چاول کو تھوڑی سی حالت کے ساتھ گذر کر رہا ہے تو اس بات کا خیال رکھنا چاہیئے کہ وہ چاول سے پورا فائدہ اٹھائے۔ اس مقصد کو حاصل کرنے کے لئے اس کو یہ بتانا چاہیئے کہ کتنے چاول کے لئے کتنا پانی کافی ہے کیونکہ چاول اُبالنے کے بعد جو فالتو پانی پھینک دیا جاتا ہے اس میں بہت سی غذائیت موجود ہوتی ہے۔ اس سے بھی بڑھ کر یہ کہ اسے ہاتھ کا کُوٹا ہوا چاول استعمال کرنا چاہیئے۔ اس سے صرف یہ فائدہ نہیں ہوتا کہ وہ اپنا روپیہ مل کی نذر کرنے سے بچ جاتا ہے بلکہ یہ طبی نقطۂ نظر سے بھی مفید ہے۔ کیونکہ مل کی گرمی سے وٹامن (ب) ضائع ہو جاتا ہے۔ چاول کو صاف نہیں کرنا چاہیئے کیونکہ ایسا کرنے میں چاول کا رنگ بگڑ جاتا ہے۔ اور وٹامن (ب) میں (وٹامن (ب) موجود ہوتا ہے۔ جو کہ غذائیت رکھنے کے علاوہ بیری بیری سے بھی محفوظ رکھتا ہے۔ سارے طبیب اس امر پر متفق ہیں کہ ناصاف شدہ چاول صاف کئے ہوئے چاول سے کہیں بہتر ہوتا ہے۔ کیونکہ اس میں پروٹین چربی اور معدنیات نسبتاً زیادہ ہوتے ہیں۔

ان کے علاوہ ناصاف شدہ چاول سے کبھی تعفن نہیں ہوتا۔ درآنحالیکہ صاف چاول ہمیشہ تعفن کرتا ہے۔ ان سب کے پیش نظر ایسوسی ایشن اس امر پر مُصر ہے کہ ہر وہ شخص جس کو کسانوں کے دُکھ درد کا احساس ہو وہ خود بھی ناصاف شدہ ہاتھ کا کُوٹا ہوا چاول کھائے اور کسانوں کو بھی اس کی تلقین کرے۔ مزید برآں طب کا بھی یہ تقاضہ ہے کہ ہاتھ کا پسا ہوا گیہوں اور سادہ گڑ مشین کے آٹے اور نفیس شکر سے بہت زیادہ مفید ہیں۔ اس کی وجہ بھی یہی ہے کہ مشین کی گرمی ان کی غذائیت کو زائل کر دیتی ہے۔ چنانچہ ایسوسی ایشن ہاتھ کے پسے ہوئے گیہوں اور گڑ کے استعمال کرنے کا پروپیگنڈا کرتی ہے۔

علاوہ ازیں ایسوسی ایشن کے زیر نگرانی عام اناج، ساگ، پھلوں اور سبزیوں پر تحقیق کی جا رہی ہے۔ تاکہ کسانوں کے لئے کوئی متوازن خوراک مقرر کر دی جائے۔ ایسوسی ایشن امید کرتی ہے کہ وہ ان طریقوں سے کسانوں کے فاقہ زدہ جسموں میں نئی زندگی اور جان ڈال دیگی۔

ایسوسی ایشن کی کارکردگی یہیں پر ختم نہیں ہو جاتی اس کے نام ہی سے ظاہر ہوتا ہے کہ اس کا پہلا کام کسانوں کی معاشی زندگی کو سدھارنا ہے۔ آج کسان بہت ہی بُری حالت میں ہے۔ یقینی طور پر کہا جا سکتا ہے کہ اس کے ہاتھ میں کوئی فائدہ مند پیشہ نہیں رہا۔ جب سے بڑے پیمانہ کی مشنری آگئی ہے اس کی سب چھوٹی

صنعتیں جو پہلے اس کی ضروریات کی کفالت کرتی تھیں برباد ہو گئی ہیں۔ چنانچہ اب اس کا ایک ہی سہارا ہے یعنی زمین۔ لیکن یہاں بھی ایک مصیبت آپڑی ہے۔ آدمی زیادہ ہیں اور زمین بہت کم۔ پھر کیا کیا جائے؟

اس نقطہ پر پہنچکر دیہاتی صنعتوں کی ایسوسی ایشن کو یہ لازم آتا ہے کہ وہ گاؤں کی موجودہ صنعتوں کے واقعی حالات کا مطالعہ کرے۔ ان میں سے جو پھل پھول رہی ہیں یا جو مر رہی ہیں یا مر چکی ہیں سب کو غور سے دیکھے۔ مقامی حالات سے ہم آہنگ صنعتوں کو رائج کرے۔ اور مردہ صنعتوں کو دوبارہ زندہ کرے یا ان کو ترقی دے۔ پھر ان کی زائد پیداوار کے لئے نئی منڈیاں ایجاد یا تحقیق کرے۔ ایسا کرنے سے وہ بازار کی مشین سے بنی ہوئی صنعتوں کے ساتھ مقابلہ نہیں ہوگا۔ کیونکہ باہر کی منڈیوں سے مقابلہ کرنا ہمارے سودیشی آئیڈیل کے خلاف ہے۔ سودیشی کا یہ مقصد ہے کہ دیہاتی اپنی ضروریات کے مطابق اپنے ہاتھ سے چیزیں تیار کریں۔ آخر ہم اپنے ان کی روئی کو کپڑا بننے جاپان یا لنکاشائر کیوں بھیجیں جب کہ دیہاتی یہ کام خود سرانجام دے سکتے ہیں؟ کیا ایک وہ غریب آدمی جس کی آمدنی دس روپے ماہوار سے بھی کم ہو اپنے کپڑوں کی دھلائی صفائی یورپ میں کرائے گا؟ کتنا لغو خیال ہے۔ غریب آدمی کو اپنے کپڑے خود ہی دھو لینے چاہئیں۔ اس کے بس کی بات نہیں ہے کہ وہاں کی ہلکی مزدوری اور کرایہ وغیرہ اور کثیر اخراجات کا متحمل ہو سکے۔ لیکن غریب دیہاتی ہمیشہ اس لغویت کا شکار رہتا ہے۔ وہ اپنی خام پیداوار کو یورپ بھیجتا ہے اور جو چیزیں وہاں سے بن کر آتی ہیں ان کو استعمال کرتا ہے۔ حالانکہ اس کی قطعی ضرورت نہیں ہے۔ وہ یہ سارا کام خود کر سکتا ہے۔ اس صورت حالات سے یہ المناک نتیجہ نکلتا ہے کہ دیہاتی پر دوہرا ظلم ہوتا ہے۔ اس کو تیار شدہ چیز کے لئے زائد روپیہ دینا پڑتا ہے۔ اور وہ کام کی اجرت سے بھی محروم رہتا ہے۔ یہ بات کہنے میں کتنی بھلی معلوم ہوتی ہے کہ جاپان اور لنکاشائر دیہاتی کو خود کپڑا تیار کرنے کی زحمت سے بچا لیتے ہیں یہ تو بس صرف ان لوگوں کے لئے کچھ معنی رکھتی ہے جن کی آمدنی کے ذرائع دیہات کے پیشوں سے متعلق ہیں لیکن ہندوستان میں اس جماعت کی تعداد بہت ہی قلیل ہے۔ آبادی کا زیادہ تر حصہ کسانوں پر مشتمل ہے۔ جو ایڑی چوٹی کا پسینہ بہا کر اپنی روٹی کماتے ہیں۔ ان کے لئے ایک پائی بھی بہت زیادہ قیمت رکھتی ہے۔ اور اگر ان کو کام کرنے کا کوئی موقعہ نہ ملے تو یہ ان کی موت کے مرادف ہے۔ اس لئے ایسوسی ایشن اس امر کو اپنا اولین فرض سمجھتی ہے کہ ہندوستان کی خام اجناس باہر نہ جانے پائیں۔ اس کا مقصد یہ ہے کہ گاؤں کی دولت جو باہر کے ملکوں کی طرف بھیجی جاتی ہے اس کا رُخ پھر گاؤں کی طرف موڑ دیا جائے تاکہ دیہاتیوں کی حالت بہتر ہو جائے۔ اگر گاؤں کے لوگوں کی صنعت سے محرومی برابر جاری رہی اور اگر اس طریقہ کار کی روک تھام نہ کی گئی اور دیہاتیوں کو زراعت کے ساتھ ساتھ اور پیشے نہ سکھلائے گئے تو ان کے مستقبل میں کوئی امید باقی نہیں رہتی۔

(باقی آئندہ)

ہفتہ کی اہم مختصر خبریں

کانگریس ورکنگ کمیٹی کا اجلاس اس ریزولیوشن کی انتظامی طور پر تصدیق کرنے کی غرض سے منعقد ہوا جس میں کسانوں کی امداد کا وسیع خاکہ پیش کیا گیا۔ اس ریزولیوشن کی توضیح بعد میں صوبجاتی کانگریس کمیٹیوں سے مشورہ کرنے کے بعد کی جائے گی۔

دیناپور کے نزدیک موضع گنج میں ایک بڑا درخت گر جانے کے باعث ۵ اشخاص ہلاک اور ۵۰ مجروح ہو گئے۔ بیان کیا جاتا ہے کہ اس موضع میں جیت سنکرانت کے تیوہار پر ایک میلہ لگا جس میں بہت سے یاتری شریک ہوئے۔

سرکاری بیان شائع ہوا ہے کہ اٹلی کی موٹر سوار فوج نے سرحد سوڈان پر واقعہ شہر گلبٹ پر بغیر کسی مزاحمت کے قبضہ کر لیا۔ بیان میں واضح کر دیا گیا ہے کہ یہ قبضہ نصف شہر پر سمجھنا چاہئے۔ جو کہ حبش کے قبضہ میں تھا۔ باقی نصف میں برطانی فوج ہوائی فوج اور برطانی کسٹم ہاؤس ہے جس کو ایک سوکھا نالاب دو حصوں میں تقسیم کرتا ہے۔

پاکپورسب ڈویژن کی دو اور جوٹ مل جو کہ انگلو انڈیا اور نیلے کے نام سے مشہور ہیں کاریگروں کے ہڑتال کرنے کی وجہ سے بند ہو گئی ہیں۔ دونوں ملوں میں تقریباً پندرہ پندرہ ہزار کاریگر کام کرتے ہیں۔

نئی دہلی کے گھنٹہ گھر سے آٹھ گھوڑوں کی گاڑی میں ہز ایکسی لینسی اور لیڈی ولنگڈن کا جلوس نکالا گیا پولیس کا انتظام بہت سخت تھا۔ جلوس کے ہمراہ حکومت ہند کے سرکردہ ممبر وائسرائے کی ایگزیکٹو کونسل کے اراکین اور دیگر سرکاری افسر تھے۔ جلوس پارلیمنٹ سٹریٹ۔ کناٹ پلیس۔ پنچکوئیاں روڈ اور چیمسفورڈ روڈ سے ہوتا ہوا ریلوے اسٹیشن پر پہنچا جہاں کثیر تعداد میں سرکاری افسروں۔ غیر ملکی سفیروں اور والیان ریاست نے ہز ایکسی لینسی کو الوداع کہا۔

ایک آمدہ اطلاع مظہر ہے کہ بڑودہ میونسپلٹی کے مہترجی ملازموں نے مطالبات منظور نہ ہونے پر بھوک ہڑتال شروع کر دی ہے

بیان کیا جاتا ہے کہ انہوں نے یہ مطالبہ کیا تھا کہ اس کی تنخواہوں میں اضافہ کیا جائے اور ان کے کام کا وقت مقرر کیا جائے۔

اکھل بھارتیہ راجپوتی شری وشنو دھرم مہامنڈل کی نشل کانفرنس ایودھیا میں منعقد ہوئی جلوس میں تقریباً پانچ ہزار اشخاص شامل ہوئے جلوس کے ساتھ بینڈ بھی تھا مہنت سیتا رام داس شاستری نے ایک پُرجوش تقریر کی اور سادھوؤں کو تلقین کی کہ وہ چھوت پن کو دور کرنے کا کام کریں۔ کانگریس تحریک میں حصہ لیں اور گانجہ افیم بھنگ وغیرہ کے استعمال سے پرہیز کریں۔ چنانچہ تمام مہنتوں نے اپنے مندروں کو ہریجنوں کے لئے کھولنے کا اعلان کر دیا۔

پنڈت جواہر لال نہرو صدر انڈین نیشنل کانگریس نے اپنی کیبنٹ کے مندرجہ ذیل ممبر منتخب کئے ہیں۔

جنرل سکریٹری دسیٹھ جمنا لال بجاج - آچاریہ کرپلانی) خزینہ جولا بھائی ڈیسائی - مولانا ابوالکلام آزاد - بابو راجندر پرشاد - سردار ولبھ بھائی پٹیل - خان عبدالغفار خاں - شریمتی ماگلوباں آچاری - شری سبھاش چندر بوس - آچاریہ نریندر دیو مسٹر جے رام داس دولت رام - شریمتی سنکرلاؤ (اوپنہ) مسٹر جے پرکاش نرائن - مسٹر اچیت پٹوردھن

جب تک خان عبدالغفار خاں جیل میں ہیں ان کے بھائی ڈاکٹر خانصاحب ان کی جگہ فرائض سرانجام دیں گے۔

نئی ورکنگ کمیٹی کا پہلا اجلاس ۲۷ اپریل کو تین بجے واردھا میں ہوگا۔

کانگریس کا اجلاس ختم ہونے کے بعد نمائندہ تیج نے بابو راجندر پرشاد سابق صدر کانگریس سے انٹرویو کیا جس کے دوران میں بابو راجندر پرشاد نے فرمایا کہ اس سال یہ اجلاس ایسے حالات میں ہوا ہے جب کہ عوام کو بہت کچھ کام کرنا ہے اجلاس قطعی کامیاب رہا۔ لیکن کانگریس کا یہ فیصلہ کہ عوام کے درمیان زیادہ تن دہی سے کام کیا جائے اس وقت تک بے معنی ہوگا جب تک کہ ملک کا ہر ایک کانگریسی کارکن دیہات اور ایسے ہی مقام کی آبادی کی تنظیم کا کام اپنے ذمہ نہ لے گا۔

ہندوستان کے نئے وائسرائے لارڈ لنلتھگو معہ لیڈی لنلتھگو گیٹ آف انڈیا پر جہاز سے بمبئی میں اترے۔

صبح ہی سے بمبئی کے سرکار پرست حلقوں میں نئے وائسرائے کی آمد پر چہل پہل نظر آ رہی تھی حکام بھی نئے وائسرائے خیرمقدم کو کامیاب بنانے کی کوششوں میں ہمہ تن مصروف نظر آ رہے تھے۔

موجودہ پیشگوئیوں کے مطابق اسمبلی کا بجٹ سیشن ۲۲ اپریل کو ختم ہو جائے گا

معتمد بیان - ادویہ کی ڈیوٹیوں میں تبدیلی کے بارے میں ٹیرف کا جو ترمیمی بل اسمبلی میں پیش کیا گیا ہے اس تجارتی حلقوں میں خاص دلچسپی پیدا ہو گئی ہے۔

مس میوریل لیسٹر جن کے اس لندن میں مہاتما گاندھی مہمان ٹھہرے تھے۔ اور جو لندن کے غریبوں کے محلے میں "کنگسلے ہال" نامی آشرم کی روح رواں ہیں کچھ عرصہ ہوئے کلکتہ آئی تھیں۔ خراب فلموں کی بڑھتی ہوئی بلا کے متعلق انہوں نے جو خیالات ظاہر کئے تھے ذیل میں درج کئے جاتے ہیں (ایڈیٹر)

فلم بہت مفید ثابت ہو سکتے ہیں اور دنیا بھر کی انسانی سوسائٹی کو انہیں نے کا کام دے سکتے ہیں لیکن وہ دنیا بھر کے لئے خطرہ بھی بن سکتے ہیں۔ سال دو سال پہلے کے آثار دیکھتے ہوئے ہی معلوم ہوتا تھا کہ یہ دوسری بات ہی سچ ثابت ہونے والی ہے۔

مجھے یاد ہے کہ پچھلے سال نئی دہلی کے ایک تھیئٹر میں ایک بہت بڑھیا فلم دیکھنے کے دوران میری نظر اگلے ہفتہ کے فلم کے اشتہار پر جو وہاں لگا ہوا تھا پڑی۔ اس اشتہار میں فلم کے جو سین دکھلائے گئے تھے۔ وہ انگڑائی دینے کے لئے تو کافی تھے ہی مگر اس سے بھی بڑھ کر تھے وہ الفاظ جنہیں ہم سب کو اگلے ہفتہ فلم دیکھنے کی دعوت دی گئی تھی۔ اشتہار دہندہ کی آواز چھپے طور سے دیکھنے والوں کو یہ بتلا رہی تھی کہ ہر ایک آدمی میں شہوانی جذبہ بڑا زبردست ہوتا ہے اور آنے والی تصویر سے ان کے اس جذبہ کو اشتعال اور سیری حاصل ہوگی۔ اشتہار کی عبارت کو اور بھی دلکش بنانے کے لئے بغلگیری اور بوسہ بازی کے کچھ سین دکھائے گئے تھے۔ تھیئٹر والوں کا خیال تھا کہ ان کی اس کارروائی کا ہر ایک پڑھنے والے نوجوان لڑکے یا لڑکی پر بڑا اثر پڑے گا۔

یہی فلم لندن کے اس محلے میں میرے آشرم کنگسلے ہال اور اس کے چاروں طرف رہنے والے لوگوں کو پستی کی طرف دھکیل رہا تھا اور ان کی آتما کو کمزور بنا رہا تھا۔ اور اسی ملک کے بارے امریکہ کی مائیں اپنے نوجوان لڑکے لڑکیوں کے لئے ویسی ہی متفکر اور پریشان ہو رہی تھیں جیسے کہ آپ لوگوں کو کرنے۔

انسانی سوسائٹی کے کسی خاص طبقہ کی بہتری کے خیال سے نہیں بلکہ تمام انسانی سوسائٹی کی بہبودی کے خیال سے ہمیں فلموں کے خطرہ کا مقابلہ کرنا چاہیئے۔

جب رومن کیتھولک لوگوں نے بُرے فلموں کا بائیکاٹ شروع کیا تو دوسرے عیسائی فرقے بہت خوش ہوئے اور اس بائیکاٹ کی تائید کی۔ ہالی ووڈ نے یہ سمجھ کر کہ یہ طوفان جلدی ختم ہو جائے گا سر جھکا دیا۔ لیکن یہ تحریک زور پکڑتی گئی اور رفتہ رفتہ ہالی ووڈ کو معلوم ہونے لگا کہ اچھے اور اخلاقی اگر زیادہ نہیں تو کم سے کم اتنے ہی مقبول ہوتے ہیں جتنے خراب اور قابل اعتراض فلم۔

اس طرح کی تحریک کے لئے ضروری ہے کہ ہمارے ملک کے "پبلک سپرٹ والے" تمام لوگوں کی تائید حاصل ہو۔ اور اس میں کامیابی جب ہی مل سکے گی جب ہم دن رات لگاتار ہوشیار رہیں گے۔

رومن کیتھولک لوگوں کی تحریک کی بدولت اب ہم ہر ہفتے تیار ہونے والے فلموں کی فہرست دیکھ سکتے ہیں اور اس سے ہر ایک فلم کا خلاصہ معلوم کر سکتے ہیں۔ ان کی قیمت کا اندازہ لگا سکتے ہیں۔ اور دیکھ سکتے ہیں کہ بچوں اور جوانوں کے لئے کہاں تک مناسب ہوں گے۔ یہ فہرست ایک ہفتہ وار اخبار میں شائع ہوتی ہے۔ تاکہ لوگ اسے باقاعدہ طور سے دیکھ سکیں۔

کیا ہندوستان میں سات آٹھ آدمیوں کی ایسی کمیٹی نہیں بن سکتی جو ہر ہفتہ اپنے ایک یا دو ممبروں کو نئے فلم دیکھنے اور ان کے متعلق ریمارک پاس کرنے کے لئے بھیج سکے؟ ان کی رپورٹ سینما دیکھنے والی پبلک کے لئے ایک قیمتی گائڈ ثابت ہوسکے گی۔

میرے ہندوستانی دوستوں نے مجھ سے کہا کہ اگر وہ اس طرح کوئی فہرست بھی تیار کریں تو سینما کا اشتہار دینے والوں کے خفا ہو جانے کے ڈر سے کوئی اخبار اسے چھاپے گا نہیں۔ میں نہیں خیال کرتی کہ ہر ایک اخبار والا ہندوستانی نوجوانوں کی بھلائی کے لئے اتنا بے پروا ہوگا۔ میں سمجھتی ہوں کہ ہمیں صرف اخبار والوں سے ہی نہیں بلکہ سینما کے مالکوں کی نیک نیتی سے ——— ان کی عقل اور ضمیر سے ——— اپیل کرنی چاہیئے۔ ہم پہلے سے ہی کیوں مان لیں کہ وہ لوگ پبلک مفاد اور پبلک سپرٹ میں ہم لوگوں سے اتنے پیچھے ہیں۔

میں نے اپنے کئی ہندوستانی دوستوں کو یہ کہتے سنا ہے کہ سینما کی بلا ہندوستان میں مغربی ملکوں سے آئی ہے۔ مگر صرف ہندوستان ہی نہیں بلکہ دنیا کے اکثر ملکوں پر مشرق اور مغرب دونوں طرف سے خراب فلموں نے دھاوا بول دیا ہے۔ لازمی طور پر ہم سب کو اس بلا کے خلاف۔ اس زہریلے حملے کے خلاف مل کر کھڑا ہونا چاہیئے۔ ایک دوسرے کو بُرا کہنے سننے سے کوئی فائدہ نہیں۔ الٹا ہماری آپس میں وہ طاقت بیکار خرچ ہوتی ہے جو اصلاحی جذبہ کے پرچار میں لگنی چاہیئے۔

صفحہ ۱۱ کا بقایا مضمون

سرزمین کا آدمی چاند کی ایک رات میں ٹھٹھر کر مر جائیگا۔

——— یہ اور اسی قسم کے دیگر قیاسات ہیں۔ ان تجربوں کے جو چاند میں جانے والے انسان کے لئے پیش کر سکتے ہیں اور نہ معلوم کیا کیا چیزیں اور تجربے ہو سکتے ہیں۔ جن کا ہم نے وہم و گمان بھی نہیں کیا۔ مثلاً یہ کہ کیا چاند پر ہمیں کوئی مخلوق نظر آئے گی۔ یہی مخلوق جو اپنی مردہ سرزمین کی بدبختی سے تنگ آکر نیچے کی تہوں میں چلے گئے ہوں گے اور اندر اندر کوئی آبادی بنالی ہوگی۔ عجیب و غریب لوگ ہوں گے یہ ———

——— مگر ہوں گے بھی یا نہیں؟ دوربینوں سے چاند کی سطح کے جو حصے دکھائی دیتے ہیں وہ دو میل بلند دکھائی دیتے ہیں۔ لیکن ان کے نیچے عمیق غاروں میں کیا کیا چھپا ہوا ہے کوئی ان کا اندازہ نہیں لگا سکتا۔

اس کے علاوہ چاند کا دوسرا رخ انسان کی نظر سے بالکل پوشیدہ ہے۔ معلوم نہیں کہ اس فضائی کے پیچھے کیا ہے۔ اور وہاں کیا ہو رہا ہے اور انسان کو وہاں جاکر کیا چیز دکھائی دے گی۔ سائنسدان صدیوں سے چاند کی تحقیق کر رہے ہیں۔ مگر چاند کی صرف ایک طرف کا حال کچھ کچھ معلوم کر سکے ہیں۔ دوسرا رخ تو بالکل ہی نامعلوم ہے ———

——— مطلب یہ ہے کہ چاند تک پہنچنا تو ایک مشکل امر ہے ہی لیکن وہاں پہنچ کر انسان کے لئے زندہ رہنا اور سرزمین ماہ پر چلنا اور وہاں کے تجربات کا محسوس کرنا اور پھر واپس آکر انہیں بیان کرنا ایک بالکل نئی چیز ہوگی۔

بہرحال یہ یقین نہیں کہ کیا ہونے والا ہے اور کیا انجام ہوگا اس دلچسپ اور حیرت انگیز جنون کا۔

تین ہوا باز ہلاک

جرمنی جہاز تباہ ہو گیا

(تیج رپورٹر اسپیشل سروس)

برلن ۱۸ اپریل۔ پانچ میں سے تین ہوا باز ہلاک ہو گئے۔ جبکہ ایک جرمنی ہوائی جہاز سوئٹزرلینڈ کے علاقہ میں گر کر تباہ ہو گیا۔ باقی دو ہوا بازوں کی حالت بھی نازک بیان کی جاتی ہے۔ سوئس پبلک میں اس واقعہ کو بڑی اہمیت دی جا رہی ہے۔

گردوں میں نوے لاکھ ٹیوب ہوتے ہیں

بہت آدمی اس بات کو محسوس نہیں کرتے کہ تندرستی کے لئے گردے اتنے ہی ضروری ہیں جتنا کہ دل۔ اس کا سبب یہ ہے۔ کہ آپ کا دل نہیں بلکہ آپ کے جسم کے خون کو صاف اور پاک کرنے کے لئے آپ کے گردوں کو کام کرنا پڑتا ہے۔ ہر آپ کا گردہ نہایت نفاست سے بنا ہوتا ہے۔ ہر ایک میں وہ ساخت سے بھی باریک پینتالیس لاکھ باریک ٹیوب ہوتے ہیں۔ دونوں گردوں میں نوے لاکھ ہوتے ہیں۔

جب گردے ٹھیک عمل نہیں کرتے۔ تو خون صاف نہیں ہوتا۔ تو اس میں ایسڈ ٹوکسن اور دیگر زہریلے مادے جمع ہو جاتے ہیں جس سے جسم میں زہر پھیل جاتا ہے۔ اور صحت گرنے لگتی ہے۔ قبل از وقت بڑھاپا آجاتا ہے۔ اور انسان ایسا محسوس کرتا ہے کہ اس زندگی سے موت بھلی۔

گردوں کی خرابی کی چند علامات کمزوری سستی آنکھوں کے نیچے حلقے پڑ جانا۔ ٹخنوں کا سوجنا۔ بے خوابی۔ ضعف بصارت۔ بدہضمی اور کمزوری وغیرہ ہیں۔ اگر آپ ان میں سے کسی مرض میں مبتلا ہیں تو آپ لاپروائی یا نقصان دہ ادویات کے استعمال سے اپنی صحت کو خطرہ میں نہ ڈالیں۔ بلکہ سسٹیکس (CYSTEX) استعمال کریں۔ ۳۵ ممالک کے ادویول نے ڈاکٹر کے اس نسخہ کو ان بیماریوں کے لئے نہایت مجرب پایا ہے۔ آپ دیکھیں گے کہ

اس کے استعمال سے ایک رات میں ہی آپ کی کایا پلٹ ہو جاتی ہے۔ اور آپ کو نئی صحت طاقت۔ خوشی اور تازگی کا احساس ہونے لگتا ہے۔ درحقیقت سسٹیکس اس قدر مجرب ثابت ہوئی ہے کہ کیمسٹ اسے گارنٹی کے ساتھ فروخت کر رہے ہیں۔ اگر آٹھ دن میں آرام نہ ہو تو خالی ڈبہ دے کر دام واپس لے لو۔ اپنے کیمسٹ سے آج ہی گارنٹی شدہ سسٹیکس خریدیئے۔ اور دیکھیئے اس کے استعمال سے آپ کو اعلیٰ صحت اور تندرستی کا لطف حاصل ہوتا ہے۔

ددکی میلہ کا ایک سین

ددکی کوین یا ددن میلہ کا ایک سین

جوکہ نشاط تاکیز میں چل رہا ہے

Regd L No 1517

گوہر اسپاہنی کی معشوقہ میں

جو کہ نیورائل سنیما میں چل رہا ہے

Printed and Published by Dharampal Gupta at the TEJ Press, Burn Bastion Road, Delhi.

NO. 14. DELHI 28TH APRIL 1936 V. NO. 14.

Price
TWO
Annas.

صبح بہار

{ازعلامۂ عصر پنڈت برجموہن دتاتریہ ... دہلوی}
(خاص "تیج دہلی" کے لئے)

کیا جانفزا نظارہ ہے صبح بہار کا بدلا ہوا ہے ڈھنگ ہی کچھ روزگار کا
ہے آج رنگ اور ہی لیل و نہار کا آئینہ ہے فضا صنع کردگار کا
ہے یہ سحر تبسمِ قدرت کہیں جسے
ہے یہ سحر ترنمِ فطرت کہیں جسے

اس فصل کے ہیں کار نمایاں نئے نئے پائے ہیں باغ و راغ نے ساماں نئے نئے
گلزار میں کھلے گل و ریحاں نئے نئے جنگل میں لہلہائے گلستاں نئے نئے
فطرت کی روح رونقِ صبح بہار ہے
تصنیفِ کائنات کا یہ شاہکار ہے

ہے تازہ کاری صبح بہاری کی آشکار گلشن کا اس سے آج دوبالا ہوا نکھار
کردی فضا شمیم نے اک دم میں مشکبار گلگونۂ شفق نے دکھائی نئی بہار
سبزان باغ آج دلہن ہیں بنے ہوئے
شبنم جبینِ گل پہ ہے افشاں چنے ہوئے

وہ کیف پاشی آج سحر کی ضیا کی ہے مستانی چال باغ میں بادِ صبا کی ہے
متوالی چال ڈھال فلک پر گھٹا کی ہے صبح بہار ہے کہ کرامت خدا کی ہے
ٹکڑا جو ابر کا ہے صراحی بدوش ہے
رخصت زمیں سے کیا کہ فلک بھی ہوش ہے

حسن ازل کی یہ سحر آئینہ دار ہے رضوان کی روح اسکی پھبن پر نثار ہے
فطرت کا یہ سہاگ ہے، اس کا سنگار ہے دیباچۂ ریاضِ ارم درکنار ہے
استھائی ہے ترانۂ تکویں کی یہ سحر
مشاطہ ہے جہان کی تزئیں کی یہ سحر

بادل کی چال لغزشِ مستانہ ہوگئی جو کھل گئی کلی وہی پیمانہ ہوگئی
گل کی بھڑک پہ شمع بھی پروانہ ہوگئی راہِ قدیم خلق سے بیگانہ ہوگئی
غنچہ جو گل ہوا ہے تو گل پھول ہوگیا
تقویٰ بھی فرطِ کیف سے سجدے میں سوگیا

مطلع ہے یہ سحر غزلِ کائنات کا یہ وقت حسنِ مطلع ہے نظمِ حیات کا
ہے قطع بند سلسلۂ ممکنات کا مقطع ہے دن کے نوحۂ وبینِ وفات کا
تشبیب ہے قصیدۂ ہستی کی یہ سحر
اس سے گریز ہی میں خزاں کو ملا مفر

یہ وہ گھڑی ہے نورِ ازل کا کہیں جسے یہ وہ سماں ہے خلد کا نقشا کہیں جسے
اس کی ہوا وہ ہے دمِ عیسیٰ کہیں جسے اس کی ضیا وہ ہے یدِ بیضا کہیں جسے
اس صبح میں ہے روح فزائی کمال کی
اک شان ہے تفننِ طبعِ جمال کی

مسئلۂ رائین لینڈ کی بین الاقوامی حیثیت

اٹلی کے خلاف تیل کی عالمگیر تعزیرات کا بندوبست

لیگ اقوام کی بے بسی کا منظر — موجودہ یورپ کی ایک جھلک

از قلم ماہر سیاسیات یورپ مسٹر ایلن نیونس (ALLAN NEVINS)

مارچ کا آخری ہفتہ یورپ میں ایک سیاسی طوفان کے شور سے گونج اٹھا۔ پیرس، لندن اور برلن میں چہ میگوئیاں شروع ہو گئیں۔ اور اس میں کوئی شک نہیں کہ یورپ ایک خطرناک منزل پر پہونچ گیا ہے۔ ۷ مارچ کو ریشتاغ جرمنی کے سامنے ہٹلر نے جو تقریر کی اس نے تمام یورپ کو ہلا دیا۔ جمعیۃ اقوام کی کانسل کا اجلاس ۱۳ مارچ کو ہونا قرار پایا۔ اس وقت یورپ ایک دوراہے پر کھڑا ہوا ہے یا تو رائین لینڈ کا معاملہ ایک نئی ہیبت ناک جنگ کا پیش خیمہ ثابت ہوگا یا باہمی گفت و شنید یورپ کی سلطنتوں کو کسی اچھے راستہ پر ڈال دیگی۔

ہٹلر کی تقریر میں یہ اشارہ کہ میثاق لوکارنو ایک مردہ چیز ہو چکی ہے۔ اور رائین لینڈ پر جرمنی افواج تسلط کر لیں گی اس بات کی دلیل تھی کہ افق یورپ پر جنگ کے بادل گھر کر آ رہے ہیں۔ ہٹلر کی تقریر کے وقت یورپ کی سیاست کس حالت میں تھی اس کا اندازہ اس سے لگایا جا سکتا ہے کہ فرانس نے روس سے ایک نئی دفاعی پالیسی پر دستخط کئے یعنی فرانس اور روس میں اتحاد کی داغ بیل پڑی۔ اٹلی کے خلاف لیگ اقوام نے جو الٹی میٹم دیا تھا اس کا بھی ایک اثر نمایاں ہونا شروع ہوا یعنی ۸ مارچ سے حبش کے خلاف اٹلی کے جارحانہ اقدام کی روک تھام کے لئے احکام جاری کئے گئے۔ اور یہ خیال تھا کہ حبش کی جنگ رک جائے گی لیکن ابھی روسی فرانسیسی معاہدہ پختہ بھی نہ ہوا تھا حبش کا ہنگامہ بھی ابھی فرو نہ ہوا تھا۔ برطانیہ اور اٹلی کے مابین تعلقات کی نوعیت بھی ابھی کسی معقول نتیجہ پر نہیں پہنچی تھی کہ ہٹلر نے لوہا گرم دیکھ کر ہتھوڑا مار دیا یعنی رائین لینڈ میں اپنی فوجیں آمادہ دیں۔ نہ صرف یہ بلکہ یہ بھی وعدہ کیا کہ اگر فرانس حدود بندی کرنے پر آمادہ ہو اور سرحدوں کا فیصلہ جرمنی نقطہ نظر سے معقول طور پر ہو جائے تو جرمنی فرانس سے ایک پچیس سالہ معاہدہ دفاعی کرنے کے لئے آمادہ ہے اور یہ بھی وعدہ کرتا ہے کہ وہ کوئی جارحانہ اقدام نہیں کرے گا جس سے فرانس کو نقصان پہنچے۔ اس وعدہ سے برطانیہ کے مدبرین سیاست کو فرانس کے انتہا پسند سیاسیین سے ملحق و متحد ہونے سے روک دیا اور جرمنی کی یہ چال بالکل کامیاب رہی۔

دول یورپ کو شروع ہی سے اس بات کا خطرہ تھا کہ جرمنی اپنے ملک کے متمول ترین صنعتی علاقہ کو آزاد نہیں رہنے دیگا اور اس علاقہ کی قلعہ بندی اور فوجی حفاظت کے لئے ضرور انتظام کرے گا۔ اس لئے رائین کی سرحد پر قلعہ بندی کرنے میں ہٹلر نے جو جلدی ظاہر کی وہ متوقع ضرور تھی۔ مگر معاہدہ ورسیلز کی ایسی صریح اور [illegible] شکست و ریخت اس بات کی دلیل تھی کہ جرمنی کو دول یورپ کے کسی معاہدہ کا احترام مقصود نہیں۔ تاریخ شاہد ہے کہ کوئی معاہدہ اس وقت تک برقرار نہیں رہ سکتا جب تک اس کے دستخط کنندگان خلوص نیت کے ساتھ اس کو پختہ رکھنے پر آمادہ نہ ہوں۔ ہٹلر نے یورپ کی فضا میں گولہ پھینک دیا ہے۔ اور اب اس کا دھماکہ ہونے والا ہے ضرورت ہے کہ دول یورپ دست تاسف ملنے میں وقت ضائع نہ کریں۔ بلکہ فوراً سوچیں کہ اب کرنا کیا ہے

۸ مارچ کو ہٹلر نے یہ بھی آمادگی ظاہر کی کہ اگر فرانس بلجیم اور لیتھوانیا چاہیں تو جرمنی سے معاہدہ کر سکتے ہیں اور اپنی اپنی حد بندی کر سکتے ہیں جس کی رو سے جرمنی وعدہ کرتا ہے کہ وہ ان دول کے خلاف جارحانہ کارروائی نہ کرے گا۔ اور جس طرح وہ اپنی سرحد کی غیر فوجی حفاظت کا انتظام کرے گا اسی طرح ان دول کو بھی اپنی اپنی سرحدوں پر انتظام کرنے کا حق حاصل ہوگا۔ جرمنی نے بلجیم اور فرانس سے ہوائی معاہدہ کرنے اور برطانیہ و اٹلی کو ضامن بنانے کے لئے بھی زور دیا۔

جرمنی نے لیگ اقوام میں دوبارہ کرنے پر بھی آمادگی ظاہر کی اور یہ خیال کہ اگر پولینڈ و جاپان اس کے اتحادی ہو گئے تو جرمنی روس کے خلاف قدم اٹھائے گا۔ اور اپنی حدود روس میں بڑھانے کے لئے جد و جہد کرے گا۔

لیکن معلوم ہوتا ہے کہ مدبرین یورپ کے سامنے آیا فرانس کہتا ہے کہ جرمنی کے خلاف تعزیری قدم اٹھانا چاہئے مگر برطانیہ اس حالت میں خنکی پیدا کرنے اور جرمنی کو گھیر کر پیرس کے پلیٹ فارم پر لانے اور دستوری افراس پر ڈالنے کی پالیسی کا حامی نظر آتا ہے۔ اب سوال یہ ہے کہ کیا اس موقع سے فائدہ اٹھایا جائے گا۔ اور جرمنی کا ہاتھ پکڑ کر لیگ اقوام کے راستہ کی طرف رہنمائی کی جائے گی۔

اٹلی کے خلاف لیگ کی تعزیرات

ہٹلر کی خطرناک تقریر سے قبل ۲ مارچ کو ایڈن وزیر

(باقی اگلے صفحہ پر)

مورخہ ۲۸ — اپریل ۱۹۳۶ء — بروز منگلوار

دیہات سدھار کی رفتار

آل انڈیا ویلیج انڈسٹریز ایسوسی ایشن کی رپورٹ

مہاتما گاندھی نے دیہات سدھار کے سلسلہ میں جو آل انڈیا ویلیج انڈسٹریز ایسوسی ایشن قائم کیا تھا اس کی سالانہ رپورٹ جو ۱۹۳۵ء میں ایسوسی ایشن مذکور کے کارناموں پر مشتمل ہے پچھلے دنوں شائع ہوئی ہے جس کے مطالعہ سے یہ اندازہ ہوتا ہے کہ ہندوستان میں دیہات سدھار کی تحریک کس منزل پر ہے، اس کی موجودہ رفتار ترقی کیا ہے اور آئندہ اس سے کیا کیا مفید نتیجے برآمد ہوں گے۔ یہ رپورٹ دلچسپ بھی ہے اور پُر از معلومات بھی اور اس میں دیہات کے متعدد اہم مسائل پر کافی روشنی ڈالی گئی ہے۔ کسی کام کے سلسلہ میں سب سے زیادہ اہمیت رکھنے والی چیز اس کا مقصد ہوتا ہے، اور دیہات سدھار کے مقصد کو خود رپورٹ مذکور نے ان الفاظ میں ظاہر کیا ہے: "چونکہ ہمارا مقصد یہ ہے کہ ہم دیہات کی مُردہ یا مرتی ہوئی صنعتوں کو زندہ کر کے دیہاتی آبادی کی مادی اور اخلاقی ترقی کا سامان بہم پہونچائیں۔ اس لئے کوشش کی گئی کہ اس ایسوسی ایشن کے تحت میں جو چیزیں تیار یا فروخت کی جائیں ان کے عوض ہر کاریگر کو آٹھ گھنٹے کے کام کے لئے کم از کم اتنی اجرت ضرور دی جائے جو ایک معین خرچ کے مطابق اس کے کھانے پینے کی ضرورتوں کو پورا کر سکے۔

اور حالات اجازت دیں تو اجرتوں کی شرح میں اتنا اضافہ کر دیا جائے کہ ہر خاندان کے کارکن افراد کی آمدنی سے اس خاندان کے تمام افراد کی پرورش ایک معقول معیار معاشرت کے مطابق ہو سکے۔"

دیہات سدھار کا مذکورہ بالا مقصد جس قدر بلند ہے اس کا اندازہ انہیں لوگوں کو ہو سکتا ہے جو دیہاتوں کی موجودہ حالت سے واقف ہیں۔ اور دیہاتیوں کے افلاس، فاقہ کشی اور بے روزگاری وغیرہ کے دل ہلا دینے والے مناظر اپنی آنکھوں سے دیکھتے ہیں لیکن ظاہر ہے کہ ہندوستان کے لاکھوں دیہاتوں میں صنعتی و حرفتی ترقی کے ذریعہ لوگوں کے معیار زندگی کو اس بلندی تک پہنچانا کوئی معمولی کام نہیں ہے۔ اور اس کے لئے تمام کوششوں کو، تمام طاقتوں کو اور تمام پارٹیوں کی متفقہ جد و جہد کو ایک مرکز پر جمع کرنے کی ضرورت ہے۔ پھر بھی ایک سال کی قلیل مدت میں آل انڈیا ویلیج انڈسٹریز ایسوسی ایشن نے جو کچھ کیا ہے اور پروگرام مذکور کو عمل میں لانے کے لئے جو عملی اسکیمیں جاری کی ہیں وہ مہاتما گاندھی جیسی عظیم شخصیت کے روحانی اثر اور ان کے مخلص رفقائے کار کی پُر زور کوششوں کا نتیجہ ہے!

ایسوسی ایشن نے سب سے پہلے دیہات کی تین اہم ضرورتوں کی طرف اپنی فوری توجہ مبذول کی۔ (۱) صفائی اور حفظان صحت (۲) غذا (۳) صنعت و حرفت۔ اول الذکر کام کے سلسلہ میں سڑکوں، گلیوں، نالیوں، تالابوں اور کنوؤں کی صفائی۔ پینے کے پانی کی فراہمی وغیرہ کا انتظام کیا گیا۔ اس کے بعد مختلف غذاؤں کی طاقت اور صحت بخش اثرات کے متعلق ماہرین کی رائیں جمع کر کے ان کو براڈکاسٹ کیا گیا۔ مرکزی دفتر میں بہت سے تجربے کئے گئے اور جتنے ذرائع دستیاب ہوئے ان سے دیہاتیوں کی غذا میں بہتری کا سامان کیا گیا۔ صنعت و حرفت کی ترقی کے معاملہ میں پہلے انہیں چیزوں کی طرف توجہ دی گئی جن کا تعلق غذا سے تھا۔ مثلاً چاولوں کا صاف کرنا، گیہوں پیسنا، کولھو سے تیل نکالنا، گڑ اور شکر تیار کرنا وغیرہ۔ اس کے بعد ان گھریلو صنعتوں اور دستکاریوں کی ترقی کی کوشش کی گئی جو تباہ ہو چکی ہیں یا تباہی میں مبتلا ہیں۔ پروگرام کے ان تین اہم حصوں کے علاوہ اس کے مزید تین حصے تھے جو (۱) پروپیگنڈا (۲) تحقیقات اور (۳) فروخت اشیاء پر مشتمل تھے، اور جن کے سلسلہ میں بہت سے ایسے کام کئے گئے جن کی تفصیلات رپورٹ میں درج ہیں۔

اس جگہ اتنی گنجائش نہیں کہ آل انڈیا ویلیج انڈسٹریز ایسوسی ایشن کے تمام مفید کاموں کو پیش کیا جا سکے، لیکن دو باتیں ایسی ہیں جن کی اہمیت بہت زیادہ ہے۔ اور کسی طرح نظر انداز نہیں کی جا سکتیں۔ ایک تو یہ دیہات سدھار کے چند مرکز قائم کئے گئے ہیں جہاں ایسوسی ایشن کے کارکنوں نے مستقل بود و باش اختیار کر لی ہے اور خود دیہاتیوں میں رہ کر ان کی ضرورتوں، ان کے مقامی حالات و مسائل اور ان کے جذبات سے واقفیت حاصل کر کے، ان کی عملی اصلاح کی کوشش کر رہے ہیں۔ ظاہر ہے کہ جب تک دل و دماغ، طرز خیال و ذہنیت کی اصلاح نہ ہو چند ظاہری اصلاحات نہ تو بہت سود مند ثابت ہو سکتی ہیں اور نہ بہت دنوں تک قائم رہ سکتی ہیں۔

دوسری بات جس کی طرف رپورٹ مذکور میں اشارہ کیا گیا ہے وہ ان چند جملوں سے ظاہر ہے: "ہمیں اس کا علم ہے کہ بہت سے دوسرے لوگ بھی ملک کے مختلف حصوں میں دیہات سدھار کا کام کر رہے ہیں۔ یہ ہم دونوں کے لئے مفید ہوگا۔ اگر وہ اپنی جد و جہد کو ہماری کوششوں سے ملا دیں تاکہ ہم مل جل کر کام کر سکیں اور اپنے مشترک مقصد میں ایک دوسرے کی مدد کر سکیں"۔ اس میں شک نہیں کہ دیہات سدھار کے کام کا میدان بہت وسیع ہے اور ہر شخص کی امداد کا طالب ہے جو دیہاتیوں کی بہبودی اور ان کے ذریعہ اپنے ملک کی بہبودی چاہتا ہے، کیونکہ دیہاتیوں کی مدد کرنا ہی ہندوستان کی مدد کرنا ہے ٭٭٭

ہوائی میں سیاروں کا سفر!

برٹش انٹر پلینٹری سوسائٹی کے صدر مسٹر پی۔ ای۔ کلیٹر نے اپنی ایک تصنیف میں یہ امید ظاہر کی ہے کہ "راکٹ" یعنی ہوائی میں بیٹھ کر زمین سے دوسرے سیاروں تک جانا عنقریب ممکن ہو جائے گا۔ موجودہ دنیا میں چونکہ کوئی بات ناممکن نہیں رہی ہے اس لئے اس دعوے پر اظہار رائے کرنا قبل از وقت ہے۔ لیکن تصنیف مذکور میں سیاروں کے سفر کے متعلق چند معلومات ہیں جنہیں ہم یہاں پیش کرنا چاہتے ہیں۔ مسٹر کلیٹر دوسرے ماہرین سائنس کے اس خیال کی تردید کرتے ہیں کہ کسی گولے کے اندر بیٹھ کر طاقتور سے طاقتور توپ کی امداد سے بھی دوسرے سیارے تک پہنچنا ممکن ہوگا بلکہ چاند یا مریخ تک سفر کرنا صرف اسی حالت میں ممکن ہوگا جب سواری کی رفتار بتدریج بڑھتی رہے۔ اور یہ صرف "راکٹ" یعنی ہوائی کی صورت میں ممکن ہے۔ جو آکسیجن اور ہائیڈروجن کے ایک مرکب کے آتشیں عمل کے ذریعہ فضا میں پرواز کر سکے گی۔ اور جس کی تیزی رفتار خود سفر کرنے والے کے کنٹرول میں رہے گی۔ مسٹر کلیٹر کا بیان ہے کہ اس ہوائی کا وزن پچاس ہزار ٹن ہوگا۔ اور اس کی تعمیر میں دو کروڑ پونڈ خرچ ہوں گے۔ جب ہوائی کے ذریعہ سیاروں تک پہنچنے کا عمل جن لوگوں کے تخیل اور تصور میں نہیں آ سکتا وہ آئندہ سال مسٹر ایچ۔ جی۔ ویلز کا مشہور فلم "ہونے والی چیزیں" THINGS TO COME آئندہ سال دیکھیں گے اور خیال کریں گے کہ زمین اور کشش ثقل کی پابندیوں سے نکل کر فضا میں سیاروں کا سفر کرنا کس قدر دلچسپ ہوگا!!

تمدن کی "خودکشی"!

برطانیہ کے وزیر جنگ مسٹر ڈف کوپر نے مانچسٹر میں ایک فوجی مظاہرہ کے موقعہ پر یہ رائے ظاہر کی کہ ۱۹۱۴ء کے مقابلہ میں صورت حالات اس وقت زیادہ خطرناک ہے، اور اگر جنگ ہوئی تو تباہیاں بھی پہلے سے بہت زیادہ ہوں گی۔ ان کے اس خیال سے ہم اتفاق کرتے ہیں کہ جنگ عظیم کے بعد یورپ نے اگر کوئی اصلی ترقی کی ہے تو وہ صرف بربادی و ہلاکت کا سامان مہیا کرنے میں کی ہے۔ نیز یہ کہ آئندہ وقت میں ہم جو کچھ دیکھیں گے وہ جب تمدن کے لئے "خودکشی" کے عمل کے مترادف ہوگا۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ موجودہ تمدن خود اپنی ہلاکت کے درپے ہے۔ اور سائنس کی تمام جدید تحقیقاتیں اگر انسانوں کے قتل و غارت کے لئے استعمال کی گئیں تو پھر ان ترقیوں سے فائدہ اٹھانے والے انسان ہی نہ رہیں گے۔ اور یہ تمدن انسانوں کے ساتھ خود اپنا بھی خاتمہ کر دیگا۔

بیروزگاروں کا انسداد کیونکر ہو؟

لاہور سے پچھلے دنوں ایک اطلاع آئی ہے کہ ایک ہندو نوجوان نے جس کی عمر ۲۸ سال تھی بادامی باغ اسٹیشن کے قریب ریلوے لائن پر ایک چلتی ہوئی گاڑی کے نیچے لیٹ کر خودکشی کر لی۔ مرحوم کا نام دوارکا داس تھا جو انشورنس آفس میں کلرک تھا۔ اور چند روز پہلے اپنی ملازمت کھو چکا تھا۔ بے روزگاری کے باعث اس طرح خودکشی کر لینے کی یہ کوئی نئی خبر نہیں ہے بلکہ ہندوستان کے مختلف حصوں سے اکثر ایسی خبریں آیا کرتی ہیں۔ اور متعدد نوجوان افلاس سے تنگ آ کر خودکشی کر لیتے ہیں۔ کبھی کبھی تو ایسا ہوا ہے کہ بے روزگاری اور تنگدستی کے باعث ایک خاندان کے تمام افراد خودکشی اور مرگ ناکامی کا شکار ہو گئے ہیں۔ لوگ کہتے ہیں کہ لارڈ ولنگڈن کا دور سخت گیری کا دور تھا

(باقی شذرات اگلے صفحہ پر)

جدید آئین کے نفاذ کے پیشِ نظر سر فضل حسین تمام فرقوں سے اپنی محبّت کا اظہار کر رہے ہیں ؛

تجلّیات !

(از جناب آرزو سہارنپوری)

فریبِ جلوۂ حیرت طراز رہنے دے ۔ مجھے مجاز ہی سے بے نیاز رہنے دے

کمالِ ذوقِ خلش ہائے ناز رہنے دے ۔ مذاقِ رُوح کو محوِ نیاز رہنے دے

صدائے سوز ہوں سازِ خموشِ ہستی میں ۔ نہ چھیڑ جلوۂ نظارہ ساز رہنے دے

حریمِ حُسن میں چھپ لکھ طرح بن بن کر ۔ مرے لئے نگہِ امتیاز رہنے دے

چھپی ہوئی ہیں اسی میں ہزار صبحِ جمال ۔ فسانۂ ہجر کی شامِ دراز رہنے دے

مجھے نہ چھیڑ کہ دیوانۂ جمال ہوں میں ! ۔ مری نگاہ کو عرشِ مجاز رہنے دے

تجھے قسم ہے تری شانِ بے نیازی کی ۔ اُدھر سے ناز ۔ اِدھر سے نیاز رہنے دے

چھپا تو رہنے دو کس نظر ہیں تیز راز لطیف ۔ مگر کہیں جو تری چشمِ ناز رہنے دے

نظر میں کھینچ دے تصویرِ آستانِ جمال ۔ جبیں کو وقفِ سجودِ نیاز رہنے دے

سُنا بس آرزو اب کوئی داستانِ جدید
پُرانا قصۂ ناز و نیاز رہنے دے

آئینِ جدید

(خاص تیج ویکلی کے لئے) ❖ ❖ ❖ (از جناب کیفی دہلوی) ❖ ❖ ❖ (خاص تیج ویکلی کے لئے)

نئی سکیم کے رُخ پر نقاب رہنے دو ۔ عروسِ نو ہے کوئی دن حجاب رہنے دو

جدید طرزِ حکومت کو لارڈ لنلتھگو ۔ خدا کے واسطے ناکامیاب رہنے دو

ضیائے مشرق و مغرب میں امتیاز نہیں ۔ ہے آفتاب جہاں آفتاب رہنے دو

بڑھاؤ فوج کرو خوب جنگ کے ساماں ۔ بجٹ درست ہے سارا حساب رہنے دو

سوال خوب اُٹھایا ہے فرقہ دارانہ ۔ جواب جس کا نہیں لاجواب رہنے دو

مجھے زمانہ میں کہتے ہیں لوگ ست بچنی ۔ مری طرف نظرِ انتخاب رہنے دو

نکلنے دیجئے آنسو وطن پرستوں کے ۔ برستا ہی نہیں مثلِ سحاب رہنے دو

جو مل رہا ہے اُسے شکر سے قبول کرو ۔ سلف کی عظمت و شوکت کی خواب رہنے دو

لُبھائے جائیے فیڈرل سے تشنہ کاموں کو ۔ نظر کے سامنے موجِ سراب رہنے دو

نہ کچھ نگوڑے سے مطلب نہ کام گاندھی سے ۔ ہمارا خان بہادر خطاب رہنے دو

وہ دن بھی آئے کہ اُن سخت بے ایمانوں کو ۔ وہ منتوں سے کہیں انقلاب رہنے دو

وطن کا قصۂ ماضی نہ چھیڑیئے کیفی
شباب جب نہیں ذکرِ شباب رہنے دو

انگلستان کے متعلق بعض دلچسپ اعداد و شمار

انگلستان کے تازہ سنہ ۱۹۳۶ء کے سرکاری اعداد و شمار سے انگلستان کے متعلق بعض نہایت ہی عجیب اعداد و شمار شائع ہوئے ہیں ناظرین کی ضیافت طبع کے لئے ان کا خلاصہ درج کیا جاتا ہے

عورتوں کی فراوانی

سنہ ۱۹۳۲ء میں انگلستان میں مردوں کی آبادی ۲ کروڑ ۰ لاکھ پچاس ہزار تھی۔ لیکن ان کے مقابلہ میں عورتوں کی آبادی ۲ کروڑ چھتیس لاکھ ۳۳ ہزار تھی۔ اس کے یہ معنی ہوئے کہ ہر ہزار مرد کے مقابلہ میں ایک ہزار چوراسی عورتیں تھیں۔ اس کے ساتھ ہی یہ بات خالی از دلچسپی نہ ہوگا کہ پندرہ سال تک لڑکوں کی تعداد لڑکیوں سے زیادہ ہے۔ وہاں ہزار لڑکوں کے مقابلہ میں ۹۰۰ لڑکیاں ہیں ۵۰ سال کی عمر کے بعد فی ہزار مرد عورتوں کی تعداد ایک ہزار ۹۰۶ ہے۔ اس کے معنی یہ ہوئے کہ انگلستان میں عورتیں مردوں کی بہ نسبت زیادہ عمر پاتی ہیں۔

انحطاط پذیر آبادی!

انگلستان کے ماہرین کا خیال ہے کہ آئندہ مردم شماری جو سنہ ۱۹۴۱ء میں ہوگی اس وقت انگلستان کے مل ذکور و اناث کی تعداد ۴ کروڑ ۰۰ لاکھ ۴ ہزار ہوگی لیکن اس کے دس سال بعد یعنی سنہ ۱۹۵۱ء میں یہی تعداد گھٹ کر ۴ کروڑ ۲۶ لاکھ ۰۰ ہزار رہ جائے گی اور اس کے دس سال بعد جب سنہ ۱۹۶۱ء میں مردم شماری ہوگی اس وقت یہ تعداد اور بھی کم ہوگی۔ ۳ کروڑ ۳ ۹ لاکھ اور ۸۰ ہزار رہ جائے گی۔

انگلستان کے خاندان

مردم شماری کرنے والوں کی اصطلاح میں خاندان لوگوں کے اس گروہ کو کہتے ہیں جہاں ایک مکان میں چند افراد مل کر رہتے ہیں۔ جن میں ان کے ملازمین بھی شامل ہیں۔ اعداد و شمار سے معلوم ہوتا ہے کہ فی صدی ۹۵ افراد خاندان کی صورت میں رہتے ہیں۔

سنہ ۱۹۳۱ء کی مردم شماری کے وقت معلوم ہوا کہ برطانیہ عظمیٰ میں سب ملا کر ایک کروڑ ۲ لاکھ ۳۳ ہزار خاندان آباد تھے

انگلستان کی آمدنی

سنہ ۱۹۳۴ء میں انگلستان کی کل آمدنی ۳ ارب ۰ کروڑ پونڈ حسب ذیل ذرائع سے ہوئی۔

مزدوری اور تنخواہوں سے ۲ ارب ۳۹ کروڑ
کرایہ سے " " ۴۴ کروڑ
نفع اور سود سے " " ۷۰ کروڑ
بیرونجات سے " " ۱۹ کروڑ پونڈ

انگلستان میں نوے ہزار افراد ایسے ہیں جن کی سالانہ آمدنی ۲ ہزار پونڈ (۲۶ ہزار روپے) سے زیادہ ہے۔ اور وہ افراد جن کی آمدنی ڈیڑھ سو پونڈ سے کچھ کم ہے۔ ان کی تعداد ایک کروڑ ۵۹ لاکھ ہے۔

انگلستان میں ۲۰ لاکھ دو ہزار نفوس ایسے ہیں جو سالانہ ڈھائی سو سے لے کر پانچسو پونڈ تک پیدا کرتے ہیں یعنی وہ سالانہ تین ہزار دو سو پچاس روپے سے لے کر ۶ ہزار ۵ سو روپے تک پیدا کرتے ہیں ۵ لاکھ ۴۰ ہزار افراد ایسے ہیں جن کی سالانہ آمدنی ساڑھے چھ ہزار روپے سے لے کر ۱۳ ہزار روپے تک ہے۔

اہل انگلینڈ کے مصارف

اہل انگلستان سالانہ گیارہ لاکھ اسی ہزار پونڈ غذا پر صرف کرتے ہیں۔ یہ لوگ ۱۴ کروڑ ۴۰ لاکھ پونڈ کی تمباکو اور ۲۲ کروڑ پونڈ کی شراب پی جاتے ہیں۔ ۶ کروڑ ۵۰ لاکھ پونڈ ان کے لہو و لعب یعنی کھیل تماشوں پر اور ۶ کروڑ ۵۰ لاکھ پونڈ کتابوں پر صرف ہوتے ہیں ۳ کروڑ ۳۰ لاکھ پونڈ مذہبی رسوم پر ۔ ۔ اور ۳ کروڑ ۱۹ لاکھ پونڈ لباس پر صرف کرتے ہیں۔

مصارف خاندانی

انگلستان کے وہ خاندان جن کی آمدنی فی خاندان ۵ پونڈ (تقریباً ۶۵ روپیہ) فی ہفتہ ہے۔ ان کے مصارف کا تخمینہ حسب ذیل ہے:-

مد خرچ	پونڈ	شلنگ	پنس
خوراک	۱	۱۹	۹
کرایہ مکان	۱ ۰	۱۵	۳
چندہ کلب	۰	۶	½
پوشاک	۰	۸	۹
تفریح	۰	۸	۶
جملہ خرچ	۳	۱۷	۳½
آمد	۵		
باقی	۱	۲	۸½

وہ خاندان جن کی آمدنی ۹ پونڈ (تقریباً ۱۱۷ روپیہ) فی ہفتہ ہے ان کے مصارف فی ہفتہ حسب ذیل ہیں:-

مد خرچ	پنس	شلنگ	پونڈ
غذا وغیرہ	۰	۱۲	۳
کرایہ مکان	۷	۴	۱
پوشاک	۰	۱۹	۰
سیر و تفریح	۰	۱۴	۰
شراب و تماکو	۰	۴	۰
جملہ	۷	۱۳	۶
آمد	۰	۰	۱۰
باقی	۵	۶	۳

(ماخوذ)

پچھلے صفحہ کا بقایا

گھر میں پیانو کا نام نشان تک نہیں، پھر یہ باجہ کہاں سے آیا اور بجانے والا کون ہے۔

اس کے کچھ ہی دیر بعد کسی نسوانی آواز نے ایک نہایت ہی دلکش گیت گایا۔ ابھی گیت ختم نہ ہوا تھا کہ ایک خوفناک چیخ کی آواز سنائی دی اور باجہ یکایک بند ہوگیا۔ ایک انگریز عورت جو سفید باریک ململ کا لباس پہنے ہوئے تھی گھبرائی ہوئی کوٹھی میں سے نکلی۔ اس کے پیچھے پیچھے ایک دیوزاد کالا آدمی تھا جو پٹھان ملازم معلوم دیتا تھا۔

مسٹر رچرڈس چونک کر اپنے پلنگ پر بیٹھ گئے اور تکیے کے نیچے سے ریوالور نکال کر واقعات کا انتظار کرنے لگے۔ نازنین اور وہ ملازم کوٹھی میں سے نکل کر باغ کے ایک ویران حصہ کی طرف گئے۔ مسٹر رچرڈس بھی اسی لباس میں پلنگ سے اٹھ کر اسی طرف چل دیئے۔ چاروں طرف خاموشی اور ہو کا عالم تھا۔ کوٹھی کے چوکیدار بھی نیند کے غلبہ سے اونگھ گئے تھے۔ پہاڑی پرندے ہو ہو کرکے اپنے راج کا اعلان کر رہے تھے۔ وہ سفید پوشاک والی عورت ایک برگد کے درخت کے نیچے جاکر کھڑی ہوگئی۔ پٹھان ملازم سے کچھ اشاروں میں بات چیت ہوئی۔ وہاں اس نے جھک کر زمین پر سے ایک ہڈی کا ٹکڑا اٹھالیا اور واپس کوٹھی کی طرف چلی۔ مسٹر رچرڈس پچاس گز کے فاصلے سے یہ تمام ماجرا دیکھ رہے تھے۔ اب وہ سفید پوشاک خون میں تر بتر تھی۔ اور نازنین لڑکھڑاتی ہوئی کوٹھی کی طرف جا رہی تھی۔ کوٹھی کے برآمدے میں جاکر وہ عورت غائب ہوگئی۔ مسٹر رچرڈس نے دیکھا کہ اس مرتبہ وہ آدمی اس کے ساتھ نہیں تھا۔ انہوں نے تمام برآمدے کے گوشے گوشے چھان مارے لیکن نہ اس عورت کا پتہ چلا نہ اس آدمی کا۔ نہ پھر پیانو کی آواز سنائی دی نہ کسی کا رونا یا ہنسنا۔ مسٹر رچرڈس کے دماغ میں ایک ایک کرکے تمام باتیں گھوم گئیں۔ لوگوں کی اس کوٹھی کی بدنامی اور بھوتوں کے خیال نے ان پر ایک خوف طاری کر دیا۔ پیشانی پر پسینے کے قطرے نکل آئے۔ اتنے میں ایک طرف سے پتوں کی کھڑکھڑاہٹ ہوئی اور وہی کالا بھجنگ دیوزاد آدمی ہاتھ میں چھری لئے ہوئے ان کی طرف آتا ہوا دکھائی دیا۔ ریوالور کی گرفت مضبوط کرکے انہوں نے اس کی طرف فائر کرنا چاہا۔ لیکن انہیں ایسا محسوس ہوا کہ جیسے کوئی ان کا گلا زور سے دبا رہا ہے۔ ریوالور چھوٹ گیا وہ بے ہوش ہوکر اپنے بستر کے پاس گر پڑے۔ اتنے میں چوکیدار اور کوٹھی کا پاسبان۔ بڑے خانساماں دوڑ کر آپہونچے۔ صاحب کو پلنگ پر لٹا یا گیا اسی وقت ڈاکٹر طلب کیا گیا۔ بڑی کوشش سے صبح تک صاحب کو ہوش آیا۔ رات کے واقعات جب ان کے سامنے آتے تھے تو وہ آنکھ بند کرکے ایک دم کانپ اٹھتے تھے۔ لوگوں نے کسی طرح صاحب کو تسلی دی کہ وہم اور خیال کی وجہ سے آپ نے ایسا خوفناک خواب دیکھا ہوگا۔ لیکن ریوالور کا چھوٹنا اس بات کی بین دلیل تھی کہ جو کچھ ہوا۔ بیداری اور ہوش میں ہوا۔

مسٹر رچرڈس اس بات کو ماننے کے لئے تیار نہ تھے، کہ جو کچھ انہوں نے دیکھا وہ محض خواب تھا لیکن یہ تمام واقعات انہوں نے ابھی تک کسی پر ظاہر نہ کئے تھے کیونکہ برگد کے درخت سے پچاس قدم پہلے تک ان کے پاؤں کے نشان موجود تھے۔ اس سے یہ بات واضح ہوگئی کہ وہ اٹھ کر وہاں تک ضرور گئے تھے۔

انہوں نے ڈاکٹروں کو بیان دیا کہ وہ اپنے ہوش میں کبھی نیند میں کام کرنے کی بیماری میں مبتلا نہیں ہوئے تھے اس لئے لوگوں کا وہم اور زیادہ مضبوط ہوگیا صاحب کو بھوت دکھائی دینے کے واقعہ کا چرچا تمام عدالت میں ہوگیا۔ اس روز عدالت میں مسٹر رچرڈس کی طبیعت نہ لگی۔ اور جلد ہی وہ واپس گھر آگئے۔ لیکن رات کے واقعہ سے ان کے دل پر خوف طاری ہوگیا تھا عدالت سے واپس آکر انہوں نے بوڑھے چوکیدار چمن خاں کو بلاکر پوچھا۔

"چمن خاں تم کتنے عرصہ سے اس کوٹھی میں رہتے ہو؟"

"تیس سال سے حضور" چمن نے جواب دیا۔

"تمہارے زمانہ میں کتنے کرایہ دار اس کوٹھی میں آکر آباد ہوئے؟"

"تین مرتبہ کرایہ دار اس میں آکر رہے اور وہ دو تین تین روز رہ کر کوٹھی چھوڑ کر چلے گئے۔"

"ان لوگوں نے کوٹھی کیوں چھوڑی؟"

"گانے رونے اور ہنسنے کی آوازیں انہیں سنائی دیتی تھیں غریب پرور۔"

"یہ کوٹھی بدنام کیوں ہے اس کا سبب جانتے ہو؟"

اس کے متعلق ایک کہانی مشہور ہے شاید آپ اس کہانی پر اعتبار نہ کریں۔"

"کیا کہانی ہے ذرا سناؤ تو" مسٹر رچرڈس نے دریافت کیا۔

بہتر ہے سرکار!

روایت یہ ہے کہ غدر ۱۸۵۷ء کے بعد کا زمانہ تھا۔ انگریزی راج کی دھاک خوب بیٹھ چکی تھی۔ دہلی کے بادشاہ کو قید کرکے رنگون بھیجا جا چکا تھا۔ ہر طرف امن امان تھا۔ شہر میں پرانی شاہی تہذیب کی جگہ انگریزی تمدن اپنا اثر جما رہا تھا۔ مدرسوں میں انگریزی پڑھائی جانے لگی تھی۔ سول لائن کی عمارتیں بن رہی تھیں اور رفتہ رفتہ آباد ہو رہی تھیں۔ اس کوٹھی میں ایک فوج کے جنڈیل (جنرل) صاحب آکر آباد ہوئے۔ جنڈیل صاحب تازہ تازہ ولایت سے آئے تھے۔ ان کی شادی کو بھی شاید ۳ سال ہوئے تھے میم صاحب بہت خوبصورت اور نازک اندام تھیں۔ اور خدا کی دی ہوئی ان کی ایک سال بھر کی بچی تھی۔ جس کا نام فلورا تھا۔ بچی بس لونگ کے سانچے میں ڈھلی ہوئی تھی۔ جنڈیل صاحب بڑے رعب داب کے آدمی تھے۔ ان کے ایک بیرا اور دو خانساماں تھے بڑا گلباز خاں نامی سرحد کی طرف کا ایک لمبا تڑنگا کالا پٹھان تھا۔ جو کپڑوں کی دیکھ بھال کرتا تھا اور جو کپڑے غائب ہوجاتے تھے۔ اس پر لوہا دکھ...یہی کرتا تھا ایک دن اس کی بے پروائی سے صاحب کا ایک بیش قیمت سوٹ جل گیا۔ میم اس پر بہت ناراض ہوئیں۔ اور صاحب نے آکر اس کے پانچ سات ہنٹر لگائے۔ پٹھان اس وقت خون کا سا گھونٹ پی کر رہ گیا۔ دو چار روز کے بعد صاحب دو تین دن کے لئے شکار کے لئے باہر چلے گئے۔ میم صاحبہ اور بچی گھر پر ہی رہے۔ ایک روز شام کو اسی پٹھان بیرے نے چھوٹی بچی کو گود میں لیا اور کھلاتا کھلاتا ایک طرف کو لے گیا۔ رات ہوگئی تھی چراغ جل چکے تھے۔ پٹھان نے برگد کے درخت کے نیچے لے جاکر اس کے ٹکڑے ٹکڑے کر دیئے۔ اس وقت میم صاحبہ کے بڑے کمرے میں پیانو بجا رہی تھیں اور گا رہی تھیں۔ گلباز ان کے پاس پہنچا اور کہا "میم صاحبہ چلئے دیکھئے فلورا کو کیا ہوگیا ہے۔" وہ درخت کے نیچے پہنچیں تو میم صاحبہ کا کلیجہ نکل گیا۔ ان کے منہ سے ایک خوفناک چیخ نکل گئی۔ اور وہ پٹھان کے پیچھے پیچھے چل دیں۔ گھر میں کسی کو کچھ پتہ نہ تھا۔ برگد کے درخت کے نیچے فلورا کے ٹکڑے زمین پر پڑے تھے۔ وہاں میم صاحبہ پھر چیخنے لگیں۔ اس پٹھان نے یہ کہہ کر کہ "دیکھا یہ ہے پٹھان کی بے عزتی کرنے کا نتیجہ" ایک لمبا سا چھرا میم صاحبہ کے سینے میں بھونک دیا۔ اور وہاں سے فرار ہوگیا۔ میم صاحبہ نے بڑے ضبط سے کام لیا اور مردہ بچی کی ایک ہڈی کو اٹھا کر دل سے لگائی اور کوٹھی کی طرف بھاگیں۔ خون میں تمام کپڑے لت پت ہوگئے تھے۔ کوٹھی کے برآمدے میں آکر وہ گر پڑیں۔ اور ان کی روح قفس عنصری سے پرواز کر گئی۔ فوراً صاحب کو شکار سے بلوایا گیا۔ صاحب کو اس حادثے سے اتنا رنج ہوا کہ وہ نوکری چھوڑ کر ولایت چلے گئے اور پادری ہو گئے۔ گلباز پکڑا گیا اور اسے پھانسی کی سزا ہوئی۔ اس کے بعد سے یہ کوٹھی بھوتوں کے اسے موسوم ہے۔ اور اس میں طرح طرح کی آوازیں سنائی دیتی ہیں۔ اس میں حضور کوئی آکر آباد نہیں ہوتا۔ دو تین مرتبہ کچھ لوگوں نے آپ ہی کی طرح ہمت کرکے رہنا چاہا لیکن ان کے ساتھ بھی کچھ نہ کچھ ایسا واقعہ پیش آیا کہ انہیں کوٹھی چھوڑ کر جانا پڑا۔

"تو تمہیں یہاں کچھ نظر نہیں آتا؟" مسٹر رچرڈس نے پوچھا۔

"سرکار میں بھلا اور میری کوٹھڑی بھلی۔ یہ کوٹھی سے کچھ فاصلے پر بھی ہے۔ مجھے وہاں تو کچھ دکھائی نہیں دیتا۔ ہاں ایک روز بدقسمتی سے میں کوٹھی کے برآمدے میں جا سویا تھا اس روز مجھے بھی عجیب و غریب باتیں سنائی دیں۔ اس کے بعد میں نے ادھر کا رخ نہ کیا۔"

یہ کہانی سن کر مسٹر رچرڈس گہرے فکر میں پڑ گئے عجیب و غریب واقعات ان کی سمجھ میں نہیں آتا۔ انہوں نے پولیس کی ایک گارد منگوالی ایک ہفتے تک پولیس ڈیرے ڈالے پڑی رہی۔ لیکن کوئی واقعہ ظہور میں نہ آیا۔ صاحب کا ڈر بھی کچھ کم ہوگیا۔ ایک ہفتہ کے بعد صاحب پھر اکیلے سوئے تو ٹھیک اسی وقت وہی واقعہ پیش آیا۔ مسٹر رچرڈس خوف سے تھرا اٹھے۔ اگلے روز کوٹھی خالی کر دی گئی۔

اور اب تک وہ ویسے ہی ٹوٹا پڑا ہے۔ نہ اس میں چوکیدار ہے نہ باغ میں مالی۔ باغ اور کوٹھی بالکل اجاڑ ویران ہیں۔

کلب کے ممبروں نے کوٹھی کا نمبر جاننے کے لئے اصرار کیا۔ ایک ممبر نے کہا۔

"یہی کہانی تو آخر کہانی ہے۔ اس میں اگر صداقت ہوتی تو پھر وہ کہانی کہاں رہتی۔"

مسٹر ندیم نے ذرا جوش میں آکر کہا۔

"تو گویا آپ سب صاحبان فرضی من گھڑت قصے بیان کر رہے تھے؟"

مسٹر مینکس نے ہنس کر جواب دیا۔

"کہانیاں سنی سنائی بیان کی گئی ہیں آپ کی طرح خاص دہلی سول لائنز کا قصہ کسی نے بیان نہیں کیا جب تم کوٹھی کا نمبر بتلانے سے گریز کر رہے ہو تو تمہاری کہانی مصنوعی ہی ہوگی۔"

مسٹر ندیم نے کہا۔

"کوٹھی راجپور روڈ پر ضرور ہے اور وہ ہے بھی بھوتوں والی کوٹھی۔ کہانی کی صداقت کے بارے میں البتہ میں کچھ نہیں کہہ سکتا۔ ہاں اگر موقع ملا اور آپ لوگوں کی ہمت اور دلیری کی جانچ کرنے کی ضرورت پڑی تو مینک بابو کو میں سب سے پہلے کوٹھی کا نمبر بتا دوں گا۔ اس وقت میں اس کا نمبر اس وجہ سے بتانا نہیں چاہتا کہ وہی کوٹھی تم لوگوں کی زیارت گاہ بن جائے گی اور زیادہ شہرت سے وہ ہمیشہ غیر آباد پڑی رہے گی۔"

یونائیٹڈ کلب کے سات ممبر کلب کے ایک کمرے میں جمع تھے۔ ہفتے کی شب تھی برج کا تفریحی پروگرام تھا۔ جنات بھوت اور روحوں کے متعلق تذکرہ "اٹھا" شرط یہ تھی کہ ہر شخص اپنی اپنی سنی ہوئی کہانی بیان کرے۔ جو ممبر اس مضمون میں دلچسپی نہ رکھتے تھے وہ برج اور برگ کے کھیل میں مصروف تھے۔ کمرے کی عجیب ہیئت تھی۔ پرانا فرنیچر تھا۔ دیواروں پر پرانے فیشن کی تصاویر تھیں۔ سگرٹ اور سگار کے دھوئیں کی بدبو تمام کمرے میں پھیلی ہوئی تھی۔ پانچ ممبران اپنی اپنی کہانیاں بیان کر چکے تھے۔ چھٹے مسٹر ندیم تھے۔ ان کی کہانی نے ایک عجیب قسم کا ماحول پیدا کر دیا تھا۔ اور لوگوں میں اس کی صداقت معلوم کرنے کی خواہش پیدا ہوگئی تھی۔ اتنے میں سب کی توجہ ساتویں ممبر بیرڈ کی طرف گئی۔ مسٹر بیرڈ ایک کمزور منحنی سے آدمی تھے۔ چہرہ زرد، آنکھیں اندر کو دھنسی ہوئیں، چشمہ آنکھوں پر چڑھا ہوا تھا۔ وہ بڑے غور سے ہاتھ پر ٹھوڑی رکھے ہوئے مسٹر ندیم کی کہانی سن رہے تھے اتنے میں سب اس کی طرف متوجہ ہوئے۔

"مسٹر بیرڈ آپ رہ ہی گئے۔ آپ بھی تو کچھ بیان کیجئے۔"

مسٹر بیرڈ نے ایک لمبا سانس لیا اور کہا۔

"میں کیا کہوں۔ آپ کے بیان کردہ واقعات نہایت عجیب و غریب ہیں۔"

"ہاں ہاں کچھ تو سنایئے۔" سب نے اصرار کیا۔ "شاید آپ کی کہانی سب سے نرالی ہو۔"

"مجھے کہانی تو کوئی یاد نہیں لیکن ہاں اپنے اوپر گذری

(باقی مضمون صفحہ ۳۲ پر)

سائنس

بجلی کی مدد سے پودوں کی نشوونما!

بغیر مٹی کے کاشت ممکن ہے!

از قلم پروفیسر جی ڈی تلی ایم ایس سی

(خاص نتیج ودیگی کے لئے)

پھلوں پھولوں اور اناجوں کی اعلیٰ کاشت کے لئے ہمیشہ ہی مختلف اقسام کے تجربات ہوتے رہتے ہیں پچھلے چند سالوں کے عرصہ میں جو سائنٹفک تحقیق اس مقصد کے لئے کی گئی ہے اس سے کئی عجیب وغریب انکشاف ہوکر مزید تحقیق کے لئے ایک نیا باب کھل گیا ہے پودوں کی نشوونما کے لئے روشنی ایک نہایت ضروری چیز ہے۔ جو پودے ایک موسم میں پھلتے پھولتے ہیں اور دوسرے موسم میں نہیں، اُن کی بابت معلوم ہوا ہے کہ روشنی کی مقدار کم وبیش کرنے سے دوسرے موسم میں بھی اعلیٰ پیمانہ پر پیدا کئے جاسکتے ہیں۔ موسم کی تبدیلی کے ساتھ چونکہ سورج کا قیام بھی بدلتا رہتا ہے اور چونکہ یہی عرصہ ہے جس سے کہ پودوں کی کاشت موصل ہے،

جو پودے گرمیوں میں پیدا ہوتے ہیں اور جو پھول گرمیوں میں کھلتے ہیں وہ اس لئے کہ ان کو چودہ سے سولہ گھنٹہ تک کی روشنی روزانہ مل سکتی ہے برسات بہار اور سردی وغیرہ میں پیدا ہونے والے پودے وہ ہیں جن کو کہ بہت زیادہ روشنی کی ضرورت نہیں بلکہ آٹھ یا نو گھنٹہ روزانہ کی روشنی کافی ہے۔ اس سے یہ بات صاف ظاہر ہے کہ اگر کسی ذریعہ سے برسات یا سردی کے موسم میں گرمی کے پودے لگا کر اُن کو مزید پانچ چھ گھنٹے کی روشنی بہم پہونچائی جائے تو یہ پودے خود بخود ان موسموں میں بھی کھلنا شروع کر دیں گے۔

بجلی کے لیمپوں کے ذریعہ روشنی پہونچا کر یہ بات صاف طور پر ثابت کر دی گئی ہے کہ اس طرح غیر موسمی پودوں اور پھولوں کی پیدائش بالکل ممکن ہے یہ بھی دیکھا گیا ہے کہ اگر روشنی چار پانچ گھنٹہ لگاتار ڈالنے کی بجائے تھوڑے تھوڑے وقفہ سے ڈالی جائے تو اس کا اثر بعینہ وہی ہوتا ہے جو لگاتار روشنی کے پڑنے سے،

مثال کے طور پر اگر دس منٹ لیمپ جلتے رہیں اور اس کے بعد دس منٹ کے لئے بجھا دئے جائیں تو ایک ہی نتیجہ حاصل ہونے کے ساتھ بجلی کے خرچ میں پچاس فی صدی کمی ہو جاتی ہے

(۲)

گرین ہاؤس کے اندر مختلف رنگوں کی بجلی کی روشنی پہونچا کر یہ بات معلوم ہوئی ہے کہ لال رنگ کی روشنی سے پودے بہت جلدی بڑھتے ہیں۔ اور لمبائی میں مقابلتاً زیادہ ہوجاتے ہیں۔

نیلے رنگ کی روشنی سے پودا میانہ قد کا رہ جاتا ہے۔ لمبائی کم رہتی ہے۔ مگر پھیلتا بہت زیادہ ہے۔ الٹرا وائلٹ ریز پودوں کی نشوونما میں حارج ہوتی ہیں۔ اور عام یقین کے برعکس پودوں کی نشوونما کے لیے بالکل غیر ضروری ہیں۔ سوڈیم مرکری اور نیان (NEON) لیمپوں کی روشنی میں بھی پودوں کی بتدریج بڑھاؤ دیکھا گیا ہے جس سے گرین ہاؤس کے اندر اعلیٰ قسم کے پودوں کی اعلیٰ نشوونما کے متعلق بہت سی بیش قیمت معلومات معلوم ہونے کے باعث زراعت کا ایک نیا پہلو در پیش ہے ؛

(۳)

کیلی فورنیا یونیورسٹی کے چند ماہر سائنٹسٹ بغیر مٹی کے پھل اور پودے پیدا کرنے کے متعلق تجربات کر رہے ہیں۔ جن میں کامیابی ہونے سے زراعت کی دنیا میں ہلچل مچ گئی ہے۔ ان لوگوں نے پانی کے ایک بڑے تالاب میں تاریں پھیلا کر ان کے اوپر تنکوں کا ایک جال بچھایا۔ اس پانی میں وہ تمام کیمیاوی اشیاء جو کہ خاص قسم کے پودوں کی پیدائش و بڑھاؤ کے لئے ضروری ہیں حل کر دی گئی ہیں۔ تنکوں کے جال کے اندر مختلف مقامات پر بیج گرائے گئے اور یہ ایک حیرت کی بات ہے کہ اس طریقہ سے پانی میں پیداوار مٹی کی بہ نسبت ڈیوڑھی کے لگ بھگ ہوئی ؛

— ❖ — ❖ — ❖ — ❖ —

گھریلو صنعتیں

ہیکٹو گراف

گھر کے اندر ایک چھوٹا سا چھاپہ خانہ

جب ایک ہی عبارت کے بہت سے خطوط باہر بھیجنے ہوں یا کسی چیز کی صرف چند کاپیاں درکار ہوں تو پرنٹنگ پریس تک دوڑنے کی بجائے آپ گھر بیٹھے ہی ہیکٹو گراف کی مدد سے یہ کام کر سکتے ہیں ہیکٹو گراف بالکل معمولی لاگت سے تیار ہو جاتا ہے اور اس کے اوپر چھاپنے کے لئے کسی خاص اوزار وغیرہ کی ضرورت نہیں۔ بیکار لوگ چند آنے کی لاگت سے بہت سے ہیکٹو گراف تیار کر کے اس کو اصل سے کئی گنی قیمت پر بیچ سکتے ہیں۔ اس کے بنانے کا طریقہ ذیل میں درج ہے :-

دو اونس جیلی ٹین (GELATINE) کے ٹکڑے ایک بڑے برتن میں رات کو بھگو دیں صبح تک یہ چیز گل کر پھول جائے گی۔ آدھی چھٹانک نمک کو تقریباً ایک سیر پانی میں حل کریں۔ اور اس پانی کے اوپر کسی برتن میں آدھ پاؤ گلیسرین تقریباً دو سو درجہ حرارت فارن ہائٹ تک گرم کریں۔ اب جیلی ٹین سے تمام پانی نکال کر اس جیلی ٹین کو ہوتے ہوئے گرم گرم گلیسرین میں ڈالتے جائیں اور حرارت باقاعدہ پہونچاتے رہیں۔ تقریباً ایک گھنٹہ تک اس کمپیچر کو گرم کریں۔ اس کے بعد لونگ کے تیل کے تقریباً بیس قطرے اندر ڈال دیں۔ اس تیل کی وجہ سے ہیکٹو گراف کبھی خراب نہیں ہوگا۔

اب جتنا بڑا ہیکٹو گراف بنانا درکار ہو اتنا بڑا ایک لکڑی کا فریم بنوالیں۔ یا کسی ٹین کے پرانے ڈبے کو استعمال کر سکتے ہیں۔ اس فریم میں ہوتے ہوئے یہ گرم مادہ ڈالدیں اور ڈالتے وقت خیال رکھیں کہ کوئی بلبلے وغیرہ تو پیدا نہیں ہوتے جب فریم سرے تک بھر جاوے تو کسی محفوظ جگہ پر مٹی وغیرہ سے بچا کر اس چیز کو ٹھنڈا ہونے دیں۔ ٹھنڈا ہونے پر یہ چیز جم کر بالکل سخت ہو جاوے گی ؛

جس عبارت کی کاپیاں چاہیں اس عبارت کو کسی نئی نب سے ایک خاص قسم کی سیاہی سے (جس کا فارمولا نیچے درج ہے) لکھ کر ہیکٹو گراف کو پانی سے گیلا کر کے اس کے اوپر الٹا رکھ دیں۔ اور کاغذ کو ہولے ہولے اوپر سے دبائیں۔ ایک منٹ تک رکھنے کے بعد اس کاغذ کو اٹھالیں اور اب دوسرے کاغذ کو رکھ کر اور ذرا ذرا اوپر سے دبا کر جتنی کاپیاں درکار ہوں آپ لے سکتے ہیں جیسا کہ تصویر میں دکھایا گیا ہے :-

تمام کاپیاں چھاپ کر ہیکٹو گراف کو پانی سے دھو کر خشک کر لیں اس کے بعد آپ کسی اور عبارت کی کاپیاں نکال سکتے ہیں !

اگر کسی وجہ سے متعمال کے ساتھ یہ ہموار نہ رہ جاوے تو دوبارہ نمک کے پانی کے اوپر گرم کر کے ٹھنڈا ہونے دینے سے یہ نقص دور کیا جاسکتا ہے

ہیکٹو گراف کی خاص سیاہی جس کا اوپر ذکر کیا گیا ہے اس طریقہ سے بنائی جا سکتی ہے :-

کالی:-

گلیسرین	۳۰ حصہ
میتھائل وائلٹ	۱ حصہ
الکوحل	۲۰ حصہ
گوند	۵ حصہ

نیلی:-

نگروسین	۲۰ حصہ
گلیسرین	۱ حصہ
سرکہ	ایک حصہ
پانی	۸ حصہ
ریسا وسین بلیو	۱ حصہ

ہرے رنگ کی سیاہی

اینی لین گرین	۱۲ حصہ
گلیسرین	۱۰ حصہ
پانی	[illegible]
الکحل	[illegible]

لال سیاہی

گاڑھا	[illegible]
[illegible]	[illegible]
الکوحل	۱۱ حصہ

بچوں کا صفحہ

شانتی

(از جناب ماسٹر بہاری لال صاحب - مہرولی - (دہلی)
(خاص تیج دہلی کے لئے)

جب کوئی جنگ شروع ہوتی ہے - ہزاروں لاکھوں آدمی مرتے ہیں - عورتیں بیوہ ہو جاتی ہیں بیشمار روپیہ خرچ ہوتا ہے ملک مقروض ہو جاتا ہے - جنگ کا نتیجہ ہمیشہ خوفناک ہوتا ہے - جس طرح جنگ کے نتایج خوفناک ہوتے ہیں اسی طرح معمولی جھگڑوں کے نتیجے بھی خوفناک ہوتے ہیں - جب بچے کھیلتے ہیں تو ذرا سی بات پر وہ لڑنے لگ جاتے ہیں - گھر میں بھائی بہن جھگڑنے لگتے ہیں - کسی تنازعہ کے عام طور پر دو سبب ہوتے ہیں -

۱ :- بیرونی سبب :- کوئی واقع یا ترش الفاظ جن سے تنازع پیدا ہو جائے - تنازعات اکثر معمولی معمولی بیرونی اسباب سے شروع ہو جاتے ہیں - بڑی بڑی لڑائیاں بھی معمولی واقعات سے شروع ہوتی ہیں - بیرونی سبب کو بڑا کر کے ظاہر کیا جاتا ہے - اور لوگوں کو وہ بہت بڑا معلوم ہوتا ہے -

۲ :- اندرونی سبب :- لڑائی کے بہت سے اندرونی اسباب ہوتے ہیں - یہ اسباب فی الواقع جھگڑے کی بنیاد ہوتے ہیں - بیرونی واقع تو محض لڑائی پیدا کرنے کا ذریعہ بن جاتا ہے - بعض آگ کو ڈھک دیا جاتا ہے - وہ اندر ہی اندر سلگتی رہتی ہے - دروازہ بند ہو جاتا ہے - جب ذرا سی ہوا لگتی ہے تو جھٹ بھڑک اٹھتا ہے - جھگڑے کے اندرونی اسباب عام طور پر ذیل کی قسم کے ہوتے ہیں -

الف - حسد :- کسی کے پاس دولت زیادہ ہے دوسرے کے پاس کم - تو دوسرا حسد کرنے لگتا ہے - ایک لڑکا جماعت میں ہوشیار ہو دوسرا کمزور - تو دوسرا پہلے کے ساتھ حسد کرنے لگتا ہے - جن کے ساتھ ہمیں حسد ہوتا ہے اس سے جھگڑا چھیڑ لینا معمولی بات ہے -

(ب) بدمزاجی :- اگر ہمارا مزاج ذرا سی بات سے بھڑک جاتا ہے تو ایک لفظ ہی لڑنے کے لئے کافی ہے - ذرا سی بات پر بگڑ بیٹھتے ہیں - اور شانتی کو ہاتھ سے چھوڑ بیٹھتے ہیں -

ج انتقامی جذبہ :- بعض آدمیوں کی طبیعت انتقام کش ہوتی ہے - اگر انہیں ذرا سی تکلیف دی جائے تو وہ اس وقت تک چین سے نہیں بیٹھتے جب تک بدلہ نہ لے لیں -

شانتی کس طرح قائم رکھی جائے :-

ہمیں چاہیئے کہ ہم صلح کرنے والے بنیں اور امن کے محافظ ہوں - ہم اس کی حفاظت کئی طریقوں سے کر سکتے ہیں -

۱ :- مزاج پر قابو حاصل کریں :- نرم جواب غصہ کو دور کرتا ہے - جو شخص ہم سے ناراض ہے اگر اس کو شانتی سے جواب دیا جائے تو اس سے اس کا غصہ ٹھنڈا ہو جاتا ہے - جلتی آگ پر پانی ڈالنا چاہیئے - جب سمندر میں لہروں کا زور ہو تو اس زور کو توڑنے کے لئے تیل ڈال دیا جاتا ہے - اس طرح لہروں کا زور کم ہو جاتا ہے - اور کشتی خطرہ سے بچ جاتی ہے - اسی طرح طاقتور دل کی لہروں کو توڑنے کے لئے شانتی کے الفاظ کارآمد ثابت ہو سکتے ہیں - بچے خیال کرتے ہیں کہ غصہ میں آ کر گرم ہونا بہادری کا نشان ہے لیکن خاموش رہنا بہادری کی نشانی ہے -

۲ :- تکلیفوں کو معاف کر دینا اور بھول جانا :- جب ہاتھ میں کانٹا چبھ جاتا ہے تو تکلیف دیتا ہے - [illegible] جب کوئی تکلیف دل کے اندر رہتی ہے تو کھٹکتی رہتی ہے اور ہمیشہ جھگڑے کا باعث ہوتی ہے - مختلف راجپوت ہمیشہ آپس میں لڑتے رہے اور دلی رنجش کو بالکل نہ بھولے ہمیشہ انتقام کی آگ سلگتی رہی - اور یہی آگ بربادی کا باعث بنی - جب بچے تکلیفوں کو یاد رکھتے ہیں تو بھی انتقام لینے کی خواہش بنی رہتی ہے -

۳ :- خواہ مخواہ کسی کو اشتعال نہ دلاؤ :- ہمیں دوسروں کے جذبات اور خیالات کا خیال رکھنا چاہیئے - اور کسی کے متعلق سخت اور ناشائستہ الفاظ استعمال نہ کئے جائیں نہ کسی کا مضحکہ اُڑاؤ -

۴ :- رحمدلی سے کام لو :- دوسروں کی بدمزاجی اور گستاخانہ الفاظ پر رحم کھاؤ - ضرورت کرو - جو شخص ہاتھی کمزوری رکھتا ہو - یا دیوانہ ہو - اس پر ہمیں غصہ نہ کرنا چاہیئے - اسی طرح ایسے لوگوں پر غصہ کرنے کی بجائے ان پر رحم کرنا چاہیئے - یہ ایک نقص ہے - جس کے متعلق ہمیں ان کی مدد کرنی چاہیئے بجائے اس کے کہ ہم ان کے بُرے جذبات کو بھڑکائیں -

شانتی کے فوائد :-

اگر گھر میں ہر ایک شخص دوسرے کے ساتھ اچھا برتاؤ کرے - مدرسہ میں کھیلتے وقت بچے شانتی سے کام کریں - تو ہر ایک بات امن چین سے سرانجام پاتی ہے - ہمارے چاروں طرف ہنسی خوشی نظر آتی ہے - اگر کھیلتے وقت جھگڑا شروع ہو جائے تو کھیل بند ہو جاتا ہے کارخانہ میں ہڑتال ہو جائے تو آدمی بیکار رہتے ہیں - کام بند ہو جاتا ہے - غربت اور مصیبت کا سامنا کرنا پڑتا ہے -

سوالات

۱ :- ملک کو جنگ سے کیا نقصان پہنچتا ہے؟
۲ :- معمولی جھگڑوں سے کیا نقصان پہنچتا ہے؟
۳ :- لڑائی کے بیرونی اور اندرونی اسباب سے کیا مطلب ہے ؟
۴ :- معمولی معمولی اختلافات بہت بڑے کیوں نظر آتے ہیں؟
۵ :- دولت - کمزوری - بدمزاجی - بلکہ کا حال کس طرح جھگڑے کا باعث بنتے ہیں - ؟
۶ :- ثابت کرو کہ نرم جواب دینے - دوسروں کے خیالات و جذبات کا خیال رکھنے - رحم دلی سے کام لینے سے امن قائم ہو جاتا ہے ؟
۷ :- جھگڑا کن کن حالات سے پیدا ہوتا ہے ؟
۸ :- ہم امن قائم رکھنے میں کس طرح مدد کر سکتے ہیں ؟
۹ :- شانتی اور امن سے کیا فوائد حاصل ہوتے ہیں ؟
۱۰ :- ثابت کرو کہ ملکی بہبودی کے کام امن کی صورت میں ہی ممکن ہیں ؟

روزہ کے بعد آسمان وطن

شربت

موسم گرما ہونے کی وجہ سے لوگ مختلف قسم کے شربت استعمال کرتے ہیں آج ذیل میں چند اقسام کے شربت درج کئے جاتے ہیں امید ہے کہ ان کو تیار کر کے فائدہ اٹھایا جائے گا۔

(از قلم جناب لالہ پیارے لال دیش - کیرانہ)

(خاص تیج دیکلی کے لئے)

شربت بادام و برہمی (مفرح)

مغز بادام ایک چھٹانک پانی میں بھگو کر ان کا چھلکا دور کریں۔ اور ان کو عرق برہمی نصف سیر میں گھوٹ کر چھان لیں۔ گر سبز برہمی کا عرق نہ حاصل ہو سکے تو برہمی خشک ۲ تولہ لے کر نصف آدھ سیر پانی میں گھوٹ چھان لیں اور اسی میں مغز بادام گھوٹ لیں۔ صندل سفید لکڑی (صندل کی گٹی) لے کر اسے عرق گلاب میں گھسیں۔ یہاں تک کہ دو تولہ لکڑی گھس جائے بعد ازاں ہر دو کو ملا کر مصری ایک سیر پختہ شامل کریں اور آگ پر حسب دستور پکائیں۔ جب شربت کا قوام تیار ہو جائے تو اسے نیچے اتار کر روح کیوڑہ دو تولہ شامل کر دیں۔ سرد ہونے پر بوتلوں میں بھر لیں۔ یہ موسم گرما میں ایک نعمت اور بیش بہا چیز ہے۔ بوقت ضرورت سرد پانی میں ڈال کر استعمال کریں۔ اس سے طبیعت کو فرحت حاصل ہوگی۔ دل اور دماغ کو تقویت پہنچتی ہے۔ بڑھتی ہوئی گرمی کم ہوتی ہے خاص کر جگر کی گرمی اعتدال پر آتی ہے۔

بادام کا لذیذ شربت

مغز بادام ڈھائی چھٹانک پانی میں بھگو کر چھلکا دور کریں۔ اور دانہ الائچی سبز ایک تولہ لے کر دونوں کو کونڈی ڈنڈے یا سل پر اتنا باریک رگڑیں کہ بادام کی تمام سفیدی نکل آئے۔ تھوڑا تھوڑا پانی ڈال کر رگڑتے رہیں قریب ایک سیر پانی کر لینا چاہئے۔ پھر اس میں ڈیڑھ سیر چینی یا مصری ڈال کر شربت کا قوام کریں۔ سرد ہونے پر اس میں عرق کیوڑہ تین تولہ شامل کر دیں۔ ٹھنڈا ہونے پر بوتلوں میں بھر لیں خیال رہے کہ شربت کے اوپر باداموں کی چکناہٹ کے باعث عموماً موٹی سی تہہ آتی ہے جسے شوقین مزاج کے لوگ پسند نہیں کرتے اسکو علیحدہ کر لینا چاہئے۔ یہ شربت بڑا لذیذ ہوتا ہے اور پانی میں حل کرنے سے دودھ کی مانند سفید ہو جاتا ہے۔ یہ شربت بھی از حد مفرح ہے دل و دماغ کو تقویت دیتا ہے۔

شربت ٹھنڈائی مقوی و مفرح

مغز بادام چھلکا دور کیا ہوا ۵ تولہ۔ مغز خیارین

۳ تولہ۔ مغز کدو ۲ تولہ۔ مغز خربوزہ ۳ تولہ دانہ الائچی کلاں ا تولہ کشمش ۳ تولہ۔ حسب دستور آدھ سیر پانی میں رگڑ چھان کر شیرہ بنا دیں اور صندل سفید دو تولہ۔ خس ۲ تولہ آدھ پاؤ پانی میں رگڑ چھان لیں۔ سب کو ملا کر اس میں شکر سفید یا مصری ایک سیر شامل کر کے شربت کا قوام بنائیں۔ نیچے اتار کر جب کچھ ٹھنڈا ہو جائے تو عرق بید مشک ۲ تولہ شامل کریں۔

شربت انار ترش

ایسے انار جن کا چھلکا پتلا اور دانہ کا رنگ سرخ ہو لے کر ان کے دانے نکال کر پانی نچوڑ لیں اور چھان کر پاؤ بھر اس پانی میں آدھ سیر مصری ملا کر شربت کا قوام بنائیں۔ بوقت ضرورت ۲ تولہ سے ۵ تولہ تک آب سرد میں ملا کر استعمال کریں یا ویسے ہی چاٹیں۔ یہ شربت معدہ کو قوت دیتا ہے۔ بھوک لگاتا ہے۔ قے متلی اور گرمی کی زیادتی کے لئے مفید ہے۔

شربت مصفی خون و خشکی جسم اور خارش کیلئے

عناب ولایتی ۳ تولہ۔ گل منڈی ۲ تولہ۔ گل سرخ ۲ تولہ رات کو پانی میں بھگو دیں اور صبح کو جوش دیں اور چھان لیں۔

شیرہ مغز بادام ۳ تولہ۔ مغز کدو ۲ تولہ۔ مغز خیارین ۲ تولہ۔ تخم کاسنی ۲ تولہ۔ کشمش ۳ تولہ۔ بادام ۲ تولہ۔ مویز منقی ۳ تولہ۔ ان سب کو پاؤ بھر پانی میں رگڑ چھان لیں۔ یہ شیرہ تیار ہو جائے گا۔ اور مندرجہ بالا دواؤں کو پاؤ بھر پانی میں بھگو کر جوش دے کر چھان لیں۔ ان دونوں پانیوں کو ملا کر سفید شکر تین پاؤ ملا کر قوام بنائیں اور ٹھنڈا ہونے پر بوتلوں میں بھر لیں۔ خوراک ۲ تولہ سے ۴ تولہ تک عرق مصفی یا گائے کے دودھ میں ڈال کر۔

سنگترہ کا گودا چھلکوں سے علیحدہ کر کے رس نکال لیں ہم وزن شکر سفید ملا کر قوام تیار کریں۔ خوراک ۲ تولہ سے ۴ تولہ تک ٹھنڈے پانی میں ملا کر پئیں۔

صفحہ ۱۴ سے آگے

...ئی بات کا تذکرہ مزید کر دینا چاہتا ہوں۔ شاید آپ لوگوں کی دلچسپی کا باعث ہو۔ مسٹر بھیروسن نے نہایت سنجیدگی سے کہا۔

سب نے یک آواز کہا۔ "ہاں ہاں ضرور سنائیے ہم آپ جیسی ہی سُننا چاہتے ہیں۔"

مسٹر بھیروسن نے بیان کرنا شروع کیا۔

"کئی سال کا عرصہ ہوا میں لاہور میں محلہ جلوٹیاں ...ئی مدونہ میں رہا کرتا تھا۔ اور انشورنس کا کام کیا کرتا تھا۔ چونکہ میں اس پیشے سے بالکل نابلد تھا۔ مجھے زیادہ کیس بیمے کے نہ ملتے تھے اور میں نہایت مفلسی کی زندگی بسر کر رہا تھا۔ لاہور شہر کی گنجان آبادی میں ایک بڑے مکان کے ایک کمرے میں جسے دراصل کوٹھڑی کہنا کچھ غیر مناسب نہ ہوگا میں رہا کرتا تھا۔ میرے پاس مختصر سا سامان تھا۔ ایک انگیٹھی اور تھوڑے سے چاول دال۔ ایک پانی کی صراحی ایک لوٹا۔ ایک تھالی۔ ایک گلاس ایک دیگچی میرا اثاثہ تھا۔ کپڑے بھی میرے پاس زیادہ نہ تھے۔ ایک معمولی سا ٹرنک ایک بستر۔ اور ایک ٹوٹی ہوئی کھاٹ ہی میری ملکیت تھی۔ اس لئے جب میں اپنے کام پر جاتا تھا تو اپنا سُوٹ کیس اٹھا کر کوٹھڑی میں بے فکری سے تالا لگا کر چل دیتا تھا۔ شام کو کبھی تو کھانا ڈھابے میں کھاتا تھا اور اگر جیب میں اتنے پیسے نہ ہوتے تھے تو گھر کی انگیٹھی پر کھچڑی پکا کر پیٹ کی آگ بجھا لیتا تھا۔ میری کوٹھڑی کی دیواریں بہت گندی اور میلی تھیں۔ برسوں سے اُن پر سفیدی نہ ہوئی تھی۔ مکان کا مالک تو پیسہ کیوں خرچ کرنے لگا۔ میری اتنی ہمت نہ تھی کہ روپیہ دو روپیہ لگا کر مکان میں سفیدی کرا لیتا۔ اس لئے کھانے سے فارغ ہو کر میں اپنی پرانی لالٹین ٹمٹما کر اپنی بوسیدہ چارپائی پر بستر ڈال لیٹ رہتا تھا۔ کبھی دن بھر کی دھوپ کا خیال آتا۔ کبھی اپنی مفلسی اور ناکامی پر افسوس آتا۔ کبھی اپنے گھر کا نقشہ دماغ میں گھوم جاتا۔ کبھی خالی دماغ ہونے پر میں دیوار پر نگاہ جما کر اُن دھبوں کو دیکھتا رہتا جو دیوار پر دھوئیں، گرد و غبار اور نمی کی وجہ سے پڑ گئے تھے۔ ان دھبوں میں طرح طرح کی شکلیں نظر آتی تھیں۔ کبھی کوئی گدھے کی شکل معلوم ہوتی تھی۔ کبھی ہندوستان یا افریقہ کا نقشہ کھنچا ہوا معلوم ہوتا تھا۔ کبھی کوئی ہیٹ والا صاحب دکھائی دیتا تھا۔ غرض بے تکی تصاویر خیال کے ساتھ ساتھ دکھائی دیتیں۔ اور مٹ جاتی تھیں۔ اگلے روز میں انہیں تبدیل کر کے نئے نقشے جمانے لگتا تھا۔ ایک روز مجھے ایک ایسی شکل دکھائی دی کہ ایک آدمی مارواڑی پگڑی باندھے ہوئے ہے۔ اس کا جسم کافی موٹا ہے۔ کانوں میں مُرکیاں ہیں اور شکل و صورت میں خوبصورت ہے۔ وہ تصویر بار بار میرے دماغ میں آتی تھی اور ہر دم میری یاد کو تازہ کر دیتی تھی۔ وہ اور خیالی تصویروں کے ساتھ محو نہ ہوئی۔ رفتہ رفتہ میرا خیال اتنا مضبوط ہو گیا کہ جب میں چارپائی پر لیٹتا مجھے فوراً وہ شکل دکھائی دیتی۔ میں اسے ہر چند بھولنے کی کوشش کرتا لیکن وہ سامنے موجود رہتی۔ رفتہ رفتہ مجھے یہ خیال بھی پیدا ہو چلا کہ ہو نہ ہو اس شکل کا ضرور کوئی جیتا جاگتا آدمی ہے اور مجھے ضرور اسے ڈھونڈ نکالنا چاہئے۔ میں اپنے پیشے کے ساتھ ساتھ اس جستجو میں بھی رہنے لگا کہ اس شکل کا آدمی مجھے کہیں نظر پڑ جائے۔ کبھی میں اپنی حماقت پر خود ہی نادم ہوتا کہ محض ایک خیالی تصویر کو اتنی اہمیت دے رہا ہوں۔ رفتہ رفتہ میرے پیشے کا کام چل نکلا اور مجھے اس خیالی تصویر کا بھی خبط زیادہ ہوتا گیا۔ بازاروں میں۔ سینماؤں میں۔ تماشوں میں۔ جلسوں میں۔ دریا پر میں سب جگہ اپنے خیالی آدمی کو تلاش کرتا تھا۔ لیکن مجھے اس شکل سے ملتا ہوا کوئی آدمی نظر نہ آیا۔ حالانکہ میری آمدنی اس قدر ہو گئی تھی کہ میں ایک اچھا سا مکان لیکر نہایت فارغ البالی سے زندگی بسر کر سکتا تھا۔ لیکن میرے دماغ کا خبط اور خیالی تصویر مجھے کہیں اور بھٹکا سکتی تھی۔ اس لئے میں اُس کوٹھڑی کو چھوڑ کر کہیں جانا نہ چاہتا تھا۔ جوں جوں مجھے اپنی جستجو میں ناکامی ہوتی جاتی تھی۔ ویسے ہی میرا خیال اس طرف زیادہ پختہ ہو جاتا تھا۔ اس کشمکش میں دو سال گذر گئے۔ مجھے روزگار کے واسطے بمبئی جانا پڑا۔ بمبئی اتنا بڑا شہر تھا اور یہاں ہر قسم کے لوگ مل سکتے ہیں اس لئے مجھے اپنے خیالی آدمی کو ڈھونڈنے کا اچھا موقع تھا۔ اس لئے جہاں کہیں ذرا بھی بھیڑ ہوتی وہیں کھڑا ہو کر میں تماشہ دیکھنے لگتا۔ مجھے نہ سیر کا شوق تھا۔ نہ تماشے کا۔ بس ایک دُھن تھی تو یہی کہ کہیں وہ آدمی مل جائے۔

ایک روز سہ پہر کا وقت تھا۔ موسم خوشگوار تھا۔ یکایک میرے دل میں خیال آیا کہ جمخانہ کی ریس ہونے والی ہے وہاں چل کر اس ریس سے ہی لطف اندوز ہوا جائے۔ شاید وہیں کچھ مطلب برآری ہو۔ وہاں ہندو مسلمان۔ عیسائی۔ پارسی۔ مارواڑی غرض سب مذہب و ملّت اور طبقہ کے لوگ موجود تھے۔ میں اپنے خیال میں مست تھا اور اندر جانے کے لئے ٹکٹ لے رہا تھا کہ مجھے ہُو بہو ویسی ہی شکل کا آدمی ریس کورس کی طرف جاتا ہوا دکھائی دیا۔ میرے دماغ میں بجلی سی کوند گئی۔ میری زبان سے بے ساختہ نکل گیا "مل گیا"۔ آس پاس کھڑے ہوئے آدمی حیرانی سے میری طرف دیکھنے لگے۔ کوئی مجھے پاگل سمجھا۔ کوئی مجذوب۔ لیکن میں نے کسی کی پروا نہ کی۔ میں نے جلدی سے ٹکٹ خریدا اور کوشش کی کہ اس کو فوراً جا پکڑوں۔ لیکن اتنی سی دیر میں وہ نہ معلوم کہاں گُم ہو گیا۔ میرے کئے دھرے پر اوس پڑ گئی۔ مجھے اس وقت اتنا رنج ہوا کہ شاید اپنے عزیز سے عزیز کی موت پر اتنا رنج نہ ہوتا۔ میں نے تمام ریس کورس کو چھان مارا۔ لوگ ریس کا تماشہ دیکھ رہے تھے۔ اپنے اپنے گھوڑوں کی چال کا بے چینی سے مشاہدہ کر رہے تھے اور میں اس آدمی کو تلاش کر رہا تھا۔ جب ریس ختم ہو گئی۔ میں بے نیل و مرام مایوس ہو کر واپس چلا آیا۔ باوجود اس ناکامی کے مجھے اس امر کا اطمینان تھا کہ وہ شخص بمبئی میں مل گیا ہے اور کسی نہ کسی روز اس سے پھر ملاقات ہوگی۔ ان باتوں کو کئی روز گذر گئے۔ ایک روز میں [illegible] پر کھڑا تھا میں نے ایک نئی نایاب موٹر میں اسی شخص کو بیٹھے ہوئے دیکھا۔ گاڑی معمولی رفتار سے جا رہی تھی۔ میں نے فوراً ایک ٹیکسی کرایہ کو لی اور اس موٹر کے پیچھے چل دیا۔ موٹر بندرگاہ کی طرف جا رہی تھی۔ میری گاڑی بھی اس کے پیچھے تھی۔ لیکن بمبئی کے پُرہجوم بازاروں میں سے نکلنے میں میری گاڑی کو دیر لگ گئی۔ میری موٹر جس وقت بندرگاہ کے قریب پہنچی تو وہ

(باقی اگلے صفحہ پر)

داغ اور امیر مینائی

(از جناب نعمت اللہ جلال آبادی اسسٹنٹ ٹیچر اگو بکچر مڈل سکول رام پور منہاراں ضلع سہارنپور)

(خاص تیج دہلی کے لئے)

ہمارے محترم ... دہلی میں میرے معزز دوست شمس اکبر آبادی کا ایک مضمون بعنوان "داغ کی شاعری" میری نظر سے گزرا محترم دوست نے اپنے نکتے قابلانہ طریقے سے پیش کئے جو قابل تعریف ہیں۔ میں فاضل مضمون نگار کے مضمون کا جواب نہیں لکھ رہا ہوں۔ بلکہ جو کچھ پیش کروں گا اس مضمون کا تتمہ ہوگا۔

داغ کے مزاج میں حسن پرستی کا غلبہ تھا اور اس کے علاوہ فطرتاً شاعری کی رنگ روشن تھی اس سبب ان کا کلام فطری تاثیر سے مالا مال تھا۔ بلکہ ان کی زبان میں شاعرانہ صناعی کو دخل نہ تھا۔ لیکن ان کی زبان روانی اور بے تکلفی سے معمور ہے۔ ان کے حریف امیر کو یہ وصف نصیب نہ تھا۔ وہ ایک بڑے شاعر تھے اور صاحب فن تھے۔ داغ کسی کے مقلد نہ تھے۔ اور ایک طرز خاص کے موجد تھے۔ ان کا کلام طبیعت کے قدرتی رنگ میں ڈوبا ہوا ہے اور ہر شعر زبان حال سے پکار کر کہتا ہے کہ میں داغ کا شعر ہوں۔ جہاں ان کے کلام میں اتنی خوبیاں ہیں وہاں میرے خیال میں چند خامیاں بھی پائی جاتی ہیں۔

چند مثالیں ذیل میں ملاحظہ ہوں۔

ع نہ کوئی تیرا ثانی ہے نہ کوئی مشترک تیرا

مشترک بمعنی شریک۔ ٹھیک نہیں ہے

ع کعبے والے کہیں وہ آئی اذان دہلی

اس مصرعہ میں اذان آنا محاورہ نہیں ہے

ع اب اس میں حسرت ویاس وتمنا بسیر کرتی ہیں

تمام مقصد مونث ہیں۔ ان کا مجموعہ مذکر نہیں ہو سکتا۔

مرزا داغ کی شوخی طبع وشستگی بیان سے بھی انکار نہیں کیا جا سکتا۔ ان کا انداز تغزل دلکش ہے۔ وہ کہنہ مشق اور غزل کی ماہیت سے خوب واقف تھے۔

خلاف اس کے:-

"امیر کے کلام کو مصنوعی شاعری بتلایا جاتا ہے اور ساتھ ہی یہ بھی کہا جاتا ہے کہ مشق کے زور سے حاصل کیا اس سلئے اصل جوہر شاعری جو قدرتی شاعر اپنے ساتھ لے کر پیدا ہوتا ہے ان کے یہاں ڈھونڈنے سے بھی نہیں ملتا۔ اور ان کے کلام کی دو رنگی اس بات کی شاہد ہے کہ ان کی طبیعت فطرتی طور پر شاعرانہ نہ تھی۔ بلکہ تقلید سے کام لیا گیا۔ ان کے دو دیوان ہیں اور دونوں کا جدا جدا رنگ ہے۔ ایک میں امیر و ناسخ کا اتارا ہوا چربہ ہے۔ دوسرے میں داغ کی شوخی کا چربہ ہے لیکن وہ شوخی پیدا نہ کر سکے۔"

کیا خوب! یہ کہنا چاہئے کہ امیر کی زبان آخر میں نہایت دلکش وشیریں ہو گئی تھی جس کو کہنہ مشقی کا ثمرہ کہا جا سکتا ہے لیکن خیالات میں دہلی اور لکھنؤ کا فرق صاف طور پر نمایاں ہے۔

امیر نے کبھی داغ پر طعن وتشنیع نہیں کی۔ نہ داغ نے ہی اپنے کسی شعر میں امیر مرحوم کو مخاطب کیا بلکہ دونوں نے ایک دوسرے کو ہمیشہ نظر احترام سے دیکھا۔

امیر مرحوم فرماتے ہیں۔

امیر اچھی غزل ہے داغ کی جس کا یہ مصرعہ ہے
بھنویں تنتی ہیں خنجر ہاتھ میں ہے تن کے بیٹھے ہیں

امیر کے کلام میں کہیں بلند وپست کا عیب نہیں۔ ان کا تمام ذخیرہ شاعری کے ایک خوشنما قالب میں ڈھلا ہوا ہے۔ امیر مرحوم کے کسی محاورے کسی لفظ پر کوئی حرف بھی آج تک عیب نہ نکال سکا۔ امیر نے زبان اردو میں وہ حلاوت وفصاحت پیدا کی جس کا انکار وجود آفتاب کا انکار ہے۔

امیر کا ہر شعر ترشا ہوا نگینہ اور شستگی وصفائی میں ایک آئینہ ہے۔ اغلاط علمی جن سے ناسخ وغالب بھی نہ بچ سکے امیر کے کلام میں ان کا نشان تک نہیں مل سکتا۔

امیر و داغ کا جھگڑا ایک مدت تک رہ چکا ہے ہم اس آگ پر تیل ڈالنا نہیں چاہتے۔ قصداً ان دونوں کے ہم قافیہ وہم ردیف اشعار لکھے نہیں گئے لیکن اگر ان کا امتیازی رنگ دریافت کرنے کی ضرورت ہے اور ادبی دلچسپی کے اعتبار سے مسلم ہو تو ہم صرف ان دونوں استادوں کا ایک ایک شعر لکھنے پر اکتفا کرتے ہیں جس سے اندازہ ہوگا کہ ایک ہی خیال کو ایک ہی پیرایہ میں دونوں اپنی اپنی جگہ کس طرز پر ادا کرتے ہیں

کبھی سمجھا نہ آگے کیا ہم اس خود سر کو سمجھاتے
سمجھ جاتا اگر اتنا کسی پتھر کو سمجھاتے

(امیر لکھنوی)

نہ سمجھا عمر گذری اس بت خود سر کو سمجھاتے
پگھل کر موم ہو جاتا اگر پتھر کو سمجھاتے

(داغ دہلوی)

نہ ہم داغ کے طرفدار ہیں نہ امیر کے مدح خواں۔ ہمارے لئے تو دونوں استاد چراغ راہ تھے۔ اشعار ذیل دونوں کے صحیفۂ سخن سے پیش کرتے ہیں۔ ارباب کمال کو خود ہی فیصلہ کر لینا چاہئے کہ کون کس کا مقلد ہے

(باقی مضمون اگلے صفحہ پر)

دورِ حاضرہ کے بے وطن بادشاہ

(از قلم پنڈت آنندی پرشاد مصرا صاحب مرادآبادی)

(خاص ریاست دہلی کے لئے)

ایک وقت تھا کہ لوگ بادشاہ کو ظلِ اللہ سمجھتے تھے۔ اور ان کے جائز اور ناجائز احکام کی تعمیل سعادت دارین۔ لیکن اب زمانہ نے کچھ ایسا پلٹا کھایا ہے کہ ہر خاص و عام ان کی ذرا ذرا سی حرکات پر اعتراض کرتے ہیں۔ نتیجہ یہ ہوا کہ گذشتہ بیس سال میں کئی تاج دار بے تاج ہو گئے ہیں۔ مثلاً مینوئل شاہ پرتگال۔ جارج شاہ یونان۔ فرڈیننڈ شاہ بلغاریا۔ زیتا ملکہ آسٹریا۔ کارل شاہ ہنگری۔ ولیم شاہ جرمنی۔ امان اللہ خاں شاہ افغانستان۔ حسین شاہ حجاز۔ شہنشاہ چین۔ اور عبدالمجید خاں خلیفۃ المسلمین۔

عبرت کا مقام ہے کہ کبھی یہ تاجدار کروڑوں انسانوں کی قسمت کا فیصلہ اپنے "قلم کی ایک جنبش" ایک ہاں یا نہ سے کر دیا کرتے تھے کوئی شخص ان کے ممالک میں ان کی مرضی کے بغیر نہ آ سکتا تھا۔ نہ وہاں سے باہر جا سکتا تھا اور نہ کسی کو یہ قدرت تھی کہ بغیر شاہی مرضی کے وہاں قیام کر سکے۔ لیکن آج وہ بے وطن ہیں۔ اور اپنے ملک میں ایک مسکین ترین شخص کی زندگی بھی بسر نہیں کر سکتے۔

اس سے آج شاہی خاندان میں صرف ایک جگہ کی پر (؟) شاہ رومانیہ کے دوبارہ تخت نشین ہونے سے خالی ہوئی تھی لیکن قدرت کا تماشہ دیکھو کہ اس جگہ کو بھی الفانسو شاہ ہسپانیہ سے پُر کر دیا گیا۔ ان بے تخت بادشاہوں کی برادری بھی ایک عجوبہ مرکب ہے جس میں ہر قسم ہر طبیعت اور ہر رنگ کے بادشاہ موجود ہیں اور اگرچہ دنیا کی حکومت ان سے چھین لی گئی ہے تاہم یہ ہستیاں راحت و مسرت سے بالکل محروم نہیں ہو گئیں

کیونکہ انہوں نے اپنی تفریح کے سامان کچھ نہ کچھ مہیا کر لئے ہیں شان کے طور پر الفانسو کو ہی لیجئے۔ جب سے وہ انگلستان میں آیا ہے اس نے ایک جاگیر خرید لی ہے اور وہاں ایک بے فکر شہری کی زندگی بسر کر رہا ہے۔ ہر ایک قسم کے جلسوں میں شریک ہوتا ہے اور کچھ نمایاں طور پر مغموم نظر نہیں آتا۔ اس کے قریب ہی شاہ پرتگال بھی مقیم ہیں۔ فی الحقیقت یہ ملک بے تاج بادشاہوں کے لئے ایک قسم کا فردوس ثابت ہوا ہے۔

الفانسو نے عقلمندی سے کام لے کر زندگی کے بعض مشاغل جیسے کرکٹ، پولو اور تیر ملحق الفانی کے خیالات کو دماغ سے دور کر دیا ہے۔ چنانچہ اس نے انگلستان اور فرانس کے کھلاڑی امراء کے حلقہ میں بہت سے دوست پیدا کر لئے ہیں اور ہر سال اکثر کھیلوں میں شامل ہوتا ہے اور منتخب اور مخصوص دعوتوں میں شامل ہونا زیادہ پسند کرتا ہے۔ اور ان جگہوں سے خوب واقف ہے جہاں اس کے اس قسم کے شوق پورے ہو سکتے ہیں۔ وہ بیان کرتا ہے کہ آزاد ہو گیا ہے کہ اپنی ضروریات کی اشیاء لندن کے بازاروں میں خود جا کر خریدتا پھرتا ہے۔ جانور پالنے کا اس کو بے حد شوق ہے اور اب اسے اپنی عادت کو پورا کرنے کے لئے کافی وقت ملتا ہے۔

علاوہ اس کے اگر الفانسو کو دوسرے جلا وطن بادشاہوں سے ملنے کا شوق ہو تو وہ مینوئل شاہ پرتگال اور اس کی خوبصورت ملکہ اور جارج شاہ یونان سے مل کر اپنا غم غلط کر سکتا ہے

مینوئل نے تو اپنی بیس سال کی رہائش میں اپنے

تیئں مکمل انگریز بنا لیا ہے۔ اس کا محل جو بہت بڑا اور عالیشان ہے ٹیمز کے کنارے ٹوکن ہیم کے قریب واقع ہے۔ اس نے اور اس کی ملکہ نے ٹینس میں ایسا کمال حاصل کر لیا ہے کہ جب تک یہ دونوں شامل نہ ہوں اعلیٰ طبقہ کی کوئی کلب مکمل نہیں سمجھی جاتی۔ یہاں تک کہ وہ دونوں ومبلڈن ٹورنامنٹ میں اسی طرح سے مشہور ہیں جیسے ٹل ڈن اور ولز۔ یہ میاں بیوی انگلستان کے قدامت پسند امرا کی سی زندگی بسر کرتے ہیں اور عام طور پر دعوتوں اور جلسوں میں شامل نہیں ہوتے۔ تھیٹروں وغیرہ سے بھی عموماً غیر حاضر رہتے ہیں۔ البتہ بادشاہ جارج کے ساتھ کبھی کبھی کھانے میں شریک ہوتے تھے۔ اور خود بھی گاہ گاہ مختصر سی دعوتیں جن میں زیادہ شور و شغب نہ ہو دیتے ہیں۔

بہرکیف جلا وطنی نے شاہ مینوئل کو جاسوسی اختیار کرنے پر مجبور کر دیا ہے۔ ... بتلاتی گئی تھی کہ اس نے ... یہ الزام ... بلکہ یہاں تک کہا گیا کہ شاہ مینوئل کے محل میں جاسوس بھی ملازم کرا دئے ... انقلاب کرا دیا۔

جارج شاہ یونان خوبصورت جوان ہے۔ ۱۹۲۳ء سے جلا وطن ہے وہ لندن اور پیرس کی زندہ دل زندگی پسند کرتا ہے اور اکثر ... کے ... گھروں میں دیکھا جاتا ہے

علاوہ اس کے وہ عموماً چیرٹی بال میں شامل ہوتا ہے۔ اس نے ابھی تک انگلینڈ میں کوئی محل وغیرہ نہیں خریدا۔ وجہ صرف یہ معلوم ہوتی ہے کہ اسے ابھی کمل یقین ہے کہ یونان کے پولیٹکل افق پر ممکن ہے کہ تبدیلی واقعہ ہو اور اس کو واپس بلا لیا جائے۔ ستمبر میں تو وہ اپنی ملکہ کے ساتھ ... میں ایک پرانی وضع کے ہوٹل میں ٹھہرتا ہے اور فرانس

(باقی مضمون اگلے صفحہ پر)

امنِ عالم قائم رکھنے میں مغربی تہذیب کی ناکامی

سیاسیاتِ عالم پر ایک سرسری نظر

(از قلم اندر سین کوہلی بی - اے)

(خاص تیج دیکلی کے لئے)

دنیا ترقی کی شاہراہ پر گامزن ہے۔ مغربی ممالک نت نئی ایجادات سے دنیا کو محوِ حیرت کر رہے ہیں۔ آج یورپ کا ہر ایک ملک اپنی قوم کو مضبوط اور اَپ ٹو ڈیٹ بنانے میں مشغول ہے۔ پرانے رسم و رواج کی جگہ نئے رسم و رواج نے لے لی ہے۔ ہر طرح میں بھاری توپیں، مشین گنیں، ہوائی جہاز اور بحری بیڑے بنائے جا رہے ہیں اور دشمن کی فوج کو ہلاک کرنے کے لئے زہریلی گیسیں اور خطرناک آلاتِ حرب تیار کرائے جا رہے ہیں۔ صنعت و حرفت کی بھی اسی طرح کایا پلٹ دی گئی ہے۔ چھوٹی چھوٹی گھریلو دستکاریوں کی جگہ بڑے بڑے کارخانے کام کر رہے ہیں اور کاریگروں کی جگہ فولادی مشینیں استعمال ہوتی ہیں۔ وسیع پیمانے پر بڑے بڑے تجارتی جہازوں کے ذریعہ مختلف ممالک کی باہمی تجارت ہوتی ہے۔ گھوڑے گاڑیوں اور چھکڑوں کی جگہ ریل گاڑی اور موٹر کار نے لی ہے۔ گندی اور غبار آلود سڑکوں کو پختہ اور صاف سڑکوں میں تبدیل کر دیا گیا ہے۔ اسی طرح سوسائٹی کے نظام میں بھی کامل تبدیلی پیدا ہو چکی ہے۔ عورت کی آزادی اور برابری کا حق تقریباً تمام مغربی ممالک تسلیم کر چکے ہیں۔ غرضیکہ زندگی کے ہر شعبہ میں مغربی ممالک ایک انقلاب برپا کر رہے ہیں۔ لیکن اس تصویر کا ایک نہایت تاریک پہلو یہ ہے کہ موجودہ تہذیب اور ترقی دنیا کے امن اور شانتی کے لئے ایک چنگاری ثابت ہوئی ہے۔ وہ آج انصاف اور حق کی جگہ جس کی لاٹھی اس کی بھینس کا اصول مستعمل ہے جیسا کہ میں جرمنی، فرانس، برطانیہ، اٹلی اور جاپان جیسے ترقی یافتہ اور مہذب ممالک کے طرزِ عمل سے ثابت کروں گا

جرمنی

قیصر ولیم نے ۱۸۸۸ء میں تخت نشینی کے بعد جرمنی کو از سرِ نو تنظیم کرنا شروع کیا۔ جرمنی کے نظامِ حکومت، ذرائع آمد و رفت، طریقِ صنعت و حرفت اور سوشل نظام میں حیرت انگیز تبدیلی ہو گئی۔ جرمنی کا بیوپار دور دراز ملکوں میں ہونے لگا۔ جرمنی کی مصنوعات غیر ممالک میں خاص قدر و قیمت پانے لگیں۔ جرمنی کی بری اور بحری فوج سے یورپ کی تمام طاقتیں خوف کھاتی تھیں۔ اب شاہِ جرمنی کے دل میں خیال پیدا ہوا کہ اور تو سب طرح سے پرماتما کی دیا ہے لیکن جرمنی کی آبادی دن بدن بڑھ رہی ہے اس بڑھتی ہوئی آبادی کے لئے نوآبادیات درکار ہیں۔ چنانچہ سلطنت کی وسعت کے لئے جنگی تیاریاں شروع کر دیں۔ اور موقعہ کے منتظر رہنے لگے۔ جس وقت جب کہ جرمنی پورے عروج پر تھا ۱۹۱۴ء میں شہزادہ سرویہ قتل کر دیا گیا۔ جس کی وجہ سے یورپ میں لڑائی چھڑ گئی۔ سب سے پہلے جرمنی کے لشکر میدانِ جنگ میں آ دھمکے۔ اس جنگِ عظیم کا نتیجہ یہ ہوا کہ اتحادی طاقتوں نے جرمنی کو شکست دی۔

اب جرمنی کے سب سے بڑے دشمن فرانس کا طوطی بولنے لگا۔ اور اس نے اتحادیوں کے بل بوتے پر جرمنی کی بے بسی سے پورا پورا فائدہ اٹھایا۔ اس نے جرمنی سے ذلت آمیز سلوک کیا اور کڑی سے کڑی شرائط منوائیں۔ معاہدہ ورسلز کی رو سے قیصر کو تخت چھوڑنا پڑا۔ جرمنی کے سر پر بھاری تاوانِ جنگ ڈالا گیا۔ دس کروڑ پونڈ علاوہ ... تیس سال تک جرمنی سے ادا کرنا منظور کیا۔ جرمنی کی فوج صرف ایک لاکھ تک محدود کر دی گئی۔ جرمنی کے دو صوبے السائس اور لورین فرانس کے حوالے کر دئے گئے۔ اور جرمنی کو بین الاقوامی برادری سے الگ رکھا گیا۔ غرضیکہ اسی قسم کی بہت سی شرائط جرمنی سے تسلیم کرائی گئیں۔ جن سے جرمنی کی توہین اور جرمن قوم کو بے دست و پا بنانا مقصود تھا۔ مرتا کیا نہ کرتا۔ جرمنی کو مجبوراً اتنی سخت شرائط منظور کرنی پڑیں۔

۱۹۱۹ء سے ۱۹۳۲ء تک جس طرح جرمن قوم نے دن کاٹے ہیں وہ وہی جانتے ہیں۔ جرمنی کے بڑے بڑے جنگی جرنیل بھوکے مرنے لگے۔ گورنمنٹ کا سرکاری بجٹ ہمیشہ خسارہ میں رہتا جس سے گورنمنٹ کو آئے دن ٹیکس لگانے پڑتے۔ ایک تو جرمنی جنگ کی وجہ سے تباہ ہو چکا تھا۔ دوسری طرف نت نئے ٹیکسوں کا بوجھ تھا۔ اسی دوران میں جرمنی میں نازی پارٹی کا ظہور ہوا۔ جرمنی کی نازی پارٹی اس قدر طاقت پکڑتی جا رہی ہے کہ جرمنی دنیا کے لئے ایک دفعہ پھر خطرہ کا موجب بن رہا ہے۔ چنانچہ جرمنی کے نازی ڈکٹیٹر ہر ہٹلر کے مندرجہ ذیل الفاظ ملاحظہ ہوں۔

"ہمارا مقصد صرف معاہدہ ورسلز کی دھجیاں اڑانا ہی نہیں بلکہ ۶۸ کروڑ جرمنوں کے لئے روئے زمین پر کافی جگہ حاصل کرنا ہے۔ نازیوں کا زبردست مطالبہ ہے کہ مشرقی افریقہ کے جرمن مقبوضات جو ہم سے چھین گئے ہیں ہمیں واپس دلائے جائیں۔ ہم یہ جدوجہد زندگی کے آخری لمحوں تک جاری رکھیں گے۔"

(باقی اگلے صفحہ پر)

ہر ہٹلر نے اپنے مقاصد کو حاصل کرنے کے لئے تقریباً بارہ لاکھ جرمن نوجوان فوج میں لڑنے کے لئے تیار کر رکھے ہیں۔ اور جرمن جرنیل ببانگ دہل اعلان کر رہے ہیں کہ ہم مکھن کے بغیر تو گذارہ کر سکتے ہیں لیکن توپوں کے بغیر نہیں۔ ہر ہٹلر نے رائن لینڈ میں فوجیں بھیجکر معاہدہ ورسلز کی دھجیاں اڑا دی ہیں۔ اور سیاسیات یورپ پر نئی پیچیدگیاں پیدا کر دی ہیں۔ اب دیکھیں فرانس اس کا کیا جواب دیتا ہے اور لیگ کیا کچھ کرتی ہے۔

چین اور جاپان

ماہرین کی پیشگوئیاں اکثر صحیح ثابت ہوا کرتی ہیں ۱۸۸۸ء میں قیصر ولیم کی تخت نشینی پر جرمنی کے چانسلر پرنس بسمارک نے قیصر کی بابت کہا تھا کہ:۔

"قیصر جرمنی یا تو سارے یورپ پر حکومت کرے گا یا جرمنی کی سلطنت بھی کھو کر گوشہ نشینی اختیار کرنے پر مجبور ہوگا"

اسی طرح بیسویں صدی کے آغاز میں قیصر ولیم نے پیشگوئی کی تھی کہ "جاپان کسی وقت مشرق بعید کے لئے بڑے خطرہ کا موجب ہوگا۔ بالخصوص چین پر اس کا قبضہ تو یقینی سمجھنا چاہیئے"

قیصر ولیم کی بات آج حرف بحرف صحیح ثابت ہو رہی ہے جاپان نہ صرف چین کے بعض حصوں پر عملی طور پر حکومت کر رہا ہے بلکہ ایشیا کے دوسرے چھوٹے بڑے ملکوں پر بھی نظر رکھتا ہے۔ چنانچہ جاپان کے سابق

وزیر اعظم بیرن تناکا کی یہ تجویز ملاحظہ ہو:۔

"سلطنت منچوریا اور منگولیا پر قبضہ کر لینا چاہئے تاکہ ہم چین کی فوجی، سیاسی اور اقتصادی ترقی کو تباہ کر سکیں چین کے تمام ذرائع پر قبضہ کرنے کے بعد ہمیں ہندوستان اور ایشیائے کوچک اور وسط ایشیا کی فتح کے لئے آگے بڑھنا چاہئے۔ ہماری ناقص آبادی کے لئے جس میں ہر سال سات لاکھ کا اضافہ ہوتا ہے کوئی جگہ ضرور حاصل کرنی ہوگی:"

چنانچہ جاپان نے اپنی جنگی تعلیم پر عمل شروع کر دیا ہے ۱۹۳۱ء میں اس نے منچوریا پر قبضہ کیا اور اس میں تین اور زرخیز صوبے شامل کرنے ۱۹۳۳ء میں اس نے جیہول فتح کر لیا اور چین کو مجبور کیا کہ وہ اپنی فوج دیوار کے جنوبی علاقہ سے ہٹا لے ۱۹۳۳ء میں اس نے چینی معاملات پر لیگ آف نیشنز سے قطع تعلق کر لیا اور تمام دنیا کو متنبہ کیا کہ اگر ضرورت ہوئی تو وہ باقی ماندہ چین کی امداد کے متعلق بین الاقوامی سکیموں کی مخالفت کرنے کے لئے طاقت استعمال کریگا

اب جاپان نے منگولیا میں بھی چھیڑ خانی شروع کر دی ہے اور ممکن ہے کہ کچھ عرصہ میں وہ منگولیا پر بھی قابض ہو جائے۔ چونکہ چین کمزور ہے اور وہ جاپانی توپوں کے آگے دم نہیں مار سکتا اس لئے اس کے واسطے ایک ہی راستہ ہے کہ وہ جاپانی مطالبات کے آگے سر تسلیم خم کرتا جائے۔ کچھ عرصہ ہوا چین نے لیگ آف نیشنز سے امداد حاصل کرنے کے لئے ایڑھی چوٹی کا زور لگایا۔ لیکن لیگ بھی اپنا مقدس فرض ادا کرنے سے قاصر رہی اور اس کی خاموشی نے ثابت کر دیا کہ دنیا میں اب بھی جس کی لاٹھی اس کی بھینس والا اصول کام کر رہا ہے۔

اگر جاپان کی [illegible] آبادی میں ہر سال سات لاکھ کا اضافہ ہوتا جا رہا ہے تو اس میں چین کا کیا قصور ہے چین اگر دنیا میں زندہ رہنا چاہتا ہے تو اس کو جاپان کے مقابلہ کی طاقت بننا ہوگا۔ ورنہ وہ دن دور نہیں جبکہ سارے چین پر جاپان کا جھنڈا لہرائے گا۔

اٹلی اور ایبے سینیا

اٹلی اس وقت دنیا کی پانچ بڑی طاقتوں میں ایک ہے ۱۹۲۲ء سے پہلے اٹلی کا پالیٹکس سوشلزم اور کمیونزم کی طرف مائل تھا لیکن جب ملک نے ہر طرح سے اندرونی ترقی کر لی تو اس کی بڑھتی ہوئی آبادی اور صنعتی مصنوعات تجارت کے لئے (آبادیات) کی ضرورت محسوس ہوئی چنانچہ سوشلزم کا چولا اتار کر اٹلی نے فیسزم کو اپنایا فیسزم کے متعلق اٹلی کے ڈکٹیٹر مسولینی کے خیالات ملاحظہ ہوں:۔ "فیسزم کے لئے سلطنت کی وسعت ایک ضروری چیز ہے۔ ترقی یافتہ ملک کے لئے امپیریلزم اپنا پہلا اصول ہونا چاہئے۔ ورنہ اس کی موت دور نہیں ہے۔ اپنے حصول مقصد کے لئے جنگ سے پرہیز کرنا بزدلوں کا کام ہے:" ان خیالات کا مالک اٹلی کا ڈکٹیٹر کیونکر چپ رہ سکتا ہے۔ چنانچہ اس نے بھی اپنے ایک پڑوسی ملک ایبے سینیا کو کمزور دیکھ کر حملہ کرنے کا اعلان کر دیا۔ گو ایبے سینیا کا بہت سا حصہ ریگستان ہے لیکن اس کی جغرافیکل پوزیشن نہایت ہی اہم ہے۔ ایبے سینیا پر قبضہ ہو جانے سے انگریزوں کے مفاد خطرے میں پڑ جانے کا اندیشہ ہے۔ پہلے تو انگریزوں نے اٹلی کو بہت سمجھایا لیکن اٹلی نے ایک نہ مانی اور وہ اپنی ضد پر قائم رہا۔ آخر دنیا میں ایبے سینیا کی مظلومیت کا ڈھنڈورا پیٹ کر رائے عامہ کو اٹلی کے خلاف کھڑا کر دیا گیا اور لیگ آف نیشنز جو چین پر جاپانی گولہ باری کے وقت بے حس و حرکت پڑی رہی بڑی تیزی سے حرکت کرنے لگی۔ اٹلی کو بہت ڈرایا اور دھمکایا گیا لیکن جب اٹلی نے ایک نہ سنی تو لیگ نے اس کا اقتصادی بائیکاٹ کر دیا جو کہ اب تک جاری ہے۔ ادھر اٹلی بھی توپوں کے ذریعہ ایبے سینیا کو تہذیب سکھانے میں مشغول ہے۔ دیکھیں کیا انجام ہوتا ہے۔

مندرجہ بالا واقعات کے پیش نظر ہم اس نتیجہ پر پہنچتے ہیں کہ موجودہ تہذیب یافتہ زمانہ میں بھی طاقت کا بول بالا ہے طاقتور ملک کمزوروں پر جبر و ظلم کرتے ہیں اور ان کو پوچھنے والا کوئی نہیں۔ لیکن ظالم کمزور پر جبر کرتے وقت یہ بھول جاتا ہے کہ اس کی ہر ایک ٹھوکر مظلوم میں نئی زندگی اور نئی روح پھونکتی ہے یعنی کہ اس کی سوئی ہوئی خودداری بیدار ہو کر اسکو طاقتور بنا دیتی ہے اور وہ اپنے اوپر کئے گئے مظالم کا بدلہ لینے کی فکر کرتا ہے۔ اسی طرح دنیا میں جنگ و جدل کا سلسلہ جاری رہتا ہے۔ اور موجودہ تہذیب اپنی انتہائی ترقی کے باوجود دنیا میں امن اور شانتی قائم کرنے میں ناکام ثابت ہوئی ہے

مزاحیہ

از جناب سلطان احمد خاں - مرادآباد

میری سسرال میں میرے متعلق معلوم نہیں یہ رائے کیونکر قائم کر لی گئی تھی کہ میری خوراک میرے جسم کے لحاظ سے بہت کم ہے۔ میں اکثر اسی فکر میں رہتا تھا کہ اگر میں کسی دن وہاں جا پھنسا تو نہ معلوم مجھ پر کیسی گذرے گی۔ اگر کبھی بیوی کو لانے لیجانے کا سوال آتا تھا تو میں اس مہم کو اپنے چھوٹے بھائی کے سپرد کر دیتا تھا اور اپنی جان کو صاف بچا لیتا تھا۔ گو میری بیوی کو یہ شکایت ہوتی تھی کہ تم کیوں نہیں چلتے تو میں کوئی نہ کوئی بہانہ بنا دیتا تھا جیسے میں سوچتا تھا کہ آخر کبھی تو کبھی اس بکرے کی ماں بھی خیر منائے گی۔ چنانچہ ایک روز صبح چارہ کا سامان لیکر بیٹھا ہی تھا کہ بیوی آ نکلیں۔ میں نے گھبرا کر پوچھا خیر تو ہے۔ بولیں کہ تار ہے۔ میں نے کہا تار — تار خواہ اچھا ہو یا بُرا مگر ایک دو منٹ کے لئے انسان کو تشویش میں مبتلا کر دیتا ہے۔ اسکو کھولا تو ایک مصیبت آن پڑی۔ میں رکھ دیا اور پرسش نہ اٹھایا مگر بیوی سے کہا آخر ہوا کیا مجھے بھی تو بتاؤ۔ یہاں یہ خیال کہ سسرال میں ایک مرتبہ۔ معلوم کیا حشر ہو۔ کیونکہ میں ہی ایک تھا کہ بیوی کو لیجاتا۔ والد اپنے کام میں لگے۔ چھوٹا بھائی امتحان دے رہا تھا بس اب میں رہا تو میں۔ یہ خیال رہیں چکر لگا ہی رہے تھے کہ بیوی نے میرا کاندھا ہلا دیا اور پوچھا۔ کہو خیر تو ہے؟

میں نے کہا - ہوں۔

اس پر بیوی کو بھی تشویش ہوئی کہ آخر ماجرا کیا ہے میں نے کہہ دیا کہ تمہاری ایک بہن ہوئی ہے اور آئندہ ہفتہ میں آج ہی کے دن اس کا مونڈن ہے۔ اب بیوی کو کوئی دیکھتا کہ بس کہیں ادھر کو دوڑیں۔ یہ چیز یہاں رکھی۔ اس گلاس کو وہاں پھینکا۔ کہ اگر ڈربی کی لاٹری مل گئی ہوتی یا قارون کے خزانہ کی کنجی ہاتھ میں آگئی ہوتی تو وہ اس قدر خوش نہ ہوتیں۔

(۲)

اب میری حالت اگر کوئی دیکھتا تو شاید یہ خیال کرتا کہ معلوم نہیں کس مصیبت میں گرفتار ہے۔ لوگ سسرال جاتے ہیں تو خوب کھاتے پیتے اور موٹے ہو کر آتے ہیں۔ مگر میں سمجھ رہا ہوں کہ جاؤں گا پھر بھی دل کو سمجھا لیتا کہ بات ہی کون سی ہے۔ بیوی کو ٹال دونگا کہ سوا مہینے کے بعد چلنا۔ اتنے بات پرانی ہو ہی جائے گی اور بیوی بھی بھول چکی ہوں گی۔ مگر دوسرے ہی دن سے یہ ارادہ ظاہر ہوا کہ کپڑا کرتہ ٹوپی کا اور ایک سونے کی انگوٹھی آئے گی۔ میں نے سوچا کہ شاید پارسل سے جائے گی۔ خیر میں نے فراہم کر دی۔ ایک دن ارشاد ہوا کہ کب چلو گے۔ بس اب تین دن باقی رہ گئے ہیں۔ چندھ تو آج جا ہی نکل ہی گیا۔ میں نے کہا کہاں جا رہی ہو؟

بولیں کہ کیا تم اپنی سالی کو کرتہ ٹوپی نہ دینے چلو گے۔

میں کیا جواب دے سکتا تھا۔ مگر میں نے ٹالدیا کہ پارسل سے بھیجدو۔ تم کیا کرو گی۔ موسم گرما ہے اور میں ہوں مدہر کا مریض۔ کہاں جاؤ گی سب کو تکلیف ہی تکلیف ہے

لاؤ کل پارسل کر دوں۔

بیوی بولیں کہ کل ہم تم دونوں چلیں گے۔ یہ میری دوسری تو بہن ہے۔ اور کرتہ ٹوپی پارسل سے جائے۔ میری اور تمام رشتہ داریں سب جمع ہوں گی اور میں یہاں اکیلی رہوں۔ بھلا یہ کون سا انصاف ہے۔

میں نے خواب ٹالا۔ مگر وہ یہ کہہ اٹھیں کہ چلیں گی اور بے جائے نہ مانوں گی آخر کہنا پڑا کہ چلو۔ مگر میں نے کہا کہ دیکھو مجھے ذرا جلد ہی بے ماں باپ سے اجازت لے دینا۔ اس پر بیوی راضی ہوئیں اور میں نے بھی سوچا کہ ایک رات کا گذارنا ہی کیا بات ہے۔ فاقے کے ہی سا کر گذار دی تو کون بڑی بات ہے مگر بھوک کی یہ قدر دشمن کو بھی نہ دکھائے۔ بیوی نے بھی مجھ سے ایک زبردست وعدہ کرایا کہ دیکھو تم وہاں ذرا کھانا کم۔ میری بات بن جائے گی۔ میں اکثر تمہارے متعلق کہتی ہوں کہ تم بہت ہی کم کھاتے ہو۔ یہ سُن کر میری روح نکل گئی۔ میں نے کہا کہ یہ تو وہی مضمون ہے کہ ع

اس گھر کو آگ لگ گئی گھر کے چراغ سے

یہ بیوی ہی ہے نا جس نے میری کم خوراکی کے متعلق لوگوں کو دھوکہ میں ڈالا ہے

(۳)

اگلے دن صبح نو بجے والی گاڑی میں ہم سوار ہوئے اسٹیشن پر پہنچے کہ گاڑی لیٹ آئی۔ گاڑی آتے ہی بیوی نے کہا چلو جلدی چلو دیکھو وہ چھوٹی۔ بس تم چھوڑ دو گے۔ ہاں ہاں میں تو جانتی ہوں کہ ایک تو موقع آیا ہے اس پر منہ سیدھا نہیں۔ بیوی یہ کہتی ہوئی آگے آگے چلی جاتی تھی کہ ایک دم انٹر میں داخل ہوئیں۔ میں نے کہا کہ میں برابر کے درجہ میں بیٹھتا ہوں۔ مگر وہاں قرار کب تک کہ اچانک ایک نارنگی کے چھلکے پر سے پیر پھسل گیا اور ایک دو تین ہو کر بیوی چراغ پا ہو گئیں۔ میں نے سنبھالا مگر گر ہی گئیں اب مجھ پر ناراضگی کہ تم سے سنبھالا ہی نہ گیا۔ آخر تمام راستہ یہ دماغ کھایا کہ کہو نقدی کیا دو گے؟ میں کہہ دیتا کہ جو تم چاہو دے دینا۔ اس پر ناراضگی کا اظہار ہونے لگتا کہ ہاں اجو منہ چھپاؤ گے۔

شام کے چار بجے ہم منزل مقصود پر پہنچے۔ جوں جوں ہم قریب پہنچتے جا رہے تھے بیوی پوچھتی تھیں کہ کتنی دور اور رہا۔ کوئی نظر آیا۔ بس آ ہی گیا ہو۔ مگر یہ کہ دیکھو وہاں کھانا کم۔ میں نے کہا کہ مجھ سے تو بھوک کی برداشت ہوتی نہیں ہے۔ پھر کیا کرونگا اس پر بولیں کہ کر جاؤ ایسے تو کتنے دن سے آپ دوا نہ رہے تھے تم ہو کہ ایک دو دن ذرا بھوکے نہیں رہ سکتے۔

(۴)

اب گھر پہنچے تو سیر انجلا سالا جو قسمت سے یکہ چنتم تھا سامنے نظر پڑا۔ میں نے کہا خدا خیر کی خبر منائے۔ اتنے میں بہشتی ملک۔

(باقی اگلے صفحہ پر)

ہفتہ کی اہم خبریں

حکومت اٹلی کا ایک سرکاری اعلان مظہر ہے کہ جنوبی صومالی لینڈ پر جنرل ناسیس کی ڈائیبا کی فوج اور جنرل ایستلومتو کی فوج کے درمیان زبردست جنگ ہوئی جس میں کئی ہزار حبشی جن میں کئی بڑے فوجی افسر بھی شامل تھے ہلاک ہوگئے۔ اطالوی فوج کے دس افسران ہلاک ہوئے۔

سائنیور مسولینی کے اخبار پوپولو ڈیٹالیہ میں ایک مضمون شائع ہوا ہے جس کے متعلق یہ خیال کیا جاتا ہے کہ وہ مسولینی کے ہاتھ کا لکھا ہوا ہے۔ جس میں مذکور ہے کہ اٹلی تمام افریقیا پر قبضہ کرنے کا ارادہ کر رہا ہے۔ تاکہ افریقیا کے تمام باشندوں کی حفاظت کا اطمینان ہو سکے اور بربری نظام کا خاتمہ کیا جا سکے۔

آنند بھون الہ آباد میں آچاریہ کرپلانی جنرل سیکرٹری انڈین نیشنل کانگریس کی مس سچیتا مزمدار سے انڈین میرج ایکٹ کے ماتحت شادی ہوئی۔ اس تقریب میں ڈاکٹر سید محمود اور دیگر سرکردہ کانگریسین شریک ہوئے۔ مس مزمدار بنارس یونیورسٹی کے ایک پروفیسر کی لڑکی ہیں۔

عدیس ابابا کی خبر ہے کہ اب اٹلی کی فوجوں کا یہاں پہنچنا صرف دو ایک روز کی بات ہے۔ اٹلی کی توپوں کی آوازیں دلوں کو دہلا رہی ہیں۔ لوگ گھروں کو چھوڑ چھوڑ کر بھاگ گئے ہیں۔ غیر ملکی باشندوں میں سے ہندوستانیوں کی حالت بہت خراب ہے۔ کیونکہ وہ کس مپرسی کی حالت میں ہیں۔ حبش کے پاس سامانِ جنگ بالکل نہیں رہا۔

گذشتہ ہفتہ کو بندرگاہ جافہ میں جو یروشلم سے تقریباً تیس میل کے فاصلہ پر واقع ہے زبردست فساد ہوگیا۔ فساد کی وجہ یہ بتائی جاتی ہے کہ دو عربوں کی تجہیز و تکفین پر یہودیوں اور عربوں میں جھگڑا ہوگیا جس سے خطرناک صورت اختیار کرلی اور نوبت تصادم تک پہنچ گئی۔ کہا جاتا ہے کہ ایک یہودی کے قتل سے یہودیوں میں بڑا اشتعال پیدا ہوگیا۔ انہوں نے عربوں سے انتقام لینے کے لئے ان پر حملہ کر دیا۔ اور بہتوں کو مار ڈالا۔ مشتعل ہجوم کو منتشر کرنے کے لئے پولیس کو کئی بار ڈنڈا چارج کرنا پڑا اور ایک مرتبہ گولی بھی چلانا پڑی۔

رائن لینڈ کے ممنوعہ علاقہ میں جہاں کہ معاہدہ ورسیلز کی رو سے جرمنی کو فوجیں متعینات کرنے کی ممانعت ہے جرمن فوجوں کے چھوٹے چھوٹے دستے رات کے وقت داخل ہو جایا کرتے ہیں۔

نیا آئین ہندوستان کے لئے اس سے کہیں زیادہ خطرناک ہے جتنا کہ معاہدہ ورسیلز جرمنی کے لئے خطرناک تھا ہمارا رویہ صرف ایک ہی مسئلہ ہے اور وہ یہ کہ ہندوستان کے اس معاہدہ ورسیلز کو کس طرح نیست و نابود کیا جائے۔ جو اس مسئلہ کو حل کرنا چاہتے ہیں ان کو کانگریس کے فرمان پر عمل کرنا چاہیئے اور انتخابات میں کانگریس کے امیدواروں کو کامیاب بنانا چاہیئے۔ ان الفاظ میں سردار پٹیل(؟) آچاریہ نے حاضرین سے اپیل کی جبکہ آپ نے گذشتہ رات کانگریس ہاؤس میں ایک جلسہ کی صدارت فرمائی جس میں کانگریس میں شریک ہونے والے اصحاب نے کانگریس کے مقاصد کی وضاحت کی۔

دنیر جنگ مسٹر ڈف کوپر نے مانچسٹر میں فوجی مظاہرہ کے روبرو تقریر کرتے ہوئے فرمایا کہ یورپ کی موجودہ صورت حالات ۱۹۱۴ء سے بھی زیادہ خطرناک ہے

اس وقت خطرات پہلے کی نسبت بہت زیادہ ہیں اور زیادہ نقصان ہونے کا ڈر ہے۔ جنگ عظیم کے بعد اگر ہم نے کسی جانب واقعی کوئی ترقی کی ہے تو وہ تباہ کن ہتھیار تیار کرنے میں کی ہے۔

ڈاکٹر آر ڈیکر جو کہ گذشتہ چند روز سے الہ آباد میں ہی مقیم ہیں۔ والنٹیروں اور کارکنوں کی آل انڈیا کور کو دوبارہ قائم کرنے کے بارہ میں پنڈت جواہرلال نہرو سے تبادلہ خیالات کر رہے ہیں۔

ملکہ حبش نے اپنی پرنم آنکھوں کے ساتھ دنیا کے پریس سے دردناک اپیل کی کہ وہ حبش کے معاملہ کو دنیا کے سامنے ایمانداری کے ساتھ پیش کریں۔ ملکہ نے مزید فرمایا کہ حبش کی تاریخ میں یہ نازک ترین مرحلہ ہے۔ جو لوگ انصاف چاہتے ہیں ان کے لئے اب بھی ایک سخت غیر منصفانہ جنگ کا خاتمہ کرنے اور ایک غیر جارحانہ پُرامن اور آزاد قوم پر ایک شیطانی اور جارحانہ حملے کا جواب دینے کے لئے عملی کارروائی کرنے کا وقت ہے۔ معلوم ہوا ہے کہ حبشی دیگی سے کر دار الخلافہ سے ایک سو میل پرے تک سڑک اعظم کو کاٹنے میں مصروف ہیں اطالوی ہوائی جہاز ان پر متواتر بمباری کر کے ان کے کام میں مداخلت کر رہے لیکن کہا جاتا ہے کہ سڑک کا سلسلہ منقطع کرنے میں حبش والوں کو کامیابی ہوگئی ہے۔ دوسرے مقامات پر پہاڑی چشموں کے رخ کو تبدیل کر کے راستوں کو خراب کر دیا گیا۔

اسمبلی کے موجودہ سیشن کا اجلاس ختم ہوگیا۔ ٹیرف ایکٹ کے ترمیمی بل کی ان کلازوں پر مزید بحث ملتوی ہوگئی جو کہ سوتی موزہ بنیان اور دیگر بنے ہوئے سوتی مال سے تعلق رکھتی ہیں۔

ہندوستان کی فلمی صنعت

(از جناب عبد الاحد صاحب گورکھوری)

نسبتاً پچھلے فلموں کی بنیاد امریکہ میں پڑی یہی وہ ملک ہے جس نے خاموش فلم جنم دیا اور اس کے بعد ٹاکی نکالا یہ کہ گیا کہ اول اول یہ ملک ہی چیز تھی آج کل فرانس بہت عروج پر ہے۔ اس نے اپنی کوششوں سے فلم سازی کے ذریعہ وہ حیرت انگیز کام کئے کہ دنیا متحیر ہوگئی۔ ان مقامات کا سماں! دلکش نظارہ! قدیم عمارتیں۔ تاریخی واقعات۔ سائنس کی ایجاد وغیرہ یہ وہ چیزیں ہیں جو غریب ہندوستانی کے لئے خواب و خیال سے زیادہ اہمیت نہیں رکھتیں۔ اگر اس طرف توجہ دی جائے تو فلم کے ذریعہ اس قسم کے مشکل کام سرانجام دیئے جا سکتے ہیں۔

یورپ کے ممالک میں ایکٹروں کو کافی تنخواہیں ملتی ہیں۔ اور ان سے کام بھی پوری طرح لیا جاتا ہے اس کے برخلاف جب ہم ہندوستان کی ٹاکی فلموں پر سرسری نظر ڈالتے ہیں تو وہی حسن و عشق کے فرسودہ خیالات کا انبوہ نظر آتا ہے۔ اس وقت تک فلمسازی پر کوئی خاص توجہ نہیں دی گئی۔ آج پانچواں سال ہے ۱۹۳۱ء میں پہلا متکلم فلم "عالم آرا" چلا۔ اس کے بعد مدن تھیٹرز نے "شیریں فرہاد" نکالا۔ دونوں فلمی ڈرامے اپنی اپنی جگہ پر کامیاب رہے۔ پبلک کو یہ خیال تھا کہ اس کے بعد اور فلمیں اس سے زیادہ کامیاب رہیں گی۔ ان کا معیار ہر طرح سے بلند نظر آئے گا۔ مگر یہ امیدیں خاک میں مل گئیں۔ میرے خیال میں تو ان کی بہ نسبت خاموش فلم ہی اچھے ہوتے تھے۔ ٹاکی فلموں میں بہت سے ایسے ایکٹر بھی شامل ہوگئے جن کی نہ ادا کاری اچھی ہے نہ آواز

ایک ٹاکی فلم کو کامیاب بنانے کے لئے اچھی آواز اور اچھی زبان نہایت ضروری ہے۔ اگر ایکٹر اس زبان سے ناواقف ہے جس میں ڈرامہ لکھا گیا ہے تو یہ امر اچھی طرح سمجھ میں آسکتا ہے کہ وہ فلم کہاں تک کامیاب ہوگی کیونکہ وہ اداکار زبان سے ناواقف ہونے کے باعث نہ اس کے مفہوم کو سمجھ سکتا ہے اور نہ ڈرامہ نویس کے تخیلات کی اداکاری کو نبھا سکتا ہے۔

ہندوستان میں یہ خاص بات پائی جاتی ہے کہ فلموں کے زیادہ تر ایکٹر اور ایکٹریس زبان سے ناواقف ہوتے

(باقی اگلے صفحہ پر)

فلمستان

(بقیہ صفحہ ۳ سے آگے)

ہیں۔ جیا چاہئے وہ ڈرامہ اور اس کے مفہوم کو کند چھری سے ذبح کرتے ہیں۔ ایکشن (ACTION) سین سینری کا اتنا اثر نہیں ہوتا جتنا تلفظ کے بگاڑنے کا ہوتا ہے۔ اداکاروں کو چاہیئے کہ وہ فلم کی زبان سے پوری طرح واقف ہوں۔ یہی نہیں بلکہ گفتگو میں آرٹ پیدا کریں۔ کیونکہ آواز جذبات کی بہترین ترجمان تسلیم کی گئی ہے۔ آج دیکھنے میں آتا ہے کہ ایکٹروں کا ایکٹنگ تھیٹروں کی طرح ہوتا ہے۔ کیونکہ وہی لوگ جو زیادہ تر تھیٹروں میں کام کرتے تھے فلم کمپنیوں میں آ گئے ہیں۔

اگر ہندوستان کی فلم کمپنیاں اپنے فلموں کو ترقی دینا چاہتی ہیں تو پڑھے لکھے ایکٹروں کا رکھنا نہایت ضروری ہے۔

اس کے علاوہ ہندوستان کے نامور ڈرامہ نویسوں کی خدمات حاصل کریں۔ ایسا کرنے سے ہندوستان کی بے کاری کا مسئلہ بھی ایک حد تک حل ہو سکتا ہے۔ ہزاروں کی تعداد میں پڑھے لکھے نوجوان اس صنعت میں کام پر لگائے جا سکتے ہیں۔ ضرورت ہے کہ آج پڑھے لکھے نوجوانوں کی ٹریننگ کا معقول انتظام کیا جائے۔ تاکہ اس لائن میں انہیں پورا تجربہ ہو جائے اور کالج سے نکلتے ہی بمبئی اور کلکتہ کی خاک نہ چھانا کریں۔ اگر فلم کمپنیاں درحقیقت اس اہم صنعت کو فروغ دینا چاہتی ہیں تو ان کا فرض ہے کہ وہ موجودہ فلمی ماحول کو بڑی حد تک درست کریں اور اصلاحی فلمیں تیار کرنے کی طرف توجہ دیں۔

آج ہندوستان میں ایسا فلم نہیں ملے گا جس میں کسی فاتح قوم کی ترقی کے اسباب پر روشنی ڈالی گئی ہو۔ اور ان کی بہادری اور جاں نثاری کے حالات۔ سلطنت کا حُسنِ انتظام اور ترقی کے ذرائع دکھائے گئے ہوں۔

بچوں کے متعلق بھی بہت سی مفید باتیں پردۂ فلم پر دکھائی جا سکتی ہیں۔ جن کا اثر اُن کے دلوں پر ہوئے بغیر نہیں رہ سکتا۔ اس لئے اتنا عرض کر دینا ضروری سمجھتا ہوں کہ فلمی صنعت کی ترقی میں بہت گنجائش ہے مگر فلم کمپنیوں سے ادھر توجہ نہیں کی اگر وہ توجہ کریں تو آج ملک کا بہت کچھ اصلاح ہو سکتا ہے۔